شدت از قلم میرب حیات

حصہ اول

قیمت:500

نوٹ

اس ناول کے جملہ حقوق بحق "پرائم اردو ناولز" کے نام محفوظ ہیں۔ کسی بھی دوسری ویب سائیٹ، گروپ یا پیج پر پوسٹ کرنا منع ہے۔

All rights reserved to Prime Urdu Novels and the writer. Publishing this novel or any part of this story is prohabited to any

website, Channel, book or any

degital platform.

"وحشی۔۔۔جانور۔۔۔حیوان ہیں آپ۔۔!"

اپنی کلائی اسکی گرفت سے چھڑوانے کی کوشش

کرتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں چلائی تھی۔اسکی

مترنم آواز سن کر پسینے میں شرابور اس شخص کی

آنکھوں میں خون اترنے لگا۔اطراف میں پھیلا

ہجوم جو تھوڑی دیر پہلے "عالم۔۔عالم۔۔

عالم۔۔" کی گردان کر رہا تھا، اس پل عالم کو اسکے

پنچز کی زد میں دیکھ کر خاموش ہو چکا تھا۔ پھٹی

پھٹی بے یقین نگاہوں سے وہ اس باکسنگ کلب

کے بے تاج بادشاہ کو زود کوب ہوتا دیکھ رہے

تھے۔اپنے اندر کالاوا ٹھنڈا کرنے کو اسنے

لڑکھڑاتے عالم کے چہرے پر ایک اور پنچ مارا تھا

جسکی ناک سے خون نکلنے لگا تھا۔رِنگ میں کھڑا

ریفری اس صورتحال پر حق دق تھا۔

"خود کو انسان کہتے ہیں آپ۔؟؟

ہاں۔۔۔؟؟؟؟" نفرت سے اسکی جانب

دیکھتی وہ اسے رِنگ میں ہر جانب چیخی نظر آ رہی

تھی۔عالم کی حالت خراب کرتے ہوئے وہ خود

بھی ڈگمگا رہا تھا۔

اسکی سرد آنکھوں کی جلن بڑھتی جارہی تھی۔

"ارے آپ تو اس گدھ سے بھی بدتر ہیں جو

مردہ جسموں کو نوچتا ہے۔۔ہاں آپ بدتر

ہو۔۔۔بدترین ہیں۔۔!" وہ سسک اٹھی تھی۔

اسکے وجود میں پھیلتی گرمی لاوا بنتی اسکا فشار خون

بڑھانے لگی۔پے در پے وہ پنچنگ گلوز میں مقید

اپنے ہاتھوں سے عالم پر وار کرتا ساتھ ساتھ اسکے

کمزور حملوں سے اپنا دفاع بھی کر رہا تھا۔

"ارے اسے کوئی روکو یہ عالم کو مار ڈالے

گا۔۔۔!" رِنگ کے اطراف میں کھڑے

تماشائیوں میں سے کوئی چیخا تھا۔

"گدھ تو مردار کھاتا ہے سردار صاحب۔۔۔

آپ تو زندہ دلوں کو چیر دیتے ہیں۔روحوں کو

نگل جاتے ہیں۔۔۔ جسموں کو ادھیڑ کر اپنی

وحشتوں کو آرام دیتے ہیں۔۔" اسکی روتی ہوئی

آوازمیں بین تھے۔جو گرزمیں مقید پیروں کو

ماہرانہ اندازمیں آگے پیچھے حرکت دیتا وہ پلکیں

جھپکاتا عالم کو ادھ موا کر چکا تھا۔۔

نائن۔۔۔

ایٹتھ۔۔۔

سیون۔۔۔

کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکی تھی اور ساتھ ہی عالم

کی ہار بھی واضح ہو چکی تھی لیکن اسکے ہاتھ رکنے

کو تیار نہیں تھے۔

"سٹاپ۔۔سٹاپ اٹ۔۔۔!" ریفری کو درمیان

میں مداخلت کرنی پڑی لیکن عالم نے ہاتھ اٹھا کر

اسے روک دیا۔ اسنے بنار کے پھر سے عالم کے

چہرے پر مکا مارا تو وہ لڑکھڑا کر اوندھے منہ وہیں

گر گیا۔ پھر پلٹا اور سیدھا ہوتے مسکرایا۔

"ہِٹ می۔۔۔ ہِٹ می۔۔۔۔" ہونٹوں سے

خون صاف کرتا عالم ہنستے ہوئے چیخا۔ اسکی ہنسی

اسے مزید آگ لگا گئی تھی۔وہ اپنی پوری قوت

سے اس پر جھکا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں اسے روکو۔۔کوئی تو

روکو۔۔" تماشائی پھر سے چلائے تھے۔S

"مارنے دو۔۔مارنے دو۔۔۔" کہتے ہوئے بے

جان ہوتا عالم ہنوز ہنس رہا تھا۔ اسکا غصہ حد سے

سوا ہونے لگا۔

تھری۔۔

ٹو۔۔

اینڈ ون۔۔۔

گنتی ختم ہوتے ہی ریفری نے آگے بڑھ کر اسے

عالم سے دور کرنے کی کوشش کی جو یقیناً کافی

مشکل کام تھا۔ وہ گیم کے رولز توڑتا عالم سے گتھم

گتھا تھا۔

"جیت میری ہے۔۔ صرف میری۔۔۔" اسکے

جسم پر موجود بنیان اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں میں

جکڑے وہ اسکے کان میں غرایا تھا۔۔ عالم کے

لیے آنکھیں کھولنا مشکل ہو رہا تھا لیکن وہ مسکرا

رہا تھا۔

"تم ہار چکے ہو۔۔۔ تمہیں نظر نہیں آتا۔۔؟؟"

اسکی آنکھوں میں دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے

ہوئے عالم نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ بدلے میں

اسنے ایک بار پھر اسے مارا۔ اطراف سے ہٹ کر

کچھ آدمی رنگ میں داخل ہو کر ریفری کے ساتھ

مل کر عالم پر جھکے شیبی کو اس سے دور کرنے لگے۔

"مجھے ہرانا تمہارا ایک ایسا خواب ہے جو تم فقط

نیند میں ہی پورا کر سکتے ہو۔۔۔!" وہ ٹھہر ٹھہر کر

اپنے سرد ترین لہجے میں بولتا اسے جھٹکتا پیچھے ہٹا

تھا۔سیدھا ہوتے ہوئے اسنے خود کو سنبھالتے ان

چند مردوں کے ہاتھ جھٹکے جو اسے عالم سے دور

کرنا چاہ رہے تھے۔اپنے کندھوں کو دائیں بائیں

حرکت دے کر نارمل ہونے کی کوشش کرتا وہ

رِنگ سے باہر نکلنے لگا۔

"جب تم یہاں آئے تھے تت۔۔۔تو تم نے

کک۔۔۔کہا تھا وہ تم سے محبت کرتی ہے۔۔!"

اپنی ہتھیلیاں رنگ کی گداز سطح پر جما کر اٹھنے کی

کوشش کرتا عالم چلایا تھا۔اسکی بات پر شیبی کے

چلتے قدم رکے تھے۔قدم کیا رکے تھے۔۔پل

بھر کو سینے میں دھڑکتے سفاک دل کی گداز

دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہوئی تھیں۔

"جبکہ تمہاری یہ جیت کہہ رہی ہے کہ "تم" اس

سے محبت کرتے ہو۔۔۔!" تمسخرانہ لب و لہجے

میں کہہ کر وہ ایک بار پھر ہنسا تھا۔ خود پر ضبط

کرتے شیبی کے لیے وہاں سے آگے بڑھنا محال

ہوگیا۔ اسنے پلٹ کر خونخوار نظروں سے عالم کی

جانب دیکھا۔

"ڈیل پوری ہو چکی ہے۔۔ اس رِنگ میں تم آج

ہار چکے ہو لڑکے۔۔ اب کل کی جیت میری

ہے۔۔!" سرد ترین نظروں سے اسکی جانب

دیکھتے ہوئے شیبی نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ اپنی

ہار پر عالم ہنستا رہ گیا۔ البتہ اس ہار پر اسکی سرخ

آنکھوں میں آنسو تھے۔۔ وہ ایک بار پھر ہار گیا

تھا۔ شاید وہ اس شخص سے کبھی جیت ہی نہیں

سکتا تھا۔ یا شاید۔۔؟؟؟؟ وہ خود ہی ہارا تھا۔

کون جانے کیا ہوا تھا لیکن اتنا طے تھا کہ اب وہ

زندگی بھر رِنگ میں باکسنگ نہیں کرنے والا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

وسیع آسمان پر ٹمٹماتے ستارے رات کی سیاہی

میں چمک بھر رہے تھے۔چاند کے چہرے پر

لہراتے اکادکا بادل کبھی اسے ڈھانپ دیتے تو

کبھی اسکے چہرے سے لہراتی زلفوں کی طرح ہٹتے

اسکے گرد پھیلی چاندنی کو کھکھلانے پر مجبور کر

رہے تھے۔ اس چاندنی رات کی خوبصورتی کو

شدتوں سے محسوس کرتی اس بیالیس سالہ

عورت نے اپنے پھیلے ہوئے لبوں پر سرخ لپ

سٹک لگا کر انہیں مزید دو آتشہ کر لیا۔ اپنا شعلہ

جوالہ بنا روپ آئینے میں ایک بار دیکھ کر وہ

مسکرائی پھر کندھے سے ڈھلکتا ساڑھی کا پلو

درست کرتی اپنے کمرے سے نکل آئی۔ محتاط

انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ مخصوص

راستے پر چلتی ایک دوسرے کمرے کے

دروازے تک آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھولنے

سے پہلے اسنے ایک بار گردن گھما کر اطراف میں

دیکھا تھا لیکن رات کے تیسرے پہر چہار سُو سناٹا

پھیلا ہوا تھا۔ اسکے لب آپ ہی آپ مسکرائے۔

بازی اسکے ہاتھ میں تھی۔ اپنے اقدام پر سرشار

ہوتی وہ کمرے کے اندر آگئی۔ اندر آتے ہی اسکی

نگاہ رائٹنگ ٹیبل پر سر رکھے چیئر پر بیٹھے اس

سولہ سالہ لڑکے کی پشت پر گئی۔وہ جانتی تھی کہ

وہ پڑھائی کی دھن میں کتابی کیڑا بنے ساری

ساری رات جاگا کرتا ہے۔خاموشی سے دروازہ

بند کر کے وہ اسکی طرف گھومی جو دروازہ بند

ہونے کی آواز پر اپنا سر اٹھا چکا تھا۔یوں جیسے کچی

نیند سے جاگا تھا۔اس نے پلٹ کر نیند کے خمار

سے گلابی ہوتی اپنی سحر انگیز معصوم آنکھوں سے

اس عورت کی جانب دیکھا۔

"آپ۔۔۔؟؟؟" اپنی پیشانی پر بکھرے بالوں

میں ہاتھ چلاتا وہ پوچھتے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ گو وہ

صحت میں پتلا دبلا سا تھا لیکن اسکا لمبا قد کھڑے

ہو جانے سے واضح ہوا تھا۔ آنکھوں میں واضح

الجھن تھی۔

"ہاں میں ۔۔۔!" دلفریب انداز میں کہتی وہ قدم

قدم اسکی جانب بڑھی۔ اس عورت کی آنکھوں

سے پھوٹتی عجب چمک کی شعاعیں اس لڑکے کو

کراہیت آمیز احساسات سے دوچار کر رہی

تھیں۔

"آپ یہاں کیوں آئی ہیں۔۔؟؟؟؟" اس

عورت کو اپنے مقابل رکتے دیکھ اسنے کچھ گڑبڑا

کر پوچھا۔

"تمہیں نہیں پتہ۔۔؟؟" اسکے کندھے پر ہاتھ

رکھتے ہوئے اس عورت نے خط اٹھانے والے

انداز میں پوچھا۔ وہ ہنوز نا سمجھی سے اسکی جانب

دیکھ رہا تھا۔

"میاں بیوی ایک ساتھ ہی رہتے ہیں۔۔ اسی لیے

یہاں آئی ہوں۔۔!" اسکے مزید قریب ہوتی وہ

سرگوشیانہ بولی تو مقابل کے گلے میں گلٹی ابھر کر

معدوم ہوئی۔

"لل۔۔۔لیکن آپ تو۔۔۔

بھ۔۔۔بھائی۔۔۔!" وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس

عورت کے وجود سے پھوٹتی مسحور کن خوشبو

اسکے حواسوں پر طاری ہوتی اسے ہوش گنوانے

پر مجبور کر رہی تھی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔جو گزر چکا ہے اسکے

بارے میں مت سوچو۔۔۔مجھے دیکھو۔۔۔مجھے

محسوس کرو۔اب میں صرف تمہاری بیوی

ہوں۔۔!" وہ اس کے قریب سے قریب تر ہوتی

اسکے کان میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔ مقابل کو

اپنا حلق خشک سے خشک تر ہوتا محسوس ہو رہا

تھا۔ اسکے ماہر ہاتھ بڑی طراری سے اس نو عمر

لڑکے کے نقوش کو چھوتے اسے حواس باختہ کر

رہے تھے۔اس قربت سے مقابل کا جی متلانے

لگا لیکن وہ اپنی تمام تر حدود پھلانگتی اس کے

قریب تر ہو چکی تھی۔

"یہاں۔۔سے چل۔۔چلی جائیں پلیز۔۔۔

یہ۔۔۔یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔۔۔!"لڑکے کی

گھٹی گھٹی سے آواز نکلی تھی لیکن وہ اپنے نفس کی

دلدل میں اتری ہر حقیقت سے بے بہرہ ہو چکی

تھی۔ گہری رات دھیرے دھیرے سرکنے

لگی۔۔ گھڑی کی سوئیاں ایک دوسرے کے پیچھے

دوڑتی وقت کو بھگا لے گئیں۔۔ اور ایک معصوم

ذہن شیطانیت کی پراگندگی سے آشنا ہوتا اذیتوں

کا شکار ہو گیا۔

□♦□♦□♦□♦

"ہو۔۔۔ ہُو۔۔۔و۔۔۔ وُووو۔۔۔" تالیوں

کے بھرپور شور سمیت سٹیج سے نیچے کرسیوں

سے بھرا ہال روم اس وقت سٹوڈنٹس کی پرجوش

آوازوں سے گونج رہا تھا۔ آنکھوں میں خوشنما

رنگ اور ہاتھوں کو خوشی سے پیٹتے وہ سٹیج پر

ٹرانسلیٹرز کو بولتے اور کرداروں کو حرکت کرتا

دیکھ پچھلے دس منٹ سے خاموش تھے لیکن اب

سین ہی ایسا تھا کہ ہر لب پر شوخ فقرے اور ہر

آنکھ میں شرارت تھی۔

"سپیک رومیو۔۔۔ سپیک۔۔۔" ہاتھ کا مکا بنا کر

نعرہ لگانے والے انداز میں کچھ منچلے لڑکوں نے

سٹیج پر کھڑے اس لڑکے کو اکسایا تھا جو آنکھوں

میں رومیو کے جذبات لیے اپنی جولیٹ کو تک رہا

تھا۔ اسکے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اسکی جولیٹ

اس پل ہولے ہولے ڈانس کے سٹیپس لے

رہی تھی۔

"ڈُواٹ مین۔۔۔۔!"سٹوڈنٹس پھر سے چیخے

تھے۔لڑکیوں کی کھکھلاہٹیں عروج پر تھیں۔

سٹیج پر رومیو اور جولیٹ کے دائیں بائیں کھڑے

ٹرانسلیٹرز جن میں رومیو کے رول کو ٹرانسلیٹ

کرنے کے لیے لڑکا اور جولیٹ کے رول کو

ٹرانسلیٹ کرنے کے لیے لڑکی موجود تھی، ان

دونوں کے لبوں پر بھی دبی دبی سی ہنسی تھی۔ گو

موجودہ رومینٹک سین کو ان دونوں ہی کو محض

"پریٹینڈ" (دکھاوا) کرنا تھا لیکن اس پل رومیو کی

آنکھیں جولیٹ کے نقوش کو تکتی بہک رہی

تھیں۔ اپنے ہاتھوں پر اسکے مضبوط ہاتھوں کی

گرفت محسوس کرتی وہ پہلی بار اس شخص کی محبت

کی شدت سے کانپ رہی تھی۔ ان دونوں کی

کیفیات سے بے بہرہ ٹرانسلیٹرز نے ایک ساتھ

اگلے الفاظ ادا کیے تھے۔۔

"ایز ایٹ دی بال (بال ایک عیسائی مجلس جس

میں امیر غریب طبقہ شرکت کر کے رقص کرتا

ہے اور شادیاں طے کی جاتی ہیں) رومیو از اٹریکٹڈ

بائے اے گرل نیمڈ 'جولیٹ'۔ اینڈ دے سیل

دئیر لوو ود اے کِس۔۔!" (جیسا کہ بال میں رومیو

ایک جولیٹ نامی لڑکی کے لیے کشش محسوس

کرتا ہے اور دونوں اپنی محبت کو ایک بوسے سے

امر کرتے ہیں)

اگلے لمحات کا سوچتے ہوئے جہاں رومیو اور

جولیٹ کے دھڑکتے دلوں کی دھڑکنیں بے ہنگم

ہوئی تھیں وہیں سٹیج کے قریب ترین صوفوں پر

بیٹھی شخصیات میں سے ایک کی آنکھیں عجیب

احساس سے جل اٹھیں تھیں۔

"ہے ای رومیو ڈواٹ یار۔۔۔!" ہال میں شور

بڑھنے لگا۔۔ سٹیج کی جانب یک ٹک تکتی دو بھوری

آنکھوں میں برف سی جمتی ان کی رنگت غیر

کرنے لگی۔۔

"ڈونٹ ڈو دِز۔۔۔!" رومیو کی آنکھوں میں

دیکھتی جولیٹ کے لب بہت آہستگی سے

پھڑ پھڑائے تھے۔بے حد دھیمی آواز جسے رومیو

ہی سن پایا تھا لیکن اس پل اسے اپنے قریب دیکھ

کر وہ صرف اپنے دل کی شور مچاتی دھڑکنوں کو ہی

سن پا رہا تھا۔ بے خود ہوتا وہ اس کے حسین

چہرے پر جھکتا چلا گیا۔ رومیو کے اس ایکٹ پر

ہال روم میں شور بڑھتا چلا گیا۔ جبکہ اپنے چہرے

پر اسکی سانسیں محسوس کرتی جولیٹ ہوش میں

آتی اپنے کردار کے بالکل الٹ اپنا چہرہ پیچھے کر

گئی۔ اسکے ساتھ ہی فضا کو چیرتی ایک گرم ترین

سلاخ رومیو کی پیشانی کو چیرتی دوسری جانب سے

نکلتی چلی گئی جس کے نتیجے میں اسکے سر کو پیچھے کی

جانب ایک زور دار جھٹکا لگا تھا اور وہ لڑکھڑا کر

سیدھا ہوا۔ گھنے بال جو اسکی پیشانی پر ہمیشہ بچھتے

تھے اس پل بکھر گئے۔ پل بھر میں سرخ خون

کے چھینٹے جولیٹ کے چہرے پر پڑے تھے۔

اسنے پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے رومیوں کی

بے نور ہوتی آنکھوں کو دیکھا۔ چہرے کی سفید

رنگت پل میں زرد ہوئی تھی۔ سرخ لب درد کی

شدت سے پھڑ پھڑ ائے تھے۔

"با۔۔۔با۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ کچھ۔۔۔

نظ۔۔۔ر۔۔۔ن۔۔۔ نہیں آرہا۔۔۔!" سٹیج

پر گھٹنوں کے بل گرتے ہوئے اسکے حلق سے

بامشکل آواز نکلی تھی۔ پورے ہال میں پل بھر کو

سناٹا چھا گیا۔ وہاں موجود نفوس کے لیے سمجھنا

مشکل تھا کہ جولیٹ نے پہلے چہرہ پیچھے کیا تھا یا

رومیو کو بلٹ پہلے لگی تھی۔ منظر بدل چکا تھا،

تھوڑی دیر پہلے اسکی جانب پر شوق نگاہوں سے

تکنے والا رومیو موت کی آغوش میں جا رہا تھا۔۔

لیکن۔۔۔؟؟؟؟ سوال کیا تھا۔۔؟؟؟ ایکٹ کے

مطابق اسے ابھی نہیں مرنا تھا۔۔ہاں اسے ابھی

نہیں مرنا تھا۔۔ابھی تو جولیٹ اور اسکی محبت کو

پروان چڑھنا تھا۔۔؟؟؟؟اسے مرنا تھا

لیکن۔۔؟؟؟اسے تو فرضی طور پر مرنا

تھا۔۔؟؟؟ایسے ہی کئی سوالیہ نشان اسکے

سامنے آ کھڑے ہوتے اسکے حواس جھنجھوڑنے

لگے۔ سٹیج طلبا اور اساتذہ سے بھرنے لگا۔رومیو

کو سنبھالنے کی کوشش میں غلطاں وہ اس

صورتحال پر حیران پریشان تھے۔ لیکن وہ وقت

سے پہلے۔۔۔ جا چکا تھا۔ فرضی طور پر نہیں، شاید

حقیقی طور پر۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟ جولیٹ بے دم

ہوتی وہیں بیٹھتی چلی گئی۔ وہاں موجود تمام نفوس

نے گردن موڑ کر گولی چلانے والے کی جانب

دیکھا جو چہرے پر پتھریلے تاثرات سجائے

نفرت سے سٹیج پر گرتے رومیو کو دیکھ رہا تھا۔

اسکی پشت پر کھڑے آٹھ گارڈز کی گنز کا رخ ہال

روم میں براجمان ان تمام سٹوڈنٹس کی جانب ہی

تھا جس کا ایک ہی مطلب تھا کہ اس کے اس

اقدام پر اسکے سامنے اُف بھی نہ کی جائے۔ وہ

شان بے نیازی سے چلتا سٹیج تک آیا تھا اور بے

جان ہوتی جولیٹ کا بازو گھسیٹ کر اسے کھڑا کیا۔

اسنے خالی خالی نظروں سے مقابل کو دیکھا۔

دھندلی ہوتی آنکھوں میں رومیو کا خون آلود چہرہ

گھوم گیا۔ وہاں شور اور آوازیں حد سے بڑھ چکی

تھیں جن سے اسکے گارڈز نمٹ رہے تھے۔ اس

سفاک انسان کی جانب دیکھتی وہ اپنے ہوش و

حواس گنواتی چلی گئی۔ وہ بنا پرواہ کیے اسے

بانہوں میں بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ جبکہ

اسکے پیچھے۔۔۔کچھ دیر پہلے تک رومیو اور جولیٹ

کو دیکھ کر سلگتی شہد رنگ آنکھیں۔۔۔رومیو کے

بے جان وجود کو ہاتھوں میں لیے بھیگتی چلی

جا رہی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

سرسبز وشاداب درختوں سے مزین یہ آغا

علی یونیورسٹی کے مین کیمپس کا منظر تھا جہاں ہر

اورھ افراتفری کا عالم تھا۔ سیمسٹر کا آغاز تھا جس

کے باعث نیو کمرز بوکھلائے بوکھلائے نظر آرہے

تھے اور وجہ یقیناً بے وقوف بنائے جانے کا خوف

تھا۔ ایسے میں ہولے ہولے چلتی نرم ہوا کے

میٹھے جھونکوں سے لطف اندوز ہوتے سینئرز نئے

آنے والوں کی حالت سے حظ اٹھاتے خوب

مزے لوٹ رہے تھے۔ وہاں آنے والے ہر نیو

کمر کی طرح اسے بھی کلاس تک پہنچنے میں کسی

مشکل کے پیش آنے کی توقع تھی۔ کندھے پر

بیگ ڈالے، کندھوں سے پھسلتا دوپٹہ واپس سر

پر لیتے ہوئے وہ یونیورسٹی کے گیٹ کے قریب

ہی کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ یقینی طور پر وہ آ گے

بڑھنے سے گریزاں تھی۔ اسکے چہرے پر اڑتی

ہوائیاں چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ آج اسکا

یونیورسٹی میں پہلا دن ہے۔ وہ دس پندرہ منٹ

یونہی کھڑی رہی لیکن آگے تو بڑھنا ہی تھا، وہ

ابھی وہاں سے ہلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک

ایک لڑکا اسکے سامنے آگیا۔وہ حقیقتاً بوکھلائی

تھی۔"مجھے آپکی کوئی مدد نہیں چاہئیے۔۔۔!"

شہادت کی انگلی اٹھا کر اسکے بولنے سے پہلے ہی وہ

تنبیہی انداز میں بول اٹھی۔آنکھوں میں خوف

اور چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔

اسکے انداز پر مقابل کے پریشان چہرے پر پل

بھر کو مسکراہٹ نمودار ہو کر غائب ہو گئی۔

"لیکن مجھے تو آپکی ہیلپ چاہئیے ناں۔۔!" ایک

نظر تھوڑے فاصلے پر لڑکیوں اور لڑکوں کے

گروپ پر ڈال کر وہ سادگی سے بولا۔ ایک غیر

متوقع صورتحال پر وہ چونکی۔

"کیا مطلب۔۔؟" پلکیں جھپکا کر پوچھتی وہ

ہراساں لگ رہی تھی۔

"مطلب یہ کہ آپکی طرح آج میرا بھی یہاں

فرسٹ ڈے ہے اور مجھے اس گروپ نے ڈئیر دیا

ہے کہ گروپ کی لیڈر کے لیے آپ سے یہ بلیک

واچ لے کر آؤں۔ اگر میں نے یہ ڈئیر پورا نہ کیا

تو وہ لوگ میرا لیپ ٹاپ مجھے واپس نہیں کریں

گے۔۔!"لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ اسکی

کلائی میں چمکتی بلیک واچ کی طرف انگلی سے

اشارہ کرتا، بے چارگی سے بولا۔

"پلیز ہیلپ می۔۔!" اسے اپنی جانب

مشکوک نگاہوں سے تکتا پا کر وہ پھر سے بولا

تھا۔" اور آپکو کیوں لگتا ہے کہ میں آپکی ہیلپ

کروں گی۔۔؟؟" مقابل کو مشکل میں دیکھ کر وہ

کچھ سنبھل کر بولی۔ اسکا کمزور اعتماد قدرے

بحال ہوا تھا۔

"کیونکہ پھر میں بھی آپکی ہیلپ کروں گا

ناں۔۔!" وہ مسکرا کر بولا۔

"لیکن میں نے کہا تو ہے کہ مجھے آپکی کوئی ہیلپ

نہیں چاہئیے۔۔!" اسنے تیزی سے کہا۔

"ارے ایسے کیسے نہیں چاہیئے۔۔۔ کیا آپکو بنا

وقت ضائع کیے اپنے ڈیپارٹمنٹ تک نہیں

جانا۔۔؟؟؟ جانا ہے ناں۔۔؟؟" قدرے دھیمے

لہجے میں وہ فرفر بول رہا تھا۔

"ہاں جانا تو ہے لیکن۔۔" وہ گڑبڑائی۔۔ اسے

سمجھ نہ آئی کہ کرے تو کرے کیا۔

"تو بس پھر۔۔ میں اس یونیورسٹی کا چپہ چپہ چھان

چکا ہوں۔۔ آپ مجھے بتادیں کہ آپکو کس

ڈیپارٹمنٹ تک جانا ہے میں یہاں پچھلے راستے

سے آپکو لے جاتا ہوں بس بدلے میں آپ مجھے

یہ گھڑی دے دیں۔۔!" سنجیدہ سی شکل بناتے

ہوئے وہ قدرے معاون انداز اپنائے گویا ہوا

تھا۔ اس بار وہ حقیقتاً سوچ میں پڑ گئی۔

"سوچ کیا رہی ہیں پلیز جلدی کریں۔۔میں نے

بھی اپنی کلاس لینی ہے۔۔!"

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ اگر آج آپکا بھی

فرسٹ ڈے ہے تو آپ یونیورسٹی کے چپے چپے

سے کیسے آگاہ ہیں۔۔!" بھنویں اچکاتی وہ کھوج

لگانے والے انداز میں بولی۔۔مقابل کو ماننا پڑا

کہ وہ صرف دکھنے کی حد تک ہی معصوم ہے۔

"توبہ کتنی شکی ہیں آپ۔۔۔محترمہ میرے

دونوں بڑے بھائی اس یونی کے ٹاپرز ہیں اور میں

آج سے پہلے لاتعداد مرتبہ یہاں آچکا

ہوں۔۔بس اسی لیے۔۔اب چلیں۔۔۔؟؟؟"

دانت پیس کر اسے صفائی دیتا وہ جھنجھلا گیا۔اس

تفصیل پر اسے کافی حد تک یقین آگیا۔

"یا اللہ کہاں پھنس گیا میں۔۔" آسمان کی جانب

دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔ وہ اسکی بڑبڑاہٹ نظر

انداز کرتی اسے ڈیپارٹمنٹ بتانے لگی۔

"یہاں سے آیئے۔۔!" اسے ساتھ لیے وہ

پارکنگ ایریا کی سائیڈ سے گزرنے لگا۔ وہ بھی

دل ہی دل میں خیریت سے ڈیپارٹمنٹ پہنچنے کی

دعائیں کرتی اسکے پیچھے چلنے لگی۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں

ہمیں کم از کم ایک دوسرے کا نام تو پتہ ہونا

چاہیئے۔۔!" اسکی طرف پلٹتے ہوئے وہ خوش

اخلاقی سے گویا ہوا۔

"میں اسکی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔۔!"

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ سر جھکائے چلتی

بے دلی سے بولی۔

"ہو سکتا ہے کہ فیوچر میں آپ سب سے زیادہ

اسی کی ضرورت محسوس کریں اس لیے میں بتا

دیتا ہوں۔میرا نام سجانی ہے۔۔اور۔۔میں سکھر

سے انٹر میڈیٹ کے بعد سیدھا یہاں آیا

ہوں۔۔!" دانت نکوستے ہوئے وہ بڑی بے تکلفی

سے گویا ہوا۔ وہ لب بھینچے اسکی باتوں کو ایک کان

سے سن کر دوسرے کان سے نکالتی چلتی جا رہی

تھی۔

"ویسے تو میں بہت انٹیلیجنٹ اور ہینڈسم ہوں

لیکن میرے دونوں بھائی مجھ سے بہت آگے

ہیں۔۔ان دونوں نے بھی اپنی یونی لائف بڑی

شرافت سے گزاری ہے اور کبھی کسی لڑکی کو یوں

تنگ نہیں کیا جیسے یہ سینئرز کرتے ہیں۔۔!" وہ

لڑکیوں کی طرح کبھی منہ بسورتا تو کبھی ہاتھ

بالوں میں چلاتا پٹر پٹر بولتا چلا جارہا تھا۔

"اور پتہ ہے میرے شاہو بھائی تو بہت اچھے باکسر

بھی ہیں اور مون بھائی کی تو کیا ہی بات ہے وہ

پورے۔۔۔" اسکی تیزی سے چلتی زبان سے

عاجز آتی وہ بول پڑی۔

"فار گاڈ سیک سجانی۔۔ اپنا بھائی نامہ بند کرو مجھے

یہ سب سننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔!"

باقاعدہ ہاتھ جوڑے وہ چڑ کر بولی تھی۔ لیکن وہ

برا ماننے کی بجائے ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

"لو دیکھو۔۔۔پڑ گئی ناں ضرورت۔۔۔لے لیا ناں

میرا نام۔۔۔!" وہ ہنستے ہوئے بولا تو ناچاہتے

ہوئے بھی وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔ عجیب انسان

تھا الٹی سیدھی باتیں کر کے اسے اپنا نام لینے پر

مجبور کر ہی دیا تھا۔

"اور کتنی دور ہے۔۔؟؟" سجانی کی جانب دیکھتے

ہوئے اسنے آہستگی سے پوچھا۔

"بس آگیا۔۔!" وہ اسے ایک الگ تھلگ بلڈنگ

میں لے کر گھس گیا جہاں اس وقت کوئی بھی

نہیں تھا۔

"یہ بالکل سامنے۔۔۔" سبحانی نے اشارے سے

سامنے اشارہ کیا جہاں کافی بڑا دروازہ بند تھا۔

یقیناً کوئی ہال روم تھا۔

"اس ہال روم کو کراس کر کے اسکے دوسرے

دروازے سے باہر نکلیں گی ناں آپ تو آپکے

ڈیپارٹمنٹ کا گراؤنڈ شروع ہو جائے گا۔۔بس

اس سے آگے آپکی منزل ہے۔۔!"نرمی سے

مسکراتے ہوئے اسنے کہا۔

"تھینکیو۔۔!"مروتاً مسکرا کر اسنے بھی جواب

دیا۔

"نیڈڈناٹ۔۔اب یہ واچ دے دیں پلیز۔۔!"

وہ عجلت بھرے انداز میں بولا تو ایک نظر اپنی

کلائی پر ڈال کر اسنے دوسرے ہی پل گھڑی اتار

کر اسے دے دی۔ وہ گھڑی تھام کر اسے تھینکیو

کہتا وہاں سے پلٹ گیا تو وہ خود بھی سکون کا سانس

لیتی اس ہال روم کی جانب بڑھی۔ دروازہ کھول

کر اسنے اندر جھانکا جہاں گھور اندھیرا تھا۔ پلکیں

جھپکاتے ہوئے اسنے اس اندھیرے میں دوسرا

دروازہ تلاشنے کی کوشش کی لیکن ناکام۔۔ اس

سے پہلے کہ وہ پلٹتی کسی نے اسے اندر دھکا دیا تھا

اور دھڑام سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔۔

اسکا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔جوتوں کے نیچے

کرکتی مٹی بتارہی تھی کہ وہاں سالوں سے کسی کا

آنا جانا نہیں ہے۔

"ہے ای مس یونیورس۔۔انجوائے دی وائسز

آف ریٹس اینڈ والز۔۔۔!"قہقہہ لگاتے کچھ

سٹوڈنٹس باہر سے بولے تھے جن میں یقیناً

سبحانی کی آواز بھی شامل تھی۔اسنے تیزی سے

آگے بڑھ کر دروازہ بجایا۔

"سبحانی۔۔۔ سبحانی یہ تم ہو۔۔۔ دروازہ کھولو

پلیز۔۔۔ سبحانی۔۔۔!" آنکھوں میں تیزی سے

بھرتے آنسوؤں کو حلق میں انڈیلتی وہ چیخی

تھی۔

"بے بی ڈول تھوڑی دیر اس ڈئیر کو انجوائے کرو

پھر ملاقات ہوتی ہے۔۔!" خباثت سے بولتا وہ

سبحانی ہی تھا۔ کمرے میں کیڑے مکوڑوں اور

چوہوں کی عجیب و غریب سی آوازیں گونج رہی

تھی۔ اسکا سانس خشک ہونے لگا۔

"میں نے تمہیں واچ دے دی تھی پھر کس بات

کا ڈئیر۔۔مجھے نکالو یہاں سے۔۔!" دروازہ بجاتی

وہ چیخی۔۔قدموں کی آہٹ دور ہوتی جارہی

تھی۔

"چل آجا سجانی۔۔!" شاید کسی نے سجانی کو پکارا

تھا۔ تو یعنی وہ سب وہاں پہلے سے موجود تھے۔۔

؟؟؟ سوچتے ہوئے اسکی نم آنکھوں سے آنسو

بہنے لگے۔

"سبحانی۔۔۔!" اسنے پھر سے اس لڑکے کو

پکارا۔۔

"ڈونٹ وری اباؤٹ یور واچ۔۔یہ میں اپنی گرل

فرینڈ کو گفٹ کر دوں گا۔۔!" مٹھی میں مقید

گھڑی کو ہتھیلی پر اچھالتا وہ ہنستے ہوئے بولا۔ہال

روم کا دروازہ بے چینی سے پیٹتی وہ شدید بے بسی

محسوس کر رہی تھی۔

"سبحانی رکو یوں مت کرو۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔

سبحانی۔۔۔!" چلاتے ہوئے اسکے آنسو بے اختیار

بہتے چلے جا رہے تھے۔ باہر سے قدموں کی

آہٹ دور سے دور ہوتی چلی گئی۔ خوف اور

گھبراہٹ سے اسکا برا حال ہونے لگا۔ دروازے

کے بالکل ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اسنے سوئچ بورڈ

تلاشنا چاہا لیکن اسکا ہاتھ مکڑی کے ایک جالے پر

پڑا تھا۔ وہ چیختی چلاتی دیوار سے دور ہوئی تو کسی چیز

سے ٹکرائی۔۔ ٹکرانے کے باعث وہ چیز جو کہ

شاید ایک دوسرے کے اوپر رکھے گئے بنچز تھے

ہلتے، کچھ گرتے کمرے کی خاموشی میں عجیب سی

ہولناکی برپا کر گئے۔ اسکی آنکھیں اس دبیز

تاریکی کے پار کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھیں۔

اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی وہ ہچکیوں سے روتی

دروازے کی طرف پلٹی اور پھر سے دروازہ

بجانے لگی۔

"ہہ۔۔۔ہیلپپپ۔۔۔کک۔۔۔کوئی

ہے۔۔۔؟؟؟ہیلپ۔۔۔۔ہیلپ۔۔۔!"زورو

شور سے دروازہ بجاتی وہ روتے ہوئے چلا رہی

تھی۔۔

"ہیل۔۔ آہ۔۔ آی۔۔۔ ابی جی۔۔۔۔۔۔۔!"

اسکے پیروں سے نرم گداز جسم گزر کر گیا تو وہ

بری طرح اچھلتی مزید چیخی لیکن شاید وہاں کوئی

بھی اسکی پکار سننے والا نہیں تھا۔ وہاں چوہوں کی

آوازوں سے پتہ چل رہا تھا کہ انکی بھر مار ہے۔

فضا میں رچی گرد سے اسکا سانس بند ہونے لگا تھا

لیکن ہمت کرتی وہ دوبارہ دروازہ بجانے لگی لیکن

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسکی امید دم توڑتی

جا رہی تھی۔

"ابی جی۔۔۔ابی۔۔۔جی۔۔۔مجھے بچالیں۔۔۔

ابی جی۔۔۔!" بے دم ہوتی وہ سسکتے ہوئے

بامشکل بڑبڑائی تھی۔

"کوئی ہے۔۔۔۔؟؟؟ ہیلپ۔۔۔پپ

۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔۔۔ہیلپ۔۔۔!" اپنے

خشک ہوتے گلے سے وہ شاید آخری بار چلائی

تھی۔کمرے میں چھایا سکوت اور اسے توڑتی

بھگدڑ مچاتے چوہوں کی آوازیں اسکے حواسوں پر

خوف طاری کررہی تھیں۔رورو کر بیٹھ چکی آواز

اب مزید تعاون سے انکاری تھی۔بند کمرے

میں اسکا سانس گھٹنے لگا تھا۔آنکھیں اندھیرے

سے وحشت زدہ ہوتی بند ہونے کے قریب

ہوگئیں۔شاید ایک آخری امید کے طور پر

دروازہ بجاتی وہ وہیں بیٹھتی چلی جارہی تھی جب

اسکے گم ہوتے حواسوں نے بھاری قدموں کی

آہٹ سنی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ زمین بوس

ہو جاتی کسی نے باہر سے دروازہ کھول دیا نتیجتاً وہ

آنے والے کے بازوؤں میں جا گری تھی۔ بند

ہوتی آنکھوں نے جو دھندلا چہرہ دیکھا تھا اسنے

اسکے حواس سمیت دھڑکنوں کو بھی منجمد کر دیا

تھا۔ جبکہ اسے ایک عرصے بعد اس حال میں دیکھ

کر مقابل کے ہوش بھی اڑے تھے۔ بھیگی پلکیں

بند ہوتی اسے ماضی کے تلخ ابواب میں دھکیلتی

چلی گئیں۔

□♦□♦□♦□♦

یہ ضلع سکھر کے ایک دین دار لیکن حقیقتاً مالدار

گھرانے کا منظر تھا جہاں کی مضبوط اونچی

دیواروں میں مقید کئی سید زادیاں اپنی زندگانی کو

اپنے باپ داد کے احکامات کے مطابق

گزارنے پر مجبور تھیں۔ ان گنت ملازمائیں جو

زنان خانے اور مردان خانے کے فرق سے بالاتر

پوری حویلی میں ہر وقت چاق وچوبند کام کرتی

نظر آیا کرتی تھیں، انھی میں ایک سانولی سلونی

رنگت پر دو بھنورا آنکھیں سجائے زہرہ بھی شامل

تھی جو کام کے ساتھ ساتھ ہر پل اپنی نظریں

حویلی کی راہداریوں میں بچھائے رکھتی کسی کی راہ

تکا کرتی تھی۔ آج بھی معمول کے مطابق کام

کرتے کرتے گرم صبح سے ٹھنڈی شام ہونے کو

آئی تھی لیکن صبح کا بھولا ابھی تک گھر نہیں لوٹا

تھا۔

"اے زہرہ۔۔۔ سعیدہ بی بی سے جو سامان لانے

کو کہا تھا وہ لائی ہو یا نہیں۔۔؟؟" اپنی کمرے سے

نکلتی صندل بیگم نے اس پر نظر پڑتے ہی کرخت

لہجے میں پوچھا۔ اپنے خیالوں سے چونکتی وہ انکی

طرف پلٹی۔

"بیگم صاحبہ وہ تو دوپہرے میں ہی اماں نے بڑی

بیگم کو لا کر دے دیا تھاناں۔۔!" اپنے دوپٹے کے

پلو کا کونہ مروڑتی وہ جلدی سے بولی جبکہ اس

جواب پر صندل کی آنکھیں غصے سے ابل پڑیں۔

"تم پاگل ہو یا تمہاری ماں پاگل ہے لڑکی۔۔؟؟

وقار نے وہ سامان مجھے پہنچانے کو کہا تھا اور

تمہاری ماں نے جا کر۔۔۔ افففف۔۔۔ بلاؤز را

اپنی ماں کو۔۔۔بلاؤ۔۔۔!" وہ اپنا غصہ ضبط کرتی

دھیمی آواز میں چیخی تھیں۔

"لیکن۔۔۔چھوٹے سرکار نے کہا تھا کہ سعیدہ بی

بی سے لے کر وہ سامان ان کی بیگم سرکار کو دینا

ہے۔۔تو وہ بھی تو چھوٹے سرکار کی بیگم ہی ہیں

ناں۔۔۔اب سرکار نے یہ تھوڑی بتایا تھا کہ آپکو

دینا ہے یا ان کو۔۔۔!" سادگی سے آنکھیں

پٹپٹائی وہ معصومیت سے بولتی چلی گئی۔ جبکہ اسکے

الفاظ نے جلتی پر مزید تیل کا کام کیا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔اتنی بھولی نہیں ہے تمہاری

ماں۔۔جان بوجھ کر اس ناجیہ کی دم سے چپکی

رہتی ہے۔۔اسی لیے ہر کام اسکی مرضی کے

مطابق کرتی ہے، آجانے دو آج وقار کو۔۔

تمہارا اور تمہاری ماں کا علاج تو میں کرواتی

ہوں۔۔!"غصے سے کھولتی وہ آگ برساتی

بولیں۔ان کے سخت لہجے سے خائف ہوتی وہ

نظر جھکا گئی۔

"بھابھی بیگم اتنا غصہ کس بات پر کیا جارہا

ہے۔۔؟؟اب کیا کارنامہ کر دیا اس میٹھی

نے۔۔؟؟" دبیز قالین پر قدم رکھتا وہ ان دونوں

کے قریب آتا پوچھ رہا تھا جبکہ اسکی آواز اور طرز

تخاطب پر زہرہ کا دل شدتوں سے دھڑکا۔۔

اسکے لبوں سے اپنے لیے ہمیشہ کی طرح" میٹھی "

سن کر اس کی جھکی نظر مزید جھکتی چلی گئی۔

"ہونہہ۔۔اسی سے پوچھو۔۔یہ اور اس کی ماں

کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔۔!" نخوت سے

جواب دیتی وہ پلٹ گئیں۔ انکے چلے جانے پر وہ

تاسف سے سر ہلاتا اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"روتو نہیں رہیں۔۔؟؟؟" اسکے جھکے سر کی

طرف دیکھتے ہوئے اسنے نرمی سے پوچھا۔ اسکے

سوال پر نظریں اٹھاتے ہوئے زہرہ نے نفی میں

سر ہلایا۔

"اب تو عادت ہو گئی ہے سرکار۔۔!!"لبوں پر

دھیمی مسکراہٹ سجا کر اسنے سادگی سے کہا تو وہ

بھی مسکرا دیا۔

"یعنی سمجھدار ہو گئی ہو۔۔!"وہ ہنستے ہوئے بولا۔

بدلے میں وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"سعیدہ بی بی سے مل لیے آپ۔۔؟؟ وہ آپکو

بہت یاد کرتی ہیں۔۔!" اسے ارد گرد کا جائزہ لیتے

دیکھ وہ آہستگی سے بولی۔

"پہلے انہی کے پاس گیا تھا لیکن وہ اپنے حجرے

میں مریدنیوں کے ساتھ مشغول ہیں۔۔اب

شاید عشاء کے بعد ہی ان سے ملنے کا موقع ملے

گا۔۔!" کندھے اچکاتے ہوئے اسنے لاپرواہی

سے کہا۔ اسکی نظریں سامنے ہی سیڑھیوں سے

اوپر ریلنگ کے آس پاس بھٹک رہی تھیں جبکہ

زہرہ چور نگاہوں سے اس بلند قامت شخص کو بار بار دیکھ رہی تھی۔

"آپ آتے بھی تو بہت مہینوں بعد ہیں۔۔ اتنا کہ انتظار کرتے کرتے آنکھیں تھک جائیں۔۔!"

بے خود ہوتی وہ بڑبڑائی تو وہ چونکا۔

"کچھ کہا تم نے۔۔۔؟؟" اسنے پوچھا۔

"نہیں سرکار۔۔میں پوچھ رہی تھی کہ۔۔۔؟؟

حدیبہ بی بی کو بتادوں کہ آپ آئے ہیں۔۔؟؟"

اس کی بے تابی بھانپتے ہوئے زہرہ نے مسکراتے

ہوئے پوچھا۔حدیبہ کے نام پر اسکی آنکھوں کی

چمک بڑھ گئی جسے سمجھنے سے وہ سترہ سالہ لڑکی

قاصر تھی۔

"آہ میٹھی۔۔ تم کتنی جلدی میرے دل کی بات

جان لیتی ہو۔۔!" وہ خوشدلی سے ہنسا تھا۔

"کہاں ہیں وہ؟؟ اپنے کمرے میں ہی ہیں

ناں۔۔؟؟" اسنے بے قراری سے پوچھا۔

"جی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنے کمرے میں گئی

ہیں۔۔ آپ بیٹھئے میں انہیں یہیں بلا لاتی

ہوں۔۔!" زہرہ نے جلدی سے کہا۔

"ارے نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں خود

چلا جاتا ہوں۔۔!" اسے منع کرتا وہ سرعت سے

سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔ اسکی پشت کو دیکھتی

وہ حسرت زدہ سی مسکرا دی۔ حدیبہ سے اسکی

اٹیچمنٹ سے سب ہی واقف تھے لیکن یہ

اٹیچمنٹ کیا رنگ لانے والی تھی اس سے وہ قطعی

انجان تھی۔

□♦□♦□♦□♦

آئینے کے سامنے کھڑی حدیبہ نے گیلے بالوں کو

جھٹکتے ہوئے تولیہ بیڈ پر اچھالا۔ غلافی آنکھوں

کی بھیگی پلکیں جھپکاتے ہوئے وہ اداس نظروں

سے آئینے میں بنتے اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔

کندھوں تک آتے بالوں سے ٹپ ٹپ گرتی پانی

کی ننھی بوندیں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے

اسکی نظر ٹھٹھکا گئیں۔ آئینے میں اچانک واضح

ہوتا ایک دوسرا عکس اپنے خیالوں میں کھوئی

حدیبہ کو چونکا گیا۔ وہ سرعت سے پلٹی اور بیڈ سے

اپنا دوپٹہ اٹھا کر کندھوں پر پھیلا لیا۔

"تمیز بھول گئے ہیں آپ فدا سائیں۔۔؟؟"

ماتھے پر ناخوشگوار لکیروں کا جال لیے اسنے سلگتے

ہوئے لہجے میں پوچھا۔ اسکی سیاہ بھنویں سکڑ کر

آپس میں ملتی اسکے غصے کا پتہ دے رہی تھیں۔

"کیا بدتمیزی کی ہے میں نے۔۔؟؟" آنکھوں

میں جذبات کی قندیلیں روشن کیے قدم قدم

اسکی جانب بڑھتا وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"بنا اجازت کسی سید زادی کے کمرے میں آنا

بد تمیزی نہیں تو اور کیا ہے۔۔؟؟"وہ بھرپور

سنجیدگی سے بولی تھی۔اسکے جواز پر وہ کچھ حیرت

سے مسکرایا۔

"حیرت ہے۔۔مجھے آپ کے کمرے میں آنے

کے لیے کب سے اجازت کی ضرورت پڑ گئی بی

بی۔۔؟؟"اسکے مقابل آکر ٹھہر تا وہ حیرانگی سے

پوچھنے لگا۔حدیبہ کی آنکھوں میں اسے اپنے

سامنے دیکھتے ہوئے شعلے سے جلنے لگے۔

"آپ بہت اچھے سے جانتے ہیں۔۔!" وہ خود پر

ضبط کرتی اسے گھورتی ہوئے بولی۔

"باخدا میں کچھ نہیں جانتا۔۔اگر آپ کو علم ہے

تو مجھے بھی بتائیں۔۔!" میٹھی نگاہوں سے اسے

دیکھتا وہ دھیمی آواز میں بولا۔ اسکی نگاہوں کی

تپش سے حدیبہ کی پیشانی تپنے لگی۔

"کیا آپ واقعی نہیں جانتے کہ بابا سرکار نے

آپکے اور میرے لیے کیا فیصلہ کیا ہے۔۔؟؟؟"

اسکی معصومیت پر حیران ہوتی وہ ایک ایک لفظ

چبا کر بولی۔ جبکہ اسکے غصے کی وجہ سمجھتا وہ بے

ساختہ ہنسا تھا۔

"اوہ۔۔ اچھا تو اس وجہ سے مزاج گرم ہیں۔۔!"

اپنا نچلا لب دانتوں میں دباتا وہ شوخ ہوا تھا۔

"فار گاڈ سیک فدا۔۔ ہنسنا بند کریں۔۔ نہیں کرنی

مجھے یہ شادی۔۔۔!" اپنے لہجے کی تلخی چھپانے کو

بے حال ہوتی وہ تڑپ کر بولی جبکہ اسکے واضح

انکار پر فدا کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ معدوم

ہوئی تھی۔

"اور اس کی وجہ۔۔؟؟؟" وہ حیران تھا۔

"کیا آپ نہیں جانتے۔۔؟؟؟" حدیبہ کی

آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اسکی گھنیری پلکوں پر

چمکتی نمی فدا کے دل میں بے چینیاں سی بھر گئی۔

"میں واقعی نہیں جانتا۔۔ لیکن۔۔ آپ کو پتہ ہونا

چاہئیے کہ آپ تایا سرکار کے فیصلے سے انحراف

نہیں کر سکتیں۔۔!" وہ ٹھہر ٹھہر کر کچھ سنجیدگی

سے بولا۔

"ہاں لیکن آپ تو کر سکتے ہیں ناں فدا۔۔؟؟؟"

"اور آپکو کیوں لگتا ہے کہ میں کروں گا۔۔؟؟"

الٹا سوال داغا تھا۔

"کیونکہ میں کہہ رہی ہوں۔۔!" اسکی ڈھٹائی

سے چڑتی وہ چیخ گئی۔ اسکے ضدی انداز پر وہ زرا سا

مسکرایا پھر قدرے جھک کر اسکی آنکھوں میں

دیکھا۔

"آپ کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا بی۔۔ فدا

حسین آپکی یہ بات کبھی نہیں مانے گا۔۔!" اپنے

ایک ایک لفظ پر زور دیتا وہ مضبوط لہجے میں گویا

ہوا۔ اسکے جواب پر حدیبہ کی بھیگی آنکھوں سے

آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھک آئے۔ اپنے لب

بھینچتے ہوئے اسنے دونوں ہاتھوں سے فدا کو

پیچھے کی جانب دھکا دیا۔

"تو پھر میں بابا سرکار کے اس فیصلے سے انحراف

کروں گی۔۔۔لیکن آپ سے شادی نہیں کروں

گی۔۔!"شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے تنبیہی انداز

میں کہتی وہ اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

"اتنا غصہ نہ کریں بی بی۔۔ آپ کچھ نہیں کر پائیں

گی۔۔ شادی کی عمر ہو چکی ہے آپکی، اب آپ

صرف شادی ہی کریں گی۔۔!" اسکے لفظوں کے

ساتھ ساتھ اسکی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

اسکا اطمینان دیکھ کر حدیبہ کا روم روم سلگنے لگا۔

"اور آپ۔۔۔؟؟ کیا آپکی عمر ہو گئی شادی کی

ہاں۔؟؟؟" پوچھتے ہوئے وہ تمسخرانہ ہنسی تھی۔

آنکھیں ضبط سے گلابی پڑ رہی تھیں۔

"جب مرد یا عورت بالغ ہو جائے تو وہ شادی کے

قابل ہو جاتا ہے اور الحمدللہ میں بالغ ہوں اور

شادی کے قابل ہوں۔۔!" اپنے ہاتھوں کی

مٹھیاں بھینچ کر انہیں پشت پر باندھتا وہ اس بار

سنجیدگی سے بولا۔

"اس لحاظ سے تو میری شادی بارہ سال پہلے ہی

ہو جانی چاہئیے تھی۔۔ کیونکہ میں تو بارہ سال پہلے

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

ہی شادی کے قابل ہوگئی تھی۔۔!" اسکا جواب

حدیبہ کو آگ لگا گیا تھا اسی لیے شرم ولحاظ

بالائے طاق رکھ کر بول پڑی۔

"تب میں آپ سے شادی کے قابل نہیں تھا ناں

بی بی۔۔ ابھی آپ بیس سال کا دولہا قبول نہیں کر

رہیں تب آٹھ سال کا دولہا کیسے قبول

کرتیں۔۔!" وہ بڑی سادگی اور سنجیدگی سے بولا

تھا۔۔حدیبہ کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگیں۔

" آپ اب بھی مجھ سے شادی کے قابل نہیں

ہیں کیونکہ بھلے ہی آپ بوڑھے ہو جائیں آپ

کے اور میرے درمیان ہمیشہ یہ دس سال حائل

رہیں گے فدا سائیں۔۔ یہ بات سمجھ نہیں آتی

آپکو۔۔۔؟؟؟"ضبط کا دامن چھوڑتی وہ چیخی

تھی۔اسکی بات پر وہ لب بھینچتا نظر جھکا گیا۔

"کیوں نظر نہیں آرہا آپکو ہاں۔۔؟؟؟ کیسے کر

سکتے ہیں آپ فدا۔۔؟؟ شرم نہیں آئی

آپکو۔۔۔؟؟ ایک بار بھی نہیں۔۔۔؟؟؟"

اسکا گریبان اپنی مٹھیوں میں جکڑ کر پوچھتے ہوئے

وہ رو دی۔۔ وہ نظریں جھکائے کھڑا رہا۔

"کیوں مجھے ذہنی اذیت سے دوچار کرنا چاہتے ہیں

کیوں۔۔۔؟؟؟؟ آپ کو ہمیشہ چھوٹا بھائی سمجھا

ہے میں نے اور آپ۔۔۔؟؟؟ آپ کیا کر رہے

ہیں فدا۔۔۔؟؟؟" اسے جھنجھوڑتی وہ بکھر رہی

تھی۔۔۔ اسکے لبوں سے نکلے لفظ "بھائی" پر صبر

کے گھونٹ بھرتے ہوئے اسنے اپنی جھکی نظر

اٹھائی۔

"میں نے آپکو کبھی بہن نہیں سمجھا۔۔!!" اسکی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسنے ڈھٹائی سے کہا۔

اگلے ہی پل حدیبہ کا ہاتھ اٹھا تھا اور اسکے گال پر

نشان چھوڑ گیا۔ فدا نے مزید سختی سے مٹھیاں

بھینچ لیں۔ گویا ضبط کی حد ہوئی تھی۔

"میں نے تو سمجھا تھا۔

لیکن آپ۔۔۔ آپ بہت کم ظرف نکلے فدا۔۔

بے حد گھٹیا۔۔۔!" اس سے دور ہوتی وہ تھکے

ہوئے انداز میں بولی۔

"میں جیسا بھی ہوں اب آپکا مقدر ہوں۔۔

برداشت کرنا پڑے گا آپکو۔۔!" پلکیں جھپک

جھپک کر اپنی آنکھوں میں امڈتی کھولن ضبط کرتا

وہ اطمینان سے بولا۔

"میں بھی دیکھتی ہوں کہ کیسے آپ میرا مقدر

بنتے ہیں۔۔ مر جاؤں گی لیکن آپ سے شادی

نہیں کروں گی۔۔۔!" نفرت سے اسکی جانب

دیکھتی وہ چلائی تھی۔۔اسکے شدید انکار پر اپنے

اندر امڈتے اشتعال کو دباتا وہ اسے دیکھ کر رہ

گیا۔

"میں بھی دیکھتا ہوں کہ آپ کیسے مرتی ہیں۔۔۔

!"" سلگتی نظروں سے اسکی جانب دیکھتا وہ دھیمی

آواز میں بولا۔ بھیگی آنکھوں سے اسکی جانب

دیکھتی حدیبہ نے لب بھینچتے ہوئے اپنے چہرے

کا رخ موڑ لیا۔

"دفع ہو جائیں یہاں سے۔۔۔ نکل جائیں۔!"

منہ پھیرے وہ درشتگی سے بولی۔ جبکہ فدا جس

نے ہمیشہ اسکا نرم لہجہ اور پیارا، روپ دیکھ تھا،

اسے اپنے لیے یہ لب ولہجہ استعمال کرتے دیکھ

ٹوٹ سا گیا۔ تبھی وہاں دروازہ کھول کر مون اور

شاہو داخل ہوئے تھے۔

"چاچو۔۔۔چاچو۔۔میں کب سے آپ کو ڈھونڈ

رہا ہوں۔۔کہاں تھے آپ۔۔۔!" اسکی ٹانگوں

سے لپٹتا پانچ سالہ مون خوشی سے چلایا۔۔تین

سالہ شاہو بھی آنکھوں میں شرارتی چمک لیے

اسی کی جانب متوجہ تھا۔۔

"آہ میرے باگڑ بلے میں بھی تمہاری تلاش میں

ہی یہاں آیا تھا۔۔!" اسے گود میں اٹھاتے ہوئے

وہ اپنا لہجہ ہشاش کرتے ہوئے بولا۔۔ اتنے میں

شاہو کی نظر حدیبہ پر پڑ چکی تھی جو اپنے دونوں

بھتیجوں کے پیچھے آتی ناجیہ بیگم کو دیکھ کر اپنا چہرہ

صاف کرنے لگی تھی۔

"فُپو (پھپھو)۔۔۔فپو شر کار آپ لو (رو) کیوں لہی

(رہی) ہیں۔۔؟؟" تیزی سے حدیبہ کے قریب

جاتا شاہو بے تاب سا پوچھنے لگا۔

"کیونکہ آپ کے چاچو نے ڈانٹا ہے مجھے۔۔!"

ناجیہ بیگم کی موجودگی کے باوجود اسنے دونوں

بچوں کی توپوں کا رخ فدا کی طرف کروایا تھا۔

"چاچو۔۔۔؟؟؟؟؟" وہ دونوں ایک کورس

میں فدا کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔شاہو نے تو

باقاعدہ کمر پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔فدا نے کچھ

شکوہ کناں نگاہوں سے حدیبہ کی طرف دیکھا۔

"بیٹا آپکی فپو کی شادی ہونے والی ہے ناں اس

لیے وہ آپ سے دور جانے کا سوچ کر رو رہی

ہیں۔۔۔!" ان دونوں کو ٹالنے کے لیے ناجیہ بیگم

نے درمیان میں مداخلت کی تھی۔ اور اس

بہترین مداخلت پر حدیبہ کا جی چاہا فدا کا منہ نوچ

لے جواب مسکرانے لگا تھا۔

"تو کیا پھر فپو ہم سے ملنے کبھی نہیں آئیں

گی۔۔؟؟" فدا کی جانب دیکھ کر پوچھتا یہ مون

تھا۔

"ارے آئیں گی کیوں نہیں آئیں گی۔۔۔ جس

طرح آپکی مما (صندل بیگم) آپکے ماموں اور نانا

جی سے ملنے جاتی ہیں اسی طرح پھپو بھی ہم سے

ملنے آیا کریں گی۔۔!"ناجیہ بیگم نے زرا تفصیل

سے ان دونوں کو سمجھایا تو شاہو سمجھداروں کی

طرح سر دھننے لگا۔

"پھر ٹھیک ہے۔۔ لیکن پھپو کی شادی ہو گی کس

سے۔۔۔؟؟؟"مون کو مزید فکر لاحق ہوئی

تھی۔حدیبہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ناجیہ

بیگم نے فدا کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

"اب فپو فپو ہی کرتے رہو گے یا اس غریب چاچو

کی بھی فکر کرو گے جو تین گھنٹے کا سفر کر کے

صرف تم دونوں کے لیے یہاں آیا ہے

ہاں۔۔؟؟"مون کو گود میں لیے لیے شاہو کو

بھی اٹھاتے ہوئے وہ مصنوعی ناراضگی سے بولا تو

مون فوراًاسے صفائیاں دینے لگا۔۔

"چاچو میں نے باہل (باہر) جانا۔۔!" شاہو آرام

سے بولا۔

"تو چلو ابھی چلتے ہیں۔۔!" انکے گال پر پیار کرتا

وہ اسکے کمرے سے نکلتا چلا گیا جبکہ انکے جاتے ہی

حدیبہ تو جیسے پھٹ پڑی۔

"کہیں نہیں جا رہی میں۔۔۔زندگی بھر مجھے اسی

قید خانے میں رہنا ہے۔۔چاہے آپکے چہیتے دیور

سے شادی کروں یا نہ کروں۔۔مجھے اسی ظالم

حویلی کی دیواروں میں مقید رہنا ہے۔۔۔!" وہ

روتے ہوئے چلائی تھی۔۔گہری سانس لیتی ناجیہ

بیگم دروازہ بند کرتی اس کی جانب آئیں۔

"دیبہ چندا۔۔!" انہوں نے پیار سے اسکے بال

سہلائے۔

"مت کہیں مجھے چندا۔۔!" انکا ہاتھ جھٹکتی وہ

سسکی۔۔ اسکے انداز پر ناجیہ افسردہ سی ہو گئیں۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"کیوں خود کو تھکا رہی ہو۔۔؟؟ تم جانتی ہو ناں

کہ بابا سرکار کا فیصلہ کبھی نہیں بدلے گا۔۔ تو پھر

یہ ساری مزاحمت فضول ہی ہے۔۔!" اسکے بھیگے

گال صاف کرتے ہوئے انہوں نے نرمی سے

کہا۔

"میری مزاحمت فضول نہیں ہے بھابھی۔۔۔

میں فدا کو اس حد تک مجبور کر دوں گی کہ وہ خود

انکار کر دے گا۔۔!" انکی جانب دیکھتی وہ سخت

لہجے میں بولی۔ ناجیہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم کیوں اس یتیم کو اپنے ساتھ اس آگ میں

گھسیٹ رہی ہو۔۔؟؟ اسکی معصومیت پر ترس

کھاؤ۔۔وہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔۔وہ تو خود بابا

سرکار کے فیصلے کو ماننے پر مجبور ہے، انکار کی

صورت میں اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں

ہو گی۔۔!" اسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے

ہوئے ناجیہ نے دھیمی آواز میں کہا تو وہ سرخ

آنکھوں سے اپنی ہتھیلیوں کو گھورتی رہ گئی۔

"میں بابا سرکار کی روایات بدل دوں گی۔۔ دیکھ

لیجئے گا آپ۔۔!" انکی گود میں سر رکھتی وہ

بڑبڑائی تھی۔اس دیوانی کی بات پر وہ نم ہوتی

آنکھوں سے مسکرادیں۔۔جانتی تھیں کہ وہ

شروع سے ہی اس حویلی اور باباسرکار کی روایات

سے چڑتی ہے۔۔اور اب فدا سے اسکی شادی کا

فیصلہ اسکے لیے ناقابل قبول ہی تو تھا لیکن کون

جانے کہ کب کیا ہونے والا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

موسم گرما کی تپتی ہوئی دوپہر میں کراچی کی

سڑکیں سنہری دھوپ سے سلگ رہی تھیں۔

چھوٹی گلیوں کے سنسان موڑ اپنی ویرانی پر افسردہ

سورج کی آگ برداشت کرنے پر مجبور بے رونق

نظر آتے تھے۔ ایسے میں وہ پولیس موبائل کی

بیک سیٹ پر بیٹھا اپنے کندھے تک آتے سٹریٹ

سیاہ بالوں کو پونی میں مقید کر رہا تھا۔ مضبوط

کلائیوں سے الم غلم بینڈز اور انگلیوں سے

انگوٹھیاں اتار کر اسنے سیٹ پر پھینک دیے۔

گریبان کے کھلے بٹن بند کرتے ہوئے اسکی

نظریں پولیس موبائل کے کھلے دروازوں سے

اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"بیٹا تو جو مرضی کر لے تیری بدمعاشی تیری ان

آنکھوں سے دِکھ جائے گی۔۔۔!" وہ جواب سر

پر اعریبئین سٹائل میں رومال لپیٹ رہا تھا ڈی۔

ایس۔پی عمیر کی بات پر پل بھر کو ٹھٹھکا پھر نفی

میں سر ہلاتا برائے نام مسکرا دیا۔

"میں چاہتا بھی نہیں کہ میری بدمعاشی کسی سے

چھپے لیکن فی الوقت تو بس یہ چہرہ چھپانا ہے۔۔!"

آخر میں رومال سے اپنا چہرہ نقاب کرنے والے

انداز میں ڈھانپتے ہوئے وہ اطمینان سے بولا۔

"یار ویسے تجھے یہ تھرل اس گرمی سے بھری

دوپہر میں ہی سوجھا تھا۔۔؟؟رات کے وقت

بھی یہ کام اچھے سے ہو سکتا تھا لیکن اب اس

تھرل کے چکر میں رنگ کالا کرنا پڑے گا۔۔!"

بے زاری سے بولتا یہ بیوٹی کا نشئیں عبداللہ تھا

جس میں شاید نام کے علاوہ اور کچھ اچھا نہ تھا۔

"تُو تو اپنی چونچ بند ہی رکھ۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے

تو مین روڈ پر اس تھرل کو انجوائے کروانے پر تُلا

ہوا تھا جس کے نتیجے میں یقیناً میری وردی کی جان

کو خطرہ ہو جاتا جو پہلے ہی اترنے کو ہے۔۔۔اس

پر مزید اب یہ رات والا آئیڈیا۔۔۔

ہونہہ۔۔۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے عمیر بولا

تھا۔وہ ان تینوں سے دو سال سینئیر تھا اور اپنی

قابلیت سے اس عہدے کو پا چکا تھا لیکن اپنی

عیاش فطرت اور کچھ اپنے ہی جیسے عیاش فطرت

دوستوں کی صحبت میں الٹے سیدھے کارناموں

میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہ ایس-پی کی

نظروں میں آچکا تھا۔ اور آج پھر وہ چاروں

دوست ایک تھرل کے لیے سڑکوں کی خاک

چھان رہے تھے جو یقینی طور پر انکے جان جگر

منصب کے دماغ کا فتور تھا۔۔

"تو اب یہاں کیا کرو گے۔۔۔؟؟ مین روڈ پر کم از

کم مواقع تو زیادہ ہوتے۔۔ یہاں تو مجھے خالی

گلیوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا۔۔!" صارم جو

عبداللہ کی بات سے متفق تھا پیشانی کھجاتے

ہوئے پریشانی سے بولا۔ ان تینوں کی گفتگو سے

بے بہرہ وہ پولیس موبائل سے اتر کر اس سڑک

پر کھڑا ہو گیا جس سے آگے تنگ گلیوں کی

شروعات تھی۔

"کون سے مواقع۔۔؟؟ آئیڈیاز سنے تھے

اسکے۔۔؟؟ اب اگر ہیلمٹ نہ پہننے پر منصب

بائیک والوں کو روکتا تو کوئی جاہل بھی جان جاتا کہ

وہ اصلی نہیں نقلی ڈی ایس پی ہے۔۔ اور ساتھ

میں دو چار مفت کے جوتے مجھے بھی

پڑتے۔۔۔!" اپنی یونیفارم شرٹ سے نادیدہ گرد

جھاڑتے ہوئے عمیر نے جل کر کہا۔ عبداللہ اپنا

سامنہ لے کر رہ گیا۔۔

"اب لڑتے رہو گے یا نکلو گے باہر۔۔؟؟" زرا سا

جھک کر اندر جھانکتے ہوئے اس نے ان تینوں کو

بیک وقت مخاطب کیا۔

"یار منصب۔۔۔ڈی-ایس-پی خود روڈ پر

کھڑے ہو کر تفتیش نہیں کرتا بلکہ سب انسپکٹرز

یہ کرتے ہیں۔۔میرا کام تو آخر میں کوئی ڈیسیجن

لینا ہوتا ہے۔۔!" اسکی ناراضگی کے ڈر سے عمیر

نے اٹکتے ہوئے کہا۔اسکی بات پر منصب کے

نقاب زدہ چہرے پر نظر آتی آنکھوں میں

مسکراہٹ در آئی۔

"تو تیرا کیا خیال ہے میں یہاں تفتیش کے لیے

کھڑا ہوں۔۔؟؟؟ سامنے دیکھ تیرے سب

انسپکٹرز تم تینوں کا شکار روک چکے ہیں۔۔!" اسکی

توجہ اپنی نظروں کے مرکز پر مبذول کرواتے

ہوئے وہ آرام سے بولا۔ عمیر نے آگے ہو کر

وہاں دیکھا تو پیچھے سے جھانکتے عبداللہ سمیت

صارم کی بھی باچھیں کھل گئیں۔ عبایا پہنے وہ دو

لڑکیاں تھیں جنہیں عمیر کے ماتحت وردی والے

روک چکے تھے۔ آگے پیچھے کسی ذی روح کا نام و

نشان تک نہ تھا۔

"میں نے سنا ہے یہ پردہ دار لڑکیاں بڑی تیکھی

ہوتی ہیں۔۔ چل آجا آج ٹیسٹ کرتے ہیں۔۔!"

صارم نے ایک آنکھ دبا کر کہتے ہوئے عمیر کو

ٹھوکا مارا۔ اسکی بات پر عبداللہ بھی کمینگی سے

ہنسا۔

"یار یہ منصب کچھ مطمئن نظر نہیں آرہا۔۔۔!"

پولیس موبائل سے باہر نکلتے ہوئے عمیر نے

منصب کو سناتے ہوئے بظاہر صارم سے کہا۔ اسکی

بات پر منصب نے اسے گھورا۔

"شکار تم لوگوں کے مطلب کا ہے سو میں کیسے

مطمئن ہو سکتا ہوں۔۔!" ان تینوں کے ساتھ

ان دو لڑکیوں کی جانب بڑھتے ہوئے اسنے بے

زاری سے کہا تو وہ تینوں ہی بدمزہ ہوئے۔

"ایک تو مجھے تیری دنیا کی اس خوبصورت ترین

مخلوق سے خوامخواہ کی بے زاری بالکل سمجھ نہیں

آتی۔۔!" ان لڑکیوں کو گھورتے ہوئے عبداللہ

نے دھیمی آواز میں کہا۔

"بس چپ چپ۔۔۔!" لڑکیوں کے قریب پہنچتے

ہوئے عمیر نے دبی دبی آواز میں کہا۔

"اپنے آفیسرز سے کہیں کہ ہمارا راستہ چھوڑ

دیں۔ خوامخواہ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔۔

"! دونوں میں سے ایک جو زرا لمبے قد کی تھی ان

چاروں کے قریب پہنچنے پر عمیر کو مخاطب کرتے

ہوئے بولی کیونکہ ان چاروں میں وہ ہی باوردی

تھا۔

"محترمہ ہم قانون کے رکھوالے ہیں ہمارا اپنا

وقت بے حد قیمتی ہے ہم خوامخواہ کسی کا وقت

ضائع نہیں کرتے۔۔۔!" اپنے مخصوص پیشہ

ورانہ انداز میں بولتے ہوئے عمیر نے براہ راست

لڑکی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ منصب

ایک طرف کھڑا اپنے موبائل کی سکرین پر

انگوٹھے کو حرکت دے رہا تھا۔

"تو صاف کہیں کیا چاہتے ہیں آپ ہم سے

۔۔۔؟؟ کیونکہ بنا کسی وجہ کے خواتین کا راستہ

روکنا قانون کے رکھوالوں کو زیب نہیں

دیتا۔۔۔!" وہ قدرے تیکھی آواز میں بولی تو اس

بار منصب نے بھی گردن ترچھی کر کے اس لڑکی

کی جانب دیکھا لیکن نظر اسکے ڈھکے ہوئے

چہرے تک جانے سے پہلے ہی خاموش کھڑی

لڑکی کے ہاتھوں پر پڑی جو اس بولنے والی لڑکی کا

ہاتھ سختی سے تھامنے لرز رہے تھے۔ اسکو خوفزدہ

پا کر جانے کیوں منصب کے لبوں پر استہزا آمیز

مسکراہٹ در آئی۔

دو قدم اٹھاتا وہ بھی انکے قریب ہو گیا اور سرد

نگاہوں سے اس لڑکی کو گھورنے لگا جس کی

نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"ہمیں آپکی تلاشی لینی ہے بی بی۔۔ اور بس۔۔!"

عمیر کی بجائے عبداللہ نے سنجیدگی کا لبادہ

اوڑھتے ہوئے کہا۔ صارم کی آنکھیں بھی خباثت

سے چمک رہی تھیں۔ عبداللہ کی بات پر وہ ہی

لڑکی دوبارہ بولی تھی۔

"آپ کس بی ہاف پر تلاشی کی بات کر رہے

ہیں۔۔ ہمارے بیگز میں کوئی غیر قانونی شے نہیں

ہے۔۔!" وہ قدرے چڑ کر بولی تھی۔

"وہ تو ابھی پتہ چل جائے گا۔۔!" بدتمیزی سے

کہتے ہوئے صارم نے اس لڑکی سے بیگ جھپٹ

لیا۔

"تم بھی دو۔۔۔!" صارم کو اس لڑکی کا بیگ

کھنگالنے کی اداکاری کرتا دیکھ عبداللہ نے خاموش

کھڑی مہرماہ سے کہا۔ اسنے یونہی پلکیں جھکائے

اپنا بیگ اسے تھما دیا۔

"آپ انتہائی گری ہوئی حرکت کر رہے ہیں

آفیسر۔۔!" فاطمہ نے عمیر کو گھورتے ہوئے

کہا۔

"دیکھئے بی بی۔۔ ہم بنا ثبوت یا پکی خبر کے کسی کے

لیے مشکل پیدا نہیں کرتے۔ ہمارے مخبر نے

ہمیں یہاں سے ڈر گزا اسمگلر گروہ کی دو لڑکیوں

کے گزرنے کی اطلاع دی ہے اور یقیناً آپ وہ ہی

ہیں۔۔!" لہجے کو سخت کرتے ہوئے عمیر نے کہا

تو اس بار فر فر بولتی فاطمہ کی آواز بھی پل بھر کو

بند ہوئی تھی جبکہ پچھلے پانچ منٹ سے نگاہیں

جھکائے کھڑی مہرماہ نے اب کی بار ہراساں ہو کر

ان چاروں کی جانب دیکھا۔ لرزتی پلکیں بھیگنے کو

تھیں۔ اسکی سیاہ آنکھوں میں پھیلتا خوف و

سراسیمگی منصب کی نظروں کو متوجہ کر گیا تھا۔

"دد۔۔ دیکھئے۔۔ آپ کو۔۔ کک۔۔ کوئی غلط فہمی

ہوئی ہے۔۔ کک کون سے ڈر گز۔۔؟؟ کک۔۔

کونسا گروہ۔۔۔؟؟ ہم۔۔ ہم دونوں تو کالج سے

واپس آرہی ہیں۔۔ ہمیں کچھ نہیں پتہ ہمیں

جانے دیں پلیز۔۔" وہ اپنی کمزور سی کانپتی آواز

میں بولی تو اسکے لہجے میں گھلتی نمی انہیں واضح طور

پر محسوس ہوئی۔

"آپ جیسیوں کی معصومیت کو ہم بخوبی جانتے

ہیں بی بی۔۔ ہمارا وقت برباد نہ کریں، چلیں آئیں

سائیڈ پر اور اب اپنی تلاشی کروائیں۔۔!" اسکی

التجاناک پر سے مکھی کی طرح اڑاتا عمیر ڈھٹائی

سے بولا۔ صارم اور عبداللہ کے لبوں پر دبی دبی

سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ آنکھوں کی ہوس زدہ

چمک مہر ماہ کا دل دہلا رہی تھی۔ جبکہ خوفزدہ تو

فاطمہ بھی تھی لیکن وہ برابر زبان بھی چلا رہی

تھی۔

"ٹھیک ہے لے لیجئے تلاشی ۔۔۔ لیکن لیڈی

کانسٹیبلز کہاں ہیں ۔۔؟؟" اپنا بیگ عمیر سے

واپس لیتے ہوئے فاطمہ نے تنفر سے کہا اور مہرماہ

کا بیگ لے کر اسکے حوالے کیا۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"آپ ہمیں قانون نہ سکھائیں۔۔وقت نہیں ہے

ہمارے پاس چلیں سائیڈ پر آئیں۔۔!" اسے

گھورتے ہوئے عمیر نے برہمی سے کہا۔

"جب آپکو پتہ تھا کہ مجرم لڑکیاں ہیں تو آپکو

تفتیش اور چیکنگ کے لیے لیڈی کانسٹیبل کو ساتھ

لے کر آنا چاہئیے تھا آفیسر۔ ایسے تو ہم چیکنگ

نہیں کروائیں گے۔۔!" اپنا غصہ ضبط کرتی فاطمہ

تڑخ کر بولی جبکہ منصب کی آر پار ہوتی نظروں

سے خائف ہوتی مہرماہ رو دینے کو تھی۔

"بہت زیادہ زبان چل رہی ہے ان کی۔۔

انسپکٹر۔۔ ہتھکڑی لگاؤ انہیں۔۔!"لب بھینچ کر

اپنا غصہ اور بے زاری ضبط کر کے عمیر اطمینان

سے بولا تھا۔ اسکی بات پر مہرماہ کی آنکھیں چھلک

پڑیں۔

"یہ مت کریں۔۔ مم۔۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں

ہم کسی ایسے گروپ کو نہیں جانتے جس کی آپ

بات کر رہے ہیں۔۔ ہمیں جانے دیں پلیز۔۔!"

اپنے لہجے کو سخت کرنے کی کوشش کرتی مہرماہ

بھیگی آواز میں بولی۔ منصب کی گہری نگاہیں اسکی

سیاہ گھنیری پلکوں پر ہی تھیں۔

"آپ کے پاس یہاں سے جانے کا ایک ہی راستہ

ہے۔ چیکنگ۔۔ کم آن۔۔ یہاں آئیں۔۔۔!"

مسکرا کر کہتے ہوئے عبداللہ نے مہرماہ کا ہاتھ

تھامنا چاہا جب منصب نے سرعت سے اسکا ہاتھ

پکڑ لیا۔

"اس لڑکی کی چیکنگ میں کروں گا۔۔!" مہرماہ کی

خوفزدہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے منصب نے

بے تاثر لہجے میں کہا۔

"میں تم لوگوں سے چیکنگ نہیں کرواؤں

گی۔۔!" فاطمہ برہم ہوتی چیخی تو عمیر نے ان سنی

کرتے ہوئے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہمیں اچھے سے کرنی آتی ہے بی بی۔۔۔!"

خباثت سے کہتے ہوئے عمیر نے اسے اپنی طرف

کھینچا اور پولیس موبائل کی طرف بڑھا۔ ایک

نظر منصب پر ڈال کر عبداللہ اور صارم بھی عمیر

کے پیچھے بڑھ گئے جبکہ منصب نے خاموش

نگاہوں سے مہرماہ کی جانب دیکھا جو گہرے

سانس لیتی پیچھے ہٹنے لگی۔

"مم۔۔۔میں نے کچھ نہیں کیا۔۔مم۔۔مجھے

جانے دو۔۔۔!" اپنے کانپتے ہاتھوں سے اپنا

نقاب درست کرتی وہ بوکھلائی ہوئی سے بولی۔

چھوٹی سی پیشانی پر نمکین قطرے نمودار ہو رہے

تھے۔

"چیکنگ۔۔۔!" ایک لفظی جواب دیتے ہوئے

منصب قدم قدم اسکی جانب بڑھنے لگا۔ وہ

سرعت سے پلٹتی پچھلی گلی میں بھاگی۔ جبکہ اسے

بھاگتا دیکھ وہ لمحے کے لیے چونکا پھر ایک ابرو اٹھا

کر اسے داد دینے والے انداز میں بھاگتا دیکھا۔

اگلے ہی پل وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا اسے دبوچ چکا

تھا۔مہرماہ کے حلق سے بے اختیار چیخ نکلی تھی

جس کا گلا اپنی مضبوط ہتھیلی سے گھونٹتا وہ اسے

دیوار سے لگا چکا تھا۔مہرماہ کی سانسوں کی رفتار تیز

سے تیز تر ہونے لگی۔بدن ہولے ہولے لرزنے

لگا تھا لیکن مقابل کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں

تھا۔

"آئی سیڈ چیکنگ۔۔۔!" اطمینان سے کہتے

ہوئے اسنے اسکے لبوں سے ہاتھ ہٹایا۔ مہرماہ نے

شدومد سے نفی میں سر ہلایا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔!" اسکے سینے

پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ

غرائی۔ سیاہ آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ

ساتھ غضب ہلکورے لینے لگا تھا۔ اسکے بپھرے

ہوئے انداز پر منصب کے لب مسکرانے لگے۔

"ٹھیک ہے۔۔ تمہاری مان لیتا ہوں۔۔ لیکن

شرط پھر یہ ہے کہ، اپنا نقاب اتارو۔۔۔!" اسکی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے منصب نے دھیمی

آواز میں کہا۔ اسکے اس تقاضے پر مہرماہ کی بھیگی

آنکھوں میں حیرت در آئی۔ گو وہ شرعی پردہ

نہیں کرتی تھی اور پہلے کبھی عبایا بھی نہیں لیا تھا۔

یہ تو آج دھوپ تیز تھی تو وہ اپنا چہرہ گرم ہوا سے

بچانے کے لیے ڈھانپ آئی تھی لیکن جانے

کیوں اسکے باوجود اسے مقابل کا تقاضا ناگوار گزرا

تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے انکار کرتی

منصب نے ہاتھ بڑھا کر اسکا نقاب کھینچ لیا۔ نتیجتاً

مہرماہ کا سرخ تمتماتا چہرہ اسکی آنکھیں پل بھر کو

خیرہ کر گیا تھا۔ سیاہ آنکھوں کی فسوں خیزی تلے

چھوٹی سی قدرے پھینی ناک اسکے یاقوتی لبوں

سے اوپر جچتی اس کے گلاب چہرے پر پھیلی

سادگی میں بھلی لگ رہی تھی۔۔ نم آنکھیں

منصب کی اس گستاخی پر تباہی کی حد تک سرخ

ہوئی تھیں۔ اپنا ضبط کھوتے ہوئے مہرماہ نے اپنی

پوری قوت سے اسکے گال پر تھپڑ مارا تھا۔ وہ جو

پل بھر کو اسکے نقوش کی فریبی میں کھو گیا تھا،

تھپڑ کی جلن سے لب بھینچ گیا۔

"قانون کی پیشانی پر آپ جیسے آفیسر زداغ

ہیں۔۔ خدا غارت کرے آپ جیسوں کو۔۔۔!"

نفرت سے اسکی جانب دیکھتی وہ کہتے ہوئے اپنی

آنکھوں سے بہتے اشکوں کو روک نہیں پائی تھی۔

اس سے پہلے کہ منصب اس کیطرف پیش قدمی

کرتا پیچھے سے عبداللہ بھاگتا ہوا آیا تھا۔

"اوئے منصب۔۔۔؟؟" وہ اسکی پکار پر ایک پل

کو اسکی جانب پلٹا تو اپنا عبایا سنبھالتی مہرماہ وہاں

سے سرپٹ بھاگی۔

اسے بھاگتا دیکھ وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر

رہ گیا۔ جبکہ اسکے جاتے ہی منصب نے رومال

چہرے سے ہٹایا تو اسکا بایاں گال سرخ دیکھ کر

معاملہ سمجھتے عبداللہ کی زبان تالو سے جا چپکی۔

"تجھے مار کے گئی ہے۔۔؟؟"عبداللہ حیران تھا۔

منصب نے اپنا رومال سر سے کھینچ کر عبداللہ کے

منہ پر مارا۔

"شٹ اپ۔۔۔!" وہ دہاڑا تو عبداللہ کو نظر جھکانی

پڑی۔

"اچھا جلدی چل اس لڑکی نے شور مچا دیا یار۔۔

عمیر روڈ پر دوسری طرف ہمارا ویٹ کر رہا

ہے۔۔ آجا۔۔!" اسکے غصے سے خائف ہوتے

ہوئے عبداللہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ جبکہ وہ

ارد گرد سے بے بہرہ ابھی بھی اس خالی گلی کو گھور

رہا تھا جہاں سے وہ بھاگی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

تاحد نگاہ تک پھیلی کچی سڑک کے اطراف میں

گھنا جنگل تھا جو اس پل گرمی کی ڈھلتی دوپہر میں

مرجھایا ہوا سا لگ رہا تھا۔ وہ اصطبل کی اندرونی

عمارت میں دوسری منزل پر کھڑی جالی دار

پردے کی اوٹ سے سڑک پر نگاہیں جمائے

ہوئے تھی۔ چھت کا پنکھا گھوں گھوں کی آواز

کے ساتھ ہلتا اسے گرمی کی شدت سے بچانے کی

ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"یہ لوگ کہاں رہ گئے۔۔؟؟" آنکھیں چھوٹی

کرتی اچک اچک کر دور تک دیکھنے کی کوشش

کرتی وہ اپنے ساتھ کھڑی اپنی مخصوص ملازمہ

سے پوچھنے لگی جس کی نگاہیں بھی سامنے اس پچی

سڑک پر ہی تھیں۔

"فکر نہ کرو بی بی جی۔۔جیت تو سارنگ صاحب

کی ہی ہے۔۔!" اسکا تجسس بھانپتے ہوئے بخت

آور نے چہک کر کہا تو علیشہ نے اپنی ناک

سکوڑتے ہوئے منہ بنایا۔

"میں یہاں تمہارے سارنگ صاحب کی جیت

نہیں، ہار دیکھنے آئی ہوں بختاں۔۔!" نیچے

اصطبل کے داخلی دروازے کی طرف جھانکتے

ہوئے اسنے دھیمی آواز میں کہا۔اسکی بات پر

بخت آور نے آنکھیں پھاڑ کر اسکی جانب دیکھا۔

"توبہ کرو بی بی جی۔۔۔اگر سارنگ صاحب ہار

گئے تو یہ پوری عمارت شہیر صاحب کے سر پر گرا

دیں گے۔۔!"بخت آور نے دل پر ہاتھ رکھتے

ہوئے کہا تو علیشہ نے ایک اچٹتی نگاہ داخلی

دروازے سے ذرا فاصلے پر پشت پر ہاتھ باندھ کر

کھڑے سارنگ چوہان پر ڈالی جس کے قریب ہی

اسکا ملازم اسکے سر پر چھتری تانے کھڑا تھا۔

"ہونہہ۔۔اتنی اوقات نہیں ہے اسکی۔۔!"

علیشہ نے نخوت سے کہا کیونکہ شہیر چوہان اسکا

بھائی تھا۔تبھی ان دونوں کی نظر بیک وقت پچھلی

سڑک سے آکر داخلی دروازے سے کافی فاصلے

پر ترچھے رخ رکتی لینڈ کروزر پر پڑی۔کروزر کے

پیچھے ہی دو مزید گاڑیاں آر کی تھیں جن میں

موجود اسلحہ بردار افراد باہر نکل کر اس کے

اطراف میں کھڑے ہو گئے۔ کروزر کے سیاہ

شیشوں سے اندر موجود شخصیت کو دیکھنا ناممکن

سا تھا۔ فرنٹ ڈور کا شیشہ تھوڑا سا نیچے ہوا جس

میں سے ایک مردانہ ہاتھ باہر نکلا تھا۔علیشہ نے

سوالیہ نظروں سے بخت آور کی جانب دیکھا۔۔

"اب یہ نواب کون ہے۔۔؟؟"

"لغاری قبیلے کا سردار آیا ہے بی بی۔۔۔میں نے

پہلے بھی کئی بار دیکھا ہے ان کو۔۔!"بخت آور

نے سامنے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ مضبوط

مردانہ ہاتھ کی تیسری انگلی میں چمکتا یاقوت جلد

کی صاف رنگت پر جچ رہا تھا۔ انگلیوں میں دبی

سلگتی ہوئی سگریٹ۔۔ وہ اطراف میں کھڑے

نفوس کی بدولت چہرہ دیکھنے سے قاصر تھی۔

"اوہ۔۔۔تو آج لغاریوں کے گرد شکنجہ کسا ہے

تمہارے صاحب نے۔۔۔؟؟"طنزاً مسکراتے

ہوئے اسنے بخت آور کی جانب دیکھا۔لغاری

قبیلے کے سردرار کی شہرت اور رعب و دبدبے

سے کون واقف نہیں تھا۔۔؟؟ گو اسکا سامنا

کبھی ان سے ہوا نہیں تھا لیکن اسنے ہمیشہ سارنگ

کو اس قبیلے کے گھڑ سواروں سے حسد کرتے پایا

تھا۔ سارنگ پچھلے تین سالوں سے سالانہ قبائلی

گھڑ سواری ریس جیت رہا تھا لیکن تینوں مرتبہ

لغاری قبیلے نے اس ریس میں حصہ نہیں لیا تھا

لیکن اس سال سردار شمعون لغاری کے بیٹے

سردار بدر لغاری نے سارنگ چوہان کے واضح

طور پر چیلنج کرنے پر اس ریس میں حصہ لے لیا

تھا، برا یہ ہوا تھا کہ ریس سے دو دن پہلے ہی ایک

تیسرے درجے کے قبیلے سے لڑائی کے دوران

سارنگ کی ٹانگ پر فائر ہو گیا تھا۔ مجبوراً اسنے اپنا

سدھایا ہوا بہترین گھوڑا اس ریس کے لیے اپنے

چچازاد شہیر کے حوالے کر دیا تھا۔ اب ہار اور

جیت کا انحصار شہیر پر ہی تھا۔ جبکہ سارنگ کی

بجائے شہیر کے حصہ لینے پر بدر لغاری نے بھی

خود گھڑ سواری کی بجائے اپنے قبیلے کی جانب سے

اپنے خاص ملازم جنید خان کو گھڑ سواری کا فریضہ

سونپا تھا۔ چالیس منٹ کی وہ گھڑ دوڑ ختم ہونے

میں فقط تین منٹ باقی تھے لیکن فی الوقت دور

دور تک گھڑ سواروں کا کوئی نام و نشان نظر نہیں

آرہا تھا۔ سارنگ تو بارہ بجے کے بعد ہی یہاں آگیا

تھا جبکہ وہ ایک گھنٹہ قبل بنا کسی کو بتائے چپکے سے

یہاں آئی تھی۔ سارنگ اسکی موجودگی کے حق

میں نہیں تھا لیکن علیشہ کے سامنے اسکی چلتی ہی

کب تھی۔۔؟؟ سو وہ بڑے اشتیاق سے عمارت

کی دوسری منزل پر کھڑی باہر کا نظارہ کر رہی

تھی۔باقی سرداروں کے منتخب نمائندے بھی

وہاں موجود تھے جن میں سب سے آخر میں

سردار بدر لغاری ہی آیا تھا۔اسے وہاں آئے

بامشکل تین سے چار منٹ ہی گزرے تھے کہ

جب گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آنے لگی۔

علیشہ نے اچک کر دیکھا تو اسے دور سے ایک

دوسرے کے آگے پیچھے دوڑتے گھوڑے نظر آ

ہی گئے۔ ایک پرجوش مسکراہٹ نے اسکے گلابی

لبوں کو چھولیا۔ جوں جوں گھوڑے قریب آرہے

تھے انکے ٹاپوں کی آوازیں واضح ہوتی جارہی

تھیں۔ سب سے آگے دوڑتا وہ شہیر کا سرمئی

بالوں والا سفید گھوڑا تھا جس کی پھرتی کو بار بار

ایک براؤن رنگ کا گھوڑا کاٹ رہا تھا۔ سارنگ

چوہان لبوں پر مغرور مسکراہٹ سجائے سامنے

نظر آتے منظر پر نگاہ مرکوز کیے ہوئے تھا جبکہ

راکھ ہوتی سگریٹ کو پھینک کر سردار بدر لغاری

نے گاڑی کے شیشے پھر سے چڑھا لیے۔ نظریں

بے نیازی سے موبائل کی سکرین پر جمی ہوئی

تھیں جیسے وہاں ہوتی ریس سے اسکا کوئی لینا دینا

تھا ہی نہیں۔

"ہش۔۔۔ہش۔۔۔یاہ۔۔۔یاہ۔۔۔۔!"

گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہوئے جنید خان کی

گھڑ سواری دیکھنے لائق تھی۔ شہیر کا گھوڑا اس

سے زرا فاصلے پر آگے ہی تھا۔ جبکہ اسکے اپنے

گھوڑے کے منہ سے خون آنے لگا تھا۔ مقررہ

فنش لائن قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

باقی گھوڑے بھی ان دونوں کے پیچھے ہی تھے

لیکن جیت فی الحال غیر متعین سی تھی کیونکہ جنید

کا بھورا گھوڑا شہیر کو آگے نکلنے نہیں دے رہا تھا۔

وقت ختم ہونے کو تھا اور فنشن لائن قریب ترین

تھی۔

"یاہ مرکت۔۔۔۔!" بھورے رنگ کے

گھوڑے نے جیسے ہی فنش لائن عبور کی اس پر

براجمان جنید نامی گھڑسوار نے چِلاتے ہوئے

اپنے قبیلے کی جیت کے طور پر مختص بینر، جھکتے

ہوئے کچی سڑک سے اکھاڑ کر فضا میں لہرایا۔

اسکے ساتھ ہی شہیر کے گھوڑے نے بھی فنش

لائن عبور کرلی اور پیچھے آتے باقی گھوڑوں نے

بھی۔۔۔ لیکن جیت لغاری قبیلے کا نشان بن چکی

تھی۔ جنید خان ایک ہی جست میں گھوڑے سے

نیچے کودا اور ساتھ ہی اسکا گھوڑا لڑکھڑا کر زمین

بوس ہوا تھا۔ اسکے منہ سے نکلتا خون کچی مٹی کو

تر کرتا چلا گیا۔ گھوڑا کچھ دیر پھڑ پھڑایا پھر بے

جان ہو گیا۔ جبکہ اسکی حالت پر ایک نگاہ غلط ڈال

کر جنید خان لینڈ کروزر کیطرف بڑھا۔

"جیت مبارک سائیں۔۔۔!" اسنے جھک کر

سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا جو دروازے کا شیشہ

نیچے گر کے بے جان پڑے گھوڑے کی جانب

دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا۔۔؟؟؟" اسکے سوال پر جنید خان نے

نظریں جھکا لیں۔

"ریس ختم ہونے سے پہلے ہی مرکت کا جگر پھٹ

گیا تھا سائیں ورنہ چوہان کو ہار نہیں، بدترین ہار

ملنی تھی۔۔!" اسنے متانت بھرے لہجے میں اسے

آگاہ کیا۔

"ہوں۔۔۔رقم لے کر ڈیرے پر آجانا۔۔!"

نظروں کا رخ بدلتے ہوئے اسنے اطمینان سے

کہا۔

"اور سائیں مرکت۔۔۔؟؟؟" جنید نے

گھوڑے کی بابت پوچھا تو بدر لغاری نے کچھ بے

زار نظروں سے اسکی جانب دیکھا۔

"مر گیا ہے ناں۔۔؟؟ تو پھینکوا دو کسی کوڑے

کے ڈھیر پر۔۔۔اس میں پوچھنے والا کیا

ہے۔۔۔؟؟؟" گھنی بھنوؤں کو جنبش دیتا وہ کچھ

برہمی سے پوچھنے لگا تو جنید نے گڑبڑا کر نفی میں

سر ہلایا۔

"جو حکم سائیں۔۔!" جنید خان نے فوراً کہا تو

گردن موڑ کر وہ کروز ریورس کرنے لگا۔ جبکہ

سارنگ چوہان کی ہار دیکھ کر علیشہ، شہیر کی

شامت کا سوچ کر نیچے کی جانب بھاگی۔بخت آور

نے اسکی تقلید کی تھی۔

"کس سچل زبان سے کہا تھا بی۔۔؟؟ سارنگ

صاحب تو واقعی ہار گئے۔۔!" اسکے پیچھے لپکتی

بختاں بولی۔

"چپ کرو بے وقوف۔۔۔!" اسے ڈپٹتی وہ

سرعت سے نیچے آئی لیکن تب تک سارنگ اپنی

ریوالور خالی کر چکا تھا۔۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھتی

علیشہ تیزی سے داخلی دروازے تک آئی تھی

جہاں سامنے ہی سارنگ کا سفید گھوڑا لال خون

میں رنگتا پھڑ پھڑا رہا تھا۔ لمحوں میں گھوڑے کا

وجود بے جان ہو گیا۔۔

"یہ کیا کیا تم نے سارنگ۔۔۔؟؟" اسکے قریب

جاتی وہ غصے سے چیخی۔ سترہ سالہ شہیر متغیر

رنگت لیے شرمندہ سا کھڑا تھا۔ اسکی باریک

لیکن بلند آواز سن کر جہاں سارنگ نے قہربار

نگاہوں سے اسے گھورا تھا وہیں سٹئیرنگ وہیل

گھماتے سردار بدر لغاری کی سماعتیں بھی اسکی

جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"تمہیں باہر آنے کی اجازت کس نے دی

ہے۔۔۔؟؟؟اندر دفع ہو جاؤ۔۔۔!" وہ دھیمی

آواز میں اس پر غرایا تو وہ مزید بپھری۔

"اور تمہیں کس نے ایک بے زبان جانور کو فقط

ہارنے کے غم میں جان سے مارنے کی اجازت دی

ہے ہاں۔۔؟؟؟؟" وہ پوری قوت سے اس پر

چیخی تو نا چاہتے ہوئے بھی سردار بدر لغاری کی

سیاہ آنکھوں نے وہ چہرہ دیکھنے کی غداری کی تھی۔

"بکواس بند کرو ورنہ تمہاری زبان کھینچ لوں

گا۔۔۔!" اسکی جانب جھکتا سارنگ چوہان دہاڑا

تھا۔ اسکی بات کو خاطر میں لائے بغیر علیشہ نے

نفرت آمیز نگاہوں سے اسے گھورا۔

"میری زبان کھینچنے سے پہلے اتنا یاد رکھنا کہ میں

جانور نہیں ہوں۔۔۔ بدلے میں تم خود بھی جان

سے جاؤ گے سارنگ۔۔۔!" اسکی آنکھوں میں

دیکھتے ہوئے وہ دوبدو بولی تھی۔ سردار بدر لغاری

کی سیاہ آنکھیں اس نازک جان کی دلیری پر مزید

سیاہ ہوئی تھیں۔ اسنے سرد نگاہوں سے اس لڑکی

کی جانب دیکھا جس کا سائیڈ پوز اسکی نظروں کے

سامنے تھا۔

"بختاں۔۔۔اسے لے کر جاؤ یہاں سے۔۔۔!"

اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتا سارنگ چوہان،

بخت آور پر گرجا۔

"بی بی چلو خدارا۔۔۔!" اسکا بازو کھینچتے ہوئے

بخت آور گڑگڑائی۔

تبھی بدر لغاری نے وہ چہرہ دیکھنے کو گاڑی سرعت

سے ریورس کی تھی۔ سارنگ کو گھورتی علیشہ کا

سرخ و گلابی چہرہ اسکی پھرتیلی نگاہ نے پل بھر میں

دیکھ لیا تھا۔

"پچھتاؤ گے سارنگ۔۔۔پچھتاؤ گے تم۔۔۔یہ

ظلم تمہیں مہنگا پڑے گا سمجھے تم۔۔!"بخت آور

کی گرفت میں مچلتی وہ چلائی۔گلاب جیسی رنگت

پر سجی بھوری آنکھیں جو سکیڑنے پر مزید موٹی

لگ رہی تھیں۔باریک ہونٹ جن کی سرخی میں

دھوپ اور غصے کی شدت سے اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ

نفرت سے چیختی بدر لغاری کی سیاہ آنکھوں کی

رنگت گہری کر گئی تھی۔ اگلے ہی پل وہ دھول

اڑاتے ہوئے لینڈ کروزر وہاں سے بھگا لے گیا۔

اسکے پیچھے ہی ایک گاڑی نے اسکی تقلید کی تھی

جبکہ دوسری گاڑی یقیناً جنید خان اور جیتنے والی

رقم کی منتظر تھی۔ہار کے غم میں پاگل ہوتا

سارنگ بری طرح تلملا رہا تھا جبکہ علیشہ اسے برا

بھلا کہتی بامشکل بخت آور کے ہمراہ گھر آنے پر

راضی ہوئی تھی۔

"ظالم۔۔ جاہل انسان۔۔ سب کے سب

جاہل۔۔ ایک نے ہارنے کے دکھ میں معصوم

جانور کو مار دیا اور دوسرے کو جیتنے کی خوشی میں

بے زبان جانور کے مرنے کی پرواہ ہی نہیں

ہے۔۔!" نخوت سے بخت آور کا ہاتھ جھٹکتی وہ

اپنے لیے کھڑی گاڑی کی طرف بڑھتی باآواز بلند

بڑبڑائی تو جنید خان نے کچھ حیران نظروں سے

اس نڈر لڑکی کی جانب دیکھا جو سر عام اسکے

سائیں کو جاہل کہہ رہی تھی جس کی ہیبت اور

طاقت سے تمام قبائل خوفزدہ رہتے تھے۔ لیکن

وہ پرواہ کیے بنا گاڑی میں جا بیٹھی۔ وہ جو پہلی بار

گھڑ دوڑ دیکھنے آئی تھی اب پچھتا رہی تھی اسکا موڈ

غارت ہو چکا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ

سارنگ چوہان کے موڈ کے علاوہ۔۔ وہ دو سیاہ

آنکھوں کا سکوت بھی غارت کر چکی ہے۔

□♦□♦□♦□♦

"دیکھ کر ماں میٹھا زرا حساب کا رکھنا۔۔اگر اس بار

زیادہ ہوا تو یہ ساری کھیر تُو اور تیری بیٹی تین

وقت کے کھانے میں ختم کرو گے۔۔!" چولہے

پر پکتی کھیر میں چمچ چلاتے ہوئے صندل بیگم نے

سخت لہجے میں مائی کرماں کو مخاطب کیا جو بڑی

پھرتی سے بادام کاٹ رہی تھی۔ قریب ہی زہرہ

کچن سمیٹ رہی تھی۔

"فکر نہ کریں بیگم سرکار۔۔۔ ایسی کھیر بناؤں گی

کہ مہمان کٹوریاں بھی چاٹتے رہ جائیں گے۔۔!"

آنکھیں گھماتے ہوئے اسنے فہمائشی انداز میں کہا

تو صندل بیگم نے تنفر سے ہنکارا ابھرا۔

"ان ڈیلوں کی توجہ کام کی طرف رکھ۔۔ منحوس

ماری آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی ہے۔۔!" کرماں

کو اپنی جانب تکتا پا کر صندل بیگم اس پر گرجی

تو وہ گڑبڑا کر نظروں کا رخ بدل گئی۔

"غلطی معاف بیگم سرکار۔۔!" کرماں منمنائی تو

وہ سر جھٹکتی کچن سے نکل گئی۔

"توبہ ہے۔۔ پوری ڈائن ہے ڈائن۔۔۔ دو

آنکھیں ماتھے پر اور دو سر کے پیچھے رکھتی

ہے، تُو زرا ہشیار رہا کر اچھا۔۔" صندل بیگم

کے جاتے ہی کرماں نے وہاں سر جھکا کر کام کرتی

اپنی بیٹی کو سمجھانے والے انداز میں بتایا۔

"کیا اماں۔۔؟ جس کا کھاتی ہے اسی کو کوستی

ہے۔۔؟؟ بس زرا زبان کی ہی تیز ہے، ویسے تو

بیگم سرکار اچھی ہی ہیں۔۔!" زہرہ نے منہ بناتے

ہوئے ماں کو ٹوک دیا۔

"اے میری معصوم بچی تجھے کچھ نہیں پتہ۔۔۔

بڑی بیگم (ناجیہ) کو ایک کمرے میں پھینکوا کر

پوری حویلی پر اس نے ایسے ہی تو قبضہ نہیں جما

رکھا۔۔ اتنی ہی اچھی ہوتی تو بڑی بیگم خون کے

آنسو نہ روتی۔۔ اور وہ۔۔ سعیدہ بی بی۔۔ اس

نیمانی کو بھی اسی نے حجرہ نشین کروایا ہے۔۔!"

ہاتھ نچا کر بولتی کرماں، صندل بیگم سے شدید

متنفر نظر آ رہی تھی۔

"اچھا بس کرناں اماں۔۔ ساری خطائیں کیا

صندل بی بی کی ہی ہیں۔۔؟؟ بابا جی سرکار کے

کرتوت نظر نہیں آتے تجھے۔۔انھوں نے

جو۔۔۔" ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سنک پر پٹخ کر وہ

بولنے کو پلٹی ہی تھی کہ جب مائی کرماں نے اسے

لتاڑ دیا۔

"اے چپ کر بد بخت۔۔ بابا جی سرکار کو کچھ کہا تو

گدی سے زبان کھینچ لوں گی تیری۔۔ آئی بڑی

مجھے انکے کرتوتوں کا بتانے والی۔۔ سب پتہ ہے

مجھے تُو اپنی یہ گز بھر کی زبان لپیٹ اور ہاتھوں کو

کھول۔۔ چل کام کر کام۔۔۔!" اسے ڈپٹ کر

کہتے ہوئے مائی کرماں نے نظریں چرائیں جیسے

اس موضوع سے بچنا چاہتی ہو۔۔۔اسکے سخت

انداز پر زہرہ نے نفی میں سر ہلایا پھر ٹھنڈا ہو چکا

شربت گلاسوں میں بھرنے لگی جو اسنے کچھ دیر

پہلے ہی جگ میں بنا کر رکھا تھا۔وہ ٹرے ہاتھوں

میں لے کر سیدھا مردان خانے آئی تھی۔ باباجی

سرکار (حدیبہ کے والد) کے کمرے کے باہر ہی

اسے حدیبہ کھڑی نظر آگئی تھی۔ وہ ٹرے لیے

وہیں آگئی لیکن اندر سے آتی آوازوں پر حدیبہ

کی مانند اسکے قدم بھی زمین نے جکڑ لیے۔

"ہمیں مت بتاؤ کہ کیا صحیح اور کیا غلط وقار۔۔ ہم

تم سے بہتر جانتے ہیں کہ ہماری بیٹی کے لیے کیا

برا ہے اور کیا اچھا۔۔ حدیبہ اور فدا کا نکاح اسی

بدھ کو ہو گا اور یہ ہمارا آخری فیصلہ

ہے۔۔۔!" ذوالفقار عالم شاہ کی کرخت آواز،

زہرہ کی سماعتوں پر قہر بن کر ٹوٹی تھی جبکہ زہرہ

کی آمد سے بے خبر حدیبہ کی بھیگی آنکھوں سے

آنسو ٹوٹ کر گالوں پر بکھرنے لگے۔

"خطا معاف بابا سرکار لیکن۔۔ناجیہ نے مجھے بتایا

ہے کہ حدیبہ اس رشتے سے انکاری ہے۔۔!"

وقار شاہ نے ہمت کر کے حدیبہ کی غیر

رضامندی ظاہر کر ہی دی تھی جس کی بابت

انھیں ان کی پہلی بیوی ناجیہ نے بتایا تھا۔ جہاں

حدیبہ کو کچھ آس لگی تھی وہیں حدیبہ کے انکار کا

سن کر زہرہ کے دل کو بھی ڈھارس ملی تھی۔

"میری سعیدہ بی بی سے بات ہوئی ہے تایا

سرکار۔۔ کہہ رہی تھیں کہ وہ حدیبہ بی بی کو

قائل کرلیں گی۔۔!" کمرے میں موجود فدا نے

دھیمی آواز میں انہیں آگاہ کیا۔ شاید وہ انکے

غضب کارخ حدیبہ کی جانب نہیں موڑنا چاہتا تھا

لیکن حدیبہ کو اسکا بولنا تیر کی طرح لگا تھا۔۔زہرہ

کی آنکھیں بھر آنے لگیں۔

"ہوں۔۔۔بہتر بھی یہی ہے۔۔ورنہ ہماری

روایات کی پاسداری نہ کرنے والی بیٹی کے لیے

ہمارے گھر اور ہمارے دل میں کوئی جگہ نہیں

ہو گی۔۔!" ذوالفقار عالم شاہ کی بارعب آواز

تمکنت اور قطعیت سے بھرپور تھی۔ حدیبہ کو لگا

وہ مزید نہیں سن پائے گی۔ دل غم و غصے کی

شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔

"بی بی۔۔؟؟" زہرہ نے ہولے سے اسے پکارا تو

حدیبہ نے بامشکل گردن موڑ کر اسکی جانب

دیکھا۔

"ہمت سے کام لیں۔۔!" گو اسے خود اس پل

ہمت و حوصلے کی اشد ضرورت تھی لیکن وہ اس

پل کانپتی آواز میں اپنی بی بی کو حوصلہ دے رہی

تھی۔۔

"کیا آپکے پاس اس شادی کے لیے کوئی ٹھوس

جواز ہے بابا سرکار۔۔۔؟؟ سوائے اسکے کہ آپکی

خاندانی جائیداد اس خاندان تک ہی محدود رہے

گی۔۔ہاں۔۔؟؟؟" یہ حدیبہ سے چھ سال

چھوٹے چوبیس سالہ ولید شاہ کی آواز تھی جس کی

فطرت میں بچپن سے ہی سرکشی تھی۔

"بکواس بند کرو ولید۔۔۔!" اسے یوں اونچی آواز

میں بات کرتا دیکھ وقار شاہ نے اسے ٹوکا۔۔وہ

اس کمرے سے ملحق بیٹھک کے دروازے سے

وہاں آیا تھا۔

"میرے خاموش ہونے سے حقیقت بدل نہیں

جائے گی بھائی سرکار۔۔بابا سرکار یہ شادی فقط

ہماری خاندانی جائیداد کو بچانے کے لیے کروا

رہے ہیں ورنہ مجھے نہیں لگتا کہ فدایا حدیبہ

دونوں میں سے کوئی ایک بھی اس رشتے کے حق

میں ہے۔۔!" ذوالفقار عالم شاہ کے خطرناک

تاثرات سے مرعوب ہوئے بناوہ بڑی ڈھٹائی

سے بولتا چلا گیا۔ روتی ہوئی حدیبہ کے لب خود

سے چھوٹے بھائی کی اس دلیری پر مسکرائے

تھے۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں اس رشتے کے حق

میں نہیں ہوں۔۔؟؟؟میں اس شادی کے لیے

ذہنی و دلی طور پر اپنی پوری آمادگی ظاہر کرتا

ہوں۔۔۔مجھے حدیبہ بی بی سے شادی پر کوئی

اعتراض نہیں ہے۔۔!" فدا کی مستحکم آواز پر

جہاں ذوالفقار عالم شاہ کے چہرے پر تناؤ میں کمی

واقع ہوئی تھی وہیں ولید شاہ کے مسکراتے لب

بھی سمٹ گئے۔

"تو یعنی تمہاری آنکھوں پر بھی دولت کی پٹی

بندھ گئی ہے۔۔ ہمم۔۔؟؟" ولید شاہ کب

خاموش ہونے والا تھا۔۔زہرہ کے ہاتھ کانپنے

لگے تو اسنے ٹرے سائیڈ پر پڑے ٹیبل پر رکھ

دی۔

"بی بی چلیں یہاں سے۔۔!" اسنے آگے بڑھ کر

حدیبہ کا ہاتھ تھاما۔

"مجھے فدا کا جواب سننے دو۔۔!" اسکا ہاتھ جھٹکتے

ہوئے حدیبہ نے روتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں غلط کیا ہے۔۔؟؟ جائیداد صرف مرد

کا حق ہے۔۔۔ ہم اس میں کسی قسم کی تقسیم نہیں

چاہتے۔۔!" فدا کی بجائے ذوالفقار عالم شاہ نے

جواب دیا۔۔ فدا کا جھکا سر تائیدی انداز میں ہلا

تھا جبکہ وقار شاہ ہاتھ باندھے خاموش کھڑے

تھے۔ ولید شاہ نے پھر سے کچھ بولنا چاہا تو انہوں

نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروا دیا۔

"ہم مزید بحث نہیں چاہتے ولید۔۔ جس راستے

سے آئے ہو وہیں سے واپس چلے جاؤ۔۔!"

انہوں نے لفظوں سے ولید شاہ کے منہ پر طمانچہ

مارا تھا۔ وہ لب بھینچتا پلٹا اور واپس بیٹھک کے

راستے سے چلا گیا۔ جاتے جاتے وہ فدا پر ملامتی

نظر ڈالنا نہ بھولا تھا۔

"اب اور کیا سنیں گی بی بی۔۔ چلیں بھی۔۔!"

زہرہ نے بے جان ہوتی حدیبہ کو گھسیٹا۔

"میں یہ شادی نہیں کروں گی۔۔!" اسکے ساتھ

چلتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔۔زہرہ کی اپنی آنکھیں

بھی بھیگتی جارہی تھیں۔یکطرفہ محبت نے آج

اسکا چہرہ تھپڑوں سے لال کردیا تھا۔

"فدا تمہیں تو کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔۔!"

حدیبہ کی دھیمی آواز ہنوز تھی۔ زہرہ کی آنکھیں

ٹپ ٹپ بہنے لگیں۔ ایک فدا حسین کے ملن سے

غضبناک ہو رہی تھی تو دوسری کو اسے کھو دینے

کا غم مارے دے رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

دھڑام کی آواز کے ساتھ دروازہ کھولتی وہ جیسے

ہی گھر میں داخل ہوئی اسکی بھیگی نظریں بیٹھک

سے نکلتے اپنے باپ سے جا ملی تھیں۔ اسے یوں

بے حال پسینے میں شرابور دیکھ کر انکے دل پر ہاتھ

پڑا تھا۔

"مہر۔۔یہ کیا حال بنا رکھا ہے بیٹی۔۔؟؟" بے

تابانہ اسکی جانب لپکتے ہوئے وہ بولے تھے جو

برقعے سے الجھتی خود بھی ان کے قریب ہی

آرہی تھی۔

"ابی جی فاطمہ۔۔۔اس۔۔اسکو بچالیں

پلیز۔۔۔!" انکا سہارا پاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر

رودی۔اسکی آواز سن کر کچن سے نور بیگم بھی

باہر نکل آئیں جبکہ بیٹھک کے دروازے میں

کھڑی شخصیت نے کچھ حیران نظروں سے اپنے

باپ کے حصار میں بلکتی مہرماہ کو دیکھا جس کے

نقوش نے انہیں الجھا دیا تھا۔

"پہلے یہاں آؤ بیٹھو۔۔مجھے آرام سے بتاؤ کیا ہوا

ہے۔۔!" اسے لیے بر آمدے میں آتے ہوئے

انہوں نے فکر مندی سے کہا۔

"آپ اس کے لیے پانی لے آئیں پلیز۔۔!"

ایک سرسری نظر وہاں کھڑی نور پر ڈال کر وہ

بولے تو اثبات میں سر ہلاتی وہ پلٹ گئیں۔

"کیا ہوا ہے اب بتاؤ۔۔۔!" اسے پانی پلا کر

انھوں نے نرمی سے پوچھا۔

"وہ ابی۔۔۔میں اور فاطمہ کالج سے واپس آرہے

تھے تو ہمیں چند پولیس آفیسرز نے روک لیا۔ پتہ

نہیں کیا کیا الزامات لگا رہے تھے مجھے تو کچھ سمجھ

نہیں آرہی تھی ابی جی۔۔۔!" انہیں بتاتے

ہوئے وہ پھر سے رونے لگی۔

"ششش۔۔۔مہرو نا بالکل نہیں مجھے جلدی سے

پوری بات بتاؤ۔۔۔!" اسکا سر تھپکتے ہوئے

انہوں نے اسے ٹوکا۔

"کیا بتاؤں ابی جی میں تو بھاگ آئی لیکن فاطی ان

کے پاس ہے اسے بچالیں۔۔!" دہائی دینے والے

انداز میں کہتی وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتی رو دی

جیسے اسکا وہاں سے بھاگ آنا سب سے بڑا قصور

تھا۔

"یا اللہ خیر۔۔" نور بیگم نے بے اختیار اپنے دل

پر ہاتھ رکھا تھا۔ فاطمہ انکے پڑوس میں آباد ایک

بیوہ کی اکلوتی بیٹی تھی جو بچپن سے ہی مہر ماہ کی

دوست تھی۔

"صاحب آپ فوراً جا کر دیکھیں۔۔بن باپ کی

بچی ہے کہیں اسکے ساتھ کچھ غلط نہ ہو

جائے۔۔!" فاطمہ کے لیے پریشان ہوتی نور

بولیں تو اثبات میں سر ہلاتے وہ اٹھ کھڑے

ہوئے۔

"اگر تمہیں مناسب لگے تو میں بھی تمہارے

ساتھ چلتا ہوں۔۔!" جب سے خاموش کھڑے

وہ آگے بڑھتے بولے تو ایک انجان آواز پر مہر ماہ

نے سر اٹھا کر اس شخص کی جانب دیکھا۔ قیمتی

لباس میں ملبوس نفیس شخصیت کا حامل وہ شخص،

اپنے حلیے سے کسی اور دنیا کا ہی باشندہ لگ رہا تھا۔

کم از کم مہرماہ نے تو اپنی سترہ سالہ زندگی اپنے

آس پاس ایسا شاندار شخص نہیں دیکھا تھا۔ جس

کے چہرے پر پھیلے مشفقانہ تاثرات اسے رحم دل

ومعاون ثابت کرنے کو کافی تھے۔

"میں آپکو کوئی پریشانی نہیں دینا چاہتا بھائی

سرکار۔۔میں مینیج کرلوں گا۔۔آپ آئیں

میرے ساتھ میں آپ کو باہر تک چھوڑ دیتا

ہوں۔۔!" مہرماہ کے والد نے نظر جھکا کر مودبانہ

انداز میں کہا تو مقابل نے لب بھینچ لیے۔ پھر

ایک نرم نگاہ مہرماہ پر ڈالی اور جھک کر اسکے سر پر

ہاتھ رکھ دیا۔

"اللہ نیک نصیب کرے۔۔!" انہوں نے کہا تو

نور بیگم نے بامشکل مسکراتے ہوئے آمین کہا۔

پھر وہ دونوں وہاں سے نکلتے چلے گئے۔

"اماں یہ آدمی کون تھا۔۔؟؟" نور کی طرف

دیکھتے ہوئے مہرماہ نے الجھن بھرے انداز میں

پوچھا۔اسکے سوال پر نور بیگم نے ایک گہرا سانس

لیا۔۔

"تمہارے ماموں۔۔!" مہرماہ سے نظریں چراتے

ہوئے انہوں نے آہستگی سے کہا تو اسنے بے یقینی

سے انکی جانب دیکھا۔

"میرے ماموں۔۔؟؟؟؟" پوچھتے ہوئے اسکی

آواز بھرا گئی۔ نور بیگم نے اپنے آنسو پیتے ہوئے

اثبات میں سر ہلایا۔ خالی خالی نظروں سے انکا

چہرہ دیکھتی وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گئی۔

"آپ مجھے سچ کیوں نہیں بتاتی اماں۔۔؟؟؟

حقیقت کیا ہے۔۔۔؟؟؟؟؟ کون ہوں

میں۔۔؟؟؟ میرے ابی جی کون ہیں۔۔۔؟؟؟"

اپنا سر تھامتی وہ بے بسی سے چیخی۔۔نور بیگم کی

آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

"میرے ابی جی کون ہیں اماں بتائیں ناں۔۔؟؟

اور آپ۔۔۔؟؟؟ کیا آپ بھی. ؟؟؟؟ آپ

میری اماں ہی ہیں ناں۔۔۔؟؟؟" مشکوک

نظروں سے انکی جانب دیکھتی وہ بولی تو نور بیگم

کے لیے خاموش رہنا ناگزیر ہو گیا۔ اسکے

سوالات نے انکے دل پر آریاں چلادی تھیں۔

"تمہارے ابی جی آئیں گے تو ان سے ہی پوچھ

لینا۔۔!" دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی وہ نرمی سے

کہتی اسکے پاس سے اٹھ گئیں۔

"اماں۔۔؟؟" مہرماہ نے انہیں پکارا لیکن وہ

کمرے میں جا چکی تھیں۔

"آپ ہیں ناں۔۔۔اماں۔۔۔؟؟ آپ ہی ہیں

ناں۔۔؟؟" وہ بڑبڑاتی وہیں بیٹھی خلاؤں میں

گھورتی رہ گئی۔

□♦□♦□♦□♦

"منصب رک جا یار کیا کر رہا ہے۔۔۔بس

کر دے۔۔۔!" اسے پورے فلیٹ کا حشر نشر

کرتے دیکھ عبداللہ نے آگے بڑھ کر اسے تھامنے

کی کوشش کی تو منصب نے اسکی جانب پلٹتے

ہوئے اسے دھکا دیا۔ عمیر اور صارم بھی پریشان

زدہ سے وہیں کھڑے ہوئے تھے۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ جان لے لوں گا تم

تینوں کی۔۔۔!"عبداللہ کو غضبناک نظروں

سے دیکھتا وہ چلایا۔

"یار اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔۔ ہمارا تو اپنا شکار

بھی تیرے جانے کے بعد ہاتھ سے نکل گیا

تھا۔۔!" صارم نے بے چارگی سے کہتے ہوئے

اسے ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کی جس کا گال

ہنوز جل رہا تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے منحوس شکار۔۔۔"

پانی سے بھرا شیشے کا جگ دیوار پر مارتے ہوئے وہ

دہاڑا۔

"بس کر دے ناں کیوں اپنی انرجی ویسٹ کر رہا

ہے۔۔اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔۔!" عمیر نے

اس سے الجھتے ہوئے اسکے ہاتھ سے صوفے کا

کشن چھینا۔

"یہ سب تم تینوں کی وجہ سے ہوا ہے۔۔ دن کے

چوبیس گھنٹوں میں سوتے ہوئے بھی تم تینوں کو

منحوس عورتوں کے خواب آتے رہتے ہیں۔۔۔

لے کر میرا موڈ غارت کر دیا۔۔۔!" صوفے

پر ڈھیتے ہوئے وہ غصے سے بڑبڑایا۔

"تو کیا حل ہے اسکا۔۔؟؟ سزا دے گا

ہمیں۔۔؟؟ تھپڑ تجھے اس لڑکی نے مارا اور بدلے

تُو ہم سے لے رہا ہے۔۔!" اسکے سامنے ہی

صوفے پر پھیلے کشنز اور کورز ہٹا کر بیٹھتے ہوئے

عمیر نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

"تھپڑ اسنے مارا ہے تو بدلہ بھی اسی سے لوں گا

ایڈیٹ۔۔!" اپنے چہرے پر آتے بال پیچھے

کرتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں غرایا۔

صارم نے جھک کر فرش پر گرا اسکا ہئیر بینڈ اٹھا کر

اسے پکڑا دیا۔

"لگا لے اسے۔۔۔!" اسنے کہا تو منصب نے اسے

گھورا۔

"سالے ڈر لگ رہا ہے لگا لے۔۔!" صارم نے

چڑتے ہوئے کہا تو منصب نے بال پیچھے کرتے

ہوئے ہیئر بینڈ بالوں میں لگالیا۔

"اب بتا کیا کرے گا۔۔؟؟ کڈنیپ کرے گا

اسے۔۔؟؟" اسکے دائیں بائیں بیٹھتے صارم اور

عبداللہ میں سے صارم نے پوچھا۔۔

"تجھے کیا میں ٹیپیکل غنڈہ موالی لگتا ہوں۔۔؟؟"

اسکے سوال پر اسے غصیلی نظروں سے گھورتے

ہوئے منصب نے پوچھا تو صارم کی پھیکی پڑتی

رنگت دیکھ کر عبداللہ کی دبی دبی سی ہنسی چھوٹ

گئی۔

"یار لگنے کی بات مت کر۔۔ لگنے میں تو تُو

غنڈے موالیوں کا باپ لگتا ہے۔۔۔!" اسکے

کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے عبداللہ نے ہنستے

ہوئے کہا تو منصب نے پلٹ کر اسے بھی گھورا۔

"ڈھکن جیسی شکل تیری ہے اور موالی تجھے میں

لگتا ہوں ہاں۔۔۔؟؟؟؟" اس پر چڑھائی کرتے

ہوئے منصب بولا تو صارم اور عمیر عبداللہ کی بنتی

درگت پر ہنسنے لگے۔

"ہاں ہاں موالی تو ہم ہیں ناں۔۔ غنڈے بھی ہم

ہی ہیں اب تُو بس، حکم کر۔۔!" اپنی جان بخشی

کروانے کو عبداللہ نے اسے خود سے دور دھکیلتے

ہوئے کہا تو منصب کے لبوں پر ایک جاندار

مسکراہٹ رینگ گئی۔

"گڈ۔۔یعنی تُو نے مان لیا ناں کہ میں تیرا باپ

ہوں۔۔۔"

اس کی کمر میں ٹھڈا مارتے ہوئے منصب نے کہا

تو وہ آہ اوئی کرتا صوفے سے نیچے گر گیا۔

"بڑا کمینہ ہے یار تُو۔۔بہت ہی۔۔** (گالی)

ہے۔۔۔!" اپنی کمر سہلاتے ہوئے عبداللہ نے

دہائی دینے والے انداز میں کہا تو وہ تینوں ہی ہنس

دیے۔

"اب غور سے سنو کہ کرنا کیا ہے۔۔۔!"

قدرے جھک کر کہتے ہوئے اسکے چہرے پر

سنجیدگی در آئی۔ وہ تینوں بغور اسے سننے لگے۔

منصب کا انداز پھر سے درشت ہو چکا تھا۔

آنکھوں میں اس اجنبی لڑکی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦□♦

"کیسے گزرے دن۔۔؟؟" راحمہ نے اسے تپانے

کو پوچھا۔ وہ کل رات ہی ایک ہفتے بعد اپنے آبائی

گاؤں سے واپس کراچی آئی تھی۔اور آج

یونیورسٹی میں ملاقات ہوتے ہی راحمہ نے پہلا

سوال وہ ہی پوچھا تھا جس پر حسب توقع اس نے

ناک چڑھائی۔

"کیسے گزر سکتے تھے۔۔؟؟" اسنے بے زاری سے

جواب دیا تو راحمہ اور سارہ نے قہقہ لگایا۔

"اتنا چڑتی کیوں ہو اس سے۔۔؟؟ ساری زندگی

تمہیں اسی سطان راہی کے ساتھ گزارنی ہے۔

سو ابھی سے خود کو ریڈی کر لو۔۔!" اپنی ہنسی

دباتے ہوئے سارہ نے کہا۔ اسکی سہیلیاں جانتی

تھیں کہ وہ سارنگ چوہان سے کس قدر عاجز ہے

اسی لیے علیشہ کو چڑانے کے لیے وہ سب سارنگ

کو سلطان راہی کہہ کر اسے چھیڑا کرتی تھیں۔

"سلطان راہی نہیں شفقت چیمہ کہو۔۔اور چیمے

کو کبھی ہیر وئن نہیں ملی سو میں بھی اسکو نہیں ملنے

والی۔۔!"شہادت کی انگلی سے ناک کو چھوتی وہ

نخوت سے بولی۔

"کیا یار کیوں بے چارے کی پر سنیلٹی خراب کر

رہی ہو لگنے میں تو وہ بالکل فواد خان جیسا ہے اگر

تمہیں زیادہ نخرے آرہے ہیں تو اسے مجھ سے ملوا

دو کیا پتہ میرا کام بن جائے۔۔!" ایک آنکھ دبا کر

کہتی یہ ہادیہ تھی جو چپکے سے ان تینوں کے ہمقدم

ہوگئی تھی۔

"میری طرف سے تم تینوں کیا۔۔ دنیا کی کوئی

بھی لڑکی اسے پٹا لے جائے بس میری اس سے

جان چھوٹ جائے۔!"علیشہ نے بے زار ہوتے

ہوئے کہا۔ وہ چاروں اب آگے پیچھے سیڑھیاں

چڑھتی کامرس سائنس ڈیپارٹمنٹ کے سیکنڈ

فلور پر جارہی تھیں۔

"ہائے ایسی بے قدری بھی نہ ہو کسی کی۔۔!"

راحمہ نے مصنوعی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"میں قدر۔۔۔کسی کسی کی ہی کرتی ہوں، اگر ہر

کسی کی قدر کرنے بیٹھ جاؤں تو مجھے علیشہ کون کہے

گا۔" سیکنڈ فلور کے کوریڈور میں قدم رکھتی وہ

ادائے بے نیازی سے بولی تو ان تینوں نے ہنستے

ہوئے ایک کورس میں سر ہلایا۔

"عالم واپس آ گیا ہے یا ابھی تک اپنے خستہ حال

گاؤں میں ہی تشریف فرما ہے۔۔؟؟" اسنے سارہ

کی طرف پلٹتے ہوئے پوچھا جو زیادہ تر عالم کے

آس پاس ہی پائی جاتی تھی۔

"نہیں وہ ابھی واپس نہیں آیا کل میں بوائز ہاسٹل

گئی تھی اسکے فرینڈز کہہ رہے تھے کہ آج یا کل

میں واپس آجائے گا۔" عالم کے نام پر اداس

ہوتی وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"ہوں۔۔اگر آج نہ آیا تو میں اسے کال کروں

گی ڈونٹ بی سیڈ۔۔!" اسکے گال پر چٹکی کاٹتے

ہوئے علیشہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کھل

اٹھی۔

"جب تک تم اسکے ساتھ ہو عالم کے معاملے میں

یہ سیڈ نہیں ہو سکتی۔" علیشہ کو ٹھوکا مارتے ہوئے

راحمہ نے کچھ جتانے والے انداز میں کہاں تو

جہاں ہادیہ سمیت علیشہ ہنسی تھی وہیں سارہ

جھینپ گئی۔ عالم، علیشہ کا پھوپھی زاد تھا جو ضلع

سکھر کے مالدار ترین سید گھرانے سے تعلق رکھتا

تھا جس کا شمار یقیناً سکھر کے ترجیحی گھرانوں میں

ہوتا تھا۔

"چلو بس اب کھی کھی بند کردو یار ابھی کلاس میں

جا کر بھی یہی کرنا ہے۔" اپنی ہنسی روکتے ہوئے

ہادیہ نے کہا تو ان چاروں کا پھر سے قہقہہ پڑا۔ یہ

ان چاروں کا اس یونیورسٹی میں فرسٹ سیمیسٹر

تھا۔ پانچویں فضہ تھی جو آج غیر حاضر تھی۔

پچھلے تین ماہ میں پانچ لڑکیوں کا یہ گروپ پورے

ڈیپارٹمنٹ میں مشہور ہو چکا تھا جنہوں نے ہر

نئے آنے والا سٹوڈنٹ کی نہ صرف درگت بنائی

تھی بلکہ ضرورت پڑنے پر وہ پانچوں اپنی

اسائمنٹس بھی اپنے فیلوز سے بنواتی تھیں۔ جس

ٹیچر سے علیشہ کو مسئلہ ہوتا وہ پانچوں اس ٹیچر کی

ناک میں دم کر دیتیں، اب تک وہ تین ٹیچرز کو

فارغ کرواچکی تھیں اور بدقسمتی سے یہ تینوں

ٹیچرز بی۔ لاء ٹیچ کرنے کے لیے اپائنٹ کیے گئے

تھے لیکن بی۔ لاء ایک ایسا مضمون تھا جس سے نہ

صرف علیشہ بلکہ تقریباً کلاس کے ہر طالبعلم کو

مسئلہ تھا۔ شاید طلباء وہ مضمون پڑھنا ہی نہیں

چاہتے تھے اسی لیے اس مضمون کے لیے آنے

والے ہر استاد کو وہ سب کلاس چھوڑنے پر مجبور

کر دیتے۔ معاملہ شاید ان طلباء کے حق میں نہ

بھی جاتا اگر جو اس کے پیچھے علیشہ کا ہاتھ نہ

ہوتا۔ کیونکہ علیشہ چوہان صرف ضدی ہی نہیں

بلکہ بگڑی ہوئی ایک ڈھیٹ طبعیت کی حامل لڑکی

تھی اور اسکے خاندانی حسب نسب کی بدولت

ایچ-او-ڈی (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ) اسے

برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ اسکی پوشیدہ

حساسیت محض اپنے تایازاد سارنگ کے ظلم و ستم

دیکھ کر ہی ابھرتی تھی ورنہ عموماً وہ بے حسی کا

مظاہرہ کیا کرتی تھی۔

"ویسے ایک اور بات بھی ہے جو میں نے تمہیں

بتانی تھی۔۔۔!" اسکے قریب ہوتی راحمہ مسکاتی

آواز میں بولی۔ وہ چاروں کلاس میں پہنچنے ہی والی

تھیں۔

"ہمم۔۔ وہ کیا۔۔؟؟" اسنے بھنویں اچکا کر

پوچھا۔

"دانی کہہ رہا تھا کہ کل ہی ایک نیو کمر آیا ہے۔۔

اور مزے کی بات یہ ہے کہ ابھی تک کسی لڑکے

نے اسکا چہرہ نہیں دیکھا۔۔!" سنجیدگی سے کہتے

ہوئے راحمہ نے ڈرامائی انداز میں وقفہ دیا۔

"مطلب۔۔؟شرعی پردہ کرتا ہے کیا۔۔؟؟"

علیشہ نے حظ اڑانے والے انداز میں پوچھا تو ان

تینوں کا قہقہ پڑا۔

"نہیں نہیں۔۔بقول دانی کہ۔۔ہی از

شائے۔۔۔ہاہاہا۔۔سر جھکا کر رکھتا ہے اور اس

حد تک کہ چہرے پر صرف سر کے بال ہی نظر

آتے ہیں۔۔!" اس بار اسے معلومات دینے والی

ہادیہ تھی۔

"اووووہ۔۔۔"علیشہ نے بھنویں اچکا کر لبوں کو

سیٹی بجانے والے انداز میں سکیڑا۔ بھوری

آنکھوں کی گہرائیوں میں شرارت چمکنے لگی۔

"اب تک وہ کلاس میں پہنچ چکا ہو گا ہے

ناں۔۔۔؟" کچھ سوچ کر اسنے مسکاتے لہجے میں

ان تینوں سے دریافت کیا۔

" آف کورس۔۔۔ اور یقیناً ہمارے پہنچنے سے پہلے

ہی دانی صاحب اپنے حصے کا لطف لے چکے ہوں

گے۔۔!" راحمہ نے انکی کلاس کے شرارتی لڑکے

کا نام لیا جو علیشہ کا ہی شاگرد تھا۔

"لیٹس سی۔۔۔!!" ہاتھ میں پکڑی کی چین انگلی

پر گھماتی وہ کلاس روم میں داخل ہوئی۔ حسب

معمول سر شہزاد آج بھی لیٹ تھے۔ اسے پہلی

قطار میں ہی پہلے بنچ پر ایک لڑکا سر جھکائے بیٹھا

نظر آگیا تھا۔ ان چاروں سہیلیوں نے آنکھیں

گھما کر ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ باقی طلباء بھی

علیشہ کے آتے ہی چوکنے ہو کر بیٹھ گئے۔ جبکہ

اس لڑکے نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھنا گوارا نہیں

کیا تھا۔

"ہے ای یُو۔۔؟؟ سٹینڈ اپ۔۔۔!" اسکی طرف

بڑھتے ہوئے علیشہ نے سخت لہجے میں کہا۔ مگر یہ

کیا۔۔؟؟ وہ یوں بیٹھا رہا جیسے بہرہ ہو۔ دوسری

قطار کے پہلے بنچ پر بیٹھے دانیال عرف دانی کے

لبوں پر مسکراہٹ مچلنے لگی۔

"اوئے بہرے۔۔ تم سے کہہ رہی ہوں۔۔

کھڑے ہو جاؤ اور باہر نکلو۔۔ یہ میری سیٹ

ہے۔۔۔!" بنچ سے ایک قدم کے فاصلے پر رکتی

وہ نخوت سے بولی تو وہ یونہی سر جھکائے کھڑا

ہو گیا۔ اسکا سر اس حد تک جھکا ہوا تھا کہ واقعی

صرف اسکے سر کے بال ہی نظر آ رہے تھے۔

اسکی تینوں سہیلیاں پلس چمچیاں، وائٹ بورڈ

کے پاس کھڑی مسکاتی نظروں سے تماشا دیکھ

رہی تھیں۔

"چلو نکلو۔۔۔!" چٹکی بجا کر کہتی علیشہ نے شہادت

کی انگلی سے اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ شیث کی

جھکی نظریں بلیک سینڈلز میں جکڑے اسکے گلابی

پیروں پر پڑیں تو پل بھر کو سیٹ چھوڑتے ہوئے

بے اختیار اسکا سر مقابل کا چہرہ دیکھنے کو اوپر ہوا

تھا اور وہی وقت تھا جب دوسری قطار میں بیٹھے

دانی نے اسکی جانب کھسک کر اسکے قدموں میں

ٹانگ اڑائی تھی نیتجتاً وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے کھڑی

علیشہ پر آرہا۔ وہ دونوں دھڑام سے زمین پر

گرے تھے جس کے نتیجے میں علیشہ کی سہیلیوں

کے علاوہ پوری کلاس کے قہقے گونج اٹھے تھے۔

مارے خفت کے علیشہ کا گلابی چہرہ سرخ پڑ

گیا۔ جبکہ شیث جو سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا،

سنبھلتے سنبھلتے بھی اسے دیکھ بیٹھا، اور شاید یہی

اسکی خطا تھی۔ اسکا دل اسکے سینے سے نکلتا سیاہ

آنکھوں میں دھڑکنے لگا۔ اپنی پلکوں کو جھپکا تا وہ

معصومیت سے اسکی جانب دیکھنے لگا جس کی موٹی

آنکھیں اسے دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئی

تھیں۔ تیکھی ناک میں چمکتی لونگ، اسکے غصے

سے خائف نظر آ رہی تھی۔ شیث بے اختیار

اسے دیکھتا چلا گیا جس کے گلاب لبوں کے

کنارے پر چمکتا سیاہ تل اسکے دل کی دھڑکنیں

بڑھاتا چلا گیا۔ وہ صرف خوبصورت نہیں تھی،

بلکہ خوبصورتی کا شاہکار تھی۔ہوش میں تو وہ تب

آیا جب اسے خود پر سے دھکیل کر چیختی وہ یونہی

پیچھے کو کھسکی تھی۔

"آہ یخ۔۔دور ہٹو مجھ سے مونسٹر۔۔!!" کہتے

ہوئے اسنے اپنی جان لیوا آنکھوں پر ہاتھ رکھ

لیے۔ شیث نے بوکھلا کر اسکی جانب دیکھا پھر

بامشکل بولا۔

"آئے۔۔۔ آئے۔۔ ایم سو سوری۔۔۔!" بے

حد بھاری لیکن دھیمی گدلی گدلی سی آواز۔۔ سن

کر باقیوں کے بھی ہوش اڑے تھے۔یوں لگ رہا

تھا جیسے وہ بہت مشکل سے بول پایا ہو۔

"ایم سوری۔۔!" ایک بار پھر سادگی سے کہتے

ہوئے اسنے کھڑے ہو کر جیسے ہی سر اٹھایا سامنے

کھڑی ہادیہ،راحمہ اور سارہ نے بے اختیار اپنے

لبوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ آنکھیں حیرت اور

کراہیت کے عجیب سے احساس سے پھیل

گئیں۔

"کس نے گھسایا تمہیں یہاں ہاں۔۔؟؟؟ ہمت

کیسے ہوئی تمہاری اس کلاس میں گھسنے

کی۔۔۔؟؟" اپنی شرٹ جھاڑتی علیشہ کھڑی

ہوتے ہوئے چلائی۔ بھوری آنکھوں میں نفرت

وحقارت سموئے وہ اسے گھور رہی تھی۔ سیاہ گھنے

بال۔۔۔ سفید رنگت پر سجی بڑی بڑی سیاہ

آنکھیں بچوں کی سی معصومیت لیے ہوئے

تھیں۔ کوئی لڑکی اگر اسے نقاب میں دیکھ لیتی تو

شاید پہلی نظر میں ہی اپنا دل ہار بیٹھتی لیکن صد

افسوس۔۔ آنکھوں تلے کھڑی ناک دائیں جانب

ٹیڑھی سی تھی۔ لبوں اور ناک کا درمیانی فاصلہ

بالائی لب سے اوپر لگے ٹانکوں کے باعث نا

ہونے کے برابر تھا۔ وہ یقیناً چاند گرہن کا شکار

ایک آواز سے معذور شخص تھا۔ اسکے لبوں کی

ہیت اس قدر عجیب تھی کہ نگاہ کا اس کے

چہرے پر پل بھر کو ٹھہرنا بھی محال تھا۔

"وہ۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔!" اپنے بالوں میں ہاتھ

چلاتے ہوئے وہ پریشان سا نظر آرہا تھا۔

"کیا میں میں ہاں۔۔؟؟؟ یہ بکریوں کی یونیورسٹی

نہیں ہے یہاں صرف ان سٹوڈنٹس کے لیے

جگہ ہے جو یہاں پڑھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ دفع

ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔!" غصے

سے پاگل ہوتی وہ کلاس کے دروازے کی طرف

اشارہ کرتی چیخی۔ اسکے نرم لبوں سے نکلتے سخت

لفظوں پر وہ حیران رہ گیا۔ سیاہ آنکھوں میں

اذیت در آئی۔

"لل۔۔ لیکن۔۔!!" اسکی آواز بامشکل علیشہ

کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔علیشہ نے حقارت

سے منہ موڑ لیا جبکہ باقی طلباء بھی اب آگے بڑھ

کر اسکا چہرہ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"دانیال میر ابلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے اسے باہر

دھکا دو۔۔!" شیث کے قریب آتے دانیال کو

دیکھتی وہ تنفر سے بولی۔ ہادیہ اور راحمہ سرعت

سے اسے قریب آئی تھیں۔

"یار پلیز کول ڈاؤن۔۔وہ بھی ہماری طرح انسان

ہی ہے۔۔!"ہادیہ نے بڑی مشکلوں سے لہجے کو

نرم رکھنے کی کوشش کی تھی ورنہ اسکا بھی بس

نہیں چل رہا تھا کہ شیث کو کہیں دفع کر دیتی۔جو

اپنی جگہ شرمندہ سا کھڑا اب پھر سے سر جھکا چکا

تھا۔

"اوہ میڈم۔۔۔ہماری طرح نہیں ہے یہ۔۔

ہمارے جیسا بالکل نہیں ہے۔۔آنکھیں نہیں

ہیں تمہارے پاس۔۔؟؟ نظر نہیں آرہا

تمھیں۔۔؟؟؟" وہ ہادیہ پر بگڑتی تڑخ کر بولی۔

اسکا سرخ چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ شیث کو قریب سے

دیکھ کر شدید کراہیت کا شکار ہو چکی ہے۔

"فار گاڈ سیک نکالو اسے۔۔۔!" وہ جو وہاں سب

کے بیچ تماشا بنا کھڑا تھا اسکے پھر سے کہنے پر اپنا

بیگ سنبھالتا خود ہی وہاں سے جانے کو آگے

بڑھا۔اس تذلیل پر سیاہ آنکھوں میں نمی پھیلنے

لگی تھی وہ کیسے ان سب کے سامنے

روتا۔۔۔؟؟؟؟؟

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں پر۔۔؟؟" کلاس کی حالت

دیکھ کر اندر آتے سر شہزاد چونک گئے سو فوراً

پوچھا تھا۔ انکے سوال پر علیشہ انکی جانب مڑی۔

"یہ تو آپ بتائیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے

سر۔۔؟؟ یہ یونیورسٹی ہے یا کوئی ہیلتھ

آرگنائزیشن۔۔؟؟ لُک ایٹ ہِم۔۔۔!!" سر

شہزاد کے مقابل آتی وہ لہجے کو نرم کرتی سنجیدگی

سے بولنا شروع ہوئی۔ اسکے ہاتھ کے اشارے پر

سر شہزاد نے شیث کی جانب دیکھا جو گردن

موڑے ساکت نظروں سے کلاس سے باہر دیکھ

رہا تھا۔ جیسے ان سب کی نظروں سے بے نیاز بننے

کی ایک معصومانہ کوشش کی گئی تھی۔

"ایک پیشنٹ ہماری یونیورسٹی میں کیا کر رہا

ہے۔۔؟؟ چہرہ دیکھیں اسکا۔۔۔ پتہ نہیں کتنوں

کو بے ہوش کر کے یہ کلاس تک آیا ہو گا اور ابھی

میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچی ہوں۔۔۔!"

کندھے پر جھولتی پونیوں کو پیچھے کرتی وہ شدید

برہم انداز میں بول رہی تھی۔ سر شہزاد کافی حد

تک معاملہ سمجھ گئے۔

"دیکھئے بیٹا۔۔ جیسے آپ یہاں فی دے کر پڑھتی

ہیں اسی طرح یہ بچہ بھی فی سبمٹ کروا کر اس

کلاس تک آیا ہے۔ آپ یا کوئی دوسرا اسٹوڈنٹ

اس بچے کی یہاں موجودگی پر اعتراض کا حق

نہیں رکھتا۔۔!" انہوں نے ٹھہر ٹھہر کر بڑے

تحمل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی حالانکہ

جانتے تھے کہ مقابل کھڑی بگڑی رئیس زادی

کے سامنے کوئی دلیل دینا الفاظ ضائع کرنے کے

مترادف ہے۔

"پلیز سر۔۔مجھے دکھانے کی بجائے آپ خود

اسے غور سے دیکھیں۔۔ہم ایک، ہیلتھی اور

پیس فُل انوائرمنٹ میں پڑھنا چاہتے ہیں نہ کہ

ایک آلودہ اور دل خراب کر دینے والے

انوائرمنٹ میں۔۔اس شخص کی موجودگی میں

اس کلاس میں رہنا کم از کم میرے لیے پاسیبل

نہیں ہے۔۔ آپ اسے ابھی اس یونیورسٹی سے

آؤٹ کروائیں۔۔!" آخری فقرہ اس نے انکی

طرف جھکتے ہوئے بے رحمانہ انداز میں کہا۔ اسکے

لہجے سے چھلکتا تنفر اس پل شیث کی کنپٹیاں سلگا

گیا تھا۔

"معذرت کے ساتھ لیکن بیٹے یہ یونیورسٹی آپکے

باپ کے پیسے سے نہیں چلتی سو یہ بات ذہن سے

نکال دیں کہ آپ کے کہنے پر ہم کسی بھی

دوسرے طالب علم کو اس یونیورسٹی سے نکال

دیں گے۔۔!!" لہجے کو سخت کرتے ہوئے سر

شہزاد نے دوٹوک انداز میں کہا۔ انداز اسکی

عزت افزائی کرنے والا تھا۔ اس بے عزتی پر

علیشہ کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔

"ہولڈ یور سیٹس۔۔۔!" وہ طلباء کی طرف پلٹتے

سنجیدگی سے بولے تو طلباء چپ چاپ اپنی

نشستوں پر جا بیٹھے۔

"شیث بیٹے آپ بھی۔۔!" شیث کو نظر جھکائے

اپنی جگہ کھڑا دیکھ کر وہ نرمی سے بولے تھے۔وہ

تھینکس کہتا پھر سے وہیں جا بیٹھا جہاں سے علیشہ

نے اسے اٹھایا تھا۔

"اور آپ مس علیشہ۔۔۔اگر چاہیں تو کلاس میں

تشریف رکھیں ورنہ یہ رہا راستہ۔۔۔!" دھیمے

لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے اسکے لیے راستہ

چھوڑ دیا۔ وہ لب بھینچے کچھ پل انہیں گھورتی رہی

پھر تن فن کرتی کلاس سے باہر نکل گئی۔ اسکی

تینوں سہیلیوں نے بھی اسکی تقلید کی تھی۔ سر

شہزاد نے تاسف سے ان چاروں کی جانب دیکھا،

وہ جانتے تھے کہ وہ چاروں اب ایچ-او-ڈی کے

آفس گئی ہوں گی۔وہ سر جھٹک کر کلاس کو لیکچر

دینے لگے۔انکی خصوصی توجہ کا مرکز شیث تھا

لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اسکی توجہ علیشہ

چوہان اپنے ساتھ لے جا چکی ہے۔

□♦□♦□♦□♦□♦

گہرے سرمئی بادلوں کے سیاہی مائل ٹکڑے

آسمان پر چمکتے چاند کے چہرے سے گزرتے اسکی

چاندنی کو چھیڑ رہے تھے۔سندھ کے گرم علاقوں

میں موسم گرما کی راتوں میں چلنے والی میٹھی سبک

خرام ہوا چاند اور چاندنی کے درمیان ہوتی بے

تاب سرگوشیوں کو سنتی شرما رہی تھی۔ جبکہ فضا

اور اس میں رچی ہوا کی مستیوں سے بے نیاز وہ

خالی آنکھوں سے بادلوں کی شرارت اور بے

بہرہ سماعتوں سے درخت کے پتوں کی

سرسراہٹ محسوس کر رہی تھی۔ پچھلے دو دنوں

سے مسلسل رونے کے باعث اسکی غلافی آنکھیں

سوجھ چکی تھیں۔سیاہ پلکوں کی نوک پر آنسوؤں

کے نمکین قطرے چمک رہے تھے۔سینے میں

دھڑکتا دل کسی زخمی پرندے کی مانند اڑان

بھرنے کو پھڑ پھڑا رہا تھا۔

"آپ کی تکلیف مجھ سے دیکھی نہیں جارہی بی

بی۔۔سب کچھ جانتے بوجھتے بھی آپ کیوں خود

کو ہلکان کر رہی ہیں۔۔؟؟" پچھلے بیس منٹ سے

اسکے ساتھ ہی کھڑی زہرہ اس طویل خاموشی

میں چیختی اس کی اداسی سے گھبرا کر بولی۔ اسکی

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

بات پر حدیبہ پل بھر کو چونکی مگر اس کی جانب

پلٹی نہیں۔ وہ دونوں اس وقت بڑی حویلی کے

شمالی حصے میں بنے پورشن کی وسیع و عریض

چھت کے ایک کونے میں کھڑی ہوئی تھیں۔

گھٹنوں تک اونچی چار دیواری پر تین تین فٹ بلند

گرل لگی ہوئی تھی جس پر ہاتھ جمائے وہ کھڑی

ہوئی تھی۔

"پتہ ہے زہرہ۔۔۔اس وقت میرا دل خون کے

آنسو رو رہا ہے۔۔ آنکھیں تو فقط پانی بہا کر مجھے

دلاسہ دے رہی ہیں۔۔!" اپنے آنسو حلق میں

اتارتی وہ دھیمے لب وہ لہجے میں گویا ہوئی۔ گو

زہرہ کا اپنا دل اس پل ایک دہکتی ہوئی آگ میں

جل رہا تھا لیکن اسے حدیبہ کا دل بھی رگ جاں

سے عزیز تھا۔ اگر فدا حسین اسکے سینے میں

دھڑکتے دل کی مانند تھا تو حدیبہ کی محبت اسکی

رگوں میں خون بن کر دوڑتی تھی۔

"زہرہ کی تو آپ پر جان بھی قربان بی بی

لیکن۔۔۔یوں آنسو بہا کر اپنی آنکھوں کو تکلیف

نہ دیں میرا دل کٹتا ہے۔۔!" حدیبہ کے سندوری

چہرے کی جانب دیکھتی وہ بولی تو حدیبہ کے لبوں

پر ایک پھیکی مسکان در آئی۔

"جب عقل و شعور رکھنے کے باوجود ہماری رائے

کو دھتکار دیا جائے۔۔جب زبان ہوتے ہوئے

بھی ہمارے لفظوں کی کوئی اہمیت نہ ہو۔۔ہاتھ

سلامت ہوتے ہوئے بھی اگر روایات اور اپنے

بزرگوں کی عزت کے سامنے بندھے ہوں۔۔

قدم مضبوط ہو کر بھی فرسودہ رسم و رواج کی

بیڑیوں نے جکڑ رکھے ہوں تو عورت آنسو بھی نہ

بہائے تو کیا کرے زہرہ۔۔۔؟؟؟" ایک ایک

لفظ چبا چبا کر بولتی وہ آخر میں چیخ گئی۔ آنسو

آنکھوں سے ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ نکلے تو ضبط

سے لب کاٹتی وہ گرل پر گرفت مضبوط کرتی سر

جھکا گئی۔ فدا جو ابھی دبے قدموں وہاں آیا تھا

اسکے الفاظ سنتا ان دونوں کے قریب آگیا۔ زہرہ

کی نظر اس پر پڑی تو اسنے فوراً حدیبہ کی جانب

دیکھا جو فدا کی آمد سے انجان گرل پر دونوں

ہاتھ جمائے جھکی رو رہی تھی۔ چھت پر پھیلی چاند

کی مدھم روشنی میں وہ فدا کا سنجیدہ چہرہ دیکھتی

دبے قدموں حدیبہ کے قریب سے ہٹتی وہاں

سے چلی گئی۔ فدا نظریں جھکاتا اسکی پشت پر جا

کھڑا ہوا۔

"میری اذیت۔۔ میرا درد اور میرا دکھ تم سمجھ

تو سکتی ہو لیکن اس حد تک محسوس نہیں کر سکتی

جس حد تک میں سہہ رہی ہوں۔۔!" زہرہ کی

موجودگی تصور کرتی وہ اپنی ہی دھن میں بول گئی

تو فدا حسین کے لب دھیرے سے مسکرائے۔

آنکھوں میں اذیت ہلکورے لینے لگی۔

"اور اگر میں کہوں کہ فدا حسین یہاں۔۔۔

اپنے سینے میں دھڑکتے دل کی ہر دھڑکن پر آپکی

اذیت کی جلن محسوس کر رہا ہے تو کیا آپ سمجھ

سکیں گی۔۔۔؟؟؟؟" وہ اپنے سینے پر دل کے

مقام پر ہاتھ رکھتا سنجیدگی سے بولا۔ اسکی آواز

سن کر وہ سرعت سے اس کی جانب پلٹی اور بھیگی

آنکھوں سے اسکی جانب دیکھا۔

"اپنے یہ مکروہ، فریب بھرے جملوں سے کسی

اور کو بے وقوف بنایے گا فدا سائیں۔۔بہت

اچھے سے جانتی ہوں کہ اس حویلی کے مردوں

کے سینے میں دل نہیں، دولت اور امارت کی لالچ

دھڑکتی ہے۔۔۔!" سر اونچا کیے اسکی آنکھوں

میں آنکھیں ڈال کر وہ تنفر سے بولی تھی۔ اسکے

سفاک ترین لیکن حقیقت پر مبنی جواب پر وہ

اسے دیکھتا رہ گیا۔

"ہمارے سینے میں لالچ دھڑکتی ہے۔۔۔؟؟"

کہتے ہوئے وہ دھیرے سے ہنسا۔

"الزام قابل قبول تو نہیں لیکن مان لیا کہ ایسا ہے

بھی۔۔۔ تو حدیبہ بی بی آپ کے سینے میں دل کی

جگہ جو بغاوت سلگ رہی ہے کیا اسکا نتیجہ جانتی

ہیں آپ۔۔؟؟؟ آپ جانتی ہیں ناں کہ بغاوت

قابل معافی جرم نہیں ہے۔۔ پھر

بھی۔۔؟؟؟؟" کہتے ہوئے وہ قدرے جھکا تا کہ

اسکی آنکھوں میں دیکھ سکے جو بہہ رہی تھیں۔

اسکے سوال پر حدیبہ نے ایک بار پھر نظریں

اٹھائیں۔اسے اندازہ ہوا وہ عمر میں اس سے کئی

برس چھوٹا شخص قد میں اس سے کافی لمبا ہو گیا

ہے۔

"اگر بغاوت کی سزا موت ہے تو مجھے قبول ہے

فدا۔۔لیکن اس شادی کی صورت مجھے آپکی

لالچ کی تسکین ہر گز منظور نہیں ہے۔۔!" فدا کی

جانب سخت نظروں سے دیکھتی وہ اٹل لہجے میں

بولی۔فدا حسین نے بڑے ضبط سے اسکے لبوں

سے ادا ہوئے لفظ "لالچ" کو بطور الزام قبول کیا

تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ بغاوت کا خاتمہ باغی

کی موت سے کیا جاتا ہے لیکن بی بی۔۔ آپ کو

مار کر فدا خود کہاں جائے گا۔؟؟ کیوں نہیں

سمجھتی کہ میں آپ سے کیا چاہتا ہوں۔؟؟؟"

اسکی بھیگی پلکوں پر نظریں جمائے نرمی سے بولتا

وہ اس پل بے بس لگ رہا تھا۔

"میری طرف سے تم اور تمہاری دوغلی چاہت

جہنم میں جائے لیکن اتنا سن لو کہ میں یہ شادی

ہرگز نہیں کروں گی۔!" اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں

بھینچتی وہ سلگ کر بولی۔ فدا کی برداشت جواب

دینے لگی۔ وہ ایک قدم مزید قریب ہوا تو حدیبہ

پیچھے ہٹی تھی نتیجتاً گرل سے جا لگی۔ فدا نے

احتیاطاً گرل پر ہاتھ رکھ لیا۔

"مجھے زبردستی پر مجبور مت کیجئے گابی بی۔۔ آپ

اول روز سے میری ہیں۔۔ اور آخر تک میری ہی

رہیں گی۔ یہ ضد چھوڑ دیں اور اپنے ذہن سے یہ

دولت۔۔ لالچ اور یہ فضول سوچیں نکال کر

پھینک دیں فدا حسین کو فقط آپ میں دلچسپی

ہے۔" سنجیدگی سے بولتا وہ پل بھر کو رکتا اسکے

کان کے قریب جھکا۔ حدیبہ کی سانسیں پلوں میں

تھمی تھیں۔ اسکے وجود سے پھوٹتی مردانہ پرفیوم

کی مہک نے پل بھر کو اسکے حواس مختل کر ڈالے

تھے۔

"اگر اس دل میں کوئی لالچ ہے تو۔۔وہ آپکے

ساتھ۔۔۔ آپکی محبت۔۔اور آپکی قربت کی لالچ

ہے۔۔اس قدر شدید کہ۔۔۔"وہ بولتے بولتے

پھر سے رکا تھا۔اسکے لہجے کی شدت اور سانسوں

کی تپش نے حدیبہ کے رونگھٹے کھڑے کر دیے

تھے۔

"اس قدر شدید کہ۔۔۔!" آنکھیں بند کرتا وہ

اسکے بالوں کی مہک سانسوں میں اتارتا پاگل

ہونے کے قریب تھا۔ وہ بروقت اس سے دور ہوا

تھا جو سانس روکے ساکت آنکھوں سے خلاؤں

میں گھور رہی تھی۔ فدا نے آنکھیں کھولی تو انکی

رنگت سرخ تھی۔ حدیبہ کی نظریں ملی تو وہ بے

چین ہوتی نظروں کا رخ بدل گئی۔

"یہ لالچ اتنی شدید ہے کہ اس کی شدت کو

محسوس کرنے کے لیے آپکو میری اس لالچ کو

تسکین دینا ہو گی۔ اور وہ تب ہی ممکن ہو گا جب

آپ میرے نکاح میں آئیں گی بی بی۔۔!" کہتے

ہوئے وہ نرمی سے مسکرایا۔ اسکی نظروں کی

وارفتگی محسوس کرتی حدیبہ کی حیرت بڑھنے

لگی۔وہ کب تھا ایسا۔۔؟؟وہ چھوٹا سا۔ معصوم

سا فداجو سکول سے آتے جاتے اسکے دوپٹے کا

کونہ تھامے پوری حویلی میں گھوما کرتا تھا۔وہ جو

جانے کب مہینوں اور سالوں کے بدلنے میں

سکول سے کالج اور پھر کالج کے لیے شہر جا پہنچا

تھا لیکن اسکا دل۔۔؟؟ اور دماغ۔؟؟ کیا وہ حدیبہ

میں ہی اٹکا رہ گیا تھا۔۔؟؟؟ سوالات ایسے تھے

جنہوں نے اسکی سانسیں روک دی تھیں۔ وہ دم

بخود سی اسے دیکھنے لگی جواب کہہ رہا تھا۔

"یہ نہیں نہیں کی رٹ لگا کر مجھے موت کی اذیت

سے دوچار نہ کریں۔ خود کو، اور اپنے ذہن کو،

اس رشتے کے لیے تیار کریں۔۔۔مجھے آپکی

دولت نہیں۔۔ آپ چاہئیں بی بی۔۔۔ صرف

آپ۔۔۔!" سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسنے اپنے

ہاتھ کی پشت سے اسکا بھیگا گال صاف کیا تو حدیبہ

نے تڑپ کر رخ موڑ لیا۔

"اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ میرے ارد گرد گھومنے

والا کمزور سا بچہ، جوان ہو کر اپنی طاقت سے مجھے

ہی بے بس کرنے کی کوشش کرے گا تو میں کم از

کم اپنے ہاتھوں سے وہ نوالے اسے کبھی نہ کھلاتی

جن کا نمک وہ حرام کرنے پر تُلا ہے۔۔!" اسکے

سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے دور دھکیلتی وہ

چلائی۔

"مجھے لگا تھا اس حویلی کے مرد فقط دولت کے ہی

پجاری ہیں لیکن افسوس۔۔ آپ تو نفس کے بھی

پجاری نکلے فدا سائیں۔۔۔!" نفرت و حقارت

سے اسکی جانب دیکھتی وہ طنزیہ بولی تھی۔ اس

نئے الزام پر فدا کی پیشانی پر رگیں ابھر آئیں۔

"اپنی زبان کو لگام دیں بی بی ورنہ۔۔۔!" وہ غصے

سے پاگل ہوتا اپنی مٹھیاں بھینچ گیا۔ اسکی

ادھوری دھمکی پر وہ روتے روتے ہنسی۔

"ورنہ کیا۔۔؟؟؟ کیا ورنہ۔۔۔؟؟؟ کیا کر لیں

گے آپ۔۔؟؟؟ ماریں گے مجھے۔۔؟؟ ہاتھ

اٹھائیں گے۔۔؟؟ بولیں نا۔۔؟؟ نہیں کیا کریں

گے کیا آپ۔۔۔؟؟؟" اسکی قمیض کا کالر مٹھیوں

میں جکڑتی وہ شدید برہمی سے غرائی۔ غلافی

آنکھوں کی سوجن فدا کا دل چیر رہی تھی۔

"میں آپ سے کوئی بحث نہیں چاہتا۔۔ آپ کو جو

سوچنا ہے سوچتی رہیں لیکن کل آپکا اور میرا نکاح

ہو کر رہے گا۔ یہ بات ذہن میں بٹھالیں

آپ۔۔۔!" نرمی سے اسکے ہاتھ اپنے کالر سے

ہٹاتا وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو اپنے آنسو روکنے

کی کوشش میں غلطاں حدیبہ نے اثبات میں سر

ہلایا۔

"طاقت ور ہیں ناں آپ۔۔؟؟ باباسرکار کی

سپورٹ کازعم ہے آپکو۔۔؟؟ میری بے بسی اور

کمزوری کا بخوبی احساس بھی ہے آپکو لیکن فدا

سائیں۔۔۔ایک بات آپ بھی سن لیں۔۔اس

نکاح کے لیے آپ انکار کریں گے۔۔۔آپ

خود۔۔۔لیکن اگر آپ نے ایسا نہ کیا۔۔۔اور

مجھے اپنایا۔۔تو میں موت کو اپنالوں گی۔۔اور یہ

آپ سے حدیبہ ذوالفقار کا وعدہ۔۔۔!" نفرت

سے اسکی جانب دیکھتی وہ بولتی چلی جا رہی تھی

جب اسکی آخری بات پر فدا نے تڑپ کر اسکے

لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہ کریں بی بی۔۔کیوں ظلم کر رہی ہیں۔۔؟؟

آپکا یہ لہجہ۔۔یہ انداز مجھ سے کچھ بھی برداشت

نہیں ہو رہا۔۔یوں نہ کریں پلیز۔۔۔!" بے بسی

سے اسکی جانب دیکھتا وہ ہارنے والے انداز میں

بولا۔ آنکھیں یوں سرخ ہو رہی تھیں جیسے ابھی

چھلک پڑیں گی۔ اسکی بات پر حدیبہ نے ایک

جھٹکے سے اسکا ہاتھ اپنے لبوں سے ہٹایا۔

"اور مجھ سے برداشت ہو رہا ہے آپکا یہ

روپ۔۔۔؟؟؟ آپکے الفاظ۔۔؟؟ آپکا

تقاضا۔۔؟؟ احساس ہے بھی آپکو کہ پچھلے ایک

ہفتے سے میں کس اذیت سے گزر رہی ہوں۔۔!"

فدا کا نرم لہجہ پا کر وہ بکھر سی گئی۔ وہ ضبط کرتا گہرا

سانس لیتے ہوئے پھر سے بولا۔۔

"مجھے اندازہ ہے۔۔ لیکن آپ شاید بھول رہی

ہیں کہ آپ مجھ سے کتنی محبت کرتی ہیں اور جب

محبت ہے تو۔۔۔!" نرمی سے کہتے ہوئے فدا نے

بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میری آپ سے انسیت کو محبت کا نام مت دیں

فدا سائیں۔۔۔ میرے لیے آپکو اس رشتے کے

حوالے سے قبول کرنا ناممکن ہے۔۔!" اسکی ضد

سے تنگ آتی وہ چڑ کر بولی۔

"لیکن میں آپکو اپنے ساتھ اسی رشتے کے حوالے

سے دیکھنا چاہتا ہوں بی بی اسکے بعد مجھے اب کچھ

نہیں کہنا۔۔!" اپنی پشت پر ہاتھ باندھ کر کہتے

ہوئے اسنے اپنی نظریں جھکالیں۔ جیسے اس بحث

سے وہ تھک سا گیا تھا۔۔ جبکہ اسکے ڈھیٹ پن پر

وہ بری طرح سلگ اٹھی۔

"تو پھر میں اپنی بات پوری کروں گی۔۔۔ آپ

مجھے اپنائیں۔۔ میں موت کو اپنالوں گی۔۔۔!"

بے حسی سے کہتی وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ اسکی

سائیڈ سے گزرتی وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ وہ وہیں

مجسمہ بنا نظر جھکائے کھڑا رہا۔ چند لمحوں بعد

قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تو اسنے سرعت

سے اپنا چہرہ صاف کیا جسے آنسوؤں کے نمکین

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

قطروں نے نم کر ڈالا تھا۔لب بھینچتے ہوئے

اسنے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے

بالوں میں ہاتھ چلایا۔

"چائے پی لیں سرکار۔۔۔!"ہاتھ میں پکڑی

ٹرے اسکے قریب کرتے ہوئے زہرہ نے دھیمی

آواز میں کہا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت وہ چائے

پیتا ہے اسی لیے حدیبہ اور اسے تنہا چھوڑ کر وہ

سیدھا کچن میں ہی گئی تھی کیونکہ جانتی تھی کہ

چھت واپسی پر اسے فدا تنہا ہی ملے گا۔ اسکی آواز

پر فدا نے ایک نظر ٹرے میں رکھے مگ پر ڈالی

پھر ایک قدم آگے بڑھ کر گرل پر ہاتھ رکھ لیے

جہاں تھوڑی دیر پہلے حدیبہ ہاتھ جمائے رو رہی

تھی۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دو میٹھی۔۔ نہیں پینی چائے تم

چلی جاؤ یہاں سے۔۔۔!" نظر جھکائے نیچے حویلی

کی سبزے سے ڈھکی راہداری کو گھورتا وہ بھاری

ہوتی آواز میں بولا۔ اسکے کورے جواب پر زہرہ

کا دل مزید اداس ہو گیا۔

"میں آپکی تکلیف کو سمجھتی ہوں لیکن سرکار۔۔

معذرت کے ساتھ۔۔ آپ حدیبہ بی بی کی اذیت

نہیں سمجھ رہے۔۔!" اپنے اندر ہمت مجتمع کرتی

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ وہ بول پڑی تھی کیونکہ

جانتی تھی کہ مقابل اسکا بچپن کا ساتھی ہے جس

کے ساتھ وہ مقام اور رتبے کے فرق کو بھلا کر،

نوشہر وفیروز کی کچی سڑکوں پر کھیلی تھی۔ اسکی

بات پر فدا نے پلٹ کر اسے سخت نظروں سے

گھورا۔

"تمہیں بھی میں ہی غلط نظر آرہا ہوں۔۔۔؟؟"

زخمی نگاہوں سے اسکی جانب دیکھتا وہ سنجیدگی

سے بولا۔ اسکی سیاہ آنکھوں میں نمی دیکھ کر زہرہ

کا دل خون خون ہو گیا۔ مقابل تو وہ تھا کہ جس

کے قدموں میں وہ اپنا آپ نچھاور کر دیتی تو اسکے

آنسو۔۔؟؟ اسکی تکلیف کیسے برداشت

کرتی۔۔؟؟ زہرہ کی نگاہ بھی دھندلا گئی۔

"زہرہ کی جان آپ پر قربان سرکار۔۔یوں نہ

کہیں کہ زہرہ کبھی آپکو غلط سمجھے گی۔۔میرا دل تو

آپ دونوں کی خوشیاں چاہتا ہے۔۔۔اور اسکے

لیے میرے پاس فقط دعا ہے جو میں آپ دونوں

کے لیے کر سکتی ہوں۔۔۔!" اسکی شا کی نظروں

سے گھبراتی وہ تڑپ کر بولی ناچاہتے ہوئے اسکی

آنکھوں سے آنسو ٹوٹنے لگے۔ جبکہ اسکے لہجے

کی تڑپ اور آنکھوں کی بے چینی پر وہ پل بھر کو

چونکا۔ اسکا انداز کچھ نیا تھا، کچھ الگ۔۔۔ جذبات

سے بھرپور۔۔۔ حتمی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی

فدا نے رخ بدل لیا۔ شاید وہ زہرہ کی آنکھوں

سے چھلکتے جذبات کی حقیقت سے بے بہرہ ہو جانا

چاہتا تھا۔

"تو پھر دعا کرو کہ تمہاری بی بی کو مجھ سے محبت

ہو جائے میٹھی۔۔ وہ بھی مجھے ویسے ہی چاہنے

لگیں جیسے میں انہیں چاہتا ہوں۔۔۔!" سیاہ

آسمان کی جانب دیکھتا وہ ایک جذب کے عالم میں

بولا تو اس صبر آزما تقاضے پر زہرہ کے لبوں پر

پھیکی سی مسکان پھیل گئی۔ کیسا بے مہر تھا جو محبت

کی ماری اپنی پجارن کو نظر انداز کیے خود کسی

دیوی کا پجاری بنا بیٹھا تھا۔زہرہ کا دل کرلایا تھا

لیکن لبوں سے ادا ہوتے الفاظ نے بڑے ظرف

سے اسکا مان رکھا تھا۔

"زہرہ کی ہر دعا آپکے اور حدیبہ بی بی کے نام ہے

سرکار۔۔مجھے یقین ہے کہ نکاح کے بعد وہ آپ

سے محبت کرنے لگیں گی۔۔۔!" اسے حوصلہ

دینے کو کہتی وہ آخر میں مسکرائی تو فدا نے ایک

گہری سانس لی۔

" تھینکس میٹھی۔۔۔!" اسکی طرف مڑتے

ہوئے فدا نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا تو وہ

نظر جھکاتی مسکرا دی۔ گھنیری پلکوں پر چمکتی نمی

بادلوں سے جھگڑتے چاند کی چمک سے مخفی نہیں

رہی تھی۔ وہ اسکی سائیڈ سے گزرا پھر وہاں سے

چلا گیا۔ اسکے چلے جانے کے بعد زہرہ نے ایک

نظر مگ میں ٹھنڈی ہوتی چائے پر ڈالی پھر بھیگی

نظروں سے سیاہ آسمان پر چاند سے اٹھکیلیاں

کرتے بادلوں کو دیکھا۔ اسکی اداسی پر ہوا میں

بین سے گونجنے لگے۔ زہرہ کی بھنورا آنکھیں

بہتی چلی گئیں۔

زندگی تھک کر گرتی ہے،تو خیال

آتا ہے

جاں لیوا ہے ___ لاحاصل کی تمنا

کرنا...

♦□♦□♦□♦□

"تیاری کیسی ہے۔؟" مہرماہ نے دھیمی آواز میں

پوچھا تو فاطمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔وہ

دونوں اس وقت بس سے اتر کر سامنے ہی نظر

آتی اپنے مطلوبہ کالج کی عمارت کی طرف بڑھ

رہی تھیں جہاں انکا انٹر میڈیٹ پارٹ ٹو کا بورڈ بنا

تھا۔ آج انکا تیسرا پیپر تھا۔

"تم سے پوچھ رہی ہوں فاطی۔۔۔!" اسے

خاموش پا کر مہر ماہ پھر سے بولی۔

"کیا میری شکل یہ بتانے کے لیے کافی نہیں ہے

کہ میری تیاری اچھی نہیں ہے۔۔!" اسکی طرف

دیکھتے ہوئے فاطمہ نے چڑ کر کہا۔ وہ پندرہ دن

پہلے ہوئے واقعے کے بعد سے خاصی چڑچڑی ہو

گئی تھی۔ گو اس روز وہ ان پولیس والوں سے

جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور مہرماہ

کے والد صاحب کو گھر سے باہر نکلنے پر ہی نظر آ

گئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اس بے باک

واقعے کو بھول نہیں پائی تھی۔ اور بھولی تو مہرماہ

بھی نہ تھی۔ خاص طور پر وہ گہری سرمئی

آنکھیں جن کی رنگت سیاہی مائل سی تھی۔مہرماہ

کو وہ آنکھیں ازبر ہو چکی تھیں اور اس شخص کی

گرفت۔۔۔؟؟سوچتے ہوئے اسے جھرجھری

سی آگئی۔

"تم بھلا نہیں سکتی وہ سب۔۔؟؟میرے ساتھ

بھی تو بد تمیزی کی تھی اس گھٹیا انسان نے۔۔!"

اس نقاب پوش کی بابت سوچتی وہ تلخی سے گویا

ہوئی۔

"بھولنے سے کیا ہو گا مہر۔۔؟؟ کیا میری شادی

کینسل ہو جائے گی۔۔؟؟ کیا میں ڈاکٹر بن پاؤں

گی۔۔؟؟ کیا میرے خواب پورے ہو جائیں

گے۔۔؟؟ نہیں ناں۔۔۔؟؟؟ تو پھر پیپرز کی

تیاری کر کے کیا کروں۔۔۔ اچھا ہے ناں فیل ہی

ہو جاؤں۔۔!" کالج کا گیٹ پار کرتی فاطمہ نے

تڑخ کر کہتے ہوئے جلدی سے اپنی بھیگتی آنکھیں

صاف کیں تو مہرماہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ فاطمہ

کی امی اس سارے معاملے کے بعد خوفزدہ ہو گئی

تھیں اسی لیے فاطمہ کی شادی اپنے بھانجے کے

ساتھ طے کر دی تھی جو پیپرز سے فارغ ہوتے

ہی پایہ تکمیل ہو جانے والی تھی۔

"بعض اوقات شر کے پیچھے بھی خیر ہوتی ہے

فاطی، قسمت کے اس فیصلے کو صبر سے قبول کرو

مجھے امید ہے کہ اس سب میں کچھ بہتری ہو

گی۔" ٹشو سے بار بار پیشانی پر آتا پسینہ پونچھتی وہ

اسے حوصلہ دینے والے انداز میں بولی تو فاطمہ

فقط سر اثبات میں ہلا کر رہ گئی۔ ان دونوں کو

کلاس رومز کے باہر ہی انکی باقی کالج فرینڈز کھڑی

نظر آ گئیں تو وہ دونوں ان کی طرف بڑھ گئیں۔

ایک دوسرے سے یونہی مضامین پر بات چیت

کرتی وہ کمرہ امتحان میں داخل ہو گئیں۔ رولنمبر

وائز اپنی اپنی نشست پر براجمان ہو کر کلاس میں

موجود تمام لڑکیاں پرچے کے انتظار میں تھیں۔

معمول کے مطابق پرچے ان سب میں تقسیم کر

دیے گئے تھے۔باقی سب سے انجان وہ اپنے

پرچے پر جھکی اسے حل کر رہی تھی۔اسکا ذہن

اپنے ساتھ ہونے والے سانحے سے قطعی بے خبر

تھا۔

□♦□♦□♦□♦

بلیو جینز کی پاکٹ میں ایک ہاتھ پھنسائے جبکہ

دوسرے میں لشکارے مارتا برینڈ نیو موبائل

پکڑے وہ شان بے نیازی سے آدم جی گورنمنٹ

سائنس کالج آف کراچی کی عمارت میں چل رہا

تھا۔یہ صبح سے تیسرا کالج تھا جس کا وزٹ کرنا

اسکی ذمہ داری تھی۔ کندھوں تک آتے سیاہ

بالوں میں سے آدھے بال ہمیشہ کی طرح پونی میں

مقید تھے جن کے باعث اسکے بائیں کان میں پہنا

بلیک ٹاپس واضح ہو گیا تھا۔ گرمی کے باعث اسنے

گرے شرٹ کے کف فولڈ کر کے بازو کہنیوں

تک چڑھا رکھے تھے۔ خلاف معمول ہاتھوں میں

الم غلم بینڈز کی بجائے برینڈڈ واچ چمک رہی تھی۔

اسکی بے نیاز و بے باک نگاہیں آج ارد گرد سے

بے بہرہ نظر آرہی تھیں۔

"سر آپ نے جس رولنمبر کے لیے کہا تھا وہ

گراؤنڈ فلور کی کلاسز میں سے ہے۔" اسکے ساتھ

سیکنڈ فلور پر چلتی فی میل سپریٹنیڈنٹ نے دھیمی

آواز میں کہا۔

"ہمم۔۔۔۔ کتنی ٹیچرز ہیں وہاں؟"موبائل کی

سکرین کو چھیڑتا وہ بے نیازی سے پوچھنے لگا۔

"ٹیچرز کا کوئی ایشو نہیں ہے۔۔ جسے میں نے

اپائنٹ کیا ہے اسے اچھے سے سمجھا چکی

ہوں۔ ڈونٹ وری۔۔!"لبوں پر خوشامدی

مسکراہٹ سجا کر وہ سرگوشیانہ بولی تو منصب نے

ایک بے زار نظر اس عورت پر ڈالی جس نے

اسکی پاور اور پیسے کے سامنے ہتھیار ڈالنے میں

ایک منٹ بھی نہیں لگایا تھا۔ اسے اچھے سے یاد

تھا کہ دو دن پہلے وہ اس عورت سے بطور

"ڈی۔او" ملاقات کرنے آیا تھا۔ اسکی بات مکمل

ہونے پر وہ کچھ جھجھک گئی لیکن جب اسنے اسے

"سن آف، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر آف

سکھر" کا حوالہ دیا تو وہ چپ کی چپ رہ گئی تھی۔

کچھ بڑے ناموں اور کچھ بڑے نوٹوں کے عوض

وہ آرام سے اسکی بات مان گئی تھی۔ اور اب اپنے

پلان کو انجام دینے کے لیے وہ اسکے ساتھ

گراؤنڈ فلور کی طرف اترتی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"بی کوائیٹ سٹوڈنٹس۔۔۔!" اسے سپر ٹینڈنٹ

کے ساتھ آتا دیکھ فلور پر عجیب کھلبلی سی مچ گئی۔

"ڈی-او آگیا۔۔ڈی-او آگیا۔چپ

ہو جائیں اب کسی کی آواز نہ آئے مجھے۔۔!"

ٹیچرز گلا پھاڑ کر چیخنے لگیں۔ایک کے بعد دوسری

کلاس میں داخل ہو کر وہ طائرانہ نگاہ ڈال کر باہر

نکل رہا تھا،وہ چوتھی کلاس میں داخل ہوا تو پہلی

نگاہ میں ہی اسے وہ تیسری قطار کی آخری نشست

پر بیٹھی نظر آگئی۔ وہ اسے فوراً پہچان گیا تھا کیونکہ

اس پل وہ ہونٹوں میں پین دبائے چہرہ اونچا کیے

شاید بھولا ہوا کوئی پوائنٹ یاد کر رہی تھی۔ اسکے

کلاس میں داخل ہو جانے پر باقی لڑکیوں کے

برعکس مہرماہ نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی

اور پھر سے اپنے پیپر کی جانب دیکھ کر سوچنے

لگی۔ وہ وہاں موجود لڑکیوں میں سے کافی کی

نظریں خود پر محسوس کر رہا تھا لیکن اسکی نگاہوں

کا مرکز وہ بے نیاز چہرہ تھا جس نے پچھلے پندرہ

روز سے اسے بدلے کی آگ میں جھلسا رکھا تھا۔

اسکے گلاب چہرے سے اپنی سرد نظریں ہٹا کر

اسنے سپریٹینڈنٹ کو آنکھ سے اشارہ کیا جسے سمجھتے

ہوئے اسنے وہاں موجود دو میں سے ایک ٹیچر کو

اپنے پاس بلایا۔

"ایزی ہے پیپر۔۔۔؟؟؟"لبوں پر ایک مختصر

مسکراہٹ سجاتے ہوئے اسنے باآواز بلند پوچھا۔

مہر ماہ اپنے پیپر پر جھک چکی تھی۔

"یس سر۔۔۔!"لڑکیوں نے ایک کورس میں

اسے جواب دیا۔کچھ کی آنکھیں اسکے سلکی بال

دیکھ کر مسکرا رہی تھیں جیسے انہیں اسکا یہ سٹائل

پسند آیا ہو۔

"گڈ۔۔۔!" اسنے بھنویں اچکا کر اطمینان سے

کہا۔

"یُو۔۔بلیو دوپٹہ۔۔۔!" مہر ماہ کی طرف بڑھتے

ہوئے اس ٹیچر نے کرخت لہجے میں کہا تو منصب

نے چونک جانے کی اداکاری کرتے ہوئے اس

طرف دیکھا جہاں وہ سر پر پہنچ چکی ٹیچر کو منہ اٹھا

کر کچھ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"یس میم۔۔۔؟؟" وہ سادگی سے پوچھ رہی

تھی۔ مدھم آواز دلنشین لہجہ۔۔

"یہ آپکے ہاتھ کے نیچے کیا ہے۔۔۔؟؟" آنسر

شیٹ پر رکھے اسکے ہاتھ کی طرف ابرو اچکا کر

اشارہ کرتی اس ٹیچر نے پوچھا۔ اس سوال پر

آگے بیٹھی لڑکیاں گردن موڑ کر پیچھے دیکھنے

لگیں۔

"کچھ بھی نہیں میم۔۔۔!" اپنا ہاتھ پیچھے ہٹاتے

ہوئے مہرماہ نے مکمل اعتماد سے کہا۔

"جھوٹ مت بولیں۔۔میں نے ابھی آپکو جینز

کی پاکٹ سے کچھ نکال کر شیٹس میں چھپاتے

ہوئے دیکھا ہے۔۔!" وہ ٹیچر بنا جھجھکے تڑخ کر

بولی تو مہرماہ گڑبڑا گئی۔پہلی قطار میں بیٹھی فاطمہ

بھی اپنا پیپر چھوڑ کر اسی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"نو میم۔۔ آپکو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔۔!" اپنی

جانب دیکھتی پوری کلاس پر ایک نظر ڈال کر وہ

سنجیدگی سے بولی۔ڈی۔او کے سامنے اس پوچھ

پڑتال پر اسکا چہرہ خفت سے سرخ ہو رہا تھا۔وہ

قدم قدم چلتا سپریٹینڈنٹ کے ہمراہ اسی کی جانب

بڑھنے لگا۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔۔!" سختی سے کہتے

ہوئے اس ٹیچر نے اسکی آنسر شیٹس کا دستہ

جھپٹ لیا پھر صفحات پلٹتے ہوئے اسنے بڑی

ہوشیاری سے اپنے انگوٹھے کے ناخن میں چھپی

چھوٹی سی تہہ شدہ چِٹ زمین پر گرادی۔ زمین پر

گرتی چِٹ دیکھ کر صحیح معنوں میں مہرماہ کے

ہوش اڑے تھے۔ اسنے پھٹی پھٹی بے یقین

نگاہوں سے زمین پر گری اس چٹ کو گھورا جسے

وہ جھک کر اٹھا چکا تھا۔ کلاس میں چہ مگوئیاں

شروع ہونے لگیں۔ منصب نے وہ چٹ کھول کر

دیکھی جس پر کیمسٹری کی کچھ ایکویشنز کندہ

تھیں۔

"یہ فائنل ایگزیمز ہو رہے ہیں یہاں۔۔

ہمممم۔۔۔؟؟" مہرماہ کی جانب سوالیہ نظروں

سے دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے

وہ چٹ سپریٹنڈنٹ کی طرف بڑھائی۔ ان

نگاہوں کی سختی سے مہرماہ کی ٹانگیں لرزنے

لگیں۔ وہ اپنے کُرتے کی شکنیں درست کرتی

بڑی مشکلوں سے کھڑی ہوئی تھی۔ چہرے کا

رنگ پل میں پھیکا پڑا تھا۔

"نن۔۔۔نو سر۔۔یہ۔۔یہ میرا نہیں ہے۔۔

بب۔۔۔بیلیو می۔۔۔!" اپنے سر کو نفی میں

ہلاتے ہوئے وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"چور یہ کبھی نہیں کہتا کہ اس نے چوری کی ہے

بچے۔۔ آپکو یہ حرکت کرنے سے پہلے ایک

مرتبہ سوچنا چاہئیے تھا کہ یہ آپکے کالج کا ٹیسٹ

نہیں بلکہ بورڈ ایگزیمز ہیں۔" اس چٹ کو مٹھی

میں دبوچتی سپریٹینڈنٹ نے کرخت آواز میں

کہا۔ مہرماہ کا سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا۔ پوری

کلاس اس کی طرف دیکھ رہی تھی، اپنی ذات کی

یوں تشہیر پر وہ شرمندگی سے پانی پانی ہونے لگی۔

"آپ ان کی چیکنگ کریں مس۔۔۔!" اپنے

دونوں ہاتھ جینز کی پاکٹ میں گھساتے ہوئے

منصب نے بے نیازی سے کہا جبکہ لفظ چیکنگ پر

مہرماہ کو پندرہ دن پہلے بھری دوپہر کا وہ منظر یاد

آگیا۔تب بھی تو اسے یوہی بے قصور ہوتے

ہوئے مجرم قرار دیا گیا تھا۔

"نو سر پلیز۔۔بیلیو می یہ میرا نہیں ہے۔۔۔!"

اس ٹیچر کے اپنی جانب بڑھتے ہاتھ جھٹکتے ہوئے

اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"چپ کر کے کھڑی رہو ورنہ منہ توڑ دوں گی۔۔

نکمیاں۔۔پڑھ کر آتی نہیں اور یہاں آ کر جب

پکڑی جاتی ہیں تو ڈرامے کرتی ہیں۔" اس کی

کلائی جو وہ اپنے دفاع کے لیے استعمال کر رہی

تھی مروڑ کر پیچھے کرتے ہوئے وہ ٹیچر چلائی۔

اس تذلیل اور تکلیف پر مہرماہ کی آنکھوں سے

آنسو بہہ نکلے۔ فاطمہ نے اپنی سیٹ چھوڑنی چاہی

تو دوسری ٹیچر نے اسے ڈپٹ دیا جبکہ وہ پہلی والی

نہایت بد تمیزی سے اس کی چیکنگ کر رہی

تھی۔۔ایک میل ڈی۔او کے سامنے اس بے

باک سلوک پر مہرماہ کا تنفس بگڑنے لگا۔جب

اس ٹیچر کے ہاتھ اسکی جینز تک پہنچے تو مہرماہ نے

ہمت کر کے اسے پیچھے دھکا دے دیا۔ وہ ٹیچر جو

اس کی جینز کی پچھلی جیب میں اپنے لمبے ناخنوں

سے چٹس ڈال چکی تھی اس کی اس مزاحمت پر

غصے میں آئی اور اس کے گال پر زور دار تھپڑ مارا

تھا۔

"اہ۔۔ابی جی۔۔!" اس کے لب بے اختیار

سسک اٹھے۔

"اگر اب بد تمیزی کی تو پہلے پولیس کو کال کروں

گی اور پھر تمہارے باپ کو۔" اس کی جینز کی

پاکٹ کھنگالتی وہ ٹیچر سفاکی سے بولی اور اگلے ہی

پل تین چار تہہ شدہ چٹس پاکٹ سے نکال کر

منصب اور سپریٹینڈنٹ کے سامنے کر دیں۔

"یہ دیکھئے۔۔اور بی بی جی کہہ رہی تھیں کہ یہ انکا

نہیں ہے۔۔!"مہرماہ پر ایک تنفر بھری نظر

ڈالتی اس ٹیچر نے زہر اگلا۔ جبکہ اس صورتحال پر

وہ بری طرح رو رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ابھی

بھی انکار ہی تھا۔ سپریٹینڈنٹ نے اس کا پیپر

جھپٹ لیا اور چٹس کھول کر دیکھنے لگی۔

"میم۔۔ میرا یقین کریں پلیز یہ میرا نہیں ہے

مجھے تو سارا پیپر آتا ہے۔۔!" روتے ہوئے کہتی

وہ سپریٹنیڈنٹ کے پیچھے ہی آگئی جو پوری کلاس

کے سامنے جا کھڑی ہوتی وہ چٹس اس کے پیپر

کے ساتھ پِن اَپ کر رہی تھی۔ اپنا مستقبل تباہ

ہونے کے خوف سے اس کے ہاتھ پاؤں لرز

رہے تھے۔ بایاں گال تھوڑی دیر پہلے پڑنے

والے تھپڑ کے باعث جل رہا تھا جبکہ اس کی

حالت سے لطف اٹھاتا وہ سکون بھری نظروں

سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"چلیں نکلیں کلاس سے باہر۔۔اب جب آپ پر

کیس بنے گا تو اچھے سے پتہ چل جائے گا کہ کیا

آپ کا ہے اور کیا نہیں۔۔!" اس کے پیپر پر

چیٹنگ لکھ کر اپنے سائن کرتے ہوئے

سپریٹنیڈنٹ نے ترخ کہا۔ تو روتی ہوئی مہرماہ نے

آخری امید کے طور پر وہاں کھڑے ڈی۔ او کی

جانب دیکھا۔فاطمہ بھی اپنی سیٹ پر کھڑی اسکی

ابتر حالت پر افسردہ تھی۔

"سر شی از رائٹ۔۔اسکو سارا پیپر آتا ہے یہ

چٹس اس کی نہیں ہو سکتیں۔۔کسی نے مہر کے

ساتھ بہت ہی گندا مذاق کیا ہے پلیز سر گیوہر

اے چانس۔۔!" منصب کے پاس آتے ہوئے

فاطمہ منت کرنے والے انداز میں بولی۔مہر ماہ کا

رو رو کر برا حال ہو چکا تھا۔کچھ لڑکیوں کو اس پر

ترس آنے لگا جبکہ کچھ لاپرواہی سے اپنا پرچہ حل

کر رہی تھیں۔

"آپ ان کی بھی چیکنگ کریں لگتا ہے دونوں

اس میں ملوث ہیں۔۔!" فاطمہ کو بولتا دیکھ

منصب نے بڑی سفاکی سے اسی ٹیچر کو فاطمہ کی

چیکنگ کرنے کا کہا تو وہ پریشانی کے عالم میں

منصب کو دیکھتی رہ گئی۔

"سر پلیز میرا فیوچر خراب ہو جائے گا۔۔ آپ

پچ۔۔ چاہیں تو۔۔!" اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ

جوڑ کر بولتی مہر ماہ کی بھیگی نظر مقابل کی چمکتی

آنکھوں پر پڑی تو اس کے پھڑ پھڑاتے لب

ساکت ہو گئے۔ سیاہی مائل گہری سرمئی

آنکھیں، نگاہوں میں وہی بے باکی سمیٹے حظ اڑاتی

نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ہونٹوں پر دبی

دبی سی طنزیہ مسکراہٹ لیے وہ اسی کی جانب

متوجہ تھا۔ معاً اسے پہنچانتے ہوئے مہرماہ کے

آنسو تھم گئے۔ آنکھوں میں خوف کی بجائے

غصہ اور طیش ہلکورے لینے لگا۔

"تت۔۔۔ تم۔۔۔؟؟"اس کے لب

پھڑ پھڑائے تو منصب نے دھیرے سے لبوں کو

"ہاں تو۔۔۔؟؟"کہنے والے انداز میں مروڑا۔

بھنوؤں کی جنبش مغرور تھی۔ مہرماہ کے تن بدن

میں آگ لگ گئی۔

"تو یہ تم نے کیا ہے نقلی آفیسر۔۔؟؟" شعلہ بار

نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ دھیمی آواز میں غرائی

تھی۔ جبکہ مہرماہ کی بات پر فاطمہ کے دماغ میں

بھی کچھ کلک ہوا تھا۔۔وہ کس آفیسر کی بات کر

رہی تھی۔۔؟؟؟وہ منہ کھولے مہرماہ اور منصب

کو دیکھنے لگی جو ایک دوسرے کے مقابل کھڑے

ارد گرد کی پرواہ کیے بنا ایک دوسرے کو گھور

رہے تھے۔ایک کی آنکھوں غصہ نفرت اور

طیش تھا تو دوسرے کی سرمئی آنکھوں میں

اطمینان۔۔ سکون قرار تھا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھ پر ہاتھ اٹھانے کا انعام

تمہیں بہت اچھے سے مل چکا ہے۔۔؟؟" مہرماہ

کی بھیگی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے منصب بے حد

دھیمی آواز میں بولا تھا۔ پہلی بار میں اس نے اس

شخص کی فقط آنکھیں دیکھی تھیں اور

آج۔۔۔؟؟ آج اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد وہ اس

سے شدید نفرت پر مجبور ہو گئی تھی۔ منصب کے

چیلنجنگ انداز پر مہرماہ کے جسم میں شرارے

سے دوڑنے لگے۔

"تھپڑ۔۔ہاں۔۔۔؟؟؟"پوچھتے ہوئے مہرماہ نے

اثبات میں سر ہلایا پھر اگلے ہی پل پوری قوت

سے اس کے گال پر تھپڑ دے مارا۔

چٹاخ۔۔۔پوری کلاس میں آواز گونجی تھی۔

جبکہ منصب اس غیر متوقع حملے پر خونی نظروں

سے فرش کو گھورتا اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ

گیا۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے۔۔ ہمت کیسے ہوئی

تمہاری۔۔۔؟؟" مہر ماہ کی اس حرکت پر

سپر یٹینڈنٹ بوکھلاتی بولی۔ کلاس میں موجود

لڑکیوں کو سانپ سونگھ چکا تھا۔

"مجھے ایک تھپڑ کا مزہ چکھانے کے لیے تم نے

اتنا کچھ پلان کیا۔۔ نقلی ڈی۔او بن آئے۔۔ یہ

ایجوکیشن سسٹم خرید لیا تب جا کر تم نے میرا گال

لال کروایا لیکن دیکھو۔۔ تمہیں دوسرا تھپڑ

مارنے کے لیے بھی مجھے کوئی تردد نہیں کرنا

پڑا۔۔۔!" غصے سے پاگل ہوتی وہ بلند آواز میں

چیخی تھا۔ شہادت کی انگلی اٹھائے وہ اب بھی اسی

سے مخاطب تھی جو خون آشام نگاہوں سے اسے

گھور رہا تھا۔

"آئندہ کسی لڑکی کو کم تر سمجھنے سے پہلے یہ تھپڑ

یاد کرلینا۔۔ امید ہے تم اسے کبھی نہیں بھولو

گے۔۔!" ایک ایک لفظ چبا کر کہتی مہرماہ نے

باری باری ایک زخمی نگاہ وہاں موجود ٹیچرز پر ڈالی

اور اگلے ہی پل وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ اس

سارے تماشے پر فاطمہ ساکت نظروں سے

منصب کا خطرناک حد تک سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر

رہ گئی۔ تو یعنی مقابل کھڑا شخص ان پولیس

آفیسرز میں سے ایک تھا جنہوں نے مہرماہ اور

فاطمہ سے بدتمیزی کی تھی۔؟؟؟ سوچتے ہوئے

وہ سیٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔ اگر وہ شخص تنہائی میں

پڑے ایک تھپڑ کا انتقام لینے کے لیے اس حد

تک چلا گیا تھا کہ مہر ماہ کا مستقبل تباہ کر ڈالا تھا

تو۔۔؟؟؟؟ بھری کلاس میں یوں تھپڑ پڑنے پر

وہ مہر ماہ کا کیا حشر کرنے والا تھا۔۔؟؟؟ اس سے

آگے سوچتے ہوئے فاطمہ کے حواس گم ہونے

لگے۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی سے خوف

محسوس ہوا تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے

جاچکا تھا۔ اس نے بے اختیار مہرماہ کی حفاظت کی

دعا مانگی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

سرخ و سفید مردانہ ہاتھ کی مضبوط انگلیوں میں

دبا پینٹ برش بڑی روانگی سے کینوس پر رنگ

بکھیر رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں دنیا جہان کی

معصومیت سمیٹے وہ مدہوش سا اپنے کام میں

مصروف تھا۔ بنا پلک جھپکائے اس کی ساکت

نگاہیں کینوس پر ابھرتے اس چہرے پر تھیں جسے

اس پل اس کے فنکار ہاتھوں نے تشکیل دیا تھا۔

عنابی لب سختی سے بھینچے وہ بے تاثر انداز میں

رنگ بکھیر تا جا رہا تھا۔ موٹی موٹی بھوری آنکھوں

کی خم دار پلکیں سیاہ کرتے ہوئے اسے ان بھوری

آنکھوں کی نفرت یاد آئی تھی۔لہجے کی پھنکار اور

انداز میں تنفر۔۔۔اسے سوچتے ہوئے وہ بے

اختیاری میں اس کی ناک کی لونگ کو سلور رنگ

سے چمکدار کرنے لگا۔لبوں کے دلفریب کٹاؤ کا

ابھار بناتے ہوئے اس کا ذہن مختلف سوچوں کی

آماجگاہ بننے لگا۔ ٹھوڑی کی شیپ کو فائنل ٹچ

دے کر وہ سیدھا ہوا اور ایک تنقیدی نگاہ اس

پینٹنگ پر ڈالی۔ نگاہوں کے سامنے تیار پینٹنگ

میں وہ چہرہ بلکل اسی چہرے سے مشابہت رکھتا تھا

جس پر پہلی نظر پڑتے ہی وہ چونک گیا تھا۔ اسکے

ہاتھوں نے آج تک کئی خوبصورت چہرے

کینوس کی سطح پر ابھارے تھے لیکن اس چہرے

نے جس طرح سے اس کے حواس جکڑ لیے تھے

وہ اسے تشکیل دیے بنا نہیں رہ پایا تھا۔ معاً اسکی

نگاہ کو اس چہرے میں کسی کمی کا احساس ہوا تھا،

برش ایک طرف رکھ کر وہ بے چینی سے ٹہلنے

لگا۔ اسے اس کمی کو پورا کرنا تھا جو اسے اس

چہرے کی جانب کھینچ رہی تھی۔۔ اگر کمی پوری نہ

ہوتی تو۔۔۔؟؟ اس سوچ کے آتے ہی اس کی

سیاہ آنکھیں برف سی ہو گئیں۔ معصومیت کی

جگہ سرد پن نے لے لی تھی۔ وجود کے اندر

بڑھتی بے چینی نے اسے آنکھیں بند کرنے پر

مجبور کر دیا تھا۔ یونہی آنکھیں بند کیے وہ ذہنی

سوچوں سے لڑ رہا تھا کہ جب اس کی آنکھوں کے

پردوں میں ایک بار پھر سخت الفاظ بولتے وہ لب

واضح ہوئے تھے۔ اسنے اپنے ذہن پر زور ڈالا تو

اسے بالائی لب کے کنارے پر سیاہ چمکتا ہوا تل

یاد آگیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنی آنکھیں

کھول لیں۔ سیاہ آنکھوں کی چمک بڑھ چکی تھی۔

وہ پلٹا اور اطمینان سے کینوس پر ابھرے چہرے

پر ایک سیاہ تل بنا دیا۔ بالائی لب کے کنارے پر

وہ تل بڑا جان لیوا تھا لیکن مقابل بنا اثر لیے اب

مسکرا رہا تھا۔ وہ نہایت کم وقت میں اس کا

حسین چہرہ کشید کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اس کی سیاہ آنکھوں کا تاثر اس پل بے نیاز تھا،

اسے یقین تھا کہ وہ مکمل چہرہ اب اسے اپنی جانب

کھینچنے میں ناکام رہے گا۔ اس چہرے کو ناکام رہنا

تھا کیونکہ اسے کاملیت کبھی بھی پر کشش نہیں

لگتی تھی۔ اگر اسے کچھ پسند تھا تو وہ تھا اپنا

آپ۔۔اگر کچھ پر کشش تھا تو وہ تھی اس کی اپنی

ذات۔۔

اپنی ذات۔۔

ہاں آدھی ادھوری فقط اپنی ذات۔۔

اسے دنیا کے ہر مکمل شخص کی کاملیت سے نفرت

تھی۔ فقط اپنی ذات کے ادھورے پن سے محبت

تھی۔ ہاں اسے فقط خود سے محبت تھی۔ اپنے

لبوں پر انگلی رکھ کر کینوس پر ابھر اعلیشہ چوہان

کا چہرہ دیکھتے ہوئے اس کی سیاہ آنکھیں سرد ترین

ہونے لگیں۔ اسے اپنی نگاہوں کی بغاوت پر

حیرت تھی کیونکہ معمول کے برعکس۔۔۔وہ

چہرہ اس کے ہاتھوں سے تشکیل پالینے کے بعد

بھی اپنی کشش نہیں کھو رہا تھا۔ اور یہ اس جیسے

"ادھورے" شخص کے لیے کوئی خوش آئند

بات نہیں تھی۔ نظروں کا رخ بدل کر وہ پینٹنگ

کے آخر میں اپنے سائن کرنے لگا۔ خوبصورت سا

ایس (S) بنا کر اپنے نام کے سپیلنگ لکھتے ہوئے

اس کے اندر کہیں بہت اندر۔۔ ایک چبھتی ہوئی

بے چینی ہلکورے لے رہی تھی جسے سمجھنے سے وہ

اس پل قاصر تھا۔

□♦□♦□♦□♦

وہ شدید غصے میں جونہی ایچ او ڈی کے آفس سے

باہر نکلی سیدھا مین گیٹ کی طرف جاتی راہداری

کی طرف بڑھی۔ ابھی وہ چند قدم ہی چل پائی

تھی جب کسی نے اسے کلائی سے پکڑ کر ایک

جانب کھینچا تھا۔ نتیجتاً علیشہ کے لبوں سے ایک چیخ

نکلی تھی جس کے بلند ہونے سے پہلے ہی مقابل

نے سختی سے اسکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسنے

آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا تو عالم کو دیکھ کر

اسکی تھمتی سانسیں پھر سے رواں ہوئیں۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔۔؟؟" اسکا ہاتھ جھٹکتے

ہوئے وہ خفگی سے بولی تو عالم ہنسا۔

"تم ڈر گئی تھیں ناں۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے اسکی

آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔

"میں نہیں ڈرتی کسی سے۔۔اور تم سے تو بالکل

نہیں۔۔!" اسے زبان دکھاتی وہ اطمینان سے

بولی۔

"ہاں لیکن ابھی تم ڈر گئی تھیں یہ مان لو۔۔!" جینز

کی پاکٹس میں ہاتھ پھنسا کر بولتا وہ اس سے تھوڑا

دور ہوا۔

"تمہیں ہر وقت مجھے ڈرا سہا دیکھنے کی خواہش

کیوں رہتی ہے۔۔؟؟" لڑاکا عورتوں کی طرح

کمر پر ہاتھ ٹکاتی وہ تنک کر بولی تو اسکی تیز آواز پر

مخالف سائیڈ سے آفس میں داخل ہوتے شخص

کی سماعتیں پل بھر کو چوکنا ہو گئیں جبکہ اسکے

سوال پر عالم ہنس دیا۔

"کیونکہ تم بہت نڈر ہو۔۔اور میں سوچتا ہوں کہ

جب تم جیسی باگڑ بلی خوفزدہ ہو گی تو کیسی لگے

گی۔۔۔!"مسکاتی نظروں سے اسکا چہرہ دیکھ کر

بولتا وہ آخر میں کندھے اچکا گیا تو علیشہ نا چاہتے

ہوئے بھی مسکرائی۔

"علیشہ چوہان نے کبھی کسی سے خوفزدہ ہونا نہیں

سیکھا سو یہ تمنا دل سے نکال دو۔۔۔!" چہرے پر

آتی بالوں کی لٹ کو شہادت کی انگلی پر لپیٹتی وہ

مکمل اعتماد سے بولی تو آفس کے دروازے پر

کھڑے اس شخص نے اس بار گردن موڑ کر

اسکی جانب دیکھا تھا۔

"اور فرض کرو کسی نے تمہیں خوفزدہ ہونا سکھا

دیا تو۔۔؟؟" وہ ہنوز اسے چھیڑ رہا تھا۔ اسکی

بات پر اس شخص کے لب بہت آہستگی سے

مسکرائے تھے۔ سیاہ آنکھیں مزید سرد ہو

گئیں۔

"اوئے مہربانم۔۔۔اپنی یہ فرضی سوچیں اپنے

تک ہی رکھو۔۔۔ میں کسی سے ڈرنے والی

نہیں۔۔!" اسے اپنے سامنے سے ہٹاتی وہ کہتی

اسکی سائیڈ سے نکل گئی۔ مہربان عالم شاہ بھی

اسکے پیچھے بڑھا جبکہ ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنے

یاقوت کو انگوٹھے سے گھماتا سردار بدر لغاری

آنکھوں میں سرد پن لیے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ

کے آفس میں داخل ہو گیا۔ جبکہ اسکی موجودگی

سے انجان ایک دوسرے کے پیچھے چلتے وہ

دونوں محو گفتگو تھے۔

"یہ مہربانم کسے کہا تم نے ہاں۔۔؟؟" ہمیشہ کی

طرح اپنا نام سن کر وہ چڑ گیا۔ جبکہ اس کی شکل

دیکھ کر علیشہ کو مزید لطف آیا۔

"تمہیں اور کسے۔۔ کیونکہ اتنا خوبصورت اور

یونیک نام پوری یونی میں تمہارا ہی ہے۔۔!" لہجے

کو سنجیدہ بناتی وہ آرام سے بولی تو وہ اسکے لفظ

یونیک پر زور دینے پر حقیقتاً تپ گیا۔

"باز آجاؤ تم اچھا۔۔اور مجھے بتاؤ اتنے غصے میں

کیوں تھیں تم۔۔؟؟" دوپونیوں میں مقید اسکے

بال کھینچتا وہ اسکے ہمقدم ہو کر بولا تو دفعتاً علیشہ کو

اپنا غصہ یاد آگیا۔لیکن فی الوقت وہ قطعی مفقود

تھا۔

"مجھے اس بدصورت لڑکے پر غصہ تھا جسے یونی

سے آؤٹ کروانے کے لیے میں پچھلے تین دن

سے کوشش کر رہی ہوں۔ لیکن مجال ہے جو ہیڈ

نے میری ایک سنی ہو بلکہ الٹا اس نے پتہ نہیں بابا

سائیں کو کیا پٹی پڑھائی ہے وہ بھی مجھے میرے کام

سے کام رکھنے کو کہہ رہے ہیں۔۔!" شیث کی

بابت بتاتے ہوئے اسکا لہجہ پھر سے کڑوا ہو گیا۔

آنکھوں میں حقارت سمٹ آئی تھی۔

"کون وہ۔۔؟ شیث حیدر۔۔۔؟؟" عالم نے

قدرے نرمی سے پوچھا تو علیشہ نے اثبات میں سر

ہلا دیا۔ پھر ایک دم چونک کر اس کی جانب

دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ اسکا نام شیث ہے۔۔؟؟"

علیشہ نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے پوچھا تو

عالم نے اسکا ہاتھ تھام کر اسے قریب ہی سنگی بنچ

پر بٹھا دیا۔

"کیونکہ مجھے ماموں سرکار نے کال کی تھی۔۔وہ

چاہتے ہیں کہ میں تمہیں اس ضد سے

روکوں۔۔!" عالم نے سنجیدگی سے کہا تو وہ پوری

اسکی جانب گھوم گئی۔

"تمہیں۔۔؟؟اس مونسٹر کی وجہ سے باباسائیں

نے تمہیں کال کی۔۔؟؟لائیک سیریسلی۔۔؟؟

اس کا مطلب جانتے ہو تم

عالم۔۔۔؟؟" آنکھیں پھاڑتی وہ کچھ حیرت کا

اظہار کرتی بولی۔

"مجھے تو پتہ ہے لیکن اب یہ تمہیں سمجھنا چاہئیے

علیشہ۔۔وہ لڑکا کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے۔۔یقیناً

اسکے پیرنٹس ماموں کے لیے کوئی پرابلم کری

ایٹ کر سکتے ہیں تبھی انہوں نے تمہیں اس سے

دور رہنے کی ہدایت کی ہے۔۔!" اسکی طرف

دیکھتے ہوئے عالم نے بھرپور سنجیدگی سے کہا تو وہ

دانت بھینچ کر رہ گئی۔

"وہ کون ہو سکتا ہے جو میرے بابا کے لیے ایشو

کری ایٹ کرے۔۔ تم نے مجھے پریشان کر دیا

ہے عالم۔۔۔!" دور تک پھیلے یونیورسٹی کے

سرسبز گراؤنڈ کو گھورتے ہوئے وہ آہستگی سے

بولی۔

"میں زیادہ نہیں جانتا لیکن ماموں کہہ رہے تھے

کہ کراچی کے نامور وکیل کا بیٹا ہے وہ لڑکا۔۔

کافی ٹف شے ہیں وہ وکیل صاحب۔۔ سو اب

تمہیں اوائیڈ کرنا ہے بس۔۔!" مختصراً اسے آگاہ

کرتے ہوئے وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتا خود بھی

گراؤنڈ سائیڈ پر کامرس سائنس ڈیپارٹمنٹ کی

بلڈنگز دیکھنے لگا۔

"ہمممم۔۔۔فائن۔۔میں یونی والوں کو مجبور

نہیں کرسکتی لیکن شیث حیدر کو اس حد تک مجبور

کردوں گی کہ وہ خود یہاں سے بھاگ جائے

گا۔۔!" کچھ سوچ کر کہتے ہوئے وہ آخر میں

مسکرائی جبکہ اسکے پر سوچ انداز پر عالم ہنس دیا۔

"بہت ہی ڈھیٹ ہو یار تم۔۔!" ایک بار پھر اسکی

پونی کھینچتے عالم نے کہا تو علیشہ نے سسسی کہتے

ہوئے اسے گھورا۔

"میں تو ہوں لیکن تم بھی کچھ کم نہیں ہو۔۔یہ

میرے بالوں سے کیا مسئلہ ہے تمہیں

ہاں۔۔؟؟" اسکے کندھے پر مکا مارتے ہوئے وہ

چڑ کر بولی تو وہ ہنستا چلا گیا۔

"اتنے پیارے بالوں سے کسے مسئلہ ہو سکتا ہے

بھلا۔؟؟ مجھے تو تمہیں تنگ کر کے مزہ آتا ہے سو

ڈیٹس وائے۔۔!" ہنستے ہوئے کہتے اسنے ایک بار

پھر ہاتھ بڑھایا تو علیشہ نے اسکے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"پیچھے کرو بد تمیز۔۔ تمہارا تو میں سارہ کو بتاتی

ہوں وہ تمہیں سیدھا کرے گی۔۔۔!" عالم کی نہ

ہونے والی گرل فرینڈ پلس اپنی بیسٹ فرینڈ کا نام

لیتی وہ بھی ہنستے ہوئے بولی تو وہ کھلکھلا کر ہنسا۔

"تم کیوں مجھے اسکے نام سے دھمکاتی رہتی ہو۔۔

پہلے اسکی دال تو گل جانے دو پھر شاید وہ مجھے

سیدھا کر بھی لے۔۔!" اسکے پاس سے اٹھتے

ہوئے عالم نے بے نیازی سے کہا تو علیشہ بھی

اسکے پیچھے ہی چلنے لگی۔

"تم تھوڑے نرم پڑو تو شاید بے چاری کی دال

گل ہی جائے۔۔!" مسکرا کر کہتی علیشہ نے ایک

بار پھر اسے چھیڑا تو عالم نے لاپرواہی سے

کندھے اچکائے۔

"سارہ یا اس جیسی کسی بھی دوسری لڑکی کے لیے

مہربان عالم شاہ کا دل کبھی نرم نہیں ہو سکتا۔۔!"

وسیع آسمان پر ایک نظر ڈالتے ہوئے عالم نے

اس بار سنجیدگی سے کہا تھا۔ چمکتی روشن آنکھوں

میں ایک گھبرایا لجایا سا روپ لہرا گیا تو اسکے عنابی

لب دھیرے سے مسکرا دیے۔دل کی دھڑکنیں

اسکے تصور سے ہی محور قص ہو گئی تھیں۔جبکہ

اسکے چہرے پر ایک الگ ہی چمک دیکھ کر علیشہ

کے مسکراتے لب سمٹ گئے۔

"تمہارا دل جس کے لیے نرمی رکھتا ہے میں بخوبی

جانتی ہوں عالم۔۔ بہتر ہے کہ تم اپنے دل کو سمجھا

لو۔۔!" ایک دم اسکے سامنے آتی وہ سخت لہجے

میں بولی تو عالم کو اپنے قدم روکنے پڑے۔ علیشہ

کے چہرے پر اس پل بھرپور سنجیدگی تھی۔

"تم میری دوست ہو یا دشمن۔۔؟؟" وہ

غیر سنجیدگی سے بولا۔۔ آنکھیں ہنوز مسکرا رہی

تھیں۔

"دوست ہوں تبھی سمجھا رہی ہوں۔۔ پھپھو

جان کبھی اس لڑکی کو تمہارے ساتھ قبول نہیں

کریں گی۔۔ جبکہ اسکے مقابلے میں سارہ ایک

بہترین لڑکی ہے۔۔!" اپنے بازو لپیٹتے ہوئے

علیشہ نے قدرے نرمی سے کہا جبکہ اسکی بات سن

کر عالم کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو چکی تھیں۔

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ مجھے اسکے ساتھ کے لیے

ماں جان کی رضامندی کی ضرورت ہے۔۔؟؟"

علیشہ کی بے خوف آنکھوں میں جھانکتے ہوئے

عالم نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ خاموش رہی۔

"صرف انکی اجازت درکار ہے اور وہ میں لے

لوں گا۔۔ تم فکر مت کرو۔۔۔!" نظریں

پھیرتے ہوئے وہ بے نیازی سے بولتا علیشہ کو بے

حد ضدی لگا۔

"وہ لڑکی تمہارے ساتھ سوٹ نہیں کرتی

عالم۔۔ پھپھو اس بارے میں نہیں جانتی لیکن

اندازہ تو انہیں بھی ہو گا۔۔ وہ ایسا نہیں

ہونے۔۔۔!" وہ بول رہی تھی جب وہ اس کی

بات کاٹ گیا۔

"میں اس معاملے میں لفظ "نہیں"۔۔۔نہیں

سننا چاہتا علیشہ۔۔۔سارہ کو مجھ پر مسلط مت

کرو۔۔اسکی دل لگی وقتی ہے اسے وقتی ہی رہنے

دو۔۔میری زندگی میں اسکے لیے کوئی جگہ نہیں

ہے۔۔!" اسے ٹوکتے ہوئے وہ سختی سے بولا تو

علیشہ کو غصہ آنے لگا۔

"تم اس دو ٹکے کی نوکرانی کے لیے۔۔۔"

"علیشے۔۔۔!" اسکی بات مکمل ہونے سے پہلے

وہ اسے گھورتا اتنی سختی سے بولا تھا کہ علیشہ کو

خاموش ہونا پڑا۔ گو چہرے پر کوئی گھبراہٹ

نہیں تھی لیکن اسنے عالم کے بدلتے موڈ کے پیش

نظر خاموش ہو جانا بہتر سمجھا تھا۔

"آئندہ اسکے لیے ایسے الفاظ استعمال مت کرنا

ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ تم میری کیا ہو اور مجھے

تم سے کتنی محبت ہے۔۔!" ایک ایک لفظ چبا چبا

کر کہتے ہوئے اسنے خود پر ضبط کرتے ہوئے اسکا

گال تھتھپایا جو کچھ ناگواری سے آس پاس دیکھ

رہی تھی۔

"سمجھ رہی ہوناں۔۔؟؟" اسے خاموش پا کر وہ

دوبارہ بولا تو علیشہ نے اپنے گال پر رکھا اسکا ہاتھ

جھٹکا۔

"بچپن کی محبت کو بچپنا سمجھ کر چھوڑ دیا جائے تو

بہتر ہوتا ہے عالم۔۔ لیکن اسے ابھی تک دل میں

بسائے پھرنے سے تمہیں افسوس کے سوا کچھ

حاصل نہیں ہو گا۔۔وہ لڑکی تو بلکل نہیں۔۔!"

وہ کہاں کسی سے ڈرنے والی تھی سو اسکے غصے کو

خاطر میں لائے بغیر تڑخ کر بولی۔ گو الفاظ سخت

تھے لیکن عالم جانتا تھا کہ حقیقت پر مبنی ہیں۔ اس

مہ جبیں کو پانا ایک دیوانے کے خواب جیسا ہی تو

تھا لیکن وہ تھا کہ خوابِ مسلسل دیکھ رہا تھا۔ اسکے

الفاظ پر وہ خود پر جبر کرتا مسکرا دیا۔ آنکھوں میں

سرخائی اتر آئی تھی۔

"وہ بچپن کی محبت میری رگوں میں خون بن کر

دوڑ رہی ہے علیشے۔۔جوان ہوا تو کیا اس خون

سے چھٹکارا پانے کو رگیں کاٹ

ڈالوں۔۔۔؟؟؟؟"علیشہ کی جانب دیکھتا وہ لہجے

میں شدت سموئے جذب کے عالم میں بولا تو

علیشہ کو اس کی حالت پر ترس آیا۔ وہ تاسف سے

نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تم محبت کو خود پر سوار کرنے والے ایک بے

وقوف شخص ہو۔۔ تم سے بحث فضول ہے۔۔!"

دھیمی آواز میں کہتی وہ اسکے پاس سے پلٹ گئی تو

مہربان عالم شاہ نم ہوتی آنکھوں سے اسے دور

جاتا دیکھنے لگا۔

"جس پل محبت تم پر آشکار ہو گی ناں علیشہ

چوہان۔۔۔اس دن تم یوں اکڑ کر چلنے کے قابل

نہیں رہو گی۔۔!" اسکی پشت کو دیکھتا وہ بڑبڑایا تو

لب آپ ہی آپ پھیکی ہنسی ہنس دیے۔ اسکی

سرخ آنکھوں میں پھر سے وہی عکس لہرانے لگا جو

ان آنکھوں کے لیے روشنی کی سی اہمیت رکھتا

تھا۔۔

یادیادیاد تیری۔۔۔

نال نال رہنا۔۔

دل نے بار بار سوچاں۔۔

داعذاب سہنا۔۔

□♦□♦□♦□♦

اب تو بے رنگ ہو گیا سب کچھ

سات رنگوں کا شہر تھا مجھ میں۔۔۔

وہ کسی مجسمے کی طرح بنا پلک جھپکائے چپ چاپ

اپنا آپ ان دونوں لڑکیوں کے حوالے کیے

ہوئے تھی جو اسے پور پور سجا رہی تھیں۔ زہرہ

اور ناجیہ بیگم اسکے پاس ہی کمرے میں موجود

تھیں لیکن وہ ان دونوں سے بے پرواہ کسی غیر

مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔ خوبصورت آنکھوں

کے پپوٹے رو رو کر سوج چکے تھے، اب تو جیسے

آنکھوں نے بھی دل کی تکلیف کا ساتھ دینا چھوڑ

دیا تھا۔ بھرے بھرے گلابی لبوں پر چپ کے

قفل ڈالے وہ اس کے لیے سج رہی تھی جس کے

نکاح میں جانے سے پہلے اسنے مرنے کی قسم

کھائی تھی۔ مون اور شاہو بھی وہیں ناجیہ بیگم کے

اردگرد منڈلاتے کبھی اسکا زرتار آنچل چھیڑتے

تو کبھی اسکے ہاتھوں کے شفاف ناخنوں کو چھو کر

خوش ہوتے جو سرخ نیل پینٹ سے رنگے ہوئے

تھے۔ کچھ دیر قبل ہی اسکا فدا حسین سے نکاح

ہو گیا تھا۔ اسے اچھے سے یاد تھا کہ وہ کس طرح

تڑپی تھی۔۔کتنا روئی تھی۔۔؟؟گڑ گڑائی تھی۔

بچوں کی طرح سسکی تھی لیکن اسکے انکار کی تو

جیسے کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔اسکی بکھری

حالت دیکھ کر سعیدہ بی بی (فدا کی بڑی بہن) کی

اپنی طبعیت خراب ہو گئی تھی کیونکہ حقیقتاً انہیں

حدیبہ، فدا سے بڑھ کر عزیز تھی۔ وہ اسکے انکار

اور انکار کی وجہ کو سمجھتی تھیں لیکن بھلا اسکے لیے

کر ہی کیا سکتی تھیں۔۔؟؟؟ وہ تو اپنے لیے کچھ

نہیں کر پائی تھیں تو پھر بھلا اسکے لیے

کیسے۔۔۔؟؟؟؟؟ نکاح کا منظر یاد کرتے ہوئے

جانے کیوں اسکی تھکی ہوئی آنکھیں پھر سے بہنے

لگیں۔

"مجھے یہ نکاح نہیں کرنا سعیدہ بی بی، خدا کے لیے

کچھ کریں۔۔!" نکاح سے پہلے وہ اس سے ملنے

آئی تھیں تو حدیبہ انکے سامنے ہاتھ جوڑتے

ہوئے بولی تھی۔۔

"استغفر اللہ مجھے اتنا بڑا واسطہ نہ دو چندا۔۔ تم

جانتی ہو میں تو خود کئی سالوں سے بے بس

ہوں۔۔!" اسکے بھیگے گال صاف کرتے ہوئے

انہوں نے آزردگی سے کہا تھا۔

"یوں نہ کہیں۔۔۔ کیا یہاں سب ہی بے بس

ہیں۔۔؟؟ کیا یہاں میرا انکار سننے والا کوئی نہیں

سعیدہ بی۔۔۔ میرے ساتھ ایسا مت کریں میں

مر جاؤں گی۔۔ مر جاؤں گی۔۔۔!" اپنا آپ

کھوتی وہ روتے ہوئے چلائی تو وہاں موجود ناجیہ

بیگم نے آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا۔

"دیبہ تم سمجھتی کیوں نہیں چندا۔۔۔ یہ تمہارے

لیے بہترین فیصلہ ہے ورنہ ساری زندگی تنہا ہی

اس حویلی کی دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر پاگل

ہو جاؤ گی۔۔۔نہ موت آئے گی اور نہ تنہائی سے

جان چھوٹے گی۔۔!" اسکے بے جان ہوتے وجود

کو اپنی آغوش میں چھپاتے ہوئے ناجیہ بیگم بھی

روپڑی تھیں۔ سعیدہ بی بی کی ویران آنکھوں

میں بھی آنسو تھے۔

"تو اس فیصلے کے بعد کیا ہو گا بھابھی۔۔؟؟؟ کیا

میں دولت کے اس پجاری کے ساتھ خوش

رہوں گی۔۔ کیا میری تنہائی دور ہو جائے

گی۔۔؟؟ نہیں۔۔۔ نہیں ہو گی دور الٹا میں اپنے

اس معصوم فدا کو بھی کھو دوں گی جسے میں نے

ہمیشہ چھوٹا بچہ سمجھ کر چاہا ہے۔۔!" ان کی گرفت

سے نکلتی وہ بے بسی سے گویا ہوئی۔

"دولت کا پجاری مت کہو اسے۔۔۔ محبت کرتا

ہے وہ تم سے۔۔ نظر کیوں نہیں آرہا

تمہیں۔؟؟" اسکی بدگمانی سے پریشان ہوتی

سعیدہ بی صفائی دینے والے انداز میں بولی تھیں۔

"کیسی محبت۔۔؟؟کیا ویسی جیسی وقار بھائی ناجیہ

بھابھی سے کرتے ہیں۔۔؟؟یا پھر ویسی جو وہ

صندل بھابھی سے کرتے ہیں۔۔؟؟بولیے

ناں۔۔؟؟؟اولاد نہیں دی تو ناجیہ بھابھی پر

سوتن لا بٹھائی اور اس سوتن کو بھی کبھی وہ مقام

نہیں دیا جس کی وہ حقدار تھی حالانکہ بقول بھائی

کے۔۔انہیں صندل بھابھی سے محبت ہوئی

تھی۔۔اور ناجیہ بھابھی تو خیر کسی گنتی میں ہیں ہی

نہیں ناں کیونکہ انکا جرم بھائی سے عمر میں بڑا ہونا

ہے۔۔۔تو پھر کیا سعیدہ بی۔۔۔؟؟؟میں بھی تو

فداسائیں سے عمر میں بڑی ہوں تو اس بات کی کیا

گارنٹی ہے کہ وہ کل کو دوسری شادی نہیں کریں

گے۔۔۔؟؟؟ کیا گارنٹی ہے کہ ان کی یہ بچگانہ

محبت قائم بھی رہے گی۔۔۔؟؟؟؟" اپنی

برداشت اور ضبط کھوتی وہ تڑخ کر بولتی چلی گئی تو

جہاں ناجیہ بیگم کو چپ لگی تھیں وہیں سعیدہ بی بی

کی ویران آنکھوں میں وحشتیں چیخنے لگیں۔ ناجیہ

بیگم نے فوراً انکی جانب دیکھا تھا جو نظر جھکا گئی

تھیں۔

"وقار سائیں کا معاملہ اور ہے دیبہ۔۔فدا کو ان

جیسا مت سمجھو میری جان۔۔!" اپنے شوہر کے

دفاع میں کچھ بھی بولے بغیر ناجیہ بیگم نے اسے

سمجھانے کی ایک اور کوشش کی تھی۔

"میں نے آنکھ کھولتے ہی جو ماحول دیکھا ہے میں

اس سے نظریں نہیں چرا سکتی بھابھی۔۔۔میں

نہیں چاہتی کل کو میرے وجود سے ایک دوسری

حدیبہ جنم لے جو مستقبل میں میری ہی طرح

ایک بے جوڑ رشتے کا شکار ہو جائے۔۔مجھے نہیں

کرنی یہ شادی۔۔نہ یہ شادی ہو گی نہ دوسری

حدیبہ جنم لے گی۔۔!" اپنی آنکھوں سے بہتے

آنسو پونچھتی وہ قطعیت سے بولی تھی۔ اسکی واضح

دلیل پر وہ دونوں خاموش ہو گئی تھیں۔ تبھی کسی

نے دروازہ بجایا تھا۔

"ہمارے کان آپکا لاتعداد مرتبہ دیا گیا انکار سن

چکے ہیں حدیبہ بیٹی۔۔ ہمیں افسوس ہے کہ

ہمارے فیصلے نے آپکو دکھ پہنچایا ہے لیکن آپکا

انکار ہماری روایات اور اصولوں کے خلاف

ہے۔۔ ہماری روایات سے مخالفت کا مطلب ہم

سے مخالفت ہے بیٹی۔۔اب یہ آپ پر منحصر ہے

کہ آپ ہمارے خلاف جا کر ہم سے ہماری بیٹی کو

چھین لیتی ہیں یا ہماری روایات کی پاسداری

کر کے ہماری بیٹی ہونے کا حق ادا کرتی ہیں۔۔!"

ذوالفقار عالم شاہ کی سنجیدگی سے پُر بھاری آواز

سن کر ان تینوں نے دروازے کی جانب دیکھا

جس پر پڑے جالی دار پردے کے پیچھے کھڑے

وہ یقیناً حدیبہ کے والد ہی تھے۔ دروازہ ناک

کر کے انہوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا

تھا لیکن وہ اندر نہیں آئے تھے۔ انکی واضح بات

پر حدیبہ کی سانسیں رک سی گئی تھیں۔

"اب بتائیے۔۔ آپ ہاں کہیں گی یا۔۔۔ ؟؟؟

نہ۔۔ ؟؟؟" انکا سوال الفاظ پر نہیں کوڑوں پر مبنی

تھا جو حدیبہ کی روح کو ادھیڑتے چلے گئے تھے۔

آنسو اسکے حلق میں ہی اٹک گئے۔ وہ جو پچھلے دس

دنوں سے نہ نہ کر رہی تھی اس پل زبان جیسے تالو

سے جا چپکی تھی۔

"آپکی خاموشی کو میں کیا سمجھوں بیٹی۔۔۔؟؟"

انکی آواز ہنوز سنجیدہ تھی۔حدیبہ کو بولنا محال لگا

تھا۔ناجیہ بیگم نے بروقت اسکی پیٹھ سہلائی۔

"مجھے آپکا فیصلہ منظور ہے بابا۔۔ مجھ سے خطا

ہوئی۔۔معاف کر دیں۔۔۔۔!" جانے کتنے

ضبط سے اسنے یہ الفاظ کہے تھے کہ بات چاہے

اسکی زندگی کی تھی۔ وہ اپنے باپ کو اپنے ہی

دروازے کی دہلیز پر کھڑا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اسکے اقرار پر وہ پردہ ہٹاتے کمرے کے اندر

داخل ہو گئے تھے۔

"آپکے فیصلے نے ہمارا دل خوش کر دیا ہے بیٹی۔۔

خوش رہیں۔۔!" اسکے قریب آکر اسکے سر پر

ہاتھ رکھتے وہ نرم لہجے میں بولے تھے۔

"اور اگر میں خوش نہ رہی تو۔۔؟؟" نظریں

جھکائے وہ دھیمی آواز میں بولی تو انکے لبوں پر

سبجی دھیمی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ناجیہ بیگم نے

اسکا ہاتھ دباتے ہوئے جیسے اس سے خاموش

رہنے کی التجا کی تھی۔

"آپکو یہ علم ہونا چاہیئے کہ آپکے بابا سرکار کے

الفاظ مستجاب الدعا ہیں۔۔۔تو پھر آپکے خوش

رہنے میں شک کا کوئی امکان نہیں۔۔۔!" اسکے

سوال کی کڑواہٹ ہضم کرتے ہوئے وہ سنجیدگی

سے بولے تھے۔ جبکہ انکے اس قدر زعم پر

حدیبہ کا دل کیا ایسے شخص کی بیٹی ہونے پر اپنا گلا

گھونٹ لے جسے اپنی نورانیت پر بھی غرور تھا۔

ان سے بحث کرنا یا مزید کچھ بھی کہنا عبث ہی تو

تھا سو وہ انکی طرف دیکھ کر ہولے سے مسکرا

دی۔ اگر مقابل کوئی مشفق باپ ہوتا تو یقیناً اسکی

ازیت بھری مسکراہٹ دیکھ کر کانپ اٹھتا لیکن

وہ اثبات میں سر ہلاتے اطمینان سے مسکرا

دیے۔ پھر ایک نظر سعیدہ بی بی کے جھکے سر پر

ڈال کر وہ ناجیہ کو اسے کمرے سے باہر لانے کا

اشارہ کرتے وہاں سے نکل گئے تھے اور پھر وہ

واقعی خاموشی سے ناجیہ کے ہمراہ خود اپنے

قدموں پر چل کر باباجی سرکار کے حجرے میں

اپنی موت کے پروانے پر دستخط کرنے آئی تھی۔

نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے جانے کتنے

آنسو ٹپ ٹپ صفحے پر گرتے چلے گئے تھے۔

"بی بی روئیں مت چہرہ مزید خراب ہو جائے

گا۔۔!" اسکا کندھا ہلاتے ہوئے تیار کرنے والی

لڑکیوں میں سے ایک بولی تو وہ چونکتی حال میں

واپس آئی۔شاہو اور مون کبھی کے وہاں سے جا

چکے تھے۔

"یوں کرو کہ تیزاب پھینک دو اس چہرے پر۔۔

مسئلہ حل ہو جائے گا۔۔!" خالی خالی نظروں سے

اس لڑکی کا چہرہ دیکھتی وہ بے دردی سے بولی تو

بے اختیار ناجیہ بیگم نے اسکا سرد ہاتھ تھام لیا۔

"پاگل ہو گئی ہو دیبہ۔۔کیسی باتیں کرتی ہو۔۔!"

اسکا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے ناجیہ بیگم نے

اسے ڈپٹنے والے انداز میں کہا تو اسنے لب

بھینچتے ہوئے انکی جانب دیکھا۔

"ان دونوں سے کہیں یہاں سے چلی جائیں ورنہ

خود سے پہلے میں انہیں آگ لگا دوں گی۔۔!"

اپنے بال سنوارتی لڑکی کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ

تڑخ کر بولی تو وہ قدرے گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ زہرہ

نے کچھ تاسف بھری نگاہوں سے حدیبہ کی

طرف دیکھا جو غم و غصے سے پاگل ہوئی جا رہی

تھی۔ گو اسنے دل پر بیتے اس سانحے پر ایک آنسو

نہیں بہایا تھا لیکن اس پل اس کی آنکھیں لال

انگارہ ہو رہی تھیں۔

"نکاح تو ہو چکا ہے بی بی۔۔اب یہ تو رخصتی سے

پہلے کے لوازمات ہیں۔۔پورے تو کرنے ہوں

گے ناں۔۔!" اسکے قریب آتے ہوئے زہرہ نے

نرمی سے کہا۔اسکی بھنورا آنکھوں میں اس پل

یاسیت کی گہری پرچھائیاں ہلکورے لے رہی

تھیں۔حدیبہ نے ڈبڈبائی نظروں سے زہرہ کی

طرف دیکھا پھر بے تابی سے اسکے ہاتھ تھام

لیے۔

"تھوڑا سا زہر لا دو زہرہ۔۔اگر تم نے کبھی رتی

بھر بھی مجھ سے محبت کی ہے تو تھوڑا سا زہر لا دو

خدارا۔۔۔!" اسکے ہاتھ تھامے وہ التجائیہ

انداز میں بولی تو جہاں زہرہ کا دل دھک سے رہ

گیا وہیں ناجیہ بیگم کے دل پر بھی ہاتھ پڑا تھا۔

مزید تماشا بننے سے بہتر انہوں نے ان دونوں

لڑکیوں کو وہاں سے بھیجنا سمجھا تھا۔

"کیوں میرے دل کو چیر رہی ہو دیبہ۔۔ تمہیں

ہمیشہ بہن سمجھا ہے میں نے یہ سب کہہ کر میرا

دل نہ دکھاؤ۔۔!" اپنے آنسوؤں کو روکنے کی

ناکام کوشش کرتی ناجیہ بیگم سر ہاتھوں میں تھام

کر بولیں تو حدیبہ ٹانگیں سمیٹتی گھٹنوں میں سر

دیے رو دی۔ اسکی حالت دیکھتی زہرہ کی تکلیف

میں بھی اضافہ ہونے لگا۔

"مجھے مار دیں بھابھی لیکن یہ سزا۔۔۔میں کیسے

انہیں قبول کروں گی۔۔کیسے۔۔۔؟؟" بلک بلک

کر روتی وہ بھیگی آواز میں بولی تو کمرے میں آتے

فدا کے قدم پل بھر کو تھمے تھے۔وہ پچھلے دس

دنوں سے اسکا رونا بلکنا برداشت کر رہا تھا لیکن وہ

تھی کہ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ اس پر نظر

پڑتے ہی زہرہ کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

نگاہ دھندلا رہی تھی لیکن وہ بس یک ٹک اسکی

جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیا مجھے اجازت ہے۔۔؟؟" اسکے کمرے میں

کھڑا وہ اجازت طلب کر رہا تھا۔ دوسرے لفظوں

میں وہ ناجیہ اور زہرہ کو وہاں سے چلے جانے کی

درخواست کر رہا تھا۔ اسکی آواز پر حدیبہ نے

ایک جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔ جبکہ اسے وہاں دیکھ

کرناجیہ بیگم آنکھیں صاف کرتی حدیبہ کے پاس

سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ حدیبہ نے سرعت سے

انکی کلائی دبوچ لی۔

"نہیں آپکو اجازت نہیں ہے۔۔ یہاں سے

جائیں آپ۔۔۔!" نفرت آمیز نگاہوں سے اسے

گھورتی وہ غرائی۔ناجیہ بیگم نے آہستگی سے اپنی

کلائی اس سے چھڑوالی۔

"میں نے آپ سے نہیں بڑی بھابھی سے اجازت

طلب کی ہے۔۔!" فدا نے مکمل اعتماد سے اسے

جواب دیا۔ اسکی ڈھٹائی پر وہ مزید سلگی۔

"آپ کہیں نہیں جائیں گی بھابھی۔۔!"ناجیہ بیگم

کو وہاں سے نکلتا دیکھ وہ بیڈ سے اٹھ کر انکے

قریب آئی۔زہرہ کی برداشت جواب دینے لگی۔

وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھتی وہاں سے بھاگی کہ اب

سسکیوں کا گلا گھونٹنا محال ہی تو تھا۔

"تمہیں فدا کو وقت دینا چاہئیے دیبہ۔۔!" اسکا

گال سہلاتے ہوئے ناجیہ نے نرمی سے کہا۔

"ابھی رخصتی نہیں ہوئی بھابھی۔۔اس لحاظ سے

فدا سائیں میرے وقت پر حق نہیں رکھتے۔۔!"

فدا کی طرف پشت کرتی وہ سلگ کر بولی۔ اسکے

ایک اور انکار پر وہ مسکرا دیا۔

"آپکو معلوم ہونا چاہئیے کہ آپ سے نکاح کے

بعد میں آپ سمیت آپکے وقت پر بھی پورا پورا

حق رکھتا ہوں۔۔!" ناجیہ کی موجودگی کی پرواہ

کیے بنا وہ اطمینان سے گویا ہوا تو اس کی اس بے

باکی پر حدیبہ کی پیشانی تپ اٹھی۔ناجیہ بیگم اپنی

مسکراہٹ روکتی وہاں سے نکلتی چلی گئیں۔حدیبہ

نے پلٹ کر انہیں روکنا چاہا تو فدا نے سرعت

سے اسکی کلائی تھام کر اسے اپنی جانب کھینچ

لیا۔ اسکی جرات پر حیران ہوتی حدیبہ نے سرخ

آنکھوں سے اسکی جانب دیکھا جبکہ اسکا سرخ

چہرہ قریب سے دیکھ کر فدا کا دل سکڑ گیا۔ سوجن

زدہ آنکھیں، سرخ ناک، سرخ گال، رونے کی

شدت سے خون چھلکاتے سرخ ہونٹ اسکا چین

وسکون لوٹ کر لے گئے۔

"حدیبہ بی بی۔۔۔!" اسے پکارتے ہوئے اسنے

بے اختیار اسکے گال پر ہاتھ رکھا تھا نتیجتاً وہ بدک

کر اس سے دور ہوئی لیکن اسکی کلائی ہنوز فدا کی

گرفت میں تھی۔اسنے پھر سے حدیبہ کو اپنے

قریب کرنا چاہا تو غصے میں ایک بار پھر حدیبہ کا

ہاتھ اٹھا تھا لیکن اس بار بروقت فدا نے اسکا فضا

میں اٹھا ہاتھ تھام کر مروڑ ڈالا۔

"آہ۔۔۔فدا۔۔۔!" وہ درد سے تڑپ اٹھی۔

"آئندہ یہ جرات مت کیجئے گا بی بی۔۔میں آپکو

تکلیف نہیں دینا چاہتا لیکن آپکی یہ سرکشی مجھے

مجبور کر دیتی ہے۔۔۔"اسے ایک جھٹکے سے

بیڈ پر پٹختا وہ سنجیدگی سے بولا تو حدیبہ نے پلٹ کر

زخمی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔سیاہ بال

بکھر کر کمر کو ڈھانپے ہوئے تھے۔

"بس۔۔یہی تھی آپکی محبت۔۔؟؟"پوچھتے

ہوئے اسکے لہجے میں تمسخر سمٹ آیا۔اسکے لہجے

کی کاٹ پر فدا اسے دیکھ کر رہ گیا۔وہ اپنے

بکھرے سراپے کی حشر سامانیوں سمیت اسکے

جذبات کو ہوا دے رہی تھی۔

"کیوں مجھے آزما رہی ہیں بی بی۔۔ میں نے اپنی

جان سے بڑھ کر آپکو چاہا ہے۔۔ اگر اس چاہت کا

ثبوت آپ کے نازک ہاتھ کے تھپڑ سہنا ہے تو

تھپڑ چھوڑیے ناں۔۔۔یہ رہا پورے کا پورا

فدا۔۔مار ڈالیے۔۔ آپکو میرا خون معاف

ہے۔۔۔!" ایک قدم اسکی جانب بڑھتا، دھیمی

آواز میں بولتا وہ دیوانہ وار اسی کی جانب دیکھ رہا

تھا۔ہاتھ اطراف میں پھیلائے وہ خود کو اسکے

سامنے پیش کر چکا تھا۔ حدیبہ سیدھی ہو کر بیٹھ

گئی۔

"آپ کی جان لے کر مجھے سکون نہیں ملے گا فدا

سائیں۔۔۔ آپکا خون بہا کر بھی میرے دل کو

قرار نہیں آئے گا۔۔!" اسکا گریبان اپنی مٹھیوں

میں جکڑ کر اسکی جذبے لٹاتی آنکھوں میں دیکھتی

وہ غرائی تھی۔

"آپکے سکون کی خاطر۔۔ آپکے دل کے قرار کی

خاطر، فقط آپکو چھوڑنے کے علاوہ آپ جو چاہیں

گی میں کروں گا بی۔۔۔!" اسکے چہرے پر

آتے بال نہایت محبت سے پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ

آہستگی سے بولا تھا۔ جبکہ اسکے لمس پر ضبط کرتی

حدیبہ نے آنکھیں میچتے ہوئے لب بھینچ لیے۔

"آپکو یقین ہے کہ آپ اپنی بات پر قائم رہیں

گے سائیں۔۔؟؟" آنکھیں کھول کر ایک بار پھر

اسکی جانب دیکھتی وہ مضبوط آواز میں گویا ہوئی۔

"اپنے آپ سے بڑھ کر مجھے آپکی جان عزیز ہے

بی بی۔۔ آپکی جان کی قسم جو کہیں گی وہ کروں

گا۔۔!" اپنے انگوٹھوں کے پوروں سے اسکی

سوجی ہوئی آنکھوں کے کونے صاف کرتا وہ نرمی

سے بولا۔

"تو ٹھیک ہے۔۔ آپ یہ رخصتی رکوادیں۔۔ منع

کردیں بابا سرکار کو۔۔۔!" اسکے ہاتھ اپنے

چہرے سے ہٹاتی وہ سنجیدگی سے بولی۔ جبکہ اسکے

اس تقاضے پر فدا کا دل پل بھر کو ساکت رہ گیا۔

چمکتی آنکھیں پل میں بے رنگ ہوئی تھیں۔

اسنے دکھ بھری نظروں سے حدیبہ کا چہرہ دیکھا

جہاں اب اطمینان نظر آرہا تھا۔ وہ لہولہان

ہوتے دل کی چیخوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش

کرتا اسے دیکھتا رہ گیا۔

شامِ شبِ وصال اور میری بے قراریاں

اُنکا دبی آواز میں کہنا۔۔۔

ابھی نہیں۔۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"زندہ نہیں۔۔چھو۔۔ڑوں۔۔گا۔۔

جان لے لوں گا تمہاری۔۔۔

بر۔۔باد کر دوں گا۔۔

تب تمہیں پتہ چلے گا کہ۔۔۔ منصب عالم شاہ۔۔

کیا چیز ہے۔!"شراب کے نشے میں دھت

پورے ہال روم کا حشر کر چکا وہ بڑبڑا رہا تھا۔اپنے

لڑکھڑاتے قدموں میں آتی ہر شے کو ٹھوکر مارتا

وہ شدید بے چینی کے عالم میں کمرے میں چکر

کاٹ رہا تھا۔ وہ پچھلے دو دن سے اپنے فلیٹ کی

بجائے کراچی کی حدود سے باہر سرسبز جنگلات

میں گھرے اپنے فارم ہاؤس میں تھا۔ اسے یہاں

لانے والے اسکے تینوں دوست ہی تھے ورنہ وہ تو

مہر ماہ کا قتل کر دینے کے در پہ تھا۔ شراب اور

سگریٹ نوشی کی کثرت نے دو دن میں ہی اسکی

حالت بگاڑ ڈالی تھی۔ اسکی سیاہی مائل سرمئی

آنکھیں اس پل خون رنگ ہو رہی تھیں،

آنکھوں کے سامنے ایک وہ ہی چہرہ گھوم رہا تھا

جس نے دن دیہاڑے اسے شدید اہانت کے

احساس سے دوچار کر دیا تھا۔ اسکا بس نہیں چل

رہا تھا کہ مہر ماہ اسکے سامنے ہوتی اور وہ اسکے

ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔

"منصب۔۔ منصب کہاں ہے یار تُو۔۔؟؟" اسے

پکارتا ہال روم کی جانب آتا وہ عمیر ہی تھا۔ اسکی

آواز پر وہ پلٹا تو اسکے پیروں سے ٹکراتے ٹوٹے

ہوئے سٹیچو نے آواز پیدا کر دی۔

"ادھر سے آواز آئی ہے شاید یہیں ہے۔۔!"

عبداللہ کی آواز بے حد دھیمی تھی۔۔وہ دونوں

اسی کی طرف آرہے تھے۔

"منصب۔۔۔؟؟" دروازے پر پڑے بھاری

پردے ہٹا کر اندر داخل ہوتے عمیر نے ایک بار

پھر اسکا نام لیا۔ کمرے کو کباڑ خانہ بنے دیکھ وہ

دونوں پل میں اسکا موڈ جان گئے تھے۔ اسکی

ڈگمگائی حالت انکی توقع کے عین مطابق تھی۔

"تجھے جو میں نے بولا تھا وہ پتہ کیا تو نے۔۔؟؟"

اسکی طرف بڑھتا منصب سختی سے بولا۔ نشہ تو

جیسے ہرن ہو گیا تھا۔

"میرے پاس تیرے لیے کوئی اچھی خبر نہیں

ہے۔۔!" کچھ جھجھک کر کہتے ہوئے عمیر اسکے

قریب آیا۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر اسے تھام

لیا جو یہاں وہاں ڈول رہا تھا۔

"مجھے پتہ ہے تیری شکل کی طرح تیری زبان

بھی منحوس ہے کمینے۔۔۔!"عبداللہ کے ہاتھ

جھٹک کر کہتے منصب نے عمیر کا گریبان پکڑ لیا۔

"اب بک کیا خبر لایا ہے۔۔!" اسے جھنجھوڑتے

ہوئے منصب چیخا۔غصے اور نفرت کی شدت سے

اسکی آنکھیں جل رہی تھیں۔یہ بھی شکر تھا کہ

اسکے بال پونی میں مقید تھے ورنہ یقیناً وہ مزید

غضبناک دکھائی دیتا۔ عمیر نے اسے بتانے کو

بامشکل تھوک نگلا۔

"وہ لڑکی۔۔وہ ایگزیمز دے رہی ہے۔۔اسکا

کیمسٹری کا پیپر بھی ری-رائٹ کیا جاچکا ہے۔۔

اور یہ سب اسکے باپ نے کروایا ہے۔۔!" اس

سے نظریں چراتے ہوئے عمیر نے دھیمی آواز

میں کہا تو اسکی جانب تکتے منصب کی سرخ

آنکھوں میں قہر ہلکورے لینے لگا۔

"اور۔۔۔؟؟وہ سپریٹینڈنٹ۔۔۔؟؟" منصب

نے ایک بار پھر اسے جھٹکا دیا۔جو بھی تھا اسے

اپنے باپ کی ریپوٹیشن کی فکر تھی آخر کو انہی کا

نام لے کر تو اسنے سپریٹینڈنٹ کو خریدا تھا۔

"اسکی ہیلپر ٹیچر نے بورڈ آفیسرز کے سامنے

ایکسیپٹ کر لیا کہ اس لڑکی کے پیپر میں چٹس

رکھنے کے لیے اسے سپریٹینڈنٹ نے ہی کہا تھا۔۔

سپریٹینڈنٹ چینج ہو چکی ہے۔۔وہ ٹیچر بھی لاپتہ

ہے۔۔!" اسکے غصے سے خائف ہوتا عمیر خجل سا

ہو کر بولا تو اسکی بات پوری ہوتے ہی منصب نے

اسے خود سے دور دھکیلا۔

"تُو نے کہا تھا اسکا باپ ایک معمولی سا سکول

کلرک ہے۔۔۔یہ اسکا معمولی پن ہے کہ پیپرز

میں ایک دن کے گیپ کے دوران اسنے یہ سب

کچھ کرلیا۔۔؟؟؟بورڈ آفیسرز کو اس سب میں

انوالو کیا۔۔ٹیچر کی زبان کھلوالی اور تو اور

سپریٹینڈنٹ کو بھی آؤٹ کروادیا۔۔۔؟؟

رائٹ۔۔۔؟؟ایک معمولی کلرک عمیر۔۔

جسٹ اے کلرک۔۔۔؟؟؟"نشے کی حالت

میں بھی دماغ کے گھوڑے دوڑاتا وہ طیش زدہ سا

بولتا چلا گیا۔ اب کی مرتبہ عمیر کو بھی اپنی ناقص

معلومات پر افسوس ہوا تھا۔

"اور۔۔۔ اور اگر سپرینٹنڈنٹ آؤٹ ہوئی ہے

تو کیا اسنے میرا نام نہیں لیا ہو

گا۔۔۔؟؟؟؟؟؟ اسنے یقیناً میرا نام لیا ہو گا۔

مطلب بات بابا سرکار تک پہنچ چکی ہو گی۔۔۔

لیکن۔۔۔لیکن اگر بات بابا سرکار تک پہنچی ہے

تو۔۔۔"تار سے تار ملاتا وہ بات کی تہہ تک پہنچنے

کی کوشش کرتا اپنا سر ہاتھوں میں تھامے کھڑے

کھڑے ہی جھکا۔

"اگر بات بابا تک پہنچی ہوتی تو مجھے انکی کال آچکی

ہوتی۔۔۔!" سیدھا ہوتا وہ بڑبڑایا۔ عبداللہ اور

عمیر دونوں ہی پریشان سے وہاں کھڑے تھے۔

"کچھ ہے منصب۔۔۔ کچھ ہے جو تم دونوں نے

مس کر دیا ہے۔ سب کچھ اس لڑکی سے شروع

ہوا ہے۔۔ سب سے پہلے جو پوائنٹ مس ہے وہ

یہی ہے کہ اس لڑکی کا باپ کون ہے۔۔۔؟؟؟"

عبداللہ نے بھی فکر مندی سے سوچتے ہوئے

زبان کھولی۔

"یہی وہ مین پوائنٹ ہے جو اس بے وقوف نے

مس کیا ہے۔۔۔میں نے اس لڑکی کی ساری انفو

اکٹھی کرنے کے لیے اس جاہل کو بولا تھا اور

یہ۔۔۔۔!" عمیر کو گھورتے ہوئے عبداللہ کو

جواب دیتا وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ گیا۔

"بظاہر تو اسکا باپ کلرک ہی ہے یار۔۔مجھے کیا

پتہ تھا کہ پوشیدہ طور پر اسکی اتنی پہنچ ہو گی۔۔!"

بے چارگی سے کہتے ہوئے عمیر نے اپنی بے

گناہی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

"کسی کلرک کی اتنی اپروچ نہیں ہو سکتی کہ وہ

پورے بورڈ آفس کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔۔

وہ دو ٹکے کا کلرک اگر سارا سال بھی اپنی جوتیاں

گھساتا تب بھی اگلے سال اپنی بیٹی کو

ایگزیمینیشن ہال میں نہیں بٹھا سکتا تھا لیکن اسنے

ایک دن۔۔ صرف ایک دن میں پورا سسٹم

تلپٹ کر کے رکھ دیا۔۔!" اپنی خونی آنکھوں سے

فرش کو گھورتا وہ دھیمی آواز میں بولا جیسے کچھ

سوچ رہا ہو۔

"اس سب کے پیچھے اسکے باپ کا نہیں کسی اور کا

ہاتھ ہے۔۔اور اگر بات بابا سرکار تک نہیں گئی

تو یہ میرا ہیڈک بلکل نہیں ہے کہ اس بارے

میں سوچوں کہ اس کے پیچھے کون

ہے۔۔!" ایک نتیجے پر پہنچتے ہوئے وہ گہرا

سانس لیتے ہوئے بولا۔

"تو اب کیا کرنا ہے پھر۔۔؟؟" اسے قدرے

نارمل ہوتا دیکھ عبداللہ نے تجسس سے پوچھا تو

منصب کے لب مسکرائے۔۔ جبکہ سرخ

آنکھوں میں آگ کے شعلے جل رہے تھے۔۔

"اسنے اپنا فیوچر تو بچا لیا۔۔ لیکن وہ خود کو نہیں بچا

پائے گی۔۔ اسنے میرا پلان برباد کیا ہے، میں

اسے برباد کردوں گا۔۔!" سفاکی سے کہتا وہ ہنوز

فرش کو گھور رہا تھا۔ چہرے پر نا قابل فہم تاثرات

تھے۔۔ اسکے لہجے کی نفرت و حقارت محسوس

کر کے عمیر اور عبداللہ نے لاچاری سے ایک

دوسرے کو دیکھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"چلو شکر ہے پیپرز سے بھی جان چھوٹی۔۔!"

اسکے ساتھ والی سیٹ سنبھالتے ہوئے فاطمہ گہرا

سانس لیتے ہوئے بولی۔ آج ان دونوں کا آخری

پیپر تھا جس کے بعد وہ دونوں روٹین کے مطابق

بس کے ذریعے گھر واپس جا رہی تھیں۔ بس

تھوڑی دیر میں ہی چل پڑی۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے خیر خیریت سے فراغت

نصیب ہوئی ورنہ مجھے لگ رہا تھا کہ کہیں وہ نقلی

ڈی۔ او پھر سے نہ ٹکرا جائے۔۔!" منصب کی

بابت سوچتے ہوئے مہرماہ نے کڑوے لہجے میں

کہا۔

"سچ کہوں تو مجھے تو ڈر تھا کہ وہ پھر سے کچھ گڑبڑ

کرے گا لیکن شکر ہے ایسا کچھ نہیں ہوا۔۔۔!"

ایک نظر کھڑکی سے باہر چلتی سڑک کی جانب

دیکھتی فاطمہ آہستگی سے بولی تو مہرماہ کی نظروں

میں منصب کا دراز قامت وجود گھوم گیا۔ اسکا

حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ اگر تمہارے ماموں

تمہاری ہیلپ نہ کرتے تو تمہارا کیا بنتا۔۔؟؟ ورنہ

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

اس کمینے انسان نے تو تمہارا فیوچر برباد کرنے میں

کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔۔!" فاطمہ نے پھر

سے بات چھیڑی تو مہر ماہ کو بے اختیار وہ دن یاد

آیا تھا جب چیٹنگ کا الزام آنکھوں میں

آنسوؤں کی صورت لیے وہ گھر پہنچی تھی تو اسکا

سامنا اپنے ماموں سے ہی ہوا تھا۔ یہ اتفاقیہ ہی تھا

کہ پہلی مرتبہ بھی وہ انہیں روتی ہوئی ہی ملی تھی

اور دوسری مرتبہ بھی اسکے گال بھیگے ہوئے

تھے۔ اپنے باپ کی اجازت ملنے پر جب اسنے

اپنے ساتھ بیتا سارا واقعہ انہیں سنایا تو انہوں نے

اسکا سر تھپک کر اسے حوصلہ دیا تھا۔ انکا انداز

گفتگو نرم اور لہجہ شیریں تھا، پھر وہ نہیں جان پائی

تھی کہ ایسا کیا ہوا۔۔؟ لیکن جب وہ ایک دن

کے تعطیلاتی وقفے کے بعد پیپر دینے گئی تو اسے بنا

سوال کیے کمرہ امتحان میں بٹھالیا گیا تھا۔ پیپر

آنے تک وہ سپریٹینڈنٹ کے خوف سے کانپتی

رہی لیکن نہ اسے آنا تھا اور نہ ہی وہ آئی۔۔ بلکہ

اسے سپریٹینڈنٹ کی جگہ ایک دوسرا چہرہ دیکھنے

کو ملا تو وہ کافی حد تک پر سکون ہو گئی یوں اسنے

باقی کے پیپرز بے فکری سے دے دیے تھے۔

"ہاں واقعی۔۔اگر ماموں نہ آتے تو آج میں گھر

بیٹھی رو رہی ہوتی۔۔!"سیٹ کی پشت سے ٹیک

لگاتے ہوئے مہرماہ نے آہستگی سے کہا۔

"ویسے یہ تمہارے ماموں پہلے تو کبھی نہیں

دِکھے۔۔اور نہ ہی تم نے کبھی انکا ذکر کیا۔۔!"

کچھ یاد آنے پر فاطمہ نے اسے دیکھتے ہوئے

پوچھا۔

"ذکر تو تب کرتی ناں جب مجھے پتہ ہوتا کہ

میرے کوئی ماموں بھی ہیں۔۔ میں تو خود ان سے

اسی دن واقف ہوئی تھی جس دن وہ بدتمیز لڑکا

پہلی بار ہمیں ٹکرا تھا۔۔!" مہرماہ نے سادگی سے

کہا تو فاطمہ کی حیرت دوچند ہو گئی۔

"نور آنٹی سے نہیں پوچھا تم نے۔۔؟؟"

"پوچھا تھا ناں۔۔ لیکن اماں نے کہا کہ اپنے ابی

جی سے پوچھ لو اور ابی جی نے کہہ دیا کہ کچھ فیملی

ایشوز ہیں جو وہ مجھ سے ڈسکس نہیں کر سکتے۔۔۔

یعنی سمپل۔۔۔وہ دونوں مجھ سے ماموں کے

بارے میں کوئی سوال نہیں چاہتے۔۔!" مہرماہ

نے اداسی بھرے لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں

منہ بسورا۔

"یہ اماں بھی ناں کبھی کبھی مجھے سوتیلی سی لگتی

ہیں۔۔ کبھی بلکل ہی پکی سہیلی کی طرح مجھ سے

باتیں کرتی ہیں تو کبھی میرے پوچھنے پر بھی کچھ

نہیں بولتی۔۔ انکا رویہ میری سمجھ سے تو باہر

ہے۔۔!" اسنے مزید دل کے پھپھولے پھوڑے

تو اسکے سوتیلی کہنے پر فاطمہ ہنس دی۔

"پتہ نہیں ہم بیٹیوں کو مائیں سوتیلی کیوں لگتی

ہیں۔۔؟؟ ویسے مجھے بھی امی پر کچھ کچھ شک

ہے۔۔۔!" غیر سنجیدگی سے کہتے ہوئے فاطمہ

ہنستی رہی تو مہرماہ بھی ہنس دی۔

"اماں کہتی ہیں جب تم خود ماں بنو گی تب پتہ چلے

گا کہ سگی سوتیلی کیا ہوتا ہے۔۔ماں تو بس ماں

ہوتی ہے۔۔!" اپنی سابقہ بات کو رد کرتی وہ نور

بیگم کا پیار یاد کرتی اسکی طرف جھک کر

سرگوشیانہ بولی تو فاطمہ پھر سے ہنسی۔

"ہاں یہ مائیں بھی ناں بس۔۔۔!" کہتے ہوئے

اسکی آنکھوں میں بھی اپنی ماں کے لیے محبت

چمک رہی تھی۔یونہی باتوں میں انکا سٹاپ

آ گیا تو وہ دونوں بس سے اتر گئیں۔ ادھر اُدھر کی

باتیں کرتی وہ دونوں منصب کا موضوع یکسر

بھول چکی تھیں۔ اپنے محلے کو جاتی گلی میں داخل

ہوتے ہوئے ان دونوں کے انداز میں تھکاوٹ

سی تھی۔ آج پھر گرمی زوروں پر تھی۔ سنہری

دھوپ سے گھبرائے لوگ گھروں میں گھسے بیٹھے

تھے۔ سنسان پڑی گلیاں ناپتی وہ دونوں گھر کے

راستے پر گامزن تھیں معاً گھر سے تھوڑے فاصلے

ہی ایک تنگ گلی کا موڑ کاٹتے ہوئے فاطمہ کے سر

پر پیچھے سے وار ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ

دونوں پیچھے پلٹ کر دیکھتیں عمیر نے سرعت

سے فاطمہ کی گردن پر ایک مخصوص رگ دبائی

تھی جبکہ صارم بھی مہرماہ کی ناک پر رومال رکھ کر

اسے بے ہوش کر چکا تھا۔ آج وہ دونوں عبائے

کے بغیر تھیں۔ فاطمہ کو وہیں چھوڑ کر ان دونوں

نے مہرماہ کو اٹھایا اور گلی کا موڑ کاٹ کر اگلی کشادہ

گلی میں کھڑی گاڑی میں ڈال دیا جو پہلے ہی

سٹارٹ تھی۔ انکے بیٹھتے ہی عبداللہ نے گاڑی

سٹارٹ کر دی۔

"میں تو کہتا ہوں اس کی دوست کو بھی لے لیتے

ہیں۔۔لاسٹ ٹائم بھی وہ ہاتھ سے نکل گئی

تھی۔۔!"ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان عبداللہ کی

طرف جھکتے ہوئے عمیر نے جلدی سے کہا۔

"منصب نے صرف اس والی کو لانے کا کہا ہے۔۔

اگر اُسکو لے کر گئے تو وہ سر پھاڑ دے گا

ہمارا۔۔!"عبداللہ کے بجائے صارم نے اسکی پیٹھ

میں دھموکا جڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن یار اس کڑی دوپہر میں وہ پٹاخہ کسی اور

کے لیے بھی تو مال غنیمت بنے گی ناں۔۔ پھر ہم

کیوں نہیں۔۔!" عمیر کی نیت فاطمہ پر خراب ہو

چکی تھی سو پھر سے بولا۔۔ عبداللہ کا دل کیا اپنا سر

پیٹ لے۔

"ابے سالے یہ لڑکی ہاتھ لگ گئی ناں تو شکر

کر۔۔۔اب اسکو واپس لینے جائے گا اور کسی نے

دیکھ لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔۔چپ

چاپ بیٹھ جا ورنہ منصب کو کال کر کے تیرا ارادہ

بتا دوں گا پھر خود ہی نپٹنا اس سے۔۔۔!" گاڑی

ڈرائیو کرتے ہوئے عبداللہ نے ناراضگی سے کہا تو

عمیر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ جبکہ ان تینوں کی

گفتگو سے انجان مہرماہ پچھلی سیٹ پر گٹھری بنی

بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

وہ جیسے ہی کلاس روم میں داخل ہوا اسکی پہلی نظر

اپنے بنچ پر رکھے اپنے خالی بیگ پر پڑی۔ اسکا قیمتی

موبائل فون زمین پر گرا ہوا تھا۔ نوٹس کے

صفحات پھاڑ کر انہیں اسی کے بینچ پر بکھیر دیا گیا

تھا۔ ٹوٹے ہوئے پین، کیلکولیٹر کمپلسری بکس۔۔

سب کا حشر نشر ہو چکا تھا۔ شیث نے گہرا سانس

لیتے ہوئے ایک نظر خالی پڑی کلاس پر ڈالی۔ وہ

کچھ دیر پہلے ہی انگلش کا لیکچر آف ہونے پر واش

روم گیا تھا اور واپسی پر اسے اپنے بیگ کا یہ حشر

دیکھنے کو ملا تھا، یقیناً اسکے کلاس فیلوز نیکسٹ کلاس

اٹینڈ کرنے کے لیے فرسٹ فلور پر جا چکے تھے۔

اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ

اسکے سامان کے ساتھ یہ چھیڑ خانی کس نے کی

ہے۔ ابھی وہ کل ہی شام میں اپنے لیے آدھا

شاپنگ مال خرید کر لایا تھا کیونکہ کل صبح جب وہ

نہا کر باہر نکلا تو اسکی الماری میں اسکا کوئی لباس

پہننے کے قابل نہیں بچا تھا۔ پینٹ شرٹس کو

قینچی سے کاٹ کر کچھ کا کچھ بنا دیا گیا تھا حتی کہ جو

چند شلوار سوٹ وہ ساتھ رکھ کر لایا تھا انہیں بھی

نیکر شرٹ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں

اس لڑکی نے کلاس میں لیکچرز کے دوران اسے

پوائنٹ آؤٹ کر کر کے اسکا سانس لینا دو بھر کر

رکھا تھا۔ پریشانی کے عالم میں اپنے بالوں میں

ہاتھ چلاتا وہ جھکا اور زمین سے اپنا موبائل اٹھا کر

دیکھا۔ موبائل کی سکرین ٹوٹ چکی تھی، شاید ہی

وہ اب کبھی چلنے والا تھا۔۔اس نقصان پر نرمی

سے مسکراتا وہ موبائل آن کرنے کی کوشش

کرنے لگا۔۔وائے قسمت کہ اسکا موبائل آن ہو

گیا تھا۔ موبائل آن ہوتے ہی اس پر بابا کالنگ

جگمگانے لگا۔ایک نظر پھر سے کلاس پر ڈالتا وہ

کال ریسیو کر چکا تھا۔اس کوشش میں اسکا انگوٹھا

ٹوٹی ہوئی سکرین نے زخمی کر دیا تھا لیکن وہ پرواہ

کیے بنا فون کان سے لگا چکا تھا۔

"السں۔۔۔لام۔۔ علیکم۔۔۔!" اسنے اپنی دھیمی

اٹکتی ہوئی آواز میں بامشکل بولنے کی کوشش

کی۔

"کہاں تھے تم۔۔۔؟؟ نمبر کیوں آف جارہا تھا

اور وہ لڑکی کون تھی۔۔ تمہارا موبائل کس کے

پاس تھا شیث۔۔۔؟؟" اسکے بولتے ہی دوسری

جانب سے وہ شدید برہمی سے بولے تھے جبکہ

انکے لفظ "لڑکی" بولنے پر اب حقیقی معنوں میں

شیث کے ہوش اڑے تھے۔

"کون لڑکی۔۔کک۔۔کس کی۔۔بات۔۔کر

رہے۔۔۔ہیں آپ۔۔۔؟؟" پریشانی میں

بوکھلاہٹ کا شکار ہوتا وہ بولتے ہوئے اٹک گیا۔

"وہ ہی جس کے پاس تمہارا موبائل تھا۔۔تمہیں

اندازہ ہے کہ وہ کیا بول رہی تھی۔۔؟؟" وہ

شدید برہم نظر آرہے تھے جبکہ انکے سخت انداز

پر وہ ٹوٹ سا گیا۔وہ کب انکے اس لہجے کا عادی

تھا۔

"با۔۔با۔۔میں نن۔۔نہیں جانتا کہ اسنے آپ

سے کیا کہا۔۔اسے میں اچھا نہیں لگتا۔۔

اس۔۔۔اسے مم۔۔مجھ سے۔۔گھن آتی

ہے۔۔۔وہ مجھے یہاں دیکھنا نہیں

چچ۔۔چاہتی۔۔۔اس نے میرا فون توڑ دیا ہے۔۔

یہاں۔۔یہاں کوئی مجھے قبول نہیں کر رہا۔۔

مم۔۔۔مجھے واپس بلا لیں بابا۔۔۔واپس۔۔۔!"

معصومیت سے کہتے ہوئے اسکی سیاہ آنکھوں میں

نمی در آئی۔ جبکہ اسکی پوری بات سن کر دوسری

جانب وہ پل بھر کو سناٹے میں آ گئے۔ پھر جب

بولے تو انکی آواز میں سلگتی ہوئی آگ جیسی تپش

تھی۔

"کون ہے وہ۔۔۔؟؟"سوال مختصر تھا لیکن شیث

جانتا تھا کہ اس سوال کے جواب کے بعد علیشہ

کے ساتھ جو معاملہ پیش آئے گا وہ مختصر نہیں

ہو گا۔ اور پہلی ہی نظر میں علیشہ کے لیے اس کے

دل نے جس ڈھٹائی سے بغاوت کر دی تھی اسکے

بعد وہ اسے تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا

تھا۔" اس۔۔سے کک۔۔کیا فرق پڑتا ہے

کہ۔۔وہ کون ہے۔۔۔مسئلہ تو۔۔یہ ہے کہ۔۔۔

میں بدصورت۔۔ترین ہوں۔۔کک۔۔۔کوئی

بھی۔۔دیکھ کر۔۔منہ۔۔پھیر سکتا ہے۔۔اس

میں۔۔اسکا تو کوئی قصور نہیں۔۔۔!" اپنے دل

کے درد پر ضبط کرتا وہ آہستگی سے بولا تو اسکی

لرزتی آواز سنتا اسکا باپ اذیتوں کے سمندر میں

اترتا چلا گیا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ بد صورت تم نہیں اس

لڑکی کی نظر ہے شیث حیدر۔۔ دوسری اور

آخری بات جو تمہیں سمجھنے کی اشد ضرورت ہے

وہ صرف یہ ہے کہ تمہارے ادھورے پن میں

تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔۔ یہ اللہ کی رضا ہے

کہ وہ کس کو کیسا تخلیق کرتا ہے۔۔ سو کنفیوز ہونا

چھوڑ دو۔۔!" اپنے اندر اٹھتے شعلوں کو دباتے وہ

دھیمی آواز میں بولے تو شیث کی بھیگی آنکھوں

سے پانی گرتا اسکے گال نم کر گیا۔

"مم۔۔ میں تو۔۔ کس۔۔ کسی سے

بھی۔۔ شکوہ۔۔ نہیں کر سکتا بابا۔۔ اللہ۔۔ سے تو

بلکل نہیں لل۔۔۔ لیکن۔۔۔ یہ طے ہے

کہ۔۔۔ میں باقیوں جیسا نہیں ہوں۔۔ اس دنیا کا

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

باسی نہیں ہوں۔۔مجھے واپس بلالیں پلیز۔۔!"

ایک ہاتھ سے گال رگڑتا وہ آہستگی سے بولا۔

"تم بچوں کی طرح بات بات پر رونا کب چھوڑو

گے پہلے یہ بتاؤ۔۔!" اسکی آواز میں گھلی آنسوؤں

کی کڑواہٹ محسوس کر کے وہ خفگی سے بولے۔

"میں رو نہیں رہا۔۔ میری آواز ہی ایسی

ہے۔۔!" بے دردی سے کہتے ہوئے اسنے ایک

اور تیر انکے سینے میں پیوست کیا تھا۔۔ وہ لب

بھینچتے خاموش ہو گئے۔

"مم۔۔مجھے واپس بھیج دیں۔۔!" پھر سے وہی

تقاضا۔۔

"واپس جانے کا سوچنا بھی مت۔۔تم وہیں رہو

گے اور خود کو امپروو کرو گے۔۔رہی بات اس

لڑکی کی تو۔۔اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو میں خود

بھی پتہ لگوا سکتا ہوں۔۔ لیکن سب سے پہلے اس

لڑکی کو یہ جان لینا چاہئیے کہ وہ کس سے ٹکرا لے

رہی ہے۔۔!"قطعیت سے کہتے ہوئے انہوں

نے اسکی درخواست رد کر دی تھی۔ پھر اس سے

پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتا وہ کال ڈسکنیکٹ کر چکے

تھے۔ شیث کو علیشہ کی فکر ہونے لگی۔ اگر وہ اپنی

روش پر چلتی رہتی تو یقیناً اسے بڑی مشکل کا سامنا

ہونے والا تھا۔ اس سے بات کرنے کا سوچ کر

وہ کلاس سے باہر نکل آیا۔

□♦□♦□♦□♦

"ہاہاہا ایم ٹیلنگ یو اس کا باپ اب تک کڑھ رہا

ہو گا۔۔!" ہنستے ہوئے سارہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارتی

وہ ہادیہ راحمہ اور فضہ سے محو گفتگو تھی۔

"ویسے آئیڈیا کمال۔۔یقیناً اسکا باپ اپنے بیٹے

کو یہاں سے فارغ کروالے گا۔۔اب جہاں بیٹے

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

کی درگت بنتی ہو بھلا وہاں وہ اپنے لاڈلے کو کہاں

رہنے دے گا۔۔!" اپنے ناخنوں سے کھیلتی

اتراتے ہوئے بولتی یہ فضہ تھی۔

"ایگزیکٹلی۔۔ اینڈ یو نو واٹ جب میں نے کہا ناں

کہ تمہارا بیٹا پیدائشی معذور ہے تو بے چارے کی

بولتی ہی بند ہوگئی تھی۔۔!"علیشہ نے انہیں

مزید آگاہ کیا۔

"ہاہاہا۔۔ہوسکتا ہے اسکی بولتی بند نہ ہوئی ہو۔۔

وہ بھی اپنے بیٹے کی طرح آواز سے معذور

ہو۔۔!" کندھے اچکا کر بولتی راحمہ کے کہنے پر

ایک بار پھر ان چاروں کا قہقہ پڑا اتھا۔

"پوائنٹ۔۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔۔!" راحمہ کی

بات کی تائید کرنے کی بھونڈی اداکاری کرتی

سارہ نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"اے تم کیوں چپ ہو۔۔؟؟" ہادیہ کو خاموش

پا کر علیشہ نے اسے ٹہوکا مارا۔

"کچھ خاص نہیں۔۔ میں بس یہی سوچ رہی تھی

کہ وہ لڑکا اتنا بھی برا نہیں ہے۔۔ اگر اسکی ناک

ڈھانپ کر اسے دیکھا جائے تو اچھی خاصی

پرسنیلیٹی ہے یار۔۔!" ہادیہ نے اپنے تئیں انکا

دھیان اسکی ایک خوبی کی جانب موڑنا چاہا جس پر

علیشہ نے حیران ہونے کی بھرپور اداکاری کرتے

ہوئے آنکھیں پھیلالیں۔

"برائے مہربانی۔۔اس چکر میں نہ پڑنا۔۔میں

اسے یونی میں برداشت نہیں کر سکتی تمہارے

پہلو میں کیسے کروں گی۔۔!" اسکی بات کی تہہ

تک پہنچتی علیشہ نے پل میں اسے وارن کیا تو وہ

جھینپ کر ہنس دی۔

"میں تو ویسے ہی کہہ۔۔۔" وہ بول ہی رہی تھی

کہ جب اسکی نظر سیڑھیوں سے اوپر آتے شیث

پر پڑی۔ اسکی نظروں کے تعاقب میں باقی

چاروں نے بھی اس طرف دیکھا۔ اسے دیکھ کر

علیشہ کا منہ بن گیا۔

"اللہ جانے اس نحوست سے ہماری یونی کب

پاک ہو گی۔۔!" اسے قریب آتا دیکھ علیشہ نے

ہمیشہ کی طرح باآواز بلند سرگوشی کی۔۔وہ پچھلے

دو ہفتوں سے اسے یونہی ٹیز کر رہی تھی۔ اسکے

جملے پر شیث کے زخمی لب آہستگی سے

مسکرائے۔وہ انکے قریب آتا علیشہ کے سامنے

رک گیا تو اسکی چاروں دوستوں نے حیرت سے

ایک دوسرے کو دیکھا۔یہ پہلی بار تھا کہ وہ یوں

علیشہ کے مدمقابل آیا تھا۔

"وہ۔۔ مم۔۔۔مجھے آپپپ۔۔پ سے کک۔۔

کک۔۔کچھ۔۔پوچھنا ہے۔۔!" نظریں جھکا کر وہ

اٹکتے ہوئے بولا تھا۔ اسکے یوں ہکلانے پر ان

پانچوں کی دبی دبی سی ہنسی نکلی تھی۔

"تم "پوچھ "پاؤ گے۔۔؟؟ (یعنی بولا بھی جائے

گا یا نہیں۔۔)؟؟؟" اسکے لہجے کی کپکپاہٹ پر

چوٹ کرتی وہ سوالیہ انداز میں بولی تو راحمہ قہقہ لگا

کر ہنسی۔علیشہ کا لہجہ حقارت سے پُر تھا۔ان

پانچوں کے انداز پر شیث کی پیشانی پر پسینہ چمکنے

لگا۔

"وہ۔۔آ۔۔آپ نے۔۔مم۔۔۔میرے بابا

سے۔۔کیا کہا ہے۔۔وہ۔۔وہ بہت غصہ ہورہے

تھے۔۔اور۔۔اور مم۔۔میں آپکو بتارہا

ہوں۔۔۔یہ۔۔یہ آپکے لیے۔۔اچھا نہیں

ہو گا۔۔۔!" اسنے زرا سی نظریں اٹھا کر علیشہ کو

دیکھتے ہوئے کچھ گھبرائے ہوئے انداز میں کہا تو

علیشہ نے اپنی بھنویں اچکائیں۔

"تو یعنی تم مجھے وارن کر رہے ہو۔۔؟؟؟ مجھے یعنی

علیشہ چوہان کو۔۔۔؟؟" اپنے سینے پر انگلی رکھتی

وہ تڑخ کر بولی تو شیث نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں تو صرف آپ۔۔ آپکو سمجھا رہا

ہوں۔۔۔!"

"اوہ واؤ۔۔تو اب تم مجھے سمجھاؤ گے۔۔۔؟؟"وہ

برہم نظر آنے لگی تھی۔شیث نے پلکیں جھپکاتے

ہوئے اپنی پیشانی صاف کی۔

"ایک کام کرو تم۔۔۔پہلے ٹھیک سے بولنا سیکھ کر

آؤ پھر مجھے سمجھانا۔۔تمہارے لفظوں کی سمجھ

آئے گی تو شاید انکے معنی بھی سمجھ آجائیں۔

ہمم۔۔؟؟؟اب نکلو یہاں سے۔۔۔چلو۔۔۔!"

شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وہاں سے نکلنے کا اشارہ

کرتی وہ حقارت آمیز انداز میں بولی۔ آس پاس

موجود سٹوڈنٹس میں سے کچھ اسکی سنگدلی پر

تاسف نظروں سے علیشہ کو دیکھ رہے تھے جبکہ

کچھ کے لبوں پر دبی دبی سی ہنسی تھی۔اس واضح

تذلیل پر شیث کی سیاہ آنکھوں میں سرخی سے

ہلکورے لینے لگی۔

"اب یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھور کیا رہے

ہو نظریں نیچے کرو۔۔۔!" اسے خود کو تکتا پا کر وہ

خفا ہوتی چلائی۔ شیث نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

"ایم۔۔ایم سوری۔۔!" وہ بھیگتی ہوئی آواز میں

بولا۔ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بھینچی ہوئی

تھیں۔

"اب جاؤ یہاں سے اور آئندہ اپنا یہ بدصورت

چہرہ لے کر میرے سامنے مت آنا۔۔۔!" اسکی

جانب سے رخ پھیرتی وہ سنگدلی سے بولی۔

"سارا موڈ خراب کر دیا۔۔!" وہ جانے کے لیے

پلٹا تو علیشہ بڑبڑائی۔ سٹوڈنٹس کی کھوجتی نگاہوں

سے نظریں چراتا وہ سر جھکائے جس راستے سے

آیا تھا اسی سے پلٹ گیا۔۔سینے میں دھڑکتا دل

ساکت سا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

سَکُوت لہجہ، اَدُھوری آنکھیں، جَمود سوچیں تِیرا

تَصّور۔۔۔

اَلفاظ بِکھرے، مِزاج مَدھّم، ناراض مَوجیں تِیرا

تَصّور۔۔۔

عَذاب لمحے، خِراج آہیں، بَرات خوشیاں، جِہات

بَرہم۔۔۔

تمنّا رُخصَت، دَفن اُمیدیں، بے رَنگ

سَوچیں تِیرا تَصّور۔۔۔

جَوان رَنجِش و دَرد تازہ، اُدھار سانسیں، جُھلستا

آنگن۔۔۔

وِیران دَامن، اُجاڑ پہلو، وُہ تِیری کھوجیں تِیرا

تَصوّر۔۔۔

سَوال عادت، جَواب حِکمت، عِلاج دَرشن،

مریض عُجلت۔۔۔

جَمال مَقّصُود، حسن مَفقُود، نِگاہیں پُوچھیں تِیرا

تَصّور۔۔۔

اَنجان راہیں، فَریب بانہیں، نَقاب چہرے، سَرد

نِگاہیں۔۔۔

ہَمدرد بارش، ھے دِل کی خواھش، پلٹ کے لَوٹے

تیرا تصور۔۔۔

اَصنام پتھر، قُلوب پتھر، اَنّا ئیں پتھر، اِنسان پتھر

ــــ

سَکُون دِلبر، نرم کلامی، گداز سوچیں تِیرا تصّور

ــــ

زوال دُوری، کمال جِینا، مُحال سہنا، وَبال کہنا۔۔۔

وُہ تلخ لمحے، زہر لہو میں تریاق چاہیں تِیرا تصوّر

۔۔۔

ریلنگ پر سختی سے ہاتھ جمائے وہ چھت کے

مخصوص گوشے میں کھڑا سیاہ آسمان کو گھور رہا

تھا۔ بجھی بجھی سی اداس آنکھوں کے کنارے

ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہے تھے۔ غمِ محبت

کی اذیت اس پل اسکے وجیہہ چہرے پر چیخ چیخ کر

اپنی موجودگی بیان کر رہی تھی۔حدیبہ کے انکار

کو زہر کی مانند پیتے ہوئے اسنے بڑے مدلل انداز

میں ذوالفقار عالم شاہ کے سامنے رخصتی کو ملتوی

کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن انہوں نے بڑی

سختی سے اسکا ہر جواز، رد کر کے حدیبہ کی رخصتی

تکمیل پہنچادی تھی۔وہ اس وقت اسکی بیوی کی

حیثیت سے اسکے بیڈروم میں موجود تھی لیکن

فدا بہت اچھے سے اسکا رد عمل جانتا تھا اسی لیے

اسکی کاٹ دار نگاہوں سے بچنے کو وہ یہاں کھڑا اپنا

غم غلط کر رہا تھا۔

"سنا ہے تم نے حدیبہ بی بی سے شادی محبت میں

کی ہے فدا سائیں۔۔؟؟؟" طنز بھرے لہجے میں

ناپسندیدگی کی کاٹ لیے بولتا وہ اسکی پشت پر آ

کھڑا ہوا۔ اسکے سوال پر فدا حسین اسکی جانب

پلٹا۔

"تمہیں کوئی شک ہے۔۔؟؟" فدا کا لہجہ بھی

سلگتا ہوا تھا۔ فدا کے سوال پر ولید شاہ مسکرایا۔

"ہاں ناں۔۔ شک ہے۔۔ کیونکہ چاہت میں کی

گئی شادی کی پہلی ہی رات شوہر اپنی بیوی کو تنہا

چھوڑ کر چھت پر کھڑے ہو کر تارے نہیں

گنتا۔۔ جیسے کہ ابھی تم گن رہے ہو۔۔!"لبوں پر

دل جلانے والی مسکراہٹ سجائے وہ اسے تپا رہا

تھا۔۔ فدا کا خون جلنے لگا۔ وہ بچپن سے ہی

دوست کم دشمن زیادہ لگتا تھا۔ گو کہ وہ فدا سے

چار، سال بڑا تھا لیکن گہری دوستی کی وجہ سے وہ

دونوں ایک دوسرے کو بنا تکلف کے مخاطب کیا

کرتے تھے۔

"چاہت اگر دونوں طرف سے ہوتی تو میں یہاں

موجود نہ ہوتا۔۔وہ میری شکل نہیں دیکھنا

چاہتیں تو میں کیسے انہیں مزید اذیت سے دوچار

کر دوں۔۔؟؟" ولید کی جانب سے رخ موڑتے

ہوئے اسنے جلتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اندازہاراہوا

تھا۔

"تو انکی اذیت کا خیال ان سے نکاح کرتے ہوئے

نہیں آیا تمہیں۔۔؟؟ اب جو پرواہ کر رہے ہو

تو پہلے ہی خیال کر لیتے۔۔اپنی چاہت پر اُنکی

اذیت کو فوقیت دے دیتے۔۔ہمم۔۔؟؟"وہ

ٹھنڈے ٹھار لہجے میں فدا کو سلگا رہا تھا۔

"میرے دل میں انکی چاہت کتنی شدید ہے یہ

شاید ہی میں کبھی اُن پر ثابت کر پاؤں۔۔لیکن

اس چاہت میں اتنی ہی شدت ہے کہ انکو اپنا

بنانے کے لیے میں نے انکی اذیت کو نظر انداز،

کر دیا۔ جانتا ہوں کہ یہ خود غرضی ہے لیکن

میں انہیں خود سے دور نہیں دیکھ سکتا۔۔۔!"

فدا نے شکست خوردہ لہجے میں اپنی سنگدلی کا

اعتراف کیا۔ اسکی بات پر ولید ہولے سے

مسکرایا۔

"یہی وہ پوائنٹ ہے جو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا

ہوں۔۔ جس وقت تمہیں انکا خیال کرنا چاہئیے

تھا اس وقت تم نے کان لپیٹ لیے اور اب جبکہ

وہ تمہارے نکاح میں ہیں۔۔ انفیکٹ تمہارے

روم میں موجود ہیں تو اب تم انکی اذیت کا خیال کر

رہے ہو۔۔؟؟ نہیں فدا۔ یار اب خیال

کرنے کا ٹائم نہیں ہے۔۔ اب ٹائم یہ ہے کہ تُم

جاؤ اور جا کر اُن پر اپنی محبت کو پروو کرو تا کہ وہ

تمہیں ایکسیپٹ کریں۔۔ ان کو اپنا اور اپنی

چاہت کا احساس دلاؤ۔۔ یوں دامن بچاؤ گے

تو یہ گاڑی زیادہ دیر نہیں چلے گی۔۔!" اسکے

کندھے پر ہاتھ رکھ کر گہرے لہجے میں بولتے

ہوئے ولید شاہ نے اسے حقیقت کا آئینہ دکھا دیا

تھا۔

"وہ مجھے دیکھ کر روتی ہیں یار۔۔ مجھ سے انکا رونا

برداشت نہیں ہوتا۔۔!" سادگی سے کہتا وہ ولید

شاہ کو اس پل بچہ ہی لگا۔

"اور مجھ سے تمہاری یہ روتی ہوئی شکل برداشت

نہیں ہوتی۔۔۔میری بہن اب تمہاری بیوی

ہے۔۔جس رشتے میں تم بندھ چکے ہو اسکی ذمہ

داریاں معمولی نہیں ہیں، اور حدیہ بی بی کو

سنبھالنا تو بالکل بھی معمولی نہیں ہے۔۔رشتہ جوڑ

لیا ہے تو اب اسکو نبھاؤ۔۔میں جانتا ہوں وہ اس

وقت اپنا سارا غصہ تمہارے کمرے پر نکال چکی

ہوں گی۔۔تو اب تمہارا فرض بنتا ہے کہ انکو پیار

سے ڈیل کرو۔۔جاؤ فدا۔۔انہیں تمہاری

ضرورت ہے۔۔!" فدا کی پیٹھ تھپکتا وہ سنجید گی

سے بولتا چلا گیا۔۔ اسکی باتیں سن کر فدا کو کچھ

حوصلہ ہوا تھا سو دھیرے سے مسکرایا۔

"میں انہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں

گا ولید۔۔!" فدا آہستگی سے بولا۔

"اوں ہوں۔۔ کوشش نہیں۔۔ تمہیں میری

بہن کو خوش رکھنا ہے۔۔۔!" ولید نے اسکے جملے

کی تصیح کی تو اپنے آپ کو ہلکا پھلکا سا محسوس کرتے

فدا نے اسکے شانے پر مکا مارا۔

"ہاں میں انہیں خوش، رکھوں گا۔۔!" فدا نے

ہنستے ہوئے کہا تو ولید شاہ بھی ہنس دیا۔

"ان شاء اللہ۔۔ ان شاء اللہ۔۔۔!" ولید نے

پرسکون سا ہو کر اثبات میں سر ہلا دیا۔۔ وہ محبت

میں زور زبردستی کا قائل ایک عام سا مرد ہی تھا۔

اسکی نظر میں دو طرفہ چاہت ضروری نہیں تھی

اسلیے اسے جیسے ہی ناجیہ بیگم کے منہ سے فدا کی

دیوانگی کی بابت پتہ چلا تھا وہ اسے سمجھانے چلا آیا

تھا۔ اسے یقین تھا کہ فدا کی محبت حدیبہ شاہ کے

لیے کافی ہو گی۔ فدا چلا گیا تو ولید اسی کی جگہ کھڑا

ہوتا سیاہ آسمان کو دیکھنے لگا۔ حدیبہ کی طرف سے

اسکا دل مطمئن ہو چکا تھا لیکن اپنے دل کے اس

گوشے کا کیا کرتا جس میں لگی آگ نے اس کا پور

پور جلا ڈالا تھا۔ وہ اپنے بابا سرکار (ذوالفقار عالم

شاہ) سے بارہا بڑے اعتماد سے اپنے دل کا حال

بیان کر چکا تھا لیکن انکے سفاکی سے کیے گئے انکار

نے اسکے اندر کا خود سر اور ضدی ولید شاہ ابھار

دیا تھا۔ اسکے اندر لگی آگ نے اسے پاگل کر

رکھا تھا اور اسکا باپ تھا جو سمجھنے کو تیار ہی نہیں

تھا۔ اردگرد سے بے بہرہ وہ سلگتی نظروں سے

سیاہ آسمان کو گھور رہا تھا۔۔ کہ تبھی قدموں کی

آہٹ پر پلٹ کر دیکھا۔

"سرکار آپکی چائے۔۔!" ہاتھ میں پکڑی ٹرے

لیے بولتی وہ جیسے ہی اسکے قریب آئی، فدا کی

جگہ اسے وہاں کھڑا دیکھ کر پل بھر کو گڑبڑائی۔

جبکہ اسے سامنے دیکھ کر ولید شاہ کے زخم ناسور

بننے لگے۔ کہاں وہ اس کے لیے تڑپ رہا تھا اور

کہاں وہ اسکے دل میں لگی آتش سے بے بہرہ

سکون سے زندگی گزار رہی تھی۔

"میں نے تو نہیں منگوائی۔۔!" ایک قدم اسکی

جانب بڑھتا وہ سنجیدگی سے بولا تو اسکے بھاری لب

و لہجے پر ہمیشہ کی طرح زہرہ کا دل دھڑکا۔ اسکی

نگاہوں کی تپش اس کے وجود کو جھلسا دیا کرتی

تھی۔

"وہ۔۔وہ۔۔یہاں۔۔فف۔۔فدا۔۔فدا

سس۔۔سرکار۔۔!" اسے اپنے مزید نزدیک

آتا دیکھ اسکے الفاظ ٹوٹ سے گئے۔پلکوں کی

لرزش ولید شاہ کی زیرک نگاہوں سے مخفی نہیں

تھی۔

"فدا تو چلا گیا۔۔ اور میں تو چائے پیتا نہیں تو یوں

کرو کہ یہ چائے تم پی لو۔۔!" نرم نگاہوں سے

اسکا سلونا روپ دیکھتا وہ مگ اٹھا کر اسکے لبوں کے

قریب کر چکا تھا۔۔ زہرہ کی سانسیں جلنے لگیں۔

"مم۔۔ میں کیسے۔۔۔؟؟" وہ گھبرا گئی۔

"چلو پیو شاباش۔۔!!" اسکی بکھرتی حالت پر اپنی

مسکراہٹ روکتا وہ سنجیدگی سے بولا تو چاروناچار

زہرہ کو چائے کے گھونٹ بھرنا پڑے۔

"بس سرکار۔۔اور نہیں۔۔!" دو چار گھونٹ بھر

کر زہرہ نے مگ ہاتھ سے پرے کیا تو ولید شاہ نے

مگ لبوں سے لگالیا۔۔اسکی اس حرکت پر زہرہ کا

دل رکنے کے قریب ہو گیا۔

"مم۔۔میں جاؤں سرکار۔۔؟؟"وہ رونے کے

قریب تھی۔۔ولید نے سر اثبات میں ہلاتے

ہوئے مگ واپس اسکے ہاتھوں میں کانپتی ٹرے

میں رکھ دیا۔

"ہمم جاؤ۔۔ اور سنو۔۔ کل سے اسی وقت چائے

میرے لیے بھی بنانا۔۔ مجھے اسکا ذائقہ پسند آیا

ہے۔۔!"لبوں پر دھیمی مسکراہٹ سجا کر اسنے

اطمینان سے کہا تو زہرہ نے جھٹ اثبات میں سر

ہلایا۔ پھر پلٹی اور وہاں سے سرپٹ دوڑی۔۔ اسکا

دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦□♦

دروازے کا ہینڈل آہستگی سے گھماتا وہ دروازہ

کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو پہلی نظر خالی

پڑے بیڈ پر گئی تھی۔کمرے کی ہر شے نفاست

سے اپنی جگہ موجود تھی۔بیڈ پر ایک جانب بے

ترتیبی سے حدیبہ کا سرخ لہنگا پڑا ہوا تھا۔فدا کو

شام کا منظر یاد آیا جب حدیبہ نے اس سے

رخصتی رکوانے کی بات کی تھی۔ یہی لہنگا پہنے تو

تیار ہو رہی تھی وہ۔۔ اپنے لب بھینچتا وہ دروازہ

بند کر کے بیڈ کی طرف آگیا۔ اسنے پلٹ کر ایک

طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی۔ اٹیچ باتھ روم کی لائٹ

آف تھی۔ لیکن ڈریسنگ روم کے ادھ کھلے

دروازے سے روشنی باہر آرہی تھی۔ وہ قریب

گیا تو اسکی سماعتوں میں حدیبہ کی گھٹی گھٹی سے

سسکیاں پڑیں۔ وہ بے تابانہ ڈریسنگ روم کا

دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا۔ پہلا قدم رکھنے پر

ہی اسکے قدموں میں کچھ آیا تھا۔ اسنے نظر جھکا

کر دیکھا تو حدیبہ کی جیولری فرش پر بکھری پڑی

تھی جبکہ وہ خود آئینے کے سامنے کھڑی ہچکیوں

سے روتی اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ فدا کو وہاں دیکھ

کر اسکی آنکھوں میں نفرت در آئی۔ کانچ کی

چوڑیوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے مٹھیوں میں

دبائے وہ وحشت زدہ سی فدا کا عکس دیکھ رہی

تھی۔

"مل گیا سکون آپکو۔۔؟؟ پڑ گئی کلیجے میں

ٹھنڈک۔۔۔؟؟" اسکی طرف پلٹتی وہ چلائی

تھی۔ فدا نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ میری بات سنیے پلیز۔۔میں نے انکار کیا

تھا۔۔ لیکن تایا سرکار۔۔!" وہ اپنی صفائی میں کچھ

بولنا چاہتا تھا لیکن حدیبہ نے چلاتے ہوئے اسکی

بات کاٹ دی۔

"جھوٹ۔۔ جھوٹ بولتے ہیں آپ۔۔ جھوٹے

ہیں آپ۔۔ آپ نے میری جھوٹی قسم کھائی

۔۔ کوئی محبت نہیں ہے آپکو مجھ سے۔۔سچ پوچھیے

تو آپکی نیت خراب ہو چکی ہے لیکن منہ دھو

رکھیے۔۔ آپکی نیت کے فتور سے میں اپنی روح

پامال نہیں ہونے دوں گی۔۔۔!" اپنی سرخ سلگتی

آنکھوں سے اسکی جانب دیکھتی وہ حلق کے بل

چلائی۔ سمپل لان کا بلیو شارٹ فراک اور بلیو ہی

نائٹ ٹراؤزر پہنے وہ بنا دوپٹے کے فدا حسین کی

تمام تر توجہ سمیٹے ہوئے تھی۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔۔!" فدا نے اسکی

طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس مت آیئے گا ورنہ میں آپکا منہ

نوچ لوں گی۔۔!" ایک ہاتھ کی مٹھی کھول کر

چوڑیوں کے ٹکڑے اس پر پھینکتی وہ غرائی۔ جبکہ

اسکے ایسا کرنے پر فدا کی نظر اسکی زخمی ہتھیلی پر

پڑی تھی۔ جبکہ دوسرے ہاتھ کی بند مٹھی سے

بھی خون لکیر کی مانند بہہ رہا تھا۔

"حیبہ یہ کیا کِیا ہے آپ نے۔۔؟؟" اسکی تکلیف

پر بے چین ہوتا وہ تڑپ کر بولا۔

"میں نے کہا میرے پاس مت آیئے گا ورنہ مار

ڈالوں گی آپکو۔۔!!" بری طرح روتی وہ چلائی۔

فدا کو اپنے بڑھتے قدم روکنے پڑے۔ اسکے انداز

میں اس قدر شدت تھی کہ وہ دنگ رہ گیا۔

"نیت خراب ہوئی ہے ناں آپکی۔۔؟؟اس

چہرے۔۔؟؟اس وجود کو دیکھ کر ہے ناں۔۔؟؟

ہے ناں فدا سائیں۔۔؟؟"پوچھتے ہوئے وہ

شدتوں سے رو رہی تھی۔اسکا نازک وجود

ہچکولوں کی زد میں تھا۔

"تو اب کیجئے محبت۔۔۔اب۔۔" کہتے ساتھ ہی

اسنے فدا کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر مٹھی

سے ٹوٹی ہوئی چوڑیاں نکال کر بے دردی سے

اپنے گال پر وار کیا۔۔وہ ایک مرتبہ میں رکی

نہیں تھی۔

"اب۔۔

اب۔۔

اب کیجئے۔۔۔"

اپنے چہرے کو ادھیڑتی وہ جنونی ہو رہی تھی۔

اسکی پاگلوں جیسی حالت دیکھ کر وہ برق رفتاری

سے اس تک پہنچا تھا۔

"حیبہ پلیز سٹاپ اٹ۔۔۔پلیز ڈونٹ۔۔۔

ڈونٹ۔۔

حیبہ نو۔۔۔!" ایک وحشت کے عالم میں چلتے

اسکے ہاتھ روکنے کی کوشش کرتا وہ چلایا لیکن وہ

اب چہرے کو زخمی کرنے کے بعد اپنی گردن

ادھیڑنے پر تلی ہوئی تھی۔۔

"ا۔۔ب۔۔اب۔۔کریں۔۔مم۔۔

محبت۔۔۔!" درد سے دوہری ہوتی وہ روتے

ہوئے چلائی۔

وہ بری طرح مچلتی فدا کے قابو میں نہیں آرہی

تھی۔۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی شہ رگ کاٹ

لیتی فدا نے ضبط کھوتے ہوئے اسکے منہ پر تھپڑ

مارا تھا۔ وہ اوندھے منہ فرش پر جا گری۔ فدا

کے ہاتھ سے پڑے ایک تھپڑ نے اسکے حواس

پل بھر کو منجمد کر دیے تھے۔ وہ غائب دماغی سے

اپنا سر تھامتی فرش کو گھورنے لگی۔ فدا نے

بروقت جھک کر اسے بازوؤں میں بھر لیا اور اسکے

پھر سے مچلنے کی پرواہ کیے بنا اسے کمرے میں لا کر

بیڈ پر پٹخا۔ وہ سرعت سے اٹھتی اس پر جھپٹی تھی

جب فدا نے اسکی کلائیاں اسکی پشت پر لے جا کر

اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"چھوڑیے مجھے۔۔ چھوڑیے ورنہ میں زندہ نہیں

چھوڑوں گی آپکو۔۔ آپ لالچی۔۔ آ۔۔پ

دھوکے باز۔۔۔ فراڈیے ہیں آپ۔۔!" اسکے

حصار میں تڑپتی وہ اسے خود سے دور کرنے کی

کوشش میں چلا رہی تھی۔ جبکہ اسکے اس شدید

ردعمل پر پریشان اس سے مزاحمت کرتے فدا کا

سانس پھول گیا تھا لیکن فی الوقت وہ اسے

چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

"نفرت۔۔ ہے۔۔ مم۔۔مجھے آپ سے۔۔!"

وہ نڈھال ہوتی بامشکل بولی۔ اسکے واضح اقرار پر

اسنے بڑی مشکلوں سے خود پر ضبط کیا۔

"عشق ہے مجھے آپ سے۔۔!" اسکے کان کے

قریب جھکتا وہ بے بسی سے گویا ہوا۔ حدیبہ کا چہرہ

خون اور آنسوؤں کی آمیزش سے تر ہو چکا تھا جو

فدا کے سینے سے مس ہوتا اسکی شرٹ کو گیلا کر

چکا تھا۔

"جھوٹ بولتے ہیں آپ۔۔!" وہ بلک رہی تھی۔

"کیسے یقین دلاؤں کہ میں سچا ہوں۔۔۔؟؟" وہ

اسکی اذیت پر حقیقتاً مر رہا تھا۔

"مجھے چھوڑ دیجئے آپکی کسی بات پر یقین نہیں ہے

مجھے۔۔!" اپنی کلائیاں آزاد کروانے کی ناکام

کوشش کرتی وہ بھیگے لہجے میں بولی تھی۔۔۔وہ

اسکی ضد۔۔۔اسکی نفرت سے ہار رہا تھا۔ خاص

طور پر اسکے چہرے اور کلائیوں سے نکلتے خون کی

کمی اسے اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی۔

حدیبہ کے چہرے پر ہوتی جلن اسے اپنی روح پر

محسوس ہو رہی تھی جبکہ اسکی حالت سے بے بہرہ

وہ کہہ رہی تھی۔

فدا دور ہو جایئے۔۔ چھوڑ دیں مجھے۔۔ فدا۔۔

فدا۔ سائیں۔۔۔!" حدیبہ کی گہری سانسیں

اسکی گردن پر بوجھل ہو رہی تھیں یوں جیسے وہ

تھک گئی ہو۔۔اسکے لبوں سے نکلتا نام فدا کے

لیے حیات سے کم نہ تھا۔اسنے آہستگی سے اسکی

کلائیاں چھوڑ دیں۔

"چھو۔۔۔ڑ دیں۔۔!" اپنے کمزور ہاتھوں سے

اسکی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑتی وہ اسے خود سے

دور کرنے کی ناکام کوششیں کر رہی تھی۔ فدا

نے نم ہوتی آنکھوں کو بند کر کے اسے مزید سختی

سے خود میں بھینچا۔

"چھوڑ نہیں سکتا بی۔۔ لیکن دور چلا جاؤں

گا۔۔ بہت دور چلا جاؤں گا۔۔!" اسکے بال

سہلاتے ہوئے وہ شکست خوردہ سا بولا تھا۔

"ہہ۔۔ہاں۔۔ چلے جائیں۔۔ ابھی چلے

جائیں۔۔!" غنودگی میں جاتی وہ بڑبڑائی۔

"ہاں چلا جاؤں گا۔۔ چلا جاؤں گا۔۔!!" اسکی

پشت سہلاتا وہ بڑبڑا رہا تھا۔۔ دکھتی آنکھوں سے

دو آنسو، ٹوٹ کر بہت آہستگی سے حدیبہ کے

بالوں میں جذب ہوئے تھے۔ وہ کچھ دیر یونہی

اسکے سینے پر سر ٹکائے ہاتھوں سے مزاحمت کرتی

رہی پھر ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گئی۔ وہ کافی

دیر اسے یونہی لیے بیٹھا رہا پھر نرمی سے اسے خود

سے الگ کیا۔ اسکے زخمی چہرے پر نظر پڑتے ہی

فدا کا روم روم تڑپ اٹھا۔

"آہ۔۔حیبہ۔۔یہ کیا کِیا میری زندگی۔۔۔!"

اسکا سر تکیے پر رکھتے ہوئے وہ اذیت بھری آواز

میں بڑبڑایا۔پھر بیڈ سے اٹھا اور فرسٹ ایڈ باکس

وارڈروب سے نکال کر اسکے زخم صاف کرنے

لگا۔گو چہرے کے خراش نما زخم معمولی ہی تھے

لیکن ان کی جلن کا اندازہ وہ بخوبی کر سکتا تھا۔

ہتھیلیوں پر بینڈ تج کر کے اسنے ایک نظر اسکے

سوئے ہوئے وجود پر ڈالی۔ غلافی آنکھوں کی

سوجن حد سے سوا تھی۔ چہرے کی سفید رنگ

اس پل سرخ ہو رہی تھی۔۔ کچھ دیر پہلے تک

چیختے چلاتے لب اب خاموش تھے۔۔ بھیگی

آنکھوں سے اسکے چہرے کا ایک ایک نقش

دیکھتے فدا نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اسکی سرخ

ناک کو چھوا تھا۔

"کاش میں آپکو یقین دلا سکتا۔۔کاش میں آپکو

سمجھا سکتا کہ آپ میرے لیے کیا ہیں۔۔!" ضبط

غم سے چھلکتے آنسوؤں کو پونچھتا وہ دل ہی دل میں

اس سے مخاطب تھا۔

"میری جان بسی ہے آپ میں۔۔ آپ نیت کی

بات کیوں کرتی ہیں۔۔؟؟ فدا حسین کا دل کیوں

نہیں دیکھتی۔۔؟؟ جس کی دھڑکنیں بھی آپ پر

فدا ہیں۔۔!" اسکی پیشانی اپنے انگوٹھے سے

سہلاتا وہ اس پر جھکا دھیمی آواز میں سرگوشی کر

رہا تھا۔ اسکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے آنسو

حدیبہ کے گال پر لڑھک رہے تھے۔

"نفس کا طعنہ کیوں دیتی ہیں۔۔؟؟ میں نے تو

تب سے آپکی خواہش کی ہے جب میرے کچے

ذہن کو نفس کا مطلب بھی نہیں پتہ تھا۔۔!" وہ

اپنے دل پر ہاتھ رکھتا معصومیت سے بولا۔ وہ

آنکھیں بند کیے نیم بے ہوش سی تھی۔

"اگر آپکی خواہش مجھے سولی پر لٹکائے رکھنا ہے

تو آپکا دل بدلنے تک میں انتظار کروں گا۔۔ میں

آپ پر یہ واضح کردوں گا کہ آپ کی قربت کی

خواہش میرے نفس نے نہیں۔۔میرے دل

نے کی ہے حیبہ۔۔۔!" اسکی بند آنکھوں کو دیکھتا

وہ لہجے میں شدت سموئے بولا تو گال پر ہوتی جلن

محسوس کر کے حدیبہ کے لبوں نے سسکاری

بھری۔وہ فوراًاس سے دور ہوا تھا۔ایک گہری

نظر اس پر ڈال کر وہ اسکے پاس سے اٹھا اور

کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسکے جاتے ہی حدیبہ

نے اپنی تھکی سی آنکھیں کھول لیں۔ دکھن

زدہ آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے تو بے

بسی سے آنکھیں میچتی وہ اپنا نچلا لب دانتوں میں

دبا گئی۔

"میرا دل کبھی نہیں بدلے گا سائیں۔۔میرا

ذہن آپکو کبھی اپنے شوہر کے طور پر قبول نہیں

کر سکتا۔۔کبھی نہیں۔۔!" اسکے اندر رہی کہیں وہ

خود چیخی تھی۔ حدیبہ کے آنسو ایک بار پھر سے

بہنے لگے۔

کرب کے نصابوں میں ،،، قہقہے نہیں لگتے

چپ کا ماتم ہوتا ہے۔۔ تالیاں نہیں بجتیں....

□♦□♦□♦□♦

"یار ابھی فون رکھ دو مجھے بہت ضروری کام

ہے۔۔!" گاڑی کا دروازہ بند کرتا فون کان سے

لگائے بولتا وہ عجلت میں پورچ سے باہر نکلا تھا۔

گہری سرمئی آنکھوں میں اپنا شکار پا لینے پر ایک

انوکھی چمک تھی۔۔لبوں پر مچلتا مغرور تبسم

اسکی اندرونی تسکین کا پتہ دے رہا تھا۔

"پہلے بتائیں آپ واپس کب آئیں گے۔۔؟؟ماں

جان بہت دنوں سے آپکو مس کر رہی ہیں۔۔!"

وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا کال کاٹنے کی بجائے

الٹا سوال کر گیا۔

"سوبی تنگ نہیں کرو یار۔۔۔!" وہ جھنجھلا کر

بولا۔ اپنے عالیشان فارم ہاؤس کے لان میں

عمارت تک جاتی سفید روش پر چلتا وہ دروازے پر

کھڑے عمیر کو نظر آ گیا تھا۔

"کہا تو ہے آجاؤں گا۔۔ ابھی مجھے دوبارہ کال

مت کرنا ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں

گا۔۔!" منصب نے اس بار سختی سے کہا۔

"ابھی بھی آپ اچھی طرح تو پیش نہیں

آرہے۔۔!" دوسری جانب وہ بےچاری سی آواز

نکال کر بولا تو اسکی ڈرامے بازی پر بے اختیار

منصب کے لب مسکرائے۔

"ہوش میں آئی وہ۔۔؟؟" عمیر کے پاس رکتے

ہوئے منصب نے فون پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"ہاں کافی شور کر رہی ہے۔۔!" عمیر نے آہستگی

سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا عمیر کے ساتھ

اندر داخل ہو گیا۔۔

"کہاں گئے بھائی۔۔بھائی۔۔؟؟" فون کے سپیکر

سے سوبی کی آواز ابھر رہی تھی۔

"یار میں جائے وقوعہ پر پہنچ چکا ہوں سو اب اپنا

سپیکر بند کر لو۔کہا ہے نا آجاؤں گا۔۔اب کال نہ

کرنا۔۔!" منصب نے کچھ بے زاری سے کہا۔اس

کی انا مہر ماہ کا ہارا ہوا انداز دیکھنے کے لیے بے چین

تھی۔

"میں بابا سرکار کو بتاتا ہوں پھر وہ بھی جائے

وقوعہ پر پہنچ کر آپکا تھرل خراب کریں

گے۔۔!" منصب کی دکھتی رگ پر پاؤں رکھتا وہ

شوخا ہوا۔ گو اسے منصب کی کسی سرگرمی کا علم

نہیں ہوتا تھا لیکن اسے اتنا ضرور پتہ تھا کہ اسکے

بھائی کی ہر سرگرمی "تھرل" سے کم نہ ہوتی

تھی۔

"ہاہاہاہا اوکے بتادو۔۔ آئی ڈیم کیئر۔۔۔!"

منصب نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ بہت سرعت سے

سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔۔

"ابھی ہنس لیں۔۔ لیکن اتنا جان لیں کے بابا

سرکار کراچی میں ہی ہیں۔۔۔ اور میں یہ بھی

جانتا ہوں کہ آپ فارم ہاؤس میں ہیں۔۔اب

سوچ لیں۔۔اگر۔۔۔!"ڈرامائی انداز میں کہتے

ہوئے سوبی نے بات ادھوری چھوڑی تو منصب

کے چلتے قدم سست پڑے۔سوبی کے درست

تکے پر، پل میں اسکا موڈ غارت ہوا تھا۔

"شٹ اپ سوبی۔۔بہت بد تمیز ہو گئے ہو

تم۔۔۔!" وہ دھیمی آواز میں تلخی سے بولا تو اسے

سنجیدہ ہوتے دیکھ دوسری جانب وہ گڑبڑایا۔

"اوہ۔۔جسٹ کڈنگ بھائی۔۔!" وہ پھر سے

معصوم بنا۔۔۔

"ڈونٹ کال می اگین۔۔!" ناراضگی سے کہتا وہ

کال کاٹ گیا۔

"بچہ ہے یار۔۔ کیوں پریشان کر دیا اسے۔۔!"

اسکے ساتھ چلتے عمیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بچہ نہیں آفت کا پُر کالہ ہے۔۔ آئی نو کہ اسے

کنفرم نہیں ہے کہ میں فارم ہاؤس میں موجود

ہوں لیکن اسکے کامیاب تکے ہمیشہ مجھے لے

ڈوبتے ہیں۔۔!" اپنے لمبے بالوں میں سٹائل سے

ہاتھ چلاتا وہ لاپرواہی سے بولا۔ منصب بہت

اچھے سے جانتا تھا کہ اسکے باپ کو اپنے تینوں

بیٹوں میں زیادہ تر منصب سے ہی شکوہ رہتا تھا اور

وجہ اسکی لاپرواہی اور الٹے سیدھے کارنامے

تھے۔وہ بچپن سے ہی "کچھ ہٹ کر" کرنے کا

قائل رہا تھا پھر چاہے وہ منفی ہوتا یا مثبت۔۔اب

یہ الگ بات تھی کہ اسکا کیا "کچھ ہٹ کر" ہمیشہ

اسکے باپ کے سامنے منفی صورت میں آیا کرتا

تھا۔ عورت ذات کے سوا دنیا کا کوئی ایسا نشہ نہیں

تھا جسے اسنے اپنی پچیس، سالہ زندگی میں ٹرائے

نہیں کیا تھا۔ شراب اور سگریٹ کے علاوہ اسنے

دوسری ہر قسم کی نشہ آور دوا کو محدود مدت کے

لیے بطور تھرل استعمال کیا تھا۔ وہ اپنے دوستوں

سے چیلنج لے کر آخر میں جیت جانے کا عادی تھا

کیونکہ وہ منصب عالم شاہ تھا۔ اسکی زندگی میں یہ

پہلا تھرل تھا جس میں ایک لڑکی نے اسے بری

طرح جھلسا کر رکھ دیا تھا اسی لیے اب وہ اسے

تھرل سے ہٹ کر ذاتی طور پر فیس کر رہا تھا

کیونکہ بہر طور۔۔۔ مہرماہ حسین اسے ذاتی طور پر

زک پہنچا چکی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"صاحب مجھے میری بچی لا دیں خدارا۔۔ جانے وہ

ظالم اسے کہاں لے گئے ہیں۔۔۔!" بری طرح

روتی نور بیگم دہائی دینے والے انداز میں بولی

تھیں۔ فاطمہ کو محلے کے کچھ بچوں نے گلی کے

موڑ پر بے ہوش پڑے دیکھا تو اسکی ماں کو وہاں

لے گئے۔ جیسے ہی اسے ہوش آیا تھا اسنے پہلی

فرصت میں مہرماہ کے والدین کو سارے معاملے

سے آگاہ کیا تھا۔بقول اسکے مہرماہ کو اغواء کرنے

کی جرأت وہ نقلی ڈی۔او ہی کر سکتا تھا ورنہ مہرماہ

کی تو کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔

"نور خاموش ہو جاؤ پلیز مجھے کچھ سوچ لینے

دو۔۔۔!" وہ جو پہلے ہی حد درجہ پریشان تھے

انکے رونے پر مزید فکر مند ہوتے بولے تھے۔

"کیسے خاموش ہو جاؤں ہاں۔۔۔ ہر بار میں ہی

خاموش رہوں صاحب۔۔؟؟ اس بار میں

خاموش نہیں رہنے والی آپ ابھی اپنے بھائی کو

کال کریں۔۔۔ابھی کریں اور اُنہیں مہر کی

گمشدگی کا بتایئے۔۔وہ ضرور اسے واپس لا سکتے

ہیں۔۔خدا کا واسطہ ہے صاحب انہیں کال

کرلیں۔۔!" انکے قریب آتی وہ چیخ کر بولتی آخر

میں انکے سامنے ہاتھ جوڑ گئیں۔ انکی بات پر

انہوں نے سرخ آنکھوں سے انہیں گھورا۔ یہ

زندگی میں پہلی بار تھا کہ وہ اُن کے سامنے

اسطرح سے بلند آواز میں بول رہی تھیں۔

"وہ پہلے ہی یہ جان چکے ہیں کہ مہرماہ "ہماری" بیٹی

نہیں ہے۔۔ آپکی بیٹی نہیں ہے نور۔۔ اگر بھائی

سرکار کو اسکی گمشدگی کی بابت آگاہ کیا تو وہ بابا

سرکار سے کچھ نہیں چھپائیں گے اور بابا سرکار مجھ

سے پہلے یہ چھت آپکے سر پر گرائیں گے۔۔ اور

میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔!" انکے بازو

تھام کر وہ بھاری لب و لہجے میں بولے تو نور بیگم

کی آنکھیں پھر سے چھلکنے لگیں۔یہ پچھلے سولہ

سالوں میں پہلی بار تھا کہ وہ واضح لفظوں میں نور

کو اُنکی اہمیت جتا رہے تھے۔

"اگر آپ میرے ساتھ ہیں تو مجھے بابا سرکار کا

کوئی خوف نہیں۔۔مجھے میری بیٹی واپس چاہئیے

بس۔۔چاہے اسکے لیے جو بھی کریں لیکن اسکے

ساتھ کچھ بھی غلط ہونے سے پہلے اسے ڈھونڈ

لیں صاحب۔۔۔اسے واپس لائیں ورنہ میں آپ

کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔۔!" انکے ہاتھ

جھٹکتی وہ قطعیت سے گویا ہوئیں۔۔نور کی

آنکھوں میں چمکتے آنسو اُنکا دل برباد کیے جا رہے

تھے۔انہوں نے بے بسی سے نور کی جانب

دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔۔میں بھائی سرکار کو آگاہ کر دیتا

ہوں لیکن اسکے بعد جو ہو گا۔۔۔میں اسے روک

نہیں پاؤں گا۔۔!" وہ جانتے تھے کہ بھائی سرکار

کو آگاہ کیے بنا مہرماہ کو جلد ڈھونڈنا ناممکن سا تھا سو

ہتھیار ڈالتے ہوئے ہارے ہوئے انداز میں

بولے۔ جبکہ آنے والے کل کی فکر بھلائے نور

بیگم فقط مہرماہ کے لیے آنسو بہا رہی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"ہائے بیوٹیفل۔۔۔!" کمرے کا دروازہ کھول کر

وہ مسکراکر کہتا اندر داخل ہوا تو مہرماہ نے پھٹی

پھٹی پھٹی بے یقین سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

پچھلے دو گھنٹوں میں مسلسل رو رو کر اسکا گلا بیٹھ چکا

تھا۔ چہرہ شدت گریہ وزاری سے سرخ انگارہ ہو

رہا تھا۔

"تم۔۔۔؟؟؟؟" اسکے دہکتے لب

پھڑ پھڑ ائے۔۔ایک بار پھر اس شخص نے اپنی

گھٹیا حرکت سے اسے حیران کر دیا تھا۔

"یس میں۔۔۔ویسے تمہیں میرا نام نہیں پتہ

ہو گا۔۔بتائے دیتا ہوں تا کہ آئندہ جب میرا نام

تمہارے سامنے لیا جائے تو تم میرے طاقت کو یاد

رکھو۔۔۔!" قدم قدم چل کر اسکے شکست خوردہ

وجود کے سامنے رکتا وہ مغرور انداز میں بولا۔

"مجھے منصب عالم شاہ کہتے ہیں۔۔ لیکن تم مجھے

اپنی بربادی کہہ سکتی ہو۔۔!" اسکی سرخ انگارہ

ہوتی آنکھوں میں جھانکتا وہ لبوں پر سفاک

مسکراہٹ سجا کر بولا تو مہرماہ کی دکھتی آنکھوں

سے بے اختیار دو آنسو پھر سے گالوں پر لڑھک

آئے۔

"اوہ۔۔۔تو یہ تم ہو۔۔مجھے تو پہلے ہی سمجھ جانا

چاہئیے تھا کہ یہ سڑک چھاپ موالیوں والی گھٹیا

حرکت تم ہی کر سکتے ہو۔۔۔!"ڈھٹائی سے اسکی

آنکھوں میں دیکھتی وہ لرزتی آواز میں بولی جبکہ

اسکے لبوں سے نکلے سخت لفظوں پر وہ بھنویں

اچکاتا اسے داد دینے والے انداز میں مسکرایا۔

"تو پھر تو تم میری اس حرکت سے ہی اندازہ لگا

سکتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا

ہوں۔۔!" بے باک نگاہوں سے اسکا جائزہ لیتا وہ

نفرت آمیز لہجے میں بولا تو مہرماہ کے وجود میں

سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ اپنے انجام کی بابت سوچتا

اسکا دل شدتوں سے دھڑکا تھا۔ اپنے گریبان کے

پہلے سے ہی کھلے بٹن مزید کھولتا وہ ایک قدم

اسکے قریب ہوا تو مہر ماہ ہوش میں آتی پیچھے ہٹی۔

جبکہ اسے خوفزدہ ہوتا دیکھ وہ قہقہ لگا کر ہنسا۔۔

"اٹس، امیزنگ۔۔ ایم انجوائنگ۔۔!" بازو

کہنیوں تک فولڈ کرتا وہ طنزیہ مسکراہٹ اچھالتا

بولا تو مہر ماہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

منصب کے کشادہ سینے پر ٹیٹو مارک سے جال سا

بنا ہوا تھا۔ کندھوں تک آتے لمبے بال، کان میں

آج بالی پہنے وہ واقعی غنڈہ ہی لگ رہا تھا۔

"تت۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے۔۔؟؟ میں سو کالڈ

فلمی ہیروئنز کی طرح تمہارے سامنے روؤں گی

ہاں۔۔؟؟؟"کانپتی ہوئی آواز، میں پوچھتی وہ

شدتوں سے رو رہی تھی لیکن بے خوفی قابل دید

تھی۔

"تم سے۔۔۔رحم کی بھیک مانگوں گی۔۔؟؟

گڑگڑاؤں گی کہ میری عزت باقی رہنے

دو۔۔؟؟؟ہاں ایسا لگتا ہے تمہیں۔۔؟؟اگر ایسا

لگتا ہے ناں تو یہ خوش فہمی ذہن سے نکال دو

کیونکہ مہرماہ تم جیسے دو ٹکے کے موالی کے سامنے

بالکل نہیں جھکے گی۔۔!"شہادت کی انگلی اٹھا کر

اسے نفرت سے تکتی وہ روتے ہوئے بولی۔اسکے

سخت لفظوں کی نسبت اسکا پور پور کمزور ثابت

ہو رہا تھا۔ جبکہ اسکی اس قدر بے خوفی پر منصب

کا چہرہ غصے کی شدت سے لال ہوا تھا۔

"اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ منصب شاہ موویز کے

سو کالڈ ولنز کی طرح تمہارا ریپ کرے

گا۔۔؟؟؟ محترمہ ریپ کے لیے تم جیسیوں کو

ولنز ہی منہ لگاتے ہیں۔ منصب عالم شاہ ایسا کبھی

نہیں کرے گا۔۔!" تمسخر اڑاتی نظروں سے اسکا

سرخ چہرہ دیکھتا وہ انتہائی حقارت آمیز لہجے میں

بولا تو شرم اور خفت سے مہرماہ کا روم روم دہکنے

لگا۔

"تو پھر کیا چاہتے ہو مجھ سے۔۔۔ کیوں لائے ہو

مجھے یہاں۔۔!" اپنے گال صاف کرتی وہ غصے

سے چیخی۔ اسے بے بس ہوتا دیکھ وہ ایک بار پھر

مسکرایا تو مہرماہ کو اسکی مسکراہٹ زہر سے بھی

بری لگی۔

"چیکنگ۔۔!" کندھے اچکاتے ہوئے اسنے مہرماہ

کو ایک لفظی جواب دیا۔

"ہر بار ادھوری رہ جاتی ہے لیکن اس بار پوری

پوری ہو گی۔۔!" اسکو سر سے پاؤں تک گھورتا وہ

عامیانہ لب و لہجے میں بولا تو اسکی ایکسرے کرتی

نظروں سے مہرماہ کی ہتھیلیاں بھیگ گئیں۔

"بب۔۔۔بکواس بند کرو۔۔جب مجھ جیسیوں کو

منہ نہیں لگاتے تت۔۔تم۔۔تو تمہاری بات کا کیا

مطلب ہے۔۔!" اپنا دوپٹہ اچھے سے اپنے گرد

لپیٹتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔اسکے سوال

پر وہ طنزیہ مسکرایا۔پھر دروازے کی طرف پلٹا۔

"عمیر۔۔۔؟؟؟؟" اسنے اونچی آواز میں اسے

پکارا تو عمیر اپنے ساتھ صارم اور عبداللہ کو لے کر

اندر چلا آیا۔ پیچھے ہی ایک ملازم تھا جس کے ہاتھ

میں شراب اور اسکے لوازمات سے بھری ٹرے

تھی۔ وہ ٹرے بیڈ کے قریب ہی ٹیبل پر رکھ کر

چلا گیا۔ جاتے جاتے اسنے دروازہ بھی بند کر دیا

تھا۔اس صورتحال پر مہرماہ نے دھندلی ہوتی

آنکھوں سے ان چاروں کو دیکھا۔ان چاروں کی

وہاں اس بند کمرے میں موجودگی اور لبوں پر

خباثت بھری مسکراہٹ کیا معنی رکھتی

تھی۔۔؟؟ سوچ کر ہی مہر ماہ کے رونگٹے کھڑے

ہو گئے۔ اسنے بھرائی ہوئی آنکھوں میں نفرت

اور تاسف کے ملے جلے تاثرات لیے منصب کی

جانب دیکھا۔

"انہیں کیوں بلایا ہے۔۔۔؟؟ مم۔۔۔مجھے

جانے دو۔۔۔!" اسکے تینوں دوستوں کو اپنی

جانب بڑھتا دیکھ مہرماہ نے روتے ہوئے منصب

کو مخاطب کیا۔

"پپ۔۔پلیز۔۔!" ہاتھ جوڑتی وہ چلائی تو بے

ساختہ منصب کا سفاک قہقہہ بلند ہوا۔ آخر اس

شخص نے مہرماہ کو ہاتھ جوڑنے پر مجبور کر ہی دیا

تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"رولنمبر فورٹین (14)..!"۔۔۔

"یس سر۔۔!"

"رولنمبر ففٹین۔۔"

"یس سر۔۔"

رولنمبر سکسٹین۔۔!"

"یس سر۔۔!"

"رولنمبر سیونٹین۔۔!" اسکی بھاری سنجیدہ آواز،

خاموش کلاس روم میں گونج رہی تھی۔

یس سر۔۔!" اپنا رولنمبر آنے پر وہ بے زاری

سے بولی۔ وہ لاسٹ بنچ پر ہیڈ ڈاؤن کیے سر شمس

کے کلاس میں آنے سے پہلے کی بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ آج دو دن بعد یونیورسٹی آئی تھی کیونکہ اسے

خبر مل چکی تھی کہ بی لاء کا نیو ٹیچر آچکا ہے جو

پچھلے ریجیکٹڈ ٹیچرز کی نسبت کافی اچھا ٹیچ کرتا

ہے۔پوری کلاس اس سے مطمئن تھی لیکن اسکے

گروپ کو فقط اسی کی فکر تھی کیونکہ اگر علیشہ کو

لاء کا ٹیچر پسند نہ آتا تو یقیناً انہیں اُس ٹیچر سے بھی

ہاتھ دھونا پڑتا۔

"رولنمبر ٹوینٹی سیون (27)۔۔!" وہ اطمینان

سے اٹینڈینس مارک کر رہا تھا۔ آج صرف ہادیہ

حاضر تھی باقی تینوں گزشتہ رات کلب سے لیٹ

نائٹ ہاسٹل آنے کی وجہ سے غیر حاضر تھیں۔

"رولنمبر تھرٹی ون(31)۔!" وہ بولا تو علیشہ فوراً

چست ہو کر بیٹھی۔۔

"یس سر۔۔!" آواز کو قدرے دھیما کرتی وہ

فریش لہجے میں بولتی سارہ کی اٹینڈینس لگوا چکی

تھی۔ اب اسے ان تینوں کی حاضری لگوانی تھی۔

علیشہ کو لگا شمس کو پتہ نہیں چل پایا کیونکہ وہ اگلا

رولنمبر بول رہا تھا۔ پھر اس سے اگلا۔۔رولنمبر

چونتیس پر ایک بار پھر علیشہ نے آواز کو تبدیل

کر کے فضہ کی حاضری لگوائی۔ تو شمس کی بھنویں

تن گئیں۔۔ فضہ سے اگلا رولنمبر راحمہ کا تھا۔۔

علیشہ اپنی دھن میں اطمینان سے اگلے رولنمبر کی

دفع حاضری لگوانے کے لیے گلا کھنکھار رہی تھی

جب شمس نے رولنمبر پینتس کی بجائے چھتیس

بولا۔ چھتیس دانیال کا رولنمبر تھا جسے اسکے بولنے

سے پہلے ہی علیشہ نے بول دیا۔

"سٹینڈ اپ۔۔!" رجسٹر بند کرتا شمس سرد آواز

میں بولا۔ چوری پکڑے جانے پر علیشہ پل بھر کو

گڑبڑائی۔ جبکہ اسکے پہلی مرتبہ پکڑے جانے پر

دانیال سمیت پوری کلاس نے داد دیتی نظروں

سے اس نیو ٹیچر کو دیکھا جس کی تیز سماعتوں نے

علیشہ کی چوری پکڑ لی تھی۔

"آئی سیڈ سٹینڈ اپ۔۔یُو لاسٹ بنچ۔۔۔!"اب

کی بار وہ باقاعدہ اسکی نشاندہی کر چکا تھا۔علیشہ کو

گردن باہر نکال کر اسکی جانب دیکھنا پڑا۔

"سرمی۔۔؟؟؟"بھوری آنکھوں کی گھنیری

پلکیں معصومیت سے جھپکانے کی بھرپور اداکاری

کرتی وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ اخروٹی بال ہمیشہ

کی طرح دو پونیوں میں مقید اسکے چہرے کا احاطہ

کرتے سینے سے نیچے تک آرہے تھے۔ شمس جیسا

مضبوط مرد پل بھر کو ساکت رہ گیا۔ دھیمی

مسکراہٹ کے ساتھ اسکے گلاب لبوں کا پہرے

دار وہ سیاہ تِل بھی مسکرا رہا تھا۔ بھوری آنکھوں

میں اعتماد اور شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی

تھی۔

"یس یُو۔۔!" اگلے ہی پل وہ چہرے پر پتھریلے

تاثرات سجائے چبا چبا کر بولا۔ وہ ڈیسک پر ہاتھ

جمائے آرام سے کھڑی ہو گئی۔پوری کلاس اب

کسی تماشے کے انتظار میں چوکنا ہو چکی تھی۔

"واٹ ہیپنڈ۔۔؟؟ کیا میں نے کچھ کیا

ہے۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے وہ اپنے دائیں بائیں اپنا

کوئی نادیدہ کارنامہ دیکھنے کی اداکاری کرنے لگی۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

ہاف سلیو ریڈ ٹی-شرٹ جو بامشکل اسکے پیٹ کو

ڈھانپے ہوئے تھی، وائٹ جینز تلے پیروں میں

ریڈ ہی شوز پہنے وہ پر اعتماد سی بنا ڈرے اسکی

نگاہوں کے سامنے اب ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

"تو آپ ہیں دانیال اکرم۔۔؟؟" سنجیدہ نگاہوں

سے اسے دیکھتا وہ طنزیہ بولا کیونکہ علیشہ نے ابھی

دانیال کے رولنمبر پر یس سر کہا تھا۔

"نو سر۔۔ دانیال اتنا کیوٹ نہیں ہے۔۔!"

شرمندہ ہونے کی بجائے، کندھے اچکا کر دونوں

ہاتھ اپنے سینے پر رکھتی وہ ڈھٹائی سے بولی تو طلباء

کی دبی دبی سی ہنسی نکل گئی۔ اسکے جواب پر شمس

کی سنہری آنکھوں میں واضح ناگواری اتر آئی۔

"مس۔۔۔!" وہ اسکا نام نہیں جانتا تھا سو رک

گیا۔

"علیشہ۔۔علیشہ چوہان۔۔!" بے شرمی سے

مسکرا کر اسے اپنا نام بتاتی وہ بینچ سے باہر نکل

آئی۔

"واٹ ایور۔۔۔آپ نے تین سے زائڈ

سٹوڈنٹس کی اٹینڈینس لگوائی ہے۔۔کیا آپ اس

کی سزا جانتی ہیں۔۔؟؟"سخت نظروں سے اسے

گھورتا وہ بولا۔

"مجھے سزا کیوں ملے گی۔۔؟؟ اس میں میری کیا

غلطی ہے سر۔۔؟؟سزا تو آپکو ملنی چاہئیے کیونکہ

اٹینڈینس تو آپ نے مارک کی ہے۔۔!"اسکے

قریب آتی رجسٹر اٹھا کر اسکی نگاہوں کے سامنے

لہراتی وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ بھوری

آنکھیں شمس کا تمسخر اڑاتی ہوئی لگ رہی تھیں۔

طلباء سر نیچے کیے اپنی ہنسی ضبط کر رہے تھے۔ وہ

حقیقتاً سلگ اُٹھا۔

"تو اب آپ میری سزا کا تعین کریں گی۔۔؟؟"

وہ اسکی ڈھٹائی پر حیران ضرور ہوا تھا لیکن اس

سے مرعوب نظر نہیں آرہا تھا اور یہی چیز علیشہ کو

ناگوار گزر رہی تھی۔

"نو نو سر۔۔۔میں تو جسٹ آپکو بتا رہی ہوں کہ

بیسیکلی غلطی کس کی ہے۔۔!" بے باکی سے شمس

کی آنکھوں میں دیکھتی وہ آرام سے بولی۔ اسکے

جواب پر شمس نے تائیدی انداز میں ہولے سے

اثبات میں سر ہلایا۔ لیکن جب وہ بولا تو اسکا لہجہ

سرد ترین تھا۔

"دین جسٹ گو اینڈ تھنک اباؤٹ مائے

پنشمنٹ۔۔ آؤٹ۔۔!" وہ ٹھنڈے لہجے میں

اسے جواب دے گیا تو طلباء کے منہ بند ہوئے

تھے۔ ایک بہترین دھتکار۔۔ علیشہ کے لبوں کی

مسکراہٹ پل میں سمٹی تھی۔ معاملہ بگڑتا ہوا

نظر آرہا تھا کیونکہ آج تک چاہے وہ کسی بھی ٹیچر

کو کتنا ہی زچ کر دیتی اسے واضح طور پر یہ لفظ سننے

کو نہیں ملا تھا۔

"ازاٹ یور آرڈر۔۔۔؟؟" بھنویں اچکاتی وہ

سنجیدگی سے بولی۔کافی دیر سے خاموش بیٹھا

شیث اس معاملے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہا

تھا۔

"یس۔۔ آوٹ۔۔۔!" شمس نے بڑے اطمینان

سے اپنی بات دوہرائی تھی۔ وہ اسے جلانے کو

لبوں پر پھر سے مسکراہٹ سجا چکی تھی۔

"یور آرڈر وِل ٹرن ٹووارڈز یُو۔۔۔ ریممبر

اٹ۔۔!" (تمہارا حکم تمہاری طرف ہی لوٹے

گا۔ یہ یاد رکھو۔۔) نخوت سے اپنے بال جھٹکتی وہ

اسے کھلے لفظوں میں دھمکی دے رہی تھی۔

شمس کے ہاتھوں سے ضبط کی طنابیں چھوٹنے

لگیں۔

"آئی سیڈ آؤٹ۔۔۔۔!"شدید اشتعال کے

عالم میں وہ دہاڑا تھا۔ اسکی بھاری آواز پوری کلاس

میں گونجی تھی۔۔ شیث کی موجودگی میں اس

تذلیل پر علیشہ کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔

اسنے قہر بار نظروں سے شمس کو گھورا۔ پھر تن

فن کرتی کلاس سے باہر نکل گئی۔ یہ اسکو شمس

کے ہاتھوں ملنے والی پہلی شکست تھی۔ آگے

جانے اور کیا کچھ ہونے والا تھا۔ جو بھی تھا، کلاس

میں چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ شیث ابھی

بھی بالکل خاموش بیٹھا سر شمس کو گھور رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"کس گدھے کو اپائنٹ کر لیا ہے آپ نے جسے فی

میل سٹوڈنٹس سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں

ہے۔۔!!" وہ ایچ۔او۔ڈی کے سامنے کھڑی

چنگھاڑ رہی تھی۔

"بی ہیو مس علیشہ۔۔ آپ اپنے ٹیچر کے بارے

میں بات کر رہی ہیں اپنے الفاظ پر غور

کریں۔۔!" وہ اپنی سیٹ سے اٹھتے قدرے سختی

سے بولا تھا۔

"جہنم میں جائے وہ۔۔اس نے علیشہ چوہان کو

کلاس سے باہر نکلوایا ہے اسکا مطلب جانتے ہیں

آپ۔۔۔؟؟؟"وہ غم وغصے میں آپے سے باہر

ہو رہی تھی۔

"فرسٹلی یو نیڈ ٹو کول ڈاؤن مس علیشہ۔۔!"

آئی کانٹ۔۔!" وہ چلائی۔

"جب جس ٹیچر کا دل چاہتا ہے مجھے کلاس سے

باہر نکال دیتا ہے۔۔!" اسے پچھلی مرتبہ سر

شہزاد کا اسے کلاس سے باہر نکالنا بھی یاد آ گیا تھا۔

"اس مسئلے کا حل آپکے اس طرح چلانے سے

نہیں نکلے گا۔ میں لیکچر کے بعد سر شمس کو آفس

میں بلا لیتا ہوں آپ دونوں آمنے سامنے۔۔۔!"

اسے قائل کرنے کوشش کرتا ایچ۔او۔ڈی

جلدی میں بول رہا تھا جب علیشہ نے اسکی بات

کاٹ دی۔

"تمام مسائل کا حل آپکا ہمارے ڈیپارٹمنٹ سے

نکل جانے کے بعد ہی نکلے گا سر۔۔۔کیونکہ

رئیلیٹی یہی ہے کہ آپ کوئی بھی پرابلم سورٹ

آؤٹ نہیں کر پاتے ہیں۔۔پہلے وہ شیث حیدر اور

اب یہ سر شمس۔۔۔!"وہ شدید مشتعل نظر

آرہی تھی۔

"آپ اپنی حد بھول رہی ہیں محترمہ۔۔میں کافی

دیر سے آپکی بدتمیزی برداشت کر رہا ہوں لیکن

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

آپ اب باقاعدہ دھمکیوں پر اتر آئی ہیں۔۔ بہتر

ہے کہ آپ یونیورسٹی کے ہیڈ آفس جا کر بات

کریں شاید وہ آپکے فضول ایشوز پر آپکی کوئی مدد

کر سکیں۔۔!" اسکی واضح دھمکی پر اپنا برداشت

کھوتا ایچ۔او۔ڈی سلگ کر بولا تو پل بھر کو علیشہ

کو چپ لگ گئی۔ تبھی مہربان عالم شاہ آفس میں

داخل ہوا تھا۔ اسے ہادیہ کی زبانی علیشہ کی شمس

سے جھڑپ اور پھر ایچ۔او۔ڈی کے آفس میں

موجودگی کی بابت پتہ چل چکا تھا۔

"سر اسکی طرف سے میں آپ سے معذرت کرتا

ہوں۔۔!" سرعت سے علیشہ کی کلائی تھامتا وہ

ایچ۔او۔ڈی سے مخاطب ہوا۔علیشہ نے سلگ

کر اسکی جانب دیکھا۔وہ رونے کی عادی نہیں تھی

لیکن اس پل غصے کے باعث اسکی بھوری

آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو عالم۔۔!" وہ بپھری۔

"انہیں لے کر جائیں اور ٹھنڈا پانی پلائیں شاید

تب انہیں یاد آجائے کہ انکی حیثیت اس

یونیورسٹی میں ایک سٹوڈنٹ کی ہے اور سٹوڈنٹس

کو یہ رویہ زیب نہیں دیتا۔!" غصے سے رخ پھیرتا

ایچ۔او۔ڈی تڑخ کر بولا۔

"یُو۔۔!" ایچ۔او۔ڈی۔ کو کچھ کہنے کو علیشہ اسکی

طرف پلٹی تو مہربان نے بروقت اسکے لبوں پر

ہاتھ رکھ دیا۔

"بکواس بند کرو علیشہ اور چلو میرے ساتھ۔۔!"

اسے گھسیٹتا وہ آفس سے باہر نکل آیا۔

"چھوڑو مجھے عالم۔۔ چھوڑو۔۔!" اپنا بازو اسکی

گرفت سے چھڑوانے کی کوشش کرتی وہ چلائی۔

تبھی علیشہ کی بپھری ہوئی گلابی نگاہ ایچ۔او۔ڈی

کے آفس کی جانب آتے شمس پر پڑی۔ شمس کی

نگاہ بھی اس سے جا ملی جو اس پل غصے سے لال

ٹماٹر ہوئی جارہی تھی۔وہ نظر پھیرتا بے نیازی

سے ان دونوں کے پاس سے گزر گیا۔

"میں اس کا قتل کروادوں گی۔۔!" عالم کی جانب

دیکھتی وہ غرائی جبکہ شمس کی سماعتوں میں اسکے

الفاظ پڑے تو اس کی نادانی پر اسکے لب مسکرا

دیے۔

"جسٹ شٹ اپ علیشے۔۔ تماشا مت بناؤ۔۔!"

اسے ایک قدرے سنسان گوشے میں لا کر

چھوڑتا عالم چلایا۔

"اور اسنے جو میرا تماشا بنایا ہے وہ تمہیں نظر

نہیں آرہا۔۔؟؟؟" وہ اسے پھاڑ کھانے کو دوڑی

تھی۔

"تو تمہیں کس نے کہا تھا کہ اماں دادی بن کر

پوری کلاس کی اٹینڈ ینس لگواؤ۔۔!" عالم بھی

برہم سا گویا ہوا۔

"پوری کلاس کی نہیں صرف اپنی فرینڈز کی

لگوائی ہے..!"ناراضگی سے کہتی وہ اسے بے

وقوف لگی۔

"اوہ گاڈ علیشہ کونسی فرینڈز۔۔؟؟وہ جن میں

سے ایک بھی تمہارے لیے کھڑی نہیں

ہوئی۔۔؟؟"

"وہ پریزنٹ نہیں تھیں تو کھڑی کیسے

ہوتیں۔۔؟؟"علیشہ نے انکا دفاع کیا۔

"فار گاڈ سیک یہ بے تکی بحث بند کرو۔۔ اور

مجھے بتاؤ تمہارا مسئلہ کیا ہے۔۔ تم دو دن بعد کوئی

نہ کوئی ایشو کری ایٹ کر کے بیٹھ جاتی ہو مجھے

اپنے ڈیپارٹمنٹ سے یہاں دوڑ لگانی پڑتی

ہے۔۔!" اپنی پیشانی مسلتا وہ جھجھلاہٹ آمیز

انداز میں بولا تو علیشہ کا غصہ پھر سے بڑھنے لگا۔

"تو مت لگایا کرو ناں دوڑ۔۔ کس نے کہا ہے

میرے ابا بن کر میری فکر کرو ۔؟؟ اور میرے

ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے میں خود ایک مسئلہ

ہوں۔۔ سن لیا۔۔؟؟ اب دفع ہو جاؤ یہاں

سے۔۔۔!" اپنے گال رگڑتی وہ تڑخ کر بولی تو

عالم بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔۔

"کیوں تنگ کرتی ہو مجھے۔؟؟ تمہیں پتہ ہے ناں

میں نہیں دیکھ سکتا تمہیں ایسے۔۔۔ اور یہ جو

سارے پنگے تم لیتی پھر رہی ہو تمہیں ان سے اسی

لیے روک رہا ہوں کہ اس سب سے کسی دن

ماموں عاجز آ گئے ناں تو گھر بٹھا لیں گے تمہیں

اور تیسرے ہی دن تمہیں سارنگ کے نکاح میں

دے دیں گے۔۔ پھر روتی رہنا لیکن تب میں

تمہاری کوئی ہیلپ نہیں کر پاؤں گا۔۔!" اسکی

گلابی آنکھوں میں جھانکتا وہ شدید خفگی سے بولا

تو کچھ پل وہ گلابی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی

پھر اسکے شانے سے آلگی۔

"مجھے نہیں کرنی اس جلاد سے شادی۔۔!" وہ

بچوں کی طرح منہ بسورتی آواز میں بولی تو تیر

نشانے پر لگتے دیکھ عالم مسکرایا۔

"تو پھر جاؤ اور جا کر اپنے ٹیچر اور ایچ۔او۔ڈی

سے معافی مانگو۔۔میں نہیں چاہتا کہ یہ معاملہ

ماموں تک جائے۔۔وہ پہلے ہی قبائلی ایشوز میں

پھنسے ہوئے ہیں کہیں تم پر مشتعل نہ ہو

جائیں۔!" اسکے سر پر ہاتھ رکھتا وہ نرمی سے بولا تو

علیشہ فوراًاس سے الگ ہوتی بول پڑی۔

"میں معافی نہیں مانگنے والی۔۔ کوئی اتنا بڑا گناہ

نہیں کیا میں نے جس کی معافی مانگتی

پھروں۔۔!" نخوت سے سر جھٹکتی وہ ادائے بے

نیازی سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

"یونیورسٹی سٹاف کو نوکری سے نکلوانے کی

دھمکی دینا کوئی معمولی بات ہے ہاں۔۔؟؟" اسکی

ناک کھینچتا وہ غیر سنجیدگی سے بولا تو علیشہ نے

ناک مسلتے ہوئے اسے گھورا۔

"میں نہیں مانگوں گی تو بس نہیں مانگوں گی۔۔!"

نفی میں سر ہلاتی وہ بچوں کی طرح بولتی کچھ فاصلے

سے، اسے تکتی دو سیاہ آنکھوں کو بے چین کر گئی

تھی۔ جبکہ عالم اب کہہ رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے یار تمہیں۔۔واۓ آر یو

فورگیٹنگ یور سیلف۔۔یور بی ہیو ئیر یوں

ٹون۔۔؟؟تم کیوں اپنا آپ، اپنا سلوک اپنا لہجہ

بھول رہی ہو۔۔؟؟تم زچ نہیں ہوتی۔ تم

دوسروں کو زچ کر دیتی ہو۔۔تم خود ہار نہیں

مانتی۔۔ سامنے والے کو ہرا دیتی ہو۔۔ وائے آر یو

فورگیٹنگ دیٹ۔۔۔؟؟؟" اسکا ہاتھ تھامتا وہ

نرمی سے بولتا چلا گیا تو علیشہ نظر جھکا گئی۔

"تم ابھی ان دونوں سے معافی مانگ لو۔۔ اور پھر

انہیں اپنے طور پر ڈیل کرو۔۔ تم پہلے بھی بہت

سے ٹیچرز کو زچ کر کے یونیورسٹی چھوڑنے پر

مجبور کر چکی ہو۔۔ایک اور سہی۔۔لیکن اپنے

آپ کو مت تھکاؤ۔۔اور نہ ہی اب کبھی تم

ایچ۔او۔ڈی کے آفس کوئی کمپلین لے کر جاؤ

گی۔۔یو گیٹ دیٹ۔۔؟؟" اسکی جھکی آنکھوں کو

پیار سے دیکھتا وہ دھیمے لہجے میں بولا تو علیشہ نے

نظریں اٹھا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"گڈ گرل۔۔!" اسکا گال تھپتھپاتے ہوئے وہ

مسکرایا تو بھی مسکرا دی۔ ان دونوں کو ایک

دوسرے کے قریب دیکھ کر وہ سیاہ آنکھیں

عجیب وحشت ناک سی ہو گئیں۔عالم نے علیشہ کا

ہاتھ تھامتے ہوئے ایچ۔او۔ڈی کے آفس کی

جانب قدم موڑے تو ان دونوں کو دیکھتی سیاہ

آنکھیں درخت کی اوٹ میں ہو گئیں۔اپنی پشت

پر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتی علیشہ نے

پلٹ کر دیکھنا چاہا تو عالم کے پکارنے پر سیدھی ہو

کر چلنے لگی۔ پھر اسنے نہایت شرافت سے

ایچ۔او۔ڈی سے معذرت کر لی تھی۔ شمس کو

بھی وہیں بلوا لیا گیا تھا۔ علیشہ نے منہ بسورتے

ہوئے اس سے بھی معافی مانگی تو وہ علیشہ کے

شیطانی دماغ کی سوچوں سے انجان 'اٹس او کے '

کہہ کر بات ختم کر گیا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

فجر کی اذان کی آواز سے اسکی نیند ٹوٹی تو اسنے

اپنے دکھتے جسم کو بامشکل حرکت دیتے ہوئے

کروٹ بدلی۔ چہرے پر شدید جلن اور اکراہٹ کا

احساس ہوا تو گزشتہ رات کے مناظر ذہن میں

تازہ ہوتے اسکے حواس بیدار کر گئے۔ اپنی

نفرت بھری شدت۔۔ فدا کی تڑپ۔۔ سب یاد

آتا چلا گیا تو وہ بے بسی سے چہرہ تکیے میں چھپا گئی۔

کچھ دیر وہ یونہی کسلمندی سے لیٹی رہی پھر نماز

قضا ہو جانے کے خیال سے اٹھی اور سلیپر پیروں

میں اڑستی واش روم میں جا گھسی۔ وضو کے پانی

نے اسکے ہاتھوں کی بینڈیج گیلی کر دی تو اسنے

کھینچ کر ہاتھوں سے اتار دی۔ چہرے اور کلائیوں

پر ہونے والی جلن برداشت کرتی وہ وضو کر کے

واپس کمرے میں آگئی۔ کمرہ فدا حسین کے وجود

سے خالی تھا۔ وہ اطمینان سے نماز ادا کرنے

لگی۔۔ نماز کے بعد اسنے کافی دیر قرآن پاک کی

تلاوت کی تھی۔ اس دوران جانے کیوں اسے

بیڈروم سے ملحق ٹیرس پر آہٹ محسوس ہوتی

رہی تھی لیکن وہ اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر

گئی۔ قرآن پاک چوم کر واپس اسکی جگہ پر رکھتی

جب وہ پلٹی تو اس بار اسے ٹیرس پر کسی کا سایہ

نظر آیا۔ دوپٹہ کھول کر شانوں پر پھیلاتی وہ

سرعت سے اس جانب بڑھی تھی۔ پردے

ہٹاتے ہوئے جب وہ ٹیرس پر قدم رکھ چکی تو

چڑھتے دن کے مدھم اجالے میں وہاں فدا کھڑا

نظر آیا تھا۔ حدیبہ کا دل کیا پلٹ جائے لیکن پھر

جانے کس خیال کے تحت وہ اسکی جانب آئی

تھی۔ وہ جو اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا اسکے

قریب آنے پر یک دم چونک گیا۔

"فدا سائیں۔۔؟؟" اپنے لبوں پر زبان پھیرتی

حدیبہ نے اس کو پکارا۔ شاید یہ لمحاتی کمزوری تھی

لیکن جانے کیوں اسکے دل میں اس پل فدا کے

لیے رحم آگیا تھا۔ اسکی آواز پر وہ اسکی جانب

پلٹا۔ روشن آنکھوں میں ابھرے سرخ ڈورے

اسکے رات بھر جاگتے رہنے کی چغلی کھا رہے

تھے۔ سرخ ناک اور سختی سے بھنچے لب۔۔ اسکی

آنکھوں کے سوجے کنارے دیکھ کر حدیبہ کے

دل پر ہاتھ پڑا تھا۔ اگر وہ تکلیف میں تھی تو سکون

میں تو وہ بھی نہ تھا۔

"کیا ملا آپ کو یہ شادی کر کے۔۔؟؟" دکھ سے

اسکا رویا رویا چہرہ دیکھتی وہ تاسف زدہ لہجے میں

بولی تو اسکی جانب دیکھتا فدا بے دردی سے

مسکرایا۔

"آپ۔۔۔!" یک لفظی جواب دیتا وہ اسے

لاجواب کر گیا تھا۔ اسکی دکھن زدہ آنکھیں حدیبہ

کو دیکھ کر پھر سے چمک اٹھی تھیں۔

"میرے مل جانے سے کیا ہوتا ہے۔۔؟؟اصل

چیز تو ذہنی سکون اور دلی خوشی ہے۔۔اور اس

شادی سے آپکا ذہنی سکون چھن چکا ہے میں یہ

جانتی ہوں۔۔!"پہلے کی طرح اسکی فکر کرتی وہ

رات سے یکسر مختلف روپ میں اس سے بات کر

رہی تھی۔

"لیکن آپ یہ نہیں جانتی کہ اس شادی سے

میرے دل کو کس قدر سکون ملا ہے۔۔ اتنا ہی کہ

مجھے یہ ذہنی اذیت گوارا ہے۔۔!" نرم نگاہوں

سے اسکا چہرہ دیکھتا وہ پیار سے بولا تو حدیبہ لب

بھینچتی نظروں کا رخ بدل گئی۔

"تو پھر آپکو یہ بھی پتہ ہونا چاہئیے کہ اس شادی

سے میرے دل کو کس قدر تکلیف پہنچی ہے۔۔

اتنی ہی کہ میں نے اپنا وجود بھی زخمی کر لیا

ہے۔۔!" حدیبہ اسے کچھ جتانے والے انداز

میں بولی تو وہ اپنا نچلا لب دانتوں میں دباتا سر

جھکا گیا۔

" آپکی تکلیف کا اندازہ ہے تب ہی تو خود کو آپ

سے دور رکھا ہے۔۔ ورنہ ہاتھ بڑھا کر آپ کو چھو

لینا کون سا مشکل ہے حیبہ۔۔!" نظریں اٹھا کر

اسکی آنکھوں میں دیکھتا وہ بھی جتانے والے

انداز میں بولا تو حدیبہ شرم و غصے کے ملے جلے

تاثرات سے سرخ پڑ گئی۔ جبکہ اسکے گلابی پڑتے

گال دیکھ کر فدا کا دل مسکایا تھا۔

"مجھے یہ مت جتائیں کہ آپ نے یہاں تنہارات

بسر کر کے مجھ پر کوئی احسان کیا ہے سائیں۔۔!"

نظریں چراتی وہ تڑخ کر بولی تو وہ دھیرے سے

مسکرادیا۔

"محبت میں احسان نہیں کیا جاتا۔۔ قربانی دی

جاتی ہے حیبہ۔۔ اور آپ کی خوشی کے لیے میں

ایک کیا اپنی زندگی کی آخری رات تک آپکا انتظار

کر سکتا ہوں۔۔ اور میں کروں گا۔۔!" اسکی جھکے

چہرے کو نگاہوں کی گرفت میں لیے وہ سنجیدگی

سے بولا تو اسکے لہجے سے چھلکتی اذیت اور انداز

میں رچی شدت نے اسکا دل دھڑکا دیا تھا۔

آنکھیں آپ ہی آپ بھر آئیں۔ اسنے ہراساں

ہو کر اسکی جانب دیکھا۔

"آپکا یہ پاگل پن آپکو لے ڈوبے گا فدا۔۔!" وہ

پھر سے اسکے لیے فکر مند ہوئی تھی۔ وہ ایک

قدم اسکی جانب بڑھتا اسکے قریب ہو گیا۔

"یقین کریں اگر میرے اس پاگل پن کو آپ کی

دلفریب سنگت نصیب ہوں تو میں کبھی نہیں

ڈوبوں گا۔۔۔!" اسکی صبیح پیشانی پر نظر ٹکائے

وہ ایک جذب کے عالم میں بولا تو اسکی دیوانگی پر

وہ کانپ کر رہ گئی۔ کس قدر پاگل تھا وہ

شخص۔۔؟؟ کس قدر انتہا پسند۔۔ حدیبہ کا دل

عجیب سا ہونے لگا۔

"آپکی یہ لفظی باتیں میرے لیے بے اثر

ہیں۔۔!" وہ پیچھے ہٹتی بے حسی سے گویا ہوئی۔

"کچھ لفظوں کی تاثیر بہت دیر سے محسوس ہوتی

ہے کیونکہ انہیں ادا کرنے والے لب ہمارے

لیے اہم نہیں ہوتے۔۔ جس دن میں آپکے لیے

اہم ہو جاؤں گا میرے الفاظ بھی آپ پر اثر انداز

ہونے لگیں گے مجھے یقین ہے۔۔!" اس سے

دس سال چھوٹے اس کل کے لڑکے کے پاس

اسکی ہر بات کا جواب تھا۔

"یقین ٹوٹنے پر آپ منہ کے بل گریں گے

سائیں۔۔۔!" وہ کھولن زدہ انداز میں بولی تو

باوجود دلی اذیت کے وہ مسکرا دیا۔

"آپ مجھے گرنے نہیں دیں گی میں جانتا

ہوں۔۔!" فدا کا انداز پر یقین سا تھا۔۔وہ چڑ

گئی۔

"آپ کی یہ فضول باتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔۔!"

وہ تپی تپی سے بولی تو اسے لاجواب ہوتے دیکھ وہ

ہنس دیا۔

"تو آپ اثر نہ لیں۔۔۔!" وہ اسے اسی کی بات لوٹا

گیا تو باوجود ضبط کے حدیبہ کے غصے کا گراف

بڑھنے لگا۔

"آپ میری نظروں سے دور کہیں دفع کیوں

نہیں ہو جاتے۔۔؟؟" وہ چیخ گئی تو فدا کی آنکھیں

بجھ سے گئیں۔

"آپ چاہتی ہیں کہ میں دفع ہو جاؤں۔۔؟؟" وہ

جیسے اس سے تصدیق چاہ رہا تھا۔

"ہاں میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے دور چلیں

جائیں۔۔ آپکو دیکھتی ہوں تو اپنی بے بسی و شکست

کا احساس ہوتا ہے مجھے۔۔۔!" لہجے میں بے بسی

سموئے وہ تڑخ کر بولی تھی۔ آنکھیں نا چاہتے

ہوئے بھی بھر آئیں۔

"آپ کی شکست گوارہ ہی کب ہے حیبہ۔۔ آپ

نے کہا ہے تو آپکی چاہت سر آنکھوں پر۔۔۔ چلا

جاؤں گا۔۔ دور چلا جاؤں گا لیکن آپ بھی ایک

وعدہ کیجئے۔۔!" دھیمی، شکست خوردہ آواز میں

بولتا وہ پل بھر کو رکا۔ حدیبہ نے بھرائی ہوئی

آنکھوں میں سوال لے کر اسکی جانب دیکھا۔

"وعدہ کیجئے کہ آپ آئندہ کبھی خود کو یوں

نقصان نہیں پہنچائیں گے۔۔ کبھی خود پر اسطرح

تشدد نہیں کریں گی۔۔ بولیے۔۔ کرتی ہیں

وعدہ۔۔۔؟؟" اسکے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے

وہ نرمی سے بولتا چلا گیا۔ حدیبہ کی دھندلی

آنکھوں سے ٹوٹ کر گرتا آنسو فدا کی چوڑی

ہتھیلی پر جا گرا۔ حدیبہ نے اثبات میں سر ہلاتے

ہوئے اسکی ہتھیلی پر ہاتھ رکھنا چاہا تو فدا نے ہاتھ

کی مٹھی بناتے ہوئے اسکا آنسو کسی قیمتی متاع کی

مانند سمیٹ لیا۔ نیتجتاً حدیبہ کا نازک ہاتھ اسکی بند

مٹھی پر پڑا تو فدا نے دھیرے سے مسکراتے

ہوئے اسکے ہاتھ کی پشت پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ

دیا۔ حدیبہ نے نظریں اٹھا کر فدا کی جانب دیکھا

جو پہلے ہی پرسوز، حدت آمیز نگاہوں سے اسکے

نقوش تول رہا تھا۔ کچھ بے خود سے میٹھے پل یونہی

سرک گئے۔ معاً کمرے کے دروازے پر دستک

ہوئی تو حدیبہ نے اپنا ہاتھ اسکی گرفت سے کھینچ

لیا۔ اسکی جانب سے رخ موڑتی وہ خفت زدہ سی

ہوتی اپنے ہاتھ کی پشت مسلنے لگی۔ جبکہ فدا اس

پر ایک گہری نگاہ ڈالتا کمرے میں جا گھسا۔ وہ

کمرے میں آئی تو وہ دروازے پر کھڑا صندل بیگم

سے مسکرا کر باتیں کر رہا تھا۔

"السلام علیکم بھابھی۔۔!" حدیبہ نے مروت

نبھائی ورنہ اسے صندل سے کچھ خاص انسیت نہ

تھی اور وجہ صندل کا نخوت بھرا انداز اور بے

زارانہ فطرت تھی۔

"وعلیکم السلام۔۔مجھے لگا تھا میں تم دونوں کو

جگانے کی گستاخی کرنے والی ہوں لیکن یہاں تو

لگتا ہے رات بھر تم دونوں سوئے ہی نہیں۔۔!"

فدا کی سرخ آنکھوں کے سوجے کنارے دیکھتی

وہ معنی خیزی سے بولتی اندر آگئیں۔انکے پیچھے

ہی زہرہ بھی جھکے سر سے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے

لیے اندر آئی تھی۔

"میں تو وقت پر سو۔۔" حدیبہ نے جھجھکتے

ہوئے صفائی دینے کی کوشش کی تو وہ سرعت

سے درمیان میں ہی بول پڑا۔

"آپکو پتہ تو ہے کہ میں نے اس دن کا کتنا انتظار کیا

ہے بھابھی۔۔تو پھر اتنی حسین رات بھلا میں

کیسے سو سکتا تھا۔۔؟؟"لبوں پر مسکراہٹ سجائے

وہ نرمی سے بولا تو جہاں حدیبہ کا چہرہ خفت سے

گلابی ہوا تھا وہیں زہرہ کا چہرہ آنسو روکنے کی

کوشش میں سرخ پڑ گیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ منہ دکھائی میں تم نے

میری نند کو کس قسم کے نشانات دیے ہیں

فدا۔۔؟؟" صندل کی نگاہ حدیبہ کے گالوں پر

پڑی جا بجا گہری خراشوں پر پڑ چکی تھی سو اسکی

ٹھوڑی اپنی جانب موڑ کر اسکے چہرے کا معائنہ

کرتی وہ کچھ سنجیدگی سے بولی۔ وہ فدا کی محبت اور

حدیبہ کے انکار۔۔ دونوں سے بخوبی واقف تھیں

لیکن انکا مقصد ہمیشہ کی طرح زخموں پر نمک

چھڑکنا ہی تھا۔ فدا نے ضبط کرنے کو اپنی نگاہ

جھکالی۔

"یہ سرکار نے نہیں دیے بیگم سرکار۔۔ کل جب

ہم رخصتی سے پہلے بی بی کو تیار کر رہے تھے تو بی

بی نے غصے میں چوڑیوں سے خود کو کھروچ لیا

تھا۔۔!"ناشتے کی ٹرے بیڈ پر رکھتے ہوئے زہرہ

جلدی سے بولی۔ جبکہ اسکے بروقت جواب پر

صندل جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔

"زہرہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔۔!" حدیبہ نے

رکھائی سے تائید کی تو صندل نے بھنویں اچکا کر

فدا کی جانب دیکھا۔

"لیکن جب تمہیں فدا کے کمرے میں لایا گیا تھا

تب تو یہ زخم نہیں تھے۔۔؟" انکا مخاطب اب

حدیبہ تھی۔

"وہ میک اپ کر کے ہم نے چھپا دیے تھے

جی۔۔!" زہرہ پھر سے بولی تو اس بار حدیبہ نے

کچھ مشکور نگاہوں سے زہرہ کی طرف دیکھا جبکہ

صندل کچھ قہربار نظروں سے زہرہ کو گھورتی اس

کی جانب پلٹی۔

"تم سے پوچھا ہے میں نے۔۔۔؟؟" زہرہ کو

مخاطب کرتی صندل کا انداز حقارت آمیز تھا۔

زہرہ گڑبڑا گئی۔

"حیبہ آپ نے کن سوالات میں الجھا دیا ہے

بھابھی کو۔۔۔وہ ہمارے لیے ناشتہ لے کر آئی

ہیں اور بجائے انکا شکریہ ادا کرنے کے آپ نے

مباحثہ شروع کر دیا۔۔!" بات گھمانے کو فدا

عام سے انداز میں گویا ہوا۔

" آئیں بیٹھیے آپ نے رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا

ناشتہ کر لیجئیے۔۔!" اسے باقاعدہ ہاتھ سے پکڑ کر

بیڈ پر بٹھاتا وہ بھرپور نرمی سے گویا ہوا۔ حدیبہ

اسکی سمجھداری پر حیران پریشان سی چپ چاپ

بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اور میٹھی تم زرا جا کر مون کو بلا لاؤ پلیز۔۔۔

تمہیں پتہ ہے ناں وہ میری موجودگی میں اکیلے

ناشتہ نہیں کرتا۔۔ پھر بعد میں مجھے اسکی خاطر

دوسری شفٹ لگانی پڑے گی۔۔!" صندل کو

ناک بھوں چڑھاتے دیکھ وہ ڈھیٹ بنا مصروف سا

بول رہا تھا۔ زہرہ سر ہلاتی چلی گئی۔

"بھابھی آئیں ناں آپ بھی ہمیں جوائن

کریں۔۔!" صندل کو پلٹتا دیکھ وہ خوشدلی سے

بولا۔

"نہیں تم دونوں کرو۔۔ کباب میں ہڈی بننے کے

لیے میرا بیٹا ہی کافی ہے۔۔!" اسے چھیڑنے کو وہ

مزاحیہ انداز میں بولی تو وہ قہقہ لگا کر ہنس

پڑا۔ اسے انکا یہ مذاق بھایا تھا۔

"ہاہاہاہا۔۔۔جب تک ہم اسکی جوڑی دار اسکے

حوالے نہیں کریں گے وہ یونہی ہڈی بنتا رہے

گا۔۔!" وہ زندگی سے بھرپور آواز میں بولا تو

جہاں حدیبہ کی دھڑکنیں اسکی بات کا مطلب

سمجھتی تیز تر ہوئی تھیں وہیں صندل کے لبوں پر

رینگتی رسمی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ وہ اس

حویلی میں فدا حسین اور حدیبہ شاہ کی اہمیت کو

بخوبی سمجھتی تھی اور یقینی طور پر انکی نسل کے

مستقبل میں ہونے والے شاندار استقبال سے

بھی واقف تھی سو زبردستی مسکرا دی۔ حدیبہ

ٹرے پر جھکی چپ چاپ ناشتا کر رہی تھی۔

"اگر ایسا ہو جائے تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔۔

ویسے، آثار نظر تو نہیں آرہے لیکن امید کرتی

ہوں کہ تم جلد ہی ہمیں خوشخبری سناؤ گے۔۔!"

فدا کو جواب دیتی وہ طنز کرنا نہیں بھولی تھیں۔

حدیبہ کا ستا ہوا چہرہ اور فدا کی آنکھوں میں پھیلی

ویرانی انہیں کافی کچھ سمجھا گئی تھی۔وہ انکے

لفظوں کی کاٹ پر چائے کے ساتھ صبر کے

گھونٹ بھی بھرنے لگا۔ تبھی وہاں زہرہ کی انگلی

تھامے اچھلتا کودتا مون آیا تھا۔

"السلام علیکم ہینڈسم۔۔۔!" بیڈ سے اتر کر اسے

گود میں لیتا فدا پیار سے بولا تو مون نے اسے

وعلیکم السلام کہتے ہوئے اسکے گال چومے۔۔

صندل پیار کے اس نظارے پر ناک چڑھاتی وہاں

سے نکل گئیں۔

"چاچو آپ نے ابھی ناشتہ تو نہیں کیاناں۔۔؟؟"

فدا کے دونوں کان پکڑ تا وہ بگڑ کر بولا تو فدا نے

ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہارے بغیر کیسے کر سکتا ہوں یار۔۔میں تمہارا

چاچو ہوں، پھپو جیسا تھوڑی ہوں جو اکیلے اکیلے ہی

ناشتہ کرلوں۔۔!" اسے گود میں لیے بیڈ پر بیٹھتا

وہ حدیبہ پر چوٹ کر گیا تو چائے کے گھونٹ

بھرتی حدیبہ نے اسے سخت نگاہوں سے گھورا۔

"ہائے اللہ فپو۔۔یہ تو بہت بری بات ہے اب

میرے چاچو آپکے دولہا ہیں، آپ انکا تو خیال کر

لیتی۔۔!" فدا کی گود سے اتر کر حدیبہ کے قریب

ہو تا وہ سر گوشیانہ بولا تو اسکی بلند سر گوشی پر فدا

مسکرانے لگا۔ زہرہ دبے قدموں کمرے سے

نکل گئی جبکہ پیچھے حدیبہ اب ناشتہ چھوڑے مون

کے بے تکے سوالات کا جواب دے رہی تھی

جبکہ فداخود اب اطمینان سے ناشتہ کرتا ساتھ

ساتھ مون کی زبان کو سٹاپ کرنے کے لیے

اسکے منہ میں بھی نوالے ڈال رہا تھا۔ نوالا نگلتے ہی

موون کی سٹاپ شدہ زبان پھر سے پُش ہو جاتی اور

حدیبہ بس عاجز سی فدا کو دیکھ رہی تھی جس کے

لبوں پر دبی سی مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

گہری سیاہ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے

وہ بے یقین سی تھی۔وہ خوفزدہ نظروں سے ان

تینوں کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہی تھی جبکہ

منصب اب آرام سے اپنے موبائل کا کیمرہ آن

کر کے ویڈیو بٹن پش کر چکا تھا۔حالات کی سنگینی

کو سمجھتی مہرماہ کی روح کانپ اٹھی تھی۔

"میرے پاس مت آنا ورنہ تم تینوں کو مار ڈالوں

گی۔۔!" اپنی شہادت کی انگلی اٹھائے وہ چیخی

تھی۔روتی آنکھوں میں پھیلتی بے بسی چیخ چیخ کر

اسکے اندرونی خوف کا پتہ دے رہی تھی لیکن وہ

نازک جان بڑے حوصلے سے انہیں دھمکا رہی

تھی۔ اسکی بودی دھمکی پر ان چاروں کے لبوں پر

تمسخرانہ ہنسی در آئی تھی۔

"عمیر سائیڈ ہو یار۔۔!"اس کھیل کو انجوائے

کرتا وہ عین بیڈ کے سامنے رکھے صوفے پر

بیٹھتا ویڈیو بنا رہا تھا۔عمیر بالوں میں ہاتھ چلاتے

ہوئے پلٹا اور شراب کے گلاس تیار کرنے لگا۔۔

جبکہ عبداللہ اور صارم مہرماہ کے خوفزدہ وجود کی

دھجیاں بکھیرنے کو تیار تھے۔

"بتاؤناں کس گروہ سے تعلق ہے تمہارا۔؟؟"

آگے بڑھ کر اسکے بازو پر اپنے ہاتھ کی پشت

پھیرتا عبداللہ کمینگی سے بولا تو مہرماہ نے آنکھیں

میچتے ہوئے اسکا ہاتھ جھٹکا لیکن تبھی دوسری

جانب سے صارم نے اسکی گردن کی پشت کو چھوا

تھا۔ اسکا روم روم سسکیاں بھرنے لگا۔

"بولو نہ ڈرگز کہاں ہیں۔۔۔؟؟" وہ قہقہے لگاتے

اسکا مذاق اڑا رہے تھے۔ مہرماہ کی جان ہاتھوں

سے سے نکلنے کو تھی۔ ان ذلیل درندوں کا لمس

اسکے اندر موت کی اذیت بھر رہا تھا۔ جبکہ اسکی

اذیتوں سے بے بہرہ وہ لبوں پر مسکان سجائے

ویڈیو بنا رہا تھا۔

"مم۔۔ میرے پاس مت آنا۔۔ دور۔۔۔ دور

رہو۔۔۔۔!" اپنی طرف بڑھتے ان ہاتھوں کو

جھٹکنے کی ناکام کوششیں کرتی وہ کسی زخمی ہرنی کی

طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی جو کسی بھیڑیوں کے

جھنڈ میں پھنس گئی تھی۔ لیکن فی الوقت وہ اسے

مکمل طور پر دبوچنے کی بجائے کبھی اسکے چہرے،

کبھی گردن، کبھی بازو کو بے باکی سے چھوتے

اسے ریزہ ریزہ کر رہے تھے۔ اسکے سیاہ بالوں

سے پونی کھینچ کر نکالتے ہوئے جانے اسکے کتنے

بال ٹوٹے تھے لیکن وہاں پرواہ کسے تھی۔۔؟؟

"بتادوناں کہ کہاں چھپار کھا ہے مال۔۔۔بتادو

تاکہ تمہاری مشکل آسان ہو جائے۔۔!" اسکا

دوپٹہ چھینتے ہوئے صارم نے ہنستے ہوئے کہا۔۔

مہرماہ کے لبوں سے چیخیں آہوں کی صورت بلند

ہوئی تھیں۔عمیر ٹیبل کے پاس ہی زمین پر بیٹھا

اطمینان سے ڈرنک کر رہا تھا۔

"میرے پاس۔۔کک۔۔۔کچھ نہیں ہے۔۔۔!"

ان سے دور ہوتی وہ بڑبڑائی تو عبداللہ نے ایک

جھٹکے سے اسے پیچھے بیڈ پر دھکا دیا۔۔ڈھیلے

ڈھالے لیمن کرتے میں اسکا وجود اے۔سی کی

ٹھنڈک کے باوجود پسینہ پسینہ ہو چکا تھا۔رونے

کی شدت سے سرخ و سفید چہرہ ان دونوں کی

آنکھوں میں ہوس کی گندگی بھر رہا تھا۔وہ

دونوں اسکے دائیں بائیں بیڈ پر چڑھے تو مہرماہ نے

پیچھے کھسکتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ اس پورے

منظر کی ویڈیو بناتا منصب ٹانگ پر ٹانگ جما چکا

تھا۔

"نن۔۔۔ نہیں پلیز۔۔۔ مم۔۔۔ میرے ساتھ

ایسا مت کرو۔۔۔ ممم.۔۔۔ منصب۔۔۔ شش۔

شاہ۔۔۔ان کو روکو پلیز۔۔۔!" وہ منصب

کیطرف دیکھتی کانپتی ہوئی آواز میں بولی تو وہ بے

اختیار مسکرایا۔

تبھی صارم اس پر جھپٹا تو وہ پلٹ کر بیڈ کی دوسری

جانب سے اترنے کو پیٹ کے بل کھسکی۔۔

عبداللہ نے بروقت اسے اپنی جانب کھینچا تو

منصب کا نام مہرماہ کے لبوں سے چیخ کی صورت

بلند ہوا تھا۔

"منصبببب۔۔۔!" وہ جیسے مرنے کو تھی۔

ان دونوں کے ہاتھوں کا لمس اسے مار رہا تھا۔

اسکی پکار پر وہ ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"سویٹ ہارٹ تم نے کہا تھا کہ تم سو کالڈ فلمی

ہیروئنز کی طرح میرے سامنے نہیں جھکو

گی۔۔۔ سو ناؤ اٹس ٹائم ٹو پرووییور ورڈز۔۔یو شُڈ

کیپ یور ورڈز۔۔!" وہ اسے اسی کے الفاظ لوٹا رہا

تھا۔ اسکے عیاش دوستوں کے شکنجے میں بے حال

ہوتی مہر ماہ اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں سے انہیں خود

سے دور رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

منصب نے عمیر کو اشارہ کیا تو وہ شراب کی بھری

ہوئی بوتل کا ڈھکن اتارتا بیڈ کی طرف آیا۔ اسکے

دائیں بائیں صارم اور عبداللہ نے سختی سے اسکی

کلائیاں جکڑ لیں۔ مہرماہ کو لگا اسکی موت کا وقت

آن پہنچا ہے۔ اسکی سرخ سوجن زدہ آنکھوں

سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر کنپٹیوں میں جذب

ہو رہے تھے۔ اسکے تر بتر چہرے کو دیکھتے ہوئے

کب منصب کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹی تھی

اسے پتہ نہیں چلا۔ جبکہ مہرماہ کے سر کے پاس،

آکر بیٹھتے ہوئے عمیر نے اسکا منہ بھینچا تو مہرماہ

نے نظریں اٹھا کر اس تیسرے شیطان کی جانب

دیکھا جو ہاتھ میں شراب کی بوتل لیے اسی کو دیکھ

رہا تھا۔

"ٹرائے اٹ۔۔۔!" کہتے ہوئے اسنے شراب

کی بوتل مہرماہ کے لبوں سے لگا دی۔ اسنے اس

حرام مشراب سے بچنے کے لیے سر ہلانا چاہا لیکن

ہاتھوں اور پیروں کے ساتھ ساتھ اسکا چہرہ بھی

ان درندوں کی گرفت میں تھا۔ چھٹی چھٹی

آنکھوں سے انکے چہرے دیکھتی وہ موت کی

ہچکیاں بھرتی شراب کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

اسے سانس لینے کا موقع دیے بغیر وہ اسے شراب

پلا رہا تھا۔ منصب جو موبائل میں بنتی ویڈیو میں

کیمرہ زوم کیے بنا پلک جھپکائے اسکا اذیت ناک

چہرہ دیکھ رہا تھا اسکی حد سے زیادہ باہر کو ابلتی

آنکھیں دیکھ کر عمیر کو روکنے پر مجبور ہوا تھا۔

"عمیر لیو ہر۔۔۔!" وہ جلدی سے بولا تو عمیر نے

مہرماہ کے لبوں سے شراب کی بوتل ہٹادی۔

بوتل دور ہوتے ہی اسے ہلکی ہلکی کھانسی کا دورہ

سا پڑا اتھا۔ منصب نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور

خود کھڑا ہوتا قدم قدم بیڈ کی جانب بڑھا۔ عین

اسکے پیروں والی سائیڈ پر رکتے ہوئے اسنے بغور

مہرماہ کے نڈھال وجود کی طرف دیکھا تھا۔ سرخ

چہرے پر سجی سیاہ آنکھوں میں اترا خمار انہیں بند

کر دینے کے درپر تھا۔ اسکا سسکتا وجود مزاحمت

ترک کر چکا تھا۔ خون چھلکاتے سرخ لب ہچکیاں

بھرتے بے بس دکھائی دے رہے تھے۔ ساکت

نگاہوں سے اسکا چہرہ دیکھتے منصب نے ہاتھ اٹھا

کر اُن تینوں کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تھا۔ ویسے بھی

اسکا مقصد فقط ویڈیو بنانا تھا جو کہ بن چکی

تھی۔۔ وہ تینوں بیڈ سے اترے تو وہ خود بیڈ پر

چڑھتا اسکے دم توڑتے وجود کے قریب ہوا تھا۔

بھیگی آنکھیں ہنوز بہہ رہی تھیں۔ مدھم سے

مدھم تر چلتی سانسیں اسکے لبوں پر لفظوں کی

صورت ٹوٹ رہی تھیں۔

"اب۔۔۔ابی۔۔۔جی۔۔!" اسکے لبوں کو

تکتے منصب کی نگاہ اسکی سفید گردن سے پھسلتی

ہوئی اسکے کندھے تک آئی تھی۔۔جانے کیوں

اسے حیاسی آئی تھی۔

"روم سے باہر جاؤ۔۔!" مہرماہ کا چہرہ اپنی نظروں

کی گرفت میں لیے وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو وہ

تینوں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ کنویں

کے پاس لا کر وہ انہیں پیاسا چھوڑ رہا تھا۔ وہ

احتجاج کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی بدقسمتی یہ تھی

کہ وہ احتجاج کر نہیں سکتے تھے۔

"سنائی نہیں دیا۔؟؟" انہیں وہیں کھڑا دیکھ وہ

سرد لہجے میں بولا تو مرتے کیا نہ کرتے کے

مصداق وہ تینوں وہاں سے نکل گئے۔ دروازہ بند

ہونے کی آواز پر وہ گہرا سانس لیتا دوبارہ اس کی

جانب متوجہ ہوا جو ہوش میں ہونے کے باوجود

ہوش خرد سے بے گانہ سی لگ رہی تھی۔

"تمہاری اوقات دو ٹکے سے بھی کم ہے

لڑکی۔۔۔یقیناً آج تمہیں اس بات کا اندازہ ہو

چکا ہو گا۔۔!" اسکا بے حال حلیہ بے باکی سے

دیکھتا وہ اطمینان سے بولا۔بیڈ پر بکھرے اسکے

سیاہ بال کالی آندھی کی مانند لگ رہے تھے۔اسکے

دائیں بائیں ہاتھ جماتے ہوئے وہ اس پر جھکا تو پل

بھر کو اپنی آنکھیں بند کر گیا۔یہ اسکی زندگی کا

پہلا تجربہ تھا جس میں وہ صنف نازک کو شرم وحیا

کی ہر حد پھلانگ کر محسوس کرنے والا تھا۔ ورنہ

وہ ہمیشہ سے عورت ذات سے دس فٹ دور رہ کر

ہر قسم کی عیاشی مارنے کا عادی تھا۔ اسکے وجود

سے اٹھتی پاگل کر دینے والی مہک نے منصب شاہ

کے حواس جکڑ لیے تھے۔وہ گم صم سا سیدھا ہوتا

پھر سے اسے دیکھنے لگا۔

اسکے پھڑ پھڑاتے لب خاموش ہو چکے تھے۔ادھ

کھلی آنکھیں ساکت تھیں یوں جیسے وہ زندگی کہ

جدوجہد ترک کر چکی ہو۔ منصب کے وجود میں

بے چینی سی سرایت کرنے لگی۔

"اے لڑکی۔۔۔ تم ٹھیک ہو۔؟؟" اسکا گال

تھپتھپاتے ہوئے اسنے یونہی پوچھا لیکن اسکی

پلکوں میں جنبش نہیں ہوئی تھی۔ جانے کس

تفکر میں اسنے اسکی کلائی تھام کر اسکی نبض ٹٹولی

تھی۔ دھڑکنوں کا ردھم مفقود تھا۔

وہ پل بھر کو بوکھلاتا اسکی دھڑکن محسوس کرنے

کی نیت سے اس پر جھکا تھا تبھی دھڑام سے

دروازہ کھولتا کوئی آندھی طوفان کی طرح اندر آیا

تھا۔ منصب فوراً سیدھا ہوا اور ناگوار نظروں سے

آنے والے کی جانب دیکھا لیکن اپنے مقابل

اپنے باپ کو دیکھ کر اس کی ساری طراری پل میں

ہوا ہوئی تھی۔ بغیر دوپٹے کے بے حال سی

مہرماں اسکے رحم و کرم پر تھی جبکہ وہ خود اس پر

جس حالت میں جھکا ہوا تھا۔ منظر کس قدر

شرمناک تھا یہ منصب کے باپ کی آنکھوں میں

اترتی سرخائی دیکھ کے ہی پتہ چل رہا تھا۔ انکی

قہربار نظروں کی تپش سہتے منصب کو اپنے حلق

میں کچھ اٹکتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ سرعت اسکی

کلائی چھوڑتا بیڈ سے اتر کر کھڑا ہوا۔

"بابا۔۔ آپ۔۔ یہاں۔۔۔؟؟" اسے سمجھ نہیں

آرہی تھی کہ اب وہ انہیں کیا صفائی دے۔

اسکے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوتی اپنی ماں کی

آنکھوں میں حیرت اور آنسو دیکھ کر اسکا دل کیا

زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"ویسے مجھے پوچھنے کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن

سننا چاہتا ہوں۔۔کیا اسے تم نے کڈنیپ کروایا

ہے۔۔؟؟" اسکے مقابل ٹھہرتے وہ جیسے

اعتراف جرم سننا چاہتے تھے۔ان کی آواز ہڈیوں

کو منجمد کر دینے والی سرد آگ لیے ہوئے

تھی۔ منصب کی نظریں جھکتی چلی گئیں۔ اگلے

ہی پل کمرہ منصب کے چہرے پر پڑنے والے

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

تھپڑ کی آواز سے گونج گیا تھا۔ ایک کے بعد ایک

وہ بڑی بے دردی سے اسے مارتے چلے گئے۔

"لعنت ہو تم جیسی اولاد پر۔۔۔ حیرت ہو رہی

ہے مجھے کہ تم جیسا ناگ میرے گھر میں پیدا ہوا

ہے۔۔!" اسے دھکے دے کر کمرے سے

نکالتے وہ چلائے تھے۔ آنسو بہاتی اس کی ماں

نے مہر ماہ کی طرف بڑھ کر اسے سنبھالا جو نیم

مردہ لگ رہی تھی۔

"گناہوں کا ڈھیر پالتا رہا میں۔۔۔ جہنم کماتا رہا اور

مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔۔!" صدمے سے چور

آواز میں بولتے وہ اسے لاؤنج میں لے آئے

جہاں اسکے تینوں دوست سر جھکائے مجرم بنے

کھڑے تھے۔ انہوں نے نفرت سے اسے ان

تینوں کی جانب دھکا دیا۔

"نکل جاؤ ان تینوں کے ساتھ اور دوبارہ کبھی

شکل مت دکھانا مجھے۔۔اس بار زندہ چھوڑ رہا

ہوں ورنہ اگلی بار گولی سے اڑا دوں گا

تمہیں۔۔!!" وہ سال کے بارہ مہینے دھیما بولنے

والا اسکا شریف باپ آج چلا رہا تھا۔

"میں نے کہا دفع ہو جاؤ۔۔۔!" وہ دھاڑے

تھے۔۔ منصب جس کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہو چکا

تھا، اُنکے حکم پر سرخ نظریں اٹھا کر انہیں دیکھنے

لگا۔

"میں یہاں سے سیدھا ماں جان کے پاس جاؤں

گا۔۔!" وہ جیسے انہیں اطلاع دے رہا تھا کہ انکی

کوئی بھی دھمکی اسکے لیے معنی نہیں رکھتی۔

"اگر تم نے میرے گھر میں قدم بھی رکھا تو

تمہاری ماں کو بھی تمہارے ساتھ دھکے دے کر

باہر نکال دوں گا۔۔!"

اسکی ڈھٹائی پر وہ غضبناک ہو کر دھاڑے۔

"سائیں۔۔۔!" مہرماہ کو سنبھالے وہ انہیں

پکارتی لاؤنج میں ہی آئیں تو وہ انکی جانب پلٹے۔

"اسے سنبھالیے، بچی کی سانسیں بہت مدھم

ہیں۔۔!" وہ اسے بامشکل سہارا دیے ہوئے

تھیں۔ وہ فوراً ان کی جانب بڑھے اور احتیاط سے

مہرماہ کو اپنی پر شفقت آغوش میں سمیٹا۔ اسکی

حالت دیکھ کر انکا دل کرلایا تھا۔ وہ ہوبہو اپنی ماں

کا عکس تھی۔

"آپ چلیں میرے ساتھ اسے ٹریٹمنٹ کی

ضرورت ہے۔۔!" مہرماہ کو گود میں اٹھاتے وہ

باہر کی جانب بڑھتے بولے تھے۔ جاتے جاتے

انہوں نے ایک غلط نگاہ بھی منصب پر نہیں ڈالی

تھی۔ وہ بھی اُن کی تقلید کرتی انکے پیچھے بڑھی تو

منصب انکے قریب آیا تھا۔۔۔

"اماں۔۔۔رکیے پلیز۔۔!" انکے سامنے آتا وہ

بے تابی سے گویا ہوا۔ اسکی گزارش پر انہوں نے

نم آنکھوں سے اسے گھورا۔ آنکھوں میں

شکوے چیخ رہے تھے۔

"یہ جو بھی ہوا ہے۔۔ آپ۔۔۔پ۔۔۔پلیز۔۔

اسے محسوس مت کریں۔۔!" وہ انکی نرم دلی سے

آگاہ تھا اسی لیے انہیں اس فیز سے نکالنے کو بولا

تھا۔

"تم اپنی ماں کے پاس نہیں جاؤ گے منصب۔۔جو

تمہارے بابا سرکار کہہ رہے ہیں۔۔اسکو ماننا تم پر

فرض ہے۔۔!"بنا کوئی صفائی مانگے بنا کوئی لفظی

شکوہ کیے وہ اب بھی اس کی فکر کر رہی تھیں۔

"میں وہیں جاؤں گا۔۔!!" وہ اُکھڑپن سے بولا تو

انکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں جانتی ہوں تمہیں اپنے کیے گناہ کا پچھتاوا

تو دور احساس بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر تم اب

اپنے باپ کی رضا کے خلاف گئے تو میں تم سے

مجھے ماں کہنے کا حق واپس لے لوں گی۔۔۔ سمجھے

تمہم۔۔۔!" تاسف زدہ انداز میں اسے دیکھتی وہ

بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھیں۔ وہ ناگواری سے

لب بھینچتا سر جھکا گیا۔

"پانچ منٹ کے اندر اندر یہ فارم ہاؤس خالی

کرو۔ اپنے فلیٹ مت جانا۔ تمہارے بابا کو پتہ

چلا تو غصے میں کچھ اور نہ کر بیٹھیں۔ یہ میرے

بحریہ ٹاؤن والے فلیٹ کی چابی ہے۔ تم کچھ دن

وہیں رہنا پھر میں اُنہیں سمجھا کر تمہیں حویلی بلا

لوں گی۔۔!" اپنے پرس سے چابی نکال کر اسکی

طرف بڑھاتے ہوئے انہوں نے بے تاثر انداز

میں کہا تو وہ اپنے ہونٹ سے بہتا خون صاف

کرتے ہوئے ایک نظر انکے جذبات سے عاری

چہرے کو دیکھ کر چابی تھام گیا۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے۔۔؟؟" وہ سنجید گی

سے بولا تو انہوں نے خالی نظروں سے اسکی

جانب دیکھا۔ پھر بنا کوئی جواب دیے وہاں سے

نکلتی چلی گئیں۔ منصب نے تشویش ناک نگاہوں

سے انکی پشت دیکھی جن کی چال میں لڑکھڑاہٹ

سی تھی۔ ایک بار پھر مہرماہ کی جانب سے ملنے والی

شکست پر وہ خونی آنکھوں سے فرش کو گھور تارہ

گیا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"ہوا کیا ہے۔۔؟؟ تم نے انکل سے اُن کی کوئی

شکایت کی ہے۔۔؟؟ دیکھو سوبی مجھے سیدھے

سیدھے بتادو بھائی کا موڈ کیوں آف ہے۔۔؟؟

ایک تو انکا فلیٹ بند پڑا ہے دوسرا وہ میری کال

بھی اٹینڈ نہیں کر رہے۔۔!" فون کان سے

لگائے تیز تیز چلتی وہ کچھ برہمی سے بول رہی

تھی۔

"اپیا میں نے تو بابا سرکار کو کچھ بھی نہیں بتایا قسم

سے۔۔میری بھی بھائی سے دو دن پہلے ہی بات

ہوئی تھی تب تو وہ کافی بزی تھے۔میں انکو بتانا

چاہتا تھا کہ اماں ان سے ملنے کے لیے، بابا کے

ساتھ کراچی گئی ہیں لیکن انہوں نے سنے بغیر ہی

کال کاٹ دی۔ اب بقول آپ کے بھائی بھی

غائب ہیں اور ڈیڈ کی طرف سے بھی مجھے کچھ

خاص خبر نہیں ہے۔۔!" سوبی نے معصوم بنتے

ہوئے اسے بتایا تو فون کے سپیکر سے ابھرتی اس

کی صاف آواز سن کر علیشہ ٹھیک ٹھاک تپی۔

"ایک نمبر کے خبری ہو تم لیکن مجھے کچھ نہیں

بتاؤ گے۔۔ مت بتاؤ بیٹا میں عالم سے پوچھ لوں

گی لیکن اتنا سن لو اگر بھائی نے کوئی تھرل خود پر

ٹرائے کیا تو تمہارا گلا میں اپنے ہاتھوں سے دباؤں

گی۔۔!" منصب کی فکر میں گھلتی وہ تڑخ کر بولی

پھر سوبی کے منمنانے پر اسنے کال کاٹ دی۔

وہ ان تینوں بھائیوں کی دودھ شریک بہن تھی

کیونکہ مہربان عالم شاہ کی پیدائش پر جب اسکی

پھپھو ڈیڑھ ماہ بعد اپنے میکے رہنے کے لیے آئی

تھیں تو انکے چھوٹے بھائی عبدالغفور چوہان کو

اللہ نے بیٹی کی صورت علیشہ چوہان سے نوازا تھا

جس کے پیدا ہوتے ہی اسے اسکے تایا زاد سارنگ

سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ انہی دنوں علیشہ کی

والدہ کی غیر موجودگی میں علیشہ کی پھپھو نے

اسے فیڈ کروا دیا تھا یوں وہ اپنے بعد ان کے ہاں

پیدا ہونے والے سبحان عالم شاہ کی بھی بہن بن

گئی تھی۔

وقت گزرا تھا اور گزرتے وقت کے ساتھ اسکا

اپنی پھپھو کے سسرال آنا جانا بڑھ گیا تھا،

سارنگ کو بھی اسکی ان تینوں بھائیوں کے ساتھ

فرینک نیس اسی لیے برداشت تھی کیونکہ وہ اُن

کی رضائی بہن تھی۔ ابھی بھی وہ منصب کے لیے

متفکر سی ہاسٹل کے گیٹ سے باہر نکلی ہی تھی

جب دائیں طرف سے آتا وجود اسکے اچانک

سامنے آجانے سے اس سے ٹکرایا تھا۔ اس جان

لیوا ٹکراؤ پر علیشہ کو بھری دوپہر میں اپنی

آنکھوں کے سامنے تارے ناچتے دکھائی دے

گئے۔

"افف۔۔۔کون گدھا ہے؟؟ جو عقل کے

ساتھ ساتھ آنکھوں سے بھی اندھا ہے۔۔؟؟"

اپنا سر مسلتی وہ سیدھی ہوتی اس پر چیخی تو اپنے سر

کو پہلے سے ہی پکڑے کھڑا شیث اسے مقابل دیکھ

کر گڑبڑا گیا۔

"وہ میں۔۔۔ ایم۔۔۔ ایم سسس۔

سوری۔۔!!" وہ بے چارگی سے بولا۔ اسکے پاس

شاید لفظوں کا سٹاک 'میں' سے شروع ہو کر

'سوری' پر ہی ختم ہوتا تھا۔

"تم۔۔۔؟؟؟ تمہارے ساتھ پرابلم کیا ہے

مسٹر سوری۔۔۔؟؟؟ جب دیکھو اپنی یہ منحوس

سی شکل لے کر میرے آس پاس ہی منڈلاتے

رہتے ہو۔۔؟؟ نہیں کیا۔۔؟؟ کیا تکلیف کیا

ہے تمہیں آج بتا ہی دو۔۔!" وہ اس پر خوب ہی

بگڑی تھی۔

"مم۔۔میں تو یہاں۔۔سے گزر۔۔ہی رہا تھا۔۔

آپ ایک دم۔۔سامنے آگئیں۔۔!"وہ جھجھکتے

ہوئے اپنی صفائی میں بولا۔

"یہ تمہارا جھوٹا بہانہ آج تو سن لیا ہے میں نے

لیکن اگر آئندہ میرے سامنے آئے تو تمہارا یہ

اتنا بڑا سر دیوار سے پھوڑ دوں گی۔۔ سمجھے

تم۔۔۔؟؟" کراہیت آمیز نگاہوں سے اسے

دیکھتی وہ شہادت کی انگلی اٹھاتی وارن کرنے

والے انداز میں بولی تو وہ شریف بچوں کی طرح

اثبات میں سر ہلا گیا۔

"او۔۔۔اوکے۔۔

سس۔۔سور۔۔۔سوری۔۔سوری پلیز۔۔!"

اس سے پھر سے معذرت کرتا وہ سادگی سے بولا

تو اسکے یوں آسانی سے جھک جانے پر علیشہ کی انا

کو کچھ تسکین ملی۔وہ نخوت سے سر جھٹکتی اسکے

پاس سے گزر گئی۔اسکارخ ٹیچرز ہاسٹل کی جانب

تھا۔وہ اب شمس کو تپانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ بنا دروازہ ناک کیے دروازہ کھول کر اندر چلی

آئی۔وہ جو بیڈ پر بیٹھا اپنے آس پاس ڈھیروں

فائلز پھیلائے لیپ ٹاپ یوز کر رہا تھا، اس کی

اچانک آمد پر سیدھا ہو گیا۔ کام کے برڈن کے

باعث وہ رف سے حلیے میں پورے انہماک سے

لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر جمائے بیٹھا تھا کہ اس

مصیبت کو سامنے دیکھ کر وہ سرعت سے اپنے

گریبان کے کھلے بٹن بند کرنے پر مجبور ہوا تھا۔

"مجھے لگتا ہے مس علیشہ آپ میں تمیز کے ساتھ

ساتھ اخلاقیات کی بھی شدید کمی ہے۔۔!" اسے

دیکھا وہ سرد لہجے میں گویا ہوا تو وہ برا ماننے کی

بجائے بڑی ڈھٹائی سے مسکرائی۔

"ویسے ماننا پڑے گا سر میری اس کمی کا احساس ہر

کسی کو نہیں ہوتا لیکن آپ بہت جلدی مجھے جان

گئے ہیں۔۔!" مصنوعی پن سے اسے داد دیتی وہ

قدم قدم چلتی اسکے سامنے بیڈ کے پاس ہی آ

کھڑی ہوئی۔

"بہت عرصے سے تعلیمی شعبے سے وابستہ

ہوں۔۔اس لیے آپ جیسی لڑکیوں کو تو میں پہلی

نظر میں ہی جان لیتا ہوں۔۔!" شمس نے بھی

اسے اپنے انداز میں جواب دیا۔وار کاری تھا

لیکن مقابل بھی علیشہ تھی۔۔

" نظر۔۔۔؟؟واللہ مجھے تو لگا تھا آپ نظر ڈالنا

پسند ہی نہیں کرتے۔۔۔لیکن کمال ہے، آپ

نے مجھ پر نظر بھی ڈالی اور۔۔۔۔!" معنی خیزی

سے کہتے ہوئے علیشہ نے بات ادھوری چھوڑی تو

اسکی بات کا مطلب سمجھتے شمس نے بڑی مشکلوں

سے خود کو کچھ غلط کہنے سے روکا تھا۔

"آپ یقیناً یہاں کسی اہم کام سے آئی ہیں۔۔!"

وہ لفظ چبا چبا کر بولا تو اسکا تپا تپا سا انداز دیکھتی وہ

دل ہی دل میں محظوظ ہوتی مسکرائی۔

"بالکل میں یہاں کام سے آئی ہوں۔۔!"

ایک نظر شمس کے حلیے پر ڈالتی وہ آرام سے بولی

جو سکائے شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے،

رف سے بلیو ٹراؤزر میں اپنے لمبے چوڑے

سراپے کے باعث قابل دید لگ رہا تھا۔ اسکی

گندمی رنگت پر سجی سنہری آنکھیں سرد سی لگتی

تھیں۔

"تو پھر بیٹھیے۔۔!" شمس نے اسے بیٹھنے کا کہا تو وہ

تھینکس کہتی وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"یہاں نہیں۔۔وہاں مس علیشہ۔۔۔!"صوفے

کی طرف اشارہ کرتا وہ سنجیدگی سے بولا تو چارو

ناچار علیشہ کو اٹھ کر صوفے پر بیٹھنا پڑا۔

"جی تو فرمایئے۔۔کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ

کی۔۔۔؟"اسکے مقابل ہی سنگل کاؤچ گھسیٹ کر

بیٹھتا وہ نرمی سے قطعی مفقود سرد آواز میں بولا۔

اسکی مضبوط کلائیاں دیکھتی علیشہ پل بھر کو عجیب

سی گھبراہٹ سے دوچار ہوئی مگر اگلے ہی پل

اسنے اپنا اعتماد بحال کرلیا۔

"آج کے لیکچر میں کچھ پوائنٹس تھے جو مجھے سمجھ

نہیں آئے۔۔میں نوٹس بنا رہی تھی تو بس

اچانک مائنڈ بلینک ہو گیا تو سوچا آپ سے آکر

ہیلپ لے لیتی ہوں۔۔!" وہ بڑی روانگی سے

جھوٹ بول رہی تھی۔باقی تمام ٹیچرز کے برعکس

وہ یونیورسٹی آف ہونے کے بعد ایکسٹرا اکیڈمک

کلاسز نہیں دیتا تھا۔ وہ اپنے لیکچر میں ہی ہر طالب

علم کو ایک ایک نقطہ سمجھا دیا کرتا تھا۔ وہ پچھلے دو

ہفتوں سے اس یونیورسٹی میں لاء کا ٹیچر تھا لیکن

آج تک کبھی کوئی سٹوڈنٹ اسکے پاس ایسا کوئی

ایشو لے کر وارد نہیں ہوا تھا جیسے آج وہ اسکے

سامنے اس وقت موجود تھی۔

"تو مس علیشہ آپ کو اُسی وقت وہ پوائنٹ کلئیر کر

لینا چاہئیے تھا۔۔!" اسکے لفظوں میں سچائی پرکھنے

کو وہ سنجیدگی سے بولا۔

"سر اُس ٹائم مجھے لگا تھا کہ مجھے سمجھ آگئی

ہے۔۔ لیکن ابھی جب نوٹس بنانے بیٹھی تو

بس۔۔۔!" وہ بھولی سی شکل بناتی سادگی سے

بولی۔

"اوکے تو بتائیں پھر۔۔ کون سا پوائنٹ۔۔؟؟"

سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھتا وہ طنزیہ لہجے

میں بولا۔

"ہاں وہ... وہ جو۔۔۔!" وہ بتاتے ہوئے پل بھر

کو اٹکی۔ اسنے نظریں جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا

وہ خالی تھے۔وہ وہاں آتو گئ تھی لیکن وہ

نوٹس۔؟؟ اسے یاد آیا جب وہ اپنے کمرے سے

نکلی تھی تو سجانی سے بات کر رہی تھی۔یقیناً وہ

نوٹس اور رجسٹر جس پر آج کا لیکچر اسنے نوٹ کیا

تھا وہ وہیں کمرے میں بھول آئی تھی۔اسے اپنی

غائب دماغی پر جی بھر کر افسوس ہوا۔ شمس کو

اس پوائنٹ میں الجھا کر وہ آج اس کا دماغ کھانے

کا ارادہ رکھتی تھی لیکن بھلا ہو اس وقت کا جو

شمس کے معاملے میں برا ہی چل رہا تھا۔ اسنے

شرمندہ سی ہو کر نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا وہ

آنکھوں میں تمسخر لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ایم۔۔۔ ایم رئیلی سوری سر۔۔ وہ ایکچوئلی میں

اپنے روم سے نکلتے ہوئے اپنے بھائی سے بات کر

رہی تھی تو شاید میں نوٹس جلدی میں وہیں بھول

آئی۔۔!" اسکی زبان نے سچ بولنے کی ناکام

کوشش کی۔۔

"اوہ رئیلی۔۔۔ آپ بدتمیز اور ال مینرڈ ہونے

کے ساتھ ساتھ غائب دماغ بھی ہیں۔۔؟؟اس

حدتک کہ جس الجھن نے آپکو میرے پاس

آنے پر مجبور کیا اسے سلجھانے والا مین پوائنٹ

ہی آپ اپنے روم میں بھول آئیں۔۔؟؟"وہ

ایک بار پھر اس پر طنز کر رہا تھا۔انداز صاف

مذاق اڑاتا ہوا تھا جیسے کہہ رہا ہو،بے وقوف کسی

اور کو بنانا۔ جبکہ اسکے استہزائیہ انداز پر علیشہ کو

غصہ آنے لگا۔

"میں نے کہاناں کہ میں جلدی میں تھی۔۔!"

اپنے اندر اُمڈتی کھولن پر قابو پاتی وہ دھیمی آواز

میں بولی۔ وائٹ جینز پر ہاف سلیو پنک ٹی شرٹ

پہنے اسکی رنگت غصے اور خفت کے باعث شرٹ

کے ہی ہم رنگ ہو رہی تھی۔ اسے کلستے دیکھ

شمس کو سکون ملا تھا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت مجھے بھی اپنا ٹاسک

کمپلیٹ کرنے کی بے حد جلدی ہے۔۔!" بیڈ پر

بکھری فائلز کی طرف اشارہ کرتا وہ ٹھنڈے ٹھار

لہجے میں بولا۔

"سو۔۔۔اب میں آپکو اگین ٹائم نہیں دے

سکتا۔۔آپ آلریڈی میرے پندرہ منٹ ویسٹ

کرواچکی ہیں، اب جائیں اور خود ہی اس پوائنٹ کو

سلجھا کر نوٹس کمپلیٹ کریں میں نے کل چیک

کرنے ہیں۔۔لیو مائے روم پلیز۔۔۔!" ٹھہر ٹھہر

کر دھیمے لہجے میں بولتا وہ اسے باہر کا راستہ دکھا رہا

تھا۔علیشہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی بے وقوفی

پر اپنا سر اور شمس کے غرور پر اسکا منہ توڑ دیتی۔

لیکن افسوس۔۔ اسے ایک بار پھر شمس کو زچ

کرنے کے چکر میں خود شکست کھانی پڑی تھی۔۔

اسنے ایک نظر شمس کے چہرے پر ڈالی جس کے

گھنی مونچھوں تلے لبوں پر بڑی دھیمی۔۔طنزیہ

مسکراہٹ رینگ رہی تھی، پھر پیر پٹختی اسکے

کمرے سے نکل گئی۔۔

"بے وقوف۔۔!" دروازہ بند کرتے ہوئے وہ

بڑبڑایا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ غصے میں آگ بگولہ ہوتی کسی آندھی طوفان کی

طرح گرلز ہاسٹل میں داخل ہوئی تھی جب

ریسیپشن کے پاس سے گزرتے ہوئے وارڈن

نے اسکو روکا تھا۔

"علیشہ بی بی آپ سے ملنے عالم آیا ہوا ہے۔۔!"

وارڈن کی شائستہ آواز پر وہ پلٹی۔

"مجھے کسی سے نہیں ملنا۔۔!" تڑخ کر کہتی وہ

سیڑھیوں کی طرف بھاگی جب اسے اپنی پشت

سے عالم کی آواز آئی تھی۔

"علیشے۔۔۔کیا تمہیں واقعی نہیں ملنا۔۔؟؟" وہ

وزیٹنگ روم کا پردہ ہٹائے کھڑا ہوا تھا۔وہ لب

بھینچتی الٹے قدموں واپس آئی تھی۔

"کیا ہے۔۔؟؟" اسکے سامنے رکتی وہ لٹھ مار انداز

میں بولی۔

"اب کیا ہوا ہے۔۔؟؟" اسکا پھولا ہوا منہ دیکھ کر

وہ پوچھ رہا تھا۔

"اس بات کو چھوڑ دو کہ مجھے کیا ہوا ہے۔۔ اپنا

بتاؤ کیوں روکا ہے مجھے۔۔!" وہ بے زار ہوتی کچھ

جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولی تو عالم نے اسے

گھورا۔ پھر اسے ہاتھ سے پکڑ کر وزیٹنگ روم میں

لے آیا۔

"میں دو دن کے لیے بھائی کے پاس جا رہا

ہوں۔۔!" عالم نے سنجیدگی سے کہا تو اسکی ساری

بےزاری پل میں ہوا ہوئی۔

"تمہیں پتہ چل گیا کہ وہ کہاں ہے۔۔؟؟" وہ

پرجوش سی ہوتی بولی۔

"ہاں وہ اماں کے بحریہ ٹاؤن والے فلیٹ میں

ہیں۔۔!" عالم نے دھیمی آواز میں اسے مطلع

کیا۔

"بحریہ ٹاؤن کا تو پتہ ہے لیکن فلیٹ کا نہیں پتہ۔۔

انکل نے یہ فلیٹ کب لیا ویسے۔۔؟؟" وہ ناک

سکوڑ کر بولی تو اس گھمبیر صورتحال میں بھی عالم

کو ہنسی آگئی۔

"کیا پاگل ہو تم یار۔۔ میں کیا بات کر رہا ہوں اور

تمہیں فلیٹ کی پڑی ہے۔۔!" وہ اپنی ہنسی دباتا

بولا تو علیشہ نے اسے گھورا۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں اچھا۔۔ اس لیے

پوچھ رہی ہوں کہ پھپھو والے فلیٹ کا تو مجھے پتہ

ہے اگر بھائی وہاں ہوتے تو میں تمہارے بغیر بھی

ان کے پاس جا سکتی تھی لیکن یہ تمہاری اماں کے

فلیٹ کا مجھے نہیں پتہ اس لیے مجھے تمہارے

ساتھ ہی جانا پڑے گا۔۔۔!" اسکے کندھے پر

ہاتھ مارتی وہ گردن ہلا کر بولی تو عالم نے فوراً اسے

پکڑ کر اسکا رخ دروازے کی طرف کیا۔

"وہ رہا راستہ اپنے روم میں جاؤ۔۔میں تمھیں

ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا۔۔!" عالم نے

عاجزانہ کہا تو وہ تیکھے چتونوں سے اسے گھورتی

اسکی جانب پلٹی۔

"بالکل نہیں۔۔میں اب تمہارے ساتھ بھائی

سے ملنے جاؤں گی اور تم مجھے لے کر جاؤ گے

عالم۔۔!" اسکے ہاتھ جھٹکتی وہ قطعیت بھرے

انداز میں بولی تو عالم اس، وقت کو پچھتایا جب وہ

اس سے ملنے آیا تھا۔

"دیکھو علیشہ کل تمہاری کلاسز ہیں جو تم اٹینڈ کرو

گی۔۔میرا تو ویسے بھی کل آف ہے اور پرسوں

سنڈے ہے سو میرے لیے اتنا کوئی خاص ایشو

نہیں ہے۔۔۔!" وہ اسے کندھوں سے تھامتے

ہوئے سمجھانے والے انداز میں بولا تو علیشہ نے

فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"تو کل میں بھی آف لے سکتی ہوں اس میں بھی

کوئی ایشو نہیں ہے۔۔ ویسے بھی کل سر بہرام اور

سر شہزاد کا بھی آف ہے اور سر شمس کی سڑی

ہوئی شکل مجھے نہیں دیکھنی۔۔تم پلیز مجھے اپنے

ساتھ لے جاؤ، ورنہ۔۔۔۔!" ہاتھ نچا کر فر فر

بولتی وہ اسے زچ کر رہی تھی۔

"ورنہ کیا۔۔؟؟یار یہ اپنی مکاریاں تم مجھ پر ہی

ٹرائے مت کیا کرو۔۔!" عالم نے دہائی دی تو وہ

مسکرائی۔۔

"ورنہ یہ کہ میری عقل بخوبی کام کر رہی ہے کہ

بھائی پھپھو کی بجائے تمہاری اماں کے فلیٹ میں

کیوں ہیں۔۔یقیناً کچھ بہت غلط ہوا ہے جس سے

پھپھو انجان ہیں۔اور اگر تم مجھے ساتھ نہیں لے

کر گئے تو میں پھپھو کو ابھی کے ابھی کال کر کے

تمہاری یہ خفیہ کاروائیاں بتا دوں گی۔!" کہتے

ہوئے اسنے عالم کو زچ کرنے کے لیے جینز کی

پاکٹ سے موبائل باہر نکال لیا جسے عالم نے

بروقت جھپٹا تھا۔

"تم ماں جان کو کچھ نہیں بتاؤں گی علیشہ۔۔!" وہ

دانت کچکچا کر بولا تو علیشہ اطمینان سے مسکرائی۔

"تو ٹھیک ہے پھر مائے سویٹ مہربانم۔۔۔مجھے

شرافت سے بھائی کے پاس لے کر چلو۔۔۔!"

لبوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ سجا کر اسنے عالم

کی شرٹ کا کالر ٹھیک کرتے ہوئے کہا تو عالم نے

کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"میں کوستا ہوں اس وقت کو جب مما نے تم جیسی

چڑیل کو ہمارے ساتھ شریک کیا تھا۔۔!" اسے

کلائی سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتا وہ ناراضگی سے

بولا جبکہ وہ بنا اثر لیے مسکراتے ہوئے اسکے ساتھ

چلتی رہی۔ وارڈن کو ایک قریبی عزیز کی طبعیت

خرابی کا بتا کر وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد جس وقت وہ دونوں

بحریہ ٹاؤں پہنچے اس وقت گھڑی رات کے نو بجا

رہی تھی۔ فلیٹ کی بیل بجا کر وہ دونوں دروازہ

کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ ان دونوں کے چہرے

پر گہری سنجیدگی تھی کیونکہ عالم اسکے بار بار

پوچھنے پر راستے میں اسے وہ ساری تفصیل بتا گیا

تھا جو فون پر اسے دینے کے بعد اسکی اماں نے

اسے منصب کے پاس جانے کی ہدایت دی تھی۔

□♦□♦□♦

"میری بات سنو تم۔۔؟؟ تمہارا دماغ ٹھیک

ہے۔۔؟؟ پہلے شادی کی تم نے اور اب شادی

کے بعد یہ نیا شوشہ۔۔۔؟؟ گریجوایشن کر چکے

ہو اب ماسٹرز کرنے کی کیا تُک ہے۔۔؟؟" اسکے

سامنے کھڑا ولید شدید خفگی کے عالم میں اس سے

مخاطب تھا۔

"کیوں ماسٹر ز کرنا گناہ ہے۔۔؟؟ کیا تم نے نہیں

کیا۔۔؟؟" فدا نے الٹا اسی سے سوال کیا۔ لہجے

میں عجب سرد مہری کا عنصر نمایاں ہو رہا تھا۔

"او بھائی میری شادی نہیں ہوئی۔۔اگر تمہاری

عمر میں مجھے بھی میری محبت مل چکی ہوتی تو ماسٹرز

کرنے کی بجائے میں اب تک دو بچوں کا باپ بن

چکا ہوتا۔۔!" ولید نے بنا لگی لپٹی رکھے کافی خود

اعتمادی سے کہا۔

"اب تم مجھ سے کیا چاہ رہے ہو صاف بتا

کیوں نہیں دیتے۔۔؟؟" جانتے بوجھتے بھی فدا

نے انجان بنتے ہوئے ولید سے پوچھا۔

"چپ چاپ یہیں رہو اور اپنی بیوی پر دھیان

دو۔۔ کوئی ضرورت نہیں ہے شہر جا کر ڈگریاں

حاصل کرنے کی۔۔ جتنا پڑھ لیا ہے وہ یہاں

فیکٹریاں ہینڈل کرنے کے لیے بہت ہے۔۔!"

ولید نے بڑھے بوڑھوں کی طرح کچھ حتمی انداز

میں کہا تو فدا اچڑ گیا۔

"میری بیوی نہیں چاہتی کہ میں اس پر دھیان

دوں اسی لیے یہاں سے دفع ہو رہا ہوں۔۔ اور تم

اب میرے ابا بن کر مجھ پر اپنا حکم صادر مت کرو

تایا سرکار سے اجازت لے لی ہے میں نے۔۔!"

فداجو پہلے ہی حدیبہ سے جدائی کا سوچ کر پاگل

ہوا جارہا تھا، مزید ولید شاہ کے کہنے پر اس کے

زخم ادھڑ سے گئے سو تڑخ کر بولا۔ ولید نے کچھ

تاسف بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"یہ فیصلہ تمہاری انا کا ہے یا دل کا۔۔؟؟بس اتنا

بتادو میں خاموش ہو جاؤں گا۔۔!"ولید کا لہجہ

سنگین تھا۔

"تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ مجھ میں انا ہے۔۔

؟؟؟انا وہ بھی حدیبہ کے معاملے میں۔۔؟؟؟

ہرگز نہیں ولی۔۔یار میں انکو تکلیف میں نہیں

دیکھ سکتا۔۔وہ مجھے دیکھ کر اپنا آپ نوچ لیتی ہیں

یہ میری برداشت سے باہر ہے۔۔کچھ وقت ان

سے دور رہوں گا تو شاید وہ اس رشتے کی نوعیت کو

سمجھ جائیں۔۔!" غم سے نڈھال ہوتا وہ ہارے

ہوئے انداز میں بولا تو ولید نے ایک تھکی ہوئی

سانس خارج کی۔وہ کچھ دیر یونہی خاموش کھڑا رہا

پھر نظر اٹھا کر فدا کی جانب دیکھا۔اسکے چہرے

پر کرب آمیز تاثرات تھے۔

"تو کب دفع ہو رہے پھر۔۔؟؟" ولید شاہ نے

قدرے نرمی سے پوچھا۔

"کل صبح۔۔۔!" فدا نے آہستگی سے جواب دیا تو

ولید نے اثبات میں سر ہلایا۔

"واپسی کا کیا طے کیا ہے بابا سرکار نے۔۔؟؟"

ولید کا سوال مسکاتا ہوا تھا۔

"ہر ویک اینڈ پر۔۔!" فدا نے اسے اپنے سر پر

لٹکتی تلوار کی بابت آگاہ کیا تو ولید اس بار ہنسا۔

"مجھے پتہ تھا یہی طے پایا ہو گا۔۔ بیٹا تمہاری گاڑی

چلے نہ چلے گھر والے دھکے لگا لگا کر اسے بھگائیں

گے۔۔!" ولید کافی مطمئن نظر آرہا تھا۔ وہ اپنے

باپ کی دور اندیشی کو سمجھ گیا تھا جنہوں نے

حدیبہ کے رویے کی وجہ سے فدا کا مزید پڑھنے کا

مطالبہ قبول کر لیا تھا لیکن ساتھ ہی اسے ہر ویک

اینڈ حویلی آنے کا پابند بھی کر دیا تھا تا کہ ان

دونوں کا رشتہ کچھ مضبوط ہو سکے۔

"فی الوقت تو مجھے یہ گاڑی رینگتی ہوئی بھی نظر

نہیں آرہی۔۔۔!" فدا نے کافی مایوس کن انداز

میں کہا تو ولید نے اسکے کندھے پر دھپ لگائی۔

"اگر تم انہیں ہر ویک اینڈ پر ہی اپنی محبت کا

احساس دلاؤ تو شاید یہ گاڑی چل پڑے۔۔!"

ولید نے سمجھدارنہ انداز میں کہا تو فدا آسمان پر

پھیلی سیاہی کو تکنے لگا۔

"اب پھر سے تارے گننا نہ شروع کر دینا۔ صبح

نکل رہے ہو اور اب دس بجنے والے ہیں۔ جاؤ

اور جا کر حدیبہ آپا کے پاس کچھ ایسی یادیں چھوڑ

جاؤ کہ وہ تمہارے واپس آنے تک تمہیں ہی

سوچتی رہیں۔۔!" ولید نے اسے مخلصانہ مشورہ

دیا تو وہ سر اثبات میں ہلاتا پلٹ گیا۔ فدا کو گہری

سوچ میں ڈوبے دیکھ وہ خود بھی پریشان ہو گیا تھا،

وہ اسکی فکر کو سمجھتا تھا۔ ابھی دو دن پہلے ہی تو ان

دونوں کا ولیمہ ہوا تھا اور بنا بات بنے اب اسے

حدیبہ سے دور جانا پڑ رہا تھا۔ ان دونوں کے

مستقبل کی فکر کرتا وہ خود لان کراس کرتا حویلی

سے باہر نکل آیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی

اپنی پجارو میں بیٹھ کر وہ حویلی کی دیواروں سے

دور ہوتا چلا گیا کہ ان دیواروں میں ولید کا دم

گھٹ رہا تھا۔ اسکا دل زہرہ کے لیے بے تاب تھا

اور وہ تھی جو اسکے جذبات سے بے بہرہ ایک

مگن زندگی گزار رہی تھی۔ سبز فصلوں سے

لہلہاتی اپنی زمینوں کے آغاز میں ہی اسنے ایک

چوڑی سڑک پر پجارو روک دی۔ دور دور تک

رات کا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ وہ گاڑی سے نکل کر

اسکے بونٹ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اداس آنکھیں

آسمان پر ٹکائے وہ ایک بار پھر اس رات جیسی

سلونی مہ جبیں کو سوچنے لگا جو اسکی رگ وجاں

میں بستی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦□♦

"سو کیوں نہیں جاتے۔۔۔؟؟" اسے ادھر سے

اُدھر ٹہلتا دیکھ وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔ فدا

کی کمرے میں موجودگی سے وہ ہچکچاہٹ کا شکار

ہورہی تھی اسی لیے جب اسے کافی دیر یونہی بے

چینی سے ٹہلتے دیکھا تو بول پڑی۔

"مجھے نیند نہیں آرہی۔۔!"، وہ صاف گوئی سے

بولا۔ لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی۔

"تو پھر کم از کم روم کی لائٹ ہی آف کر دیں

۔۔۔مجھے تو سونے دیں۔۔!" اپنے جاگنے کا قصور

اس کے سر تھوپتی وہ سنجیدگی سے بولی تو فدا نے

پلٹ کر اسکی جانب دیکھا جو پچھلی پانچ راتوں کی

طرح آج بھی بیڈ پر دراز تھی۔بے نیازی عروج

پر ہی تو تھی۔

"آپ نے واقعی سونا ہے۔۔؟؟"فدا نے نرمی

سے پوچھا۔۔

"ہاں تو میں کیا آپ سے مذاق کر رہی ہوں۔۔!"

وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔ اسکے تلخ انداز پر وہ

اسے دیکھتا رہا پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا بیڈ

تک آیا اور حدیبہ کی مخالف سائیڈ پر بیٹھ گیا۔

اسے وہیں براجمان ہوتے دیکھ وہ ایک جھٹکے سے

اٹھ کر بیٹھی۔ کیونکہ آج خلاف معمول اسنے بیڈ

پر بیٹھنے کی جرأت کرلی تھی وگرنہ حدیبہ ہی بیڈ پر

سوتی تھی۔ وہ لیٹ نائٹ کمرے میں آیا کرتا تھا

اور پھر فجر تک ٹیرس پر کھڑے کھڑے اپنا غم

غلط کرتا تھا پھر حدیبہ کے جاگنے کے بعد نماز ادا

کر کے وہ دن چڑھے سوتا رہتا تھا۔ لیکن آج وہ نا

صرف جلدی کمرے میں آگیا تھا بلکہ ٹیرس پر

جانے کی بجائے وہیں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ آج تھوڑی لیٹ

سو جائیں۔۔ میں صبح جا رہا ہوں، کچھ وقت میرے

ساتھ گزار لیں پلیز، بالکل ویسے ہی جیسے آپ

شادی سے پہلے گزارا کرتی تھیں۔۔!"نرم

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا وہ دوستانہ انداز

میں بولا۔

"پہلے جیسا تو کچھ بھی نہیں رہا فدا سائیں، مجھے نیند

آ رہی ہے آپ اٹھیں یہاں سے۔۔!" بدلحاظی

کی انتہا کرتی وہ اسے صاف انکار کر رہی تھی۔

"آپ تو سو جائیں گی میرا کیا بنے گا حیبہ۔۔؟؟"

اسے احساس دلانے کی سعی کرتا وہ دھیمی آواز

میں بولا۔

"میری طرف سے چاہے مقبرہ بنے۔۔۔ یہاں

سے دفع ہو جائیں آپ۔۔!" اس کی جانب سے

رخ پھیرتی وہ سنگ دلی سے بولی تو فدا کا دل اسکی

سفاکی پر کرلایا۔

"صبح ہو جاؤں گا دفع۔۔لیکن ابھی میں یہ رات

آپ کو دیکھتے رہ کر بِیتانا چاہتا ہوں۔۔اس لیے

پلیز مجھ پر تھوڑا رحم کریں۔۔!" وہ باضد ہوا۔وہ

جو اسکے ساتھ تلخ سے تلخ تر ہو رہی تھی اسکے لہجے

کی نرمی اور آنکھوں کی محبت سے گھبرانے لگی۔

"یہ آپ کی کیسی محبت ہے جو بار بار میرے لیے

اذیت کا باعث بنتی ہے۔۔ محبت آپکو ہے، مجھے

دیکھنا آپ چاہتے ہیں اس میں میرا کیا قصور

ہے۔۔؟؟؟ مجھے نیند آرہی ہے۔۔۔!" دہائی

دینے والے انداز میں کہتی حدیبہ نے آخری

حربہ استعمال کیا۔

"تو پھر آپ یوں کریں کہ پہلے مجھے سُلادیں۔۔

میں سو جاؤں گا تو آپ کو نیند آجائے گی لیکن

آپ سو جائیں گی تو پھر مجھے نیند نہیں آئے

گی۔۔!" اسکی من موہنی صورت نظروں کے

حصار میں لیے وہ بے خود سا کہتا چلا گیا۔ اس کے

اس واضح انداز شکست پر حدیبہ کے دل نے

اسے کوسا تھا، کتنی پتھر ہو رہی تھی وہ اس معصوم

کے ساتھ۔۔اسکی بات پر حدیبہ نے گردن موڑ

کر اسکی جانب دیکھا۔فدا کی آنکھوں میں نمی سی

چمک رہی تھی۔

"کیا چاہتے ہیں۔۔؟؟" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"آپ کو۔۔۔!" وہ بے اختیار بولا۔۔حدیبہ کا

چہرہ پل میں سرخ ہوا تھا۔

"اس وقت کیا چاہتے ہیں۔۔؟؟" وہ ضبط کرتی

بولی۔

"صرف آپکو۔۔!" آنکھوں میں نمی کی چمک اور

لبوں پر دھیمی مسکان سجائے وہ اسی کو دیکھ رہا

تھا۔

"فدا سائیں آپ حد کر رہے ہیں۔۔!" حدیبہ کی

سانسیں اسکی نگاہوں کی تپش سے تھم رہی

تھیں۔

"ابھی تو ابتداء بھی نہیں کی اور آپ انتہا کی بات

کر رہی ہیں۔۔!" اسکی طرف زرا سا جھکتے وہ

رازدارنہ انداز میں بولا تو اسکے لہجے کی شدتوں

سے گھبراتی وہ تھوڑا کنارے کی طرف کھسکی۔

"اس بے ہودہ گفتگو کے علاوہ اور کچھ ہے جو آپ

مجھ سے چاہتے ہیں۔۔؟؟" وہ اس کے ساتھ

ساتھ اپنا ضبط بھی آزمارہی تھی۔فدا سمجھ چکا تھا

کہ وہ برداشت کی آخری حد پر ہے سو اسنے سیدھا

ہو کر بیٹھتے ہوئے نگاہوں کا رخ بدل لیا۔

"آپ کے ہاتھ کی چائے۔۔!" وہ مسکایا۔۔

آنکھیں بھی مسکاتی ہوئی تھیں۔

"آپ کو پتہ ہے مجھے چائے بنانا بالکل پسند نہیں

ہے۔۔!" وہ کچھ مفاہمت آمیز انداز میں بولی۔

"لیکن آپ پھر بھی ہمیشہ میرے لیے بنایا کرتی

تھیں۔۔!" وہ اسے یاد دہانی کروانے لگا۔

"پہلے کی بات کچھ اور تھی فدا۔۔!" وہ جیسے اس

وقت سے بھاگنا چاہ رہی تھی۔

"حالانکہ اب وقت کچھ اور ہے۔۔!" میٹھی

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا وہ اسے کچھ

جتانے والے انداز میں بولا تو وہ چڑ کر بیڈ سے

اتری۔

"شکر والی یا۔۔؟؟" جاتے جاتے وہ پوچھنا نہیں

بھولی تھی۔

"آپ نمک والی بھی پلا دیں تو پی لوں گا۔۔۔!"

وہ مسکراتے ہوئے بولا تو نظریں پھیرتی حدیبہ

وہاں سے بھاگی۔ وہ واقعی اس پر فدا تھا۔

سوال تھا،

اور محبت، اور محبت، اور محبت۔۔۔

جواب تھا،

صبر کیجئے، صبر کیجئے، صبر کیجئے۔۔۔۔

(نبیلہ عزیز)

اور واقعی اس بند کمرے میں جہاں فدا حسین کی

شدتیں حدیبہ کے قرب کے لیے چیختی تھیں

وہیں حدیبہ کی جانب سے منجمد کر دینے والی بے

نیازی عروج پر تھی۔ ایک جانب شدت تھی تو

دوسری جانب گہرا سکوت تھا۔

□♦□♦□♦□♦

نوشہروفیروز کی کچی پکی گلیوں میں اس پل مہیب

سناٹا پھیلا ہوا تھا۔رات کی سیاہی کچے مکانوں

سمیت پتھر سیمنٹ سے بنی بڑی حویلی کی اونچی

دیواروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے

تھی۔ جہاں ہر طرف خاموشی اور سیاہی کا راج

تھا وہیں اندھیرے کو چیرتی پجارو کی ہیڈ لائٹس

حویلی کے بڑے سے گیٹ پر آکر بجھ گئیں۔

شدید ذہنی وجسمانی اضطراب کے عالم میں وہ

چوکیدار کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کرتا پجارو اندر

لے آیا۔پیاس کی شدت سے اسکا گلا سوکھ رہا تھا

وہ اندر آتے ہی سیدھا کچن کی طرف آیا تھا۔

ٹھنڈے پانی کی بوتل لبوں سے لگاتے ہی اسنے

چند گھونٹ بھرنے میں ہی بوتل خالی کر دی

تھی۔جانے کیوں آنکھوں کی جلن آج حد سے

سواہو رہی تھی۔رات کے تین بجنے کو تھے اور

شدید تھکاوٹ کے باوجود ولید شاہ کی آنکھوں

میں دور دور تک نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔کچن

سے نکلتے ہوئے اسنے یونہی اطراف میں نظر

دوڑائی تو ہال کمرے کی طرف جاتی راہداری کے

سرے پر ہی اسے کوئی ساکن وجود نظر آیا تھا۔

نیم اندھیرے میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے

اس وجود پر کسی مجسمے کا گمان ہو رہا تھا۔ اس وجود

کی آنکھوں میں پڑتی چاند کی دھیمی روشنی جیسے

اس وجود میں دم توڑتی زندگی کو سہارا دیے ہوئے

تھی۔ وہ قدم قدم چلتا اسکی جانب آیا تو اسکا شک

یقین میں بدل گیا۔ ہال کمرے کی دیوار گیر

دروازہ نما لکڑی کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں جس

سے سامنے آسمان پر چمکتے چاند کی روشنی زہرہ کے

بے تاثر چہرے پر پڑ رہی تھی۔ کھڑکیوں پر لٹکتے

سفید جالی دار پردے اس پرفسوں ماحول میں

اداس ہوا کے سنگ ہولے ہولے اڑ رہے تھے۔

"تم سوئی نہیں ابھی تک۔۔؟؟" ولید کی بھاری،

پر حدت آواز پر وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔پھر

کچھ سراسیما نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"وہ۔۔۔وہ مجھے آج نیند نہیں آرہی تھی۔۔!"

اسنے باد وقت بہانہ گھڑا ورنہ سچ یہی تھا کہ وہ فدا

کے جانے کا سن کر اداس تھی۔اسے لگا تھا سب

سو چکے ہیں لیکن یوں اس وقت ولید کو سامنے

دیکھ کر وہ حقیقتاً شرمندہ ہو گئی تھی۔ ولید نے کچھ

جانچتی نگاہوں سے اسکا چہرہ دیکھا۔

"چائے مل سکتی ہے۔۔؟؟" خلاف معمول وہ

جانے کیوں کہہ بیٹھا تو زہرہ نے ایک نظر اسکی

جانب دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں اپنے روم میں ہوں۔۔!" اسے آگاہ کرتا وہ

کمرے میں چلا آیا۔ ولید کی سرخ آنکھوں میں

اسکی پر سوز درد میں ڈوبی بھنورا آنکھیں گھوم رہی

تھیں۔ رات کی اس گہری تنہائی میں اسکا دل

شدتوں سے اس نازک جاں کی طرف ہمک رہا

تھا جو اسکے دل میں لگی آگ سے قطعی انجان

تھی۔رف سوٹ چینج کر کے وہ بیڈ پر دراز ہو

گیا۔کمرے میں روشن ان گنت بلب اسکی

آنکھوں میں چبھنے لگے تو اسنے چند ایک بجھا

دیے۔وہ ایک بار پھر اپنے اور زہرہ کے بارے

میں سوچنے لگا جن کے مابین ذوالفقار عالم شاہ کا

شدید انکار چیخ چیخ کر اسے اپنے اور زہرہ کے مابین

کلاس کا فرق سمجھانے کی ناکام کوششیں کر رہا

تھا۔

"بہتر ہے کہ تم اس کمی کمین کا خیال اپنے ذہن

سے نکال دو ولید شاہ۔۔۔ تمہارے لیے ہم

تمہارے معیار کی لڑکی پسند کریں گے اس لیے

اس نوکرانی کے بھدے خواب دیکھنا بند

کر دو۔۔!" کتنا حقارت آمیز انداز تھا

ناں۔۔۔؟؟؟اتنا ہی کہ وہ کرب سے آنکھیں

موند گیا۔

"میری محبت کا معیار بہت بلند ہے بابا سرکار۔۔

میری نگاہوں میں زہرہ سے معتبر کوئی نہیں۔۔

اگر آپ سیدھی طرح سے اسے میرے نکاح

میں نہیں دیں گے تو مجھے دوسرے بہت سے

راستے آتے ہیں۔۔!" اسنے بھی ان کا انکار ان

کے منہ پر مار ڈالا تھا اور بلاشبہ بڑی حویلی میں یہ

جرأت ولید شاہ کی ہی تھی جو ان کے سامنے بے

خوفی سے اپنا موقف بیان کر دیا کرتا تھا ورنہ تو

وقار عالم شاہ بھی ان کے سامنے بولتے ہوئے

ڈرتے تھے۔یونہی مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا

اسکا تھکن زدہ ذہن غنودگی میں جانے لگا تھا جب

اس کے کمرے کا دروازہ ناک ہوا۔وہ بڑی

مشکلوں سے آنکھیں کھول پایا تھا۔

"اجازت ہے۔۔؟؟" وہ اجازت طلب کر رہی

تھی۔

"ہمم آجاؤ۔۔!" ولید نے کہا تو وہ دروازہ کھول

کر اندر آگئی۔ ولید شاہ کے سرخ چہرے پر نظر

پڑتے ہی اسکا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ خون

چھلکاتی سرخ آنکھوں کی پلکیں جھپکاتا اسی کو دیکھ

رہا تھا۔ جیسے جاگنے کی ناکام کوشش تھی جو وہ کر

رہا تھا۔

"سس۔۔ سرکار یہ چائے۔۔!" نگاہ جھکائے وہ

کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہمم۔۔۔یہاں رکھ دو۔۔!" ولید نے سائیڈ

ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔زہرہ نے چپ چاپ

ٹرے وہاں رکھ دی۔۔

"میں جاؤں سرکار۔۔؟؟" وہ ہاتھ باندے جلدی

جلدی پوچھ رہی تھی جیسے اسے جانے کی بے تابی

ہو۔

"اگر کہہ دوں کہ نہ جاؤ تو کیا رک جاؤ گی۔۔؟؟"

ولید سنجیدگی سے بولا تو زہرہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"جج۔۔۔جی۔۔۔؟؟" اسنے سٹپٹا کر اسکی جانب

دیکھا۔۔سانولی رنگت تمتماہٹ لیے ہوئے

تھی۔وہ دیوانہ وار اس کے نقوش دیکھتا چلا گیا۔

"سرکار میں جاؤں۔۔؟؟" اسنے پھر سے اپنی

عرضی دہرائی تو وہ ہوش میں آیا۔

"آں۔۔ہاں۔۔ہاں جاؤ تم۔۔۔!" کچھ خفگی

بھرے لہجے میں کہہ کر اسنے کشن چہرے پر رکھ

لیا۔

"جاتے ہوئے یہ لائٹس آف کر دینا۔۔!" وہ

مزید بولا تو وہ جی اچھا کہتی پلٹی۔ ابھی اسنے ایک

قدم ہی اٹھایا تھا کہ ایک دھماکے کے ساتھ لائٹ چلی

گئی۔ پورے کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔

شاید باہر موسم بدلا تھا۔ زہرہ کا دل بے اختیار

دھڑکا۔ جبکہ پنکھار کنے کی آواز پر ولید شاہ نے

چہرے سے کشن ہٹا لیا۔

"زہرہ۔۔؟؟" اسنے بے اختیار اسے پکارا۔زہرہ

کا دل حلق میں آگیا۔

"سرکار بجلی چلی گئی ہے۔۔آپ سو جایئے میں

چلتی ہوں۔۔!" جلدی سے کہتی وہ ناک کی سیدھ

میں بھاگی تھی لیکن برا ہوا اس تاریکی کا جس میں

اسکا پاؤں رائٹنگ ٹیبل کی چیئر سے ٹکرایا تھا۔وہ

منہ کے بل فرش پر گری تھی۔اسکے منہ سے

بے اختیار ایک کراہ نکلی۔

"رکو زہرہ۔۔میں چھوڑ آتا ہوں تمہیں۔۔!"

بیڈ سے اترتا وہ اسکے قریب آیا تھا۔کھڑکی پر

پڑے پردے تیز ہوا کے سنگ لہرانے لگے

تھے۔باہر شاید بارش زمین کے سینے کو بھگونے

کے لیے بے تاب ہو رہی تھی۔۔چاند کہیں دور

بادلوں کی سیاہی تلے جا چھپا تھا۔وہ رائٹنگ ٹیبل

کے پاس آیا اور اندازے سے ٹیبل ڈرار کھول کر

اس میں سے موم بتی اور ماچس نکال لی۔

"مم۔۔میں چلی جاؤں گی۔۔!" اسکی آواز میں

آنسوؤں کی آمیزش تھی۔دل کی دھڑکن اس

حد تک تیز تھی کہ ولید شاہ کی سماعتیں ان کے

راگ سے پاگل ہو رہی تھیں۔

"خبر دار یہاں سے ایک قدم مت ہلنا۔۔میں

نے کہا تو ہے چھوڑ آتا ہوں۔۔!" وہ اسکی فکر کرتا

موم بتی جلانے لگا۔زہرہ کا دل انجانے وسوسوں

سے گھبرا رہا تھا۔ موم بتی کی ٹمٹماتی روشنی ہاتھ

میں لیے وہ سیدھا ہوا۔

"چلو۔۔!" نرمی سے کہتے ہوئے اسکی غیر دانستہ

نظر اس پر پڑی تھی۔ سنہری روشنی میں اسکی

بھنورا آنکھوں کی خم دار پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

لرزتے لب عجب کشش لیے ہوئے ولید شاہ کا

ایمان ڈانواڈول کر رہے تھے۔

"اب چلو بھی۔۔!" ولید شاہ نے دل کو ڈپٹتے

ہوئے اسے پھر سے کہا تو وہ اسکے پیچھے چلنے لگی۔

بادلوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ چھاجوں چھاج

مینہ برسنے لگا تھا۔ وہ بامشکل دروازے تک ہی

پہنچا تھا جب زہرہ نے اسے پکارا۔

"سرکار۔۔ مجھے جانے دیں خدارا۔۔ کہیں کوئی

دیکھ نہ لے۔۔!" وہ پریشان زدہ سی بولی تو ولید

اس کی جانب پلٹا۔ حویلی کی کشادہ کھلی کھڑکیوں

سے آتی منہ زور ہوا نے بڑی دلیری سے موم بتی

کا شعلہ گل کیا تھا۔ دروازہ یوں بند ہوا تھا جیسے کسی

نے پٹخ دیا ہو۔ تیز آوازوں کے خوف سے

گھبراتی وہ اچانک اسکے شانے سے لگی تھی۔ اس

اچانک افتاد پر ولید شاہ پتھر کا ہو گیا، اگر اسکے

وجود میں کچھ باقی رہا تھا تو وہ تھی زہرہ کی بے ہنگم

دھڑکنیں۔۔لرزتا وجود اور رات کی تنہائی۔۔

اسکے منجمد وجود میں دل کی شدتیں اپنے عروج کو

پہنچتی چلانے لگیں تو اپنا آپ کھوتا ولید شاہ اسے

خود میں سمیٹ گیا۔ اسکے حصار میں روتی زہرہ

نے متوحش سی ہو کر سر اٹھایا۔

"سس۔۔۔ سرکار۔۔۔!" اسکے لب پھڑ پھڑ ائے

لیکن ولید شاہ کی سماعتیں اس پل فقط اپنے دل کی

بے لگام سرگوشیاں سن رہی تھی۔ وہ اسکی منتیں

کرتی رہ گئی لیکن وقت اسکے ہاتھوں سے نکلتا چلا

گیا۔وہ سننے سمجھنے کی حدود سے بہت آگے نکل

چکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

تیسری مرتبہ بیل بجانے پر دروازہ کھل گیا تھا۔

سامنے ہی وہ سُتی ہوئی شکل لیے بے زار سا کھڑا

تھا۔ شرٹ کے کھلے بٹن، بکھرے بال، سرخ

آنکھیں لیے وہ ان پر نظر پڑتے ہی کچھ حیران

ہوا تھا۔

"اللہ بھائی یہ کیا حال کرر کھا ہے آپ نے

اپنا۔۔؟؟" اسکے دائیں گال پر نظر پڑتے ہی وہ

فکر مندی سے چلائی۔ دایاں گل آنکھ کے نیچے

سے سوجا ہوا تھا۔ نیلاہٹ واضح تھی جو پچھلے دو

دنوں میں قدرے کم ہو چکی تھی۔

"تم کیوں آئے ہو یہاں۔۔؟؟اور اسے کیوں

لائے ہو۔۔؟؟" منصب نے بھرپور سنجیدگی سے

اسے مخاطب کیا جو خود بھی منصب کا بگڑا حلیہ

دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔

"مجھے اماں نے یہاں آنے کے لیے کہا ہے۔۔!"

عالم نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تو اب تم میری چوکیداری کرو گے۔۔؟؟"وہ

دروازے میں ہی چوڑا ہو کر کھڑا سخت تیور لیے

پوچھ رہا تھا۔۔

"نہیں تمہاری دیکھ بھال۔۔۔!" ناراضگی سے

کہتے ہوئے عالم اسے راستے سے ہٹاتا اندر آگیا۔

پیچھے ہی منصب کا بازو تھامتی علیشہ بھی اندر چلی

آئی تھی۔

"مجھے تم دونوں کی خدمت کی کوئی ضرورت

نہیں ہے۔۔ بہتر ہے ابھی واپس چلے جاؤ۔۔!"

نرمی سے علیشہ کا ہاتھ جھٹکتا وہ بے تاثر لہجے میں

بولا۔

"ایسے کیسے نہیں ہے یہ زرا، حال تو دیکھیں

اپنا۔۔۔اتنی گرمی میں کیا بنا رکھا ہے۔۔۔!"

اسے فوراً جواب دیتی اسکا بازو تھامتی علیشہ نے

اسے اپنے ساتھ گھسیٹا۔۔مہربان آرام سے

صوفے پر براجمان ہو چکا تھا وہ جانتا تھا کہ منصب

کے لیے علیشہ ہی کافی ہے۔

"علیشے۔۔۔!"علیشہ اسے صوفے پر بٹھا کر

جلدی سے ہئیر برش اٹھالائی تو وہ تنبیہی انداز میں

بولا۔

"کیا بھائی ڈر لگ رہا ہے ناں۔۔!" ایک دم اسکے

سامنے آتی وہ بچوں کی طرح منہ بسور کر بولی تو وہ

نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہو گیا۔ وہ دانتوں کی

نمائش کرتی صوفے کی پشت پر جا کھڑی ہوئی اور

اسکے بال سنوارنے لگی۔

"اتنے پیارے بال ہیں، ان کی کیئر کیوں نہیں

کرتے۔۔!" اسکے آدھے بال پونی میں مقید

کر کے وہ اسکا کان کھینچتی بولی تو ان دونوں کی

کاروائی نوٹ کرتا مہربان مسکرا دیا۔ جبکہ منصب

نے اسے گھورا۔

"تمیز بالکل ہی بھولتی جارہی ہو۔۔!" منصب نے

مکمل سنجیدگی سے کہا تو وہ برا ماننے کی بجائے ہنس

دی۔

"پتہ ہے میرے سڑیل ٹیچر بھی یہی کہہ رہے

تھے کہ میں تمیز سے واقف نہیں ہوں۔۔!"

بڑے فخر سے وہ شمس کے اپنے بارے میں کہے

گئے کمپلیمینٹس منصب کو بتا رہی تھی۔

"کیوں آئی ہو یہاں۔۔؟؟" اسے اپنے ساتھ ہی

صوفے پر بیٹھتے دیکھ منصب نے قدرے نرمی

سے پوچھا تو وہ بھی سنجیدہ ہوئی۔

"آپ کی فکر میں آئی ہوں اور کس لیے۔۔کال

بھی پک نہیں کر رہے تھے اور آپکا فلیٹ بھی بند

پڑا ہے۔۔!" اسکا زخمی چہرہ دیکھتی وہ خفا خفا سی

بولی۔

اسکے جواب پر منصب نے گہرا سانس لیا۔

"تمہیں اماں نے کچھ بتایا ہے۔۔؟؟وہ عالم کی

طرف متوجہ ہوا۔

"کچھ نہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔!"مہربان نے

سنجیدگی سے کہا تو وہ ایک بار پھر لب بھینچ گیا۔

"اور پتہ ہے اس سب میں مجھے سب سے زیادہ

غصہ کس بات پر آیا ہے۔۔ یہ جو تھپڑ چپ چاپ

آپ نے انکل سے کھا لیے ناں اسکا مجھے بہت

غصہ ہے بھائی سچی۔۔!" اسکا چہرہ ہاتھ سے اپنی

جانب موڑتی وہ منہ بسورتی بولی۔ اسے جواب

دینے کی بجائے منصب نے گردن موڑ کر عالم کو

گھورا۔

"اماں نے تمہیں بتایا اور تم نے آگے سے اسے

بتادیا۔۔؟؟" وہ مہربان پر غصہ ہوا تھا۔

"وہ پوچھ رہی تھی۔۔!" عالم نے اطمینان سے

کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"چھوڑیں نا بھائی مجھے یہ بتائیں آپ نے ایک

معمولی سی لڑکی کی وجہ سے تھپڑ کیوں برداشت

کیسے۔۔؟؟" اسکی خفت کو سمجھے بغیر علیشہ نے

ایک بار پھر اسکا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"تو کیا انکا ہاتھ روک لیتا۔۔؟؟ پہلے ہی انکی نظر

میں ناہنجار ہوں ان کا ہاتھ روک کر گستاخ بھی بن

جاتا۔۔؟؟" علیشہ کا ہاتھ جھٹکتا وہ چڑ کر بولا تو

اسکے جواب پر علیشہ نے پر سوچ انداز میں

آنکھیں گھمائیں۔

"آپ کم از کم یہ تو کہہ سکتے تھے کہ ایک فضول

لڑکی کے لیے وہ کیوں اتنے ہائپر ہو رہے

ہیں۔۔!"علیشہ نے اسکا دھیان دوسری جانب

مبذول کروایا۔ وہ چونک اٹھا۔۔ واقعی اُسکے باپ

کے انداز میں اشتعال آمیزی بہت زیادہ

تھی، صرف اسکی غلطی کے لیے وہ اس سے اس

حد تک خفا نہیں ہو سکتے تھے۔۔ تو کیا اس لڑکی

سے انکا کوئی ناطہ تھا۔۔؟؟اگر ہاں۔۔؟تو

کیا۔۔؟؟کیا ناطہ تھا۔۔؟وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سوچنے لگے بھائی۔۔؟؟" اسے قالین کو

گھورتا دیکھ وہ اسکا کاندھا ہلا کر بولی۔

"وہ ہی جو تم نے کہا ہے۔۔!" منصب کی بجائے

مہربان نے اسے جواب دیا۔

"چلیں جو بھی ہوا اسے چھوڑیں ناں۔۔ ابھی مجھے

آپکے ہاتھوں سے بنا پاستا کھانا ہے پلیز۔۔!" وہ

اپنی نئی سے نئی بات سے اسکی سوچیں جھنجھوڑ رہی

تھی۔۔ایک کے بعد ایک بات۔۔مہربان

مسکرانے لگا۔وہ ایسی ہی تھی۔دھیان بٹانے کے

لیے صحیح وقت پر اپنی مرضی سے کوئی بھی شوشہ

چھوڑ دیا کرتی تھی۔اس کی اس بے وقت فرمائش

پر منصب صبر کے گھونٹ بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں سونے جارہاہوں۔عالم سے بنوالو اور

دونوں کھاتے رہنا۔مجھے ڈسٹرب مت کرنا

پلیز۔۔!" اسے صاف کوراجواب دیتاوہ بیڈروم

کی طرف بڑھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ ہم آپ سے ملنے، آپکی

خدمت کرنے آئے ہیں اور آپ ہیں کہ موقع

دیے بغیر سونے جارہے ہیں۔۔!" وہ اسکے پیچھے

لپکتی مصنوعی پن سے بولی تو اسکی ڈرامے بازیاں

سمجھتا وہ پل بھر کو رکا۔

"کیپ یور ورڈز۔۔ خدمت کرنے آئی ہو تو بس

شور مت کرنا مجھے سونے دو۔۔ اس سے عظیم

خدمت تم، میری کر نہیں سکتی۔۔ لیومی

شاباش۔۔۔!" آرام سے کہتے ہوئے منصب نے

اسے سامنے سے ہٹایا۔

"اور میرا پاستا بھائی۔۔؟؟" وہ رونی سی صورت بنا

کر بولتی اداکاری کی آخری حدوں پر تھی۔

"خدمت کرنے آئی ہو یا کروانے۔۔؟؟" وہ بھی

اسی کا بھائی تھا فوراً اسکے الفاظ لوٹائے۔۔ مجبوراً وہ

اسے زبان دکھاتی اب منتیں کرنے کے لیے

مہربان کے پاس آئی۔ منصب کمرے میں جا گھسا

جبکہ علیشہ کی چخ چخ سے عاجز آتے مہربان کو اسکے

لیے پاستا بنانا پڑا تھا جسے مزے سے

کھاتے ہوئے علیشہ نے اسے چڑانے کو انگنت

نقص نکالے تھے۔ لیکن وہ ڈھیٹ بنا سر دھنتا

رہا۔ رات گئے وہ دونوں اس فلیٹ کے لاؤنج میں

ایک دوسرے کی درگت بناتے رہے پھر جب

تھک گئے تو علیشہ تو صوفے پر ڈھے گئی جبکہ عالم

سنگل صوفے پر سمٹ کر بیٹھ گیا۔ دونوں پر نیند

مہربان ہو چکی تھی۔ انہیں یونہی سوئے سوئے

کافی وقت بیت گیا جب رات کے جانے کو نسے

پھر علیشہ کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ پانی پینے کی غرض

سے کچن کی طرف بڑھی جب اسکی نظر منصب

والے بیڈروم کے ادھ کھلے دروازے پر پڑی۔ وہ

دبے قدموں اسکے کمرے تک آئی اور آہستگی

سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ نیم اندھیرے

میں ڈوبا کمرہ خالی پڑا تھا۔ سوئچ بورڈ تلاش

کر کے اسنے کمرے کی لائٹس آن کیں۔۔

منصب کہیں نہیں تھا۔ اسنے واش روم، ڈریسنگ

روم اور بالآخر سارا فلیٹ چھان مارا وہ کہیں نہیں

تھا۔علیشہ سرعت سے عالم کی طرف بھاگی تھی

اور اسے جھنجھوڑ کر جگایا۔

"کیا آفت آگئی۔۔؟؟ خوبصورت لڑکوں کو

ایسے کون جگاتا ہے۔۔؟؟"

"ان لڑکوں کی بہنیں۔۔!"

وہ بامشکل آنکھیں کھولتا جھنجھلاہٹ بھری آواز

میں بولا تو علیشہ نے فٹ اسے جواب دیا۔

"چڑیل۔۔کیا ہے۔۔؟؟" وہ کھڑا ہوتا مصنوعی

چڑچڑا پن دکھاتا بولا۔

"بھائی اپنے روم میں نہیں ہیں مہربانم۔۔!" اسے

شاک دینے کو وہ پر اسرار انداز میں بولی تو مہربان

کی آنکھیں ٹھیک ٹھاک کھلی تھیں۔

"کیا مطلب روم میں نہیں ہیں۔۔؟؟" فوراً

سنجیدہ ہوتا وہ اسکے کمرے کی طرف بھاگا۔

"صرف روم میں نہیں، وہ پورے فلیٹ میں ہی

نہیں ہیں۔۔!"علیشہ نے اسے مزید اطلاع دی تو

فلیٹ کا جائزہ لیتا وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"اوففف۔۔اماں نے کہا بھی تھا کہ بھائی کا خیال

رکھنا۔۔اب اگر انہوں نے پھر کوئی الٹی حرکت

کی تو اماں میری گردن دبائیں گی۔۔!" وہ حقیقتاً

پریشان ہو چکا تھا۔علیشہ بھی فکر مند ہو گئی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

رات کے آخری پہر ہاسپٹل کے اکثریت

حصوں میں نیم تاریکی کا راج تھا۔کوریڈرو سنسان

پڑے تھے، کمروں میں زیر علاج مریض گہری

نیند سو رہے تھے۔ وہ بھی باقی مریضوں کی

طرح گہری نیند سو رہی تھی۔ اسے پرائیویٹ

روم میں شفٹ کیا گیا تھا۔ اسکی سیاہ پلکوں پر نیند کا

بوجھ تھا جب ساتھ ہی اسے کسی کی گہری سانسوں

کی تپش بھی محسوس ہوئی تھی۔ مہرماہ نے

آنکھیں کھولنا چاہی لیکن افسوس۔۔ وہ ناکام رہی

تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میرے چنگل سے بچ کر تم

آزاد ہو چکی ہو۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے منصب کی

بھاری آواز میں سرد پن نمایاں تھا۔ مہرماہ کے دل

کی دھڑکنیں اس آواز نے تیز کر ڈالی تھیں۔

"میں جسے ایک بار برباد کرنے کی ٹھان لیتا ہوں

پھر میں اُس میں کچھ آباد نہیں چھوڑتا۔۔!" وہ

اسکے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔مہرماہ کی پیشانی

پر شفاف قطرے نمودار ہونے لگے۔

"پہلے تمہاری روح۔۔پھر تمہارا دل۔۔اور آخر

میں تمہارا یہ وجود۔۔۔میں تمہیں برباد کردوں گا

مہرماہ حسین۔۔۔تمہارے پورے وجود کو برباد

کر دوں گا۔۔۔!" وہ الفاظ نہیں اسکے کانوں میں

صور پھونک رہا تھا۔ مہر ماہ کی جان حلق میں اٹکنے

لگی تھی۔

منصب کو خود پر جھکے محسوس کرتی مہرماہ کی پیشانی

پسینے سے بھیگنے لگی۔ سانس رک رک کر چلنے لگا

تھا۔

"آنکھیں کھولو اور غور سے دیکھو میں تمہاری

بربادی ہوں۔۔" وہ پھر سے غرایا تو مہرماہ نے

آنکھیں مزید سختی سے بھینچتے ہوئے نفی میں سر

ہلایا۔بستر کی سفید چادر مٹھیوں میں بھینچتے

ہوئے اس کی جان ہوا ہو رہی تھی۔

"مہر۔۔آنکھیں کھولو۔۔!" وہ ہنوز اسے پکار رہا

تھا۔

"نن۔۔نہیں۔۔۔نن۔۔نہیں۔۔!" اس کے

لب پھڑپھڑائے۔بند آنکھوں سے ٹوٹتے آنسو

کنپٹیوں میں جذب ہوئے تھے۔

"مہر۔۔آنکھیں کھولو۔۔مہر۔۔!" اسے مسلسل

پکارا جا رہا تھا۔

"اب۔۔ابی۔۔جی۔۔۔مم۔۔۔

مجھ۔۔۔مجھے۔۔۔بچ۔۔بچا۔۔۔لیں۔۔!"

غنودگی میں سسکتی وہ چلانے کی ناکام کوشش کر

رہی تھی۔

"مہر میری بچی۔۔ میں یہیں ہوں تمہارے

پاس۔۔۔!" اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھے بولتے،

وہ کوئی اور نہیں اس کے ابی جی ہی تھے۔ مہر ماہ

نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولی تھیں جیسے اسے

ان کی اپنے پاس موجودگی پر شک ہو۔ آنکھوں

کے سامنے چھائی دھند کی دبیز تہہ کے پار جو چہرہ

اسے دیکھنے کو ملا تھا وہ اس کے باپ کا تھا۔وہ ایک

جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی تو اس کا نیم خوابیدہ دماغ

سائیں سائیں کرنے لگا۔

"مہر۔۔۔!!"نرمی سے کہتے ہوئے انہوں نے

اسے تھام لیا۔

"ابی۔۔۔جی۔۔۔وہ۔۔وہ یہاں آیا تھا۔۔

وہ۔۔۔من۔۔صب۔۔۔یہا۔۔ں۔۔۔۔۔!"

لرزتے ہاتھوں سے اپنے دائیں جانب اشارہ کرتی

وہ خوف کے زیر اثر بولی۔

"ابی وہ۔۔۔م۔۔۔مجھ۔۔۔ے۔۔۔

بب۔۔۔برباد۔۔۔!" مہرماہ کے لیے اپنی بات

مکمل کرنا محال ہو رہا تھا۔

"تم نے کوئی برا خواب دیکھا ہے بیٹی۔۔۔یہاں

کوئی نہیں تھا دیکھو۔۔یہاں دیکھو۔۔یہاں

صرف میں ہوں۔۔آس پاس کوئی نہیں

ہے۔۔!"

"نہیں وہ یہیں تھا۔۔یہیں تھا وہ۔۔۔میں نے

خود اسکی آواز سنی ہے۔۔!" انکے ہاتھ جھٹکتی وہ

چیخی۔۔بے جان ہوتے وجود کو حرکت دیتی وہ بستر

سے اتری تھی۔

"مہر میں کہہ رہا ہوں یہاں کوئی نہیں ہے واپس

آؤ۔۔خود کو مت تھکاؤ۔۔!" اسے پاگلوں کی

طرح پورے کمرے میں چکر کاٹتے ہوئے

منصب کو تلاشتے دیکھ وہ اس کے پیچھے لپکے۔

"وہ یہیں ہو گا میں آپکو دکھاتی ہوں۔۔!" وہ بستر

کی چادر ہٹا کر سٹریچر کے نیچے جھانکتی بڑبڑائی۔

"مہر۔۔۔!" اسے بازو سے تھام کر اپنے مقابل

کھڑا کرتے ہوئے قدرے سختی سے بولے تو

مہرماہ نے بھیگی آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا۔

"وہ یہیں تھا۔۔!" اسکے لب بے بسی سے

پھڑ پھڑائے۔ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گالوں

پر بکھرنے لگے تھے۔

"وہ یہاں نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جیل میں

ہے۔۔!" اسکے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں

نے سنجیدگی سے کہا تو اس کے بہتے آنسو پل بھر کو

تھم سے گئے۔ انکے لبوں سے نکلے الفاظ پر اس

کے دل میں اطمینان سا بھرتا چلا گیا۔

"جج سے کہیے گا اسے سزائے موت دے

دے۔۔!" اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھتی وہ

قطعیت بھرے انداز میں بولی تو اس کے لہجے

میں گھلی منصب شاہ کے لیے نفرت محسوس

کر کے اندر آتی اس عورت کے قدم ڈگمگا

گئے۔ ان کی آنکھوں میں نمی سی در آئی لیکن وہ

بامشکل لبوں پر مسکراہٹ سجاتی ان دونوں باپ

بیٹی کے قریب چلی آئیں۔

"اُٹھ گئی میری بیٹی۔۔؟؟" اسکے قریب آتی وہ

نرمی سے بولیں تو مہرماہ نے انکی جانب

دیکھا۔انہیں سامنے دیکھ کر وہ اثبات میں سر ہلا

گئی۔ وہ پچھلے دو دنوں سے اس ہاسپٹل میں

ایڈمٹ تھی، پچھلی صبح جب وہ ہوش میں آئی

تھی تو انکا چہرہ اسکی نگاہوں کے لیے نیا تھا تب نور

بیگم نے انہیں اسکے ماموں کی بیوی کے طور پر

متعارف کروایا تھا۔ انکے نرم رویے اور شیریں

انداز گفتار نے اسے اس حد تک مجبور کر دیا تھا کہ

اپنی ماں کی بجائے وہ انہیں سب کچھ بتاتی چلی

گئی۔ اول روز کے ٹکراؤ سے لے کر کالج میں

ہوئی تذلیل اور آخر میں اسکے دوستوں کی اجتماعی

بے ہودگی، وہ انہی سب بتاتی چلی گئی تھی۔

منصب کی گری ہوئی حرکتوں پر وہ اپنے آنسو ضبط

کرتی رہ گئی تھیں، کیا کرتی؟ اور کیا کہتی وہ مہرماہ

کو۔؟؟ کس منہ سے اعتراف کرتی کہ وہ ہی

منصب عالم شاہ کی ماں ہیں۔ کیسے بتاتی کہ وہ ناہنجار

انہی کے ہاتھوں میں پرورش پاکر جوان ہوا ہے۔

منصب کے کیے گئے اس تیچ کارنامے پر وہ دونوں

ماں باپ ہی مہرماہ کے والدین کے سامنے

شرمندہ تھے۔ منصب کے بابا سرکار نے تو

باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر حسین صاحب سے

درخواست کی تھی کہ مہرماہ کو یہ نہ بتایا جائے کہ

منصب عالم شاہ اسکا ماموں زاد ہے۔ وہ فقط اسکے

ماموں ہی رہنا چاہتے تھے، منصب کے والد بن کر

وہ مہرماہ کی نفرت برداشت کرنے کے حق میں

بالکل نہیں تھے۔

"یہ کس بات پر اپنے ابی جی سے بحث کی جا رہی

ہے۔۔۔؟" اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے اس کی

ممانی نے نرمی سے پوچھا۔

"کسی بات پر نہیں، میں نے بہت برا خواب دیکھ

لیا تھا۔!" فرش کو گھورتی وہ روکھے پن سے بولی۔

"اللہ پاک شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔۔!"

اسکے بال محبت سے سہلاتے ہوئے انہوں نے نم

آواز میں کہا۔

"میں نماز ادا کر کے آتا ہوں آپ یہیں رہئیے

گا۔۔!" وہاں کھڑے مہرماہ کے والد اُنہیں

مخاطب کیا تو وہ ان کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"ہم میں یہیں ہوں۔۔نور بھی نماز ادا کر کے

یہیں آجائے گی آپ بے فکر رہئیے۔۔!" انہوں

نے آہستگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ ایک

متفکر نظر سر جھکائے بیٹھی مہرماہ پر ڈال کر پلٹ

گئے۔

"ماموں کہاں ہیں۔۔؟؟ کیا ان کو اس سب کا

نہیں پتہ۔۔؟؟" وہ ان دو دنوں میں انکا مشفق

چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی اسی لیے کچھ جھجھکتے

ہوئے پوچھا۔

"تمہیں اس جانور کے ٹھکانے سے باحفاظت باہر

نکالنے والے وہی ہیں۔ میں اس وقت انکے ساتھ

ہی تھی اور انہوں نے ہی تو یہاں مجھے تمہارے

پاس بھیجا ہے۔ دراصل ان پر بہت سی ذمہ

داریوں کا بوجھ ہے چندا۔۔ انہی کو نبھا رہے ہیں،

تم مکمل طور پر صحتیاب ہو جاؤ پھر وہ تم سے ملنے

ضرور آئیں گے۔۔!" انکے تفصیلی جواب پر وہ

لب بھینچتی، سر اثبات میں ہلا گئی۔

"آپ اور ماموں دونوں ہی بہت اچھے ہیں لیکن

آپ دونوں پہلے کہاں تھے۔۔؟؟ آپکو پتہ ہے

میں ہر عید پر ماموں کی کمی کو بہت محسوس کرتی

تھی اور جب کبھی اماں سے شکایت کی تو وہ ڈپٹ

کر چپ کروا دیتی تھیں۔۔ کیا ماموں نے پہلے

کبھی مجھے مس نہیں کیا۔۔؟؟؟" کچھ سوچ کر وہ

انکی جانب دیکھتی شکایتی انداز میں بولتی چلی گئی تو

اُن کی آنکھوں میں ویرانی سی چھا گئی۔

"بولیے ناں پہلے کہاں تھے آپ دونوں۔۔؟؟"

مہرماہ قدرے بلند آواز میں پوچھا تو وہ چہرے کا

رخ موڑ گئیں۔۔اب وہ اسے کیا جواب

دیتیں۔۔؟؟؟

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ فکر مند سا ہاتھوں میں سر لیے بیٹھا تھا جب اپنی

دھن میں فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل

ہوتا منصب چونک گیا۔وہ ان دونوں کو سوتا ہوا

چھوڑ کر گیا تھا جبکہ اس وقت وہ دونوں پریشان

حال سے نظر آرہے تھے۔

"کیا ہوا ہے۔۔؟؟ یہ تم دونوں کے چہرے بارہ

کیوں بجا رہے ہیں۔۔؟؟" ان دونوں کی فکر سے

انجان اس نے آرام سے پوچھا تو عالم، جس کی نگاہ

اس پر پڑ چکی تھی اپنی جگہ سے اٹھتا اسکی طرف

لپکا۔

"کہاں گئے تھے تم۔۔؟؟ آدھی رات کو فلیٹ

سے باہر کیوں گئے تم۔۔؟؟" اسکے سر پر پہنچتا

عالم شدید برہمی کے عالم میں غرایا تو منصب نے

اسے گھورا۔

"میں نے تم سے پہلے بھی پوچھا تھا کہ تم یہاں کیا

کرنے آئے ہو۔ تب تم سوال گول کر گئے

لیکن ابھی جواب تمہارا یہ رویہ دے رہا ہے جو

میری برداشت سے بالکل باہر ہے۔۔!" عالم کی

غصیلی آنکھوں میں جھانکتا وہ درشتگی سے بولا تو

عالم چیخ گیا۔

"ہاں میں یہاں تمہاری چوکیداری کرنے آیا

ہوں۔۔!" منصب کے ڈھیٹ پن پر ضبط کھوتا وہ

چلایا۔علیشہ اس صورتحال پر دم سادھے کھڑی

تھی۔

"اور تم مجھے ابھی بتاؤ گے کہ تم کہاں سے آرہے

ہو۔۔!"منصب کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے

عالم کرخت لب و لہجے میں بولا۔ منصب کے لیے

تو جیسے حد ہو گئی تھی۔

"میرے باپ نہیں ہو تم جسے میں اپنے کہیں بھی

آنے جانے کے لیے جواب دوں گا۔۔!" عالم

سے دوگنی قوت سے اسکے سینے پر ہاتھ مارتا

منصب دہاڑا تھا۔ اس وار پر عالم قدرے لڑکھڑا

کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔ اس دوران منصب اپنے

بائیں ہاتھ میں موجود کوک کا کین فرش پر پھینک

چکا تھا۔

"باپ کی کیا بات کرتے ہو۔۔؟؟ تم تو اس

شریف انسان کے سامنے بھی اپنے کالے چٹھوں

کے لیے کبھی جواب دہ نہیں رہے۔۔!" اسکے

غصے سے مرعوب ہوئے بغیر عالم تمسخرانہ گویا

ہوا تو علیشہ نے متفکر سی ہو کر اپنی پیشانی سہلائی۔

"کون سے کالے چٹھے۔۔۔ کس بارے میں

بکواس کر رہے ہو کھل کر کہو ناں آج میں بھی تو

سنوں کہ میں نے کیا کِیا ہے۔۔؟؟" عالم کے

قریب ترین ہوتے ہوئے منصب زخمی شیر کی

مانند غرایا۔

"عالم پلیز سٹاپ اٹ۔۔!"علیشہ نے آگے بڑھ

کر عالم کو بازو سے تھامنے کی کوشش کی تو عالم نے

بے دردی سے اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے آئینے میں

جا کر اپنا چہرہ دیکھ لو تمہیں اپنے کرتوت اپنی

پیشانی پر ہی چمکتے نظر آجائیں گے۔۔!" بنا لگی لپٹی

رکھے عالم نے زہر خند لہجے میں کہا تو تذلیل کے

شدید احساس نے منصب کا چہرہ سرخ کر ڈالا۔

"اپنی بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے

ورنہ قتل کر دوں گا تمہارا۔۔!" اسے گریبان

سے تھام کر دروازے کیطرف دھکا دیتے ہوئے

منصب چلایا تو علیشہ بے تابانہ ان دونوں کی

جانب لپکی۔ ان دونوں کو لڑتے دیکھ اس کا دل

کانپ رہا تھا۔

"ہاں ہاں اب صرف قتل کرنے کی ہی گنجائش

باقی ہے ورنہ شراب، نشہ، زنا۔ سب کچھ تو کر

چکے ہو تم۔۔!" عالم بنا اثر لیے درشتگی سے بولا

تو منصب اپنا ضبط کھوتا اس پر جھپٹ پڑا۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"بھائی پلیز رک جایئے۔۔!"علیشہ اسکی طرف

بڑھتی چلائی تھی۔

"بکواس بند کر۔۔ کہاناں دفع ہو جا یہاں

سے۔۔!" عالم کے چہرے پر ایک ساتھ دو تین

پنچ مارتا وہ دھاڑا جو بنا مزاحمت کیے اسکے ہاتھ کی

شدید ضربیں برداشت کر رہا تھا کہ اس کی تربیت

اسے اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ اپنے ہی بڑے

بھائی پر ہاتھ اٹھاتا۔ہاں زبان سے وہ منصب کو

بخوبی اسکی اصلیت بتا رہا تھا۔

"میرا منہ بند کروا دینے سے حقیقت بدل نہیں

جائے گی۔۔!" منصب کی طرف دیکھتا وہ اسے

تپانے والے انداز میں بولا۔

"عالم چپ ہو جاؤ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔۔!"

عالم کے سینے سے لگتی وہ چلائی تو جانے کیسے اسکی

بھوری آنکھوں سے آنسو ٹوٹ گئے۔وہ رونا نہیں

جانتی تھی کیونکہ وہ کبھی روئی ہی نہیں تھی لیکن

آج ان دونوں کے انداز نے اسکی آنکھیں بھگو

ڈالی تھیں۔

"تو بتاناں کیا ہے حقیقت۔۔ بھونک

ناں۔۔۔؟؟" منصب کو جیسے اس پل کسی بات کی

ہوش نہیں تھی۔ جبکہ علیشہ کو روتا دیکھ عالم کی

زبان کو بریک لگ چکی تھی۔

"علیشے۔۔؟؟" اسنے بے ساختہ اپنے شانے سے

لگی علیشہ کو ہلایا۔علیشہ نے سر اٹھا کر پانی بھری

آنکھوں سے عالم کی جانب دیکھا پھر نفی میں سر

ہلایا۔عالم نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے

اپنی ناک سے بہتا خون صاف کیا اور منصب کی

جانب دیکھا جو خونخوار نظروں سے اسے ہی دیکھ

رہا تھا۔

"تم نے ایک مجبور اور لاچار لڑکی کی بے بسی کا

فائدہ اٹھایا۔۔ تم اتنے گر گئے کہ تم نے اپنے

لوفر دوستوں سے اس بے چاری کو اجتماعی زیادتی

کا شکار کروانا چاہا۔۔ تم اتنے پنچ ثابت ہوئے کہ

ایسا کرتے ہوئے تم یکسر بھول گئے کہ تمہاری

اپنی بھی ایک بہن۔۔۔!" منصب کی آنکھوں

میں بے خوفی سے آنکھیں ڈالے وہ قدرے

دھیمی آواز میں بولتا چلا جارہا تھا جب منصب کے

ہاتھ کے ایک اور مکے نے اسے پلٹا کھانے پر

مجبور کر دیا تھا۔عالم کے زخموں پر ضبط کھوتی

علیشہ دو قدم پیچھے ہٹی۔۔

"چپ کر کمینے۔۔بند کر*(گالی)۔۔نکل یہاں

سے۔۔نکل جا۔۔!" اسے پے در پے تھپڑ مارتے

ہوئے منصب غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔یوں لگ

رہا تھا جیسے اسے اپنے غصے کو باہر نکالنے کا راستہ

مل گیا ہو۔

"آپ دونوں یونہی لڑتے رہیں میں یہاں سے

دفع ہو رہی ہوں۔۔!" اپنے گال رگڑ کر چلاتی وہ

فلیٹ سے نکل گئی۔ سرمئی آسمان تلے قدم رکھتے

ہی ایک خنک ہوا کا جھونکا اسکے غصے سے دہکتے

وجود سے ٹکرا گیا۔ دور کہیں مؤذن فجر کی اذان

دے رہا تھا، آسمان پر صبح کا سویرا پھیلنے کی بجائے

سیاہ بادلوں کی ٹولیاں بے لگام ہوتی آپس میں

چھیڑ خانیاں کرتی نظر آرہی تھیں۔ موسم گرما کی

یہ خوشگوار سرمئی صبح اسکے تنے ہوئے اعصاب

پر خوشگوار اثر ڈالنے میں ناکام رہی تھی۔ وہ منہ

پھلائے تیز تیز چلتی اس فلیٹ سے دور ہوتی

جارہی تھی جہاں شاید وہ دونوں بھائی ہنوز لڑنے

میں مگن تھے۔عالم کا زخمی چہرہ اور منصب کی

غضبناک آنکھیں یاد کرتے ہوئے جانے کیوں

اسکا دل شدید تکلیف کا شکار ہوتا آنکھوں کو نم

کرتا جارہا تھا اور یقیناً اسکے اندر سر ابھارتے

چڑچڑے پن کی وجہ آنکھوں کی وہ نمی ہی تھی

جسے بار بار گالوں سے پونچھتی وہ تپ رہی

تھی۔ اسے ہمیشہ سے آنسو بہانے سے چڑ رہی

تھی۔

"پتہ نہیں کیوں آگئی تھی میں۔۔!" لب کاٹتی

بھیگتی آواز میں بڑبڑائی۔ اتنے میں آسمان مزید

سیاہ ہوتا اب بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے دہل رہا

تھا لیکن بھلا اس پر یہ موسم کب اثر انداز ہوتا

تھا۔۔؟؟ اسکا ارداہ سیدھا مین سٹاپ تک پہنچ کر

ٹیکسی لینے کا تھا۔ اپنے دھیان میں چلتی وہ ویران

پڑی سڑکیں ناپ رہی تھی جب سامنے سے آتی

گاڑی کی ہیڈلائٹس نے اسکی آنکھوں میں

مرچیں سی بھر دیں۔سامنے سے ہٹنے کی بجائے

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہیں کھڑی رہی تو

مقابل کو گاڑی کی بریکس لگانا پڑیں۔ڈرائیونگ

سیٹ پر براجمان سردار بدر لغاری نے آنکھیں

سکیڑ کر کچھ سرد نظروں سے اسکی جانب دیکھا جو

گاڑی رکتے دیکھ پیر پٹختی اسی کی جانب آرہی

تھی۔ فرنٹ ڈور کے پاس رکتے ہوئے اسنے

دروازے کا شیشہ ناک کیا تو بدر نے لب بھینچتے

ہوئے زرا سا شیشہ نیچے کر لیا۔

"کیا آنکھیں بند کر کے گاڑی چلا رہے ہیں

آپ۔۔۔؟؟ یا ابھی بھی نیند کی وادیوں میں گم

ہیں۔؟؟ اگر آپ کے ساتھ ایسا کوئی شدید مسئلہ

ہے تو سڑکوں پر دوسروں کو ابدی نیند سلانے کی

کوشش کرنے کی بجائے گھر جا کر اپنی نیند پوری

کریں محترم۔۔۔ابھی اگر میں مر جاتی تو کون

ذمے دار ہوتا۔۔۔ہاں۔۔؟؟؟" بنا سر جھکائے

وہ سیدھی کھڑی شیشہ نیچے ہوتے ہی برہمی سے

بولتی چلی گئی تو بدر نے اپنی گھنی بھنویں اچکاتے

ہوئے اسکی جانب دیکھا۔ سیاہ آنکھوں میں بلا کی

سرد مہری تھی۔

"گہری نیند سے جاگی ہوئی لگتی ہو۔۔!" سرمئی

روشنی میں نظر آتی اسکی آنکھوں میں ابھرے

گلابی ڈوروں پر چوٹ کرتا وہ اسکا الزام اسی کی

جانب موڑ گیا تھا۔ رعونت سے پُر۔۔ سرد آواز

پر علیشہ نے چونک کر اسکی جانب دیکھا جس کی

فقط آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ اسنے پورا شیشہ

نیچے کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"پہلے گھر جا کر اپنی پکی نیند پوری کر لیں پھر

میری بھی فکر کر لیجئے گا۔۔!" اسکی آنکھوں میں

دیکھتی وہ دیدہ دلیری سے بولی تو بدر کی سیاہ

آنکھوں کی رنگت مزید گہری ہو گئی۔

"تمہاری فکر تمہیں ہی کرنی چاہئیے لڑکی۔۔یہ

آخری بار ہے کہ جب میں نے تمہیں چھوڑ دیا

ہے۔۔آئندہ اگر میرا راستہ خراب کرنے کی

کوشش کی تو بنا رحم کیے تمہیں مسل دوں

گا۔۔!" آنکھوں میں سفاکیت سموئے وہ مروت

سے عاری، مغرور لب و لہجے میں بولا تو اسکی

آنکھوں میں دیکھتی علیشہ کو پہلی بار چپ لگی

تھی۔ اسکی آنکھوں کی رنگت اتنی ہی سیاہ تھی کہ

علیشہ کو زندگی میں پہلی بار عجیب سی وحشت

محسوس ہوئی تھی۔ ایک بے نیاز نگاہ حق دق

کھڑی علیشہ پر ڈال کر وہ گاڑی زن سے بھگا لے

گیا۔

"ٹپ۔۔

ٹپ۔۔

ٹپ۔۔۔!" بارش کی ٹھنڈی بوندیں بے تابانہ

زمین کو چھوتی علیشہ کا وجود بھی چھونے لگیں

لیکن وہ وہاں سے ملنے کی بجائے ساکت سی کھڑی

بارش میں بھیگتی چلی گئی۔ جانے کیوں اندر کہیں

کوئی اہانت جیسا جذبہ نہیں جاگا تھا، وہ جو پہلے ہی

اپنے رونے سے چڑ رہی تھی وہیں بیٹھ کر زورو

شور سے رونے لگی، حقیقتاً وہ اس وقت کو کوس

رہی تھی جب اسنے مہربان کے ساتھ منصب کے

پاس آنے کی ضد کی تھی۔

"علیشے۔۔۔علیشے۔۔۔؟؟؟" اپنے نام کی پکار پر

اسنے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔وہ دونوں اسکی

تلاش میں بے حال نظر آرہے تھے۔انہیں اپنی

جانب آتے دیکھ وہ سرعت سے اُٹھی۔

"یار پاگل ہو تم۔۔۔؟؟ وہاں سے کیوں نکلی تم

باہر۔۔۔؟؟" اسکے پاس آتا عالم چلایا جبکہ

منصب کی نگاہوں میں بھی اسکے لیے خفگی تھی۔

"آپ دونوں واپس چلے جائیں اینڈ جسٹ کیری

آن۔۔میری فکر چھوڑ دیں۔۔!" ناراضگی سے

انہیں جواب دیتی وہ پلٹی۔ منصب سرعت سے

اسکی کلائی تھام کر اس کے سامنے آیا۔

"کیری آن نہیں کر سکتا میں تھک چکا ہوں۔۔

بال بھی خراب ہو گئے آکر بنا دو۔۔!" اسکے آنسو

صاف کرتا وہ نرمی سے بولا۔ جبکہ بارش کے پانی

میں بھی منصب پر اپنے آنسو واضح ہو جانے پر وہ

خجل سی ہو گئی۔

"خود ہی بنالیں آپ مجھے نہیں آتے۔۔!" وہ

صاف مکر گئی۔

"جھوٹ مت بولو اب۔۔!" منصب نے اسے

ٹوکا۔

"اب تم چل رہی ہو یا میں اٹھا کر لے

جاؤں۔۔!" عالم کی آواز اسکی پشت سے ابھری تو

وہ اسکی جانب پلٹی اور سرخ آنکھوں سے اسکا

جائزہ لیا۔وہ زخمی تھا اور اپنی چوٹوں کی پرواہ کیے

بنا اس پل اسکی فکر میں بارش میں بھیگ رہا تھا۔

"تم خود تو ٹھیک سے چل لو پھر مجھے بھی اٹھا

لینا۔۔!" اسکے گال پر واضح ہوتی نیلاہٹ دیکھتی

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو عالم مسکرایا۔

"ابھی اتنا کمزور نہیں ہوا کہ تم جیسی چوہیا کو نہ اٹھا

سکوں۔۔!" غیر سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ آگے

بڑھا اور اسے بچوں کی طرح گود میں اٹھالیا۔وہ

مزاحمت کرنے کی بجائے کسی چھوٹی بچی کی طرح

اسکے گرد بازو حائل کرتی رو پڑی۔بالکل ویسے ہی

جیسے کوئی بیٹی اپنے باپ کو چھوٹی سی چوٹ لگنے پر

ہی باپ کے سینے سے لگ جاتی ہے۔ منصب کو

علیشہ کے آنسوؤں نے اذیت میں مبتلا کر دیا تھا وہ

چپ چاپ عالم کے پیچھے چلنے لگا جواب ہنستے

ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اوہ یار تم روتی بھی ہو۔۔؟؟" وہ اسے تپانے کو

چھیڑ رہا تھا۔

"ہاں جب تم میرے منع کرنے کے باوجود بہت

بولتے ہو تب میں روتی ہوں۔۔!" وہ اسکی

آغوش میں ہونے کے باوجود منصب کا بھی دفاع

کر رہی تھی۔ جیسے اسے عالم کا منصب کے سامنے

زبان کا استعمال برا لگا تھا۔

"آئندہ نہیں بولوں گا میری ماں۔۔!" وہ ہنوز

غیر سنجیدہ تھا۔

"بولوگے تو میں اب تمہیں گنجا بھی کر دوں

گی۔۔!" اسکے بال کھینچتی وہ اس سے لڑ رہی تھی۔

"حالانکہ میری زبان کا میرے بالوں سے کوئی

تعلق نہیں ہے۔۔!" وہ اپنے پرانے موڈ میں

آچکا تھا۔

"جب گنجے ہو کر خوفناک لگو گے تو یہ زبان ہی

آہیں بھرے گی۔۔!"علیشہ نے دوبدو جواب دیا

تو عالم نے قہقہہ لگایا۔ جبکہ ان دونوں کی گفتگو سے

قدرے بے بہرہ وہ بھیگتی سڑک پر سر جھکائے

چل رہا تھا۔

بارش کی تیز بوچھاڑ منصب کو سکون بخش رہی

تھی۔ اسکی جلتی آنکھوں میں مہرماہ کا گلاب چہرہ

گھومنے لگا جب کہ ذہن عالم کے ان لفظوں میں

اٹکا ہوا تھا جو کچھ دیر پہلے اسنے بولے تھے۔

"تم اتنے گر گئے کہ تم نے اپنے لوفر دوستوں

سے اس بے چاری کو اجتماعی زیادتی کا شکار کروانا

چاہا۔۔!" وہ تلخ آواز اتنی ہی سرد تھی کے منصب

کے وجود میں اندر تک تلخی سی بکھر گئی۔

"بھلا ایسا کب چاہا تھا اس نے۔۔۔؟؟" وہ تو فقط

ایک ویڈیو۔۔۔؟؟؟" اسنے جیسے خود کو دلیل

دینی چاہی تھی تبھی اسے اپنے آس پاس کسی کے

قہقہے لگتے سنائی دیے تھے جیسے وہ بلند و بانگ قہقہے

اسکا مذاق اڑا رہے ہوں۔

"ویڈیو۔۔فقط ویڈیو۔۔۔؟؟ کس قسم کی ویڈیو

ہاں۔۔؟؟ ایک انتہائی غلیظ ویڈیو۔۔؟؟" یہ آواز

اسکے اندر سے کہیں ابھری تھی جو اتنی ہی دھیمی

تھی کہ بارش کے شور میں کہیں دب رہی تھی۔

"بھائی اب آ بھی جائیں کیا بال نہیں

بنوانے۔۔؟؟"علیشہ کی آواز پر وہ چونک

گیا۔سامنے دیکھا تو وہ فلیٹ کا دروازہ کھولے

کھڑی تھی۔قریب ہی بھیگا ہوا مہربان عالم شاہ

بھی منتظر سا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔وہ سر

جھٹکتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ گو اسے عالم کے

ساتھ کیے سلوک پر کوئی افسوس نہیں تھا لیکن

اسکا زخمی چہرہ اسے تکلیف میں مبتلا کر رہا

تھا۔ اسنے عالم کی طرف دیکھنے سے احتراز برتا تھا

لیکن اتنا تو وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ علیشہ کے

ہوتے ہوئے وہ دونوں گھنٹہ بھر سے زیادہ ایک

دوسرے سے ناراض نہیں رہنے والے تھے۔

□♦□♦□♦□♦

بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا، رات کی سیاہی اپنے پر

سمیٹے اڑن چھو ہوتی صبح کی مدھم روشنی کو خوش

آمدید کہنے کو بے تاب ہو رہی تھی۔ رات بھر

ہوا کے زور پر شور کرتے کھڑکیوں کے دیوار گیر

پٹ اس پل ساکت تھے۔ بارش کے باعث بھیگ

چکے پردے، دروازوں سے لپٹے، ماتم کناں سے

دِکھ رہے تھے۔ ایسے میں وہ چوپٹ آنکھیں

کھولے کچھ بے یقین نگاہوں سے اس سفاک

انسان کی جانب دیکھ رہی تھی جو اسے برباد کر کے

اب متوحش سا اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"زہرہ مجھے۔۔مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ۔۔۔

لل۔۔۔لیکن پلیز تم۔۔۔تم میرا یقین کرو میں

تم سے شادی کروں گا۔۔!" وہ شرمندگی سے کہتا

اسکا ہاتھ تھامنے کو جھکا تو اپنا دوپٹہ مٹھی میں

دبوچتی وہ بے اختیار پیچھے کھسکی۔ بھنورا آنکھیں

آنسوؤں سے بھیگی اس پل وحشت ناک لگ رہی

تھی۔ رو رو کر اسکی تیکھی ناک سرخ ہو چکی تھی۔

اسکے یوں دور ہٹنے پر وہ نئے سرے سے اذیتوں

میں گھر گیا۔

"زہرہ.بیلیو می میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔ سمجھانا

چاہتا تھا کہ میں تم سے۔۔۔میں تم سے محبت کرتا

ہوں۔۔!" اسکے قریب ہوتا وہ شکست خوردہ سا

گویا ہوا۔ اسکا وجیہہ چہرہ اس پل زہرہ کی دھندلی

نگاہوں کے سامنے تھا۔ نفی میں سر ہلاتی وہ پیچھے

ہوتی بیڈ کراؤن سے جا لگی۔

"مم۔۔میں آپکو کبھی۔۔ کبھی معاف نہیں

کروں گی۔۔!" ولید کی ویران آنکھوں میں

دیکھتی وہ بڑبڑائی جیسے ولید سے زیادہ وہ خود کو

یقین دلا رہی تھی۔اسکے ریزہ ریزہ وجود کو ہارے

ہوئے انداز میں دیکھتا وہ صدمے سے پاگل

ہونے کو تھا۔

"میرا یقین کرو میں تم سے محبت کرتا ہوں۔۔!"

بے چارگی سے کہتے ہوئے اسنے زہرہ کا ہاتھ تھام

لیا۔ اسے تو جیسے کرنٹ سا لگ گیا۔ تڑپ کر اسکا

ہاتھ جھٹکتی وہ سرعت سے بیڈ سے اتری۔

"اب۔۔۔اب پاس مت ایئے گا سرکار۔۔اب

نہیں۔۔!" لرزتی آواز میں بولتی وہ کانپ رہی

تھی۔اسکی سانولی رنگت ایک ہی رات میں زرد

پڑگئی تھی۔ولید شاہ کا دل کٹنے لگا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو یہ جو کچھ بھی ہوا میں نے۔۔

جان بوجھ کر نہیں کیا۔۔!" وہ اسے سمجھانے

والے انداز میں کہتا بیڈ سے اترا تو زہرہ الٹے

قدموں دروازے کی طرف بھاگی۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"جھوٹ بولتے ہیں آپ۔۔!" وہ روتے ہوئے

بڑبڑائی تھی۔ اسے یوں بے حال اپنے کمرے

سے نکلتا دیکھ وہ بھی اسکے پیچھے لپکا تھا۔

"زہرہ رک جاؤ کوئی دیکھ لے گا۔۔!" وہ دھیمی

آواز میں چلایا لیکن وہ بنا پلٹے تیزی سے بھاگتی

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

سیڑھیاں اترتی چلی گئی اور بے دھیانی میں اوپر

آتے فدا سے جا ٹکرائی۔ تصادم اس قدر

زبردست تھا کہ وہ اسے تھام کر بامشکل گرنے

سے بچا پایا تھا۔ زہرہ کا روم روم لرز رہا تھا۔ اس

کے بکھرے بالوں اور سیڑھیوں میں رلتے

دوپٹے پر نظر پڑتے ہی فدا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"زہرہ۔۔۔؟؟" اسے بازوؤں سے تھامتے ہوئے

فدا نے اسے ہلایا تو زہرہ نے خالی خالی نظروں

سے اس کی جانب دیکھا جسکی نگاہیں بے یقینی سے

اسکے نقوش تول رہی تھیں۔ سوجن زدہ آنکھوں

کا پھیلا ہوا کاجل، سرخ ناک، سسکتے لب۔۔

دوپٹے سے بے نیاز اسکا بے حال حلیہ چیخ چیخ کر

گزشتہ رات کی تباہ کاریوں کی گواہی دے رہا تھا۔

فدا سے نگاہ ملتے ہی زہرہ کی بھرائی ہوئی آنکھوں

میں طلاطم سا برپا ہو گیا۔

"سس۔۔۔ سرکار۔۔!" اسکے لب شکایتی انداز

میں پھڑ پھڑائے تھے۔ آنکھوں کی زبان ایسی

تھی جو بلک بلک کر فدا سے شکوے کر رہی تھی۔

وہ اس پل کہیں سے بھی اس زہرہ جیسی نہیں لگ

رہی تھی جسے وہ جانتا تھا۔

"کس نے کیا ہے یہ۔۔؟؟؟" زہرہ کی آنکھوں

میں دیکھتا وہ دانت کچکچاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اسکے بازوؤں پر فدا کی گرفت سخت ہو چکی

تھی۔ ولید جو زہرہ کو فدا کے مقابل دیکھ کر

سیڑھیوں کے دہانے پر ہی ٹھہر گیا تھا، اسے فدا

کے سوالات سے بچانے کو ان دونوں کی طرف

آیا۔

"زہرہ تم جاؤ۔۔!" اسے فدا کی گرفت سے نکالتا

وہ نرمی سے بولا تو اسکے ہاتھ جھٹکتی وہ فدا کی اوٹ

میں ہو گئی۔ زہرہ کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ اور ولید

کی آنکھوں کے ڈورے ساری داستاں بیان کر

گئے تھے۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی ولید شاہ۔۔۔!"

ولید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا وہ صبر کے

کڑوے گھونٹ پیتا غرایا تھا۔ فدا کی پشت پر

چھپتی زہرہ کی آنکھوں میں ولید کو دیکھ کر خوف

اتر آیا تھا۔

"مجھے صفائی کا موقع دو۔۔!" ولید بامشکل بولا

تھا۔ اس نازک صورتحال پر وہ رو دینے کو تھا۔

"کچھ کہنا باقی ہے۔۔۔ گنجائش نکلتی ہے۔۔؟؟"

قہربار نگاہوں سے ولید کو گھورتا وہ چبا چبا کر بولا۔

"ہم آرام سے بات کرتے ہیں یہ وقت اور جگہ

دونوں ہی مناسب نہیں ہے۔۔!" فدا کے

قریب ٹھہر تا ولید ملتجی ہوا۔ ان دونوں کو ایک

دوسرے کے مقابل دیکھتی زہرہ کی آنکھیں

دھندلا رہی تھیں۔ جسم سے نکلتی جان وجود کو

بے جان کر رہی تھی۔

"ابھی تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی ولید لیکن تم

اس کا نتیجہ ضرور بھگتو گے۔۔یاد رکھنا۔۔!" اسے

وارن کرنے والے انداز میں کہتا وہ پلٹا اور اسے

تھام لیا جو گرنے کو تھی۔ ایک ضبط بھری سخت

نگاہ ولید شاہ پر ڈال کر وہ ہوش وخرد گنواتی زہرہ

کو بازوؤں میں بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ یہ

دیکھے بنا کہ اپنے کمرے سے نکلتی صندل کے

لب، زہرہ کا بے ہوش وجود فدا کے بازوؤں میں

دیکھ کر کس طرح سے مسکرائے تھے۔ وہ

بروقت دیوار کی اوٹ میں ہو گئی تھی۔ جبکہ خلا

میں لٹکتا زہرہ کا بے جان سا بازو دیکھتے ہوئے ولید

شاہ کی آنکھوں سے ایک بھٹکا ہوا آنسو نکل کر

اسکا گال بھگوتا چلا گیا۔ وہ جیتے جی مر گیا تھا۔

خبر نہیں ابھی دنیا کو میرے سانحے کی

سوا اپنے آپ سے کرتا ہوں تعزیت اپنی

□♦□♦□♦□♦□♦

حویلی کے تنگ و تاریک چھوٹے کمروں میں سے

ایک کے سامنے آکر رکتے ہوئے اسنے دروازے

کو ٹھوکر مار کر کھولا تھا۔ کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا

ہوا تھا۔ اندازے سے اسے چارپائی پر ڈال کر وہ

سیدھا ہوا تھا پھر پلٹ کر کمرے کی پیلی بتی جلائی۔

مائی کرماں وہاں نہیں تھی وہ جانتا تھا کہ وہ پچھلے

تین دنوں سے ساتھ والے گاؤں میں اپنی بیمار

بہن کی خدمت کے لیے گئی ہوئی ہے۔پانی کی

تلاش میں فدا نے نظر گھمائی تو وہیں ایک طرف

اسے مٹی کے پیالے سے ڈھکا گھڑا نظر آگیا۔ پانی

لے کر اسکے منہ پر چھینٹے مارتے ہوئے وہ اسے

ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ معمولی سی

کوشش کے بعد ہی وہ خوفزدہ سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"نہیں سرکار نہیں۔۔!" اپنے چہرے پر ہاتھ

رکھتی وہ چلائی۔ آواز رونے کے باعث بھاری

ہو رہی تھی۔ فدا کا دل اس کی تکلیف پر دکھ سے

بھر گیا۔

"میٹھی۔۔ادھر دیکھو میری طرف۔۔یہاں میں

ہوں۔۔!"کچھ جھجھکتے ہوئے اسکے چہرے سے

ہاتھ ہٹاتے ہوئے وہ نرمی سے بولا تو زہرہ نے

اپنے ہاتھ سرعت سے پیچھے کر لیے۔ بھیگی

آنکھوں کی پلکیں جھپکاتی وہ اسے دیکھنے لگی۔

"کیا کِیا ہے ولید نے۔۔؟؟ کب۔۔ کیسے۔۔۔

مجھے بتاؤ۔۔ کیا تم نے اسے موقع دیا زہرہ۔۔؟؟"

وہ غم و غصے کا شدید شکار ہوتا سنجیدگی سے بولا تو

روتی ہوئی زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر وہ اسے

سب بتاتی چلی گئی۔ اس تلخ سانحے کو برداشت

کرنے کی کوشش میں فدا کی پیشانی پر رگیں

نمایاں ہونے لگیں۔

"میں اس بارے میں تایا سرکار سے بات کروں

گا۔۔ولید تم سے شادی کرے گا تمہیں عزت

دے گا۔۔!" وہ نگاہ جھکائے ایک ایک لفظ پر زور

دے کر بولا تو زہرہ نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ

دیے۔

"میں برباد ہو چکی ہوں سرکار، اب یوں تشہیر

کر کے میرا تماشا مت بنایے گا۔ بابا جی سرکار مجھے

عزت نہیں دیں گے بلکہ میرے منہ پر کالک مل

کر مجھے سنگسار کر دیں گے۔۔خدا کا واسطہ ہے ایسا

سوچیں بھی مت۔۔!" وہ بھیگی آواز میں

گڑ گڑائی تو فدا اپنے لب بھینچ گیا۔

"تمہیں کس بے وقوف نے کہا تھا کہ آدھی

رات کو حویلی میں بھٹکتی پھرو۔۔۔اور تو اور۔۔

آئی۔۔ آئی کانٹ بیلیو تم اتنی بے وقوف ہو اسکے

کمرے میں بھی چلی گئیں۔۔!" وہ اپنا سر ہاتھوں

میں تھامتا بولا تو وہ اور شدتوں سے رو دی۔

"انہوں نے۔۔ چچ۔۔۔ چائے کا کہا تھا۔۔!"

اسنے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی۔

"اس کو صاف منع کر دیتی تم۔۔کیا تمہیں نہیں

پتہ کہ تنہائی میں ایک نامحرم مرد اور عورت کے

درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے

زہرہ۔۔؟؟؟؟اتنی۔۔۔اتنی لاپرواہی۔۔۔؟؟"

وہ اس کے اس عظیم نقصان پر شدید غمزدہ تھا۔

جبکہ اسکے لفظوں پر غور کرتی زہرہ نے بے بسی

سے اسکی جانب دیکھا۔

"تنہائی میں اگر شیطان کا کام چلتا تو اس وقت ہم

دونوں بھی تنہا ہیں۔۔ ولید سرکار خود شیطان ہیں

ان کی نیت جانے کب سے خراب ہے۔۔ یہ

سب انہوں نے جان بوجھ کر کیا ہے میں۔۔۔

میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔!"تڑخ

کر کہتی وہ آخر میں چہرہ گھٹنوں میں دے کر رودی

تو وہ بے چین سا ہوتا اسکے پاس سے اٹھ کھڑا

ہوا۔

"جو ہو چکا ہے میں اسے بدل نہیں سکتا لیکن اتنا

طے ہے کہ ولید تم سے شادی کرے گا۔تب

تک تم اس بارے میں مائی کو کچھ نہیں بتاؤ گی

زہرہ۔۔!" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔اسکی بات پر وہ

کچھ دیر دھندلی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

پھر غائب دماغی سے سر ہلا دیا۔ اسکے ہامی بھر لینے

پر وہ چپ چاپ اسکے کمرے سے باہر نکل

آیا۔ پیچھے زہرہ گم صم سی اپنی ہتھیلیوں کو گھورتی

رہ گئی جہاں شاید فدا حسین کا نام کبھی تھا ہی

نہیں۔

◆□◆□◆□◆□

"کیا بات ہے اداس کیوں ہو۔۔؟؟"فون کے

سپیکر سے ابھرتی متفکر سی، نرم آواز سنتا وہ بیڈ

کراؤن سے ٹیک لگا گیا۔

"کچھ خاص نہیں۔۔ب۔۔۔بس ویسے ہی۔۔!"

چھت کو گھورتا وہ اپنے مخصوص لڑکھڑاتے لہجے

میں بولا تھا۔اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ جو لڑکی اس

پر نگاہ غلط ڈالنا پسند نہیں کرتی وہ اسکی ایک دن کی

غیر حاضری سے ڈسٹرب ہو گیا ہے۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو شیث۔۔؟؟" اسکے

باپ کی آواز میں حیرت تھی۔وہ فاصلے کے

باوجود اسکی آواز اور انداز سے ہی اسکی حالت

جان لیتے تھے۔

"نن۔۔۔نو۔۔نو بابا۔۔۔ ایکچوئلی۔۔ مم۔۔۔ مما

کو مس کر رہا ہوں۔۔!" اپنے دل کا چور چھپانے

کو وہ جلدی سے بولا۔

"تو یہ کوئی بہت بڑا ایشو نہیں ہے، اسے کال

کرلو۔۔!" وہ نرمی سے بولے تھے۔

"نہیں وہ۔۔۔ دیکھنے کا دل چاہ رہا ہے۔۔!" تصور

میں علیشہ کا چہرہ سجائے وہ بے خودی میں کہہ گیا۔

"یہ تم اپنی ماں کی ہی بات کر رہے ہو

شیث۔۔۔؟؟" وہ کچھ کھوج لگانے والے انداز

میں بولے تو شیث سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہمم۔۔۔ہاں۔۔!" وہ اس پل بے بس سا ہو رہا

تھا۔ کل شام ہی اسکا ٹکراؤ علیشہ سے ہوا تھا اور

آج وہ یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔وہ دوپہر کے بعد

سے اب تک گرلز ہاسٹل کے سامنے سے لاتعداد

مرتبہ گزر چکا تھا مگر وہ نظر نہیں آئی تھی۔

"آئی تھنک تمہیں نیند آرہی ہے تم سو جاؤ۔۔!"

اسکی غائب دماغی محسوس کرتے وہ سنجیدگی سے

بولے تھے۔

"نہیں۔۔ نیند تو نہیں آ رہی۔۔ کافی دیر سے

کوشش کر رہا ہوں۔۔!" شیث نے سادگی سے

کہا۔

"تو مسئلہ کیا ہے بتا دو۔۔۔!" وہ خفا ہوئے تھے۔

"بابا۔۔۔ آئی تھنک۔۔ آئی ایم اِن لو۔۔!" اپنی

دلی حالت سے پریشان ہوتا وہ تھکے ہوئے انداز

میں کہہ گیا تو دوسری جانب اسکی آواز سنتے اسکے

باپ کے لب سختی سے بھینچ گئے تھے۔کچھ پل

دونوں کے مابین خاموشی کی نظر ہو گئے پھر

انہوں نے بنا کوئی بات کیے کال کاٹ دی۔ شیث

حیرت زدہ سا ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھتا رہ گیا

جس کی سکرین صاف ہو چکی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

وہ تکیہ بازوؤں میں بھینچے گہری نیند سو رہا تھا جب

کان کے پاس مسلسل محسوس ہوتی مچھروں کی

جھنجھناہٹ نے اسے نیند میں ہی ناک سکیڑنے پر

مجبور کیا تھا۔ وہ اپنے کان کے پاس ہاتھ مارتا

کروٹ بدل گیا۔ اب اسکا رخ کنارے کی طرف

ہو چکا تھا۔ چہرے کے سامنے ہی کھڑکی سے کسی

نے پردہ سرکایا تھا۔ گلاس ڈور سے ٹکراتی، تیز

دھوپ سیدھا اس کے منہ پر پڑی تھی۔

"اوں ہوں۔۔۔۔!" اسنے بے اختیار آنکھوں

پر ہاتھ رکھا معاً کوئی اسکے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

دھوپ کا راستہ رک چکا تھا لیکن ساتھ ہی

مچھروں کی بھنبھناہٹ ایک دم بڑھ گئی تھی۔

"یار کیا مصیبت ہے۔۔؟؟" پھاڑ کھانے والے

انداز میں چیختے ہوئے مہربان نے مندی مندی

سی آنکھیں کھولیں تو اسکی بصیرت کے سامنے

لال رنگ کا گول ڈرم سا تھا۔ مہربان نے پوری

آنکھیں کھولیں تو وہ ڈرم اسکی آنکھ کے مزید

قریب ہوا ساتھ ہی اسکی پشت پر، لگے پر ہلے

تھے۔۔ بھڑررر۔۔ آواز بڑھی تھی۔۔ اسنے

غور سے دیکھا تو وہ ایک کاکروچ تھا جو الٹا لٹکا ہوا

تھا۔ وہ پل بھر کو خوفزدہ ہوتا ڈر کر پیچھے کھسکا۔

انداز حقیقتاً مضحکہ خیز تھا کہ ہاتھ کی چٹکی سے

کاکروچ کی ٹانگ پکڑے کھڑی علیشہ کھکھلا کر

ہنسی تھی۔

"اووو۔۔۔اووو۔۔۔!"کاکروچ کو پنڈولم کی مانند

دائیں بائیں ہلاتی وہ کاکروچ اسکی طرف بڑھاتی وہ

پھر سے ہنسی۔ جبکہ عالم مزید پیچھے کھسکا۔

"علیشہ کی بچی۔۔۔!" وہ دانت پیس کر چلایا۔

"نونونو۔۔پہلے میں تمہارے بچے دیکھوں گی اور

انکو بتاؤں گی کہ انکے بابا کاکروچ سے ڈرتے

ہیں۔۔!" دوسرے ہاتھ میں پکڑا موبائل جس

میں اسنے مچھروں کا ساؤنڈ پلے کیا ہوا تھا، جینز کی

پاکٹ میں گھساتے ہوئے وہ آرام سے بولتی بیڈ

پر چڑھ گئی۔مہربان سرعت سے بیڈ سے نیچے کودا

تھا۔وہ کیڑے مکوڑوں سے ہمیشہ سے ڈرتا آیا تھا

اور اس کی اس کمزوری سے علیشہ بخوبی واقف

تھی۔

"اسے پیچھے کرلو ورنہ بہت پٹو گی مجھ سے۔۔!" وہ

شہادت کی انگلی اٹھاتا اسے وارن کرنے والے

انداز میں بول رہا تھا لیکن مقابل پر بھلا اثر کب

ہونا تھا؟

"اومیلا پالا بھائی۔۔ دیکھو تو سہی یہ کتنا کیوٹ

ہے۔۔۔!" اسکی طرف بڑھتی وہ بولتی رہی تو وہ

کمرے سے باہر کو بھاگا نتیجتاً علیشہ نے بھی پھرتی

دکھائی تھی۔وہ مسلسل ہنس رہی تھی۔

"علیشہ دور رہو میں کہہ رہا ہوں۔۔!" صوفوں

کے آگے پیچھے اچھلتا وہ دہائی دینے والے انداز

میں چیخ رہا تھا۔

"میں کب پاس آ رہی ہوں۔۔ یہ کیوٹ بے بی

کہہ رہا ہے اسے تم سے گلے ملنا ہے۔۔ بتاؤ

پھینکوں تم پر۔۔؟؟ پھینکوں۔۔؟؟" اسکے پیچھے

پیچھے لیونگ روم تہس نہس کرتی وہ ہنستے ہوئے

پوچھ رہی تھی۔ ایک تو وہ بے چارہ کچی نیند سے

جاگا تھا اس پر مستزاد علیشہ کا یہ ظلم۔۔۔

"میں تمہیں کنویں میں پھینک آؤں گا چڑیل

اسے پیچھے کرو۔۔!" ایک کشن اسے مارتے

ہوئے وہ چیخا تھا۔۔

"آج کل کنویں ناپید ہیں ڈارلنگ۔۔!" کشن سے

بچتی وہ آرام سے بولی۔

"علیشے پلیز ناں۔۔!" جب علیشہ نے اسے گھیر لیا

تو وہ عاجزانہ بولا۔

"تمہالی آنکھوں میں خوف دیکھنا ہے۔۔اب زرا

اپنی آنکھوں میں دیکھو ناں۔۔۔" وہ اسکی نقل

اتارتی اترا کو بولی تو وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔ تبھی

منصب بالوں میں ہاتھ چلاتا اپنے کمرے سے باہر

نکلا تھا۔مہربان گزشتہ رات کی لڑائی بھول بھال

کر اسکی جانب لپکا تھا۔۔

"مون اس کو بولو یہ گندا کیڑا پیچھے کرے ابھی

میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔۔!!" منصب کی

اوٹ میں ہوتا وہ جلدی سے بولا۔

"علیشے۔۔۔!" منصب نے اسے تنبیہی انداز میں

گھورا۔

"نہیں بھائی آج میں اسے بتا کر رہوں گی خوف

کسے کہتے ہیں یہ مجھے سہما ہوا دیکھنا چاہتا تھا اب

دیکھیں زرا خود کی شکل کیسی بھیگی بلی جیسی بنی

ہوئی ہے۔۔!" آنکھیں مٹکاتی وہ ایک بار پھر

کاکروچ اسکی طرف اچھالنے کی اداکاری کرتی

بولی۔

"مون کہوناں اسے۔۔!"مہربان نے منصب کو

جھنجھوڑا۔

"علیشہ اسے پھینکو اور فوراً ہاتھ دھو کر آؤ۔۔!"

منصب نے سنجیدگی سے اسے حکم دیا تو علیشہ نے

ہونٹ سکیڑے۔

"پکا پھینک دوں۔۔؟؟" وہ سادگی سے پوچھنے

لگی۔

"فوراً پھینکو۔۔!" منصب نے آنکھیں نکالتے

ہوئے کہا تو وہ مسکرائی۔

"اوکے۔۔!" آرام سے کہتے ہوئے اسنے منصب

کی اوٹ سے نکلتے عالم پر وہ نیم مردہ کاکروچ

اچھال دیا اگلے ہی پل مہربان کے بریک ڈانس پر

علیشہ سمیت منصب بھی قہقہ لگا کر ہنسا تھا۔ پھر

علیشہ تھی اور مہربان، جو پورے فلیٹ میں اسکے

پیچھے بھاگ رہا تھا۔ منصب کا ہنس ہنس کر برا حال

ہو چکا تھا جبکہ مہربان کی بے بسی اور غصہ عروج پر

تھا۔

□♦□♦□♦□♦

سرخ اینٹوں سے بنی گرلز ہاسٹل کی عمارت سے

نکلتے ہوئے اسنے یونہی اطراف میں نگاہ دوڑائی تو

اسے وہ سامنے ہی زرا فاصلے پر کھڑا نظر آیا تھا۔

علیشہ سے نظریں ملتے ہی شیث نے نظریں چرا

لیں۔اسکے پیچھے آتی سارہ، حمنہ اور ہادیہ اپنے

دھیان میں ہاتھ پر ہاتھ مارتی، ٹھٹھے لگاتی چلی

آرہی تھیں، علیشہ پر نظر پڑی تو اس کی نگاہوں

کے تعاقب میں دیکھا جہاں وہ سر جھکائے وہاں

سے واپس جارہا تھا۔

"کیا ہوا۔۔؟؟" حمنہ نے قریب آتے ہوئے اس

سے پوچھا جو سرخ چہرہ لیے شیث کی پشت کو گھور

رہی تھی۔

"اس ڈھیٹ انسان کو میں نے سو مرتبہ کہا ہے کہ

میری نظروں سے دور رہا کرو لیکن یہ اتنا بے

شرم ہے کہ ہر دو گھنٹے بعد اپنی بسوری شکل لے

کر میرے سامنے آجاتا ہے۔۔!" باآواز بلند اپنے

خیالات کا اظہار کرتی وہ مبالغہ آرائی کی حد کر گئی

تھی۔ وہ پچھلے دو دن منصب اور مہربان کے

ساتھ گزار کر آئی تھی اسی لیے آج شیث

یونیورسٹی جانے سے پہلے ہی ہاسٹل کے سامنے

آ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے تو کوئی اور ہی معاملہ لگتا ہے ورنہ عقل سے

پیدل شخص بھی اتنا بے وقوف ہرگز نہیں ہوتا

کہ روز، روز اپنی انسلٹ کرواۓ۔۔!" سارہ نے

اپنے شک کو زبان دیتے ہوئے لب کشائی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔؟؟" چھوٹے چھوٹے

قدم اٹھاتی علیشہ نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"مطلب صاف ہے میڈم۔۔۔یہ محترم تم میں

انٹرسٹڈ ہیں، مجھے پہلے دن سے ہی اس پر شک ہے

لیکن اب اچھے سے یقین ہو گیا ہے۔۔!" سارہ

نے مزید تفصیل بتائی تو علیشہ نے شدید برہمی

سے اسے گھورا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا۔۔؟اس کی اتنی اوقات

نہیں ہے کہ وہ میرے خواب دیکھے۔۔اس لیے

آئندہ یہ بات اپنی زبان پر مت لانا ورنہ سب

سے پہلے میں تمہارا سر پھاڑوں گی۔۔!"بنا لحاظ و

مروت رکھے وہ سارہ پر برس پڑی۔

"ہمیں چپ کروانے سے حقیقت نہیں بدلے کی

علیشہ۔۔۔وہ لڑکا تمہاری غیر حاضری میں دو دن

ہمارے ہاسٹل کے باہر ہی خوار ہوتا رہا ہے۔۔

سپیشلی ہمارے روم کی کھڑکی والی روڈ سائیڈ

پر۔۔۔یہ میں نے خود نوٹ کیا ہے۔۔!"ہادیہ جو

اسکی روم میٹ بھی تھی اسے حقیقت سے آگاہ

کرتی دبی آواز میں بولی تو علیشہ کی بھنویں تن

گئیں۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں اسکا وہ حشر کروں گی کہ

پوری یونیورسٹی تماشا دیکھے گی۔۔!" نخوت سے

بال جھٹکتی وہ سفاکی سے گویا ہوئی تو ان تینوں نے

ایک کورس میں سر ہلایا۔

"اور یہ فضہ کہاں ہے۔۔؟؟" وہ نہیں

آئی۔۔؟؟ اسنے سارہ سے پوچھا جو فضہ کی روم

میٹ تھی۔

"وہ آج پہلے ہی یونی پہنچ چکی ہے کیونکہ آج سے

ہمارا پہلا لیکچر سر شمس لیا کریں گے اور اور۔۔

بریکنگ نیوز یہ ہے کہ ہماری فضہ کو سر شمس بھا

گئے ہیں۔۔!" ڈرامائی انداز میں کہتے ہوئے سارہ

نے آخر میں کندھے اچکائے تو علیشہ کی آنکھوں

میں ناگواری سی اتر آئی۔

"یہ سر شمس دن بادن سر درد ہی بنتے جا رہے

ہیں۔۔اب دن کی شروعات میں ہی اس چخ چخ

کی فضول شکل دیکھنی پڑے گی۔۔!"یونیورسٹی کا

گیٹ پار کرتی وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی تو

اسکی بدمزاجی پر ان تینوں نے بے ساختہ ایک

دوسرے کو دیکھا۔

"خیر اب اتنی بھی فضول شکل نہیں ہے۔۔!"

ہادیہ جلد بازی میں بول گئی۔

"بلکہ اچھی خاصی ہی ہے۔۔۔!" حمنہ بھی بڑبڑائی

تو علیشہ نے ان دونوں کو گھورا پھر پیر پٹختی

سرعت سے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں جا گھسی۔ اسکا

رخ کلاس کی طرف تھا۔ علیشہ کا خراب موڈ یہ

بتانے کے لیے کافی تھا کہ آج پھر وہ شمس سے پنگا

لینے والی ہے۔

□♦□♦□♦□♦

"مے آئی کم اِن سر۔۔۔؟؟"کلاس روم کے

دروازے کے پاس رکتے ہوئے اسنے اطمینان

سے پوچھا۔اسکی آواز پر شیث نے گردن گھما کر

اسکی جانب دیکھا پھر نظریں جھکا کر لیکچر نوٹ

کرنے لگا۔

"مے آئی کم اِن۔۔؟؟" شمس کو بے نیازی سے

بورڈ پر مار کر گھسیٹتے دیکھ کر وہ اس بار قدرے بلند

آواز میں پوچھ رہی تھی۔ نتیجتاً شمس نے گردن

موڑ کر اسکی جانب دیکھا۔ نظریں ملنے پر وہ اپنے

سابقہ موڈ کے برعکس مسکرائی۔

"مے آئی۔؟؟" اسنے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

انداز بے تکلفانہ تھا۔

"نو مس علیشہ۔۔!" شمس نے آرام سے کہا۔

"بٹ وائے سر۔۔؟؟"پشت پر ہاتھ باندھ کر

بڑی معصومیت سے پوچھتی وہ دھیرے سے چلتی

کلاس میں آگئی۔اسکے پیچھے ہی کلاس سے باہر

کھڑی اسکی تینوں سہیلیوں نے اپنی ہنسی دبائی

تھی۔اسکی اس حرکت پر شمس کا موڈ پل میں

خراب ہوا تھا۔

"آئی سیڈ نو۔۔۔!"بورڈ مار کر ڈائس پر پٹختا وہ

اسکی طرف گھومتے ہوئے اس بار سرد لہجے میں

بولا تھا۔

"سر میں پوچھنے آئی ہوں ناں۔۔۔وہاں ٹھیک

سے آپکی آواز نہیں آرہی۔۔!"بھولپن سے کہتی

علیشہ نے کلاس کے دروازے کی طرف اشارہ

کیا۔اسکی بات پر دانیال سمیت باقی تمام طلباء کی

ہنسی نکل گئی جبکہ شمس ضبط کے کڑوے گھونٹ

بھرتا اسے گھور رہا تھا۔

"آؤٹ۔۔۔!" دانت کچکچاتا وہ دھیمی آواز میں

غرایا۔ اسکے حکم صادر کرنے پر علیشہ نے پلکیں

جھپکائیں پھر دانت نکالتی مسکرائی۔

"بٹ وائے۔۔؟؟" آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے علیشہ

نے پھر سے وہی سوال پوچھا۔ شمس کا دل کیا اس

لڑکی کا منہ توڑ دے جو اسکے سامنے آتے ہی ٹوتھ

پیسٹ کا اشتہار بن جاتی تھی۔

"یُو بیٹر نو مس علیشہ، لیکچر سٹارٹ ہوئے دس

منٹ ہو چکے ہیں۔۔یو آر لیٹ!!" نظروں کا رخ

بولتا وہ اس بار بڑے تحمل سے بولا تھا۔ اسکی

فراہم کردہ اطلاع پر چونکنے کی اداکاری کرتی وہ

سر اثبات میں ہلا گئی۔

"ٹھیک ہے کہ لیکچر سٹارٹ ہوئے دس منٹ

ہو چکے ہیں لیکن سر۔۔" شرافت سے کہتے ہوئے

اسنے ڈرامائی انداز میں وقفہ لیا۔

"یہ تو آپ کی غلطی ہے ناں کہ آپ نے لیکچر

سٹارٹ کر دیا۔۔ آپ کو میرا ویٹ کرنا چاہئیے

تھا۔۔!" ٹھوڑی پر ہاتھ رکھتی نا سمجھی سے کہتی وہ

مکمل توجہ سے اسکی جانب دیکھ رہی تھی۔ انداز

بھرپور شرارت لیے ہوئے تھا۔ بے اختیار فضہ کا

دبا دبا سا قہقہ نکلا جس میں باقیوں کی ہنسی بھی

شامل تھی۔

"میں سٹوڈنٹس کا ویٹ نہیں کرتا مس

علیشہ۔۔!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا تو

وہ بھنویں اچکاتی مسکائی۔

"اٹس سیم وِد می سر۔۔میں بھی ٹیچرز کا ویٹ

نہیں کرتی۔۔!" وہ مسلسل اسے تپا رہی تھی۔

"حالانکہ آئندہ آپ کریں گی۔۔!" وہ اسے

جتانے والے انداز میں بولا تو علیشہ نے نفی میں

سر ہلایا۔

"مجھے عادت نہیں ہے سر۔۔!" وہ واقعی ڈھیٹ

تھی۔

"آپکی عادتیں خراب ہیں، لیکن خراب عادتیں

چھڑوانی آتی ہیں مجھے۔۔۔!" وہ دوبدو بولا تھا۔وہ

بالشت بھر کی لڑکی اسے زچ کرنے پر تُلی ہوئی

تھی۔

"ہاہاہاہا۔۔۔یہ یونیورسٹی ہے سر۔۔یونیورسٹی

سٹوڈنٹس تو ایسے ہی ہوتے ہیں آپکو برداشت

کرنا پڑے گا۔۔۔!" اسکی آنکھوں میں دیکھتی وہ

اس بار گہرے لہجے میں بولی تو شمس کی نگاہ اسکی

ناک سے پھسلتی لبوں کے کنارے پر مسکاتے

تل پر آٹھہریں۔ اسکے گلاب چہرے پر چمکتا یہ

تل اسکے غرور کی علامت محسوس ہو رہا تھا۔

"جب آپکا وقت بدلے گا تو آپ کی عادات کیا

آپ خود بدل جائیں گی۔۔۔!" نگاہوں کو لگام

ڈالتا وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"علیشہ چوہان اپنا وقت یہاں۔۔ اپنے ہاتھ میں

لے کر گھومتی ہے سو یہ سوچ ذہن سے نکال دیں

سر۔۔۔!" اپنی کلائی پر بندھی گھڑی اسکی نگاہوں

کے سامنے کرتی وہ اطمینان سے بولی۔ شمس نے

اپنے لب سختی سے بھینچ لیے۔ جبکہ وہ واپس کلاس

کے دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

"مے آئی کم اِن سر۔۔؟؟" وہ تماشے کا اختتام

کرتی پھر سے پلے بیک کے آپشن پر جا کھڑی

ہوئی تھی۔ شمس نے گہرا سانس لیتے ہوئے ایک

نظر طلباء پر ڈالی جن کو سانپ سونگھ چکا تھا۔

"یس مس علیشہ یُو کین۔۔!" بے تاثر لہجے میں

کہتے ہوئے اسنے ڈائس سے بورڈ مار کر اٹھالیا۔ وہ

اپنی دوستوں سمیت کلاس میں آگئی۔ ابھی وہ

سیٹ پر بیٹھی ہی تھی جب وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے

میں بولا تھا۔

"مس علیشہ آپکی اسائمنٹ کہاں ہے۔۔؟؟

پرسوں لاسٹ ڈیٹ تھی ناں۔۔؟؟" وہ بڑی

سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔اسکے سوال پر علیشہ کے

لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"حساب برابر کیے بغیر تو محترم کو سانس آتا ہی

نہیں ناں۔۔!!" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی وہ اپنی

سیٹ سے کھڑی ہوئی۔

"سر میں آپکے پاس آئی تو تھی۔۔ آپ نے

پوائنٹ کلئیر نہیں کیا تو وہ ابھی کملپیٹ نہیں

ہوئی۔۔!" زبردستی مسکراتی وہ دھیمی آواز میں

بولی۔

"آپ میرے پاس فرائیڈے کو آئی تھیں۔۔۔

سیٹرڈے اور سنڈے۔۔؟؟ دونوں میں آپ

دوبارہ بھی آسکتی تھیں۔۔؟؟" وہ اپنے مقام کو

خوب استعمال کر رہا تھا۔

علیشہ نے ناک سکیڑی۔

"میں یہاں نہیں تھی۔۔!" وہ بامشکل بولی۔

"یہ میرا ہیڈک بالکل نہیں ہے۔۔ خیر ہاسٹل سے

باہر راتیں گزارنے کی بجائے اگر آپ اسائمنٹ

کمپلیٹ کر لیتی تو یقیناً ابھی میں آپکے نیم کے

سامنے poor نہ لکھ رہا ہوتا۔۔!" بڑی سادگی

سے کہتا وہ مارکس شیٹ پر اسکے نام کے سامنے

زیرو لگا چکا تھا۔ جبکہ اسکے عام سے لہجے میں دیے

گئے اس طعنے پر علیشہ کی پیشانی تپ اٹھی۔

"واٹ ڈو یو مین بائے راتیں۔۔؟؟" بنچ سے باہر

نکلتی وہ سلگ کر بولی تو شمس نے اسکے غصے پر

حیرت کا اظہار کرتے ہوئے نظریں اٹھائیں۔

"یس راتیں۔۔؟؟ کیا آپ نے ہاسٹل سے باہر

کبھی رات نہیں گزاری مس علیشہ۔۔؟" وہ

معصوم بن رہا تھا۔علیشہ مارے خفت کے سرخ

ہوئی جارہی تھی۔

"سر آپ بقیہ لیکچر دے دیں پلیز۔۔!" ان کی

بحث سے تنگ آتی فضہ نے جڑے لب کھولے۔

"آپ کو کیا پتہ کہ باہر میں نے رات کہاں

گزاری ہے۔۔ آپ ٹیچر ہیں تو ایز، اے ٹیچر پیش

آئیں میرے پرسنلز میں دخل دینے کی ضرورت

نہیں ہے آپکو۔۔!" وہ غصے سے لال پیلی ہوتی

بدتمیزی سے بولی تو شمس کی پیشانی پر سلوٹیں

نمودار ہو گئیں۔

"آپ میرے لفظوں کو اپنی سوچ کے مطابق

رنگ دے رہی ہیں میں نے آپکی ہاسٹل اور

یونیورسٹی سے غیر حاضری کو پوائنٹ آؤٹ کیا

ہے، یہ بالکل نہیں کہا کہ آپ نے کہاں رات

گزاری ہے، اور نہ ہی یہ میرا پرابلم ہے مس

علیشہ۔۔۔ آپ جہاں مرضی، جس کے ساتھ

مرضی رات گزار سکتی ہیں کیونکہ آپ۔۔۔۔

یونیورسٹی سٹوڈنٹ ہیں۔۔!" ٹھہر ٹھہر کر تحمل

سے بولتا وہ اسے اسی کی بات لوٹا کر ہر طرف سے

گھیر چکا تھا۔ لمحوں میں علیشہ پر اہانت اور بے بسی

کا شدید احساس حاوی ہوا تھا۔

"میری ہاسٹل سے غیر حاضری آپکو کیوں چبھ

رہی ہے۔۔؟؟ آپ اپنی حدود تک ہی محصور

رہیں تو بہتر ہے ورنہ میں آئندہ اس طرح کے

الفاظ کے لیے ہیڈ سے آپ کی شکایت کر دوں

گی۔۔!" اسکے سامنے آکر رکتی وہ دھمکی دینے

والے انداز میں بولی تو وہ برا منانے کی بجائے

دھیرے سے مسکرایا۔ اسکے سخت چہرے پر

دھیما تبسم یونہی تھا جیسے خزاں کے موسم میں

پھولوں کا کھِل اٹھنا۔علیشہ کے دل کو کچھ ہوا

تھا۔وہ چہرہ عام نہیں تھا، اس میں کچھ خاص تھا

لیکن فی الوقت وہ سمجھنے کی حالت میں نہیں تھی۔

"آپ چاہیں تو ابھی جا کر یہ شوق پورا کر سکتی

ہیں۔۔ لیکن یہ یونیورسٹی ہے مس علیشہ۔۔ ہیڈ

آپکی شکایت پر غور نہیں کرے گا کیونکہ یہاں

کے ٹیچرز ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔ آپ کو

برداشت کرنا پڑے گا۔۔!" بورڈ مار کر گھماتا

پر سکون آواز میں بولتا وہ وائٹ بورڈ کی طرف

پلٹ گیا۔ اسنے واضح طور پر علیشہ کو نظر انداز

کر دیا تھا۔ اسے اسکے ہی لفظوں کی مار مارتا وہ

ایک بار پھر اسے شکست دے گیا تھا۔ علیشہ کی

آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں۔ زبان

مزید ساتھ دینے سے انکاری ہو گئی تو ایک بپھری

ہوئی نگاہ کلاس پر ڈالتی وہ شمس کے پاس سے

گزری۔

"میں جا رہی ہوں۔۔!" آواز میں غصہ تھا۔

"اگر زبردستی آئیں گی تو ہر باریونہی جائیں

گی۔۔۔!" وہ کہنے سے باز نہیں آیا تھا۔ انداز،

صاف وارن کرنے والا تھا کہ کل سے وقت پر

آنا۔ وہ بری طرح کلستی کلاس روم سے باہر نکل

گئی۔ پوری کلاس نے سکون کا سانس لیا تھا لیکن

شمس کی جانب ناپسندیدگی سے دیکھتے شیث کی

سانسیں مدھم ہو رہی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے اسے معاف

کر دیا ہے تو آپ کیوں ضد کر رہے ہیں بھائی

سرکار۔۔؟؟"

"یہ ضد نہیں ہے، یہی انصاف کا تقاضا ہے۔۔

آج اسنے تمہاری بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے کل

کو وہ کسی اور کی بیٹی کے ساتھ یہ سب کرے گا۔۔

اگر ابھی اسکو نہ روکا تو۔۔۔!" ڈرائینگ روم میں

بے چینی سے ٹہلتے وہ تھکے ہوئے انداز میں بول

رہے تھے۔وہیں ایک طرف صوفے پر بیٹھی وہ

اپنے بیٹے کے کارناموں پر آنسو بہا رہی

تھیں۔ نور بیگم مہرماہ کے پاس اس کے کمرے

میں تھیں۔

"شاید آپ کی بات درست ہے لیکن اسکا حل

منصب کو جیل میں بند کروانا بالکل نہیں ہے۔۔

اگر معاملہ پولیس تک گیا تو میڈیا اس خبر کو

اچھالے گا۔۔اور آپکو پتہ ہے کہ بابا سرکار اس

ذلت کو برداشت نہیں کریں گے۔۔!"مہرماہ کے

ابی جی بڑے تحمل سے بات کر رہے تھے۔ان کی

بات کی گہرائی کو سمجھتے وہ رنجیدہ سے ہو کر

صوفے پر بیٹھ گئے۔

"اللہ جانتا ہے کہ منصب کی اس حرکت کے

باعث میں تمہارے سامنے کس قدر شرمندہ

ہوں۔۔تم نے اسے معاف کر کے اعلیٰ ظرفی کا

مظاہرہ کیا ہے لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔۔!"

فرش پر نظریں جمائے وہ ملول سے کہہ رہے

تھے۔

"ابھی بچہ ہے بھائی سرکار۔۔ سمجھداری آئے گی

تو سدھر جائے گا۔۔!" مہرماہ کی تکلیف پر صبر

کیسے وہ اس پل منصب کی محبت میں بول رہے

تھے۔

"وہ ایسے نہیں سدھرے گا۔۔میں نے سوچ لیا

ہے کہ مجھے اب کیا کرنا ہے۔۔!" سنجیدگی سے

کہہ کر انہوں نے لب بھینچ لیے۔۔

"کک۔۔۔کیا۔۔؟؟کیا کریں گے آپ۔۔؟؟"

وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولیں۔

"میں اسے عاق کر دوں گا۔۔!"وہ سخت لہجے میں

بولے تو اپنا شک درست ثابت ہونے پر وہاں

بیٹھی منصب کی اماں نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔

"میرے بچے کو سزا دینے سے پہلے آپ بابا سرکار

کو سزا دیں شاہ صاحب۔۔اس کی ماں سے سوال

کریں کیونکہ اسکی اس ذہنیت کے ذمہ دار صرف

وہ دونوں ہیں۔۔ بچپن سے کھلی چھوٹ دے کر

رکھی آپ نے اور اب جب وہ سننے سمجھنے کی

حدود پیچھے چھوڑ آیا ہے تو آپ کو وہ قصوروار نظر

آرہا ہے۔۔؟؟؟" اپنی برداشت کھوتی وہ دھیمی

لیکن تلخ آواز میں بولیں۔وہ پچھلے تین چار دنوں

سے انکی زبان سے منصب کے لیے تلخیاں سن

رہی تھیں لیکن آج جیسے حد ہو گئ تھی۔انکے

احتجاج پر دانت بھینچتے ہوئے انہوں نے سر

اٹھایا۔

"اپنی زبان کو سنبھال کر بات کریں جیہ۔۔!" وہ

سخت لہجے میں بولے تو نفی میں سر ہلاتے ہوئے

وہ روتے روتے مسکرائیں۔

"میری زبان جانے کتنے برسوں سے خاموش ہے

شاہ صاحب۔۔ لیکن اب۔۔ معاملہ میرے بیٹے

کا جس میں اسکا نہیں اس کی تربیت کا قصور ہے، تو

سزا بھی انھی کو دیں جنھوں نے اسکی تربیت کی

ہے۔۔۔ جنھوں نے ہمیشہ اسکے غلط میں اسکا

ساتھ دیا ہے۔۔اب۔۔۔ آپ سوچ سمجھ کر

فیصلہ کرلیں کہ آپ اسے معاف کریں گے یا

عاق۔۔۔؟؟ کیونکہ اگر آپ نے اسے عاق کیا تو

میں یقینی طور پر اپنے بیٹے کو ہی چنوں گی۔۔!"

ایک ایک لفظ کو مکمل اعتماد سے ادا کرتی وہ اٹھ

کھڑی ہوئی تھیں۔ دھمکی ایسی ہی تھی کہ انکے

مجازی خدا کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ خود کو منصب

سے منسوب کر کے انہوں نے اس شخص کے

دل پر پاؤں رکھ ڈالا تھا جس نے ساری زندگی

انکے دل کی پرواہ نہیں کی تھی۔مہرماہ کے ابی جی

اس صورتحال پر خاموش کھڑے تھے۔

"جیہ آ۔۔۔پ۔۔۔!"وہ لبوں پر زبان پھیرتے

اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مہراب بالکل ٹھیک ہے الحمد اللہ۔۔ میں اس

سے ملنے آتی رہوں گی سائیں۔۔ لیکن ابھی کے

لیے مجھے اجازت دیں۔۔۔!" اپنے شوہر کو نظر

انداز کرتی وہ مہرماہ کے ابی جی سے مخاطب

ہوئیں۔

"مجھے خوشی ہو گی۔۔!" وہ دھیرے سے بولے

تھے۔

"بہت شکریہ۔۔ چلتی ہوں۔۔!" اپنے آنسو

صاف کرتی وہ مسکرا کر بولیں۔ پلٹتے ہوئے

انہوں نے ایک زخمی نگاہ اس شخص پر ڈالی تھی

جسے مقدر نے ان کا شوہر بنا دیا تھا اور پھر جانے

کب۔۔؟؟ دل کی دھڑکن۔۔۔ہاں وہ اپنے

مقابل کھڑے اس شخص سے محبت کرتی تھیں

جس کی آنکھوں میں آج وہ پہلی مرتبہ اپنی وجہ

سے خوف دیکھ رہی تھیں۔

"کہاں جائیں گی آپ۔۔؟؟" وہ دہلیز تک پہنچی

ہی تھیں جب اُن کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی

دی تھی۔

"اسی کے پاس جسے آپ عاق کرنا چاہتے

ہیں۔۔!" وہ بنا پلٹے سنجیدگی سے بولیں۔

"آپ کے چلے جانے سے میرا فیصلہ نہیں بدلے

گا جیہ۔۔!" وہ کمزور سی آواز میں بولے تو وہ

مسکرائیں۔

"مجھے پتہ ہے۔۔ لیکن اگر بدلنا چاہیں تو بدل لیجیے

گا۔۔ میں اپنے بیٹے کے ساتھ واپس آجاؤں

گی۔۔!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔ پھر

وہاں سے نکلتی چلی گئیں۔

"میں بھابھی سرکار سے اتفاق کرتا ہوں۔۔

صرف منصب ہی قصوروار نہیں ہے۔۔ آپ کو

اسے ایک موقع دینا چاہیئے۔۔!" مہرماہ کے ابی جی

نے جھجھکتے ہوئے کہا تو وہ سنی ان سنی کر

گئے۔ آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں

تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

یہ روشنیوں کے شہر میں ایک پر ہجوم نائٹ کلب

کا منظر تھا۔ماحول میں کبھی تیز تو کبھی دھیمی

ہوتی ست رنگی روشنیوں نے شرارے سے بھر

رکھے تھے۔رات کے دوسرے پہر شہر کے اس

مشہور کلب میں شوروغل عروج پر تھا۔ہاتھوں

میں ہاتھ ڈالے، نشے میں دھت نوجوان لڑکے

اور لڑکیاں دوستی کے نام پر ایک دوسرے کے

بے حد قریب، دین اسلام کی حدود کو پھلانگے

شیطان کا ہاتھ تھامے اپنے نفس کو سکون بخش

رہے تھے۔ وہیں وہ حسب معمول اُن سب سے

الگ تھلگ ٹیبل بار کے قریب ہی کھڑا گھونٹ

گھونٹ شراب بھر رہا تھا۔ صارم اور عبداللہ اپنی

گرل فرینڈز کے ساتھ نہایت بے باک

سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ جبکہ عمیر آج

کسی کیس کے سلسلے میں شام کے بعد سے ہی

مصروف تھا سو وہ ابھی تک وہاں نہیں آیا تھا۔

منصب کی سرمئی آنکھوں میں اس پل کوئی تاثر

نہیں تھا لیکن چہرے پر عجیب سی بے زاریت اپنا

سایہ ڈالے منڈلا رہی تھی۔ وہ خالی دل اور خالی

ذہن لیے اس ماحول سے قطعی بے گانہ نظر آرہا

تھا۔

"ہے ای لسن۔۔؟؟" عقب سے ابھرتی نسوانی

آواز پر وہ پل بھر کو چونکا لیکن پلٹنے کی بجائے بے

نیازی سے کھڑا شراب پیتا رہا۔ جبکہ اُس کی اس

شانِ بے نیازی پر اس لڑکی نے تقریباً آنکھیں

پھاڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"او ہیلو۔۔ ایم ٹاکنگ ٹو یُو۔۔۔!" اسکے کندھے

پر ہاتھ مارتی وہ پھر سے بولی۔ وہ پھر بھی نہ پلٹا تو

اسے منصب کے سامنے آنا پڑا۔

"بہرے ہو۔۔؟؟" بھنویں اچکاتی وہ شریر انداز

میں بولی۔ڈارک ریڈ لپ سٹک لگائے وہ ہونٹوں

کو سکیڑے اسکے بے حد قریب ٹیبل بار سے ٹیک

لگائے کھڑی تھی۔منصب نے ایک بے زار نظر

اسکے نیم عریاں سراپے پر ڈالی۔ریڈ ٹاپ اور

بلیک جینز میں وہ دوپٹے جیسی چیز سے بے نیاز

تھی۔بے اختیار اسے، بار بار دوپٹہ کندھوں پر

لپیٹتی وہ روتی ہوئی لڑکی یاد آئی تھی۔

اسے خاموشی سے اپنی جانب تکتا پا کر وہ ٹیک

چھوڑتی سیدھی ہوئی۔یوں کہ منصب کی سرد

سانسیں اس کے چہرے سے الجھنے لگیں۔

"لگتا ہے گونگے بھی ہو۔۔!" ایک آنکھ دبا کر

کہتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی۔بڑی آہستگی سے

اسنے منصب کے مضبوط بازو پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"ایم ناٹ انٹرسٹڈ۔۔!" اپنے شانے کی طرف

بڑھتا اسکا نازک ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ رکھائی سے

بولا۔ جیسے پہلے ہی اسے انکار کر دیا تھا۔ نظروں کا

رخ بدلتے ہوئے وہ اس سے دور ہو گیا۔ وہ

حیرت کا اظہار کرتی مسکائی۔

"وجہ پوچھ سکتی ہوں۔۔؟؟" ایک ادا سے اسکے

ہاتھ سے شراب کا گلاس لیتی وہ دھیمی آواز میں

بولی۔ اپنا گلاس اسے لبوں سے لگاتے دیکھ منصب

کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"میں تمہیں وجہ بتانے کا پابند نہیں ہوں۔ میرا

گلاس واپس کرو اور نکلو یہاں سے۔۔!" اسکی بے

لگام آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑتا وہ

درشتگی سے بولا۔

"اگر بتادوگے تو کیا چلا جائے گا تمہارا بولو۔۔؟؟

تم مجھے اچھے لگے ہو تبھی تمہارے پاس آئی ہوں

ورنہ یہاں۔۔یہ بھیڑ دیکھ رہے ہو۔۔؟؟" آس

پاس لڑکوں کی طرف اشارہ کرتی وہ ایک ادا سے

بولی۔

"یہ سب میرا ہاتھ تھامنے کے لیے تڑپ رہے

ہیں۔ لیکن بیلا کو تم بھائے ہو اینگری مین۔۔ اب

بولو۔۔ڈانس کرو گے۔۔؟؟" شراب کا گلاس

ٹیبل پر رکھتے ہوئے بیلا نامی اس لڑکی نے اس کی

طرف ہاتھ بڑھایا۔ منصب جو سختی سے لب بھینچے

اسکی بکواس سن رہا تھا اسکے ہاتھ بڑھانے پر ایک

کاٹ دار نظر اس پر ڈالتا پلٹ گیا۔ اسکی طرف

بڑھے اپنے ہاتھ کی مٹھی بھینچتی وہ سرعت سے

اسکی جانب لپکی تھی۔

"اتنی بھی کیا بے رخی۔۔جواب تو دے جاؤ کہ

ریجیکٹ کیوں کیا ہے۔۔؟؟" دھیمی روشنیوں

میں اسکے قریب ہوتی وہ اس بار سنجیدگی سے پوچھ

رہی تھی۔ تیز سے تیز تر ہوتا میوزک اور قہقہوں

کا شور منصب کی سماعتوں میں چبھ رہا تھا۔ اپنی

پشت پر رینگتا اسکا ہاتھ پکڑ کر منصب نے غصے

میں مروڑ کر اسکی پشت سے لگا دیا۔ وہ درد سے

کراہنے کی بجائے ہنسی۔

"کیا میں پیاری نہیں ہوں۔۔؟؟" منصب کی

آنکھوں میں دیکھتی وہ ڈھٹائی سے بولی۔ منصب

کی نگاہ بیلا کی بے باک نگاہوں سے ملی تو منظر بدل

سا گیا۔ آنسوؤں سے لبریز دو سیاہ آنکھیں دنیا

جہان کی معصومیت لیے اسکے سامنے دست

سوال تھیں۔وہ پل بھر کو گم صم سا ہو گیا۔

سانسوں کی رفتار بدل سی گئی تھی۔

"یا تمہیں ریڈ لپ سٹک پسند نہیں ہے۔۔؟؟"

اسکے رخسار پر اپنے ہاتھ کی پشت پھیرتی وہ بے

باکی سے بولی تو منصب کی آنکھیں دھندلانے

لگیں۔ غصہ، بے بسی۔۔ شکست۔۔ جانے کون

کون سا احساسات تھے جو اس پر حاوی ہونے لگے

تھے۔

"میرے پاس مت آنا۔۔!" سسکتے لب

پھڑ پھڑائے تھے۔ میوزک کے شور کے باوجود

مہرماہ اسکے کانوں میں چیخی تھی۔منصب کی

آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

"بولوناں۔۔کوئی کمی ہے کیا مجھ میں۔۔؟؟" بیلا

اس پل شیطان بنی اسے اپنی جانب کھینچ رہی

تھی۔اسکی کلائی آزاد کرتے ہوئے منصب نے

اسکی کمر کے گرد بازو حمائل کرلیا۔پلکیں جھپکا

جھپکا کر اپنے اندر کی آگ ٹھنڈی کرنے کی

کوشش کرتا وہ اسکی طرف جھکا۔

"چٹاخ۔۔۔!" تھپڑ کی شدید جلن پر اسنے ایک

جھٹکے سے اپنا چہرہ پیچھے کیا تھا۔ بیلا کی جگہ وہ بھیگی

آنکھوں میں غضب لیے اسے گھور رہی تھی۔

"قانون کی پیشانی پر آپ جیسے آفیسر زداغ ہیں۔

خدا غارت کرے آپ جیسوں کو۔۔۔!" نفرت

بھرے انداز میں کہتی وہ رو رہی تھی۔ اس پل

اس کی وہاں موجودگی پر منصب نے بے یقینی سے

اپنے آس پاس دیکھا لیکن وہاں دوپہر کی روشنی

کی بجائے رات کی ٹھنڈک تھی۔

"واٹ ہیپنڈ۔۔؟؟" اسکے سامنے چٹکی بجاتی بیلا

حیرت زدہ سی پوچھ رہی تھی۔ اپنے سامنے بیلا کو

دیکھ کر وہ پاگل ہونے کے قریب ہو گیا۔ تو کیا

آج نشہ اس کے سر چڑھ گیا تھا۔۔؟؟ ایک جھٹکے

سے اسے خود سے دور کرتا وہ پیچھے ہٹا۔ بیلا اسکے

پاس آکر دور ہو جانے پر بے چین سی ہو گئی۔

"آر یو اوکے۔۔؟؟" وہ ڈھیٹ بنتی پھر سے اسکے

قریب آئی۔

"ہٹے اوے۔۔۔!" اسے پیچھے دھکا دیتا وہ چیخا

تھا۔ کچھ لوگ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے

لیکن وہ پرواہ کیے بنا وہاں سے نکل آیا۔ باہر آتے

ہی اسنے اپنی گاڑی کی تلاش میں نظر دوڑائی

تھی۔ اسے دور سے ہی اپنی گاڑی کے بونٹ پر

صارم اور عبداللہ بیٹھے نظر آ گئے تھے۔ وہ بالوں

میں ہاتھ چلاتا گہرا سانس خارج کرتا ان کی

طرف آ گیا۔

"کسی نشے میں وہ لذت نہیں، وہ لڑکی تو آفت

تھی آفت۔۔!" صارم کے کندھے پر سر رکھے

عبداللہ باآواز تبصرہ کر رہا تھا۔

"تو اور کیا۔۔ اس جیسی کلی ہمارے پورے سرکل

میں نہیں ہے، اچھی خاصی ہاتھ آئی لڑکی منصب

کی وجہ سے نکل گئی۔۔!" صارم کی لڑکھڑاتی آواز

میں حسرت سی تھی۔ منصب کا دماغ خراب

ہونے لگا۔

"سالے نے خود بھی نہ چکھا اور ہم سے بھی نوالہ

چھین لیا۔۔!" منصب کی موجودگی سے انجان

عبداللہ دل کی بھڑاس نکالتا بولا۔

"ہائے اس کے بال۔۔۔" اپنا ہاتھ فضا میں بلند

کرتا صارم آہ بھرنے والے انداز میں بولا تھا۔

"نازکی۔۔ان کے۔۔لب۔۔کی کیا کہیے۔۔

پنکھڑی اک۔۔گلاب۔۔کی سی ہے۔۔!"قہقہ

لگاتے ہوئے عبداللہ نے مہرماہ کے لیے شعر پڑھا

تو خود پر ضبط کرتے منصب کی رگیں پھولنے

لگیں۔

"ہائے وہ یہاں۔۔ میری بانہوں میں ہو اور

میں۔۔۔۔!"عبداللہ مزید گوہر فشانی کر رہا تھا

جب ایک ہی جست میں ان تک پہنچتے ہوئے

منصب نے پوری قوت سے عبداللہ کی کمر میں مکا

مارا تھا۔وہ منہ کے بل زمین پر گرا تھا۔صارم نے

گھبرا کر منصب کی جانب دیکھا جو عبداللہ کو

گریبان سے پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کر چکا تھا۔

"کیا بکواس کر رہا تھا۔؟؟ بول۔۔؟؟" اسکے منہ

پر مکا مارتا وہ چلایا۔

"یار منصب۔۔وہ۔۔وہی لڑکی مہر۔۔"نام پورا

ہونے سے پہلے ہی منصب نے اسکے منہ پر ایک

اور مکا مارا تھا۔عبداللہ کی ناک سے خون بہنے لگا۔

صارم نے سرعت سے آگے بڑھ کر منصب کو

تھامنے کی کوشش کی تھی۔

نتیجتاً وہ پلٹا اور الٹے ہاتھ کا ایک تھپڑ اسے بھی

دے مارا۔

"تُو نے سوچا بھی کیسے۔۔؟؟؟" زمین پر گر چکے

عبداللہ پر جھکتے ہوئے وہ چیخا۔ عبداللہ کی گھگھی

بندھ چکی تھی۔

"وہ۔۔وہ۔۔مہر۔۔۔مہ۔۔مہر۔۔!" وہ پورا نام

لے ہی نہیں پا رہا تھا۔ دو منٹ میں منصب اسکا

حشر بگاڑ چکا تھا۔ جبکہ ایک تھپڑ کھانے کے بعد

صارم نے اپنی جگہ سے ہلنے کی غلطی نہیں کی

تھی۔

"اگر آئندہ اسکا نام لیا تو جان لے لوں گا

تیری۔۔۔!"عبداللہ پر چنگھاڑتا وہ اس کو ادھ

موا کر کے جب پیچھے ہٹا تو اسکا سانس پھول چکا

تھا۔اپنے بال پیچھے کرتا وہ صارم کی طرف پلٹا اور

خون رنگ آنکھوں سے اسے گھورا۔

"وہ۔۔۔۔۔۔میری ہے۔۔۔!"شہادت کی انگلی

اپنے سینے پر رکھتا وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا

دہاڑا۔ آنکھوں سے شعلے سے پھوٹ رہے تھے۔

صارم دنگ سا کھڑا اسکا بپھرا ہوا روپ دیکھ رہا

تھا۔ حیرت کا سبب، اسکا یہ روپ نہیں تھا۔

حیرت کا سبب اسکی اس حالت کی وجہ تھی۔۔اور

وہ وجہ۔۔

مہرماہ تھی۔

ایک لڑکی۔۔۔؟؟

صنف نازک۔۔؟؟

"وہ میری تھی۔۔ میرے ہے۔۔ اور آئندہ بھی

میرا ہی انتقام رہے گی۔ تم تینوں کا اس سے کوئی

لینا دینا نہیں ہے اس لیے آئندہ اسکا نام اپنی

زبان پر لانے سے پہلے یہ وقت۔۔ یہ رات۔۔

اور میری یہ وارننگ یاد رکھنا۔۔!" آخر میں

زمین پر نیم بے ہوش پڑے عبداللہ کی طرف

اشارہ کرتا وہ صارم پر یہ واضح کر رہا تھا کہ عبداللہ

کی یہ حالت اسکی جانب سے پہلی اور آخری

وارننگ ہے۔

"یُو گیٹ دیٹ۔۔؟؟" صارم کی آنکھوں میں

دیکھتا وہ سرد لہجے میں بولا تو لب بھینچے کھڑے

صارم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بدلے میں وہ

اپنی جلتی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا اپنی گاڑی کی

طرف بڑھ گیا۔ ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر وہ

لمحوں میں اپنی گاڑی وہاں سے بھگا لے

گیا۔ صارم کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ وہ پریشانی کے

عالم میں عبداللہ کی جانب بڑھا جس کی ناک کی

ہڈی ٹوٹ جانے میں کوئی شک باقی نہیں رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

سست قدموں سے چلتی وہ تذبذب کا شکار نظر

آرہی تھی۔ فرسٹ فلور کو جاتی سیڑھیوں پر

ایک نظر ڈالتی وہ وہیں لاؤنج کے اختتام پر

راہداری کی طرف بڑھ گئی۔ فدا اور اپنے مشترکہ

بیڈروم کے دروازے پر رکتے ہوئے اسنے جیسے

ہمت مجتمع کی تھی۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ

رکھ کر اسنے زرا سا دروازہ کھولا ہی تھا کہ اندر سے

دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر ولید شاہ باہر نکلا

تھا۔ حدیبہ نے کچھ حیرت سے اسکی جانب دیکھا

جس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ وہ ایک

نظر حدیبہ پر ڈال کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

حدیبہ اسکے لیے متفکر ہوتی اندر چلی آئی جہاں

بیڈ پر فدا کا سفری بیگ کھلا پڑا تھا جو اسنے کل

رات ہی حدیبہ کو زبردستی جگا کر اسکا سر کھاتے

ہوئے اپنے ضروری ملبوسات سے بھر لیا تھا۔ فدا

کی نظر اس پر پڑی تو وہ چہرے کا رخ موڑتا اپنے

بالوں میں ہاتھ چلانے لگا۔ وہ سیدھا اس کے

مقابل آئی جس کا چہرہ غصے کی شدت سے لال

ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔۔؟؟ ولید ایسے کیوں گیا ہے یہاں

سے۔۔؟؟" اسکی جانب دیکھتی وہ دھیمی آواز

میں بولی۔

"مجھے نہیں پتہ جا کر اپنے بھائی سے پوچھ

لیں۔۔!" رکھائی سے جواب دیتا وہ اپنے بیگ

میں سامان الٹ پلٹ کرنے لگا۔اس کے اس بے

گانہ انداز پر حدیبہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"میں نے آپ سے پوچھا ہے تو آپ بتا دیں۔۔!"

بیڈ پر بیٹھتی وہ دوبارہ بولی۔

"میں نے بتانا ہوتا تو یہ کیوں کہتا کہ اُس سے جا کر

پوچھ لیں۔۔؟؟" وہ برہم ہوتا خفا خفا سا گویا ہوا۔

"تو یہ کہیں ناں آپ بتانا نہیں چاہتے۔۔!" وہ بھی

خفا ہوئی تھی۔

"تو پھر جائیں ناں اس کے پاس۔۔بٹ پلیز میرا

دماغ مزید خراب مت کریں۔۔!" اپنے آپ

سے الجھتا وہ اس پل برداشت کی آخری حدوں پر

تھا۔اسکے بدتمیزی سے کہنے پر اس بار حقیقتاً

حدیبہ کو غصہ آیا تھا۔کھڑی ہوتی وہ اسکے شانے

پر ہتھیلی رکھ کر اسے پیچھے دھکیلتی اسکے مقابل

آگئی۔

"یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہیں آپ مجھ

سے۔۔۔؟؟"ناپسندیدگی سے اسکی آنکھوں میں

دیکھتی وہ تڑخ کر بولی۔غلافی آنکھوں سے خفگی

چھلک رہی تھی۔اسکے اس اچانک رویے پر فدا کو

اپنے غلط لب و لہجے کا احساس ہوا تھا۔

"حیبہ آپ۔۔۔!" وہ بولتے بولتے لب بھینچ گیا۔

"کیا میں ہاں۔۔؟؟ شوہر بن گئے ہیں تو اب یوں

میرے چھوٹے چھوٹے سوالات پر الجھیں گے

آپ۔۔؟؟" اسکے سینے پر ہتھیلیوں سے دباؤ ڈال

کر اسے پیچھے دھکیلتی وہ دھیمی آواز میں چلائی۔ وہ

مزید پیچھے ہوا۔

"میں بیوی ہوں آپ کی اس لیے رعب جھاڑیں

گے۔۔؟؟" اسے مارنے والے انداز میں دھکا

دیتی وہ اسکے پیچھے کی جانب ہٹتے ہر قدم کے

ساتھ اپنے قدم اس کی جانب بڑھا رہی تھی۔ فدا

لب بھینچے خاموش نگاہوں سے اسی کو تک رہا تھا۔

"بولیے فدا سائیں۔۔ آ گئے ناں آپ اپنی

اوقات پر۔۔؟؟ یا یوں کہنا ٹھیک ہو گا کہ مجھے

میری اوقات میں۔۔!" غصے میں اس پر شدید

برہم ہوتی وہ بولتی چلی جارہی تھی جب اس بار

فدا نے اپنے سینے کی طرف بڑھتی اسکی کلائیاں

تھام کر اسے ایک جھٹکے سے اپنے قریب کیا۔

"بس۔۔بس کر دیں حیبہ۔۔ایم سوری فار دیٹ

میں غصے میں تھا۔۔!" اسکی حیرت سے پھیلی

آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسنے نرمی سے

کہا۔"تو غصہ آپ مجھ پر نکالا کریں گے۔۔؟؟"

وہ آنکھوں میں شکوہ لیے سنجیدگی سے پوچھ رہی

تھی۔ عجیب تھی وہ لڑکی بھی۔۔؟ نہ اسے فدا کی

محبت گوارا تھی اور نہ ہی اسکا بے گانہ انداز۔

اسکے خفا خفا سے انداز پر وہ گہرا سانس لیتا مسکرا

دیا۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔میں تو آپ پر اپنی محبت

نچھاور کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ کو اس پر بھی

اعتراض ہے۔۔!" مسکراتی نگاہوں سے اسکا گلابی

چہرہ دیکھتا وہ قدرے نرم لہجے میں بولا تو اسے یک

دم موڈ بدلتے دیکھ وہ مزید سیخ پا ہوئی۔

"ہاں جیسے میرے اعتراضات کی تو بہت پرواہ

ہے ناں آپ کو۔۔!" اپنے ہاتھ اسکی گرفت سے

چھڑواتی وہ بے زار سی ہو کر بولی۔ انداز گریز لیے

ہوئے تھا۔

"پرواہ ہے تبھی آپ کے ہاتھ چھوڑے ہیں ورنہ

دل تو بہت کچھ کہتا ہے۔۔!" اسکے ہاتھ چھڑوا

لینے پر چوٹ کرتا وہ اسے جتا گیا تھا کہ اسنے اپنی

مرضی سے حدیبہ کو آزادی بخشی ہے۔

"آپ کے دل کی باتیں مجھے سمجھ نہیں آتی سو

مجھے مت بتائیں۔۔!" اسکی جانب سے اپنا رخ

موڑتی وہ سنگدلی سے گویا ہوئی۔

"یہی تو مسئلہ ہے۔۔۔!" تاسف زدہ انداز میں

کہتا وہ آگے بڑھ کر اپنے بیگ کی زپ بند کرنے

لگا۔ حدیبہ بنا اسکی طرف دیکھے کمرے سے باہر

جانے لگی۔

"اب کہاں جارہی ہیں آپ۔۔؟؟" اپنی جگہ

کھڑے کھڑے اسنے پوچھا تو وہ اسکی جانب پلٹی۔

"اسی کے پاس جس کا غصہ آپ مجھ پر نکال رہے

تھے۔۔!" وہ منہ بنا کر بولی تو وہ بے اختیار اسکی

جانب بڑھا۔

"اور مجھے خدا حافظ نہیں کہیں گی۔۔؟" پوچھتے

ہوئے وہ مسلسل اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"بابا سرکار کے کہنے پر آپکو خدا حافظ کہنے ہی آئی

تھی لیکن آپ خود ہی تو چاہتے ہیں کہ میں ولید

کے پاس چلی جاؤں۔ آپکا دماغ خراب ہو رہا ہے

میری موجودگی سے۔۔!" وہ طنز کرنے سے باز

نہیں آئی تھی۔ فدا کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

"میری چاہتوں کی بڑی پرواہ کر رہی ہیں

آپ۔۔؟؟اگر واقعی ایسا ہے تو کچھ چاہتیں اس

دل کی بھی ہیں۔۔ان کا بھی خیال کر لیں۔۔!"

اسکے مقابل آکر ٹھہر تا وہ اپنے دل کے مقام پر

ہاتھ رکھتا سنجیدگی سے بولا تو وہ گڑبڑائی۔فوراً نظر

جھکائی تھی۔وہ اسکا ولید کے پاس جانے کا جواز رد

کرچکا تھا۔ناشتے کے دوران بھی وہ اس سے کھنچی

کھنچی سے رہی تھی اسی لیے ذوالفقار عالم شاہ نے

اسے فدا کو حویلی کے چھوٹے دروازے تک

چھوڑ کر آنے کی ہدایت کی تھی۔وہ خود تو ناشتے

کے بعد کمرے میں آگیا تھا جبکہ وہ خود ناشتے کی

میز پر ذوالفقار عالم شاہ کی ہدایات سنتی رہ گئی تھی

جن میں بار بار صندل بیگم بھی لقمہ دے رہی

تھیں۔ وہاں سے جان بچا کر وہ ہمت کرتی فدا

کے پاس آئی تھی تو اسکے سخت لب ولہجے نے

اسکا موڈ مزید خراب کر ڈالا تھا اور اب بھی وہ

اسے گھیر چکا تھا۔

"حیبہ۔۔؟؟" اسنے اپنی جانب تکتی حدیبہ کا

رخسار شہادت کی انگلی سے چھوا تو وہ چونک

اٹھی۔

"ہاں۔۔ ہمم۔۔۔؟؟ آئیں میں آپکو باہر تک

چھوڑ آتی ہوں۔۔!"خود کو سنبھالتی وہ دھیمی

آواز میں بولی۔

"یہ مت کہیں کہ چھوڑ آتی ہوں۔ یہ کہیں ناں

کہ کچھ قدم آپ کے ساتھ چل لیتی ہوں۔۔!"

اسکے الفاظ کی تصحیح کرتا وہ فوراً بولا تو حدیبہ نے

نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔ جانے اس لڑکے کے

پاس اسکی ہر بات کا دوبدو جواب کیوں ہوتا تھا، وہ

سوچ کر رہ گئی۔

"آپ جو بھی سمجھیں۔۔مجھے تو بس بابا سرکار کا

حکم ماننا ہے۔۔!" وہ زچ ہو کر، کچھ خفیف سی

ہوتی بولی تو وہ مسکرا دیا۔

"چلیے پھر۔۔!" آگے بڑھ کر اسکے لیے دروازہ

کھولتا وہ مسکرا کر بولا تو حدیبہ ناک چڑھاتی باہر

نکل گئی۔ وہ قدم قدم اسکے ساتھ ہی چلنے لگا۔

"آپ کو پتہ ہے آپ بہت ضدی ہیں لیکن آپکا

دل بہت نرم ہے۔!" اسکے ہمراہ چلتا وہ سر گوشیانہ

بولا تو حدیبہ نے سر اٹھا کر اسکی جانب دیکھا۔

"جی مجھے پتہ ہے اور یہ بھی بہت اچھے سے پتہ

ہے کہ آپ بہت ڈھیٹ ہیں اور آپکا دل پورا

لوفر۔۔!" وہ اسے جتانے کو قدرے اونچا بولی تو

وہ آس پاس کی پرواہ کیے بنا قہقہہ لگا کر ہنسا۔ لاؤنج

میں صفائی ستھرائی کرتی ملازماؤں نے کن اکھیوں

سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ حدیبہ خجل سی ہو

گئی۔

"اس میں ہنسنے والا کیا تھا۔؟؟" وہ تپی ہوئی آواز

میں بولی تو وہ اسکی طرف دیکھتا مسکرا دیا۔

"آپ کی معصومیت۔۔!" وہ برجستہ بولا۔ حدیبہ

نے نا سمجھی والے انداز میں آنکھیں پھیلا لیں۔

"یہ معصومیت نہیں تو اور کیا ہے حیبہ۔۔؟ یہ

جانتے ہوئے بھی کہ میں ڈھیٹ ہوں آپ یہ

ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ میں آپ کو خود سے

محبت کرنے پر مجبور کر دوں گا۔۔!" اسکی جانب

جھک کر وہ قدرے رازدارانہ انداز میں بولا تو

ایک بار پھر لاجواب ہونے پر وہ کڑوے گھونٹ

بھرتی اس سے تھوڑے فاصلے پر ہوئی۔

"آپ کی خوش فہمیوں کے محل بہت بلند ہیں

سائیں۔۔ لیکن افسوس۔۔ میں آپکے لیے

سوائے دعا کے اور کچھ نہیں کر سکتی۔۔!"

راہداری سے گزرتے ہوئے اسنے بڑی سنجیدگی

سے کہا تو اس بار وہ خاموش رہا۔ چھوٹے

دروازے تک پہنچ کر وہ رک گیا جبکہ دروازہ کھلتے

ہی وہ فوراً یوں پلٹی جیسے پچھلے دس منٹ سے اسکے

سنگ چلنا اسکی سخت مجبوری رہی ہو۔ فدا نے

سرعت سے اسکی کلائی تھام لی۔حدیبہ کا دل اس

افتاد پر بے اختیار دھڑکا تھا۔فدا نے ایک جھٹکے

سے اسکا رخ اپنی جانب موڑا تو حدیبہ نے

ناپسندیدگی سے اسے گھورا جس کی آنکھوں میں

اس پل اداسی تھی۔

"اگر آپ دعا کے علاوہ واقعی میرے لیے کچھ

نہیں کر سکتی تو پھر دعائے موت کر دیجئے حیبہ۔۔

کیونکہ آپ سے دور رہ کر جینا میرے لیے موت

سے بھی بدتر ہے۔۔!" اسکی آنکھوں میں دیکھتا

وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو اسکے لفظوں کی سفاکی

پر حدیبہ کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔ اسکے وجود پر

ایک خراش بھی وہ کیونکر برداشت کر سکتی تھی۔

اور کجا کہ دعائے موت۔۔؟؟؟؟؟ اسکی آنکھیں

آنسو روکنے کی کوشش میں گلابی پڑنے لگیں۔

"آپ کتنے سنگدل ہیں سائیں۔۔"پلکیں جھپکا

جھپکا کر آنسو پینے کی کوشش کرتی وہ بھرائی ہوئی

آواز میں بولی تو وہ بے دردی سے مسکرایا۔

"یقین مانیے آپ سے بہت کم ہوں۔۔!" دھیمے

لہجے میں کہہ کر اسنے آہستگی سے اسکی کلائی چھوڑ

دی۔ وہ ہنوز اسکی جانب دیکھ رہی تھی۔

"یادرکھیے گا، میں آپ کو بہت یاد کروں گا۔۔!"

وارفتہ نگاہوں سے اسکے چہرے کے ایک ایک

نقش کو دیکھتا وہ مضبوط لہجے میں بولا تو وہ اسکی

دیوانگی سے خائف ہوتی دو قدم پیچھے ہٹی۔ پھر

پلٹی اور وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔ فدا نے بنا پلکیں

جھپکائے اسے راہداری کے آخر تک اپنی نظروں

سے اوجھل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ کچھ دیر یونہی

غائب دماغی کے عالم میں وہیں کھڑا رہا پھر ملازم

کے پکارنے پر ہوش میں آیا تھا۔

"سرکار گاڑی تیار ہے۔۔!" وہ مودبانہ کہہ رہا

تھا۔

"ہوں۔۔۔ ایک بیگ اور ہے۔ میرے روم سے

لے آؤ۔۔!" سنجیدگی سے کہہ کر وہ دروازہ کھولتا

وسیع و عریض باغیچے میں نکل آیا۔ سرخ اینٹوں

سے بنی چوڑی روش پر چلتے ہوئے وہ لمحہ بالمحہ

صرف حدیبہ سے ہی نہیں حویلی کے اس

مرکزی حصے سے بھی دور ہوتا جارہا تھا جہاں وہ

اپنا دل۔۔ اپنی سوچیں۔۔ اپنی روح چھوڑ آیا

تھا۔ اسکا رخ چھوٹی حویلی کی طرف تھا۔ وہ جانے

سے پہلے ایک بار سعیدہ بی بی سے ملنا چاہتا تھا جو

بڑی حویلی میں ہی ناشتا کرنے کے بعد واپس

چھوٹی حویلی کی تنہا دیواروں کو اپنے بوسیدہ، کھنڈر

ہو چکے وجود سے رونق بخشنے چلی جایا کرتی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

کمرے کا دروازہ زور دار آواز سے بند کرتے

ہوئے وہ سیدھا بیڈ کی طرف آیا اور سرعت سے

بیڈ کی چادر کھینچ کر فرش پر پھینک دی۔ کشنز اور

تکیے دور اچھالتے ہوئے وہ وحشی سا ہو رہا تھا۔

آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اسے جیتے جی اپنا

آپ مردہ سا لگ رہا تھا، دل کی دنیا اجڑ سی گئی

تھی۔ ولید شاہ کو اس کمرے سے وحشت ہو رہی

تھی جسکی دیواروں نے گزشتہ رات زہرہ کی

سسکیاں سنی تھیں۔ اسے وہ بستر بچھو کی مانند

ڈنگ مارتا محسوس ہو رہا تھا جہاں زہرہ کی

مزاحمتوں نے دم توڑ دیا تھا۔ آنکھوں سے بہتے

آنسو پونچھے بنا وہ کمرے کی ایک ایک چیز تلپٹ

کر رہا تھا کہ اسکے دل کو کسی صورت قرار نہیں

آ رہا تھا۔ جسے پانے کے سہانے سپنے دیکھے تھے وہ

اسے اپنے ہی ہاتھوں سے کیسے روند گیا

تھا۔۔؟؟؟ محض ایک لمحاتی لغزش۔۔؟؟ وہ کیسے

کمزور پڑ سکتا تھا۔۔؟؟ کیسے۔۔۔؟؟ صدمے سے

پاگل ہو تا وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ تا بچوں کی

طرح رو دیا۔ اپنی آواز کا گلا گھونٹنے کو اسنے

گھٹنوں میں منہ چھپا لیا تھا۔

" آہ۔۔ زہرہ۔۔۔ زہرہ میری جان مجھے معاف

کر دو۔۔! " وہ روتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔ بھیگی

آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اسکے کانوں

میں گونجتے فدا کے سخت الفاظ اسکے جسم پر کسی

چابک کی مانند لگ رہے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا وہ معصوم تمہارے اس ظلم کا

ڈھنڈورا پیٹے گی۔۔؟؟ نہیں ولید شاہ وہ اپنی

نسوانیت کا غرور کھو چکی ہے وہ تو بس اب اپنی بچی

کھچی عزت قائم رکھنے کی کوشش کرے گی۔۔!"

فدا کے لہجے میں گہرا دکھ بول رہا تھا۔

"میں بابا سرکار سے بات کروں گا میں شادی

کروں گا اس سے۔۔ اسے یقین دلاؤ پلیز۔۔!"

ولید کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"اسے تو تب یقین دلاؤں گا ناں جب مجھے خود تم

پر یقین ہو گا۔ تم تایا سرکار کو کبھی قائل نہیں

کر پاؤ گے ولید یہ تم بھی جانتے ہو۔۔!" فدا نے

اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا۔

"تو پھر تم اس سے بات کرو میں اسے شہر لے جا

کر اس سے کورٹ میرج کر لوں گا۔۔!" ولید نے

حتمی انداز میں کہا تھا لیکن بدلے میں فداطنزیہ

ہنسی ہنسا تھا۔

"جس طرح تم کبھی تایا سرکار کو زہرہ کے لیے

قائل نہیں کر سکتے اسی طرح میں بھی زہرہ کو شہر

جانے کے لیے قائل نہیں کر پاؤں گا ولید۔۔وہ

یہاں کی سادہ مزاج معصوم لڑکی ہے۔ شہر جانے

کے لیے کبھی راضی نہیں ہو گی اور وہ بھی خاص

طور پر تمہارے ساتھ جو اسکی عزت کا لٹیرا

ہے۔۔!" وہ بڑے تلخ لہجے میں اس پر سچائی کی

کڑواہٹ انڈیل رہا تھا۔ لفظ لٹیرے پر ولید کا دل

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔

"چلو مان لیا میں لٹیرا، گھٹیا بہت پنچ ہوں لیکن

جیسا بھی ہوں تمہارا دوست ہوں۔۔۔ خدارا

ہماری دوستی کی خاطر تم تو مجھے سمجھو۔ میری

محبت کا یقین کرو جو بھی ہو اسکے پیچھے نفس کی

تسکین نہیں تھی۔۔۔!" وہ فدا کے سامنے پہلی

بار گڑگڑایا تھا۔ فدا کا چہرہ بھی برداشت کی شدت

سے سرخ ہو چکا تھا۔

"اگر محبت ایسی ہوتی ہے جو تنہائی ملتے ہی عاشق کو

وحشی بنا دے تو معذرت۔۔ میں اس جذبے کی

سچائی پر یقین کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ رہا

دروزاہ تم یہاں سے جا سکتے ہو۔۔!" بے نیاز بنتا

وہ سنگدلی سے بولا تھا۔ ولید نے زخمی نگاہوں سے

اسکی جانب دیکھا پھر جب بولا تو آواز میں کاٹ

سی تھی۔

"ہاں میں وحشی ہو گیا تھا لیکن دل میں محبت کا درد

رکھنے کے باوجود تم میرے درد کو سمجھنے سے

انکاری ہو رہے ہو فدا۔ تم مجھ پر افسوس کرتے

رہو کیونکہ میں قابل افسوس ہوں۔ لیکن میں۔۔

میں صرف تم پر دکھ کر سکتا ہوں کیونکہ تم اس

وقت انصاف کے علمبردار بنے مظلوم کا ساتھ

دے رہے ہو۔ ظالم کی مظلومیت تمہاری

نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ میں ہی

پاگل ہوں جو تمہارے پاس مدد کے لیے

آیا۔۔!" سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں اس کی

آواز رندھ گئی تھی۔

"یہاں سے چلے جاؤ اس سے پہلے کہ میں اپنا ضبط

کھودوں۔۔!" ہاتھ سے اسے باہر جانے کا اشارہ

کرتا فدا اغرایا تھا۔ ولید تاسف سے نفی میں سر

ہلاتا پلٹا اور اسکے کمرے سے نکل آیا تھا۔ اسے

دہلیز پر ہی حدیبہ ملی تھی لیکن وہ بنا کوئی بات کیے

اپنے کمرے میں چلا آیا تھا اور آتے ہی جیسے پھٹ

پڑا تھا۔ دل کا سارا غبار جو وہ صبح کی پہلی کرن کے

ساتھ ہی اپنے سینے میں لیے پھر رہا تھا اس پل

آنسوؤں کے سنگ بہنے لگا۔ اسے اپنے مستقبل

میں کہیں کچھ نظر نہ آرہا تھا۔ آنکھیں بہتی جا رہی

تھیں اور لبوں پر ایک ہی نام تھا۔

زہرہ۔۔۔

زہرہ۔۔

زہرہ۔۔۔ آہ۔۔ میری زہرہ۔۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"آجاؤں گی ناں تنگ مت کرو شیری۔۔!" بیڈ

پر پیٹ کے بل لیٹی وہ ٹانگوں کو ہلاتی فون کان

سے لگائے بظاہر اپنے بھائی شہیر سے بات کر رہی

تھی لیکن اسکا سارا دھیان اپنے سامنے کھلے لیپ

ٹاپ کی سکرین پر تھا۔ دو دن پہلے شمس سے ہوئی

عزت افزائی کے بعد علیشہ نے بڑی شرافت سے

پورے وقت پر شمس کی کلاس اٹینڈ کی تھی لیکن

اب سکرین پر نظر آتی شمس کی تصاویر کو زوم کر

کر کے دیکھتی وہ اپنے شیطانی دماغ میں منصوبہ

بنا رہی تھی۔ یہ کل شام یونیورسٹی میں آرٹ

گیلری کی تصاویر تھیں جہاں وہ بطور سپیشل

سٹوڈنٹ انوائیٹڈ تھی۔ بڑی مشکلوں سے وہ سارہ

کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو پائی تھی

لیکن شمس کے علاوہ وہاں شیث کو بھی دیکھ کر اسکا

حلق کڑوا ہو گیا تھا۔ وہ سارا وقت کسی کی گہری

نگاہوں کی تپش محسوس کرتی رہی تھی لیکن ہر بار

نگاہ دوڑانے پر جب اسے شیث اپنی جانب دیکھتا

نظر آیا تو اسکا پارہ ہائی ہو گیا۔ اسنے سب کے

سامنے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا نیتجتاً بے

چارہ اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔ شمس کا سر د رویہ

علیشہ کو خوب کھلا تھا اسی لیے اب وہ اسے ستانے

کو کچھ نیا سوچ رہی تھی۔

"آپا سن بھی رہی ہو یا میں ہی پاگلوں کی طرح

بولے چلا جارہا ہوں۔۔!" اسکی خاموشی محسوس

کرکے شہیر تقریباً چلایا تو وہ سیدھی ہوتی اٹھ کر

بیٹھی۔ ساتھ ہی کمرے کے دروازے پر دستک

ہوئی تھی۔

"ہاں ہاں سن بھی لیا اور عمل بھی کروں گی۔۔

اس ویک اینڈ پر آؤں گی پکا۔۔!" نرمی سے کہتے

ہوئے وہ مڑی اور لیپ ٹاپ بند کرنے کے بعد

دروازہ کھولنے کو بھاگی۔

"آپا میں ویٹ کروں گا آپ نہ آئیں ناں تو

ناراض ہو جاؤں گا۔۔"وہ بڑے مان سے کہہ رہا

تھا۔علیشہ نے دروازہ کھول دیا۔دروزاہ کھلتے ہی

فضہ اسے پھاڑ کھانے کو دوڑی تھی۔

"سوئی ہوئی تھیں کیا۔۔؟؟ سنائی نہیں دیا کب

سے دروازہ کھٹکھٹا رہی ہوں۔۔!" وہ شدید

جھنجلاہٹ کا شکار لگ رہی تھی۔

"کیا آفت آگئی ہے کھول تو دیا ہے۔۔!" اسے

راستہ دیتے ہوئے علیشہ نے بے زاری سے کہا۔

"یار شیری میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں

اور فکر مت کرو تمہیں ناراض نہیں ہونے دوں

گی۔۔!" اسے مطمئن کرتی وہ جلدی میں بولتی

کال کاٹ کر اسکی طرف پلٹی جو کمر پر ہاتھ ٹکائے

فون بند ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

"ہاں اب بولو کون سا طوفان آیا ہے۔۔؟؟"

فضہ کو بے زار کھڑے دیکھ علیشہ نے اپنے ہاتھ

لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"سارنگ۔۔۔!"فضہ نے بھنویں اچکاتے ہوئے

ایک لفظی جواب دیا تو علیشہ کا سکون غارت ہو

گیا۔

"اوففف۔۔وہ کیوں آگیا۔۔۔؟؟"وہ منہ بسور

کر بولی تو فضہ نے کندھے اچکائے۔

"کون سا پہلی بار آیا ہے۔۔ جاؤ مل لو۔۔!" فضہ

نے اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا تو

وہ پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی۔ سارنگ کا

کچھ پتہ نہیں چلتا تھا جب اسکا موڈ ہوتا تھا اس سے

ملنے چلا آتا تھا۔ دھپ دھپ کرتی وہ سیڑھیاں

اتر کر جیسے ہی وزیٹنگ روم میں آئی وہ اسے بے

چینی سے ٹہلتا نظر آ گیا تھا۔ کلف لگے سفید

قمیض شلوار تلے سیاہ پشاوری چپل پہنے وہ اپنے

مضبوط ڈیل ڈول کے باعث پہلی نظر میں ہی

پٹھان سا لگتا تھا۔ گندمی رنگت پر سجی شہد رنگ

آنکھیں اپنے مقابل علیشہ کی من موہنی صورت

دیکھ کر چمک اٹھی تھیں۔ گو اسکی آنکھیں چیخ چیخ

کر علیشہ کے لیے دل کی پسندیدگی کا اظہار کرتی

تھیں لیکن لب ہمیشہ۔۔۔، علیشہ کی باغیانہ روش

کے باعث اقرار کرنے سے انکاری رہتے تھے۔

"کہاں رہ گئی تھیں کب سے انتظار کر رہا

ہوں۔۔؟؟"اسکے قریب آتا وہ اپنے مخصوص

اکھڑ لب و لہجے میں بولا تو علیشہ نے بے نیازی سے

کندھے اچکائے۔

"تو کس نے کہا ہے انتظار کرو۔۔۔جب میں

کہیں رہ ہی گئی تھی تو تم چلے جاتے۔۔!" وہ نخوت

بھرے انداز میں گویا ہوئی تو سارنگ کے چہرے

پر ناگواری در آئی۔

"میں جانے کے لیے نہیں فی الوقت تمہیں اپنے

ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔۔!" سارنگ

نے سنجیدگی سے کہا تو علیشہ نے اسکی جانب

دیکھا۔

"کل میرا ٹیسٹ ہے مجھے تیاری کرنی ہے سو

پلیز۔۔کچھ دیر یہیں بیٹھ جاؤ۔کہتے ہو تو چائے

بھی منگوا لیتی ہوں لیکن مجھے تمہارے ساتھ

کہیں نہیں جانا۔۔!"علیشہ نے فوراً بہانہ گھڑتے

ہوئے اسے ہری جھنڈی دکھائی۔

"تمھاری پڑھائی اور تمھارے ٹیسٹ میرا سر درد

نہیں ہیں۔ میں تمھارے ساتھ تھوڑا وقت گزارنا

چاہتا ہوں اس لیے تم میرے ساتھ چل رہی ہو

اور بس۔۔۔پانچ منٹ میں ریڈی ہو کر آؤ۔۔!"

وہ اسے حکم دینے والے انداز میں بڑی بے نیازی

سے بولا تو علیشہ نے پل بھر کو لب بھینچ لیے۔

"میں انکار کر چکی ہوں سارنگ۔۔!" وہ دبا دبا سا

چلائی۔

"اور میں اسے رد کر چکا ہوں۔۔!" اسکی آنکھوں

میں دیکھ کر بولتا وہ بھی غرایا تھا۔

"تم اور تمہارے آرڈرز۔۔۔مائے فٹ۔۔۔!"

پیر پٹختی وہ چلائی تو سارنگ کی آنکھیں سرد ترین

ہو گئیں۔وہ جانے کے لیے جس پھرتی سے پلٹی

تھی اسی پھرتی سے سارنگ نے اسکی کلائی جکڑ کر

اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔ علیشہ کا غصہ بڑھنے لگا۔

"میرے آرڈرز مرتے دم تک تم یہاں۔۔ اپنی

پلکوں پر لو گی دلِ جانم۔۔!" اسکی پلکوں کو انگلی

کے پور سے چھوتا وہ غرایا تھا۔ قول جس قدر

سخت تھا اسکے بر خلاف فعل اتنا ہی نرم تھا۔علیشہ

کے وجود میں شرارے سے دوڑنے لگے۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ پڑھائی چھوڑ کر تمہیں میری

پناہوں میں نہ آنا پڑے تو فوراً جاؤ اور تیار ہو کر

آؤ۔تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں۔۔!" ٹھہر ٹھہر

کر سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں سارنگ نے

ایک جھٹکے سے اسکا بازو چھوڑا تو وہ اپنا بازو سہلاتی

اسے گھور کر رہ گئی۔

"گو فاسٹ۔۔!" سارنگ نے اس بار مسکاتی ہوئی

آواز میں کہا تو لب بھینچتی وہ پلٹ گئی۔ سارنگ

جانتا تھا کہ اسکی دھمکی کام کر چکی ہے، اور واقعی

دس منٹ بعد وہ اسکے مقابل تھی۔ لیکن وہ جس

حلیے میں تھی، دیکھ کر سارنگ ٹھیک ٹھاک تپا

تھا۔ ٹخنوں سے اوپر چڑھتی خلاف معمول، وائٹ

کی بجائے ڈارک بلیو جینز پر پیٹ کو بامشکل

ڈھانپتی ہاف سلیو وائٹ ٹی شرٹ پہنے۔وہ بال

بکھیرے اطمینان سے کھڑی تھی۔ آج پونیاں

کرنے کی زحمت نہیں کی گئی تھی۔میک اپ سے

مبرا اشفاف چہرہ جس پر ابھی بھی پانی کے قطرے

چمک رہے تھے،وہ اپنے حلیے کے علاوہ فقط

چہرے کے باعث ہی نگاہ کو متوجہ کرنے کی

صلاحیت رکھتی تھی۔

"یہ تیار ہو کر آئی ہو تم۔۔؟؟" تنقیدی نگاہوں

سے اسے گھورتا وہ سلگ کر بولا۔

"جتنا ٹائم دیا تھا اُتنے میں بس اتنا ہی تیار ہوا جا

سکتا تھا۔۔اب چلو۔۔۔!" لاپرواہی سے کہتی وہ

اپنا موبائل گھماتی باہر کی جانب بڑھی۔

"کوئی فل بازو شرٹ نہیں تھی تمہارے پاس جو

یہ بے ہودگی پہن کر آگئی ہو۔۔؟؟" اسکے پیچھے

چلتا وہ دھیمی آواز میں بولا تو علیشہ دل جلانے

والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسکی طرف پلٹی۔

"ایک تو اتنی مشکل سے تمہارے ساتھ میچنگ

کرنے کی کوشش کی ہے اور تم ہو کہ تعریف

کرنے کی بجائے باتیں سنا رہے ہو۔؟" اسکی

قمیض کا کالر ٹھیک کرتی وہ پلکیں جھپکا کر بولی تو اس

کی اس عنایت پر سارنگ چونک اٹھا۔ پھر اسکے

لب دھیرے سے مسکرا دیے۔

"بازوفل ہوتے تو مجھے زیادہ اچھا لگتا۔۔!" وہ اس

بار نارملی بولا تو علیشہ نے ناک چڑھائی۔

"گرمی پہلے ہی بہت ہے پتہ نہیں یہ ہاف کیسے

برداشت کر رہی ہوں۔۔!" پشت پر بکھرے

اخروٹی بالوں میں ہاتھ چلاتی وہ بے زار سی ہو کر

بولی تو وہ سر جھٹکتا ہاسٹل کی عمارت سے باہر نکل

آیا۔ اس نے علیشہ کے لیے دروازہ کھولا تو گاڑی

میں بیٹھتے ہوئے اسکی نظر شمس پر پڑی تھی۔

اتفاقاً وہ بھی آج سفید شرٹ زیب تن کیے ہوئے

تھا۔ اسکے مضبوط سینے سے چپکی شرٹ پسینے میں

بھیگی ہوئی تھی۔ بازو کہنیوں تک فولڈ کیے وہ اپنے

دھیان میں ہی نگاہیں جھکائے چل رہا تھا۔ علیشہ

نے ایک بھرپور نظر اس کے سراپے پر ڈالی پھر

گاڑی میں بیٹھتی دروازہ بند کر گئی۔سارنگ نے

گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بھگائی تو قریب آتے

شمس کی نگاہ بھی علیشہ پر پڑی تھی۔نگاہیں ملتے ہی

علیشہ نے بڑے دھڑلے سے ایک آنکھ دبائی

تھی۔ یہ اتنی عجلت میں ہوا کہ شمس کا دل بے

اختیار بیٹ مس کر گیا تھا۔ ایک تو نادانستہ نگاہ اور

دوسری اس حسینہ کی بے باک حرکت۔۔ وہ پسینے

کے باوجود اندر تک سرد پڑ گیا۔ گاڑی قریب

سے گزر چکی تھی لیکن وہ پل بھر کو اپنی جگہ سے

ہل نہیں پایا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

شہر کے شور و ہنگامے سے دور ساحل کنارے وہ

اسے دو دریا لے آیا تھا۔ گاڑی پارک کرنے کے

بعد اسکا ہاتھ تھامے سارنگ چھوٹے چھوٹے قدم

اٹھاتا مختلف سٹالز دیکھتا گزر رہا تھا۔ اپنی طبعیت

کے خلاف وہ بھی جگ مگ کرتے چھوٹے بڑے

سٹالز دیکھتی اسکی سنگت میں چل رہی تھی۔

کراچی کی گرم راتوں میں چلنے والی دھیمی ہوا کے

سنگ اسکے بال لہرا رہے تھے۔ وہاں کی رونقیں

اسکی طبیعت پر خوشگوار تاثر ڈال رہی تھیں۔ یہی

وجہ تھی کہ وہ سارنگ کی باتوں کا چھوٹے چھوٹے

جملوں میں جواب دیتی ہولے ہولے مسکرا رہی

تھی۔ وہ کافی دیر پیدل چلتے آئسکریم سے لطف

اندوز ہوتے رہے پھر وہ اسے لیے پورٹ گرینڈ

کی مرکزی عمارت میں چلا آیا تھا۔ اپنے لیے ایک

قدرے الگ تھلگ گوشہ منتخب کرتے ہوئے

علیشہ اسے ساحل کنارے تعمیر شدہ وُوڈ لینڈ پر

لے آئی تھی۔ لکڑی کی سیڑھیاں اتر کر وہ سمندر

کی شور مچاتی لہروں کی مدھر آوازوں کے قریب

ہی بنے سٹنگ ایریا کی طرف چلے آئے۔ بالکل

کنارے کی جانب رکھے آرام دہ آف وہائٹ

صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھتے ہوئے ان دونوں کی

نگاہیں ایک دوسرے سے ملیں تو سارنگ مسکرا

دیا۔علیشہ نے فوراً لبوں کو سمیٹا۔

"یہ تم آج مجھے کچھ ایکسٹرا فلرٹی لگ رہے ہو سو

زرا اپنی یہ لوفر نگاہیں قابو میں کر کے بیٹھو۔۔

ورنہ مجھ سے مزید کچھ کھایا نہیں جائے گا۔۔!"

اسکی نگاہوں کے استحقاق پر خجل سی ہوتی وہ

قدرے سلگتے ہوئے لہجے میں بولی تو وہ مسکرا دیا۔

"تم تو پہلے ہی میری ہو بھلا تمہارے ساتھ فلرٹ

کر کے کیا کروں گا میں۔۔؟؟ اور رہی بات

میری نگاہوں کی تو یہ خوبصورت لڑکی دیکھ کر خود

بخود لوفر ہو جاتی ہیں۔۔!" وہ مکمل غیر سنجید گی

سے بولا تو علیشہ جلنے یا کڑھنے کے بجائے

مسکرائی۔

"اب خالی باتوں پر ہی ٹرخاؤ گے یا کچھ آرڈر بھی

کرو گے۔۔؟" ہوا کے سنگ چہرے پر آتے

بالوں کو پیچھے کرتی وہ مسکرا کر بولی تو سارنگ نے

ہنستے ہوئے قریب سے گزرتے ویٹر کو روک

لیا۔ اسے آرڈر دے کر وہ پھر سے اسکی طرف

دیکھنے لگا جو سارنگ کی نگاہوں سے بے پرواہ اپنے

وجود کو چھوتی ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہو رہی

تھی۔

"تم پہلے نہیں آئی یہاں۔۔؟؟" اسے اپنی جانب

متوجہ کرنے کو سارنگ نے آہستگی سے پوچھا۔

"اوں ہوں۔۔ عالم لایا ہی نہیں کبھی۔۔!"علیشہ

نے سادگی سے جواب دیا۔ وہ یونیورسٹی میں

ایڈمیشن لینے سے پہلے کراچی شاذونادر ہی آئی

تھی ورنہ زیادہ تر وہ منصب اور اپنی پھپھو سے

ملنے کے لیے ان کے آبائی گاؤں نوشہر وفیروز ہی

جایا کرتی تھی۔

"اگر عالم کی انگلی تھام کر چلو گی تو ہمیشہ خوشنما

نظاروں سے محروم رہو گی۔۔!" بظاہر مسکاتے

لہجے میں بولتا وہ اس پر طنز کر رہا تھا۔ اسکی بات پر

علیشہ نے آنکھیں سکیڑ لیں۔

"عالم کی انگلی تھام کر اوٹ پٹانگ نظارے دیکھنے

میں مجھے بڑا مزہ آتا ہے سچی۔۔۔ اور رہی بات

ان خوشنما نظاروں کی تو اگر انہیں دیکھنے کے لیے

مجھے تمہارا ہاتھ تھامنا پڑے تو اس سے بہتر یہی

ہے کہ میں بدنما نظاروں پر صبر کرلوں۔۔!"

سارنگ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ جتانے

والے انداز میں بولی تو سارنگ کے لب سکڑ

گئے۔

"بھولو مت کہ تمہیں زندگی بھر میرا ہاتھ تھام

کر ہی چلنا ہے۔۔!" اپنا ہاتھ سختی سے میز پر

جماتے ہوئے وہ اسکی جانب جھکتا غرایا تو اسکا

سرخ پڑتا چہرہ دیکھتی وہ مسرور سی ہو کر

مسکرائی۔

"کل کا کس کو پتہ ہے سارنگ۔۔؟؟ اللہ ہی

جانے کل کیا ہونے والا ہے۔۔!" کندھے

اچکاتے ہوئے اسنے جس قدر اعتماد سے کہا تھا وہ

کلس کر رہ گیا۔

"تم۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا ویٹر آرڈر

لے کر چلا آیا۔علیشہ بڑے اطمینان سے اپنی

پلیٹ میں چائینیز رائس ڈالنے لگی۔

"تم لوگے۔۔؟؟" آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اسنے

بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"تمہیں پتہ ہے میں گھاس پھونس نہیں

کھاتا۔۔!" وہ نخوت سے کہتا اپنے لیے دنبہ

کڑاہی نکالنے لگا۔

"ہونہہ۔۔ سوری میں بھول گئی تھی تم ڈائنوسار

ہو۔۔ جانور نگلے بنا تمہارا گزارا نہیں ہوتا۔۔!"

ویٹر کی موجودگی کی پرواہ کیے بناوہ ہلکے پھلکے انداز

میں بولی تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا جبکہ اپنی ہنسی

روکتا ویٹر وہاں سے پلٹ گیا۔ وہ چپ چاپ اپنی

پلیٹ پر جھک گئی جبکہ وہ خود کھا کم اور اسے گھور

زیادہ رہا تھا۔ اسکی نگاہوں کی سختی نظر انداز کرتی

وہ کچھ دیر تو کھاتی رہی پھر سر اٹھا کر اسکی جانب

دیکھا۔

"تمھارے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔۔؟؟" چمچ پلیٹ

میں پٹختے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی۔

"میرا مسئلہ تم اور تمہاری غلط فہمیاں ہیں۔۔!" وہ

دو بدو بولا تو علیشہ برا ماننے کی بجائے سر اثبات

میں ہلا گئی۔

"فائن۔۔مجھے میری غلط فہمیوں میں ہی رہنے

دو۔ تم بس اپنی خوش فہمیوں کی فکر کرو جن کا بلند

وبالا پہاڑ۔۔ مستقبل قریب میں تمہارے سر پر

ٹوٹنے والا ہے۔۔!" بھنویں اچکا کر دل جلانے

والے انداز میں کہتی وہ اسے صاف ہری جھنڈی

دکھا رہی تھی۔ اسکے اس واضح انکار پر سارنگ کا

چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو گیا۔

"اپنی اڑان نیچی رکھو علیشہ ورنہ میں تمہارے پر

کاٹنے میں وقت نہیں لگاؤں گا۔۔!" وہ ایک

ایک لفظ پر زور دیتا سخت لہجے میں بولا تو وہ ڈھٹائی

سے ہنستی اپنے لیے کولڈ ڈرنک نکالنے لگی۔

"ایک بندہ ہوتا ہے کونفیڈنٹ۔۔!" اسکی جانب

دیکھتی وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ سارنگ

کا موڈ غارت ہو چکا تھا جس کی پرواہ کیے بناوہ اب

کہہ رہی تھی۔

"دوسرا ہوتا ہے اوور کونفیڈنٹ۔۔اور جو اوور

کونفیڈنٹ ہوتا ہے ناں اسے منہ کے بل گرنا پڑتا

ہے مائے ڈئیر۔۔سوبی

کونفیڈنٹ۔۔ہمم۔۔؟؟" کہتے ہوئے وہ آخر

میں مسکرائی۔سارنگ کا دل کیا اسکے لبوں پر

کھیلتی وہ دل جلاتی مسکان چھین لے۔

"میری چھوڑو تمہارا کونفیڈنس تو میں بہت جلد

۔۔۔!" سلگتے ہوئے لہجے میں کہتے سارنگ نے

جیسے ہی اسکا ہاتھ دبوچنا چاہا علیشہ نے لب

بھینچتے ہوئے اپنے دوسرے ہاتھ میں موجود

کولڈ ڈرنک اسکی قمیض پر اچھال دی۔ اسکی قمیض

سینے کے پاس سے بھیگتی دورنگ کی ہوگئی۔ وہ

ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔۔؟؟" وہ دھاڑا تو آس

پاس لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے لیکن وہ اثر

لیے بنا مسکاتی نظروں سے اسکا لال بھبھو کا چہرہ

دیکھتی رہی۔

"تمہارا دماغ گرم ہو رہا تھا۔۔ سو مجھے لگا تمہارے

دل کو اسکی ضرورت ہے۔۔!" ہاتھ سے اسکے

سینے کی طرف اشارہ کرتی وہ نارملی بولی تو سارنگ

مزید سیخ پا ہوا۔

"تم انتہائی بدتمیز لڑکی ہو۔۔!" شہادت کی انگلی

اٹھا کر بولتا وہ قہربار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

"ہاں لیکن تمہیں یہ بات مجھے اپنے ساتھ لانے

سے پہلے سوچنی چاہئیے تھی۔۔!" تائیدی انداز

میں سر ہلا کر کہتی وہ اپنے لیے پھر سے کولڈ ڈرنک

نکال رہی تھی۔

"تمہیں تو میں واپس آ کر پوچھتا ہوں۔۔!" چبا چبا

کر کہتا وہ واش روم جانے کے لیے پلٹا۔

"اوکے ایم وٹینگ۔۔ویسے بھی بِل تمہیں ہی

پے کرنا ہے۔۔!"علیشہ نے پیچھے سے ہانک

لگائی۔ان دونوں کو نوٹ کرتے ایک کپل کے

لبوں سے قہقہ پھوٹا تھا۔

"وہ آپکا کزن تھا۔۔؟؟" سچویشن کو سمجھتے ہوئے

پوچھنے والی لڑکی نے تکا لگایا تھا۔

"اٹس ناٹ یور ہیڈک۔۔!" وہ رکھائی سے بولی تو

پوچھنے والی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔سارنگ کا دل

جلا کر وہ بڑے آرام سے نوالے نگل رہی تھی

جب ایک ویٹر اسکے پاس آیا تھا۔

"ایکسکیوز می میم۔۔۔؟؟" آواز پر علیشہ نے اسکی

جانب دیکھا۔

"یس۔۔؟؟"

"آپ پلیز دوسرے ٹیبل پر شفٹ ہو سکتی

ہیں۔۔؟؟ مجھے پتہ نہیں تھا یہ ٹیبل ہمارے

ریگولر کسٹمر کے لیے پورا سال بُک رہتا ہے۔۔!"

وہ عاجزانہ انداز میں بولا تو علیشہ کی بھنویں تن

گئیں۔

"سوری۔۔بٹ میں یہیں کمفرٹیبل ہوں۔۔!"

اسنے فوراًانکار کیا۔ویٹر کے چہرے پر ہوائیاں سی

اڑنے لگیں۔

"میم پلیز اٹس اے ہمبل ریک۔۔۔"

"آئی سیڈ نووو۔۔۔!" اسکی بات کاٹتے ہوئے

علیشہ نے سختی سے کہا تو وہیں سیڑھیاں اترتے

سردار بدر لغاری کے قدم پل بھر کو تھمے تھے۔

"میم یہ میری غلطی ہے۔ میری نوکری چلی

جائے گی کیونکہ مجھے یاد نہیں تھا پلیز آپ شفٹ

کر لیں۔۔!" وہ پھر سے ملتجی ہوا تو اس بار علیشہ

نے پلیٹ پیچھے کھسکائی۔

"اگر اب تم یہاں سے دفع نہ ہوئے تو میں یہاں

سے چلی جاؤں گی اور اس سارے کھانے کا بل

تمہارا ریگولر کسٹمر ہی تمہیں پے کرے گا۔۔!"

ایک ایک لفظ پر زور دیتی وہ تقریباً چیخی تھی۔ بدر

لغاری کے پیچھے آتے مینیجر نے یہ تماشا دیکھا تو وہ

سرعت سے علیشہ کے قریب آیا۔

"ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں میم لیکن پلیز فی

الحال آپ یہ ٹیبل فری کر دیں۔۔!" مینجر نے

بڑے صاف لفظوں میں اسے کہا تو وہ لب بھینچتی

اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چھوڑی ہوئی نشست پر نہیں بیٹھتا مسٹر

عادل۔۔۔کیپ ہر دیٹ سیٹ۔۔!" وہ مینجر کو

مخاطب کرتا سرد لہجے میں بولا تو علیشہ نے گردن

ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ رائل بلیو ڈریس پینٹ

پر سفید شرٹ پہنے، رائل بلیو کوٹ بازو پر ڈالے

کھڑا وہ اپنی بے تاثر سیاہ آنکھوں سے اسے ہی

گھور رہا تھا۔ اسے وہ آنکھیں جانی پہچانی سے

لگیں۔ سرخ و سفید رنگت پر ہلکی ہلکی بھوری

مائل شیو خوب بچ رہی تھی۔ ویٹر کو سامنے سے

ہٹاتی علیشہ اسکے مقابل آئی جس کی صاف رنگت

پر سیاہ آنکھیں انوکھا سا تاثر پیدا کر رہی تھیں۔

خوبصورت ترین ہونے کے باوجود اسے اس مرد

کی شخصیت سے وحشت سی ہوئی تھی۔

"مسٹر ایکس وائے زی۔۔۔یو کین سِٹ ہئیر بکاز

دان کی ہوئی نشست پر میں بھی نہیں

بیٹھتی۔۔!" نخوت سے کہتے ہوئے وہ جانے کیوں

اسکی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی تھی جو رات سے

زیادہ سیاہ تھیں۔اتنی ہی جامد جیسے کبھی مسکرائی

نہ ہوں۔ علیشہ کے جواب پر بدر نے اپنی شہادت

کی انگلی سے اپنی ٹھوڑی کھجائی تو اسکے ہاتھ کی

تیسری انگلی میں چمکتے اناری یاقوت نے پہلے دن

کی طرح آج بھی اسکی توجہ اپنی جانب کھینچ لی

تھی۔ اسے بخوبی یاد تھا کہ وہ سردار بدر لغاری کی

ہی انگوٹھی تھی۔علیشہ کے لب سیٹی بجانے

والے انداز میں سکڑے۔

"میری دان کردہ شے ملنے پر مقابل ہمیشہ

فائدے میں رہتا ہے۔۔جیسا کہ فی الوقت

تم۔۔۔!"رعونت سے بھرپور مغرور لہجے میں

کہتے ہوئے بدر نے اپنے والٹ سے ہزار ہزار

کے کئی نوٹ نکال کر مینیجر کی طرف بڑھائے۔

اسنے علیشہ کے ڈنر کی پیمنٹ کی تھی۔وہ جس

انداز میں بولا علیشہ پہچان گئی تھی کہ اسنے مقابل

کی آنکھیں کہاں دیکھی ہیں۔سردار بدر لغاری

ہی وہ شخص تھا جو اس بارش والے دن بحریہ ٹاؤن

میں کار کے سامنے آنے پر اسے دھمکی دے کر

گیا تھا۔

"مجھے آپکا احسان نہیں چاہئیے۔۔!" اسے پلٹتے

دیکھ وہ تڑخ کر بولی۔

"میں احسان کرنے والوں میں سے نہیں ہوں

۔۔۔یہ ایک دوسرا کھاتہ ہے جو تمہاری طرف

کھل چکا ہے۔ حساب بہت جلد لوں گا۔۔!" اسکی

طرف پلٹے بنا، سرد آواز میں بولتا وہ اسے پچھلے

تصادم کا حوالہ دے گیا تھا۔ اسکی آواز۔۔ اسکا

لہجہ ۔۔بات کرنے کا انداز ۔۔۔یوں ہی تھا جیسے

وہ بات کر کے مقابل پر احسان کر رہا ہو۔علیشہ

نے اسے کچھ کہنا چاہا لیکن تبھی سارنگ کو وہاں

آتے دیکھ وہ چپ کر گئی۔بدر کو دیکھ کر سارنگ

بھی چونکا تھا پھر زبردستی مسکراتے ہوئے اس

سے ملا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ بدر نے مروتاً

بھی مسکرانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ وہاں

سے گیا تو سارنگ اسکے قریب آیا۔

"کون تھا یہ۔۔؟؟" اپنے شک کی تائیڈ کرنے کو

علیشہ نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

"سردار بدر لغاری۔۔!" سارنگ کی آواز اسکے

کانوں میں پڑی تھی۔ وہ سر اثبات میں ہلاتی پلٹی

اور صوفے پر سے بیگ اٹھالیا۔

"علیشہ۔۔؟؟" سارنگ نے اسے پکارا لیکن وہ ان

سنی کرتی لکڑی کی سیڑھیاں چڑھتی وہاں سے

نکل آئی۔ سارنگ کا موڈ خراب ہونے کے بعد

اب اسکا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ اوندھے منہ بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔

سائیڈ ٹیبل پر ایش ٹرے، سگریٹ کے چھوٹے

بڑے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ اپنی اماں

کے فلیٹ میں اسے شراب میسر نہ تھی سو اسنے

سارا غصہ سگریٹ کے ذریعے ہی پیا تھا۔ پچھلے دو

دنوں سے اسنے موبائل سائلنٹ پر لگا رکھا تھا

کیونکہ وہ کسی سے کوئی رابطہ نہیں چاہتا تھا۔ یہ

جاننے کے باوجود بھی کہ اسکی ماں فقط اسکی خاطر

اسکے باپ کو چھوڑ آئی ہے وہ ان کی دلجوئی کرنے

کی بجائے کمرے میں بند تھا۔ باہر کی دنیا سے

رابطہ منقطع کیے وہ اپنی سوچوں کی دنیا میں گم تھا

جس کا محور وہ لڑکی تھی جس نے اسکی دنیا تلپٹ

کر کے رکھ دی تھی۔ عمیر کی لاتعداد مسڈ کالز

تھیں، عبداللہ ہاسپٹل کے بستر پر پڑے پڑے ہی

اسے بے شمار معذرت خواہانہ میسجز کر چکا تھا مگر

اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔ ابھی بھی وہ یونہی دم

سادھے لیٹا ہوا تھا جب اسکا موبائل وائبریٹ

ہونے لگا۔ وہ نظر انداز کیے پڑا رہا لیکن جب

اسے الجھن ہونے لگی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل

اٹھایا۔ "دادا سرکار کالنگ" جگمگا رہا تھا۔ وہ اپنی

سرخ آنکھوں کی دکھتی پلکیں جھپکاتا سیدھا ہو کر

لیٹا اور کال ریسیو کر لی۔

"السلام علیکم دادا سرکار۔۔!" انہیں سلام کرتے

ہوئے وہ باوجود چاہنے کے اپنے لہجے کا بھاری پن،

چھپا نہیں پایا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔ کیا بات ہے لاڈلے طبعیت

ٹھیک ہے تمہاری۔۔؟؟" وہ فکر مند ہوتے پوچھ

رہے تھے۔

"جی طبعیت کچھ ٹھیک نہیں ہے میری۔۔بخار

محسوس ہو رہا تھا۔۔تو۔۔!" وہ اپنی پیشانی مسلتا

بول رہا تھا جب وہ بول پڑے۔

"توجیہ کہاں ہے۔۔؟؟؟شاہ (منصب کے بابا)

نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کچھ دن تمہارے ساتھ رہنا

چاہتی ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ تمہاری طبعیت

خراب ہے اس لیے رہنا چاہتی ہے۔۔!" وہ اسکی

طبعیت خرابی کا سن کر کچھ برہم ہوتے کہہ رہے

تھے۔ منصب کو اندازہ ہوا کہ اسکے باپ نے ابھی

حویلی میں کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اسکے اعصاب

قدرے پر سکون ہو گئے۔

"جی وہ میرے پاس ہی ہیں میرا بہت خیال رکھ

رہی ہیں۔۔!" اسنے انکے سامنے اپنی اماں کی

طرف سے صفائی دی تھی۔

"میری بات کرواؤ اس سے۔۔زرا پتہ چلے یہ کیسا

خیال رکھ رہی ہے جو تمہارا یہ حال ہو رہا

ہے۔۔!" وہ خفا لگ رہے تھے۔منصب بیڈ سے

اترتا مسکرایا۔

"میرا حال آپ کو نظر آرہا ہے کیا۔۔؟؟"

منصب نے آہستگی سے پوچھا۔

"بہت اچھے سے محسوس ہو رہا ہے برخوردار

۔۔!" انہوں نے دوبدو جواب دیا تو وہ کمرے کا

دروازہ کھولتا باہر نکل آیا۔ سامنے ہی وہ اسے

جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگتی نظر آ گئی تھیں۔

"تو لیں پھر باقی آپ اماں سے ہی پوچھ لیں وہ

آپ کو بتا دیں گی کیونکہ میرا حال ان کو نظر آ رہا

ہے۔۔!" دھیمی آواز میں کہتے ہوئے وہ اپنی

اماں کے پاس جا بیٹھا اور موبائل ان کی طرف

بڑھایا۔ انہوں نے ایک نظر اسکے سرخ چہرے

پر ڈالی پھر چہرے پر ہاتھ پھیر کر موبائل تھام لیا۔

انہیں باتیں کرتا چھوڑ وہ واپس کمرے میں آگیا

تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ سمٹ چکی تھی آنکھوں

میں سختی پھر سے در آئی تھی۔وہ کمرے میں بیڈ

کے پاس ہی فرش پر بیٹھ کر زمین کو گھورنے لگا۔

جانے کتنا وقت بیتا تھا جب وہ اس کا موبائل لیے

اندر آئی تھیں۔دھیرے دھیرے چلتی وہ اسکے

قریب آگئیں۔

"منصب۔۔؟؟" اسکے قریب بیٹھتے ہوئے

انہوں نے اسے پکارا۔ منصب نے نگاہیں اٹھا کر

ان کی جانب دیکھا۔

"کیوں آئی ہیں آپ یہاں۔۔؟؟" وہ سوال جو

اسے دو دن پہلے پوچھنا چاہیئے تھا وہ آج پوچھ رہا

تھا۔ وہ جب عبداللہ کو زود کوب کر کے رات گئے

واپس آیا تھا تو وہ اسے یہیں ملی تھیں۔ وہ اتنے

غصے میں تھا کہ ان سے کوئی سوال کیے بنا کمرے

میں بند ہو گیا تھا۔ اور اب جب وہ کسی نقطے پر پہنچ

چکا تھا تو ان سے سوال کر رہا تھا۔

"تمہارے بابا تمہیں عاق کرنا چاہتے ہیں۔۔!"

ان کی آواز مدھم تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔۔ کر لینے دیں۔۔ مجھے فرق نہیں

پڑتا۔۔!" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔ اسکی سرمئی

آنکھیں اس پل لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

"مجھے تو پڑتا ہے۔میں تمہاری زندگی برباد ہوتے

نہیں دیکھ سکتی۔۔!"وہ بولیں تو ان کی آواز بھرا

گئی۔انکی بات پر وہ استہزائیہ ہنسا۔

"یہاں میں خود برباد ہو گیا ہوں آپ زندگی کی

فکر کر رہی ہیں۔۔!" اسکے بھاری لہجے میں کاٹ

سی تھی۔ انکا دل خون خون ہو گیا۔

"کب تک یونہی بیٹھے رہو گے۔ چاہتے کیا ہو تم

منصب۔۔؟ کیوں میرا دل دکھا رہے ہو۔۔؟؟"

اسکے بالوں میں نرمی سے ہاتھ چلاتے ہوئے

انہوں نے ہارے ہوئے انداز میں پوچھا۔ انکی

بات پر منصب نے زخمی نگاہوں سے ان کی

جانب دیکھا۔

"میں پاگل ہو رہا ہوں اماں۔۔ میرے اندر جو

آگ اس پل بھڑک رہی ہے اسے بجھائے بغیر

مجھے چین نہیں آئے گا۔۔!" وہ ہاتھوں کی

مٹھیاں بھینچتا سلگتے ہوئے لہجے میں بولا تو انہوں

نے فکر مندانہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو مون۔۔؟؟؟ تم کیا چاہتے ہو

بتاؤ مجھے۔۔۔؟؟" اسکا چہرہ ہاتھوں میں تھامتے

ہوئے انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ منصب کی

آنکھوں میں ہلکورے لیتا جنون انہیں خطرے کی

علامت دکھائی دے رہا تھا۔

"میں نے جو ادھورا چھوڑا ہے اسے پورا کرنا چاہتا

ہوں اماں۔۔!" انکے ہاتھ تھامتا وہ دھیمی آواز

میں بولا۔ لہجے کی سنگینی انکا دل دہلا گئی تھی۔

"مون۔۔!" ان کے لب پھڑ پھڑ ائے۔

"میں اس لڑکی کو چاہتا ہوں اماں۔۔ اپنے مقابل

چاہتا ہوں اسے۔۔!" وہ ٹھہر ٹھہر کر اٹل انداز

میں بول رہا تھا۔ اسکی ضد پر وہ دنگ سی رہ گئیں۔

انہیں شدت سے احساس ہوا کہ انکا بیٹا ان کے

ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔

"مون تم پاگل ہو گئے ہو۔ اپنے بابا کو جانتے نہیں

ہو کیا۔۔۔!" اسکا کندھا تھام کر اسے اپنی جانب

گھماتی وہ چلائی تھیں۔

" مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مجھے وہ لڑکی

چاہیئے۔ اور میں اپنی چاہت پوری کر کے رہوں

گا۔۔!" نگاہیں جھکا تا وہ قطعیت بھرے انداز

میں بولا تو اسکی ضد پر جیہ بیگم کی نگاہ ڈبڈبا گئی۔

"اسے چاہت کہتے ہو تم۔۔؟؟ چاہت کے معنی

سے آگاہ بھی ہو۔۔؟؟" اسکی ٹھوڑی چھوتی وہ

کچھ سختی سے بولی تھیں۔

"میں یہ سب نہیں جانتا اماں۔ لیکن مجھے اس

لڑکی کی طلب ہے۔ اور میں اپنی طلب پوری کرنا

چاہتا ہوں بس۔۔!" انکے پاس سے اٹھتا وہ ضدی

پن سے بولا۔ آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا وہ اپنے

بال بنانے لگا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ فیصلہ کر چکا

ہو۔

"تم کیوں اسے برباد کرنا چاہتے ہو۔۔؟؟ ایک

تھپڑ ہی تھاناں۔۔ بدلہ لے لیاناں اب کیا مسئلہ

ہے۔۔؟؟" اسکے پیچھے ہی آتی وہ سنجیدگی سے

بولیں۔وہ پل بھر کو چونک اٹھا۔ہاں۔۔بدلہ تو

وہ لے چکا تھا۔ویڈیو بھی اسکے موبائل میں محفوظ

تھی تو پھر۔۔وجود میں بھڑکتی آتش۔۔۔؟؟؟

کیا وہ نفس تھا جو اسے پاگل کیے جا رہا تھا۔۔؟؟

بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ ان کی جانب پلٹا۔ جیسے

خود کو کچھ باور کروانے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں لے لیا ہے بدلہ لیکن۔۔۔ لیکن اب میں

کچھ اور چاہتا ہوں۔۔۔ مطلب۔۔ آئی وانٹ ٹو

ٹرائے سم تھنگ نیو۔۔۔!" وہ کچھ جھجھکتے ہوئے

بولا۔

"تمہیں اُسی پر کیوں ٹرائے کرنا ہے منصب۔۔۔

تم کوئی اور عورت منتخب کر سکتے ہو۔۔!" اپنے

بیٹے کی بے باکی پر ضبط کے کڑوے گھونٹ بھرتی

وہ نرمی سے بولی تھیں۔

"نو۔۔۔کسی اور عورت نے میرا دماغ اس طرح

سے خراب نہیں کیا۔اسنے کیا ہے تو وہ ہی بھگتے

گی۔۔!" وہ جیسے انکے سامنے اعتراف کر رہا تھا۔

شرٹ کے بٹن بند کرتا وہ خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ

کرنے لگا۔

"میں تمہارے بابا کو بتادوں گی مون۔۔!" وہ

دھمکی دینے والے انداز میں بولیں تو وہ لب

بھینچتا انہیں دیکھنے لگا۔

"تو بتا دیجئے ۔۔ عاق کر دیں گے ناں ۔۔ ؟؟؟

کر دیں مجھے فرق نہیں پڑتا۔ آپکو پتہ ہے میں جو

کرنے کی ٹھان لوں وہ کیے بنا چین سے نہیں

بیٹھتا۔ فیصلہ کر چکا ہوں میں کہ جو طلب اسنے مجھ

میں جگائی ہے اسے پورا بھی وہی کرے

گی۔۔۔!" وہ انتہائی بے باکی سے اپنی کیفیت ان

کے سامنے بیان کر رہا تھا۔

"تو زنا کرنے کی ٹھان لی ہے تم نے۔۔؟؟"

انہوں نے بھی بنا لگی لپٹی رکھے اس سے سوال

کیا۔ آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ وہ لڑکا ان

کی سوچ سے بڑھ کر ہٹ دھرم ہو گیا تھا۔

"فار گاڈ سیک اماں۔۔ کون سی دنیا میں رہ رہی ہیں

آپ۔۔؟؟ کوئی گناہ نہیں کر رہا ہے میں

۔۔ آجکل یہ بہت کامن ہے۔۔ بس لڑکی کو پیسے

دو اور۔۔۔!" روانگی میں کہتا وہ انکی آنکھوں سے

بہتے آنسو دیکھ کر رکا۔ منصب نے گہرا سانس

خارج کیا۔

"اس لڑکی کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرنے والا

میں۔۔ ریلیکس۔۔ پتہ نہیں آپ چھوٹی چھوٹی

باتوں کی ٹینشن کیوں لیتی ہیں یار۔۔

عمیر، عبداللہ اور صارم کو دیکھیں کبھی۔۔ سکول

ٹائم سے ہی یہ سب کرتے آرہے ہیں اور میں

کونسا اسے اپنے گلے پڑوالوں گا۔۔؟ ٹائم

گزاروں گا اور بس۔۔ میری طرف سے پھر

جہاں مرضی رہے وہ۔۔۔!" وہ بڑے عام سے

انداز میں انہیں اپنی پلاننگ بتا رہا تھا۔

"تم کب اتنا گر گئے مون۔۔؟؟؟تمہاری

سوچ۔۔؟؟تمہارے ارادے۔۔۔؟؟" بے

یقینی سے اسکی جانب دیکھتی وہ روتے ہوئے

بولیں تو وہ کلس کر رہ گیا۔

"پتہ نہیں آپ۔۔۔ آپ پتہ نہیں اماں کون سی

صدی میں رہ رہی ہیں۔۔!" جھنجھلاہٹ کا شکار

ہوتا وہ انکے پاس سے گزرتا دروازے کی طرف

بڑھا۔وہ غلطی سے بھی یہ سوچنا نہیں چاہتا تھا کہ

اسے صنف نازک کی قربت سے چڑ ہے۔

"اور ہاں بابا کو بتانا ہو تو بتا دیجئے گا۔وہ مجھے عاق کر

سکتے ہیں،مجھے روک نہیں سکتے۔۔!" سرکشی کی حد

ہی تو تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ لڑکی تمہاری کوئی طلب

پوری کرے گی۔۔!" انہوں نے اسے دھیمی

آواز میں آگاہ کیا۔شاید وہ اسکا اگلا جواب جاننا

چاہتی تھیں۔

"پیسہ سب کروالیتا ہے میری بھولی اماں۔۔!"

انکی تنبیہہ ہوا میں اڑاتا وہ کمرے سے نکل گیا۔

جیہ بیگم پریشان زدہ سی وہیں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ

گئیں۔ منصب شاہ کا سدھار۔۔؟؟؟؟ بھلا

ممکن بھی تھا۔۔؟؟وہ دکھتا سر لیے سوچتی رہ

گئیں۔

□♦□♦□♦□♦

فاطمہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

آدھا دن فاطمہ انہی کی طرف گزارا کرتی تھی اور

فاطمہ کی امی نور بیگم کے ساتھ بازاروں کے چکر

کاٹ رہی تھیں۔ مہرماہ کافی حد تک سنبھل چکی

تھی اور اب خود بھی فاطمہ کی شادی کے لیے

پرجوش سی تھی۔ ایک فاطمہ خود ہی تھی جو تعلیم

ادھوری رہ جانے پر افسردہ سی تھی۔ آج معمول

کے برعکس نور بیگم نے اسے فاطمہ اور اسکی امی

کے ہمراہ شادی کے کپڑوں کی خریداری کے لیے

بھیج دیا تھا۔وہ منصب کی طرف سے مطمئن تھیں

کیونکہ بھلے ہی انہوں نے مہرماہ کو منصب اور

اسکے مابین خونی رشتے کی بابت آگاہ نہیں کیا تھا

لیکن وہ جیہ بیگم سے کہہ چکی تھیں کہ وہ منصب

کو مہر سے اسکے رشتے کی بابت آگاہ کر دیں تا کہ

وہ مہر ماہ کو مزید نقصان پہنچانے کی کوشش نہ

کرے۔ مہر ماہ کے ماموں واپس سکھر جا چکے تھے

جبکہ ممانی (جیہ بیگم) شاید منصب ہی کے پاس

ٹھہری ہوئی تھیں جس سے نور بیگم آگاہ تھیں۔

اس وقت بھی شاپنگ بیگز اٹھائے چلتی مہرماہ نے

فاطمہ کو ٹہوکا مارا تھا۔

"اپنا موڈ تو ٹھیک کر لو۔۔ مجھ سے زیادہ تو

تمہارے حالات خراب لگ رہے ہیں مجھے۔۔!"

مہرماہ نے کلس کر کہا تو فاطمہ نے منہ بسورا۔

" کبھی جو زبردستی کا دولہا ملاناں تو پھر پوچھوں گی

موڈ کیسے ٹھیک ہوتا ہے۔۔!" اسکے ساتھ چلتی

فاطمہ نے جل کر کہا تو ان دونوں کے پیچھے آتی

اسکی امی نے فوراً اسکا بازو دبوچا۔

"تیرے منہ میں خاک بفیض (بے فیض) کبھی

تو اچھا بول لیا کر۔۔!" اسے لتاڑتے ہوئے ساتھ

ہی اسکی کمر میں دھموکا بھی جڑا تھا۔ وہ کراہ کر رہ

گئی۔

"کیا اماں کہیں تو بخش دیا کرو ہر جگہ بنا دیکھے

شروع ہو جاتی ہو۔۔!" اپنی پیٹھ سہلاتی وہ تڑپ

کر بولی۔ سر جھکائے چلتی مہرماہ کو لگا کوئی اسکا پیچھا

کر رہا ہے۔ اسنے نگاہیں گھما کر آس پاس دیکھا

لیکن کوئی نظر نہ آیا۔

"ہاں میں بخش، دوں اور تیری کالی زبان کے

آگے جو خندق ہے اسکا کیا۔۔؟؟ یہ جو ٹخنوں تک

لٹکتی زبان ہے ناں اسے لپیٹ کر منہ میں رکھ لے

ابھی بھی وقت ہے ورنہ میں بتلا رہی ہوں

سسرال جا کر جوتے کھائے گی تُو۔۔!" ہاتھ نچا

نچا کر کہتی وہ باآواز بلند اسکی عزت افزائی کر رہی

تھیں۔ فاطمہ بول کر پچھتائی۔

"جانے دیں ناں خالہ۔۔ کونسا اس کے کہہ دینے

سے مجھے زبردستی کا دولہا مل جانا ہے۔ آپ آئیں

یہاں اس شاپ میں ڈیزائن اچھے لگ رہے

ہیں۔" انکا دھیان بٹانے کو کہتی وہ مارکیٹ میں

داخل ہوتے ہی پہلی دوکان کی طرف اشارہ

کر کے بولی۔

"بس میری بچی یہی تو تیری سادگی ہے لیکن یہ

لڑکی۔۔اللہ کی پناہ۔۔!" جیولر کی شاپ میں

داخل ہوتی بھی وہ فاطمہ کو کوسنا نہیں بھولی

تھیں۔

"لو کر والو میرا موڈ ٹھیک۔۔!" مہرماہ کی طرف

جھکتی فاطمہ نے دہائی دی تو وہ بے اختیار ہنس

دی۔ منصب شاہ کی بے لگام نگاہوں نے پورے

استحقاق سے اسکی کھنکتی شفاف ہنسی دیکھی تھی۔

"اے فاطمہ یہاں آزرا۔۔لے یہ انگوٹھی پہن

کر دکھا۔۔!" گولڈ کی نفیس سی انگوٹھی فاطمہ کی

طرف بڑھاتے ہوئے اسکی امی نے عجلت میں کہا

تو نپے تلے قدم اٹھاتی فاطمہ نے مارے باندھے

انہیں وہ انگوٹھی پہن کر دکھادی۔ اسکے ہاتھ کی

تیسری انگلی میں وہ انگوٹھی خوب سجی تھی۔

"لو بھائی اسکی قیمت تو بتانا زرا۔ اور ہاں یہ ٹاپس

بھی دکھادو زرا۔ ہاں یہی نگوں والے۔۔!"

شیشے کے کاؤنٹر سے نظر آتے چھوٹے

ٹاپس پر انگلی رکھتی وہ بول رہی تھیں۔

"اب بس تمہارا سوٹ ہی رہ گیا ہے۔وہ جو سامنے

مارکیٹ ہے ناں وہاں سے لے لینا تم۔۔وہاں

اچھے ہوتے ہیں۔۔!" اپنی امی کی کاروائیوں سے

بے نیاز فاطمہ اسے کہہ رہی تھی جو عجیب سی

الجھن کا شکار آس پاس دیکھ رہی تھی۔

"ہاں لیکن وہاں تو بہت مہنگے ڈریسز ملتے ہیں۔ دام

بھی ایک ہی ہوتا ہے کم نہیں کرتے۔ میں اماں

سے کہوں گی وہ لا دیں گی مجھے۔ ویسے بھی میری

بس ہو چکی ہے گرمی نے حال خراب کر دیا۔۔!"

چادر کے پلو سے اپنی دمکتی پیشانی رگڑتی مہرماہ

آہستگی سے بولی۔فاطمہ کی امی انگوٹھی اور ٹاپس

کی قیمت ادا کر رہی تھیں۔

"اتنے مہنگے بھی نہیں ہوتے اور میں نے خود

دیکھا تھا نور آنٹی نے ہزار ہزار کے کافی نوٹ

اماں کو دیے تھے۔ ایک اچھا سا سوٹ تو آ ہی

جائے گا تمہارا۔۔!" فاطمہ نے اسے ڈپٹنے والے

انداز میں کہا۔ مہرماہ نے پلٹ کر ایک بار پھر شیشے

کی دوکان سے باہر دیکھا تھا لیکن اسے کوئی نظر

نہیں آیا تھا۔وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔

"اماں بس۔۔ایک سیٹ تو لے دیتی کم از

کم۔۔۔!" اپنی ماں کو دوکان سے نکلتے دیکھ فاطمہ

دبی دبی آواز میں بولی تو اسکی امی نے مڑ کر اسے

گھورا۔

"تیرا باپ تیرے لیے قارون کا خزانہ چھوڑ کر

نہیں مرا۔ یہ تو اللہ کا شکر ادا کر جس نے نور اور

بھائی صاحب کو وسیلہ بنا رکھا ہے ورنہ میری

اوقات تو تجھے سونے کی ایک بالی دینے کی بھی

نہیں۔۔!" مہرماہ سے نظر بچا کر وہ اسکے کان میں

غرائی تھیں۔فاطمہ نے لب بھینچتے ہوئے

چہرے کا رخ موڑا تو اسے سامنے والی جیولری

شاپ میں ایک نیکلس نظر آیا۔وائٹ گولڈ کی

موتی سی چین میں چھوٹے چھوٹے اناری یاقوت

جڑے ہوئے تھے۔ اسنے فوراً اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ

کر انہیں اپنے سنگ گھسیٹا۔

"اچھامت لے کر دو لیکن دیکھنے میں کیا حرج

ہے۔۔!" وہ دوکان کی طرف بڑھتی بے چارگی

سے بولی۔

"فاطمہ میرا ٹیم (ٹائم) نہ خراب کر۔۔چپ

چاپ باہر نکل۔۔!" وہ اسے روکنے کو بولیں لیکن

وہ انہیں چھوڑ کر مہر ماہ کا ہاتھ پکڑتی دوکان میں جا

گھسی۔

"بھائی صاحب یہ والا نیکلس دکھایئے گا۔۔!"

ماں کی گھوریوں کو نظر انداز کرتی وہ آرام سے

بولی۔ جیولر نے مجسمے کی گردن سے اتار کر وہ

نیکلس شیشے کے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ مہرماہ کو بھی وہ

نیکلس پسند آیا تھا۔

"لو مہر پہن کر دکھاؤ۔!" خود تو وہ برقعے میں

تھی سو مہرماہ کی چادر اسکی گردن سے ہٹاتی وہ

جلدی میں بولی تھی۔

"میں۔۔ لیکن۔۔ شادی تو تمہاری ہے

فاطی۔۔!" وہ کچھ جھجھک کر بولی۔

"لو تو تم میں مجھ میں کونسا فرق ہے۔ لو پہنو

ناں۔۔!" ضدی پن سے کہتے ہوئے فاطمہ نے

اسکا رخ شیشے کے پلر کی طرف کیا اور خود ہی

اسے نیکس پہنانے لگی۔ مرکری بلبوں کی روشنی

میں اسکی سفید گردن مزید دمک رہی تھی۔ فاطمہ

نے پرجوش سے انداز میں اسکی گردن کے گرد

وہ نیکلس لپیٹتے ہوئے پیچھے سے ہک بند کیا۔

جوڑے میں مقید اسکے بالوں کی کچھ لٹیں گردن

سے لپٹ رہی تھیں جنہیں بے دھیانی میں ہٹاتے

ہوئے فاطمہ انجان تھی کہ منصب کی نگاہیں اس

نیکلس پر ساکت ہو چکی ہیں۔

"اُفف۔۔ دیکھو ناں مہر کتنا پیارا لگ رہا ہے۔۔!"

مہرماہ کی ٹھوڑی اونچی کرتے ہوئے فاطمہ نے

چھکتی ہوئی آواز میں کہا تو گہرا سانس لیتی مہرماہ نے

یونہی نظر اٹھائی تھی لیکن شیشے میں نظر آتے

اپنے عکس کی بجائے اس کی نگاہ منصب کی نگاہوں

سے ملی تھی۔ اس کا تنفس پل میں بگڑا تھا۔ سیاہ

آنکھوں کی پلکیں لرز اٹھی تھیں جبکہ اس کی

بگڑتی حالت سے بے پرواہ وہ یک ٹک اس کے

شعاعیں بکھیرتے عکس کو گھور رہا تھا۔ مہرماہ نے

سرعت سے سر پر چادر لے کر پلٹ کر دیکھا تھا۔

وہ پھرتی سے بینر کی اوٹ میں ہوا تھا۔ مہرماہ کے

ہاتھوں میں کپکپاہٹ سی اتر آئی تھی۔

"مہر۔۔؟؟ کیا ہوا۔۔؟؟" اس کے چہرے کی

زرد پڑتی رنگت دیکھ کر فاطمہ نے اس کا ہاتھ

تھاما۔

"یہاں سے چلو فاطمہ۔۔پلیز جلدی چلو۔۔!"

کانپتے ہاتھوں سے اس کی کلائی جکڑتی وہ وہاں سے

بھاگی۔

"او میڈم کہاں بھاگ رہی ہو ہار تو واپس کرو۔۔

اوئے اس بڑھیا کو روک۔۔۔اسکو مت جانے

دینا۔۔!" وہاں سے سرپٹ بھاگتی مہرماہ کو دیکھ کر

جیولر نے گارڈ کو فاطمہ کی امی کو روکنے کا کہا تھا۔

" ارے بیٹا میں کہیں نہیں جا رہی۔۔بچی شاید

گھبرا گئی ہے ابھی واپس آجائے گی ہم چور نہیں

ہیں۔۔!" آس پاس لوگ اکٹھے ہوتے دیکھ وہ

عاجزانہ بولی تھیں۔دوکان سے ہی ایک دولڑکے

مہرماہ اور فاطمہ کے پیچھے بھاگے تھے جب وہ

سرعت سے ان کے سامنے آیا تھا۔

"ایک منٹ۔۔کیا قیمت ہے اس نیکلس

کی۔۔؟؟"جینز کی پاکٹ سے والٹ نکالتا وہ آرام

سے بولا تھا۔ان دونوں لڑکوں نے کچھ حیرت

سے ایک دوسرے کو دیکھا جن میں سے ایک

جیولر کا بیٹا تھا۔

"ڈھائی لاکھ۔۔!" جیولر کا بیٹا بنا اٹکے پورے

اعتماد سے بولا۔

"ٹھیک ہے یہ پکڑو۔۔شاپ پر جاؤ اور اپنی رقم

لے کر میرا کارڈ واپس کرو میں یہیں ویٹ کر رہا

ہوں۔۔!" اپنا کریڈٹ کارڈ اسکی طرف بڑھاتے

ہوئے اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"اور وہ عورت۔۔؟؟" وہ لڑکا بولا تو منصب نے

اپنی بھنویں اچکائیں۔

"میں اسے نہیں جانتا۔۔ لیکن جب تمہیں

تمہارے پیسے مل رہے ہیں تو اسے جانے دو۔۔!"

منصب نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلاتا پلٹ گیا۔

وہ قریباً پانچ منٹ وہیں روڈ پر ایک طرف کھڑا

اس لڑکے کا انتظار کرتا رہا تھا جب وہ اس کا کارڈ

اور رسید لیے واپس آ گیا۔ منصب نے ایک نظر

ڈال کر اس پر سائن کر دیئے۔ مہرماہ اور اسکی

دوست کا ابھی تک کچھ اتہ پتہ نہیں تھا اور اس

نے ابھی تک اس عورت کو بھی جیولرز مارکیٹ

سے باہر نکلتے نہیں دیکھا تھا۔

"ہمم۔۔۔وہ عورت۔۔؟؟" منصب نے پوچھا۔

"اسے بتا دیا ہے کہ پیمنٹ ہو گئی ہے۔۔!" لڑکا

اسے آگاہ کرتا پلٹ گیا تو منصب نے ایک نظر

سڑک پر ڈالی پھر تھوڑے فاصلے پر کھڑی اپنی

گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ اسے زیادہ انتظار نہیں

کرنا پڑا تھا۔ دو سے تین منٹ بعد ہی اسے اپنی

دوست کے ساتھ وہ وہاں آتی نظر آگئی تھی۔ سیاہ

آنکھوں کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ گلابی آنکھوں

میں آنسو لیے وہ فاطمہ کا بازو دبوچے سراسیما

نگاہوں سے آس پاس دیکھتی جیولرز مارکیٹ کی

طرف بڑھ رہی تھی۔ منصب لب بھینچے خاموش

نگاہوں سے اس کا ڈرا سہما گھبرایا ہوا روپ دیکھ رہا

تھا۔ وجود میں ایک بار پھر نئے سرے سے تڑپ

جاگ اٹھی تھی۔ تبھی اسے مارکیٹ سے وہ

عورت بھی نکلتی دکھائی دی۔ فاطمہ اور مہرماہ

دونوں ان کی جانب لپکی تھیں۔

"امی وہ مہر نے اسی غنڈے منصب کو دیکھ لیا تھا۔

اس لیے یہ وہاں سے بھاگی۔ انہوں نے آپکو کچھ

کہا تو نہیں۔۔ یہ رہا نیکلس آئیں ہم انہیں واپس کر

دیتے ہیں۔۔!" مٹھی میں دبا نیکلس اپنی ماں کی

نگاہوں کے سامنے کرتی فاطمہ جلدی سے بولی۔

"اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔۔ جانے اللہ کا

کون نیک بندہ تھا۔ اس نے قیمت ادا کر دی تو

دوکان دار نے مجھے جانے دیا۔۔!" وہ ان دونوں

کو دھیمی آواز میں آگاہ کر رہی تھیں۔

"ہیں۔۔؟؟؟ سچی امی۔۔؟؟" فاطمہ کی تو باچھیں

کھل گئیں جبکہ مہرماہ کے دل کو دھڑکا لگا تھا۔

"ہاں ناں پتہ نہیں کون تھا اس نے ادا کر دی

قیمت۔۔اب یہ نیکلس مہرماہ کا ہے۔۔!" فاطمہ

کے ہاتھ سے نیکلس جھپٹتے ہوئے انہوں نے

سنجیدگی سے کہا۔مہرماہ نے ایک بار پھر نظریں

گھمائی تھیں۔وہ فاصلے پر ہونے کے باوجود اس

کے گلابی چہرے پر پھیلے گھبراہٹ کے نمایاں

آثار دیکھ سکتا تھا۔

"کیوں مہر ماہ کا کیوں ہے۔۔؟؟ شادی تو میری

ہے یہ اللہ میاں کی طرف سے میرے لیے تحفہ

ہے۔۔!" ماں سے نیکلس چھینتے ہوئے وہ فوراً بولی

تھی۔

"فاطمہ۔۔۔۔!" اسے گھورتی وہ چلائی تھیں۔

جبکہ مہرماہ جس کی جان پہلے ہی ہلکان ہو رہی تھی

اپنے دماغ میں پنپتے شک کی بنا پر بول پڑی۔

"فاطمہ ٹھیک کہہ رہی ہے خالہ۔۔ یہ نیکلس اسی

کا ہے میں نے تو بس پہن کر دکھایا تھا۔۔!" کہتے

ہوئے وہ بڑی مشکلوں سے مسکرائی تو فاطمہ کی

جان میں جان آئی تھی۔ اس نے سرعت سے

نیکلس اپنے بیگ میں ڈال لیا۔ سارا منظر دیکھتے

منصب کی بھنویں تن گئیں۔وہ سرد نگاہوں سے

مہرماہ کو گھور رہا تھا جو اب ان دونوں ماں بیٹی کے

ساتھ وہاں سے پلٹ رہی تھی۔ سٹئیرنگ وہیل

پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ آنکھیں میچے خود پر ضبط

کرتا رہا۔ پھر باہر نکلا اور جیولر مارکیٹ کی طرف

بڑھا۔ اگلے دس منٹ میں وہ ویسا ہی دوسرا

نیکلیس خرید چکا تھا۔ کیوں۔۔۔؟؟؟؟ یہ

سوچنے کی اس نے زحمت نہیں کی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"فاطمہ میں کہہ رہی ہوں ناں مجھے نہیں لینا کوئی

سوٹ اماں لے آئیں گی بس اب گھر چلو۔۔!"

فاطمہ سے اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش کرتی

مہرماہ التجائیہ انداز میں بولی تو فاطمہ نے اسے

گھورا۔

"بیس پچیس منٹ کا تو سوال ہے شرافت سے

چلی چلو۔ آنٹی کہاں گرمی میں خوار ہوتی پھریں

گی اب ہم آئے ہیں تو لے لیتے ہیں ناں۔۔!"

اسے کراچی کے مشہور ترین شاپنگ مال میں لے

کر گھستی وہ ڈپٹنے والے انداز میں بولی تو مہر ماہ

منمنائی۔

"ارے بیٹی فاطمہ ٹھیک کہہ رہی ہے ایک سوٹ

ہی تو لینا ہے۔بس فٹافٹ لے لیں گے پھر چلتے

ہیں۔۔!" اسکے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فاطمہ

کی امی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ مہرماہ

نے کافی مرتبہ پلٹ کر دیکھا لیکن اسے وہ کہیں

نظر نہیں آیا تھا۔ شاید وہ جا چکا تھا۔ تھوڑی پس و

پیش کے بعد وہ رضامند ہوتی مختلف دوکانوں میں

اپنے لیے سوٹ پسند کرنے لگی۔ پندرہ بیس منٹ

یونہی اطمینان سے گزر گئے تو وہ کچھ ہلکی پھلکی سی

ہو گئی۔ کافی جدوجہد کے بعد فاطمہ کو مہرماہ کے

لیے ایک گرے نیٹ کا فراک پسند آگیا تھا جو کمر

کے پاس سے فٹنگ میں تھا جبکہ کمر سے نیچے اسکے

گھیر شروع ہوتے پیروں تک آرہے تھے۔

"چلو یہ ٹرائے کرو۔۔!" فراک اسکی طرف

بڑھاتے ہوئے فاطمہ نے کہا۔

"ٹرائے کیوں کرنا ہے بس لے لوناں۔۔!" ہاتھ

سے فراک پرے کرتے ہوئے مہرماہ نے بے زار

سے انداز میں کہا۔

"چلو جی ایک تو تمہارا یہ بڑھاپا مجھ سے بالکل ہضم

نہیں ہوتا۔ گھر جا کر ڈھیلا ہوا تو پھر کیا کرو

گی۔۔؟؟ براہ مہربانی یہ پکڑو اور پہن کر دکھاؤ۔۔

چلو۔۔!" اسے ہاتھ سے پکڑ کر باقاعدہ چینجنگ

روم کی طرف لے جاتی وہ چڑتے ہوئے بولی تو

مہرماہ کو چاروناچار وہاں کھڑے ہونا پڑا۔

"ویسے حد ہے تجھ پر خوامخواہ ضد کرتی ہے۔بچی

کی رنگت دیکھ کیسے زرد ہوئی جارہی ہے جب وہ

کہہ رہی تھی کہ نہیں پہننا تو کیا ضرورت تھی

زبردستی کرنے کی۔۔؟؟" مہرماہ کو روم میں گھستے

دیکھ فاطمہ کی امی نے اسے لتاڑا۔

"اوففففو اماں۔۔ تمہیں ناں میرے علاوہ سبھی پر

رحم آتا ہے۔ اور جب اتنے پیسے بٹور لیے تم نے

نور آنٹی سے تو کیا سوچتی وہ۔۔؟؟ ایک سوٹ

بھی نہ دلوایا مہر کو۔۔؟؟" انہیں اپنی عقل کے

ٹوٹے ناخن تھمانے کی کوشش کرتی وہ بڑبڑائی تو

انہیں خاموش ہونا پڑا۔

"اب منہ نہ لٹکاؤ یہاں آؤ یہ دیکھو شال کیسی

ہے۔زرا اوڑھ کے تو دکھاؤ۔۔!" انہیں اپنے

ساتھ لیے قریبی دوکان کی طرف بڑھتی وہ

پر اشتیاق انداز میں بولی۔

"توکرائے کے پیسے رہنے دے گی میرے بٹوے

میں یا وہ بھی یہیں سوٹوں جُتیوں (جوتیوں) اور

چدروں (چادروں) میں ختم کروائے گی ہیں

کمبخت ماری۔۔!" اسکی کمر میں دھموکا جڑتی وہ

غرائیں۔

"ارے اماں آؤ تو سہی۔۔!" وہ بنا اثر لیے انہیں

اپنے ساتھ ہی لے گئی۔ جبکہ وہاں مہرماہ نے

فراک پہن کر ایک بار گھوم کر خود کو دیکھا تھا۔

کمر سے نیچے نیٹ کے گھیروں سے وہ فراک کافی

پھولا ہوا تھا جس کے باعث اسکی نازک جسامت

واضح ہو رہی تھی۔ سڈول بازو نیٹ کی تہہ سے

جھانکتے چاندی کی مانند چمک رہے تھے۔ اپنا عکس

دیکھتی وہ یونہی مسکرائی جب اچانک اس چھوٹے

سے کمرے کی لائیٹ بند ہو گئی۔ گھپ اندھیرے

میں دروازے کی لکیر سے باہر کی روشنی اندر

آرہی تھی۔ وہ دروازہ کھولنے کو سرعت سے پلٹی

تبھی کوئی دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ آنے

والے کو دیکھ کر مہرماہ کے لبوں سے بے اختیار چیخ

نکلی تھی جسے دروازہ واپس بند کرتے ساتھ ہی

مقابل نے سرعت سے اپنے بھاری ہاتھ تلے دبا

دیا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

اپنے منہ پر مردانہ ہاتھ کی سختی محسوس کرتی وہ

تڑپ اٹھی۔اس کی گرفت سے خود کو آزاد

کروانے کے لیے اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کا

منہ نوچنا چاہا جب مقابل نے سرعت سے اس کی

کلائیاں جکڑ کر اسے ایک طرف کھینچ لیا۔

"پلیز میری بات سنو۔۔!" اسے دیوار سے لگاتے

ہوئے وہ ملتجیانہ گویا ہوا۔ زہرہ نے زور شور سے

سر کو دائیں بائیں ہلایا تو ولید نے آہستگی سے اس

کے لبوں سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"پیچھے ہٹیے مجھے آپ کی کوئی بات نہیں

سننی۔۔۔!" اسے پیچھے کی طرف دھکا دیتی وہ

غرائی تھی۔

"زہرہ میری بات سنو پلیز۔۔۔ صرف ایک

بار۔۔!" اس کی کلائی تھامتا وہ پھر سے اسکے

قریب ہوا تو اسکے وجود سے پھوٹتی مخصوص

خوشبو محسوس کر کے زہرہ نے اذیت سے

آنکھیں میچ لیں۔

"کیوں میری زندگی کو جہنم بنا رہے ہیں

سرکار۔۔۔!" اسکے لب بے بسی کے شدید

احساس تلے پھڑ پھڑائے تھے۔ ولید کا دل اسکی

حالت پر کرلانے لگا۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے اس

سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اس

سے بچتی پھر رہی تھی۔ اور آج اگر موقع ملا بھی

تھا تو وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"میں تمہیں اس جہنم سے نکالنا چاہتا ہوں

زہرہ۔۔شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔۔بولو کرو

گی مجھ سے شادی۔۔تھامو گی میرا

ہاتھ۔۔؟؟"زہرہ کی بھیگی آنکھوں میں جھانکتا وہ

ٹھہر ٹھہر کر بولا تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"میری زندگی کو جہنم آپ نے بنایا ہے سرکار

لیکن میرے وجود میں لگی آگ سے کوئی واقف

نہیں ہے۔مجھے وہ خواب مت دکھائیں جسے آپ

پورا نہیں کرسکتے۔اگر میں نے یہ خواب دیکھنے

کی حماقت کرڈالی تو اپنے وجود سے اٹھتا دھواں

میں چھپا نہیں پاؤں گی اور پھر میری بدنامی کے

ذمہ دار بھی آپ ہوں گے۔۔ صرف آپ۔۔!"

ولید سے نظریں پھیرتی وہ ہارے ہوئے انداز

میں بولی تھی۔ جبکہ اس کے یوں شکستہ لب و لہجے

پر وہ اپنے لب بھینچتا اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ کچھ دیر

اسکی نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس کرتی رہی پھر

برداشت کھوتی اسے خود سے دور دھکیلنے کی

کوشش کرتی چلائی۔

"اب ہٹیے بھی۔۔!" اسکے انداز میں مزاحمت

تھی۔وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"میری بات کان کھول کر سنو زہرہ۔۔تم۔۔

صرف میری ہو۔اور تمہیں میرا ہی ہونا ہے۔

میں تمہیں کوئی خواب نہیں دکھا رہا واضح لفظوں

میں بتا رہا ہوں کہ تم میرا ہاتھ تھامو گی۔میں بابا

جان سے ایک آخری بار بات کروں گا،اگر وہ نہ

مانے تو تم مجھ سے کورٹ میرج کرو گی۔ سمجھ

گئی۔۔؟؟" اس کی جھکی پلکوں پر چمکتی نمی کو

گھورتا وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولا۔ اسے اندازہ

ہو چکا تھا وہ نرم لہجے کی گاہک نہیں ہے۔

"پوچھ رہا ہوں کچھ۔۔؟؟" اسکی ٹھوڑی اونچی

کرتے ہوئے ولید پھر سے بولا تو زہرہ نے نظریں

اٹھا کر ناگواری سے اسکی جانب دیکھا۔

"نہیں کروں گی۔۔ کبھی نہیں کروں گی۔۔!"

ہمت کرتی وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ آنکھوں سے

ٹوٹتے آنسو اسکے اندر کی بے بسی عیاں کر رہے

تھے لیکن وہ اسکے سامنے مضبوطی سے کھڑی

تھی۔ اسکے انکار پر دانت بھینچتے ہوئے ولید نے

سختی سے اسکے بازو دبوچے۔

"میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا لیکن تم مجھے جانور

بننے پر مجبور کر رہی ہو۔ پاگل کر رہی ہو زہرہ۔۔

پاگل کر رہی ہو تم۔۔۔!" اپنا ضبط قائم رکھنے کی

کوشش میں سرخ پڑتا وہ ایک ایک لفظ پر زور

دیتا بولا۔ تو زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"بنے ہوئے کو کون بنائے سرکار۔۔ آپ تو پہلے

سے ہی جانور ہیں۔ میری کیا اوقات کہ آپ

کو۔۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول رہی تھی

جب ولید نے ایک جھٹکے سے اسکے بازو اپنی آہنی

گرفت سے آزاد کیے۔ اسکی چلتی زبان کو بریک

لگے تھے۔

"چلی جاؤ یہاں سے۔۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ

غلط کر ڈالوں۔۔ نکلو۔۔۔!" ہاتھ سے اسے وہاں

سے جانے کا اشارہ کرتا وہ دہاڑا تو اس طرف آتی

ناجیہ بیگم کے قدم رک گئے۔

"مجھے آپکے سامنے رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔

بہتر ہے آپ خود میرے قریب مت آیا

کریں۔۔!"اس تذلیل پر آنسو پیتی دھیمی آواز

میں کہتی وہ وہاں سے جانے کو پلٹی جب اس کاری

وار پر ولید نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر اسکی

کلائی دبوچ لی۔

"شوق بدل لو تو یہی تمہارے لیے بہتر ہو گا۔

کیونکہ میں بارہا تمہارے قریب آنے کا شوق

رکھتا ہوں۔۔!" اسکے کان کے قریب جھکتا وہ

سرگوشیانہ بولا تو زہرہ کی روح لرز اٹھی۔ اسکی

گرفت سے زیادہ سختی اسکے لہجے میں تھی۔ ان

دونوں کی گفتگو سنتی ناجیہ بیگم سرعت سے سامنے

آئی تھیں۔ زہرہ جو اسکی گرفت میں بے بس سی

کھڑی کانپ رہی تھی انہیں اپنے مقابل دیکھ کر

دھک سے رہ گئی۔

"سرکار۔۔!" اسکے لب پھڑپھڑائے۔ ولید سیدھا

ہوا۔ اسکی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر اسنے زہرہ کی

نظروں کے تعاقب میں پلٹ کر دیکھا۔ خاموش

کھڑی ناجیہ بیگم ساکت نگاہوں سے ان دونوں کو

دیکھ رہی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے ولید شاہ۔۔؟؟" انکی آواز میں

سختی تھی۔ نگاہوں میں تاسف تھا۔ ولید نے

آہستگی سے زہرہ کی کلائی چھوڑ دی۔

"زہرہ تم جاؤ۔۔!" ولید نے اسے وہاں سے جانے

کا کہا جو سر جھکائے آنسو بہانے لگی تھی۔

وہ وہیں کھڑی رہی تو ولید نے اسے سخت نظروں

سے گھورا۔

"کیا کہا ہے میں نے تمہیں۔۔؟؟" اسکا انداز

غضبناک تھا۔وہ اسکی نگاہوں سے گھبراتی وہاں

سے بھاگی۔ولید اطمینان سے ناجیہ بیگم کی طرف

متوجہ ہوا۔

"بات کر رہا تھا میں اس سے۔۔!" ولید نے

پورے اعتماد سے انہیں جواب دیا۔

"اگر کوئی اور تمہیں اس سے بات کرتے دیکھ لیتا

تو جانتے ہو کیا ہوتا۔۔؟؟" اسکے مقابل آکر

ٹھہرتی وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔

"شاید بروقت نکاح ہو جاتا۔۔!" بالوں میں ہاتھ

چلاتے ہوئے اسنے غیر سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تم سنجیدہ ہو تو میں شاہ سائیں (وقار شاہ)

سے بات کر لیتی ہوں۔شاید وہ بابا سرکار کو راضی

کر سکیں۔۔!" معاملے کی تہہ تک پہنچتی وہ

سنجیدگی سے بولیں۔

"بھائی سرکار اپنے لیے تو کچھ کر نہیں سکے میرے

لیے کیا کرلیں گے۔؟ یہ میری جنگ ہے بھابھی

جس میں مجھے بابا سرکار کی اجازت سے زیادہ زہرہ

کے ساتھ کی ضرورت ہے۔ آپ بھائی کو پریشان

مت کریں۔۔!" وقار عالم شاہ کا ذکر کرتے

ہوئے اسکے لہجے میں خاصا افسوس تھا۔ناجیہ بیگم

ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

"اللہ تمہارے لیے آسانیاں پیدا کرے لیکن

آئندہ احتیاط کرنا۔ صندل کو بھنک پڑ گئی تو زہرہ

کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔۔!" کچھ سوچ

کر سر اثبات میں ہلاتی وہ نرمی سے بولیں تو انکی

نصیحت پر وہ ممنون سا ہوتا مسکرا دیا۔

"آمین۔۔!" اسکے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

ناجیہ بیگم ان دونوں کے لیے فکر مند ہوتی وہاں

سے چلی گئیں۔ انہیں آج ولید کو زہرہ کے

مقابل دیکھ کر حیرت ہوئی تھی لیکن شدید نہیں

کیونکہ وہ کئی سالوں سے اسکی آنکھوں میں جلتی

محبت کی قندیلیں دیکھتی آرہی تھیں۔ وہ ان

دونوں کے لیے کچھ خاص پر امید نہیں تھیں

کیونکہ اس حویلی کی روایات سے وہ باخوبی واقف

تھیں جن میں کہیں بھی ایک کم ذات ملازمہ کو

بہو کا درجہ دینے کا رواج شامل نہیں تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے

تمہاری ہی جانوں سے تمہارے جوڑے پیدا کیے

تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے

تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔"

سعیدہ بی بی کی دھیمی پر سکون آواز انکے حجرے

کی خاموشی میں میٹھا ارتعاش برپا کر رہی تھی جو

مریدنیوں کے گرد حصار باندھے ہوئے تھا۔

وہیں ایک جانب لکڑی کے ریک میں اسلامی

کتب کی ترتیب درست کرتی حدیبہ بھی موجود

تھی۔

"اللہ نے مرد کو عورت کا محافظ مقرر کیا ہے حاکم

نہیں۔ مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے اسلیے

نہیں کہ وہ عورت پر حکمرانی کرے بلکہ اس لیے

کہ وہ عورت کی حفاظت کرے۔ جس طرح ایک

مرد پر عورت کے حقوق نافذ کیے گئے ہیں اسی

طرح عورت کے بھی کچھ فرائض ہیں۔ اور پہلا

فرض اطاعت ہے۔ ایک مومن عورت اپنے

شوہر کی فرمانبردار ہوتی ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر

مدھم آواز میں بول رہی تھیں۔حدیبہ کو بے

اختیار فدا کا مدھم لب ولہجہ یاد آیا تھا۔

"آپ تو سو جائیں گی میرا کیا بنے گا حیبہ۔۔؟؟"

لہجہ آس لیے ہوئے ہی تو تھا۔

"میری طرف سے چاہے مقبرہ بنے۔ یہاں سے

دفع ہو جائیں آپ۔۔" اسے اپنا چیختا چنگھاڑتا

جواب یاد آیا تو جانے کیوں ضمیر نے اسے

جھنجھوڑتے ہوئے اپنے بدصورت رویے کا

احساس دلایا تھا۔

"عورت کو جہنم تک لے جانے والے عناصر میں

شوہر کی نافرمانی کے بعد فحاشی اور بے حیائی اول

ہیں۔۔!" سعیدہ بی بی کی آواز کسی بھاری

ہتھوڑے کی مانند اسکے سر پر ضربیں لگا رہی تھی۔

"اور بی بی جو شوہر مارتا ہو اسکا کیا علاج ہے۔ جو

پیار بھری ایک نظر بھی نہ ڈالے ایسے بندے

کے ساتھ تو اک گھر میں رہنا بھی عذاب

ہے۔۔!" ایک حالات کی ماری مریدنی دکھیاری

آواز میں بولی تو سعیدہ بی بی ایک ٹھنڈی آہ بھرتی

مسکرائیں۔

"سکینہ تم سے بروز قیامت یہ سوال نہیں پوچھا

جائے گا کہ تمہارے شوہر نے تمہارے ساتھ

کیسا رویہ برپا رکھا۔؟؟ تم سے تمہارے رویے کا

سوال کیا جائے گا۔۔ اسلام کہتا ہے صبر ۔۔ اور

صبر ۔۔ اور صبر ۔۔ پھر کہیں جا کر میٹھا پھل

نصیب ہوتا ہے۔ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ

والہ وسلم کے امتی ہونے کے باوجود ہم پتھر

مارنے والے کو اینٹ سے جواب دیں تو ہماری

تعلیمات کس کام کیں۔۔؟؟ اپنے شوہر کے

رویے کی فکر اس پر چھوڑ دو۔ تمہارا حساب

تمہارے رویے کے مطابق ہونا ہے اسے درست

رکھو۔۔!" انہوں نے بڑی متانت سے اسے

جواب دیا تھا۔ حدیبہ کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اسکا

حساب بھی تو اسکے رویے کے مطابق ہی ہونا

تھا۔۔؟؟اور فدا حسین۔۔؟؟ اسکا رویہ۔۔؟؟

سوچتے ہوئے اسکی آنکھ بھر آئی۔

"میرے ماں باپ نے تو میری شادی میرے ابا

کی عمر کے بابے سے کر دی بی بی۔۔جب جب

اسے دیکھتی ہوں میرا دل بھر آتا ہے اب آپ

ہی بتاؤ جسے دیکھنے کو دل نہیں چاہتا اس کی

فرمانبرداری کیسے کروں۔۔۔؟؟" یہ ایک بیس

اکیس سالہ پکے رنگ کی لڑکی کا سوال تھا جسے سن

کر حدیبہ کے دل کی بات کو زباں ملی تھی۔

"جس کام میں تمہاری رضا شامل نہ ہو اور پھر بھی

وہ ہو جائے تو سمجھ لینا اس میں اللہ کی رضا ہے۔

اور اللہ کی رضا کے سامنے کیسا سوال۔۔؟؟ کیسا

احتجاج۔۔؟؟ اللہ کے سامنے تو بخوشی سر تسلیم

خم کیا جاتا ہے بانو۔اپنے شوہر کی اطاعت اپنے

دل کی خوشی سے نہیں اللہ کی خوشی کے لیے

کرو۔ایک بس پھر۔۔۔"نرمی سے کہتے ہوئے وہ

بات ادھوری چھوڑ کر مسکرائیں۔

"پسند کو چھوڑ دینا زرا مشکل ہوتا ہے۔لیکن

ناپسند کو اپنا لینا ناممکن۔۔اور اس امر کو جو نقطہ

یقینی بناتا ہے وہ اللہ کی رضا ہے بانو۔ جو ناپسند ہو

اس پر اللہ کی رضا کے لیے صبر کر لو۔ اسلام تو

یہی کہتا ہے، صبر۔۔ اور صبر۔۔ اور صبر۔۔۔!"

وہ بولتی چلی جارہی تھیں اور حدیبہ کی آنکھیں

پانیوں سے بھرتی چلی جارہی تھیں۔ انکی آواز

میں کوئی جادو تھا۔ کوئی سحر جس نے اسکا دل دہلا

ڈالا تھا۔ مرید نیاں لاجواب سی ہو گئیں۔ حدیبہ

وہیں کھڑی اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی جب زہرہ

وہاں آئی تھی۔

"حدیبہ بی بی۔۔؟؟" اپنے نام کی پکار پر وہ پلٹی۔

زہرہ اسکے قریب آئی۔

"فدا سائیں کا فون آیا ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔۔!" وہ دھیمے لہجے میں اسے آگاہ کر

رہی تھی۔ حدیبہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے

سعیدہ بی بی کی جانب دیکھا جو اب کہہ رہی تھیں۔

"اگر تم اس فانی دنیا میں اللہ کے دیے پر راضی

ہو جاؤ تو اُس ابدی دنیا میں اللہ تمہاری رضا پوری

کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔ سو اب چناؤ تمہارے

ہاتھوں میں ہے۔یہ جہاں۔۔۔یا۔۔وہ

جہاں۔۔۔!" اپنی بات ان سب تک پہنچاتی وہ

فیصلہ انہی پر چھوڑ چکی تھیں۔حدیبہ اپنے آنسو

پیتی ان کے کمرے سے نکل آئی۔"بی بی آپ

سرکار سے بات کر لیا کریں ناں۔بابا جی سرکار

اس دن بھی مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آپ

سرکار کا فون اٹھاتی ہیں یا نہیں۔۔!" اسکے پیچھے

پیچھے چلتی زہرہ بہت آہستگی سے بولی تو حدیبہ نے

لب کاٹتے ہوئے اسکی جانب دیکھا۔

"توتم نے کیا جواب دیا۔۔؟؟"پلکیں جھپکا جھپکا

کر آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرتی وہ بھرائی

ہوئی آواز میں بولی۔

"میں نے کہہ دیا کہ آپ سرکار سے بات کرتی

ہیں۔اب یہ تو اللہ ہی جانے کہ باباجی نے اس

بارے میں فدا سرکار سے بات کی ہے یا نہیں۔

اگر وہ سرکار سے بھی پوچھ چکے۔۔۔!"زہرہ اپنی

دانست میں اسے بتا رہی تھی جب حدیبہ نے

اسے ٹوک دیا۔

"بس خاموش ہو جاؤ۔۔۔!" اسکے انداز میں

وحشت سی تھی۔ لینڈ لائن پر کال جاری تھی۔

جانے وہ کب سے انتظار کر رہا تھا۔ وہیں پاس ہی

صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسنے ریسیور کان سے لگا

لیا۔ زہرہ نے ایک خالی خالی سی نظر اس پر ڈالی جو

ہر مرتبہ فدا کی کال آنے پر بہانہ بنا دیا کرتی تھی

لیکن آج وہ وہاں اس سے بات کرنے کے لیے

موجود تھی۔ اسے فدا کے سلام کا جواب دیتے

دیکھ زہرہ پلٹ گئی۔

"آپ کو چین کیوں نہیں پڑتا۔۔؟؟ دو دن بعد

کال کر کے میرا کیوں پوچھنے بیٹھ جاتے ہیں

آپ۔۔؟؟" وہ دھیمی آواز میں اس سے شکوہ کر

رہی تھی۔

"میں دو دن بعد نہیں ہر دن آپکے لیے کال کرتا

ہوں لیکن آپکی چچی مجھے ٹال دیتی ہے۔۔!" وہ

یقیناً زہرہ کی بات کر رہا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے

بھی اپنے لب بھینچ گئی۔

"تو اگر آپ نے مجھ سے دور رہ کر بھی مجھے ہر روز

اپنی موجودگی کا احساس کروانا ہے تو دور جانے کا

تکلف ہی کیوں کیا ہے۔۔؟؟" اسے خوامخواہ ہی

غصہ آنے لگا۔ اسکے سوال پر وہ دوسری جانب

مسکرا دیا۔

"مجھے یہاں آئے پندرہ دن ہونے کو ہیں حیبہ اور

اس دوران آج پہلی بار مجھے آپکی آواز سننے کو مل

رہی ہے۔ پھر بھی آپ کہتی ہیں تکلف۔۔۔؟؟"

فدا کی آواز میں اذیت تھی۔ وہ اس پل واقعی

کوئی چھوٹا سا بچہ لگ رہا تھا۔ حدیبہ نے بے بس

سی ہو کر اپنی پیشانی مسلی۔

"میں ہوں کہ دن رات آپکی یاد میں بے چین

ہوں اور آپ ہیں کہ۔۔۔!" بولتے ہوئے اس

کی آواز بھاری ہوتی جا رہی تھی۔ حدیبہ نے بے

اختیار گہرا سانس اختیار کیا۔

"ایک بات بتائیں آپ فدا سائیں۔۔۔ آپ کا

اپنے دل پر زور نہیں چلتا ناں۔۔؟؟ مجبور ہیں ناں

آپ دل کے ہاتھوں۔۔۔؟؟" وہ عاجز ہوتی اب

کی بار نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ فدا اسکے سوال کا

مقصد سمجھتا تھا۔

"تو میں کب کہہ رہا ہوں آپ اپنے دل کے ساتھ

زبردستی کریں یا اسے مجبور کریں۔ جو جیسا چل

رہا ہے اسے ویسا ہی چلنے دیں لیکن۔۔!" اسکے

سوال کا جواب دینے کی بجائے اسکے اگلے جواز کو

رد کرتا وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا جب اسکی بات

کاٹتی وہ چیخ گئی۔

"کیا چلنے دوں۔۔؟؟ کیسے چلنے دوں فدا

سائیں۔۔ میں گناہگار ہو رہی ہوں۔ سارے جرم

میرے کھاتے میں لکھے جا رہے ہیں اور یہ جو کچھ

بھی ہو رہا ہے، صرف آپکی ضد کی وجہ سے ہے

فدا سائیں۔۔ صرف آپ کی ضد۔۔۔!" وہ اپنا

ضبط کھو بیٹھی تھی۔

"اگر میری محبت آپ کو ضد لگتی ہے تو اس میں

میرا کیا قصور ہے۔۔؟؟" فدا کا لہجہ ہنوز نرم تھا۔

"محبت۔۔۔ محبت۔۔۔ محبت۔۔۔ نہیں چاہئیے

آپ کی محبت۔۔ الجھن ہوتی ہے مجھے آپکی اس

گردان سے، دم گھٹتا ہے دل خراب ہوتا ہے میرا

لیکن آپ۔۔ آپ پتہ نہیں کب یہ۔۔ کیسے یہ

سب خرافات دماغ میں گھسا بیٹھے۔۔۔!" وہ اپنے

تمام تر تلخ احساسات اسکے کانوں میں انڈیلتی

سفاکی کی حد کر گئی۔ دوسری جانب وہ پل بھر کو گم

صم سا ہو گیا۔

"آپ بہت ظالم ہیں بی بی۔۔ ہمیشہ سچ بولتی ہیں،

کبھی تو دل رکھ لیا کریں۔۔!" اپنے حلق میں

اٹکتے نمکین قطرے نگلتے ہوئے وہ ضبط سے بولا تو

اپنی بے کسی پر تھکتی وہ صوفے کی پشت سے ٹیک

لگاتی آنکھیں موند گئی۔

"مجھے ظالم بننے پر آپ ہی نے مجبور کیا ہے ورنہ

مجھے آپ سے عزیز تر کوئی نہ تھا۔۔!" آنکھوں

کے گیلے ہوتے گوشے صاف کرتی وہ آہستگی سے

بولی۔

"ہاں میں ہی قصوروار ہوں۔ سارے گناہ

میرے ہی تو ہیں۔ کل پھر سے گناہ کرنے والا

ہوں تو سوچا ایک بار آپ سے اجازت لے لوں

اسی لیے کال کی تھی۔۔!" بات سمیٹتا وہ سنجیدگی

سے بولا تو حدیبہ ٹیک چھوڑتی سیدھی

ہوئی۔ "مطلب کیا ہے آپکا۔۔؟؟" کچھ کچھ

سمجھتی حدیبہ نے لہجے میں خفگی سمو کر پوچھا۔

"تایا سرکار چاہتے ہیں کہ اب مجھے وہاں کا ایک

چکر لگا لینا چاہئیے۔ سوچا آپکو بتا دوں تا کہ آپ

مینٹلی پری پئیر رہیں، ایکچوئلی۔۔ میں آپکا خفا

خفا سا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا۔۔!" ساری بات اسکے

گوش گزار کر کے وہ خاموش ہو گیا۔

"سکینہ تم سے بروز قیامت یہ سوال نہیں پوچھا

جائے گا کہ تمہارے شوہر نے تمہارے ساتھ

کیسا رویہ بر پا رکھا۔۔؟؟"سعیدہ بی بی کی آواز نے

اسے جھنجھوڑا تھا۔

"تو آپ کو میری اجازت درکار ہے۔۔؟؟"

حدیبہ نے اپنے اندر اڈتی اس حیرت کو دباتے

ہوئے پوچھا جو فدا کی سادگی پر چیخنے کو تھی۔

"درکار نہیں ہے، مجھے آپکی اجازت عزیز

ہے۔۔!" اسکا جواب حدیبہ کے دل پر لگا تھا۔

"اللہ کے سامنے کیسا احتجاج۔۔؟؟" سوال پھر

سے اسکے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"اتنی پرواہ کرتے ہیں آپ میری۔۔؟؟"

حدیبہ کے الفاظ لبوں سے نکلتے ہوئے کانپ اٹھے

تھے۔

"آپ کو کوئی شک ہے۔۔؟؟" سپیکر سے ابھرتی

اسکی بھاری آواز میں ٹھہراؤ تھا۔حدیبہ کی

آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔۔کیا کہتی وہ

اسے۔۔؟؟شک تو دور۔۔حدیبہ سے اسکی محبت

میں تو شک کی گنجائش بھی نہیں نکلتی تھی۔وہ نچلا

لب دانتوں میں دبائے رونے لگی۔اسکی سسکیاں

محسوس کر کے دوسری جانب فدا کچھ چونک گیا۔

"آپ کیوں رو رہی ہیں حیبہ۔۔۔؟؟ کچھ غلط کہہ

دیا میں نے۔۔؟؟" وہ بے چین سا ہو گیا۔

"آپ بہت خراب ہیں سائیں۔۔بہت ضدی،

بہت بد تمیز۔۔!" اپنی خفت مٹانے کو وہ بھرائی

ہوئی آواز میں بولی۔

"میری بات سنیں بی بی۔۔ تایا سرکار نے مجھ سے

وعدہ لیا تھا کہ ہر ہفتے بعد نوشہرہ آیا کروں کرونگا۔

دو ہفتے ہو چکے ہیں وہ ناراض ہو رہے ہیں۔ مجبوری

نہ ہوتی تو میں کل بھی نہ آتا۔ آپ روئیں مت

پلیز۔۔ ورنہ میرا سفر خراب گزرے گا۔۔"

اسکے رونے سے مطلب اخذ کرتا وہ بے بسی سے

گویا ہوا۔ اسکی اس حد تک شرافت پر حدیبہ

شرمندگی اور خفت کے ملے جلے احساسات

سمیت آنکھیں میچ گئی۔

"آپکو واقعی میرے آنسوؤں کی پرواہ

ہے۔۔؟؟" جانتے ہوئے بھی وہ پوچھ بیٹھی۔

"یقین کرنے کا کیا لیں گی آپ۔۔۔؟؟ جان

دے دوں۔۔؟؟" وہ زچ ہوتا کچھ ناراضگی سے

بولا۔

"نہیں آپ آجائیں۔۔ آپ ابھی آجائیں مجھے

یقین آجائے گا۔۔!" اپنے دل کو سمجھا لینے کا تہیہ

کرتی وہ روانگی میں کہہ گئی۔ جبکہ اسکی اس فرمائش

پر وہ دوسری جانب بیٹھے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"ابھی۔۔۔؟؟" اسکے سوال میں بے یقینی سی

تھی۔۔

"جی ابھی۔۔!" بنا سوچے سمجھے اسے حکمیہ انداز

میں کہتی وہ صوفے سے اٹھی اور اسکا جواب سنے

بغیر کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا۔ اگلے ہی پل وہ

وہاں سے بھاگی تھی۔ کہنے کو وہ اسے کہہ تو آئی

تھی لیکن اندر ہی اندر اسے یقین تھا کہ وہ کل

شام سے پہلے نہیں آئے گا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"ھاھا۔۔ ہمم ہمم۔۔ اور جب میں نے اس پر

کولڈ ڈرنک پھینکی۔۔ اف۔۔ ہاہاہا۔۔ تب کا تو

پوچھو ہی مت اسکی شکل دیکھنے والی تھی۔۔!"

سارہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارتی وہ ہنستے ہوئے باقی

تینوں کو بتا رہی تھی۔

"بے چارہ۔۔ویسے ہے دبنگ لیکن تمہارے

سامنے اسکی ساری ہوا نکل جاتی ہے۔۔!"فضہ

نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا تو وہ ایک ادا سے

مسکراتی اپنے کندھے اچکا گئی۔سردار بدر لغاری

کے ہاتھوں ہونے والے تذلیل وہ سرے سے

گول کر گئی تھی ہاں، سارنگ کا جو تماشا اسنے بنایا

تھا وہ فری پیریڈ ملتے ہی اسنے ان چاروں کے

گوش گزار کیا تھا۔

"ویسے بڑا ظلم کماتی ہو یار اتنا بھی برا نہیں ہے بے

چارہ۔۔!" سدا اسے سارنگ کی ہمدرد ہا دیہ پچھ

اداسی سے بولی تو علیشہ نے بھنویں اچکا کر اسے

گھورا۔ کینٹین بوائے ان کے لیے جوس لے آیا تو

ٹرے میں سے اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے علیشہ نے

ٹھنڈی آہ بھری۔

"یہ تم چاروں کو مجھ سے لنک اپ لڑکوں سے

اتنی ہمدردیاں کیوں ہیں ویسے۔۔؟؟ سارہ بی بی

عالم پر فدا ہیں۔ہادیہ کو سارنگ بہت اچھا لگتا ہے

اور فضہ کو سر شمس۔بس وہ بسورا شیٹ ہی رہ گیا

ہے اس سے تم ہمدردی کر لو راحمہ۔۔!"جوس کا

گلاس ٹیبل پر رکھتی وہ کچھ مصنوعی ناگواری سے

روانگی میں بولتی چلی گئی تو فضہ نے گلا کھنکھارا۔

"آہم آہم۔۔۔ویسے سارنگ، عالم اور شیث کی

تو سمجھ آتی ہے۔یہ سر شمس کا نام تم نے کس

حوالے سے لیا ہے۔۔؟؟ہی از جسٹ یور

ٹیچر۔۔اگر وہ تم سے ایز اے ٹیچر لنک اپ ہیں تو

مجھ سے بھی ہیں۔۔!"فضہ کو شاید اسکا شمس کو

خود سے منسوب کرنا برا لگا تھا اسی لیے وہ بظاہر

مسکرا کر لیکن قدرے کاٹ دار لہجے میں بولی

تھی۔اسکے بات کی گہرائی میں اترتی علیشہ کے

حلق میں جوس اٹکا تھا۔ اسنے لب بھینچتے ہوئے

گلاس ٹیبل پر پٹخا۔

"کیا بد ذائقہ جوس ہے۔۔۔ احمد۔۔ احمد۔۔

یہاں آؤ۔۔۔!" وہ دوسرے ٹیبل پر بر گر سرو

کرتے اس چودہ پندرہ سالہ لڑکے پر چیخی جو

انہیں جوس دے کر گیا تھا۔وہ بھاگا بھاگا اسکی

جانب آیا۔

"جی آپی۔۔؟؟"

"یہ لیمن جوس ہے۔۔؟؟اس میں لیمن کہاں

ہے۔۔؟؟؟بے کار ٹیسٹ ہے لے کر جاؤ

اسے۔۔!" فضہ کی بات کا غصہ اس پر نکالتی وہ

دبی دبی سی آواز میں چیخی۔ وہ بے چارہ فوراً گلاس

اٹھا کر وہاں سے پلٹا۔

"کیا ہو گیا ہے علیشہ۔۔ ٹھیک تو ہے جوس اتنا

غصہ کیوں کر رہی ہو۔۔؟؟" ٹیبل پر دھرے

اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے فضہ نے دل

جلانے والے انداز میں پوچھا تو اسکا ہاتھ جھٹکتے

ہوئے علیشہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے

گھورا۔

"جاؤ۔۔اور جا کر میرے لیے کوک لے کر

آؤ۔۔۔!"فضہ کی جانب دیکھتی وہ حکمیہ انداز

میں بولی تو فضہ کی مسکاتی آنکھیں پل میں بجھی

تھیں۔راحمہ ہادیہ اور سارہ علیشہ کے موڈ کو بخوبی

سمجھ رہی تھیں۔

"میں لے کر آتی ہوں بس تم اپنا موڈ ٹھیک

کرلو۔۔!"فضہ کے بدلتے موڈ کے پیش نظر

گڑبڑا کر کہتی سارہ جلدی سے اٹھی۔ان پانچوں

میں زیادہ تر علیشہ کی فضہ سے ہی لگتی تھی۔

"نہیں تم بیٹھو۔۔!"علیشہ نے فوراً اس کی کلائی

پکڑی۔

"تم جاؤ فضہ۔۔۔!"علیشہ نے ٹانگ پر ٹانگ

رکھتے ہوئے اس بار اطمینان سے کہا۔فضہ کو خود

پر ضبط کرتے ہوئے اٹھنا پڑا۔سارہ اور راحمہ کے

چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں البتہ ہادیہ

پرسکون تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ معاملہ جو بھی

ہو فضہ ہمیشہ علیشہ کے سامنے بے بس پائی جاتی

تھی۔

"میں بھی چلتی ہوں فضہ کے ساتھ۔۔۔!" فضہ

کو جاتے دیکھ راحمہ بڑی مشکلوں سے مسکراتی

بولی۔علیشہ نے اثبات میں سر ہلایا وہ فضہ کے

پیچھے بھاگی جو کاؤنٹر کیطرف بڑھ رہی تھی۔

"آر یو اوکے۔۔؟؟"ہادیہ نے علیشہ کو مخاطب کیا

جو ٹیبل کی سطح کو گھور رہی تھی۔

"اسے سمجھا دینا سر شمس سے دور رہے۔۔!"

جانے کیوں۔۔ لیکن وہ بولنے سے باز نہ رہ سکی۔

اسکی تنبیہہ پر ہادیہ اور سارہ نے ایک دوسرے کی

شکل دیکھی۔

"ہاں کیوں نہیں میں کہہ دونگی۔وہ دراصل ابھی

نیانیا خمار ہے ناں تو۔۔!" بات کو مذاق کا رنگ

دینے کی بھونڈی سی کوشش کرتی ہادیہ گھگھیائی۔

"مجھے ایسے خمار بہت اچھے سے اتارنے آتے

ہیں۔ یہ بھی بتا دینا اس کو۔۔!" اپنے لمبے شفاف

ناخنوں کی سطح پر انگوٹھا پھیرتی وہ اس بار سنجیدگی

سے بولی تو ہادیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جبکہ

ادھر راحمہ فضہ کا موڈ بحال کرنے میں کامیاب

ہو چکی تھی۔ علیشہ کے لیے کوک لیے وہ دونوں

پلٹیں تو ان کی نظر وہیں ایک طرف کونے میں

بیٹھے شیث کی پشت پر پڑی۔ دونوں نے یک بیک

ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ وجہ صرف شیث کی

وہاں موجودگی نہیں تھی بلکہ شیث کا مشکوک

انداز بھی تھی۔ وہ ٹیبل پر بظاہر جغرافیہ کی کتاب

کھولے بیٹھا لیکن اسکے ہاتھ میں دبی کچی پینسل

اسکے گھٹنوں پر دھرے رجسٹر کی شفاف سطح پر

چل رہی تھیں جسے اس نے ٹیبل کے نیچے چھپا

رکھا تھا۔ فضہ نے آنکھیں مٹکا کر راحمہ کی طرف

دیکھا جو لب دبائے اچک اچک کر شیث کی

طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ اسکا ہاتھ تھامتے ہوئے

فضہ دبے پاؤں شیث والے ٹیبل کی طرف

بڑھی۔

□♦□♦□♦□♦

اسکا سفید مردانہ ہاتھ بہت مہارت سے حرکت

کر رہا تھا۔ اسکی بھوری آنکھوں کی پلکوں کی نوک

سنوارتے ہوئے اسکی سیاہ آنکھیں ساکت

تھیں۔ بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھوں میں اشتیاق

سموئے وہ اس پل چہرے پر دنیا بھر سے سادگی و

معصومیت کشید کیے اپنے کام میں مشغول تھا۔

اس دوشیزہ کی سیاہ بھنوؤں کا خم تراشتے ہوئے

اسکا دل سینے میں ہی لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ عنابی

لبوں پر دھیمی مسکان سجائے وہ کینوس پر اسکے

لبوں سے پھوٹتی مسکراہٹیں بکھیر رہا تھا۔ دو

پوریوں میں مقید اسکے اخروٹی بال اس کے ماہر

ہاتھوں نے بہت صفائی اور خوبصورتی ترتیب

دیے تھے۔ آج پھر وہ اس مہ جبیں کے دلنشین

نقوش کو اپنے انگلیوں کے پوروں پر محسوس کرتا

مسرور تھا۔ یہ اس پوری دنیا میں دکھنے والا وہ پہلا

چہرہ تھا جس نے اسکے پتھر دل میں دراڑ ڈال دی

تھی۔ اسکی آنکھوں میں شوخیاں سی بھر ڈالی

تھیں۔ گو اعتراف مشکل تھا لیکن اسے یہ احساس

بخوبی تھا کہ اسکا دل اسکے ہاتھوں سے نکل چکا ہے،

اسے ماننا ہی تھا کہ اسکی دھڑکنیں کسی کی پہلی نظر

میں ہی منتشر ہو چکی ہیں۔ اسکا خوبصورت چہرہ

کینوس کی سطح پر کھکھلا کر ہنس رہا تھا۔ موٹی موٹی

بھوری آنکھوں تلے ہنسنے کے باعث لکیریں واضح

ہو رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اسنے آخر میں اسکے

بالائی لب کے کنارے تِل بنایا تھا۔ لبوں کا گلابی

پن شہادت کی انگلی سے پھیلا تا وہ مسحور سا ہو رہا

تھا۔ وہ چہرہ اسکے لیے کیا معنی رکھتا تھا وہ بہت

اچھے سے جانتا تھا لیکن وہ اس چہرے کے ساتھ

کیا کرنے والا تھا یہ فقط اسکا شاطر دماغ ہی جانتا

تھا۔ علیشہ چوہان کے دلفریب پورٹریٹ کو دیکھتے

ہوئے اسکی سیاہ آنکھیں پلوں میں سرد ہوئی

تھیں۔ لبوں پر کھیلتی مسکان سمٹ گئی تھی۔

پورٹریٹ مکمل ہو چکا تھا اور ساتھ ہی اسکے

محسوسات بھی منجمد سے ہو گئے۔ اسنے ایک

آخری، جتاتی ہوئی نگاہ اسکے شفاف چمکتے موتی

جیسے دانتوں پر ڈالی پھر کچی پنسل سے پورٹریٹ

کے آخر میں اپنے سائن کیے۔۔ایس-اتچ۔۔۔

پنسل حرکت کرتی چلی جا رہی تھی۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"ایس۔اتچ۔۔اسکی پنسل صفحے کے آخر میں

حرکت کرتی اپنے سگنیچرز کر رہی تھی۔فضہ

نے آنکھیں سکیڑ کر رجسٹر کا صفحہ دیکھنے کی

کوشش کی۔ پھر اگلے ہی پل شیث کے مزید

قریب ہوئی اور جھک کر اسکے ہاتھ کی کمزور

گرفت سے رجسٹر نکال لیا۔ وہ اس افتاد پر بوکھلا

گیا جبکہ فضہ نے آنکھیں پھاڑ کر صفحے پر بنا علیشہ کا

سکیچ دیکھا جس میں وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

صفحے سے نظر ہٹا کر فضہ نے بھنویں اچکاتے

ہوئے شیث کی جانب دیکھا جس کا رنگ اڑ چکا

تھا۔ ساتھ ہی فضہ کے ہونٹ سیٹی بجانے کے

سے انداز میں سکڑے۔ شیث کی سیاہ آنکھوں

میں عجیب سا خوف پھیل گیا۔فضہ نے اثبات

میں سر ہلاتے ہوئے رجسٹر کا وہ صفحہ پھاڑ لیا۔

"پپ۔۔۔پلیز رکیے۔۔!" اسے علیشہ والی سائیڈ

کی طرف جاتا دیکھ وہ گھگھیایا۔فضہ نے نخوت

سے اسکی جانب دیکھا اور رجسٹر اسکے ٹیبل پر

پٹخا۔

"جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔؟؟" وہ مسکراتے

ہوئے بولی۔ انداز صاف مذاق اڑاتا ہوا تھا۔

راحمہ کو حقیقتاً شیث پر ترس آیا۔ اب یقیناً پھر سے

اسکی درگت بننے والی تھی۔

"یار فضہ جانے دوناں۔ کیوں بے چارے کو قتل

کروانا ہے۔۔!" اسکا بازو تھامتی راحمہ نے آہستگی

سے کہا۔

"ہے ای گائیز۔۔اٹینشن پلیز۔۔۔!"فضہ نے بنا

اٹر لیے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کینٹین میں موجود

سٹوڈنٹس کو متوجہ کرنے کے لیے تالی بجائی۔

شیث کی حالت آنے والے وقت کی بابت سوچ

کر خراب ہونے لگی۔راحمہ نے بے اختیار شیث

کی جانب دیکھا جو ہونق سا فضہ کو بولتے دیکھ رہا

تھا۔

"یہاں موجود ہیں ہماری یونیورسٹی کے انتہائی

ٹیلنٹڈ سٹوڈنٹ شیث حیدر جو قسمت کی ستم

ظریفی کے باعث درشتگی سے بولنے سے قطعی

قاصر ہیں۔ لیکن لیکن۔۔۔" بلند آواز میں بولتی

فضہ نے ڈرامائی انداز میں وقفہ دیا۔ اسکا لہجہ

استہزائیہ تھا۔ شیث کا دل کیا وہ اس لڑکی کے منہ

میں دو چار من روئی ٹھونس دے تاکہ وہ مزید نہ

بول سکے۔ لیکن اسکے دل کی مراد پوری ہی کب

ہوا کرتی تھی سو وہ بنا جھجھکے بولتی چلی جا رہی

تھی۔

"لیکن شیث حیدر اپنے جذبات کا کیا کریں۔۔؟؟

وہ تو چیخ چیخ کر بولتے ہیں۔۔!" کہتے ہوئے اسنے

طنزیہ مسکراہٹ علیشہ کی طرف اچھالی جو اپنی

جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"بے چارہ بول نہیں سکتا لیکن اس نے اپنے

جذبات کا اظہار اس سکیچ کے تھرو بہت اچھے سے

کیا ہے۔لُک۔۔۔ہی لوز، دی کوئین آف بیوٹی

۔۔۔علیشہ چوہان۔۔۔

He loves, the Queen of)

---"(beauty... Alisha Chohaan

کہتے ہوئے فضہ نے سکیچ والا صفحہ وہاں سب کے

سامنے لہرا دیا جو قریبی ٹیبلز پر براجمان سٹوڈنٹس

کو بخوبی نظر آ گیا جبکہ پیچھے والے کھڑے ہو کر

دیکھنے کی کوشش کرنے لگے۔

اسکی متنفر آواز پر علیشہ سرعت سے اسکی جانب

لپکی تھی۔

"فضہ وہ تمہیں نہیں چھوڑے گی۔۔!"علیشہ کو

قریب آتے دیکھ راحمہ بڑبڑائی۔

"مائے فٹ۔۔!"فضہ کی ڈھٹائی قابل دید تھی۔

علیشہ کا سکیچ جس خوبصورتی سے بنایا گیا تھا، دیکھنے

والی ہر آنکھ کو بخوبی شیث کے جذبات کا اندازہ ہو

گیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے فضہ۔۔؟؟" فضہ کے سر پر

پہنچتی وہ بری طرح چلائی۔ چہرہ احساس تذلیل

سے پل میں سرخ ہوا تھا۔ ہاں اسکے لیے اسکے نام

کا شیث حیدر کے نام سے جڑنا ذلالت ہی تھا۔

"مجھ سے نہیں اس سے پوچھو۔ وہاں کونے میں

چھپ کر تمہارا سکیچ بنا رہا تھا۔۔!" سکیچ والا صفحہ

اسکے سامنے کرتی وہ بڑی معصومیت سے بولتی

شیٹ کی طرف اشارہ کر گئی۔ سٹوڈنٹس اپنی اپنی

جگہ پر کھڑے ہو کر اسی جانب دیکھنے لگے۔ پیچھے

والے بھی آ گے آ چکے تھے۔علیشہ نے لب

بھینچتے ہوئے فضہ کے ہاتھ سے وہ صفحہ جھپٹا۔

اسکا اپنا کھکھلاتا ہوا چہرہ اسکے سامنے تھا۔علیشہ کو

خون آشام نگاہوں سے اپنا سکیچ گھورتے دیکھ

شیث نے بے بس ہو کر نگاہ جھکالی۔

"یہ تم نے بنایا ہے۔۔؟؟" اسکی طرف گھومتی وہ

غرائی۔ شیث کے لیے نظر اٹھانا محال ہو گیا۔

"تم سے پوچھ رہی ہوں کچھ۔۔۔؟؟؟" اس بار وہ

کسی زخمی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔ شدید غصے

کے باعث اسکی چھوٹی سی ناک پھول رہی تھی۔

شیث نے بامشکل نگاہ اٹھائی پھر کسی مجرم کی طرح

سر اثبات میں ہلایا۔ اگلے ہی پل اسکا ہاتھ اٹھا تھا

اور پوری قوت سے شیث کے بائیں گال پر پڑا

تھا۔ چٹاخ کی بلند آواز پر آس پاس ہوتی چہ

مگوئیاں لمحے میں بند ہوئی تھیں۔ وہاں آتے شمس

کی نگاہوں نے حیرت سے یہ منظر دیکھا تھا۔وہ

سرعت سے اس جانب آیا تھا۔

"اپنی شکل دیکھی ہے تم نے بدصورت

انسان۔۔۔؟؟؟؟" غم وغصے سے پاگل ہوتی وہ

چیخی۔سب کو سانپ سونگھ چکا تھا۔شیث اپنا سر

جھکائے لب بھینچے کھڑا تھا۔ سیاہ گھنے بال بکھر کر

ماتھے پر آگرے تھے۔ جانے کیوں راحمہ کو اس

پر ترس آیا تھا جبکہ فضہ اس تماشے پر کافی مسرور

نظر آرہی تھی۔

"تم۔۔۔ ممم۔۔ میرا بس چلے تو میں تمہارا قتل

کروادوں۔۔!" اسکے شانوں پر ہاتھ مار کر اسے

پیچھے دھکا دیتی وہ مزید بپھری۔ وہ بے جان سا

ہوتا لڑکھڑایا۔

"جان لے لوں گی تمہاری تم نے ایسا سوچا بھی

کیسے۔۔۔؟؟؟اوقات کیا ہے تمہاری ہاں۔۔۔

تم دو ٹکے کے۔۔۔"وہ جو منہ میں آرہا تھا بولتے

ہوئے اسے پھر سے مارنے کو آگے بڑھی جب

شمس نے فضا میں اٹھتا اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ

لیا۔بے اختیار ہادیہ اور سارہ نے اپنے کھلتے منہ پر

ہاتھ رکھے تھے۔

"واٹ دا ہیل آر یو ڈوئنگ گرل۔۔۔؟؟" ایک

جھٹکے سے اسکا رخ اپنی جانب موڑتا وہ سخت لہجے

میں بولا تھا۔اس اچانک جھٹکے پر شمس کی جانب

پلٹتی علیشہ کے بال اسکے سرخ چہرے پر آئے

تھے۔ گہری سانسیں لیتی وہ اپنے مقابل شمس کو

دیکھ کر پل بھر کو ساکت ہوئی تھی۔ سنہری

آنکھوں میں ناگواری لیے وہ اسی کو گھور رہا تھا

جس کی بھوری آنکھوں کے کنارے شدید غصے

کے باعث سرخ ہو رہے تھے۔ خون چھلکاتے

لب کانپ رہے تھے۔ شمس کے سرد ترین لمس

نے علیشہ کے وجود میں آگ سی دہکا تھی۔ وہ بے

یقینی سے بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی جو

اسکا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ وہ یک ٹک اسکی شعلہ

بار آنکھوں میں دیکھتی چلی گئی جن کی سحر انگیزی

اپنے آپ میں باکمال تھی۔

"علیشہ۔۔۔؟؟" جب فضہ سے شمس کا علیشہ کو

دیکھنا مزید برداشت نہ ہوا تو اس نے اسکا کندھا

ہلا یا جو گہرے سانس لیتی شمس کو گھور رہی تھی۔

وہ چونکی پھر پلکیں جھپکائیں۔

"ہاؤ ڈئیر یو ٹچ می۔۔؟؟" پلکیں جھپکاتی وہ

سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ اسکا دل جانے

کیوں۔۔زندگی میں پہلی بار اس شدت سے کانپا

تھا۔وہ جاننے سے قاصر تھی کہ یہ غصے کے باعث

ہوا تھا یا شمس کے لمس پر۔

"ہاؤڈئیر یو سلیپڈ ہِم۔۔۔؟؟" اسکا ہاتھ جھٹکتے

ہوئے شمس نے الٹا اسی سے سوال پوچھا۔انداز

ہنوز تھا۔

سخت۔۔

کڑوا۔۔

کاٹ دار۔۔

علیشہ نے پلٹ کر ایک نظر سر جھکائے کھڑے

شیث پر ڈالی پھر شمس کی جانب دیکھا۔ اگلے ہی

پل اسنے اپنے مٹھی میں دبا صفحہ شمس کے ہاتھ

میں تھمایا تھا اور پھر بنا رکے وہاں سے بھاگ نکلی۔

آج دوسری بار اسکی آنکھیں بہتی چلی

گئیں۔۔کیوں۔۔؟؟ یہ سمجھنے سے وہ قاصر تھی

جبکہ اسکے پیچھے وہ وہیں کینٹین میں کھڑا گھو مچھو

ہو چکا صفحہ کھول کر دیکھ رہا تھا۔علیشہ کے سکیچ کے

ساتھ شیث کے سگنیچرز دیکھ کر اسکی نظریں کچھ

پل کے لیے صفحے پر ہی ساکت رہ گئیں۔پھر اسنے

ایک ملامتی نظر شیث پر ڈالی جس کی جھکی پلکوں پر

نمی سی تھی۔

"آپ میرے ساتھ آئیں شیث۔۔!" سکیچ والا

صفحہ اپنی مضبوط مٹھی میں دبوچتا وہ آہستگی سے

کہتا پلٹ گیا۔ شیث چپ چاپ اسکے پیچھے چل

دیا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔

□♦□♦□♦□♦

وہ نیکلس کیس میں سے نکال کر جینز پاکٹ میں

رکھتا شاپنگ مال کی بلند عمارت کیطرف آگیا۔

دس پندرہ منٹ کی خواری کے بعد وہ اسے ایک

دوکان میں گرے فراک پکڑے کھڑی نظر آ

گئی تھی۔ منصب شوریک کی اوٹ میں ہوتا

چھپ گیا۔ مہرماہ چینجنگ روم میں گھس چکی

تھی۔ منصب پلٹا اور دوسری طرف سے گھوم کر

اسی شاپ کے دوسرے دروازے سے چینجنگ

روم کی طرف آگیا۔ فاطمہ اور اسکی ماں بائیں

جانب دوکان میں گھسی ہوئی تھیں، اور جسطرف

وہ کھڑا تھا اسکے آگے لائن وائز سات آٹھ سٹیچو

فراک پہنے کھڑے تھے۔ راستہ صاف تھا، اسے

محنت کرنے کی ضرورت نہیں تھی سو وہ سیدھا

ہوا اور بالوں میں ہاتھ چلاتا یونہی فراک دیکھنے

لگا۔ دوکان میں مزید کسٹمرز تھے جن کے ساتھ

شاپ کیپر کافی مصروف نظر آرہا تھا۔ہیلپرز

کاؤنٹر کے اس پار کھڑے کسٹمرز ڈیل کررہے

تھے۔وہ نظر بچاتا والٹ گرانے کے بہانے جھکا۔

چینجنگ روم کے دروازے کے قریب گرا

والٹ اٹھاتے ہوئے اسنے ایک نظر دوبارہ آس

پاس ڈالی تھی، ہر کوئی مصروف تھا۔ روم کی لائٹ

آف کرتا وہ اگلے ہی پل اندر گھس گیا۔ مہرماہ جو

لائٹ آف ہوتے ہی چوکنی ہو چکی تھی اسے اندر

آتا دیکھ بے اختیار چیخی لیکن منصب نے سرعت

سے اسکے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔وہ پھڑ پھڑا کر رہ

گئی۔

"ہائے سویٹ ہارٹ۔۔۔!"اسے دیوار سے

لگاتے ہوئے منصب نے اسکے کان میں سرگوشی

کی تو مہرماہ نے اپنے ہاتھوں کا استعمال کرتے

ہوئے اسے دور دھکیلنا چاہا۔ منصب نے سرعت

سے اپنا بھاری بوٹ اسکے نازک پیروں پر رکھ کر

ان پر زور ڈالا تو تکلیف سے مہرماہ کی آنکھیں بھر

آئیں۔ ہاتھ کپکپا اٹھے تھے جنہیں وہ اپنے

دوسرے ہاتھ سے قابو کر چکا تھا۔

"کیا میری قید سے چھوٹ جانا اتنا ہی آسان

ہے۔۔؟؟" نیم اندھیرے میں اسکی دمکتی پیشانی

پر نمودار ہوتے پسینے کے قطرے دیکھتا وہ آہستگی

سے بولا۔ اسکے ہاتھ کے دباؤ نے مہرماہ کا سانس

روک رکھا تھا، اسکا دم گھٹنے لگا۔ اس نے احتجاجاً سر

کو دائیں بائیں ہلانے کی کوشش کی تو وہ مسکرا دیا۔

"لو دے دی آزادی۔۔ اب چیخنا مت ورنہ تمہارا

گلا گھونٹ دوں گا۔۔!" اسکے لبوں سے ہاتھ ہٹاتا

وہ دھیمی آواز میں بولا لیکن لہجہ سنگین تھا۔ مہرماہ

نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ آنکھوں میں پھیلا

خوف پانی کی صورت گالوں پر پھسلتا چلا جا رہا تھا۔

"کک۔۔ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں نے

تمہیں تھپڑ امارا اسکی معافی مانگتی ہوں لیکن

پلیز۔۔ اب میری جان چھوڑ، دو۔۔۔!" اسکی

سلگتی سانسیں اپنی پیشانی کے قریب محسوس کرتی

وہ نظریں اٹھا کر بولی۔ لہجے میں گزارش تھی۔

"تم میرا بہت نقصان کر چکی ہو ڈارلنگ۔۔ اب

معافی سے کام نہیں چلے گا۔ نقصان کی ہمیشہ

قیمت ادا کی جاتی ہے۔ اسکی کوئی معافی نہیں

ہوتی۔۔!" اسکی التجا کا اثر لیے بنا وہ اپنے ازلی اکھڑ

لب و لہجے میں بولا تو اسکے انداز کی سختی نے مہرماہ

کا دل لرزا دیا۔

"کک۔۔۔کیا مطلب۔۔؟؟ کونسا نقصان۔۔

کون سی قیمت۔۔؟؟" اپنے پاؤں اسکی اذیت

ناک گرفت سے کھینچنے کی کوشش کرتی وہ

بامشکل بولی۔ منصب نے سرعت سے اپنی پاکٹ

سے وہ نیکلیس نکالا تھا اور اسکی نگاہوں کے

سامنے کیا۔ اندھیرے میں بھی وہ نیکلیس چمک

رہا تھا۔

"تمہاری بے وقوفی کے باعث مجھے دوبارہ اسے

خریدنا پڑا ہے۔ تمہیں وہ نیکلس اپنی دوست کو

نہیں دینا چاہئیے تھا، یہ صرف تمہارے لیے بنا

ہے۔۔!" بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے منصب

نے وہ نیکلس مہرماہ کی گردن سے لگایا جو ساکت

سی کھڑی پانی بھری آنکھوں سے منصب کو تکتی

اس نیکلیس کی قیمت کا اندازہ لگانے کی کوشش

کر رہی تھی۔ اسے پتہ نہ چلا وہ اسکے ہاتھ آزاد

کر کے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے نیکلس پہنا

رہا تھا۔اپنی گردن پر اسکی انگلیوں کی سرسراہٹ

محسوس کرتی وہ ہوش میں آئی تھی۔

"تم نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔۔؟؟ہاں۔۔؟؟

قیمت تم نے اپنی مرضی سے ادا کی ہے میں

تمہارے پاس مانگنے نہیں آئی تھی۔۔!" اسے

اپنے دونوں ہاتھوں سے دھکا دینے کی کوشش

کرتی وہ غرائی تھی۔ منصب اسکی بات کا اثر لیے

بنا دھیرے سے ہنسا تھا۔ وہ دونوں اب اندھیرے

سے آشنا ہوتے باہر سے آتی ہلکی روشنی میں ایک

دوسرے کو دیکھ پا رہے تھے۔

"کیا تم یہاں۔۔؟؟اس بھرے شاپنگ مال میں

اس بند کمرے میں میرے ساتھ پکڑے جانا

چاہتی ہو۔۔؟؟اگر ہاں تو پھر زرا اور اونچا

چیخو۔۔!"اسکی آنکھوں میں جھانکتا وہ ہٹ

دھرمی سے بولا تو مہرماہ نے روتے ہوئے نفی میں

سر ہلایا۔

"تم انتہائی گرے ہوئے انسان ہو۔۔!" وہ

بڑبڑائی تھی۔

"ہاں اور بہت ضدی بھی۔۔ویل اب تمہاری

طرف میرا کافی قرض ہو چکا ہے بٹ ڈونٹ یو

وری۔۔ تم اسے چکا سکتی ہو۔ تمہیں زیادہ کچھ

نہیں کرنا بس ایک رات۔۔۔!" وہ اسکے سفید

پڑتے چہرے پر نگاہ جمائے بولتا جا رہا تھا جب اپنی

برداشت کھوتی مہرماہ نے ایک بار پھر اس پر اپنا

ہاتھ اٹھایا تھا لیکن اس بار منصب نے وہ ہاتھ تھام

لیا۔ مہرماہ کی آنکھوں میں تیرتے پانی کے سنگ

غضب بھی ہلکورے لینے لگا تھا۔ اسے اپنی گردن

سے لپٹے نیکلیس پر سانپ کا گمان ہو رہا تھا۔

"تمہارے دو تھپڑ مجھے آج یہاں لے آئے سوچو

تیسرا کس حد تک لے جائے گا۔۔؟؟

ہمم۔۔۔؟؟" اسکا ہاتھ سختی سے پکڑے وہ ایک

ایک لفظ چبا چبا کر بولا تو مہرماہ نے اپنی سسکیوں

کا گلا گھونٹنے کو نچلا لب دانتوں میں دبالیا۔

"تمہارے پاس پورا ایک ہفتہ ہے۔۔ اچھے سے

سوچو۔۔ پھر اسی فارم ہاؤس پر ملتے ہیں، ہوپ سو

اس بار مجھے زبردستی نہیں کرنی پڑے گی۔۔!"

اطمینان سے کہتے ہوئے اسنے مہرماہ کا ہاتھ ایک

جھٹکے سے چھوڑ دیا۔ وہ کسی بے جان مورت کی

طرح پیچھے دیوار سے ٹکرائی تھی۔

"اور ہاں۔۔ اگر تم نے اپنا آپ میرے حوالے

نہ کیا تو میرے پاس اس رات کی ویڈیو ہے۔ بیس

سے تیس منٹ کی اُس ویڈیو کو سوشل میڈیا پر

اپلوڈ ہونے میں بیس سے تیس سیکنڈ بھی نہیں

لگیں گے۔ ہمم۔۔۔؟؟ تو اچھے سے سوچ لو۔

مجھے چھینا جھپٹی میں ویسے بھی مزہ نہیں آتا۔ سو

بہتر ہے تم خود ہی۔۔۔" کمینگی سے کہتے ہوئے

اسنے آخر میں بات ادھوری چھوڑی تو مہرماہ نے

ویران ہوتی آنکھوں سے اسکا چہرہ دیکھا جہاں

خباثت بھری مسکراہٹ چمک رہی تھی۔

"امید ہے اس بار تم جذپاتی پن کا مظاہرہ نہیں

کرو گی۔۔" اطمینان نے کہتے ہوئے اسنے دروازہ

کھولا اور باہر نکل گیا۔ سامنے ہی فاطمہ کھڑی

تھی۔ اسے وہاں سے نکلتے دیکھ اسکی مسکراہٹ

سمٹی تھی، گو وہ اسے پہچاننے سے قاصر تھی لیکن

مہرماہ کی جگہ اس لڑکے کا وہاں سے نکلنا اور اس پر

مستزاد اسکا حلیہ۔۔ فاطمہ سرعت سے چینجنگ

روم کی طرف آئی تھی جبکہ وہ پرواہ کیے بنا جہاں

سے آیا تھا وہیں سے نکل گیا۔ شاپر سنبھالے ایک

طرف چیئر پر بیٹھی فاطمہ کی امی نے بھی اس لمبے

چوڑے لڑکے کو چینجنگ روم کی طرف سے

آتے دیکھا تو وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتی اس

طرف دوڑیں۔ جہاں فاطمہ زمین پر بیٹھی مہرماہ کو

سنبھال رہی تھی جس کے آنسو بنا رکے بہتے چلے

جا رہے تھے۔

"مہر۔۔؟؟مہر کون تھا وہ۔۔۔مہر ماہ۔۔۔؟؟"

اسکا کندھا ہلاتی فاطمہ دھیمی آواز میں پوچھ رہی

تھی۔مہر ماہ نے سرخ متورم چہرہ اٹھایا تو ان

دونوں ماں بیٹی کو اسکی گردن میں چمکتا وہ نیکلیس

نظر آیا۔

"مہر ماہ بتاؤ گی کچھ۔۔؟؟" فاطمہ نے اسے

جھنجھوڑا۔

"مم۔۔ منصب۔۔۔!" اسکے سسکتے لب

پھڑ پھڑائے تو فاطمہ کی امی نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"کہا بھی تھا کہ بچی کو گھر لے چل لیکن تیرے

ڈھیٹ پن کا کیا کروں میں ہاں۔۔۔!" فاطمہ کی

کمر میں شاپنگ بیگ مارتی وہ دھیمی آواز میں

چلائیں۔

"مہر یہ چینج کر لو پلیز اس سے پہلے کہ کوئی

دیکھے۔۔اٹھو پلیز۔۔!" اپنی ماں کی دہائیاں نظر

انداز کرتی فاطمہ گھگھیائی۔ مہرماہ کا دماغ سائیں

سائیں کر رہا تھا۔ منصب کی سفاک آواز اسکے

کانوں میں گونجتی اسے موت کا پیغام دے رہی

تھی۔ شل ہوتے پیروں کو حرکت دیتی وہ

بامشکل اٹھی تھی۔ اسے کچھ ہوش نہ رہی تھی کہ

کب، کیسے فاطمہ نے اس فراک کی قیمت ادا

کر کے اپنا برقع اسے پہنایا تھا، کیونکہ وہ فراک

چینج کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ گھر آئی تو

نور بیگم کو گھر پر نہ پا کر فاطمہ اور اسکی ماں نے دل

ہی دل میں شکر ادا کیا تھا کہ جو بھی تھا وہ دونوں

ہی مہر ماہ کو اپنے بھروسے پر ساتھ لے کر گئی

تھیں، سو نور بیگم کو فی الحال منصب والے واقعے

کی بابت آگاہ کرنے کی خود میں ہمت نہ پاتی

تھیں۔ کچھ سارے راستے مہرماہ ان دونوں سے

گزارش کرتی آئی تھی کہ اسکے گھر میں اس

بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔ معاملہ جس حد تک

بگڑ چکا تھا اسکے سنورنے کا راستہ ان تینوں میں

سے کسی کو بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ جانے اب

آنے والا وقت انہیں اور کیا دکھانے والا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

کچی سڑکوں پر جمی دھول رات کی سیاہی کے

باعث سرمئی ہو رہی تھی۔ اونچی نیچی پگڈنڈیوں

پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اسکی پلکیں جھپکنے

سے انکاری تھی۔ آنکھوں کے سرخ ہوتے

کنارے اسکی اعصابی تھکاوٹ واضح کر رہے تھے

لیکن وہ اپنے دل سے مجبور اس پل دیدار یار کی

خاطر حویلی پہنچنے کے لیے بے تاب تھا۔ کھیتوں

میں کھڑے پُتلے ہوا کے باعث ہولے ہلتے منظر

میں عجب ہیبت ناک سی کیفیت بھر رہے تھے

لیکن وہ اس خوفزدہ ماحول سے بے بہرہ حدیبہ

کے موڈ کو لے کر فکر مند تھا۔ دور کہیں چھوٹی

گلیوں میں کتے بھونکنے کی آوازیں رات کی

تاریکی میں مزید ہولناکی پیدا کر رہی تھیں۔ بڑی

حویلی تک جاتی چوڑی سڑک پر گاڑی ڈالتے ہی

فدا کے اندر سکون سا اترا تھا۔ اسنے تھکی تھکی

پلکوں کو اٹھا کر دور سے ہی نظر آتی حویلی کی

پر شکوہ عمارت کی جانب دیکھا جس کے اندر

چھوٹی چھوٹی مدھم روشنیاں جھلمل کر رہی

تھیں۔ اگلے پانچ منٹوں میں وہ حویلی کے وسیع

گیٹ سے گاڑی اندر لے جا رہا تھا۔ تھکاوٹ اسکے

روم روم میں سرایت کر رہی تھی سو وہ گاڑی

سیمنٹ سے بنے پورچ نما، احاطے تک لے جانے

کی بجائے وہیں سرخ روش پر گاڑی روکتا باہر نکلا

تھا۔ گاڑی کی چابی حویلی کے پرانے ڈرائیور کے

حوالے کر کے وہ اندر کی جانب چلا آیا۔ حسبِ

معمول حویلی کے مکین رات کے اس پہر اپنی

خواب گاہوں میں میٹھی نیند کے مزے لوٹ

رہے تھے۔حدیبہ کا سویا ہوا چہرہ تصور کر کے

اسکی جلتی آنکھوں میں ٹھنڈک سی اترنے لگی۔

لب آپ ہی آپ مسکرائے تھے۔وہ چھوٹے

چھوٹے قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی طرف ہی جارہا

تھاجب فرسٹ فلور کو جاتی سیڑھیوں کے دہانے

پر اسے کسی کی موجودگی احساس ہوا۔ وہ الٹے

قدموں پیچھے ہوا اور سر اٹھا کر دیکھا۔ وہاں بے

چینی سے کوئی ٹہل رہا تھا۔ فدا کے لیے پہچاننا

مشکل نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ ناراضگی کے باوجود

وہ ولید شاہ کو نظر انداز نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ

سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا۔

"سوئے کیوں نہیں تم۔۔؟" اسکے قریب جاتے

ہوئے فدا نے نرمی سے پوچھا۔ ولید اپنی سوچوں

میں اس قدر منہمک تھا کہ اسکے ایک دم مخاطب

کرنے پر چونک گیا۔

"ہوں۔۔ہاں۔۔۔؟؟" اسکی حالت بگڑی ہوئی

تھی۔

"ولید ہوش میں توہو۔۔؟؟اس وقت اگر تمہیں

کسی نے روم سے باہر دیکھ لیاتو کیاجواب دو

گے۔۔؟؟"اسے کندھے سے تھام کر قریب ہی

اسکے کمرے کی طرف دھکیلتافدا کچھ خفگی سے

بولا۔

"مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔۔!" وہ جھنجھلاہٹ

بھرے انداز میں بولا۔ لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ اسے

اندر لا کر فدا نے کمرے کی لائٹ آن کی۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے اب۔۔؟؟ نہیں مان رہے

ناں تایا سرکار۔۔؟؟" شدت گریہ وزاری سے

سرخ ہوتا اسکا سنجیدہ چہرہ دیکھتے ہوئے فدا نے

آہستگی سے پوچھا۔

"شی از ایکسپیکٹنگ فدا۔!" وہ ایک ایک لفظ پر

زور دیتا دھیمی آواز میں بولا۔ آنکھوں میں

اذیتیں ناچ رہی تھیں۔پل بھر کو وہ کچھ بولنے

کے قابل نہ رہا۔

"ولید۔۔۔!" وہ تاسف زدہ سا بڑبڑا کر رہ گیا۔

ولید نے ضبط سے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ

لیں۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے فدا

نے اپنے ہاتھ پشت پر باندھ لیے ورنہ شاید اسکے

ہاتھ ولید کا گریبان پکڑ لیتے۔

"اسکی حالت بتا رہی ہے،۔۔روز وقت بے وقت

درد سے تڑپتی ہے وہ۔۔اپنی طبعیت خرابی سب

سے چھپائے پھر رہی ہے لیکن میری نگاہیں ہر لمحہ

اسی پر ہیں فدا۔۔مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی

کیونکہ وہ ٹھیک نہیں ہے اور اسکی اس حالت کا

ذمہ دار میں ہوں۔مجھے پتہ ہے اسنے جانے کون

کون سے بہانے بنا کر مائی (کرماں) کو حکیم کے

پاس جانے سے روک رکھا ہے۔ لیکن کب

تک۔۔؟؟ وہ کب تک اسکی حالت نظر انداز

کریں گی۔۔؟؟ میں۔۔ میں یہ سب ہوتے نہیں

دیکھ سکتا۔ نہیں دیکھ سکتا فدا۔۔!" بے بسی سے

کہتے ہوئے آخر میں وہ اپنے بال مٹھیوں میں نوچتا

روپڑا۔ اس مضبوط مرد کو یوں بچوں کی طرح

روتے دیکھ فدا کا دل اسکے لیے تڑپا تھا۔

"تمہارے جاگنے سے کچھ نہیں ہوگا ولید۔۔

اسکے لیے کچھ سوچو۔ تایا سرکار کو جا کر سچ بتادو۔

شاید وہ مان جائیں۔۔!" اسکے کندھے پر ہاتھ

رکھتے ہوئے فدا نے نرمی سے کہا۔جو بھی تھا وہ

ولید کو یوں ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"میں چھپے لفظوں میں انہیں سب بتا چکا ہوں

لیکن۔۔وہ نہیں مانتے۔اگر میں نے زیادہ زور دیا

تو۔۔۔تو وہ زہرہ کو غائب کروانے سے دریغ نہیں

کریں گے فدا۔۔!" وہ شدید پریشانی کے عالم میں

اس پر اپنا خدشہ ظاہر کر رہا تھا۔ فدا نے گہرا

سانس لیتے ہوئے اپنی پیشانی مسلی۔

"اچھا یہاں بیٹھو۔ اور اگر اب روئے ناں تو منہ

توڑ دوں گا تمہارا۔ جو ہو چکا ہے اسکے لیے اللہ سے

معافی مانگو اور زہرہ اور اپنے بچے کو بچانے کا کوئی

راستہ سوچو۔ آنسو بہانا کوئی حل نہیں ہے خبیث

انسان۔۔!" پرانی جون میں لوٹتا وہ حقیقتاً اسکے

لیے فکر مند ہوتا بولا تھا۔

"میرا دل غم سے پھٹ رہا ہے تو پھر کیا کروں۔

اس قدر بے بسی اور اس پر مزید وہ بے وقوف

کورٹ میرج کرنے کو بھی تیار نہیں تو پھر کیا

خوشی سے ناچوں۔۔؟؟ میں اکیلا اس عذاب سے

نمٹنے کا سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا ہوں نہ قسمت

ساتھ دے رہی ہے اور نہ تم فدا۔۔ تو پھر ایک

رونا ہی تو ہے جو شاید میرے نصیب میں لکھا جا

چکا ہے۔۔!" وہ بیڈ سے اٹھتا اپنی بے بسی پر غصے

میں بولتا چلا گیا۔ فدا نے ایک نظر اسکی جانب

دیکھا پھر آگے بڑھ کر اسکی پسلیوں میں مکا مارتا

اسکے گلے لگ گیا۔ اسکا سہارا پا کر ولید مزید

نڈھال سا ہو گیا۔

"میں مر رہا ہوں فدا۔۔ میں مر رہا ہوں۔۔!" وہ

ہارے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔ آواز میں

آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

"میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا ولید۔۔میں

تمہارے ساتھ ہوں۔میں تمہیں کچھ نہیں

ہونے دوں گا۔۔!" اسکی پیٹھ تھپکتے ہوئے وہ

مضبوط لہجے میں بولا تو ولید نے اسکے گرد دباؤ

بڑھایا۔

"اوئے سالے۔۔!" دباؤ بڑھنے پر فدا چیخا تو ولید

دھیرے سے ہنسا۔

"اب کچھ سوچ۔۔۔!" اسے خود سے الگ کرتے

ہوئے ولید نے قدرے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

فدا کے تسلی دینے پر اسے اپنے کندھوں سے کچھ

بوجھ سا ہٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

"سوچ لیا۔۔!" فدا نے ہولے سے مسکراتے

ہوئے کہا۔

"کیا۔۔؟؟" ولید کا سوال بے ساختہ تھا۔ پھر وہ

وہیں اسکے ساتھ بیڈ پر چڑھ کر بیٹھتے ہوئے اسے

اگلا لائحہ عمل بتانے لگا۔ ولید بھی سر جھکائے

اسے سنتا رہا۔ دونوں کے درمیان کافی دیر

مستقبل کی پلاننگ ہوتی رہی پھر فدا اسے اچھے

سے رام کر کے سلیپنگ پلز کھلا کر اسکے کمرے

سے نکلا تھا۔ فجر کا وقت قریب ہی تھا۔ وہ سکون کا

سانس لیتا سیڑھیاں اترتا اپنے کمرے کیطرف

آگیا۔

□♦□♦□♦□♦

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اسے اندر تک

ٹھنڈک اترتی محسوس ہوئی تھی۔ دروازہ بند کر

کے وہ واپس پلٹا تھا۔ چھت سے لٹکے چاروں پنکھے

اپنی فل سپیڈ سے چل رہے تھے۔ وہ بیڈ کے بیچ و

بیچ لیٹی گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ کھلی کھڑکی

سے آتی رات کی سب خرام ہوا نے موسم گرما

میں بھی کمرے میں خوشگوار سی خنکی بھر رکھی

تھی۔وہ دھیرے دھیرے چلتا اسی کی جانب آ گیا

جس پر نیم تاریکی میں پورے چاند کی میٹھی روشنی

پڑ رہی تھی۔اس کے قریب ہی بیڈ پر نہایت

آہستگی سے بیٹھتے ہوئے فدا حسین نے بغور اسکا

چہرہ دیکھا تھا جو اس پل سخت تاثرات سے عاری

تھا۔ سیاہ بھنویں معمول کے بر عکس تنی ہوئی نہیں

تھیں بلکہ ان کے سائے میں بند آنکھوں کی

پلکیں عارضوں پر سایہ فگن بڑا معصومانہ سا منظر

پیش کر رہی تھیں۔ اسکی ناک میں چمکتی لونگ

نے فدا کی نگاہ اپنی طرف متوجہ کی تھی۔ گلاب

لبوں کو باہم جوڑے وہ چھوٹے چھوٹے سانس

لیتی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔

"میرا چین و قرار لوٹ کر آپ کس قدر پر سکون

ہیں بی بی۔۔؟؟" ہاتھ بڑھا کر اسکی ٹھوڑی زرا سا

اونچی کرتا وہ دھیمی آواز میں بڑبڑایا۔ حدیبہ کی

نیند میں کوئی خلل نہیں پڑا تھا۔ ایک ہاتھ پیٹ پر

اور دوسرا پیشانی پر رکھے وہ سیدھی لیٹی ہوئی

تھی۔یوں جیسے کچھ سوچتے ہوئے سوئی تھی۔وہ

کافی دیر یونہی بیٹھے بیٹھے اسے دیکھتا رہا۔مؤذن

نے فجر کی اذان دی تو وہ دور کھسکا۔

"ایک تو قسمت بھی میرا ساتھ نہیں دیتی۔۔!"

اسکی پیشانی سے لگی کلائی اپنے ہاتھ میں لیتے

ہوئے وہ بڑبڑایا۔

"میری قسمت دیکھیں، پیار کرنا تو دور میں تو زیادہ

دیر آپکو پیار سے دیکھ بھی نہیں سکتا حیبہ۔۔!"

نرم گرم نگاہوں سے اسکی بند پلکوں کو تکتا وہ بے

چارگی سے بڑبڑایا۔ اذان کی آوازیں دھیرے

دھیرے بلند ہو رہی تھیں۔ فدا جھکا اور نرمی سے

اسکی کلائی پر اپنے لب رکھ دیے۔ یہ اسکا اختیاری

عمل تھا جسے انجام دیتے ہوئے اس کے اپنے دل

نے بیٹ مس کی تھی۔یوں جیسے کوئی چوری تھی

جو اُس نے اپنی ہی ملکیت میں سے چھپ کر کی

تھی۔اسکی نازک نرم و ملائم کلائی کو چھوتے

ہوئے اسکا دل جس طرح بے اختیار ہوا تھا وہ اس

کی منہ زوری پر گھبرا گیا۔فدا نے ایک چور نظر

سوئی ہوئی پر ڈالی پھر آنکھیں بند کر لیں۔ بے

اختیار سا ہو کر وہ اسکے ہاتھ کا لمس محسوس کرتا

چلا گیا۔ اپنی انگلیوں کے پوروں پر محسوس ہوتی

شیو کی ہلکی ہلکی چبھن پر حدیبہ کسمسائی تھی۔ فدا

کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔ وہ شوریدہ سر

ہوتے جذبات پر لگام ڈالتا سیدھا ہوا اور آہستگی

سے اسکی کلائی اپنی نرم گرفت سے آزاد کر دی۔

"کسی دن مار ہی ڈالیں گی آپ مجھے۔۔!" سوئی

ہوئی حدیبہ سے شکوہ کرتا وہ اسکے پاس سے اٹھ

گیا۔ایک گہری نظر اسکے نیند میں بھی گلابی

ہوتے چہرے پر ڈال کر وہ پلٹ گیا۔ لب حدیبہ

کی خاموشی پر مسکرائے تھے جبکہ اسکے پلٹتے ہی

حدیبہ نے آنکھیں کھول کر سرعت سے کروٹ

بدل لی۔ بازوؤں میں تکیہ دبوچتے ہوئے اسکا دل

پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ اسے بالکل

اندازہ نہیں تھا کہ وہ اسکے کہتے ہی نوشہرو کے

لیے نکل پڑے گا۔ وہ کمرے میں آکر آرام سے

سو گئی تھی یہ تو اسکا معمول تھا کہ فجر کی پہلی اذان

کے ساتھ ہی اسکی آنکھ کھل جایا کرتی تھی لیکن

آج۔۔ آج یہ اذان کے ساتھ ساتھ اسکے محرم

کے لبوں کا لمس تھا جس نے اسے نیند میں جھنجھوڑ

ڈالا تھا۔ اسکی بے تابیاں حدیبہ کے وجود میں

خون کی گردش تیز کر گئی تھیں، یہ تو شکر تھا کہ وہ

اسکے کسمسانے پر دور گیا تھا ورنہ جانے کیوں

حدیبہ خود میں آنکھیں کھولنے کی ہمت نہیں جٹا

پا رہی تھی۔ وہ یونہی کروٹ بدلے کچھ دیر

گہرے سانس لیتی خود کو کمپوز کرتی رہی جبکہ فدا

صوفے پر بیٹھا مسکراتی نظروں سے اسکی پشت کو

دیکھتا رہا۔ وہ جان گیا تھا کہ حدیبہ جاگ رہی

ہے۔ حدیبہ کی خاموشی اسکے لیے خوش آئند

تھی۔ فدا کے لب دھیرے دھیرے مسکرانے

لگے۔

□♦□♦□♦□♦

آج موسم صبح سے ہی خوشگوار تھا۔ سرمئی بادل

آسمان کے سینے پر منڈلاتے ہولے ہولے چلتی

ہوا کے سنگ اڑ رہے تھے۔ نوشہرو کے بزرگوں

کی پیشن گوئی کے مطابق رات سے پہلے بارش کے

امکان نہ تھے سو ہر شخص دن چڑھتے ہی اپنے

اپنے کام میں مصروف ہو چکا تھا۔ ایسے میں وہ بھی

اپنے سر درد سے نبرد آزما ہوتی مائی کرماں کے

ساتھ صبح سے کچن کے کاموں میں لگی ہوئی تھی۔

چہرے کی سانولی رنگت میں زردی گھلی ہوئی

تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے کوئی کپ یا گلاس گر کر

ٹوٹ جاتا تو مائی کرماں اسے کوستی۔ اب بھی وہ

دوپہر کے کھانے کے لیے کٹی ہوئی سبزیاں دھو

رہی تھی جب اسے ابکائی آئی تھی۔ وہ فوراً ایک

طرف ہوئی۔مائی کرماں توے پر فرائی ہوتا انڈہ

چھوڑ کر اسکے قریب آئی تھی۔

"کم بخت ماری کونسی بیماری چمٹا بیٹھی ہے جو جاتی

ہی نہیں۔جب کہہ رہی ہوں کہ چل حکیم کے

پاس تو کیا موت نظر آتی ہے تجھے۔۔

ہیں۔۔۔؟؟" اسکی پیٹھ نرمی سے تھپکتی وہ کچھ سختی

سے بولی تو زہرہ نے آنکھوں میں آتا پانی صاف

کیا۔

"لیموں دے دے مجھے اماں۔۔ ہو جاؤں گی

ٹھیک۔۔!" اسکا ہاتھ جھٹک کر رکھائی سے کہتی وہ

پھر سے اپنا کام کرنے لگی۔

"ارے اماں کچھ جل رہا ہے۔ کیا رکھا ہے آپ

نے توے پر۔۔؟؟" کچن میں آتی حدیبہ نے

چولہے کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

"آئے ہائے بی بی۔۔ میری تو مت ہی ماری

گئی۔۔!" اپنے سر پر ہاتھ مارتی مائی کرماں چولہے

کی جانب بھاگی۔تب تک حدیبہ گیس بند کرچکی

تھی۔انڈہ جل چکا تھا۔

"غلطی ہوگئی بی بی۔۔فداسرکار کے لیے ناشتہ

بنارہی تھی اس منحوس ماری کی وجہ سے

یہ۔۔۔!" وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوتی عاجزی سے

بولی تو حدیبہ نفی میں سر ہلاتی مسکرائی۔

"کوئی بات نہیں۔۔ ایک انڈہ ہی تو تھا۔ لائیں

میں بنا لیتی ہوں سائیں بھی اٹھ گئے ہیں بس۔۔

زیادہ دیر ہوئی تو پھر بابا سرکار مجھے ہی ڈانٹیں

گے۔۔!" تو اٹھا کر نلکے کے پاس لاتی وہ نرم لہجے

میں بولی۔ زہرہ وہاں سے ہٹی تو جلا ہوا انڈہ پھینک

کر وہ تو ادھونے لگی۔ فدا صبح فجر کی نماز ادا کر کے

سو گیا تھا، ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی جاگا تھا اور

فریش ہوتے ہی وہ بابا سرکار کے حجرے میں ان

سے ملنے چلا گیا تھا۔مائی کرماں کو ذوالفقار عالم شاہ

کی جانب سے ہی فدا کے لیے ناشتہ بنانے کا حکم ملا

تھا جو لینے کے لیے حدیبہ کچن میں آئی تھی۔

"شرمندہ نہ کریں بی بی۔۔۔میں بنا لیتی ہوں آپکو

پتہ تو ہے اگر صندل بی بی آ گئیں تو بابا جی سرکار

سے میری شکایت کر دیں گی۔۔!" حدیبہ کو انڈا

چھینٹتے دیکھ مائی کرماں گھگھیائی۔زہرہ لاتعلق سی

ایک طرف کھڑی ہانڈی میں مصالحہ تیار کر رہی

تھی۔

"ارے نہیں نہیں مائی۔۔دو منٹ کا کام ہے بس

ہو گیا۔۔!" مسکراکر کہتی وہ انڈا توے پر ڈال

رہی تھی۔زہرہ کے ہاتھ سے پھر برتن چھوٹا تو

مائی کرماں نے اس بار اسکی کمر میں دھموکا جڑا۔

"چل جا یہاں سے دفع ہو۔میں خود کرلوں گی تُو

تو ہر شے کا خانہ خراب کرے گی آج۔۔!"مائی

کرماں زہرہ پر چیخی تو حدیبہ ان دونوں کی طرف

متوجہ ہوئی۔زہرہ کا دل کیا چیخ چیخ کر روئے۔

"اسے کیوں مار رہی ہو مائی۔۔مجھے اسکی طبعیت

خراب لگ رہی ہے ورنہ جان بوجھ کر تھوڑی

کرتا ہے کوئی۔۔!" انڈہ پلیٹ میں نکالتی حدیبہ

نے مائی کرماں کو لتاڑا تو وہ کھسیانی سی ہو کر سر

جھٹک گئی۔"تو اسے کہہ تو رہی ہوں اتنے دنوں

سے کہ میرے ساتھ حکیم کے پاس چلی چلے

لیکن ڈھیٹ ہڈی ہے میری تو سنتی ہی نہیں۔۔!"

مائی کرماں نے قدرے دھیمے لہجے میں اپنی صفائی

پیش کی۔زہرہ کی جھکی پلکوں سے آنسو ٹپ ٹپ

گرتے گالوں پر پھسلنے لگے۔

"یہ تو غلط بات ہے زہرہ۔۔ اگر تم یوں لاپرواہی

کرو گی تو طبعیت مزید بگڑ جائے گی۔ خیر آج میں

نے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے سر میں اکثر درد رہتا

ہے تم میرے ساتھ ہی چلنا۔ حکیم کو چھوڑو ڈاکٹر

کو ہی دکھا دیں گے۔۔!" اسکی مشکل حل کرنے

کو حدیبہ نرمی سے بولی۔ اسے فدا نے آج جاگتے

ساتھ ہی زہرہ کی طبعیت خرابی کی بابت آگاہ کیا

تھا۔ اسکا کہنا تھا کہ زہرہ نے اس سے شکایت کی

ہے کہ حکیم کی نیت اور نظر دونوں میں ہی فتور

ہے سو زہرہ نوشہرو کی واحد لیڈی ڈاکٹر کے کلینک

سے چیک اپ کروانا چاہتی ہے۔ اسی معاملے میں

فدا نے حدیبہ سے مدد مانگی تھی اور وہ بے وقوف

یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ رات کے تیسرے پہر تو وہ

کراچی سے واپس آیا تھا تو بھلا کس وقت زہرہ نے

اس سے حکیم کی شکایت کر ڈالی تھی۔ وہ فدا اور

زہرہ کی بچپن کی دوستی کے پیش نظر اسکی زہرہ

سے ہمدردی سمجھتی تھی سو فوراً مان گئی اور اب

اپنے سر درد کا بہانہ بنا کر مائی کر ماں کے سامنے

زہرہ کو ساتھ لے جانے کا ذکر بھی کر دیا تھا۔

"اس سے اچھا بھلا اور کیا ہو گا بی ۔۔! "مائی

کرماں خوشی سے پھولے نہ سماتی بولی کہ بھلا

ڈاکٹرنی کی فیس ادا کرنا اسکے بس میں کہاں تھا۔

زہرہ نے انکار کرنا چاہا لیکن تبھی وہاں ولید آگیا۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے۔۔؟" وہ زہرہ کی

طرف دیکھتا حدیبہ سے مخاطب تھا۔ماتھے پر

بکھرے بال اور بے ترتیب سا حلیہ۔۔وہ بھی

شاید ابھی جاگا تھا۔

"فریش ہو کر بابا سرکار کے حجرے میں آجائیں

آپ میں وہیں لے آتی ہوں۔۔!" اسے تنبیہی

نظروں سے گھورتے ہوئے حدیبہ نے کہا تو وہ سر

اثبات میں ہلاتا پلٹ گیا۔

"انکے لیے بھی ناشتہ بنادیں اماں۔۔اب دونوں

جوڑی دار اکٹھے ہی ناشتہ کریں گے۔۔!" وہیں

ایک طرف کرسی پر بیٹھتی وہ بےزار ولید اور فدا

کے بارے میں بولی۔

"اور تم۔۔اپنے کمرے میں جا کر ابھی ریسٹ

کرو۔چلو۔۔۔!"زہرہ کو پھر سے کام کرتے دیکھ

حدیبہ کچھ سختی سے بولی تو چاروناچار اسے جانا پڑا۔

مائی کرماں اس سے مزید باتیں کرتی ناشتہ بنانے

لگیں۔

□♦□♦□♦□♦

وہ دینیات کا لیکچر لے کر جیسے ہی کلاس سے باہر

نکلی اسے سامنے ہی وہ پلر سے ٹیک لگائے کھڑا

نظر آ گیا۔ علیشہ نے اپنی سیاہ پلکیں جھپکائیں اور

اسکے پاس سے گزرنے لگی جب عالم پھرتی سے

اسکے سامنے آیا۔

"مجھ سے کس بات کی ناراضی ہے۔۔؟؟"وہ

معصومیت کے ریکارڈ توڑتا آہستگی سے بولا تو

علیشہ نے خفا خفا سی نظروں سے اسے گھورا۔

"دفع ہو جاؤ عالم ورنہ میں تمہارا سر پھاڑ دوں

گی۔۔!" وہ تپے تپے سے لہجے میں غرائی تو وہ

ہنسا۔

"حالانکہ سر تمہیں اپنے اُس ٹیچر کا پھاڑنا چاہیئے

تھا جب اس نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا۔۔!" عالم نے

اسے دوبدو جواب دیا تو علیشہ نے ہاتھ میں پکڑی

بکس اسکے کندھے پر دے ماری۔

"تو تم پھاڑ دیتے ناں تم کہاں مرے ہوئے تھے

ایڈیٹ۔۔!" اپنا غصہ اُس پر نکالتی وہ چلائی۔

اپنے ہاتھ دفاع میں اٹھاتا عالم ہنستا چلا گیا جبکہ وہ

ہنوز خفگی سے بول رہی تھی۔

"جب بھی مجھے تمہاری ضرورت ہوتی ہے تم پتہ

نہیں کہاں دفع ہوتے ہو۔جب سب کچھ

ہو جاتا ہے تب آجاتے ہو میرے زخموں پر نمک

چھڑکنے کے لیے، بے وفا بے شرم۔۔ کمینے بھائی

ہو تم میرا کوئی خیال نہیں تمہیں۔۔!" وہ بنا رکے

اسے بکس مارتی بولتی چلی گئی جبکہ وہ بے چارہ ہنستے

ہوئے کبھی دائیں تو کبھی بائیں ہوتا خود کو بچانے

کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔اچک اچک کر اسے

مارنے کے چکر میں وہ بری طرح ہانپ گئی تھی۔

"اوہ یار۔۔ہاہا۔۔ہا۔۔اب تم پنگے لو گی تو مجھے

الہام تھوڑی ہو جائے گا کہ ہاں چڑیل صاحبہ فلانی

جگہ نیا کھاتہ کھولے بیٹھی ہے تو میں فوراً

پہنچوں۔۔!" وہ اپنی صفائی دینے کو ہنستے ہوئے

بولا تو علیشہ اپنی گلابی پڑتی آنکھیں مسلتی ایک

طرف سنگی بنچ پر جا بیٹھی۔عالم نے شرافت سے

نیچے گر چکی اسکی بکس اٹھائیں اور خود بھی اسکے

پاس آ گیا۔

"ایک محبت کا گناہ ہی کیا تھا ناں بے چارے

نے۔۔ تھپڑ مارنے کی کیا ضرورت تھی۔۔؟؟"

اسکے پاس بیٹھتا وہ اب کی بار نرمی سے اس سے

شیث کی بابت دریافت کر رہا تھا۔اسکے سوال پر

علیشہ نے ایک بار پھر اسے گھورا۔

"وہ میرا اسکیچ بنا رہا تھا۔ اور ہر وقت مجھے گھورتا

رہتا ہے اسکا علاج ضروری تھا۔ مجھے اسکو تھپڑ

مارنے پر کوئی افسوس نہیں ہے۔۔ مجھے تو۔۔۔!"

غصے میں کہتی وہ آخر میں سر جھٹک کر شمس کا نام

لیتے لیتے چپ کر گئی۔ اسکی بھوری آنکھوں میں

ایک بار پھر کل والا منظر گھوم گیا جب شمس نے

اسکا ہاتھ تھاما تھا۔ جانے کیوں اُس ایک لمس نے

اسے ساری رات جگائے رکھا تھا وہ پچھلی رات سو

نہیں پائی تھی۔

"کیا تم نے تو۔۔شاید تم اپنے ٹیچر کے بارے میں

کچھ۔۔۔آہم آہم۔۔کہنا چاہتی ہو۔۔؟؟" عالم

نے غیر سنجیدگی سے اسے چھیڑا تو علیشہ نے مڑ کر

اسکے بازو پر مکا مارا۔

"بدتمیزی مت کرو تمہارا تو دماغ ہی الٹا ہے۔۔!"

وہ دبی سی آواز میں غرائی۔

"حالانکہ میں نے ابھی تک کوئی الٹی بات نہیں

کی۔۔۔!" اسکے دل کی چوری پکڑ تا وہ پھر سے

بڑی سادگی کا مظاہرہ کر گیا تو علیشہ نے زچ ہو کر

اسے دیکھا۔

"تمہارے اندر بھائیوں والی کوئی خصلت نہیں

ہے۔ مجال ہے جو زرا تمہاری غیرت کو جوش آیا

ہو۔۔!" اسے چڑانے کو وہ تپے تپے سے لہجے میں

بولی تو وہ ڈھیٹ پن سے مسکرایا۔

"میں زمانہ جاہلیت کی اس خصلت سے قطعی

محروم ہوں ہاں اگر تمہیں غیرت کا مظاہرہ دیکھنے

کا اتنا ہی شوق چڑھ رہا ہے تو میں سارنگ کو بتا دیتا

ہوں کہ تمہارا کلاس فیلو تم پر عاشق ہے اور

تمہارے محبوب ترین ٹیچر نے تمہارا ہاتھ پکڑا

ہے۔۔!"بظاہر مسکرا کر لیکن حقیقتاً سنجیدگی سے

کہتے ہوئے عالم نے باقاعدہ موبائل ہاتھ میں لیا تو

علیشہ نے فوراً اسکے ہاتھ سے موبائل جھپٹا۔

"یہ میرے ڈرامے مجھ پر ہی ٹرائے مت

کرو۔۔!" وہ احتجاجاً چیخی تھی۔عالم نے کچھ سنجیدہ

نگاہوں سے اسے گھورا۔

"تو پھر میری غیرت بھی مت جگاؤ ورنہ سب

سے پہلے تمہیں گز بھر کی چادر اپنے گرد لپیٹنی

پڑے گی۔ اور یہ جو آزادانہ پوری یونی اور یونی

سے باہر لور لور پھرتی ہو ناں اس کو بھی لگام ڈلوا

دوں گا۔ سمجھی کچھ۔۔؟؟" اسکے چہرے کے

بدلتے تیوروں سے محظوظ ہوتا وہ بظاہر سنجید گی

سے بولا۔ اسکی باتوں پر پوری کی پوری اسکی جانب

گھومتی علیشہ کی آنکھیں پھیل چکی تھیں۔

"یہ۔۔ کیا بکواس کی ہے تم نے۔۔؟ ہاں۔۔؟؟

بتانا تو زرا۔۔ چادر مینز۔۔؟؟ دوپٹہ لو نگی اور وہ

بھی میں۔۔؟؟ اور کیا کہا تم نے۔۔؟؟ میں لور

لور پھرتی ہوں۔۔؟؟" وہ غضب ناک ہو چکی

تھی۔عالم نے وہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت

جانی۔

"مذاق کر رہا تھا یار۔۔۔کہا تو ہے میں سارنگ

والی غیرت سے محروم ہوں۔۔۔!" اپنا قہقہہ

روکتا وہ جلدی سے بولا۔

"آئندہ یہ فضول بات کی تو تمہیں گنجا کر دوں گی

یاد رکھنا۔۔!"

"تو تم شروعات مت کرناناں۔۔!" اس بار اپنی

بے لگام ہوتی ہنسی کو کھلی چھوٹ دیتا وہ ہنستے

ہوئے بولا تو علیشہ اس پر چڑھ دوڑی۔ عالم نے

سرعت سے وہاں سے دوڑ لگائی تھی۔

"رکو تم زرا میں ابھی بتاتی ہوں تمہیں۔۔!"

اسکے پیچھے بھاگتی وہ چلائی۔عالم منٹوں میں اسکی

نگاہوں سے اوجھل ہوا تھا۔وہ کمر پکڑ کر گہرے

سانس لیتی ہانپ رہی تھی۔

"کمینہ۔۔بات کرنا ہی فضول ہے اس سے۔۔!"

وہ بڑبڑائی۔ چہرے پر آتے بالوں کو سنوارتی وہ

واپس پلٹی۔ دھیان ایک بار پھر کل والے واقعہ کی

طرف مبذول ہو چکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"کیا میں نے تمہیں نہیں سمجھایا تھا کہ تم عورت

ذات سے دور رہو گے۔۔؟؟ کیا میں نے تمہیں

آگاہ نہیں کیا تھا کہ عورت فتنے کے سوا کچھ

نہیں۔۔؟؟" اسکے مقابل کھڑا اسکا باپ اس پر

گرج رہا تھا اور شیث حیدر۔۔۔؟؟ وہ ہمیشہ کی

طرح خاموش تھا کیونکہ قدرت نے اسکے مقدر

میں خاموشی لکھی تھی۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے شیث۔۔؟؟ کتنی

شرمندگی اٹھانا پڑی ہے مجھے تمہارے ٹیچرز کے

سامنے۔۔اور پوری یونیورسٹی میں تمہیں بس

وہی ایک لڑکی ملی تھی عشق کرنے کو جو اول روز

سے تمہاری تذلیل کرتی آرہی ہے۔۔؟؟" ان

کا غصہ اور برہم انداز آج قابل دید تھا۔ شیث کی

آنکھوں میں دھند سی بھرنے لگی۔

"میری بات اچھے سے سن لو شیث۔۔ وہ لڑکی

کسی بھی طرح تمہارے اور ہمارے خاندان کے

قابل نہیں ہے اس لیے اسکا خیال اپنے دل و

دماغ سے نکال دو۔۔!" اسے خاموش پا کر وہ آخر

میں حتمی انداز میں بولے تو شیث نے اپنی دھندلی

نگاہ اٹھائی۔

"یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ وہ میرے قابل

نہیں۔صاف صاف کہیں ناں کہ میرا ناقص

وجود اس کے قابل نہیں ہے۔۔!" ان کی طرف

دیکھتا وہ بھرائی ہوئی مدھم تر آواز میں بولا تو

مقابل کی آنکھوں میں سرد مہری سی در آئی۔

"تمہارا ناقص پن تمہارے وجود میں نہیں

تمہارے دماغ میں ہے شیٹ۔۔ اپنے رتبے کو

پہچانو۔۔ تمہارا مقام اس لڑکی کی پچھلی سات

نسلوں سے بلند ہے، اگر میں ایک بار اسکے باپ

سے تمہارے لیے بات کروں تو وہ اسے اپنی بیٹی

کی خوش نصیبی سمجھے گا۔۔!" شیث کی آنکھوں

میں دیکھ کر بات کرتے اس شخص کے لہجے میں

غرور بول رہا تھا۔ انداز میں علیشہ کے لیے

حقارت تھی۔

"لیکن وہ تو کبھی نہیں سمجھے گی ناں۔۔ اسے تو میں

دنیا کا کمتر ترین انسان لگتا ہوں۔۔!" شکوہ خود

بخود اسکے لبوں سے پھسلا تھا۔

"وہ خود کتنی کمتر ہے اسے اس بات کا احساس

نہیں لیکن یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے میرے

شیر۔۔ تم اپنی تعلیم پر دھیان دو۔ اس لڑکی کے

پَر میں وقت آنے پر کاٹ دوں گا۔۔!" اس

شخص کے لہجے میں علیشہ چوہان کے لیے نفرت

ہی نفرت تھی۔

"میں اسکا نقصان برداشت نہیں کروں گا۔مجھے

وہ ملے یا نہ ملے، بس اسے دکھ نہیں ملنا

چاہیئے۔۔!" وہ اس شخص کی علیشہ سے نفرت کو

سمجھ نہیں پارہا تھا اسی لیے علیشہ کے لیے اپنی

محبت کو بڑے واضح لفظوں میں آشکار کر دیا تھا۔

مقابل اس کی جرآت پر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"شیٹ۔۔۔!" ان کے لہجے میں تنبیہہ تھی جسے وہ

ان سنی کرتا وزیٹنگ روم سے نکل گیا۔ پیچھے وہ

لب بھینچے کھڑے اپنے اندر اٹھتے طوفانوں سے

نبرد آزما ہوتے رہ گئے۔ وہ لڑکا۔ انکی جان سے

عزیز تر تھا۔ اور وہی انہیں پل صراط پر گھسیٹ چکا

تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے گریبان کے دو تین

بٹن بند کرتا ساتھ ساتھ سرد نگاہوں سے اپنا

جائزہ بھی لے رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں بلا کی

سنجیدگی تھی۔ بازو کے کف لنکس لگاتے ہوئے

اسنے جنید خان کو کمرے کے دروازے پر کھڑا

پایا۔

"آجاؤ خان۔۔!" بدر نے اپنے مخصوص لہجے میں

اسے مخاطب کیا تو وہ اندر آگیا۔

"بڑے سردار آپ کے منتظر ہیں سائیں۔۔!"

اس سے زرا فاصلے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا جنید

خان مستعدی سے گویا ہوا۔

"ہوں۔۔۔!" بدر نے لب بھینچتے ہوئے ہنکارا

بھرا۔ جنید نے اسکی آنکھ کا اشارہ سمجھتے ہوئے بیڈ

سے اسکی بلیک واسکٹ اٹھائی۔ سفید کلف لگے

بے داغ شلوار سوٹ میں وہ اپنی سرخ وسفید

رنگت پر سجے جاذب نظر نقوش میں قابل ستائش

لگ رہا تھا۔ چوڑے کندھے اور ابھرا ہوا کشادہ

سینہ اسکے وجود کی مضبوطی کو ظاہر کرتے تھے۔

جنید نے دل ہی دل میں اپنے سائیں کی نظر

اتارتے ہوئے اسے واسکٹ پہنائی۔ اسکے شفاف

مضبوط پیروں میں سیاہ پشاوری چپل پہناتے

ہوئے جنید خان کے دل نے خود کو خوش نصیب

جانا تھا کہ بدر لغاری کے آس پاس موجود لوگوں

مین وہ واحد تھا جسے بدر لغاری اور اس کی اشیاء کو

چھونے کا حق حاصل تھا۔

"کچھ اور سائیں۔۔؟؟" اسے تیار دیکھ کر جنید

نے آہستگی سے پوچھا تو بدر نے نفی میں ہنکارا

بھرا۔ اور آخر میں خود پر پرفیوم سپرے کرنے

لگا۔ پھر خود پر ایک نظر ڈال کر وہ پلٹا۔

"معاملہ کیا ہے۔۔؟؟" کمرے کے دروازے کی

طرف پلٹتا وہ سنجیدگی سے بولا۔ اس سے پہلے کہ

جنید کچھ بولتا ردابہ لغاری ایک دم اندر آئی

تھیں۔بدر کے چلتے قدم یک دم رکے تھے۔

کشادہ پیشانی پر رگیں ابھرنے لگیں۔

"آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔۔!"بدر کے

قریب آتی وہ بنا جھجھکے بولی تھیں۔آنکھوں سے

جنید کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا لیکن وہ بدر کی

اجازت کے بغیر وہاں سے ایک انچ نہیں ہل سکتا

تھا سو وہیں کھڑا رہا۔

"کہیے۔۔!" بدر لغاری کے لب بڑی دقتوں سے

ہلے تھے۔ اسکی نگاہوں کا مرکز مقابل کھڑی

عورت بالکل نہیں تھی۔ ردابہ نے اس بار جنید کو

بری طرح گھورا۔ اسنے گڑبڑا کر اپنے سائیں کی

طرف دیکھا۔ مسئلہ تو یہ تھا کہ اس بےچارے کو

اجازت مانگنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

"میں سن رہا ہوں۔۔!" ردابہ کو خاموش پا کر وہ

اس بار بے زاری سے گویا ہوا۔ بول کر جیسے

احسان عظیم کیا تھا۔

"وہ۔۔ میں چاہ رہی تھی کہ جرگے سے واپسی پر

آپ آج رات کا کھانا میرے ساتھ۔۔۔!" وہ

اس بار کچھ جھجھکتے ہوئے کہہ رہی تھیں جب ان

کی بات قطع کرتا وہ بول پڑا۔

"سوچوں گا۔۔!" اطمینان سے کہہ کر وہ انکی

سائیڈ سے گزر گیا۔ جنید اسکے پیچھے تقریباً بھاگا

تھا۔ وہ تینوں ہی جانتے تھے کہ سردار بدر لغاری

نے ردابہ لغاری کی بات سن کر ہی اس پر احسان

کیا ہے۔وہ سوچنے کا کہہ تو آیا تھا لیکن وہ اس

بارے میں سوچنے والا نہیں تھا۔

"ہاں تو میں نے کیا پوچھا تھا جنید۔۔؟؟"حویلی

کے دالان سے گزرتا وہ نارملی پوچھ رہا تھا۔

"سائیں چغتائی قبیلے کی لڑکی نے پچھلی رات شہری

لڑکے کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کی ہے۔

دونوں پکڑے گئے، لڑکے کو تو موقعے پر ہی قتل

کر دیا گیا تھا اب لڑکی کا فیصلہ باقی ہے۔پڑھی

لکھی چھوری ہے، کہتی ہے مرنے والے سے

نکاح کر چکی تھی اب کورٹ جائے گی۔۔!" جنید

نے پوری بات اسکے گوش گزار کی۔

"ہممم۔۔۔اور لڑکے کی لاش۔۔؟؟" اسنے

مزید پوچھا۔

"وہ چغتائیوں نے نالے میں پھینک دی

ہے۔۔!" بتاتے ہوئے جنید کے لہجے میں کچھ

تاسف سا تھا۔ بدر لغاری کی سیاہ آنکھوں میں

برف سی جمنے لگی۔ اسے دور سے ہی حویلی کے

باغیچے کے باہر جیپس کھڑی نظر آگئی تھیں جن

کے گرد اسلحہ بردار افراد تندہی سے کھڑے

تھے۔وہ مزید چند قدم چلا تو اسے اپنے بابا سردار

شمعون لغاری بھی نظر آ گئے۔سر پر دستار

باندھے وہ بطور نائب سردار جرگے میں جانے

کے لیے اپنی پجارو میں بیٹھ رہے تھے۔بدر نے

قریب جاکر انہیں سلام کیا تو انہوں نے سر کے

اشارے سے اسے سلام کا جواب دیا۔ اپنی لینڈ

کروزر میں جانے کی بجائے وہ انکے ساتھ ہی انکی

گاڑی میں بیٹھ گیا۔ جنید نے جلدی سے ڈرائیور

کے ساتھ والی فرنٹ سیٹ سنبھالی تو ڈرائیور نے

گاڑی آگے بڑھادی۔ اسکے ایکے بعد دیگرے

آٹھ گاڑیاں آگے پیچھے نکلتی انکی پجارو کا احاطہ

کیے ہوئے تھیں۔ سردار شمعون لغاری پچھلے

پندرہ سالوں سے چودہ قبیلوں میں قبائلی سردار

کے عہدے پر فائز تھے۔ کسی بڑے مسئلے میں

ان کی موجودگی لازم وملزم سمجھی جاتی تھی ورنہ

جب سے بدر انگلینڈ سے واپس آیا تھا وہ باپ کے

نقش قدم پر چلتے ہوئے چھوٹے موٹے مسائل

خود ہی نپٹا لیا کرتا تھا۔ معاملہ قتل کا تھا جس میں

شہر سے پولیس ملوث ہو سکتی تھی۔ یقینی طور پر

پولیس کے لیے بھی جرگہ سسٹم کی بنیاد پر ہاتھ

ڈالنا ناممکن سا تھا لیکن سردار شمعون کے لیے یہ

معاملہ نپٹانا اب ناگریز ہو چکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"اب تو موڈ اچھا کر لیں گھر جا رہی ہیں آپ۔۔!"

گاڑی ڈرائیو کرتے منصب نے انہیں مخاطب کیا

جو پچھلی سیٹ پر براجمان تھیں۔ چہرے پر حزن و

ملال کی سی کیفیت تھی۔

"موڈ انکا نہیں بابا سرکار کا اچھا ہونا چاہئیے ورنہ

تمہارے ساتھ ساتھ ان کی بھی خیر نہیں۔۔!"

لیز دانتوں سے کترتا مہربان عالم شاہ غیر سنجید گی

سے بولتا کن اکھیوں سے جیہ بیگم کو دیکھنے لگا جو

گاڑی سے باہر دیکھ رہی تھیں۔

"موڈ اچھا ہے تبھی تو انہوں نے مجھے خود کال

کی۔ اور یہ بھی کہا کہ دادا سرکار مجھے یاد کر رہے

ہیں اماں کو لے کر نوشہرو آجاؤں۔۔!" منصب

نے خلاف معمول کچھ اچھے موڈ میں کہا۔ وہ جانتا

تھا کہ اس کی اماں اسکے بابا کی خاموشی کے باعث

گھل رہی ہیں۔ اسی لیے اسنے اُن سے جھوٹ بول

دیا تھا کہ اسے شاہ صاحب کی کال آئی ہے، گوجیہ

بیگم کو اسکی بات کا قطعی اعتبار نہیں تھا لیکن وہ پھر

بھی اپنے دل سے مجبور ہو کر اسکے ساتھ نوشہرو

کے لیے آگئی تھیں۔ اور عالم جو پہلے ہی کافی

دنوں سے حویلی جانے کے لیے پر تول رہا تھا،

منصب کے جانے کا سن کر فوراً ان دونوں کے

ساتھ ہی لٹک گیا۔

"اگر ایسا ہے پھر تو اماں آپکا مسکرانا بنتا ہے یار۔۔

اب آپ یوں منہ پھلائے بیٹھی رہیں گی تو میری

یہ لیز میرے حلق میں اٹکتی رہے گی۔۔!"

مسلسل منہ چلاتا وہ بڑی بے چارگی سے بولا تو وہ

نم آنکھوں سے مسکرائیں۔

"تو کس نے کہا ہے اکیلے اکیلے ٹھونسو۔۔اُنہیں

بھی پوچھ لو۔۔!" منصب نے اسے لتاڑا تو اسنے

فوراً لیز کا پیکٹ پیچھے کیا۔

"میں تو کب سے پوچھنے کی کوشش کر رہا ہوں یہ

ہی لفٹ نہیں کروا رہیں۔اب بتائیں زرا اماں

جس لڑکے کو اسکی ماں ہی لفٹ نہ کروائے اسے

کوئی دوشیزہ کیا خاک لفٹ کروائے گی۔۔؟ کچھ تو

میرے درد کو سمجھیں یہ کھالیں پلیز ورنہ۔۔!"

لیز کے پیکٹ کے ساتھ ساتھ خود بھی پورا پیچھے کی

جانب مڑا وہ بھرپور ڈرامے کرتا بول رہا تھا۔

"جی ہاں کھالیں ورنہ یہ ہمارا دماغ کھاتا رہے

گا۔۔!" منصب نے بھی لب کشائی کی توجیہ بیگم

جو پہلے ہی عالم کی باتوں پر ہنسنے لگی تھیں لیز کا

پیکٹ تھام گئیں۔ دونوں بھائیوں نے ایک

دوسرے کو دیکھتے ہوئے سکون کا سانس لیا۔ پھر

یونہی ان کی ناک میں دم کرتے وہ انہیں ہنسا ہنسا

کر سکھر تک لے آئے تھے۔ نوشہرو کی آباد

سڑکوں پر گاڑی چلاتے ہوئے منصب کے اندر

کہیں ایک خلش سی تھی، اسکی جانکاری کے

مطابق اسکے بابا سرکار آج کل حیدر آباد میں

مصروف تھے سو وہ موقع غنیمت جان کر جیہ بیگم

کو لے آیا تھا۔ حویلی کے مرکزی گیٹ سے گاڑی

اندر گھستے ہی مہربان عالم شاہ کی ساری شرارتیں

بھی پھُر ہوئی تھیں۔ دل سینے میں کسی زخمی

پرندے کی مانند پھڑ پھڑاتا اس مہ جبیں کے لیے

بے تاب ہوا تھا جسے دیکھنے کو وہ یہاں چلا آیا تھا۔

منصب گاڑی پورچ والے احاطے کی طرف لے

گیا جبکہ عالم جیہ بیگم کو بازو کے حلقے میں لیے

سرخ روش پر چلنے لگا جس کے اطراف میں دور

تک پھیلے باغیچے میں خوبصورت فوارے سے

پھوٹتا پانی، ڈھلتی شام میں بڑا خوبصورت منظر

پیش کر رہا تھا۔ بائیں جانب والے حصے میں رکھی

سفید کرسیوں کے درمیان رکھی میز سے چائے

کے برتن سمیٹتی ملازمہ کی نظر ان دونوں ماں بیٹے

پر پڑی تو وہ اطلاع دینے کو فوراً اندر بھاگی۔

منصب تین چار ماہ بعد آج واپس آیا تھا سو

ملازماؤں میں کھلبلی سی مچ گئی۔ وہ دونوں دہلیز

تک پہنچے تو انہیں سامنے سے ہی چہرے پر خوشی

کے رنگ لیے وہ عورت قریب آتی دکھائی دی جو

ان تینوں بھائیوں کی سگی ماں تھی۔

"آ گئی ماں کی یاد ہاں ۔۔ یہاں میں نواب زادوں

کی شکل دیکھنے کو ترستی رہتی ہوں اور یہ ہیں کہ

جنہیں پرواہ ہی کوئی نہیں۔" عالم کو گلے لگاتے وہ

شکوہ کر گئیں تو وہ بے اختیار ہنسا۔

"پرواہ ہے تو ملنے آیا ہوں ناں مما۔۔۔!" انکی

پیشانی چومتا وہ پیار سے بولا تو انہوں نے اسکے

کندھے پر چپت لگائی۔

"بناؤ مت سب جانتی ہوں کس کی کتنی پرواہ

ہے۔۔!" ایک استہزائیہ نگاہ اسکے پہلو میں کھڑی

جیہ بیگم پر ڈال کر وہ بظاہر ہنستے ہوئے بولی تھیں۔

"السلام علیکم مما۔۔مجھے بھی دیکھ لیں میں بھی

آپ ہی کی خاطر آیا ہوں۔۔۔!" عالم کے پیچھے

سے اندر آتے منصب نے غیر سنجیدگی سے دہائی

دی۔

"لو تمہیں دیکھنے کو تو میں سارا سارا دن یہیں

کھڑی رہتی ہوں۔ آنکھیں راستہ ہی دیکھتی رہتی

ہیں کب میرا شہزادہ آئے گا اور کب میرے گلے

لگے گا۔۔!" اس پر نثار ہوتی وہ اسکی طرف

بڑھیں تو عالم نے جیہ بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں یہاں ٹریلر لمبا ہونے

والا ہے۔۔!" انہیں ساتھ لیے وہ سرگوشیانہ بولا

تو جیہ بیگم نے اسے ایک دھپ رسید کی۔

"ماں ہے تمہاری بے شرم۔۔!" انہوں نے اسے

لتاڑا۔

"ہاں لیکن بہت بڑا ڈرامہ ہیں قسمے۔۔۔!" وہ

بڑبڑایا۔

"عالم۔۔۔!" جبیہ بیگم نے اسے گھر کا تو اسنے فوراً

ایک کان پکڑا۔

"اچھا سوری۔۔!" اسنے فوراً دانتوں کی نمائش

کی۔ تبھی اسکی نگاہ کچن کی جانب گھومی۔ وہ اپنے

دھیان میں باہر نکلتی اسے دیکھ کر پل بھر کو رک

سی گئی۔ مہربان کا دل بے لگام ہوا تھا۔ اسکی

نگاہوں میں اترتی چمک دیکھ کر وہ سرعت سے

پلٹی۔

"کوئی مجھے پانی کو پوچھے گا یہاں یا۔۔۔۔!" عالم

نے فوراً اسکے پیچھے ہانک لگائی۔ مرحہ نے گہرا

سانس لیتے ہوئے اسکی جانب دیکھا پھر سرعت

سے کچن میں جا گھسی۔ اگلے دو منٹ میں وہ اس

کے لیے پانی لے کر وہیں لاؤنج میں حاضر تھی۔

منصب تو اپنے دادا سرکار سے ملنے انکے حجرے

میں جا چکا تھا جبکہ جیہ بیگم بھی اپنے کمرے کی

طرف بڑھ چکی تھیں ایک وہی ڈھیٹ بنا وہاں

کھڑا تھا۔۔

"سرکار پانی۔۔!" مرحہ نے پانی کا بھرا ہوا گلاس

اسکی طرف بڑھایا جو بے تاب نگاہوں سے اسکا

ایک ایک نقش تکتا اسے سرخ کر رہا تھا۔

"پپ۔۔۔پانی لے لیں ناں۔۔!" اسے مسلسل

خود کو تکتا پا کر وہ منمنائی۔ اسے خود پر عالم سے

زیادہ اسکی مما کی نگاہوں کی تپش محسوس ہو رہی

تھی جو سامنے ہی سیڑھیوں کے پاس کھڑی بظاہر

بالی نامی ملازمہ کو ہدایت دے رہی تھیں لیکن

نگاہیں مرحہ پر ہی تھیں۔

"سرکار۔۔۔!" مرحہ کے لب تیسری بار

پھڑ پھڑائے تو عالم نے بے حد نرمی سے اس سے

گلاس تھام لیا۔ ایسا کرتے ہوئے جانے کیسے اسکی

انگلیوں نے مرحہ کا ہاتھ چھو لیا۔ وہ کپکپا اٹھی۔

اسکے دوسرے ہاتھ میں موجود جگ لرز گیا۔

تبھی بالی سے فارغ ہوتی وہ ان دونوں کی طرف

آئی تھیں۔

"اے کالی۔۔۔!" ان کی آواز میں چنگھاڑ سی

تھی۔ مرحہ کا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔ جگ

اسکے ہاتھوں سے چھوٹنے کو ہی تھا جب عالم نے

اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جگ تھام لیا۔

مرحہ نے ہراساں سی ہو کر اسکی جانب دیکھا۔

"اب کھڑی کھڑی میرے بیٹے کا منہ کیا دیکھ رہی

ہے چل دفع ہو یہاں سے۔۔!" قریب آ کر اسے

دھکا دیتی وہ چلائیں تو جگ پر اسکے ہاتھ کی گرفت

بالکل ہلکی ہو گئی نتیجتاً جگ زمین بوس ہو کر کرچی

کرچی ہو گیا۔ مرحہ دو قدم پیچھے ہٹتی اپنے لبوں پر

ہاتھ رکھ گئی۔

"ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں تیرے منحوس۔۔ اتنا

قیمتی جگ توڑ دیا اب اس کی قیمت کیا تیرا باپ

چکائے گا۔۔!" عالم کی نظروں کا غصہ اس پر

نکالتی وہ بپھر کر اسکی طرف بڑھی تھیں۔

"مما پلیز۔۔۔!"

انہیں ٹوکتا وہ سرعت سے اسکے آگے آیا تھا

نتیجتاً ان کا فضا میں اٹھا ہوا ہاتھ عالم کی گردن پر لگا

تھا۔ مرحہ نے اس افتاد پر گھبرا کر چہرے پر ہاتھ

رکھ لیے۔ اسکا ننھا دل زور و شور سے دھڑک رہا

تھا جبکہ وہ ماں بیٹا ایک دوسرے کے مقابل،

تھوڑی دیر پہلے والی صورت حال سے یکسر الٹ

حالت میں کھڑے تھے۔ عالم کی آنکھوں میں

ناگواری تھی تو اس کی ماں کی آنکھوں میں

سفاکی۔۔

"تمہیں سو مرتبہ کہا ہے ملازموں کے معاملے

میں مت پڑا کرو عالم۔۔۔!" وہ قدرے دھیمے

مگر سخت لہجے میں چبا چبا کر بولی تھیں۔عالم نے

برداشت کا کڑوا گھونٹ بھرتے ہوئے اپنے ہاتھ

جینز کی جیبوں میں گھسا لیے۔

"میں نے بھی آپ کو بہت مرتبہ اس طرح کے

بے رحمانہ سلوک سے منع کیا ہے مما۔۔!"پلکیں

جھپکا تا وہ ٹھہر ٹھہر کر نرم لب ولہجے میں گویا ہوا تو

صندل بیگم نے بے چین سی ہو کر نظروں کا رخ

بدلا۔

"تم ابھی معصوم ہو تمہیں کچھ نہیں پتہ عالم۔۔۔

ملازموں کے ساتھ رحمدلی کا نتیجہ بہت سالوں

پہلے یہ حویلی بھگت چکی ہے۔اب مزید کوئی دھچکا

برداشت نہیں کیا جائے گا اس لیے تم۔۔ان

معاملات سے دور رہو۔۔!" عالم کی سرد پڑتی

آنکھوں میں جھانکتے ہوئے انہوں نے تنبیہی

انداز میں اسے سمجھایا کم اور آگاہ زیادہ کیا تھا۔

یوں جیسے اسے واضح طور پر اُس کے اور مرحہ کے

مابین اوقات کا فرق یاد دلا دیا تھا۔ جبکہ اس

تذلیل پر اپنے لب کاٹتی مرحہ کے لیے وہاں

مزید کھڑے رہنا محال ہو گیا۔

"ارے بھائی آپ پھر آ گئے۔ ابھی تھوڑے دن

پہلے ہی تو آئے تھے۔۔!" سامنے سیڑھیوں سے

اترتا سجانی اسے دیکھ کر چہکتے ہوئے بولا۔ انداز

صاف چھیڑ تا ہوا تھا۔ صندل بیگم اسکی بات پر

اس کی جانب گھوم گئیں۔

" تھوڑے نہیں پورے ستائیس دن بعد۔۔۔!"

عالم نے چبا چبا کر کہا تو وہ سر دھنتے ہوئے ہنسا۔

"ہاں ہاں۔۔ تھوڑے ہی ہو گئے ناں۔۔ اور لو

مرحہ بیگم۔۔ تم یہاں کیوں کھڑی ہو۔ نظر نہیں

آ رہا میرے بھائی آئے ہیں۔ جاؤ اور جا کر زرا

اپنے ان پھیکے شلجم جیسے ہاتھوں سے بھائی کے

لیے چائے بناؤ۔ سپیشلی وہی پینے کے لیے تو آئے

ہیں۔۔!" ان تینوں کے قریب آتا وہ کن اکھیوں

سے اپنی ماں کے چہرے پر چھائی کرختگی دیکھتا

غیر سنجیدگی سے بولا۔ آخری جملہ اس نے عالم

کے قریب ہو کر کہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت

ناچ رہی تھی۔ مرحہ فوراً پلٹی۔

"اے رک۔۔۔یہ کانچ کیا تیری ماں اٹھائے

گی۔صاف کر اسے۔۔ہڈ حرام بس کام سے جان

چھڑاتی ہے۔۔!" مرحہ کو بری طرح گھورتی وہ

پھر سے اس پر غرائی تھیں۔

"آپ نے کیا یہ میرے آتے ہی ڈانٹ ڈپٹ

شروع کر دی ہے، پہلے ہی میرے سر میں شدید

درد ہو رہا ہے۔ اور آپ۔۔۔!" اپنی پیشانی

مسلتا وہ عاجز سا بولا تو صندل بیگم متفکر سی ہو

گئیں۔

"اور تم کیا اب یہ ۔۔ افففف چھوڑو اس کو اور

میرے لیے چائے لے کر آؤ ۔۔!" اسے وہیں

اپنے قدموں میں جھکتے دیکھ وہ بے زار سی شکل

بنا تا زرا ترشی سے گویا ہوا تو اس کی اداکاری پر

سبحانی نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کو ابرو کھجاتے

ہوئے سر جھکالیا۔ جبکہ مرحہ کے لیے اسکے

جھنجھلاہٹ بھرے انداز پر صندل بیگم کے اندر

تک سکون اترا تھا۔ مرحہ سیدھی ہوتی اب

اجازت طلب نظروں سے انھی کی جانب دیکھ

رہی تھی۔

"اب کیا یونہی کھڑی رہے گی۔۔؟؟ جا چائے

بنا لا اور پتی زرا تیز رکھنا۔۔ نکمی۔۔!" چاروناچار

صندل بیگم کو اسے وہاں سے بھیجنا پڑا۔ مرحہ شکر

کا کلمہ پڑھتی وہاں سے بھاگی۔ وہ جب بھی حویلی

آیا کرتا تھا صندل بیگم اس پر معمول سے زیادہ

خفا ہو جاتی تھیں۔وہ سمجھنے سے قاصر تھی لیکن

اتنا ضرور جانتی تھی کہ مہربان عالم شاہ کا دل اُس

پر مہربان ہے۔

"اے چھنو یہاں مر۔۔یہ کانچ اٹھا یہاں سے وہ تو

گند پھیلا کر چلی گئی منحوس ماری۔۔!" اسے اپنی

پشت سے صندل بیگم کی آواز سنائی دی۔ کچن میں

گھستے ہوئے اسنے یونہی گردن زرا سی موڑ کر پیچھے

دیکھا تو وہ صوفے پر بیٹھتا سجانی سے باتیں کرتا

اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے پر مرحہ

نے فوراً گردن سیدھی کرلی۔ دھڑکنیں معمول

سے کچھ ہٹ کر دھڑکی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

نیم غنودگی میں اسے اپنی پلکوں پر کچھ بوجھ سا

محسوس ہو رہا تھا۔ سر میں اٹھتی درد کی ٹیسیں

برداشت سے باہر ہوتی اسے آنکھیں کھولنے پر

مجبور کر رہی تھیں۔ مہرماہ نے آنکھیں زور سے

میچتے ہوئے کروٹ بدلنی چاہی تو اسے اپنے بالوں

میں سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ وہ خوفزدہ سی

ہو کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی۔نور بیگم نے

نامحسوس انداز میں اسکے سر سے ہاتھ ہٹالیا۔

"مہر۔۔؟؟" اسکے چہرے کی اڑی اڑی رنگت

دیکھ کر انہوں نے بے اختیار اسکے رخسار چھوئے

جو ابھی بھی تپ رہے تھے۔انکے لہجے کی نرمی اور

ہاتھوں کا لمس پاتے ہی وہ تڑپ کر ان کے سینے

سے لگی۔

"اماں۔۔۔اماں وہ۔۔۔مم۔۔۔من۔۔۔

صب۔۔۔!" ان کے گلے لگتی وہ بے بسی کے عالم

میں رو پڑی۔نور بیگم جو پہلے ہی اسکے تیز بخار کے

باعث پریشان تھیں منصب کے نام پر اپنی جگہ

ساکت سی رہ گئیں۔ کل جب وہ ڈھلتی شام میں

گھر واپس آئی تھیں تو انہیں مہر ماہ بیڈ پر اوندھے

منہ سوتی ملی تھی۔ جب وہ رات گئے تک نہ جاگی

تو انہوں نے اسے ہلایا تھا۔ اسے بخار میں جلتا

محسوس کر کے وہ فوراً اسکے ابی جی کے پاس بھاگی

تھیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ

اسکی بکھرتی حالت کا ذمہ دار ایک بار پھر وہ ہی

شخص ہو گا جس کی طرف سے وہ بے فکر ہو چکی

تھیں۔

انھوں نے ایک جھٹکے سے اُسے خود سے الگ

کیا۔

"کیا کیا منصب نے۔۔؟؟ پھر ملا وہ

تمہیں۔۔؟؟" اسے بازوؤں سے تھامے وہ

حواس باختہ سی پوچھ رہی تھیں۔ مہرماہ نے

ہچکیوں سے روتے ہوئے ان کا چہرہ دیکھا جو غصے

اور بے بسی کے احساس سے سرخ پڑ رہا تھا۔

"نہیں وہ۔۔۔میں نے بہت برا خواب دیکھا

ہے۔خواب میں وہ۔۔بہت۔۔بہت غلط کر رہا

تھا میرے ساتھ۔۔!" آنسو صاف کرتے ہوئے

اسنے بامشکل بات سنبھالی تھی۔نور بیگم نے گہرا

سانس لیتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔

"شکر میرے اللہ۔۔!" انکے لب بے آواز ہلے

تھے۔جبکہ مہرماہ نے انکے یقین کرلینے پر اذیت

سے آنکھیں میچ لیں۔وہ انہیں کل والے واقعے

کی بابت آگاہ کر کے پریشان نہیں کرنا چاہتی

تھی۔ اسے تو خود یہ بات کل ہی معلوم ہوئی تھی

کہ منصب کے پاس اس روز کی ویڈیو

ہے۔۔ "اماں۔۔۔؟" وہ ان سے الگ ہوتی اپنے

بھیگے گال صاف کرتے ہوئے بولی۔نور بیگم نے

سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا زبردستی کیے گئے زنا میں عورت بھی گناہگار

ٹھہرتی ہے۔۔؟؟" وہ پلکیں جھپکاتی کچھ جھجھکتے

ہوئے پوچھ بیٹھی۔اسکے سوال پر نور بیگم کا دل

دہل اٹھا۔

"مہر۔۔کیا اول فول بول رہی ہو۔۔؟؟جو ہوا

ہی نہیں اسکا حساب کتاب لگانے کی بجائے خدا کا

شکر ادا کرو جس نے تمہیں گناہگار ہونے سے بچا

لیا۔۔!" اسے ڈپٹتے ہوئے وہ کافی سختی سے بولیں

تو وہ پلکیں جھپک جھپک کر اپنے آنسو حلق میں

اتارنے لگی۔

"اماں بدکاری بہت بڑا گناہ ہے ناں۔۔؟؟ اگر ہم

بدکار نہ ہوں اور بدی خود ہمیں اپنی جانب کھینچے تو

کیا کرنا چاہئیے۔۔؟؟" انکے اندر دبی راکھ کی

چنگاریوں کو کریدتی وہ ان کا دل چھلنی کرنے پر

تلی ہوئی تھی۔

"میری بات یاد رکھنا مہر۔۔بدی دلدل کی مانند

ہوتی ہے۔بدکار کو فقط ایک قدم اس کی طرف

بڑھانا پڑتا ہے۔دوسرے کی ضرورت پیش نہیں

آتی بلکہ بدی خود ہی بدکار کو اپنی جانب کھینچ لیتی

ہے۔سہارا دینے کو کوئی راہگیر مل جائے تو بدکار

اس دلدل سے نکل بھی آتا ہے۔ورنہ بدی کی

دلدل آخر کار بدکار کو نگل جاتی ہے۔۔!"کسی

غیر مرئی نقطے کو گھورتی وہ یاسیت زدہ سی بولتی

چلی گئیں۔ لیکن حقیقتاً انھوں نے مہرماہ کے لیے

سوچ کا ایک در وا کر دیا تھا۔ اسے منصب عالم شاہ

ایک دلدل کی مانند لگ رہا تھا۔ اسے شدت سے

اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر اس نے ایک قدم بھی اس

کی جانب بڑھایا تو وہ گناہوں کی دلدل میں پھنس

جائے گی۔

"اور اگر دلدل خود ہمارے پیروں تلے آجائے

تو۔؟؟" مہرماہ نے پھر سے پوچھا۔اس بار وہ

حال میں واپس آتی غمگین سی مسکرائیں۔

"جو بدی خود ہم تک آئے وہ ہماری آزمائش ہوتی

ہے۔ اور اللہ انسان کو آزمائش میں مبتلا کر کے

کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔ ہم ایسی دلدل میں پھنس

بھی جائیں تو ہاتھ تھام کر ہمیں نکال باہر کرنے

والا اللہ کا کوئی نہ کوئی بندہ مل ہی جاتا ہے۔ اس

لیے ہر صورت میں اللہ پر توکل رکھنا لازم و ملزم

ہے مہر۔۔!" وہ دھیمے لہجے میں بولی تھیں۔

"اللہ نے انسان کے سامنے نیکی اور بدی دونوں

راستے واضح کر دیے ہیں میری جان۔۔ دونوں

میں سے کس پر چلنا ہے یہ بشر کا انتخاب ہے۔ اگر

بشر بدی سے پرہیز کرنا چاہے تو اللہ اس کے لیے

ایسا وسیلہ بنا دیتا ہے جس کے ذریعے وہ نیکی کے

راستے پر قدم رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایسا

راستہ جس کی منزل جنت ہے، اب یہ تو بشر پر

منحصر ہے کہ وہ دل میں کیسی چاہت رکھتا ہے

کیونکہ اللہ تمہارے اعمال نہیں تمہاری نیتوں کو

دیکھتا ہے۔ بعض نمازیوں کے دلوں میں شیطان

بستے ہیں تو بعض شرابی اور زانی ایسے ہیں جن کے

دل اللہ کی محبت سے منور ہیں۔۔!" وہ ٹھہرے

ہوئے مدھم لہجے میں بول رہی تھیں۔ مہرماہ نے

گہرا سانس لیتے ہوئے انکے کاندھے پر سر ٹکا دیا۔

"اماں میں نیک نہیں ہوں۔۔۔ میں پانچ وقت کی

نمازی بھی نہیں ہوں لیکن میں اس گناہِ کبیرہ سے

ڈرتی ہوں جس سے اللہ نے مجھے بچا لیا۔ تب جب

میں بے بس تھی اور میرے بچ جانے کا شاید کوئی

راستہ نہیں تھا لیکن اللہ نے ماموں کو میری نجات

کا ذریعہ بنا دیا۔ اور اب جب۔۔۔!" وہ کھوئی

کھوئی سی روانگی میں بولتی رکی۔ شاید وہ ان پر

حقیقت آشکار کرنے والی تھی۔

"اور اب۔۔۔؟؟" نور بیگم نے اسے سیدھا کیا۔

"اور اب جب میری کوئی مجبوری نہیں ہے

سوائے "خوف" کے تو۔۔۔میں کیسے گناہ کی اس

دلدل میں اتر سکتی ہوں جس کے بعد میری

آخرت تباہ ہو جائے گی۔۔؟ صرف ایک

خوف۔۔۔خوف بھی کس کا۔۔؟؟اُس زمینی خدا

کا جو خود حقیقی خدا کی جانب سے ڈھیلی چھوڑی گئ

رسی کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔۔۔؟؟" اسکے اندر ہی

کسی نے اسے جھنجھوڑا تھا لیکن وہ لبوں سے کچھ

بول نہیں پائی۔

"بتاؤ مہر۔۔!" نور بیگم نے اسے ہلایا تھا۔

"کیا منصب عالم شاہ کی دھمکی سے خوفزدہ ہو جانا

درست تھا۔۔؟؟ وہ جو خود پوری کائنات کے

مالک کے سامنے اپنی پلک کی جنبش کا بھی محتاج

تھا۔۔؟؟ کیا اس جیسے شخص کی دھمکی سے ڈر کر

وہ اللہ کے احکامات سے منہ موڑ سکتی تھی۔۔؟؟

نہیں۔۔ نہیں۔۔ بالکل نہیں۔۔۔!"مہر ماہ کے

اندر توڑ پھوڑ شروع ہو چکی تھی۔

"مہر کیا مسئلہ ہے۔۔؟؟"اس بار نور بیگم نے

اسے بازوؤں سے تھاما تھا۔

"کچھ نہیں۔۔شاید خواب کا اثر ہے۔۔!" انہیں

ٹالنے کو الجھن آمیز انداز میں کہتی وہ ان کے

پاس سے اٹھ گئی۔نور بیگم نے کچھ الجھن آمیز

نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔۔؟ بھوک لگ رہی ہے

مجھے، کچھ ہے کھانے کو۔۔؟؟" اپنے الجھے ہوئے

بالوں کو سمیٹتی وہ ان کا دھیان بٹانے کی غرض

سے بولی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دلیہ بنایا تھا تمہارے لیے۔۔ تم ہاتھ منہ دھولو

میں لے کر آتی ہوں۔۔!" آئینے کے سامنے

کھڑی مہرماہ پر ایک نرم نگاہ ڈال کر وہ آہستگی سے

بولتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ بال جوڑے میں لپیٹتی

واش روم میں جا گھسی۔ اس کے وجود پر نقاہت

طاری تھی لیکن وہ اس پل سونے کے موڈ میں

نہیں تھی۔ اسے جاگنا تھا اور سوچنا تھا۔ خوب

سوچنا تھا اور پھر سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا تھا۔ ہاں

اسے ایک بار پھر منصب عالم شاہ کو انکار کرنے

کے لیے ہمت مجتمع کرنا تھی۔

□♦□♦□♦□♦

"اسے وہاں چھوڑ کر مجھے یہاں کیوں لے آئے

ہیں آپ۔وہ اکیلی گھبرا جائے گی سائیں۔۔!"

فدا کو نہر والے کھیت کی قریبی سڑک پر گاڑی

روکتے دیکھ وہ سنجیدگی سے بولی۔وہ زہرہ کو لیڈی

ڈاکٹر کے اس چھوٹے سے کلینک میں چھوڑ آئے

تھے جو پورے نوشہرو میں ایک ہی ہونے کے

باعث تقریباً ہر وقت ہی معزز گھرانوں کی

خواتین سے بھرا رہتا تھا۔وہاں مزارعوں کی

عورتوں کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی لیکن حدیبہ

نے خود لیڈی ڈاکٹر سے بات کی تھی تب اس نے

زہرہ کو انتظار کرنے والی خواتین کے پاس بٹھا دیا

تھا۔ وہ فدا کے بلاوے پر کلینک سے باہر اسکی

بات سننے آئی تھی اور وہ اسے وہاں سے لے آیا

تھا۔

"اتنی ڈرپوک بھی نہیں ہے وہ جتنا آپ نے اسے

سمجھا ہوا ہے حیبہ۔۔اسے چیک اپ کروانے

دیں آئیں آج میں آپکو اپنی زمینیں دکھاتا

ہوں۔۔!" اطمینان سے کہتے ہوئے فدا نے اپنی

طرف کا دروازہ کھولنا چاہا تو حدیبہ نے اسے

روکنے کو اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

"رک جایئے سائیں کیوں غضب کرنا چاہتے

ہیں۔۔!" اسکے ہاتھ کے نرم لمس پر وہ اسکی

جانب پلٹا تو وہ کچھ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے حیبہ۔۔!" وہ

اسے باور کروانے والے انداز میں بولا تو حدیبہ

نے اسکے ہاتھ سے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا لیکن فدا

نے بروقت اسکی کلائی تھام لی۔ اس کی جرات پر

حدیبہ کا دل دھک سے رہ گیا۔وہ مکمل توجہ سے

اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"بابا سرکار کو اگر پتہ چل گیا کہ آپ مزارعوں

کے سامنے مجھے یہاں لائے ہیں تو۔حویلی میں

طوفان آجائے گا وہ آپ سے ناراض ہو جائیں

گے اور بے پردگی کے جرم میں مجھے بھی سزا دیں

گے۔۔!" اپنی کلائی اسکی گرفت سے چھڑوانے

کی کوشش کرتی وہ ملتجیانہ بولی تو فدا نے اپنے

لب بھینچ لیے۔

"جب تک میں ہوں کوئی آپکو کسی نا کردہ جرم کی

سزا نہیں دے سکتا حیبہ۔۔!" اسکی آنکھوں میں

دیکھتا وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا تو حدیبہ نے نفی میں سر

ہلایا۔

"آپ غلط کر رہے ہیں۔۔!" وہ بامشکل بولی۔

"آپ دو منٹ یہیں رکیں میں سب مینیج کر کے

واپس آتا ہوں۔۔!" نرمی سے کہتا وہ اس کی کلائی

چھوڑ کر گاڑی سے باہر نکل گیا۔ حدیبہ نے ایک

نظر گاڑی سے باہر لہلاتے سرسبز کھیتوں پر

ڈالی۔ حویلی کا باغیچہ بھی بے حد خوبصورت تھا

لیکن اسکا دل ہمیشہ آزاد پرندوں کی طرح آسمان

میں اڑنے کا خواہشمند رہتا تھا۔ وہ بچپن سے ہی

حویلی کا پھاٹک عبور کر کے ان گلیوں چوباروں اور

سرسبز زمینوں کی خاک چھاننے کو بے تاب

رہتی تھی لیکن شعور کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے

ہی اس پر یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ ایک سید

زادی ہے اور اس پر یہ آزادیاں زیب نہیں

دیتی۔ اسے گریجوایشن کروانے کا فیصلہ خود بابا

سرکار تھا اسی لیے اسنے حویلی کی چار دیواری میں

ہی کتابوں کو رٹ لیا تھا۔ بس ہوتا یوں تھا کہ

سال بعد اسکا پیپر گھر ہی آجاتا جسے وہ حل کر کے

وقار عالم شاہ کے حوالے کر دیتی کیونکہ نا صرف

ذوالفقار عالم شاہ خود ویل کوالیفائیڈ تھے بلکہ وقار

عالم شاہ کو بھی پڑھا لکھا کر تعلیمی شعبے میں اچھے

عہدے پر فائز کروا دیا تھا۔ وہ کچے امرود توڑنے

تو کبھی جامن کے درخت پر چڑھنے کی حسرت

لیے یونہی جوان ہو گئی تھی اور اب۔۔۔؟؟ اب

اسکا شوہر جو اس سے دس برس چھوٹا تھا، اس سے

بیس برس بڑے ہونے کا حق ادا کرنے پر تُلا تھا۔

یوں جیسے وہ اس کے دل کے نہاں خانوں میں

چھپی حسرتوں سے بھی واقف تھا۔ موسم تو صبح

سے ہی خوشگوار تھا۔ آسمان کی سفیدی میں

بادلوں کا سرمئی پن گھلا ہوا تھا جس کے باعث

سورج کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔

"آئیں حیبہ۔۔!" وہ فدا کی آواز پر چونکی۔ وہ اس

کی جانب کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

"میں نہیں آؤں گی، مجھے واپس لے چلیں۔۔!"

درشتگی سے کہتی وہ کھسک کر ڈرائیونگ سیٹ کی

طرف ہو گئی جیسے اسے خوف ہو کہ وہ ہاتھ بڑھا

کر اسے باہر نکال لے گا۔اس کے اس بچگانہ

انداز پر فدا نے اپنی مسکراہٹ بامشکل دبائی۔

"جب میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ تایا سرکار

کو میں فیس کر لوں گا تو پھر کیا ٹینشن ہے۔۔؟؟"

ایک ابرو اچکا تا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کیا ہو گیا آپ کو سائیں۔۔ آپ کیوں مجھے بے

پردگی کی ترغیب دے کر گناہگار کر رہے

ہیں۔۔!" دل پر پتھر رکھتے ہوئے حدیبہ نے

مزید پیچھے کھسک کر کہا۔

"آپ کو لگتا ہے میں آپ پر کسی غیر مرد کی نگاہ

برداشت کروں گا۔۔؟؟"اب کی مرتبہ وہ

سنجیدہ ہوا تھا۔پوچھتے ہوئے وہ ڈائریکٹ اسکی

غلافی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔حدیبہ نے پلکیں

جھپکائیں۔

"ہاں لیکن وہ مزارعے۔۔۔!" اس سے نگاہ چرا

کر کہتے ہوئے حدیبہ نے زرا سی اچک کر دور تک

پھیلے کھیتوں میں نظر دوڑائی۔ تھوڑی دیر پہلے تک

کام میں مصروف مزارعے اس پل غائب تھے۔

اسکی چلتی زبان کو بریک لگ گئی۔

"کہاں گئے۔۔؟؟" وہ نگاہ دوڑاتی بڑبڑائی۔

"میں نے کہہ دیا ہے کہ پردے کو یقینی بنائیں۔

اب آئیں باہر آج آپکو جامن کے درخت پر

چڑھاتا ہوں۔۔!" اطمینان سے کہتے ہوئے فدا

نے جھک کر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو حدیبہ

نے خفیف سی ہو کر سر پر جمی سفید چادر درست

کی۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف سے دروازہ

کھول کر باہر نکل گئی۔ فدا نے مسکراتے ہوئے

اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ گاڑی لاک کر کے وہ اسے

اپنے ساتھ لیے چلنے لگا۔

"آپ بہت ضدی ہیں سائیں۔۔!" اپنے چہرے

کو چھوتی لطیف سی ہوا سے محظوظ ہوتی وہ آہستگی

سے بولی۔

"آپ سے زیادہ نہیں ہوں۔۔!" وہ فوراً جتانے

والے انداز میں بولا تو حدیبہ نے سر اونچا کر کے

اسے گھورا۔

"ہاں تبھی آپ مجھے یہاں لے آئے ہیں۔۔!" وہ

دوبدو بولی تو فدا مسکرایا۔

"آپ میرے ساتھ آئی ہیں کیونکہ آپ خود اس

موسم سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہیں ورنہ میری

کیا مجال آپ کو کسی کام کے لیے مجبور

کر سکوں۔۔!"بظاہر سرمئی آسمان کی جانب

دیکھتا وہ چہرے پر مسکینیت طاری کرتا بولا تو

اسکے یوں اپنی چوری پکڑ لینے پر حدیبہ نے ٹیڑھی

نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔اس کی نگاہوں

کے معنی سمجھتا وہ بظاہر انجان بنا آسمان کی

وسعتوں کو دیکھتا رہا۔حدیبہ کے قد تک آتی

فصلوں کے درمیاں بنے باریک سے کچے راستے

پر ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلتے وہ مسلسل

ایک دوسرے کو جواب دے رہے تھے۔ حدیبہ

اس کی اس قدر نزدیکی پر کوفت میں مبتلا ہو رہی

تھی جبکہ فدا کا دل تو آج ہوا کے سنگ مسرور سا

اڑتا چلا جا رہا تھا۔

"بارش شروع ہو گئی تو ان فصلوں کے ساتھ ہم

بھی بھیگ جائیں گے۔۔!" موسم کی بدلتی

کروٹیں دیکھتی وہ زرا تشویش زدہ انداز میں بولی۔

"یہ میرے لیے ایک حسین تجربہ ہو گا۔۔!"وہ

لہجے میں بے فکری کا عنصر سموئے دلکشی سے گویا

ہوا تو حدیبہ نے اپنی ہتھیلیاں مسل ڈالیں۔

"آپ کو تو بے ہودگی ہمیشہ سے ہی حسین لگتی

ہے۔۔!"وہ منہ بسورتی تڑخ کر بولی۔

"مجھے تو صرف آپ حسین لگتی ہیں اور آپکو آپ

کی گارنٹی میں دیتا ہوں۔ آپ بالکل بھی بے

ہودہ نہیں ہیں قسم سے۔۔!" امر دو کے باغات

میں داخل ہوتا وہ غیر سنجیدگی سے بولا۔ جواب

ہی ایسا تھا کہ حدیبہ اسے گھور بھی نہ سکی۔ وہ اس

کے ساتھ چلتے چلتے بڑے آرام سے ہاتھ بڑھا کر

اپنے قد سے چار پانچ فٹ اونچے امرود کے

درختوں سے امرود توڑ رہا تھا۔۔"کس کے لیے

توڑ رہے ہیں مت کریں۔۔!"اسکے کندھے پر

ہاتھ مارتی وہ اسے روکنے کو بولی۔ وہ اسکی حرکت

پر اس کی جانب پلٹا۔

"جامن توڑنے ہیں ناں۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے

اسنے ہاتھ میں پکڑے امرود کو سینے کے پاس

رگڑا۔ حدیبہ نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

"تو بس پھر پہلے یہ کھائیں۔۔!" امرود اسکی

طرف بڑھا کر وہ دوسرا ابھی اسی طرح صاف

کرنے لگا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا سائیں۔۔!" تیز ہوتی ہوا

کے باعث بار بار سر سے ڈھلکتی چادر درست

کرتی وہ آہستگی سے بولی۔

"لیکن میں نے آپ کے لیے محنت کی ہے، اسے

کھائیں شاباش۔۔!" وہ آرام سے بولا۔ انداز ایسا

تھا جیسے امرود توڑ کر اسنے بہت بڑا کام کیا ہو۔

"اسے محنت کہتے ہیں آپ۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے

حدیبہ نے اچک کر درخت سے نیچے لٹکتی ٹہنی

سے امرود توڑ لیا۔یوں جیسے اسے بتایا تھا کہ

امرود توڑنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

"پہلا تو آپ کھا نہیں رہیں اب یہ تیسرا کون ہے

کھائے گا۔۔!" اپنا امرود کھاتے ہوئے وہ غیر

سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔دونوں کی رفتار بہت

مدھم تھی۔ موسم کی خوبصورتی نے حدیبہ کی

طبیعت پر خوشگوار اثرات ڈالے تھے۔

"مجھے نہیں پتہ۔۔ چھوڑیے ناں آئیں میں آپ کو

جامن توڑ کر دیتی ہوں۔۔!" دس پندرہ قدموں

کے فاصلے پر شروع ہوتے جامن کے درخت

دیکھتی وہ پرجوش سی بولی۔

"آپ نہیں توڑیں گی آپ کے ہاتھ گندے

ہو جائیں گے۔۔!" اسے درختوں کی جانب بھاگتا

دیکھ وہ اسے روکنے کو اس کے پیچھے لپکا۔

"آپ بولتے بھی رہیں آپ کی سنتا کون

ہے۔۔؟"پلٹ کر منہ بسور کر کہتی حدیبہ نے

اسے زبان دکھائی۔"چھوٹا میں ہوں آپ سے

اور بچی آپ بن رہی ہیں۔۔!" اسے پہلی قطار

میں ہی ایک قدرے مناسب قد کے درخت پر

چڑھتے دیکھ وہ سرعت سے قریب آتا بولا۔

"سائیں میں توڑلوں گی۔۔!" وہ احتجاجاً بولی۔ فدا

نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر پیچھے کیا۔

"آپ گر جائیں گی بی بی۔۔۔!" وہ اس بار نرمی

سے بولا۔

"بچی نہیں ہوں میں جو گر جاؤں گی۔۔!" اپنا بازو

اس سے چھڑاتی تڑخ کر بولی۔ فدا نے کچھ خفگی

سے اسکی صبیح پیشانی پر پڑتے بلوں کو گھورا۔

"ٹھیک ہے میں چڑھتا ہوں۔ پھر آپ کی بھی

چڑھنے میں ہیلپ کر دوں گا۔۔!!" وہ اسے

سمجھانے والے انداز میں بولا تو حدیبہ نے کمر پر

دونوں ہاتھ ٹکائے۔ ہوا کی چھیڑ خانیاں عروج پر

تھیں جس سے وہ دونوں ہی اپنے آس پاس

ٹھنڈک محسوس کر رہے تھے۔

"آپ کس سے ڈر رہے ہیں۔۔؟؟ یہاں بابا

سرکار نہیں ہیں۔اگر میں گر بھی گئی تو آپ کوفی

الوقت انھیں فیس نہیں کرنا پڑے گا۔۔!" کسی

ماضی کی یاد کا حصہ سوچتی وہ اپنی مسکراہٹ دبا کر

بولی۔ جبکہ فدا کو تو اسکے کہنے سے پہلے ہی پانچ

سال پہلے کا وہ واقعہ یاد تھا جب وہ بھری دوپہر

میں حویلی کے عقبی باغیچے میں بڑی بی بن کر

شہتوت توڑنے کے لیے درخت پر چڑھی تھی۔

اس وقت بھی پندرہ سالہ فدا کو شہتوت سے

زیادہ اس کی فکر تھی جو ذوالفقار عالم شاہ کی

اجازت کے بغیر بھری دوپہر میں باغیچے میں گئی

تھی۔ وہ توڑتی گئی اور فدا نیچے کھڑا شہتوت جمع

کرتا رہا لیکن برا ہوا کہ جس ٹہنی کو ہاتھ سے

تھامے وہ تنے پر کھڑی تھی، شہتوت توڑنے کے

چکر میں وہ ٹہنی ٹوٹ گئی نیتجتاً اس کا توازن بگڑا

تھا اور وہ کہنی کے بل زمین بوس ہوئی تھی۔ بابا

سرکار کے ڈر سے وہ بے چاری ٹھیک سے چیخ بھی

نہیں پائی تھی اور وہیں بیٹھ کر گھٹ گھٹ کر

رو دی۔ اسے روتے دیکھ فدا کے ہاتھ پاؤں پھول

گئے۔ اس کا درد بڑھا تو فدا کی جان لبوں پر آگئی

تھی۔ معالجہ کے آتے آتے بات ذوالفقار عالم

شاہ تک جا پہنچی تھی۔ وہ حدیبہ پر ہی آگ بگولہ

ہوئے تھے لیکن اس سے پہلے کہ اسے نافرمانی کی

سزا ملتی فدا نے الزام اپنے سر لے لیا تھا کہ

حدیبہ کو وہ خود زبردستی اپنے ساتھ لے کر گیا تھا

حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ تو

اپنے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا، حدیبہ نے ہی

بارہ سالہ زہرہ کے ہاتھ اسے باغیچے میں آنے کا

پیغام بھیجا تھا سو اسے جانا پڑا۔ یوں بات فداپر آ

گئی تھی سو معاملہ چونکہ سید زادے کی کوتاہی کا

تھا سو صدیوں سے چلتی ریت کے مطابق اسے

بچہ کہہ کر معاف کر دیا گیا تھا۔ اور اب پھر سے

وقت اپنے آپ کو دوہرا رہا تھا لیکن اس بار فدا

اس کی تکلیف برداشت کرنے کا ضبط نہیں رکھتا

تھا۔ سو آگے بڑھ کر خود درخت کے تنے پر پاؤں

رکھتا کھڑا ہو گیا۔

"سائیں میں نے کہا ہے ناں میں توڑوں گی۔۔!"

وہ مٹھیاں بھینچتی چلائی۔یوں جیسے اسے مارنا

چاہتی ہو لیکن ضبط کر رہی ہو۔

"تو آئیں ناں۔۔!" درخت کی یک مشت تین

چار ٹہنیوں کو مضبوطی سے پکڑے وہ مسکرا کر

بولتا اس کی طرف ہاتھ بڑھا گیا۔

"ایسے کیسے۔۔؟؟" وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

"آئیں ناں میں بتاتا ہوں پھر۔۔!" وہ ذرا سا جھکا

ہوا تھا۔ حدیبہ نے پل بھر کو سوچا پھر چپل پیروں

سے اتارتی اس کی طرف بڑھی۔ بادلوں کی

دھیمی گڑگڑاہٹ بارش کی آمد کا پتہ دینے لگی

تھی۔ ہوا کے سنگ اڑتی چادر کا پلو تھامتی وہ

درخت پر چڑھنے کے لیے اسکا اپنی جانب بڑھا

ہاتھ تھام گئی۔وہ تین مونہہ درخت تھا جس کے

دونوں تنوں پر وہ قدم جمائے کھڑا تھا۔حدیبہ

کے پاؤں رکھنے کے لیے جگہ نہیں تھی وہ جھجھکی

لیکن فدا نے اسے موقع دیے بغیر اپنی طرف

کھینچ لیا۔ نتیجتاً حدیبہ کا پاؤں فدا کے پاؤں پر پڑا

تھا۔ فدا نے اسے تھاما تو وہ اس قربت پر بوکھلا

گئی۔

"آ۔۔ آپ ہی توڑ دیں۔۔۔!" وہ جلدی سے

کہتی پلٹی لیکن مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔

"اب حسرت پوری ہو رہی ہے تو منہ کیوں موڑ

رہی ہیں۔۔ میں چڑھاتا ہوں ناں آپکو۔۔!"

آنکھوں میں شرارت لیے اسکا بوکھلایا بوکھلایا سا

روپ دیکھتا وہ غیر سنجیدگی سے بولا۔وہ اپنے

پورے وزن سے اسکے ایک پاؤں پر کھڑی تھی۔

"نہیں سائیں آپ رہنے دیں مجھے کوئی حسرت

پوری نہیں کرنی۔۔!" حدیبہ کا گریز اس پل فدا

کے دل کی دھڑکنیں بڑھا رہا تھا۔ اسکی گردن میں

سختی سے بازو حمائل کیے وہ بامشکل کھڑی ہوئی

تھی۔

"سوچ لیں پھر موقع نہیں ملے گا۔۔!" وہ شاید

اسے آزمارہا تھا۔حدیبہ نے جھکی پلکیں اٹھا کر

اسے گھورنا چاہا مگر اس کی نگاہوں میں اترا محبت کا

سمندر اسکے ہاتھ لرزا گیا تھا۔اس کے لبوں پر

مچلتی شوخ مسکراہٹ نے حدیبہ کے رخسار تپا

ڈالے تھے۔

"بہت خراب ہیں آپ کیسے چالاکی سے مجھے

قریب کرلیا۔۔!" اسکے بازو میں چٹکی بھرتی وہ

قدرے سلگ کر بولی تو وہ قہقہ لگا کر ہنسا۔ اسکے سر

پیچھے کر کے ہنسنے پر حدیبہ کو موقع ملا تھا سو اسے

ہلکا سا دھکا دیتی وہ اس کی گرفت سے آزاد ہوتی

واپس نیچے کودی تھی۔ چپل پیروں میں اڑستی وہ

واپسی کے راستے پر بھاگی تو وہ بھی اپنی ہنسی روکتا

نیچے کود گیا۔ اسے اپنے آس پاس بے حد قریب

اسکے نرم گداز وجود کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔ اس

زرا سی قربت نے فدا کے حواس جھنجھوڑ ڈالے

تھے۔ وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا کچھ دیر وہیں کھڑا

اسے محسوس کرتا رہا۔ پھر خود بھی اس کے پیچھے

بڑھا جو نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ وہ تھوڑا

ہی آگے بڑھا تھا جب اسے حدیبہ کی مدھم آواز

سنائی دی۔ وہ اسے پکار رہی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

"آپ کیوں آئیں ہیں۔۔ حدیبہ بی بی کہاں

ہیں۔۔؟؟" وہ کلینک سے باہر آئی تو ولید شاہ کو

اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے دیکھ آہستگی

سے بولی۔ اسے کمپاؤڈر نے حویلی سے گاڑی

آجانے کا بتایا تو وہ باہر نکل آئی تھی۔ ولید نے

بغور اسکی آنکھوں میں دیکھا جہاں رونے کے

باعث سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

"کیا کہا ہے ڈاکٹر نے۔۔؟؟" ٹیک چھوڑ کر سیدھا

ہوتے ہوئے ولید نے نرمی سے پوچھا۔ اس کے

سوال پر زہرہ نے زخمی نگاہوں سے اُسے گھورا۔

"یہاں سے چلے جائیں سرکار ورنہ میں خود پر سے

اختیار کھو دوں گی۔۔!" اس کی جانب سے چہرے

کارخ موڑتی وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی کاٹ

دار لہجے میں بولی۔

"حدیبہ آپا نہیں آئیں گی۔میں تمہیں لینے آیا

ہوں چلو آؤ میرے ساتھ۔۔!"اس کی تنبیہہ نظر

انداز کرتا وہ دھیمی آواز میں بولا تھا۔

"میں پیدل چلی جاؤں گی آپ واپس چلے

جائیں۔۔!" چادر سے اپنا چہرہ چھپاتی وہ سلگتے

ہوئے لہجے میں بولتی آگے بڑھ گئی۔ وہ سرعت

سے اس کے پیچھے لپکا۔

"ایسی حالت میں تمہارا پیدل جانا ٹھیک نہیں ہے

چلو آؤ میرے ساتھ۔۔!" اس کے سامنے آتا وہ

گزارش کرنے والے انداز میں گویا ہوا تو اسکے

الفاظ سنتی زہرہ نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ بھیگتی

آنکھوں سے اس کے پرکشش چہرے کو دیکھا تھا

جس پر سبھی سرمئی آنکھوں میں اس کے لیے

تفکر تھا۔

"آپ نے جان بوجھ کر مجھے اس عذاب میں مبتلا

کیا ہے ناں سرکار۔۔۔؟؟؟ جان بوجھ کر میرے

وجود کی دھجیاں اڑائی ہیں ناں۔۔۔؟؟؟" اپنے

آنسو پینے کی ناکام کوشش کرتی وہ بھرائی ہوئی

آواز میں بولی۔اس کی بھنورا آنکھوں میں ناچتی

وحشتیں ولید کی روح زخمی کر رہی تھیں۔

"ایسا مت کہو زہرہ۔پلیز مجھے اس طرح سے

شرمندہ مت کرو۔۔تم۔۔۔تمہاری آنکھیں۔۔

تمہاری آواز تمہارا یہ وجود۔۔ تمہارے ایک

ایک نقش سے عشق ہے مجھے یقین کرو۔۔ میں

جان بوجھ کر تمہیں ایک کھرونچ بھی نہیں دے

سکتا کجا کہ۔۔۔۔وہ۔۔۔وہ سب۔۔۔۔!" اسکی

بہتی آنکھوں میں دیکھ کر کہتا وہ روانگی میں بولتے

بولتے رُکا۔ شاید بات مکمل کرنا بے حد اذیت

ناک تھا۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا شاید اسی

لیے زہرہ اسے سن بھی رہی تھی۔

"میں آپ کو مرتے دم تک معاف نہیں کروں

گی۔۔!"اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ روتے

ہوئے بولی۔ولید کا دل خون ہو گیا۔

"اچھا میرے ساتھ تو آؤ۔۔!"ولید نے پھر سے

گزارش کی۔

"میں نہیں جاؤں گی۔۔!" سختی سے کہتی وہ اس

کے پاس سے گزرنے لگی جب ولید نے لب

بھینچتے ہوئے اس کی کلائی تھام لی۔ ولید شاہ کے

مضبوط لمس نے زہرہ کی رگوں میں دوڑتے خون

کی گردش تیز کر دی۔

"میرے ساتھ خدمت کرو گاڑی میں

بیٹھو۔۔!" اسے گاڑی کی طرف گھسیٹتا وہ اس بار

قدرے سنجیدگی سے بولا۔

"آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتے۔۔!"

وہ اپنا ضبط کھوتی چلائی۔

"ولید نے ان سنی کرتے ہوئے اسے فرنٹ سیٹ

پر ہلکا سا دھکا دیا تھا۔ گاڑی کا دروازہ بند کرتا وہ

گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"سرکار میں مر جاؤں گی میرے ساتھ یوں مت

کریں۔ برباد کر دیا ہے آپ نے مجھے۔۔۔!" اس

کی طرف مڑتی وہ روتے ہوئے چلائی جس نے

گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔

"تمہیں برباد کر کے میں خود بھی تباہ ہو گیا ہوں

زہرہ۔۔مجھے بتاؤ ڈاکٹر نے کیا کہا ہے۔۔؟؟"

سامنے سڑک پر دیکھتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ڈاکٹرنی نے کہا ہے کہ گناہ کا زہر میرے وجود

میں پھیل گیا ہے جو نو ماہ بعد خود وجود میں آکر

مجھے نگل لے گا۔۔سنا آپ نے۔۔؟؟مر جاؤں

گی میں۔۔مر جاؤں گی اور میرے قاتل آپ

ہوں گے صرف آپ۔۔۔!" اسکا بازو تھام کر

اسے جھنجھوڑتے ہوئے وہ پاگل سی ہوتی چلائی۔

ولید کو گاڑی روکنی پڑی۔

"میں خود مر جاؤں گا لیکن تمہیں مرنے نہیں

دوں گا اس بات کا یقین کرلو۔۔!" اسکے کانپتے

ہوئے ہاتھ اپنی گرفت میں لیتا وہ مضبوط لہجے میں

بولا تو زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں یہ بچہ مار دوں گی۔۔ مجھے یہ نہیں

چاہئیے۔۔۔ سرکار مجھے یہ بچہ نہیں چاہئیے آپ کو

اللہ کا واسطہ ہے کچھ کریں۔ میں اس گناہ کا بوجھ

نہیں اٹھا سکتی۔۔۔کچھ کریں۔۔۔!" اسکی نرم

گرفت سے اپنے ہاتھ نکال کر اس کے سامنے جوڑ

کر کہتی وہ بری طرح رو دی۔ اس کی گزارش نے

ولید شاہ کا دل نوچ لیا تھا۔ وہ کیسے اس کی اس بے

رحمانہ گزارش کو قبول کر لیتا۔ زہرہ کا روتا بلکتا

وجود اسکی آنکھیں سرخ کر رہا تھا۔ اس کا بس

نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے اپنی آغوش میں

سمیٹ کر دور کہیں غائب ہو جاتا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا نہ میں ہونے دوں گا۔

تھوڑا سا انتظار کر لو میں بابا سرکار سے ایک آخری

مرتبہ بات کروں گا۔ورنہ پھر تم مجھ سے کورٹ

میرج کروگی زہرہ۔۔وعدہ کرو مجھ سے۔۔!"

اپنے سامنے جڑے اسکے ہاتھوں کو عقیدت سے

اپنے ہاتھوں میں لیتا وہ نرمی سے بولا۔انداز اسے

حوصلہ دینے والا تھا۔زہرہ نے نفی میں سر ہلاتے

ہوئے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

"میں اپنی اماں کو زندہ در گور نہیں کر سکتی

سرکار۔۔آپ کیوں میری ذات کا تماشا بنوانا

چاہتے ہیں۔۔؟؟باباجی سرکار مجھے زمین میں

گاڑھ دیں گے آپ ایسی انہونی باتیں مت کریں

خدارا۔۔!" ملتجی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی

وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں نہ تو اُن سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی ان کی

سزاؤں سے۔۔میں صرف اپنے جذبات سے

ڈرتا ہوں جنہوں نے تمہیں اس آگ میں

جھونک دیا ہے۔ میں اپنے دل کے ہاتھوں مزید

پاگل ہو کر تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا اس لیے

جو میں کہہ رہا ہوں اس پر یقین کرو اور میرا ہاتھ

تھام لو۔۔!" وہ خود پر ضبط کرتا ٹھہر ٹھہر کر بول

رہا تھا جب اپنے آنسو پونچھتی وہ پیچھے کھسک کر

بالکل دروازے سے جا لگی۔

"مجھے آپ کی کسی بات کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ

مجھے آپ پر اعتبار نہیں ہے۔ مجھے آپ سے کچھ

نہیں چاہئیے بس مجھ پر رحم کریں۔ مجھے یہ بچہ

نہیں چاہئیے۔ میری اس سے جان چھڑوا

دیں۔۔!" وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی لرزتی

ہوئی آواز میں بولی۔ اس کے غصے کے خوف سے

وہ حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی دروازے سے جا

لگی تھی۔ اسکی التجا پر ولید اپنا غصہ ضبط کرتا پلکیں

جھپکا گیا۔

"تم میرا دماغ خراب کر رہی ہو۔ دوبارہ ایسا سوچنا

بھی مت ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔!"

ضبط کا دامن مشکلوں سے تھامے وہ دھیمی آواز

میں بولا تو زہرہ نے اسے ضد پر اڑے دیکھ اپنا

چہرہ جھکاتے ہوئے ہاتھوں میں چھپالیا۔ ولید نے

اس سے بحث کا ارداہ ملتوی کر کے گاڑی سٹارٹ

کر دی۔ اس لڑکی سے بات کرنا واقعی فضول

تھا۔ کم از کم ولید کو تو یہی لگ رہا تھا کیونکہ اس کی

ہر بات، ہر دلیل، ہر گزارش سننے کے بعد وہ

جواب اپنی مرضی کا ہی دیتی تھی۔ فدا نے اسے

زہرہ سے ملاقات کرنے کا ایک اچھا موقع دیا تھا

لیکن وہ لڑکی اپنی ہٹ دھرمی کے باعث اسے

زچ کر چکی تھی۔ اس کا ارادہ آج اسے ہر حال

میں کورٹ میرج کے لیے رضامند کرنے کا تھا

لیکن اس کا وہی ڈھاک کے تین پات والا حساب

تھا۔ وہ ولید کو قبول کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ

کافی دیر یونہی منہ چھپائے سسکتی رہی تو ولید کی

برداشت جواب دے گئی۔اس نے ایک بار پھر

گاڑی روک دی۔

"زہرہ۔۔زہرہ۔۔منہ اوپر کرو۔۔!"اسے

پکارتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔زہرہ نے

یونہی روتے روتے نفی میں سر ہلایا۔ولید کا دل کیا

اسے جھنجھوڑ ڈالے جو اس کا دل خون کرنے پر

تُلی ہوئی تھی۔

"زہرہ۔۔میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔!" اس بار سختی

سے کہتے ہوئے اس نے زہرہ کا بازو کھینچا۔زہرہ

نے سوں سوں کرتے ہوئے چہرے سے ہاتھ ہٹا

لیے۔ بھیگی پلکیں جھپکاتے ہوئے اسنے ولید کی

طرف دیکھا تو اسکی سلونی رنگت میں گھلی

سرخائیاں دیکھتے ولید کا دل سینے میں کروٹ بدل

کر رہ گیا۔ آنکھیں بے تابانہ اس کے روئے

روئے قاتلانہ نقوش کو بوسے دینے لگیں کہ

ایک بار وہ بے لگام ہو کر نادانستگی میں گناہ کر بیٹھا

تھا لیکن پورے ہوش اور حواس میں وہ چھوٹی سی

کوتاہی کا بھی مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

"اچھا نہیں لگتا میں تمہیں۔۔؟؟" ولید نے نرمی

سے پوچھا۔ دل اس کی قربت محسوس کرنے کو

مچلنے لگا تھا جس کا نڈھال وجود ایک ہاتھ کے

فاصلے پر غم کی چادر اوڑھے بے حال سا نظر آرہا

تھا۔زہرہ نے جواب میں یونہی نفی میں سر ہلایا۔

"اچھے نہیں بہت برے لگتے ہیں آپ مجھے۔۔

اتنے برے کہ میں آپ کو نفرت کے قابل بھی

نہیں سمجھتی۔۔!" اپنے لبوں پر تشدد کرتی وہ

بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ انداز میں دبا دبا سا

غصہ اور سادگی تھی۔ اس کے جواب پر وہ نا

چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

"اور اگر جو کبھی تمہارے دل نے مجھے محبت کے

قابل سمجھ لیا تو۔۔۔؟؟؟ کیا نظریں ملا پاؤ

گی۔۔؟؟" ایک ہاتھ ڈیش بورڈ پر جبکہ دوسرا

اس کی سیٹ کی پشت پر جما کر اس کی جانب زرا

سا جھکتا وہ بڑی نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ گاڑی کے

دروازے سے چپکی زہرہ نے پلکیں جھپکا کر اس کی

جانب دیکھا جس کی گہری سرمئی آنکھیں جگ

مگ کر رہی تھیں۔ زہرہ کا دل بے اختیار دھڑکا۔

صاف رنگت اور جاذب نظر نقوش کا حامل وہ

شاندار مرد اُس کے لیے تڑپ رہا تھا۔ وہ جو شاید

اگر کسی بھی لڑکی پر ایک نظر بھر کر ڈالتا تو وہ اپنا

دل اس کے قدموں میں رکھ دیتی اور

زہرہ۔۔؟؟وہ کیا کر رہی تھی۔۔؟؟سوچتے

ہوئے زہرہ نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا

جو فدا حسین کا اسیر تھا لیکن ہتھیلی تلے شور مچاتی

دھڑکنوں نے اُس پل اسے فقط اپنے قریب

موجود شخص کی چاہت کا احساس دلایا تھا۔وہ بے

دم سی ہونے لگی۔

"حویلی چلیں سرکار۔۔میرا دم گھٹ رہا

ہے۔۔!" آنکھیں میچتی وہ بامشکل بولی۔ولید نے

ایک گہری نظر اس کے شفاف چہرے پر ڈالی پھر

پیچھے ہوتا سیدھا ہو گیا۔ ایک ہاتھ سے گاڑی

سٹارٹ کر کے وہ دوسرے سے ڈیش بورڈ پر پڑا

دوائی کا لفافہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ کچھ دوائیاں اسی

میں تھیں جبکہ ایک پرچی بھی اندر موجود تھی۔

ولید نے پرچی پر لکھے نسخے پر ایک نظر دوڑائی۔

"یہ میڈیسن تم دو ٹائم یوز کرنا۔ اور یہ والی میں

تمہیں رات تک لا دوں گا۔ یہ روزانہ ناشتے کے

بعد استعمال کرنی ہے۔۔ ٹھیک ہے۔۔؟؟" وہ

اسے دوا دکھاتا ساتھ ساتھ بتا رہا تھا۔زہرہ کو پھر

سے رونا آنے لگا۔

"آپ میرے ساتھ ظلم کر رہے ہیں

سرکار۔۔!" وہ احتجاجاً گویا ہوئی۔

"کسی بے گناہ کا قتل کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ اور

ظلم کی سزا آخرت میں بہت سخت ہے، تمہیں

اندازہ ہے ناں زہرہ۔۔؟؟" تنبیہی نگاہوں سے

اسے دیکھتا وہ اس بار سنجیدگی سے بولا تو زہرہ لب

بھینچ کر رہ گئی۔

"تم اپنا بہت خیال رکھو گی اور ڈاکٹر کی ہدایت کے

مطابق خوراک استعمال کرو گی۔ اور بیماری کا بہانہ

بنالو خبردار کسی کام کو ہاتھ مت لگانا ابھی کچھ

دن۔۔!" وہ اسے نرمی سے ہدایات دے رہا تھا۔

زہرہ سننے پر مجبور تھی۔

"اچھا مجھے یہیں اتار دیں آگے سے میں خود چلی

جاؤں گی۔۔!" دور سے نظر آتے حویلی کے

مرکزی پھاٹک پر نظر پڑتے ہی وہ بولی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔میں لے کر جارہا ہوں

ناں۔۔!" اس کی التجا رد کرتا وہ سختی سے بولا۔

"سرکار نہ کریں۔ کسی نے دیکھ لیا تو میں کیا جواب

دوں گی۔۔!" گاڑی کو سپیڈ سے چلتا دیکھ وہ

منمنائی۔

"تم پر اٹھنے والے ہر سوال کا جواب ولید شاہ

دے گا۔۔اس لیے بے فکر رہو۔۔!" اسکے

گھبرائے ہوئے بھیگے چہرے پر ایک نظر ڈالتا وہ

مضبوط لب و لہجے میں بولا تو اس کے انداز کی

قطعیت پر زہرہ کو خاموش ہونا پڑا۔ پھر وہ بس

لب سیئے بیٹھی رہی وہ ملازمین کے سامنے اسے

اپنی گاڑی سے اندر حویلی کی مرکزی عمارت تک

لے کر گیا تھا۔ کسی کے پاس سوال کرنے کی

ہمت نہ تھی سو وہ سر جھکائے چلتی رہی جبکہ ولید

شاہ کا اعتماد قابل دید تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بات

ذوالفقار عالم شاہ تک ضرور جائے گی لیکن اسے

قطعی پرواہ نہیں تھی۔

□♦□♦□♦□♦

رحمت چغتائی کے کچے لیکن پکی اینٹوں سے بنے

ایک کنال کے مکان کے عین سامنے بیٹھک لگ

چکی تھی۔اس کھلے میدان نما علاقے میں مختلف

قبائل کے نامزد کیے گئے نمائندے ایک طرف

لکڑی کی منجی نما چارپائیوں پر کلف لگے سوٹ

پہنے گردن اکڑا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ سماعت کے

لیے موجود گاؤں کے لوگ بڑی تعداد میں

دائروی شکل میں زمین پر بیٹھے فیصلے کے منتظر

تھے۔ پچھلی سڑک پر کھڑی لاتعداد گاڑیوں نے

سڑک کی وسعت چھوٹی کر ڈالی تھی جبکہ کچھ

لوگ کچے مکانوں کی چھتوں پر چڑھے جرگے کی

سماعت کے منتظر تھے۔ ایسے میں سردار بدر

لغاری بیٹھنے کی بجائے ایک جانب کھڑا موبائل

فون کان سے لگائے سردار شمعون لغاری سے

بات کر رہا تھا جو آدھے راستے میں ہی اپنے قریبی

دوست کے جواں سالہ بیٹے کے قتل کی بابت

جان کر حیدر آباد کی طرف جا چکے تھے۔ اب ان

کے فرزند کی حیثیت سے فیصلہ اُسی کو کرنا تھا۔

اُن کی ہدایات پر ہوں ہاں کرتا وہ اس تمام ہجوم

سے بے نیاز نظر آرہا تھا جن میں سے زیادہ تر کی

نگاہیں اسی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اُن کی کال کاٹ کر

وہ قبائلی سردار کی مسند کی جانب آگیا جس کے

دائیں بائیں آرام دہ موڑھوں پر دو مشاورتی

سردار براجمان تھے۔ وہ گاؤ تکیے لگے اس مسند پر

بیٹھا تو جنید خان نے آگے بڑھ کر سردار شمعون

لغاری کی دستار اسکے سر پر باندھ دی۔ بدر نے

اپنے دائیں پاؤں کے پاس رکھے چھوٹے سے

موڑھے پر پاؤں رکھ کر اپنا گھٹنا بلند کیا اور اس پر

اپنا ہاتھ رکھ کر تیسری انگلی میں چمکتے اناری

یاقوت کو گھمانے لگا۔ سیاہ آنکھوں میں برف سے

تلخ سرد مہری لیے وہ لب بھینچے دوسرے ہاتھ کی

مٹھی بنائے بیٹھا ہوا تھا۔ اسے نشست سنبھالتے

دیکھ ہجوم میں ہوتی چہ مگوئیاں دم توڑتی چلی

گئیں۔ مقدمہ شروع ہو چکا تھا۔ ثالثی اسے بڑی

روانگی سے سارا معاملہ بتا رہا تھا۔ لڑکی کو زنجیروں

میں باندھ کر لایا جا چکا تھا۔

"ان کی کیا سنتے ہو سردار۔۔ خدارا میری سنو۔۔

انہوں نے میرے شوہر کو مار دیا۔ اس کی جان

لے لی۔ مجرم تو یہ سب ہیں انہیں سزا دو۔ مجھ

میں تو سزا سہنے کو بھی کچھ باقی نہیں رہا۔۔!" بدر

کو اپنی جانب متوجہ نہ پا کر وہ لڑکی روتے ہوئے

چلائی۔

"چپ کر بے غیرت سردار کے سامنے زبان

مت چلا۔۔۔!" اسکی کمر میں ٹھڈا مارتے ہوئے

اسکا باپ رحمت چغتائی چلایا تھا۔ وہ جو پہلے ہی

زخمی تھی اس وار پر اللہ کو پکارتی زمین پر گر گئی۔

سردار بدر لغاری نے سختی سے لب بھینچتے ہوئے

ایک کڑی نگاہ اس لڑکی کے باپ پر ڈالی۔

"رحمت تم پیچھے ہو جاؤ۔۔!" بدر نے اس کے

باپ کو مخاطب کیا تو وہ سر جھکاتا دو قدم دور ہو

گیا۔

"ہاں تو لڑکی۔۔ تم بتاؤ کہ اپنے ولی کی اجازت اور

موجودگی کے بغیر تم نے کون سا نکاح کیا تھا جس

کی ایماء پر تم مقتول کو اپنا شوہر کہہ رہی ہو۔۔!"

بدر نے اس مرتبہ زمین سے اٹھتی اس لڑکی کو

مخاطب کیا جس کا چہرہ زخمی تھا۔

"میں نے اُس سے کورٹ میرج کی تھی اور

الحمداللہ میں بالغ ہوں اپنے ماں باپ کے بغیر

اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہوں۔۔!"

اپنے آنسو صاف کرتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں

چلائی۔لڑکی کی دیدہ دلیری پر اس کی ماں منہ پر

دوپٹہ رکھے پھپھک پھپھک کر رو دی۔

"ایسا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں یہ یاد رکھنا

چاہئیے تھا کہ اس تھر (تھرپارکر) کے جوانوں کو

اعلٰی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت سردار

شمعون لغاری کے توسط سے حاصل ہوئی

ہے۔۔!" وہ ٹھہرے ہوئے سرد ترین لہجے میں

بولا تو لڑکی نے نگاہ اٹھا کر اس مضبوط سردار کی

جانب دیکھا جو شاید جرگے میں موجود ہر فرد کی

رضا کے خلاف جا کر اس کی فریاد بھی سن رہا تھا

ورنہ اسی کا باپ شمعون لغاری عورت کو بولنے کی

اجازت ہی کب دیتا تھا۔۔؟؟

"میں جانتی ہوں۔مجھے اماں نے بتایا تھا۔۔!" بدر

کو اپنے لیے نرم سمجھ کر وہ بولی تھی۔

"تو پھر کیا تمہاری ماں نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا

کہ سردار شمعون لغاری نے قبیلے کی بیٹیوں کو شہر

جا کر پڑھنے کی اجازت کس شرط پر دی

تھی۔۔۔؟؟؟"اب کی بار وہ بولا نہیں تھا دہاڑا

تھا۔اس کے لہجے کی سنگینی پر لڑکی کا دل دہل گیا۔

ہجوم میں سے فقط سانسوں کی آواز آرہی تھی

ورنہ اس پل سب کا دل سردار بدر لغاری کا

غضبناک چہرہ دیکھ کر لرز رہا تھا۔یہ تو گاؤں کا بچہ

بچہ جانتا تھا کہ قبائلی روایات میں غیر برادری میں

شادی سختی سے ممنوع ہے اور شمعون لغاری نے

عورت ذات کو آزادی اسی شرط پر دی تھی کہ

عورت پڑھ لکھ کر قبیلے کی ناموس کو زک نہیں

پہنچائے گی۔ اس لڑکی نے روتے ہوئے اس کے

سامنے ہاتھ جوڑ دیے کہ وہ شخص اسے لاجواب

کر چکا تھا۔ قبائلی نمائندوں کے چہروں پر

اطمینان تھا جیسے انھیں بدر کا یہ منصفانہ انداز پسند

آیا ہو۔

"مجھ سے غلطی ہوئی سردار لیکن میرے ماں

باپ میری شادی میرے دس سالہ چچازاد سے

کروانا چاہتے تھے۔میں یہ اذیت برداشت نہیں

کرسکتی تھی اسی لیے۔۔۔!" وہ اس کے سامنے

ہاتھ جوڑے سراپا التجا بنی کھڑی تھی۔اس کی

بات سن کر بدر کو اپنی رگوں میں دوڑتا ہوا خون

منجمد ہوتا نظر آیا۔ اسنے ثالثی کی طرف سوالیہ

نظروں سے دیکھا تو اسنے تائیدی انداز میں سر

ہلاتے ہوئے رحمت چغتائی کی بیوی کے قریب

کھڑے اس کمزور سے بچے کی طرف اشارہ کر دیا

جو ہاتھ میں پتھر لیے نفرت بھری نگاہوں سے

اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔یوں جیسے وہ اس لڑکی کو

مارنے کے لیے بے تاب ہو۔جانے کیوں بدر کو

اس بچے پر خود کا گمان ہوا تھا۔ تبھی اس کے

دائیں جانب بیٹھے آدمی نے اپنی زبان کھولی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ حقدار کو اس کا حق واپس ملنا

چاہیئے۔ لڑکی کا نکاح اس کے منگیتر سے کر دینا

چاہیئے۔ چغتائی بھی یہی چاہتا ہے۔۔!" اس

مشاورتی سردار نے سرگوشیانہ اسے لڑکی کے

مستقبل کا فیصلہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس کی

بات پر بدر نے گردن موڑ کر سرد مہری سے

اُسے دیکھا۔

"جب تک مانگی نہ جائے تب تک رائے کو حلق

میں دبا کر رکھنا چاہئیے زیدی۔۔!" تنی ہوئی

بھنوؤں کو جنبش دیے بنا وہ اسکے منہ پر تھپڑ

مارنے والے انداز میں بولا تو احساس توہین کے

مارے وہ سردار پہلو بدل کر رہ گیا۔ بدر نے

نظروں کا رخ بدل کر دوبارہ اس لڑکی کی طرف

دیکھا۔

"میں اس سے شادی نہیں کروں گی سردار۔۔

مجھے آزادی دے دو خدا کا واسطہ ہے میں فرخ

کی بیوہ بن کر زندگی گزار لوں گی۔۔!" اسکے

قدموں کی طرف بڑھتی وہ روتے ہوئے بولی تو

اسکی زنجیریں پکڑے کھڑے آدمیوں نے بڑی

بے رحمی سے اسے پیچھے کھینچ لیا۔وہ زمین پر

گھسٹتی چلی گئی۔اس انسانیت سوز منظر پر گاؤں کی

عورتیں نگاہیں جھکائے کھڑی تھیں تو کچھ کی

آنکھیں ٹپ ٹپ بہہ رہی تھیں۔بدر نے آخری

مرتبہ جنید کی جانب دیکھا تو وہ اسکی پشت کی

طرف آتا اسکے کان کے قریب جھکا۔

"چغتائی چاہتا ہے کہ اس کے یتیم بھتیجے سے اس

کی بیٹی کی شادی ہو جائے کیونکہ بچہ اپنے باپ کی

پانچ مربعے زمین کا مالک ہے سائیں۔۔ چغتائی

لالچ کر رہا ہے اب آپ دیکھ لیں۔۔!" جنید خان

نے مختصراً اسے قصہ سنایا تو بدر لغاری کے سینے

میں دھڑکتا دل عجیب سے آگ میں گھر گیا۔ اس

نے ایک بار پھر لڑکی کی جانب دیکھا۔ بچے کے

چہرے پر اس پل نفرت ہی نفرت تھی۔ لڑکی کو

دیکھتے بدر کی آنکھوں میں ردابہ لغاری کا چہرہ

گھومنے لگا۔

"آپ نے کیا مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے۔ کھلونوں

سے کھیلتے بچے کے نکاح میں دے کر آپ مجھ پر

کوئی احسان نہیں کر رہے۔۔!" سالوں پہلے کہے

گئے جملے نے اس پل اس کی سماعتیں چیر دیں۔

"سردار مجھے آزادی دے دو اللہ تمہیں کبھی غم

نہ دکھائے۔۔!" زمین پر گری لڑکی چلائی تھی۔

"فیصلہ چغتائی کے حق میں ہی ہونا چاہیئے۔۔!"

بائیں جانب بیٹھے مشاورتی سردار نے بھی اپنی

زبان کھولی۔

"آ۔۔ آپ۔۔۔ میرے۔۔ کمرے میں کیوں

آئی ہیں۔۔!" سولہ سالہ بچے کی کمزور آواز میں

کپکپاہٹ تھی۔

"آخر کو یتیم بچہ ہے چغتائی کا داماد بن جائے گا تو

اسے بھی سہارا مل جائے گا۔۔!" چارپائیوں پر

براجمان نمائندوں میں سے کوئی بولا تھا۔روتی

بلکتی لڑکی کو دیکھتے ہوئے بدر کی سیاہ آنکھوں میں

سرخائی سی اترنے لگی۔

"مجھے دیکھو۔۔مجھے محسوس کرو۔اب میں

صرف تمہاری بیوی ہوں۔۔!"لپ سٹک سے

سجے کریہہ ہونٹ اسکے کان کے قریب

سرگوشیاں کر رہے تھے۔بدر کو آج پھر۔۔ایک

بار پھر اپنے حلق میں کانٹے اگتے محسوس ہوئے۔

آنکھوں میں لال ڈورے ابھرتے انگاروں کی

مانند دہکنے لگے۔بدر نے اپنے اندر سر ابھارتی

وحشتوں کا گلا گھونٹنے کو اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں

بھینچ لیں۔

"میرے حقوق ادا کرتے جاؤ گے تو میں تمہارے

حقوق تم تک پہنچنے دوں گی ورنہ۔۔بھول جاؤ کہ

تم کبھی تھر کی زمین کے پار جا بھی سکو

گے۔۔۔!"اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اس پر جھکی

ردابہ لغاری کے لہجے میں سنگینی اور آنکھوں میں

چمکتے کریہہ جذبات تھے۔بدر نے جھرجھری سی

لی۔

"مجھے معاف کردو سردار۔۔رحم کرو

رحم۔۔۔!"لڑکی کی بلند ہوتی آواز اسے حال میں

لے کر آئی۔بدر نے دکھتی پلکیں جھپکا کر ایک

نفرت آمیز نگاہ اس روتی ہوئی لڑکی پر ڈالی۔

مقابل مظلوم بنی اس لڑکی اور ردابہ میں اسے

کوئی فرق نظر نہیں آیا تھا۔ دونوں ہی ایک

معصوم کی تباہی کا سبب تھیں۔ ردابہ لغاری

سالوں پہلے اسکا وجود کھوکھلا کر چکی تھی جبکہ اس

لڑکی کے ماں باپ کے مطابق فیصلہ کرنے کا

مطلب اس دس سالہ بچے کی تباہی تھا۔

"میں سردار بدر لغاری۔۔۔!" اپنے گھٹنے پر ہاتھ

مار کر کھڑا ہوتا وہ حد سے زیادہ بھاری آواز میں

بولنا شروع ہوا۔ مجمعے میں سناٹا سا چھا گیا۔

"میں سردار بدر لغاری، بطورِ فرزند شمعون

لغاری کے، دونوں فریقین کی زبانی مقدمہ سن

کر۔۔اور ثالثین کی تصدیق کے بعد۔۔یہ حکم

دیتا ہوں کہ۔۔۔!" اپنے لمبے قد اور کسرتی

جسامت کی مانند اس کی رعب دار آواز میں اس

قدر مضبوطی اور سختی تھی کہ وہاں موجود ہر ذی

نفس پر خوف سا طاری ہو گیا۔اس کے تاثرات

سبھی کے لیے ناقابل فہم سے تھے۔اس کالب و

لہجہ رحمت چغتائی کو کسی خطرے کی گھنٹی کی مانند

بجتا محسوس ہو رہا تھا۔

"حکم دیتا ہوں کہ رحمت چغتائی کی بیٹی کو کاری کر

دیا جائے۔۔۔!"ایک آخری نفرت آمیز نگاہ

اس لڑکی کے وجود پر ڈالتا وہ بے لچک انداز میں

بولا تو لڑکی کی ماں اپنے سینے پر ہاتھ رکھتی وہیں

زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ لڑکی کی بڑی بہنیں چیخنے

لگیں جبکہ ہاتھ میں پتھر لیے بیٹھے ہجوم میں سب

سے پہلے پتھر مارنے والا ہاتھ اس دس سالہ بچے کا

تھا۔ ایک شور سا پھیلتا چلا گیا جس سے بے پرواہ

ہوتا وہ سات آٹھ قدموں کے فاصلے پر سیمنٹ

کے چبوترے پر جا کھڑا ہوا جس کی درمیانی کچی

سطح سے نکلتا مضبوط درخت چوبارے پر سایہ کیے

ہوئے تھا۔ لوگوں نے بڑی بے دردی سے اس

لڑکی کی آہوں کو نظر انداز کر کے اس پر پتھر

برسانا شروع کر دیے تھے۔اس کے لواحقین

بین کر رہے تھے جبکہ رحمت چغتائی اس فیصلے پر

لب بھینچے سر جھکائے کھڑا تھا۔اسے سردار

شمعون لغاری کی غیر حاضری پر شدید افسوس

محسوس ہو رہا تھا۔ اگر وہ یہاں موجود ہوتے تو

یقیناً فیصلہ چغتائی کی منشاء کے مطابق ہو ہی

جاتا۔ بدر اپنے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اس

لڑکی کو سزا ملتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں

میں اک گہرا سکوت سا تھا۔ وہ اپنے فیصلے سے اُس

بچے کا مستقبل کافی حد تک محفوظ کر گیا تھا جو

سالوں پہلے اس کے باپ نے اپنے بیٹے کا خراب

کر دیا تھا۔تب بھی وجہ دولت کی حرص تھی اور

آج بھی دولت کی چکا چوند نے ہی چغتائی کی

غیرت مار ڈالی تھی۔وہ سالوں پہلے اپنے باپ کے

سامنے احتجاج نہیں کر پایا تھا لیکن آج اس لڑکی کو

کاری کر دینے کا فیصلہ کر کے وہ جیسے وقت سے

بدلہ لے رہا تھا۔ چغتائی منہ کی کھا چکا تھا لیکن وہ

اس کی اور اس کے خاندان کی پرواہ کیے بنا بے

تاثر چہرہ لیے سزا پوری ہوتے دیکھ رہا تھا۔ تبھی

مجمعے کو چیرتا ایک نازک وجود سرعت سے وہاں

آیا تھا۔

"رک جاؤ یہ کیا بے رحمانہ سلوک ہے۔میں کہتی

ہوں رک جاؤ۔۔!" اپنے پیچھے لپکتے سارنگ کی

سخت آواز کو نظر انداز کرتی وہ بھاگتی ہوئی اس

لڑکی کی طرف آئی تھی۔ کچھ لوگوں کے ہاتھ تھم

چکے تھے جبکہ کچھ کے ہنوز حرکت میں تھے جس

کے نتیجے میں ایک بھاری نوکیلا پتھر علیشہ چوہان

کے نیم عریاں بازو کی شفاف جلد کو چیرتا چلا گیا

جبکہ ایک دوسرے پتھر نے اس کی پیشانی پر

ضرب لگائی تھی۔ منظر دیکھتے بدر لغاری کی

پیشانی پر نسیں ابھر آئیں۔ سرخ پڑ چکی آنکھوں

کی رنگت مزید سلگنے لگی۔

□♦□♦□♦□♦

"افففف تم اس راستے لائے ہی کیوں ہو پتہ بھی

ہے یہ لمبا پڑتا ہے۔۔!" اسکے ساتھ ہی فرنٹ

سیٹ پر براجمان علیشہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں

کہا۔

"یہ راستہ زرا صاف ہے ڈرائیونگ میں آسانی

رہتی ہے۔۔!" سارنگ نے خلاف مزاج نرمی

سے جواب دیا۔

"ہونہہ۔۔بس اپنی آسانیاں ہی دیکھنا۔پہلے ہی

اتنا تھکی ہوں اوپر سے تم پتہ نہیں کہاں کہاں

سے گھما کر لے جا رہے ہو۔۔!" سر سیٹ کی پشت

سے ٹکاتی وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی۔

سارنگ نے ایک نظر اسکے چہرے پر ڈالی جس پر

تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔ دمکتی پیشانی پر

سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ سارنگ نے لب

بھینچتے ہوئے نظروں کا رخ بدل لیا۔۔

"ویسے۔۔ یہ بے وقت مجھے لینے آنے کا فیصلہ

تمہارا تھا یا بابا سائیں کا۔۔؟؟" آنکھیں بند کیے

ہوئے وہ اپنی پیشانی مسلتی یونہی پوچھ بیٹھی۔

"فیصلہ تو میرا ہی ہے کیونکہ تمہارا بھائی تمہاری یاد

میں تڑپ رہا تھا تو سوچا اس کی اداسی دور

کر دوں۔۔!" دائیں جانب موڑ کاٹتے ہوئے

سارنگ نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا تو علیشہ نے

آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔"ہاں میرا

بھائی ہی ناں۔۔۔؟؟"علیشہ نے بھنویں اچکاتے

ہوئے پوچھا تو وہ اپنی مسکراہٹ دبانے کو اپنا نچلا

لب دانتوں میں دبا گیا۔

"تم کیوں چاہتی ہو کہ میں پٹڑی سے

اتروں۔۔؟؟"بنا اس کی طرف دیکھے وہ غیر

سنجیدگی سے بولا تو بے اختیار علیشہ کے لبوں سے

استغفر اللہ نکلا تھا۔

"تم سے تو مذاق کرنا بھی گناہ ہے۔۔!"علیشہ نے

ہاتھ لپیٹتے ہوئے تڑخ کر کہا تو وہ سر نفی میں ہلاتا

رہ گیا۔

"اور تم سے محبت کی توقع رکھنا جرم۔۔!" وہ

بڑبڑایا تھا۔ اس بار وہ پوری اس کی جانب گھوم

گئی۔

"تم نے کہا محبت۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے اسکا لہجہ

استہزائیہ ہو گیا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میرا موڈ خراب نہ ہو تو پلیز

دانت اندر کرو اور سیدھی ہو کر بیٹھو۔۔!" اسکے

مزاق اڑانے والے انداز پر وہ سنجیدگی کا لبادہ

اوڑھتے ہوئے بولا تو علیشہ سیٹ پر ہی چوکڑی مار

کر بیٹھ گئی۔

"دراصل میں چاہتی ہوں۔چاہتی ہوں کہ تمہارا

موڈ خراب ہو جائے کیونکہ جب تمہارا موڈ اچھا

ہوتا ہے تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔۔!" اپنے

لمبے ناخنوں سے کھیلتی وہ اسے چڑانے کو بولی تو

سارنگ نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی۔

"تو یعنی ہو گیا موڈ خراب ۔۔؟؟" اسکے چہرے پر

چھائے سخت تاثرات کا جائزہ لیتی وہ چہک کر بولی

تو سارنگ نے آنکھوں سے اسے سامنے دیکھنے کا

اشارہ کیا۔ سڑک کافی چوڑی تھی لیکن اس پر

آگے پیچھے کھڑی لاتعداد گاڑیاں دیکھ کر سارنگ

کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی گاڑی بامشکل ہی

درمیان سے گزر پائے گی۔علیشہ نے راستہ بند

ہوتا دیکھا تو واقعی اس کے دانت اندر ہو گئے۔

"لو۔۔اب مزید دیر۔۔تم تو سارنگ مجھے یہیں

اتار دو میں یہاں سے پیدل گزر کر لفٹ لے

لوں گی کسی سے۔۔!" دروازے کے ہتھے پر ہاتھ

رکھتی وہ ناراضی سے بولی تو سارنگ نے سرعت

سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔۔؟؟ یہ شہر داری

نہیں ہے جہاں کوئی بھی تمہیں لفٹ دے دے

گا۔ چپ چاپ بیٹھی رہو گزر جائے گی

گاڑی۔۔!" اسے ڈپٹتا وہ ناگواری سے بولا تو علیشہ

نے منہ پھلا لیا۔ سارنگ نے گاڑی سٹارٹ کر کے

آگے بڑھا دی۔ قریب جانے پر علیشہ نے اپنی

جانب دروازے کا شیشہ نیچا کیا اور وہاں لگے ہجوم

میں ہوتی چیخ و پکار دیکھنے لگی۔

"وہاں کیا دیکھ رہی ہو منہ سیدھا کرو۔!" وہ اس

پر برہم ہوا جو معاملہ سمجھنے کی کوشش میں آدھا

چہرہ باہر نکال چکی تھی۔ سارنگ اطراف میں

کھڑی گاڑیوں کی وجہ سے الجھ رہا تھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے۔۔ جرگہ ہے یہ۔۔؟؟"

سارنگ کی طرف پلٹتی وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"ہاں شاید۔۔!" سارنگ نے مصروف سے انداز

میں جواب دیا وہ گاڑی کی رفتار ہلکی کیے احتیاط

سے گاڑی نکال رہا تھا۔علیشہ پھر سے باہر دیکھنے

لگی۔معاً علیشہ کو پتھروں سے زود کوب ہوتی وہ

لڑکی نظر آئی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے سارنگ۔۔؟؟" وہ اسکی طرف

مڑتی چیخی۔

"جرگہ ہے نظر نہیں آرہا۔۔!" وہ اپنی طرف

سے گاڑی کا بیرونی شیشہ درست کرتا الجھتے

ہوئے بولا۔

"جرگہ ہے تو لڑکی کو کیوں مار رہے ہیں۔۔۔!" وہ

اپنی پیشانی مسلتی بڑبڑائی۔

"علیشہ چپ کر کے بیٹھی رہو۔۔!" وہ چڑ گیا۔

کیونکہ رش اتنا تھا کہ اسکی گاڑی کے آگے اسلحہ

بردار افراد نظر آرہے تھے۔ وہ واقعی اس وقت

کو پچھتایا جب اس نے اس راستے کا چناؤ کیا تھا۔

"میں چپ کر کے نہیں بیٹھوں گی۔۔!" وہ اپنا

غصہ ضبط کرتی غرائی۔ پھر سرعت سے اپنی

طرف کا دروازہ کھول کر باہر اتری۔

"علیشہ رکو۔۔!" وہ چلایا مگر اس پر اثر کب ہوا

کرتا تھا۔وہ بے خوفی سے اس ہجوم میں گھستی

سامنے آتے ہر دوسرے شخص کو دھکا دیتی اس

لڑکی تک پہنچنے کی تگ ودو میں بھاگ رہی تھی۔

سارنگ نے دانت پیستے ہوئے سیٹ بیلٹ کھولی

اور علیشہ والی سائیڈ سے کھلے دروازے سے ہی

باہر نکلا کیونکہ اس کی والی طرف ایک بڑی گاڑی

کھڑی ہوئی تھی دروازے کا کھلنا ممکن نہ تھا۔

"علیشہ واپس آؤ۔۔۔!" اس کے پیچھے لپکتا وہ چلایا

لیکن علیشہ پر تو بھوت سوار تھا۔

"رک جاؤ یہ کیا بے رحمانہ سلوک ہے۔ میں کہتی

ہوں رک جاؤ۔۔۔!" اپنے پیچھے لپکتے سارنگ کی

سخت آواز کو نظر انداز کرتی وہ بھاگتی ہوئی اس

لڑکی کی طرف آئی تھی۔ کچھ لوگوں کے ہاتھ تھم

چکے تھے جبکہ کچھ کے ہنوز حرکت میں تھے۔

نتیجتاً ایک بھاری نوکیلا پتھر اس کے نیم عریاں

بازو کی شفاف جلد کو چیرتا چلا گیا۔ وہ لڑکھڑا کر

زرا سا جھکی جب ہی ایک دوسرے پتھر نے اس

کی پیشانی پر ضرب لگائی تھی۔ بدر جس کی نگاہ

علیشہ پر پڑ چکی تھی، اس کی پیشانی سے لکیر کی مانند

نکلتا خون دیکھ کر پشت پر بندھے اپنے ہاتھوں کی

مٹھیاں بھینچ گیا۔

"سمجھ نہیں آتی تم لوگوں کو میں کہتی ہوں رک

جاؤ۔۔۔!" وہ اس لڑکی کے سامنے آتی حلق کے

بل چلائی تھی۔کچھ پتھر اس کی ٹانگوں تو کچھ کمر

میں لگے تھے لیکن وہ درد کا ذائقہ بھلائے بے

خوفی سے سب کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"علیشہ میری بات سنو۔۔!" سارنگ اس کے

قریب آتا اسے تھامنے لگا جب علیشہ نے اس کے

ہاتھ جھٹک دیے۔لوگ اپنی گزشتہ کاروائی

چھوڑے ان دو نفوس کو دیکھنے لگے۔

"یہ کیا گستاخی ہے۔۔؟؟" کوئی سردار چیخا تھا۔

سارنگ کی آنکھوں میں علیشہ کے لیے غصہ امڈ

آیا تھا جو بولنے والے سردار کی طرف پلٹی تھی۔

"اور یہ کیا جاہلیت ہے۔ جان ہی لینی ہے تو ایک

ہی بار گردن کاٹ دو اس کی۔ یہ زرہ زرہ اذیت

دینے کا کیا مقصد ہے۔۔!" وہ بنا جھجھکے اس

سردار پر چلائی تھی۔ جانتی تھی کہ اس لڑکی نے

کوئی گناہ کیا ہو گا اسی لیے اس نے سزا کے خلاف

نہیں اسے دی جانے والی سزا کی نوعیت پر آواز

اٹھائی تھی۔ سارنگ نے آگے بڑھ کر اسکا بازو

تھام کر اسے اپنی جانب کھینچا۔

"تماشا مت بناؤ واپس چلو۔۔!" وہ اس پر دھاڑا تھا

لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ لڑکی کا سر

قریباً دو ٹکڑے ہو چکا تھے چہرے کا حشر بگڑ چکا تھا

کہ علیشہ کے لیے اس کی طرف دیکھنا بھی محال ہو

رہا تھا۔

"سارنگ چوہان کیا تم سے اپنے گھر کی عورت

نہیں سنبھلتی۔ سردار کے فیصلے پر آواز اٹھانا جرم

ہے۔۔۔!" کوئی دوسرا تھا جو چیخا تھا۔

"ہاں ہاں جرم ہے۔۔!" ہجوم ایک زبان ہو چلایا

تھا۔

"ڈرتی نہیں ہوں میں کسی سردار۔۔۔!" وہ برہم

ہوتی بول رہی تھی جب سارنگ نے اس کے

لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ سردار بدر لغاری چبوترے

سے نیچے اتر آیا۔

"میں آپ سے اس گستاخی کی معذرت کرتا

ہوں۔۔!" اپنی گرفت میں مچلتی علیشہ کے لبوں

پر سختی سے ہاتھ جمائے وہ بدر لغاری کی طرف پلٹا

تھا جس کے نتیجے میں علیشہ کی سرخ دہکتی نگاہیں

بدر لغاری کے سفاک چہرے پر پڑی تھیں۔وہ

بپھری لیکن سارنگ کی گرفت مضبوط تھی وہ

دوسرے ہاتھ سے اسکی کلائیاں دبوچے ہوئے

تھا۔

"اس لڑکی کی بلند آواز جرگے کی توہین ہے

سارنگ چوہان۔۔۔!" اپنی پشت پر ہاتھ باندھے

پورے اعتماد سے کھڑا وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ علیشہ

نے نخوت سے سر جھٹکا۔ نتیجتاً اس کی بھوری

آنکھوں میں امڈتا پانی ٹوٹ کر اسکے گالوں پر

بکھرا گیا۔

"میں اس توہین کے لیے تاوان بھر دوں گا لیکن

ابھی آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔۔!"علیشہ کو

بامشکل سنبھالے وہ التجائیہ بولا تو بدر نے ایک

نظر علیشہ کے زخمی چہرے پر ڈالی۔وہ آنکھوں

میں نفرت لیے اس کے سر پر بندھی دستار کو

گھور رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔کل ڈیرے پر آجانا وہیں بات ہو

گی۔۔!" ان دونوں کی طرف سے اپنے چہرے

کا رخ موڑتا وہ بے نیازی سے گویا ہوا تو اثبات

میں سر ہلاتے ہوئے سارنگ اسے لیے ایک

طرف بڑھا جو خون کے گھونٹ پی رہی تھی۔

اسے گاڑی تک لا کر سارنگ نے چھوڑا تو وہ پلٹ

کر اسے کاٹ کھانے کو دوڑی۔ سارنگ جو کب

سے خود پر ضبط کیے ہوئے تھا اس کی بدتمیزی پر

مشتعل ہوتا اس بار برداشت نہ کر پایا اور ایک

زور دار تھپڑ اسکے گال پر دے مارا۔ جنید خان

کے ساتھ اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے سردار بدر

لغاری نے بے تاثر نگاہوں سے یہ منظر دیکھا تھا

جس میں وہ تھپڑ کھا کر سن دماغ لیے ساکت سی

کھڑی تھی۔سارنگ نے اسکا بازو دبوچ کر اسے

گاڑی میں دھکا دیا۔

"اب ہلنا مت ورنہ ٹانگیں توڑ دوں گا

تمہاری۔۔!"ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتا وہ اس پر

چلایا تھا۔بھیگی آنکھوں میں نفرت سموئے وہ

اسے گھور کر رہ گئی۔ ایک تو پہلے ہی اس کی پیشانی

زخمی تھی دوسرا اسکے بازو سے بہتے خون کے

ساتھ ساتھ زخم میں ہوتی جلن بھی اسے اب

محسوس ہو رہی تھی۔ رہی سہی کسر سارنگ کے

بھاری ہاتھ کے تھپڑ نے پوری کر دی تھی۔

تھوڑی دقت کے بعد وہ وہاں سے گاڑی نکالنے

میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سردار بدر لغاری کی سرد

نگاہوں نے گاڑی نظروں سے اوجھل ہونے

تک اس کی دھول کا پیچھا کیا۔

"کل جب یہ ڈیرے پر آئے تو اسکے سیدھے ہاتھ

کا علاج کر دینا خان۔۔۔(ہاتھ) بہت کمزور

ہے۔۔!" جنید خان کو ہدایت دیتا وہ گاڑی میں

بیٹھ گیا۔ جنید نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ڈرائیور نے دروازہ بند کر دیا۔ جنید نے اپنے لیے

مخصوص ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ سنبھال لی۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ سردار بدر لغاری کو سارنگ

چوہان کی طاقت کا یہ مظاہرہ ناگوار گزرا ہے۔

یقیناً بدر کی ناگواری جنید کے لیے حیرت کا باعث

تھی کیونکہ اسکا سائیں اس گستاخ لڑکی کے لیے

سارنگ کا علاج کروانا چاہ رہا تھا جس نے بھرے

ہجوم میں جرگے کی توہین کی تھی۔ وہ حیران تو تھا

لیکن اس حیرت کو دور کرنے کے لیے اس نے

تانے بانے بننے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ وہ

جانتا تھا کہ اسے اس نہج پر سوچنے کی بھی اجازت

نہیں ہے۔

□♦□♦□♦□♦

اسے اپنے آس پاس بے حد پاس اس کی نرم

سانسوں کی حدت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے

ریشمی بالوں کی سرسراہٹ اس کے سینے پر

تباہیاں مچارہی تھی۔اس کی قربت اس کے انگ

انگ میں سرشاری سی بھرتی چلی جارہی تھی۔وہ

مسرور ساہوتا اسکی مخروطی انگلیوں کی نرمیاں

اپنے بالوں میں محسوس کررہاتھاجو وہ ہولے

ہولے اس کے بالوں میں چلا رہی تھی۔ منصب

کا دل انھی لمحات میں کھوئے رہنا چاہتا تھا۔ وہ

آنکھیں بند کیے زیر لب مسکرا رہا تھا اور وہ وارفتہ

نگاہوں سے اس کے نقوش دیکھ رہی تھی۔ وہ

کافی دیر اس کی شرارتوں سے محظوظ ہوتا رہا معاً

اسے اپنے اندر خالی پن سا محسوس ہوا۔ اس پر

سے مہرماہ کے نازک وجود کا بوجھ ہٹ چکا تھا۔

انگلیوں کی حرکت تھم چکی تھی۔ وہ اسے ٹٹولنے

کو ہاتھ بڑھاتا کروٹ بدل گیا لیکن یہ کیا۔۔ بیڈ

خالی تھا۔ ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولتا وہ سیدھا

ہوا۔ پھر گردن گھما کر اطراف میں دیکھا۔ اس

کے کمرے میں نیم تاریکی کا راج تھا لیکن اسکی

نیند سے بھری آنکھیں پھر بھی اپنی کمرے کا خالی

پن دیکھ سکتی تھیں۔ تو یعنی وہ خواب دیکھ رہا

تھا۔۔؟؟؟ اس سوچ نے اسے گہرا سانس لینے پر

مجبور کر دیا۔ اپنے بالوں میں انگلیاں پھنساتا وہ بیڈ

سے اترا اور آگے بڑھ کر کھڑکی پر گرے بھاری

پردے ہٹا دیئے۔ دن چڑھ آیا تھا شاید دوپہر کا

وقت قریب ہی تھا۔ سورج کی بھڑکتی ہوئی مغرور

روشنی چھن سے اس کے کمرے میں پھیلتی چلی

گئی۔ گو منصب کی آنکھیں اس اچانک پھیلنے والی

روشنی سے چندھیا گئیں لیکن آنکھیں بند کرنے

کی بجائے وہ آنکھیں چھوٹی کیے خلاؤں میں

گھورنے لگا۔ وہ لڑکی اس حد تک اُس پر سوار ہو

گئی تھی کہ وہ اسے اپنے شعور سے بھی پرے نیند

کی دنیا میں دیکھ رہا تھا۔۔؟؟ محسوس کر رہا

تھا۔۔۔؟؟ کھڑکی کے پٹ پر ہاتھ رکھتے دوسرا

دیوار پر ٹکاتا وہ جھکا۔ حویلی کا باغیچہ سنہری دھوپ

میں دھلا دھلا سا دمک رہا تھا۔ فوارے سے پھوٹتا

پانی اس کی آنکھوں میں ٹھنڈک کی بجائے آگ

سی دہکانے لگا۔وہ جل رہا تھا۔اس کا روم روم اس

پل سلگنے لگا تھا۔لب بھینچ کر اس نے گہرا سانس

لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ایک بار پھر مہرماہ

حسین کا چہرہ اس کے آنکھوں کے پردے پر

لہرایا تھا۔اس کے نقوش۔۔

لرزتی پلکیں۔۔

کانپتے لب۔۔

بھیگے عارض۔۔

لہجے کی بے بسی۔۔ آنکھیں بند کیے اسے سوچتے

سوچتے منصب کا تنفس بگڑنے لگا۔ ہاتھوں کی

مٹھیاں سختی سے بھینچتے ہوئے وہ اپنی بے قابو

ہوتی سانسوں کو فضا میں خارج کرنے لگا کہ وجود

میں انگڑائیاں لیتی مہر ماہ حسین کی طلب اس کے

اندر گھٹن سی پیدا کر رہی تھی۔ اس کا خیال

منصب کے بیدار حواس بھی گم کرنے لگا تو اسنے

خود کو سنبھالنے کے لیے ایک جھٹکے سے آنکھیں

کھول لیں ورنہ شاید اسے سوچتے وہ ہذیاتی

ہو جاتا۔ اپنی سرخ پڑ چکی آنکھیں پوری کھولتے

ہوئے اس نے ساکت نظروں سے آسمان کو

گھورا پھر پلٹا اور بیڈ تک واپس آیا۔ اپنا موبائل

ہاتھ میں لیے وہ عمیر کو کال ملانے لگا۔

"کہاں ہو۔۔؟؟" اس کے کال ریسیو کرتے ہی

منصب نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"ڈیوٹی پر ہی ہوں۔۔۔ خیریت۔۔؟؟" عمیر کی

آواز فون کے سپیکر سے ابھری۔

"مجھے مہرماہ حسین کا نمبر چاہیئے۔ بیس منٹ کے

اندر اندر۔۔ اگر اس کے پاس موبائل فون نہیں

ہے تو لینڈ لائن نمبر کا ارینج کرو لیکن مجھے اس کا

نمبر چاہیئے عمیر۔۔۔!" وہ ایک ایک لفظ پر، زور

دیتا کہہ رہا تھا۔

"اوکے ریلیکس۔۔ بائے چانس میں اسی ایریے

میں ہوں۔ میں کرتا ہوں ارینج۔۔!" عمیر نے

اسے مطمئن کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔

"ہوں۔۔۔میں ویٹ کر رہا ہوں۔۔!" منصب

نے کہہ کر کال کاٹنا چاہی جب وہ بولا تھا۔

"اچھا مون بات سن یار۔۔!" عمیر نے جلدی

سے اسے پکارا۔

"ہمم۔۔۔بول۔۔۔!" آئینے کے سامنے آتا وہ

مصروف سے انداز میں بولا۔

"وہ صارم اور عبداللہ۔۔ تجھ سے معافی مانگنا

چاہتے ہیں یار۔۔وی سوئیر ہمارا اس لڑکی سے

کوئی کنسرن نہیں ہے۔اُن دونوں کو ایک موقع

دے پلیز۔۔!"عمیر نے اس سے گزارش کی

تھی۔اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ لب بھینچ گیا۔

"جب شہر آؤں گا تو ملوں گا ان سے۔۔۔

ریلیکس۔۔!"منصب نے کچھ سوچتے ہوئے اسے

جواب دیا تو وہ خوش ہو گیا۔

"تھینکس یار۔۔تجھے پتہ تو ہے کہ ہم تیرے بغیر

نہیں رہ سکتے۔۔۔!" عمیر نے اسے یاد دہانی

کروائی تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا۔ عمیر کی

خوشی اس کے لہجے سے پھوٹ رہی تھی۔

"اوکے میں فریش ہوں لوں۔مجھے نمبر سینڈ کر

دینا۔۔!" منصب نے قدرے نرمی سے کہا تو وہ

پر سکون ہو گیا۔

"ہاں میں کرتا ہوں۔۔!" عمیر نے کہا تو منصب

نے رابطہ منقطع کر دیا۔موبائل ڈریسنگ ٹیبل پر

رکھتا وہ واش روم میں گھس گیا۔اس کے بے چین

حواسوں کو اس پل ٹھنڈے پانی کی ضرورت

تھی۔اشد ضرورت۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ یونہی باغیچے میں نکل

آیا۔ تیز دھوپ ہر سُو پھیلی ہر ذی روح کو گرمی کی

شدت محسوس کروانے کی مکمل کوششوں میں

تھی۔ عالم کو باہر نکلنے پر افسوس ہوا کیونکہ پورچ

تک جاتے جاتے اسکا سینہ پسینے سے بھیگ چکا تھا۔

وہ کل گاڑی سے نکلتے ہوئے اپنا والٹ گاڑی میں

ہی بھول آیا تھا، ناشتہ کرتے ہوئے اسے یاد آیا

تو وہ لینے چلا آیا۔ اس نے سوچا تھا کہ دھوپ کے

ساتھ اگر گرمی کی شدت کچھ کم ہوئی تو نوشہر و کی

سڑکوں پر کچھ دیر گاڑی دوڑالے گا لیکن حالات

کہہ رہے تھے کہ اپنے ائیر کنڈیشنر روم میں آرام

فرمانا ہی مناسب ہے۔ سو والٹ لے کر وہ واپس

پلٹا تھا۔ مرکزی عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے

دھوپ سیدھا اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

اسنے ہاتھ میں پکڑا موبائل پیشانی کے سامنے

کرتے ہوئے آنکھوں کو دھوپ سے بچانے کی

کوشش کی تھی جب اس کی نگاہ دوسری منزل کی

چھت پر پڑی۔ سیاہ آنچل اس کی نگاہوں سے

چھپ نہ سکا۔ عالم کو یاد آیا کل وہ لیمن قمیض

شلوار پر سیاہ دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔ وہ زرا سا

اچک کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ کوئی شبہ

نہیں رہا تھا، وہاں کوئی اور نہیں مرحہ ہی تھی۔

اس قدر شدید گرمی میں اس کی چھت پر

موجودگی عالم کی سمجھ سے باہر تھی۔ وہ سرعت

سے مرکزی عمارت کے دائیں جانب ٹیرس پر

جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھا جہاں سے دوسری

منزل پر پہنچنا آسان تھا۔ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا

وہ ایک منٹ سے بھی کم کے وقفے میں ٹیرس پر

پہنچا تھا۔ ٹیرس کے دروازے سے حویلی کی

دوسری منزل میں داخل ہو کر وہ تیز رفتاری سے

راہداری عبور کر رہا تھا۔ حویلی کے اندر گرمی کی

شدت کچھ کم تھی لیکن عالم کے اندر اسے چھت

پر دیکھ کر آگ سی لگ چکی تھی۔ دوسری منزل

پر کمروں کے آخر میں بنے لیونگ روم کو تقریباً

بھاگتے ہوئے پار کرتا وہ پہلی بار اس حویلی کی

وسعت پر کلس رہا تھا۔ بالآخر سیڑھیوں پر قدم

رکھتا وہ پلوں میں چھت پر پہنچ گیا۔ سامنے ہی وہ

چھت پر بچھی چارپائیوں میں سے ایک پر جھکی

چارپائی سے مٹھی بھر کر خشک ہو چکی لال

مرچیں اٹھا رہی تھی۔ عالم کا سانس پھول چکا تھا۔

اسنے وہیں کھڑے ہو کر گہرا سانس لیا۔ وہ اپنے

ہاتھوں میں مرچیں بھر بھر کر پتھر کی بڑی سی

کُونڈی میں ڈال رہی تھی۔ قریب ہی تین فٹ کا

دستہ پڑا ہوا تھا۔ اس کی موجودگی سے انجان وہ

پسینے میں شرابور اب دستہ پکڑتی مرچیں کوُٹنے

لگی۔اس کی سفید رنگت دھوپ کی شدت سے

سرخ اناری ہو رہی تھی۔وہ وہاں بھری دھوپ

میں کھلے آسمان تلے اس وسیع چھت پر ہاون

دستے میں مرچیں کوٹ رہی تھی۔عالم نے ایک

جلتی ہوئی نگاہ چھت پر دوڑائی جہاں ساتھ آٹھ

بڑی بڑی چارپائیوں پر سفید چادریں بچھی ہوئی

تھیں اور اُن پر سرخ مرچوں کو سوکھانے کے

لیے پھیلایا گیا تھا۔ وہ اپنے لب بھینچتا اس کی

جانب آ گیا۔ آہٹ پر مرحہ نے پلٹ کر اس کی

جانب دیکھا تو فوراً اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

"یہ کام کرنے کے لیے تمہیں یہی وقت ملا

تھا۔؟؟" وہ خود پر ضبط کرتا دھیمی آواز میں

اُس پر برہم ہوا تھا۔ مرحہ کی جھکی نظریں مزید

جھکتی چلی گئی۔

"یہ تو میری ذمہ داری ہے سرکار۔۔!" وہ دستے

پر اپنی مومی انگلیوں کی گرفت جمائے آہستگی سے

بولی۔

"ذمہ داری خود کو اذیت میں ڈال کر نہیں نبھائی

جاتی مرحہ۔۔ دھوپ دیکھو۔۔ اور اپنا حال

دیکھو۔۔!" صبر کے کڑوے گھونٹ بھرتا وہ ٹھہر

ٹھہر کر بولا تو مرحہ نے بے چینی سے اپنے لب

کچلے۔اس کا پورا وجود اس پل پسینے میں بھیگا ہوا

تھا۔

"یہ اذیت نہیں ہے میری ذمہ داری ہے۔۔

آ۔۔ آپ گرمی میں خود کو پریشان نہ کریں مجھے تو

اس سب کی عادت ہے۔۔!" نگاہیں زرا کی زرا

اٹھاتے ہوئے وہ عاجزانہ بولی تو عالم نے اس کی

کلائی تھام لی۔ مرحہ نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

"مجھے گناہگار نہ کریں سرکار نا محرم کا چھونا آگ

میں جلنے کے برابر ہے۔۔!"اس کی گرفت سے

اپنی کلائی چھڑواتی وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ویسے بھی تو جل ہی رہی ہو۔۔حالت دیکھو

اپنی۔۔چلو یہاں سے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں

ہو گا۔۔!" اسکا دوپٹے کے ہالے میں دمکتا چہرہ

دیکھتا وہ سختی سے بولا تو مرحہ نے بے اختیار نفی

میں سر ہلایا۔

"بیگم صاحبہ غصہ ہوں گی سرکار۔۔مجھے میرا کام

کرنے دیں آپ جائیں۔۔!" عاجزانہ کہتے ہوئے

مرحہ نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ عالم کو

لگا وہ اس لڑکی کی اذیت دیکھ دیکھ کر ہی مر جائے

گا۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے اُس لڑکی کو

طاقت سے زیادہ کام کرتے دیکھا تھا۔

"کیوں میرا ضبط آزما رہی ہو مرحہ۔۔ کیوں مجھے

پاگل کر رہی ہو۔؟؟؟ کہہ رہا ہوں ناں یہاں

سے چلو۔ مما سے میں خود بات کرلوں گا۔۔!"

ایک بار پھر اس کی کلائی تھامتے ہوئے وہ شدید

برہمی سے بولا تو وہ نفی میں سر ہلاتی رو دی۔

"مجھ پر رحم کریں سرکار۔۔رحم کریں۔۔میں

آپ کے سامنے کوئی گستاخی کرنے کی مرتکب

نہیں ہو سکتی لیکن اللہ کے واسطے آپ مجھ سے

ہمدردی نہ کریں۔۔ چلیں جائیں۔۔!" اپنی بھیگی

پلکیں جھپکاتی وہ روتے ہوئے بولی تو عالم کی

آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

"مما نے دیا ہے تمہیں یہ کام۔۔؟؟ بولو

مرحہ۔۔!" اپنے ہاتھ میں مقید اس کی کلائی کو

جھٹکا دیتے ہوئے وہ سختی سے استفسار کر رہا تھا۔

مرحہ کو ہاں میں جواب دینا محال ہی تو لگا۔

"سرکار آپ چلیں جائیں۔۔!" وہ پھر سے ملتجی

ہوئی۔ عالم کی شرٹ پسینے میں بھیگ چکی تھی۔

فضا بالکل ساکت تھی ہوا کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔

وہ اس کی گزارش ان سنی کرتا اسے اپنے ساتھ

گھسیٹتا سیڑھیوں کی طرف شیڈ تلے لے آیا۔ اس

کے چھو لینے پر وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

خوبصورت آنکھوں میں کسی کے دیکھ لینے کا

خوف تھا۔ عالم نے اپنے پیروں سے براؤن چپل

اتاری اور اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ شرم

سے کٹتی مرحہ نے اپنے پیر پیچھے کر لیے جن کی

انگلیوں کی کنارے سرخ ہو رہے تھے۔

"اگر یہ ذمہ داری مما نے دی تھی تو یقیناً جوتے

بھی انھوں نے ہی اتروائے ہونگے۔۔؟؟" سر

اٹھائے وہ استہزائیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ مرحہ

کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہہ رہے تھے۔

وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے بنا چپل پہنے اس تپتی ہوئی

زمین پر قدم جمائے صندل بیگم کی دی سزا پوری

کر رہی تھی۔ہاں وہ اس کی ذمہ داری نہیں اس

کی سزا ہی تھی تبھی تو انہوں نے اس کے پیروں

سے وہ ٹوٹی ہوئی چپل بھی اتروالی تھی جسے وہ

ایک ہفتے سے پیروں میں برداشت کر رہی تھی

کہ اس کے پاس دوسری کوئی چپل ہی نہ تھی۔

اس کی خاموشی پر سر جھٹکتے ہوئے مہربان نے

اسکا پاؤں تھاما تو مرحہ کو کرنٹ سا لگا۔ اس کی نس

نس میں شرارے سے دوڑ گئے۔

"آپ کیا کر رہے ہیں یہ مت کریں سرکار۔!"

اپنی اوقات بھلائے وہ احتجاج کرنے کو بھرائی

ہوئی آواز میں چلائی لیکن وہ بنا اثر لیے اسے اپنی

چپل پہناتا رہا۔ اسکی مضبوط انگلیوں کے ٹھنڈے

لمس پر مرحہ کا دل شدتوں سے دھڑکنے لگا جبکہ

مرحہ کی تپتی ایڑھیوں کی تپش اپنی ہتھیلیوں پر

محسوس کرتا وہ مر جانے کو تھا۔ اسکے سفید و گلابی

پاؤں دھوپ کی تمازت سے تکلیف زدہ سے

دکھائی دے رہے تھے۔اسے چپل پہنا کر وہ

اٹھ کھڑا ہوا۔مرحہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو

چکا تھا۔آنکھوں میں شکوے اور لبوں پر

سسکیاں دم توڑ رہی تھیں۔عالم نے ایک نظر

سیڑھیوں سے نیچے لیونگ روم میں جھانکا۔

لیونگ روم سنسان پڑا تھا۔ عالم نے سیڑھیوں کا

دروازہ بند کر دیا۔ وہ حیران پریشان سی اس کی

کاروائی دیکھ رہی تھی۔

"سس۔۔ سرکار۔۔!" اس کے لبوں نے

بامشکل جنبش کی۔

"شششش۔۔بالکل چپ۔۔۔مجھے بتاؤ بس یہی والی

باقی رہ گئی ہیں۔۔؟؟"وہ اس چارپائی پر بکھری

مرچوں کی طرف اشارہ کرتا پوچھنے لگا جس پر

سے وہ تھوڑی دیر پہلے مرچیں لے رہی تھی۔

مرحہ کا دل کیا اس کے پیر پکڑ لے مگر اسے کسی

طرح سے وہاں سے بھیج دے لیکن ہائے یہ

خوف۔۔عالم سے کوئی بعید نہ تھی وہ پیر پکڑنے

پر اس کے منہ پر تھپڑ ہی دے مارتا۔

"تم سے پوچھ رہا ہوں کچھ۔۔؟؟" وہ دوبارہ بولا تو

مرحہ نے ہراساں سی ہو کر اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔جب تک میں نہ کہوں یہاں سے ہلنا

مت ورنہ۔۔۔!"نرم نگاہوں سے اسے دیکھتا وہ

بات ادھوری چھوڑتا اس کی طرف جھکا تو پیچھے

دیوار سے لگتی وہ خوف زدہ سی ہو کر آنکھیں میچ

گئی۔اس کی اس معصوم ادا پر مہربان کا دل ایک

بار پھر اسکا اسیر ہو گیا۔ وہ تو اس کی مہربانیوں سے

بھی گریزاں ہو جایا کرتی تھی اور جتنا وہ گریز

برتتی تھی اتنا ہی عالم اس کی جانب کھنچنے لگتا تھا۔

"ورنہ مما کو بتا دوں گا کہ تم میری بات نہیں

مانتی۔۔!" اسے مصنوعی دھمکی دیتا وہ پیچھے ہوا تو

مرحہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے پھر سے نفی میں

سر ہلایا۔

"گڈ گرل۔۔!"ہولے سے مسکرا کر کہتا وہ ننگے

پاؤں چھت کے اس حصے کی طرف بڑھا جہاں

ہاون دستہ رکھا ہوا تھا۔مرحہ نے نا سمجھی سے اس

کی جانب دیکھا جس کے لبوں سے ادا ہوئی

انگریزی اس کے سر سے گزر گئی تھی۔ جبکہ ننگے

پیر چھت کی تپتی سطح پر قدم رکھتے ہی عالم کو صحیح

معنوں میں مرحہ کی تکلیف کا اندازہ ہوا تھا۔ ہاون

دستے تک پہنچتے پہنچتے اس اس کے وجود میں گرمی

کی شدت ٹھیک ٹھاک بھڑک اٹھی تھی۔اس

کے حکم کے باعث مجبور سی مرحہ شیڈ تلے کھڑی

اس کے قدموں ہی کی جانب دیکھ رہی تھی کہ

اس پل وہ اذیت صندل بیگم کا لاڈلا محسوس کر رہا

تھا جو وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے کر رہی تھی۔وہ بنا

اس کی طرف پلٹے چارپائی سے مرچیں لے کر

کونڈی میں ڈال کر کوُٹنے لگا۔ تیسری منزل سے

اس چھت کا منظر صاف نظر آتا تھا سو احتیاطاً

عالم نے ایک نگاہ اوپر کی جانب ڈال لی تھی لیکن

حسب توقع اسے اس گرمی میں وہاں کوئی نظر

نہیں آیا تھا سو وہ مطمئن سا ہو کر پوری قوت سے

دستہ چلا رہا تھا۔ سر پر پڑتی تیز دھوپ کے باعث

اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں

جبکہ پیروں میں جلتی آگ کا کوئی حل نہ تھا۔

تکلیف حد سے سوا تھی۔ وہ برداشت کرنے کو اپنا

نچلا لب دانتوں میں دبا گیا ورنہ وجود میں ابلتا

خون تو کہہ رہا تھا کہ فوراً زمین سے پاؤں اٹھا لے

لیکن ہائے یہ محبت۔۔

الفت۔۔

وہ چاہت۔۔

تمنا۔

وہ شدت۔۔وہ شدت جو اسے مرحہ کا ایک ایک

زخم چننے کو بے تاب کر دیا کرتی تھی۔اسے

تکلیف میں دیکھ کر وہ خود کیسے آرام سے رہ سکتا

تھا۔۔؟؟وہ مرد ہو کر یہ اذیت برداشت نہیں

کر پا رہا تھا تو بھلا وہ نازک جاں یہ جلن کیسے

برداشت کرتی رہی تھی۔ سوچتے ہوئے اسے اپنی

ماں پر افسوس ہوا۔ وہ اپنی ماں کے سامنے آواز

بلند نہیں کر سکتا تھا لیکن خود کو تکلیف دے کر وہ

انھیں سزا ضرور دے سکتا تھا۔ اس نے بیس سے

تیس منٹوں میں چارپائی کی ساری مرچیں کُوٹ

ڈالی تھیں۔ اسکے ہاتھوں پر مرچوں کی جلن

تھی۔ آنکھوں میں سرخائی اتر آئی تھی۔ وہ کام

مکمل کر کے پلٹا تو وہ دیوار سے ٹیک لگائے اسی کو

دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو

تھے۔ اسے اپنی جانب تکتا پا کر وہ مسکرایا۔ مرحہ

کا دل اس کے اس احسان پر سسکاریاں بھر رہا

تھا۔ لبوں پر سوال مچل رہے تھے جبکہ وہ اب باقی

چارپائیوں پر پھیلی ہوئی مرچوں کو ہاتھ لگا کر اُن

کا معائنہ کر رہا تھا مگر انھیں ابھی مزید دھوپ کی

ضرورت تھی۔ وہ مطمئن سا ہوتا پلٹا کُوٹی ہوئی

مرچیں خالی چارپائیوں میں سے ایک پر ڈال کر

اس نے چادر میں باندھ دیں۔

"لو ہو گیا۔ بس اتنا سا کام تھا۔۔!" اس کے

قریب آتا وہ عام سے لہجے میں بولا۔ انداز ایسا تھا

جیسے اس کے وجود میں کہیں کوئی تکلیف انگڑائی

نہیں لے رہی۔ مرحہ نے ڈبڈبائی نظروں سے

اس کے مضبوط ہاتھ دیکھے جو اتنے سرخ ہو رہے

تھے کہ اُن میں گردش کرتا خون دکھائی دے رہا

تھا۔

"سرکار آپ کے ہاتھ۔۔!"کانپتے ہاتھوں سے

اس کے ہاتھوں کی طرف اشارہ کرتی وہ بھرائی

ہوئی آواز میں بولی تو چونکنے کی اداکاری کرتا وہ

اپنے ہاتھ دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا۔۔؟؟ تمہارے بھی تو ایسے ہی ہیں۔۔!"

کندھے اچکاتا وہ اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھتا

بولا تو وہ مزید بے چین ہو گئی۔

"ہاں لیکن مجھے تو عادت ہے۔۔ آپ۔۔ آپ

سرکار۔۔ جل رہے ہوں گے ناں۔۔

ہا۔۔۔ہاتھ۔۔۔۔آئیں میں مرہم لگا دیتی

ہوں۔۔!" اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس

طرح اس کا درد کم کرے جسے شاید تیز دھوپ کی

بھی عادت نہ تھی۔اس پل وہ پورا پسینے میں بھیگا

ہوا تھا۔سیاہ بال پسینے کے باعث پیشانی پر چپکے

ہوئے تھے۔عالم کی بھیگی بھیگی سی پلکیں مرحہ کی

دھڑکنیں منتشر کر رہی تھیں۔

"اوہ کم آن۔۔مرہم کی ضرورت تمہیں ہے مجھے

نہیں۔۔!"وہ اسے مطمئن کرنے کو ہلکے پھلکے

سے انداز میں بولا تو اپنے ہاتھوں کی انگلیاں

مروڑتی مرحہ نے نگاہ جھکالی۔

"آپ۔۔کو۔۔کیا ضرورت تھی میرا کام کرنے

کی۔۔؟؟بیگم صاحبہ کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے مار

ڈالیں گی۔۔!" پریشانی کے عالم میں بولتی وہ کافی

ڈری ہوئی لگ رہی تھی۔

"ضرورت تھی ناں۔۔ میرا دل کر رہا تھا کہ

تمہارے ہاتھ سے بنا ملک شیک پیوں۔۔، بلانے

آیا تھا تمہیں لیکن تمہیں اتنی سستی سے کام

کرتے دیکھ مجھے غصہ آگیا۔ سو میں نے خود کر لیا

اس میں حرج ہی کیا ہے۔۔؟؟ تم کرتی تو اگلے دو

گھنٹے گئے تھے بس۔۔!" اسے رام کرنے کو وہ

بروقت دماغ میں بُنتی کہانی کو لفظوں کا پیراہن

پہنا گیا۔ اس کے جواز پر مرحہ نے بے یقینی سے

اس کی جانب دیکھا۔ جبکہ اسے ہونقوں کی طرح

منہ کھولے دیکھ اس کے جلتے دل پر پھوار سی

پڑی تھی۔ وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی بے وقوف

بھی تھی۔ اسے یوں دھوپ میں کام کرتے دیکھ

وہ حقیقتاً غصے سے کھول اٹھا تھا لیکن اب اسے فکر

کرتے دیکھ اسے ٹالنے کے لیے عالم کو بہانہ مل

ہی گیا۔

"اب میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ چلو اور مجھے شیک

بنا کر دو۔۔!" سیڑھیوں کا دروازہ کھولتے ہوئے

عالم نے سنجیدگی سے کہا تو سر جھکاتی وہ منمنائی۔

"سرکار یہ جوتے۔۔!" وہ جھجھک رہی تھی۔ عالم

نے ایک نرم نگاہ اسکے نازک پیروں پر ڈالی جو

مردانہ چپلوں میں ایسے ہی تھے جیسے جن کی قید

میں نازک سی پری۔ اس کے دمکتے پاؤں ان

جوتوں میں مس فٹ تھے۔

"میں دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتا لیکن اپنے

پیروں کے نقش میں تمہیں کبھی دان نہیں کر

سکتا۔ یہ تمہاری توہین ہو گی۔۔!" نرمی سے کہتے

ہوئے وہ ایک بار پھر اس کے سامنے جھکا۔ گو اس

کی بات مرحہ کے سر سے گزر گئی تھی لیکن اسے

جھکتے دیکھ مرحہ نے جلدی سے چپل اتار دیے کہ

کہیں پھر وہ شخص اس کے پیروں کو چھو کر اسے

گناہگار نہ کر دے۔اس کی احتیاط پر عالم نے

ہولے سے مسکراتے ہوئے وہ چپل پہن لیے۔

"چلو جاؤ اب۔۔ شیک بناؤ۔۔ میں اتنے فریش

ہو جاتا ہوں۔۔" اسے وہیں بت بنے کھڑے

دیکھ عالم نے کہا تو وہ جی اچھا کہہ کر اپنا دوپٹہ

درست کرتی وہاں سے بھاگی۔ عالم نے لیونگ

روم میں جھانکا وہ جاتے جاتے پلٹی تھی۔ عالم نرم

نگاہوں سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ مرحہ نے

دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے سپیڈ پکڑ لی۔ اس کے

گھبرا جانے پر عالم دھیرے سے ہنستا خود بھی

سیڑھیاں اترنے لگا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

فون کی مسلسل بجتی گھنٹی نے اسے ہاتھ میں پکڑا

چائے کا مگ میز پر پٹخنے پر مجبور کیا تھا۔ جو کوئی

بھی تھا، انتہائی ڈھیٹ ہی تھا جو بار بار فون کیے جا

رہا تھا۔ حسین صاحب حسب معمول ڈیوٹی پر

تھے جبکہ نور بیگم کو فاطمہ کی امی نے ابھی کچھ دیر

پہلے ہی بلایا تھا سو وہ مہر ماہ کو ناشتہ دے کر انکی

طرف گئی چلی گئی تھیں۔ طبعیت خرابی کے

باعث وہ آجکل گیارہ بجے سے پہلے نہیں اٹھتی

تھی آج بھی اسے ناشتہ کرتے کرتے بارہ بج گئے

تھے۔ چیئر سے اٹھتی وہ برآمدے میں دیوار کے

ساتھ لگے ٹیلی فون تک آئی تھی۔ ریسیور کان

سے لگا کر اس نے قدرے تپے ہوئے لہجے میں

سلام کیا۔

"السلام علیکم۔۔!" انداز میں بے زاری تھی۔

دوسری جانب کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔

"ہیلو۔۔۔!" وہ پھر سے بولی تو اس کی جھنجھلاہٹ

آمیز آواز سن کر وہ ہوش میں آیا۔

"وعلیکم السلام۔۔ ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ تم

مجھ پر سلامتی بھیجو گی۔۔!" دوسری جانب سے

وہ قدرے غیر سنجیدہ سی آواز میں بولا تو ایک

مردانہ آواز سن کر وہ چونک اٹھی۔

"کون۔۔؟؟" انجانے سے خدشے کے تحت اس

نے پوچھا تھا۔ دل میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے

لگی تھیں۔

"کیا منصب عالم شاہ کو تمہارے سامنے کسی

تعارف کی ضرورت ہے۔۔؟؟" وہ سوالیہ انداز

میں پوچھتا اسکا دل دھڑکا گیا۔اس کی بھاری آواز

مہرماہ کی سماعتوں میں اتنی ہی شدت سے اتر رہی

تھی جیسے وہ اس کے قریب ہی بیٹھا ہو۔وہ کبھی

اتنی ڈرپوک نہیں رہی تھی لیکن اس واقعے کے

بعد وہ بے حد کمزور ہو گئی تھی۔

"کلک۔۔۔کیوں فون کیا ہے۔۔؟؟" اپنے

خشک پڑتے ہونٹوں پر زبان پھیرتی وہ ہکلائے

ہوئے لہجے میں بولی۔

"کب آرہی ہو میرے پاس۔۔۔؟؟" وہ بنا لگی

لپٹی رکھے ڈائریکٹ پوچھ رہا تھا۔ حسب توقع

سوال پر مہرماہ کو اپنی سانسیں رکتی محسوس

ہوئیں۔

"میں تم سے معافی مانگ چکی ہوں۔ پھر میری

جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے تم۔۔۔؟؟" ہاتھ میں

لرزتا ریسیور دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے وہ

بولی تو ناچاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی۔

"اوں ہوں۔۔یہ میرے سوال کا جواب نہیں

ہے۔جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔۔!" اسکا

خوفزدہ لہجہ سن کر محظوظ ہوتا وہ مسکراتے لہجے

میں پوچھ رہا تھا۔اس کی آواز سے چھلکتی طمانیت

مہرماہ کو زہر لگ رہی تھی۔

"مم۔۔۔میں نہیں آسکتی۔اور اگر اب تم نے

مجھے تنگ کیا تت۔۔تو۔۔میں اپنے ابی جی کو

بتادوں گی۔۔!"کچھ سوچ کر کہتی وہ اسے بڑی

کمزور سی دھمکی دے گئی۔بدلے میں وہ قہقہ لگا کر

ہنسا تھا۔مہرماہ کی آنکھیں تیزی سے بھیگنے لگیں۔

وہ اپنی بے بسی پر اپنا نچلا لب دانتوں میں دبائے

اپنے سسکیوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی

تھی۔

"منصب عالم شاہ کبھی اپنے باپ سے خوفزدہ

نہیں ہوا تو تم مجھے کس کی دھمکی دے رہی ہو۔

ایک کلرک کی۔۔۔؟" قدرے سنجیدگی سے

بولتا وہ آخر میں پھر سے ہنسا۔ انداز مذاق اڑاتا ہوا

تھا۔

"اگر میں اس کلرک سے ڈرتا جو تمہارا باپ ہے

تو تم آج مجھ سے یوں ڈر نہ رہی ہوتی جانِ من۔۔

سو یہ ادھر اُدھر کی چھوڑو۔ پوائنٹ پر آؤ اور مجھے

ہاں یا نہ میں جواب دو۔۔ آ رہی ہو ناں۔۔؟؟"

مضبوط لہجے میں بولتا وہ آخر میں پھر سے غیر

سنجیدہ ہوا۔ مہرماہ کی دھڑکنیں اس کی فرعونیت پر

مدھم تر ہونے لگیں۔ جبکہ فشار خون بڑھ رہا تھا۔

"تو تم کسی سے نہیں ڈرتے۔۔؟؟" مہرماہ کی آواز

میں ہار تھی۔ جسے سن کر منصب کے اندر تک

سکون اتر گیا۔

"ھاھاھا۔ اس میں شُبے کی کوئی گنجائش نہیں

کہ ابھی تک ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا جو مجھے خوفزدہ

کر سکے۔۔!" وہ بھرپور رعونت سے بولا تو وہ

روتے روتے ہنسی۔

"اور جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس کے بارے

میں کیا خیال ہے۔۔؟؟ کیا تم اللہ سے بھی نہیں

ڈرتے۔۔؟؟" اپنے آنسوؤں کو بہنے کا راستہ دیتی

وہ بھیگی ہوئی آواز میں اس بار چیخی۔ ریسیور اس

قدر سختی سے پکڑ رکھا تھا جیسے ابھی اس کے ہاتھ

سے چھوٹ جائے گا جبکہ مہر ماہ کے سوال پر وہ

ایک پل کو خاموش ہو گیا۔

"شاید ہاں۔۔ تمہیں اللہ کا بھی خوف نہیں ہے

کیونکہ اگر ہوتا تو تم مجھے خوفزدہ نہ کر رہے

ہوتے۔۔!" ہمت کرتی مہرماہ نے اسی کی بات

اس کو لوٹائی تھی۔

"بکواس بند کرو۔۔!" وہ مشتعل ہوتا غرایا لیکن

فون سے باہر نکل کر تو وہ کچھ کرنے سے رہا سوفی

الحال مہرماہ مشکل سے تھاما گیا ہمت کا دامن

چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

"جب حقیقت تلخ ہو تو وہ بکواس ہی لگتی ہے۔

تمہیں نہ سہی لیکن مجھے اللہ کا خوف ہے۔ میں تم

سے خوفزدہ ہو کر اللہ کو ناراض نہیں کر سکتی

منصب عالم شاہ۔۔ اور اس کے بدلے میں تم جو

کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ اگر چاہو تو۔۔۔" تیز آواز

میں بولتی مہرماہ کا سانس اس پل دھونکنی کی مانند

چل رہا تھا لیکن وہ سب کہہ دینا چاہتی تھی۔

دوسری جانب منصب کا چین و سکون غارت ہو

چکا تھا۔

"چاہو تو وہ ویڈیو بھی لیک کر دو۔ میں بدنامی سہہ

لوں گی۔ لیکن روزِ قیامت فحش عورتوں کی صف

میں کھڑے ہونا مجھے منظور نہیں۔ نہیں ہے

منظور۔۔ سنا تم نے۔۔۔ ؟؟؟؟" گہرے گہرے

سانس لیتی وہ آخر میں بھرائی ہوئی آواز میں

چلائی تھی۔ منصب کا پارہ ہائی ہو چکا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر۔۔ بدنامی سہنے کے لیے خود کو

تیار کر لو۔۔۔!" غصے میں کہہ کر منصب نے کال

کاٹ دی۔ ٹوں ٹوں کی آواز پر مہرماہ نے بھیگی

آنکھوں سے ریسور کو گھورا۔ کال کٹ چکی تھی۔

اس کے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور چھوٹ گیا۔

دماغ سن ہو رہا تھا۔ وہ پہلے ہی بیمار تھی اس نئ

ٹینشن نے اس کے حواس مزید گم کر ڈالے تھے۔

بھیگی پلکیں جھپکاتے ہوئے اس نے صوفے سے

اٹھنے کی کوشش کی لیکن سر اس طرح سے گھوما

تھا کہ ہوش گنواتی وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس

کی پیشانی میز کی نوک سے ٹکرائی تھی جس کے

نتیجے میں حواس گم ہونے سے پہلے اسے اپنے

چہرے پر نمی محسوس ہوئی۔شاید آنسوؤں کے

ساتھ خون بھی اپنا راستہ بنا چکا تھا۔

درد نہ دساں،____ گھلدی جانواں،

راز نہ کھولاں،____ مکدی جانواں!

□♦□♦□♦□♦

وہ نپے تلے قدم اٹھاتی کھیتوں میں داخل ہو گئی

جب اچانک سے کوئی سامنے آیا تھا۔ حدیبہ کو

اپنے قدم روکنے پڑے۔اس نے سرعت سے

چادر کا پلو اپنے چہرے کے آگے کر لیا لیکن

سامنے والے کی نگاہ ٹھٹھک چکی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے وقت آپ کے حسن کو چھوئے

بغیر گزر گیا ہے حدیبہ بی بی۔۔!" حدیبہ کی

گریزاں آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا عمر زیدی

لہجے میں چاشنی سمو کر بولا تو حدیبہ نے گھبرا کر

پیچھے دیکھا لیکن فدا کی آہٹیں معدوم تھیں۔

"یہاں سے دفع ہو جائیں سائیں، دس سال پہلے تو

آپ بچ گئے تھے لیکن آج بے موت مارے

جائیں گے۔۔!" سختی سے چادر کا پلو تھامے وہ

غرائی تھی۔

"آپ کے دیدار کی قیمت اگر ہمیں جان دے

کر بھی چکانی پڑے تو ہمیں منظور ہے دیبہ بی

بی۔۔!" اس کے قریب ہوتا وہ اس کے چہرے

کی طرف ہاتھ بڑھاتا بولا تو حدیبہ سرعت سے

پیچھے ہوئی۔ وہ وہاں سے بھاگنے کے لیے پلٹی تو عمر

نے اس کی کلائی تھام لی۔ اسکے لب بے اختیار

چلائے لیکن آج وہ بھرپور مرد ہر طرح سے بے

خوف تھا۔

"ارے جانی کہاں ہیں ایک بار آنکھوں کی پیاس

تو بجھا لینے دیں۔۔!" اسے اپنی جانب کھینچتا وہ بولا

تو حدیبہ نے اسے دھکا دیتے ہوئے فدا کو پکارا

تھا۔

"فدا۔۔فدا سائیں۔۔!!" اس سے اپنی کلائی

چھڑوانے کی کوشش کرتی وہ بے حال ہوئی۔

اس کے یوں مدد کے لیے کسی کو پکارنے پر وہ

چوکنا ہو گیا۔

"یہ فدا کون ہے۔۔؟؟ آپ اکیلی نہیں

آئیں۔۔؟؟" وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے اس سے

پرانی شناسائی ہو۔

"میرا ہاتھ چھوڑیے ورنہ بہت برا ہو گا۔۔!" وہ

اس کے ساتھ زور آزمائی کرتی چیخی۔ حدیبہ کو

فدا کے قدموں کی واضح آواز سنائی دی تو عمر کے

ہاتھ میں مقید اپنی کلائی دیکھتی وہ حواس باختہ سی

ہو گئی۔

"آپ کو کھونے سے زیادہ برا آج تک میرے

ساتھ کچھ نہیں ہوا۔!" اس کی مٹھی میں مقید

چادر کا پلو کھینچتا وہ ڈھٹائی سے بولا تو اپنے یوں بے

آبرو ہو جانے پر حدیبہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

اس سے پہلے وہ مزید کوئی مزاحمت کرتی اس کی

پشت سے آتے فدا نے عمر کو سوچنے کا موقع

دیے بغیر آگے بڑھ کر اس کی کلائی مروڑ ڈالی

جس کے ہاتھ میں حدیبہ کی کلائی تھی۔ایک کراہ

کے ساتھ ہی حدیبہ کی کلائی عمر کی گرفت سے

آزاد ہو گئی۔

"ہاؤڈئیر یو ٹچ ہر۔۔؟؟" دونوں ہاتھوں سے اس

کا گریبان پکڑتے ہوئے وہ چیخا۔ حدیبہ سہم کر دو

قدم پیچھے ہو گئی۔

"تُو کون ہوتا ہے پوچھنے والا ہاں۔۔ میری مرضی

میں۔۔!" فدا کے ہاتھ جھٹکنے کی کوشش کرتا عمر

تنفر زدہ لہجے میں بولنا شروع ہوا تھا جب اپنا ضبط

کھوتا وہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ حدیبہ نے روتے ہوئے

اپنی چادر مٹھیوں میں دبوچ لی وہ دونوں گتھم گتھا

ہو چکے تھے۔ عمر زیدی صحت میں فدا سے اچھا

تھا لیکن فدا کا جنون اُس پر بھاری پڑ رہا تھا۔ آخر

میں فدا نے زمین پر اوندھے منہ پڑے عمر پر

اپنی پستول تان لی تو وہ سرعت سے آگے بڑھی۔

"سائیں رک جایئے۔۔!" اسکا بازو تھام کر اونچا

کرتے ہوئے وہ روتے روتے چلائی۔ گولی فضا

میں چلتی ارتعاش برپا کر گئی تھی۔ فدا نے لہو

رنگ آنکھوں سے اسے گھورا۔ اس کے چہرے

پر جا بجا سرخ نشان پڑ چکے تھے جبکہ ناک سے

خون بہہ رہا تھا۔ حدیبہ کا دل اس پل جیسے کسی

نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ عمر زیدی ادھ موا ہو چکا

تھا۔ حدیبہ نے اسے اپنی جانب تکتا پا کر نفی میں

سر ہلایا تھا۔

حدیبہ کا ہاتھ ہولے سے جھٹکتا وہ نیم بے ہوش

عمر زید کی طرف جھکا اور اپنی پستول کی نال اس کی

پیشانی پر رکھ دی۔ حدیبہ نے بے اختیار اپنے

لبوں پر ہاتھ رکھ لیے جیسے خود کو پیش آنے والی

صورتحال سے نپٹنے کے لیے تیار کیا تھا۔ جبکہ وہ

عمر کے پاس جھکا کہہ رہا تھا جس کی آنکھیں موت

کو قریب دیکھ کر پھٹنے کے قریب تھیں۔

"میری بیوی ہے وہ۔۔۔ اسے دیکھنے۔۔ اسے

چھونے کا اختیار صرف مجھے ہے۔ صرف مجھے۔۔

آئندہ اگر اسے دیکھنے کی کوشش بھی کی تو تیری

یہ دونوں آنکھیں نکال دوں گا۔ اور چھونے کا

سوچا تو تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں

گا۔۔۔!" اس کی پھٹی پھٹی سی آنکھوں میں اپنی

آنکھیں گاڑھے وہ چبا چبا کر بول رہا تھا۔

"اور اسے میری دھمکی مت سمجھنا۔۔!" لہجے

میں پھنکار لیے وہ سختی سے بولا تھا۔ پھر ہاتھ میں

پکڑی پستول کی پشت پوری قوت سے اس کی

پیشانی پر دے ماری۔ عمر کے رہے سہے حواس

بھی گم ہو گئے۔ ایک نفرت آمیز نگاہ اس پر ڈالتا

وہ پستول اپنی پشت میں چھپاتا کھڑا ہو گیا۔ پلٹا تو وہ

سامنے ہی نڈھال سی کھڑی رو رہی تھی۔ ایک ہی

جست میں اس تک پہنچتا وہ اسے خود میں بھینچ

گیا۔ اسکا سہارا پاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو

دی۔ اسے خود سے لگائے وہ کچھ لمحے یونہی اسے

محسوس کرتا رہا پھر آہستگی سے اسے خود سے

الگ کیا۔

"آپ ٹھیک ہیں۔۔؟؟ کہیں چوٹ تو نہیں

لگی۔۔؟؟" اس کے بھیگے گال صاف کرتا وہ اپنی

سخت نظروں کے برعکس نرم لہجے میں استفسار کر

رہا تھا۔ حدیبہ نے نظریں جھکاتے ہوئے نفی میں

سر ہلایا تو اسکے گرد اپنا مضبوط بازو پھیلاتا وہ اسے

وہاں سے لیے باہر نکل آیا۔ آتے آتے وہ عمر کا

ہاتھ اپنے جوتے تلے مسلنا نہ بھولا تھا جس سے

اس نے حدیبہ کو چھونے کی جرات کی تھی۔ وہ

حدیبہ کو لیے گاڑی تک آگیا۔ وہ گم صم سی

ہو رہی تھی لیکن گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کی

طرف متوجہ ہو گئی۔

"آپ زخمی ہیں فدا۔۔ڈاکٹر کے پاس چلتے

ہیں۔۔!" اسے گاڑی سٹارٹ کرتے دیکھ وہ بے

تاب سی گویا ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ ایسے ہی حویلی جانا چاہتا ہوں۔

آج تایا سرکار سے اس زیدی کا فیصلہ کروا کر

رہوں گا اسے پہلے بھی چین نہیں تھا اور اب

بھی۔۔۔!" غصے سے کہتے ہوئے اس نے بات

ادھوری چھوڑ دی۔ وہ جو سمجھ رہی تھی کہ فدا

دس سال پہلے ہوئے معاملے سے انجان ہے اس

کی بات پر چونکی۔

"پہلے۔۔؟ کیا مطلب ہے آپکا۔؟؟" حدیبہ کی

آواز میں حیرت تھی۔

"مطلب اچھے سے پتہ ہے آپ کو بی بی۔۔مانا

آپ سے چھوٹا ہوں لیکن بچہ نہیں ہوں میں۔

ہوش سنبھالتے ہی میرے دل نے آپ کی تمنا کی

ہے آپ کے لیے آئے ہر پرو پوزل سے آگاہ رہا

ہوں میں۔۔وہ مجھے نہیں جانتا تھا لیکن میں اسے

اچھے سے پہچانتا ہوں۔ یہ وہی ہے جس نے

سالوں پہلے رشتے سے انکار ہونے کے باوجود

دوبارہ رشتہ بھیجا تھا آپ کے لیے۔۔!" سنجیدگی

سے کہتے ہوئے اس نے آخر میں نخوت سے اپنا

سر جھٹکا تھا۔

"آپ بابا سرکار کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائیں

گے فدا سائیں۔۔ آپ سیدھا ڈاکٹر کے پاس

چلیں بس۔۔!" اپنا حوصلہ بحال کر چکی وہ حکمیہ

انداز میں بولی تو فدا نے گاڑی روکتے ہوئے اس

کی جانب دیکھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں بی بی۔۔؟ فدا حسین بے

غیرت بن جائے۔۔؟؟ اپنی بیوی کے ساتھ گھٹیا

حرکت کرنے والے ذلیل انسان کو بخش

دے۔۔؟؟؟ آپ کو لگتا ہے میں ایسا کروں

گا۔۔؟؟" حدیبہ کی جانب دیکھتا درشتگی سے بولتا

وہ پہلی بار اسے اپنا شوہر لگ رہا تھا۔

"اور کیا صرف اسی کو سزا ملے گی سائیں۔۔؟؟ کیا

آپ نہیں جانتے ایک سیدزادی جب دانستہ یا غیر

دانستہ طور پر نامحرم کے سامنے بے پردہ ہو جائے

تو آپ کے تایا سرکار اس کے ساتھ کیا سلوک

کرتے ہیں۔۔؟؟" اسے اس نئے جھگڑے سے

روکنے کے لیے اسے اپنا حوالہ دینا پڑا تھا۔ کیونکہ

وہ جانتی تھی کہ عمر زیدی کو سزا دلوانے کی

صورت میں ایک بار پھر دو خاندان چپقلش کا شکار

ہو جائیں گے۔ عمر زیدی، ذاولفقار عالم شاہ کے

تایازاد بھائی کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا جو دس سال

پہلے حدیبہ کی ایک جھلک دیکھ کر ہی اس پر فدا ہو

گیا تھا۔ اس نے اسے پانے کو بہتیرے پاپڑ بیلے

لیکن ناکام۔۔۔ اور آج وہ اتنے سالوں بعد ملا بھی

تھا تو پھر وہی بدتمیزی۔۔ حدیبہ نے اسکا رخ اپنی

جانب موڑا تو وہ خاموش رہ گیا۔۔ "بولیے ناں

فدا۔۔؟؟" اسے لب بھینچے دیکھ وہ دوبارہ بولی

تھی۔

"میرے جیتے جی کوئی آپ کی گرد کو بھی چھو

نہیں سکتا بی بی۔۔اور جو ایسی جرات کرے گا وہ

جان سے جائے گا۔۔!"اس کی آنکھوں میں

دیکھتا وہ ٹھہر ٹھہر کر چٹانی لہجے میں بولا تو حدیبہ

نے گہرا سانس لیا۔فدا کی سیاہ آنکھوں میں اس

پل خون اُترا ہوا تھا۔ حدیبہ نے نرمی سے اس کا

رخسار چھوا۔

"تو پھر بھول جائیں جو ہوا ہے سائیں۔۔ اُن کی

اجازت کے بغیر مجھے یہاں لانے کے لیے بابا

سرکار آپ کو بھی معاف نہیں کریں گے۔۔!"

اپنی نرم و نازک انگلیوں پر اسکا خون سمیٹتی وہ

آہستگی سے بولی تو فدا نے اپنے رخسار سے لگا اس

کا ہاتھ تھام لیا۔

"اگر آپ مجھے بہلانے کے لیے یہ حربہ استعمال

کر رہی ہیں تو آپ ناکام رہی ہیں بی بی۔۔۔!" اس

کی معصوم ادا پر ہولے سے مسکرا کر کہتا وہ اس

کے ہاتھ کی پشت اپنے لبوں سے چھو گیا۔ اس کی

جسارت پر حدیبہ کے دل نے کروٹ لی تھی۔

جبکہ اس کے چہرے پر یک دم پھیلتی سرخی دیکھتے

فدا کا موڈ بہتر ہونے لگا۔

"آپ بابا سرکار کو کچھ نہیں بتائیں گے۔میں کوئی

تماشا نہیں چاہتی۔۔!"وہ پھر سے گویا ہوئی تو فدا

نے سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھا۔

"صرف آپ کی خاطر۔۔مجھے اپنی کوئی پرواہ

نہیں ہے لیکن میں آپ کو کوئی سزا برداشت

کرتے دیکھ نہیں پاؤں گا۔۔!" اس نے چاروناچار

ہامی بھری تو سکون کا سانس لیتی حدیبہ نے فوراً

اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"یعنی حربہ ہی تھاناں۔۔؟؟" فدا نے مصنوعی

خفگی سے اس کے ہاتھ چھڑوا لینے پر چوٹ کی تو

حدیبہ جو پہلے ہی اس کی جرات پر گڑبڑا گئی تھی

اپنے آپ میں مزید سمٹ گئی۔

"بہت ہی فضول ہیں آپ۔۔ شرافت سے

ڈاکٹر کے پاس چلیے ورنہ بہت برے برے حربے

استعمال کروں گی۔۔!" بات گھمانے کو وہ ڈپٹنے

والے انداز میں بولی تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"آپ کا ہر حربہ قاتل ہے حیبہ۔۔ ہر بار مجھے

گھائل کر دیتا ہے۔ سو یہ بالکل مت سمجھئے گا کہ

فدا حسین آپ کے حربوں سے ڈرتا ہے۔ آپ

استعمال کریں، میں بخوشی سر خم کروں گا۔۔!"

نرم لب و لہجے میں بولتا وہ اسے معتبر کر رہا تھا۔

حدیبہ ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ جبکہ فدا

بظاہر مسکراتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا لیکن

آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں رقص کر

رہی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

"وہ لڑکی ہمارے جوتوں کی مٹی صاف کرتی ہے

اس کے پلو سے لگے چلنا تمہارے شایان شان

نہیں ہے اس بات کو سمجھو۔۔۔!"

پشت پر ہاتھ باندھے بے چینی سے اپنے حجرے

میں ٹہلتے وہ چبا چبا کر بول رہے تھے۔ ولید نگاہیں

جھکائے خاموش کھڑا تھا۔

"اگر میں تمہاری ہٹ دھرمی برداشت کیے جارہا

ہوں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں

اس حویلی میں سر عام بے حیائی برداشت کروں

گا ولید شاہ۔۔۔!" سرخ آنکھوں میں غصہ

سموئے وہ سخت آواز میں اس پر گرجے تو وہ جو

لب بھینچے نگاہیں جھکائے ایک طرف سامنے کھڑا

تھا مشتعل ہوتا نظر اٹھا گیا۔

"کون سی بے حیائی کی ہے میں نے۔۔؟؟طبعیت

خراب تھی اس کی، سڑک پر چلتی وہ گرنے والی

تھی۔جب وہ ہمارے جوتے صاف کرتی ہے تو

اس کی صحت کا خیال رکھنا بھی ہماری ہی ذمہ

داری ہے۔اگر میں نے اسے لفٹ دے دی ہے

تو کوئی گناہ نہیں کر لیا۔۔!" ان سے نگاہیں ملائے

بغیر وہ سنجیدہ سی آواز میں بولا تو اس کے فوری

جواب پر سید نور عالم صاحب نے قہر بار نگاہوں

سے اُسے گھورا۔

"کیا مجھے ایک بار پھر تم پر یہ واضح کرنا پڑے گا

کہ وہ لڑکی تمہارے لیے نا محرم ہے۔ اسے سہارا

دینا تم پر حرام ہے۔۔!" اس کے مقابل آتے وہ

ایک ایک لفظ پر زور دیتے بولے تو اس بار ولید

نے نگاہیں ان کی شعلے برساتی نگاہوں سے ملائی

تھیں۔

"اگر وہ میرے لیے نامحرم ہے۔تو میں بھی اس

کے لیے نامحرم ہوں۔آپ بھی اس کے لیے

نامحرم ہیں فدا بھی اس کے لیے نامحرم ہے۔دین

کو دونوں طرف لاگو کریں ناں بابا سرکار۔۔زہرہ

سمیت ہر ملازمہ کو فقط زنان خانے تک ہی محدود

کریں اور اس گھر کے مردوں کو مردان خانے

تک۔۔۔!" ان کی آنکھوں میں دیکھتا وہ

بلا جھجھک مضبوط لہجے میں بول رہا تھا۔ انھی کے

انداز میں اس نے بھی اپنی پشت پر ہاتھ باندھ

لیے۔

"اسلام فقط سید زادیوں کو ہی پردے کا حکم نہیں

دیتا۔ اسلام تو دنیا کی ہر مسلمان عورت کو پردے

کا حکم دیتا ہے تو پھر اسلام کا بول بلند کرنے والے

آپ باباجی سرکار اپنی ہی زیر سایہ اس حویلی میں

دینی احکامات میں فرق کیوں کرتے ہیں۔۔۔؟؟

اگر عزت حدیبہ آپا کی ہے تو زہرہ کی بھی ہے۔

بیٹی کو تو سینت سینت کر رکھا، اُس (زہرہ) کی

عزت کے بچاؤ کی بھی کوئی تدبیر کی ہوتی۔۔۔!"

ضبط کا دامن چھوڑتا وہ تلخ آواز میں بولتا چلا گیا تو

اس کی اس جرات پر وہ اپنا آپ کھوتے اسکا چہرہ

لال کر گئے۔ ان کے بھاری ہاتھ کے تھپڑ نے

ولید کا چہرہ سرخ کر ڈالا۔ لیکن وہ ڈھیٹ بنا ان

کے مقابل کھڑا رہا۔

"تم۔۔۔ تم ناہنجار۔۔ گناہگار ہو ولید۔۔ تمہیں

اسی روز کے لیے پال پوس کر جوان کیا تھا کہ تم

مجھے۔۔۔ مجھے۔۔" اپنے سینے پر زور زور سے ہاتھ

مارتے وہ ضبط کھوتے دہاڑے۔

"سید ذوالفقار عالم شاہ کو دین سکھاؤ گے۔مجھے بتاؤ

گے کہ میں دین کو لے کر کیسے چلوں

ہاں۔۔۔؟؟؟" اسے دھکا دیتے شدید برہمی

سے بولتے وہ پاگل ہی تو ہو رہے تھے۔

"آپ کے چلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے

گی۔اگر آپ نے زہرہ کے پردے کا خیال رکھا

ہوتا تو آج میرا دل اس کے لیے بے چین نہ

ہوتا۔نہ وہ میری آنکھوں کے سامنے رہی ہوتی

نہ آج وہ برباد ہوتی۔اس سب کے ذمے دار آپ

ہیں۔۔ صرف آپ۔۔۔!" اپنی سرخ پڑتی

آنکھوں کی پلکیں جھپکاتا وہ بنالحاظ کیے آج ان

سے بلند آواز میں چلایا تھا۔

"مجھے مت سکھا اے بدنیت کافر انسان۔۔ باپ

کے سامنے آواز بلند کر کے تم جہنم خرید رہے ہو

ولید۔۔۔ جہنم خرید رہے ہو۔۔!" اسے دھکے

دے کر اپنے حجرے سے نکالنے کی کوشش

کرتے وہ ہانپ گئے۔

"میں خرید نہیں رہا۔۔ میں خرید چکا ہوں۔ مجھے

گناہگار آپ نے کیا ہے بابا۔۔ آپ برابر کے

قصوروار ہیں۔۔!" اپنی آنکھوں میں اترتی نمی

ہاتھ کی پشت سے رگڑتا وہ بولا تو ذوالفقار عالم شاہ

نے سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔ وہ ان کا سب

سے چھوٹا بیٹا، ان کا ہی بگاڑا ہوا لاڈلہ تھا آج کیسے

سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"میں اس لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس

فحاشہ کو تو ایسی سزا دوں گا کہ۔۔۔!" وہ ہاتھ اونچا

کرتے بولے تو ولید نے تاسف بھرے انداز میں

نفی میں سر ہلایا۔

"اپنی زبان تو دیکھیں بابا۔۔ کتنا کڑوا بولتی ہے۔

میری بات آپ اچھے سے ذہن نشین کر لیں۔

اگر زہرہ کو کچھ ہوا تو آپ مجھے کھو دیں گے۔ ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے۔۔!" ان کا ہوا میں بلند ہوا ہاتھ

تھام کر نیچے کرتا وہ ہارے ہوئے انداز میں بولا تو

وہ اسے دیکھتے رہ گئے۔ ولید نے ایک گہرا سانس

لیا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا جبکہ ذوالفقار عالم شاہ

شکست خوردہ سے وہیں بیٹھتے چلے گئے۔ ولید

انھیں کتنا عزیز تھا یہ شاید اُن سے زیادہ ولید جانتا

تھا۔ وہ آج اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھے تھے کہ شاید اسے

خاموش کروا سکیں لیکن بے سود۔اس پر ان کی

کسی دھمکی کا اثر نہیں ہوا تھا الٹا وہ انھیں چپ لگا

گیا تھا۔بازی انھیں اپنے ہاتھ سے نکلتی محسوس ہو

رہی تھی۔یہ بھی شکر تھا کہ ابھی مریدوں کے

آنے کا وقت نہیں ہوا تھا چند ملازمین ہی تھے

جنہیں انھوں نے ولید کو بلانے سے پہلے ہی

مردان خانے سے دور کر دیا تھا۔ جبکہ زہرہ اور

ولید کے ساتھ آنے پر زنان خانے میں جو آگ

لگی تھی اس پر حدیبہ اور فدا نے آکر پانی چھڑکا

تھا۔ فدا کو زخمی حالت میں دیکھ کر صندل کو بھی

اپنا منہ بند کرنا پڑا۔ فدا کے کہنے کی ضرورت

پیش نہیں آئی تھی حدیبہ نے خود ہی کہہ دیا تھا

کہ فدا کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ دونوں زہرہ

کو کلینیک سے پِک نہیں کر پائے۔ فدا کو زخمی

دیکھ کر ناجیہ بیگم نے آفت ہی اتنی مچائی تھی کہ

زہرہ والا معاملہ دب گیا۔ وہ ان کی فکر اور محبت پر

ممنون سا مسکرائے جا رہا تھا جو ملازماؤں کو کام پر

لگا چکی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتا وہ اس کی

مزاحمت کو خاطر میں لائے بغیر اسے سیدھا

عبدالغفور چوہان کے سامنے لایا تھا جو لب بھینچے

ان دونوں کے انتظار میں لان میں ہی کھڑے

ہوئے تھے۔ ان کے قریب آتے ہوئے سارنگ

نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تو وہ لڑکھڑاتی بال

بال گرنے سے بچی۔ عبدالغفور صاحب کے

چہرے پر پھیلے چٹانی تاثرات بتا رہے تھے کہ

انھیں علیشہ کے کارنامے کی خبر مل چکی ہے۔

"سنبھالیے اسے آپ کے لاڈ پیار نے اس کا دماغ

بالکل ہی خراب کر دیا ہے۔ اتنی ذلت۔۔ اتنی

شرمندگی اٹھانا پڑی آج مجھے چاچا سائیں۔۔

صرف اور صرف اس کی بد دماغی کی وجہ

سے۔۔!" علیشہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتا وہ

بلند آواز میں دھاڑا تھا۔ اس کی مشتعل آواز دور

شاید گیٹ تک گئی تھی۔ چوکیدار اسی جانب

متوجہ تھا۔

"اور تمہاری بد دماغی کا ذمے دار کون

ہے۔۔؟؟؟ تم کیا سمجھتے ہو خود کو جاہل انسان اتنی

بری طرح مارا تم نے مجھے۔۔۔!" سارنگ کی

طرف لپکتی وہ سیخ پا ہوتی چلائی تو اسکے بابا

عبدالغفور چوہان نے درشتگی سے اسکا ہاتھ تھام

کر اسے پیچھے کھینچ لیا۔

"اپنی حد میں رہو علیشہ۔۔ تمہیں اندازہ نہیں

ہے کہ تم نے کیسا عذاب ہم پر مسلط کر دیا ہے

اور بجائے شرمندہ ہونے کے تم اب سارنگ

سے بدتمیزی کر رہی ہو۔۔!" اسکا ہاتھ جھٹکتے وہ

اس پر برہم ہوئے تو علیشہ نے شکوہ کناں نگاہوں

سے ان کی جانب دیکھا۔

"آپ کو میری کوئی پرواہ نہیں ہے بابا سائیں۔۔

حالت دیکھیے میری مجھے پہلے ہی اتنا درد ہو رہا ہے

اس پر مزید اس نے مجھے تھپڑ مارا۔ آپ کو تو ہمیشہ

میں ہی غلط نظر آتی ہوں یہ صاحبزادہ تو ہمیشہ ہی

ٹھیک ہوتا ہے۔۔!" اپنے زخمی بازو پر جم چکے

خون پر دوسرے ہاتھ کی انگلیاں رکھتی وہ خفگی

بھرے انداز میں بولی تو وہ خشمگیں نگاہوں سے

اسے گھور کر رہ گئے۔

"اپنے کمرے میں جاؤ اور بختاں سے مرہم پٹی

کرواؤ۔۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنا نہیں

چاہتا۔۔!" وہ اسے مزید ڈپٹنے کا ارادہ ملتوی

کرتے بولے تو سارنگ نے یوں نفی میں سر ہلایا

جیسے کہہ رہا ہو کہ دونوں باپ بیٹی کا کچھ نہیں کیا

جا سکتا۔ ان کی بات پر علیشہ نے ترچھی نگاہوں

سے سارنگ کو دیکھا پھر پیر پٹختی پلٹی اور وہاں سے

اندر کی جانب بھاگ گئی۔

"آپ کی دی گئی چھوٹ نے بے لگام کر دیا ہے

اسے۔۔!" اس کے جاتے ہی سارنگ نے ان

سے شکوہ کیا تھا۔

"لگام ڈالنے کے لیے ایک دن میں ایک تھپڑ کافی

ہوتا ہے سارنگ۔۔باقی وقت کے ساتھ تم مزید

لگام ڈال لینا۔۔!" اپنی پشت پر ہاتھ باندھتے

ہوئے وہ کچھ سوچ کر بولے تو ان کے یوں شیری

دینے پر وہ گردن اکڑاتا اپنی مونچھوں کو تاؤ

دینے لگا۔

"ویسے میرا تو خیال ہے کہ اب اس کی پڑھائی کا

سلسلہ بھی رکوا ہی دیں۔ حد سے بڑھنے لگی

ہے۔۔!" ان کے قریب آتا وہ دھیمی آواز میں

بولا تو انہوں نے ہنکارا بھرا۔

"ہوں۔۔۔۔ سوچتے ہیں اس بارے میں بھی۔۔

تم یہ بتاؤ کہ بدر نے کیا کہا ہے۔۔؟؟" گردن موڑ

کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے انھوں نے سنجیدگی

سے پوچھا تھا۔

"کل ڈیرے پر بلایا ہے۔ تاوان کی تفصیل وہیں

طے پائے گی۔۔!" بدر کا جواب انھیں بتاتے

ہوئے وہ متفکر لگ رہا تھا۔

"ہممم فکر نہ کرو تم۔۔ دلاور کو ساتھ لے جانا۔

زیادہ مسئلہ ہوا تو میں خود آجاؤں گا۔۔!" اپنے

خاص آدمی کا حوالہ دیتے ہوئے وہ سنجیدگی سے

بولے۔

"مسئلہ تو ہو گا چاچا سائیں۔۔ آپ جانتے تو ہیں

بدر کو۔۔!" سارنگ نے پیشانی کھجاتے ہوئے کہا

توسگار سلگاتے عبدالغفور چوہان کے ہاتھ پل بھر

کو رکے۔

"اس کمبخت کو کون نہیں جانتا بھتیجے۔۔بڑی

ٹیڑھی چیز ہے۔۔!" فضا میں دھوئیں کے

مرغولے چھوڑتے وہ اس انداز میں بولے جیسے

منہ میں لوہے کے چنے چبا رہے ہوں۔ انداز خار

لیے ہوئے تھا۔ سارنگ نے بھی دانت پیستے

ہوئے ٹھوڑی کھجائی۔ وہ دونوں ہی بدر لغاری کے

سامنے بے بس سے تھے۔

□♦□♦□♦□♦

اپنے زخموں کی بینڈیج کروا کر وہ رات کا کھانا

کھائے بغیر ہی سو گئی تھی۔ دل میں اس لڑکی کو

یوں بے رحمی سے قتل کیے جانا ہنوز کھٹک رہا تھا

سو دکھتے سر کے سکون کی خاطر اسے سلیپنگ پلز

لینا پڑی تھیں۔ وہ اے۔سی کی ٹھنڈک میں

کمرے میں تاریکی کیے مکمل طور پر نیند کی

وادیوں میں گم تھی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا

جب اسے بیڈ پر کسی دوسرے نفوس کی موجودگی

کا احساس ہوا۔ یونہی آنکھیں بند کیے کیے اسنے

اپنی بائیں جانب بیڈ کو ٹٹولا تھا۔ لیکن اسکا ہاتھ خالی

بیڈ کی بجائے جسی بھاری وجود پر پڑا تھا۔وہ نیند

میں ہی تلملا گئی یونہی آنکھیں کھول کر اس جانب

دیکھا تو تکیے پر کہنی ٹکائے وی سر ہتھیلی پر رکھے

اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔۔

"شمس۔۔۔!"اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

"کون شمس۔۔؟؟" اس شخص کے لب ہلے

تھے۔ماتھے پر تیوریاں سی پڑنے لگیں۔علیشہ

نے نیند سے بھری آنکھوں کو مسلتے ہوئے دوبارہ

دیکھنا چاہا لیکن چہرہ وہ ہی تھا۔

"آ۔۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔۔؟؟" اٹھ کر

بیٹھنے کی کوشش کرتی وہ نقاہت زدہ آواز میں بولی

تو اس کے سر میں ٹیس سی اٹھی۔ وہ دوبارہ سر

تکیے پر ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔

"تمہاری طبعیت خراب ہے۔چوٹیں آئی ہیں

تمہیں اور اس پر مستزاد میرا سلوک۔۔مجھے

غصہ آگیا تھا جان۔۔ایم سوری پلیز۔۔"اسکا نرم

وملائم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ زرا اس

کی طرف جھکتا بولا۔علیشہ جو ادھ کھلی آنکھوں

سے نیم تاریکی میں شمس کا چہرہ دیکھ رہی تھی اس

کے بدلے بدلے سے لہجے اور آواز پر چونک

گئی۔ چہرہ تو وہی تھا لیکن آواز۔ آواز بدلی بدلی

سی تھی۔ شاید وہ اس آواز سے آشنا تھی۔ جبکہ

اس کے اندر چھڑی کشمکش کی جنگ سے بے بہرہ

وہ اب کہہ رہا تھا۔

"بولو علیشہ۔۔ کیا تم نے مجھے معاف

کر دیا۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے وہ مزید جھکا۔ اس بار

چہرہ بھی واضح ہوا تھا۔ اسے اپنے اتنے قریب

دیکھ کر علیشہ کا دل دھڑکا تھا۔غصے کی ایک شدید

لہر اس کے وجود میں سرایت کر گئی۔

"تمہاری بہت پرواہ کرتا ہوں دیکھو مجھے نیند

نہیں آئی تو تمہارے پاس چلا آیا لیکن تمہیں

میری کوئی فکر نہیں ہے۔۔!" لہجے میں نرمی سمو

کر کہتا وہ اپنے ہاتھ میں موجود اسکا ہاتھ لبوں تک

لے گیا تو سارنگ کی اس جرات پر مشتعل ہوتی

وہ باجود تکلیف کے اسکی گرفت سے اپنا ہاتھ

کھینچتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں گھسنے

کی۔۔؟؟" دونوں ہاتھوں سے اسے پرے

دھکیلتی وہ غرائی۔ ساتھ ہی اپنی طرف سے سائیڈ

لیمپ آن کر دیا تھا۔ وہ اس کے بپھرے ہوئے

انداز پر ہولے سے مسکرایا۔

"تم اور یہ کمرہ۔۔بلکہ نہیں۔۔یہ پورا سارنگ ولا

ہی میرا ہے۔تو پھر ہمت تو آئے گی ناں جان

جہاں۔۔!"اس کے قریب ہوتا وہ گھمبیر لہجے

میں بولا تو علیشہ فوراً سے پہلے بیڈ سے اتری۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔

تمہاری پرواہ اور سو کالڈ محبت کی مجھے قطعی

ضرورت نہیں ہے۔۔!" ہاتھ سے کمرے کے

دروازے کی طرف اشارہ کرتی وہ چلائی۔ حقیقت

یہ تھی کہ شمس کی جگہ اسے مقابل دیکھ کر اس کا

میٹر گھوم گیا تھا۔" تمہیں ضرورت نہیں ہے

لیکن مجھے تو تمہاری ضرورت ہے۔۔!" اطمینان

سے کہتا وہ اس کے بیڈ پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

علیشہ کی بچی کچھی نیند بھی بھاگ چکی تھی۔

"آجاؤ واپس۔۔ سونا نہیں ہے کیا۔۔۔؟؟"وہ

بڑی شرافت سے پوچھ رہا تھا۔

"میرے شوہر نہیں ہو تم جو میں تمہارے ساتھ

اس بیڈ پر سوؤں گی۔۔!"وہ ضبط سے مٹھیاں

بھینچتی تڑخ کر بولی تو سارنگ کے لبوں پر زہر خند

مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بہت جلد ہو بھی جاؤں گا۔ پھر تو تم میرے

ساتھ ہی۔۔۔"

"اپنی بے ہودہ بکواس بند کرو سارنگ اور یہاں

سے دفع ہو جائے پلیز۔۔!" اس کی بات کاٹتی وہ

چلائی تو سارنگ نے نیم وا آنکھوں سے اس کی

جانب دیکھا پھر اس کے بیڈ سے اتر کر اس کے

مقابل آکھڑا ہوا۔ وہ بنا ڈرے ڈٹ کر اپنی جگہ

کھڑی رہی۔ اسے ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ

ہلتے دیکھ وہ مسکرایا۔

"تمہیں پتہ ہے تمہاری یہی بے خوفی مجھے تمہاری

طرف کھینچتی ہے۔۔!" اس کی ٹھوڑی اونچی کرتا

وہ داد دینے والے انداز میں بولا تو علیشہ نے اس

کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"اور مجھے تمہاری مجھ سے نزدیکی زہر لگتی

ہے۔۔!" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولتی وہ

اسے بے باک لگی۔ سارنگ جو کافی دیر سے اس

کی باتیں برداشت کر رہا تھا مشتعل ہو تا بیڈ کی

طرف پلٹتی علیشہ کو ایک جھٹکے سے اپنی طرف

کھینچ گیا۔ علیشہ نے بنا وقت ضائع کیے اس کے

گال پر تھپڑ دے مارا۔ اس کے بازو پر سارنگ کی

گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"حساب برابر ہو گیا سارنگ۔۔میں نے تمہیں

معاف کیا۔۔اب تم جا سکتے ہو۔۔!" ایک ایک

لفظ چبا چبا کر کہتی وہ بظاہر مسکرا رہی تھی۔

سارنگ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔کمرے کے

درو دیوار اس لڑکی کی جرات پر حیران تھے جو بند

کمرے میں اس مرد کے ساتھ تنہا موجود تھی

لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کا شائبہ تک نہ

تھا۔ شاید اسے احساس تھا کہ وہ اسے ایک حد سے

بڑھ کر زک نہیں پہنچا سکتا۔ وہ سارنگ چوہان کی

حدود سے واقف تھی جن کی لکیروں سے وہ بارہا

ٹکرا چکی تھی سو خوف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

تھا۔

"علیشہ۔۔۔ تم ایک دفع میری پناہوں میں

آجاؤ۔ پھر دیکھنا میں تمہارا کیا حشر کرتا

ہوں۔۔!!" ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ

منہ میں انگارے چباتے ہوئے بولا تو نخوت سے

اپنے بال جھٹکتی علیشہ واپس بیڈ پر جا بیٹھی۔

"مجھے لگتا ہے تم نیند میں ہو۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔

شاید میرا حشر کرنے کی تمنا تم اپنے خواب میں

پوری کر سکو۔۔!" لاپرواہی سے کہتی وہ لیٹ کر

ٹانگیں ہلانے لگی۔اس کے دوبدو جواب پر

سارنگ نے قہر برساتی نگاہوں سے اُسے گھورا۔

اس کے لیے اس پل ہاتھ بڑھا کر علیشہ چوہان کو

بکھیر دینا کچھ مشکل نہیں تھا لیکن یہ کہیں ناں

کہیں اندر۔۔اندر کہیں بے رحم دل کے کسی نرم

گوشے میں پنپنتی اس کی محبت تھی جو سارنگ

کے قدم جکڑے ہوئے تھی۔ ایک ملامتی نظر

اس پر ڈالتا وہ اس کے کمرے سے نکل گیا جبکہ

اس کے جاتے ہی علیشہ نے دروازہ لاک کر دیا۔

اس کی آنکھوں سے نیند مکمل طور پر غائب ہو

چکی تھی۔ اسے یاد آیا کہ نیند میں اسے سارنگ

کے چہرے میں شمس کا عکس دِکھا تھا۔ ایسا

کیوں۔۔؟؟ سوچتے ہوئے اس نے آنکھیں بند

کرلیں۔ شمس کو سوچتے ہوئے دل میں کہیں کوئی

نرم سی کونپل پھوٹ رہی تھی جسے محسوس کرنے

سے فی الوقت وہ نابلد تھی۔ وہ کافی دیر اپنی

نظروں کے اس دھوکے پر حیران رہی پھر جب

دماغ تھک گیا تو ایک بار پھر نیند کی آغوش میں

چلی گئی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"حکم سائیں۔۔!" اس کے مقابل آکر ٹھہرتا وہ با

ادب انداز میں بولا تھا۔ اُس پر نظر ڈالے بغیر وہ

سگریٹ کا دھواں فضا میں خارج کرتا وسیع

آسمان پر ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی

دیر سے ایک فائل سٹڈی کر رہا تھا جیسے ہی اسے

فراغت ملی اس نے جنید خان کو طلب کر لیا تھا۔

"خان میں فجر سے پہلے شہر (کراچی) کے لیے

نکل جاؤں گا۔ سو کل سارنگ چوہان جب

ڈیرے پر آئے تو اس سے مباحثہ تم کرو

گے۔۔!" ریلنگ پر ایک ہاتھ جمائے وہ نیچے لان

میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"جیسا آپ کہیں سائیں۔۔ تاوان کیا

ہو گا۔۔؟؟" جنید خان نے دھیمے لہجے میں

استفسار کیا۔

"وہ لڑکی۔۔ تاوان میں اُس لڑکی کو ایک رات

کے لیے مانگ لینا۔۔!" کہتے ہوئے اس کے لہجے

میں بلا کی سرد مہری تھی جبکہ اس کے اس حکم پر

جنید خان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ بھلا وہ کب

اس قسم کی سزائیں منتخب کرتا تھا۔۔؟؟؟ اور پھر

یہ فرسودہ قوانین تو سردار شمعون لغاری عرصہ

ہوا ختم کر چکے تھے۔۔تو اب۔۔؟؟ کیا وہ اس

لڑکی کے لیے اپنے باپ کے خلاف جانے والا

تھا۔۔؟؟؟ سوچتے ہوئے جنید خان کے چہرے پر

سایہ سا لہرا گیا۔ بلاشبہ اسے سوال کرنے کی

اجازت نہیں تھی لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے

مصداق اس نے اپنے جڑے لب کھولے تھے۔

"سائیں۔۔۔ آ۔۔۔ آپ جانتے تو ہیں، بڑے

سائیں ناراض ہو جائیں گے۔۔!" اس کی خفگی کے

خوف سے وہ کچھ جھجھکتے ہوئے بولا تو اس کے

سوال پر بدر نے اس دوران پہلی مرتبہ اُس پر

ایک نگاہ ڈالی۔۔ سرد۔۔ سفاکی میں لپٹی سیاہ

نظر۔۔ جنید لب بھینچتے ہوئے اپنی نگاہیں جھکا

گیا۔

"کیا میں نے تمہیں اضافی معلومات دینے کے

کیے معمور کیا ہے خان۔۔؟؟" بھنوؤں کو مغرور

سی جنبش دیتا وہ اپنے مخصوص سرد ترین لہجے میں

پوچھ رہا تھا۔ جنید خان شرمندگی سے پانی پانی ہو

گیا۔ اس کے چوبیس گھنٹوں پر راج کرنے والا وہ

شخص اس کے مقابل کھڑا اسے اس کی اوقات

یاد دلا رہا تھا۔ہاں اسے بدر لغاری کے تقاضا کیے

جانے پر ہی زبان کھولنے کی اجازت حاصل

تھی۔

"غلطی معاف سائیں لیکن۔۔!" وہ جیسے اس کی

محبت میں مجبور سا تھا۔ سردار شمعون اور اس کے

درمیان کوئی چپقلش نہیں چاہتا تھا۔

"اس سے آگے ایک لفظ مت بولنا

خان۔۔ تمہیں علم ہونا چاہیئے کہ جو میں کہتا

ہوں، اور جو کرتا ہوں۔۔وہ تمہاری سوچ اور

تمہارے مشورے سے کئی گنا اوپر ہے۔اس لیے

آئندہ جب تک معلومات مانگی نہ جائیں انھیں

اپنی زبان پر مت لانا۔" تحمل بھرے انداز میں

اسے سمجھاتا وہ پل بھر کو رکا۔جنید خان کو علم تھا

کہ سردار بدر لغاری اگر اس پر اپنے الفاظ کا ضیاع

کر رہا ہے تو یہ عنایتِ خاص فقط اُسی کے لیے

ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بدر لغاری

ٹوکنے کی زحمت ہی نہ کرتا۔

"میں نے آج لفظ 'آئندہ' استعمال کر کے تمہیں

ایک آخری موقع دے دیا ہے مجھے امید ہے کہ

تم وہ آئندہ کبھی آنے نہیں دو گے جو مجھے تمہاری

زبان، حلق سے کھینچ لینے کا موقع دے۔۔۔

ہمم۔۔۔؟؟" وہ بڑے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں

اسے باور کروا رہا تھا۔ جنید خان نے فوراً اثبات

میں سر ہلایا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔۔!" دوسری سگریٹ کو لائٹر

کا شعلہ دکھاتے ہوئے اس نے کہا تو وہ سر جھکاتا

وہاں سے پلٹ گیا۔ بدر کی سیاہ آنکھوں میں

دھواں سا پھیل رہا تھا۔رات کی تاریکی بڑھتی

جارہی تھی جس کی ہولناکی سے بے پرواہ وہ اپنے

کمرے سے ملحق ٹیرس پر کھڑا اپنا خون جلارہا

تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

مہرماہ کے انکار نے اس کے اندر سلگتی آگ مزید

بھڑکا دی تھی۔ وہ پچھلے تین گھنٹوں میں کمرے

کا دروازہ بند کیے جانے کتنی ہی سگریٹس پھونک

چکا تھا۔ اگر وہ اس وقت اپنے فلیٹ میں ہوتا تو

یقیناً کمرے کا حشر نشر کر چکا ہوتا لیکن اس پل وہ

اپنا غصہ ان بے جان اشیاء پر نکال کر صندل بیگم

کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ ایک وہ ہی تھیں

جو سارے معاملے سے انجان تھیں۔ سوچ سوچ

کر وہ پاگل ہو رہا تھا کہ وہ کس طرح اس لڑکی کو

بے بس کرے۔ آخر ویڈیو لیک کرنے کا فیصلہ

کرتے ہوئے اس نے اپنا موبائل بیڈ سے اُٹھایا

اور اُس روز کی ویڈیو دیکھنے لگا جس دن پہلی مرتبہ

وہ اس کے سامنے بے بس ہوئی تھی۔ ویڈیو پلے

کیے وہ سرد آنکھوں سے مہرماہ کا چیخنا اور صارم،

عبداللہ اور عمیر کی کاروائیاں دیکھ رہا تھا۔ وہ روتی

بے حال ہوتی اپنے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کر رہی

تھی لیکن اس کی جانب بڑھتے ہاتھ تعداد میں

زیادہ تھے جن کا مقابلہ کرنے میں وہ ناکام ہو رہی

تھی۔ وہ جس نے اپنے جذبہ انتقام کی تسکین کے

لیے وہ ویڈیو پلے کی تھی، پر سکون ہونے کی

بجائے مزید بے چین ہونے لگا۔

مہرماہ کا رویا ہوا گلابی چہرہ۔۔ سیاہ آنکھوں کی

دلکشی۔۔

وجود کی نازکی۔۔۔اس لڑکی کا پور پور اسے اپنی

جانب کھینچ رہا تھا۔اسے ایک بار پھر عبداللہ اور

صارم پر غصہ آنے لگا جو مہرماہ کے زیادہ نزدیک

تھے۔موبائل میں چلتی ویڈیو کوئی ویڈیو نہیں

تھی، کوئی عفریت تھا جیسے جو اسے بے بس کیے

دے رہا تھا۔ اسے اپنا فیصلہ بے حد کھوکھلا لگا۔

چاہنے کے باوجود بھی وہ اُس ویڈیو کو سوشل میڈیا

پر اپلوڈ نہیں کر پا رہا تھا۔ اگر وہ لڑکی اس جیسے

اکھڑ شخص کو اپنی جانب متوجہ کر رہی تھی

تو۔۔۔؟؟؟؟ ویڈیو دیکھنے والی جانے کتنی

آنکھوں کو اپنی جانب راغب کرتی۔۔۔؟؟؟ یہ

سوچ اتنی ہی تلخ تھی کہ اس نے ہاتھ میں پکڑا

موبائل بیڈ پر پھینک دیا۔ اپنے درد کرتے دماغ کو

ہاتھوں میں تھام کر وہ وہیں بیڈ پر گر سا گیا۔ ویڈیو

ہنوز چل رہی تھی۔

فون کے سپیکر سے نکلتی مہرماہ کی روئی روئی مدھم

آواز۔۔

صارم اور عبداللہ کے قہقہے۔۔

اس کے وجود میں پہلی بار کوئی اذیت اس شدت

سے پھیل رہی تھی کہ اسے اپنی رگیں ٹوٹتی

محسوس ہو رہی تھیں۔ اپنے بالوں میں انگلیاں

پھنساتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

آنکھیں درد کی شدت سے سرخ ہو رہی تھیں۔

اس کی سماعتیں ہنوز فون سے ابھرتی آوازیں سن

رہی تھیں۔ تکلیف بڑھ رہی تھی۔ درد چیخنے لگا

تھا، اذیت آشکار ہونے لگی۔ وحشت زدہ سا ہوتا

وہ سیدھا ہوا اور موبائل اٹھا کر سامنے دیوار میں

دے مارا۔

"چپ۔۔۔ بالکل چپ۔۔۔!" شہادت کی انگلی

اٹھا کر خاموش ہو چکے موبائل کو گھورتا وہ

وارننگ دینے والے انداز میں چلایا۔ اس کی

گہری سرمئی آنکھیں اس پل خون چھلکا رہی

تھیں۔ اسے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس جادوگر

لڑکی نے اس کا دماغ بالکل ماؤف کر دیا ہے۔

"چھوڑوں گا نہیں میں تمہیں۔۔ جس طرح تم

نے مجھے اذیت دی ہے بالکل اسی طرح ایک

ایک پل کا حساب لوں گا تم سے۔۔۔!" زمین پر

پڑے موبائل کی ٹوٹی سکرین کو گھورتا وہ تصور

میں مہرماہ سے مخاطب تھا۔ کچھ دیر یونہی بیٹھے

بیٹھے وہ گہرے سانس لیتا رہا پھر اٹھا اور واش روم

میں جا گھسا۔ وہ کافی دیر منہ پر ٹھنڈے پانی کے

چھپاکے مارتا رہا پھر باہر نکل کر اس نے اپنے بال

بنائے۔ سلکی بالوں کو پونی کی قید سے آزاد

کندھوں پر کھلا چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکل

آیا۔ اندرونی راستے سے باہر نکلنے کی بجائے اس

نے دوسری منزل سے ملحق ٹیرس کا راستہ منتخب

کیا تھا۔ ٹیرس سے نیچے لان کی طرف آتی سرمئی

پتھر کی سیڑھیوں پر مضبوط قدم جماتا وہ لان میں

چلا آیا۔ دوپہر ڈھلنے کو تھی۔ قدرے بھلی بھلی

سی شام کی آمد ہو رہی تھی جس کی وسعت میں

درختوں کے پتے دھیمی ہوا کے سنگ سرسرا

رہے تھے۔ صبح کی نسبت موسم فی الوقت کچھ بہتر

تھا۔ اس نے بنا ادھر اُدھر دیکھے پورچ کی طرف

جانے کو سفید روش کا رخ کیا۔ تبھی اس کی نگاہ

برآمدے کی دیوارگیر کھڑکی کے پاس کھڑی جیہ

بیگم پر پڑی جو شاید کسی سے بات کررہی تھیں۔

وہ نظرانداز کرتا ان کے پاس سے گزرنے لگا تو

مرحہ کو مزید ہدایات دے کر وہ اس کے پیچھے

لپکیں۔

"کہاں جارہے ہو تم۔۔؟؟"

"شہر جارہا ہوں۔۔!" بنا پلٹے اس نے عام سے

انداز میں جواب دیا۔

"منصب تم نہیں جاؤ گے۔۔!" انہوں نے اسے

آگاہ کیا تھا۔

"کون روکے گا مجھے۔۔؟؟"یونہی چلتے چلتے اس

نے اطمینان سے پوچھا۔

"ڈرائیو گاڑی کی چابی نہیں دے گا تمہیں۔۔!"

سنجیدگی سے کہتے ہوئے جیہ بیگم نے اپنے قدم

روک لیے۔جب کہ ان کی بات پر اس بار اس

کے قدم بھی تھم گئے تھے۔وہ لب بھینچتا ان کی

جانب پلٹا۔قدم قدم چلتا وہ ان کے بالکل سامنے

آ کھڑا ہوا۔

"آپ کو لگتا ہے میں اُس سے چابی لے نہیں

سکتا۔۔؟؟" وہ قدرے بیزاری سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے پتہ ہے تم لے سکتے ہو لیکن بات تمہارے

بابا سرکار تک جائے گی مون۔۔وہ پہلے ہی تم سے

ناراض ہیں۔۔مزید برہم ہو گئے تو۔۔۔!" تحمل

سے کہتے ہوئے انہوں نے بات ادھوری چھوڑی

تو منصب نے ان کی بات اچک لی۔

"تو کیا۔۔؟؟تو کیا اماں۔۔بابا کیوں کر رہے ہیں

ایسا۔۔وہ کیوں میری لائف میں انٹرفیئر کر رہے

ہیں۔۔؟؟میں جو کرنا چاہتا ہوں مجھے سیدھے

طریقے سے کر لینے دیں ورنہ پھر کچھ الٹا کروں گا

تو ان کی عزت پر حرف آجائے گا۔۔!" اپنا غصہ

ضبط کرتا وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

"تم جو چاہتے ہو سیدھے طریقے سے کروا لیا لٹے

طریقے سے دونوں صورتوں میں ہی تم پر اور

تمہارے بابا کی عزت پر۔۔ حرف آئے گا

منصب۔۔ دنیا میں بھی اور، آخرت میں

بھی۔۔!" وہ اسے بہت کچھ جتانا چاہتی تھیں لیکن

وہ سمجھ کب رہا تھا۔

"میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گا۔ یہ سن لیں

آپ۔۔۔!" جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنساتا وہ

بے لچک انداز میں بولا تو جیہ بیگم نے تاسف سے

نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں چھوڑ سکتے تو پھر اس، سے نکاح

کرلو۔۔۔!" انہوں نے اسی کے انداز میں جواب

دیا تو منصب ایک پل کو خاموش رہ گیا۔

"جب نکاح کے بغیر بھی وہ مجھ تک آسکتی ہے تو

مجھے گلے میں طوق پہننے کا کوئی شوق نہیں

ہے۔۔!" منصب نے سر جھٹکتے ہوئے کچھ الجھن

آمیز انداز میں کہا تو وہ مسکرائیں۔

"یہ تمہاری بھول ہے کہ تم نکاح کے بغیر اس

لڑکی تک رسائی حاصل کر لوگے۔جو تم چاہتے

اور،اور جیسے چاہ رہے ہو وہ ناممکن ہے

منصب۔۔!"جیہ بیگم نے اسے حقیقت کا آئینہ

دکھایا۔

"آج تک میری زندگی میں ایسا کوئی ناممکن نہیں

آیا جسے میں نے ممکن نہ بنایا ہو اماں۔۔!" وہ اپنے

اندر اٹھتی جنگ سے نبرد آزما ہوتا مضبوط لہجے

میں بولا۔ جیہ بیگم نے نرم نگاہوں سے اس کا چہرہ

دیکھا جس پر سبھی آنکھوں میں بلا کا غرور تھا۔

"تو پھر جان لو کہ اس لڑکی کی وجہ سے بہت جلد

تم پر وہ وقت آنے والا ہے جب تم ناممکنات کی

اذیت سے گزرو گے۔۔!" اس کی آنکھوں میں

پوشیدہ جذبات کی دہکتی آگ کی لپک محسوس

کرتی وہ دور اندیشی سے گویا ہوئیں تو منصب

خاموش نظروں سے انھیں دیکھتا رہ گیا۔

"کرنا چاہو تو کوشش کر لو۔ لیکن یہی کہوں گی کہ

ایسی کوشش کر کے کبھی خود کو ہلکان نہ کرنا

لاڈلے جس کی ناکامی کا تمہیں یقین ہو۔۔!" نرمی

سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کا کندھا تھپکا۔ وہ

لب بھینچے کچھ پل وہیں کھڑا رہا پھر ہاتھوں کی

مٹھیاں بھینچتا جس راستے سے آیا تھا اسی سے

واپس پلٹ گیا۔ جیہ بیگم نے سکون کی سانس لی۔

ان کا بگڑا ہوا شہزادہ اتنا بھی کم عقل نہیں تھا کہ

ملازمین کے سامنے اپنے باپ کے حکم سے

انحراف کرتا۔یقیناً وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈرائیور کو

چابی نہ دینے کی ہدایت سید وقار عالم شاہ کی جانب

سے ہی ملی ہے۔

□♦□♦□♦□♦□♦

رات کے کھانے کے لیے سجے اس لمبے دستر

خوان پر اللہ کی نعمتیں قطار میں رکھی ہوئی

تھیں۔۔، جس کے گرد بیٹھے افراد ذوالفقار عالم

شاہ کی موجودگی میں نگاہیں جھکائے کھانا کھانے

میں مصروف تھے۔ سعیدہ بی بی کے حواس کھو

دینے کے بعد جب سے سید وقار عالم شاہ نے

چھوٹی حویلی کے انتظامات سنبھالے تھے، تبھی

سے زوالفقار عالم شاہ نے مردان خانے اور زنان

خانے کی تفریق ختم کر دی تھی۔ پہلی بیوی ہونے

کی حیثیت سے ناجیہ بیگم، وقار عالم شاہ کے پہلو

میں براجمان تھیں جبکہ سامنے ہی ان کے تینوں

صاحبزادے بیٹھے ہوئے تھے۔ سبحانی تو وقتاً

فوقتاً کوئی نہ کوئی چٹکلہ چھوڑ رہا تھا جس پر عالم

جوابی کاروائی کر رہا تھا۔ البتہ منصب کا سپاٹ چہرہ

یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ مارے باندھے

وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ صندل بیگم معمول کے

مطابق بالی اور مرحہ کے ساتھ وہیں قریب ہی

کھڑی ضرورت پڑنے پر افراد کو لوازمات پیش

کررہی تھیں۔ چاولوں کا پہلا چمچہ منہ میں بھرتے

ہوئے اس کی نظر مرحہ پر پڑی تو عالم جو پہلے ہی

آج دن کا واقعہ نہیں بھولا تھا ایک بار پھر سے نئی

اذیت میں گھر گیا۔

"یہ کس قسم کا شاندار پلاؤ ہے مما۔۔۔؟؟" چمچ

پلیٹ میں قدرے پٹخنے والے انداز میں رکھتا وہ

ناگواری سے بولا تو ذوالفقار عالم شاہ نے کھانے

سے ہاتھ روک کر اس کی جانب دیکھا جس کی

مسکان اور آنکھوں میں چمکتی اطاعت اُسے ان

کے تینوں پوتوں میں منفرد بناتی تھی۔ صندل

بیگم قدرے بوکھلا گئیں کیونکہ پلاؤ آج انھوں

نے ہی بنایا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے برخوردار۔۔ تم نے ہاتھ کیوں

روک لیا۔۔؟؟" صندل سے پہلے ذوالفقار عالم

شاہ نے نرمی سے پوچھا۔ وقار شاہ اور سبحانی بڑی

رغبت سے وہ ہی پلاؤ کھا رہے تھے۔

"داداسرکار دیکھیں ناں کوئی ٹیسٹ ہی نہیں

ہے۔نمک کم اور مرچیں تیز۔۔ حلق تک

کڑوا ہو گیا۔۔۔!" بے زار سی شکل بنا کر بولتا وہ

پانی پینے لگا۔ سبحانی نے گردن موڑ کر کچھ حیرت

سے اس کی جانب دیکھا جو اس وقت اداکاری کے

ریکارڈ توڑنے کے درپے تھا۔

"میں نے زیادہ نہیں ڈالی۔۔ آ۔۔ آپ بھی تو کھا

رہے ہیں سائیں۔۔ کیا مرچیں تیز ہیں۔۔؟؟"

صندل بیگم نے فوراً اپنی صفائی دینے کو وقار عالم

شاہ کو درمیان میں گھسیٹا۔ انہوں نے جواباً یونہی

سر نفی میں ہلا دیا۔

"جب میں کہہ رہا ہوں تیز ہیں تو بابا سرکار سے کیا

پوچھنا مما۔۔ اور یہ پتہ نہیں کس قسم کی مرچیں

آپ یُوز کرتی ہے، سمیل آتی ہے مجھے۔۔ سارا

ٹیسٹ خراب ہو جاتا ہے۔۔!" وہ شدید برہم نظر

آ رہا تھا۔ اس کی بات پر صندل بیگم نے نظریں

جھکائے کھڑی مرحہ کو گھورا۔

"یہ اس کالی نے ٹھیک سے کُوٹی نہیں ہوں گی۔

ورنہ سالوں سے یہی مرچیں استعمال ہوتی آ رہی

ہیں۔۔!" وہ اسے کچا چبا جانے والی نظروں سے

گھورتی تڑخ کر بولیں تو اتفاقاً ہی پلاؤ کا پہلا نوالہ

منہ میں ڈالتے منصب کو بھی کھانسی کا دورہ سا پڑا

تھا۔ صندل بیگم کا تو مارے خفت کے برا حال ہو

گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مرحہ کی طرف بڑھتیں

عالم پھر سے بول پڑا۔

"ہاں تو آپ کون سی صدی میں جی رہی

ہیں۔۔؟؟ اتنا لمبا رائتہ پھیلایا ہی کیوں ہیں شہر

سے پسی ہوئی ہی منگوالیا کریں۔ مجھے یہ گھر میں

پسی مرچوں کا ٹیسٹ بالکل نہیں پسند میں صاف

بتا رہا ہوں۔ خوامخواہ ملازماؤں کا بھی ٹائم ویسٹ

کرواتی ہیں اسی ٹائم میں دوسرے بہت سے کام

نپٹ جاتے ہیں۔۔۔!" وہ خالصتاً گھریلو عورتوں

والے انداز میں بولا تو اس کی اس بھرپور اداکاری

پر پانی پیتے سجانی کو اچھو کا لگ گیا۔

"بچے تو آج پانی سے ہی پیٹ بھر لیں گے تم یہ

چاول یہاں سے اٹھا ہی لو بہو۔۔!" سجانی کی

حالت نے جیسے آخری کیل ٹھونک دے تھی۔

سو ذوالفقار عالم شاہ کو بولنا پڑا۔ بالی نامی ملازمہ

نے فوراً سے پہلے چاولوں والی ڈش اٹھالی۔

"میں بتارہا ہوں یہ گھریلو خدمات کی ملاوٹ اب

چھوڑ دیں پلیز۔۔ شہر سے منگوایا کریں یہ کوٹنے

والے لوازمات۔۔ آج کل ہر چیز ریڈی میڈ

اویل ایبل ہے۔۔!" دستر خوان سے اٹھتا وہ

سنجیدگی سے بولا۔

"میرا خیال ہے مہربان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ جتنا

وقت ان کاموں میں ضائع ہوتا ہے اتنے میں ہی

دوسرے بہت سے کام پورے کیے جا سکتے

ہیں۔۔!" ناجیہ بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

ذوالفقار عالم شاہ کے بعد انھیں حویلی کے

دوسرے اہم فرد کی سی حیثیت حاصل تھی۔ کچن

سے لے کر پوری حویلی کی دیکھ بھال، انتظامات

صندل بیگم کے ذمے تھے۔ ناجیہ بیگم خود بھی

کچھ محنت کش کاموں سے ملازمین کی چھٹی چاہتی

تھیں سو آج انھیں بھی موقع مل گیا تھا۔ مرحہ

نے قدرے جھجھکتے ہوئے ڈائننگ ہال سے باہر

نکلتے مہربان کی چوڑی پشت کو دیکھا۔ وہ شخص

کیسے بنا اسکا نام لیے اس کی مشکلات میں سے ایک

کم کر گیا تھا۔

"وہاں کیا دیکھ رہی ہے چل دستر خوان

سمیٹ۔۔۔!"اس کے سر پر آ کھڑی ہوتی

صندل بیگم غرائیں تو اپنی چوری پکڑے جانے پر

وہ لرز اٹھی۔ فوراً اثبات میں سر ہلاتی جھکی تھی۔

"تم میرے ساتھ آؤ منصب۔۔!" وہاں سے نکلتے

ذوالفقار عالم شاہ نے منصب کو مخاطب کیا تو وہ سر

جھکائے ان کے پیچھے ہی چل دیا۔

□♦□♦□♦□♦

"میں چاہتا ہوں وہ ہمارے بچے ہوں جن کی ہنسی

میری توجہ آپ سے ہٹا دے۔۔۔!" فدا حسین

کی گھمبیر آواز اس کی سماعتوں میں اترتی اسکا دل

دھڑکا گئی تھی۔ اپنے بال لپیٹتی حدیبہ نے پلٹ کر

دیکھا وہ کہیں نہیں تھا لیکن اس کے سرد ہاتھوں کا

لمس اسے ہنوز اپنی کلائیوں پر محسوس ہو رہا تھا۔

گہرا سانس لیتی وہ اپنے بال لپیٹنے لگی۔

"یہ بتانا زرا مشکل ہو گا کہ مجھے آپ کے نقوش

میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے۔۔!" اس کا نرم

گرم ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھتا وہ ہارے ہوئے

انداز میں بولا تھا۔اس کی یاد پر بے چین سی ہو کر

وہ برش ڈریسنگ ٹیبل پر پٹختی سرعت سے دیوار

گیر کھڑکی کی جانب آئی تھی۔بھاری پردے

سر کاتے ہوئے اس نے گہری ہوتی رات میں

آسمان پر چمکتے چاند کی جانب دیکھا۔

"آپ کیوں ایسی باتیں کر کے مجھے تنگ کر رہے

ہیں۔۔؟؟" حدیبہ کو اپنا ہی شکوہ یاد آیا تھا۔

"آپ شاید پہلی عورت ہیں جو شوہر کے اظہار

محبت سے تنگ ہو رہی ہیں۔۔۔!" بستر پر لیٹا وہ

آنکھوں میں گلابیت سموئے نرم لہجے میں کہتا

اسے چھیڑ رہا تھا۔

"اظہار محبت پر خوش ہونے کے لیے شوہر کا من

پسند ہونا بھی ضروری ہے شاید۔۔!" جانے کیسے

اس کے لبوں سے یہ تلخ الفاظ پھسل گئے تھے

جنہیں سنتے ہی فدا کی آنکھوں میں جلتی جوت بجھ

سی گئی تھی۔لبوں پر چمکتی مسکان ماند پڑ گئی فدا کا

زخمی چہرہ اس کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ وہ اپنی

سفا کی یاد کرتی ضبط کرنے کو پردہ مٹھیوں میں

دبوچتی کھڑکی کے دروازے سے ٹیک لگا گئی۔

دروازے کے پار چھوٹا سا ٹیرس تاریکی میں ڈوبا

شاید اپنے مکین کو یاد کر رہا تھا۔ حدیبہ نے تھک

کر آنکھیں موندلیں۔

"کیا جیتے جی میں کبھی آپ کا من پسند نہیں ہو

سکوں گا بی بی۔۔؟؟"

"میں نے آپ سے مرنے کا تقاضا تو نہیں

کیا۔۔!" حدیبہ کی آواز میں کھوکھلا پن تھا۔

"حالانکہ آپ کا ہر دوسرا لفظ مجھے موت کی

اذیت سے آشنا کر دیتا ہے۔۔!" فدا کی بھاری

آواز میں دکھ تھا۔

"تو آپ کیوں سہہ رہے ہیں یہ اذیت۔۔ چلیں

جائیں واپس۔۔ جتنا مجھ سے دور رہیں گے اتنا ہی

پرسکون بھی رہیں گے۔۔!" تلخی سے کہتی وہ اس

کے قریب سے اٹھ کھڑی ہوئی تو فدا کے ہاتھوں

میں موجود اس کی کلائیاں بھی آزاد ہو گئیں۔

حدیبہ نے نچلا لب دانتوں میں دباتے ہوئے اپنی

آنکھیں کھول لیں۔ اس کی بھیگی آنکھوں سے دو

آنسو ٹوٹ کر گال پر لڑھک آئے۔ اس کے کہنے

کی دیر تھی وہ پھر مزید کچھ بول نہیں پایا تھا۔ اگلے

دن زخم تازہ ہونے کے باوجود وہ سب کی فکر کو

خاطر میں لائے بغیر تعلیم کے حرج کا بہانہ بناتا

شہر چلا گیا تھا۔ وہ جا رہا تھا اور اس بار اُس میں فدا

کو خدا حافظ کہنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ لیکن وہ

ٹھہرا اسد اکا ڈھیٹ۔۔ لیکن نہیں۔۔ وہ شاید

ڈھیٹ نہیں تھا۔ کسی نتیجے پر پہنچتی حدیبہ کو لگا

آس پاس آکسیجن کی کمی ہو رہی ہے۔ چپل وہیں

اتارتی وہ ننگے پاؤں ٹیرس پر چلنے لگی۔

وہ ڈھیٹ نہیں، باظرف تھا۔ اس کا دل حدیبہ شاہ

کے لیے بے حد وسیع تھا۔ وہ جاتے جاتے اسے

زبردستی اپنے ساتھ حویلی کے اندرونی دروازے

تک لے کر گیا تھا۔

"بھولیے گا مت کہ آپ کی یاد ہر پل میرے

ساتھ رہے گی۔۔!" وہ آنکھوں میں نرمی لیے

اسے یاد دہانی کروا رہا تھا۔ اسے یاد کرتی وہ سیاہ

آسمان کو گھورتی جا رہی تھی۔ آنکھیں مسلسل بہہ

رہی تھیں۔ حدیبہ کو کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اسے

ایک پل نہیں بھولا ہو گا۔ لیکن اب مسئلہ یہ تھا

کہ وہ شخص اسے پل پل یاد آ رہا تھا۔ وہ اسے یاد

آنے لگا تھا اور اسی وجہ سے وہ اپنے آپ سے الجھ

رہی تھی۔ ذوالفقار عالم شاہ سے ہر ویک اینڈ پر

حویلی آنے کا وعدہ کر کے وہ حدیبہ سے کیا وعدہ

نبھا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بابا سرکار اس پر شدید

برہم ہیں کیونکہ پہلی دفعہ بھی وہ پندرہ دن میں

واپس آیا تھا اور اب تو اسے کراچی گئے مہینہ

ہونے کو آیا تھا۔اس دوران باباسرکار کے حکم پر

ولید شاہ دومرتبہ اس سے مل آیا تھا لیکن اس کے

پاس کوئی نہ کوئی بہانہ تیار تھا۔وہ شاید حدیبہ کے

ساتھ خود کو بھی اذیت سے بچانا چاہتا تھا۔جانے

وہ حدیبہ سے خفا تھا یا اپنے آپ سے نالاں۔۔

لیکن فی الحال اس کی واپسی کے کوئی آثار نظر

نہیں آرہے تھے۔ ریلنگ پر ہاتھ جماتے ہوئے

حدیبہ نے نیچے لان میں جھانکا۔ ہر جانب سناٹے

کارج تھا۔ پیلی روشنیوں میں سبز گھاس مدھم

مدھم سے لگ رہی تھی۔ آج نیند اس کی

آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں۔۔؟؟ کہیں چوٹ تو نہیں

لگی۔۔؟؟" اس کے بھیگے گال صاف کرتا وہ نرم

لہجے میں استفسار کرتا اسے پھر سے چونکنے پر

مجبور کر گیا۔ حدیبہ نے ہراساں سی ہو کر اپنے

آس پاس دیکھا لیکن وہ نہیں تھا۔ وہ ان سوچوں

سے تھکنے لگی۔

"مجھے تو صرف آپ حسین لگتی ہیں۔۔!" فدا

حسین کی آواز ہی یاد بن کر بول رہی تھی۔ حدیبہ

نے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے قدموں کو واپس موڑ

لیا۔

مجھے تنہائی کے دُکھ نے

بہت حیران رکھا ہے !

حقیقت اِس طرح سے ہے

حقیقت اُس طرح سے ہے

میں کوئی بات بھی سوچوں

میں اپنی ذات کو کھوجوں

سمجھ میں کچھ نہیں آتا !

نظر بھی کچھ نہیں آتا !

اُداسی ہی اُداسی ہے !!!

خیالوں میں

سوالوں میں

کسی کے رُوٹھ جانے میں

کسی کے مان جانے میں

کسی کے چھوڑ جانے میں

کسی کے لوٹ آنے میں

اُداسی ہی اُداسی ہے !!!

□♦□♦□♦□♦□♦

مزارعوں کا ماہانہ حساب کتاب کرنے کے بعد وہ

اب پانی کے چھڑکاؤ کے لیے معمور مزارعوں

کے سر پر کھڑا لہلہاتی فصلوں کو ہاتھ لگاتا ان کی

تازگی محسوس کر رہا تھا۔ موسم گرما سست روی

سے رخصت ہو رہا تھا۔ فصلوں کی کٹائی میں ابھی

کچھ وقت باقی تھا۔ گزرے دنوں کی نسبت آج

اس کے اندر کا موسم کچھ معتدل تھا وگرنہ زہرہ

کے آنسوؤں اور مسلسل انکار نے اسے سخت

پریشان کر رکھا تھا۔ وہ اسے قبول کرنے کو تو اب

بھی تیار نہیں تھی لیکن اب اس کا احتجاج دھیما

پڑنے لگا تھا اور ولید شاہ کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔

سیاہ آسمان پر چمکتا چاند اپنی پوری خوبصورتی پر

مسرور نظر آرہا تھا۔

وہ کافی دیر یونہی اطراف میں چکر لگاتا رہا پھر

ڈیرے کے کچے صحن میں بچھی بڑی سی چارپائی پر

جا بیٹھا۔ اسے وہاں بیٹھے کچھ سیکنڈز ہی گزرے

تھے کہ اسے اپنے بالکل پیچھے بنے کمرے میں

سے دھیمی سرگوشیوں کی آواز سی محسوس

ہوئی۔وہ زرا بھر چونکا۔یوں لگا تھا جیسے کسی نے

فدا کا نام لیا ہو۔اسے سوچنے کے لیے چند پل لگے

تھے، پھر وہ اُٹھا اور بنا آہٹ کیے کمرے کی طرف

بڑھا۔

"طوفان تو تب آئے گا جب بات بابا جی سرکار

تک جائے گی۔ عمر سائیں چپ کر کے نہیں

بیٹھیں گے۔۔!" وہ تعداد میں شاید دو سے زیادہ

تھے ایک وقت میں تینوں ہی بول رہے تھے۔

"اوئے چپ کر اوئے۔۔تجھے پتہ نہیں ہے کیا عمر

سائیں کی فطرت میں ویسے بھی عیاشی ہے۔

ضرور انھوں نے بی بی کے ساتھ کوئی گندی

حرکت کی ہو گی تبھی تو ہمارے سرکار نے مارا

اسے۔۔ورنہ چھوٹے سرکار تو چیونٹی کو بھی

تکلیف نہیں دیتے۔۔!" اُن میں سے ایک شاید

فدا کا دفاع کر رہا تھا۔

"ہاں تو جب عورت اپنا آپ ظاہر کرے گی تو

کون کافر پیچھے ہٹے گا۔ ضرور عمر سائیں نے چھوٹی

بی بی میں کچھ دل لبھانے والا۔۔۔!" وہ مزید بول

رہا تھا جب ولید کا ضبط ختم ہوا اور لکڑی کا دروازہ

دھاڑ کی آواز سے کھولتا وہ اندر داخل ہو

گیا۔ اسے دیکھتے ہی بولنے والے کی زبان کو

بریک لگی تھی۔ ولید نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے

سے اس کا گریبان پکڑا اور بنا رکے اس کے منہ پر

الٹے ہاتھ کے دو تھپڑ رسید کیے تھے۔ وہ ہاتھ

جوڑتا زمین پر گر گیا جبکہ باقی دو بھی ہاتھ جوڑے

لبوں پر معافی کا نغمہ سجائے ملتجی نظر آرہے

تھے۔"کیا بکواس کر رہے تھے۔۔؟؟ کس نے

دل لبھایا۔۔؟؟" اس کی کمر میں ٹھڈا مارتے

ہوئے وہ چیخا۔

"سرکار بخش دیں سرکار۔۔معافی دے دیں میں

تو پہلے ہی اسے سمجھا رہا تھا۔۔!" ہاتھ جوڑے

کھڑے دو آدمیوں میں سے ایک گڑگڑایا تھا۔

"حرام خور ہو تم لوگ۔۔جن کے ٹکڑوں پر پلتے

ہو انھی پر تھوکتے ہو۔۔!" ایک اور تھڑا پڑا تھا۔

زمین پر گرا وہ شخص کراہنے لگا۔

"سرکار غلطی ہوئی۔۔گناہ ہو گیا۔ معافی دے

دیں، آئندہ میری زبان کٹ جائے جو پاک بی بی

کا ذکر بھی زباں پر لاؤں تو۔۔!!" زود کوب ہوتا

شخص اس کے پیر پکڑتے ہوئے منمنایا تو ولید شاہ

نے شدید غصے میں اسے پرے دھکیلا۔

"اسے یہاں باندھ دو۔ اور جب تک میں واپس

نہ آؤں تم دونوں بھی یہاں سے مت ہلنا ورنہ

تینوں کی کھال ادھیڑ دوں گا۔۔!" قہربار نگاہوں

سے ان تینوں پر نظر ڈالتا وہ بولا تو وہ نظریں جھکا

گئے۔ کمرے سے باہر آکر اس نے سرعت سے

فدا کو کال ملائی تھی۔ اسے پرواہ نہیں تھی کہ

رات کا کون سا پہر اپنے پر پھیلا رہا ہے اسے بس

فدا حسین سے بات کرتی تھی۔ پہلی ہی بیل پر

کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"اس دن جب میں نے زہرہ کو کلینک سے پِک کیا

تھا تو تمہارے اور عمر زیدی کے بیچ کیا ہوا تھا

فدا۔۔؟؟ کیا حدیبہ آپا بھی اس سب میں انوالو

ہیں۔۔۔؟؟" اس کے ہیلو کہتے ہی ولید نے بنا

رکے کرخت آواز میں استفسار کیا تھا۔ فداجو

پہلے ہی حدیبہ کی یاد میں جلتا نیند سے محروم تھا

اس کے سوال پر لیٹے سے اٹھ بیٹھا۔

"کیا ہوا ہے۔۔؟؟" فدا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تم سے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو مجھے۔۔کیا

ہوا تھا اس روز۔۔؟؟؟"وہ سختی سے موبائل

پکڑے چبا چبا کر بولا تھا۔کچھ سوچتے ہوئے فدا

نے ایک گہرا سانس لیا پھر اسے ساری بات بتاتا

چلا گیا۔سن کر ولید کی کنپٹی سلگنے لگی۔

"اور تم نے اس بے غیرت کو زندہ چھوڑ

دیا۔؟؟" ولید کا لہجہ آگ برساتا ہوا تھا۔

"میں نے اس کی ہڈیاں توڑ دی تھیں۔ جان سے

مارنا چاہتا تھا لیکن حیبہ نے روک لیا۔!" فدا نے

اس بار اسے تفصیل سے حدیبہ کی مشکل سے بھی

آگاہ کیا تھا۔ ولید آنکھیں میچتا گہرا سانس لینے پر

مجبور ہو گیا۔

"اب تم کب آرہے ہو۔؟؟ مہینہ ہونے کو ہے

بابا سرکار بھی ناراض ہو رہے ہیں۔۔!" ولید نے

تحمل بھرے انداز میں پوچھا۔

"آجاؤں گا جب برداشت ختم ہو گئی تو۔۔!!" فدا

کی آواز میں تھکاوٹ سی اتر آئی تھی۔

"آجاؤ اس سے پہلے کہ بابا سرکار کی برداشت ختم

ہو جائے۔۔!" ولید نے باور کروانے والے

انداز میں کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"اچھا آجاؤں گا۔ تم اس بارے میں تایا سرکار کو

مت بتانا۔۔!" فدا نے اسے تنبیہ کرنا ضروری

سمجھا تھا۔

"ظاہر سی بات ہے اب اُن سے چھپاؤں گا ہی

لیکن اس عمر کو نہیں بخشوں گا میں۔۔!" عمر کا

ذکر کرتے ہوئے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ فدا

سے مزید ایک دو باتیں کر کے وہ واپس اسی

کمرے میں آ گیا۔ ان تینوں کو اچھی طرح سیدھا

کر کے وہ ان سے حلف لے چکا تھا کہ وہ اس

واقعے کا ذکر کسی سے نہیں کریں گے کیونکہ عمر

زیدی کو زخمی حالت میں اس کے گھر تک

پہنچانے والے وہ تینوں ہی تھے۔ پو پھوٹنے میں

کچھ ہی دیر باقی تھی جب وہ حویلی کے لیے نکل

آیا۔

حویلی تک پہنچتے پہنچتے فجر کی اذانیں بلند ہونے لگی

تھیں۔ ولید کا وجود اس پل نرم بستر کا سکون چاہتا

تھا، تھکاوٹ سے چور ہوتے بدن کو مضبوط رکھے

وہ بڑے ضبط سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ حویلی

پہنچ کر اس نے حقیقتاً شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے

اپنے قدم عمارت کی جانب بڑھائے تھے۔ یہ

زہرہ کی یاد کا کمال تھا یا محبت کا اعجاز۔۔ وہ اسے

کچن سے پیچھے ہی ڈیوڑھی میں مل گئی تھی۔ اسے

اس وقت وہاں ٹہلتے دیکھ وہ چونک گیا۔

"زہرہ۔۔؟؟ کیا ہوا ہے۔۔؟؟ تم اس وقت

یہاں کیا کر رہی ہو۔۔؟؟" اس کے قریب جاتا

وہ آہستگی سے بولا تو اسے یک دم اپنے سامنے پا کر

وہ پیچھے ہٹتی دیوار سے جا لگی۔ پلکیں جھپکاتے

ہوئے ولید نے اسکا اترا ہوا چہرہ دیکھا۔

"میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔مجھے آپ سے

کہنا یاد نہیں رہا لیکن سرکار۔۔وہ۔۔وہ دوائی ختم

ہو گئی ہے۔۔!"ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے

ہوئے وہ بے حد مدھم آواز میں بولی تو ولید نے

بغور اس کا چہرہ دیکھا۔بھنورا آنکھوں میں سرخ

ڈورے تیر رہے تھے۔ چہرے کی رنگت میں

زردی گھنڈی ہوئی تھی۔ ولید کا دل پل میں بے

چین ہوا تھا۔

"میں نے تمہاری میڈیسن لے لی تھی لیکن مجھے

تمہیں دینا یاد نہیں رہی۔ گاڑی میں ہے میں لے

کر آتا ہوں۔۔!" نرم لہجے میں اسے جواب دے

کر وہ پلٹا۔

" ابھی رہنے دیں دن میں لا دیجئیے گا آپ آرام

کر لیں۔۔!" اس کے سامنے آتی وہ اس کا خیال

کرتی بولی تھی۔ ولید نے ایک نگاہ خاص اس کی

آنکھوں پر ڈالی جن کا ہر رنگ اس کے دل پر

نقش تھا۔

"فکر کر رہی ہو میری۔۔؟؟" زرا سا جھکتے ہوئے

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تو زہرہ کچھ پل

یونہی خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر

ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔ اسکے جواب پر

ولید کے لب ہولے سے مسکرا دیے۔

"تو پھر مجھے بھی کر لینے دو۔۔!" سنجیدگی سے

کہتے ہوئے ولید نے اس کا گال تھپتھپایا۔ اس کے

اندازِ تفکر پر زہرہ کے دل نے کروٹ لی تھی۔

سانسوں کی رفتار میں بے ترتیبی سے ابھر آئی۔

وہ کچھ نہ بول سکی تو ولید جس راستے سے آیا تھا

اسی سے پلٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کے لیے

میڈیسن لے آیا تھا۔ کمروں میں مصنوعی اجالے

روشن ہونے لگے تھے۔ جو کہ حویلی کے نفوس

کی نماز فجر کی ادائیگی کی علامت تھے۔وہ اسے

اپنے ساتھ کچن میں لے آیا۔

"میں کھالوں گی سرکار آپ جائیں۔۔!" اسے

فریج کھنگالتے دیکھ وہ جلدی سے بولی۔وہ ان سنی

کرتا مصروف رہا۔چند سیکنڈز بعد اس نے فریج

سے کچھ پھل نکال لیے تھے۔

"چھری دو مجھے۔۔!"سلیب کے پاس چیئر گھسیٹتے

ہوئے اس نے عجلت میں کہا۔

"میں بنا دیتی ہوں، آپ چلے جائیں۔۔!" کسی

کے آجانے کے خوف سے وہ گھبراہٹ زدہ آواز

میں بولی۔

"جو کہا ہے وہ کرو نا یار۔۔!" باؤل اپنے سامنے

رکھتا وہ سنجیدگی سے بولا تو زہرہ نے چاروناچار

اسے چھری لا دی۔ وہ بڑی نفاست اور پھرتی سے

آڑو، سیب اور کیلوں کے چھوٹے چھوٹے قتلے

باؤل میں کاٹنے لگا۔ اگلے پانچ منٹوں میں اس

نے انار کے چند دانے بھی انھی میں شامل کر

دیے۔ وہ منہ کھولے کچھ حیران سی اس کی

ساری کاروائی دیکھ رہی تھی کیونکہ یہ آئٹم کم از

کم اس کے لیے تو بالکل نئی تھی۔ آخر میں اس

نے دہی اور فریج سے خالص کریم نکال کر اس

میں ضرورت سے کم، مکس کر دی تھی۔ بادام اور

مجبوراس نے اس کی حالت کے پیش نظر استعمال

نہیں کیے تھے۔

"سرکار یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔۔؟؟" بار بار

کچن کے دروازے کی طرف دیکھتی وہ سرگوشی

نما انداز میں بولی۔

"ساری رات کی جاگی ہوئی ہوناں تم۔۔؟؟"

باؤل ہاتھ میں لے کر چیئر سے اٹھتا وہ سنجید گی

سے پوچھ رہا تھا۔ جبکہ اس کے سوال پر وہ حیران

ہوئی تھی کہ اس کے آس پاس غیر موجود رہ کر

بھی وہ کیسے اس کے رت جگے کی بابت جان گیا

تھا۔

"کھانا بھی نہیں کھایا ہو گا۔۔؟؟" اس کے بالکل

سامنے رکتا وہ پھر سے بولا۔ زہرہ کی حیرت دیدنی

تھی۔

"یہ پکڑو اور اسے خالی کرو جلدی۔۔!" فروٹ

چاٹ سے بھرا باؤل اس کے ہاتھ میں تھماتے

ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا تو زہرہ نے اپنی

آنکھیں پوری سے زیادہ کھول لیں۔

"یہ میں نے کبھی نہیں کھائی سرکار۔۔!" وہ

گھگھیائی۔

"ہاں لیکن ابھی تم یہی کھاؤ گی۔۔!" وہ ایک ایک

لفظ پر زور دیتا بول رہا تھا۔

"میرا دل پہلے ہی بوجھل سا ہے۔۔!" ایک اور

جواز۔۔

"بھوکی رہو گی تو میرا ابھی ہو جائے گا۔ جلدی

کھاؤ شاباش۔۔!" وہ اس بار اسے ڈانٹنے والے

انداز میں بولا تھا۔ زہرہ کا دل کیا وہاں سے بھاگ

جائے۔

"کوئی آجائے گا سرکار۔۔!"

"یونہی کھڑے کھڑے تم بس بولتی ہی رہیں تو

واقعی کوئی آجائے گا۔ جلدی کرو اب

شاباش۔۔!" وہ اسے فوری جواب دے رہا تھا۔

زہرہ کو مانتے ہی بنی۔

"میں باہر ہی کھڑا ہوں۔ دھیان رکھتا ہوں کہ

کوئی نا آئے تم جلدی کھاؤ اس کو۔۔!" اسے نرمی

سے سمجھا کر وہ کچن سے باہر نکل گیا۔ ایک دو چمچ

کھانے کے بعد ہی زہرہ کو ان پھلوں کا ذائقہ اچھا

لگنے لگا۔ اس نے واقعی گزشتہ رات کچھ نہیں

کھایا تھا۔ بھوک کا اثر تھا یا فروٹ چاٹ کی

لذت۔۔ وہ پانچ سات منٹوں میں باؤل خالی کر

چکی تھی۔ وہ اندر آیا تو وہ کسی روبوٹ کی طرح

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

باؤل پکڑے اپنی جگہ کھڑی تھی۔ ولید کو ہنسی تو

بہت آئی لیکن وہ دبا گیا۔

"یہ مجھے دو اور تم چھوٹی حویلی جاؤ۔ وہاں جو روم

فدا اور میں یوز کرتے ہیں وہاں سو جاؤ۔ جب دس

گیارہ بجے تمہاری آنکھ کھلے اور کوئی پوچھے تو کہہ

دینا میں نے تمہیں وہ روم صاف کرنے کا کہا

تھا۔۔!" اس کے ہاتھ سے باؤل لیتا وہ اسے آگے

کا لائحہ عمل بتا رہا تھا جو شاید اس نے باہر کھڑے

ہو کر ہی بنایا تھا۔ اس کی ان عنایتوں پر جی جان

سے لرزتی وہ متوحش نظر آ رہی تھی۔ آنکھیں تو

پہلے ہی رات بھر جاگنے کے باعث دکھ سی رہی

تھیں۔ جبکہ وہ باؤل دھو کر واپس سٹینڈ میں رکھ

چکا تھا۔

"تم سے میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔؟؟" اسے وہیں

کھڑے دیکھ ولید نے کچھ برہمی سے پوچھا۔

"کسی نے دیکھ لیا تو۔۔؟؟" وہ سخت پریشان نظر

آرہی تھی۔ ولید نے لب بھینچتے ہوئے تاسف

زدہ انداز میں سر ہلایا۔

"تمہیں ہر وقت یہی فکر لگی رہتی ہے۔ حد ہے،

دیکھ بھی لیا تو کوئی کھا نہیں جائے گا تمہیں۔ چلو

جاؤ ورنہ مجھے چھوڑ کر آنا پڑے گا۔۔!" اسے بازو

سے پکڑ کر کچن کے دروازے تک لاتے ہوئے وہ

سنجیدگی سے بولا تھا۔

"اچھا دوائی والا لفافہ تو لے لینے دیں۔۔!" وہ بازو

چھڑواتی کچھ خفگی سے گویا ہوئی۔اس نے آج

ہتھیار ڈال رکھے تھے اور اس کا یہی انداز ولید کو

بار بار مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ سلیب سے

دوائی کا لفافہ اٹھا کر بنا اس کی طرف دیکھے کچن

سے نکل گئی۔ وہ اسے بڑی حویلی کے دروازے

تک چھوڑ کر آیا تھا۔ پھر جب تک لان کر اس

کر کے وہ چھوٹی حویلی میں داخل نہیں ہو گئی وہ

وہیں کھڑا رہا۔ جاتے جاتے زہرہ نے پلٹ کر

اسے دیکھا تھا جو طلوع ہوتے سورج کی ملگجی

روشنی میں سفید آسمان کی مانند خوشنما لگ رہا تھا۔

جانے کیوں پہلی مرتبہ زہرہ کا دل اس شخص کی

محبت پر اس انداز میں دھڑکا تھا۔ جبکہ اسکے چلے

جانے کے بعد وہ بھی اپنے کمرے میں آگیا۔ بستر

پر لیٹتے ہی نیند نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا

تھا۔ یہی مہربانی نیند نے زہرہ پر بھی کی تھی۔

چھوٹی حویلی میں فدا اور ولید کے لیے مختص

کمرے کے بیڈ پر لیٹتے ہی اسے نیند کی دیوی نے

اپنی خوابناک وادیوں میں گھسیٹ لیا تھا۔ دونوں

حویلیوں کے مکین ولید شاہ کے دل کی بے قراری

سے بے بہرہ عبادات میں مصروف ہو چکے تھے۔

□♦□♦□♦□♦□♦

صبح سے شام ہو چکی تھی، وہ بے زار سی پورے

سارنگ ولا میں بولائی بولائی سی پھر رہی تھی۔

عجب اداسی تھی جو وجود میں پنجے گاڑے اسے

بے کل کر رہی تھی۔ شہیر اس کے آگے پیچھے

گھومتا اس کا دل بہلانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن

ناکام۔۔

اسے شہر کراچی کی رونقیں۔۔ ہوسٹل کی

عیاشیاں۔۔

اپنی فرینڈز کی چھیڑ خانیاں۔۔

یونیورسٹی کی مستیاں۔۔

اور۔۔۔اور۔۔شاید۔۔

ہاں شاید اسے شمس یاد آرہا تھا۔

اسے تنگ کرنا۔۔

اس کا چڑنا۔۔

سنہری آنکھوں کا تاثر۔ اسے ان دو دنوں کی

چھٹیوں میں وہ شخص یاد آرہا تھا۔ وہ دوپہر سے

سارنگ کی راہ دیکھ رہی تھی کہ وہ آئے اور اسے

شہر چھوڑ آئے۔ کل سے پھر یونیورسٹی سٹارٹ

تھی۔ لیکن سارنگ کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔ شام بھی

ڈھلتی رات کو خوش آمدید کہنے لگی تو وہ اپنی

برداشت کھوتی اپنے بابا سائیں کے پاس جا پہنچی۔

"کہاں رہ گیا ہے سارنگ۔۔؟؟ ٹائم دیکھیں

بابا۔۔ کل میری کلاس ہے اور میں ابھی تک

یہیں پھنسی ہوئی ہوں۔۔!" وہ شدید ناراضی سے

قدرے بلند آواز میں بولی تھی۔

"تمہاری بے وقوفی کا نتیجہ بھگتنے ہی گیا ہوا ہے۔

آجائے گا تو لے جاتا ہے تمہیں خود کو پریشان

مت کرو۔۔!" سگار سلگاتے ہوئے انہوں نے

بے نیازی سے کہا۔

"رات ہو جائے گی تو نہیں لے کر جائے گا وہ

آپ کو پتہ تو ہے۔ آپ ڈرائیور سے کہہ دیں مجھے

چھوڑ آئے مجھے کل کی کلاس مس نہیں

کرنی۔۔!" وہ کچھ جھجھکتے ہوئے اصل مدعے کی

طرف آگئی۔

"اگر وہ نہیں چھوڑ کر آئے گا تو تمہیں اتنا پتہ ہونا

چاہئیے کہ رات کے وقت میں تمہیں ڈرائیور کے

ساتھ نہیں بھیج سکتا۔ اور جو کارنامہ تم کر چکی ہو

اس کے بعد تو بالکل نہیں۔۔!" ٹیک چھوڑ کر

سیدھے ہو کر بیٹھتے وہ کافی درشتگی سے بولے

تھے۔علیشہ لب بھینچتی ان کے قدموں کی جانب

دیکھتی رہ گئی۔

"اب جاؤ اور جا کر آرام کرو۔ ایک چھٹی کر لینے

سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔۔!" وہ اس کی

سارنگ ولا میں قید کی طوالت پر مہر لگا رہے

تھے۔ علیشہ نے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے

خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا پھر ڈرائینگ روم

سے باہر نکل آئی۔ اسے تھوڑے فاصلے پر ہی

شہیر آتا دکھائی دیا۔

"یہ سورج رات میں کیوں چمک رہا ہے۔۔؟"

اسکے غصے سے لال بھبھوکا ہوتے چہرے کو

دیکھتا وہ غیر سنجیدگی سے بولا۔

"تم کب بڑے ہو گے نکمے آدمی۔۔ تمہارے

اس چھوٹے پن کی وجہ سے مجھے اس دیو کی محتاجی

برداشت کرنی پڑتی ہے۔۔!" سترہ سالہ شہیر کی

دبلی پتلی جسامت پر چوٹ کرتی وہ تڑخ کر بولی تو

وہ بے اختیار ہنسا۔وہ سمجھ گیا کہ اس نے لفظ دیو کا

استعمال سارنگ کے لیے کیا ہے۔

"آپ مجھے چھوٹا بھی کہہ رہی ہیں اور آدمی

بھی۔۔اب دیکھ لیں آپ آدمی کے

ساتھ، "کب بڑے ہونے" کا ٹیگ لگا کر میرے

چھوٹے پن کی توہین کر رہی ہیں۔۔!" وہ اس کی

گھوریوں کو نظر انداز کرتا ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم سے تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔۔!" وہ بدمزہ

ہوتی بڑبڑائی۔ اپنے کمرے کی طرف قدم

موڑتے ہوئے اس کی نظر لاؤنج کے عقبی حصے

سے آتے سارنگ پر پڑی جس کے ساتھ دو اسلحہ

بردار افراد تھے۔علیشہ چونک گئی۔اس کے

دائیں ہاتھ پر پلاسٹر اور پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی

تھی۔علیشہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے بغور اس کی

جانب دیکھا وہ سارنگ ہی تھا۔ شہیر بے تابانہ

اس کی جانب بھاگا۔

"بھائی یہ کیسے ہوا۔؟؟ کس نے کیا ہے۔۔؟؟"

اس کی غیر سنجیدگی پل میں ہوا ہوئی تھی۔ اب

چہرے پر سارنگ کے لیے فکر اور آنکھوں میں

اس کی یہ حالت کرنے والے کے لیے غصہ تھا۔

شہیر کی بلند آواز سن کر عبدالغفور چوہان بھی

ڈرائینگ روم سے باہر نکل آئے تھے۔ سارنگ

کی حالت پر فوراً اس کی جانب لپکے جو آنکھوں

میں خون لیے علیشہ کو گھور رہا تھا۔

"میں پوچھ رہا ہوں کس نے کیا ہے یہ۔۔؟؟

بتاتے کیوں نہیں ہو سارنگ۔۔!" اسے خاموش

پا کر عبد الغفور چوہان چلائے تھے۔علیشہ بھی

لب بھینچتے ہوئے اس کی جانب بڑھی لیکن

سارنگ کے لبوں سے نکلتے الفاظ نے اس کے

قدم جکڑ لیے۔

"سردار بدر لغاری نے۔۔!" ایک ایک لفظ چبا

چبا کر کہتا وہ ان سب کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر گیا

تھا۔ عبدالغفور چوہان نے بھی کچھ برہمی سے

علیشہ کی جانب دیکھا جو پہلے کل خود زخمی ہو آئی

تھی اور آج اسی کی وجہ سے سارنگ کا یہ حشر ہو

گیا تھا۔ وہ منہ سے مغلظات کا طوفان بکتے اسے

سہارا دیے اپنے ساتھ لیے ڈرائینگ روم کی

طرف بڑھ گئے جبکہ علیشہ کو بھی ان کے پیچھے ہی

جانا پڑا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ سارنگ کی یہ

حالت اس کے لیے کوئی اچھا پیش خیمہ نہیں

ہے۔

◆◆◆◆◆

"تم نے آنے میں دیر کر دی سارنگ چوہان۔۔

سردار شہر کے لیے نکل چکے ہیں۔۔!" اپنے

مقابل کھڑے سارنگ کو دیکھتے ہوئے جنید خان

نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے میں وقت پر آیا ہوں لیکن خیر۔۔

اُن کو کوئی کام ہو گا اسی لیے میں ان کی غیر

موجودگی کو سمجھتا ہوں۔۔!" سردار بدر لغاری کی

غیر موجودگی پر دل ہی دل میں شکر بجالاتے

ہوئے سارنگ نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا تو

جنید خان معنی خیزی سے مسکرایا۔

"ہاں لیکن تاوان کے لیے وہ مجھے ہدایت کر گئے

ہیں۔۔۔!" آرام دہ صوفے سے اٹھتے ہوئے جنید

خان نے اطمینان سے کہا۔ سارنگ ہاتھ پشت پر

باندھے اس ہال نما کمرے کے دروازے کے

قریب ہی کھڑا تھا۔

"تو بتاؤ پھر۔۔ کیا چاہتے ہیں سردار۔۔؟؟" ایک

قدم آگے بڑھاتے ہوئے سارنگ نے پوچھا۔

جنید دھیمی چال چلتا ہوا اس کے بالکل سامنے

آ کھڑا ہوا۔ اس کے لبوں پر استہزاء آمیز

مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمکتا تمسخر بتا رہا تھا کہ

اس کے پاس سارنگ کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں

ہے۔

"تمہاری سوچ کیا کہتی ہے۔؟؟ تم کیا چاہتے

ہو۔؟" جانتے بوجھتے بھی جنید نے حظ اٹھانے کو

پوچھا۔

"اگر سردار کہیں تو میں دس ایکڑ زمین دینے کو

تیار ہوں۔!" سارنگ نے بھرپور اعتماد سے

کہا۔ انداز میں رعونت تھی۔ اسکی پیش کش پر

جنید دھیرے سے ہنسا۔

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ ہمارے سردار، تمہاری

دس مربعہ جائیداد میں سے پانچ دس ایکڑ زمین

لے کر تم پر ظلم کریں گے ہمم۔۔؟؟" وہ جیسے

اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ سارنگ کے چہرے پر سختی

سی چھانے لگی۔ اس کی پشت پر کھڑے اسکے

ساتھ آئے اسلحہ بردار آدمی نگاہیں جھکائیں ان

دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔

"سردار نے تمہارے لیے بے حد آسانی والا

معاملہ کر دیا ہے۔۔!" کہتے ہوئے وہ زرا سا جھکا۔

سارنگ لب بھینچے ہمہ تن گوش تھا۔

"وہ تاوان میں ایک رات کے لیے علیشہ چوہان کو

چاہتے ہیں۔۔!" مزید جھکتا وہ اس کے کان میں

بولا تھا۔ اس تقاضے پر سارنگ کا فشار خون پل

میں بڑھا تھا۔ جنید خان سیدھا ہوا تو اپنے ہاتھوں

کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے سارنگ نے اسے

گھورا۔ جنید نے مسکراتے ہوئے بھنویں

اچکائیں۔ اس کی مسکراہٹ نے جیسے جلتی پر تیل

کا کام کیا تھا۔ سارنگ نے جواباً سختی سے بھینچی

مٹھی کا مکا بنا کر اس کے منہ پر دے مارا۔

"یہ میرا جواب ہے۔۔!" جنید کی ناک سے نکلتا

خون دیکھ کر سارنگ ایک ایک لفظ چبا چبا کر

بولا۔ جبکہ اس صورت حال پر جنید خان کے

آدمی جو چوکنا ہو چکے تھے، انہوں نے جنید کو

سارنگ پر پلٹتا دیکھ اس کے آدمیوں کو گھیر لیا۔

اگلے ہی پل جنید اور سارنگ گتھم گتھا ہو چکے

تھے، سارنگ جتنا بھی مضبوط سہی لیکن جنید خان

نے بچپن سے لے کر اپنی جوانی اکھاڑے میں

گزاری تھی، وہ ماہر کھلاڑی تھا دو منٹوں میں اس

نے سارنگ کو چت کر دیا۔ معاً سارنگ کو مارتے

ہوئے اسے بدر لغاری کے الفاظ یاد آئے تھے۔

"تمہیں علم ہونا چاہئیے کہ جو میں کہتا ہوں، اور

کرتا ہوں۔۔ وہ تمہاری سوچ اور تمہارے

مشورے سے کئی گنا اوپر ہے۔۔!"یقیناً اس نے

ٹھیک کہا تھا۔ وہ شخص سامنے والے کی سوچ سے

دس قدم آگے کی سوچ رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ

سارنگ چوہان، علیشہ کو مانگنے پر مشتعل ہو جائے

گا۔ بدر لغاری کو علیشہ نہیں چاہئیے تھی۔ بدر

لغاری کی چاہت سارنگ کی ہڈی پسلی ایک کرنا

تھی۔ اور اس نے ایسی چال چلی تھی کہ سارنگ

نے خود وہ کام کر لیا تھا کہ۔۔ "آ بیل مجھے مار" اور

اس پل جنید خان بے نتھے بیل کی طرح اسے مار

ہی تو رہا تھا۔اس کا سیدھا ہاتھ توڑ کر جنید منہ

صاف کرتا سیدھا ہو گیا۔

"آئندہ سردار کی قوت سے ٹکرانے کی کوشش

مت کرنا ورنہ آج ایک ہاتھ توڑا ہے آئندہ

تمہارے جسم کی ہڈی ہڈی توڑ دوں گا۔۔۔!"

شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتا جنید خان

چلایا تھا۔ سارنگ کے آدمیوں سے اسلحہ چھین کر

ان کے ہاتھ باندھ دیے گئے تھے۔ جسم میں اٹھتا

درد برداشت کرتے ہوئے وہ بامشکل سیدھا ہوا۔

"یہ تم نے بہت برا کیا ہے خان۔۔میں جرگہ

بلواؤں گا۔۔!" سارنگ کراہتی ہوئی آواز میں

غرایا۔

"اگر ایسا سوچا بھی تو اگلے جرگے میں ہم تمہارے

قصاص میں چند مربعے زمین دے کر تمہارے

چاچے کا منہ بند کر دیں گے سارنگ چوہان۔۔!"

وہ کھلم کھلا اسے قتل کر دینے کی دھمکی دے رہا

تھا۔سارنگ کا دماغ مزید خراب ہونے لگا۔

"تمہیں یہ دھمکی مہنگی پڑے گی۔۔!" وہ اٹھ کر

کھڑا ہوتا چلایا۔

"فی الوقت تو تمہیں مجھ پر ہاتھ اٹھانا مہنگا پڑ چکا

ہے سو یہاں سے اپنی شکل گم کرو اور جا کر ڈاکٹر

سے اپنا علاج کرواؤ۔!" حقارت آمیز انداز میں

کہتے ہوئے وہ واپس صوفے پر جا بیٹھا۔ اس کا

ایک آدمی ڈیرے سے باہر سارنگ کے انتظار

میں کھڑے باقی آدمیوں میں سے ایک کو بلا لایا

تھا۔ جس نے صورتحال پر اپنی بوکھلاہٹ پر قابو

پاتے ہوئے سارنگ کو سہارا دیا۔

"دیکھ لوں گا میں تمہیں۔۔!" سارنگ نے اسے

گھورا۔

"دیکھنے آؤ تو ایک مربعہ زمین کے کاغذات ساتھ

لے کر آنا۔ کیونکہ اول تو تم نے تاوان سے انکار

کر کے سرادر کی تذلیل کی ہے اور دوم سردار

کے ایلچی پر ہاتھ اٹھایا ہے۔۔!" وہ اسے جی بھر کر

ذلیل کر رہا تھا۔ سارنگ بری طرح بل کھاتا اپنے

آدمیوں کے ساتھ نکل گیا۔ جنید خان نے

پرسکون نظروں سے اسے وہاں سے جاتے

دیکھا۔ اس کے جاتے ہی جنید کے لبوں سے چپکی

مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ آنکھوں میں وہی

نرم تاثر پھیل گیا جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

"یہ کیسا رویہ تھا جنید خان۔۔؟؟" اس کے

آدمیوں میں سے ایک خاص نے تعجب بھرے

انداز میں سوال کیا تھا۔

"سردار کا حکم تھا اللہ دتہ۔۔!" وہ تھکے ہوئے لہجے

میں بولا۔ اس کے جواب پر وہ شخص کچھ بول نہ

پایا۔ بس آگے بڑھا اور اس کی ڈریسنگ کرنے

لگا۔ تھوڑی دیر میں بدر کی کال آئی تو اسنے ریسیو

کرتے ہی عادتاً اسے سلام کیا تھا۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں آئی تمہیں۔۔؟؟" سلام

کا جواب دیے بغیر وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ تو

یعنی اسے معلوم تھا کہ تاوان مانگنے کے بدلے

اسے سارنگ سے مار پڑنے والی ہے۔۔؟؟ جنید کا

شک یقین میں بدل چکا تھا کہ بدر کا علیشہ کو تاوان

میں مانگنے کا مقصد فقط سارنگ کی دھلائی کروانا

ہی تھا۔ اور وہ کامیابی سے اپنے مقصد میں

کامیاب ہو چکا تھا۔ بدلے میں جنید کو معمولی سے

زخم ہی تو آئے تھے جو کم از کم جنید کی نظر میں تو

وقعت نہیں رکھتے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ

سردار بدر لغاری بڑی بے نیازی سے اسے اگلے

دو دن کے لیے اسے حیدر آباد بھیج رہا تھا جہاں

جنید کا خاندان مقیم تھا۔ کام معمولی سا تھا لیکن بدر

نے اسی کو سونپا تھا۔ وہ حقیقتاً اسے کام نہیں آرام

دے رہا تھا لیکن جنید اس کے بے تاثر لہجے کے

باعث اس کی اپنے لیے پرواہ کو سمجھ نہیں پایا تھا۔

یہ بھی سردار بدر لغاری کی ہی خاصیت تھی کہ وہ

خود سے جڑے نفوس کی پرواہ بھی برف میں لپٹے

نوکدار بھالے سے کیا کرتا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

چہار سُو پھیلی سیاہی کی اداسی سے بے بہرہ وہ ان

کے سنگ قدم سے قدم ملا کر چلتا ان کے بولنے کا

منتظر تھا جو پشت پر ہاتھ باندھے اپنا سر اٹھائے

آسمان پر نظر دوڑاتے اس کی موجودگی سے یوں

انجان تھے جیسے انھوں نے اسے اپنے ساتھ

آنے کا کہا ہی نہ ہو۔

"کوئی ناراضگی ہے۔۔؟؟" منصب نے خود ہی

جڑے لب کھول کر انھیں اپنی جانب متوجہ کیا

تھا۔وہ لمحہ بھر کو چونک گئے پھر نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ میں تم سے کبھی ناراض ہو

سکتا ہوں۔۔!" ایک نظر اس پر ڈالتے وہ اپنے

مخصوص سنجیدہ لب و لہجے میں بولے تو وہ

مسکرایا۔ چلتے چلتے وہ دونوں لکڑی کی جھونپڑی نما

شیڈ تلے آ گئے جہاں سفید چیئرز کے درمیان میز

پر کچھ لوازمات پہلے سے موجود تھے۔

"تو پھر۔۔؟؟ کچھ کہیے تو سہی۔۔!" وہ دوستانہ

انداز میں بولا۔

"بولنے کو تو بہت کچھ ہے لیکن یہ میرے آرام کا

وقت ہے سو صرف وہی کہوں گا جو کہنے کے لیے

تمہیں بلایا ہے۔۔!" اپنی سفید داڑھی میں ہاتھ

پھیرتے ہوئے انھوں نے آہستگی سے کہا۔ لکڑی

کی چھت میں نصب لاتعداد بلبوں کی دودھیا

روشنی میں ان کا سرخ و سفید چہرہ بے تاثر نظر

آرہا تھا۔ منصب نے سوالیہ نظروں سے ان کی

جانب دیکھا۔

"تم نے چار ماہ پہلے مجھ سے لندن جانے کی بات

کی تھی۔۔ ایم-بی-اے کرنا چاہتے تھے

تم۔۔؟؟" وہ مکمل طور پر اس کی طرف مڑتے

ہوئے کہہ رہے تھے۔ منصب کے لب نادانستگی

میں سمٹ گئے۔

"اور آپ نے منع کر دیا تھا۔۔!" اپنے شک کی

نفی کرتا وہ انھیں یاد دلانے کو بولا۔

"ہاں لیکن تمہارے باپ نے تمہارا ایڈمیشن کروا

دیا ہے، سیٹ مل چکی ہے تمہیں اور یہ۔۔

ٹکٹس۔ اس ویک اینڈ فلائٹ ہے تمہاری۔۔ تم

لندن جا رہے ہو۔۔!" وہیں قریب ہی جھک کر

میز پر سے ایک سفید لفافہ اٹھا کر اس کی طرف

بڑھاتے وہ اس کے چودہ طبق روشن کر گئے تھے

۔منصب کے لیے ہاتھ بڑھا کر وہ لفافہ تھامنا

محال ہو گیا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس پر

اپنے باپ کی ساری پلاننگ آشکار ہو گئی تھی۔وہ

حیران سا کھڑا ایک ٹک کبھی انھیں تو کبھی ان کے

ہاتھ میں موجود لفافے کو دیکھ رہا تھا۔کہاں لا کر

مارا تھا اس کے باپ نے اسے۔۔؟؟وہ خود اس

کے مقابل نہیں آئے تھے۔انھوں نے ذوالفقار

عالم شاہ کو ہتھیار بنایا تھا۔

"پکڑو بھی۔۔خوشی نہیں ہوئی تمہیں۔۔؟؟" وہ

حیران ہوتے نرمی سے بولے تھے۔کیسا کھیل

کھیلا گیا تھا اس کے ساتھ۔۔؟؟اس کے پر کاٹ

کر وہ اسے اڑان بھرنے کی ترغیب دے رہے

تھے۔ منصب نے بامشکل اثبات میں سر ہلایا اور

لب بھینچتے ہوئے وہ ٹکٹس ان کے ہاتھ سے لے

لیں۔

"تھینک یو دادا۔۔ تھینک یو ویری مچ۔۔!" جانے

کیسے اس کے لبوں سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے

وگرنہ اندر تو بھانبھڑ جلنے لگے تھے۔

ذوالفقار عالم شاہ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے

لگالیا۔ جانے کیوں منصب کا دل چاہا وہ زور زور

سے چلائے۔ مہر ماہ حسین اسے اپنی دسترس سے

نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"تمہارے روشن مستقبل کے لیے یہ کٹھن فیصلہ

کر رہا ہوں لاڈلے۔۔ مجھے یقین ہے تم کامیاب

ہو کر ہمارا سر فخر سے بلند کر دو گے۔۔!" اس کی

پیٹھ تھپکتے وہ فخریہ انداز میں کہہ رہے تھے۔ ان

کے لہجے سے ہی منصب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ

انھیں مہرماہ والے معاملے سے بے خبر رکھا گیا

ہے لیکن ان کا اسے خود سے دور کر دینے پر

رضامند ہو جانا اتنا بھی آسان نہیں تھا۔ یقیناً جیہ

بیگم ہی اچھے سے بتا سکتی تھیں کہ اس کے دادا

کن شرائط پر اسے دور دیس بھیجنے پر رضامند ہو

گئے ہیں۔ انھیں تسلی دیتا وہ ان سے الگ ہوتا

بڑی مشکلوں سے مسکرایا۔ پھر انھیں لیے وہ ان

کے کمرے تک لایا تھا۔ شب بخیر کہتا وہ ان کے

کمرے کی دہلیز سے ہی پلٹ گیا۔ چہرے کے

تاثرات بدل چکے تھے۔ اس کا رخ اب جیہ بیگم

کے کمرے کی جانب تھا۔

□♦□♦□♦□♦

قدموں کو مضبوطی سے فرش کی چکنی سطح پر جماتا

وہ اپنے ہی دھیان میں چل رہا تھا جب صندل

بیگم کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس

کے قدم تھم گئے تھے۔اس کی سماعتیں پل بھر

میں چوکنا ہوئی تھیں۔

"نہیں تو کیا میں خود اس کالی کے پیروں پر جا کر

مرہم رکھ کے آؤں۔۔؟؟"صندل بیگم کی

سوال میں تلخی سی تھی۔

"چھوٹی منہ بڑی بات لیکن بیگم سرکار میری

پوری بات تو سن لیں آپ۔۔!"کانوں کو ہاتھ لگا

کر دھیمے لہجے میں بولتی وہ ان کی خاص ملازمہ بالی

تھی۔ کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے نظر

آتے منظر میں وہ بیڈ پر بیٹھی صندل بیگم کی

ٹانگیں دبا رہی تھی۔ گو یہ ایک غیر اخلاقی حرکت

تھی لیکن مرحہ کے ذکر پر وہ دیوار کی اوٹ میں

ہوتا ان کی باتیں سننے لگا۔

"نہیں تو کیا۔ اگر اس منحوس ماری کے پیروں

میں چھالے پڑ گئے ہیں تو میں کیا کروں۔ دیا تو تھا

اس کو مرہم۔۔ لگا لے گی تو ٹھیک ہو جائے

گی۔۔!" وہ بے زار سے لہجے میں بولیں۔ عالم کا

دل دکھ سے بھر گیا۔

"آئے ہائے بیگم۔۔ میں دراصل آپ کو یہ بتانا

چاہ رہی ہوں کہ۔۔ جیسے چھالے اس کالی کے

پیروں میں پڑے ہیں بالکل ویسے ہی چھالے

منجھلے سرکار کے پیروں میں بھی پڑے ہوئے

ہیں۔۔!" وہ بڑی رازداری سے انھیں آگاہ کر

رہی تھی جو اس کی دی گئی اطلاع پر ٹیک چھوڑ کر

سیدھی ہو بیٹھیں۔عالم نے بے اختیار گہرا سانس

لیا۔

"پگلا گئی ہے کیا کمبخت۔۔ چھالے پڑیں تیری

زبان پر جو اول فول بکتی رہتی ہے۔۔!!" اس کے

کندھے پر تھپڑ مارتے ہوئے وہ غرائی تھیں۔

"جھوٹ بولوں تو زبان کٹ جائے بیگم سرکار۔۔

میں نے خود اپنی ان گناہگار آنکھوں سے دیکھا

ہے۔۔وہ۔۔ابھی رات کے کھانے پر۔۔ منجھلے

سرکار زمین پر بیٹھے تھے ناں دستر خوان کے

پاس۔۔۔؟؟"وہ جیسے انھیں یاد دلانے کی

کوشش کررہی تھی۔عالم نے ادھر اُدھر دیکھتے

ہوئے اپنی پیشانی مسلی۔

"پہیلیاں مت بجھوا بالی۔۔ سیدھے سیدھے بتا

مجھے کیا دیکھا تُو نے۔۔؟؟" وہ اپنی ٹانگیں سمیٹتی

ناگواری سے گویا ہوئیں۔

"بس جی جب میں نے چاولوں والی پرات اٹھائی

تھی تو سرکار کی ایڑھیوں پر نظر پڑی تھی۔ اتنے

بڑے بڑے چھالے تھے بیگم سرکار۔۔ اللہ

جانے بے چارے کیسے درد برداشت کر رہے

ہوں گے۔۔!" اس کی ہمدردی میں مر مٹنے کی

اداکاری کرتی وہ ملازمہ دکھ بھرے لہجے میں کہہ

رہی تھی۔ صندل بیگم کے چہرے پر سختی سی

پھیلنے لگی۔ آنکھوں میں مرحہ کا روشن چہرہ گھومتا

ان کے طیش میں اضافہ کر رہا تھا۔

"اور پتہ ہے، دوپہری جب وہ مرچیں کوٹ کر

چھت سے واپس آئی تو میں نے دیکھا تھا جی۔۔

اسی وقت منجھلے سرکار باہر سے پسینے میں بھرے

آئے تھے، مجھے کہا کہ ان کے نہانے کا پانی کھول

دوں باتھ روم میں، فیر میں نے ان کو سوٹ بھی

نکال کر دیا۔ بڑے بھولے ہیں سرکار لیکن اس

کالی کے لچھن صحیح نہیں ہیں۔ اب آپ خود دیکھ

لیں بیگم سرکار۔۔!" لفظ بالفظ انھیں ساری بات

بتا کر اب وہ اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ عالم کا

دل بے قرار ہو گیا۔

"ٹھہر تُو زرا۔۔ عالم سے تو میں ابھی پوچھتی

ہوں۔۔!" وہ بیڈ سے اترتی چادر درست کرتی

بولی تھیں۔ ان کی بات پر بالی گڑ بڑا گئی۔

"خطا معاف لیکن بیگم سرکار۔۔۔ منجھلے سرکار

سے کیوں۔۔ آپ اُس کالی سے پوچھیے ناں۔۔

سارا کیا دھرا اسی کا ہے۔۔!" ان کے پیچھے لپکتی

بالی جلدی سے بولی۔۔ عالم دبے قدموں وہاں

سے ہٹ گیا۔ صندل بیگم مزید کچھ بول رہی

تھیں لیکن وہاں سے غائب ہوتا وہ اپنے دماغ کے

گھوڑے دوڑا رہا تھا۔ کرے تو کرے کیا۔ وہ

فرسٹ فلور کو جاتی سیڑھیوں کی اوٹ میں چھپ

گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے صندل کو اُن کے

کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔ انھی کے پیچھے بالی بھی

تھی جس کا مسرور سا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ انھیں

مرحہ کی مشکلات بڑھانے پر آمادہ کر چکی ہے۔ وہ

دونوں لاؤنج سے گزر کر لیونگ روم کی طرف

بڑھ رہی تھیں۔ عالم کا کمرہ تو دوسری جانب تھا،

یقیناً مرحہ کی شامت آنے والی تھی۔ وہ سرعت

سے اُن کے پیچھے لپکا۔ جب تک وہ اُن تک پہنچا وہ

کچن میں جا کر مرحہ کے بال پکڑ چکی تھیں۔

"مما۔۔ آپ یہاں ہیں میں کب سے آپ کو

ڈھونڈ رہا ہوں م۔۔!" تھکاوٹ سے پُر لہجے میں

کہتا وہ بے دھڑک اندر داخل ہوا تو صندل بیگم

نے خجل سی ہو کر مرحہ کے بال چھوڑ دیے جس

کے ہاتھ صابن کے جھاگ سے گیلے تھے۔سنک

میں چند برتن ہی باقی تھے جنہیں شاید وہ دھو رہی

تھی۔عالم نے لب بھینچتے ہوئے ایک نظر اس

کی جھکی پلکوں پر ڈالی جن کی نوک پر آنسو اٹکے

ہوئے تھے۔

"تم سوئے نہیں ابھی تک۔۔؟؟" وہ اس کی

طرف پلٹتی پوچھ رہی تھیں۔عالم نے بڑی

مشکلوں سے مرحہ کے چہرے سے نظر ہٹا کر اُن

کی جانب دیکھا۔ گو ابھی اتنی رات نہیں ہوئی تھی

لیکن حویلی میں عشاء کی اذان کے بعد کمروں میں

مقید ہو جانے کا اصول رائج تھا۔

"نیند آئے گی تو سوؤں گاناں۔۔!" وہ اس بار

سنجیدگی سے بولا۔ مرحہ پلٹ کر پھر سے برتن

دھونے لگی۔

"خیریت ہے؟ طبعیت تو ٹھیک ہے۔۔؟" اسکے

چوڑے شانے پر ہاتھ پھیرتی وہ فکر مند ہو کر بولی

تھیں۔ انداز کھوجتا ہوا تھا۔

"طبعیت ٹھیک ہے پاؤں ٹھیک نہیں ہیں۔ دوپہر

سے ایسے ہی گھوم رہا ہوں مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔

نماز کے دوران بھی جلن ہوتی رہی تو سلام

پھیرتے ہوئے دیکھا، چھالے پڑے ہوئے ہیں

مما۔۔ کوئی آئنمنٹ دے دیں۔۔!" سلیب پر

چڑھ کر بیٹھتا وہ عام سے لہجے میں بولا۔ بالی کی

بات کی تصدیق اس نے خود کر دی تھی ان کا

خون کھول اٹھا۔

"چھالے کیسے پڑ گئے۔۔ ہیں۔۔؟؟" مرحہ کو

گھورتے ہوئے انھوں نے عالم سے پوچھا تھا۔

"یہ اس بالی محترمہ سے پوچھیے ناں۔۔اسے

دوپہر واش روم میں نل کھولنے کے لیے کہہ دیا

تھا۔گرمی جا نہیں رہی اور میڈم نے گیزر والا نل

کھول دیا پتہ نہیں اس کا دماغ کون سی چغلیاں بن

رہا ہوتا ہے۔اتنا تیز گرم پانی اماں۔۔جب تک

میں اندر گیا ٹب کے ساتھ ساتھ فرش بھی پانی

سے بھر چکا تھا۔ دو قدم رکھنے کی خطا ہوئی ہے مجھ

سے۔۔ بتا تو رہا ہوں کہ پہلے پہل تو مجھے محسوس

ہی نہیں ہوا لیکن جب تک نل بند کیا ناں میں

نے۔۔ میرے پیر جل چکے تھے اماں۔۔۔!" وہ

بڑی تفصیل سے انھیں تازہ ترین گھڑا ہوا جھوٹ

بتارہا تھا۔ انداز دنیا جہان کی معصومیت لیے

ہوئے تھا جس پر مرحہ کو تو غش آرہے تھے جبکہ

اس کے لبوں سے ادا ہوتے لفظوں پر بالی کی

رنگت متغیر ہونے گئی۔

"ہیں ری منحوس۔۔۔؟ٹُونے گیزر چلایا

آج۔۔؟؟" بالی کی طرف پلٹتی وہ دہاڑیں۔بالی

گھگھیانے لگی۔

"وہ بب۔۔۔ بیگم سرکار۔۔ صادق پچھلے دالان

کی کھڑکیاں دھو رہا تھا۔دروازوں پر میل کچیل

زیادہ تھا تو اسے گرم پانی چاہئیے تھا۔۔

اس۔۔اسلیے۔۔!" وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ چکی تھی۔

عالم نے اپنی مسکراہٹ دبالی۔اس نے آج غلطی

سے گیزر والا نل کھول لیا تھا جس سے نکلتے آگ

جیسے پانی کے چھینٹے پڑتے ہی اس نے نل بند کر دیا

تھا لیکن اسے معلوم پڑ چکا تھا کہ گیزر آن ہے اور

اب اس نے فوری اس نقطے کو اپنے حق میں

استعمال کر لیا تھا۔

"لل۔۔۔ لیکن بیگم۔۔ نل۔۔ نلکا میں نے نہیں

کھولا۔ میں نے تو سرکار کے لیے ٹھنڈا پانی۔۔!"

وہ چہرے پر مسکینیت طاری کرتی بولی تھی لیکن

صندل کے ایک ہاتھ کے جھانپڑ نے اس کی بولتی

بند کروادی تھی۔

"چپ کر بدبخت۔۔۔ایک تو غلطی کرتی ہے اور

مزید میرے کان بھرتی ہے۔تُو صبح ہو لینے دے

تیرا تو علاج میں کرتی ہوں کل۔۔!" وہ بالی کی

ٹھیک ٹھاک عزت افزائی کر رہی تھیں۔"پہلے

میرا علاج تو کروا دیں مما۔۔!" وہ سلیب سے

اترتا بولا تو اس کے اچانک سامنے آجانے پر وہاں

سے نکلتی مرحہ کو قدم روکنے پڑے۔

"آہ میرا بچہ۔۔جانے کب سے اپنی سادگی میں

درد برداشت کیے جارہا ہے۔ تیرا خانہ ہی خراب

کروں گی میں بالی تُو ٹھہر جا زرا۔۔!" بالی کو کوستی

وہ اس کی طرف پلٹی تھیں۔

"اس کے ساتھ جو مرضی کریں مجھے کوئی آئنمنٹ

دے دیں بس۔۔!" وہ اس پل عاجزی کی عمارت

بنا کھڑا تھا۔

"اے کالی۔۔دوپہر تجھے مرہم دیا تھا

ناں۔۔؟؟"انہوں نے مرحہ کو مخاطب کیا تو اس

نے فوراً سر ہلایا۔

"وہ مرہم لا اور سرکار کے پیروں پر لگا۔ اور سن

پہلے ٹھنڈے پانے سے پیر صاف کر دینا۔۔!" وہ

مرحہ کو ہدایات دے رہی تھیں۔

"میں اپنے روم میں جا رہا ہوں جس کو بھیجنا ہو

وہیں بھیج دیجئے گا۔ آئنمنٹ یہاں لگواؤں گا تو کیا

روم تک مجھے پریاں گود میں اٹھا کر چھوڑ آئیں

گی۔۔؟؟اس لیے وہیں بھیج دیں۔۔!"شان بے

نیازی سے کہتا وہ وہاں سے جانے کو پلٹا۔ مرحہ

نے گھبرا کر صندل بیگم کی طرف دیکھا لیکن وہ

اس پل بالی پر برہم تھیں۔

"اب تُو کیا میرا منہ دیکھ رہی ہے۔۔؟؟ سنائی

نہیں دیا۔۔؟ مرہم اور ٹھنڈا پانی لے اور دفع ہو

یہاں سے۔۔!" اسے وہیں کھڑا دیکھ وہ چلائی

تھیں۔ مرحہ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق سر

اثبات میں ہلاتی فریج سے برف نکالنے لگی۔

"اور تُو اپنی منحوس شکل یہاں سے گم کر لے ورنہ

تو اگرم کروا کے اسی پر کھڑا کر دوں گی تجھے بد

بخت۔۔!" صندل بیگم بالی پر چیخی تھیں۔ زبان

میں چاشنی تو نام کو بھی نہ تھی۔ بالی فوراً وہاں سے

نو دو گیارہ ہو گئی۔ ایک سخت نگاہ مرحہ پر ڈال کر

وہ خود بھی تن فن کرتی وہاں سے نکلتی چلی گئیں

جبکہ اس نئی مصیبت پر مرحہ اپنے آنسو پیتی رہ

گئی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"کیا ہے یہ۔۔۔؟؟" ہاتھ میں پکڑی ٹکٹس بیڈ پر

پھینکتے ہوئے وہ دبی ہوئی آواز میں چلایا۔ تسبیح

پڑھتی جیہ بیگم نے انگلیوں کی جنبش روک کر اس

کی جانب دیکھا۔

"بابا کیا کرنا چاہ رہے ہیں اماں۔۔؟؟" وہ مشتعل

سا پوچھ رہا تھا۔ ناجیہ بیگم نے اپنے بگڑے

صاحبزادے کو ہاتھ سے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ

لب بھینچتا بچوں کی طرح منہ بسورتا ان کے پاس

ہی بیٹھ گیا۔

"کیا تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا چاہ

رہے ہیں۔۔؟؟" اس کی ٹھوڑی نرمی سے

چھوتے ہوئے وہ بولیں تو منصب نے خفگی سے

منہ پھیر لیا۔

"مجھے جلاوطن کر رہے ہیں وہ اماں۔۔ صرف

اس لڑکی سے دور کرنے کی خاطر وہ مجھے سب

سے دور کر رہے ہیں۔ آپ کیسے انھیں ایسا کرنے

دے سکتی ہیں۔۔؟؟" ان کے ہاتھ تھامتا وہ

قدرے نرم لہجے میں ناراض ناراض سا بول رہا

تھا۔

"میری سنی بھی ہے انھوں نے کبھی۔۔؟؟"وہ

ہولے سے مسکراتی پوچھنے لگیں۔

"آپ نے خود ہی کبھی سنانے کی کوشش نہیں کی

ورنہ مجھے سب نظر آتا ہے۔ بابا آپ کی ہر بات

مانتے ہیں۔۔!" وہ انھیں کچھ جتانے والے انداز

میں کہہ رہا تھا۔ اس پل اس کی سرمئی آنکھیں

اس کی اندرونی بے چینی کا پتہ دے رہی تھیں۔

"تمہارا ماسٹرز کمپلیٹ ہے مون۔۔تو اب صرف

ایک سال کی تو بات ہے۔اس ایک سال کے بعد

تمہارا فیوچر سیکیور ہو جائے گا۔سو اب اپنی ساری

بے وقوفیوں کو پس پشت ڈال کر تم آگے کا

سوچو۔۔!"اس کے بال سہلاتے ہوئے نرمی سے

کہتی وہ اسے مہرماہ سے کنارہ کرنے کا کہہ رہی

تھیں۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا اماں۔۔ آپ کیوں نہیں

سمجھ رہیں۔۔؟؟" وہ عجیب ضد پکڑے وہیں اٹکا

ہوا تھا۔

"تم چاہتے کیا ہو منصب۔۔؟؟ پہلے اچھے سے

سوچ لو۔۔ پھر مجھے بتاؤ۔۔!"اس کی آنکھوں میں

ابھرتی سرخی سے نگاہیں چراتی وہ آہستگی سے

بولیں۔

"میں اس لڑکی کو چاہتا ہوں کتنی بار

بتاؤں۔۔؟؟؟" وہ دانت کچکچاتا تڑخ کر بولا۔

"تمہیں لڑکیوں میں کبھی دلچسپی نہیں رہی یہ

کیوں بھول رہے ہو تم۔۔؟؟" وہ اس بار سنجیدہ

ہوئی تھیں۔

"دلچسپی نہیں ہے، آپ کو پتہ تو ہے

میری۔۔ میری ضد ہے وہ لڑکی۔۔۔!"

اعتراف کرتے ہوئے وہ پل بھر کو جھجھک سا گیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ ایک سال انتظار کرلو۔

ایم۔بی۔اے کمپلیٹ کرلو۔ پھر میں خود اس

لڑکی کو تم تک لے آؤں گی۔۔!" اس کے سامنے

کھلی پیش کش رکھتی وہ اطمینان سے بولیں۔

منصب نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ کو لگتا ہے اس لڑکی تک رسائی کے لیے

میں آپ کا محتاج ہوں۔۔؟؟" اسے ان کا خود

کو انڈر ریسٹیمیٹ کرنا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم خود مختار ہو تو تم کوشش

کر کے دیکھ سکتے ہو۔ کامیاب ہو جاؤ تو مجھے ضرور

بتانا۔۔!" ناجیہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ حقیقتاً

اسے ہری جھنڈی دکھائی تھی۔ منصب نے

اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔۔!" ایک ایک

لفظ چبا چبا کر کہتا وہ انکے پاس سے اٹھ گیا۔ "ویسے

میں نے تمہیں پہلے بھی آگاہ کیا تھا کہ جس

کوشش کی ناکامی کا یقین ہو اسے۔۔!" وہ بڑے

تحمل سے بول رہی تھیں جب وہ بد تہذیبی سے

ان کی بات کاٹ گیا۔

"ناکام ہوا تو آپ سے یہ ٹکٹس لے کر لندن چلا

جاؤں گا۔۔۔!" اس کی آنکھوں میں آگ جیسی

لپک اور لہجے میں تلخی تھی۔ اس کا سرخ پڑتا چہرہ

دیکھتی وہ مسکرا دیں۔ ان کے چہرے کی طمانیت

بتا رہی تھی کہ منصب عالم شاہ اپنی ہر اُس

کوشش میں ناکام ہونے والا ہے جو وہ مہر ماہ تک

جانے کے لیے کرنے والا تھا۔

◆□◆□◆□◆□

"تم نے مجھے مایوس کیا ہے فدا۔ حد سے زیادہ

مایوس کیا ہے، تمہاری پڑھائی کا سلسلہ یہیں پر ختم

سمجھو اب تم شہر نہیں جاؤ گے۔۔!" اپنے ہاتھ

پشت پر باندھے وہ لہجے میں سختی لیے اس پر گرج

رہے تھے جو آج پورے ڈیڑھ ماہ بعد نوشہرو آیا

تھا۔

"شادی کے دو دن بعد تم نے پڑھائی کی ضد لگالی

میں نے تمہیں اجازت دی، تمہارے مستقبل کا

خیال کیا لیکن تمہیں ہر ہفتے بعد حویلی آنے کا

حکم بھی دیا تھا مگر شاید تمہاری نظر میں میری اور

میرے حکم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔۔!" سرد

لہجے میں بولتے وہ اس پر شدید برہم ہو رہے

تھے۔ان کی آخری بات پر فدا نے تڑپ کا سر

اٹھایا۔

"یوں تو نہ کہیں تایا سرکار، میری جان آپ پر

قربان لیکن۔۔میں بہت زیادہ مصروف تھا،

ٹیسٹ ہو رہے تھے اسی لیے نہیں آپایا۔ آئندہ

خیال کروں گا۔۔!" فدا نے انھیں ٹھنڈا کرنے

کی اپنی سی کوشش کی۔

"میں تم سے آئندہ کا موقع چھین رہا ہوں۔ کہہ

چکا ہوں کہ اب تم واپس نہیں جاؤ گے۔ یہیں

رہو اپنی ذمہ داریاں سنبھالو ولید اکیلا ہی ہلکان ہو

رہا ہے۔۔!" پشت سے ہاتھ کھول کر اپنی سفید

بالوں سے بھری داڑھی سہلاتے ہوئے انھوں

نے حکمیہ انداز میں کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

"جیسا آپ کہیں۔۔!" فدا نے آہستگی سے کہا۔

"ہوں۔۔اب تم جا سکتے ہو۔۔حدیبہ بی بی کا

خیال رکھو۔اور انھیں خوشی دینے کی کوشش کرو

تم اچھے سے جانتے ہو کہ وہ اس شادی کے لیے

رضامند نہیں تھیں۔۔!"وہ درشت لب ولہجے

میں اس پر وہ تلخ اذیت انڈیل رہے تھے جس کا

عذاب وہ پہلے ہی بھگت رہا تھا۔

"جی میں جانتا ہوں۔۔!" وہ اپنا غم ضبط کر تا نرمی

سے بولا۔

"ہوں۔۔پھر بہتر ہے کہ تم انھیں مزید کسی

بغاوت کا موقع نہ دو۔۔!" وہ اسے واضح لفظوں

میں سمجھا رہے تھے۔فدا نے اثبات میں سر ہلایا

تو وہ جا کر اپنے تخت پر بیٹھ گئے۔فدا خاموشی سے

ان کے حجرے سے نکل آیا۔چہرے پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے وہ تھکن زدہ چال چلتا زنان خانے

کی طرف آ گیا۔ یہ بھی اچھا ہی تھا کہ اس کی واپسی

عشاء کے وقت ہوئی تھی گر جو کچھ دیر پہلے آ جاتا

تو اس کی عزت افزائی کا منظر زیادہ نہیں تو دو چار

مریدوں کو تو دیکھنے کو مل ہی جاتا۔ وہ کمرے میں

آیا تو حدیبہ بیڈ کے دائیں جانب جاء نماز پر بیٹھی

دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی۔وہ خاموشی

سے چلتا ہوا بیڈ پر جا لیٹا اور حدیبہ والی سائیڈ پر

رخ کر کے اسے دیکھنے لگا۔وہ آنکھیں بند کیے محو

دعا تھی۔گلابی ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے

تھے۔اس کے عارضوں پر لرزتی گھنیری پلکوں

کی سیاہی پر نظریں جمائے ہوئے فدا کی پیاسی

نگاہوں کو قرار ملنے لگا۔وہ بنا پلکیں جھپکائے یک

ٹک اس کی جانب دیکھتا رہا جس کی پلکوں پر

دیکھتے ہی دیکھتے نمی چمکنے لگی تھی۔وہ زرا سا سیدھا

ہوا تبھی اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے

حدیبہ نے آنکھیں کھولی تھیں۔اسے مقابل دیکھ

کر حدیبہ کی بھیگی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر

گالوں پر لڑھک آئے۔

"رو کیوں رہی ہیں یار۔۔؟؟" وہ بالکل سیدھا

ہوتا بولا تھا۔

"آپ تو مجھ سے بات ہی نہ کریں۔۔!" بھرائی

ہوئی آواز میں کہتی وہ اس کی طرف سے رخ

موڑتی بیڈ سے ٹیک لگا گئی۔ فدا فوراًاس کے

قریب ہوا۔

"کیوں۔۔؟؟"اس کے معصومانہ سوال پر

حدیبہ نے زرا سا چہرہ اونچا کیا اور گردن پیچھے کو

بیڈ پر ڈال کر نظریں اوپر اٹھاتے ہوئے اپنے

پیچھے بیڈ پر بیٹھے فدا کو دیکھا۔فدا کے لب اس کی

حرکت پر مسکرائے تھے۔

"کہہ رہی ہوں ناں بات نہ کریں۔۔!" حدیبہ

کے لب ناراضی سے ہلے۔ناک میں چمکتی لونگ

اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

"اچھا اوپر آئیں ناں پھر بات کرتے ہیں۔۔!"

فدا نے مصلحتاً نگاہیں پھیرتے ہوئے کہا کہ دل

آج جھگڑنے پر تُلا ہوا تھا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔۔!" آہستگی سے کہتے

ہوئے حدیبہ نے آنکھیں موندلیں۔

"اب آپ مجھے تنگ کر رہی ہیں۔۔!" اس کے

صبیح چہرے کے گرد لپٹا دوپٹہ ایک طرف سے

کھولتے ہوئے وہ زرا سا جھک کر بولا۔ حدیبہ پر

جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

"آپ بھی مجھے بہت تنگ کرتے ہیں۔۔!" وہ

یونہی آنکھیں بند کیے ہنوز خفا خفا سی بولی تو اس

کے ناز و انداز پر فدا ہوتا فدا حسین کا دل اپنا صبر

کھونے لگا۔

"حالانکہ میں نے آج تک آپ کو صحیح سے تنگ

کیا ہی نہیں۔۔!" وہ اسکے کان کے قریب جھکتا

نرمی سے بولا تھا۔ حدیبہ کی بند آنکھوں

سے ٹوٹتا آنسو اس بار کنپٹیوں تک پہنچنے سے پہلے

ہی دوپٹے میں جذب ہو گیا تھا۔

"آپ میرا تماشا بنانے پھر سے کیوں چلے آئے

ہیں۔۔چلے جایئے واپس۔۔!" اس کے لبوں سے

آج شکوے ہی پھوٹ رہے تھے۔وہ بے چین

ہونے لگا۔

"آپ کے سکون کی خاطر ہی گیا تھا۔۔!" وہ اسے

سمجھانے والے انداز میں بولا تو اس کی بات پر

ایک جھٹکے سے سیدھی ہوتی وہ اس کی طرف

مڑی۔

"میرے سکون کی خاطر یا اپنے قرار کی خاطر فدا

سائیں۔۔ آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو۔۔؟؟ خدایا

پھر خدا کا فرشتہ۔۔۔ میرے سکون کا دعویٰ

کرتے ہیں لیکن بے چین کرنا بھی بخوبی جانتے

ہیں آپ۔۔۔!" بھیگی آنکھوں سے اسے گھورتی

تلخی سے بولتی وہ حقیقتاً پھٹ پڑی تھی۔ فدا نے

بے اختیار ہو کر اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں

بھر لیا۔

"اب ایسے رو کر میری جان تو نہ نکالیں حیبہ۔۔

فدا حسین کی دھڑکنیں آپ پر فدا ہیں یہ آنسو

اس دل پر گراں گزر رہے ہیں کچھ تو میرا خیال

کریں۔۔!" اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اپنے

ہاتھوں سے صاف کرتا وہ عاجزانہ بولا تھا۔

"کیوں کروں میں آپ کا خیال۔۔ آپ نے کبھی

میرا خیال نہیں کیا تو ہر بار میں ہی کیوں۔۔؟"

اس کے ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہوتی وہ چلائی تو فدا

نے سرعت سے اس کی کلائی پکڑ کر اسے اپنے

پہلو میں گرا لیا۔ اسے خود پر جھکتے دیکھ حدیبہ کی

سٹی پل میں گم ہوئی تھی۔

"بہت سخت بولتی ہیں آپ۔۔ کبھی تو نرمی برت

لیا کریں۔۔!" اس کا دوپٹہ ڈھیلا کرتا وہ نرمی سے

بولا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔؟؟" اس کا ہاتھ پیچھے کرتی

وہ بگڑی۔

"مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ ڈرتی بھی ہیں۔۔!"

معنی خیزی سے کہتا وہ ہنسا تو خفت سے سرخ پڑتی

وہ لب بھینچتی اپنے چہرے کا رخ موڑ گئی۔ ناک کی

لونگ مزید چمکی تھی۔ وہ چند پل اس کی لرزتی

پلکوں کو دیکھتا رہا پھر جھکا اور اس کی ناک میں

چمکتی لونگ کو چھولیا۔ حدیبہ نے آنکھیں میچنے

کی بجائے تقریباً آنکھیں پھاڑ کراس کی جانب

دیکھا۔ دل الگ ہی لے پر دھڑک اٹھا تھا۔ وہ زرا

سا سیدھا ہوا پھر دوبارہ جھکا اور وہ ہی عمل

دوہرایا۔ اس بار حدیبہ نے اس کے سینے پر ہاتھ

رکھ کر اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔اس

کی مزاحمت کو خاطر میں نہ لاتا وہ اپنے دل کی مانتا

چلا گیا۔

تیسری بار۔۔

چوتھی بار۔۔

پانچویں بار۔۔

بار بار۔۔اسنے بار ہا اس کی لونگ کو چھوا تھا۔

حدیبہ آنکھیں بند کر لینے پر مجبور ہو گئی تھی۔

فدا کی جسارتوں نے اسکے گال گلابی کر ڈالے

تھے۔

"فدا رک جایئے پلیز۔۔!" اسے مسحور ہوتے

حدیبہ کے لب پھڑپھڑائے تھے۔ فدا نے بہت

نرمی سے اس کے گرد حصار تنگ کر لیا۔ حدیبہ

کی جان پر بننے لگی۔ دل شدتوں سے دھڑکتا شور

مچا رہا تھا۔ فدا کی بے اختیاری محسوس کرتی حدیبہ

نے ایک بار پھر ہمت کی تھی۔

"فدا سائیں آپ کو میری قسم ہے مجھے چھوڑ

دیجئے۔ ورنہ کبھی آپ کو معاف نہیں کروں

گی۔۔!" اسے دور دھکیلنے کی کوشش میں ہلکان

ہوتی وہ چلائی تھی۔ آنکھیں مسلسل بہہ رہی

تھیں۔ اس کی تیز آواز فدا کو ہوش کی دنیا میں

واپس لے آئی تھی۔ آنکھیں کھولتے ہوئے فدا

نے پلکیں جھپکائیں۔ حدیبہ کے بھیگے چہرے پر

نظر پڑتے ہی اسے اپنے جذباتی پن کا احساس ہوا

تھا۔ وہ خود پر ضبط کر کے بے حد نرمی سے اسے

اپنے حصار سے آزاد کر گیا تھا۔ وہ فوراً کھسک کر

پیچھے ہوئی۔ اسکے چہرے پر پھیلی شرم وحیا کی لالی

دیکھتا وہ مسکرا دیا۔ اس کی شریر مسکراہٹ نے

جیسے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اگلے ہی پل سیدھی

ہوتی وہ شرم بھلائے اس پر جھپٹ پڑی۔ اسکا منہ

نوچنے کی کوشش کرتی وہ اسے ہنسنے پر مجبور کر گئی

تھی۔ وہ ہنستا چلا گیا جبکہ وہ اس پر برہم ہوتی اس

کے بال کھینچنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

"بے شرم۔۔بے ہودہ۔۔بدتمیز ہیں آپ۔۔

کبھی آپ سے بات نہیں کروں گی سنا آپ

نے۔۔۔!" اس کا حلیہ بگاڑتی وہ چیخ رہی تھی۔ فدا

اپنے بچاؤ کی ناکام کوششیں کرتا ہنستا چلا جارہا تھا۔

جبکہ تھوڑی دیر پہلے اس کی دلفریب قربت پر

شرم سے پاگل ہوتی حدیبہ شاہ اس پل ساری

شرم بھلائے خود سے اسکے قریب تھی۔بس

فرق یہ تھا کہ پہلے فدا حسین گستاخیاں کر رہا تھا

اور اس پل وہ خود اس بے چارے پر ظلم کر رہی

تھی۔

□♦□♦□♦□♦

جھلنگا سی چارپائی پر لیٹی وہ کمرے کی چھت کو گھور

رہی تھی۔ دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھے وہ کھلی

آنکھوں سے اپنے ٹوٹ چکے خوابوں کا حساب لگا

رہی تھی۔ اس نے کبھی یہ تصور بھی نہیں کیا تھا

کہ وہ جس شخص کو چاہ رہی ہے وہ اس کے نصیب

میں لکھ بھی دیا جائے گا۔ ملنے کی امید رکھے بنا

اُس کملی نے فدا حسین کو چاہا تھا۔ اسے فدا کے

لہجے کی نرمی۔۔ آنکھوں سے چھلکتا احترام بے حد

بھاتا تھا جبکہ اس کے بالکل برعکس ولید شاہ سے وہ

دور بھاگتی تھی۔ ولید کے لہجے کا رعب، آنکھوں

سے چھلکتی سنجیدگی اور چال کا غرور زہرہ کو اس

سے خائف کیے دیتے تھا۔ اس کے خواب وخیال

میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ مغرور

سید زادہ اسے چاہتا ہو گا۔ اس حد تک کہ اس کی

چاہ میں ولید نے دین دنیا سب بھلا دیا تھا۔ زہرہ

نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ گناہگار

تھی۔ اس کی قربت نے ولید شاہ کو گناہ کا مرتکب

کیا تھا وہ مجرم بھی تھی۔ زہرہ کا ضمیر گناہ کے اس

بوجھ سے تڑپ رہا تھا جس کی نشانی اس کے وجود

میں سانس لے رہی تھی۔اپنے اللہ کے سامنے

شرمندہ ہوتی وہ اس پل اپنے مرنے کی دعامانگ

رہی تھی لیکن ہائے۔۔مر بھی جاتی تو کیا اس کے

ناپاک وجود کو اللہ کے دربار سے معافی مل

جاتی۔۔؟؟؟زہرہ کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹنے

لگے۔ کس قدر بے بس ہو چکی تھی وہ۔۔؟؟اس

نے گردن موڑ کر ساتھ والی چارپائی کی طرف

دیکھا جو خلاف معمول آج خالی تھی۔ صندل

ایک بار پھر امید سے تھیں کچھ دیر پہلے ہی ان کی

طبعیت بگڑنے کی بابت پتہ چلا تو مائی کرماں کو

رشیدے کی بیوی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اس

کی ماں آج ساری رات پھر سے حویلی کے وارث

کے لیے وقف کرنے والی تھی۔ اپنی اولاد کا

مستقبل سوچتی زہرہ نے کروٹ بدل لی۔

"کیا اس کے بچے کو بھی حویلی میں عزت ملے

گی۔۔؟؟ کیا وہ بھی مون اور شاہو کی طرح

نوابوں والی زندگی گزارے گا۔۔؟؟ یا

پھر۔۔۔؟؟ یا پھر کیا۔۔؟؟" وہ مزید سوچ نہیں

پا رہی تھی۔ وہ تو اس بے قصور کو اس کے باپ کا

نام دینے کو ہی تیار نہیں تھی۔۔ آہ۔۔ گزرے دو

ماہ میں پہلی بار اسے اس ننھی جان سے ہمدردی

محسوس ہوئی تھی۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ سینے میں

چلتا سانس رکنے لگا تھا۔ اس کی زندگی تو تباہی کے

دہانے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ کیا اس کی اولاد

بھی۔۔؟؟زہرہ نے گہرا سانس لیا اور چارپائی

سے اٹھ کھڑی ہوئی۔اس چھوٹے سے حبس زدہ

کمرے میں زہرہ کا دم گھٹ رہا تھا۔کھلی فضا میں

سانس لینے کو اس نے دروازے کی طرف قدم

بڑھائے جب کسی نے دروازے پر مدھم سی

دستک دی تھی۔وہ کچھ حیران ہوئی پھر دوسری

ہی دستک پر دروازہ کھول دیا۔سامنے ہی وہ دشمنِ

جاں کھڑا ہوا تھا۔

"سرکار آپ۔۔؟؟"اس کے لب آہستگی سے

ہلے۔

"یہ شال اوڑھ لو اور میرے ساتھ آؤ۔!" سیاہ

رنگ کی مردانہ شال اس کی طرف بڑھاتے

ہوئے وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"لیکن کہاں۔۔اماں گھر نہیں ہے میں نہیں

آسکتی۔۔!" اس کے چہرے پر کھنڈی سختی سے

خائف ہوتی وہ ہلکی آواز میں بولی۔

"زہرہ پلیز وقت نہیں ہے جو کہہ رہا ہوں وہ کرو،

ولید باہر انتظار کر رہا ہے۔۔!" فدا نے اسے

ڈپٹنے والے انداز میں کہا تو چاروناچار اس نے

چادر اوڑھ لی۔ اس بڑی سے چادر میں اس کا

نازک وجود چھپ گیا تھا جسے لپیٹتے ہی اسے ولید

کی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔ زہرہ کے دل نے

دھڑکنوں کی سرگوشیوں سے بامشکل جان

چھڑائی۔ فدا خود بھی اس وقت شال لپیٹے ہوئے

تھا۔ اسی لیے وہ آس پاس دیکھتا بڑی ہوشیاری

سے اسے حویلی کے پچھلے حصے سے باہر کی طرف

لے آیا۔ رات کی سیاہی میں ہر شے تاریک نظر

آ رہی تھی۔ حویلی کی پچھلی کچی سڑک پر سیاہ

کروالا کی لائٹس جلتی بجھتی سی محسوس ہو رہی

تھیں۔

"ہم کہاں جارہے ہیں سرکار۔۔؟؟" اسے گاڑی

کی طرف بڑھتا دیکھ زہرہ نے لب کشائی کی تھی۔

"یہاں آؤ بیٹھو جلدی۔۔!" اس کے لیے گاڑی کا

پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے فدا نے کہا۔ ساتھ ہی

ایک جائزہ لیتی نگاہ اطراف میں ڈالی۔ ہر سُو رات

کی تاریکی کا راج تھا۔ وہ بیٹھ گئی تو فدا خود اگلی سیٹ

پر جا بیٹھا جہاں ولید پہلے سے ہی ڈرائیونگ سیٹ

پر براجمان تھا۔ وہ خاموشی سے شال چہرے کے

سامنے کرتی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا گئی۔ شاید

وہ جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

زہرہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ مناسب رفتار سے

گاڑی ڈرائیو کرتا وہ بیس سے تیس منٹ میں ہی

سکھر کی حدود چھوڑ چکا تھا۔ پچھلی سیٹس کی لائٹ

آف ہونے کے باوجود وہ اس کی دبی دبی سے

سسکیاں محسوس کر پا رہا تھا جبکہ فرنٹ سیٹ پر

بیٹھے فدا کا دھیان حدیبہ کی طرف ہی تھا۔ کل

رات جو جسارتیں اس نے کی تھیں ان کے نتیجے

میں وہ آج سارا دن اُس سے خفا رہی تھی اور تو

اور آج بھی رات ہوتے ہی اس نے صوفہ

سنبھال لیا تھا، وہ اس سے گفتگو بھی دس قدم کے

فاصلے سے کر رہی تھی۔ اس کی احتیاطی تدابیر کی

بابت سوچتے ہوئے فدا کے لب مسکرا رہے تھے

اور زہرہ اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ دیکھتی

سوچ رہی تھی کہ اگر ولید شاہ اسے چاہ سکتا تھا تو

فدا حسین کیوں نہیں۔۔۔؟؟؟؟؟؟ اور اگر وہ

فدا حسین کے قابل نہیں تھی تو قابل تو وہ ولید

شاہ کے بھی نہیں تھی۔ دونوں ہی ذوالفقار عالم

شاہ کا خون تھے اور وہ ٹھہری کم ذات کم نصیب

ملازمہ۔۔۔!!!ٹوٹے خوابوں کا ملال بڑھنے لگا۔

ان سوچوں سے جان چھڑوانے کو اس نے

آنکھیں موندلیں۔جانے وہ حیدر آباد کا کون سا

علاقہ تھا جہاں اس نے گاڑی ایک اپارٹمنٹ کے

سامنے روکی تھی۔زہرہ نے ایک بار اطراف میں

نگاہ دوڑائی وہ شاید کوئی سوسائٹی تھی۔وہ چونک

اٹھی جب ولید نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

زہرہ نے ڈبڈبائی نظریں اٹھا کر اس شخص کی

جانب دیکھا جس کی آنکھیں اس کے عشق کی

آتش سے چمک اٹھتی تھیں۔وہ گاڑی کے

دروازے پر ہاتھ رکھتی باہر نکل آئی۔وہ ان

دونوں کے ہمراہ اس لگژری فلیٹ میں آگئی جہاں

روشنیاں ہی روشنیاں تھیں۔ایک کمرے سے

کچھ مرد حضرات کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔

زہرہ کا دل شدتوں سے دھڑکنے لگا۔ اسے یوں

لگ رہا تھا جیسے وہ سب اس کا جنازہ پڑھنے وہاں

جمع ہوئے ہوں۔ فداتو اسی کمرے میں گھس گیا

جہاں سے آوازیں آرہی تھیں جبکہ ولید اسے

لیے دوسرے میں آ گیا۔ وہ کمرے میں آتے ہی

اس کی جانب پلٹی تھی۔

"مجھے جان سے مار دیں لیکن مجھ پر یہ ظلم نہ کریں

سرکار۔۔!" اسکے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑتی وہ

بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ بھنورا آنکھوں

میں وحشتیں ناچ رہی تھیں۔ ولید نے نرم نگاہوں

سے اس کا زرد پڑتا چہرہ دیکھا۔ ایک قدم آگے

بڑھ کر اس نے شال میں چھپے اس کے معافی کے

سے انداز، میں بلند ہوئے ہاتھ تھام لیے۔

"تم گھبرا رہی ہو۔۔؟؟ کیا مجھ پر یقین نہیں کر

سکتی تم زہرہ۔۔؟؟ میں تمہیں کبھی بے یارو

مددگار نہیں چھوڑوں گا۔۔" اس کی بھیگی

آنکھوں میں جھانکتا وہ نرم لیکن مضبوط لہجے میں

بول رہا تھا۔زہرہ نے ہولے سے نفی میں سر

ہلایا۔

"آپ نے ہر راستہ مجھ پر تنگ کر دیا ہے

سرکار۔۔ہر گلی بند کر دی ہے،میں آپ پر یقین

نہ بھی کروں تو کہاں جاؤں گی۔۔؟؟" لہجے میں

شکوے وناراضی سموئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں

کہہ رہی تھی۔ ولید تذبذب کے عالم میں اسے

دیکھنے لگا۔

"اب انتظار کس کا ہے۔۔؟ بلوالیں مولوی

صاحب کو۔۔!" جی کڑا کر کہتی وہ جیسے اسے

اجازت دے رہی تھی۔ اس کے رضامند ہو

جانے پر ولید نے ایک تھکا ہوا سانس خارج کیا پھر

پلٹ گیا۔ وہ ایک بیڈ کی پائنتی سے ٹیک کر لگا کر

زمین پر بیٹھی اور رو دی۔ جسے چاہا تھا وہ ملا نہیں

اور جو مل رہا تھا۔؟؟؟ اسے چاہنے کو نہیں

نفرت کرنے کو جی چاہتا تھا اس کا۔ تھوڑی ہی دیر

میں فدا حسین مولوی اور ایک دو تین آدمیوں

کے ساتھ اجازت لے کر کمرے میں آگیا۔ زہرہ

نے اپنا نچلا لب دانتوں میں دباتے ہوئے جیسے

حلق سے اُمڈتی چیخوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی

تھی۔ فقط پانچ سے سات منٹوں کا کھیل تھا اور

اسے ولید شاہ کے نام کر دیا گیا تھا۔ وہ قسمت کی

اس ستم ظریفی پر حیران پریشان سی بیٹھی اپنی

ہتھیلیوں کو گھور رہی تھی جب وہ اندر آیا تھا۔

زہرہ نے اپنی پانی بھری نظریں اٹھانے کی زحمت

نہیں کی تھی۔وہ دھیمی چال چلتا اس کے قریب

ہی زمین پر آبیٹھا۔کافی دیر ان دونوں کے

درمیان خاموشی چھائی رہی۔وہ روتی رہی اور

ولید لب بھینچے اس کے بھیگے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"زہرہ۔۔؟؟" گود میں پڑے اس کے بے

جان سے ہاتھ تھامتے ہوئے ولید نے اُسے پکارا۔

زہرہ نے سرعت سے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

"دور رہیئے مجھ سے۔۔ شکل بھی نہیں دیکھنا

چاہتی میں آپ کی۔۔!" کھسک کر اس سے دور

ہوتی وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ انداز میں واضح

نفرت تھی۔

"سب ٹھیک ہو چکا ہے زہرہ۔۔ ہم اپنی الگ دنیا

بسائیں گے بیلیو می۔۔ تم۔۔۔ تمہیں بہت خوش

رکھوں گا۔۔!" وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر

رہا تھا۔

"صیاد کتنا ہی نرم خو کیوں نہ ہو قیدی، قید میں مر

جاتا ہے سرکار۔۔ اور آپ نے مجھے قید کر لیا ہے

وہ دن دور نہیں جب میں مر جاؤں گی اور آپ

ہاتھ مَلتے رہ جائیں گے۔۔!" نفرت سے اس کی

جانب دیکھتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

ولید نے تڑپ کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے تمہیں قید نہیں کیا صرف تم سے محبت

کی ہے زہرہ۔۔ جانتا ہوں کہ مجھ سے گناہ سرزد

ہوا ہے لیکن وہ ایک غیر دانستہ پیش رفت تھی۔

کچھ بھی پری پلان نہیں تھا۔!" وہ آج پھر اسے

اپنی صفائی دے رہا تھا۔

"میں نہیں جانتی وہ سب آپ نے کیوں کیا یا کس

لیے کیا لیکن بہر حال آج آپ کامیاب ہو چکے

ہیں آپ کو بہت مبارک ہو۔ اور رہی بات

میری۔۔ تو میرے وجود پر زبردستی قبضہ کرنے

کے جرم میں تاقیامت میں آپ کو معاف نہیں

کروں گی۔۔!!" اپنے گال صاف کرتی وہ بنا اٹکے

اس بار مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ ولید کی

آنکھیں سرخ پڑنے لگیں جبکہ اس کے وجود میں

آگ دہکا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے کا دروازہ

کھولتے ہی زہرہ کو وہ شخص نظر آیا جس کی سوچ

بھی اب اُس پر حرام ہو چکی تھی۔

"سرکار مجھے واپس جانا ہے، مہربانی کر کے صبح

ہونے سے پہلے لے چلیے۔!" فدا کے سامنے

کھڑی وہ سپاٹ انداز میں بولی تو فدا نے اس کے

پیچھے نمودار ہوتے ولید کے شکست خوردہ وجود کی

طرف دیکھا۔

ولید نے اثبات میں سر ہلا دیا تو فدا اسے باہر لے

گیا۔ ولید وہاں موجود ملازم کو چند ہدایات دے

کر خود بھی باہر نکل آیا۔ اس بار گاڑی فدا نے

ڈرائیو کی تھی، وہ خود فرنٹ سیٹ پر براجمان تھا

جبکہ زہرہ خاموشی سے پچھلی سیٹ پر محو

استراحت تھی۔بے شک وہ اسے پا کر خوش تھا

لیکن اس کے گناہ کی آلودگی اس کی پوری زندگی

کو گرہن لگانے کے درپر تھی۔

□♦□♦□♦□♦

"میری طرف سے بھاڑ میں جائے وہ مجھے شہر

بھجوادیں آپ۔۔!"عبدالغفور چوہان نے

سارنگ کی طبعیت خرابی کا جواز سامنے رکھا تو وہ

بدلے میں کافی لاپرواہی سے بولی تھی۔

"تم اب شہر نہیں جاؤ گی علیشہ میں کہہ چکا ہوں

سو یہ ضد چھوڑ دو، جتنا پڑھنا تھا تم نے پڑھ لیا

ہے۔۔!" انہوں نے سختی سے اسے انکار کیا تھا۔

شہر سے فاصلہ، یونیورسٹی سے دوری۔۔ جانے

کتنے چہرے اس کی آنکھوں میں گھوم گئے اور ان

تمام چہروں میں جو چہرہ سب میں نمایاں تھا وہ

شمس کا تھا۔ علیشہ کے دل میں ہوک سی اُٹھی۔

"آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے بابا

سائیں، مجھے ماسٹرز تو کر لینے دیں۔۔!" وہ احتجاجاً

چلائی تھی۔

"ماسٹرز کا وقت نہیں رہا اب۔۔ حالات خراب

کر دیے ہیں تم نے۔۔ بس خود کو شادی کے لیے

تیار کر لو، اس بدھ وار کو میں سارنگ سے تمہارا

نکاح طے کر چکا ہوں۔۔!" اس سے نظریں

چراتے ہوئے انھوں نے قدرے دھیمی آواز

میں کہا تھا۔

"بابا۔۔۔!"اس کے لبوں سے دبی دبی سے چیخ

نکلی۔

"علیشہ میں کوئی بحث نہیں چاہتا۔۔!" اس کے

چہرے کی بدلتی رنگت دیکھتے وہ حفظ ماتقدم کے

طور پر بولے تھے۔

"میں ابھی یہ شادی نہیں کرنا چاہتی مجھے ماسٹرز کر

لینے دیں اور بس۔۔ اگر آپ نے میرے ساتھ

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

زبردستی کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔!" غصے

سے ناک کے نتھنے پھلائے وہ فرفر بولتی پل بھر

کو رکی۔

"تو کیا۔۔ اگر تمہیں کھلی چھوٹ دے رکھی ہے تو

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم۔۔۔!" وہ اپنی

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

جگہ سے کھڑے ہوتے دہاڑے تھے لیکن ان کی

بلند آواز سے بے پرواہ وہ فروٹ باسکٹ سے

چھری اٹھا چکی تھی۔

"تو یہ۔۔۔!" اطمینان سے کہتے ہوئے اس نے

تیز دھار چھری اپنی کلائی پر پھیر لی۔1۔

عبد الغفور چوہان صاحب کی زبان کو یک دم

بریک لگی تھی۔

"آپا۔۔۔۔!" وہاں آتا شہیر تقریباً چیختے ہوئے

اس کی جانب بھاگا تھا جو پر سکون نظروں سے

اپنی کلائی سے بھل بھل بہتا خون دیکھ رہی تھی۔

"علیشہ تم پاگل ہو گئی۔۔ شہیر اس کو سنبھالو۔۔

دیکھو گر نہ جائے۔۔!" اس کی طرف لپکتے وہ

حواس باختہ سے چلائے۔ شہیر کی جان پر بن آئی

تھی جبکہ اس کے اس جذباتی قدم پر اس کے

باپ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ چکے تھے۔ علیشہ

کی جوابی کاروائی کم از کم اتنی زور آور تو تھی ہی کہ

جس کے سامنے اس کا باپ بے بس ہو ہو گیا تھا۔

پھر ٹھیک تین دن بعد وہ اپنے ہاسٹل میں موجود

تھی۔

"تو یہ تھا سارا ماجرا۔۔۔؟" فضہ نے آنکھیں گھما

کر پوچھا۔ اس کے ہاتھ میں علیشہ کی کلائی تھی

جس پر ابھی بھی سفید پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ

پانچوں اس وقت علیشہ کے ہاسٹل روم میں موجود

تھیں۔

"ہاں تو اور۔۔اب تو اسے بھی پتہ چل گیا ہو گا کہ

اگر وہ اپنا ہاتھ تڑوا کر نکاح تک بات لے جا سکتا

ہے تو میں بھی کلائی کاٹ کر اسے واپس اس کی

اصلی جگہ لا سکتی ہوں۔۔!" احساس تفاخر سے اپنا

سر بلند کرتی وہ اترا کر بولی۔ آنکھوں میں ایک

سکون سا تھا۔

"ویسے تمہیں پتہ نہیں چلا تمہارے سارنگ

صاحب کا ہاتھ اس سردار نے کس جرم کی پاداش

میں توڑا ہے۔۔؟؟" ہادیہ نے اپنے ناخنوں کی سطح

کھرچتے ہوئے پوچھا۔

"نہ۔۔۔مجھے نہیں بتایا بابا سرکار نے لیکن خیر۔۔

مجھے پرواہ نہیں ہے۔اس کی چوٹ میرا سر درد

نہیں ہے۔۔!" وہ ہمیشہ کی طرح سارنگ کے

معاملے میں لاپرواہ تھی۔ "بڑی ہی بے قدری ہو

بھئی۔۔سچے عاشق کی قدر ہی نہیں ہے۔۔!"

ہادیہ نے پھر سے لب کشائی کی تو علیشہ نے تیکھے

چتونوں سے اسے گھورا۔

"تم ٹرائے کر کے دیکھ لو۔وہ بڑا قدر دان قسم کا

بندہ ہے تمہاری قدر کرے گا۔۔!"علیشہ نے

ناک پر سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا تو باقی

تینوں سمیت ہادیہ بھی خجل سی ہو کر ہنس دی۔

"بد تمیز۔۔!"ہادیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ سر شمس کے کیا حالات ہیں۔۔؟؟"

پاؤں پھیلاتے ہوئے اس نے یونہی پوچھ لیا۔ لہجے

میں لاپرواہی کا عنصر نمایاں تھا۔ لیکن فضہ کے

کان کھڑے ہو گئے۔

"سر شمس کا پوچھ رہی ہو تم۔۔؟؟ حالانکہ پوچھنا

تمہیں شیث کا چاہیئے جو بے چارہ تمہاری یاد میں

بولایا بولایا پھر تا رہا ہے۔۔!" لہجے میں بے نیازی

سموتے ہوئے فضہ نے بظاہر ہنس کر کہا۔ سارہ

نے بھی دانتوں کی نمائش کروائی۔ شیث کے نام

علیشہ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"کیوں۔۔؟؟ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے اس

ایلین کے بارے میں پوچھنے کی۔۔؟؟" بیڈ

کراؤن سے ٹیک چھوڑتی وہ سیدھی ہو کر بیٹھتی

بولی۔ وہ چاروں اس کا بدلتا موڈ دیکھ کر ایک

دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"نہیں وہ ایکچوئلی۔۔ لڑکیاں ہمیشہ اپنے عاشق کی

فیلنگز کے لیے کیوریئس (پر تجسس) رہتی ہیں

ناں۔۔ اُن کو جاننا ہوتا ہے کہ ان کے دیوانوں

نے اُنھیں کتنا مس کیا۔ سو دیٹس وائے فضہ کو لگا

ہو گا کہ تم شیث کا پوچھو گی۔۔!" سارہ نے بات

سنبھالنے کی اپنی سی کوشش کرتے ہوئے بے

تکی ہانک دی۔

"نہیں لیکن علیشہ ایسی نہیں ہے، یہ اُن کے لیے

کبھی کیور ئیس نہیں رہتی جو اسے مس کرتے

ہیں، یہ ہمیشہ ان کے لیے بے چین رہتی ہے

جنہیں یہ خود مِس کرتی ہے۔ آئی تھنک اس نے

سر شمس کو بہت مِس کِیا ہے۔ ایم آئی رائٹ

علیشہ۔۔؟؟"فضہ جو علیشہ کے لبوں سے شمس کا

نام نکلتے ہی کھول اٹھی تھی مزید بولی تھی۔اس کی

جرات پر راحمہ نے اپنا سر ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

جبکہ ہادیہ اور راحمہ نے فضہ کو گھورا جو ہر بار علیشہ

سے پنگا لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی۔

"کسی میں اتنی صلاحیت نہیں کہ مجھے اپنی یاد سے

بے چین کر سکے اس لیے تم اپنے یہ مفروضے

اپنے پاس ہی رکھو۔۔۔!" اسے سخت سست

سنانے سے گریز کرتی وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر

بولی۔

"یوِمین سر شمس میں بھی نہیں۔۔؟؟"فضہ جیسے

اس کا ضبط آزمارہی تھی۔

"تم اب جا سکتی ہو، مجھے سونا ہے پھر صبح جلدی

بھی اٹھنا ہے ورنہ یوِنی سے لیٹ ہو جاؤں

گی۔۔!"فضہ کی پشت سے تکیہ کھینچتے ہوئے علیشہ

نے بے مروتی سے کہا۔

"یعنی تمہیں سر شمس کا سامنا کرنے کی جلدی

ہے۔۔۔!"فضہ ڈھیٹ بنی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

لہجہ معنی خیز تھا۔علیشہ نے اپنے لب سختی سے

بھینچ لیے۔ گالوں پر خون سمٹ آیا تھا۔ اسے پہلی

بار شرم سی آرہی تھی۔

"یار چلو ناں فضہ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔۔!"

راحمہ نے بیڈ سے اترتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"علیشہ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ۔۔"فضہ

بھنویں اچکائے بول رہی تھی جب علیشہ نے اس

کی طرف پلٹتے ہوئے اس کے بال اپنے ہاتھ کی

مٹھی میں لے لیے۔باقی تینوں کو تو جیسے سانپ

سونگھ گیا۔

"اگر مجھے کبھی سر شمس کا سامنا کرنے کی جلدی

ہوئی تو تم اتنا یاد رکھنا کہ میں تمہیں اپنے سامنے

سے ہٹانے میں دیر نہیں کروں گی۔۔!" اس کے

سر کو جھٹکا دیتی وہ غرائی۔ فضہ کا زور شاید اپنی

لمبی زبان پر ہی چلتا تھا ہاتھ تو جیسے اس پل بندھے

ہوئے تھے۔علیشہ نے ایک جھٹکے سے اس کے

بال چھوڑے۔

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے ورنہ منہ توڑ دوں گی

تمہارا۔۔!" اسے ہاتھ سے پکڑ کر دور دھکیلتی وہ

چلائی۔ راحمہ نے خفت سے سرخ پڑتی فضہ کو

سہارا دیا۔

"تم انتہائی بد دماغ لڑکی ہو۔ اور میں جو راستہ چن

چکی ہوں تم چاہ کر بھی مجھے اس سے ہٹا نہیں پاؤ

گی۔" بیڈ سے اترتی فضہ بھی اسے چڑانے والے

انداز میں بولی۔اس کے للکارنے والے انداز پر

علیشہ نے ایک استہزاء آمیز نگاہ اس کے اجڑے

بالوں پر ڈالی پھر بیڈ کی نرم سطح پر گھٹنوں سے چلتی

وہ اس کے مقابل آگئی جو بیڈ سے ایک قدم کے

فاصلے پر زمین پر کھڑی ہوئی تھی۔

"میں نے کہاناں۔۔مجھے ابھی جلدی نہیں ہے،

جس دن ہوئی تمہیں راستے سے ہٹانے میں وقت

ضائع نہیں کروں گی، میں ڈائریکٹ اس راستے

کے منزل کو تمہارے راستے سے جدا کر دوں

گی۔۔!"فضہ کی آنکھوں میں دیکھتی وہ ٹھہر ٹھہر

کر سلگتے ہوئے لہجے میں بولی۔ جبکہ اس واضح

دھمکی پر فضہ کے اندر بھانبھڑ جلنے لگے۔

"چلو چلیں فضہ۔۔ رات کافی ہو گئی ہے یار۔۔!"

سارہ نے جلدی سے کہتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ

کر ساتھ گھسیٹا۔علیشہ اسے آگ لگا کر خود پلٹ

کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

"ہادی لائٹ آف کر دو مجھے نیند آ رہی ہے۔۔!"

چہرہ کشن میں چھپاتے ہوئے علیشہ نے اطمینان

بھرے انداز میں کہا۔فضہ اسے گھورتی راحمہ

اور سارہ کے ساتھ اُن کے کمرے سے باہر نکل

گئی۔

"یہ تم نے کیا کِیا علیشہ۔۔ تم جانتی ہو ناں کہ وہ سر

شمس میں انٹرسٹڈ ہے۔۔؟؟" ہادیہ نے پچھ

جھجھکتے ہوئے اسے شرم دلانا چاہی۔

"ہاں تو وہ بھی جانتی ہے کہ میں سر شمس میں

انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔۔!"علیشہ نے لاپرواہی سے

کہا۔

"تو پھر تم نے اسے ایسے ڈیل کیوں کیا۔۔؟؟ وہ تو

غلط ہی سمجھے گی ناں۔۔!" ہادیہ نے اسے سمجھانا

چاہا۔

"تو وہ مجھ سے جیلس کیوں ہو رہی تھی؟؟ جب

وہ خوا مخواہ مجھ سے جیلس ہو سکتی ہے تو میں بھی

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

خوامخواہ اسے جیلس کرواسکتی ہوں۔۔۔!"علیشہ

نے اس بار سنجیدگی سے کہا تو ہادیہ خاموش ہو

گئی۔

"لائٹ آف۔۔۔۔کردو پلیز۔۔۔!"ہاتھ کی

پشت سے جمائی روکتے ہوئے اس نے ہکلا کر کہا۔

ہادیہ لائٹ آف کر کے اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں ان دونوں کی دھیمی سانسیں

نیم تاریک کمرے میں بکھر گئیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

اگلی صبح کی روشنی میں وہ جلدی سے تیار ہو کر

یونیورسٹی آ گئی تھی، آج اس نے ہادیہ کے تیار

ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ پہلا لیکچر حسب

معمول شمس کا ہی ہونے والا تھا۔ وہ کلاس میں

داخل ہوئی تو بنچز خالی پڑے تھے۔ پوری کلاس

میں کوئی نہیں تھا سوائے۔۔

شیث پر نظر پڑتے ہی اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔

جبکہ علیشہ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں چمک

اٹھی تھیں۔ وہ منہ بسورتی بیگ پہلے بنچ پر پٹخ کر

سوچنے لگی کہ آیا اپنے پلان پر عمل کرے یا نہ

کرے کیونکہ شیث کلاس میں موجود تھا۔ پھر کچھ

سوچ کر وہ اس کی جانب پلٹی۔

"بلیو پین دینا مجھے۔۔!" بنا اس کی طرف دیکھے وہ

بڑے شاہانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ شیث نے

گردن دائیں بائیں موڑ کر دیکھا جیسے اسے شک ہو

کہ وہ اس کے آس پاس کسی نادیدہ مخلوق سے

مخاطب ہے۔

"اوہو تمہی سے مانگ رہی ہوں۔بلیو بال پین ہے

تو دے دو مجھے۔۔!" اس کے سر پر پہنچتی وہ

جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولی تو شیث نے بیگ

سے پین نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ پین

تھام کر اس نے ایک نظر شیشے کی کھڑکیوں سے

باہر دیکھا، وہ واقعی جلدی آگئی تھی ابھی اکا دکا

طلباء ہی چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ جبکہ شیث

نرم نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا جو معمول

کے برعکس آج کمر سے کافی نیچے تک کا ڈارک بلیو

فراک اور ڈارک بلیو ہی گھیر دار پلازو پہنے ہوئے

تھی جس کے بارڈر پر ست رنگے دھاگوں سے

کڑھائی کی گئی تھی۔ فراک کے دامن پر بھی

ویسی ہی کڑھائی تھی۔ وہ لباس اور وہ رنگ، اس

کی گوری رنگت پر خوب کھل رہا تھا۔ وہ ایک چیئر

وائٹ بورڈ کے قریب گھسیٹ کر اس پر چڑھی

بورڈ سے اوپر دیوار پر کچھ لکھنے لگی۔ شیث کچھ

حیرت سے اس کی کاروائی دیکھ رہا تھا۔ ایک منٹ

سے بھی کم کے وقفے میں وہ اپنا کام کر کے چیئر

سے نیچے اتر گئی۔ پھر چیئر اس کی جگہ پر رکھ کر وہ

واپس اس کی طرف آئی تھی۔

"یہ پکڑو پین۔۔اور بھول جاؤ کہ تم نے کچھ دیکھا

ہے، اگر ڈیورنگ لیکچر تم نے زبان کھولی تو میں

کہہ دوں گی کہ پین تم ہی سے لیا تھا۔۔!" اس

کے بینچ پر ہاتھ رکھے زرا سی اس کی جانب جھکی وہ

سرگوشیانہ کہہ رہی تھی۔ شیث ہولے سے

مسکرایا۔ علیشہ نے ضبط کرتے ہوئے چہرے کا

رخ موڑ لیا جیسے اس کی مسکراہٹ گراں گزری

ہوا اسے۔

"مجھے تو۔۔ کلئیرلی نظر ہی نہیں آ رہا کہ آپ نے

لکھا کیا ہے۔۔!" وہ بڑی سادگی سے سچ بول رہا

تھا، اسے واقعی تیسرے بنچ پر بیٹھ کر وہ چھوٹے

سے الفاظ نظر نہیں آرہے تھے۔علیشہ نے

کندھے اچکائے۔

"بہر حال اپنا منہ بند رکھنا۔۔!"علیشہ نے حکمیہ

انداز میں کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر

ہلا گیا۔غیر دانستگی میں علیشہ کی نگاہ اس پر پڑی

تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے کسی نوازئیدہ بچے کی

مانند معصوم دِکھ رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں کی چمک

ایسی ہی تھی جیسے کسی چھوٹے بچے کی آنکھیں

خوبصورت منظر دیکھ کر پھیل جایا کرتی ہیں۔ پہلی

بار، ہاں پہلی بار علیشہ کے دل میں اندر کہیں اس

کے لیے معمولی سا نرم جذبہ ابھرا تھا۔ وہ اس

کے مسکاتے چہرے سے نگاہیں چراتی اپنی سیٹ

پر آبیٹھی۔ پھر اس نے باقی طلباء کے آنے تک

اس کی طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی، وہ اس

شخص پر ترس بھی نہیں کھانا چاہتی تھی۔ لیکچر

سٹارٹ ہونے سے ٹھیک پانچ منٹ پہلے اس کے

گروپ کی وہ چاروں لڑکیاں بھی کلاس میں آچکی

تھیں جنہیں آج اس نے ساتھ لانے کی زحمت

نہیں تھی۔ وہ پورے وقت پر کلاس میں داخل

ہوا تھا۔ پہلی ہی نشست پر براجمان علیشہ کی

نگاہیں بے اختیاری میں اس کی طرف اٹھتی چلی

گئیں۔ گرے ڈریس پینٹ پر لائٹ سکن شرٹ

کے بازو کہنیوں تک چڑھائے وہ اپنے آپ سے

بے نیاز نظر آرہا تھا۔ سیاہ بال ہمیشہ کی طرح

ماتھے پر بکھرے اس کی سنہری آنکھوں کو مزید

مغرور بناتے تھے۔

"گڈ مانگ ایوری ون۔۔!"ڈائس کے نزدیک

کھڑا ہوتا وہ ہشاش آواز میں بولا تو گھنی مونچھوں

تلے چھپا اس کا بالائی لب دھیرے سے اطراف

میں پھیل گیا۔اس کی سانولی مائل گندمی رنگت

اس کے نقوش کے ساتھ بڑی بھلی لگتی تھی۔

"گڈ مارننگ سر۔۔!" کلاس میں سے کچھ لڑکوں

کی سرگوشیاں ابھری تھیں۔

"اوکے ناؤ حرا ایو سٹینڈ اپ پلیز۔۔!" اس نے

دوسری قطار میں تیسرے بنچ پر براجمان ایک

لڑکی کو مخاطب کیا۔۔ وہ اللہ کا نام لیتی اٹھ کھڑی

ہوئی۔

"واٹ اِز بریچ آف کنٹریکٹ۔۔؟؟ کم اینڈ

ایکسپلین۔۔!" (معاہدے کے ٹوٹنے سے کیا

مراد ہے یہاں آؤ اور وضاحت کرو۔۔!" ڈائس

سے مار کر اٹھا کر اسے بورڈ کے پاس آنے کا اشارہ

کرتا وہ ساتھ ساتھ کلاس کے باقی سٹوڈنٹس پر

بھی نظر رکھے ہوئے تھا۔ یہ واحد شمس ہی تھا

جس کی کلاس میں موجودگی کے دوران ہر طالب

علم کو یہی لگتا تھا کہ شمس کی نگاہ اسی پر ہے سو چند

دنوں میں ہی وہ سب طلباء کم از کم شمس کی کلاس

میں تو سیدھے ہو گئے تھے۔

حرا انگلیاں مروڑتی باہر نکل آئی۔

"سر آئی واز ایبسینٹ۔۔!"(جناب میں غیر

حاضر تھی) وہ نگاہیں جھکا کر دھیمی آواز میں

بولی۔

"بیلیو میں یہ بہانہ میں نے کبھی سکول ٹائم میں

بھی یوز نہیں کیا۔ ہاں جو میرے نالائق کلاس

فیلوز تھے وہ ہر دو دن بعد ٹیچر کے سامنے اسی

طرح نظریں جھکا کر کھڑے یہی بہانہ گھڑ رہے

ہوتے تھے۔۔!" شمس نے بنا لگی لپٹی رکھے ٹِکا کر

اس کی عزت افزائی کی تھی۔وہ لڑکی شرم سے

پانی پانی ہو گئی۔

"سر آپ نے کل انفارم نہیں کیا تھا کہ آج آپ

فیڈ بیک لیں گے۔۔!" دانیال نے بھی لب کشائی

کی۔

"آپ ایک کام کیجئے گا کل سے اپنی سکول ڈائری

لے آیئے گا، آپ کا یونیورسٹی ورک میں اس پر

مینشن کر دیا کروں گا۔۔!" شمس نے بڑے

ٹھنڈے ٹھار لہجے میں اس کی بھی طبعیت صاف

کی تھی۔ جس پر طلباء کی دبی دبی سی ہنسی نکل گئی۔

دانیال منہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔ شمس اب کسی اور کو

کٹہرے میں کھڑا کرنے کے لیے کلاس میں نگاہ

دوڑا رہا تھا جب اس کی نگاہ پہلی نشست پر بیٹھی

علیشہ پر پڑی۔ بلیو سوٹ میں وہ دمک رہی تھی۔

اس کی نگاہ نا چاہتے ہوئے بھی ٹھٹھک گئی۔

"سر میں آؤں۔۔؟؟" اس سے پہلے کہ وہ خود

اسے بلاتا علیشہ نے گردن اونچی کر کے بھرپور

اعتماد سے پوچھا۔ شمس کی نگاہ پھسلنے لگی۔ اس نے

پلکیں جھپکاتے ہوئے نگاہوں کا رخ بدل لیا۔

"آپ تو یونیورسٹی ہی جانے کتنی چھٹیوں کے بعد

آئی ہیں تو یہاں آکر کیا میری شکل دیکھیں گی

آپ۔۔؟؟" اس کے مسلسل غیر حاضر رہنے پر

چوٹ کرتا وہ اسے جتا رہا تھا کہ وہ سوال کا جواب

نہیں دے پائے گی۔

"نو سر۔۔ آئی کین ایکسپلین۔۔!" کوئی الٹا

جواب دینے کی بجائے وہ مسکرا کر بولی۔

"اوکے دین کم ہئیر۔۔!" شمس نے اسے بورڈ تک

آنے کی اجازت دے دی۔ وہ اس کے مقابل

آئی اور اس کے ہاتھ سے بورڈ مارکر لے کر وائٹ

بورڈ پر جواب لکھنے لگی۔ لکھتے لکھتے اس نے یونہی

سر اونچا کیا تو اس کی آنکھوں میں شرارت چمک

اٹھی۔ وہ ہاتھ روک کر اس کی جانب پلٹی اور اسے

دیکھا۔

"واٹ ہیپنڈ۔۔لُک ایٹ دا بورڈ مس

علیشہ۔۔!" اسے مسلسل اپنی جانب تکتا پا کر وہ

سنجیدگی سے بولا۔علیشہ نے ایک بار پھر بورڈ کی

طرف دیکھا۔پھر دوبارہ گردن موڑی۔

"سر آئی لو یو۔۔!" بنا رکے وہ روانگی میں کہہ گئی۔

بھنورا آنکھیں اس کے لبوں سے پھوٹنے والے

لفظوں کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ شمس کا دل

اس لڑکی کی اس قدر بے باکی پر پل بھر کو ٹھہر سا

گیا۔ فضہ کی آنکھوں میں شعلے سے جلنے لگے جبکہ

پوری کلاس میں چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔

صرف ایک شیث ہی تھا جو سر جھکائے مسکرا رہا

تھا۔

"بی کوائیٹ کلاس۔۔!" ڈائس پر ہاتھ مارتا وہ

دہاڑا۔ کلاس میں یک دم خاموشی چھا گئی۔

"اینڈ مس علیشہ یُو۔۔!" اپنے غصے کو قابو کرتا وہ

اس کی طرف پلٹا۔ لہجہ درشتگی لیے ہوئے تھا۔

علیشہ نے ہولے سے پلکیں جھپکائیں۔ پھر نفی میں

سر ہلایا۔

"اٹس ناٹ می سر۔۔!" بھولپن سے کہتی وہ اپنے

کندھے پر پڑے اخروٹی بالوں کو پیچھے کرتی اونچی

آواز میں بولی۔

"اٹس وائٹ بورڈ۔۔ آپ نے کہا وائٹ بورڈ پر

دیکھو۔ میں نے دیکھا سر۔۔ وہ دیکھیں۔۔ وہاں

اوپر لکھا ہے، آئی لو یو۔۔۔!" ہاتھ لپیٹتی وہ آخر

میں پُر اشتیاق سی ہو کر بولی۔ شمس سمیت سب

نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا بورڈ

سے بالکل ایک انچ اوپر چھوٹا سا آئی لو یو لکھا ہوا

تھا۔ کسی کے لیے بھی سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ یہ

کس کی شرارت ہے لیکن کہتا کون۔۔؟؟؟ شمس

نے ضبط کرنے کو اپنے دانت بھینچ لیے۔اس کی

کنپٹی سلگنے لگی۔

"اپنی سیٹ پر دفع ہو جائیں آپ۔۔۔!"وہ ایک

ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

"میں نے کیا کِیا ہے سر۔۔؟؟ آپ نے جو کہا وہ

ہی تو کیا۔۔!" اپنی پلکیں جھپکاتی وہ معصومیت کی

عمارت بنی کھڑی تھی۔ شمس کا جی چاہا اس کا منہ

تھپڑوں سے لال کر دے۔

"آئی سیڈ گو۔۔۔!" وہ نظریں جھکاتا شدید برہمی

سے بولا۔

"فیڈ بیک نہیں لینا سر۔۔؟؟" وہ سوڈ ھیٹوں کی

ایک ڈھیٹ تھی۔ شمس نے اپنی سرخ پڑتی

آنکھوں سے علیشہ کا مسکاتا چہرہ دیکھا۔ وہ لڑکی

اس کے پور پور میں آگ لگا کر خود اطمینان سے

کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ سیٹ پر تشریف لے جانا پسند کریں گی یا

پھر کلاس سے باہر جانا۔۔؟؟" وہ اپنے ہاتھ پینٹ

کی جیبوں میں گھساتا ٹھہر ٹھہر کر اس بار بڑے

تحمل سے بولا تھا۔

"آف کورس سیٹ پر جانا۔۔!" بھنویں اچکاتی وہ

مسکرائی تھی۔ اس کی آنکھیں اس کے لفظوں

کے ساتھ مسکرائی تھیں۔ شمس کا دل چاہ رہا تھا کہ

اس پوری یونیورسٹی کو آگ لگا دے۔ جبکہ وہ

اطمینان سے پلٹی اور اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔ تھوڑی

دیر پہلے کے برعکس فضہ کو چھوڑ کر ہر طالب علم

کے لبوں پر دھیمی ہنسی رینگ رہی تھی۔

شمس کے سرخ پڑتے چہرے پر چٹانوں کی سی

سختی در آئی تھی۔وہ لڑکی واپس آتے ہی اس کا

موڈ خراب کرچکی تھی۔جانے اب وہ باقی کے

بیس منٹ اس کلاس میں کیسے گزارنے والا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"منصب تُو کیوں ضد لگا رہا ہے یار۔۔ اتنی بھی

کوئی حور پری نہیں ہے وہ۔۔ ایک بار حکم کر اس

سے بڑھ کر حسین کلیاں لے آؤں گا تیرے لیے

یار۔۔!" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا عمیر اسے

سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ سگریٹ

کے گہرے کش لگاتے منصب نے اسکا ہاتھ

جھٹک دیا۔ وہ چین سموکر نہیں تھا، بہت کم

سگریٹ پیا کرتا تھا لیکن جب سے وہ لڑکی اس کی

زندگی میں آئی تھی وہ سگریٹ نوشی کی انتہا کر گیا

تھا۔

"تجھ سے جو پوچھا ہے مجھے وہ بتا

دے۔۔!" منصب نے سگریٹ پھینکتے ہوئے

درشتگی سے کہا۔ وہ گزشتہ رات سو نہیں پایا تھا اور

صبح ہوتے ہی وہ شہر آیا تھا۔ اس نے ڈرائیور سے

گاڑی کی چابی لیتے ہوئے یہ ہرگز نہیں سوچا تھا کہ

اگر اسے شہر جانے کی آزادی مل گئی ہے تو اس کی

قیمت کیا ہو گی۔

"کیا بتاؤں۔۔بتایا تو ہے اس لڑکی کے گھر کے

باہر سیکیورٹی موجود ہے، وہ گھر سے نہیں نکلتی

اور جب تک تُو اس ملک سے باہر نہیں نکل جاتا،

سیکیورٹی فورس اس کے محلے سے نہیں نکلے

گی۔۔!" عمیر نے گہرا سانس لیتے ہوئے اسے

تفصیل بتائی۔

"ایک ایک کو دیکھ لوں گا میں، پرواہ نہیں ہے

مجھے۔۔تُو میرے ساتھ چل۔۔!" چئیر سے اٹھتے

ہوئے منصب نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"میں تیرے ساتھ چلوں تاکہ تیرے ہاتھ میں

ہتھکڑی ڈالنے کا شرف بھی مجھے ہی حاصل

ہو۔۔؟؟ منصب تُو کیوں نہیں سمجھ رہا یار اس

لڑکی تک رسائی ممکن نہیں ہے۔۔!" عمیر کا بس

نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح منصب کی

یادداشت کے خانے سے وہ دن مٹا دیتا جس دن

مہرماہ اسے ملی تھی۔ لفظ ناممکن سن کر وہ بپھر گیا۔

"تُو نہیں سمجھ رہا سالے میں کیا بھونک رہا ہوں۔

پاگل کر چکی ہے وہ مجھے۔۔۔!" اپنا ضبط کھو کر

چلاتا وہ اپنے اور عمیر کے درمیان رکھے میز کو

دائیں جانب الٹ چکا تھا۔

"نہیں رہ سکتا میں مزید یوں۔یوں اس کے

بغیر۔۔۔نہیں رہ سکتا۔۔!" اپنے بال مٹھیوں میں

جکڑتا وہ چلایا۔وہ اس پل کسی نفسیاتی مریض سے

کم نہ لگ رہا تھا۔عمیر نے آگے بڑھ کر اسے

سنبھالا۔

"یار ایسے نہ کر پلیز۔۔تو اپنی اماں سے بات کر

اس لڑکی سے نکاح کر لے۔شاید وہ تیرے لیے

کچھ کر پائیں۔۔۔!"عمیر نے اسے خود سے لگانے

کی کوشش کرتے ہوئے کہا تو اسے پرے دھکیلتا

وہ سیدھا ہوا۔اس کی سرمئی آنکھیں لہو رنگ ہو

رہی تھیں، وہ نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی میں ایسا

کیا ہے لیکن وہ اسے بے بس کر چکی تھی۔

"ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ میں اب سیدھا

مہرماہ کے پاس جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کیسے انکار

کرتی ہے۔۔!" اپنی آنکھیں مسلتا وہ ضد بھرے

انداز میں کہتا پلٹا۔ عمیر نے آگے بڑھ کر سرعت

سے اس کا بازو تھام کر اسے پیچھے گھسیٹا۔ وہ

لڑکھڑایا۔

"عمیر کمینے۔۔۔" عمیر کا گریبان جکڑ کر اسے

دیوار سے لگاتے ہوئے وہ چیخا۔ آوازیں سن کر

کانسٹیبل اندر آگیا۔ عمیر کے آفس کی حالت دیکھ

کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ منصب کو پیچھے

دھکا دیتے ہوئے عمیر نے کانسٹیبل کو باہر جانے

کا اشارہ کیا وہ پلٹ گیا تبھی منصب نے عمیر کے

منہ پر مکا مارا۔

"یار تُو پاگل ہو گیا ہے منصب۔۔!" ناک پر ہاتھ

رکھتا عمیر چیخا۔

"اب میرے راستے میں مت آنا۔ میں مروں یا

جیوں۔۔ یہ تیرا مسئلہ نہیں ہے سمجھا تُو۔۔۔!"

شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتا وہ دہاڑا

تھا۔ پھر بنا رکے وہ اس کے آفس سے نکل گیا۔

عمیر سرعت سے اس کے پیچھے بھاگا۔

"اچھا میری بات سن پلیز۔۔ وہاں مت جا فورس

تجھے گرفتار کر لے گی ایس۔پی اس سب میں

انوالو ہے یار۔۔ لڑکی تک تُو پہنچ نہیں پائے گا

خوامخواہ تجھے جیل جانا پڑے گا یہ کیوں نہیں سمجھ

رہا تُو۔۔۔!" عمیر اس کی فکر میں گھلا جا رہا تھا۔

منصب کا دماغ اس پل جیسے خراب ہو چکا تھا۔

اسے پیچھے کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ عمیر نے

تاسف سے اس کی چوڑی پشت کو دیکھا۔ کانسٹیبل

اس کے لیے ٹشو لے آیا۔ عمیر نے اسے پانی

لانے کا کہا اور خود اس کی چئیر پر بیٹھ کر ایس۔ پی

کو کال ملانے لگا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ ٹشو سے

ناک سے نکلتا خون صاف کرنے لگا۔ اب منصب

کو روکنا ضروری ہو چکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ فل سپیڈ سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جب اس کا

فون بجنے لگا۔ منصب نے بنا دیکھے کال ریسیو کر

لی۔

"کہاں ہو تم۔۔۔؟؟" انھوں نے اس کے ہیلو

کہتے ہی سوال پوچھا۔

"شہر میں ہوں۔۔!" منصب نے بڑے ضبط سے

انھیں جواب دیا۔

"شہر میں کس جگہ ہو۔؟؟" وہ بھی اس کے

باپ تھے سو فوراً مدعے پر آئے تھے۔

"آپ کو کیا چاہیئے مجھ سے؟" وہ ایک ایک لفظ

چبا کر بولا۔

"تم وہاں نہیں جاؤ گے منصب شاہ ورنہ اس بار

ایس۔پی مجھے یہ بھی انفارم نہیں کرے گا کہ اس

نے تمہیں گرفتار کر لیا ہے۔۔!" وقار عالم شاہ کی

سرد ترین آواز فون کے سپیکر سے ابھری تو

منصب کا پاؤں بریکس پر پڑا تھا۔

"تو اُس نے آپ کو انفارم کیا ہے کہ میں وہاں جا

رہا ہوں۔۔!"

"مجھ سے بحث مت کرو۔ ابھی میں تمہیں انفارم

کر رہا ہوں کہ تم واپس آ رہے ہو۔۔!" اس کا

سوال نظر انداز کرتے وہ سنجیدگی سے بولے تو

منصب نے اپنی جلتی آنکھیں بند کرتے ہوئے

ایک گہرا سانس لیا۔

"میں آرہا ہوں۔۔!" انہیں جواب دے کر اس

نے کال کاٹ دی۔ پھر گاڑی ریورس کر کے سکھر

کے راستے پر ڈال دی۔ وہ لمحہ بالمحہ مہرماہ حسین

سے دور ہو رہا تھا اور یہ احساس اس کے لیے کس

قدر اذیت ناک ہے اسے خود کو بھی اندازہ نہیں

تھا۔ وہ زیر لب عمیر کو گالیاں دے رہا تھا جس

نے ایس۔پی کو کال کر کے اسے منصب کا مہر ماہ

کے گھر جانے کی بابت بتایا تھا جس کے نتیجے میں

یقیناً ایس۔پی نے وقار شاہ کو اُسے روکنے کے

لیے کہا تھا۔وہ سوچ چکا تھا کہ ناجیہ بیگم کے

سامنے ہتھیار ڈال دے گا لیکن وہ کسی صورت

مہرماہ کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دے گا۔

□♦□♦□♦□♦

یہ جو مجھ پہ ہوا ہے تیرا ہی کرم،

بن گیا تُو میری چاہتوں کا حرم۔۔

دھڑکنیں میرے بس میں رہی نہ صنم،

رکھ لینا میری خواہشوں کا بھرم۔۔

تجھ کو پانے کو مچلے یہ دل ہر دم،

دھڑکنیں میرے بس میں رہی نہ صنم۔۔۔

کانوں میں ہیڈ فون لگائے وہ بظاہر اسائنمنٹ

کمپلیٹ کر رہا تھا لیکن حقیقتاً اس کا دل و دماغ وہیں

میلوں کے فاصلے پر اس نازک جاں میں اٹکا ہوا

تھا جس کا خیال آتے ہی وہ اپنا آپ کھونے لگتا

تھا۔مہربان عالم شاہ کے لبوں پر اس پل دھیمی

مسکان تھی۔

"پاؤں پھیلا لیں سرکار، مرہم لگانا ہے۔۔!" اس

کی نازک آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ اسے یاد کرتے

ہوئے عالم نے آنکھیں موند لیں۔

"میرے ہاتھ سلامت ہیں میں لگا سکتا

ہوں۔۔!" اس کے ہاتھ سے برنال چھینتے ہوئے

اس کی آواز میں مصنوعی رعب تھا۔وہ سہم کر دو

قدم پیچھے ہو گئی تھی۔

"ایسے مت لگائیں پہلے ٹھنڈے پانی سے پاؤں

صاف کر لینے دیں۔۔!"وہ نظریں جھکاتی

منمنائی۔ برنال شہادت کی انگلی پر لیتا وہ پل بھر

کو رُکا۔

"اب تم مجھے بتاؤ گی کہ میرے لیے کیا ٹھیک

ہے۔۔۔؟؟" بھنوؤں کو جنبش دیتا وہ بھرپور

سنجیدگی سے بولا تو مرحہ کے چہرے پر اس کے

خوف سے ایک سایہ سا لہرا گیا۔ عالم کا دل شور

مچانے لگا۔

"خطا معاف لیکن ایسے زیادہ بہتر رہے

گا۔۔!" اپنی سادگی میں وہ اس کی چالا کی سمجھ

نہیں پائی تھی سو جھجکتے ہوئے بولی۔

"اوہ رئیلی۔۔؟؟ زرا بیٹھو تو یہاں۔۔!" اس کی

بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے عالم نے بیٹھے

بیٹھے ہی زرا سا اچک کر اسے کلائی سے پکڑ کر اپنے

سامنے بیڈ پر بٹھا دیا۔ وہ بدک کر واپس کھڑی

ہوئی۔

"کیوں مجھے گناہگار کر رہے ہیں میں آپ کے

برابر نہیں بیٹھ سکتی۔۔ مم۔۔۔میں یہاں۔۔

یہاں نیچے بیٹھ جاتی ہوں۔۔!" جلدی سے کہتی وہ

بیڈ کی پائنتی کے پاس فرش پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں میری بات کی سمجھ نہیں آرہی۔۔کیا

بکواس کر رہا ہوں میں۔۔؟؟ یہاں بیٹھو۔۔!"

اس کی حرکت پر حقیقتاً خفا ہوتا وہ سخت لہجے میں

بولا تو مرحہ نے نچلا لب دبا کر اس کی جانب

دیکھا۔

"اُٹھ رہی ہو یا میں اٹھوں۔۔؟؟" عالم نے

وارننگ دینے والے انداز میں کہا تو وہ ہاتھوں کی

انگلیاں چٹخاتی اس کے مقابل بیڈ کی پائنتی والی

سائیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں۔ یہ پانی میرے

پیروں کے لیے اچھا ہے۔۔؟؟" برنال بیڈ پر

چھوڑ کر نیچے اترتا وہ بڑے مصروف سے انداز

میں بولا۔ ساتھ ہی فرش پر رکھا ٹھنڈے پانی اور

برف کے ٹکڑوں سے بھرا بڑا سا باؤل جو وہ اس

کے لیے لے کر آئی تھی، کھسکا کر اس کے

پیروں کے قریب کر دیا۔ مرحہ کا چہرہ شرم و

خفت سے سرخ پڑنے لگا۔

"چلو اب ڈالو اس میں پاؤں جب جلن ہو گی ناں

تب پتہ چلے گا کتنا اچھا ہوتا ہے یہ۔۔!" سیدھا

ہوتا وہ اطمینان بھرے لہجے میں اسے حکم دے

رہا تھا۔ مرحہ نے اپنے پاؤں پیچھے کر لیے۔

"سرکار یہ آپ کے لیے ہے۔۔!" وہ رونے والی

ہو رہی تھی۔

"میرے لیے یہ برنال کافی ہے چلو ڈالو اس میں

پاؤں جلدی۔۔!" وہ اس کے سر پر کھڑا کہہ رہا

تھا۔ مرحہ کی آنکھیں بھرنے لگیں۔ اس نے

ایک ملتجی نگاہ اس پر ڈالی لیکن وہ سنجیدہ تھا۔ اپنے

آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اپنے

لرزتے پیر اس باؤل میں ڈال لیے۔

"سسسی۔۔۔!" بے اختیار اس کے لب ہلے

تھے۔ عالم فکر مندی سے اس کی جانب دیکھ رہا

تھا جس کے چہرے پر تکلیف دہ آثار یک دم ابھر

کر غائب ہو گئے تھے۔ عالم کو یک گونہ سکون

ہوا۔ واپس بیڈ پر بیٹھ کر وہ خاموشی سے اپنے

پیروں کے تلوؤں پر باری باری برنال لگانے لگا۔

مرحہ نے بھیگی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا

لیکن وہ اس کی ذات سے لاپرواہ بنا سر جھکائے

اپنے کام میں مصروف رہا۔ جھکنے سے اسکے گھنے

بال ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ ائیر کنڈیشنر

روم میں بھی پنکھا فل سپیڈ سے چل رہا تھا۔ پھر

جب تک وہ برنال لگاتا رہا وہ پانی میں پاؤں ڈالے

بیٹھی رہی۔ اب خدا جانے وہ اتنا سست تھا یا مرحہ

کی وجہ سے اس نے اتنا وقت لگا دیا تھا لیکن

بہر حال مرحہ کے جلتے پیروں کو اچھا خاصا سکون

مل چکا تھا۔

"یہ پکڑو اور اپنے روم میں جا کر لگا لینا تم

بھی۔۔!" برنال اس کی طرف بڑھاتے ہوئے

عالم نے نرمی سے کہا تو مرحہ نے اپنے ہاتھ کی

پشت سے بھیگتی آنکھیں صاف کر کے اس سے

برنال لے لی۔وہ بھی ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا ہے۔؟؟روکیوں رہی ہو۔؟؟"

اسے رونے کی تیاری پکڑتے دیکھ عالم نے

سنجیدگی سے پوچھا۔ مرحہ نے شکوہ کناں نگاہوں

سے اس کی جانب دیکھا۔

"آ۔۔۔ آپ۔۔ مم۔۔۔ مجھے گناہگار کر دیتے

ہیں سرکار۔۔ مم۔۔۔ میری جج۔۔ جگہ تو آپ

کے قدموں میں ہے لیکن آپ ایسے کر کے۔۔

مجھے گناہ گار بنا دیتے ہیں۔۔ اللہ کا عذاب

تت۔۔ تو مجھ پر ہی پڑے گا ناں۔۔" سر جھکائے

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولتی اس بار اپنی

آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں کو روک نہیں پائی

تھی۔اس کی سادگی پر عالم کا دل سکڑ گیا۔یوں

جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

"تم سے کس نے کہا ہے کہ تمہاری جگہ میرے

قدموں میں ہے۔۔؟؟" لہجے کی سختی پر قابو کرتا

وہ آہستگی سے بولا۔

"کسی نے بھی نہیں لل۔۔ لیکن مجھے پتہ ہے آپ

کا خون پاک ہے۔ آپ سیّدوں کی آل اولاد ہیں

میری تو نہ ماں کا پتہ ہے اور نہ ہی باپ کا۔ میں

ٹھہری کمی کمین۔۔ اور آپ۔۔۔!" بولتے بولتے

جانے کیوں اس کے آنسوؤں کی رفتار بڑھنے

لگی۔ لبوں پر لفظ ہچکیوں کی مداخلت کے باعث

ٹوٹنے لگے۔ شاید کم مائیگی کا احساس اتنا ہی شدید

تھا جو وہ یوں رو رہی تھی۔

"خاموش ہو جاؤ پلیز۔۔۔ بالکل چپ ہو جاؤ ورنہ

بہت بری طرح پیش آؤں گا۔۔!" اسکی طرف

گھومتا وہ ڈپٹنے والے انداز میں بولا تو مرحہ نے

حکم کی تعمیل کرنے کو جلدی سے آنسو پونچھ

لیے۔اس کا یہی انداز معصومیت تو عالم کے دل کو

مزید بے باک کرتا تھا۔"میرے سامنے آئندہ

ایسی فضول باتیں مت کرنا ورنہ میں بہت اچھے

سے تمھیں سمجھادوں گا کہ تم کیا ہو۔۔!" عالم

نے بڑی سنجیدگی سے اسے وارن کیا تھا بدلے

میں وہ ناسمجھی سے اُس کی جانب دیکھنے لگی۔ عالم

نے تاسف سے اس کا رویا رویا گلابی چہرہ دیکھا۔

پھر نظریں جھکا کر اس کے پیروں کی طرف دیکھا

وہ اس کے ڈر سے جانے کتنی دیر سے پیر پانی میں

ڈالے بیٹھی تھی جو شاید ٹھنڈے پانی کی تلخی کے

باعث سرخ ہو چکے تھے۔

"تم اب جا سکتی ہو۔۔!" عالم نے قدرے نرمی

سے کہا تو اس نے جھٹ اپنے پاؤں پانی سے باہر

نکال لیے۔

"یہ باؤل یہیں چھوڑ دو تم جاؤ۔۔!" اس کے اگلے

حکم پر وہ جو جھک رہی تھی سیدھی ہوئی۔ جانے وہ

شخص کیوں اس کے لیے آسانیاں تلاشا رہتا تھا۔

"جاؤں پھر۔۔؟؟" ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں

پھنساتی وہ دھیمے لہجے میں استفسار کرنے لگی۔

"تو کیا یہیں رہنے کا ارداہ ہے۔۔؟؟" اس نے

غیر سنجیدگی سے پوچھا تو نظریں جھکائے ہوئے

ہی مرحہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو جاؤ پھر کیوں میری جان مشکل میں ڈال رہی

ہو۔۔!" عالم نے اس بار مسکراہٹ دباتے ہوئے

کہاتو وہ سرپٹ وہاں سے بھاگی۔اس کے کمرے

سے نکلتے ہوئے مرحہ نے عادتاً پلٹ کر دیکھاتو وہ

آنکھوں میں نرمیاں سموئے اسی کی جانب دیکھ

رہاتھا۔وہ گہرا سانس لیتی کمرے سے نکل گئی اور

پیچھے وہ بے بس سا یونہی ٹانگیں لٹکائے پیچھے کو

لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کیے اسے مرحہ کا جھجھکنا

،رونا، پھر شرمانا یاد آنے لگا تو اس کے لب

مسکرانے لگے۔

"یہ دن دیہاڑے کس کے خواب دیکھ رہے

ہو۔۔۔او بھائی ہوش میں آجا۔۔۔!" اس کے سر

پر پہنچتا اس کا روم میٹ اسے ہلاتے ہوئے چلایا تو

وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ گانا دھیمے سروں میں

ویسے ہی بج رہا تھا۔

زندگی کو بہت ہے ضرورت تیری،

پڑ گئی ہے اسے اب تو عادت تیری۔۔

میرے احساس پہ کر زرا بارشیں،

مجھ کو رہتی ہے ہر پل شدت تیری۔۔۔

میرا تیرے لیے ہی ہوا ہے جنم،

اب تیری طرف ہی اٹھیں گے قدم۔۔۔

دھڑکنیں میری بس میں رہیں نہ صنم۔۔۔

کسی گہرے خواب کے اثر سے جاگتے ہوئے عالم

نے ہیڈ فون کانوں سے اتارے۔

"کیا ہوا ہے۔۔؟؟" اس نے جھنجھلائی ہوئی آواز

میں پوچھا۔

"علیشہ آئی ہے تم سے ملنے۔۔!" اسے آگاہ

کر کے وہ لڑکا واش روم میں گھس گیا۔ شیٹس

اور رجسٹر میز پر رکھتے ہوئے وہ چیئر سے اٹھا۔

"چڑیل کو بھی اسی ٹائم آنا تھا۔۔!" بڑبڑاتے

ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

□♦□♦□♦□♦

"میرے آتے ہی جا رہی ہیں آپ۔۔!" وہ جیسے

ہی سعیدہ بی بی کے کمرے میں داخل ہوا حدیبہ

باہر نکل رہی تھی سو اس کی کلائی تھام کر اسے

اندر کھینچتے ہوئے فدا نے اسے چھیڑنے کو کہا۔

"فدا حسین۔۔حیا کرو۔۔!"سعیدہ بی بی نے

تنبیہی انداز میں اسے ٹوکا تو اس نے جھجھکتے

ہوئے فوراً اس کی کلائی چھوڑ دی۔

"معذرت بی بی۔۔!" اس نے فوراً حدیبہ سے

معذرت کی تھی۔

"ریجیکٹڈ۔۔!" زرا سا اچک کر اس کے کان کے

قریب کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ زیرِ لب

مسکراتا سعیدہ بی بی کے پاس آگیا اور ان کے بیڈ

کے قریب رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"کیسی طبعیت ہے اب آپ کی۔۔؟؟" لہجے میں

عزت واحترام لیے وہ نرمی سے بولا۔

"تمھیں خوش دیکھ کر ہشاش ہو گئی ہے۔۔!" وہ

ہولے سے مسکرا کر بولیں تو وہ سر جھکا کر ہنس

دیا۔

"اب تو ہو گئی ہے لیکن آپ خراب کرتی ہی

کیوں ہیں۔۔؟ اللہ کا دیا سب کچھ ہے پھر آپ

کے اس ڈپریشن فیز کی مجھے سمجھ نہیں آتی۔ اگر

کوئی پریشانی ہے تو آپ مجھ سے ڈسکس کر سکتی

ہیں آپا۔۔!" وہ اپنی سمجھداری کے مطابق

احترام کا دامن تھامے انہیں نرمی سے ڈپٹ رہا

تھا۔

"تنہائی کا گلہ کروں تو گناہگار ہو جاؤں گی چندا۔۔

کیونکہ اللہ تو ہر لمحے میرے ساتھ ہوتا ہے لیکن،

بعض اوقات بابا سرکار اور اماں سرکار کی بہت یاد

آتی ہے۔ اپنوں کی کمی میری سوچوں کو منتشر کر

دیتی ہے۔ یہ ایسی کمی ہے جو کبھی پوری نہیں سکتی

تو بس، کبھی کبھی ہذیاتی ہو جاتی ہوں۔۔!" وہ

اسے مطمئن کرنے کو ہلکے پھلکے سے لہجے میں

بولی۔ اپنے ماں باپ کے ذکر پر پل بھر کو وہ بھی

اداس ہو گیا لیکن حقیقتاً اس نے اپنی ماں کی شکل

میں ہمیشہ سعیدہ بی بی کو ہی دیکھا تھا اور اس کے

والد بھی اس کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے،

اس حوالے سے سعیدہ بی بی اس کے لیے صرف

بڑی بہن ہی نہیں ماں اور باپ دونوں ہی تھیں۔

"میری ماں تو آپ ہیں آپا۔اور سچ کہوں تو تایا

سرکار کے ہوتے ہوئے میں نے کبھی بابا سرکار کی

کمی کو محسوس نہیں کیا۔مجھے دکھ ہے کہ میں آپ

کا باپ بن کر آپ کی تنہائی نہیں بانٹ سکتا۔۔!"

ان کا اداس چہرہ عقیدت بھری نظروں سے

دیکھتا وہ دھیمے لہجے میں بولا تو وہ ہولے سے مسکرا

دیں۔

"میرے باپ نہیں بن سکتے لیکن اپنے بچوں کے

باپ تو بن سکتے ہو میرے بھولے سائیں۔۔!"

اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے وہ خوشدلی سے

گویا ہوئیں تو وہ خفیف سا ہو کر نظریں جھکا گیا۔

"تم مجھے پھپھو بنا دو میری تنہائی دور ہو جائے

گی۔۔!" اسے لڑکیوں کی طرح شرماتے دیکھ وہ

اس بار سنجیدگی سے بولیں تو فدا نے اپنی

مسکراہٹ دباتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے اجازت دیجئے پھر، چلتا ہوں۔۔!" اپنی

قمیض کی شکنیں درست کرتا وہ اٹھتے ہوئے بولا تو

سعیدہ بی بی نے اس کے جھکے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"خوش رہو۔۔!" ان کے لہجے میں اطمینان تھا۔

وہ ان کی صحت کی دعا کرتا ان کے کمرے سے

نکل آیا۔ سامنے ہی وہ اسے سعیدہ بی بی کے

حجرے کی صفائی کرواتی نظر آ گئی تھی۔ وہ دھیمی

چال چلتا اسی کی جانب آ گیا۔ ملازمائیں اسے وہاں

دیکھ کر فوراً غائب ہو گئی تھیں۔ اسے حجرے کے

دروازے میں ایستادہ دیکھ کر حدیبہ نے اپنی کمر

پر ہاتھ ٹکا لیے۔

"آپ کو نظر آرہا تھا ناں میں کام کروا رہی ہوں

پھر کیوں آئے آپ یہاں۔۔؟؟" وہ تیکھے

چتونوں سے اسے گھورتی خفگی سے بولی تو وہ

مسکرایا۔

"اور آپ کو بھی پتہ ہے ناں کہ جب میں نوشہرو

ہوتا ہوں تو میری آنکھوں کا پسندیدہ منظر آپ

ہوتی ہیں۔ پھر کیوں چھپ کر بیٹھی ہیں

یہاں۔۔؟؟" پشاوری چپل دہلیز میں ہی اتار تا وہ

حجرے کے اندر داخل ہوتا کہہ رہا تھا۔

"میں چھپ کر نہیں بیٹھی ہوئی۔ بلکہ حقیقی

معنوں میں چھوٹی حویلی ہی میرا مسکن ہے۔ اور

آپ کا بھی۔۔!" اس نے جھجھکتے ہوئے اسے

کچھ باور کروایا تو فدا کے مسکراتے لب سمٹ

گئے۔

"میں نے کبھی اتنی گہرائی میں جا کر نہیں

سوچا۔۔!" اس کے مقابل ٹھہرتا وہ آہستگی سے

گویا ہوا۔

"اور آپ کی یہی لاپرواہی ہر مہینے بعد سعیدہ بی بی

کو بستر سے لگا دیتی ہے سائیں۔۔ آپ کبھی

سوچتے کیوں نہیں ہیں۔۔؟؟؟ ان کا کیا قصور ہے

کہ وہ آپ کے بابا کی وراثت سنبھالنے کی

کوششوں میں مر مر کی جی رہی ہیں۔ آپ خود

تو بچپن سے بڑی حویلی میں سب کے درمیان

رہتے آرہے ہیں اور سعیدہ بی بی یہاں تنہائیوں

کی مار سہہ رہی ہیں۔۔!" اسے حقیقت کا آئینہ

دکھاتی وہ سنجیدگی سے بولی تو فدا پل بھر کو چپ رہ

گیا۔

"کیا ان کا حق نہیں تھا کہ ان کی بھی شادی کر دی

جاتی۔ آج ان کے بھی بچے ہوتے اور وہ ایک

نارمل لائف گزار رہی ہوتی لیکن نہیں۔ چچا

سرکار کی وفات کے بعد ان پر اس حویلی اور چچا

کی گدی کے فرائض سونپ دیے گئے۔حد ہے

ناں۔۔۔!" وہ شدید افسردہ نظر آ رہی تھی۔

" آج سے پہلے آپ کو ان باتوں کا خیال نہیں آیا

حیبہ۔۔؟؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

" کبھی اس نہج پر سوچا ہی نہیں تھا۔۔!" وہ سر

جھکاتی دھیمی آواز میں بولی۔

"تو اب تو پانی سر سے گزر چکا ہے حیبہ۔۔میں

اس وقت چھوٹا تھا اگر سمجھدار ہوتا تو ضرور ان

کے لیے کچھ کرتا لیکن اب تو یہ سب ممکن نہیں

جو آپ کہہ رہی ہیں۔۔!" وہ خود بھی کچھ اداس

سا ہو گیا تھا۔

"کم از کم اتنا تو ممکن ہے کہ آپ چچا سرکار کی

گدی خود سنبھالیں اور اس حویلی کو اب ہمارے

وجود سے آباد کریں تاکہ سعیدہ بی بی کی تنہائیاں

بھی دور ہو جائیں۔۔!" وہ اسے حالات کا دوسرا

رخ دکھا رہی تھی۔ وہ اس کی بات سن کر نا چاہتے

ہوئے بھی مسکرایا۔ اسے سعیدہ بی بی کی بات یاد

آئی تھی۔

"ہمارے وجود سے۔۔۔؟؟؟یعنی ہمارے بچوں

کے وجود سے۔۔؟؟"اس کی ملول سی جھلمل

کرتی آنکھوں میں اپنی پر اشتیاق آنکھیں ڈالتا وہ

گھمبیر لہجے میں بولا تو پل میں حدیبہ کے چہرے

پر سرخ رنگ لہرایا تھا۔

"ایک تو پتہ نہیں آپ کی تان آ جا کر ہمارے

بچوں پر ہی کیوں ٹوٹتی ہے۔۔!" اسے سامنے

سے ہٹا کر کہتی وہ اس کی سائیڈ سے گزر کر باہر کی

جانب بڑھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کے لبوں پر

دھیما تبسم مچل رہا ہے۔

"نہیں اس بار یہ آئیڈیا سعیدہ آپا نے دیا

ہے۔۔!" وہ قدرے اونچی آواز میں بولا تو

حجرے کی دہلیز تک پہنچتی حدیبہ کے قدم رکے

تھے۔وہ ایڑھی کے بل گھومی۔چہرے پر انوکھے

رنگ چمک رہے تھے۔

"آپ پہلے اپنا ماسٹرز تو کمپلیٹ کر لیں۔ میں نے

بابا سرکار سے کہہ دیا ہے کہ میں آپ سے ناراض

نہیں ہوں اور وہ آپ کو شہر جانے کی اجازت

دے دیں۔۔!" وہ مکمل غیر سنجیدگی سے بول

رہی تھی۔ فدا کا موڈ حقیقتاً آف ہوا تھا۔

"ابھی شاید آپ چھوٹی حویلی کو آباد کرنے کی

بات کر رہی تھیں۔۔!" وہ اس کی طرف بڑھتا

احتجاجاً گویا ہوا۔ حدیبہ کو بے تحاشا ہنسی آئی جسے

دباتے ہوئے وہ پھر سے بولی۔

"جی کیونکہ میں بھول گئی تھی کہ ابھی آپ کو خود

بڑا ہونے کی ضرورت ہے۔ سو ایک دو، سال بعد

بھی اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔۔!"

"کیا۔۔؟ بچوں کے بارے میں۔۔؟؟" وہ بے

صبرا ہوا تھا۔

"نہیں حویلی آباد کرنے بارے میں۔۔!" اسے

سر پر پہنچتے دیکھ وہ کہہ کر جلدی سے پلٹی۔

"بات تو ایک ہی ہو گئی ناں۔۔!" وہ چہکا تھا۔ وہ

اپنے ہنسی روکتی وہاں سے بھاگ گئی جبکہ وہ وہیں

دروازے سے ٹیک لگاتا مسکرا دیا۔ یعنی قسمت

اس پر مہربان ہونے لگی تھی۔اس سوچ نے ہی

اسے مسرور کر دیا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"یہ دن بادن کچھ زیادہ ہی چربی نہیں چڑھتی جا

رہی تمہیں۔۔؟؟" تفتیشی نظروں سے اس کا

سر سے لے کر پیر تک جائزہ لیتی صندل نے ابرو

چڑھا کر پوچھا۔زہرہ نے نظریں جھکاتے ہوئے

اپنا دوپٹہ اچھے سے پھیلا لیا۔

"ن۔۔۔نہیں تو۔۔مم۔۔میں تو۔۔!"خفت

سے سرخ پڑتی وہ ہکلا گئی۔چہرے پر گھبراہٹ

کے آثار نمایاں ہونے لگے۔وہیں ان کے

قریب ہی بیڈ پر بیٹھی ناجیہ بیگم ہولے سے

مسکرائی تھیں۔

"تو اس میں کیا برا ہے اگر صحت مند ہو رہی ہے

ماشاءاللہ۔اچھا ہے ناں ایسے زیادہ پیاری لگتی

ہے۔۔!" ننھے سبحانی کے کپڑے تبدیل کرتی

ناجیہ بیگم نے خوشدلی سے کہا۔بیڈ کراؤن سے

ٹیک لگائے بیٹھی صندل کی نظریں ہنوز اسے

کھوج رہی تھیں۔

"پیارادِکھنے کے لیے صرف صحت ہی واحد

خصوصیت کافی نہیں ہوتی آپا۔۔کچھ رنگ روپ

،کچھ نین نقوش بھی پیارے ہونے چاہئیں

ناں۔۔۔؟؟"زہرہ سے نظریں ہٹا کر وہ طنزاً

بولی۔اُن کے لب و لہجے پر ناجیہ بیگم نے کچھ

ناپسندیدگی سے ان کی جانب دیکھا۔ ابھی دو دن

پہلے ہی سجانی کی پیدائش کے مرحلے سے

گزرتے ہوئے وہ عورت موت کے منہ سے

واپس آئی تھی لیکن غرور وہیں کا وہیں تھا۔

" صحیح کہہ رہی ہو تم لیکن تمہیں جب بھی دیکھتی

ہوں مجھے یہی لگتا ہے کہ پیارا دِکھنے کے لیے

صرف خوش اخلاق ہونا ہی ضروری ہے۔ زبان

میٹھی نہ ہو تو پیاری صورت دیکھنے کو بھی جی نہیں

چاہتا۔!" سجانی کو گود میں لیتی وہ اپنے مخصوص

نرم لہجے میں بولیں تو صندل بیگم کا چہرہ احساس

توہین سے پل میں سرخ ہوا تھا۔

"زہرہ تم جاؤ اور دیکھو یہ ولید کہاں ہے، جاگ

گیا ہے تو اس کے ناشتے پانی کا انتظام کرو۔۔!"

زہرہ کو وہاں سے غائب کرنے کو وہ سنجیدگی سے

بولیں۔ وہ فوراً پلٹی۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں آپا۔۔؟؟ ایک کالی کلوٹی

کم ذات نوکرانی کو آپ مجھ سے خوبصورت کہہ

رہی ہیں۔۔!" ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہوتی صندل

بیگم غرائی تو ناجیہ بیگم نے آگے جھک کر اُن کے

کندھے پر دباؤ ڈال کر انہیں پھر سے پیچھے ٹیک

لگانے پر مجبور کر دیا۔

"ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے سو خود کو

تکلیف مت دو میں نے تمہارا نام نہیں لیا۔۔!"

ناجیہ بیگم نے تحمل سے کہتے ہوئے سجانی کو اُن کی

طرف بڑھایا۔ وہ اب رونے کی تیاری پکڑ رہا تھا۔

"کڑھنے کی بجائے اپنے بچے کی معصوم شکل

دیکھو۔ بھوکا ہے، تمہاری ضرورت ہے

اسے۔۔!" ناجیہ بیگم نے نرمی سے کہا تو صندل

بیگم نے ضبط کرتے ہوئے سجانی کو اپنی آغوش

میں لے لیا۔ انہیں سجانی کے ساتھ مصروف

ہوتے دیکھ ناجیہ بیگم نے سکون کا سانس لیا۔

جبکہ دوسری جانب زہرہ جب کچن میں گئی تو وہ

پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

"ناشتہ مل جائے گا اب۔۔؟؟" فریج سے

ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالتا وہ آہستگی سے بولا۔

تبھی مائی کرماں بھی کچن میں چلی آئی تھیں۔

"سلام چھوٹے سرکار۔۔ناشتے میں کیا لیں گے

آپ میں بنا دیتی ہوں۔۔!" وہ اسے سلام جھاڑتی

تابعدار سی نظر آرہی تھی۔

" آج میرا کچھ زیادہ کا موڈ نہیں ہے آپ بس

سیب اور دودھ بھجوادیں پلیز۔۔!" ایک نظر

زہرہ پرڈال کر وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تھا جبکہ مائی

کرماں جو اس کے بچپن سے جوانی تک ہر لمحے کی

گواہ تھیں اس کے تقاضے پر کچھ حیران ہوئی۔

پھلوں کا تو وہ شوقین تھا لیکن سادہ دودھ وہ کبھی

نہیں پیتا تھا۔

"خالی دودھ۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے وہ کچھ جھجھک

گئی۔بوتل فریج میں رکھتا ولید بھی چونک گیا۔

زہرہ اس کے ناشتے کے لیے ٹرے سیٹ کر رہی

تھی۔

"جی وہ۔۔یوں کیجئے گا چینی مت ڈالیے گا، پھیکا

ہی۔۔!"اس نے دودھ پینے کا تصور کرتے ہوئے

پل میں فیصلہ کر کے انہیں ہدایت دی۔وہ جی

اچھا کہہ کر زہرہ کی طرف بڑھ گئیں تو وہ بالوں

میں ہاتھ چلاتا کچن سے نکل گیا۔بارہ تو بج ہی چکے

تھے دوپہر میں پھر ڈیڑھ بجتے ہی، مردان خانے

میں ذوالفقار عالم شاہ کے ساتھ دستر خوان پر اس

کی موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ وہ سیدھا اپنے

کمرے میں آیا تھا، جانتا تھا کہ مائی کرماں

سیڑھیاں چڑھنے سے بہت عرصہ ہوا معزول ہو

چکی ہیں۔جب تک وہ فریش ہو کر آیا اس کا سیب

اور دودھ کے ایک عدد گلاس پر مشتمل ناشتہ لیے

وہ دروازے میں ایستادہ تھی۔

"اجازت ہے۔۔؟؟" نگاہیں جھکائے سپاٹ چہرہ

لیے وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"کیا تمہیں اجازت کی ضرورت ہے۔۔؟؟" گیلے

بال تولیے سے رگڑتا وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

"میں نے پوچھا ہے کیا میں آجاؤں۔۔؟" زہرہ

نے نظریں اٹھاتے ہوئے بے تاثر لہجے میں

پوچھا۔

"ہمممم۔۔۔ آجاؤ۔۔!!" نرمی سے کہتے ہوئے وہ

اسی کی جانب بڑھا تو ولید کی سائیڈ سے گزر کر وہ

بیڈ کے پاس آگئی۔ جب تک اس نے میز بیڈ پر

رکھی وہ دروازہ لاک کر چکا تھا۔

"یہ دروازہ کیوں بند کیا ہے آپ نے۔۔؟؟" وہ

پل میں حواس باختہ ہوئی تھی۔اس کے یوں ڈر

جانے پر ولید نے بامشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"ناشتہ نہیں کرنا۔۔؟؟" قدم قدم اس کی جانب

بڑھتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"وہ تو آپ نے کرنا ہے۔۔!" وہ فوراً بولی۔

"نہیں میں بس دوپہر میں ہی کھاؤں گا یہ

تمہارے لیے ہے۔۔!" اس کے سر پر پہنچتا وہ

آرام سے بولا۔ زہرہ دو قدم پیچھے ہوئی۔

"میں نہیں کھاؤں گی آپ یونہی وقت بے وقت

مجھے کھلا کھلا کر موٹا کر دیں گے۔۔!" نفی میں سر

ہلاتی وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔اس کی منطق پر

حیران ہوتا وہ دھیرے سے ہنسا۔

"تمہیں اپنی سمارٹ نیس کی پرواہ ہے۔۔؟؟"

اس کی پیشانی پر ابھرتے تو کبھی معدوم ہوتے

بلوں کی ناراضگی سے محظوظ ہوتے ہوئے ولید نے

نرمی سے پوچھا۔

"مجھے لوگوں کی نظروں کی پرواہ ہے۔ موٹی ہو

جاؤں گی تو سب پوچھیں گے پھر میں کیا جواب

دوں گی۔۔!" مسلسل قدم پیچھے رکھتی وہ تڑخ کر

بولی۔ ولید نے ایک ہی جست میں آگے بڑھ کر

اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

"جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ اور تمہیں کسی کو

جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے پہلے

بھی کہا تھا تم پر اٹھنے والے ہر سوال کا جواب میں

دوں گا۔۔!" اس کے سر سے ڈھلکتا دوپٹہ اس کی

پیشانی تک لے کر آتا وہ نرمی سے بولا۔ زہرہ نے

آہستگی سے خود کو اس کی گرفت سے چھڑوا کر

اپنی ہتھیلیاں اسکے سینے پر رکھیں۔

"مجھے یہ اچھا نہیں لگتا سرکار۔۔میں نے ناشتہ کر

لیا تھا مجھے نہیں کھانا یہ۔۔!" وہ نظریں اٹھائے

سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ انداز اپنی بات

منوانے والا تھا۔

"تمہاری صحت کا معاملہ نہ ہوتا تو تمہارا سرکار

تمہاری اس ادا پر تمہارا غلام ہو جاتا زہرہ۔۔ یہ

ضروری ہے پلیز۔۔!" اپنے دل والی سائیڈ پر رکھا

اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے ولید نے

مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر

دھیمی مسکراہٹ بے حد بھلی لگتی تھی۔ اپنے

بدلتے جذبات کی نوعیت سے انجان وہ بے بس

سی ہو کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔۔ جلدی سے

فنش کرو میں اتنے اپنی الماری سیٹ

کرلوں۔۔!" اس کا گال تھپتھپا کر نرمی سے کہتا وہ

پیچھے ہٹ گیا۔ زہرہ نے شکست خوردہ سی ہو کر

اس کی پشت کو دیکھا پھر مرے ہوئے ہاتھوں

سے سیب کی قاشیں منہ میں رکھنے لگی۔ بلاشبہ

ولید شاہ ایک ضدی ترین شخص واقع ہوا تھا۔

شاید وہ زور زبردستی کا ہی قائل تھا۔

پہلے زبردستی اس کے وجود پر قبضہ کیا تھا اس نے،

پھر زبردستی نکاح۔۔ اور اب۔۔۔ اب

زبردستی کی محبت۔۔ہاں وہ اسے مجبور کر رہا تھا۔

خود سے محبت کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ راہداری پار کر کے وزیٹنگ روم میں آیا جہاں

وہ پہلے ہی اس کی منتظر تھی۔

"چین نہیں پڑتا ناں تمہیں۔۔؟؟" اسے

آنکھیں دکھاتے ہوئے عالم نے پوچھا تو علیشہ نے

کندھے اچکائے۔

"ہاں نہیں پڑتا مجھے تمہارے بنا چین لیکن تم ہو

ہی بے قدرے۔۔ مجال ہے جو کبھی میری قدر

کی ہو۔۔!" اس پر جھپٹ کر اس کے بال کھینچتی

وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔نہ چاہتے ہوئے بھی وہ

ہنسا تھا۔

"جنگلی بلی یہ گھر نہیں ہاسٹل ہے کچھ تو لحاظ

کرو۔۔!" اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے روکنے

کی کوشش کرتا وہ بولا تھا۔

"میں بدلحاظ ہوں ان آداب سے ناواقف

ہوں۔۔!" اسکے پیٹ میں کہنی مار کر کہتی وہ ہاتھ

جھاڑتی اس سے دور ہو گئی جبکہ وہ بے چارہ پیٹ پر

ہاتھ رکھتا اوہ آہ کرتا صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اللہ حساب لے گا تم سے دیکھ لینا۔۔!" وہ

مصنوعی آنسو پونچھتا دہائی دینے والے انداز میں

کہہ رہا تھا۔علیشہ کھکھلائی۔

"تمہاری دھلائی کرنے کے بعد میں اب کافی بہتر

محسوس کر رہی ہوں۔۔!" اس کے سامنے والے

سنگل صوفہ پر بیٹھتی وہ اسے چڑانے والے انداز

میں بولی۔

"اب فرماؤ گی کہ کیوں میرا دماغ خالی کرنے آئی

ہو۔۔؟"

عالم نے دانت کچکچاتے ہوئے پوچھا تو علیشہ نے

منہ ٹیڑھا کر کے اس کی نقل اتاری۔

"منہ دھو رکھو تمہاری شکل دیکھنے کے لیے نہیں

آئی۔ یہ بتاؤ کہ بھائی کو اچانک لندن جانے کی کیا

سوجھی۔۔؟؟ ماسٹرز کر تو لیا ہے اب یہ

ایم۔بی۔اے کرنے کی کیا تُک ہے۔۔؟؟" وہ

اس بار سنجیدہ ہوتی فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"لو دیکھ لو کتنی جھوٹی ہو تم ابھی تم کہہ رہی تھیں

کہ تمہیں میرے بنا چین نہیں پڑتا اور سچ یہ ہے

کہ تم بھائی کی وجہ سے مجھے ملاقات کا شرف بخشنے

آئی ہو۔۔!" تاسف کا بھرپور مظاہرہ کرتا وہ

اسے شرم دلانے والے انداز میں بولا تو علیشہ نے

فوراً دانتوں کی نمائش کروائی۔

"ہاں کیونکہ مجھے پتہ ہے تمہاری یہ بسوری ترین

شکل مجھے ہر دوسرے دن بعد دیکھنے کو ملنے والی

ہے لیکن میرے ہینڈسم بھائی۔۔پورے تین سو

پینسٹھ دنوں کے لیے ہم سے دور جا رہے

ہیں۔ ہائے میں کیسے رہوں گی عالم۔۔۔!" وہ غیر

سنجیدگی سے بولتی آخر میں واقعی افسردہ ہوگئی۔

عالم کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"تمہاری معلومات میں یہ تازہ ترین اضافہ کس

نے کیا ہے ویسے۔۔!"

"صندی پھپھو نے۔۔!" وہ ٹھوڑی تلے مٹھی

رکھتے ہوئے بولی۔

"تو انھی سے پوچھ لینا تھا کہ بھائی کو کیا سوجھی

کیونکہ مجھے اس بارے میں کوئی خاص انفو نہیں

ہے۔۔۔!" عالم نے اسے ٹالنے کو کہا لیکن وہ بھی

اپنے نام کی ایک تھی۔

"جھوٹ بالکل مت بولو عالم۔۔ فپھو کو تو اس

لڑکی والے معاملے کا بھی نہیں پتہ وہ تو خود بھائی

کے اچانک اس طرح لندن جانے کی وجہ سے

پریشان ہیں۔ تمہیں سب پتہ ہو گا مجھے یقین

ہے۔۔!" سیدھی ہو کر بیٹھتی وہ ناراضی سے فر فر

بولتی چلی گئی۔

"تم نے مجھ سے ہی سب کچھ کیوں اگلوانا ہوتا

ہے۔۔؟ اپنے ہینڈسم بھائی سے ہی پوچھ لو

ناں۔۔!" عالم اسے بتانے سے گریز کر رہا تھا

کیونکہ اس کا کچھ پتہ نہ تھا وہ صندل بیگم کو ہی

سب بتا دیتی۔

"وہ اگر بتاتے تو تمہارے پاس نہیں آتی میں۔۔

اب پھوٹ رہے ہو منہ سے کچھ یا پھر تمہیں گنجا

کروں میں۔۔؟؟" دھمکی دینے والے انداز میں

کہتی وہ صوفے سے اٹھنے کو تھی جب عالم نے

سرینڈر کرنے والے انداز میں ہاتھ اٹھائے۔

"بتا رہا ہوں میری ماں۔۔۔!" وہ دانت پیس کر

بولا تو وہ اطمینان سے بیٹھ گئی۔

"منصب اس لڑکی کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا اور جتنا

مجھے اندازہ ہو پایا ہے وہ لڑکی بابا سرکار کے کسی

فرینڈ کی بیٹی ہے سو اب بابا اس لڑکی کو پروٹیکٹ

کر رہے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ منصب اب بن

پانی مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہے۔ وہ ہر صورت

اس لڑکی کو ہرٹ کرنا چاہتا ہے اسی لیے بابا نے

دادا سرکار کو بنا کچھ بتائے، اس سب میں اس

طرح انوالو کیا ہے کہ دادا نے خود مون کی ٹکٹس

کنفرم کروائی ہیں۔۔!" عالم نے سنجیدہ ہوتے

ہوئے اسے ساری بات بتائی تو علیشہ کے لب سیٹی

بجانے کے سے انداز میں سکڑ گئے۔

"ذوالفقار دادا کی تو بھائی میں جان بستی ہے وہ بنا

سچ جانے بھائی کو اتنی دور بھیجنے پر کیسے مان سکتے

ہیں۔!" علیشہ نے الجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

"بھائی کے مستقبل کی خاطر۔۔اور یہ بھی وجہ

ہے کہ بابا نے ون ائیر ایم۔بی۔اے میں

ایڈمیشن کروایا ہے اس لیے بھی دادا کو سکون ہے

کہ چلو ایک سال کی ہی تو بات ہے۔۔!" وہ اسے

مزید آگاہ کر رہا تھا۔علیشہ نے پوری بات سن کر

گہرا سانس خارج کیا۔

"کب کی فلائٹ ہے۔۔؟؟"اس نے کچھ اداس

سی ہو کر پوچھا۔"کل دوپہر تین بجے۔۔"عالم

نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"یہ جو بھی ہو رہا ہے ٹھیک نہیں ہو رہا مہربان

شاہ۔۔بھائی کی نیچر کا ہم سبھی کو پتہ ہے اگر وہ

اس لڑکی کے لیے ضد کر رہے ہیں تو ایک سال

میں وہ اسے نہیں بھولیں گے۔۔!"علیشہ نے کچھ

فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"تم پریشان نہیں ہو پلیز۔۔ بابا سرکار نے کچھ

سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہو گا۔۔!" عالم بھی

پریشان تھا لیکن بظاہر اسے تسلی دینے لگا۔علیشہ کا

موڈ کافی حد تک آف ہو چکا تھا وہ اسے منصب کو

سی۔آف کرنے کی بابت کنفرم کر کے وہاں سے

چلی آئی۔ وہ بوائز ہاسٹل سے جیسے ہی باہر نکلی اس

کی نگاہ سٹاف ہاسٹل سے نکلتے سر شمس پر پڑی

تھی۔ علیشہ کو صبح والا منظر یاد آگیا جب اس کے

آئی لو یو کہتے ہی شمس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اس

وقت کو یاد کر کے لطف اندوز ہوتی وہ اس کی

طرف بڑھی جبکہ اس پر نظر پڑتے ہی شمس نے

ناگواری سے چہرے کا رخ بدل لیا۔ دوپٹے جیسی

شے سے بے نیاز وہ صبح والے سوٹ میں ہی

سڑک پر چلتی ہر مرد کی نگاہ کا مرکز بنی ہوئی

تھی۔

"سر۔۔۔سر۔۔سر۔۔!"

چلتی سڑک احتیاط سے پار کر کے وہ اس تک آئی

تھی۔ شمس نے اس کی خاطر اپنے قدم تو نہ روکے

لیکن رفتار ضرور دھیمی کر لی تھی۔

"سر آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا۔۔؟؟" اس کے

ہم قدم ہوتی وہ غیر سنجیدگی سے بولی۔

"ٹیچر اور سٹوڈنٹ کے درمیان ناراضگی کی کوئی

گنجائش نہیں ہوتی مس علیشہ۔۔!" اپنا ایک ہاتھ

جینز کی پاکٹ میں پھنسا کر چلتا وہ ہمیشہ کی طرح

سرد لہجے میں بولا۔

"اگر ہوتی بھی تو میں نے کون سا آپ کو منا لینا

تھا۔۔!" اپنے بازو لپیٹتی پھر سے پڑی سے اترتی

بولی تو شمس نے اس کی بات پر اس کی جانب

دیکھا۔ وہ زبان دانتوں سے باہر نکال کر ہنس

دی۔ شمس نے نگاہوں کا رخ بدل لیا۔

"تو پھر آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔۔!" وہ بھرپور

سنجیدگی سے گویا ہوا۔ شاید مسکرانے پر اسے

ماہانہ بل آتا ہو۔ علیشہ کو تو کم از کم ایسا ہی لگا تھا۔

"یعنی آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کو منانے آئی

ہوں۔۔!" سڑک کا موڑ کاٹتے ہی وہ پہلی بک

شاپ میں گھسا تو اس کی تقلید کرتی وہ دھیمی آواز

میں بولی تھی۔

"نہیں شاید آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ سے

ناراض ہوں۔۔ آپ نے پوچھا بھی تھا۔۔!" بنا

پلٹے اسے جواب دیتا وہ کاونٹر کی طرف بڑھ گیا۔

جس طرح وہ آج اس سے گفتگو کر رہا تھا علیشہ کو

گمان ہونے لگا تھا جیسے وہ شمس سے نہیں کسی اور

شخص سے بات کر رہی ہے۔

"شاید میں غلط تھی۔۔!" وہ بھنویں اچکاتی بولی تو

اس غیر متوقع جواب پر وہ کاؤنٹر پر بیٹھے شخص کو

اپنا ممبر شپ کارڈ دیتے ہوئے اس کی جانب پلٹا۔

وہ دونوں ہی آج ایک دوسرے کو حیران کر رہے

تھے۔علیشہ کے لبوں کے ساتھ اس کی بھوری

آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"شاید۔۔؟؟؟میرا یقین کرلیں آپ ہمیشہ ہی

غلط ہوتی ہیں۔۔!" وہ آگ لگانے والے برف

لہجے میں بولا تو برا ماننے کی بجائے وہ اپنی عادت

کے مطابق کندھے اچکا گئی۔

"سر یہ لڑکی۔۔؟؟" آدمی کی آواز پر وہ کاؤنٹر کی

طرف رخ بدل گیا۔

"میرے ساتھ ہے۔۔!" اسے مطلع کر کے وہ

کاؤنٹر کے آخر میں فرسٹ فلور کو جاتی سیڑھیوں

کی طرف بڑھ گیا۔علیشہ جانتی تھی اوپر ایک

لائبریری ہے۔اطراف میں بکس خریدتے بیچتے

نفوس پر ایک نگاہ ڈال کر وہ اس کے پیچھے ہو لی جو

کاؤنٹر پر اسے متعارف کروا چکا تھا۔

"ایکچوئلی میں صبح والی شرارت کے لیے آپ سے

معافی مانگنا چاہتی تھی۔۔!" اب یہ فضہ سے ضد کا

نتیجہ تھا یا بدلتے جذبات کی رُو جس میں بہہ کر وہ

اپنی فطرت کے خلاف بول رہی تھی۔اس کا رویہ

شمس کو حیران کر رہا تھا۔وہ بنا اسے جواب دیے

اس بک ورلڈ میں مختلف بک ریکس کے سامنے

رکتا اپنی مطلوبہ کتب نکال رہا تھا۔علیشہ وہیں

سیڑھیوں کے پاس ہی سنگل صوفہ پر بیٹھ کر

آس پاس دیکھنے لگی۔ وہاں اور بھی بہت سے

لڑکے اور لڑکیاں کتب کے مطالعے میں

مصروف تھے۔ شمس پانچ سے دس منٹ کی

مشقت کے بعد تین چار کتابیں اپنے ہاتھ میں

لیے علیشہ کے بالکل سامنے دوسرے صوفے پر آ

بیٹھا۔ درمیان میں نصب گول میز پر کتابیں

رکھتے ہوئے اس نے زرا فرصت سے علیشہ کی

جانب دیکھا۔

"اور کچھ باقی رہتا ہے۔۔؟؟"میز کی سطح اپنی

مضبوط انگلیوں سے ناک کرتا وہ پوچھنے لگا۔اس

کے سوال پر علیشہ کی مسکاتی آنکھیں ایک بار پھر

شرارت سے چمکنے لگیں۔ وہ زرا سی جھکی اور اپنے

ہاتھ میز کی سطح پر جمائے۔

"ابھی تو شروعات ہی نہیں ہوئی اور آپ باقی کا

پوچھ رہے ہیں۔۔؟؟" معنی خیزی سے کہتے

ہوئے اس نے آخر میں پھر زبان دانتوں سے باہر

نکالی۔اس لڑکی کی بے باکی اسے ہر بار حیران کر

دیتی تھی۔شمس نے نظروں کا رخ بدلنا چاہا تو

نظریں میز کی سطح پر رکھے اسکے ہاتھوں پر گئیں۔

اس کے گندمی ہاتھ کے سامنے علیشہ کے دودھیا

ہاتھ الگ ہی چھب دکھلا رہے تھے۔ شمس کے

دل میں آگ سی بھڑکنے لگی۔ اپنے ہاتھ کی مٹھی

بناتے ہوئے اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا کہ اگر چند

انچ بھی آگے بڑھا لیتا تو یقیناً وہ اس مغرور حسینہ

کے ہاتھوں کو چھو لیتا۔

"میرا خیال ہے اب آپ کو جانا چاہئیے۔۔!"

اپنے سامنے کتاب کھولتے ہوئے شمس نے نگاہیں

زبردستی کتاب پر جماتے ہوئے کہا تھا۔

"حالانکہ آپ نے مجھے جواب نہیں دیا۔۔!"

ٹانگ پر ٹانگ جماتے ہوئے علیشہ نے لاپرواہی

سے کہا۔

"کس بات کا۔۔؟؟" شمس نے بھنوؤں کو جنبش

دیتے ہوئے پوچھا۔

"تھری میجیکل ورڈز کا۔۔!"علیشہ کے پاس شاید

کوئی سیدھا جواب کبھی ہو نہیں سکتا تھا۔شمس

سمجھ گیا کہ وہ اسے صبح والی شرارت کا اشارہ دیتی

حقیقتاً تھوڑی دیر پہلے مانگی گئی معافی کی بابت کہہ

رہی ہے۔

"وہ تو غالباً شرارت تھی ناں۔۔؟؟"وہ بھی

انجان بنتا اسے صبح کے حوالے سے ہی جواب

دے رہا تھا۔

"لیکن ابھی میں سنجیدہ ہوں۔۔!"علیشہ ہولے

سے مسکرائی۔

"تو ابھی آپ نے کون سے میجیکل ورڈز کہے

ہیں۔۔؟" وہ سادگی کی آخری حدوں پر تھا۔

"دوبارہ کہہ دوں۔۔؟؟" علیشہ نے اس بار دانت

پیستے ہوئے پوچھا۔

"اگر آپ چاہیں تو ضرور۔۔!" وہ کتاب بند کرتا

کندھے اچکا گیا۔علیشہ نے ایک گہرا سانس لیا۔۔

جیسے وہ اس بحث سے تھک گئی تھی۔۔

"آئی ایم سوری۔۔!" اس نے بڑے ادب کے

دائرے میں لبوں کو حرکت دی تھی۔

"ریجیکٹڈ۔۔!" بے تاثر لہجے سے کہہ کر شمس نے

دوبارہ کتاب کھول لی۔ شمس کی اس بدلحاظی پر

علیشہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"انسان مروت ہی نبھالیتا ہے سر۔۔!" وہ

قدرے تپ کر بولی۔

"میں پیدائشی بے مروت ہوں۔۔!" گریبان

میں اٹکا بال پین ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے بے

نیازی سے کہا۔ وہ صبر کے گھونٹ بھرتی ایک

جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر سخت ناپسندیدہ

نظروں سے اسے گھورا وہ نظر انداز کیے کتاب پر

نظریں دوڑاتا رہا۔

"جا رہی ہوں میں۔۔!" وہ اسے سنانے کو بولی۔

"میرا وقت ضائع کرنے کے لیے میں آپ کو

شکریہ بالکل نہیں کہوں گا۔۔!" وہ اس کو جاتے

جاتے بھی تپانا نہیں بھولا تھا۔وہ پیر پٹختی

سیڑھیوں کی طرف مڑتی نیچے اترتی چلی گئی۔

کتاب پر جھکتے ہوئے ایک بھولی بسری مسکراہٹ

نے شمس کے لبوں کو چھوا لیا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"آپ نے بات کی ہے مون سے۔۔؟؟" ان کے

سر سے امامہ شریف اتارتے ہوئے ناجیہ بیگم نے

دھیمی آواز میں پوچھا۔

"ہوں۔۔۔!" انہوں نے ہنکارا ابھرا۔

"کیا کہا اس نے۔۔؟؟" ان کے ہاتھ سے کف لنکس لے کر وہ باکس میں رکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ بازو کہنیوں تک فولڈ کرتے وقار عالم شاہ نے نرم نگاہوں سے ان کا لاپرواہ انداز دیکھا۔

جانتے تھے کہ اندر ہی اندر وہ منصب کے لیے

تڑپ رہی ہیں۔

"وہ کیا کہہ سکتا تھا۔ خاموش تھا، باقی آپ جا کر

مل لیجئے اپنے بیٹے سے، کل چلا جا رہا ہے وہ، شاید

اسے آپ کی ضرورت ہو۔۔!" بیڈ پر ٹانگیں پھیلا

کر بیٹھتے ہوئے انھوں نے سنجیدگی سے کہا۔

نظریں انہی پر تھیں جن کی آنکھ سے نکلتا آنسو

ڈریسنگ ٹیبل پر ٹپکا تھا۔

"جیہ۔۔یہاں آئیں۔۔!" ان کی طرف ہاتھ

بڑھا کر وقار عالم شاہ نے نرمی سے انہیں پکارا تو

ناجیہ بیگم نے تڑپ کر ان کی جانب دیکھا۔

"کیا اسے ہم سے دور بھیجنے کے علاوہ اور کوئی حل

نہیں ہے آپ کے پاس۔۔؟؟" وہ ان کی جانب

آتی روہانسی ہو کر بولیں۔

"فی الحال مجھے اس سے بہتر کوئی حل نظر نہیں

آرہا۔۔!" ان کے ہاتھ تھام کر انہیں اپنے پاس

بڑھاتے وہ بے تاثر لہجے میں بولے۔شاید وہ

منصب کے معاملے میں کسی قسم کی جذباتی لغزش

کا شکار نہیں ہونا چاہتے تھے۔

"سائیں وہ پہلے ہی بگڑ چکا ہے، اس پر مستزاد آپ

اسے ایک فحش ملک روانہ کر رہے ہیں اگر وہ

مزید بگڑ گیا تو۔؟؟" وہ اس کے لیے بے حد

پریشان نظر آ رہی تھیں۔

"تو آپ کو کیوں کہہ رہا ہوں کہ اس سے جا کر

ملیں۔ اسے سمجھائیے۔ اگر اس میں میرے خون

کی گرمائش اور آپ کی پرورش کا لحاظ باقی ہوا تو وہ

وہاں بھی خود کو سنبھال لے گا ورنہ اس کے

حالات تو آپ یہاں بھی دیکھ ہی چکی ہیں۔۔!" وہ

اس سے سخت نالاں تھے۔ لہجے میں سرد مہری کا

عنصر نمایاں تھا۔

"تو آپ اسے کھلی چھوٹ دے رہے ہیں۔

راستہ چننے کا اختیار اسی کو دے رہے ہیں پھر

چاہے وہ بدی سے بچ جائے یا بدی کی دلدل میں

اتر جائے۔ آپ کچھ نہیں کریں گے۔۔؟"ناجیہ

بیگم آواز میں گھلتی نمی کو پیتی سنجیدگی سے بولیں۔

"یہیں سمجھ لیں۔۔!" وقار عالم شاہ نے شکست

خوردہ لہجے میں کہا تو ناجیہ بیگم نے ان کی گرفت

سے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

"ٹھیک ہے پھر۔۔مجھے کوشش کر لینے

دیجئیے۔۔!" ان کے پاس سے اٹھتی وہ بھرائی

ہوئی آواز میں بولیں۔ وقار عالم شاہ نے ایک نظر

ان کے رنجیدہ چہرے پر ڈالی پھر لب بھینچتے

ہوئے سائیڈ ٹیبل سے کتاب اٹھالی۔ یہ ان کی

جانب سے اشارہ تھا کہ وہ جا سکتی ہیں۔ وہ اپنی

چادر سنبھالتی کمرے سے باہر نکل آئیں۔ اس

کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے

اطراف میں دیکھا۔ نماز عشاء کے بعد حویلی میں

حسب معمول نیم تاریکی کا راج تھا۔ اس کے

کمرے کے دروازے تک آکر انہوں نے

دروازے کی ہتھی گھمائی، دروازہ کھلتا چلا گیا۔ وہ

خاموشی سے اندر داخل ہو گئیں اور سوئچ بورڈ پر

ہاتھ مار کر کمرے کی تاریکی دور کر دی۔ سامنے ہی

وہ بیڈ آڑھا ترچھا سا لیٹا ہوا تھا۔ آہٹ محسوس

کر کے اس نے چہرہ سے کشن ہٹایا۔ حد سے زیادہ

سرخ آنکھیں جن کی پلکوں پر کچھ نمی سی تھی۔

انہیں مقابل دیکھ کر اس نے بے دم سا ہو کر چہرہ

بیڈ کی نرم سطح میں گھسا لیا۔ ناجیہ بیگم کا دل دکھ

سے بھر گیا۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے انہوں

نے نرمی سے اسکے بالوں میں ہاتھ چلایا۔ ان کے

نرم و شفیق لمس پر منصب نے چہرہ سیدھا کیا اور

زرا سا ان کی طرف سرکتے ہوئے اپنا سر ان کی

گود میں رکھ لیا۔ جانے کتنے آنسو چپ چاپ جیہ

بیگم کی آنکھوں سے نکل کر اس کے بالوں میں

جذب ہو گئے۔

"مجھے نہیں جانا اماں۔۔۔!" وہ کافی دیر خاموشی

سے اس کا سر سہلاتی رہیں تو وہ حد سے زیادہ

بھاری ہوتی آواز میں بولا۔ ناجیہ بیگم کے

آنسوؤں میں روانی آگئی۔

"بابا کو کہیں ناں، مجھے نہیں جانا اماں۔۔!!" وہ

کسی چھوٹے بچے کی طرح ضدی انداز میں بول رہا

تھا۔

"منصب تم جانتے تو ہو۔۔!" آنسوؤں کی باعث

ان سے مزید بولا نہ گیا تو وہ سیدھا ہوتا چیخ گیا۔

'کچھ نہیں جانتا میں اماں، میں نہیں جانتا کچھ

بھی۔۔ میں تو یہ بھی ٹھیک سے نہیں جانتا کہ

اس، وقت یہ جو آسیب میرے اندر گھس کر بیٹھ

گیا ہے یہ کس کا ہے۔ جس سے بات کروں وہ یہی

کہتا ہے تم جانتے تو ہو منصب۔۔ ارے نہیں

جانتا یار میں کچھ بھی۔۔پہلے مجھے کوئی اس آسیب

کا بتائے یہ کون ہے یہ کس کا ہے۔یہ کیوں ہے

مجھے میں۔۔۔!" وہ اٹھ کر بیٹھتا وحشت بھری

نگاہوں سے ان کی جانب دیکھتا عجیب سے انداز

میں کہہ رہا تھا۔

"تم کیوں اس لڑکی کو خود پر سوار کر رہے ہو

میرے بچے دنیا اسی پر تو ختم نہیں ہوتی۔۔!" اس

کار خسار چھوتے ہوئے انہوں نے محبت سے چور

لہجے میں کہا۔ اس پل وہ صرف منصب عالم شاہ کی

اماں تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ مہر کون ہے

کس کی بیٹی ہے وہ صرف یہ جانتی تھیں کہ ان کا

لخت جگر اس لڑکی کی وجہ سے اپنے آپ کو

تکلیف دے رہا ہے۔ ان کی بات پر اس نے

اذیت سے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے سوار نہیں کیا اماں آپ کی قسم وہ خود

ہو گئی ہے۔۔!" ان کے ہاتھ تھامتا وہ بے خودی

میں کتنا بڑا اعتراف کر گیا تھا اسے خود کو بھی

اندازہ نہیں تھا۔

"اب تو کچھ نہیں ہو سکتا ناں۔۔ تم۔۔ ایک۔

ایک سال کی تو بات ہے بس۔۔ تم ایم۔بی۔اے

کر آؤ پھر ہم اس معاملے کو حل کریں گے۔۔!"

انہوں نے اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔

"اماں ایک سال۔۔۔؟؟ ایک ہفتہ بھی انتظار

نہیں کر سکتا میں۔۔ آ۔۔ آپ کہہ رہی تھیں ناں

نکاح۔۔ ٹھیک ہے میں ہارا آپ جیتی مجھے میری

شکست قبول ہے آپ نکاح کروادیں بس مجھے وہ

لڑکی چاہئیے۔۔!" وہ انکے ہاتھوں کو اپنے جڑے

ہاتھوں میں لیا بے بس سا بولتا چلا گیا۔ وہ منصب

عالم شاہ نہیں کسی نشے کی لت میں مبتلا نشئی لگ

رہا تھا جسے جلد از جلد منشیات کی ضرورت تھی۔

"اب یہ ممکن نہیں ہے۔ کل فلائٹ ہے تمہاری

اب اس بات کو اپنے ذہن سے نکال دو۔۔!"

اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ کھینچتے ہوئے

انہوں نے جیسے اسے بے سہارا کیا تھا۔ منصب

نے نفی میں سر ہلایا۔

"آ۔۔۔ آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔۔ آپ میری

بات سنیے۔۔!" اپنے بال پیچھے کرتا وہ خود کو

سنبھالنے کی کوشش کرتا ان کے قریب ہوا۔

ناجیہ بیگم کا دل کٹ رہا تھا۔ وہ لاپرواہ، بے باک

اپنے آپ میں مگن رہنے والا خود پسند انسان تھا

جانے کیوں کسی اور کو پسند کر بیٹھا تھا۔

"آپ جانتی ہیں ناں میں بچپن سے ہی کچھ نیو

کرنے کی تلاش میں رہتا ہوں۔ ہمیشہ سے ایسا ہی

ہوں اپنی ضد ضرور پوری کرتا ہوں لیکن اس

بار۔۔ اس بار بابا درمیان میں آکر میرے ساتھ

غلط کر رہے ہیں۔ میں جو چاہتا ہوں وہ نہیں کر

پا رہا اور یہ چیز مجھے بے سکون کر رہی ہے۔ اماں

میں وہاں نہیں رہ پاؤں گا مجھے سکون دے دیں

پلیز مجھے وہ لڑکی لا دیں۔ بے شک نکاح کروا دیں

لیکن پلیز۔۔!" وہ ایک بار پھر ان کے سامنے ہاتھ

جوڑ چکا تھا۔ ناجیہ بیگم نے گہرا سانس لیا۔ اس

لڑکے کو سمجھانا بلاشبہ کوئی آسان کام نہ تھا۔

"تمہیں طلب ہے اس کی۔؟؟" انہوں نے اسی

کی زبان میں اسے سمجھانے کا تہیہ کرتے ہوئے

اس سے واضح سوال کیا۔ منصب نے بنا وقت

ضائع کیے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں ہے۔۔!"

"تمہیں وہ لڑکی چاہیئے۔۔؟؟"

ہر صورت میں چاہئیے۔۔!" وہ قطعیت بھرے

انداز، میں بولا۔"تو پھر اب زرا بچگانہ رویہ ایک

طرف کر کے غور سے میری بات سنو منصب، تم

یہاں ایک سال تو کیا اگر دس سال بھی اس لڑکی

تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو

تب بھی ناکام رہو گے، تمہارے بابا ہمیشہ

تمہارے راستے میں آئیں گے اور یہ تمہیں بھی

پتہ ہے کہ تم انہیں اپنے سامنے سے ہٹا نہیں

سکتے۔۔؟" وہ اسے حالات کا حقیقی رخ دکھاتی

نرمی سے گویا ہوئیں۔ منصب کی آنکھیں ان کی

بات سن کر ماند پڑنے لگیں۔

"ابھی اس لڑکی کا زخم بھی تازہ ہے اور اس کے

ماں باپ کا غم بھی۔۔ اگر تم کچھ عرصے کے لیے

منظر سے ہٹ جاؤ تو معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔

تمہارے بابا بھی کچھ ٹھنڈے پڑ جائیں گے اور

مجھے لگتا ہے کہ اس دوران تمہیں خود کو سمجھنے کا

موقع بھی مل جائے گا۔۔!" وہ ٹھہرے ہوئے

لہجے میں بول رہی تھیں۔

"ایٹ دی اینڈ ہو گا کیا مجھے یہ بتائیں۔۔!" کافی حد

تک ان کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے وہ ہارے

ہوئے انداز میں کہا۔

"ایٹ دی اینڈ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس لڑکی

کو تم تک لے آؤں گی لیکن ابھی تم یہ ضد چھوڑ،

دو۔۔۔!"

"اور نہ چھوڑ سکوں تو۔۔؟؟" بیڈ شیٹ کے

ڈیزائن کو گھورتا وہ آہستگی سے بولا۔

"اب یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے لاڈلے، ساری

زندگی اس لڑکی کے پیچھے خوار ہونا چاہتے ہو یا

ایک سال کے لیے صبر کرنا چاہتے ہو۔۔ انتخاب

تم کرلو۔۔!" انہیں نے آخری چال چلی تھی۔

یعنی پیش کش واضح تھی۔ ایک سال بعد مہرماہ

حسین کی ملکیت یا پھر۔۔۔؟؟؟؟ منصب کے

اندر سوال ابھرنے لگے۔ مہرماہ سے ہاتھ دھونا

بہتر تھا یا پھر ایک سال کا انتظار۔۔ اور وہ نہیں

جانتا تھا اس کے دل نے انتظار کے حق میں فیصلہ

دے دیا تھا۔ نظریں اٹھاتے ہوئے منصب نے

اثبات میں سر ہلا دیا۔

"منظور ہے مجھے۔۔!" ضبط سے کہتے ہوئے وہ

مزید سیدھا ہوا اور ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"میں جانے سے پہلے ایک بار اس سے ملنا چاہتا

ہوں اماں۔۔!"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم ایک بار اس سے

مل لو۔مل لو گے تو یقیناً تمہارا ایک سال اتنی بے

سکونی سے نہ کٹے جتنی بے سکونی میں تم اب

ہو۔۔!" کچھ سوچ کر کہتی وہ عجیب سے انداز میں

مسکرائیں۔

"بابا نے اس کے گھر کی سیکیورٹی کا انتظام کیا ہوا

ہے کیسے ملوں۔۔؟؟" سر ہاتھوں میں تھامتا وہ

بے بسی سے گویا ہوا۔

"بارہ بجے کے بعد پولیس فورس ہٹ جائے گی

کیونکہ اول تو تم یہاں ہو اور دوم تم کل جارہے

ہو۔۔!" ان کی بات سن کر منصب نے سرعت

سے گھڑی کی جانب دیکھا جو رات کے پونے دس

بجانے والی تھی۔

"اماں میں جاؤں۔۔؟؟" وہ فوراً کھڑا ہوتا بے

چینی سے گویا ہوا۔ ناجیہ بیگم نے ہولے سے

اثبات میں سر ہلایا۔۔

"تھینک یو اماں۔۔ تھینک یو سو مچ۔۔!" جھک کر

ان کی پیشانی کا بوسہ لیتا وہ پر سکون سا گویا ہوا۔

ناجیہ بیگم مسکرا دیں۔وہ جانتی تھیں کہ وہ جا تو رہا

ہے لیکن واپسی کے قابل نہیں رہے گا۔وہ اپنا

موبائل اور والٹ لے کر منٹوں میں کمرے سے

غائب ہوا تھا۔اس کی ہدایت کے لیے دعا مانگتی

ناجیہ بیگم اس کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

♦□♦□♦□♦□

جس وقت وہ کراچی کی حدود میں داخل ہوا

گھڑی رات کے ڈیڑھ بجا رہی تھی۔ وہ بیس منٹ

سے کم کے وقفے میں اندرونِ شہر کے اس

چھوٹے سے علاقے میں پہنچ گیا تھا۔ اسے درست

پتہ معلوم نہیں تھا لیکن وہ دو بار پہلے بھی وہاں آ

چکا تھا۔ گاڑی مین روڈ پر ہی پارک کر کے وہ

سنسنان پڑی گلیوں میں تیز تیز قدم اٹھاتا اپنی

منزل کی طرف گامزن تھا۔ دس منٹ بعد وہ اس

گلی میں موجود تھا جس میں اس عفریت کا بسیرا تھا

جو اسے چمٹ چکی تھی۔اس کے گھر کی طرف

قدم بڑھاتے ہوئے جانے کیوں منصب کے دل

کی دھڑکنیں تیز ہوئی تھیں۔وہ اس دو منزلہ

عمارت کے سامنے جا کھڑا ہوا جو مہر ماہ حسین کی

رہائش گا تھی۔ویران گلیوں میں کہیں بلیوں کے

لڑنے کی آواز آرہی تھی۔ منصب نے ایک نظر

گھر کے بند دروازے کو دیکھا پھر دوسری نظر

دیوار کی بلندی پر ڈالی۔ دیوار پھلانگنا قریباً نا ممکن

تھا۔ وہ زرا سا پیچھے ہوا اور سر بلند کر کے گھر کی

چھت دیکھنے کی کوشش کی وہ ساتھ والے گھر

سے ملی ہوئی تھی۔ منصب نے اطراف والے

دونوں گھر دیکھے ایک گھر کی دیوار دروازے سے

زرا ہی اونچی تھی۔ اسے یک گونہ سکون ہوا۔

تھوڑی جدوجہد کے بعد وہ دیوار پھلانگ کر اس

گھر کے صحن میں کود گیا، یہ اس کی خوش قسمتی ہی

تھی کہ صحن کے اختتام میں ہی سڑھیاں چھت کو

جا رہی تھیں۔ وہ احتیاط سے دائیں بائیں دیکھتا بنا

آہٹ پیدا کیے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ پھر

اس گھر کی چھت سے وہ مہر ماہ کے گھر کی چھت

پر کودا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی مشکل سے وہ اس

تک جا رہا ہے واپسی میں اُسے اس سے دگنی مشکل

پیش آسکتی ہے لیکن ہائے یہ دل جس کی

گستاخیوں کو سمجھنا اس کے بس کی بات نہیں

تھی۔ چھت سے اترتی سیڑھیاں نیچے برآمدے

میں جا رہی تھیں۔ برآمدے میں لگی گرل اندر

سے لاک تھی۔ منصب نے گہرا سانس لیا یعنی

اگر وہ دیوار پھلانگ بھی لیتا تو یہ منحوس گرل

اسے صحن میں ہی پھنسائے رکھتی۔ دبے پاؤں

چلتا وہ سیڑھیوں کے ساتھ ہی مڑا، پورے گھر

میں صرف کچن کی لائٹ ہی آن تھی۔ وہ ڈیوڑھی

نما تنگ سی جگہ تھی جس کے اختتام پر ایک کمرہ

تھا۔ جبکہ دو کمرے برآمدے کے پیچھے تھے،

منصب کو لگا کہ یہ الگ تھلگ کمرہ مہرماہ کا ہی ہو

سکتا تھا۔ وہ اپنے شک کے درست ہونے کی توقع

کرتا نیم اندھیرے میں کمرے کے دروازے

تک آیا تھا اور ہتھی گھمائی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا،

اس نے زرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا بیڈ پر

کسی ذی نفس کی موجودگی ظاہر ہو رہی تھی۔

مہرماہ کا خیال آتے ہی اس کا دل شدت سے

دھڑک اٹھا۔ کمرے کے اندر آکر اس نے

دروازہ واپس بند کیا پھر چھوٹے چھوٹے قدم

اٹھاتا اس کے بیڈ کے قریب آگیا۔ چھت کا پنکھا

ہلکی رفتار سے گھوم رہا تھا۔ جاتی گرمیوں کے

دنوں میں وہ خود پر دوپٹہ پھیلائے مطمئن سی سو

رہی تھی۔ وہ اسے پورے ایک ماہ بعد دیکھ رہا تھا

اور اسے دیکھتے ہوئے آنکھیں جیسے پلک جھپکنے

سے انکاری ہو گئی تھیں۔نائٹ بلب کی مدھم

روشنی میں اس کے نقوش اتنے واضح نہیں تھے

لیکن وہ پھر بھی اسے تک رہا تھا۔وہ ایک چھوٹے

سائز کے سنگل بیڈ پر محو استراحت تھی اس کے

قریب بیٹھنے کا مطلب تھا اسے نیند سے جگانا۔

"میں تم سے معافی مانگ چکی ہوں پھر میری جان

کیوں نہیں چھوڑ دیتے تم۔۔؟؟" اس کی بھرائی

ہوئی آواز منصب کی سماعتوں میں زندہ ہوئی تو وہ

ہولے سے مسکرایا۔

"تمہاری جان تو اب منصب شاہ مرتے دم تک

نہیں چھوڑے گا ماہی۔۔!" نرم نگاہوں سے

اسے تکتے ہوئے وہ دھیمے سروں میں بولا۔ اس

پل اس کے اندر کہیں کوئی نفرت، کوئی جذبہ

انتقام نہیں بھڑک رہا تھا۔ کچھ بھڑک رہا تھا تو وہ

تھی پیاس۔۔ مہرماہ حسین کے دید کی پیاس اور وہ

اپنی جلتی ہوئی آنکھوں سے یہ پیاس بجھا رہا تھا۔

یونہی ایک ہی زاویے سے کھڑے کھڑے اسے

دس پندرہ منٹ گزر گئے تھے جب مہر ماہ نے

کروٹ بدل لی۔ اس کے بیٹھنے کے لیے تھوڑی سی

جگہ بن چکی تھی سو وہ تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اس

کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"تم جانتی ہو ناں تم نے مجھ کتنا تنگ کیا

ہے۔۔؟؟" اس کے کان سے بالوں کی لٹ ہٹاتا

وہ سرگوشی کرنے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ جب بال میرے کورٹ

میں آئے گی تو تب تمہارا اترٹپنا کیسا ہو گا۔۔؟؟"

ہولے سے مسکراتا وہ بول رہا تھا۔ منصب کی

گرم سانسوں کی تپش اپنے کان کے قریب

محسوس کرتی وہ نیند میں ہی چونک گئی تھی۔

"میرے سکون کا کیا عالم ہو گا۔۔؟؟" وہ بظاہر

نرم لہجے میں بڑے سخت سوالات کر رہا تھا۔

"تم حسین ہو بہت، اتنی ہی کہ تم نے مجھے ہرا دیا

ہے۔۔!" اسکا بے جان سا ہاتھ اپنی گرفت میں

لیتے ہوئے وہ اس کے شفاف ناخنوں سے کھیلتا

کہہ رہا تھا۔ مہرماہ کو اپنے وجود میں سرسراہٹ سی

ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ جبکہ اس کی پلکوں میں

ہوتی جنبش دیکھتا وہ اب کہہ رہا تھا۔

"چلو مان لیا میں ہارا۔۔ لیکن تمہاری قسم تمہیں

جیت لوں گا۔ تم صرف میری ہو ماہی۔۔ صرف

میری۔۔!" جذبات کیا بدلے تھے طرزِ تخاطب

بھی بدل گیا تھا۔ مہرماہ نے ایک جھٹکے سے

آنکھیں کھولی تھیں اگلے ہی پل اس پر نظر پڑتے

ہی اس کی آنکھوں میں بے یقینی و خوف اتر آیا۔

اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا تو منصب کے

لبوں کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"اب۔۔۔ابی جی۔۔!" اس کے لب

پھڑ پھڑائے۔ آواز جیسے حلق میں ہی گھٹ کر رہ

گئی تھی۔

"ششششش۔۔۔آواز نہیں۔۔!" اس کے لبوں پر

انگلی رکھتے ہوئے وہ سرگوشیانہ بولا۔ مہرماہ نے

اس کے ہاتھ میں مقید اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش

کی لیکن ناکام۔۔ گرفت مضبوط تھی۔

"مم۔۔مجھے پتہ ہے۔یہ۔۔یہ خواب ہے۔۔!"

اس کے لب آہستگی سے پھڑپھڑائے تھے۔مہرماہ

کی سادگی پر وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"معصوم بھی ہو۔۔؟؟" وہ اس کے حسن کے

ساتھ ایک اور خوبی میں اضافہ کر رہا تھا۔ مہرماہ کی

آنکھیں بھر آنے لگیں۔ اس بار اس نے نیند کے

بوجھ سے آزاد ہوتی پلکیں جھپکائیں تو وہ واقعی

سامنے موجود تھا۔ خوف سے اس کی ریڑھ کی

ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ اگلے ہی پل اس

نے پوری طاقت صرف کر کے اپنے باپ کو پکارا

تھا۔

"ابی جیجی۔۔۔!" اس کے الفاظ مکمل ہونے سے

پہلے ہی منصب نے اس کے لبوں پر اپنا بھاری

ہاتھ رکھ دیا۔

"پاگل ہو گئی ہو تم۔۔ صبر نام کی چیز نہیں

ہے۔۔۔؟؟ کھانے نہیں آیا میں تمہیں۔۔!"

اس کی عقل پر ماتم کرتا وہ اس سے یوں بات کر

رہا تھا جیسے ان دونوں میں پرانی شناسائی ہو۔ مہر ماہ

نے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتی

ہوئے اپنے آزاد ہاتھ سے اسکا چہرہ پیچھے کرنا چاہا۔

اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر

کنپٹیوں میں جذب ہو رہے تھے۔

"اپنے آنسو ضائع مت کرو میں کل لندن جا رہا

ہوں۔۔۔!" اس کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد

کر کے اپنے چہرے پر کھرونچیں مارتا اس کا

دوسرا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے گویا

ہوا۔ مہرماہ نے نفی میں سر ہلایا لیکن منصب نے

اپنا ہاتھ اس کے لبوں سے نہیں ہٹایا تھا۔

"میری بات غور سے سن لو۔۔ میں واپس آؤں

گا اور تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا بنالوں گا۔

مجھے بھولنا مت ورنہ جان لے لوں گا

تمہاری۔۔!" وہ ٹھہر ٹھہر کر بڑے تحمل سے اپنی

بات اس کے گوش گزار کر رہا تھا۔ مہرماہ کی سیاہ

آنکھیں ہنوز بہہ رہی تھیں۔ وہ آہستگی سے اپنا

ہاتھ ہٹاتا اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ مہرماہ بھی

فوراً اٹھ کر بیٹھی اور اپنا دوپٹہ کندھوں پر پھیلا

لیا۔

"تم خواب ہو یا حقیقت ہو صرف اتنا جان لو میں

مر جاؤں گی لیکن خود کو کبھی تمہارا نہیں ہونے

گی۔۔!"بیڈ کی دوسری سائیڈ پر اترتی وہ نفرت

بھرے انداز، میں چلائی۔

"تمہیں اپنا نہ بنا پایا تو میں خود مر جاؤں گا اور

میرے جیتے جی تم مر جاؤ یہ میں کبھی ہونے نہیں

دوں گا۔۔!"سخت نظروں سے اسے دیکھتا وہ

مضبوط لہجے میں بولا تو مہرماہ اس کے انداز کی

قطعیت سے خائف ہوتی دروازے کی جانب

بھاگی۔ منصب نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس

کی کلائی دبوچ لی۔

"چھوڑو مجھے کمینے انسان۔۔۔!" اسے دھکا دیتی وہ

چلائی تو منصب نے مشتعل سا ہو کر اسے ایک

جھٹکے سے اپنی جانب کھینچ لیا۔ اس کے وجود سے

اٹھتی سگریٹ اور دلفریب کلون کی مہک نے

مہرماہ کو چہرہ پیچھے کرنے پر مجبور کر دیا۔

"میں کوئی تماشا نہیں چاہتا صرف تم سے ملنے آیا

ہوں سو ریلیکس رہو۔یوں شور مچا کر۔۔!"وہ

پوری توجہ سے اس کے نقوش ازبر کرتا دھیمی

آواز میں بول رہا تھا جب کوئی دروازہ کھول کر

اندر آیا تھا۔ساتھ ہی آنے والے نے سوئچ بورڈ

پر ہاتھ مار کر کمرہ روشن کر دیا تھا۔ مقابل کو دیکھ

کر جہاں منصب کی زبان کو بریک لگی تھی وہیں

مہر ماہ نے پوری قوت سے اپنی کلائی چھڑوانے کی

کوشش کی تھی لیکن ناکام۔۔ جبکہ منصب کو اس،

وقت وہاں دیکھ کر وہ خود بھی اپنی جگہ ساکت رہ

گئے تھے۔

"چاچو۔۔۔!!!!" منصب کے لب بے یقینی سے

پھڑ پھڑ ائے۔وہ چہرہ جسے دیکھنے کے لیے وہ اپنا

بچپن حویلی کے آخری کونے تک لے جایا کرتا

تھا، جس کی پر شفقت آغوش کے لیے وہ مہینوں

نہیں سالوں پریشان رہا تھا وہ آج اس کے مقابل

تھا۔ منصب کی سرخ آنکھوں میں نمی سی اتر

آئی۔ گرفت مہرماہ کی کلائی پر ڈھیلی پڑ گئی۔۔

"چاچو آپ۔۔ آپ کہاں تھے چاچو۔۔!" بے

تابانہ کہتا وہ ان کی طرف بڑھا تھا جب اس سے

پہلے ہی وہ روتے ہوئے ان کے سینے سے جا لگی

تھی۔

"ابی۔۔ ابی جی۔۔ مجھے بچالیں ابی جی۔۔!" ان

کے سینے سے لپٹتی وہ بھیگی ہوئی آواز میں کہہ رہی

تھی۔ اس کے لبوں سے نکلتے بے ربط لفظوں نے

منصب کو اپنی جگہ پتھر کر دیا تھا۔ وہ دنگ سا کھڑا

قسمت کی کی اس ستم ظریفی پر اپنے عزیز از جان

چچا کو دیکھ رہا جو مہر ماہ کا باپ تھا۔ منصب کو لگا وہ

پورے قد سے ڈھے گیا ہے۔ ایک بھٹکا ہوا آنسو

اس کی آنکھ سے نکل کر رخسار پر پھسلتا چلا گیا۔

◆□◆□◆□◆□

"موسم کسی کروٹ بیٹھ جائے تو اب ولید کا بھی

سوچ لیجئے سائیں۔۔ فدا سے چار سال بڑا ہے اب

اس کی بھی عمر ہو چکی ہے..!"بیڈ شیٹ کی شکنیں

درست کرتی وہ متانت بھرے انداز میں اُن سے

کہہ رہی تھیں جو صوفے پر بیٹھے اخبار کی

سرخیوں پر نظر دوڑا رہے تھے۔اُن کی بات پر

قدرے چونک کر نظریں اخبار سے ہٹائیں۔

"آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہے تو بتا دیجئے میں بابا

سرکار سے بات کر لیتا ہوں۔۔!" وقار عالم شاہ

نے سنجیدگی سے کہا۔

"میری نظر میں تو کوئی لڑکی نہیں ہے، ہاں آپ

اپنے بھائی سے پوچھ لیجئے شاید اس کی نگاہ کسی پر

ٹھہری ہو۔۔!" کشنز سرہانے کے پاس سیٹ کرتی

وہ غیر سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔وقار شاہ نے اس

بار اخبار لپیٹ کر میز پر رکھ دیا۔

"بہتر ہے آپ واضح بات کریں۔کیوں پہیلیاں

بجھوا رہی ہیں۔۔؟؟" وہ سیدھے ہوتے کچھ

ناپسندیدگی سے بولے تو وہ دھیرے سے چلتی ان

کے مقابل صوفے پر آ بیٹھیں۔

"زہرہ کو پسند کرتا ہے لاڈلا۔۔اب دیکھ لیجئے کہ

کیا کرنا ہے۔۔!"ناجیہ بیگم نے ہولے سے مسکرا

کر کہا۔وہ ٹیک چھوڑتے سیدھے ہو بیٹھے۔

"آپ جانتی بھی ہیں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں

جیہ۔۔؟؟" وہ شدید حیران ہوئے تھے۔

"بہت اچھے سے جانتی ہوں لیکن آپ کا بھائی کچھ

سمجھنے یا سننے کو تیار نہیں ہے سائیں۔۔پسند کرتا

ہے وہ اسے اور شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ

وہ کئی بار بابا سرکار سے بحث کر چکا ہے۔۔!"

انہیں تفصیل بتاتے ہوئے وہ پل بھر کو خاموش

ہو گئیں۔

"مجھے لگتا ہے کہ اب آپ کی باری ہے سائیں۔۔

اپنی مرتبہ آپ خاموش رہے تھے اور دیکھ لیں

سعیدہ آج تک تنہائی کا عذاب جھیل رہی ہے،

ولید کا دل اجڑنے سے بچالیں۔ بابا سرکار سے

بات کرلیں آپ۔۔!" ان کے مضبوط ہاتھ پر اپنا

ہاتھ رکھتے ہوئے جیہ بیگم نے التجائیہ لہجے میں

کہا۔ سعیدہ بی بی کے ذکر پر وقار شاہ کی آنکھیں

جلنے لگیں۔ وہ اُن کی چچازاد، ہم عمر۔۔ ہم

نشین۔۔ ہم راز۔۔ دل کی اولین خواہش تھیں

لیکن ذاولفقار عالم شاہ نے سعیدہ کے والد اور

اپنے چھوٹے بھائی کی اچانک وفات کی وجہ سے

وقار اور سعیدہ کی بچپن سے طے شدہ بات ختم

کر کے سعیدہ کا نکاح قرآن پاک سے کر کے

انہیں پاک بی بی بنا دیا تھا۔ وقار عالم شاہ تاریکیوں

میں گھٹ گھٹ کر روتے رہے لیکن باپ کے

سامنے احتجاج کرنے کی ہمت نہ تھی۔ کچھ ہی

عرصے بعد ذوالفقار عالم شاہ نے اپنی یتیم بھانجی

ناجیہ کا نکاح وقار سے کر دیا جو ماں باپ کی وفات

کے بعد بچپن سے حویلی میں ہی مقیم تھی اور عمر

میں وقار عالم شاہ سے بارہ برس بڑی تھیں۔ وقار

نے خود پر ہوئی زیادتیوں کا بدلہ انہی سے لیا تھا۔

اب یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی یا ناجیہ کا مقدر وہ

ماں بننے کی صلاحیت سے محروم تھیں۔

"جو آواز میں اپنے حق کے لیے نہیں اٹھا سکا آپ

کو لگتا ہے کہ ولید کے لیے اٹھا پاؤں گا۔؟؟"

دل کے درد پر قابو پانے کی کوشش کرتے وہ

ٹھہری ہوئی آواز میں گویا ہوئے۔

"کیوں سائیں۔۔؟؟ جب میرے سر پر پہاڑ

توڑنے کے لیے آپ نے صندل سے عقد کیا تھا

تب بھی تو بابا نے آپ کی مانی ہی تھی ناں۔۔؟"

بظاہر مسکرا کر لیکن حقیقتاً دل کی کھولن نکالنے کو

وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں گویا ہوئیں۔

"آپ ولید کا مقدمہ پیش کر کے اپنے ساتھ کی

گئی زیادتیاں گنوانا چاہ رہی ہیں۔۔؟"

"نہیں مجھے اپنی بد نصیبی کا ذکر کرنے کا کوئی شوق

نہیں ہے سائیں میں نے صرف مثال دی

ہے۔۔!" کہتے ہوئے وہ ہنوز مسکرا رہی تھیں۔

"تو پھر اتنا جان لیں کہ صندل اور زہرہ کا کوئی

مقابلہ نہیں ہے، میں اپنی نظر کی بات نہیں کر

رہا، بابا سرکار کے پوائنٹ آف ویو سے کہہ رہا

ہوں۔ وہ صندل کے لیے مان گئے تھے کیونکہ وہ

جہیز کے نام پر اتنے کاغذات لے آئی تھی کہ بابا

سرکار کی طمع کی تسکین ہو گئی تھی، اور

زہرہ۔۔؟؟ اس بے چاری کے پاس ہے ہی

کیا۔۔۔؟؟" بولتے ہوئے وہ آخر میں تلخ

ہو گئے۔ شاید اپنے باپ کی اوقات سے وہ خود

بھی واقف تھے۔ اُن کی اس تفصیلی وضاحت پر

ناجیہ بیگم کی آنکھوں میں اداسی جھلمل کرنے

لگی۔

"آپ بہت بزدل ہیں سائیں۔۔مجھے ڈر ہے کہ

ایک دن آپ کی یہ بزدلی آپ سے آپ کے

رشتے چھین لے گی۔۔!" کہتے ہوئے ان کی آواز

گلوگیر ہو گئی۔وہ وہاں سے اٹھنے لگیں تو وقار عالم

شاہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"بھولیے مت کہ آپ میری بزدلی کی بدولت ہی

آج تک میرے نکاح میں ہیں۔۔!" سرخ

آنکھوں سے ان کا افسردہ چہرہ دیکھتے وہ بے حسی

سے گویا ہوئے تو ناجیہ کی بھیگی آنکھوں سے ایک

آنسو ٹوٹ گیا۔

"سفا کی آپ کی اضافی خوبی ہے سائیں۔۔!"

ہولے سے مسکرا کر کہتے ہوئے انہوں نے وقار

شاہ کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ وقار عالم شاہ

انھیں دیکھتے رہ گئے جنہیں اُن کی بدقسمتی نے اُن

کے سر پر مسلط کر دیا تھا۔ کم از کم وقار کو تو یہی

لگتا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"یہ کتنا پیارا ہے ناں بھابھی۔۔؟؟" سجانی کے

چھوٹے چھوٹے ہاتھ چومتی وہ بے حد خوشی سے

بولی تو صندل بیگم مسکرائیں۔

"میرا بیٹا ہے، پیار اتو ہو گا ناں۔۔!" وہ پُر اعتماد سی

گویا ہوئیں تو حدیبہ نے سبحانی کے معصوم چہرے

سے نظریں ہٹا کر ان کی جانب دیکھا۔

"جی الحمد اللہ۔۔!" وہ مسکرا کر گویا ہوئی تو ایک

زبر دستی کی مسکراہٹ اس کی جانب اچھال کر وہ

زہرہ کا لایا ہوا دلیہ کھانے لگیں۔ جبکہ مون جو

وہیں ایک طرف کھلونوں سے کھیل رہا تھا ان

دونوں کی باتیں سنتا اُن کے قریب ہی آگیا۔

"کیا میں پیارا نہیں ہوں فپو۔۔؟؟" حدیبہ کی

قمیض کا دامن کھینچتا وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولا تو وہ

فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ارے نہیں چندا تم بھی بہت پیارے ہو۔۔!"

اس کی چھوٹی سی ٹھوڑی پیار سے چھوتی وہ چہکتی

ہوئی آواز میں بولی تو اس نے فوراً اچک کر اپنی

باہیں حدیبہ کی گردن میں حمائل کر دیں جو اس

کے بڑھتے ہاتھ دیکھ کر پہلے ہی اپنا سر جھکا چکی

تھی۔

"پھر بے بی کو چھوڑیں اور مجھے پیار کریں۔۔!" وہ

بڑی سنجیدگی سے اس سے تقاضا کر رہا تھا وہ

کھکھلا کر ہنسی پھر مزید جھک کر اس کا گال چوما۔

"لو بس۔۔۔اب خوش۔۔؟" اس کے بال

بگاڑتے ہوئے وہ پیار سے بولی۔

"نہیں۔۔میں نے مما سے کہا تھا مجھے ڈول

چاہیئے، لیکن پہلے شاہو اور اب یہ

سوبانی (سبحانی) ۔۔مجھے اس بے بی کے آنے

سے خوشی نہیں ہوئی یہ میری جگہ لے رہا

ہے۔۔!" وہ چھوٹا سا بچہ دماغ میں جانے کون

کون سا فتور لیے بولتا چلا جا رہا تھا۔ حدیبہ کو حیرت

کا جھٹکا لگا۔ جبکہ ان دونوں کی گفتگو نظر انداز کیے

صندل بیگم مائی کرماں سے کچھ پوچھ گچھ کر رہی

تھیں۔

"ایسے نہیں سوچتے مون۔۔ چھوٹا بھائی ہے

تمہارا۔۔!" اس کا گال نرمی سے سہلاتی وہ

سمجھانے والے انداز، میں بولی۔ اس نے فوراً نفی

میں سر ہلایا۔

"بھائی اچھے نہیں ہوتے بہنیں اچھی ہوتی

ہیں۔۔!" وہ اپنے بال ماتھے سے ہٹاتا بڑی

سمجھداری سے گویا ہوا۔ حدیبہ نے اپنی گود میں

سوئے سبحانی کو احتیاط سے بیڈ پر لیٹایا تو وہ فوراً بیڈ

پر چڑھتا اس کے قریب ہو گیا۔

"اگر بہن اچھی لگتی ہے تو اللہ تعالی سے دعا مانگا

کر وہ تمہیں ایک پیاری سی بہن بھی دے دیں

گے۔۔!" اسے اپنی گود میں بٹھاتی وہ بڑے پیار

سے اسے سمجھا رہی تھی۔ اس کی بات سن کر وہ

فوراً اس کی طرف گھوما۔

"اب نہیں دیں گے اللہ تعالی۔۔ مما کہہ رہی

تھیں کہ اب بس تین بیٹے کافی ہیں۔۔!" وہ کچھ

دیر پہلے صندل بیگم کی فون پر ہونے والی گفتگو

سن چکا تھا سو لفظ بالفظ حدیبہ کو بتا رہا تھا۔ اس کی

بات پر حدیبہ کو ہنسی لائی لیکن وہ جتنا پریشان نظر

آرہا تھا اسے دیکھ کر حدیبہ کو اپنی ہنسی ضبط کرنی

پڑی۔

"تو آپ مما سے کہتے ناں کہ مما بہن بھی

چاہیئے۔۔!" حدیبہ نے بڑی مخلصی سے اسے

مشورہ دیا۔ اسکی بات پر وہ زرا سا اچک کر اس

کے کان کے قریب ہوا۔

"میں نے کہا تھا فپو۔۔ کہنے لگیں بہن چاہیئے تو

اپنے باپ سے کہو تیسری (شادی) کر لے۔۔!"

وہ شکایتی انداز میں بولا تو اس بار حدیبہ کے لیے

اپنا قہقہہ روکنا محال ہو گیا۔

"یہ کون سے راز و نیاز ہو رہے ہیں پھپھو بھتیجے

میں۔۔؟؟" مائی کرماں کو فارغ کرتی صندل کی

نظر ان دونوں پر پڑی تو پوچھ بیٹھی۔

"ہمم کچھ نہیں۔۔فیوچر پلاننگ۔۔۔!" اس بار

وہ ہنستے ہوئے بولی تو اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر

مون تھوڑا پیچھے ہوا۔صندل بیگم کے خاک پلے

نہ پڑی۔سجانی کی ریں ریں سن کر صندل بیگم

نے اسے گود میں لے لیا۔ موون نے ایک بار پھر

اسے ہلایا۔

"فپو۔۔۔؟؟" وہ سخت نالاں نظر آرہا تھا۔

"جی میرے چاند۔۔؟؟" اس کی طرف متوجہ

ہوتی وہ پیار سے بولی۔

"مجھے ڈول چاہئیے۔۔!" وہ ضدی پن سے بولا تو

حدیبہ کو پھر سے ہنسی آئی۔

"ھاھا۔۔اچھا میں آپ کی مما سے بات کروں

گی۔۔!" اس کی چھوٹی سی ناک کھینچتے ہوئے وہ

بولی تو مون نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا

پھر بیڈ پر کھڑا ہو کر اس کی طرف جھکا اور اس

کے گال پر بوسہ دیا۔

"لو یو فپو۔۔!" چہک کر کہتا وہ بیڈ سے نیچے کُود گیا

تو حدیبہ نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا کہہ رہا تھا۔۔؟؟" سجانی کی پیٹھ تھپکتی صندل

بیگم نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"کہہ رہا تھا اسے بہن چاہیئے۔۔!" حدیبہ نے

مسکراتے ہوئے کہا صندل بیگم نے ناک

چڑھائی۔

"یہ تین خیریت سے بڑے ہو جائیں تو یہی بہت

ہیں۔۔!" وہ بدمزہ سی ہوتی کوفت زدہ لہجے میں

بولیں تو حدیبہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے سر

جھٹکا۔

"ہمم۔۔۔اللہ آپ کو ان کی کامیابیاں

دکھائے۔۔!" حدیبہ نے صدق دل سے دعا دی

تو وہ سر اثبات میں ہلا گئیں۔وہ ان کے کمرے

سے باہر نکلی تو مون سے دو برس چھوٹا شاہو اس

کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔اسے گود میں اٹھاتے

ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ واقعی یہ تین ہی بہت

ہیں۔ اپنی سوچ سے محظوظ ہوتی وہ دل ہی دل میں

ہنس دی۔

□♦□♦□♦□♦

"ابھی فصلوں کی کٹائی سر پر ہے میرا جانا مشکل

ہے بابا سرکار۔۔!" وہ نگاہیں جھکائے دھیمی آواز

میں بولا تھا۔

"تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے

یہاں فدا دیکھ لے گا۔۔!" اس کے انکار کو خاطر

میں نہ لاتے ہوئے وہ اطمینان سے بولتے اپنے

سامنے میز پر رکھی اسلامی کتب کی ترتیب

درست کر رہے تھے۔

"فدا کو ابھی ان معاملات کا علم نہیں ہے وہ کیسے

مینج کرے گا۔۔!" وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ

ذوالفقار عالم شاہ نے فدا کو ہمیشہ تعلیم میں

مشغول رکھا ہے اسے مزارعوں سے عزت

حاصل تھی اس لیے نہیں کہ وہ سب اس کے

ماتحت تھے بلکہ فقط اس لیے کہ فدا باباجی سرکار کا

داماد تھا۔ ولید کی بات پر انہوں نے اپنے ہاتھ

روک کر اس کی جانب دیکھا۔

"تو تم کیا چاہتے ہو اسے ان معاملات کا ہنر دے

دوں جن کی خبر رکھنے کے بھی لائق نہیں ہے

وہ۔۔؟؟" وہ اس پر برہم ہوئے تھے۔

"دینا تو چاہئیے کیونکہ وہ بھی برابر کا حصے دار

ہے۔۔!" ولید نے بنا جھجھکے سنجیدگی سے کہا تو

ذوالفقار عالم شاہ کی آنکھوں میں طیش ہلکورے

لینے لگا۔

"اپنی ناقص اطلاعات اپنے ذہن تک ہی محدود

رکھو ولید عالم شاہ۔۔ یہ حویلی، یہ زمینیں، یہ

ساری جائیداد یہ سب کچھ میری نسل کا ہے۔ جو

اُس کا حصہ ہے وہ اسے مل رہا ہے اس لیے تم اس

معاملے میں خاموش رہو۔۔!" جلال میں آتے

ہوئے وہ سخت لہجے میں بولتے چلے گئے۔

"آپ کے کہہ دینے سے سب کچھ آپ کا ہو تو

نہیں جائے گا بابا۔۔فدا آپ کے مرحوم بھائی کی

اولاد ہے، اور چچا سرکار دادا کی جائیداد میں برابر

کے حصے دار تھے۔ سعیدہ بی بی کو تو زندہ در گور کر

ہی چکے ہیں آپ۔۔اب کم از کم فدا پر تو ترس کھا

لیں وہ آپ کا داماد بھی ہے۔۔!" ان پر افسوس

کرتے ہوئے دکھ بھرے انداز میں بولتا چلا گیا تو

ذوالفقار عالم شاہ کی رگیں پھولنے لگیں۔

"تم۔۔ تم گستاخ ہوتے جا رہے ہو ولید۔۔ میرا

حکم رد کر دینا تم اپنا اولین فرض سمجھتے ہو اور اب

تمہارے دل میں خدمت خلق کا درد بھی اٹھ رہا

ہے لیکن میری بات کان کھول کر سن لو اگر تم

نے یہ فضول بکواس فدا کے سامنے کی تو مجھ سے

برا کوئی نہیں ہو گا۔۔!" ہاتھ کی سطح میز پر مارتے

ہوئے وہ پھولتے سانس کو برابر کرنے کی کوشش

کرتے دہاڑے۔ ولید پھیکے پن سے مسکرا دیا۔

"آپ ڈرتے ہیں اُس سے۔۔؟؟" وہ آہستگی سے

بولا۔ ذوالفقار عالم شاہ کی آنکھوں سے شعلے

پھوٹنے لگے۔

"مجھ سے یہ بے کار بحث مت کرو۔ تم کل صبح

خضدار کے لیے نکل رہے ہو اور بس۔۔ تیاری

کر و جا کر۔۔!" اپنا غصہ ضبط کرتے وہ ایک ایک

لفظ چبا چبا کر بولے۔

"آپ فدا کو بھیج دیجئے میں نہیں جاؤں گا۔۔!"

قطعیت بھرے انداز میں کہتے ہوئے وہ ان کے

سامنے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"فدا نہیں جائے گا ولید شاہ میں کہہ چکا

ہوں۔۔!" اس کی نافرمانی پر غصے سے پاگل

ہوتے وہ چلائے۔

"کیوں۔۔؟؟ کروڑوں کا منافع چھپانا چاہتے ہیں

آپ اس سے۔؟؟ مان لیجئے ناں کہ آپ خوفزدہ

ہیں اس سے۔۔؟؟ حالانکہ اس معصوم نے تو

کبھی آپ کے کسی حکم پر سوال ہی نہیں کیا۔

ہونہہ۔۔ غلط کر رہے ہیں آپ بابا۔۔ بہت غلط کر

رہے ہیں آپ۔۔!" اُن کی سرخ پڑ چکی آنکھوں

میں دیکھتے ہوئے وہ تاسف زدہ انداز میں بولا تھا۔

"تم۔۔۔ تم اپنی بغاوت سے مجھے مارنے کے در

پر ہو۔مجھے افسوس ہے تم پر کہ میں تمہاری

تربیت اس طرز پر نہیں کر سکا جس کے تم حقدار

تھے ولید۔۔افسوس ہے تم پر۔۔تم۔۔تم یہاں

سے دفع ہو جاؤ ورنہ میں قتل کر دوں گا

تمہیں۔۔!" اپنا آپ کھوتے وہ چیئر سے اٹھتے

چیخے۔ان کی بات پر ولید نے ایک طنزیہ

مسکراہٹ ان کی طرف اچھالی۔

"جو اپنی اولاد کی آسائشات کے لیے یتیموں کا

مال کھاتے ہیں ان کی اولاد ویسے ہی بے آئی

موت مر جاتی ہے۔ اگر میرے نصیب میں آپ

کی کرنی کا پھل بھگتنا لکھا ہو اتو آپ کو ضرورت

نہیں پڑے گی۔ کوئی بدنصیب لمحہ خود ہی مجھے

نگل لے گا۔۔۔!" اپنی جلتی آنکھوں کی پلکیں

جھپک جھپک کر کہتا وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بول

رہا تھا۔

"دفع ہو جاؤ تم۔۔!" دروازے کی جانب ہاتھ

سے اشارہ کرتے وہ سرد لہجے میں بولے تھے۔

ولید سر جھٹکتا ان کے کمرے سے نکل آیا۔ اس

کی افسردہ آنکھوں میں نمی سی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

" کبھی سکون سے ہفتہ پورا بھی گزار لیا

کریں۔۔!" اسے چھٹے دن ہی واپس حویلی میں

دیکھ کر حدیبہ کے دل میں کہیں خوشگوار سی

گدگدی ہوئی تھی لیکن وہ بظاہر مصنوعی ناراضگی

سے بولتی اس تک چلی آئی جو ڈریسنگ ٹیبل کے

سامنے کھڑا اپنے بازو کہنیوں تک فولڈ کر رہا تھا۔

"آپ کو برا لگ رہا ہے۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے وہ

ہولے سے مسکرایا۔

"نہیں۔۔!" حدیبہ نے فوراً جواب دیا پھر آگے

بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی اس کی رسٹ واچ

ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی۔

"برا نہیں لگا۔۔؟؟" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"یعنی اچھا لگا۔۔؟؟" اسے بازو سے پکڑ کر اپنی

جانب گھماتے ہوئے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔ آپ غلط سمجھ رہے

ہیں۔۔!" حدیبہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

لبوں پر دھیما سا تبسم مچل رہا تھا۔

"جب آپ ذو معنی باتیں کریں گی تو یہ مریض

دل کچھ تو سمجھے گا ناں۔۔!" اس کی ٹھوڑی اونچی

کرتے ہوئے وہ زرا سا جھک کر بولا تو نا چاہتے

ہوئے بھی حدیبہ کے لبوں سے ہنسی پھوٹ

پڑی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا،

جھکنے کے باعث اس کے گھنے بال ماتھے پر آرہے

تھے۔ سیاہ روشن آنکھوں میں حدیبہ کا روشنیاں

بکھیرتا عکس واضح تھا۔ حدیبہ کا دل شدتوں سے

دھڑک اٹھا۔ جبکہ وہ تو حیرت زدہ سا اس کی

شفاف ہنسی کی کھنک اپنی روح میں اترتی محسوس

کر رہا تھا۔

"آپ کی یہ ادائیں مجھے خوش فہمیوں میں مبتلا کر

رہی ہیں بی بی۔۔!" اس کی نازک کمر کے گرد بازو

حمائل کرتا وہ قدرے سنجیدگی سے بولا تو

مزاحمت کرنے کی بجائے حدیبہ نے آہستگی سے

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

اس کے شانے پر سر ٹکا دیا۔ فدا کو لگا اس کا دل

دھڑکنا بھول جائے گا۔ وہ حیران رہ گیا تھا۔

"کیا یہ حقیقت ہے۔۔؟؟" فدا کی آواز میں بے

یقینی سی تھی۔ حدیبہ نے اپنی آنکھیں موندلیں۔

"آپ نے مجھے خوش گماں کر دیا ہے سائیں۔۔

میں آپ کے حصار میں خود کو آسمان کے کسی

خوبصورت حصے میں محسوس کر رہی ہوں۔وہ

خوبصورت حصہ جہاں ہر رنگ خوشنما ہے، جہاں

ہوا کی ٹھنڈک روح کو معطر کر دیتی ہے۔جہاں

کی فضا مجھے خاص ہونے کا احساس دلا رہی ہے۔

مجھے نہیں پتہ سائیں لیکن میں بے بس ہو رہی

ہوں۔۔۔!" دھیمے سروں میں میٹھا بولتی وہ فدا کو

زندگی کی نوید دے رہی تھی۔" آپکا تو پتہ نہیں

لیکن مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں کھلی آنکھوں

سے خواب دیکھ رہا ہوں۔۔!" وہ آنکھوں کی

پلکیں جھپکاتا بڑبڑایا تو اس کے سینے سے لگی وہ

جھینپ سی گئی۔ اس کی دھیمی شرمیلی ہنسی محسوس

کرتا وہ مسحور سا ہو گیا۔

"سائیں۔۔؟؟" اس سے الگ ہوتی وہ اپنی

مسکراہٹ روکتی نرمی سے بولی۔ فدا جی جان سے

متوجہ ہوا۔

"جی سائیں کی زندگی۔۔!" اسکار خسار محبت سے

چھوتا وہ گھرے لہجے میں بولا تو وہ ایک بار پھر شرما

گئی۔

"اب یوں تنگ مت کریں مجھے بات تو پوری

کر لینے دیں۔۔!" اس کے شانے پر ہاتھ مار کر

اسے پیچھے دھکیلتی وہ خفت زدہ سی گویا ہوئی تو وہ

قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"اچھا کونسی بات۔۔؟؟ مطلب مجھے مزید خوش

فہم کرنا چاہتی ہیں آپ۔؟؟" گہری نظروں سے

اس کے گلابی پڑتے رخسار دیکھتا وہ شوخ ہوا تھا۔

"جی نہیں آپ کے کان کھینچنے ہیں۔۔!" کندھے

اچکا کر کہتی وہ بیڈ پر جا بیٹھی۔ وہ مسکرایا پھر

دھیرے سے چلتا اس کے مقابل زمین پر پنجوں

کے بل بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام گیا۔

"اب کہیے۔۔!" وہ مکمل سنجیدگی سے گویا ہوا

تھا۔ سیاہ آنکھیں آج عجب رنگ لیے جگ مگ کر

رہی تھیں۔ وہ کچھ پل تو خاموش نگاہوں سے اس

کا روشن چہرہ دیکھتی رہی، وہ چہرہ جو شادی سے

پہلے اسے اس دنیا میں ہر چہرے سے بڑھ کر عزیز

تھا۔ اسے فدا حسین سے تب سے محبت تھی جب

وہ پہلی مرتبہ محبت کے معنوں سے آشنا ہوئی تھی

ہاں فرق یہ تھا کہ اُس کی محبت کی نوعیت فدا

حسین کی محبت سے قطعی مختلف تھی۔

"میرے لیے اس حویلی کی روایات اور مردوں

کی طبعیت پرکھ لینے کے بعد آپ پر اعتبار کرنا

بے حد مشکل ہے سائیں۔۔ لیکن یہ آپ بھی

جانتے ہیں کہ آپ کی حدیبہ نے ہمیشہ آپ سے

محبت کی ہے۔۔!" نظریں جھکاتے ہوئے وہ

آہستگی سے بولی۔ اس کے اس اندازِ الفت پر فدا

کے لب دھیرے سے مسکرائے۔ اسے ہمت

بخشنے کو فدا نے اپنے ہاتھوں میں موجود اس کے

ہاتھوں پر باری باری بوسہ دیا۔ حدیبہ کی آنکھیں

بھیگنے لگیں۔

"پلیز روئیے گا مت۔۔!" وہ وہ فوراً بے چین ہوا

تھا۔

"یہ آنسو ندامت کے ہیں فدا۔ لیکن۔۔۔

آئندہ جب بھی آنسو میری آنکھوں کو اذیت

دیں گے، وجہ آپ ہی ہوں گے۔۔!" بھیگتی

پلکوں کو جھپکاتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولی۔

"اللہ ہم پر کبھی وہ برا وقت نہ لائے۔۔!" اس

کے ہاتھوں کی پشت اپنی آنکھوں سے لگاتا وہ

سنجیدگی سے بولا۔

"میں آپ کو کبھی وقار بھائی بنتے ہوئے نہیں

دیکھ پاؤں گی۔ میں ناجیہ بھابھی کی طرح کسی

صندل کو برداشت نہیں کروں گی۔ مجھ سے

شادی، مجھ سے محبت آپ کے دل کی مرضی

ہے۔ اس دل کو اب مجھ ہی میں قید رکھیے گا۔ میں

مر جاؤں تو پھر آپ اور آپ کا دل آزاد ہو گا لیکن

اس سے پہلے ہر گز نہیں۔۔!" اس کی گرفت سے

اپنے ہاتھ آہستگی سے نکالتے ہوئے وہ روتے

ہوئے بولی۔ فدا نے اس کی بات پر تڑپ کر سر

اٹھایا۔ آنکھوں میں سرخی ابھر آئی تھی۔

"مجھے دیکھئے بی بی۔۔ میں اس وقت کہاں

ہوں۔۔؟؟ فدا حسین کا دل، یہ پورے کا پورا فدا

حسین آپ کے قدموں میں ہے تو پھر آپ

سوچیے میں کیسے آپکی قیدِ محبت سے آزاد ہو سکتا

ہوں۔۔؟؟" وہ آنکھوں میں اس کے لیے محبت

سموئے ٹھہرے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں

بول رہا تھا۔ حدیبہ نے اپنے آنسو روکنے کو اپنا

نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔

"مجھے دھوکا مت دیجئے گا سائیں۔۔ میں آپ پر

اعتبار کرنا چاہتی ہوں۔ میرا اعتبار مت توڑیے گا

پلیز۔۔!" فدا کی پیشانی سے اس کے بال ہٹاتے

ہوئے وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

"جب تک میرے سینے میں موجود دل دھڑکتا

رہے گا میں آپ سے مخلص رہوں گا حیبہ۔۔

میرے جیتے جی آپ سے بے وفائی میرے لیے

ممکن نہیں یہ بات ذہن نشین کرلیں آپ۔۔!"

اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا وہ مضبوط لب و

لہجے میں بولا تو وہ روتے روتے مسکرائی۔

"اتنی آسانی سے نہیں مرنے دوں گی آپ کو۔۔

آپ سے پہلے اس دنیا میں آئی ہوں تو آپ سے

پہلے ہی جاؤں گی۔۔!" ہلکی پھلکی سے ہوتی وہ عام

سے لہجے میں بولی تو فدا کی آنکھوں کی سرخی

گہری ہو گئی۔

"یہ آپ نے آج تو کہہ دیا ہے آئندہ مت کہیے

گا۔۔!" سنجیدگی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب سچ بولنے پر بھی پابندی ہے۔۔؟؟" وہ ہنس

دی۔ فدا اس کی جانب گھوما۔

"سچ صرف اتنا ہے کہ میں آپ کی جدائی

برداشت نہیں کر سکتا اور یہ حقیقت اللہ جانتا ہے

اس لیے جب کبھی اس نے ہمارے درمیان

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

موت کی صورت جدائی لکھی تو جدائی سہنا آپ کا

مقدر بنے گا بی بی۔۔ میرا نہیں۔۔!" وہ عجیب

سلگتے ہوئے لہجے میں بولا تو وہ بیڈ سے اترتی اس

کے مقابل آگئی۔

"کتنے ظالم ہیں ناں آپ۔۔؟؟"اس کے شانے

پر مکا مارتی وہ خفگی سے چلائی۔

"حالانکہ آج سے پہلے آپ ہی تھیں۔۔!!"وہ

دوبدو بولا۔

"ظالم۔۔؟؟"حدیبہ نے پلکیں جھپکائیں۔

"نہیں ظالمہ۔۔!" مسکرا کر کہتے ہوئے فدا نے

اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

"تو اب گن گن کر بدلے لیں گے آپ۔۔؟" وہ

ہنوز خفا تھی۔

"جی بالکل۔۔ لیکن میرا انداز زرا مختلف

ہو گا۔۔!" اسے خود سے قریب ترین کرتے

ہوئے وہ گھمبیر لہجے میں بولا تو حدیبہ کا دل اس

کے لہجے کی ذو معنی پر شور مچانے لگا۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے۔۔؟؟" وہ گھبرائی۔

"اوں ہوں۔۔مجھے بھوک نہیں ہے۔۔!" وہ

آہستگی سے بولا۔اس کی آواز کی لڑکھڑاہٹ اور

مضبوط ہاتھوں کی بے خودی حدیبہ کو اپنے آپ

میں سمٹنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"سائیں۔۔؟؟" اسکا تنفس بگڑنے لگا تو وہ

منمنائی۔ فدا نے نرمی سے اسے خود سے جدا کیا۔

"اجازت ہے۔۔؟؟" وہ گہرا سانس لیتا بڑی

شرافت سے پوچھ رہا تھا جس کی آنکھوں کی

سرخی بتا رہی تھی کہ آج اس کی شدتیں ہر بندھ

توڑ دینے کے درپہ ہیں۔ حدیبہ کی سانسیں

بکھرنے لگیں۔ اس نے بامشکل اثبات میں سر

ہلایا تھا۔ فدا کی پیش قدمی بے اختیاری لیے

ہوئے تھی۔ حدیبہ نے پرسکون سی ہو کر اپنا

آپ اس کے حوالے کر دیا جس کا ہر انداز آج نیا

تھا۔ دلفریبی،

بے قراری،

جنون۔۔

محبت۔۔

دیوانگی۔۔

شدتیں سمیٹے ہوئے تھا۔

سب کو میرے ہی بعد رکھئے گا

آپ میرے ہیں یاد رکھئے گا۔۔!!

حدیبہ کی سرگوشی نے فدا کو قہقہ لگانے پر مجبور

کیا تھا۔ وہ خود بھی دھیرے سے ہنس دی۔ کمرے

کی پرسکون فضا میں ان دونوں کی سرگوشیاں

محبتوں کو مان بخش رہی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"ایک بات تو بتاؤ۔۔ تم کل سر شمس کے ساتھ

کہاں گئی تھیں۔۔؟؟" ہاتھ میں لٹکتے شاپنگ بیگز

سنبھالتی ہادیہ نے اپنے ساتھ چلتی علیشہ سے پوچھا

جو اپنا ہینڈ بیگ پکڑے بے نیازی سے چل رہی

تھی۔ہادیہ کے سوال پر وہ چونک اٹھی۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو۔۔؟؟" اپنی بھنوؤں کو

سکیڑتی وہ سرد لہجے میں بولی۔وہ پہلے ہی منصب

کے لندن چلے جانے کے باعث اداس تھی اسی

لیے اسے سی۔آف کر کے وہ موڈ فریش کرنے

کو واپسی میں شاپنگ سینٹر چلی آئی تھی۔اسے

ہادیہ، فضہ اور راحمہ کے ساتھ یہیں ملی تھی۔

فضہ تو اسے دیکھ کر راحمہ کا ہاتھ پکڑ کر راستہ ہی

بدل گئی تھی جبکہ ہادیہ کو مجبوراً اس کے ساتھ ہونا

پڑا۔

"علیشہ تم جانتی ہو ناں فضہ اس معاملے میں

سیریس ہو چکی ہے۔۔؟؟ پھر تم کیوں اسے تپا

رہی ہو۔۔؟؟" ہادیہ نے تقریباً چڑ کر اس بار اسے

شرم دلانے والے انداز میں کہا۔اس کی بات پر

علیشہ نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"اگر میں کہوں کہ میں اس معاملے میں سیریس

ہو چکی ہوں تو پھر۔۔؟؟" اس نے بنا لگی لپٹی

رکھے سنجیدگی سے کہا تو ہادیہ کی آنکھیں پھیل

گئیں۔

"یومین تم سر شمس کی طرف اٹریکٹ ہو رہی

ہو۔؟؟" ہادیہ کا لہجہ حیرانگی سے زیادہ پریشانی

لیے ہوئے تھا۔

"بالکل نہیں، سر شمس خود مجھے اپنی طرف

اٹریکٹ کر رہے ہیں۔۔!" پلکیں جھپکا کر کہتی وہ

لاپرواہی سے کندھے اچکا گئی۔

"بات تو ایک ہی ہے۔۔!" قریب ہی کاؤنٹر پر

شاپنگ بیگز ڈھیر کرتے ہوئے ہادیہ نے تھکن زدہ

لہجے میں کہا۔

"واٹ ایور۔۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ رہی بات

فضہ کی تو اس کی بہتری سر شمس سے دور رہنے

میں ہی ہے ورنہ پھر وہ اچھے سے دیکھ لے گی کہ

علیشہ چوہان کیا کر سکتی ہے۔۔!" ہادیہ کی طرف

جھک کر سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے آخر

میں ناک چڑھائی۔ہادیہ کو حقیقتاً فکر ہوئی تھی۔وہ

علیشہ کی بے باکی اور فضہ کی ہٹ دھری، دونوں

سے ہی بخوبی واقف تھی۔ اب یقینی طور پر ان کا

گروپ ٹوٹنے والا تھا کیونکہ باز آنے والی توقع

بھی نہیں تھی۔

"دو ایپل جوس پلیز۔۔!" کاؤنٹر کے پار کارنر میں

کھڑے ایک لڑکے کو کہہ کر وہ وہیں قریب ہی

ایک ٹیبل کی طرف آگئی۔

"اور سارنگ۔۔؟" ہادیہ نے جھجھکتے ہوئے

پوچھا۔

"آئی ڈیم کیئر۔۔!" اپنے بال جھٹک کر چیئر پر

بیٹھتے ہوئے وہ نخوت سے گویا ہوئی۔

"شیٹ بھی تت۔۔ تو تم سے۔۔ محبت کرتا

ہے۔۔!" کہتے ہوئے ہادیہ کا گلا خشک ہو گیا۔

شیث کے نام پر علیشہ نے خون آشام نگاہوں سے

اسے گھورا۔

"وہ۔۔وہ گونگا۔۔۔اور اس کی محبت۔۔مائے

فٹ۔۔!" وہ تڑخ کر بولی تو ہادیہ لب بھینچتی اپنی

آس پاس دیکھنے لگی جبکہ اس کا حقارت چھلکاتا

تلخ لہجہ سن کر وہاں سے گزرتے سردار بدر لغاری

کے قدم پل بھر کو تھم سے گئے۔ اس لڑکی کے

لہجے کا غرور اور انداز میں رعونیت اول روز جیسی

تھی۔ وہ اپنا سر جھٹکتا وہاں سے آگے بڑھ

گیا۔ "ویسے تمہیں نہیں لگتا تم شیث کو بہت ہلکا

لے رہی ہو۔میں ٹو سے دیٹ ہی از ہینڈ سم۔۔

صرف اس کا وائس ایشو ہے وہ بھی۔۔"ہادیہ

دھیمی آواز میں نرمی سے کہہ رہی تھی جب علیشہ

کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کر اسے پل

بھر کو رکنا پڑا۔

"میرا مطلب ہے کہ۔۔ سچی محبت بہت بڑی

نعمت ہوتی ہے علیشہ، اینڈ ہی ٹرُولی لوز یو۔۔!"

اس کے دودھیا ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہادیہ نے

سنجیدگی سے کہا تو علیشہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ایم ناٹ انٹرسٹڈ ہادیہ۔۔!!" وہ بنا توقف کے

بولی تھی۔اس کے صاف کورے جواب پر ہادیہ

نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔تبھی بیرا جوس لے

آیا۔علیشہ چپ چاپ جوس پینے لگی۔

"چلیں۔۔؟؟" تھوڑی دیر بعد میز پر پیسے رکھتے

ہوئے اس نے خاموش بیٹھی ہادیہ کو مخاطب کیا تو

وہ کسی خیال سے چونکتی سیدھی ہوئی۔

"ہوں۔۔ہاں چلو۔۔!" شاپنگ بیگز ہاتھ میں

لیتے ہوئے وہ کھڑی ہوئی علیشہ نے بھی نشست

چھوڑ دی۔

"میرا دل، میری زندگی۔۔اور میرا فیوچر۔۔یہ

سب میری ٹینشنز ہیں ڈارلنگ۔۔اس سب کے

بارے میں سوچنا تم لوگوں کا کام بالکل نہیں ہے

سو نہ تو اپنے دماغ کے سست گھوڑے میرے

معاملے میں دوڑایا کرو اور نہ ہی مجھ سے بحث

کر کے مجھے کھپایا کرو۔!" وہ بڑے ٹھنڈے ٹھار

لہجے میں ہادیہ کی طبعیت صاف کر رہی تھی۔

ہادیہ لب بھینچے اس کے پیچھے ہی چل رہی تھی۔ وہ

دونوں اس وقت سیکنڈ فلور پر تھیں۔ لفٹ کی

طرف قدم بڑھاتے ہوئے اس کی نگاہیں بڑی

بے نیازی سے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کوئی قابل غور منظر نہ دیکھ کر وہ لفٹ کے سامنے

آر کی جو پہلے سے ہی کھلی ہوئی تھی۔ موبائل پر

آتی شہیر کی کال ریسیو کر کے اس نے فون کان

سے لگالیا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی ہادیہ نے

بھی اس کی تقلید کی تھی لیکن اس کی پشت سے

آتے شخص کا کندھا اس طرح سے اس سے ٹکرایا

تھا کہ وہ پوری ہل کر رہ گئی تھی۔ بیگز اس کے

ہاتھ سے چھوٹ گئے لیکن دھکا لگانے والے

شخص نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اس نے لفٹ

میں گھس کر پانچویں فلور کا بٹن دبا دیا۔ یہ ساری

کاروائی اتنی عجلت میں ہوئی تھی کہ شہیر سے

بات کرتی علیشہ سمجھ ہی نہ سکی۔ہادیہ جو زمین پر

جھک کر بیگز اٹھا رہی تھی لفٹ کا بند ہوتا دروازہ

دیکھ کر علیشہ کو پکار بیٹھی لیکن آپس میں ملتے

دروازے نے ہادیہ کا چہرہ چھپا دیا تھا۔

"واٹ ربش یو آر۔۔ آپ کو نظر نہیں آرہا تھا

کہ پہلے میں اور میری فرینڈ لفٹ میں اینٹر

ہو رہے تھے۔۔!" اس کی پشت کو گھورتی وہ سخت

لہجے میں اس پر گرجی۔ لفٹ چل پڑی تھی۔

علیشہ نے سرعت سے آگے بڑھ کر گراؤنڈ فلور کا

بٹن دبایا لیکن ناکام۔۔وہ کال کاٹتی اس کی جانب

گھومی لیکن مقابل کو دیکھ کر اسے ٹھٹک جانا پڑا۔

اسی وقت لفٹ ایک جھٹکے سے رکی تھی اور ساتھ

ہی لفٹ میں اندھیرا چھا گیا۔یہ اچانک ہوا تھا۔

کیوں ہوا تھا۔

کس لیے ہوا تھا۔۔؟

وہ نہیں جانتی تھی لیکن اس کا دل زندگی میں پہلی

بار کسی مرد کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر خوف سے

بے اختیار ہوا تھا۔ اپنے مقابل سردار بدر لغاری

کی سیاہ چمکتی آنکھیں وہ ٹھیک سے دیکھ بھی نہ پائی

تھی کہ ان آنکھوں کی سیاہی لفٹ میں چھا گئی

تھی۔

"کیا کہہ رہی تھیں پھر سے کہنا۔؟؟" جینز کی

پاکٹ میں ہاتھ پھنساتا وہ ایک قدم مزید قریب

ہوتا ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا تھا۔ اس کی

سانسوں سے پھوٹتی سگریٹ کی مہک نے علیشہ کو

اندر تک لرزا ڈالا تھا، وہ سمجھنے سے قاصر ہو رہی

تھی لیکن مقابل کی شخصیت میں ایسی دہشت

ضرور تھی کہ اسے اپنی سانسوں میں خوف کی

رفتار گھلتی محسوس ہوئی۔ وہ پیچھے ہٹتی لفٹ کی

گلاس وال سے جا لگی جس سے شاپنگ سنٹر کا

اندرونی حصہ نظر آتا تھا۔اس کی آنکھیں

اندھیرے سے مانوس ہوئی تو اسے لفٹ میں

چھائے اندھیرے پر سرمئی پن کا گماں ہوا جس

میں بدر لغاری کے نقوش کافی حد تک واضح ہو

رہے تھے۔علیشہ میں پلٹ کر دیکھنے کی ہمت نہ

تھی ورنہ اسے یقینی طور پر معلوم ہو جاتا کہ مسئلہ

لفٹ اور لفٹ کی لائٹ کا تھا ورنہ پورا شاپنگ سنٹر

جگ مگ کر رہا تھا لیکن لفٹ اس حصے میں رکی

تھی جس کے بالکل باہر لفٹ کی گلاس وال کے

پار، پاروں سے بھرے رنگ برنگے غباروں کا

جھرمٹ سٹیل کے پلر کے گرد لپٹا ہوا تھا جنہوں

نے شاپنگ سنٹر کی روشنیوں کی چمک لفٹ کی

گلاس وال پر پڑنے سے روک رکھی تھی۔

"جو حرکت آپ نے کی وہ بدتمیزی تھی۔۔!"

ہمت مجتمع کرتی وہ سنجیدگی سے بولی۔

اس کے جواب دینے پر بدر نے ہونٹ سیٹی

بجانے کے سے انداز میں سکیڑے۔اس کے

وجود سے پھوٹتی دلفریب کلون کی مہک مسحور

کن تھی۔

"تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ جو حرکات میں

کرتا ہوں ان کا واسطہ کبھی بھی تمیز سے نہیں

رہا۔۔!" سرمئی اندھیرے میں جگر جگر کرتی

علیشہ کی بھوری آنکھوں میں جھانکتا وہ لہجے میں

بے نیازی سمو کر بولا تو علیشہ کی ازلی اکڑ عود کر

آئی۔

"مجھے معلوم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے

لیکن بہر حال آپ کو معذرت کرنی چاہئیے۔۔!"

لہجے کو حتی الامکان دھیمار کھے وہ ایک ایک لفظ

چبا کر بولی تو مقابل اس کی بات پر دھیرے سے

ہنسا۔

"اگر تمہیں دلچسپی نہیں ہے تو اس کا صرف ایک

ہی مطلب ہے کہ سردار بدر لغاری تمہاری

دلچسپی کا متمنی نہیں ہے ورنہ۔۔۔!" اطمینان سے

کہتے ہوئے وہ ایک قدم پیچھے ہوا۔ گلاس وال

سے چپکی علیشہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ یوں جیسے

اس کی مشکل آسان ہو گئی ہو۔

"ورنہ کیا۔۔؟" علیشہ کے لب پھڑ پھڑائے۔

"ورنہ یہ کہ سردار بدر لغاری جس دل کو چاہے

اپنا غلام کرنے کی صلاحیت اور "طاقت" رکھتا

ہے۔!" رعونت سے پُر مغرور لہجے میں کہتے

ہوئے اس نے آخر میں لفظ طاقت پر زور دیا۔

یعنی مطلب صاف تھا جس کے معنی سمجھتی وہ

اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لینے پر مجبور ہوئی

تھی۔

"یعنی جہاں صلاحیت تمام ہو جائے وہاں آپ اپنی

طاقت کا استعمال کر لیتے ہیں لیکن ہر حال میں اپنی

چاہت ضرور پوری کرتے ہیں رائٹ۔۔؟؟"

پوچھتے ہوئے علیشہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ بدر کی

آنکھیں اندھیرے میں بھی چمکنے لگیں۔

"تم نے کچھ لمحے پہلے، دلچسپی نہ ہونے کا اعتراف

کیا ہے۔ پھر یہ معلومات حاصل کر کے کیا کرو

گی۔۔؟؟" وہ بڑے سبھاؤ سے اسے اسی کا کہا گیا

جملہ لوٹا رہا تھا۔اس ٹکر توڑ جواب پر علیشہ کو اپنے

چہرے سے تپش نکلتی محسوس ہوئی۔اسے یوں لگا

جیسے مقابل اس پل اُس پر ہنس رہا ہے۔

"میری طرف سے آپ بھاڑ میں جائیں۔۔!"

جب اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو سارے

خوف اور لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ

بدتمیزی سے کہہ گئی۔ اس کے لہجے کی غراہٹ پر

سردار بدر لغاری کی آنکھیں سرد ہو گئیں۔ اس

نے ایک جھٹکے سے علیشہ کا بازو دبوچ کر اس کا

رخ اپنی جانب موڑا جو اسے کہہ کر اپنی مٹھی میں

جکڑے موبائل کو سامنے کرتی سکرین پیٹرن ڈرا

کر رہی تھی تا کہ مدد کے لیے شاپنگ سنٹر کے

انتظامیہ کو کال کر سکے۔اس شدید جھٹکے پر علیشہ

کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر لفٹ کی زمین پر

گر گیا۔

"اپنی اس لمبی زبان کو میرے سامنے چلانے سے

پہلے آئندہ یہ دیکھ لینا کہ تمہارے مقابل کون

ہے لڑکی۔۔ سردار بدر لغاری کو بھاڑ میں بھیجنے کا

خواب دیکھنے والے بہت ہیں۔ لیکن ایسوں کے

خواب میں بھاڑ میں جھونکنے میں وقت نہیں

لگا تا۔۔!" اس کا بازو دبوچے وہ سرد ترین لہجے

میں غرایا تو اس کے لہجے کی سختی محسوس کرتی

علیشہ سن سی ہو گئی۔ اسی وقت لفٹ کی لائٹ جل

پڑی۔ ساتھ ہی لفٹ بھی چلنے لگی لیکن علیشہ کا

بازو بدر کی گرفت میں ہی تھا۔

"آخری بار کہہ رہا ہوں۔۔بچالو خود کو۔۔جتنا بچا

سکتی ہو۔۔اتنا بچالو خود کو۔۔!" اپنی جانب یک

ٹک دیکھتی علیشہ کی بھوری آنکھوں میں دیکھتا وہ

دھمکی دینے والے انداز میں بولا تو وہ بامشکل سر

اثبات میں ہلا گئی۔وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اس

کی اپنی اس قدر شرافت کی وجہ کیا ہے۔

مقابل کی آنکھوں کی سیاہی۔۔؟

یا، چہرے کے سخت تاثرات۔۔؟

اس کی شخصیت کی دہشت۔۔؟

یا لفٹ کی فضا میں رچی اس کے ساحر کلون کی

مہک۔۔؟؟

لہجے کی سنگینی۔۔

یا پھر بھاری آواز کی جاذبیت۔۔

وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔، ہاں وہ ناکام تھی۔ اس

کا بازو ایک جھٹکے سے چھوڑتا وہ پلٹ گیا۔ ساتھ

ہی لفٹ پانچویں فلور پر رکتی کھل گئی۔ وہ بنا اس

پر نگاہ غلط ڈالے لفٹ سے باہر نکل گیا۔ علیشہ کی

ساکت نگاہیں لفٹ کا دروازہ بند ہونے تک اس

کی پشت کو گھورتی رہیں جو اپنے بائیں ہاتھ کی

تیسری انگلی میں اناری یاقوت کو گھما رہا تھا۔ اسے

پتہ نہ چلا کہ مزید کون اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا

ہے۔ وہ بس خاموشی سے کسی بت کی مانند کھڑی

اس شخص کی بابت سوچ رہی تھی جو ہر حادثاتی

ملاقات میں اسے دو کوڑی کا کر جاتا تھا۔علیشہ کی

سوچیں منتشر ہو چکی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"آپ جو کر رہے ہیں وہ اچھا تو ہے لیکن ٹھیک

نہیں ہے سائیں۔۔ منصب کو معلوم ہو گیا تو۔۔ تو

بہت برا ہو گا۔۔!" وقار عالم شاہ کے پہلو میں

کھڑی وہ سنجیدگی سے بول رہی تھیں۔ناجیہ بیگم

کی فکر مند آواز پر انہوں نے گردن موڑ کر ان

کی جانب دیکھیں۔

"آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ میں منصب سے

بالکل خوفزدہ نہیں ہوں۔ اور نہ ہی مجھے اس بات

کی رتی بھر پرواہ ہے کہ اسے پتہ چلے گا تو وہ کیا

کرے گا۔۔!" وہ ٹھہر ٹھہر کر سنجیدگی سے بولے

تو ناجیہ بیگم نے شکوہ کناں نگاہوں سے ان کی

جانب دیکھا۔ آس پاس لوگوں کی ہنستی کھلکھلاتی

آوازوں سے بے بہرہ وہ دونوں محو گفتگو تھے۔

"خوفزدہ نہیں ہیں تو پھر یہ سب کیا ہے۔۔؟ ابھی

اسے گئے ایک ماہ بھی نہیں ہوا اور آپ مہرماہ کو

نئے رشتے میں باندھ رہے ہیں۔ وجہ جان سکتی

ہوں سائیں۔۔؟ اگر اس سب کی وجہ منصب شاہ

نہیں ہے تو پھر کون ہے۔۔؟؟" سٹیج کی جانب

ایک سرسری نگاہ ڈال کر وہ ان کی طرف دیکھتی

کچھ تلخی سے گویا ہوئیں۔

"بابا سرکار۔۔۔مجھے صرف بابا سرکار کا خوف ہے

جیہ ،اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ان کی نسل کے چند

نفوس کراچی کی ان تنگ و تاریک گلیوں میں

اپنی ایک پر سکون جنت بسائے بیٹھے ہیں تو وہ اس

گھرانے کو جہنم بنانے میں پل نہیں لگائیں

گے۔۔!" پرسکون نگاہوں سے سٹیج پر رکھے

صوفوں میں سے ایک پر بیٹھی مہرماہ کو دیکھتے وہ

بھرپور سنجیدگی سے بولے تھے۔اس کی دوست

فاطمہ بار بار اس کے کان میں سرگوشیاں کر رہی

تھی نتیجتاً اس کے گلاب لب کھکھلا اٹھتے۔ناجیہ

بیگم کی آنکھوں میں ویرانیاں سی اترنے لگیں

جبکہ وقار شاہ مزید کہہ رہے تھے۔

"میں نہیں چاہتا کہ باباسرکار مہرماہ کو اس کے

والدین سے چھین کر لے جائیں۔میں نہیں چاہتا

کہ اس معصوم پر یہ تلخ حقیقت آشکار ہو کہ وہ

پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو گئی تھی۔ میں ہر گز

نہیں چاہتا کہ وہ اپنی اس ماں کے وجود سے آشنا

ہو جو اس کی پیدائش کے وقت ہی مر گئی

تھی۔۔!" اپنے اندر اٹھتے غم کے لاوے پر ضبط

کرتے وہ دکھ بھرے لہجے میں بولے تھے۔

"بابا سرکار کی سرپرستی میں جانے کا ایک ہی

مطلب ہے جیہ، مہرماہ پر آگاہی کا ہر تلخ در کھول

دینا۔ اور میں اسے ان اذیتوں سے بچانا چاہتا ہوں

جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہوں گی۔ جب

اس کے ساتھ اس کا ہمسفر ایک مضبوط چٹان کی

مانند کھڑا ہو گا تو بابا سرکار اپنا خون کہہ کر اسے،

اس کے والدین سے چھین نہیں پائیں گے۔۔!"

وہ بہت آگے تک کی سوچ بیٹھے تھے۔ناجیہ بیگم

نے بھیگی آنکھوں سے مہرماہ کے پہلو میں بیٹھے

اس خوبرو سے لڑکے کو دیکھا جس کا نام پالینے کی

خوشی میں مہرماہ کی رنگت مزید کھل اٹھی تھی۔

"آپ نے تو اپنے باپ سے خوفزدہ ہو کر حفاظتی

تدابیر اختیار کرلی سائیں۔۔ لیکن آپ کا بیٹا آپ

سے خوفزدہ نہیں ہوتا یہ بات آپ بھی جانتے

ہیں۔۔!"ناجیہ بیگم کی آواز سرسراتی ہوئی تھی۔

وقار عالم شاہ نے گہرا سانس لیا پھر بنا جواب دیے

اپنے قدم آگے بڑھا دیے۔ جیسے ان کے پاس

منصب کے متعلق بات کرنے کے لیے وقت ہی

نہ ہو۔

"اتنی چوٹیں آئی ہیں کیا ضرورت ہے جانے

کی۔۔؟ منصب میں کہہ رہی ہوں تمہیں آرام

کی ضرورت ہے۔ میں بات کرلیتی ہوں تمہارے

بابا سے وہ ٹکٹس کینسل کروادیں گے، نیکسٹ

ویک چلے جانا۔۔!" انہیں اپنی ہی فکر مند سی

آواز یاد آئی تھی۔ وقار عالم شاہ سٹیج کے قریب

ہی حسین صاحب کے ساتھ کھڑے باتیں کرنے

لگے تھے۔

"جتنی بھی ہیں سب معمولی ہیں اماں۔۔ ایک ہفتے

بعد بھی جانا ہے تو پھر آج ہی سہی۔ آپ فکر نہیں

کریں ایک دو دن میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔۔!"

اپنے سوٹ کیس کا ہینڈل تھامتا وہ سنجیدگی سے

بولا تھا۔اس کے الفاظ یاد کرتی ناجیہ بیگم بے دم

سی ہو کر اپنے پیچھے چیئر پر بیٹھ گئیں۔کہاں تو ان

کا بگڑا نواب لندن جانے کے لیے رضامند ہی

نہیں تھا اور کہاں ایک ہی رات میں، مہرماہ سے

آخری ملاقات میں۔۔ وہ اس قدر تبدیل ہو گیا

تھا کہ خود سے جانے کی بات کر رہا تھا۔ اس رات

سے پہلے وہ جانا نہیں چاہتا تھا، اور اس رات کے

بعد وہ پاکستان رکنا نہیں چاہتا تھا۔ آس پاس شور

بڑھنے لگا تو ناجیہ بیگم چونک کر سیدھی ہوئیں۔

مہرماہ کے پہلو میں بیٹھا اس کا ہمسفر اس سے اس کا

ہاتھ مانگ رہا تھا۔ لڑکے کے رشتے دار سٹیج کے

گرد دائرہ بنا کر کھڑے وہ شوخ منظر دیکھنے کو بے

تاب نظر آرہے تھے۔ ناجیہ بیگم کا دل بیٹھنے

لگا۔ کتنا روکا تھا انھوں نے اسے۔۔ کتنا سمجھایا تھا

لیکن اس کی ہاں، نہ میں نا بدلی۔ وہ لندن جانے

کے لیے ہاں کہہ چکا تھا اور وہ جانے کی جلدی میں

وقت سے پہلے ہی حویلی سے نکل پڑا تھا۔

"جانے سے پہلے کچھ نہیں کہو گے۔۔؟؟"وہ

اپنے سر پر اُن سے پیار لے کر سیدھا ہوا تو ناجیہ

بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔ منصب

کی بے رونق آنکھیں ان کے سوال پر پل بھر کو

روشن سی ہوئی تھیں۔چہرے پر بے بسی رقم

تھی۔

"اپنا وعدہ یاد رکھیے گا۔۔!"وہ ٹھہرے ہوئے

بے تاثر لہجے میں بولا تو ناجیہ بیگم کو حیرت کا جھٹکا

لگا تھا۔تو یعنی سچ جان لینے کے بعد بھی وہ اپنی ضد

پر قائم تھا۔۔؟؟انہیں لگا تھا ہاں۔۔ان کا بیٹا

ضدی ہی ہے لیکن اس کے اگلے جملے نے ان پر

آشکار کر دیا تھا کہ منصب عالم شاہ ضد پر نہیں،

مہرماہ حسین کے لیے اپنی دیوانگی پر قائم تھا۔

"وہ صرف میری ہے اماں۔۔!" لہجے میں بے بسی

اور آنکھوں میں نمی لیے وہ آہستگی سے بولا تھا۔

"ہو۔۔۔ ہووووو۔۔۔ ہو ہو۔۔" تالیاں بجا بجا کر

منہ سے آوازیں نکالتے وہ نفوس اپنی خوشی کا

اظہار کر رہے تھے۔ انہیں ایک بار پھر حال میں

واپس آنا پڑا کیونکہ مہرماہ کے ہاتھ میں اپنے ہمسفر

کے نام کی انگوٹھی سج چکی تھی۔ ایک بلکتا ہوا

آنسو منصب عالم شاہ کی اماں کی آنکھ سے نکلتا

گال پر پھسل آیا۔ وہ تو ابتدائی مرحلے میں ہی

اپنے بیٹے سے کیا وعدہ، بے وقعت ہوتا محسوس

کر رہی تھیں۔ ان کا دل منصب کے لیے دکھ سے

بھر چکا تھا۔ جس کی سسکیوں سے بے بہرہ وہاں

ہر شخص مہر ماہ حسین کی خوشی میں خوش تھا۔ اور

خوش تو شاید وہ بھی ہو جاتی گر جو انہیں بیٹے کے

غم سے نجات ملتی تو۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

یہ "ہِلٹن کیمبرج سٹی" کی پرشکوہ عمارت کے

تیسرے فلور پر روم نمبر 9 کا منظر تھا۔ آرام دہ

بیڈ پر بغیر کمبل اوڑھے وہ آڑھا ترچھا سا اوندھے

منہ لیٹا ہوا تھا۔ سیدھے ہاتھ کی درمیانی انگلیوں

کے درمیان سگریٹ جانے کب کی راکھ ہو چکی

تھی جس نے اُس کی انگلیوں کو جلایا بھی تھا لیکن

انگلیوں کی حیت بتا رہی تھی کہ مقابل نے جلن

محسوس کرنے کے باوجود انگلیوں کو حرکت نہیں

دی تھی۔ اس کی سیاہ پلکوں پر گہری نیند کا بوجھ سا

تھا، کمرے کی فضا میں رچی سگریٹ کی بُو کا اس

پر کوئی اثر نہیں تھی۔ رات کے آخری پہر وہ

پوری عمارت نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی جس

کی خواب گاہوں میں قیام پزیر کیمبرج یونیورسٹی

کے طلباء گہری نیند سو رہے تھے۔ منصب عالم

شاہ کا شمار بھی انھی طلباء میں ہوتا تھا، اسے وہاں

آئے ایک ماہ ہونے کو تھا اور بلاشبہ ہر رات کی

اذیت سے اس کا بے سکون دماغ ہی واقف تھا

جس میں گردش کرتی سوچیں اسکے خوابوں میں

بھی بھیانک روپ لے کر اسے جگا دیا کرتی

تھیں۔ کمرے کے درودیوار اس کے شکستہ وجود

سے اس حد تک واقف ہو چکے تھے کہ اب

انھیں منصب عالم شاہ کے جاگنے کا انتظار تھا۔ اور

پھر کچھ دیر ہی گزری تھی جب معمول کے

مطابق، اس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں جنبش

ہوئی تھی۔لب چیخنے کو پھڑ پھڑانے لگے۔پلکوں

میں لرزش اترنے لگی۔ کمرے میں چھائی تاریکی

جیسے اس کے دل کی آہوں سے آشنا سی تھی۔

لمحوں میں اس کی پیشانی پسینے سے بھیگی تھی اگلے

ہی پل وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔سانس غیر معمولی

رفتار سے چل رہا تھا۔ منصب نے دکھتی آنکھیں

پوری کھولتے ہوئے اپنے بکھرے بالوں میں

ہاتھ پھنسا لیے۔ اس کی نگاہیں ساکت سی ہو کر

بالکل سامنے کمرے کے بند دروازے کو گھورنے

لگیں۔

"بتاؤناں کس گروہ سے تعلق ہے تمہارا۔۔؟"

اس کے بازو کو چھوتے عبداللہ کی آواز منصب

کے دل کی دھڑکنیں اس پل تیز کر رہی تھی۔

مہرماہ کے پلکوں پر اٹکے آنسو اسے پور پور سمندر

کی گہرائیوں میں ڈبو رہے تھے جس کے سرد

ٹھٹھراتے پانی میں منصب کو ہاتھ پاؤں مارنا بھی

محال لگ رہا تھا۔"تم لوگ جس بھی گروہ سے ہو

بے غیرتوں میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں

گا۔۔!"اس کی اپنی ہی بھاری ہوتی بھیگی آواز اس

کے کانوں میں گونجتی اسے ایک بار پھر تڑپا گئی

تھی۔ منصب کو اپنے مضبوط ہاتھوں پر ان

دیو ہیکل افراد کی گرفت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ

گہرا سانس لیتا سرعت سے بیڈ سے اترا اور چند

قدم چل کر گلاس ونڈو سے پردے ہٹا دیے۔

فضا میں گھٹن بڑھنے لگی تھی۔

"میرے پاس مت آؤ۔۔دور رہو پلیز۔۔!"

مہرماہ نے ایک بار پھر التجا کی تھی۔منصب نے

اپنی پیشانی کھڑکی کے شیشے پر ٹکا دی۔

"اس سے دور رہو۔اوئے سالے ادھر آ اسے

چھوڑ دے۔۔!" وہ حلق پھاڑ کر چیخا تھا مگر وہ

چاروں اس کی بے بسی پر قہقہے لگا رہے تھے۔ اس

کی سرمئی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔ دل کی

دھڑکنیں تھکن سے چور چور ہو رہی تھیں۔

"نن۔۔ نہیں میرے ساتھ ایسا مت

کرو۔۔ مم۔۔۔ منصب شاہ ان کو روکو

پلیز۔۔۔!" وہ گڑگڑائی تھی۔ منصب کو سانس

لینے میں دشواری پیش آنے لگی۔

"نن۔۔ نہیں۔۔۔ بھائی۔۔۔ بب۔۔۔ بھائی۔۔

ان کو روکیں پلیز۔۔۔!" اس کا اٹھارہ سالہ بھائی

روتے ہوئے چیخ رہا تھا اور وہ چاروں قہقہے لگا رہے

تھے۔ منصب کی سرخ آنکھوں سے دو آنسو بہت

آہستگی سے ٹوٹتے چلے گئے۔ نچلا لب دانتوں میں

دبائے وہ اپنی چیخوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا

تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اُن دونوں راتوں

کے مناظر گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ایک رات وہ تھی

جس میں عمیر اسی کی پھپھی زاد کا منہ بند کروانے

کو اس کے حلق میں شراب انڈیل رہا تھا، اور

دوسری رات۔۔ہاں وہ ہی رات جب وہ مہرماہ

سے اپنے رشتے کی بابت آگاہ ہوا تھا۔ اسی رات

وہ درندے اس کے بھائی۔۔ہاں وہ درندے

سبحانی کے حلق میں ڈر گز ٹھونس رہے

تھے۔اذیت سے آنکھیں میچتے ہوئے وہ بچوں کی

طرح رو پڑا۔آنسو بہت تیزی سے اس کے گال

بھگو رہے تھے۔

"آج سے سالوں پہلے مجھے تمہارے دادا سرکار

نے مار ڈالا تھا مون لیکن میں زندہ رہا۔۔ لیکن۔۔

آج تم نے مجھے اس طرح سے مارا ہے کہ میں

مرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔۔!" مہرماہ کو

اپنے بازو کے حلقے میں لیے بولتا وہ شخص اس کا

دلعزیز چچا تھا۔ کیا کیا محسوس نہیں کر رہا تھا وہ اس

وقت۔۔؟؟

افسوس۔۔

پچھتاوا۔۔

پشیمانی۔۔

ندامت۔۔

ملال۔۔

اذیت۔۔

اور۔۔۔اور محبت۔۔

ہاں محبت۔۔

مہر ماہ حسین کی محبت جو اس کی رگ رگ میں

سرایت کر چکی تھی۔ پچھلے ایک ماہ میں اس نے

ہر وہ احساس اپنے گرد شدت سے موجود پایا تھا

جس کے ذائقے سے وہ ہمیشہ ناآشنا رہا تھا۔ وہ تو

مغرور۔۔

بے نیاز۔۔

لاپرواہ۔۔

ایک بے ضمیر سا شخص تھا پھر یہ کیا انہونی ہوئی

تھی کہ جس نے اسے سر تا پیر بدل ڈالا تھا۔ وہ ہار

گیا تھا۔ ٹوٹ گیا تھا۔ اسے توڑنے والی مہرماہ

حسین نہیں تھی۔ اسے بدلنے والی ایک عورت

نہیں تھی، اسکا ضمیر جگا دینے والا اس کا چچا بھی

نہیں تھا۔ گمراہی کی نشاندہی کروانا تو شاید خدا

کے بندوں کے بس میں ہو بھی لیکن۔۔ ایک

گمراہ کو ہدایت کے راستے کا مسافر بنانے والی فقط

ایک ہی ذات ہے۔ اور بے شک۔۔ وہ ذات اس

رب العالمین کی ہے جس کے انصاف نے

منصب عالم شاہ کو آسمان سے زمین پر پٹخ ڈالا تھا۔

اپنے آنسو صاف کرتا وہ سیدھا ہوا پھر تھکے

قدموں سے واش روم کی طرف بڑھا۔ وہ سرد

رات کی تنہائی میں وقت کا تعین کیے بنا وضو کر رہا

تھا۔ اسے سکون چاہئیے تھا۔

قرار چاہئیے تھے۔

ایک میٹھی نیند چاہئیے تھی۔

اس اذیت سے نجات چاہیئے تھی اور اسے زیادہ

کچھ معلوم تھا یا نہیں لیکن جس گھر میں اس نے

آنکھ کھولی تھی اس گھر کے نفوس کی زبانی، بچپن

سے جوانی تک یہ الفاظ بڑے واضح معنوں میں

اس کے ذہن میں نقش تھے۔

"اور بے شک سکون اللہ کی یاد میں ہے۔!"

جاء نماز کی جگہ اپنی گرم شال فرش پر بچھا کر دو

نوافل کی نیت باندھتے ہوئے اس کی آنکھیں

سُوجی ہوئی تھی۔لبوں پر آہیں تھیں۔وہ ٹوٹ کر

اللہ کے قریب ہوا تھا۔

یا نہیں،

یقیناً اللہ نے اسے توڑا ہی خود سے قریب کرنے

کے لیے تھا سو اب جو یہ خوشنما منظر اس کمرے

کی چار دیواری دیکھ رہی تھی تو آسمانوں پر بیٹھے

اس رب کو کیوں نہ پسند آتا جس نے اس کا بخت

لکھا تھا۔ وہ ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے اللہ

کے سامنے گڑگڑاتا جارہا تھا اور اس کی سسکیوں کا

حساب رکھتے فرشتے اس کی فریاد لکھتے جارہے

تھے۔

□♦□♦□♦□♦

اور اللہ کا انصاف کیسا تھا۔؟؟؟

جسے دو ٹکے کو معمولی کلرک سمجھ کر وہ بڑی دیدہ

دلیری سے اس کے گھر آگھسا تھا۔اور جسے دو

ٹکے کی لڑکی سمجھ کر وہ اس کی عزت کے ساتھ

کھلواڑ کرتا رہا تھا وہ کون تھی۔ حقیقت اس کے

سامنے تھی جس نے اس کی زبان کو چپ لگا دی

تھی۔" مجھے افسوس ہے اپنی زندگی پر جس نے

مجھے یہ وقت دکھایا ہے۔۔!" تاسف زدہ نظروں

سے اس کی جانب دیکھتے وہ لہجے میں سرد مہری

سمو کر بولے۔ بدلے میں منصب کا سر نفی میں ہلا

تھا۔ آنکھیں جو پہلے ہی دھندلی ہو رہی تھیں وہ

شرمندگی سے جھکنے کو بے تاب تھیں لیکن اپنے

دلعزیز چچا کا چہرہ دیکھ کر وہ اپنی بچپن کی تشنگی

پوری کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"گلے بھی نہیں لگیں گے چاچو۔۔؟" منصب نے

بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ مہرماہ کی طرف

دیکھنے سے گریز کر رہا تھا جو اپنے آنسو پونچھتی اب

صورتحال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میری بیٹی کے گلے سے دوپٹہ چھیننے والے کو

گلے لگاؤں گا میں۔۔؟ کیا اتنا ہی بے غیرت سمجھ

رکھا ہے تم نے مجھے۔۔؟؟" مہر ماہ کو خود سے الگ

کرتے وہ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے دہاڑے تو

منصب کا دل اذیت سے بھر گیا۔ نور بیگم ان کی

بلند آواز سن کر وہاں چلی آئیں۔ منصب کو وہاں

دیکھ کر وہ دہلیز میں ہی ٹھہر گئی تھیں۔

"تم اپنی ماں کے پاس جاؤ مہر۔۔!" انہوں نے

گردن موڑ کر اسے مخاطب کیا جو زندگی میں پہلی

بارا نہیں اس قدر غصے میں دیکھ کر کچھ حق دق سی

کھڑی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا یہ۔۔یہ آپ کی بیٹی ہے۔۔!"

کہتے ہوئے اس کی آواز کمزور ہو گئی۔

یوں جیسے اپنی دلیل کی مضحکہ خیزی کی خبر اسے

خود کو بھی ہو۔نور بیگم ہمت کر کے آگے بڑھیں

اور مہر ماہ کو تھام لیا۔

"تم چلو میرے ساتھ۔۔!" انہوں نے اپنی جگہ

کھڑی مہرماہ کو اپنے ساتھ گھسیٹا جبکہ حسین

صاحب اب کہہ رہے تھے۔

"تو یعنی تمہیں ہر عورت کی نہیں، فقط اس عورت

کی عزت سکھائی گئی ہے جس عورت سے تمہارا

کوئی رشتہ ہے ہاں۔۔؟؟" ایک قدم اس کی

طرف بڑھتے ہوئے وہ دھیمے مگر سلگتے لہجے میں

بولے تھے۔ منصب کی زبان تالو سے جا لگی تھی۔

لفظوں کا تھپڑ زوردار تھا۔

"مجھے تمہاری تربیت سے ہمدردی ہے جس میں

موجود کمیوں کو تمہاری زبان ادا کر رہی ہے، مجھے

ان ہاتھوں پر افسوس ہے جو تمہاری اچھی تربیت

نہ کر سکے مجھے اس حویلی کے در و دیوار پر دکھ ہے

جن کے درمیان تم پلے بڑھے۔۔!" ایک ایک

لفظ پر زور دے کر بولتے ہوئے ان کی آواز بلند

سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ منصب کی نگاہیں

جھکتی چلی گئیں۔

"مجھے اس لمحے پر شدید دکھ ہے جس لمحے تمہاری

پیدائش ہوئی تھی منصب عالم شاہ۔۔ کاش تمہارا

نام رکھنے کی بجائے میں تمہارا گلا گھونٹ دیتا تو آج

مجھے تمہارا یہ روپ نہ دیکھنا پڑتا۔۔!" اس کے

مقابل ایک قدم کے فاصلے پر آکر رکتے وہ سرد

ترین لہجے میں بولے تو منصب نے تڑپ کر سر

اٹھا۔ آنسو اس کی بھیگی آنکھوں سے باہر نکل

آئے۔

"آج سے سالوں پہلے مجھے تمہارے دادا سرکار

نے مار ڈالا، میں پھر بھی زندہ رہا مون۔ لیکن

آج۔۔ آج تم نے مجھے اس چُلّو بھر پانی میں ڈبو کر

مارا ہے کہ میں جینے کے قابل بھی نہیں رہا۔۔!"

اس کے سینے پر شہادت کی انگلی سے ضرب لگاتے

ہوئے وہ گہرے لہجے میں بولے تھے۔ جانے

کیسے لیکن ایک آنسو ان کی آنکھوں سے بھی

ٹوٹ نکلا تھا۔ منصب میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ

ان سے معافی ہی مانگ لیتا۔

"میں جاؤں چاچو۔۔؟؟" اس نے نظریں

جھکاتے ہوئے بھاری ہوتی آواز میں پوچھا۔

حسین صاحب نے دھیرے سے اثبات میں سر

ہلا یا وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئے۔ہاتھ سے

کمرے کے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا

تھا۔وہ بنا کوئی صفائی دیے ان کے پاس سے گزر

گیا۔اس بار اسے سیڑھیوں کا رخ نہیں کرنا پڑا

تھا۔گرِل کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔صحن میں ہی

وہ نور بیگم کے کندھے پر سر ٹکائے کھڑی تھی۔

اس کے لیے بیرونی دروازہ بھی کھول دیا گیا تھا۔

منصب نے پلٹ کر ایک نظر اپنے پیچھے دیکھا وہ

اسکی تقلید میں باہر نہیں آئے تھے۔وہ سر اور

نظریں جھکائے اس گھر سے نکل آیا جس کے

چھوٹے سے صحن میں اس کے دل کا حصہ بن چکی

وہ لڑکی بھیگی آنکھوں سے ابھی تک وہ راستہ دیکھ

رہی تھی جہاں سے اس کا ماموں زاد گزر کر گیا

تھا۔ہاں وہ جان چکی تھی کہ منصب عالم شاہ اس کا

ماموں زاد ہے۔

□♦□♦□♦□♦

تھکن زدہ بے جان ہوتے ہاتھوں سے سٹیئرنگ

وہیل سنبھالے وہ دھندلی آنکھوں سے سیاہ تار

کول پر پڑتی گاڑی کی زرد روشنیوں میں سڑک کو

گھور رہا تھا جو چلتی گاڑی کے سنگ ختم ہوتی چلی جا

رہی تھی۔ اس کی سوچیں اس پل منتشر تھیں

جبکہ دکھتا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ ساری تدبیریں،

تمام تر غرور سب دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ آنکھیں

بار بار دھندلا رہی تھیں جنہیں وہ بروقت مسل

رہا تھا کہ گالوں کا بھیگ جانا وہ برداشت نہیں کر

سکتا تھا۔ ایک گھنٹے پہلے وہ فل سپیڈ سے گاڑی بھگا

رہا تھا کیونکہ ایک گھنٹے قبل کی صورتحال کچھ اور

تھی جبکہ اس پل تو اسے اپنے حواس قائم رکھنا

محال ہو رہا تھا کجا کہ گاڑی ڈرائیو کرنا۔ یہ کہنا غلط نہ

تھا کہ آج اس کے سر پر آسمان آگرا تھا لیکن اس

کے تھکے ہوئے اعصاب ناواقف تھے کہ ابھی

اس کے قدموں تلے سے زمین کا نکلنا باقی ہے۔

یہ قریباً رات کے تین بجے کا وقت تھا جب وہ

کراچی کی حدود چھوڑنے کے قریب تھا۔ سڑک

کی اطراف میں اگی خودرو جھاڑیاں عجیب سی

ہیبت پیدا کر رہی تھیں۔ مین روڈ دس منٹ کے

فاصلے پر ہی تھا لیکن منصب کو لگ رہا تھا کہ وہ

گاڑی کہیں ٹھونک دے گا۔ اپنے آپ سے بے

زار ارد گرد سے انجان وہ بالکل سامنے نگاہیں

جمائے گاڑی چلا رہا تھا جب اس نے اسی سڑک پر

سامنے سے آتی گاڑی کو جھاڑیوں میں گھستے

دیکھا۔شاید وہاں کوئی راستہ تھا، درمیانی فاصلہ

کافی تھا سو وہ نظر انداز کر گیا۔مہرماہ کے بارے

میں سوچتا وہ ٹھیک دو منٹ بعد اس جگہ سے گزر

رہا تھا تو یونہی اس نے گردن موڑ کر اس جانب

دیکھ لیا۔ اس گاڑی کا نام ونشان تک غائب تھا ہاں

البتہ وہاں ایک تنگ سا کچا راستہ تھا جس کے آگے

ایک زیر تعمیر بلند عمارت تھی۔ شاید کوئی فیکٹری

تھی جو اس وقت تعمیر کے مرحلے میں تھی۔ وہ

نظریں پھیرتا گاڑی آگے بڑھا لے گیا معاً اس

کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔ منصب نے ایک

جھٹکے سے گاڑی روکی۔ اس بار اس نے دروازے

کا شیشہ نیچے کیا اور گردن موڑ کر پیچھے دیکھا

عمارت کے سامنے چھوٹا سا میدان تھا جس کا منظر

عمارت میں کہیں کہیں جلتی پیلی روشنیوں کے

باعث نظر آرہا تھا۔ وہ چار دیو ہیکل آدمی تھے

جن کے درمیان کوئی نازک جان ہاتھ پاؤں چلا

رہی تھی۔ وہ اسے عمارت کی جانب گھسیٹتے لے

جارہے تھے۔ شاید آج پھر کوئی مہرماہ حسین کسی

منصب عالم شاہ کا شکار بننے والی تھی۔ منصب نے

گہرا سانس لیتے ہوئے سوچا۔ اس نے فوراً سے

پہلے عمیر کو کال ملائی تھی لیکن اس نے ریسیو

نہیں کی۔ مجبوراً منصب نے اس کے لیے واٹس

ایپ پر وائس نوٹ چھوڑ دیا جس میں وہ اسے

معاملے کی نوعیت بتا کر جگہ کی نشاندہی کر چکا تھا۔

وہ نیک نہیں تھا نہ ہی اس کے دل میں خدمت

خلق کا درد تھا لیکن شاید یہ ایک مداوا تھا جو وہ کر

رہا تھا۔ وہ خود اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا

اسی لیے عمیر کو آگاہ کر دیا تھا۔ اب جانے وہ یہ

وائس کب سننے والا تھا۔ لاپرواہی سے موبائل

ڈیش بورڈ پر رکھ کر منصب نے گاڑی دوبارہ

سٹارٹ کر دی۔ اس کا ذہن پھر سے مہرماہ اور

اپنے چچا کو سوچنے لگا لیکن جانے کیوں درمیان

میں بار بار وہ منظر خلل ڈال رہا تھا۔ کیا اسے وہاں

جا کر اس وجود کو بچانا چاہئیے۔۔؟؟ عجیب سی

سوچیں اسے تنگ کرنے لگیں۔اس نے موبائل

پکڑ کر واٹس ایپ چیک کیا عمیر نے ابھی تک وہ

وائس نہیں سنی تھی۔منصب کے دل کو جانے

کیوں پریشانی ہوئی تھی۔وہ زیادہ دور نہیں آیا

تھا۔اس نے سرعت سے گاڑی موڑلی۔جانے

عمیر نے کب آنا تھا لیکن فی الحال اس کے لیے

وہاں سے جانا محال ہو رہا تھا۔ تیز رفتار سے اسی

مقام پر واپس آ کر اس نے بھی گاڑی اسی کچے

راستے پر موڑ دی۔ گاڑی سے باہر نکل کر اس نے

ایک نظر اطراف میں دیکھا۔ چہار سُو سناٹا پھیلا

ہوا تھا۔ کسی کی چیخوں کی دھیمی آواز اس کی

سماعتوں میں پڑ رہی تھی لیکن وہ آواز۔۔ وہ آواز

کسی لڑکی کی نہیں تھی۔ منصب کے وجود میں

برف جیسی تلخ آگ سلگنے لگی۔ تو یعنی وہاں حیوان

اپنے ہی ہم جنس کو شکار بنا رہے تھے۔۔ ؟؟؟ وہ

لمبے لمبے ڈگ بھرتا عمارت کی طرف بھاگا جب

زمین پر گری کوئی شے اس کے پاؤں کی ٹھوکر

سے مزید دور جا گری تھی۔ منصب نے جھک کر

وہ شے اٹھائی جو قیمتی موبائل فون تھا۔ ٹوٹی ہوئی

سکرین پر لکیروں کا جال سا بُن چکا تھا۔ جانے

کیسے اسکا انگوٹھا سائیڈ بٹن پر لگا تھا اور سکرین

روشن ہو گئی۔ ان گنت سکریچز کے درمیان چمکتا

چہرہ دیکھ کر منصب کو لگا اس کی سانسیں سینے میں

ہی اٹک گئی ہیں۔ پوری عمارت اس کے سر پر

آ گری تھی۔ لڑکے کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

ساکت نگاہوں سے موبائل کی سکرین پر چمکتی

اٹھارہ سالہ سبحانی کی تصویر دیکھتا منصب ہوش

میں آیا تھا اور اپنے بند ہوتے دل کو سنبھالتا تیزی

سے عمارت کے اندر گھس گیا۔ گراؤنڈ فلور پر

سناٹا پھیلا ہوا تھا وہ اپنی رکتی سانسوں کو شمار کرتا

سیڑھیاں پھلانگتا تیزی سے اوپر آیا سامنے ہی

اسے تیسرے پلر کے پیچھے وہ چاروں نظر آ گئے

تھے۔

"سبحانی۔۔۔؟؟" وہ ان کی طرف بھاگتا چیخا تھا۔

اپنے علاوہ وہاں کسی اور فرد کی آواز سن کر وہ

چاروں پلٹے تھے۔ نتیجتاً سبحانی کا زخمی چہرہ منصب

کی نظروں کے سامنے آگیا۔اس کی شرٹ کے

بٹن کھلے ہوئے تھے۔گھٹنوں کے پاس سے پھٹی

ہوئی جینز۔اس کا بگڑا حلیہ کیا کہانی سنا رہا

تھا۔؟؟منصب کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔

"تم لوگ جس بھی گروہ سے ہو بے غیرتوں میں

تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔!" مشتعل ہوتا

وہ ان کی طرف لپکا۔

"اوئے پکڑو اس سالے کو سارا مزہ خراب کر دیا

اس نے۔۔۔!" اپنے ہاتھ سے سجانی کے بال

مٹھی میں جکڑ کر ان چاروں میں سے ایک آدمی

بولا تھا۔ باقی کے تینوں اس کی طرف بڑھ آئے۔

منصب کی آنکھیں اس پل سرخ انگارہ ہو رہی

تھیں۔ شاید سبحانی خود بھی ان چاروں کے سامنے

مزاحمت کرتا رہا تھا لیکن جو بھی تھا اس پل وہ بے

بس نظر آرہا تھا۔ منصب ان تینوں سے گتھم گتھا

ہو گیا۔ یقیناً منصب کی آمد کے باعث ان کی

ناپاک سرگرمی میں خلل پڑا تھا یا شاید ابھی وہ

اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہوئے ہی نہیں

تھے جو بھی تھا وہ تینوں اپنی پوری طاقت سے

اسے قابو کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اُن

میں سے دو کو تو وہ اچھا خاصی زخمی کر چکا تھا لیکن

تیسرے کی موجودگی نے اسے بھی زخمی کر دیا

تھا۔

"چھوڑو میرے بھائی کو۔۔ مت مارو۔۔ چھوڑ دو

مجھے کتوں۔۔!" اپنے سر پر کھڑے آدمی کو مکے

مارتا سبحانی روتے ہوئے چلایا۔ وہ مناسب قد کا

حامل قدرے کمزور سا لڑکا تھا۔ اس کے

خوبصورت نقوش اور صاف رنگت ان شیطانوں

کی بھوک چمکا گئی تھی۔ منصب اس پل یہ سوچنے

سے قاصر تھا کہ رات کے اس پہر، سکھر سے

اتنی دور سجانی یہاں کیا رہا تھا وہ تو فقط اس کی بقاء

کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔

"بڑی طاقت ہے تجھ میں نوجوان۔۔ لیکن تجھ

جیسوں کو۔۔ ہم بخوبی جانتے ہیں۔۔!" زمین پر

گرے چکے منصب کی پیٹھ پر اپنا بھاری پاؤں رکھتے

ہوئے ان تینوں میں سے ایک نے انتہائی غلیظ

الفاظ بولے تھے۔ منصب کی کنپٹیاں سلگنے

لگیں۔ اس کے پھٹے ہوئے ہونٹ سے نکلتا خون

اس کے منہ میں خون کا نمکین ذائقہ گھول رہا تھا۔

"تم لوگ جاؤ میں اسے سنبھالتا ہوں۔۔!" اس

کی پیٹھ پر پیر جمائے کھڑا وہ ہی آدمی دوبارہ بولا

تھا۔ دو جو کافی زخمی ہو چکے تھے اپنے بازو سہلاتے

ایک بار پھر سجانی کی طرف بڑھے جہاں انکا چوتھا

ساتھی سجانی کو سنبھالے ہوئے تھا۔

"اس سے دور رہو۔اوئے سالے ادھر آ اسے

چھوڑ دے۔۔۔!" منصب سر اونچا کرتا چلایا تھا۔

اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔اس کی آواز پر اس کے

قریب کھڑا آدمی قہقہ لگا کر ہنسا۔

"تیری طرف بھی آئیں گے شہزادے صبر

رکھ۔۔!" وہ بے ہنگم آواز میں بولا تو اس کی تائید

میں اس کے باقی ساتھی بھی ہنسے۔ سجانی کی

طرف جاتے دونوں آدمیوں میں سے ایک اس

کی جانب پلٹا۔ اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ چکی

تھی۔ منصب پر غصہ نکالنے کو وہ اس کی طرف

آیا اور اپنے پاؤں میں پہنی پشاوری چپل سے اس

کے بلند ہوئے سر پر پوری قوت سے ٹھوکر

ماری۔ منصب کے دماغ کی چولیں ہل کر رہ

گئیں۔

"بھائی۔۔ مت مارو میرے بھائی کو۔۔!" سجانی

سسکتے ہوئے چلایا۔ منصب کو اپنے آس پاس

سب گول گول گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔ وقار عالم

شاہ کی تاسف زدہ آواز کہیں آس پاس ہی سنائی

دے رہی تھی۔

"لعنت ہو تم جیسی اولاد پر۔۔ حیرت ہو رہی ہے

کہ تم جیسا ناگ میرے گھر میں پیدا ہوا۔۔!"

پیشانی سے نکلتا خون اس کی داہنی آنکھ کو دھندلا

کر گیا۔ وہ بے دم سا ہو تا آنکھیں بند کر گیا۔ اسے

ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑتے دیکھ اس کی پیٹھ پر پاؤں

رکھے کھڑے آدمی نے اپنا وزن اس پر سے ہٹا

لیا۔

"اب تجھے کون بچائے گا چھمیلے۔۔!" اپنے سیاہ

ہونٹوں پر ہاتھ پھیرتا وہ آدمی بھی سجانی کی

طرف بڑھتے ہوئے بولا جس کی آنکھوں میں

آنسوؤں کے ساتھ ساتھ خوف بھی چمک رہا تھا۔

"بھائی۔۔بھائی مجھے بچالو بھائی۔۔!" ان کے

قہقہوں میں سبحانی کی آواز دب رہی تھی۔

"مجھے بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے آئینے میں

جاکر اپنا چہرہ دیکھ لو تمہیں اپنے کرتوت اپنی

پیشانی پر ہی چمکتے نظر آجائیں گے۔۔!" عالم کا

زہر خند لہجہ اس کے سوتے ہوئے حواس جگا رہا

تھا۔ منصب نے بامشکل بھاری ہوتی آنکھیں

کھول کر سامنے دیکھا۔ اس کے سیاہ کرتوت آج

آئینہ بنے اس کے سامنے تھے۔ وہ چار درندے

اس کے معصوم بھائی کو نوچنے کے درپر تھے۔

"تم نے ایک مجبور اور لاچار لڑکی کی بے بسی کا

فائدہ اٹھایا۔۔!" عالم چیخ رہا تھا۔ اور آج اس کے

بھائی کی لاچاری کا فائدہ اٹھایا جانے والا تھا۔

"تم نے اپنے لوفر دوستوں سے اس بے چاری کو

اجتماعی زیادتی کا شکار کروانا چاہا۔۔!" عالم کی آواز

میں رنج تھا آج اس کا بھائی اجتماعی زیادتی کا شکار

ہونے کو تھا۔ وہ چاروں سبحانی کا منہ بند کرنے کو

اس کے حلق میں ڈر گز ٹھونس رہے تھے۔

منصب کا دل چیخ چیخ کر رونے لگا۔

"رک جاؤ۔ چھوڑ دو اسے۔۔۔!"زمین سے

اٹھنے کی کوشش کرتا وہ بے بسی سے چلایا۔

"رک جاؤ میرے پاس مت آؤ۔ چھوڑ۔۔ چھوڑ

دو مجھے۔۔!" اسے اپنی آواز کے ساتھ ہی مہرماہ

کی سسکتی آواز بھی سنائی دی۔ منصب کا وجود بے

جان ہو رہا تھا۔ مکافات عمل کے دھکوں نے

اسے آسمان کی بلندیوں سے زمین پر پھینک دیا

تھا۔ سبحانی بے دم سا ہو کر اب ان کے رحم و کرم

تھا۔ منصب کا فانی جسم اس کا ساتھ دینے سے

انکاری ہو چکا تھا۔وہ بے دم سا ہو کر دوبارہ گرد

آلود زمین پر گر گیا۔

"یا اللہ۔۔۔مج۔۔جھ سے۔۔۔گناہ ہوا۔۔۔!"

آنسو لٹاتی آنکھوں سے ان درندوں کو تکتا وہ

بامشکل بڑبڑایا۔

"کیا تم اللہ سے بھی نہیں ڈرتے۔۔؟؟"

آنسوؤں سے بھیگی درد بھری آواز۔۔

"ڈرتا ہوں۔۔ڈر گیا ہوں۔۔یا اللہ آج میں ڈر

گیا۔۔میں خطاوار۔ میں گناہگار۔۔میں منصب

عالم شاہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں لیکن میرا

بھائی بے قصور ہے۔۔!" اپنی ٹانگیں سمیٹ کر

سجدے کے سے انداز میں زمین پر ماتھا ٹیکتا وہ

بڑبڑایا تھا۔اس کے اندر جوش اور ہمت بے شمار

تھی لیکن وجود کی کمزوری نے اسے بتادیا تھا کہ وہ

کائنات کے اس واحد مالک کا محتاج ہے جس کے

احکامات کی وہ نفی کرتا چلا آیا تھا۔

"میں تجھے پکارتا ہوں۔۔میں گزارش کرتا

ہوں۔۔۔" وہ سسک اٹھا۔ چیخیں لبوں پر دم توڑ

رہی تھیں۔باہر پولیس سائرن بجنے لگا۔

"میری مدد کر دے۔ میرے بھائی کو ان کی

شیطانیت سے بچا لے اللہ۔۔ جیسے۔۔ جیسے۔۔ تُو

نے میرے شر سے ماہی کو بچایا۔۔" وہ ہچکیوں

سے رو رہا تھا۔ سماعتیں بالکل بند ہو چکی تھیں ورنہ

وہ سیڑھیوں پر پیدا ہوتی قدموں کی دھمک سن

لیتا۔ سجانی کو نوچتے درندے پولیس کو آتا دیکھ

تیسرے فلور کی جانب بھاگے تھے۔

"بچالے اللہ۔۔۔!" اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس

رات مہرماہ کو بچانے والی ذات اللہ ہی کی تھی۔

اپنے گم ہوتے حواسوں میں جس طرح اس نے

رب کائنات کو پکارا تھا یقیناً اس روز مہر ماہ نے بھی

اپنے حواس کھونے سے پہلے اللہ کو پکارا تھا۔ پچھ

قدم اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ ان کی

موجودگی سے انجان تھا۔ عمیر نے سجدے میں

گرے منصب کو ہلایا۔ اپنے مقابل عمیر کو دیکھ

کر اس کی ادھ کھلی آنکھیں مسکائی تھیں۔ وہ لب

بھینچتا اپنے ہوش گنواتا چلا گیا۔ اس کی سن لی گئی

تھی۔ مسیحا آ پہنچا تھا۔ اس کے بھائی کو بچا لیا گیا تھا

لیکن وہ۔۔ ہاں وہ خود ہوش گنوانے سے پہلے ہی

ہوش میں آگیا تھا۔اس پر آگاہی کے در واہو چکے

تھے۔

"اور بے شک۔۔اللہ جسے چاہے نواز(ہدایت)

دیتا ہے۔!"

□♦□♦□♦□♦

"کبھی سکون سے بات سن بھی لیا کرو۔۔!" اسے

پکڑ کر اپنی جانب کھینچتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا

تھا۔ زہرہ جو دروازے سے ہی اسے چائے دے

کر پلٹ رہی تھی ولید کی گرفت پر اسے ٹھہر جانا

پڑا۔

"میں اس گھر کی بہو نہیں ہوں اس لیے آپ کے

کمرے میں، آپ کے اتنے قریب کھڑے رہ کر،

آپ کی بات سکون سے سن لینے کی اجازت۔۔کم

از کم مجھے بالکل نہیں ہے سرکار۔۔!"ولید کے

روشن چہرے کی جانب نظر اٹھا کر دیکھتی وہ ایک

ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔اس کے جواب پر

ولید نے لب بھینچتے ہوئے اس کی کلائی چھوڑتے

ہوئے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔زہرہ بے اختیار

ایک قدم پیچھے ہٹتی دروازے سے چپک گئی۔

"تم میری بیوی ہو اور اس حوالے سے اس حویلی

کی بہو بھی۔۔ تم ان درو دیوار کی اجازت کی محتاج

نہیں ہو۔ میری عزت، میری محبت میری

زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو تم پھر یہ کیسے

کہہ دیا تم نے کہ تمہیں اجازت نہیں ہے۔۔؟"

مکمل توجہ سے اس کے تیکھے نقوش تکتا وہ نرم

لہجے میں بولا تو زہرہ نے ہولے سے نفی میں سر

ہلایا۔

"اگر میں آپ کی خوشی ہوتی تو آپ مجھے اپنے

پیروں تلے نہ رولتے سرکار۔۔۔ آج میں اس

آزمائش سے دوچار نہ ہوتی جسے آپ کی بے

صبری نے مجھ پر مسلط کیا ہے۔۔!"وہ خود پر

جھکتے ولید کے سینے پر ہاتھ رکھتی کانپتی ہوئی آواز

میں بولی۔اس کی بات کا مطلب سمجھتے ولید نے

اپنا نچلا لب دباتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

"تم کب تک مجھے یونہی شرمندہ کرتی رہو

گی۔۔؟؟؟ کتنی مرتبہ کہوں کہ مجھے بھی

تمہارے ساتھ ہوئی زیادتی کا اتنا ہی دکھ ہے جتنا

کہ تمہیں۔۔؟؟" اس کے دائیں بائیں ہاتھ

جماتے ہوئے وہ اذیت بھرے لہجے میں بولا تو

زہرہ نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

"مجھے جانے دیں سرکار۔۔!"خود پر قابو پاتی وہ

دھیمی آواز میں بولی۔

" کبھی تو میری محبت کو سمجھ لیا کرو زہرہ۔۔اگر تم

پر مرتا ہوں تو کیا مار کر ہی دم لو گی۔۔؟؟" اس

کی گزارش نظر انداز کرتا وہ ہارے ہوئے انداز

میں بولا تو اس کی آخری بات پر زہرہ نے تڑپ کر

سر اٹھایا۔ آنکھیں پل میں بھر اگئیں۔

"آپ کی آئی مجھے آجائے سرکار۔۔یوں کہہ کر

میری مشکل نہ بڑھائیں۔۔!" پلکیں جھپک

جھپک کر اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتی وہ

بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ولید اس سے دور

ہوتا اس کے ہاتھ تھام گیا۔

"میں اپنے جیتے جی تمہیں کبھی کچھ نہیں ہونے

دوں گا یہ وعدہ ہے میرا۔۔ہوا بھی تمہیں سختی

سے چھوئے گی تو اسے قید کر دوں گا۔۔

تم۔۔۔تم بس مجھے ایک بار معاف کر دو۔ ایک

بار کہہ دو کہ تم نے مجھے معاف کیا۔۔!!" اس کے

ہاتھ نرمی سے اپنی گرفت میں لیے وہ آس بھری

نظروں سے اسے دیکھتا التجائیہ کہہ رہا تھا۔زہرہ

نے بھیگی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں خضدار جارہاہوں،لوٹ کر آنے میں کچھ

وقت لگے گا۔یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ میری

آنکھیں تمہیں دیکھے بنا کیسے سکون کی نیند سو

سکیں گی لیکن اگر تم کچھ میٹھے جملے۔۔میرے

حوالے کر دو تو شاید گزارہ ممکن ہو سکے۔۔؟"

محبت پاش نگاہوں سے اس کی بھنوؤں کا خم دیکھتا

وہ لہجے میں گزارش سموئے کہہ رہا تھا۔زہرہ کی

آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھک

آئے۔ ولید نے جھک کر انہیں کسی قیمتی متاع کی

مانند اپنے لبوں پر چن لیا۔ زہرہ کا روم روم جلنے

لگا۔ وہ شخص اپنی عنایات بڑھا رہا تھا جن کے بوجھ

تلے اس کا دل تیز سے تیز تر دھڑکتا چلا جا رہا تھا۔

"مجھے اپنا حق معاف کر دو میری زندگی۔۔میری

بے چینیوں کو قرار دے دو۔۔۔!"وہ اس کے

مقابل سراپا التجا بنا کھڑا تھا۔زہرہ کے رخسار اس

کی نگاہوں کی تپش سے تپنے لگے تو اپنی کیفیت

سے گھبراتی وہ اس کے سینے سے لگ گئی۔خود

سپردگی کے اس انداز نے ولید شاہ کو اپنی جگہ

ساکت کر دیا تھا۔ اس کا مضبوط دل زہرہ کے اس

وار پر شدتوں سے دھڑکا تھا۔

"میں نہیں جانتی یہ محبت ہے یا ہمارے رشتے کا

اعجاز لیکن سرکار۔۔۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ یہ

جذبہ مجھے اس حد تک مجبور نہیں کر سکتا کہ میں

آپ کو معاف کر دوں۔۔۔!" اس کے سینے میں

منہ چھپائے وہ ہمت کر کے بولی۔ انداز بے بسی

لیے ہوئے تھا۔ ولید جو اس کی عنایت پر اندر تک

سرشار ہو گیا تھا اس کے لبوں سے نکلتے لفظوں پر

نئے سرے سے تکلیف میں گھر گیا۔وہ عمر میں

اس سے سات برس چھوٹی لڑکی اس کے سینے

سے لگ کر کیسا تیز دھار خنجر اس کے سینے میں

پیوست کر رہی تھی۔ولید کے لیے اسے خود سے

لگائے رکھنا مشکل ہو گیا لیکن ضبط کرتے ہوئے

اس نے زہرہ کے گرد اپنے بازو حمائل کر دیے۔

آنکھیں موند کر وہ اپنے سینے پر رقص کرتی اس

کی بے ہنگم دھڑکنوں کو شمار کرتا اپنا غم غلط کر رہا

تھا۔

تم چیخ کے کانوں پہ ہاتھ رکھ دو گی

میرے ساتھ ایسا حادثہ پیش آئے گا__!

اس کے بالوں پر ٹھوڑی جمائے وہ دھیرے سے

بولا تھا۔ آواز درد سے چُور تھی۔ اس کے لبوں

سے نکلے اس تلخ شعر پر زہرہ نے بے اختیار اپنا

سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ بھنورا آنکھوں میں

بھرتے پانی کے سنگ تیرتی تڑپ نے ولید کو

مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم نہیں مانو گی۔ کبھی نہیں مانو

گی۔۔!" پھیکی مسکان لبوں پر سجائے وہ نرمی سے

بولا پھر جھک کر اس کی پیشانی پر اپنی مہر محبت

ثبت کر دی۔ زہرہ کو اس کے نرم گرم لبوں کا

لمس اپنی روح میں اترتا محسوس ہوا۔ ولید نے

دھیرے سے اسے خود سے الگ کر دیا۔

"کیا نہیں مانوں گی۔۔؟؟" زہرہ نے اپنی

آنکھیں مسلتے ہوئے پوچھا۔

"وہی جو تمہارے دل کا راز ہے۔ میرے سامنے

تو کبھی نہیں مانو گی ناں۔۔؟" کہتے ہوئے وہ ہنوز

پھیکے پن سے مسکرا رہا تھا۔ اس کی بات پر زہرہ کا

دل دھڑکا۔ اس کے دل کا راز۔۔۔؟؟ کیا تھا اس

کے دل کا راز۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

فدا حسین۔۔۔اس کے کان میں سرگوشی ہوئی

تھی۔زہرہ کے دل نے بے اختیار ایک بیٹ مس

کی۔

"مجھے نہیں پتہ۔۔!" وہ ہکلائی۔

"میں چلتی ہوں۔۔!" جلدی سے کہتی وہ پلٹی۔

اس بار ولید اسے روک نہیں پایا تھا۔وہ بنا پلٹے

دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ولید نے خالی

نظروں سے دروازے کے پاس ہی دیوار سے

لگے ٹیبل پر رکھے چائے کے کپ کو دیکھا جس

میں بھری چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ اپنے

بالوں میں ہاتھ چلاتا خود بھی کمرے سے باہر چلا

آیا۔

□♦□♦□♦□♦

"چاچو آپ منع کریں ناں ولی چاچو کو۔۔ میں کہہ

رہا ہوں نئی جانا تو نئی جانا۔۔!" فدا کا ہاتھ کھینچتا وہ

آنکھوں میں ناراضگی سموئے چیخ رہا تھا۔ اس کی

ضد پر ولید مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

"جلدی آجاؤں گا میرے شیرا۔۔ پھر دونوں مل

کر ڈیرے پر جائیں گے۔۔!" اس کے قریب

جھکتا ولید نرمی سے بولا تو مون نے نفی میں سر

ہلایا۔

"ڈیرے پر تو فدی چاچو بھی لے جائیں گے میں

نے چاند پر جانا آپ کے ساتھ۔۔ آپ نے کل

وعدہ کیا تھاناں۔۔؟؟" آنکھیں چھوٹی کیے وہ

سوں سوں کرتا بولا۔ ولید جا رہا تھا اور اس نے رو

رو کر خود کو ہلکان کر لیا تھا تب فدا نے ہی اسے

بہلا پھسلا کر خاموش کروایا تھا لیکن اس کی وہی

ضد تھی۔ اس کی بات پر فدا نے قہقہہ لگا کر اسے

گود میں اٹھالیا۔ ولید بھی سیدھا ہو گیا۔ وہ تینوں

اس وقت حویلی کے اندرونی دروازے کو جاتی

راہداری میں کھڑی ہوئے تھے۔

"یہ ضروری ہے کہ چاند پر ولی چاچو ہی لے کر

جائیں۔۔یہ کام میں بھی تو کر سکتا ہوں۔۔!"

مکمل توجہ سے اس کی جانب دیکھتے فدا نے نرمی

سے پوچھا۔موون نے ہولے سے نفی میں سر

ہلایا۔

"اماں کہتی ہیں ولی چاچو چاند جیسے ہیں اس لیے

چاند پر وہ ہی لے کر جاسکتے ہیں۔۔!" اپنی سرخ

پڑتی ناک کو چھوتا وہ بھیگی آواز میں بولا۔ اس کے

جواز پر جہاں ولید کا قہقہہ پڑا تھا وہیں فدا نے اسے

آنکھیں دکھائیں۔

"تو کیا میں پیارا نہیں۔۔؟؟" فدا کی آواز میں

مصنوعی صدمہ تھا۔ مون گڑبڑانے کی بجائے

دانتوں کی نمائش کروانے لگا۔

"آپ تو میرے شیر اہیں۔۔!" جھٹ سے اس

کے گلے میں بانہیں ڈالتا وہ اس کے گال سے گال

ملا کر بولا تو فدا نے ہنستے ہوئے اس کی پیشانی چُوم

لی۔

"ڈرامے باز۔۔۔!" ولید نے فدا کی گود میں

چڑھے مون کو گدگدی کی تو وہ کھکھلانے لگا۔

"اب بالکل نہیں رونا۔۔ میں جلدی آجاؤں گا

پھر چاند پر بھی چلیں گے اور پریاں بھی دیکھیں

گے۔۔!" اس کے بال سنوارتا ولید پیار سے بولا

تو مون کی ہنسی کو بریک لگے۔

"پرامس۔۔؟؟" مون نے یقین دہانی کو اس کی

طرف ہاتھ بڑھایا جسے ولید نے فوراً تھام لیا۔

"پکا پرامس۔۔!" اس کا چھوٹا سا ہاتھ پیار سے

چومتے ہوئے وہ بولا تو مون پر سکون سا ہو گیا۔

فدا نے بھی سکون کا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے فدا، اجازت دو یار۔۔!" فدا سے

ہاتھ ملاتے ہوئے ولید نے نرمی سے کہا تو فدا نے

مسکراتے ہوئے اسے قریب کیا۔ وہ دونوں گلے

ملے تو فدا کے گلے کا ہار بنے مون نے بھی ولید

کو گلے لگا لیا۔ موت کی حرکت پر وہ دونوں ایک

بار پھر سے ہنسے۔

"اپنا خیال رکھنا اور جلدی آنا۔۔!" فدا نے

آہستگی سے کہا تو ولید سنجیدہ ہو گیا۔

"میری زہرہ تمہارے حوالے ہے فدا۔ اگر

میری غیر موجودگی میں بابا سرکار نے اسے کوئی

نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو۔ اس پر حرف

مت آنے دینا۔ پلیز۔۔۔!" اس کا ہاتھ سختی

سے جکڑے ولید سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ فدا نے

اثبات میں سر ہلایا۔

"تم بے فکر رہو۔ تمہاری امانت میری ذمہ داری

ہے۔۔!" ہلکی سے مسکراہٹ اس کی طرف

اچھالتے ہوئے فدا نے اسے یقین دلایا۔ مون

ان دونوں کی گفتگو غور سے سنتا باری دونوں

کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"امید ہے کہ میں جلد واپس آجاؤں گا۔!!"

ولید نے اداسی بھرے لہجے میں کہا۔ حقیقتاً اس کا

دل زہرہ کو اس حال میں چھوڑ جانے پر راضی

نہیں تھا۔

"ان شاء اللہ۔۔!" فدا نے اس کی پیٹھ تھپکی تو وہ

گہرا سانس لیتا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ فدا

نرم نگاہوں سے اس کی پشت دیکھتا رہا تبھی اس

کی تلاش میں حدیبہ وہاں آئی تھی۔

"آپ یہاں کھڑے ہیں اور میں ہر طرف آپ

کو ڈھونڈ رہی ہوں۔۔!" اس کے قریب آتی وہ

عجلت میں بولی۔

"واللہ یہ نوازش۔۔بی بی خیر تو ہے۔۔؟؟" لہجے

میں شوخ پن سموتے ہوئے وہ غیر سنجیدگی سے

بولا تو حدیبہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

" کبھی اپنی گاڑی صحیح سے بھی چلا لیا کریں ہر

وقت پٹڑی سے اتری ہی رہتی ہے۔۔!" ناک

چڑھاتی وہ مصنوعی خفگی سے بولی تو وہ دھیرے

سے ہنسا۔

"جب میری منزل مجھے پکارتی میرے سامنے آ

کھڑی ہو گی تو یہ بے چارہ ڈرائیور کیسے راستے پر

دھیان دے گا۔۔؟؟" وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔

حدیبہ نے گڑبڑا کر مون کی طرف دیکھا وہ

نا سمجھی سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"چاچو کون سی گاڑی۔۔؟ مجھے بھی بیٹھنا

ہے۔۔!" فدا کی ٹھوڑی اپنی جانب گھماتا وہ بے

چینی سے گویا ہوا تو حدیبہ نے بے اختیار امڈتی

اپنی ہنسی دبائی۔"بیٹا اس گاڑی میں آپ بیس

سال بعد بیٹھو گے ان شاء اللہ۔۔ابھی بہت ٹائم

ہے۔۔۔!"اس کے بال بگاڑتے ہوئے فدا نے

غیر سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں بیس سال کیوں۔۔؟بوڑھا تھوڑی کرنا

ہے ہم نے اپنے چاند کو۔۔بس دس پندرہ سال کی

بات ہے، ہم جلدی کر دیں گے اپنے مون کی

شادی۔۔!"مون کو اس کی گود سے لیتے ہوئے

حدیبہ نے لاڈ سے کہا تو اس کی گود میں آنے کی

بجائے مون نیچے اتر گیا۔

"پھپو میں بڑا ہو گیا ہوں آپ تھک جائیں گی۔۔!"

اپنی شرٹ جھاڑتا وہ گردن اونچی کر کے بولا تو

اس کی سمجھداری پر حدیبہ نے بھنویں اچکائیں۔

"یہ تو ہے لیکن پھر آپ اپنے چاچو کی گود میں

کیوں تھے ہمم۔۔؟؟" حدیبہ نے اسے چھیڑا تو

وہ فدا کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"میرے چاچو تو سٹرانگ مین ہیں۔وہ نہیں تھکتے

مجھے پتہ ہے۔۔!" وہ اپنے چھوٹے چھوٹے

کندھے اچکا کر بولا تو اس کی حاضر جوابی پر فدا نے

مصنوعی کالر اکڑائے۔

"کمزور میں بھی نہیں ہوں۔۔!" وہ فوراً بولی

تھی۔

"پہلے مجھے ڈول تولا کر دیں۔ آپ نے کہا تھا آپ

مما کو منالیں گی لیکن وہ مجھے ڈانٹ کر چپ کروا

دیتی ہیں۔۔!"مون کو ایک نئی فکر لاحق ہوئی۔

"بس ڈانٹتی ہیں۔۔اور کچھ نہیں کہتی۔؟؟"فدا

نے اسے کریدا۔وہ اتفاقاً مون اور صندل بیگم کی

گفتگو سن چکا تھا۔ اسی لیے اب حدیبہ کے چہرے

پر سرخی دیکھنے کو وہ اسی کے سامنے پوچھ رہا تھا۔

"چاچو مجھے شرم آرہی ہے ویسے۔۔ لیکن۔۔"

شرمیلی سے مسکان لبوں پر سجاتے ہوئے اس نے

ڈرامائی انداز میں وقفہ دیا۔

"لیکن مما کہہ رہی تھیں کہ تمہاری ڈول فپو کے

پاس ہے۔ اپنے چاچو سے کہو وہ لے دیں گے

تمہیں۔۔ چاچو۔۔ آپ کہیں ناں فپو سے مجھے

ایک ڈول دے دیں۔۔!" فدا کا ہاتھ تھام کر

اچھلتا وہ بلند سرگوشی کر گیا۔ حسب توقع حدیبہ کا

چہرہ پل میں لال ٹماٹر ہوا تھا۔ حیرت سے منہ

کھل گیا۔

"مون۔۔ آپ اندر جاؤ فوراً۔۔!" اپنے دانت

بھینچتی حدیبہ نے اسے گھر کا۔ مون نے ہونٹ لٹکا

لیے۔

"دیکھا چاچو۔۔یہ ساری لیڈیز ظالم ہیں ان سے

جب بھی ڈول مانگو یہ غصہ کرتی ہیں۔۔!" فدا کی

جانب گھومتا وہ ایک پاؤں زمین پر مار کر بولا۔

انداز ناراضگی لیے ہوئے تھا۔فدا نے چور

نگاہوں سے حدیبہ کی جانب دیکھا وہ سرخ پڑتا

چہرہ لیے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اپنے ہاتھوں

کی انگلیاں مروڑتی وہ وہاں سے جانے کو پلٹی۔ فدا

نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مون آپ مما کے پاس جاؤ میں آپ کی پھپو کو

مناتا ہوں۔۔!" فدا نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے

کہا تو مون نے شاکی نظروں سے اسے گھورا۔

"پکا پرامس۔۔؟؟" کمر پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے وہ

سنجیدہ ہوا۔

"بالکل پکا۔۔!" فدا نے اسے اطمینان دلایا۔

موون نے ایک نظر حدیبہ پر ڈالی۔

"فیومان جائیے گا ورنہ میں ناراض ہو جاؤں

گا۔۔!" اسے دھمکی دیتا وہ اندر کی جانب بھاگ

گیا۔ اس کے جاتے ہی حدیبہ نے ایک جھٹکے سے

اپنی کلائی اس کی گرفت سے کھینچی۔

"کتنے بے شرم ہیں آپ فداسائیں۔۔؟" وہ اس

پر برہم ہوئی۔ چہرہ شرم سے سرخ ہو رہا تھا۔

"میں نے کیا کِیا ہے۔۔؟" وہ فوراً سے پہلے معصوم

بنا۔

"یہ تو صندل بھابھی کو چاہئیے تھا ناں کہ بچے کے

سامنے ایسی بات نہ کرتی۔۔!" وہ مظلومیت کی

عمارت بنا کھڑا تھا۔ "ہاں اور آپ۔۔؟" حدیبہ

نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر مکا مارا۔

"آپ جو بات اگلوا رہے تھے اس سے۔۔؟ اس

کا کیا۔۔؟" خفگی بھرے انداز میں پوچھتی حدیبہ

نے پھر سے اس کے شانے پر مکا مارا تو وہ بے

اختیار ہنسا۔

"کچھ تو خیال کریں سر عام مجازی خدا کو مار رہی

ہیں آپ، کوئی دیکھ لے تو کیا سوچے گا۔۔!" اپنی

ہنسی ضبط کرتے ہوئے وہ بولا تو حدیبہ مزید سیخ پا

ہوئی۔

"ہاں اور آپ جو سرعام بچے سے بے حیا گفتگو کر

رہے تھے اسکا کیا۔۔؟"

"استغفر اللہ۔۔بی بی میرا آپ سے جائز رشتہ

ہے میں کوئی چوری تو نہیں کر رہا۔۔!" وہ فوراً بولا

تھا۔

"آپ تو مجھ سے بات نہ ہی کریں ناں۔۔!" وہ خفا

خفا سی کہتی پلٹ گئی۔ فدا اس کے ہم قدم ہوا۔

"ارے سنیں تو۔۔ مون کو بوڑھا نہیں کرنا

ناں۔۔؟ جلدی شادی کرنی ہے ناں اس

کی۔۔؟؟" اس کے ساتھ چلتا وہ مسکراتے ہوئے

پوچھنے لگا۔ حدیبہ نے شاکی نظروں سے اسے

دیکھا پھر کچھ سوچ کر ہاں میں سر ہلایا۔

"تو مجھے ایک پیاری سی بیٹی دے دیں ناں۔۔ پھر

یہ ہے کہ انیس بیس سالوں بعد ہم مون کو گھوڑی

چڑھا دیں گے۔۔!" اس کے ساتھ چلتا وہ نرمی

سے بولا تو اس کی بات پر وہ بدک کر اس سے دو

قدم دور ہوئی۔

"سائیں کچھ تو شرم کر لیں کسی نے سن لیا تو کیا

سوچے گا۔" ہڑبڑا کر آس پاس دیکھتی وہ بے

چارگی سے بولی۔

"یہی سوچے گا کہ فدا حسین کو باپ بننے کی

جلدی ہے۔۔!" وہ بنا جھجھکے سینہ تان کر بولا۔

حدیبہ کا دل کیا اپنا ماتھا پیٹ لے۔

"بہت ہی بے شرم ہیں آپ۔۔۔!" دھیمی آواز

میں کہتی وہ لاؤنج کی طرف بھاگی۔

"پھر سوچ لیں بی بی، مون ناراض ہو جائے

گا۔۔!" فدا نے پیچھے سے آواز لگائی تو وہ بنا پلٹے

وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔ لبوں پر دھیمی

مسکراہٹ رینگنے لگی تھی جبکہ فدا بے قرار

نگاہوں سے اس کا خود سے دور بھاگنا دیکھ رہا تھا۔

قریب رہ کر بھی گریز کرتے ہو،

دیکھو یہ تم اچھا نہیں کرتے

وہ زیر لب بڑبڑاتا مسکرا دیا۔

□♦□♦□♦□♦

بدلتے موسم کے باعث دن کی روشنی کچھ مدھم

سی تھی۔ سورج کی آگ میں وہ تپش نہیں رہی

تھی جو طبعیت کو گرما دے، فضا میں اٹھکلیاں

کرتی مدھر ہوا ہر ذی نفس کو مسرور کر رہی تھی

ایسے میں اپنے مزاج کے برعکس وہ قدرے

اداس سی سنگی بنچ پر بیٹھی روشن آسمان کی

وسعتوں میں کچھ کھوج رہی تھی۔ منصب کو

لندن گئے ایک ماہ ہونے کو آیا تھا، وہ جس دن گیا

تھا اس دن تو وہ اس کے زخموں کی وجہ نہیں جان

پائی تھی ہاں لیکن اگلے روز جب عالم اسے سجانی

سے ملوانے ہاسپٹل لے گیا تھا تو وہ ان دونوں

بھائیوں پر بیتی اذیت سے آگاہ ہوگئی تھی۔ سجانی

کی دگر گوں حالت دیکھ کر وہ بڑی مشکلوں سے

اپنے آنسو ضبط کر پائی تھی اس دوران اس کا

دھیان بدر لغاری کی اس تلخ گوئی سے ہٹ چکا تھا

لیکن شمس۔۔۔؟؟؟؟ شمس کے ساتھ فضہ کی

دن با دن بڑھتی بے تکلفی اسے سلگانے کے لیے

کافی تھی۔ وہ فضہ سے قریباً بائیکاٹ کر چکی تھی

اور فضہ کو شاید اس بات کی کوئی پرواہ تھی بھی

نہیں۔ راحمہ ہادیہ اور سارہ زیادہ وقت علیشہ ہی

کے ساتھ گزارا کرتی تھیں لیکن شمس کا جو وقت

فضہ کے ساتھ گزرنے لگا تھا وہ اس کی بس سے

باہر تھا۔ وہ پچھلے چار دنوں سے آف تھی کیونکہ

اس کے بابا کی طبعیت خرابی کے باعث اسے

فوری طور پر گاؤں جانا پڑا تھا۔ وہ کل شام ہی

کراچی لوٹی تھی اور آج یونی آتے ہی پہلے لیکچر

میں ہی اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ وہ لیٹ تھی اور

فضہ اس کی سیٹ سنبھالے بیٹھی تھی۔ اپنی

فطرت کے عین مطابق وہ اس کے سامنے جا

کھڑی ہوئی تھی۔

"لیو مائے سیٹ۔۔!" کلاس کی خاموشی کو علیشہ کی

سخت آواز نے توڑا تھا۔

"یُو آر لیٹ۔۔ آج پیچھے بیٹھ جاؤ۔۔!" فضہ نے بنا

اثر لیے بے نیازی سے جواب دیا۔ شمس کتاب

سے نظر ہٹا کر ان دونوں کی جانب متوجہ ہو چکا

تھا۔ وائٹ جینز پر لائٹ پنک کلر کی فل بازو ڈھیلی

ڈھالی ٹی شرٹ پہنے وہ کندھے پر پنک ہی بیگ

لٹکائے کھڑی تھی۔

"میں لیٹ آؤں یا پہلے آؤں اپنی سیٹ پر ہی

بیٹھتی ہوں یہ تمہیں بہت اچھے سے پتہ ہے۔ اُٹھو

یہاں سے۔۔!" اپنا بیگ ڈیسک پر پٹختے ہوئے

علیشہ تڑخ کر بولی۔فضہ نے مدد طلب نگاہوں

سے شمس کی طرف دیکھا۔اس کی نظروں کے

تعاقب میں علیشہ بھی شمس کی جانب گھومی تھی۔

"مس علیشہ کیا آپ میں اتنے بھی مینرز نہیں

ہیں کہ ڈیورنگ لیکچر کلاس اور ٹیچر کو ڈسٹرب

نہیں کیا جاتا۔؟؟" مار کر ڈائس پر پٹخ کر وہ کچھ

سرد لہجے میں بولا۔اس کے سوال پر علیشہ نے

اپنی سیاہ پلکیں جھپکائیں۔اس کی بھوری آنکھیں

معمول سے ہٹ کر کچھ اداس سی تھیں۔

"اتنے یا کتنے کی کیا بات ہے۔۔؟ مجھ میں تو مینرز

ہیں ہی نہیں سر۔۔ یہ بات تو آپ اپنے فرسٹ

ڈے سے جانتے ہیں۔۔!" فضہ کی کھولن اس پر

انڈیلتی وہ بد تمیزی سے بولی۔ اس کے بے خوفی

سے دیے گئے جواب پر شمس اپنے ہاتھوں کی

مٹھیاں بھینچ گیا۔پوری کلاس ایک بار پھر سے

تماشے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔

"میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔وہ لاسٹ

بنچ فری ہے آپ وہاں بیٹھ سکتی ہیں ورنہ واپس

جانے کا راستہ بھی یہی ہے۔۔!" سنجیدگی سے کہتا

وہ آخر میں کلاس کے دروازے کی طرف اشارہ

کر گیا جہاں سے وہ آئی تھی۔اس واضح تذلیل پر

علیشہ نے کاٹ دار نگاہوں سے شمس کو دیکھا پھر

اپنا بیگ فضہ کے ڈیسک سے دبوچ کر آخری قطار

میں بنچ پر جا بیٹھی۔کچھ طلباء نے باقاعدہ گردن

موڑ کر اس کی پسپائی کا یہ مظاہرہ دیکھا۔ شمس کی

جگہ کوئی اور ٹیچر ہوتا تو وہ پیر پٹختی کلاس سے باہر

ہی نکل جاتی۔ شمس نے سکون کی سانس لے کر

لیکچر دوبارہ شروع کر دیا۔ فضہ نے پلٹ کر علیشہ

کی طرف ایک مسکراہٹ اچھالی جس کی بھوری

آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ وہ لب بھینچتی اپنے

چہرے کا رخ موڑ گئی تھی۔ اسے وہاں بیٹھے ابھی

چند منٹ ہی ہوئے تھے جب وہ کلاس میں داخل

ہوا۔ آج اس پر نظر پڑتے ہی علیشہ نے ناک

نہیں چڑھائی تھی۔ شمس سے اجازت ملنے پر وہ

سیدھا اسی کی جانب آیا تھا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں۔۔؟" گو اسے اجازت

کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ مانگ رہا تھا۔ علیشہ

نے بنا اسے دیکھے اثبات میں سر ہلا دیا۔ شیث

ہولے سے مسکراتا اس کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا۔

وہ بنا پلکیں جھپکائے لیکچر دیتے شمس کو دیکھ رہی

تھی اور اس کے پہلو میں بیٹھا شیث نظریں ترچھی

کیے اسے دیکھ لیتا۔ وہ چمکتی، ہیرے مانند پتھر

سے بھی ظالم حسینہ اس کے دل کی مکین بن بیٹھی

تھی۔ رجسٹر پر پین کی نوک گھسیٹتے ہوئے اس کا

پین چلتے چلتے رک گیا تو اسے مدد کے لیے شیٹ

کی طرف دیکھنا پڑا۔ وہ بچوں کی طرح اپنا سر

رجسٹر پر گرائے پین چلا رہا تھا۔ سیاہ بال رجسٹر

کے صفحے کو چھو رہے تھے۔ علیشہ اس کے

رجسٹر پر لکھی تحریر دیکھنے سے محروم تھی۔

جانے کیوں علیشہ کو اس کی سادگی پر دل میں

عجیب سی نرمی کا احساس ہوا۔ اس کی حرکتیں،

اس کی آنکھیں، نظروں کا تاثر۔۔ اور آواز اس

قدر معصومیت سموئے ہوتی تھی کہ بعض

اوقات وہ خود بھی دنگ رہ جاتی تھی۔ جیسے

آج۔۔۔!!!

"شیث۔۔؟؟" اس کے کان کے قریب ڈیسک

پر ناک کرتے ہوئے علیشہ نے دھیرے سے

اسے پکارا۔ شیث نے چونک کر سر اٹھایا۔

"پین مل سکتا ہے۔۔؟" شیث کی طرف دیکھتے

ہوئے علیشہ نے آہستگی سے پوچھا۔ اس نے فوراً

اثبات میں سر ہلا کر اپنی انگلیوں میں دبا پین اس

کی طرف بڑھایا۔

"تھینکس۔۔!"علیشہ نے مشکلوں سے مروت

نبھائی۔اس کی اس نوازش پر شیث مسکرادیا۔

اس کی مسکراہٹ پر علیشہ نے فوراً سے پہلے

نگاہوں کارخ بدل لیا۔اسکی صاف رنگت پر جگ

مگ کرتی حد سے زیادہ سیاہ آنکھیں بھی اس کے

لبوں کے سنگ مسکائیں تو علیشہ کا دل بے اختیار

خوف کا شکار ہوتا دھڑکا۔ وجہ شیث حیدر نہیں

تھا۔ وجہ کچھ اور تھی۔ لیکن کیا۔۔؟ وہ سمجھنے سے

قاصر تھی۔ پھر لیکچر آف ہونے تک اس نے

شیث کی جانب دیکھنے سے احتراز برتا تھا۔ وہ

عجیب الجھن کا شکار ہو چکی تھی، ایک جانب شیث

کی معصومیت تھی تو دوسری جانب شمس کی بے

گانگیت۔۔ وہ بی۔ لاء کے بعد اکاؤنٹس کا لیکچر لے

کر کلاس سے باہر نکل آئی تھی جبکہ اس راحمہ

ہادیہ اور سارہ کلاس اٹینڈ کر رہی تھیں۔

اس کا دل اچاٹ ہو رہا تھا۔

ذہن بے زار اور سوچیں منتشر۔۔اس کی

نگاہوں کے عین سامنے گراؤنڈ کے پار لابی کے

آخر میں سٹاف روم تھا جہاں دس منٹ پہلے وہ

شمس کو جاتے دیکھ چکی تھی۔ دل تو اس کا یہی چاہ

رہا تھا کہ اس کے پاس جائے اور اسے جھنجھوڑ

ڈالے لیکن کیسے۔۔؟ کس لیے۔۔؟؟ بے بس

سی ہو کر وہ اپنے شفاف ناخنوں سے کھیلنے لگی جن

کی تراش خراش اس کی لانبی انگلیوں پر حسین

دِکھتی تھی۔ نگاہیں جھکائے اپنے آپ سے الجھتی

وہ افسردہ دکھائی دے رہی تھی۔

راہِ پرخار ہے محبت بھی

جاں کا آزار ہے محبت بھی

ہم نے جب تجربہ کیا تو لگا

کتنی بے کار ہے محبت بھی

کبھی کا پڑھا ہوا شعر یک دم اس کے ذہن میں آیا

تو علیشہ کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ وہ بے چین

ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تبھی اس کی نگاہ سٹاف

روم کی جانب بڑھتی فضہ پر پڑی تھی۔ علیشہ دور

سے ہی اسے پہچان گئی۔ وہ جو عالم کے پاس جانے

کا سوچ کر اُٹھی تھی فضہ کو سٹاف روم میں جاتا

دیکھ لب بھینچتی تیزی سے اس جانب بھاگی۔ اس

کی ازلی جذباتیت عود کر آئی تھی۔ تیز تیز قدم

اٹھاتی وہ گراؤنڈ سے گزر کر پتھریلی روش پر چلنے

لگی جو سٹاف روم والی عمارت تک جاتی تھی۔ عام

دنوں کے برعکس آج اس نے بالوں کو اونچی پونی

میں مقید کر رکھا تھا جو اس کے تیز تیز چلنے کے

باعث کمر پر ہلتے الگ بہار دکھلا رہے تھے۔ وہ

منٹوں میں سٹاف روم تک پہنچی تھی۔ اگلے ہی

پل وہ ناک کیے بنا دروازہ کھولتی اندر داخل ہو

گئی۔ چیئر پر بیٹھے شمس کی علیشہ کی جانب پشت

تھی جبکہ اس کے قریب کھڑی فضہ اس طرح

سے جھکی ہوئی تھی کہ اس کے بال شمس کے

کندھے کو چھو رہے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ شمس

کی چیئر کی پشت پر جبکہ دوسرا ٹیبل کی سطح پر جما

ہوا تھا۔ آہٹ پر وہ پلٹی تھی۔ علیشہ کو مقابل دیکھ

کر اس کی رنگت پل بھر کو پھیکی پڑی تھی۔ اس

نے سرعت سے آگے بڑھ کر فضہ کا بازو دبوچ کر

اسے پیچھے دھکا دیا۔ شمس جو مکمل توجہ سے رجسٹر

کا صفحہ پر پین کی نوک سے رنگین کر رہا تھا اس

افتاد پر ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔فضہ گرتے

گرتے بچی تھی۔

"کیا کر رہی ہو تم یہاں۔۔؟" شمس کو نظر انداز

کیے وہ فضہ پر چیخی۔

"وہ۔۔ کچھ پوائنٹس کلئیر کرنے تھے۔ اسی لیے

آئی تھی۔۔!" اس کے دل میں چور تھا اسی لیے

صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

"اوہ ریئلی۔۔؟ فرسٹ بینچ پر بیٹھ کر بھی تمہاری

سمجھ کا خالی خانہ پُر نہیں ہوا۔۔؟؟" دو قدم اس

کی طرف بڑھتی علیشہ غرائی۔فضہ کو لگا کہیں وہ

اسے تھپڑ ہی نہ مار دے سو ایک قدم پیچھے ہوئی۔

شمس کے سامنے تذلیل کا احساس اسے الگ

سلگائے جا رہا تھا۔

"میں تمہیں صفائی دینے کی پابند نہیں ہوں۔ اور

سر کے پاس آئی ہوں ناں تمہیں توڈسٹرب نہیں

کیاناں میں نے۔۔!" اپنے بال پیچھے کرتی فضہ

اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری چیپ حرکتیں میں بخوبی سمجھ رہی ہوں

فضہ۔۔۔!"علیشہ نے غصے میں کہتے ہوئے ایک

بار پھر اس کا بازو جھپٹنا چاہا تو شمس نے اپنا ضبط

کھوتے ہوئے سختی سے اس کی کلائی جکڑ کر اسے

اپنی جانب گھمایا۔

"انف مس علیشہ۔۔مجھے لگتا تھا آپ میں مینرز

نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ لیکن آپ اس حد تک

اِل مینرڈ ہوں گی مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔۔!"

علیشہ کی غضب اگلتی آنکھوں میں اپنی سرد ترین

آنکھیں گاڑھتے ہوئے وہ تلخی سے گویا ہوا۔ اس

کا چہرہ اس پل شدت ضبط سے سرخ ہو رہا تھا جبکہ

علیشہ کی حالت تو ایسی تھی جیسے ابھی اس کے

گالوں سے خون نکل آئے گا۔

"آپ دونوں اپنی لڑائی یہاں سے باہر جا کر

کیری آن کریں۔۔ آؤٹ پلیز۔۔!"علیشہ کی

کلائی چھوڑتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں چلایا۔

فضہ خفت زدہ سی ہوتی فوراً وہاں سے نو دو گیارہ

ہوئی۔

"آپ کو سمجھ نہیں آئی میری بات۔۔؟؟"علیشہ

کو وہیں جمے دیکھ شمس سرد مہری سے گویا ہوا۔

علیشہ نے سرخ پڑتی آنکھوں سے اس کا وجیہہ

چہرہ دیکھا۔۔کیا تھا وہ شخص۔۔؟؟سانولی مائل

گندمی رنگت،بظاہر عام سے نقوش اور گھمبیر لب

ولہجہ۔۔وہ اتنا خوبصورت تو نہ تھا پھر کیوں علیشہ

اس شخص کی توجہ بھٹکتے دیکھ جل رہی تھی۔کلس

رہی تھی۔اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھتی

علیشہ ہار رہی تھی۔

"آپ سٹوڈنٹس میں فرق کرتے ہیں۔آپ نا

انصاف ہیں، جب میں آپ کے پاس آتی ہوں

تو آپ کے پاس وقت نہیں ہوتا۔اور فضہ جب

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

مرضی آپ کے پاس آکر آپ کا وقت لے لیتی

ہے۔ آپ صرف اسی کے ٹیچر تو نہیں ہیں۔ میں

بھی تو فضہ ہی کی طرح آپ کی سٹوڈنٹ ہوں۔

پھر میرے ساتھ ایسا رویہ کیوں۔۔؟؟" ایک

قدم اس کے قریب ہوتی وہ اس کی آنکھوں میں

دیکھتی مکمل اعتماد سے بولتی چلی گئی۔ بھوری

آنکھوں میں اک آگ سی جل رہی تھی۔ شمس

اس کے غیر متوقع سوال پر حیران رہ گیا۔

"میرے لیے آپ دونوں ایک جیسی ہیں۔ میں

اپنے سٹوڈنٹس میں فرق نہیں کرتا، ہاں یہ سچ

ہے کہ آپ دونوں میں فرق ہے۔ آپ ایک خود

سر اور بد تمیز لڑکی ہیں جب کہ فضہ ایک

اوبیڈینٹ اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔۔

آپ۔۔ایک۔۔!" وہ بڑی سنجیدگی سے اسے

جواب دے رہا تھا جب وہ چیخ گئی۔

"سلجھی ہوئی لڑکی مائے فٹ۔۔ آپ کو اس کا پتہ

ہی کیا ہے۔ آپ کو ٹریپ کرنے کی کوشش کر

رہی ہے وہ اور آپ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔۔!"

اپنی پلکیں جھپکاتی وہ دھیمی آواز میں چلائی تھی۔

سیاہ پلکیں بے وجہ نم ہو رہی تھیں۔

"یہ آپ کا ہیڈک نہیں ہے مس علیشہ، یہاں ہر

دوسری لڑکی اور ہر دوسرا استاد ایسا ہی ہے۔۔!"

وہ گہرا سانس لیتا بے تاثر لہجے میں بولا۔

"لیکن آپ ایسے نہیں ہیں۔۔!" وہ فوراً بولی

تھی۔ لہجہ بھیگنے لگا تھا۔ شمس نے حیرت سے اس

لڑکی کو دیکھا جو جانے اسے کیا سمجھے بیٹھی تھی۔

"آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی اس

لیے آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ اپنی قیاس

آرائیاں اپنے تک ہی محدود رکھیں۔۔!" اس کی

جانب سے رخ موڑ کر کہتا وہ سنگ دلی کی حد کر

گیا۔

"تو دور کر دیجئے ناں یہ خوش فہمیاں۔۔ جاننا

چاہتی ہوں میں۔۔ چاہتی ہوں کہ آپ اپنا آپ

مجھ پر آشکار کر دیں۔۔!" گھوم کر اس کے

سامنے آتی وہ سر اونچا کیے بولی۔ شمس نے

سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھا جس کی بھوری

آنکھیں اس پل ٹوٹے ہوئے کانچ کی مانند زخمی

تھیں۔ تیکھی ناک میں چمکتا نقطے برابر نگ اس

کے نہ بہنے والے آنسوؤں پر افسردہ تھا جبکہ کہ

یاقوتی لب اس پل شدت ضبط کے باعث سرخ

ہو رہے تھے۔ وہ کانچ کے پیکر میں ڈھلی مومی

گڑیا اتنی ہی دلربا تھی کہ شمس کی جگہ کوئی اور

مرد ہوتا تو اپنا آپ اس کے قدموں میں دان کر

دیتا جن کی نرمیاں جھکی نگاہوں کو گستاخیاں

کرنے پر مجبور کر دیا کرتی تھیں۔ لیکن ہائے یہ

پتھر سا دل۔۔ جو شمس کے مضبوط سینے تلے اپنی

بے حسی پر ناز کیے جانے کے باوجود آج بدلنے

کے در پر تھا۔

"آپ بھول رہی ہیں کہ آپ میری سٹوڈنٹ ہیں

اور میں آپ کا ٹیچر۔۔ ہمارے مابین رشتے کا

تقدس مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں

آپ پر اپنا آپ آشکار کروں۔۔!" ٹھہر ٹھہر کر

ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولتا وہ اسے حقیقت

کا آئینہ دکھا رہا تھا۔ اس کے جواب پر علیشہ نے

ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں بدتمیز ہوں، خود سر ہوں آپ جانتے ہیں

ناں۔۔؟؟" مزید ایک قدم اس کی جانب بڑھتی

وہ عجیب سے انداز میں بولی۔ دونوں میں دو

قدموں کا فاصلہ باقی رہ گیا۔

"میں نے آپ سے بدتمیزی کی، نفرت کی۔۔

آپ نے گریز برتا۔ مجھ سے احتیاط بھی کی۔

لیکن آپ علیشہ چوہان کی ضد سے واقف نہیں

ہیں۔ میں آپ کی نیچر کے اس رخ سے نا آشنا

ہوں جو مجھے آپ سے ضد لگانے پر مجبور کر رہا

ہے۔۔!" یک ٹک اس کی جانب دیکھتی وہ سلگتے

ہوئے لہجے میں بولتی چلی گئی۔ شمس کو چپ لگ

چکی تھی۔علیشہ نے ان کے مابین دو قدموں کا

فاصلہ ماپتے ہوئے بے باکی سے اس کے سینے پر،

دھڑکتے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔

"تسخیر کرنا چاہتی ہوں آپ کو۔۔روک سکیں تو

روک لیجئے گا۔۔!"اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ

ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔اس کے لہجے

سے چھلکتی شدت اور آنکھوں سے پھوٹتی

روشنیوں نے شمس کو دنگ کر ڈالا تھا۔علیشہ کی

شفاف ہتھیلی تلے دھڑکتے شمس کے دل نے ایک

بیٹ مس کی تھی۔علیشہ نے ایک جھٹکے سے اپنا

ہاتھ اس کے سینے سے ہٹایا۔ شمس کو دھکا سا لگا

تھا۔ وہ ایک پل وہاں ٹھہرے بنا سٹاف روم سے

نکل گئی۔ پیچھے وہ زلزلوں کی زد میں کھڑا اس

لڑکی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جس کا ہر رنگ

نیا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

کیمبرج یونیورسٹی آف لندن کی قدیم عمارت سے

نکلتے ہوئے اسے معمول کے مطابق آج بھی کئی

نفوس کی خود پر توجہ محسوس ہوئی تھی لیکن وہ

لاپرواہ بنا ایک ہاتھ میں پین کو گھماتے ہوئے

عمارت کے سامنے وسیع رقبے پر پھیلے سرسبز

گراؤنڈ میں سے گزرتا اس سڑک تک آگیا جس

کے اطراف میں دور دور تک پھیلا سبزہ مسکرا رہا

تھا۔بڑھتی سردی کی شدت سے بے نیاز وہ

ڈارک گرے شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ

کیے، برق رفتاری سے چل رہا تھا۔شرٹ کے

بٹن جو پاکستان میں وہ سینے سے نیچے تک کھولے

رکھتا تھا، اب لندن آنے کے بعد گریبان تک بند

ہی رہتے تھے۔ مرکزی گیٹ تک جاتی اس سفید

روش پر چلتے ہوئے اس کی چال دھیمی ہو چکی

تھی۔ آس پاس اکا دکا طلباء تھے جو اپنے ساتھیوں

کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستے تو کہیں کوئی ایک

دوسرے سے بحث میں مگن اپنی راہ چلتے جا رہا

تھا۔ کندھوں تک آتے اس کے سیاہ بال جو

آجکل وہ کھلے ہی رکھتا تھا، دھیمی ہوا کے سنگ

ہولے ہولے ہلتے بھلے دِکھ رہے تھے۔ اس کے

آس پاس حدِ نگاہ تک پھیلی قدرت کی

خوبصورتیاں اسے اپنی جانب کھینچنے میں جیسے

ناکام سی تھیں، یا پھر شاید اس کے اندر ہی موسم

خزاں راج کر رہا تھا جو وہ اپنے باہر رقص کرتے

موسم خزاں کی سلگتی ہوئی رنگینی محسوس کرنے

سے قاصر تھا۔

"ہائے۔۔کیسے ہو۔۔؟" وہ اپنے دھیان میں ہی

سر جھکائے چل رہا تھا جب ایک باریک نرم آواز

پر اسے پلٹنا پڑا۔بارہ تیرہ سالہ بچی لانگ سکرٹ

پر منی ہائی نیک پہنے کندھے سے لٹکے بیگ کے

سٹیپس سے کھیل رہی تھی۔

"کیا تم نے مجھ سے پوچھا۔۔؟" ایک نظر ارد گرد

دوڑا کر اس نے اس بچی کو مخاطب کیا۔ سیشلی نے

فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

"یاہ۔۔ تمہی سے پوچھا ہے۔۔ ایکچوئلی میں روز

تمہیں وہاں سے دیکھتی ہوں۔۔۔!" وہ دائیں

جانب پلٹ کر کافی دور نظر آتی ایک ہٹ

(جھونپڑی) کی طرف اشارہ کر کے بولی جو

یونیورسٹی کا ہی حصہ تھی۔ "تم اکیلے ہی ہوتے

ہو۔ اداس بھی لگتے ہو تو سوچا آج تمہیں ہنسایا

جائے۔۔!" مسکرا کر کہتے ہوئے اس نے اپنا سر

ہلایا تو دو پونیوں میں مقید اس کے سنہری بال بھی

ملے۔ منصب کو علیشہ یاد آگئی۔

"اتنی دور سے کیسے دیکھا مجھے۔۔؟ جھوٹ بول

رہی ہو۔۔؟" اپنا ایک ہاتھ جینز کی جیب میں

پھنساتے ہوئے منصب نے سنجیدگی سے پوچھا

جبکہ دوسرے ہاتھ سے وہ ہنوز پین کو گھما رہا تھا۔

"نہیں میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرے پاس ایک

دور بین ہے جس سے میں ان پھولوں کو دیکھتی

ہوں۔۔!" اس نے سڑک کے اطراف میں اگے

زرد، بنفشی، سرخ اور سفید پھولوں کہ طرف

اشارہ کر کے بتایا۔

"تو تمہیں بھی اسی دوربین سے دیکھا۔۔!" کہتے

ہوئے وہ پھر سے مسکرائی۔ منصب نے گردن

موڑ کر ان پھولوں کی جانب دیکھا۔ نظارہ

خوبصورت تھا۔

"اس قدر خوبصورت منظر چھوڑ کر تم نے مجھے

دیکھ کر اپنا وقت ضائع کیا ہے۔۔!" بے تاثر لہجے

میں کہتے ہوئے وہ چل پڑا۔

سیٹلی بھی اس کے ہم قدم ہوئی۔

"نہیں مجھے نہیں لگتا۔ میں تم پر ریسرچ کرنا

چاہوں گی۔۔!" اس کے ساتھ چلتی وہ ٹھوڑی پر

انگلی ٹکا کر بڑی سنجیدگی سے بولی۔ اس کی بات پر

منصب نے گردن موڑ کر سر تا پیر اس کا جائزہ

لیا۔ وہ واقعی بچی تھی۔

"گھر جا کر اپنا ہوم ورک کرو۔ ابھی ریسرچ

کرنے کی عمر نہیں ہے تمہاری۔۔!" رخ موڑ تا وہ

سرد لہجے میں بولا۔

"اوہ مائی مائی۔۔ ممی بھی یہی کہتی ہیں بٹ یُو نو

واٹ اینگری مین۔۔ میں اپنی عمر سے کچھ بڑا کرنا

چاہتی ہوں۔۔!" وہ اس کی بات ہوا میں اڑاتی

چہک کر بولی۔ منصب کو اس کی باتوں سے الجھن

ہونے لگی۔

"تو پھر ان فلاورز پر ریسرچ کرو۔یہی تمہیں

سوٹ کرتا ہے۔۔!" اسے ٹالنے کو وہ بے زاری

سے گویا ہوا۔

"بالکل نہیں۔مجھے تم پر ریسرچ کرنی ہے۔

سپیشلی تمہاری آئیز پر۔۔!" کہتے ہوئے وہ ایک

دم اس کے سامنے آئی۔ منصب کو اچانک رکنا

پڑا۔

"اِن کا کلر۔۔ سیم تمہاری شرٹ جیسا ہے،

تمہارے گولڈن براؤن کمپلیشن پر یہ آئی کلر

کچھ ہٹ کر لگتا ہے۔۔!" اشتیاق بھری نظروں

سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ مسکرا کر گویا

ہوئی۔ اپنے متعلق اس کے اس قدر گہرے

تجزیے پر منصب کی آنکھیں پل بھر کو بڑی

ہوئیں۔

"آریو میڈ۔۔؟"پوچھتے ہوئے منصب کا لہجہ

سخت ہو گیا۔

"نو ایم سیٹشلی۔۔!"وہ دانت نکوستے ہوئے گویا

ہوئی۔ربڑ جیسی اس کی سفید جلد اور خوبصورت

نقوش وہ چینی گڑیا جیسی تھی لیکن اس کہ

باتیں۔۔ منصب کو حیران کرنے کو کافی تھیں۔

"تم جو بھی ہو۔ مجھے تمہارے ریسرچ ورک میں

کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا راستہ چھوڑ دو۔۔!" وہ

مروت کا دامن تھامے بڑی تمیز سے بولا۔ اس

کے کورے جواب پر سیشلی نے ہونٹ

سکیڑے۔

"لگتا ہے آج تمہارا موڈ کچھ زیادہ ہی خراب ہے

لیکن تم ناراض مت ہو پلیز۔۔میں کل آجاؤں

گی۔۔!" وہ سرینڈر کرنے والے انداز میں بولتی

فوراً اس کے سامنے سے ہٹی۔

"میرا موڈ نہیں، میں خود خراب ہوں اس لیے

دوبارہ میرے راستے میں آکر اپنا وقت ضائع

مت کرنا۔!" منصب نے بڑی بے مروتی سے

اسے آگاہ کیا۔ سیشلی کے پلٹتے قدم رکے۔

" آئی نو تم بہت ہاٹ ہو۔ اور ممی کہتی ہیں ہاٹ

اینڈ ہینڈ سم بوائز بہت نخریلے ہوتے ہیں بٹ نو

وری۔ میں مینیج کرلوں گی۔۔!" پھر سے اس

کے قریب ہوتی وہ سر دھنتے ہوئے بولی تو اس کی

صاف گوئی پر منصب کی گندمی رنگت میں کچھ

سرخائی واضح ہوئی۔

"تمہیں نہیں لگتا تم بہت بولڈ ہو۔۔!" منصب

دانت پیس کر بولا۔

"یاہ بٹ اٹس مائے کلچر ناں۔۔!" وہ برا منائے

بغیر کندھے اچکا کر بولی۔ منصب نے گہرا سانس

لیتے ہوئے دس بارہ قدموں کے فاصلے پر نصب

مرکزی گیٹ کی طرف قدم بڑھائے۔

"آج پتہ چلا ہاٹ اینڈ ہینڈسم بوائز اِل مینرڈ بھی

ہوتے ہیں۔ ٹھیک سے بائے بھی نہیں بولا۔۔!"

سیشلی نے سڑک کے اطراف سے ایک سبز ٹہنی

توڑ کر اس کی پشت پر مارتے ہوئے ہانک لگائی۔

ٹہنی اسے چھوئے بغیر ہی زمین بوس ہو گئی۔

سیثلی نے افسردہ سی ہو کر ناک چڑھائی۔وہ بنا اثر

لیے گیٹ پار کر گیا تو وہ بھی واپس پلٹ گئی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"مہر جلدی کر لو بیٹا۔پہلے ہی بہت دیر ہو چکی

ہے۔۔!"وہ آنکھوں میں کاجل سے لکیر کھینچ

رہی تھی جب اسے نور بیگم کی کوئی تیسری پکار

سنائی دی۔ جلدی سے چادر سر پر جما کر وہ کمرے

سے باہر نکل آئی۔

"بس آگئی اماں۔۔!" ان کے قریب آتی وہ

جلدی سے بولی۔ نور بیگم نے ایک نظر اس پر

ڈالی۔ سیاہ پاجامے پر سیاہ ہی قمیض زیب تن کیے

اس نے گرے دوپٹہ گلے سے لگا رکھا تھا جبکہ سر

پر اوڑھی بلیو پھولوں والی آف وہائٹ چادر سے

اپنا آپ ڈھانپ رکھا تھا۔ ہلکے پھلکے میک اپ

میں اس کا گلاب چہرہ کِھل رہا تھا۔

"اللہ بری نظر سے بچائے۔ آیت الکرسی کا ورد

رکھو اور چلو اب نکلو جلدی سے۔۔!" برآمدے

میں بکھری اشیاء سمیٹتی وہ عجلت میں بولیں۔ مہرماہ

اپنا آپ سنبھالتی گھر سے باہر نکل آئی۔ سامنے

ہی بلیک کرولا کے پاس ڈرائیور مستعدی سے

کھڑا ہوا تھا۔ نور بیگم بھی اس کے پیچھے ہی باہر

نکل آئیں دروازے کو تالا لگا کر وہ دونوں ماں بیٹی

گاڑی میں آ بیٹھیں جو سعد میر نے ان دونوں کو

پِک کرنے کے لیے بھیجی تھی۔ سعد اور مہرماہ

کے رشتے کو ایک ہفتہ بیت چکا تھا۔ آج سعد کی

والدہ نے ان دونوں کے رشتے کے شکرانے میں

قرآن خوانی کا اہتمام کیا تھا اسی سلسلے میں وہ

دونوں ماں بیٹی میر ہاؤس جا رہی تھیں۔ حسین

صاحب اپنے معمول کے مطابق ڈیوٹی پر تھے اور

وہیں سے سیدھا میر ہاؤس آنے والے تھے۔

"ویسے کیا تھا اگر آپ اکیلی ہی چلی جاتیں۔ مجھے

ساتھ گھسیٹنا ضروری تو نہیں تھا۔۔!" منہ بسورتی

وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔ سسرال تمہارا ہے اور

تمہیں ہی گھر چھوڑ جاتی۔۔۔!" نور بیگم نے کافی

سنجیدگی سے اسے گھر کا تو وہ لب بھینچتی چہرے کا

رخ موڑ گئی۔

"اور وہاں جا کر اس منہ پر بارہ بجائے مت رکھنا

مہر۔۔زرا مسکرا لینا تا کہ کوئی اچھا اثر پڑ جائے ان

لوگوں پر۔۔!"اس کے اداس چہرے پر نظر

ڈالتے ہوئے نور بیگم پھر سے بولیں۔

"کیوں فکر کر رہی ہیں۔۔؟اُن کے سامنے ٹوتھ

پیسٹ کا اشتہار بنی تو ہوئی تھی۔ آج پھر بن

جاؤں گی۔۔!" پچھلی بار کا حوالہ دیتی وہ تلخ ہو

گئی۔

"مہر۔۔!" انہوں نے اسے ٹوکا۔ تو وہ شاکی

نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ ٹھیک بیس

منٹ بعد گاڑی نے میر ولا کا گیٹ پار کر لیا تھا۔

مہرماہ کا دل مزید بوجھل ہو گیا۔ آنکھوں کے

کنارے اٹکا نمکین قطرہ چپکے سے صاف کرتی وہ

گاڑی سے باہر اتر گئی۔ سٹیرئینگ وہیل سے اوپر

فرنٹ مرر کے کنارے کیمرے کی آنکھ نے بڑی

گہرائی سے اس کی آنکھ سے نکلے اس پانی کو کیپچر

کیا تھا۔ انہیں میر ولا کے گیٹ سے اندر اتار کر

ڈرائیور گاڑی پورچ میں لے گیا۔ احتیاط سے

آس پاس نگاہ دوڑا کر اس نے فرنٹ مرر کے

کنارے سے کیمرہ اتارا۔ جیب میں رکھا اور

گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اپنے ارد گرد کا بغور

جائزہ لیتا وہ میر ولا سے باہر نکل آیا۔ پانچ منٹ

سے کم کے وقفے میں وہ اس مطلوبہ جگہ موجود تھا

جہاں اس کی گاڑی میں یہ کیمرہ فِٹ کیا گیا تھا۔

"آپکا کام ہو گیا صاحب۔۔!" کیمرہ عمیر کے

حوالے کرتے ہوئے وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔ عمیر

نے اس کے ہاتھ سے وہ کیمرہ لے لیا۔

"کون سا کام۔۔؟؟" کیمرہ مٹھی میں مقید کرتے

ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔ اس کے یوں انجان

بننے پر ڈرائیور کا چہرہ فق ہو گیا۔

"صا۔۔صاحب یہ۔۔یہ کیمرہ۔۔!" وہ ہکلا گیا۔

عمیر نے اس کی گردن دبوچ لی۔

"کون سا کیمرہ؟ کون سا کام۔۔؟" اسے

گھورتے ہوئے عمیر غرایا تو ڈرائیور نے فوراً نفی

میں سر ہلایا۔

"کک۔۔ کوئی نہیں کچھ بھی نہیں۔۔ میں کچھ

نہیں جانتا۔۔!" کچھ عمیر کے ہاتھ کی سختی تھی اور

کچھ اس کی وردی کا رعب وہ منٹوں میں انجان بنا

تھا۔

"شاباش۔۔ تم کچھ نہیں جانتے ورنہ مجھے

تمہارے بارے میں بہت کچھ جاننا پڑے گا اور

پھر تم اپنی باقی کی زندگی حوالات میں گزارو

گئے۔۔ ہمم۔۔؟؟" اس کی گردن چھوڑ کر کہتے

ہوئے عمیر نے آخر میں اس کا گال تھپتھپایا تو

ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلایا۔

"چل پھوٹ اب یہاں سے۔۔!" اسے کالر سے

پکڑ کر دھکا دیتے ہوئے عمیر نے بارعب آواز

میں کہا تو وہ دم دبا کر وہاں سے بھاگا۔ عمیر نے

اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر اپنی جیپ میں بیٹھ کر

خود بھی وہاں سے غائب ہو گیا۔

□♦□♦□♦□♦

"آپ نے تو واپس جانا تھا ناں آج۔۔؟ پھر گئے

کیوں نہیں۔۔؟؟" اس کے لیے سیب کاٹتی وہ

اسے چھیڑنے کو پوچھ رہی تھی۔ فداجو وہیں

کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کے سوال پر اس کی

جانب متوجہ ہوا۔

"دل نہیں لگے گا اب وہاں۔۔ سوچ رہا ہوں

ادھورا ہی چھوڑ دوں یہ سلسلہ۔۔!"چیئر کھسکا کر

اٹھتا وہ بھرپور سنجیدگی سے بولا۔

"تعلیم کا سلسلہ ادھورا نہیں چھوڑنا چاہئیے۔۔!"

حدیبہ نے مسکرا کر کہا۔وہ دھیمی چال چلتا اس

کے قریب ہی آ گیا۔

"جب سلسلہ عشق جاری ہو جائے تو پھر باقی سلسلے

رک جایا کرتے ہیں بی بی اور مریضِ عشق کو غم

بھی نہیں ہوتا۔۔!" اس کی جھکی پلکوں کو بغور

تکتا وہ میٹھے لہجے میں بولا تو حدیبہ کے لبوں کو

ایک شرمگیں مسکراہٹ نے چھو لیا۔

"کیسے کر لیتے ہیں آپ ایسی عاشقانہ

باتیں۔۔۔؟" نظریں اٹھا کر اسکی جانب دیکھتی وہ

مسکاتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔اس کے سوال پر وہ

قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"یہ آپ کے عشق کا اعجاز ہے۔۔!" سینے پر ہاتھ

رکھ کر وہ زرا سا جھکتے ہوئے بولا تو حدیبہ نے

کھکھلاتے ہوئے اسے پیچھے دھکا دیا۔

"کہیں بھی شروع مت ہو جایا کریں۔۔!" اپنی

ہنسی روکتی وہ اسے ڈپٹنے والے انداز میں بولی۔

کچن میں آتی زہرہ کے قدم ان دونوں کے

مسکراتے چہرے دیکھ کر تھم سے گئے۔ جبکہ اس

کی موجودگی سے انجان فدا حدیبہ سے کہہ رہا

تھا۔

"میں تو آپ کے حکم کا غلام ہوں۔ آپ نے

پوچھا تو میں نے بتا دیا۔ اب یہ جرم بھی میرے

ہی کھاتے لکھنا تو ظلم ہے ناں حیبہ۔۔!" وہ لہجے

میں مصنوعی بے چارگی سموئے بولا تو حدیبہ پھر

سے مسکرائی۔

"یہ کھائیے آپ کو بھوک لگی تھی ناں۔۔!"

سیب کی قاش اس کے کھلے منہ میں ٹھونستے

ہوئے وہ بولی۔ مقصد اسے خاموش کروانا تھا۔

فدا نے مجبوراً سیب حلق سے نیچے اتارا۔

"کیا اب میں کہہ سکتا ہوں کہ کچھ تو خیال کریں

سرِعام محبت کے اس مظاہرے پر کوئی بے ہوش

بھی ہو سکتا ہے۔۔!" اسے دوبارہ سیب کی قاش

اپنی جانب بڑھاتے دیکھ وہ اس کا ہاتھ پیچھے کرتا

بولا تو زہرہ سرعت سے دیوار کی اوٹ میں

ہو گئی۔ جانے کیوں آنکھیں بھر آئی تھیں۔

محبت کے باوجود اس نے کبھی فدا حسین کو پانے

کی تمنا نہیں کی تھی لیکن حقیقتاً اس نے خواب

میں بھی اسے کسی اور کے ساتھ یوں ہنستے بستے

دیکھنے کا نہیں سوچا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے

کو چھیڑتے تنگ کرتے ہنس رہے تھے۔ زہرہ

چپکے سے وہاں سے نکل آئی۔ اس کا وجود ہر

گزرتے دن کے ساتھ فربہی مائل ہوتا جارہا تھا۔

وہ افسوس کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن جانے کیوں

یہ خلش اسے رلاتی تھی کہ جب اس کے نصیب

میں اس حویلی کی بہو بننا لکھا ہی تھا تو ولید شاہ ہی

کیوں۔۔؟ فدا حسین کیوں نہیں۔۔؟؟ ٹپ ٹپ

بہتے آنسوؤں کو صاف کرتی وہ دھیمے قدموں سے

نیم تاریکی میں ڈوبی راہداری میں چل رہی تھی۔

اگر دل کو ولید شاہ ہی کی جانب پلٹنا تھا تو پھر فدا

حسین کا اسیر ہوا ہی کیوں۔؟؟ اس پل شکوے

تھے۔ سوالات تھے جو اسے ڈس رہے تھے۔

رات کی گہرائی اب بڑھنے والی تھی اور ساتھ ہی

زہرہ کہ بے تابیاں بھی۔وہ ایک ہاتھ سے دیوار

کو چھوتی بے دم سی چلتی چلی جارہی تھی جب

اسے اپنی پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔

اس نے سرعت سے پلٹ کر دیکھا۔فدا بھی

اسے وہاں دیکھ کر چونک گیا۔

"میں تمہارے پاس ہی آرہا تھا۔سوئی نہیں تم

ابھی تک۔۔؟"اس سے چند قدموں کے فاصلے

پر ٹھہرتا وہ سنجیدگی سے بولا۔زہرہ نے خالی خالی

نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ولید کے نکاح میں

آنے سے پہلے اس کا دل اس شخص کے نام پر بھی

مرتا تھا۔ اور اب۔۔؟؟؟ اس نے اپنا آپ

ٹٹولا۔ اندر دور دور تک سناٹے گونج رہے تھے۔

"سو جاؤں گی آپ میری فکر مت کیجئے۔۔!"

زہرہ نے بے تاثر لہجے میں اسے جواب دیا۔ اس

کے لٹھ مار انداز پر فدا قدرے چونکا۔ نیم

اندھیرے میں چمکتے زہرہ کے آنسو دیکھنا اس کے

لیے تقریباً ناممکن تھا۔

"میں فکر تو کروں گا ناں جب ولید مجھے کہہ کر گیا

ہے۔ تمہیں رات کے وقت یوں کھلے دریچوں

میں منڈلانے کی ضرورت نہیں ہے زہرہ۔۔

اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو پلیز۔۔۔!"

فدا نے بڑی سنجیدگی سے اسے جواب دیا۔ زہرہ

نے ساکت نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی

جگہ اگر ولید شاہ وہاں ہوتا تو وہ اسے آرام کی

تاکید کرنے سے پہلے اس کے جاگنے کی وجہ

معلوم کرتا۔ بے اختیار زہرہ کو اس کا اپنے لیے

فروٹ چاٹ بنانا یاد آیا تھا۔ آنکھیں پھر سے بہنے

لگیں۔

"میں چلی جاؤں گی سرکار آپ حدیبہ بی بی کے

پاس جایئے انہیں آپ کی ضرورت ہو گی۔۔!"

اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کرتی

وہ دھیمی آواز میں بولی۔ فدا کو اس کے انداز پر

حیرت ہوئی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔۔؟ ایسی باتیں کیوں کر رہی

ہو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو مجھے بتاؤ۔۔!"

ایک قدم اس کی جانب بڑھاتا فدانرمی سے بولا۔

زہرہ کا دل تو کیا چیخ چیخ کر کہے مجھے اس شخص کی

ضرورت ہے جو میرے بن کہے میری ہر

ضرورت سے واقف ہو جاتا ہے لیکن لب اس

پل دل کا ساتھ دینے سے انکاری ہو رہے تھے۔

"مجھے صرف دلی سکون کی ضرورت ہے جو شاید

مرتے دم تک مجھے میسر نہیں ہو گا۔۔!" بنا

اٹکے۔۔ بنا جھجھکے وہ سر اونچا کر کے بولی تھی۔

فدا کو حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا تھا لیکن وہ کہہ پر

پلٹ چکی تھی۔ فدا گم صم سا وہیں کھڑا اس کے

روپے کی بابت سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے

کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے ولید کو کال ملالی۔ اس

نے پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی تھی۔

"کیسے ہو۔۔؟" واپس لاؤنج کی طرف قدم

موڑتے ہوئے فدا نے آہستگی سے پوچھا۔ "اچھا

ہوں، بس دل بے چین ہے۔۔!" ولید کا جواب

اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"یہاں تمہاری سَسی کی بھی کچھ ایسی ہی حالت

ہے۔۔!" فدا نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

دوسری جانب ولید کی ساری کسلمندی کہیں دور

بھاگی تھی۔

"کیا ہوا ہے اسے۔۔؟طبعیت ٹھیک ہے ناں اس

کی۔۔؟؟" ولید بے قرار سا ہو گیا۔

"جاگ رہی ہے ابھی تک۔۔میں نے سمجھایا کہ

سو جاؤ تو مجھے ٹکا سا جواب دے کر چلی گئی۔اس کا

موڈ آف ہے یار۔۔آئی تھنک تمہیں مس کر رہی

ہے۔۔!" فدا نے قدرے تفصیل سے اسے

بتایا۔

"آہ۔۔۔ میں خود اسے بہت مس کر رہا ہوں

لیکن یہاں معاملہ بہت لمبا ہے، جس لارڈ

صاحب سے سارا کھاتہ کلئیر کروانا ہے وہ دوبئ

میں ایکسیڈنٹ کروا کر بیٹھ گیا ہے۔ اب کل شام

میں وہ آئے گا تو کچھ بنے گا۔۔!" ولید نے اسے

معاملے کی نوعیت سے آگاہ کیا۔ انداز بے

زاریت بھرا تھا۔

"تو تم کب واپس آؤ گے۔۔؟" فدا بھی کچھ متفکر

ہو گیا۔

"یار ابھی تو کچھ پتہ نہیں ہے، وہ آئے گا تو دو تین

دن کھاد فیکٹریز کے ٹور میں بھی لگیں گے۔۔!"

ولید مارے باندھے بول رہا تھا ورنہ حقیقتاً یہ وہ ہی

جانتا تھا کہ ذوالفقار عالم شاہ کے اس فیصلے نے

اسے کتنا بے چین کیا تھا۔

"اوففف۔۔۔۔خیر تم اپنا خیال رکھنا۔یہاں میں

مینیج کرلوں گا۔۔!"فدا نے اس کی ہمت

بندھانے کو کہا۔

"اپنا خیال تو تب رکھوں گا ناں جب تمہاری

بھابھی کا خیال میرے ذہن سے نکلے گا۔۔!"

نرمی سے کہتے ہوئے اس کا لہجہ شوخ ہو گیا تو فدا

دھیرے سے ہنسا۔

"گوڈے گوڈے عشق میں ڈوبے ہوئے بیٹا

تم۔۔رب ہی راکھا ہے تمہارا۔۔!" فدا نے ہنستے

ہوئے اسے چھیڑا۔

"اوہ رب تو ہم سبھی کا راکھا ہے یار۔۔!" ولید نے

مسکاتے لہجے میں کہا۔ فدا اس سے بات کرتے

کرتے دیوار گیر کھڑکیوں کے پاس آچکا تھا جن پر

پڑے بھاری پردے ہلانے میں سردھوا بے بس

تھی۔ یہ تبدیلی موسم کے کروٹ بدلتے ہی آچکی

تھی وگرنہ گرمیوں میں یہیں جالی دار باریک

پردے لہراتے ایک خوشنما منظر پیش کرتے

تھے۔

"ویسے زہرہ سوگئی ہوگی کیا۔۔؟" ولید نے کچھ

سوچتے ہوئے پوچھا۔

"اُس کا تو پتہ نہیں لیکن میری حیبہ میرے انتظار

میں جاگ رہی ہوں گی اس لیے شرافت سے

فون رکھ دو ولید شاہ۔۔!" فدا نے پلٹتے ہوئے

سنجیدگی سے کہا تو اس کی بات پر ولید کا قہقہ پڑا۔

"یار بس ایک بار دیکھ لو وہ سوئی ہے یا نہیں مجھے

بھی سکون مل جائے گا۔۔!" ولید نے زہرہ کی فکر

میں اس کی جان مشکل میں ڈالی۔ اس سے پہلے

کہ فدا اسے کوئی جواب دیتا اسے کسی کی دھیمی

سسکی سنائی دی۔ اس نے پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تو

اسے وہ تھوڑے فاصلے پر سیمنٹ کے ٹھنڈے

فرش پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی نظر آئی۔ ننگے

پیروں کے تلوے سرسبز گھاس پر دھرے

ہوئے تھے۔ فدا کو اس پر افسوس ہوا۔

"کیا ہوا خاموش کیوں ہو گئے۔۔؟؟" سپیکر سے

ابھرتی ولید کی آواز، پر وہ چونک گیا۔

"ہوں۔۔ہاں یہ میں برآمدے میں آیا ہوں تو

میری نظریں تمہاری بیگم کو روتا ہوا دیکھ رہی

ہیں۔میں نے تو مذاق کیا تھا لیکن یہ میٹھی محترمہ

سچ مچ کی سسی بننے پر تُلی ہوئی ہے۔۔!" پردہ ہٹا

کر باہر آتا وہ زہرہ کو سنانے کے لیے قدرے

اونچی آواز میں بولا۔ اس کی آواز پر زہرہ نے

ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"کیا مطلب ہے۔۔؟بات کرواؤ میری۔۔!"

ولید نے سنجیدگی سے کہا تو فدا اس کے سر پر جا

کھڑا ہوا جو اب اپنے بھیگے گال صاف کر رہی

تھی۔

"لو بات کرو ولید سے۔۔!" موبائل اپنے کان

سے ہٹا کر زہرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے فدا نے

آہستگی سے کہا۔

"مم۔۔میں۔۔مجھے نہیں کرنی آتی۔۔!" وہ

نظریں جھکا کر بولی۔

"اس میں کچھ پاپڑ بیلنے جیسا نہیں ہے۔بس یہ

ایسے کان سے لگاؤ اور کچھ اس کی سن لو، کچھ اپنی

سنا دینا۔۔!" فدا نے موبائل اس کے ہاتھ میں

تھما کر اس کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔زہرہ

نے فوراً اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"ہاں۔۔ہاں ٹھیک ہے۔۔!" وہ پلکیں جھپکا کر

بولی۔

"ٹھیک ہے میں اپنے روم میں جا رہا ہوں تم بات

کر کے موبائل اپنے پاس ہی رکھ لینا میں تم سے

صبح لے لوں گا۔۔!" فدا نے اسے ہدایت کی تو

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ خاموشی سے

پلٹ گیا۔"کہاں ہو اس وقت۔۔؟؟"ولید نے

اس کے سلام کا جواب دیتے ہی پہلا سوال یہی

پوچھا۔زہرہ گڑبڑائی۔

"باہر ہوں۔۔!" سوں سوں کرتی وہ آہستگی سے

بولی۔

"جوتی پہنی ہوئی ہے تم نے۔۔؟" اسے ڈانٹنے کی

بجائے وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔زہرہ کو لگا وہ

شخص میلوں دور ہو کر بھی اس پر نظر رکھے

ہوئے ہے۔ اب وہ اسے کیا جواب دیتی بھلا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں زہرہ۔۔!" ولید کی آواز

اس بار سخت ہو گئی۔

"نہیں۔۔!" زہرہ نے اسے یک لفظی جواب دیا

تو پل بھر کو دوسری جانب سے خاموشی چھا گئی۔

زہرہ کو لگا شاید رابطہ منقطع ہو گیا ہے۔ اس نے

فون کان سے ہٹایا ہی تھا کہ ولید کی آواز یک دم

ابھری۔ زہرہ نے دوبارہ فون کان سے لگا لیا۔

"فوراً اندر جاؤ۔ اور لان والے راستے سے نہیں

پیچھے، برآمدے سے جاؤ۔۔!" ولید کی آواز حد

سے زیادہ بھاری ہو چکی تھی۔ زہرہ نے پلٹ کر

دیکھا۔ چار پانچ قدموں کا فاصلہ تھا۔

"یہاں سے جاؤں گی تو کوئی دیکھ لے گا

سرکار۔۔!" وہ آہستگی سے بولی۔

"جو تمہیں دیکھے گا اُسے میں آکر دیکھ لوں گا۔ تم

فوراً اندر جاؤ۔۔!" ولید نے اسے ڈپٹا تو چاروناچار

زہرہ کو اس جانب قدم بڑھانے پڑے۔پردہ

ہٹا کر وہ حویلی کے اندرونی حصے میں آگئی۔

"اب بتاؤ کیا ہوا ہے۔۔؟کیوں رو رہی

تھیں۔۔؟کسی نے کچھ کہا ہے۔۔؟"وہ ایک ہی

سانس میں کئی سوال پوچھ گیا۔زہرہ کے پاس

کوئی جواب نہ تھا۔ وہ چپ چاپ چلتی لاؤنج کہ

طرف آگئی۔

"کسی نے کچھ نہیں کہا، بس مجھے نیند نہیں آرہی

تھی۔۔!" زہرہ نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔

"بھوکے پیٹ نیند آتی بھی نہیں ہے۔یقیناً تم نے

رات کا کھانا نہیں کھایا ہو گا۔۔!" وہ بات کی تہہ

تک پہنچتا اسے چونکا گیا۔

"آپ کو کیسے پتہ۔۔؟" وہ بڑبڑائی۔

"مجھے تمہارا بہت اچھے سے پتہ ہے زہرہ۔۔دو

دن منظر سے کیا ہٹا ہوں تم نے وہی اپنی پرانی

روش اختیار کرلی ہے۔۔!" وہ اسے اچھے سے

ڈپٹ رہا تھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا تھا تو نہیں کھایا۔ کوئی

زبردستی ہے کیا۔۔؟" اسے چڑانے کو زہرہ نے

اسے الٹا جواب دیا۔ حسب توقع کے وہ چڑ بھی

گیا۔

"زہرہ تم ناں۔۔۔ایک بار مجھے واپس آ لینے دو

پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔۔!" وہ کلس کر بولا تو

اس کی تپی تپی سی آواز سن کر زہرہ کے لب

دھیرے سے مسکرائے۔

"پھر تو تم نے میڈیسن بھی نہیں لی ہو گی ہے

ناں۔۔؟؟"

"میں دوائی کھا کھا کر تھک چکی ہوں۔اب نہیں

کھاؤں گی۔!"

"اور اگر طبیعت بگڑ گئی تو پھر۔؟وہ بے چین ہوا۔

"تو اچھا ہے ناں مر جاؤں گی۔۔!" وہ فوراً بولی۔

ولید کا دل کیا زہرہ اس کے سامنے ہو اور وہ اسے

جھنجھوڑ ڈالے۔

"زہرہ سٹاپ اٹ یار۔۔!" وہ چیخ گیا۔

"مجھے نیند آرہی ہے سرکار۔۔میں سوناچاہتی

ہوں۔۔!"زہرہ نے دھیرے سے کہا۔"اور

میری جو نیند اُڑ گئی ہے اس کا کیا۔۔؟؟"ولید کی

غصیلی آواز ابھری تو وہ گڑبڑا گئی۔

"تو کیا کروں پھر۔۔؟؟" وہ صبر کے کڑوے

گھونٹ پیتی دھیرے سے بولی۔

"کچھ کھا لو پلیز۔۔!" ولید نے اس بار نرمی سے

کہا۔

"اس وقت۔۔؟؟ اگر اس وقت کچن میں گھسی

اور کسی نے دیکھ لیا تو چورنی کا خطاب مل جائے گا

مجھے۔۔!"زہرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اتنا ڈرتی کیوں ہو۔۔؟ اگر ابھی تک کسی نے

نہیں دیکھا تو کچن میں بھی کوئی نہیں دیکھے گا۔

فوراً جاؤ زہرہ۔۔!" ولید نے بڑی سنجیدگی سے

اسے حکم دیا۔

"آپ کو میری دوائی کی فکر ہے ناں۔۔ ابھی کھا

لیتی ہوں لیکن مجھے اس وقت کچن میں جانے کو

مت کہیں۔۔!" اس سے بات کرتی کرتی وہ اب

پھر سے اسی راہداری میں چل رہی تھی جہاں سے

وہ باہر گئی تھی۔

"مجھے تمہاری میڈیسن کی نہیں تمہاری فکر ہے

بے وقوف۔۔اور بنا کچھ کھائے تم میڈیسن نہیں

لو گی۔اب شرافت سے کچن میں جاؤ

شاباش۔۔!!ولید نے قدرے عاجز آکر اسے

نرمی سے کہا تو زہرہ نے گردن موڑ کر آس پاس

دیکھا۔حویلی کے مکین اپنے کمروں میں خواب

خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔وہ گہرے

سانس لیتی کچن کی طرف آگئی۔

"لائٹ آن مت کرنا۔" وہ سوئچ بورڈ کی طرف

ہاتھ بڑھا ہی رہی تھی جب ولید کی آواز پر ہاتھ

نیچے گرا لیا۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا۔؟؟" وہ شدید حیرت کا

شکار ہو رہی تھی۔

"مجھے سب پتہ ہے، تم فریج چیک کرو جلدی

سے۔۔!" ولید نے مسکاتی ہوئی آواز میں کہا تو وہ

منہ بسورتی فریج کے پاس آگئی۔ فریج کھولنے پر

اسے سیب انگور اور انار نظر آئے تھے۔

"کون کون سے فروٹس ہیں۔۔؟" ولید کی آواز

پر وہ فریج کا دروازہ بند کرتی سیدھی ہوئی۔

"سب کچھ ہے لیکن مجھے وہ ملغوبہ بنانا نہیں آتا جو

آپ نے بنایا تھا۔۔!" زہرہ نے صاف گوئی سے

کہا تو وہ دھیرے سے ہنسا۔

"تم چھوڑو اس کو اور چیک کرو انار کے دانے کسی

باؤل میں نکال رکھیں ہوں گے مائی کرماں

نے۔۔وہ نکال لو اپنے لیے۔۔!" ولید نے یوں

کہا جیسے اسے معلوم ہو کہ مائی کرماں نے یہ کام کیا

ہو گا۔

"لیکن وہ تو چھوٹی بیگم سرکار کے لیے ہیں

سرکار۔۔!" صندل کے ڈر سے وہ جلدی میں

بولی۔

"تم بھی چھوٹی بیگم سرکارہی ہو چلو جلدی

کرو۔۔!"اس کی اطلاع ہوا میں اڑاتے ہوئے

ولید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سرکار میرا دل نہیں چاہ رہا۔۔!" زہرہ نے بہانہ

بنایا ورنہ اسے معلوم تھا کہ پھر صبح انار نہ ملنے پر

صندل اس کی ماں کو ذلیل کرے گی۔

"زہرہ تمہیں جو کہا ہے وہ کرلو یار۔۔ میں فدا

سے کہہ دوں گا وہ مینیج کرلے گا۔۔!!" ولید

نے اس بار اسے سختی سے ٹوکا تو وہ موبائل کان

سے ہٹا کر اسے گھور کر رہ گئی۔ اس کے نہ نہ

کرتے بھی ولید نے اس سے بات کرتے کرتے

اسے انار کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اپنی رات کی

دوائی نگل کر جب وہ چارپائی پر لیٹی تو کال چلتے

ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا۔

"اب میں کمرے میں آگئی ہوں سرکار۔۔بات

نہیں کر سکتی ورنہ اماں جاگ جائے گی۔۔!"وہ

منہ پر ہاتھ رکھتی دھیرے سے بولی۔

"ہاں تو تم مت بولو۔۔ سو جاؤ۔۔!" ولید نے نرمی

سے کہا۔

"تو یہ ریموٹ۔۔؟" چھوٹے سے بٹنوں والے

موبائل کو ریموٹ سے تشبیہہ دیتی وہ پریشان زدہ

سی بولی تو دوسری جانب ولید کا قہقہ پڑا اٹھا۔ وہ

خفیف سی ہو گئی۔

"اسے موبائل کہتے ہیں۔!" اپنی ہنسی روکتے

ہوئے ولید نے کہا تو زہرہ نے اندھیرے میں ہی

ناک چڑھائی۔

"ہاں وہ ہی۔۔مجھے کہنا نہیں آرہا تھا۔!"زہرہ نے

کچھ شرمندہ سی ہو کر کہا۔

"ھاھاھا۔اوکے تم سو جاؤ اور یہ ریموٹ

اپنے تکیے پر ایسے ہی رکھ دو۔!"ولید نے اسے

چھیڑتی ہوئی آواز میں کہا۔

"موبیل، اب پتہ چل گیا ہے مجھے۔!" وہ چڑ کر

بولی تو اس کے یوں فوری تصحیح کرنے پر ولید کو

ایک بار پھر ہنسی آئی لیکن وہ دبا گیا۔

"اے باؤلی کیا منہ میں بڑبڑائے جا رہی

ہے۔۔؟؟" دوسری چارپائی پر لیٹی مائی کرماں

نے کروٹ بدلتے ہوئے نیند سے بھری آواز

میں اسے لتاڑا تو وہ سٹپٹا کر کروٹ بدل گئی۔

"کچھ نہیں اماں۔۔!" موبائل تکیے پر پٹختے ہوئے

اس نے جلدی سے کہا۔ ولید کچھ پل خاموش رہا۔

موبائل کو یک ٹک دیکھتی زہرہ کی آنکھیں نیند

سے عاری تھیں۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ رابطہ

منقطع ہو چکا ہے۔ دل کی اداسی کافی حد تک کم ہو

چکی تھی لیکن یوں اچانک رابطہ منقطع ہو جانے پر

اس کا دل بے چین ہو گیا تھا۔

"سو جاؤ زہرہ۔۔!" وہ کافی دیر یونہی موبائل کو

گھورتی رہی تو ایک بار پھر ولید کی آواز اس کے

کان کے قریب ابھری۔ وہ چونک گئی۔

"آپ گئے نہیں۔۔؟؟" زہرہ کی آواز

سرگوشیانہ تھی۔

"نہیں میں یہیں ہوں۔۔ تم سو جاؤ۔۔!" ولید

نے پیار بھرے نرم لہجے میں کہا تو زہرہ کے لب

مسکرا دیے۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں موند

لیں۔ نیند کی وادیوں میں اترنے سے پہلے وہ ایک

باراس کی کال پر موجودگی کی تصدیق کرنا نہیں

بھولی تھی۔

"سس۔۔ سرکار۔۔؟" آنکھیں بامشکل

کھولتے ہوئے اسنے نیند سے بوجھل ہوتی آواز

میں اسے پکارا تھا اور ولید جس کی سماعتیں اس کی

سانسوں پر ہی ٹھہری ہوئی تھیں اس کے پکارنے

پر ہولے سے مسکرایا۔

"سو جاؤ سرکار کی جان۔۔!" ولید کی نرم آواز

فون سے ابھری تو زہرہ نے پر سکون سی ہو کر خود

کو نیند کی دیوی کے حوالے کر دیا۔ دوسری

جانب وہ خود بھی نیند کی وادیوں میں اترنے تک

اس کی سانسیں شمار کرتا رہا تھا۔ جبکہ کال ساری

رات یونہی چلتی رہی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ اس وقت عالم کے فلیٹ میں موجود تھی۔

ڈیڑھ ماہ پہلے سبحانی کے ساتھ پیش آئے واقعے کا

بنیادی قصور وار صندل بیگم کو ٹھہرایا گیا تھا

جنہوں نے وقار عالم شاہ کے علم میں لائے بغیر

سبحانی کو اس کے دوستوں کے ساتھ کلفٹن کی سیر

کو بھیج دیا تھا۔ اس رات وہ اتفاقاً اپنے دوستوں

سے بچھڑ گیا تھا اور یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ

ان درندہ صفت افراد کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

منصب کا اس رات مہرماہ کے گھر جانے کی بابت

سے صرف ناجیہ بیگم اور وقار عالم شاہ ہی آگاہ

تھے۔ وہ خود بھی اپنے چچا کے متعلق کوئی بھی

سوال کیے بنا اگلے روز مقررہ وقت پر لندن کے

لیے ٹیک آف کر گیا تھا۔ اسے ایک ساتھ دو دو

دھچکے لگے تھے جنہوں نے اسے کچھ بولنے کے

قابل نہ چھوڑا تھا۔ وہ خود تو اس رات کی اگلی صبح نو

بجے کے قریب ہی ہوش میں آگیا تھا، سجانی کی

طبعیت بھی ایک بجے تک کچھ بہتر ہو چکی تھی سو

اس سب سے بھاگنے کے لیے وہ پاکستان کی

فضائیں چھوڑ گیا تھا۔ وہ تینوں اپنے دل میں

منصب کے لیے بے تحاشا محبت رکھنے کے باوجود

اس کی اندرونی حالت سے بے خبر تھے۔

"بھائی سے بات ہوئی ہے تمہاری۔۔؟"علیشہ

کے سوال پر موبائل میں مصروف عالم نے

اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں دو دن پہلے ہوئی تھی۔۔ ٹھیک ہے وہ۔۔!"

عالم نے دھیمے لہجے میں اسے جواب دیا تو وہ

پر سکون سی ہو کر سبحانی کی طرف پلٹی۔

"طبعیت کیسی ہے اب۔۔۔؟"

"بالکل ٹھیک۔۔؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اور موڈ۔۔؟؟"علیشہ نے اسے آنکھیں

دکھائیں۔

"بہت اچھا۔۔!" سبحانی نے دانتوں کی نمائش

کروائی تو علیشہ نے سکون کا سانس کیا۔ عالم وہیں

ایک جانب بیٹھا موبائل میں مصروف تھا۔علیشہ

نے ایک نظر عالم پر ڈالی۔

"اب تم واپس کب جاؤ گے۔۔؟" سجانی کی

طرف گھومتے ہوئے اس نے تیکھے پن سے

پوچھا۔

"ابھی تو کوئی ارادہ نہیں ہے۔اب تو ویسے بھی

عالم بھائی کی سپورٹ حاصل ہے سو۔۔!" کہتے

ہوئے آخر میں سجانی نے شرارت سے کندھے

اچکائے تو علیشہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"یار علیشہ ایک گلاس پانی تو پلا دو۔۔!" عالم نے

موبائل سے نظر ہٹا کر اسے مخاطب کیا۔

"پلا دیتی ہوں لیکن اب تم جلدی سے اٹھ جاؤ اور

کافی بناؤ ہم تینوں کے لیے۔۔!" صوفے سے اٹھ

کر کشن اس کی جانب اچھالتے ہوئے علیشہ نے

اسے حکم دیا۔

"جی نہیں۔۔بالکل نہیں۔۔تم چائے بناؤ ہم

تینوں کے لیے۔۔!" عالم نے کشن پیچھے کرتے

ہوئے اسے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔کچن کی

جانب بڑھتی علیشہ پلٹی۔

"تمہیں پتہ ہے میں چائے نہیں پیتی زہر لگتی ہے

مجھے۔۔چلو اٹھو اور کافی بناؤ۔۔!"علیشہ نے ناک

چڑھا کر نخوت سے کہا تو سبحانی نے مسکراتی

نظروں سے عالم کی جانب دیکھا۔

"زہر لگتی ہے تبھی تو کہہ رہا ہوں بناؤ اور پی لو۔۔

ہماری مشکل بھی کچھ آسان ہو جائے گی۔۔!"

عالم نے پلٹ کر کچن کی طرف رخ کرتے ہوئے

بڑی سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔ فریج سے پانی

کی بوتل نکالتی علیشہ کے ہاتھ رکے تھے۔ جبکہ

علیشہ کی بگڑتی شکل دیکھ کر سجانی نے فوراً سے

پہلے اپنے چہرے پر کشن رکھ کر اپنی ہنسی دبائی۔

"تمہاری مشکل تو ایسی آسان کروں گی کہ یاد

رکھو گے۔ سارہ آج کل کچھ زیادہ ہی سیریس ہو

رہی ہے تمہارے لیے۔ پھپھو کو بتاتی ہوں تاکہ

تمہارا بھانڈا پھوٹے۔۔" بوتل اس کے پاس

صوفے پر پٹختے ہوئے وہ آنکھیں بڑی کر کے بولی

توجہاں وہ بوکھلایا وہیں سبحانی نے بھی آنکھیں گھما

کر ان دونوں کو دیکھا۔

"بھائی مجھے تو لگا تھا میری ہونے والی بھابھی کا نام

مرحہ ہے۔۔!" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتا وہ

غیر سنجیدگی سے بولا تو عالم نے خفیف سا ہو کر

علیشہ کو گھورا۔

"بیٹا یہ تمہاری نہ ہونے والی بھابھی کی بات کر

رہی ہے۔ بہلا لینے دو اسے اپنا دل، تمہاری

بھابھی کا نام مرحہ ہی ہے۔۔!" عالم نے سر دھنتے

ہوئے اسے مطمئن کیا تو علیشہ نے بھنویں اچکا کر

باری باری ان دونوں کی جانب دیکھا۔

"دل کون بہلا رہا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔۔!"

اپنے ناخنوں سے کھیلتی وہ اسے چڑانے والے

انداز میں بولی تھی۔عالم کا رنگ پل میں پھیکا پڑا

تھا۔

"بس ایک شکل ہی گوری ہے تمھاری ورنہ زبان

اور دل دونوں ہی کالے ہیں۔ کبھی اچھی بات تم

کر نہیں سکتی ویسے۔۔!" پاس پڑا کشن اسے

مارتے ہوئے عالم نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ تیر

نشانے پر لگتے دیکھ اس بار علیشہ کھکھلا کر ہنسی تھی

۔

"اب کافی بنا رہے ہو یا کچھ اور عرض فرماؤں اپنی

اس کالی زبان سے۔۔؟؟" ٹانگیں صوفے کے

قریب ہی میز پر رکھتے ہوئے علیشہ نے شانِ بے

نیازی سے کہا تو عالم منہ بناتا اٹھ گیا۔ سجانی جوان

دونوں کی بحث سے لطف اندوز ہو رہا تھا، عالم کے

جاتے ہی اس کی طرف گھوما۔

"ویسے مرحہ سے تو بھائی کی محبت سچی ہے لیکن یہ

سارہ کون ہے۔۔؟؟" پر اشتیاق سا ہو کر وہ

شرارتی انداز میں بولا تو علیشہ قہقہ لگا کر ہنسی۔

"خبر دار علیشہ اسے مت بتانا ورنہ تمہاری کافی

میں زہر ملا دوں گا۔۔!" عالم نے کچن سے ہی

دہائی دی لیکن اس پر اثر ہی کب ہوتا تھا۔

"کوئی بات نہیں، واحد کافی ہی ایسی شے ہے جس

میں زہر بھی ملا ہو تو میں پی لوں گی۔۔!" اس نے

ناک پر سے مکھی اڑائی۔ عالم بری طرح کلس اٹھا

وہ پرواہ کیے بنا سبحانی کو سارہ کے متعلق بتانے

لگی۔ عالم کے لیے اس کی بے تابیاں سن سن کر وہ

ہنستا چلا جا رہا تھا۔ پھر نہ صرف اس نے عالم سے

کافی بنوا کر پی تھی بلکہ رات کا کھانا بھی اسی سے

بنوایا تھا۔ یوں ایک خوشگوار اتوار ان دونوں

بھائیوں کے ساتھ گزار کر وہ واپس ہاسٹل آگئی۔

یہ الگ بات تھی کہ عالم کا ویک اینڈ رو دھو کر

گزرا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"اب کب تک یونہی پڑھتی رہو گی۔۔؟؟بس

بھی کرو۔۔!"اس کے سامنے سے کتاب جھپٹتے

ہوئے ہادیہ نے کہا تو پیٹ کے بل لیٹی علیشہ

سیدھی ہو گئی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا ہادی تم لوگ چلے جاؤ۔۔!"

اچک کر اس کے ہاتھ سے کتاب واپس لیتی علیشہ

بے زاری سے گویا ہوئی۔

"ہم کہیں نہیں، سی سائیڈ جا رہے ہیں

علیشہ۔۔!" ہادیہ نے اسے یاد دہانی کروائی۔

"ہاں تو مجھے نہیں جاناناں۔۔یہ کچھ ٹاپکس ہیں

مجھے انہیں اچھے سے دیکھ لینے دو ورنہ کل پھر وہ

محترم مجھ سے ہی دشمنی نکالیں گے۔۔!" شمس کی

بابت کہتی وہ سنجیدگی سے بولی۔

"اللہ۔۔اس سبجیکٹ کو لے کر اتنی سیریس تو تم

کبھی نہیں رہیں۔۔!" دھپ سے اس کے سامنے

ہی بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ہادیہ نے کچھ کھوجتے لہجے

میں کہا۔اس کے سوال پر علیشہ نے نظریں اٹھا

کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں اس سبجیکٹ کو ابھی بھی سیریس نہیں لے

رہی، میں تمہارے، ہمارے۔۔خاص طور پر

میرے سر شمس کو سیریس لے چکی

ہوں۔۔!" کہنی کتاب پر ٹکا کر اپنی مٹھی، ٹھوڑی

کے نیچے رکھتی وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر

بولی۔ انداز سنجیدہ اور لہجہ اٹل تھا۔ ہادیہ کی

آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یُو مین۔۔؟ لائیک سیریسلی علیشہ۔۔؟ تم فضہ

کے مقابل آؤ گی۔۔؟؟" ہادیہ پوچھتے ہوئے بیڈ

سے اتر گئی۔اس کے سوال پر علیشہ اطمینان سے

سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"بالکل نہیں۔۔وہ میرے مقابل آنے کی

جرات کر چکی ہے میں صرف اسے سامنے سے

ہٹاؤں گی۔۔!" اپنے بال جھٹکتے ہوئے علیشہ نے

آرام سے کہا۔ہادیہ کچھ پل تو بول ہی نہ

سکی۔"اچھا تم چل رہی ہو ساتھ یا ہم

جائیں۔۔؟"ہادیہ نے گم صم سے انداز میں

پوچھا۔علیشہ نے ایک نظر گھڑی کی جانب دیکھا

جو شام کے پانچ بجانے والی تھی۔ وہ اثبات میں

سر ہلاتی بے دلی سے اٹھ گئی۔

"جلدی سے ریڈی ہو جاؤ ہم سب نیچے ہی تمہارا

ویٹ کر رہی ہیں۔۔!" ہادیہ اسے کہہ کر کمرے

سے نکل گئی۔ علیشہ دھیرے سے چلتی آئینے کے

سامنے جا کھڑی ہوئی۔لاپرواہ سے حلیے میں بھی

وہ گلابی گڑیا لگ رہی تھی۔ اخروٹی بالوں کو پونی

کی قید سے آزاد کر کے اس نے کمر پر بکھیر دیا۔

گھوم کر اپنا جائزہ لیتی وہ مسکرائی۔پھر الماری سے

بلیک اینڈ ریڈ چیک دار شرٹ نکال لی۔یہ عالم کی

شرٹ جو پچھلے مہینے ہی اس نے غصب کرلی

تھی۔ بلیک جینز چینج کرکے وہ عالم کی شرٹ کے

بازو کہنیوں تک فولڈ کرتی کمرے سے باہر نکل

آئیں۔ سمپل سی بلیک سینڈل اس کے دودھیا

پیروں میں بچ رہی تھی۔

"چلیں۔۔؟"ہاسٹل کے لابی ایریا میں ان چاروں

کے قریب آتی وہ لاپرواہی سے بولی۔فضہ کو

وہاں دیکھ کر اس کا موڈ خراب ہوا تھا لیکن وہ ضبط

کر گئی۔ہاسٹل سے باہر نکل کر انہوں نے کیب

کروالی تھی۔پچیس سے تیس منٹ بعد وہ پانچوں

سی سائیڈ پر موجود تھیں۔ڈھلتی شام کے سائے

میں چلتی یخ سمندری ہوا نے علیشہ کے تنے

ہوئے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ہادیہ اور

راحمہ ساتھ ساتھ تھیں جبکہ سارہ اس کے ساتھ

چپک گئی۔فضہ بھی انھی کے ساتھ ہولی۔"مجھے

گول گپے کھانے ہیں۔۔!" ایک کپل کو چھوٹے

سے اسٹال سے گول گپے کھاتے دیکھ علیشہ بولی۔

" یخ۔۔ گندے۔۔ اس کے برتن دیکھو۔۔

گندے سے پانی سے دھو دھو کر دے رہا ہے

سب کو۔۔۔" فضہ نے ناک بھوں چڑھاتے

ہوئے نخوت سے کہا تو سارہ نے بھی تائید ی

انداز میں سر ہلایا۔

"بیمار ہو جاؤ گی علیشہ۔۔ویسے بھی موسم چینج ہو

رہا ہے۔۔!" سارہ نے اس کی فکر میں کہا۔

"تیمارداری تمہیں نہیں کرنی پڑے گی۔اور باقی

لوگ بھی تو کھا ہی رہے ہیں وہ پاگل تو نہیں۔۔!"

سارہ سے اپنا ہاتھ چھڑواتی وہ اس جانب بڑھتے

ہوئے بولی۔

"اگر تمہارا دل کر رہا ہے تو ہم فوڈ سٹریٹ چلتے

ہیں۔۔!" سارہ نے اس کے پیچھے بڑھتے ہوئے

کہا۔

"میں یہیں سے کھاؤں گی۔۔!"علیشہ ہٹ

دھرمی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔سارہ اس کے

پیچھے لپکی تو فضہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"جانے دو اسے۔۔جب آواز بند ہو گی تب لگ

پتہ جائے گا۔۔!"فضہ نے لاپرواہی سے کہا۔

سارہ گہرا سانس لیتی اس کے ساتھ پلٹ گئی۔ جبکہ

علیشہ دھیمی چال چلتی اس سٹال تک جا پہنچی۔

سینڈل وہ گاڑی میں ہی اتار آئی تھی۔ ٹھنڈی

ٹھنڈی نرم ریت پر پاؤں رکھتے ہی سکون سا مل

رہا تھا۔ دور ساحل کنارے سے سر ٹکرا ٹکرا کر

سمندر میں پلٹتی بے لگام لہروں کا شور سماعتوں کو

سرور بخش رہا تھا۔ وہ جب تک سٹال کے قریب

آئی کپل وہاں سے پلٹ چکا تھا۔

"ایک پلیٹ مجھے بھی دے دیں۔۔!" سٹال کے

اس پار کھڑے ادھیڑ عمر شخص کو مخاطب کرتی وہ

نرمی سے بولی۔ ہوا کے سنگ لہراتے اس کے

اخروٹی بالوں کی کچھ شریر لٹیں اس کے رخسار

چومتی کانوں کے آگے پیچھے سرگوشیاں کر رہی

تھی۔ بچے کی للچائی ہوئی آواز پر اس کے چلتے قدم

تھمے۔

"باجی مجھے بھی لے دوناں۔۔!" ابھی اس نے

ایک گول گپہ منہ میں ڈالا ہی تھا کہ ایک بچے نے

اس کی گھٹنوں تک آتی شرٹ کو کھینچتے ہوئے کہا۔

علیشہ نے نظریں نیچی کر کے اس کی جانب دیکھا

جو بامشکل دس بارہ سال کا دِکھ رہا تھا۔ہاتھ میں

غباروں کے دھاگے پکڑے وہ آس بھری

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں۔۔؟؟" پلیٹ

وہیں سٹال کے کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے علیشہ نے

سنجیدگی سے پوچھا۔ شمس کے کان کھڑے ہو

گئے۔

"ہیں۔۔ لیکن یہ میرے ابا کے ہیں، آج ویسے

بھی زیادہ بکری نہیں ہوئی اس لیے نہیں کھا

سکتا۔۔!" اس نے بڑی سمجھداری سے علیشہ کو

بتایا۔

"کیا تم یہ غبارے بیچتے ہو۔۔؟" مکمل توجہ سے

اس کے مٹی سے اٹے ہاتھ پیر دیکھتی وہ پوچھتے

ہوئے ہنوز سنجیدہ تھی۔بچے نے ہولے سے

اثبات میں سر ہلایا۔

"تو ٹھیک ہے تم یہ مجھے بیچ دو۔۔!" کہتے ہوئے

اس بار اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔بچے کا چہرہ اس کی

پیش کش پر کِھل اٹھا۔علیشہ نے جینز کی جیب

سے دو تین ہرے نوٹ نکال کر اس کی جانب

بڑھا دیے۔پیسے دیکھ کر اس بچے کی آنکھیں

پوری سے زیادہ کھل گئیں۔

"یہ تو بہت زیادہ ہیں باجی، میرے پاس چُھٹے نہیں

ہے۔یہ غبارے کل ملا کر دو سو پچاس روپے کے

بنتے ہیں آپ دو سو روپے دے دو۔۔!" وہ

پریشان ہوتا جلدی جلدی بولا۔

"میرے پاس دو سو روپے نہیں ہیں تم ابھی یہ

رکھ لو وہ دو سو ادھار رہے۔ تم پھر ملو گے تو تمہیں

ضرور دوں گی۔۔!" علیشہ نے اس کی طرف جھکتے

ہوئے رازدارنہ انداز میں کہا تو اس بچے نے

جھجھکتے ہوئے وہ نوٹ تھام لیے۔

"لاؤ اب غبارے تو دو۔۔!" وہ ششش و پنج میں

مبتلا انگلیوں پر حساب کتاب لگا رہا تھا جب علیشہ

نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بچے نے فوراً وہ

رنگ برنگے مختلف اشکال کے گیسی غبارے اسے

پکڑا دیے۔ ان غباروں کی دھاگے تھامتے ہوئے

وہ ہولے سے مسکرائی۔ پھر سٹال کے ایک جانب

ان دھاگوں کی گرہیں باندھنے لگی۔

"چلو اب تم بھی کھالو۔۔!" اسے پلٹتے دیکھ

غبارے سٹال سے باندھتی وہ بولی تو وہ بچہ اس کی

طرف پلٹا۔

"اب میں اکیلا نہیں کھاؤں گا، ابا اور پنکی کو ساتھ

لاؤں گا پھر ہم مل کر کھائیں گے۔ شکریہ

باجی۔۔!" اس کی طرف تشکر بھری نگاہوں سے

دیکھ کر کہتا وہ آخر میں مسکرایا تھا۔ پھر لمحوں میں

اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ان دونوں کی

کاروائی بغور دیکھتے شمس کے لب بے ساختگی میں

مسکرا دیے۔ وہ زندگی کی الجھنوں سے پرے آج

خود کو ذہنی سکون دینے کے لیے وہاں چلا آیا تھا

اور اتفاقاً اس نے علیشہ کو اس سٹال کے قریب

کھڑے دیکھ لیا تھا۔ وہ جو ساحل کنارے جانے کا

ارداہ رکھتا تھا، جانے کیوں اس کی طرف آ گیا۔ وہ

بڑی رغبت سے گول گپے کھا رہی تھی۔

"آپ بیمار ہونے والے کام بھی کرتی ہیں مس

علیشہ۔۔؟؟"اس کی پشت پر جا ٹھہرتا وہ نرم لہجے

میں بولا۔ عقب سے ابھرتی اس کی بھاری آواز پر

علیشہ نے ٹھٹھک کر پیچھے دیکھا۔ڈھلتی شام کے

سرمئی سائے میں اسے اپنے مقابل دیکھ کر علیشہ

کی آنکھیں چمک اٹھیں۔لب دھیرے سے

مسکرائے تھے جب کہ اسے یوں مسکراتے دیکھ

اس کا دل تھم سا گیا۔

"جو کام مجھے اچھا لگے میں ہر وہ کام کرتی ہوں

خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔۔!"نرمی سے

کہتے ہوئے علیشہ نے کندھے اچکائے۔اس کے

جواب پر شمس نے ہولے سے اثبات میں سر

ہلایا۔

"لگتا ہے پریزینٹیشن تیار کرلی ہے آپ نے تبھی

یہاں موجود ہیں آپ۔۔!"کچھ یاد آنے پر شمس

نے اس پر چوٹ کی تو علیشہ نے برا منانے کی

بجائے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"میں آنا نہیں چاہتی تھی لیکن میری فرینڈز

زبردستی مجھے یہاں لے آئی ہیں۔ اگر مجھے پتہ

ہوتا کہ یہاں اتنا حسین اتفاق ہو گا تو میں ان سے

منتیں کروائے بغیر ہی آجاتی۔!" شمس کی جانب

دیکھتی وہ گہرے لہجے میں بولی تو اس کی اس قدر

صاف گوئی پر وہ لب بھینچ گیا۔علیشہ نے قیمت ادا

کرنے کے لیے اپنی جینز کی جیب ٹٹولی لیکن اس

سے پہلے ہی شمس نے دوکاندار کی طرف ہزار کا

نوٹ بڑھا دیا۔علیشہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس

کی جانب دیکھا۔

"ایک مجبور کی مدد کر دینے سے میں بھکاری نہیں

بن گئی۔میرے پاس پیسے ہیں۔۔!"جیب سے

نوٹ نکال کر اس کے سامنے لہراتے ہوئے علیشہ

نے کافی سنجیدگی سے کہا۔

"میں آپ کو صدقہ نہیں دے رہا۔ میں بھی

ایک مجبور کی مدد کر رہا ہوں۔۔!" ایک دھیمی

مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے ہوئے اس نے

نرمی سے کہا تو علیشہ نے نا سمجھی سے اس کی جانب

دیکھا۔

"صاحب آپ کے پیسے۔۔!" دوکاندار اسے بقیہ

پیسے واپس کر رہا تھا۔

"آپ رکھ لیجئیے۔۔!" بے تاثر لہجے میں اسے

کہہ کر شمس نے علیشہ کی کلائی تھام کر اسے اپنے

ساتھ گھسیٹ لیا۔علیشہ کو اس کی بات کی سمجھ

اب آئی تھی۔وہ اس سٹال کیپر کی مدد کرنے کی

بات کر رہا تھا۔

"ویسے میں اسے بھی دے سکتی تھی (روپے)..

!"علیشہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔وہ

دوسرے ہاتھ میں موجود نوٹ جینز کی جیب میں

رکھ چکی تھی۔

"ضروری تو نہیں کہ سب کے ساتھ نیکی آپ ہی

کریں۔۔!" سیاہ پڑتے آسمان کی وسعتوں میں

دیکھتے ہوئے شمس نے اطمینان سے کہا تو وہ ایک

بار پھر ہنسی اور نفی میں سر ہلایا۔ ہوا کے سنگ

اڑتے اس کے ریشمی بالوں نے شمس کے بائیں

کندھے کو چھوا تھا۔ شمس نے آہستگی سے اس کی

کلائی چھوڑ دی۔ ان دونوں کی قدموں تلے نمی کی

مقدار بڑھنے لگی تھی۔

"میں نیک بالکل نہیں ہوں۔ یہ تو بس، مجھے لگا

اس کو ضرورت ہے تو۔ دے دیے۔۔!" وہ

سمندر کی بے قرار لہروں کو تکتی لاپرواہی سے

گویا ہوئی۔

"بات پریزنٹیشن کی ہو رہی تھی مس علیشہ۔۔

آپ نے وہ ریڈی کی۔۔؟" شمس نے اس کا

دھیان اپنے پہلے نقطے کی طرف موڑ دیا۔وہ

دونوں ساتھ ساتھ چلتے سمندر کی جانب بڑھ

رہے تھے۔

"جی ہاں کافی حد تک۔۔اور اگر نہ کر سکی تو آپ

بخش دیجئے گا۔۔پلیز۔۔!" آہستگی سے کہتے

ہوئے اس نے شمس کی جانب دیکھا۔ اسی وقت

شمس کی نگاہیں بھی اس سے ملی تھیں۔

"بخشنے کا کام تو اس اللہ کی ذات کے ذمے ہے،

میں تو بہت ظالم ہوں مجھ سے بخشش کی امید

مت رکھیے گا۔۔!" اس کی جگر جگر کرتی بھوری

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شمس نے بھرپور

سنجیدگی سے کہا تو وہ اپنی ازلی عادت سے مجبور

ہوتی برا ماننے کی بجائے دھیرے سے ہنسی۔

"لیٹس سی۔۔!" کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں

شرارت ناچ رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کی لہر نے

یک دم اس کے پیروں سے سر ٹکرایا تو علیشہ کو

احساس ہوا وہ اس کے سنگ کافی آگے نکل آئی

ہے۔

"میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہئیے، ہادی لوگ

مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی۔۔!" اپنے قدم روکتی وہ

آہستگی سے بولی۔

"ڈھونڈیں گی کیوں؟؟ آپ کھوئی تو نہیں،

میرے ساتھ ہیں۔۔!"علیشہ کی جانب دیکھتا وہ

سنجیدگی سے بولا۔

"لیکن وہ نہیں جانتی ناں کہ میں آپ کے ساتھ

ہوں۔۔!"علیشہ نے اپنے بال پیچھے کرتے ہوئے

کہا۔لہروں کے شور میں شمس کی مدھم آواز اور

گہری نگاہیں۔۔جانے کیوں اسے گھبراہٹ ہو

رہی تھی۔

"ٹھیک ہے،پلٹ جائیں۔۔!" اپنی نگاہوں کا رخ

موڑتا وہ آہستگی سے بولا۔

"اور آپ۔۔؟؟" اسے مزید آگے بڑھتے دیکھ

علیشہ نے پوچھا۔

"میرا اور آپ کا ساتھ چھوٹ چکا ہے اب آپ

اپنی فکر کریں مس علیشہ۔۔!" اپنے قدموں سے

ٹکراتی لہروں کو چیرتا وہ آگے بڑھتا جارہا تھا۔

آواز مدھم تر ہو چکی تھی۔ علیشہ کو اپنے قدم

موڑنا محال لگا۔

"رات کا وقت ہے آپ آگے مت جائیں

سر۔۔!" اس کی طرف بڑھتی وہ جانے کیوں اس

کی فکر میں کہہ گئی۔ تیزی میں ایک بے چین لہر

نے شمس کے قریب پہنچتی علیشہ کے قدموں کو

زمین کی سطح سے ہلا ڈالا تھا۔اس کے قدم ڈگمگا

گئے جب اچانک شمس نے پلٹ کر اسے تھام لیا۔

"میں نے آپ سے کہا ہے ناں۔۔؟ آپ اپنی فکر

کریں۔ آپ کے پلٹ جانے سے میرے قدم

کبھی لڑکھڑا نہیں سکتے، اور خود کو دیکھیے۔ آپ

گرنے والی تھیں۔۔!"رات کی سرمئی روشنی

میں علیشہ کا تشویش زدہ چہرہ تکتا وہ سادہ سے لہجے

میں بڑی گہری بات کر گیا۔علیشہ نے پلکیں

جھپکائیں پھر پیروں سے نکلتی زمین پر اپنے قدم

مضبوطی سے جماتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

"اب اگر تھام ہی لیا ہے اور آپ کو معلوم ہو ہی

گیا ہے کہ میرے قدم آپ کا ساتھ چھوٹ

جانے پر لڑکھڑا رہے ہیں تو۔۔" مسکرا کر کہتے

ہوئے اس نے وقفہ لیا۔ شمس نے بڑی سنجیدگی

سے اپنی بھنوؤں کو سوالیہ انداز میں جنبش دی۔

"تو پھر ایک نوازش کریں اور مجھے واپس کنارے

تک چھوڑ آیئے۔ ساتھ جہاں سے شروع کیا تھا

اس کا اختتام بھی وہیں کر دیں تو اچھا ہے۔۔!"

علیشہ نے سر اونچا کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کی

تو وہ سر جھکا کر ہولے سے مسکرایا۔ پھر اثبات

میں سر ہلاتے ہوئے پلٹا۔

"آیئے۔۔!" اس کا ہاتھ تھام کر قدم واپس

موڑتا وہ نرمی سے بولا تو علیشہ اس رات کی فسوں

تیزی محسوس کرتی اس کے سنگ چلنے لگی۔وہ

اسے چند منٹوں میں کنارے تک لے آیا۔

"اوہ تو ہم خوامخواہ ہی تمہیں ڈھونڈنے میں اپنا

وقت ضائع کرتے رہے جبکہ تم نے تو بخوبی اپنے

وقت کو یوٹلائز کیا ہے۔۔!"فضہ کی سلگتی آواز پر

علیشہ نے سامنے دیکھا۔ہادیہ راحمہ اور سارہ کے

ساتھ وہ لبوں پر مسکراہٹ سجائے کھڑی تھی

البتہ آنکھوں سے پھوٹتے شرارے اس کی

اندرونی کھولن واضح کرنے کو کافی تھے۔علیشہ

ڈھیٹ پن سے مسکرائی۔

"ہاں میں گول گپے کھا رہی تھی تو سر مجھے مل

گئے، میں نے پلٹ کر دیکھا تھا لیکن تم دونوں

وہاں نہیں تھیں۔۔!"علیشہ نے بھرپور انداز

میں مسکراتے ہوئے سارہ اور فضہ کو مخاطب کیا۔

فضہ نے اس وقت کو کوسا جب وہ علیشہ کو تپانے

کے لیے سارہ کو لے کر وہاں سے غائب ہوئی

تھی۔

"اوہ۔۔ آئی سی۔۔ ہوپ سو کہ سر نے تمہاری

کمپنی انجوائے کی ہو گی۔۔!" بظاہر علیشہ سے

مخاطب ہوتی وہ شمس کو دیکھ کر بولی۔

"سر کا تو نہیں پتہ لیکن میں نے ان کی کمپنی بہت

انجوائے کی ہے۔۔!" شمس کے کچھ بولنے سے

پہلے ہی وہ فضہ کے اندر بھڑکتی آگ پر تیل

چھڑکنے کو اترا کر بولی۔

"میں چلتا ہوں۔ ہیو آ بلیسڈ نائٹ گرلز۔۔!" ان

پانچوں کو مخاطب کرتا وہ زبردستی مسکرا کر بولا۔

ان چاروں نے سیم ٹو یو کہہ کر اس کی جانب

مسکراہٹ اچھالی تھی۔ جبکہ علیشہ خاموشی سے

اسے وہاں سے جاتے دیکھتی رہی۔ گلابی لبوں پر

دھیمی مسکان تھی جسے دیکھ کر فضہ سرخ انگارہ ہو

رہی تھی جبکہ باقی تینوں کچھ حیران پریشان سی

تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

گھونٹ گھونٹ کافی حلق میں اتارتا وہ گلاس ونڈو

کے پاس کھڑا اس پار کا منظر دیکھ رہا تھا۔ دور تک

جاتی صاف شفاف سڑک پر اکا دکا افراد چلتے

پھرتے نظر آرہے تھے۔ اس کی گہری سرمئی

آنکھیں بظاہر ایک ہی منظر پر ساکت، لیکن اس

کی سوچوں کی بے قراری عیاں کر رہی تھیں۔

اس کی بے نیاز سماعتیں گھڑی کی ٹک ٹک سے

جڑی عمیر کے میسج کے منتظر تھیں۔ سر دشام

ڈھلتی جارہی تھی۔ وہ رات کی آمد سے پہلے اپنی

آنکھوں کو قرار دینا چاہتا تھا، اسی زاویے سے

کھڑے کھڑے اسے کافی دیر بیت گئی تو خالی ہو

چکا مگ ہاتھ میں لیے وہ پلٹا۔ سائیڈ ٹیبل پر مگ

پٹختے ہوئے وہ بیڈ پر بیٹھا اور بیڈ کے کنارے پڑا

اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنے سامنے کھول لیا۔ لیپ

ٹاپ آن کرتے ہی اسے عمیر کی جانب سے میل

موصول ہوئی تھی۔

"شِٹ۔۔!" وہ دانت بھینچ گیا۔ دس منٹ پہلے کی

میل تھی۔ اسے وہ دس منٹ ضائع ہو جانے پر

شدید دکھ ہوا۔ اس نے اپنا موبائل چیک کیا اس

پر عمیر کا کوئی میسج کوئی کال نہیں تھی۔ اس کی

خبر لینے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے وہ میل چیک

کرنے لگا۔ ایک منٹ سے بھی کم کے وقفے میں

اس کی آنکھوں کے سامنے لیپ ٹاپ کی سکرین

پر مہرماہ کی ڈھیروں تصاویر واضح ہوتی چلی گئیں۔

منصب کا دل ہولے سے دھڑک کر اپنی رفتار پر

واپس آیا تھا۔ نچلا لب دانتوں میں دباتے ہوئے

اس نے پہلی تصویر اوپن کی۔ سیاہ لباس زیب تن

کیے وہ اداس نظروں سے گاڑی کے باہر دیکھ رہی

تھی۔ منصب کی نگاہیں اس کے نقوش تکتی

ساکت ہونے لگیں۔ پلکوں پر بوجھ بڑھنے

لگا۔ آنکھوں میں جلن ہونے لگی لیکن آنکھیں

پلکیں جھپکانے سے انکاری تھیں۔ اس کی سیاہ

آنکھوں میں حزن وملال کی کیفیت دیکھتا وہ خود

بھی اداس ہونے لگا۔ باریک لبوں کا جوڑا باہمی

ملاپ سے خوبصورت دِکھ رہا تھا۔ وہ اپنے آس

پاس۔۔ اردگرد سب بھولنے لگا۔ ایک ایک

کر کے اس نے مہرماہ کی ساری تصاویر دیکھ ڈالیں

لیکن دل تھا کہ باز آنے کو تیار نہیں تھا۔ کسی

تصویر میں لب بھینچے تو کسی میں نور بیگم سے الجھتی

تو کہیں آنکھیں میچتی وہ ہر زاویے میں اسے اپنے

دل کے قریب بے حد قریب لگی۔ اتنی کہ اسے

وہ اپنے دل اور دھڑکنوں کے درمیان حائل

محسوس ہوئی۔ آخر کی چند تصاویر میں اس کی آنکھ

کے کنارے اٹکا آنسو دیکھ کر منصب کے دل میں

ہوک سی اٹھی تھی۔جانے کس دل سے وہ اس

لڑکی کی جدائی براداشت کرنے والا تھا مگر اتنا طے

تھا کہ وہ کسی صورت اس سے دستبردار نہیں ہو

سکتا تھا۔یونہی بار بار مہرماہ کی تصاویر دیکھتے دیکھتے

جانے اسے کتنا وقت بیت گیا جب اچانک

موبائل پر ہوتی بیل سے وہ ہوش میں آیا تھا۔

عمیر کی کال تھی۔ کال ریسیو کر کے فون کان سے

لگاتے ہوئے اس نے یونہی کھڑکی کی جانب دیکھا

تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ باہر رات اتر آئی تھی

اور آسمان کی سیاہی بتارہی تھی کہ رات گہری

ہونے کو ہے۔

"بے فیض انسان تصویریں دیکھ کر ایک تھینکس

کا میسج بھی نہیں کیا تُو نے مجھے، پانچ گھنٹے سے انتظار

کر رہا ہوں کہ کمینہ اب کال کرے گا یا اب کال

کرے گا لیکن نہیں جی۔۔کمینے صاحب تو تصاویر

دیکھتے ہی غش کھا کر بے ہوش ہو چکے ہیں

شاید۔۔!"اس کے ہیلو کہتے ہی عمیر ناراضگی سے

بولتا چلا گیا۔اس کی پوری بات میں منصب کو

"پانچ گھنٹوں "نے چونکایا تھا۔اس نے گھڑی میں

وقت دیکھا رات کے دس بجنے والے تھے۔

منصب نے پلکیں جھپکاتے ہوئے بیڈ کراؤن سے

ٹیک لگالی جیسے خود کو ہوش، دلانے کی کوشش کی

تھی۔

"پہلے توتُو مجھے سوری کرناں۔۔ میل کر کے

انفارم نہیں کرنا تھا کہ بھائی میلز چیک کر

لے۔۔؟" منصب نے بھرپور سنجیدگی سے اسے

لتاڑا۔ دوسری جانب عمیر کا منہ کھل گیا۔

"شاباشی ہے تجھے بیٹا۔۔ مطلب کہ ایک تو میں

نے اپنی ٹف روٹین میں سے وقت نکال کر پہلے

اس گھونچو ڈرائیور کو ڈرایا دھمکایا۔ کیمرہ اس کی

گاڑی میں فِٹ کیا پھر ویڈیو میں سے پکس کیپچر

کیں اور تجھے فوراً سینڈ بھی کیں۔ بجائے تھینکس

کہنے کے ایک میسج نہ کرنے پر تُو مجھے سوری بولنے

کا کہہ رہا ہے۔۔؟؟" وہ صدمے سے بے ہوش

ہونے کے قریب تھا۔ منصب کا ذہن لفظ ویڈیو پر

اٹکا۔

"ویڈیو کہاں ہے۔؟" ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوتا وہ

بولا۔

"میرے لیپ ٹاپ میں ہے۔۔!" عمیر نے

لاپرواہی سے اسے جواب دیا۔

"اور پکس۔۔؟"

"ظاہر سی بات ہے وہ بھی لیپ ٹاپ میں ہی

ہیں۔!"

"ابھی ڈیلیٹ کر عمیر۔۔ ابھی کے ابھی۔۔!" وہ

بیڈ سے اترتا بے چینی سے گویا ہوا۔

"اوہ یار۔۔ کر دوں گا۔ لیپ ٹاپ اب آفس میں

ہے اور میں ڈیوٹی پر ہوں۔۔۔!" عمیر نے اسے

مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"میں کہہ رہا ہوں ناں کہ ابھی ڈیلیٹ کر۔۔

آفس جا اور پکس اور ویڈیو ڈیلیٹ

کر۔۔!" منصب نے اس بار سختی سے اسے حکم

دیا۔

"یار اتنی بھی کیا بے اعتباری ہے۔ کہہ تو رہا ہوں

کر دوں گا ڈیلیٹ۔۔!" عمیر کچھ خفا ہوا۔

"منصب عالم شاہ کمینہ ہے اور اس کے یار بھی

کمینے ہیں۔ منصب عالم شاہ کو مہر ماہ حسین کے لیے

خود پر بھی یقین نہیں ہے تو تجھ پر کیسے کروں

عمیر۔۔؟؟؟ وہ پکس یا ویڈیو غلطی سے بھی صارم

یا عبداللہ کے ہاتھ نہیں لگنی چاہئیے۔ ابھی جا اور

وہ پکس ڈیلیٹ کر۔۔!" منصب نے گہرے سانس

بھرتے ہوئے اس پر اپنا موقف واضح کیا۔

"مون۔۔ ریلیکس۔۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ بٹ

بیلیو می، میں ڈیلیٹ کر دوں گا۔ اور صارم یا

عبداللہ سے آجکل میرا رابطہ نہیں ہے اس لیے

ان کی فکر مت کر۔ رہی بات اعتبار کی تو اگر تجھے

مجھ پر اعتبار نہیں تھا تو یار تُو پھر مجھے اس کام کے

لیے کہتا ہی نا۔۔!" عمیر نے سلجھے ہوئے انداز

میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس کی بات

سن کر وہ تھک کر وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

"میں پاگل ہو رہا ہوں عمیر۔۔مجھے لگ رہا ہے

بہت جلد سائیکو کیس بن جاؤں گا۔اس سے بے

نیاز بھی نہیں رہ سکتا اور اس کے معاملے میں اب

اپنے سائے پر بھی یقین کرنا محال ہو رہا ہے۔۔!"

وہ ہارے ہوئے انداز، میں بولا تو عمیر کو اس کی

حالت پر افسوس ہوا۔

"ہمت مت ہار منصب۔۔ایک سال کی تو بات

ہے، میں تجھے اپڈیٹس دیتا رہوں گا یار۔۔!" عمیر

نے اسے حوصلہ دینے کی اپنی سی کوشش کی

حالانکہ سب سے بڑی خبر وہ اس سے چھپائے

ہوئے تھا۔ مہرماہ اور سعد میر کے نکاح کی خبر۔۔

وہ ہر ممکن طریقے سے منصب کی مدد کرنا چاہتا تھا

لیکن مہرماہ کے نکاح کو لے کر وقار عالم شاہ خود

اس سے ملنے آئے تھے۔ اسے واضح لفظوں میں

وارن کیا تھا اور منصب کے سر پر یہ بم پھوڑ کر وہ

کم از، کم وقار عالم شاہ کک غضب کو دعوت نہیں

دے سکتا تھا۔ اب اسے سمجھانے کے ساتھ

ساتھ وہ اسے مہرماہ کے متعلق کچھ سچ اور کچھ

جھوٹ ملا کر اطلاعات دے رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦□♦

"مجھ سے محبت کرتی ہے تمہاری بیوی۔۔اور یہی

سچ ہے۔۔!" فدا اس کے مقابل کھڑا اسنگدلی سے

اعتراف کررہا تھا۔زہرہ کی رنگت ان دونوں کو

مقابل دیکھ کر زرد پڑتی جارہی تھیں۔آنکھیں رو

روکر دکھنے لگی تھیں لیکن فدا خاموش ہونے کو

تیار نہیں تھا۔

"بتاؤ زہرہ کیا یہ سچ ہے۔۔؟؟" اس کی طرف

گھومتا ولید ترش لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ زہرہ کا

دماغ سن ہو رہا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ ولید

کس طرح ایک ہی رات میں خضدار سے واپس

آ گیا۔ اور فدا کیسے اس کے بن کہے اس کے دل کا

چور جان گیا۔

"سس۔ سرکار۔۔!" اس کے لب پھڑ پھڑا کر رہ

گئے۔ آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔

"زہرہ میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔۔؟؟" ولید

پوری قوت سے چلایا تھا۔اس کی سرخ آنکھیں

زہرہ کا دل دھڑکا رہی تھیں۔

"ہاں بتاؤ اسے زہرہ۔۔بتاؤ کہ تم مجھ سے محبت

کرتی تھیں۔۔!" فدا بھی اس کی طرف گھومتا

چیخا۔

"بولو زہرہ۔۔!" وہ مزید قریب ہوا۔زہرہ کا سر

گول گول گھومنے لگا۔

"بتاتی کیوں نہیں۔۔؟؟ زہرہ۔۔؟؟" فدا اسے

پکار رہا تھا۔ ولید مرنے کو تھا۔

"بولو زہرہ۔۔؟" ولید دھاڑا۔

"زہرہ۔۔"

"زہرہ بولتی کیوں نہیں۔۔؟؟" آواز بلند ترین

ہوتی جارہی تھی۔زہرہ کو لگا وقت قضا قریب آن

پہنچا ہے۔ولید کی آنکھوں میں دہکتی بے اعتباری

کی آگ اسے جھلسائے دے رہی تھی۔

"اور تم ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔۔؟"اس کے سر پر

کھڑا وہ اس بار کچھ سختی سے پوچھ رہا تھا۔زہرہ یک

ٹک پلکیں جھپکائے بنا فدا کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔وہ

ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی۔

"کب سے جگا رہا ہوں۔طبعیت ٹھیک ہے

تمھاری۔۔؟ولید پریشان ہو رہا ہے لو اس سے

بات کرو۔۔!"فدا نے اس کے سرخ چہرے سے

نظریں ہٹاتے ہوئے اس کی طرف موبائل

بڑھایا تو زہرہ نے خوفزدہ سی ہو کر درشتگی سے

اس کا ہاتھ جھٹکا۔ موبائل دوسری چارپائی پر جا

گرا تھا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔۔؟" حیران سا ہوتا وہ

اس پر کچھ برہم ہوا۔

"نہیں ہے میرا دماغ ٹھیک۔۔پاگل ہوں میں،

پاگل ہو چکی ہوں میں اور اس کے ذمے دار

صرف آپ ہیں۔۔۔!" اپنا ضبط کھوتی وہ کمزور

آواز میں چیخی۔اس کے انداز پر فدا حق دق رہ

گیا۔

"تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔۔؟" اپنی حیرت

پر قابو پاتا وہ نرمی سے بولا۔ زہرہ کی آنکھیں

بہت تیزی سے بھیگتی چلی جارہی تھیں۔

"میرے خوابوں کو آگ آپ نے لگائی ہے

سرکار۔۔ میرے دل کو بے جان آپ نے کیا

ہے۔ آپ اس سب کے ذمہ دار ہیں۔ آپ۔۔

آپ کی محبت آپ کے بے لاپرواہی نے مجھے

کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔!" چارپائی سے اتر کر اس

کے مقابل آتی وہ روتے ہوئے چلائی۔ اس کے

اس قدر واضح اظہار پر فدا پل بھر کو سن سا ہو

گیا۔ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔

"تم ہوش میں تو ہو۔؟ کیا بکواس کیے جا رہی

ہو۔۔؟" اسے بازوؤں سے تھامتے ہوئے وہ

غرایا۔ زہرہ نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"کاش بروقت ہوش میں آجاتی تو آج مجھے اس

اذیت سے نہ گزرنا پڑتا جس سے آپ انجان

ہیں۔۔!"اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ چیخ گئی۔

بھنورا آنکھیں بخار کی تپش سے سرخ سی ہو رہی

تھیں۔

"اگر شرم نام کی کوئی چیز تم میں باقی ہے تو مزید

خرافات بکنے سے پہلے یہ ذہن نشین کرلو کہ تم

ولید کی بیوی ہو۔!" اپنے غصے پر ضبط کرتا وہ

دھیمی آواز میں چلایا تو وہ مزید بپھری۔

"ہاں تو جینے دیں ناں مجھے سکون سے۔۔کیوں

میرے خوابوں میں آتے ہیں۔۔؟کیوں مجھے

پاگل بنانے پر تُلے ہوئے ہیں کیوں میری زندگی

برباد کر رہے ہیں کیوں سرکار۔۔!"اس کا

گریبان تھام کر چیختی زہرہ کا سانس پھول گیا۔فدا

کے وجود میں دوڑتا خون ابلنے لگا۔ پیشانی پر نسیں

ابھر آئیں۔

"لگتا ہے تم ابھی تک نیند میں ہو۔ جاؤ جا کر اپنا

منہ دھوؤ اور آئینے میں اپنا چہرہ دیکھو۔ کس قدر

کریہہ دِکھ رہی ہو تم۔۔!" اس کے دونوں ہاتھ

جھٹکتے ہوئے وہ درشتگی سے بولا۔زہرہ کو دھکا سا

لگا تھا وہ لڑکھڑا کر چند قدم پیچھے ہوئی۔اس کا سر

گول گول گھوم سا رہا تھا۔

"میں آپ کو اپنی زندگی برباد نہیں کرنے دوں

گی۔۔!" زمین پر بیٹھتی وہ بڑبڑائی۔

"تم پاگل ہو چکی ہو میری طرف سے بھاڑ میں

جاؤ۔۔!" وہاں سے پلٹتا وہ غصے میں بولا۔

"میں ولید شاہ کو خود سب کچھ بتا دوں گی۔۔!"

اس کی آنکھیں بہتی چلی جا رہی تھیں۔ فدا نے

ایک تلخ نگاہ اس پر ڈالی پھر چارپائی پر الٹا پڑا

موبائل پکڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اپنے غصے

میں وہ موبائل کی چھوٹی سی سکرین پر نظر ڈالنا

بھول گیا جہاں کال ابھی بھی چل رہی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

کتابیں سینے سے لگائے وہ تیز چلنے کی کوشش میں

تقریباً اس راہداری میں بھاگ رہی تھی جس کے

اختتام میں آخری کلاس اس کی تھی۔ ہادیہ نے

اسے جگانے کی کافی کوشش کی تھی لیکن میٹھی

نیند نے اسے خوابوں میں ایسا گم کیا تھا کہ اس نے

نیند میں ہی ہادیہ کو جھڑک دیا تھا۔ جب تک وہ

مکمل طور پر بیدار ہوئی اس کا گروپ یونیورسٹی جا

چکا تھا۔ شمس کا لیکچر مس ہو جانے کی فکر میں اس

نے جلدی سے تیار ہو کر ناشتا کیے بغیر ہی

یونیورسٹی پہنچنے کی سعی کی تھی۔ تیزی سے بھاگتی

وہ ایک منٹ سے کم کے وقفے میں کلاس کے

دروازے پر پہنچی تھی۔

"مے آئی کم اِن سر۔۔؟؟" پھولی سانسوں کے

ردھم میں علیشہ کی کانپتی ہوئی آواز سن

کر، وائٹ بورڈ پر مارکر گھسیٹتے شمس نے گردن

موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ وائٹ جینز پر ہلکے

آسمانی رنگ کی فل بازوٹی شرٹ پہنے وہ گہرے

سانس لیتی مسکرا رہی تھی۔ اونچی پونی میں مقید

اخروٹی بالوں کی کچھ لمبی لٹیں کندھے پر آرہی

تھیں۔

"مے آئی۔۔؟" شمس کو خاموش نظروں سے

اپنی جانب دیکھتا پا کر علیشہ کو دوبارہ پوچھنا پڑا۔

اس کے گلابی چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے

شمس نے اپنی کلائی نگاہوں کے سامنے کی۔

"دس منٹ۔۔" گھڑی پر نظر ڈالتے شمس نے

سنجیدگی سے کہا۔

"سر دس نہیں، میں تیس منٹ لیٹ ہوں۔۔!!"

ڈھٹائی سے کہتے ہوئے اس نے دانتوں کی نمائش

کروائی۔

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں مس علیشہ۔۔ لیکچر

آف ہونے میں صرف دس منٹ باقی ہیں، بہتر

ہے کہ آپ کلاس سے باہر ہی رہیں۔۔!"

سنجیدگی سے اسے جواب دے کر وہ پھر سے

وائٹ بورڈ کی طرف رخ کر چکا تھا۔

"سر میں مینیج کر لوں گی۔ آپ مجھے اندر آنے

دیں پلیز۔۔!" بیگ دائیں سے بائیں کندھے پر

منتقل کرتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑی

کتابیں زرا سا کلاس کے اندر ہو کر پہلے بنچ پر بیٹھے

شیث کے ڈیسک پر رکھ دی۔

"مس علیشہ یہ یونیورسٹی ہے، کوئی ٹیوشن سنٹر

نہیں جہاں آپ وقت بے وقت جائیں گی اور

آپ کو ویلکم کہا جائے گا۔ سو اٹس بیٹر کہ آپ

رولز فالو کریں۔۔!" بورڈ کی جانب رخ کیے ہی

اس نے بڑے مصروف سے انداز میں اسے

جواب دیا تھا۔

"میں یہاں سے ملنے والی نہیں ہوں یہ تو آپ کو

بھی پتہ ہے ناں سر۔۔؟"علیشہ نے ہاتھ لپیٹتے

ہوئے اس بار مسکراہٹ روک کر کہا۔

"تو مت ہلیے۔۔ کھڑی رہیں ایسے ہی۔۔!" شمس

کا انداز مصروف ہی تھا۔

"مسئلہ یہ ہے سر کہ یہاں کھڑے ہو کر میری

نظریں وائٹ بورڈ کی بجائے آپ پر رہیں گی۔

ہاں اگر آپ مجھے اندر آنے کی اجازت دے دیں

تو ڈائریکٹ بورڈ پر رہیں گی۔۔!" قدرے اچک

کر اس نے اونچی آواز میں کہا تو اس کے لہجے کی

معنی خیزی پر اس بار جہاں پوری کلاس نے حیرت

سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا وہیں شمس کے

ہاتھ کے ساتھ ساتھ پل بھر کو اس کا دل بھی رکا

تھا۔لب بھینچتا وہ اس بار اس کی جانب گھوما۔

علیشہ کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ رینگ رہی

تھی۔وہ قدم قدم چلتا عین اس کے مقابل دو

قدموں کے فاصلے پر آ رکا۔

"آپ اپنی نظریں مجھ پر رکھنا چاہتی ہیں۔۔؟" وہ

ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

"نہیں، مجھے لگتا ہے کہ یہ خود ہی آپ کہ طرف

جا رہی ہیں۔۔!" اس کی ڈھٹائی عروج پر تھی۔

"اور اس کا حل کیا ہے۔۔؟" شمس کی آواز

دھیمی ہو گئی۔اس کے سوال پر علیشہ کی آنکھیں

بھی اس کے لبوں کا ساتھ دینے لگیں۔

"آپ مجھے اندر آنے دیں ورنہ جو پانچ منٹ رہ

گئے ہیں وہ بھی ایک دوسرے کو دیکھنے میں گزر

جائیں گے۔۔!" شمس کی سنہری آنکھوں میں

دیکھ کر بولتی علیشہ کی آواز بھی اس بار دھیمی

ہوئی تھی۔ شمس نے بڑے ضبط سے اپنے قدم

پیچھے موڑے تھے۔

"آجائیں۔۔!"زمین کو گھورتے ہوئے شمس نے

بے تاثر لہجے میں کہا تو وہ شان تفاخر سے مسکراتی

کلاس کے اندر داخل ہوگئی۔اس نے شیث کے

پاس سے کتابیں اٹھائیں تو غیر دانستگی میں اس

کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔لب آپس میں پیوست کیے

وہ دھواں دھواں چہرہ لیے یک ٹک اسے دیکھ رہا

تھا۔اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ وہ

ان دونوں کی گفتگو سن چکا تھا۔وہ نظریں پھیرتی

اس کے پاس سے گزر گئی لیکن شیث کی گہری سیاہ

آنکھیں اس کے ذہن میں نقش سی ہو گئیں۔وہ

جو کلاس میں آئی ہی اس لیے تھی کہ شمس کو دیکھ

سکے، اب لاسٹ بنچ پر بیٹھی غائب دماغی سے

وائٹ بورڈ کی جانب دیکھ رہی تھی جب کہ

دوسرے طلباء سے بات کرتے شمس کی نگاہیں بار

بار اسی کی جانب بھٹک رہی تھیں جس کی آنکھیں

ساکت تھیں۔ لیکچر ختم ہوا تو شمس نے اس بار

قدرے سخت نگاہوں سے اسے گھورا۔ تبھی علیشہ

کی نگاہ شمس سے ملی تھی، اس کی نظروں کی

گہرائی محسوس کرتی علیشہ کے دل نے ایک بیٹ

مس کی تھی۔ اپنی موجودہ حالت کے پیش نظر وہ

بامشکل مسکرائی تو شمس نگاہوں کا رخ بدلتا کمرے

سے باہر نکل گیا۔ جبکہ شیث تو خود کو سنبھالتا شمس

سے پہلے ہی کلاس سے جا چکا تھا۔

"تم نے تو آج چھٹی کرنی تھی ناں۔۔؟"علیشہ کی

جانب آتی راحمہ نے دھیرے سے پوچھا تو وہ

چونک گئی۔

"کس نے کہا۔۔؟ میں بس سوتے ہوئے ایک

خوبصورت خواب دیکھ رہی تھی،ٹوٹ گیا تو سوچا

چلو یونی آکر تکمیل کر لیتی ہوں۔۔!" ہادیہ اور

فضہ کو بھی اپنی جانب آتا دیکھ علیشہ نے دل

جلانے والے انداز میں کہا۔

"اوہ رئیلی۔۔ تم کہنا چاہتی ہو کہ تمہارے خواب

کی تکمیل سر شمس کا لیکچر اٹینڈ کرنے سے ہوئی

ہے۔۔؟" اس کی بات کا مطلب سمجھتی فضہ

تیوری چڑھا کر بولی۔

"بالکل نہیں۔ دراصل میں خواب میں بھی سر کو

لیکچر دیتے ہوئے ہی دیکھ رہی تھی لیکن وہ میری

طرف دیکھ ہی نہیں رہے تھے۔۔!" دھیمی آواز

میں کہتی علیشہ بنچ سے کھڑی ہو گئی۔

"خواب میں ہماری نظریں ملنے ہی والی تھیں کہ

میری نیند ٹوٹ گئی۔۔!" بے نیازی سے کہتے

ہوئے اس نے آخر میں ٹھنڈی آہ بھری۔ فضہ کا

چہرہ لال پیلا ہونے لگا جبکہ اس کی اس ڈرامیٹک

کہانی پر ہادیہ اور راحمہ نے معنی خیزی سے ایک

دوسرے کو دیکھا۔

"تو پھر۔۔؟" ان دونوں نے ایک کورس میں

پوچھا۔

"تو پھر کیا۔ میں جلدی سے یونی آگئی۔ اور تم

تینوں نے دیکھا تو ہو گا۔ سر کیسے بار بار میری

طرف دیکھ رہے تھے۔۔!" ایک ادا سے اپنے

بال پیچھے کرتے ہوئے علیشہ نے خاص طور پر

فضہ کی طرف جھکتے ہوئے کہا تو وہ جل کر راکھ ہو

گئی۔

"ہونہہ۔۔خوبصورتی۔۔اور اس پر مستزاد

عریاں خوبصورتی۔۔!" طنزیہ انداز میں کہتے

ہوئے فضہ نے اسے سر تا پیر گھورا۔ علیشہ کے

لبوں پر رینگتی مسکراہٹ پل میں سمٹی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔؟" بازو لپیٹتی وہ فوراً تلخ

ہوئی۔ فضہ کی پشت پر کھڑی ہادیہ نے اس کی کمر

میں چٹکی کاٹتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا سگنل

دیا لیکن وہ علیشہ پر شمس کی نگاہوں کا ارتکاز

محسوس کر چکی تھی سو اب خاموش رہنا اس کے

لیے ناگزیر تھا۔

"مطلب صاف ہے۔ ایک مرد کو آنکھیں سینکنے

کے لیے ہمیشہ خوبصورت پلس عریاں عورت کی

ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں ہی خوبیاں تم

میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔۔!" ٹھنڈے ٹھار لہجے

میں کہتی فضہ نے اطمینان سے اپنے بازو لپیٹ

لیے۔ اس کی بات سنتی علیشہ کا چہرہ پل میں سرخ

ہوا تھا۔

"کہنا کیا چاہتی ہو تم۔۔؟؟" رگوں میں کھولتے

خون کو قابو کرنے کی کوشش کرتی وہ دھیمی آواز

میں غرائی۔

"یار علیشہ لیو ہر۔۔ اس کو عادت ہے بکواس

کرنے کی۔۔ اگنور ہر۔۔!" اس کے بدلتے تیور

دیکھتی راحمہ نے سرعت سے اسے تھاما لیکن

علیشہ مزید بپھری تھی۔

"یہی کہنا چاہتی ہوں کہ سر شمس تو کیا کوئی بھی

دوسرا تیسرا مرد تمہاری جانب دیکھ کر اپنی

آنکھوں کو تسکین تو دے سکتا ہے لیکن۔۔۔!"

فضہ نے بنا ڈرے اس کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر کہا تو ہادیہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ

کھینچا۔

"فضہ چلو یہاں سے۔۔!" ہادیہ چلائی۔ کلاس

سے باہر نکلتے طلباء ان چاروں کی طرف متوجہ ہو

چکے تھے۔

"لیکن کیا۔۔؟؟بولو۔۔؟؟"بنچ سے باہر نکل کر

علیشہ نے فضہ کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے

پوچھا۔انداز درشت تھا۔

"بہت شوق ہے تمہیں اپنے متعلق سننے کا۔۔؟؟

ہمم۔۔؟؟"ہادیہ کا ہاتھ جھٹکتی فضہ بھی چیخی۔

"ہاں ہاں سننا ہے مجھے۔۔ بھونکو اب کیا بھونک

سکتی ہو۔۔!"علیشہ کا چہرہ لال بھبھوکا ہو چکا تھا۔

"علیشہ پلیز کول ڈاؤن۔۔!"راحمہ نے اسے

کندھوں سے تھامنے کی کوشش کی لیکن وہ اس

پل بپھری ہوئی موج بنی ہوئی تھی۔

"اوہ جسٹ شٹ اپ۔۔ بھونکنے کی عادت

تمہیں ہے مجھے نہیں یُو چیپ گرل۔۔!!" فضہ

نے بھی سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کر اسے

آئینہ دکھایا تھا۔

"گرلز پلیز سٹاپ اٹ۔۔یہ کیا کر رہی ہو تم

دونوں۔۔!!" دانیال ان کے قریب آتا پریشان

زدہ سا بولا۔

"میں کر رہی ہوں۔۔؟؟؟ میں۔۔؟ اس کی

زبان نظر نہیں آتی تمہیں۔۔!" دانیال کو پیچھے

دھکا دیتی علیشہ بری طرح چیخی۔ "سر کو

بلاؤ۔۔!" کوئی سٹوڈنٹ چلایا تھا۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم۔۔؟ میں کیریکٹر

لیس ہوں۔۔؟ میں چیپ ہوں۔۔؟ یہی کہنا

چاہتی ہو تم۔۔؟" اپنے ہاتھوں کو بامشکل کنٹرول

میں رکھے وہ فضہ سے ہنوز لفظوں سے بات کر

رہی تھی۔ ورنہ دل تو اس کا یہی چاہ رہا تھا کہ فضہ

کا منہ توڑ دے۔

"جب سمجھ ہی گئی ہو تو میرے منہ سے کیا سننا

چاہتی ہو۔۔؟ جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔۔!!" ناک

کے نتھنے پھلاتی فضہ بے خوفی سے چلائی۔ علیشہ

کی بھوری آنکھیں جلنے لگیں۔ کلاس میں چہ

مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔

"میں جتنی بھی چیپ سہی لیکن تمہاری طرح

پاک بی بی ہونے کا ناٹک نہیں کرتی، بہت اچھی

طرح جانتی ہوں تمہاری اوقات کو۔۔!"علیشہ

نے بھی دل کی کھولن اس پر انڈیلی۔فضہ کے تو

سر پر لگتی تلوؤں پر بجھی تھی۔

"اوہ رئیلی۔۔اور تمہاری اوقات کیا ہے۔۔؟

شیث کو پیچھے لگا رکھا ہے اور خود سر شمس کے

پیچھے پیچھے گھومتی پھرتی ہو۔ اور ہاں۔۔ تمہارا وہ

ایک عدد منگیتر بھی تو ہے۔ یقیناً اس کا بھی کوئی

سین ہو گا۔۔! ناک بھوں چڑھاتی فضہ نے بلند

آواز میں اپنی زہریلی رائے کا اظہار کیا تو کلاس

میں آتے شمس کے قدم اس کی گوہر فشانی پر تھم

سے گئے۔علیشہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

بھوری آنکھیں غصے اور اذیت کی شدت سے

دہکنے لگی تھیں۔پہلی بار اس کی زبان تالو سے

چپکی تھی۔وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ فضہ کے

الزامات کے بدلے اسے کیا جواب دے۔

"یُو آر اے رئیل بچ فضہ۔۔یُو آر اے بچ۔۔!"

اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی علیشہ گہرے سانس

لیتی بڑبڑائی تھی۔اس کے یوں شکست خوردہ

انداز پر فضہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"اینڈ یو آر جسٹ اے پیس آف انجوائے منٹ

فار گائز۔ کوئی مرد کبھی تم سے محبت نہیں کر

سکتا۔۔!" اس کی جانب جھکتی فضہ ایک ایک لفظ

پر زور دے کر بولی تو اپنا ضبط کھوتی علیشہ نے ایک

زور دار تھپڑ اس کے گال پر دے مارا۔ چٹاخ کی

آواز نے سرگوشیاں کرتے طلباء کی زبانوں کو

بریک لگا دی تھی۔راحمہ اور ہادیہ کو اس پل اس

کا یہ عمل، حق بجانب لگا تھا کیونکہ وہ دونوں ہی

جانتی تھیں کہ فضہ نے علیشہ کے بارے میں

جانتے بوجھتے اس پر بدکرداری کا الزام لگایا ہے۔

اس سے پہلے کہ فضہ بدلے میں علیشہ کو تھپڑ

مارتی شمس نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس کی

کلائی تھام لی۔

"کیا بدتہذیبی ہے یہ ہاں۔۔؟" اس کا ہاتھ بری

طرح جھٹکتے ہوئے شمس چلایا۔ شمس کو مقابل

دیکھ کر فضہ کی رنگت کچھ پھیکی پڑی تھی۔

"اور ابھی کیا کہہ رہی تھیں آپ۔۔؟ آپ کو

اندازہ بھی ہے مس فضہ کہ آپ اپنی اس بلیک

گیم میں مجھے بہت بری طرح گھسیٹ رہی

ہیں۔؟؟" فضہ کو ناپسندیدگی سے دیکھتا وہ غرایا تو

فضہ ہکلائی۔

"سر وہ۔۔وہ یہ علیشہ آپ کے بارے میں۔۔!"

اس کے بات پوری کرنے سے پہلے شمس نے انگلی

اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"شٹ اپ۔۔ جسٹ شٹ اپ۔۔!" وہ ایک

ایک لفظ چبا چبا کر بولا تو فضہ نے لب بھینچتے

ہوئے نگاہیں جھکا لیں۔

"اور آپ مس علیشہ۔۔ آپ۔۔!" علیشہ کی

طرف پلٹتا وہ سخت لہجے میں بولنا شروع ہی ہوا تھا

کہ جب اس کی جانب دیکھتی علیشہ کی سرخ

آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر گال پر لڑھک

آیا۔ شمس کے حلق سے نکلتے لفظ اس کے گلابی

چہرے پر پھسلتا آنسو دیکھ کر لبوں پر ہی دم توڑ

گئے۔ اس کی بھوری آنکھوں میں موٹے موٹے

آنسو چمک رہے تھے۔ سرخ اناری لب غصے اور

بے بسی کی شدت سے کانپتے اذیت میں مبتلا نظر

آتے تھے۔ شمس کا دل پل میں بے قابو ہوا تھا۔

دھڑکنوں کی رفتار تبدیل ہوئی تو اس کا لہجہ بھی

تبدیل ہو گیا۔

"آپ دونوں ابھی ایچ۔او۔ڈی کے آفس جائیں

گی۔کوئیک۔۔!"علیشہ کے چہرے سے نگاہیں

ہٹاتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ بالکل نہیں جاؤں گی۔۔!"

بے دردی سے اپنے گال رگڑتی وہ دھیمی آواز

میں بولی۔

"مس علیشہ۔۔!" شمس نے اسے کچھ کہنا چاہا

لیکن وہ راحمہ کو سائیڈ پر کرتی طلباء کے ہجوم کو

چیرتی وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

"یُو ورانگ فضہ ۔۔ تم نے بہت غلط کیا

ہے۔۔!" ملامتی نگاہوں سے فضہ کو دیکھتی راحمہ

نے آہستگی سے کہا۔

"مس فضہ میں نے آپ سے کچھ کہا ہے

شاید۔۔!" شمس نے فضہ کو سخت لہجے میں

مخاطب کیا تو وہ او کے سر کہتی کلاس سے باہر نکل

گئی۔ راحمہ اور ہادیہ بھی فضہ کے پیچھے ہی

ایچ۔ او۔ ڈی کے آفس چلی آئیں۔ انہیں وہاں

علیشہ کو درست ثابت کرنا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ" اس نے دائیں جانب

سر گھماتے ہوئے سلام پھیرا تھا۔

""السلام علیکم ورحمتہ اللہ" اس بار بائیں جانب

سلام پھیر کر اس نے چہرہ سیدھا کر لیا۔ دعا کے

لیے ہاتھ بلند کرتے ہوئے اس کی انگلیاں کپکپائی

تھیں لیکن اپنی شرمندگی سے بوجھل آنکھیں

بند کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بلند کیے تھے۔

"یا اللہ۔۔ میں تیرا گناہگار، سیاہ کار، بدکار بشر

تیری بارگاہِ بلند میں حاضر ہوتے ہوئے خود کو

شرمندہ محسوس کرتا ہوں۔۔!" اس کے لب

دھیمی سرگوشیانہ آواز میں ہلنا شروع ہوئے

تھے۔

"میرے گناہوں کا بوجھ میرے دل کو سیاہ کیے

ہوئے ہے۔یہ تاریکی ایسی ہے کہ جس میں

تیرے سامنے سر جھکاتے ہوئے مجھے محور بدل

جانے کا خوف محسوس ہوتا ہے۔۔!" وہ پلکیں

میچے ہارے ہوئے انداز میں اعتراف کر رہا تھا۔

"میرا ہاتھ تھام لے میرے رب۔۔مجھے معاف

فرما دے اللہ۔۔ مجھ پر رحم کر۔۔مجھے سکون عطا

فرما۔(آمین یارب العالمین)" چہرے پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول لیں۔

لبوں پر دھیمی مسکان در آئی۔یوں جیسے ایک

مخصوص دعا دہرا کر اس نے ایک سیڑھی اور پار

کرلی تھی جس کا سلسلہ شاید نہ رکنے والا تھا۔جاء

نماز لپیٹ کر بیڈ کنارے رکھتے ہوئے وہ خود

آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پونی میں مقید اپنے

بال کھول کر اس نے بالوں میں برش کیا پھر

انہیں کندھوں پر یونہی چھوڑ کر وہ سیدھی کلائی

میں گھڑی پہننے لگا۔ دوسری کلائی میں اپنے

مخصوص بینڈز پہن کر اس نے اپنا تنقیدی جائزہ

لیا۔ فل بازوٹی شرٹ میں اس کا جسم پہلے کی

نسبت کچھ کمزور دِکھ رہا تھا۔ منصب کے لبوں کی

مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ بازو کہنیوں تک چڑھا کر

اس نے اپنا لانگ کوٹ پہنا پھر فراخدلی سے خود

پر سپرے کا چھڑکاؤ کر کے وہ کمرے سے باہر نکل

آیا۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل لاپرواہی سے گھماتے

ہوئے وہ ریسیپشن ایریا سے گزر رہا تھا جب ایک

بار پھر اس کی نگاہ وہاں دیوار گیر آئینے پر پڑی۔

اس کے چلتے قدم رکے تھے۔ منصب نے اپنی

آنکھیں چھوٹی کیں پھر اپنا چہرہ ٹھوڑی سے تھام

کر دائیں بائیں گھمایا۔ وہ فوراً پلٹا تھا اور اس بار

لفٹ کے ذریعے واپس اپنے کمرے تک گیا تھا۔

پندرہ منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو اس بار اس کے

چہرہ پر تازہ شیو کی نیلاہٹیں تھیں۔ لاپرواہی سے

بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ ہوٹل سے باہر نکل آیا۔

غروب ہو چکے سورج کے باعث آسمان کی نیلگوں

روشنی میں چمکتے روشن ستارے آنکھوں کو خیرہ

کر رہے تھے۔ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھساتے

ہوئے وہ خاموشی سے ہلٹن سٹی سنٹر کی اس

سڑک پر چلنے لگا جس کی سفید اینٹوں پر شفاف

سطح پر قدم رکھتے ہوئے وہ خود کو پر سکون محسوس

کر رہا تھا۔ کافی دیر وہ یونہی تنہا چلتا رہا جب اچانک

اسے اپنے ساتھ کسی اور کے قدموں کی آہٹ

بھی محسوس ہوئی۔ اپنے لب سختی سے بھینچتے

ہوئے منصب نے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔

"تم میرے ساتھ ہمیشہ ایسے ہی کیوں کرتے

ہو۔۔؟" اس کے پیچھے بھاگتے وہ کچھ ناراضگی سے

بولی۔

"ہمارے درمیان لفظ "ہمیشہ" کا استعمال مت

کرو۔یہ تیسری بار ہے کہ تم میرا پیچھا کر رہی

ہو۔۔!" بنا اس کی طرف پلٹے منصب نے بے

زاری سے کہا۔ انداز صاف جتاتا ہوا تھا کہ وہ

دونوں ہمیشہ سے ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔

"ہو سکتا ہے چوتھی بار تم میرا پیچھا کرو۔۔!" وہ

جلدی سے اس کے سامنے آئی تھی۔ منصب کو

اپنے قدم روکنے پڑے۔

"مجھے نہیں لگتا کہ مجھ پر کبھی اتنا برا وقت آئے

گا۔۔!" اس کی جگ مگ کرتی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے منصب نے ناپسندیدگی سے کہا۔اس کے

جواب پر سیٹلی مسکرائی۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔۔؟کیا میں تمہیں اریٹیٹ

کرتی ہوں۔۔؟"کمر پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے سیٹلی

نے ہونٹ لٹکاتے ہوئے پوچھا۔ آنکھوں میں

شرارت چمک رہی تھی۔

"اگر میں کہوں ہاں۔۔ تو کیا تم اپنی شکل گم کر لو

گی۔۔؟" منصب نے بڑی بدلحاظی سے الٹا اسی

سے سوال کیا جس کے بدلے میں سیثلی نے زور

وشور سے نفی میں سر ہلایا۔

"بالکل نہیں، میں تمہیں مزید اریٹیٹ کروں

گی۔۔!" اس نے بڑی ڈھٹائی سے منصب کو

جواب دیا۔ اس کی بے نیازی پر منصب نے کوٹ

کی جیبوں سے ہاتھ نکالتے ہوئے آسمان کی جانب

دیکھا۔

"تمہاری پرابلم کیا ہے۔۔؟لائیک سیریسلی۔۔یا

تو تم چودہ سال کی نہیں ہو یا پھر یہ باتیں تم کسی

سے سیکھ کر آتی ہو جو کر کے تم مجھے زچ کرتی

ہو۔۔!" اپنی پیشانی مسلتے ہوئے منصب نے کچھ

حیران پریشان سا ہو کر کہا۔

"نو نو۔۔ ابھی تیرہ سال چار ماہ اور دو دن کچھ

گھنٹوں کی ہوں۔ چودہ کی ہونے میں ابھی کچھ ٹائم

ہے۔۔!" سیشلی نے مسکراتے لہجے میں اس کی

تصحیح کی تو منصب نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"واٹ ایور۔۔ ایم ناٹ انٹرسٹڈ۔۔!" بھنویں اچکا

کر ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتا وہ اسے اپنے سامنے

سے ہٹا کر آگے بڑھ گیا۔

"بٹ ایم انٹرسٹڈ۔۔!" ایک بار پھر اس کے پیچھے

لپکتی وہ چلائی۔ اس کی بے باکی پر منصب کا دماغ

بھک سے اڑا تھا۔

"واٹ۔۔ آر یو میڈ۔۔۔؟ میں تم سے بہت بڑا

ہوں۔۔!" اس کی طرف پلٹتا وہ دھیمی آواز میں

بولا۔ سیشلی ایک بار پھر مسکرائی۔

"میں تمہیں میرا بوائے فرینڈ بننے کے لیے نہیں

کہہ رہی ایڈیٹ۔۔!" ماتھے پر ہاتھ مارتی سیشلی

نے ہنستے ہوئے کہا۔ منصب کا چہرہ خفت سے

سرخ ہوا تھا۔

"تم ۔۔ تم بہت بولڈ ہو ۔۔!" وہ دانت پیستے ہوئے

بولا تو وہ کھکھلائی۔

"آئی ٹولڈ یو ناں۔۔اٹس مائے کلچر۔۔!" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا تو وہ دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجتا واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

"ارے بات تو سنو۔۔!!" وہ شاید ابھی اس کی

جان چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے اپنا مسئلہ بتاؤ

گی۔۔؟؟" وہ ٹھیک ٹھاک تپتے ہوئے بولا۔

"ناراض کیوں ہو رہے ہو، بس کچھ دیر مجھے اپنے

ساتھ رکھ لو میری ممی آنے والی ہوں گی۔۔!"

سیشلی نے اس بار کافی سنجیدگی سے کہا تو منصب

قریب ہی ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔

"آجاؤ۔۔!" بغیر کوئی سوال پوچھے منصب نے

بے تاثر لہجے میں کہا تو وہ دانتوں کی نمائش کرتے

ہوئے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ منصب اسے

نظر انداز کرتے ہوئے اپنا موبائل کوٹ کی جیب

سے باہر نکال چکا تھا۔ سیشلی بھی اس کے سنجیدہ

موڈ کے پیش نظر اس بار خاموش رہی۔ جبکہ

منصب ایک مخصوص نمبر ڈائل کرنے کے

بعد فون کان سے لگا کر کھڑا ہو گیا۔ بیل جانے

لگی۔ یہ تقریباً شام چھ بجے کے قریب کا وقت تھا۔

وہ جانتا تھا کہ پاکستان کے وقت کے حساب سے

وہ قدرے غلط وقت پر کال کر رہا ہے لیکن دل کا

کیا کرتا۔۔؟ چوتھی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی

تھی۔

"السلام علیکم۔۔" وہ ہی مدھم سریلی آواز فون

کے سپیکر سے ابھری تو منصب کا دل بے اختیار

ہوا تھا۔ پلکیں جھپکاتے ہوئے گہرا سانس لیتا وہ

قدم قدم میکڈونلڈ سٹریٹ کی جانب چلنے لگا۔

سیتلی نے کچھ حیرت سے اس کی پشت کو دیکھا جو

اسے قطعی فراموش کر گیا تھا۔ آس پاس سڑک

پر ایک نگاہ ڈال کر وہ بھی اس کے پیچھے ہی چلی

آئی جو خاموشی سے فون کان سے لگائے چلتا جارہا

تھا۔

"ہیلو کون۔۔؟کون بات کررہا ہے۔۔؟"مہرماہ

نے تیسری بار پوچھا تھا۔انداز میں جھنجھلاہٹ

تھی۔ منصب اپنے لب سیے بے بس سا بس اس

کی آواز سن رہا تھا۔

"آپ بتا رہے ہیں یا میں فون رکھ دوں۔۔؟؟"

منصب کی مسلسل خاموشی پر وہ تپ کر بولی تو وہ

فوراً بے چین ہوا۔

"کیا۔۔کیا میرا بولنا ضروری ہے۔۔؟؟" وہ بے

حد دھیمی آواز میں گویا ہوا۔اس کے پیچھے دبے

قدموں چلتی سیشلی نے اچک کر سننے کی کوشش

کی لیکن اردو زبان کی خاک بھی اس کے پلے نہ

پڑی۔

"ظاہر سی بات ہے کال آپ نے کی ہے تو بولنا

بھی آپ ہی کا ضروری ہے۔۔!" دوسری جانب

سے وہ اس بار کافی سنجیدگی سے بولی تھی۔

"میں نے کچھ کہنے کے لیے کال نہیں کی۔۔!"

منصب نے نرمی سے کہا۔مہرماہ کی آواز اس کے

اعصاب پر سکون کر رہی تھی۔

"تو پھر کیوں کی ہے۔۔؟"وہ حقیقتاً حیران ہوئی۔

"تمھیں سننے کے لیے۔۔ تم بولتی رہو میں سنتا

رہوں گا۔۔!" منصب نے بڑی عاجزی سے اپنے

کال کرنے کی وجہ اسے بتائی۔

"او ہیلو مسٹر۔۔ میں آپ کو بالکل نہیں جانتی۔

اور اگر جانتی ہوتی تب بھی میرے پاس اتنا فالتو

وقت نہیں ہے کہ آدھی رات کو آپ کو لوریاں

سناتی پھروں۔ اللہ حافظ۔۔!" اسے صاف کورا

جواب دے کر مہرماہ نے کھٹاک سے فون رکھ

دیا۔ آواز اتنی تیز تھی کہ منصب نے بے اختیار

موبائل کان سے ہٹا کر دیکھا تھا۔یوں جیسے مہرماہ

نے اس کے منہ پر کوئی دروازہ بند کیا ہو۔

"یہ کون سی زبان تھی۔۔؟" ابھی وہ حیران

پریشان سا موبائل کو ہی دیکھ رہا تھا جب اچک کر

بامشکل اس کے کندھے تک پہنچتی سیثلی نے

سرگوشیانہ پوچھا۔

"اردو۔۔!" مصروف سے انداز میں جواب دیتے

منصب نے ایک بار پھر وہی نمبر ڈائل کیا۔

"مجھے بالکل سمجھ نہیں آئی۔ویسے تم بولتے

ہوئے اور زیادہ اچھے لگ رہے تھے۔۔!" سیشلی

نے مسکراتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا تو

منصب نے لاپرواہی سے اثبات میں سر ہلایا۔

اس کی مکمل توجہ کان سے لگے موبائل کی جانب

تھی۔

"آپ کے ساتھ پرابلم کیا ہے۔۔؟ کیوں بار بار

کال کر رہے ہیں۔۔؟" اس بار وہ کال ریسیو

کرتے ہی اس پر برسی تھی۔ منصب کو اس کا

انداز بھایا تھا۔

"بتایا تو ہے، تمہیں سننا چاہتا ہوں۔۔!" منصب

نے مسکاتے لہجے میں کہا۔

"لیکن میں کسی اجنبی شخص کی چاہتیں پوری نہیں

کر سکتی مسٹر۔۔!"

"اجنبی نہیں ہوں میں۔۔!"

"تو پھر بتا دیجئے ناں کہ کون ہیں آپ۔۔؟" مہرماہ

کا لہجہ پوچھتے ہوئے بے تاثر تھا۔ منصب نہیں

جانتا تھا کہ وہ اسے سعد سمجھتے ہوئے رعایت دے

رہی ہے۔

"تمہارا دل کیا کہتا ہے۔۔؟" منصب نے نرمی

سے پوچھا۔ سیٹلی اس کے ہلتے لبوں کو بغور

دیکھتی فضا میں منڈلاتے نادیدہ مچھر مار رہی

تھی۔

"میرا دل خاموش، رہتا ہے اس کی کوئی زبان

نہیں۔ اس لیے یہ کچھ نہیں کہتا۔۔!" مہرماہ کی

آواز میں گھلی بےزاری واضح تھی۔

"تو پھر میرے دل کی سن لو۔ یہ بہت کچھ کہنا چاہتا

ہے ماہی۔۔!" اس کی آواز کے دھیمے پن میں گم

ہوتا وہ جانے کیسے اس کا نام لے بیٹھا تھا جبکہ

دوسری جانب مہر ماہ کا دل اس کے ماہی کہنے پر

ساکت سا ہو گیا۔ اس کے لیے یہ یاد کرنا بالکل

مشکل نہیں تھا کہ اس کے نام کو اس انداز میں

چھوٹا کس نے کیا تھا۔

"ماہی میری بات سنو پلیز۔۔ جو ہو چکا ہے۔۔" وہ

نرم لب و لہجے میں بول ہی رہا تھا جب وہ اس کی

بات کاٹتی بول پڑی۔

"مجھے آئندہ کال مت کرنا منصب عالم شاہ ورنہ

میں ابی جی کو بتادوں گی۔۔!" اس کی آواز کا

دھیما پن ہی نہیں اعتماد بھی غائب ہو چکا تھا۔ لہجہ

نفرت اور خوف کے باعث کپکپا اٹھا تھا۔

"میری بات تو سنو۔۔۔میں۔۔!"

"میں کہہ رہی ہوں فون مت کرنا آئندہ۔۔مجھے

نہیں سننا کچھ بھی۔۔!" وہ اپنا ضبط کھوتی بری

طرح چیخی۔ منصب کا دل اس کے لہجے کی بے

گانگی اور نفرت پر رک سا گیا۔

"ماہی پلیز۔۔!" وہ گڑگڑایا۔ اور یہ شاید اس کی

زندگی میں پہلی بار ہوا تھا ورنہ وہ لفظ "پلیز" سے

ہمیشہ غیر آشنا رہا تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ۔۔" وہ غرائی۔

"مہر کون ہے بیٹا۔۔؟" اس سے پہلے کہ وہ فون

رکھتی پیچھے سے حسین صاحب کی آواز ابھری

تھی۔

"سوئی نہیں تم ابھی تک۔۔؟" وہ مزید پوچھ

رہے تھے۔

"وہ۔۔وہ ابی جی۔۔۔پپ۔۔پتہ نہیں کون ہے۔

شاید رانگ نمبر ہے۔۔!" منصب کو اس کی بے

حد مدھم آواز سنائی دے رہی تھی۔ محبت تھی،

جنون تھا،

یادیوانگی۔۔ لیکن بہر حال وہ مہرماہ کے فون رکھنے

تک اس کی آواز سنتے رہنا چاہتا تھا۔

"لاؤ میں دیکھتا ہوں۔۔!" حسین صاحب کی

آواز سن کر منصب نے گہرا سانس لیا۔ سیٹلی اس

کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔

"دفع کریں ناں ابی جی۔۔میں۔۔!" کہتے ہوئے

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا

شاید۔ منصب خالی دل اور خالی ذہن لیے

موبائل کے سپیکر سے ابھرتی ٹوں ٹوں کی آواز

سن رہا تھا۔ جبکہ مہر ماہ یقیناً اب اپنے باپ کو رانگ

نمبر کی کوئی کہانی سنانے والی تھی۔ پل بھر کو

آنکھیں میچ کر اس نے جیسے خود پر ضبط کیا تھا۔

"ہیلو۔ اینگری مین۔ تم روتے بھی ہو۔ ؟؟"

اس کی شرٹ کھینچتے ہوئے سیشلی اس کے قریب

ہی چلائی تو منصب نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں

کھولیں۔

"یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں کسی

ڈسٹ بن میں پھینک آؤں گا۔۔!" اس کا ہاتھ

جھٹکتے ہوئے وہ شستہ انگریزی میں اس پر گرجا تو

اس کے لہجے کی سنگینی محسوس کرتی سیٹلی دو قدم

پیچھے ہوئی۔ اس کا وجیہہ چہرہ سرخ پڑتے دیکھ

سیٹلی کو خوف سا محسوس ہوا۔

"میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو؟ جسٹ گو۔۔!" وہ

اس پر دوبارہ چلایا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی پلٹ کر

وہاں سے بھاگ گئی۔ منصب نے خالی خالی

نظروں سے سیاہ آسمان کی جانب دیکھا۔ شاید اس

کے مقدر میں بھی ایسی ہی سیاہی لکھ دی گئی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

مرغے کی پہلی بانگ کی آواز سنتے ہی اس نے

کروٹ بدلی تھی۔ نرم گرم بستر پر ٹانگیں

پھیلاتے ہوئے اس نے ایک انگڑائی لی پھر

سوئے سوئے حواسوں سمیت اپنے بھاری ہوتے

سر کو سنبھالتا وہ اٹھ بیٹھا۔ ولید شاہ نے پلکیں

جھپکاتے ہوئے اپنی پیشانی پر بکھرے بال پیچھے

کیے اور غائب دماغی سے اپنے آس پاس دیکھا۔

وسیع و عریض کمرے میں نیم تاریکی کا راج تھا۔

ہوش کی دنیا میں واپس آتے ہی اسے ایک بار پھر

زہرہ سے دوری کا احساس ہوا۔ معاً اسے اپنے

موبائل کا خیال آیا تو اس نے سرعت سے پلنگ

ٹٹولا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد موبائل اس کے

ہاتھ لگ گیا۔ کال جانے کب کی کٹ چکی تھی۔

زہرہ کی بابت سوچتے ہوئے وہ ہولے سے مسکرایا

پھر موبائل تکیے کے پاس رکھ کر پلنگ سے نیچے

اتر آیا۔ قدموں تلے بچھے دبیز قالین پر قدم قدم

چلتا وہ کھڑکی کی طرف آگیا جس پر گرے بھاری

پردے سرکاتے ہی ٹھنڈی ہوا کے ایک منہ زور

جھونکے نے اس کے بال پھر سے بکھیر دیے۔

ابھی آسمان پر تاریکی کا ہی راج تھا جس کے

سرمئی پن میں اکادکا تارے ٹمٹماتے اس کے دل

کے تار چھیڑ رہے تھے۔وہ جانتا تھا کہ فجر کا وقت

قریب ہی ہے۔زہرہ سے بات ہو جانے کے

باوجود جانے کیوں اس کے دل میں میٹھی سی

چبھن ہلکورے لے رہی تھی وہ نماز ادا کرنے کی

غرض سے اس کمرے سے باہر نکل آیا جو میر

عالمزیب مینگل کی حویلی کے مہمان خانے کا حصہ

تھا۔ کمرے سے آگے چھوٹا سا بر آمدہ تھا جس

کے آخر میں باتھ روم تھا۔ سردی اپنے عروج پر

تھی ہاتھوں کو آپس میں رگڑ تا وہ اس جانب آ

گیا۔ جب تک وہ وضو کر کے واپس کمرے میں آیا

مؤذن کی آواز خضدار کے علاقوں میں گونجنے لگی

تھی۔ ڈھونڈنے کے باوجود بھی جب اسے جاء

نماز نہ ملی تو اس نے پلنگ کے سرہانے تہہ شدہ

اپنی گرم شال کھول کر زمین پر بچھالی۔ نماز فجر ادا

کرتے ہوئے اس کے دل کی بے چینی بڑھتی

رہی۔ اپنے گناہ کا ادراک ایک بار پھر اس کی

آنکھیں نم کر گیا تھا۔ خدا کے حضور اس خاموش

وقت میں سر جھکاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر

گڑگڑا کر بے اختیاری میں کیے گئے اپنے اس گناہِ

کبیرہ کی معافی مانگی تھی جس کے باعث اسے

زہرہ ملی تھی۔کافی دیر سجدے میں ہی سر جھکائے

وہ نم آنکھوں کو بند کیے بھیگی ہوئی آواز میں

بڑبڑاتا رہا، پھر جب سیدھا ہوا تو اس کے سرخ

چہرے پر ایک دھیمی مسکان تھی۔زمین پر بچھی

شال جھاڑ کر کندھوں پر ڈالتے ہوئے وہ کمرے

سے باہر نکل آیا۔ طلوع ہوتے سورج کی دھیمی

کرنیں مینگل گاہ کے صحن میں پھیلتی برآمدے

تک جھانک رہی تھیں۔ صحن کنارے دیواروں

کے ساتھ بلند ہوتے امرود کے درخت آنکھوں

کو فرحت بخش رہے تھے۔وہ چھوٹے چھوٹے

قدم اٹھاتا برآمدے سے گزر کر صحن میں آگیا۔

"سلام صاحب۔۔جگ (جاگ) گئے

آپ۔۔؟؟"ھاتھ میں پودوں کو پانی دینے والا

برتن پکڑے وہاں آتا مالی ہشاش لہجے میں بولا تو

ولید اس کی جانب گھوما۔

"وعلیکم السلام۔۔ ہمم۔۔ بہت خوبصورت نیند

آئی یہاں۔۔!" ولید نے مسکرا کر اسے جواب دیا

تو وہ اثبات میں سر ہلاتا چھوٹے بڑے درختوں کو

پانی دینے لگا۔

"یہاں کی گرمیاں جتنی ظالم ہیں، سردیاں اتنی

ہی رحم دل اور خوبصورت ہیں صاحب۔۔راتیں

لمبی اور دن مدھم ہوتے ہیں۔۔!" اپنا کام تندہی

سے کرتا وہ مطمئن سے لہجے میں اسے آگاہ کر رہا

تھا۔ جبکہ اس غریب شخص کے اس قدر مطمئن

انداز پر ولید کو کچھ حیرت ہوئی۔ شفاف پانی سے

سیراب ہوتے سبز پتے نکھرتے چلے جا رہے

تھے۔

"لیکن تمہیں تو پریشانی ہوتی ہو گی ناں۔۔؟

سردیوں میں ٹھنڈا پانی اور حرارت کی

قلت۔۔؟" اسے ہلکا سا سویٹر زیب تن کیے دیکھ

ولید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"پریشانی ہوتی تھی صاب لیکن جب سے میری

گھر والی اندر حویلی میں ملازم ہوئی ہے تب سے

زندگی آسان ہو گئی ہے۔ میر صاب نے کوارٹر

دیا ہوا ہے شکر ہے اللہ پاک کا، انگیٹھی بھی ہے

اور پہننے اوڑھنے کو گرم کپڑے بھی۔۔!" وہ اپنے

حال میں مست بڑے مطمئن سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"ہمم۔۔۔ ایندھن کی کمی نہیں ہوتی کبھی۔۔؟"

ولید نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔

"ہوتی ہے ناں صاحب۔۔ لیکن میں سوچتا ہوں

مہینے کے بیس دن جب آرام سے گزر جاتے ہیں

تو آخری دس دنوں میں صبر کرنا کچھ برا نہیں۔

دس دن تنگی دینے والا خدا بیس دن سکھ بھی تو

دیتا ہے۔ کرم ہے اس مالک کا ہمارا گلہ کرنا تو بنتا

ہی نہیں۔۔!" عام سے لہجے میں بولتا وہ عام سا

شخص بڑی خاص بات کر رہا تھا۔ولید شاہ نے کچھ

چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا جس کے

چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔ولید کو اندازہ ہوا

کہ وہ ادھیڑ عمر مالی سکون کے معاملے میں اس کی

نسبت زیادہ امیر ہے۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو مالی۔۔ لیکن صبر کرنا ہر

بشر کے بس کی بات بھی نہیں۔۔!" رشک بھری

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ولید نے نرمی

سے کہا تو مالی دھیرے سے ہنسا۔

"بشر اور بشرِ مومن کے مابین یہی تو فرق ہے

صاب جی۔۔ایک بشر، مومن تب ہی کہلاتا ہے

جب وہ صبر کرتا ہے۔ورنہ پھر ہم مسلمانوں میں

اور کافروں میں بھلا کیا فرق رہ جاتا ہے۔۔؟؟"

خالی ہو چکا برتن صحن میں ایک جانب لگے نلکے

کے نیچے رکھتے ہوئے وہ بڑی بردباری سے بول رہا

تھا۔ولید کا دل اس شخص کی جانب لپکنے لگا۔

"فرق ہے مالی۔۔ ہم اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور

کافر، وہ تو اللہ کے وجود سے انکاری ہیں۔۔!" اس

کے پیچھے بڑھتے ہوئے ولید نے اس پر اپنا موقف

واضح کیا تو برتن میں پانی بھرتے مالی نے پلٹ کر

اسے دیکھا۔ وہ ایک بار پھر مسکرایا۔

"اللہ پر یقین ہو، اور اس کی دی گئی آزمائشوں پر

صبر نہ ہو۔ تو پھر ایسے یقین کا اللہ کیا کرے گا

صاب جی۔۔؟ منہ پر نہ مارے گا وہ۔۔؟ کہے گا

نہیں کہ او بندے جب یہ کیسا یقین ہے جس نے

تجھے میری دی آزمائش پر صبر نہ

سکھایا۔۔۔!!!" پانی سے بھرا برتن دوبارہ

اٹھاتے ہوئے وہ قدرے جوش بھرے انداز

میں بولا۔ ولید پل بھر کو خاموش ہو گیا۔

"مجھ کملے کا دل تو یہی کہتا ہے کہ فضل دین اگر جو

اللہ پر یقین کیا ہے تو اس سے رحمت کی امید بھی

رکھ۔ جب اس کی انگلی تھام ہی لی ہے تو راستے

میں آنے والی تکلیفوں پر چیخ چیخ کر واویلا نہ کر۔

چیخے گا، روئے گا تو انگلی چھوٹ جائے گی۔ اور

مجھے اللہ کا ساتھ چھوٹ جانے سے بڑا ڈر لگتا ہے

صاحب جی۔۔ بڑا خوف آتا ہے۔۔!" دھیمے لہجے

میں بولتے بولتے اس مالی کی آواز گلوگیر ہو گئی تو

ولید نے گہرا سانس لیتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

وہ اس شخص کے خوف پر حیران نہیں ہوا تھا

لیکن اسے رشک بھری نظروں سے ضرور دیکھا

تھا۔ اسے کوئی عام شے کھو جانے کا خوف نہیں

تھا۔ بالکل نہیں تھا۔ وہ کائنات کے زرے زرے

سے لے کر ہر بڑی شے تخلیق کرنے والے خالق

کے ساتھ کے لیے فکر مند تھا۔ ولید بڑی مشکلوں

سے مسکرایا۔

"تمہاری باتیں خوبصورت ہیں۔۔!" ولید نے

اسے سراہا۔

"اس کا دل بھی خوبصورت ہے۔۔!" پیچھے سے

آتی مردانہ آواز پر ولید نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ میر

عالمزیب کا چچازاد میر شاہنواز مینگل تھا۔

"ہاں بالکل۔۔ جس دل میں رب کائنات رہتا ہو

وہ خوبصورت ہی ہو سکتا ہے۔۔!" ولید نے اس

کے بات کی تائید کی۔ اس کی بات پر شاہ نواز نے

اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کا ناشتا تیار ہے۔۔ آ جائیں۔۔!" شاہ نواز

مینگل نے مسکرا کر کہا تو ولید اسی مالی کی طرف

پلٹا۔

"مجھے ناشتے کے بعد بیلا کے لیے نکلنا ہے، واپس

آکر میں تم سے دوبارہ ملنا چاہوں گا مالی۔۔!" ولید

نے نرمی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"اللہ نے چاہا تو ضرور۔۔!" مالی نے خوشدلی سے

جواب دیا تو اثبات میں سر ہلاتا ولید کچھ سوچتے

ہوئے میر شاہ نواز کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ

گیا۔ناشتے کے بعد وہ ظفر خان سے ملاقات کے

لیے بیلا کی جانب محو سفر ہو گیا جو ان کے کاروبار

کے لیے مالی طور پر شاید میر عالمزیب مینگل سے

بہتر ثابت ہو سکتا تھا۔مالی کی باتیں اس کے ذہن

میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ زہرہ کا خیال اس کے

ذہن سے محو ہو گیا تھا۔ سورج چڑھ چکا تھا، دن کی

روشنی ہر جانب پھیل چکی تھی۔ تحصیل وڈھ کی

جانب جاتے ریجنل کو آپرین ہائی وے پر نارمل

رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے اس کا دماغ اس پل

ہر طرح کی سوچ سے مبرا تھا جب اس کے

موبائل پر بجتی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ کال سید

ذوالفقار عالم شاہ کے منشی کی جانب سے تھی۔ وہ

جانتا تھا کہ اس نے منشی سے کس بارے میں

اطلاع دینے کے لیے کہا تھا۔ کال ریسیو کر کے

اس نے فون کان سے لگایا اور خبر اس کی توقع کے

عین مطابق تھی۔ سید ذوالفقار عالم شاہ زہرہ اور

مائی کرماں کو ان کے آبائی گاؤں واپس بھیجنا

چاہتے تھے۔ کال کاٹتے ہی اس نے فدا کا نمبر

ڈائل کیا تھا لیکن بے سود۔ بیل جاتی رہی لیکن

کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ گزشتہ

رات فدا کے موبائل سے زہرہ اس سے بات

کرتی رہی تھی۔ تو کیا موبائل ابھی تک اسی کے

پاس تھا۔۔؟؟؟ سوچتے ہوئے اس نے کلائی میں

بندھی گھڑی پر نظر ڈالی جو صبح کے آٹھ بجا رہی

تھی۔ دن کے اس وقت زہرہ اور فدا دونوں ہی

جاگ جایا کرتے تھے تو پھر۔۔۔؟؟ ولید کی توجہ

ایک بار پھر زہرہ کی جانب مبذول ہو چکی تھی۔

اس کی فکر میں ولید کا دل بھاری ہونے لگا تھا۔

دسویں کال پر بھی جب فدا نے کال ریسیو نہ کی تو

مجبوراً اس نے لینڈ لائن نمبر پر کال کی تھی اور

نتیجتاً پانچ منٹ سے بھی کم کے وقفے میں فدا

دوسری جانب موجود تھا۔

"تمہارا موبائل کہاں ہے۔۔؟ کب سے کال کر

رہا ہوں ریسیو کیوں نہیں کی۔۔؟؟" اس کے ہیلو

کہتے ہی شفاف سڑک پر نگاہیں جمائے وہ سنجیدگی

سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ تمہاری بیگم کے پاس ہی ہے میں تو ابھی ناشتا

کر کے فری ہوا ہوں۔اسی کے پاس جا رہا تھا

بس۔۔!" فدا نے پیشانی کھجاتے ہوئے اطمینان

سے کہا۔

"اوکے پھر جاؤ اور مجھے کال کرو فدا۔ ایک

ضروری بات کرنی ہے۔۔!" ولید کی آواز میں

فکر مندی کا عنصر شامل تھا۔

"سب خیریت تو ہے ناں ولی۔۔؟" فدا نے آس

پاس دیکھتے ہوئے پوچھا۔ انداز معائنہ کرنے والا

تھا جیسے اسے کسی کے دیکھ لینے کی تشویش ہو۔

"خیریت نہیں ہے ناں۔۔ تم اپنے نمبر سے کال

کرو مجھے۔۔!" ولید نے اسے عجلت میں کہا تو فدا

نے اوکے کہہ کر کال کاٹ دی۔مائی کرماں کی

کچن میں موجودگی کا اطمینان کرکے وہ سیدھا ان

کے لیے مختص کمرے کی جانب آگیا تھا۔دو تین

بار دستک دینے کے بعد بھی جب اسے اندر سے

کوئی آواز نہ آئی تو فدا نے آہستگی سے دروازہ

کھولا اور اندر جھانکا۔ وہ سامنے ہی چارپائی پر لحاف

میں لپٹی گٹھری بنی سو رہی تھی۔ فدا کو عجیب تو

لگا لیکن مجبوراً اسے اندر آنا پڑا۔ کھڑکی کے ٹوٹے

پٹ کھلے ہوئے تھے جن سے جھانکتی سورج کی

روشنی نے کمرے میں اجالا کر رکھا تھا۔

"زہرہ۔۔؟ کیا تم سو رہی ہو۔۔؟" فدا نے

دھیرے سے اسے پکارا۔ جس پر مطلق اثر نہ ہوا

تھا۔ وہ گہرا سانس لیتا اس کی جانب بڑھا۔

"زہرہ۔۔؟" ایک بار پھر سے اسے پکارا تھا لیکن

بے سود۔۔ مجبوراً فدا نے اس کے آس پاس نگاہ

دوڑائی تھی۔ اسے زہرہ کے تکیے کے پاس اپنا

موبائل پڑا نظر آ گیا تھا۔ شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے

اس نے موبائل لیا اور کمرے سے باہر نکلتے ہی

ولید کو کال ملائی۔ اور ولید جو پہلے ہی اس کی کال کا

منتظر تھا اس نے فوراً فدا کی کال ریسیو کی تھی۔

"فدا میری بات سنو۔۔!" سٹئیرنگ وہیل

سنبھالتے ہوئے ولید نے پریشانی کے عالم میں

کہا۔

"میں سن رہا ہوں ولی مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔۔؟"

کمرے کے باہر ہی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے

فدا نے نرمی سے پوچھا۔

"بابا سرکار مائی کرماں اور زہرہ کو واپس گوٹھ بھیج

رہے ہیں لیکن فدا۔۔ مسئلہ ان کی واپسی کا نہیں

ہے۔ بابا نے ان دونوں کا ایکسیڈنٹ پلان کیا

ہے۔ وہ زہرہ کو مارنا چاہتے ہیں۔۔!" پلکیں جھپکا

جھپکا کر اپنی آنکھوں میں آتی نمی پیچھے دھکیلتے

ہوئے ولید نے بڑی مشکلوں سے کہا۔ جبکہ اس کی

بات سن کر فداٹیک چھوڑ تا سیدھا ہو گیا۔

"تم جانتے بھی ہو تم کیا کہہ رہے ہو ولید۔۔؟ تایا

سرکار اتنے ظالم کبھی نہیں ہوسکتے۔۔!" ناچاہتے

ہوئے بھی فدا کی آواز بلند ہوگئی۔ ولید نے ایک

گہرا سانس خارج کیا۔

"فدا میں ان کو بہت اچھے سے جانتا ہوں تمہیں

کچھ نہیں پتہ۔۔!" ولید کا سر بھاری ہونے لگا تھا۔

اسے لگ رہا تھا جیسے وہ گاڑی ڈرائیو نہیں کر پائے

گا۔

"کیا نہیں پتہ یار۔۔باپ ہیں وہ تمہارے۔۔تم یہ

سوچ بھی کیسے سکتے ہو کہ وہ کسی کا قتل کروائیں

گے۔۔۔!"فدا کی حیرت یقینی تھی۔

"ہاں وہ میرا باپ ہے، اسی لیے کہہ رہا ہوں مار

دیں گے وہ اسے اور یہاں میں مر جاؤں گا

فدا۔۔!"کانپتے ہاتھ سے سٹئیرنگ وہیل تھامے

ہوئے ولید چلایا۔اس کی یقین بھری آواز سن کر

فدا کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔

"تو تمہیں یقین ہے۔۔؟"فدا نے دکھ بھری

آواز میں پوچھا۔

"اس میں شک کہ کوئی گنجائش نہیں ہے۔۔!"

ولید کی آواز بھاری ہونے لگی تھی۔ فدا کا دل اس

کے لیے دکھنے لگا۔

"میں اسے کچھ نہیں ہونے دوں گا ڈونٹ

وری۔۔!" فدا نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش

کی۔

"اسے کچھ ہونا بھی نہیں چاہئیے۔ میں بس یہاں

سے واپس آرہا ہوں۔۔ تم تم۔۔ وعدہ کرو

میرے واپس آنے تک تم اس کی حفاظت کرو

گے۔۔!!" ایک پل میں فیصلہ کرتے ولید نے

بے تابی سے کہا۔

"ولی تمہیں واپس آنے کی ضرورت نہیں ہے مجھ

پر یقین رکھو۔میں مینیج کرلوں گا۔۔!"فدا نے

اسے سمجھایا۔

"میں یہاں مزید نہیں رک پاؤں گا فدا۔۔وہ

بیوی ہے میری یار۔۔میری ذمہ داری ہے۔۔

اور۔۔اور میرا بچہ۔۔۔!"ولید کا لہجہ سسکنے لگا

تھا۔۔یوں جیسے وہ خود کو بامشکل رونے سے

روکے ہوا تھا۔

"میرے بچے کو کچھ نہیں ہونا چاہئیے فدا۔۔میں

بس واپس آرہا ہوں، میں بابا سرکار کو بتادوں گا

کہ زہرہ میری بیوی ہے۔۔!" گاڑی موڑتے

ہوئے ولید نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"یار ولید پلیز حوصلہ کرو۔۔میں تمہاری زہرہ

سے بات کروادیتا یوں ہمت مت ہارو۔۔میں کہہ

رہاہوں ناں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔!" فدا

نے نرمی سے کہتے ہوئے گردن موڑ کر کمرے

کے اندر جھانکا۔زہرہ ہنوز سو رہی تھی۔ولید کی

آنکھیں دھندلانے لگی تھیں۔سڑک پر نگاہیں

جمائے اس نے آس پاس دیکھتے ہوئے نچلا لب

دانتوں میں دبالیا۔زہرہ کو کھو دینے کے خوف

نے اسے سب بھلا دیا تھا۔ فدا نے کمرے میں

داخل ہوتے ہی اس بار زہرہ کو اونچی آواز میں

پکارا۔

"تم اس سے بات کرو اور اسے سمجھا دینا۔ اسے

بھی حوصلہ دو اور خود بھی ہمت کرو یار۔۔ جتنی

زندگی اللہ نے لکھ دی ہے اسے چھیننا کسی انسان

کے بس میں نہیں ہے۔۔!" زہرہ کے سر پر پہنچتے

ہوئے فدا نے دھیمی آواز میں ولید کو سمجھایا۔

"موت اٹل ہے لیکن، میں جانتے بوجھتے تو اسے

مرنے نہیں دے سکتا ناں فدا۔۔!" ولید نے

ہارے ہوئے انداز میں کہا۔

"اگر اللہ نے چاہا تو میں زہرہ کو کچھ نہیں ہونے

دوں گا ولید۔۔ میرا یقین کرو۔۔!" فدا نے

مضبوط لہجے میں کہا۔

"زہرہ اٹھ بھی جاؤ یار۔۔۔!" زہرہ کو ٹس سے

مس نہ ہوتے دیکھ فدا نے موبائل کان سے ہٹا کر

اس بار اسے کندھے سے ہلایا تھا۔

"اس کی طبعیت تو ٹھیک ہے۔۔؟ ابھی تک کیوں

سو رہی ہے۔۔؟" ولید کی پریشانی میں اضافہ ہوا

تھا۔

"مجھے لگتا ہے طبعیت ہی خراب ہے۔ ورنہ یہ

روزانہ ناشتے کے وقت موجود ہوتی

ہے۔۔!"زہرہ کو کروٹ بدلتے دیکھ فدا نے

چارپائی سے تھوڑا دور ہوتے ہوئے کہا۔

"اٹھ جاؤ میں کافی دیر سے تمہیں جگانے کی

کوشش کر رہا ہوں۔۔!" اسے مندی مندی

آنکھوں سے اپنی جانب دیکھتے ہوئے فدا نے

کہا۔

"اگر طبعیت ٹھیک نہیں ہے تو اسے سونے دو

فدا۔۔بس تم ہوشیار رہنا۔میں بھی واپس آرہا

ہوں۔۔!" ولید نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس

بار قدرے تحمل سے کہا تھا۔

"جس کام کے لیے گئے ہو وہ تو رک جائے گا

ناں۔ پھر تایا سرکار تم سے ناراض ہوں گے۔۔!"

فدا نے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"اور تم ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔۔؟" زہرہ کی جانب

متوجہ ہوتے ہوئے فدا نے اس بار کچھ سختی سے

پوچھا۔ جو یک ٹک پلکیں جھپکائے بنا فدا کا چہرہ

دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی۔

"اسے ڈانٹو مت فدا۔۔!" فدا کی آواز میں سختی

محسوس کرتے ولید نے اسے ٹوکا۔ اس کے تفکر

پر فدا نے سر جھٹکتے ہوئے زہرہ کے سامنے ہاتھ

لہرایا۔

"کب سے اٹھا رہا ہوں۔ طبعیت ٹھیک ہے

تمہاری۔۔؟ ولید پریشان ہو رہا ہے لو اس سے

بات کرو۔۔!" فدا نے اس کے سرخ چہرے سے

نظریں ہٹاتے ہوئے اس کی طرف موبائل

بڑھایا تو زہرہ نے خوفزدہ سی ہو کر درشتگی سے

اس کا ہاتھ جھٹکا۔ موبائل دوسری چارپائی پر جا

گرا تھا۔ ولید کو کھٹکے کی معمولی سی آواز آئی تھی۔

"واٹس رانگ۔۔ سب ٹھیک تو ہے۔۔؟" وہ

سیٹ سے ٹیک چھوڑتا سیدھا ہوتا بولا تھا لیکن

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

اسے دوسری جانب سے فدا کی برہم سی آواز

سنائی دی تھی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔۔؟" وہ یقیناً زہرہ سے

مخاطب تھا۔اس سے پہلے کہ ولید فدا کو پھر سے

پکارتا زہرہ کی تلخ آواز نے اسے حیران کر دیا تھا۔

"نہیں ہے میرا دماغ ٹھیک۔۔پاگل ہوں میں،

پاگل ہو چکی ہوں میں اور اس کے ذمے دار

صرف آپ ہیں۔۔۔!"اس کے لہجے میں خوف

کی آمیزش تھی۔ولید کو سمجھ نہ آئی کہ زہرہ کی

بات کا مقصد کیا ہے۔

"تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔۔؟" فدا کی آواز

ولید کی حیرت کی عکاسی کر رہی تھی۔شاید فدا

بھی زہرہ سے ایسے کسی جواب کی توقع نہیں کر رہا

تھا۔

"فدا تمہیں میری آواز آرہی ہے۔۔؟ یہ کیا ہو

رہا ہے۔۔؟" گاڑی کی سپیڈ کم کرتے ہوئے ولید

نے بے تابانہ پوچھا لیکن جواب میں فدا کی جانب

سے مکمل خاموشی تھی البتہ زہرہ کی دل چیرتی

آواز فون کے سپیکر سے ابھرتی چلی جارہی تھی۔

"میرے خوابوں کو آگ آپ نے لگائی ہے

سرکار۔۔ میرے دل کو بے جان آپ نے کیا

ہے۔ آپ اس سب کے ذمہ دار ہیں۔ آپ۔۔

آپ کی محبت آپ کے بے لاپرواہی نے مجھے

کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔!" اس کے اس قدر واضح

اظہار پر ولید کو اپنا دماغ سائیں سائیں ہوتا محسوس

ہوا۔ دل ایک دم شدتوں سے دھڑکا تھا۔

"تم ہوش میں تو ہو۔؟ کیا بکواس کیے جارہی

ہو۔۔؟" فدا کی برہم آواز سن کر ولید کا تنفس تیز

ہو رہا تھا۔ پیڈل پر رکھا اس کا پاؤں اپنا دباؤ کھورہا

تھا۔زہرہ کی آواز اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل

رہی تھی۔

"کاش بروقت ہوش میں آجاتی تو آج مجھے اس

اذیت سے نہ گزرنا پڑتا جس سے آپ انجان

ہیں۔۔!"ولید نے اذیت سے جلتی اپنی آنکھوں

کی پلکیں جھپکائیں۔ فدا کی آواز کسی ہتھوڑے کی

مانند اس کے دماغ میں ضرب لگا رہی تھی۔ شاید

وہ زہرہ کی زہر آلود گفتگو کے باعث ولید کی کال

پر موجودگی بھول گیا تھا۔

"اگر شرم نام کی کوئی چیز تم میں باقی ہے تو مزید

خرافات بکنے سے پہلے یہ ذہن نشین کرلو کہ تم

ولید کی بیوی ہو۔!" فد ااس کی بیوی کو شرم

دلانے کی کوشش کر رہا تھا جو شاید آج اس کی

سانسیں چھین لینے کے درپر تھی۔

"ہاں تو جینے دیں ناں مجھے سکون سے۔۔ کیوں

میرے خوابوں میں آتے ہیں۔۔؟ کیوں مجھے

پاگل بنانے پر تُلے ہوئے ہیں کیوں میری زندگی

برباد کر رہے ہیں کیوں سرکار۔۔" اس کی آواز

بھیگ چکی تھی۔ ولید کے سامنے وہ تمام مناظر

گھومنے لگے تھے جن میں زہرہ اس سے دامن

بچانے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

"لگتا ہے تم ابھی تک نیند میں ہو۔ جاؤ جا کر اپنا

منہ دھوؤ اور آئینے میں اپنا چہرہ دیکھو۔ کس قدر

کریہہ دِکھ رہی ہو تم۔۔!" فداصدمے سے پاگل

ہونے کو تھا اور ولید۔ولید شاہ کو اپنے آس پاس

زلزلوں کے آثار محسوس ہو رہے تھے۔ گاڑی

اپنا توازن کھو رہی تھی۔ولید شاہ کے آس پاس

دھماکے ہو رہے تھے۔ فدا کی آواز ابھی بھی

فون کے سپیکر سے ابھر رہی تھی لیکن وہ سمجھنے

سے قاصر ہو رہا تھا۔

"میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔۔!" فدا اس کی

بیوی کو بھاڑ میں جھونک رہا تھا جو فدا کی محبت میں

مبتلا تھی۔بھاڑ میں جانے کا مقام تو ولید شاہ کے

لیے تھاناں۔۔؟؟اس کی آنکھوں کے سامنے

تیزی سے چھاتی دھند نے سامنے کا منظر بھگوڈالا

تھا۔ولید کو لگا اگر اب اس نے گاڑی کو بریکس نہ

لگائے تو وہ ضرور ایکسیڈنٹ کروابیٹھے گا۔خود کو

سنبھالنے کی ناکام کوشش میں اس نے گاڑی

روکنے کو سڑک کے ایک جانب کی تبھی اسی

جانب موڑ سے آتی گاڑی دیکھ کر اس نے جلدی

میں گاڑی کو دوسری جانب موڑا۔ یہ اس کی

بد قسمتی ہی تھی کہ پیچھے سے آتی بس نے اس کی

گاڑی کو ہِٹ کیا تھا نیتجتاً اس کی گاڑی سڑک کی

دوسری جانب، کھائی والی سمت مڑتی دودوا ینٹیں

رکھ کر بنائے حفاظتی بندھ کو توڑتی نیچے کی جانب

الٹتی چلی گئی۔ زہرہ کو کھو دینے کے خوف نے

اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا یہ موت کو اپنے

سامنے دیکھ کر اسے سمجھ آ گیا تھا۔ اپنی زندگی

بچانے کی آخری کوشش کے طور پر اس نے اپنی

جانب کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔

قلابازیاں کھاتی گاڑی سے باہر گرتے ہوئے جب

اس کا سر ایک نوکیلے پتھر پر جا کر لگا تو اس کے

زخم زخم ہوتے وجود کو اپنا سر دو حصوں میں بٹتا

محسوس ہوا۔ اس کا جسم ڈھلوانی سطح پر قلابازیاں

کھاتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی مالی فضل دین سے

ملاقات کرنے کی تمنا، تمنا ہی رہ گئی تھی۔ بند

ہوتی آنکھوں سے ٹوٹتے آنسوؤں کی اذیت سے

اس پل اس کا دل واقف تھا جس کی دھڑکنیں تھم

چکی تھیں۔اس کا بے جان ہو چکا وجود نیچے، مزید

نیچے گرتا چلا گیا تھا۔اس کھائی کی گہرائیوں میں

بہتے سرد ترین پانی میں ولید شاہ کے وجود نے

کہیں چھپاک کی ایک تیز آواز پیدا کی تھی۔نیلا

شفاف پانی خون کے سرخ رنگ سے گدلا ہوتا چلا

گیا۔ ایک کمی کمین ملازمہ، زہرہ کی محبت میں

غرق سید ذوالفقار عالم شاہ کے لاڈلے کو شاید کفن

بھی نصیب نہیں ہونے والا تھا۔

❤□❤□❤□❤□❤□

"آپ کو پندرہ دن کے لیے سسپینڈ کیا گیا

ہے۔!!" اس کے سامنے میز پر سلپ پٹختے ہوئے

سر شہزاد نے بے تاثر لہجے میں کہا تو وہ چپ چاپ

سلپ مٹھی میں جکڑ کر سٹاف روم سے باہر نکل

آئی۔ وہ کل والے فساد کے بعد یونیورسٹی سے ہی

چلی گئی تھی کیونکہ بہر طور وہ اُس وقت کسی کا بھی

سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ فضہ کو تو کل ہی

سسپینڈ کر دیا گیا تھا، ہادیہ راحمہ اور سارہ نے اس

کی دل جوئی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن علیشہ

بے تاثر چہرہ لیے خاموش بیٹھی رہی تھی۔ اور

آج یونی آتے ہی اسکے کلاس میں جانے سے پہلے

ہی سر شہزاد نے اسے سٹاف روم میں بلا لیا تھا۔ وہ

بنا کوئی سوال جواب کیے خاموشی سے سلپ مٹھی

میں دبائے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے عقبی حصے میں

چلی آئی تھی۔ موسم کی خنکی اپنے عروج پر تھی

لیکن علیشہ کے اندر جلتے بھانبھڑ اسے سردی سے

بے نیاز کیے ہوئے تھے۔ وہ چپ چاپ گراؤنڈ

کے اس سنسان گوشے میں سنگی بنچ پر جا بیٹھی۔

بھوری آنکھوں میں اس پل معمول سے ہٹ کر

کچھ ویرانیاں ہلکورے لے رہی تھی۔

"ہونہہ خوبصورتی۔۔اس پر مستزاد عریاں

خوبصورتی۔۔!"فضہ کی تلخ آواز اس کے نازک

وجود پر کل سے چابک کی مانند لگ رہی تھی۔

کندھے سے لٹکتا بیگ بنچ پر رکھ کر اس نے اپنی

ہتھیلیاں بنچ کی سطح پر جمالی۔ آنکھیں چھوٹی کیے

وہ اپنی نگاہوں کے سامنے درختوں کو گھورنے لگی

جن سے جھڑتے زرد پتے زمین کے سینے کو

ڈھانپے ہوئے تھے۔

"اوہ رئیلی۔۔اور تمہاری اوقات کیا ہے۔۔؟

شیث کو پیچھے لگا رکھا ہے اور خود سر شمس کے

پیچھے گھومتی پھرتی ہو۔۔!!" فضہ کے تلخ الفاظ

اس کے کان کے پردے پھاڑ رہے تھے۔علیشہ

کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔

"اور ہاں۔۔تمہارا وہ ایک عدد منگیتر بھی تو ہے۔

یقیناً اس کا بھی کوئی سین ہو گا۔۔!" اپنے لب

سختی سے بھینچتے ہوئے علیشہ نے بے اختیار

آسمان کی جانب دیکھا جس کی رنگت میں دن کے

دس بجے بھی سرمئی پن نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کا

تنفس غم وغصے کی شدت سے بگڑنے لگا۔ وہ

گہرے گہرے سانس لیتی یک ٹک آسمان کو گھور

رہی تھی۔

"کوئی بھی مرد کبھی تم سے محبت نہیں کر

سکتا۔۔!" اس کا تمسخر اڑاتی فضہ کی آواز نے

جیسے آخری ضرب لگائی تھی۔ آسمان کی جانب

دیکھتی علیشہ کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ

کر رخساروں پر لکیر بناتے چلے گئے جنہیں اس

نے سرعت سے رگڑا تھا۔ نچلا لب سختی سے

دانتوں میں دباتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں

میں جما ہوتا پانی روکنے کی کوشش کی تھی۔

چند لمحے یونہی خاموشی سے گزر گئے۔ علیشہ کے

بال ہولے ہولے چلتی ٹھنڈی ہوا کے باعث کان

سے پیچھے ہٹتے اُسے سردی کا احساس دلا رہے

تھے۔ قدموں کی آہٹ پر اس نے آسمان سے

نظر ہٹا کر بائیں جانب دیکھا۔ اپنی جانب آتے

شمس کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شکوہ در آیا۔

بنچ کی سطح پر جمے ہاتھ کھینچ کر وہ آپس میں رگڑنے

لگی۔ شمس دھیرے دھیرے چلتا اسی بنچ کے

دوسرے کنارے پر آبیٹھا۔ علیشہ نے اس بار

اس کی جانب دیکھنے سے احتراز برتا تھا۔

"آپ ہاسٹل واپس نہیں گئیں۔۔؟"علیشہ کی

جانب دیکھتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو

لب بھینچے بیٹھی علیشہ اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

"اب کیا یونیورسٹی کی حدود میں میرا داخلہ بھی

ممنوع ہے۔۔؟؟" سر جھکائے وہ قدرے تلخی

سے گویا ہوئی۔

"اگر ممنوع ہوتا تو یقیناً آپ یہاں نہ

ہوتیں۔۔!" اس کی جانب دیکھتا شمس ہنوز سنجیدہ

تھا۔ اس بار علیشہ نے جھکا سر اٹھا کر اس کی جانب

دیکھا۔ سردی کی شدت سے اس کی ناک سرخ

ہو رہی تھی۔ شمس کی سنہری آنکھیں اس کے

چہرے پر ٹھہر سی گئیں جو بڑی ناراضگی سے کہہ

رہی تھی۔

"تو پھر پوچھ ہی کیوں رہے ہیں۔۔؟ اگر میں

یہاں موجود ہوں تو ظاہر سی بات ہے کہ میری

روح تو ہاسٹل جانے سے رہی۔۔!" اس کا لہجہ

چبھتا ہوا تھا۔

"موسم خراب ہے مس علیشہ۔۔مجھے لگا آپ کو

جانا چاہئیے تو پوچھ لیا۔۔!" آہستگی سے کہتا وہ اٹھ

کھڑا ہوا تو علیشہ نے سلگتی نظروں سے گھورا۔

"تو آپ میری فکر کر رہے ہیں۔۔؟" اس کا لہجہ

مذاق اڑاتا ہوا تھا۔ شمس نے اس بار کچھ سخت

نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ آپ فضہ کا غصہ مجھ پر نکال

رہی ہیں۔۔؟" ڈریس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ

پھنسا تا وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو علیشہ بھی کھڑی

ہو گئی۔

"اور آپ کو نہیں لگتا کہ فضہ کے حصے کی سزا مجھے

دے دی گئی ہے۔۔؟" شمس کی سنہری آنکھوں

میں دیکھتی وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو

شمس نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسا نہیں ہے، اُسے بھی پندرہ دن کے لیے

سسپینڈ کیا گیا ہے۔یونیورسٹی کے رولز تمام

سٹوڈنٹس کے لیے یکساں ہیں مس علیشہ۔۔!"

شمس نے بڑے تحمل سے اسے جواب دیا۔ اس

کی بات پر علیشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

" آل رائٹ۔۔ یقیناً آپ کے لیے بھی تمام

سٹوڈنٹس یکساں ہی ہوں گے۔ ہے ناں۔۔؟"

وائٹ جینز کی جیبوں میں شمس ہی کے انداز میں

اپنے ہاتھ گھساتی وہ سلگتے ہوئے لہجے بولی تو شمس

نے کچھ نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"بالکل۔۔!!" اس کے لب ہلے تو علیشہ طنزیہ

انداز میں مسکرائی۔

"تو پھر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔۔؟ جائیں اور

جا کر فضہ کی پرواہ کریں۔ اس کی دلجوئی کریں۔

مجھے آپ کے دلاسوں کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ

ہی میں آپ کی پرواہ ڈیزرو کرتی ہوں۔۔!" زخمی

نگاہوں سے شمس کی جانب دیکھتی وہ دھیمی آواز

میں بولی تھی۔

ٹپ۔۔ٹپ۔۔ٹپ۔۔بارش کے قطرے

دھیرے دھیرے زمین کے سینے پر برسنے لگے۔

تیز ہوتی ہوا کے سنگ اس کے بال اس کے پشت

پر لہراتے عجب بہار دکھلا رہے تھے۔ لیکن بھوری

آنکھوں میں دہکتی آگ اور لبوں سے پھوٹتے

شعلوں نے اس سرد حسین منظر میں آتش جلا

رکھی تھی۔

"میں آپ کو دلاسے بالکل نہیں دے رہا۔۔!"

شمس نے فوراً سے پہلے اس کی غلط فہمی دور کی۔

"پرواہ تو کر رہے ہیں ناں۔۔؟" اس سے نگاہیں

چراتی وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"تو کیا غلط کر رہا ہوں۔۔؟" ایک قدم اس کی

جانب بڑھتا وہ بے حد مدھم آواز میں بولا تو علیشہ

نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو فضہ کے قیمتی الفاظ سننے چاہئیں تھے۔

میں وہ لڑکی بالکل نہیں ہوں جس پر کسی بھی مرد

کو اپنے جذبات ضائع کرنے چاہئیں۔ میں ڈیزرو

نہیں کرتی۔۔!" بے حسی سے اپنے متعلق

کھردرے الفاظ بولتی وہ رکی نہیں تھی۔ پلٹ کر

جھکی اور بنچ سے بیگ اٹھا کر اس کے قریب سے

گزر گئی۔ بارش کی ٹھنڈی بوندیں اس کے وجود

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

سے ٹکراتی اسے بھگونے لگیں۔ شمس سرعت

سے اس کے پیچھے لپکا اور اسے کلائی سے پکڑ کر

ایک جانب شیڈ تلے گھسیٹ لیا۔ بارش تیز تر ہوتی

چلی جارہی تھی۔ اس کی اس حرکت پر علیشہ نے

کافی حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں کوئی جذبات ضائع نہیں کر رہا، سترہ اٹھارہ

سالہ کوئی ٹین ایجر کالج بوائے نہیں ہوں میں جو

عشق و محبت جیسی فضولیات میں پڑوں گا۔۔!!"

اس کی کلائی چھوڑتا وہ کافی برہمی سے بولا تو اس

کی جانب دیکھتی علیشہ نا چاہتے ہوئے بھی پوری

طرح اس کی جانب گھوم گئی۔ اس کی گھنی

مونچھیں ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کے بالائی

لب کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ گندمی رنگت پر سجی

اس کی سنہری آنکھیں اس کے لبوں کے ساتھ

بول رہی تھیں۔

"تو پھر احتیاط کیجئے سر جی۔۔ کیونکہ میں تو ابھی

ٹین ایجر ہی ہوں، عشق و محبت جیسی فضولیات

میں پڑ گئی تو آپ جیسے میچور مرد کے لیے مسئلہ ہو

جائے گا۔۔!!" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بنا

جھجھکے بے خوفی سے گویا ہوئی تو شمس کا دل اس

کے معنی خیزی سے دیے گئے جواب پر بے اختیار

ہوا۔ اس کی بدلتی رنگت دیکھتی علیشہ مسکرائی۔

"پرواہ مت کیجئے، احتیاط کیجئے۔۔ میں یہی ڈیزرو

کرتی ہوں۔۔!!" بے تاثر لہجے میں کہتی وہ پلٹ

گئی۔

"مس علیشہ۔۔!" شمس نے بے اختیاری میں

اسے پکارا تو وہ پلٹی۔

"بارش رک جائے گی تو پھر چلی جایئے گا۔۔!"

جانے کیوں وہ اپنی فطرت کے خلاف جا کر اس

کی فکر میں کہہ گیا تو بے دردی سے ہنستی وہ یونہی

الٹے قدموں پیچھے بڑھتی چلی گئی۔ شمس اس کی

ضد پر خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہ گیا جو

اب اس سے پانچ چھ قدموں کے فاصلے پر آسمان

تلے کھڑی سردی کی بارش میں اطمینان سے

بھیگتی چلی جا رہی تھی۔ سنگل ٹی شرٹ میں وہ

سردی کی شدت سے بے نیاز نظر آرہی تھی۔

اس کی حالت دیکھ کر، لوہے کے شیڈ تلے کھڑے

شمس کو اپنا وجود یخ پانی کی گہرائیوں میں ڈوبتا

محسوس ہوا۔

"گڈ بائے سر۔۔!" کہتے ہوئے وہ مسکرائی۔ شمس

نے گہرا سانس لیتے ہوئے اپنی بلیک جیکٹ اتاری

اور اس کی جانب بڑھا۔ شیڈ تلے ہی کھڑے

کھڑے اس نے علیشہ کی جانب جھک کر وہ جیکٹ

اس کے کندھوں پر پھیلا دی۔ بارش کی تیز پھوار

نے ان چند سیکنڈز میں اس کے بال بھگو ڈالے

جنہیں جھٹکتا وہ فوراً پیچھے ہوا۔

"اگر آپ چاہتی ہیں کہ کوئی اور فضہ کے گھٹیا

الفاظ کو سچ نہ سمجھے تو یہ جیکٹ اچھے سے پہن

لیجئے۔یقیناً آپ یہ نہیں چاہیں گی کہ کوئی مرد

آپ کو اس طرح دیکھ کر اپنی آنکھوں کو تسکین

دے۔۔!" مکمل طور پر شیڈ کے نیچے ہو تا وہ

سنجیدگی سے بولا تو جیکٹ اتارنے کا اردہ رکھتی

علیشہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے اسے دیکھا پھر

اثبات میں سر ہلاتی پلٹ گئی۔بیگ اسی بنچ پر

واپس رکھ کر اس نے شمس کی جانب سے رخ

موڑا اور اس کی جیکٹ پہن لی۔ پھر اس نے اپنا

بیگ اٹھایا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ شمس کی

نگاہوں نے دور تک اس لڑکی کا پیچھا کیا تھا جس

نے بے مروتی کی ہر حد پار کرتے ہوئے اسے

"تھینکس" بھی نہیں کہا تھا۔علیشہ کی بابت

سوچتا وہ بارش تھم جانے تک وہیں کھڑا رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

رات کے سناٹے شاہوں کی حویلی میں راج کر

رہے تھے۔چوکیدار مکمل تندہی سے حویلی کے

مرکزی پھاٹک پر پہرہ دے رہے تھے۔ وسیع و

عریض لان میں اپنے پورے قد سے کھڑے ان

گنت درختوں کے گرد لپٹی تاروں پر چھوٹی

چھوٹی رنگ برنگی روشنیاں جو رات دس بجے تک

چمکا کرتی تھیں، فی الوقت بجھی ہوئی تھیں۔ ایسے

میں تقریباً بارہ بجے کے قریب مہربان عالم شاہ کی

گاڑی نے گیٹ پر ہارن بجایا تھا۔ چوکیداروں نے

فوراً گیٹ کھول دیا۔ وہ دائیں ہاتھ سے بامشکل

گاڑی ڈرائیو کرتا حویلی کے اندر گاڑی لے آیا۔

بیرونی روش پر ہی گاڑی روک کر وہ باہر نکل آیا

اور اپنی جانب بھاگ کر آتے حویلی کے ڈرائیور

کی جانب گاڑی کی چابی اچھال دی۔

"پارک کر دو۔۔!" اسے ہدایت دے کر وہ

اندرونی عمارت کی جانب آگیا۔ آج پھر چھوٹی

حویلی سے سعیدہ بی بی کے چلانے کی مدھم

آوازیں اونچی دیواروں کو پھلانگتی بڑی حویلی کے

لان میں گونج رہی تھیں۔ وہ ان کی شخصیت کی

حقیقت سے آگاہ نہیں تھا اور اس پل اُس کی جو

حالت تھی وہ کم از کم اس غیر آشنا عورت کی مدد

کرنے سے قاصر تھا جس کی آوازیں وہ بچپن سے

ہی سے سنتا آیا تھا۔ اندرونی دروازے کی چابی

اس کے پاس تھی سو آہستگی سے دروازے کا قفل

کھول کر وہ اندر آگیا۔ چہرے پر جا بجا نیلوں کے

نشان واضح تھے جبکہ اس کے بائیں کندھے اور

بائیں جانب ہی پسلیوں میں شدید درد اور

اکڑاہٹ تھی جس کے باعث وہ بائیں جانب

جھک کر چل رہا تھا۔اس نے یاد کرنے کی کوشش

کی کہ آج دن کیا ہے۔یاد آنے پر اسے کافی

افسوس ہوا تھا کیونکہ آج ہفتہ تھا اور وقار عالم شاہ

جمعے اور ہفتے کی رات ناجیہ بیگم کے کمرے میں

گزارا کرتے تھے۔یعنی اس کے پاس صندل بیگم

سے مدد مانگنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا

کیونکہ بہر طور وہ اس وقت اس حالت میں اپنے

باپ کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔حویلی کے دریچوں

میں نیم تاریکی کا راج تھا۔وہ سیدھا صندل بیگم

کے کمرے کی جانب آیا تھا اور دھیرے سے

دروازہ بجایا۔ دو تین بار دستک دینے پر دروازہ

کھل گیا تھا۔ نیند سے بھاری ہوتی آنکھیں مَلتے

ہوئے انہوں نے کچھ حیرت سے عالم کی جانب

دیکھا۔

"تم کب آئے۔۔؟؟" پوری آنکھیں کھولتے

ہوئے انہوں نے اس کے رخسار کو چھوا تو اس

کے لبوں سے سسی کی آواز نکلی۔ وہ چونک

گئیں۔

"عالم کیا ہوا ہے میرے چاند۔۔ طبعیت تو ٹھیک

ہے ناں۔۔؟" اپنے کمرے کی لائٹ جلاتے

ہوئے صندل بیگم نے تشویش زدہ سی ہو کر

پوچھا۔

"طبعیت ٹھیک ہے، حالت ٹھیک نہیں ہے۔۔!"

عالم نے بامشکل ہنستے ہوئے کہا جس کی حالت،

لائٹ جلنے پر صندل بیگم کو بھی نظر آگئی تھی۔

"یہ۔۔یہ کیسے ہوا۔۔؟ کس سے مار کھا کر آرہے

ہو۔۔؟" وہ حیرت زدہ سی ہوتی دھیمی آواز میں

چلائیں۔

"اففف۔۔۔کسی کی ہمت نہیں ہے کہ مجھے

پیٹ سکے مما۔۔یہ تو۔۔یہ تو وہ بس رِنگ

میں۔۔!"خفیف سا ہوتا وہ دھیمی آواز میں بولا تو

اس بار صندل بیگم نے تیوری چڑھالی۔

"تمہارے بابا نے منع کیا تھا ناں تمہیں۔۔؟ اگر

انہیں پتہ چل گیا تو۔۔، عالم عالم میں تم تینوں

بھائیوں کا کیا کروں۔ کیوں میری زندگی جہنم

بنانے پر تلے رہتے ہو تم لوگ۔۔!" وہ اس کی فکر

چھوڑ کر اسی پر برہم ہوتی گرج اٹھیں۔

" مما چلائیں تو مت۔۔ ویسے اُنہیں پتہ چلے یا نہ

چلے لیکن ایسے تو لازماً پتہ چل جائے گا۔۔!"

انہیں سامنے سے ہٹا کر ان کے کمرے میں داخل

ہوتا وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"یہ۔۔یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے تم باز

آجاؤ۔۔!"اس کے پیچھے لپکتی وہ اس پر برہم

ہوئیں۔عالم نے ان کی جانب گھوم کر کچھ ناراض

نظروں سے انہیں دیکھا۔

"آپ جانتی ہیں باکسنگ میرا شوق ہے۔اور ابھی

تو ویسے بھی شروعات ہے۔۔!"وہ کافی سنجیدگی

سے گویا ہوا۔

" کبھی کوئی ڈھنگ کا شوق نہ پال لینا۔ بیٹھو یہاں

میں تمہاری ان چوٹوں کا تو کچھ کروں۔۔!" اپنا

ماتھا پیٹتی وہ تپے تپے سے انداز میں بولتی کمرے

سے باہر جانے کو پلٹ گئیں۔

"چوٹیں گہری ہیں کوئی مؤثر مرہم لائیے گا۔۔!"

عالم نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ تصور میں مرحہ کا

روشن چہرہ آباد ہوا تو اس کے لب مسکرانے

لگے۔ دس منٹ سے بھی کم کے وقفے میں صندل

بیگم واپس آگئی تھیں۔ حسب توقع وہ سر جھکائے

ان کے پیچھے ہی ہاتھ میں بڑی سے ٹرے پکڑے

اندر چلی آئی تھی۔ مرحہ نے خاموشی سے وہ

ٹرے بیڈ کے قریب ہی میز پر رکھ دی جس میں

ایک باؤل میں برف کے کچھ ٹکڑے جب کہ

ایک پلیٹ میں سفید پٹیاں تھیں۔

"اماں آپ نعمان کو بلوالیں۔ مرحہ نہیں کر

پائے گی۔۔!!" عالم نے دھیمی سنجیدہ سی آواز

میں اُن سے کہا۔ اس کی بات پر صندل بیگم نے

ناک چڑھائی۔

"کیوں اس کے ہاتھ تمہیں ٹوٹے ہوئے نظر

آرہے ہیں۔۔؟؟" بھنویں اچکاتی وہ کافی

ناپسندیدگی سے بولیں۔

"اوہو۔۔آئی مین ربز (پسلیاں) کے ٹریٹمنٹ

کے لیے مجھے شرٹ اتارنی پڑے گی۔۔تو۔۔؟"

انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے

بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ نعمان کو بلوا دیں پلیز وہ ہیلپ کر دے گا۔

اور مرحہ تم اتنے پلیز مجھے وہاں الماری سے

فرسٹ ایڈ باکس دے دو۔۔!" انہیں بالی کے

شوہر کو بلانے کا کہتے ہوئے اس نے آخر میں

مرحہ کو اپنی طرف متوجہ کیا جو نگاہیں جھکائے

کھڑی ہوئی تھی۔ وہ فوراً جی اچھا کہہ کر الماری کی

طرف بڑھی۔

"فرسٹ ایڈ باکس الماری کے اندر نہیں وہاں

الماری کے اوپر ہے۔۔!" صندل بیگم نے بے

زارانہ لہجے میں کہا۔

"جو یہ کہتا ہے وہ کرو۔ میں نعمان کو بلواتی

ہوں۔۔!" گہرا سانس لیتی وہ مرحہ کو حکم دے

کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ مرحہ نے کچھ

شش و پنج کے عالم میں لکڑی کی دیوار گیر الماری

کی جانب دیکھا۔ اس کے ہاتھ کا فرسٹ ایڈ باکس

تک پہنچنا تقریباً ناممکن تھا۔ عالم اسی کی جانب

متوجہ تھا۔وہ ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتی اس کی

جانب پلٹی۔

"میرا ہاتھ نہیں جائے گا۔۔!" زمین کو گھورتی وہ

جھجھکتے ہوئے بولی تو وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"مجھے پتہ ہے۔رکو میں لے لیتا ہوں۔۔!"بیڈ

سے اترتے ہوئے وہ نرمی سے بولا تو مرحہ فوراً

پیچھے ہوئی۔

"تو پھر میں جاؤں۔۔؟؟"لرزتی پلکیں اٹھانے کی

خطا کرتی وہ گزارش کرنے والے انداز میں بولی تو

فرسٹ ایڈ باکس اتارتے عالم نے اس کی جانب

دیکھا۔

"نہیں، بالکل نہیں۔۔۔ یہاں آؤ میرے

پاس۔۔!" فرسٹ ایڈ باکس ہاتھ میں تھامے بیڈ

کی طرف بڑھتا وہ سنجیدگی سے بولا تو مرحہ کی

پلکیں لرز اٹھیں۔

"مجھے یہ سب کرنا نہیں آتا سرکار۔۔رحم

کریں۔۔!" اپنی جگہ سے ایک قدم آگے بڑھتی

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

"تو تم مجھے یونہی تکلیف میں مبتلا رکھنا چاہتی

ہو۔۔؟" بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتا وہ غیر سنجیدگی

سے بولا تو مرحہ نے سراسیما نگاہوں سے اس کی

جانب دیکھا پھر فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"یہاں آؤ پھر۔۔۔جلدی۔۔!" عالم نے

مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مرتی کیا نہ کرتی کے

مصداق مرے مرے قدم اٹھاتی اس کی جانب آ

گئی۔عالم نے باکس سے روئی اور دوا نکال لی۔

"لو یہ صاف کر دو۔۔!" اس کی جانب روئی

بڑھاتے ہوئے عالم نے پیشانی کے زخم کی جانب

اشارہ کرتے ہوئے کہا تو مرحہ نے کانپتے ہاتھوں

سے روئی تھام لی۔

"یہ مشکل ہے۔۔!" اپنا بگڑتا تنفس سنبھالنے کی

کوشش کرتی وہ بڑبڑائی۔ عالم جانتا تھا کہ وہ اس

کی قربت سے گھبرا رہی ہے۔

"حالانکہ تمہیں عادت ڈال لینی چاہیئے، ورنہ

ساری زندگی تم خود بھی ہلکان ہوتی رہی گی اور

مجھے بھی پریشان کرو گی۔۔۔!" اپنے قریب اس

کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھتا وہ مسکاتے لہجے میں بولا تو

روئی پر دوائی لگاتی مرحہ کی پلکیں لرز اٹھیں۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب۔۔؟" اس کے لب بڑی

مشکلوں سے ہلے۔

"مطلب کے باکسنگ میرا شوق ہے، چوٹیں تو

آتی رہیں گی تمہیں یہ سیکھنا پڑے گا۔۔!" بات

فوراً سے پہلے پلٹتے ہوئے عالم نے عام سے لہجے

میں کہا تو مرحہ کا سانس کچھ نارمل ہوا۔

"چھوٹا منہ اور بڑی بات لل۔۔ لیکن سرکار۔۔

انسان کو ایسے شش۔۔ شوق نہیں پالنے چاہئیں

جن میں جان جانے کا خطرہ ہو۔۔!" اس نے اپنی

عقل کے مطابق بڑی سمجھداری سے مشورہ دیا تو

اس کی بات سن کر وہ دھیرے سے ہنسا۔

"شوق یہ دل پالتا ہے مرحہ۔۔اور دل کے شوق

تو پھر جان لیوا ہی ہوتے ہیں۔۔۔!" پرشوق

نگاہوں سے اس کا چہرہ تکتا وہ نہایت دھیمے لہجے

میں بولا تو مرحہ نے اپنی نظریں اٹھاتے ہوئے

روئی اس کی پیشانی پر رکھ دی۔

"کمبخت ماری تجھے سوتے سلاتے ہی پڑے رہتے

ہیں جا اپنی یہ منحوس شکل دھو کر آ۔۔ چل جا دفع

ہو۔۔!" کمرے کے باہر سے صندل بیگم کی آواز

آرہی تھی شاید وہ بالی پر گرج رہی تھیں۔

"میں جاؤں سرکار۔۔؟؟"صندل بیگم کے

قدموں کی آہٹ سن کر وہ ایک قدم پیچھے ہٹتی

بولی تو عالم نے سرعت سے اس کی کلائی تھام لی۔

"تم ابھی نہیں جاؤ گی مرحہ۔۔اپنا کام کرو

شاباش۔۔!"اسے قدرے سختی سے حکم دیتا وہ

ہنوز اس کی کلائی تھامے ہوئے بولا۔ مرحہ نے

بے چینی سے کمرے کے ادھ کھلے دروازے کی

جانب دیکھا۔

"ہو تو گیا ہے۔ اور کیسے کروں۔۔؟؟" صندل

بیگم کے خوف سے وہ ہراساں سی دکھائی دے

رہی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ ابھی کچھ ہوا ہے۔۔!" کہتے

ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔ مرحہ نے شکوہ کناں

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"اب ایسے تو مت دیکھو۔میری جان مشکل میں

پڑ جاتی ہے۔۔!" وہ بے چارگی سے بڑبڑایا تو مرحہ

نے ایک بار پھر دروازے کی جانب دیکھا۔

"اور آپ جو میری جان مشکل میں ڈال رہے ہیں

اس کا کیا۔۔؟ مجھے جانے دیں خدارا۔۔" اس

کے سامنے گڑگڑاتی وہ رودینے کو ہوئی۔ صندل

بیگم کو کمرے میں آتا دیکھ عالم نے آہستگی سے

اس کی کلائی چھوڑ دی۔

"جاؤ۔۔!" اس پر سے نگاہیں ہٹاتا وہ سنجیدگی سے

بولا۔ نعمان بھی صندل بیگم کے پیچھے ہی کمرے

میں آیا تھا جو ٹیڑھی نگاہوں سے کمرے نکلتی

مرحہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ ابھی تک یہیں تھی۔۔؟؟" صندل بیگم نے

عالم سے پوچھا۔ لہجہ بھرپور ناگواری لیے ہوئے

تھا۔

"میں نے سوچا چہرے کے زخم اسی سے صاف

کروالیتا ہوں۔ دراصل وہ ہر کام بہت نرمی سے

کرتی ہے، اتنا ہی کہ مرتے ہوئے کو بھی شفامل

جائے۔۔!" اپنی ماں کی طرف دیکھتا وہ مکمل اعتماد

سے بولا یہ الگ بات تھی کہ آخری جملہ اس نے

دل میں پورا کیا تھا۔

"ہمممم۔۔۔ ٹھیک ہے، نعمان تم آج رات

چھوٹے سرکار کے پاس ہی رک جاؤ۔ انہیں جس

چیز کی ضرورت ہو اُس میں کمی مت کرنا۔۔!"

صندل بیگم نے بڑی سنجیدگی سے نعمان کو

ہدایات دیں تو وہ جی اچھا کہتا عالم کی جانب بڑھ گیا

جو اسے برف کے ٹکڑے سفید پٹی میں لپیٹنے کو

کہہ رہا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا عالم۔۔اور آج یہیں سو جاؤ میں

تم سے صبح ملتی ہوں۔۔!" عالم کی طرف دیکھتی وہ

نرمی سے بولیں تو عالم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اسے اپنے کمرے میں چھوڑ کر خود باہر نکل

گئیں۔

♦□♦□♦□♦

وہ کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا۔ سڑک پر اکا دکا افراد چلتے

پھرتے نظر آرہے تھے۔ منصب ان نازک

مزاج شہریوں کو خوب سمجھتا تھا جو سردی بڑھتے

ہی اپنے فرنشڈ گھروں میں پناہ گزین ہو جایا کرتے

تھے۔تھکے تھکے قدم اٹھاتا وہ قریبی ریسٹورنٹ

چلا آیا۔

"میں آپ کو کس طرح خوش کر سکتا ہوں

سر۔۔؟؟" اسے وہاں بیٹھے ابھی زیادہ دیر نہیں

ہوئی تھی جب ایک ویٹر اس کے پاس آکر شستہ

انگریزی میں پوچھنے لگا۔

"تھرواورنج وائن۔۔!" منصب نے بڑی سنجیدگی

سے اسے اپنا آرڈر لکھوایا تو ویٹر مسکرا کر پلٹ

گیا۔ پانچ منٹ سے بھی کم کے وقفے میں وائن

اس کے سامنے تھی۔

"میں کہہ رہی ہوں فون مت کرنا آئندہ۔۔!"

مہرماہ کی تنبیہہ اس کے کانوں میں گونج اٹھی۔ وہ

اردگرد کے ماحول سے بے نیاز شراب کے

گھونٹ بھرنے لگا۔ ذائقہ اس کے لیے نیا نہیں

تھا کیونکہ وہ یہاں آنے کے بعد کافی مرتبہ یہ

شراب پی چکا تھا۔

"میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گا یہ سن لیں

آپ۔۔!" منصب کی آنکھوں میں ماضی کے چند

مناظر کسی فلم کی طرح گردش کر رہے تھے۔

"نہیں چھوڑ سکتے تو پھر اس سے نکاح کرلو۔۔!"

ناجیہ بیگم کی چیلنجنگ آواز اس کے آس پاس ہی

بلند ہو رہی تھی۔

"جب نکاح کے بغیر بھی وہ مجھ تک آسکتی ہے تو

مجھے گلے میں طوق پہننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔!"

گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے گلاس ایک ہی

سانس میں ختم کر دیا۔اس کی سرمئی آنکھوں

میں گلال اترنے لگا تھا۔

ایسی کوشش کرکے کبھی خود کو ہلکان نہ کرنا

لاڈلے، جس کی ناکامی کا تمہیں یقین ہو۔۔!"

ناجیہ بیگم کی تنبیہہ یاد کر کے اس پل اس کی

سانسیں بڑھنے لگیں۔ کیا کِیا تھا اس

نے ؟؟؟؟ اس کے سامنے ایک سوالیہ نشان تھا

جو اسے بے دم کیے جا رہا تھا۔ ہلکان تو کر لیا تھا اس

نے خود کو۔۔ اس حد تک کہ اب وہ ہر گزرتے

دن کے ساتھ بے جان ہو رہا تھا۔ ایک بار پھر

گلاس شراب سے بھرتا وہ ان لمحات کو یاد کر رہا

تھا جب وہ اس کے قریب تھی۔

مہرماہ سے پہلی ملاقات،

وہ پہلا تھپڑ۔۔

منصب نے آنکھیں بند کرتے ہوئے شراب کا

گلاس پیشانی سے لگالیا۔

وہ پہلی نگاہ۔۔

پہلی خطا۔۔

اس کا غصے سے سرخ تمتماتا چہرہ آج بھی اس کے

ذہن کے پردے پر تازہ تھا۔

وہ گھور سیاہ آنکھیں،

وہ لب،

وہ رخسار۔۔

وہ حیا، وہ سادگی۔۔

اس کی کس کس ادا پر فدا نہ ہوا تھا وہ۔۔؟؟؟

وہ لہجہ۔۔

وہ مدھم، کانپتی آواز۔۔

ہلتے لب۔۔

"قانون کی پیشانی پر آپ جیسے آفیسر زداغ ہیں۔

خداغارت کرے آپ جیسوں کو۔۔!"اس کی یاد

میں اپنے حواس گنواتا وہ ضبط کھونے لگا۔منصب

نے سرخ انگارہ ہوچکی آنکھیں کھولتے ہوئے

پیشانی سے لگے گلاس کو ترچھا کردیا۔شراب

دھیرے دھیرے اس کی پیشانی سے ہوتی اس کی

مغرور ناک سے پھسل کر لبوں کو بھگونے لگی۔ وہ

پاگل ہو نہیں رہا تھا، وہ پاگل ہو گیا تھا۔ اگلے ہی

پل خالی گلاس ٹیبل پر پٹختے ہوئے اس نے شراب

کی بوتل اپنے سر پر الٹ دی۔ اپنے اندر لگی

آگ کو ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کرتا وہ اپنی

آنکھیں شراب سے بھگو رہا تھا۔شاید یہ آنکھوں

میں چمکتی نمی چھپانے کی معصومانہ کوشش کی تھی

اس نے۔

"سر سر سر۔۔یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔۔؟؟" دو

ویٹرز بھاگتے ہوئے اس کی جانب آئے تو منصب

نے مدہوش نگاہیں اٹھا کر ان دونوں کو گھورا۔

اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر ان دونوں نے

بے ساختگی میں ایک دوسرے کو دیکھا۔

"بِل دو۔۔!" اپنی ہتھیلی ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ

مدھم آواز میں بولا تو اُن دو ویٹرز میں سے ایک

پلٹ گیا۔ بل پے کر کے وہ اپنا کوٹ درست کرتا

اٹھ کھڑا ہوا جس کا کالر اور کندھے بھیگ چکے

تھے مگر اسے قطعی پرواہ نہیں تھی۔

وہ اپنے کندھوں کو ورزشی انداز میں اچکاتا

ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا۔ متوازن چال چلتے

منصب کا رخ اپنے ہوٹل کی جانب تھا۔ وہ نگاہیں

جھکائے اپنے راستے چلتا چلا جا رہا تھا جب اس کے

کانوں میں ایک نسوانی آواز پڑی۔ شاید وہ اس

آواز سے واقف تھا۔ وہ رکنا نہیں چاہتا تھا لیکن

سیٹھلی کے لفظوں نے اسے قدم روکنے پر مجبور

کر دیا۔

"مجھے تمہارے ساتھ ڈیٹ پر نہیں جانا پلیز لیو

می۔۔!" اپنا ہاتھ ایک ادھیڑ عمر شخص کی گرفت

سے چھڑوانے کی کوشش کرتی وہ بے حال ہو

رہی تھی۔ منصب نے گردن موڑ کر اس گلی کی

جانب دیکھا جس کے اندھیرے میں جلتی چند نیلی

روشنیوں میں سیٹلی کا وجود واضح تھا۔

"دیکھو سیشلی میرا وقت ضائع مت کرو۔ میں

تمہاری مما سے پرمیشن لے چکا ہوں اس لیے

شرافت سے میرے ساتھ آجاؤ۔۔!" اس شخص

نے سیشلی کو اپنی جانب کھینچا۔ منصب کو مجبوراً

اس جانب بڑھنا پڑا۔

"جھوٹ مت بولو میری ممی کبھی مجھے تم جیسے اگلی

اولڈ مین (بدصورت بڈھا آدمی) کے ساتھ

ڈیٹ پر جانے کو نہیں کہہ سکتی۔۔!" اس آدمی

کے ساتھ زور آزمائی کرتی وہ چیخی۔

"واٹ ہیپنڈ۔۔تم کیوں اس کے ساتھ زبردستی

کر رہے ہو۔۔؟" ان دونوں کے سر پر پہنچتا

منصب کافی سختی سے گویا ہوا۔اس کے یوں

مداخلت کرنے پر اس آدمی نے کچھ ناپسندیدگی

سے اس کی جانب دیکھا جبکہ سیٹھلی تو کھل اٹھی

تھی۔

"تھینک گاڈ تم آ گئے ہینڈ سم۔۔ پلیز اس بڈھے کو

سمجھاؤ مجھے اس کے ساتھ نہیں جانا۔۔!" منصب

کی جانب لپکنے کی کوشش کرتی وہ بے چارگی سے

بولی کیونکہ اس کی کلائی ہنوز اس شخص کے ہاتھ

میں تھی۔

"ہاتھ چھوڑو اس کا۔۔ فوراً۔۔!" ایک قدم مزید

نزدیک ہوتا منصب غرایا۔

"تم یہاں سے اپنا راستہ ناپو ایڈیٹ۔۔یہ لڑکی

آج رات کے لیے میری ہے۔۔!" وہ آدمی

منصب پر برہم ہوتا چلایا تو منصب نے بنا لحاظ کیے

اس کے منہ پر ایک زور دار مکا جڑ دیا۔ نتیجتاً

سیشلی کی کلائی خود بخود اس کے ہاتھ سے چھوٹ

گئی تھی۔ وہ فوراً سے پہلے منصب کی اوٹ میں

ہوئی۔

"عمر دیکھی ہے تم نے اپنی گھٹیا انسان۔۔؟؟" وہ

اس آدمی پر گر جا جو جبڑے ہر ہاتھ رکھے اپنے

منہ میں گھلتا خون کا نمکین ذائقہ برداشت کرنے

کی کوشش کر رہا تھا۔

"تت۔۔ تم بیچ میں کیوں آرہے ہو۔ میں نے

جینیفر (سیٹلی کی ممی) کو آج رات کے لیے اس

لڑکی کی قیمت ادا کی ہے۔۔!" غصے سے بے حال

ہوتا وہ بری طرح بلبلاتے ہوئے بولا تو منصب

نے سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔

"جھوٹ جھوٹ۔۔ میری ممی بہت امیر ہیں

انہیں تمہارے چند پاؤنڈز کی ضرورت نہیں ہے

سمجھے تم۔۔!" منصب کی پشت سے اچک کر اس

آدمی کو دیکھنے کی کوشش کرتی وہ پرجوش سی

آواز میں بولی۔

"چند نہیں پورے ایک سو بیس پاؤنڈز ادا کیے ہیں

میں نے۔۔!" سیدھا ہوتا وہ شخص دہائی دینے

والے انداز میں بولا۔اس کے دوبدو جواب پر

سیٹلی کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل

گئیں جبکہ منصب نے بلاتردد اپنی جیب سے

والٹ نکالا اور اس میں سے اپنے چند ضروری

کارڈز نکال کر وہ والٹ اس شخص کے منہ پر دے

مارا۔

"اس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ پاؤنڈز ہیں۔یہ رکھو

اور اپنی شکل گم کرو یہاں سے۔۔!!" شہادت کی

انگلی اٹھاتا وہ سنگین لہجے میں بولا۔

"اوہ مائی مائی۔۔تم پاگل ہو کیا اتنے پیسے دینے کی

ضرورت ہی کیا ہے۔۔؟ میں کہہ تو رہی ہوں یہ

جھوٹا ہے۔۔!" منصب کی پشت سے باہر نکل کر

سامنے آتی وہ ماتھا پیٹتی بولی۔

"واپس کرو یہ۔۔" اس شخص پر جھپٹتی سیشلی نے

اس سے منصب کا والٹ چھیننا چاہا تو منصب نے

جلدی سے اسے کلائی سے پکڑ کر پیچھے کیا۔

"سیٹلی تم چپ رہو۔۔ اور تم۔۔!" سیٹلی کو اپنے

پیچھے کرتا وہ اس شخص کو گھورتے ہوئے پھر سے

گویا ہوا۔

"اب نکلو یہاں سے۔۔ چلو فوراً۔۔!" منصب نے

بڑی سنجیدگی سے اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا

تو وہ اپنے سر پر موجود چند بالوں میں ہاتھ چلاتا

وہاں سے چلا گیا۔

"منحوس۔۔لُوٹ کر چلا گیا تمہیں۔۔!" منصب

کے لیے افسردہ ہوتی وہ منہ لٹکاتے ہوئے بولی۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔۔!" منصب نے

اسے کندھوں سے تھام کر اپنی جانب گھمایا۔

"جینیفر کون ہے۔۔۔؟" منصب نے سنجیدگی

سے پوچھا۔۔

"میری ممی ہیں۔۔!!" سیشلی نے کندھے اچکاتے

ہوئے اطمینان سے کہا۔

"ہوں۔۔ تم کہہ رہی تھیں کہ وہ شخص جھوٹا ہے

حالانکہ وہ تمہاری ممی کا نام جانتا تھا۔۔!" منصب

کا لہجہ اس بار سخت ہو گیا۔

"اگر وہ میری ممی کا نام جانتا ہے تو کیا ہوا۔۔؟ اُن کے بہت سے فرینڈز ہیں۔ انہیں بہت سے لوگ جانتے ہیں۔۔!" سیثلی نے اسے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"تو پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے ناں کہ وہ سچ کہہ رہا

ہو۔اس نے تمہاری ممی سے پرمیشن لی ہو

شاید۔۔!!"اس کے بازوؤں سے اپنے ہاتھ ہٹاتا

وہ سنجیدگی سے بولا۔

"نہیں بالکل نہیں۔وہ شخص جھوٹا ہے۔میری

ممی نے تو مجھے یہیں ان کا ویٹ کرنے کا کہا تھا وہ

بس آنے والی ہوں گی۔۔!" آنکھوں میں اڈتی

نمی پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ پر یقین انداز میں بولی۔

"خود کو مت بہلاؤ سیشلی۔۔ دس بجنے والے ہیں

اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئیں۔ آئی تھنک وہ

نہیں آئیں گی۔۔!" منصب نے اسے حقیقت کا

آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔

"تم مجھے کہہ رہے تھے ناں کہ جاؤ سیشلی۔۔میں

چلی گئی تھی۔اب تم خود سے میرے پاس آکر اپنا

ٹائم کیوں ویسٹ کر رہے ہو۔۔!"اس کی جانب

سے اپنا رخ موڑتی وہ کچھ خفگی سے بولی۔

"میرے ساتھ بحث مت کرو۔مجھے تمہاری مدد

کا کوئی شوق نہیں ہے میں تو بس۔۔!"گہرا سانس

لیتا وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ گیا۔

"کیا۔۔؟" سیثلی کے لب وا ہوئے۔

"میں نے تمہیں نہیں اُسے بچایا ہے سیشلی۔۔!"

منصب نے اسے وضاحت دی۔

"کیسے۔۔؟" وہ حیران ہوئی۔

"اُسے ہی جسے خود سے نہیں بچا پایا تھا۔!" وہ

غائب دماغی سے گویا ہوا۔ ذہن میں پھر سے مہرماہ

کی یاد تازہ ہو گئی۔

"تم کس کی بات کر رہے ہو میں سمجھ نہیں

پا رہی۔۔!" سیشلی الجھتے ہوئے بولی تو منصب نے

سر جھٹکتے ہوئے اس کی کلائی تھام لی۔

"تمہارا سمجھنا ضروری نہیں ہے۔۔!" وہ بڑبڑایا۔

"یہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔۔!" سیٹلی نے

دھیمی آواز میں پوچھا۔

"تمہارے گھر۔۔!"

"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔۔!"

"جھوٹ مت بولو۔۔ میں جانتا ہوں۔۔!"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ وہ تو یونی کا چرچ ہے

جہاں میں رہتی ہوں۔ اب تک تو یونی کا گیٹ بند

ہو چکا ہو گا میں اندر نہیں جا پاؤں گی۔۔!" سیشلی

نے لاپرواہی سے کہا۔ منصب کو اپنے قدم روکنے

پڑے۔

"تو تم کہاں جاؤ گی۔۔؟" وہ حیران ہوا۔

"میں نے کہا تو ہے کہ میں ممی کا ویٹ کروں گی۔

آج انہی کے ساتھ رہ لوں گی۔۔!" سیشلی نے سر

دھنتے ہوئے اسے بتایا تو منصب ٹھیک ٹھاک تپا۔

"تو یعنی تم اپنی ممی کے ساتھ نہیں رہتی۔۔؟؟"

اس کی کلائی چھوڑ کر اس کی جانب گھومتا وہ ایک

ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ اس کے سوال پر

سیشلی کے چہرے کا اطمینان ختم ہوا تھا۔ آنکھوں

میں اداسی در آئی۔

"نہیں، دراصل ممی میرے ساتھ نہیں

رہتی۔۔!" اسے جواب دیتے ہوئے وہ اداسی

سے مسکرائی۔ منصب نے کافی عاجزانہ نظروں

سے اس کی جانب دیکھا۔ جانے وہ کیوں اس لڑکی

سے اتنے سوال کر بیٹھا تھا جس کی ذاتیات اس کا

سر درد بالکل نہیں تھیں۔

"آجاؤ۔۔!" منصب نے آہستگی سے کہا۔

"کہاں۔۔؟" سیشلی نے پوچھا۔ وہ بنا کوئی جواب

دیے اس کا ہاتھ تھامے چلتا رہا۔

□♦□♦□♦□♦

"ماردیں گے وہ اسے، اور یہاں میں مرجاؤں گا

فدا۔۔!" ولید کی چلاتی ہوئی آواز فدا حسین کی

سرخ آنکھوں کو نم کیے دے رہی تھی۔ اس نے

صرف کہا نہیں تھا، وہ واقعی مر گیا تھا۔ اس روز

جب وہ غصے میں زہرہ کو دھتکار کر اس کے کمرے

سے نکلا تھا تو پل بھر کو بھول گیا تھا کہ اس کے

ہاتھ میں موجود موبائل سے دھیمی آوازیں ابھر

رہی ہیں۔ حویلی کے لان تک آنے میں ہی اس کا

سانس پھول گیا تھا، وجہ رفتار کی تیزی نہیں تھی،

وجہ اس کے اندر اٹھتے غصے کے ابال تھے۔ وہ آج

بھی اس وقت کو پچھتا رہا تھا جب اس نے کال پر

ولید کی موجودگی کو فراموش کر دیا تھا۔ کئی کاش

تھے جو اس کی آنکھیں بار بار نم کر دیتے تھے۔

اُسے ان سب کی زندگانیوں سے گئے ایک ماہ

ہونے کو آیا تھا لیکن فدا کو آج بھی وہ دن یاد تھا

جب رات کی سیاہی پھیلنے سے پہلے ہی حویلی میں

ولید کے ایکسیڈنٹ کی خبر آگئی تھی۔ ایک بلند و

بالا پہاڑ تھا جو ان سب کے سروں پر ٹوٹا تھا۔ گو

ولید شاہ کی لاش ہفتہ گزر جانے کے بعد بھی نہ ملی

لیکن اتنی اونچائی سے گرنے کے بعد اس کے

بچنے کے امکان ناممکنات میں سے تھے۔ حویلی

میں ماتم کا ساسماں تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔

خضدار کے مقامی باشندوں سے تحقیق کے بعد یہ

حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ ولید شاہ اس دنیا میں

نہیں رہا۔ اور وہ۔۔؟ وہ فدا حسین۔۔ اُسے زہرہ

کی زندگی کی یقین دہانی کروانے والا جذباتی انسان

خود ہی تو اُس کی موت کا سبب بنا تھا۔ ساری

گتھیاں سلجھتی چلی گئی تھیں۔ فدا کو اندازہ ہو چکا

تھا کہ ولید اس کی اور زہرہ کی گفتگو سن چکا ہے۔

اور اسی جان لیوا انکشاف نے اسے موت کے منہ

میں دھکیل دیا تھا۔ ریلنگ تھامے چھت کے

مخصوص گوشے میں کھڑے فدا نے ضبط سے

آنکھیں میچ لیں۔ اس کا وجیہہ چہرہ اس پل سرخ

ہو رہا تھا۔ پلکوں پر نمی چمک رہی تھی۔ قدموں

کی آہٹ پر اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے پلٹ

کر دیکھا۔ سویٹر کے بغیر وہ گرم سوٹ میں ملبوس

دوپٹہ سر پر لیے اسی کی جانب چلی آرہی تھی۔

آنکھیں رگڑتے ہوئے فدا اس کی جانب بڑھا اور

اپنے کندھوں سے گرم شال اتار کر حدیبہ کے

گرد پھیلا دی۔اس نے غمزدہ نظروں سے فدا کی

جانب دیکھا پھر ہولے سے اپنا سر اس کے

کندھے پر ٹکا دیا۔

"زندگی تھکنے لگی ہے سائیں۔۔!"پلکیں جھپکا جھپکا

کر اپنے آنسو اندر اتارنے کی کوشش کرتی وہ سیاہ

آسمان کو دیکھتے ہوئے بولی۔ فدا نے نرمی سے

اس کے گرد اپنا بازو پھیلا لیا۔

"ایسا کیوں سوچ رہی ہیں حیبہ۔۔ ابھی تو

شروعات ہے۔۔!" فدا نے اسے حوصلہ دینے

کی کوشش کی تو حدیبہ نے سر اٹھا کر اس کی

جانب دیکھا۔

"کیا فائدہ اس شروعات کا جب زندگی اتنی بے

اعتبار ہے سائیں۔۔؟ اُس (ولید) نے تو ابھی

شروعات بھی نہیں کی تھی ناں۔۔ پھر اس کی

زندگی کیسے ختم ہو گئی۔۔؟؟"ڈبڈبائی نظروں

سے اس کی جانب دیکھتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولی تو فدا کا دل تڑپ اٹھا۔اس نے بڑی نرمی سے

حدیبہ کی آنکھوں کے نم گوشے صاف کیے۔

"آپ صبر نہیں کر سکتیں۔۔؟؟" اس نے تھکے

تھکے سے انداز میں پوچھا۔

"آپ نے کر لیا کیا۔۔(صبر)؟؟" حدیبہ نے الٹا

اسی سے پوچھا۔ لہجہ اذیت سے پُر ہوئے تھا۔

فدا کی اداسی مزید بڑھ گئی۔

"میری بات اور ہے لیکن بی بی۔۔ آپ کا اس

کنڈیشن میں ٹینشن لینا ٹھیک نہیں ہے۔۔!" اسے

خود سے مزید قریب کرتا وہ سنجیدگی سے بولا تو

حدیبہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"میں ٹینشن نہیں لے رہی سائیں۔۔میرا دل پل

پل تڑپتا ہے۔کتنے خواب تھے میرے۔۔کتنی

خواہشات تھیں اُس کے حوالے سے۔۔!"اس

کا گریبان مٹھی میں جکڑتی وہ روتے ہوئے بولی۔

"وہ کیوں چلا گیا سائیں۔۔کیوں۔۔۔!"اس کی

آنکھوں سے نکلتے آنسو فدا کا گریبان بھگو رہے

تھے۔

"مجھے کہتا تھا کہ سب روایات توڑ ڈالوں گا۔نیا

نظام لاؤں گا۔یہ کمتری برتری۔۔سب ختم

کر دوں گا۔۔!!" وہ دھیمی آواز میں ولید کی باتیں

دہرا رہی تھی۔ فدا کا دل اس کی حالت پر کٹنے

لگا۔

"کہاں گئے اس کے دعوے سائیں۔۔ اس کے

عزائم تو مضبوط تھے۔ وہ کیسے چلا گیا۔ اللہ۔۔ میں

اپنے بھائی کو اب کیسے دیکھوں گی۔ کہاں۔۔

کہاں ڈھونڈوں گی اسے۔۔ سائیں بتائیں ناں میں

اب کیسے اس کا چہرہ دیکھوں گی۔ کیسے۔۔؟؟"

اس کے حصار میں روتی وہ بکھرتی جارہی تھی۔

"حیبہ خود کو سنبھالیں پلیز۔۔۔!" اس کی ہشت

سہلاتے ہوئے فدا نے بے چینی سے کہا۔

"کیسے سنبھالوں فدا۔۔ کیسے روکوں ان آنسوؤں

کو۔۔ میرا بھائی چلا گیا، بہنیں تو بھائیوں کے

صدقے چلی جاتی ہیں میں کیسی بہن تھی۔۔؟؟ وہ

اپنی جان سے چلا گیا اور مجھے پتہ بھی نہیں

چلا۔۔؟ میں کیوں نہ مر گئی۔ فدا مجھے کچھ ہو جاتا

ناں۔۔؟ اسے کچھ نہ ہوتا۔۔!" فدا کے کندھے

تھامے بامشکل کھڑی وہ ہچکیوں سے روتی ہوئی

بولی تو فدا نے تڑپ کر اسے بازوؤں سے تھامتے

ہوئے سیدھا کیا۔

"پاگل ہو گئی ہیں حیبہ آپ۔۔ کیسی باتیں کر رہی

ہیں۔۔ اللہ نہ کرے کہ آپ کو کبھی کچھ

ہو۔۔!!" اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا وہ

ناراضگی سے گویا ہوا تو حدیبہ نے ہارے ہوئے

انداز میں آنکھیں میچ لیں۔

"پہلے اماں۔۔اور اب ولی۔۔!" حدیبہ کے لب

بڑی مشکلوں سے پھڑ پھڑائے۔

"کیا تائی سرکار اور کیا ولید۔۔ ہم سب کو اُسی

(اللہ) کی طرف لوٹ کر جانا ہے بی بی۔۔ بس

مقررہ وقت کا انتظار ہے جو ہمیں سانسیں لینے پر

مجبور کیے ہوئے ہے۔۔!" اس کے بھیگے گال

صاف کرتے ہوئے فدا نے نرم لہجے میں اسے

سمجھانے کی کوشش کی تو حدیبہ نے آنکھیں

کھول کر اس کی جانب دیکھا۔

"اپنا مجھے نہیں پتہ سائیں۔۔ لیکن آپ کو میں خود

سے دور جانے نہیں دوں گی۔ آپ کے مقررہ

وقت پر بھی نہیں۔۔!!" اس کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر کہتی حدیبہ کی بھیگی ہوئی آواز

میں بچوں جیسی ضد تھی۔اس کی محبت پر فدا نا

چاہتے ہوئے بھی مسکرایا۔

"یہاں آئیں۔۔!" پیار سے کہتے ہوئے فدا نے

اسے اپنے سینے سے لگایا۔

"میں اپنے مقررہ وقت تک آپ کے ساتھ

رہوں گا ان شاء اللہ۔۔ یہ وعدہ ہے آپ

سے۔۔!" اس کے بالوں پر لب رکھتا وہ آہستگی

سے بولا تو حدیبہ نے اپنی دکھتی آنکھیں موند

لیں۔

"میں آپ کو مقررہ وقت پر بھی نہیں جانے دوں

گی۔ بالکل نہیں۔۔!" وہ ضدی پن سے بڑبڑائی۔

فدا خاموشی سے اس کی سرگوشیاں سن رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

تم چیخ کے کانوں پہ ہاتھ رکھ دو گی

میرے ساتھ ایسا حادثہ پیش آئے گا۔

"نہیں۔۔۔۔۔!" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر

بیٹھی۔ بھنورا آنکھوں میں وحشتوں کا بسیرا تھا۔

"آئے ہائے زہرہ۔۔کیا ہوا۔۔؟ کوئی برا خواب

دیکھ لیا کیا۔۔؟" اس کے ساتھ چارپائی پر کروٹ

بدلتی مائی کرماں نے نیند سے بھری آواز میں

پوچھا۔

"خواب اب نہیں آتے اماں۔۔!" خلاؤں میں

گھورتی وہ بڑبڑائی۔

" آئے ایک تو اللہ جانے اس باؤلی کو خود کلامی کی

بیماری کہاں سے لگ گئی۔۔!" وہ لحاف میں منہ

گھساتی بے زاری سے بڑبڑائیں۔ زہرہ یونہی کسی

مجسمے کی طرح بیٹھی کمرے میں پھیلی مدھم پیلی

روشنی میں سفید دیواروں کو گھور رہی تھی۔

"ہم اپنی الگ دنیا بسائیں گے.بیلیو می۔۔ تمہیں

بہت خوش رکھوں گا۔۔!" ولید کی مدھم

سرگوشی اس کے آس پاس ابھری تھی۔زہرہ

نے اپنے لرزتے ہاتھ نگاہوں کے سامنے کیے اور

ہتھیلیوں کو گھورنے لگی۔

"کہاں ہے وہ دنیا۔۔؟ کہاں ہیں خوشیاں۔۔؟"

اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔

" کبھی تو میری محبت کو سمجھ لیا کرو

زہرہ۔۔!" اس دشمن جاں کی آوازیں پچھلے

ایک ماہ سے اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھیں

اور آنکھیں۔۔؟ آنکھیں تو جیسے اس کی راہ تکتے

تکتے چندھیا سی گئی تھیں۔

"اے کلموہی سوجا کیوں میری بھی نیند خراب

کرتی ہے۔۔!" مائی کرماں لحاف کے اندر سے ہی

چلائی تو وہ چونک اٹھی۔کچھ حیرت سے اپنے آس

پاس دیکھا جیسے ماحول پہچاننے کی کوشش کی ہو۔

"تم پر مرتا ہوں تو کیا مار ہی ڈالو گی؟؟" ولید کا لہجہ

گزارش لیے ہوئے تھے۔زہرہ نے گھبرا کر اپنے

کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"سرکار کی جان۔۔۔!" وہ اس کے کان کے پاس

ہی بول رہا تھا۔ زہرہ نے سختی سے آنکھیں میچ

لیں۔

"میری محبت کا یقین کر لو۔۔!" سرگوشیاں بلند

تھیں۔ کانوں پر ہاتھ رکھنے کا کوئی فائدہ نہ ہو رہا

تھا۔

"خاموش ہو جائیں میں مر جاؤں گی۔۔!"

آنکھیں بند کیے وہ بھیگی آواز میں بڑبڑائی۔

"تم۔۔تم ایک سفاک اور بے حس لڑکی ہو۔تم

نے مارا ہے ولید کو۔۔!"یہ فدا تھا جو سرخ

آنکھیں لیے اس پر دہاڑ رہا تھا۔زہرہ کا سر تیزی

سے نفی میں ہلنے لگا۔

"تم میری بیوی ہو۔۔!" ولید کے لہجے میں مان

تھا۔

"کاش تم یہی یاد رکھ لیتی کہ تم ولید کی بیوی

ہو۔۔!" فدا کے الفاظ اس کے جسم پر کسی چابک

کی مانند لگ رہے تھے۔

"میری عزت ہو تم زہرہ۔۔!" ولید کی آوازیں

ہنوز اس کی سماعتوں میں زندہ تھیں۔زہرہ کی بند

آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔

"تم نے اس کی عزت کا گلا گھونٹ دیا، اچھا ہوا وہ

مر گیا۔۔!" کہتے ہوئے فدا خود بھی رویا تھا۔

زہرہ نے اپنی چیخوں کا گلا گھونٹنے کو اپنے بال

مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو

تم۔۔!" اسے یاد کرتے کرتے زہرہ کا دم گھٹنے

لگا۔

"تم نے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی

چھین لی۔۔۔تم۔۔۔تم خود مر جاؤ زہرہ۔۔!"

فدا بچوں کی طرح رو رہا تھا۔حویلی میں ولید شاہ

کی لاش نہیں لائی گئی تھی لیکن ہر شخص ماتم کر رہا

تھا۔

"مم۔۔میں نے کیا کِیا ہے۔۔؟"زہرہ کو آج بھی

اپنا سوال یاد تھا۔اس کے سوال پر وہ روتے

روتے طنزیہ ہنسی ہنسا تھا۔

"بس اتنا ہی کہ جس دن تم بڑے دھڑلے سے

مجھ سے محبت بھرے شکوے کر رہی تھیں،وہ

اُس دن۔۔اس پل۔۔کال پر موجود تھا۔۔!"یہ

دوسرا پہاڑ تھا جو زہرہ کے سر پر ٹوٹا تھا۔

"وہ صرف خواب تھا۔وہ میرا خواب تھا۔۔!"

فدا کو یقین دلانے کی کوشش کرتی وہ روتے

ہوئے چلائی۔

"میرا یقین کریں وہ خواب تھا۔۔۔!" وہ پاگل

ہونے لگی۔

"میں ڈر گئی تھی۔۔۔!" روتے روتے زہرہ کی

ہچکیاں بندھ گئیں۔

"ولی۔۔۔ولید کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔۔!"زہرہ

نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

"یقین کریں وہ خواب تھا۔

سرکار۔۔۔

سرکار۔۔۔۔

خواب تھا۔

خواب تھا وہ۔۔۔۔۔۔!!" وہ چیختی جا رہی تھی۔

آنسو اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔

"اے زہرہ۔۔زہرہ کیا ہوا تجھے۔۔اے پگلا گئی

ہے کیا۔۔!"اس کی چیخیں سن کر مائی کرماں اٹھ

کر بیٹھتی چلائی۔

"وہ خواب تھا۔۔وہ سچ ہو گیا۔۔میں نے اُسے

کھو دیا۔

میں لُٹ گئی۔۔میں برباد ہو گئی۔برباد ہو

گئی۔۔!" اپنے چہرے پر دونوں ہاتھوں سے تھپڑ

مارتی وہ پاگلوں کی سی حالت میں چلا رہی تھی۔

اس کی بگڑتی حالت دیکھ مائی کرماں نے جلدی

سے اس کے حرکت کرتے ہاتھ دبوچے۔

"پاگل ہو گئی ہے کیا زہرہ۔۔!" اسے سنبھالنے کی

کوشش کرتی مائی کرماں چلائی۔

"پاگل نہیں ہوئی اماں۔۔برباد ہو گئی۔۔وہ چلا

گیا۔مجھے چھوڑ گیا۔۔!" بری طرح روتی بڑبڑائی۔

"اللہ میرے اللہ۔۔اے باؤلی۔۔کون گیا۔۔

ہیں ری۔۔کس کی جان کو رو رہی ہے۔۔بول مر

جانی۔۔؟"اسے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑتی

مائی کرماں کو نئی فکر لاحق ہو گئی۔زہرہ نے

دھندلی آنکھوں سے اپنی ماں کا چہرہ پہچاننے کی

کوشش کی۔

"خواب سچ ہو گیا۔" وہ بڑبڑائی۔

"سب ختم ہو گیا۔

زہرہ بھی ختم ہو گئی۔

اس کی خوشیاں بھی خت۔۔م۔۔۔سب ختم۔۔

بس۔۔بس اب۔۔ قیامت آجانی چاہیئے۔

میری دنیا ختم ہوگئی اماں۔۔ قیامت کیوں نہیں

آئی۔۔؟؟ہیں۔۔؟ اب تو آجانی چاہیئے۔۔؟؟"

اپنے بھیگے گال صاف کرتی وہ ایک دم سنجید گی

سے بولی۔ اس کی پل پل بدلتی حالت دیکھتی مائی

کرماں کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

"زہرہ چپ کر جا کیوں میرا دل چیرتی ہے۔ کیا

ہوا ہے بتا مجھے۔۔؟؟ بول کچھ۔۔ بتا زہرہ۔۔!"

اسے جھنجھوڑتی وہ خود بھی رو پڑیں جبکہ زہرہ بے

دم سی ہو کر واپس لیٹ گئی۔

"نہیں بتاؤں گی۔۔ کبھی نہیں بتاؤں گی۔۔!"

چھت کو گھورتی وہ اطمینان سے بولی۔مائی کرماں

اپنا ماتھا پیٹتی اسے کوسنے لگی لیکن اس کے بے

حس وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔اس کی

سانسیں چل رہی تھیں لیکن وہ واقعی مر گئی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"مجھے کچھ بتاؤ گی بھی کہ ریزن کیا ہے۔۔؟؟"

اس کے مقابل کھڑا وہ ناراضگی سے پوچھ رہا تھا۔

"بتایا تو ہے کہ فضہ سے لڑائی ہو گئی تھی۔ تو

بس۔۔!" علیشہ نے کندھے اچکاتے ہوئے

لاپرواہی سے کہا۔

"لڑائی ہوئی اور ان کی اتنی ہمت ہو گئی کہ تمہیں

یونی سے ہی نکال دیا۔ تم مجھے ایک کال کر سکتی

تھیں۔۔!" اس سے خفا ہوتا وہ برہمی سے بولا تو

علیشہ نے اسے گھورا۔

"صرف پندرہ دن کے لیے سسپینڈ کیا ہے۔اس

معاملے کو اتنا سیریس مت لو تم۔۔!"علیشہ نے

اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"تم سے تو کچھ پوچھنا ہی فضول ہے ہر بات کا الٹا

ہی جواب دیتی ہو۔۔!" سارنگ نے اس کی

جانب سے رخ موڑتے ہوئے جھنجھلاہٹ

بھرے انداز میں کہا تو علیشہ نے ناک چڑھائی۔

"ہاں تو جب تمہیں پتہ ہے کہ میں سیدھا جواب

نہیں دیتی تو زرا کم کم ہی میرے منہ لگا کرو۔۔!"

اس کے سامنے آتے ہوئے علیشہ نے اسے

جواب دیا تو وہ کھول اٹھا۔

"ساری زندگی مجھے تمہارے ہی منہ لگنا ہے سو

بہتر ہے کہ تم اپنا یہ منہ سیدھا ہی رکھا کرو..!"

اس کی ٹھوڑی اونچی کرتے ہوئے وہ غرایا تو علیشہ

نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ تمہاری خوش فہمیاں

تمہیں لے ڈوبیں گی بہتر ہے سنبھل جاؤ۔۔!"

اپنے بال جھٹکتی وہ بے زاری سے بولی۔ سارنگ

نے بڑے ضبط سے اسے گھورا۔ تبھی ہادیہ پردہ ہٹا

کر وزٹینگ روم کے اندر داخل ہوئی تھی۔

"ہائے سارنگ۔۔کیسے ہو۔۔؟؟" ان دونوں

کے قریب آتی وہ چہکتے ہوئے بولی تو سارنگ نے

بامشکل اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔تم کیسی ہو۔۔؟" اس نے

بڑی مشکلوں سے مروت نبھائی۔

"تم بتاؤ کیسی نظر آرہی ہوں۔۔؟" اس کے اور

علیشہ کے درمیان آتی وہ سارنگ کی طرف اپنا

رخ کرتی ایک ادا سے بولی۔ وہ کچھ بے زار سی ہو

کر پلٹی اور صوفے پر رکھے اپنے بیگ کے قریب

پڑی شمس کی جیکٹ اٹھالی۔

"ہمیشہ جیسی ہی کیوٹ۔۔!" سارنگ نے

دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ہادیہ کھل

اٹھی جبکہ علیشہ جو سارنگ کی خوش اخلاقی کو بہت

اچھے سے سمجھ رہی تھی،خود بھی مسکراتے

ہوئے ان دونوں کے قریب آئی۔

"میرے پاس یہ سر شمس کی جیکٹ ہے۔میں

اُنہیں دے کر آتی ہوں پھر نکلتے ہیں سارنگ۔۔

اتنے تم ہادیہ کی کمپنی انجوائے کرو۔۔!"سارنگ

کی جانب دیکھتی وہ خلاف معمول قدرے نرمی

سے بولی تو سارنگ نے سخت نظروں سے اس کی

طرف دیکھا۔ ہادیہ کی موجودگی کے باعث وہ

چپ رہا ورنہ وہ لازماً اس سے پوچھتا کہ کسی سر

کی جیکٹ اس کے پاس کیا کر رہی ہے۔ اسے

اطلاع دے کر وہ وزیٹنگ روم سے باہر نکل

گئی۔۔

"علیشہ کو لینے آئے ہو۔۔؟؟" صوفے پر بیٹھتے

ہوئے ہادیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ سر

اثبات میں ہلاتے ہوئے خود بھی اس کے سامنے

والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہاں وہ کہہ رہی تھی کہ پندرہ دن یہاں کیا

کرے گی۔ اچھا ہے تھوڑا انوائرمنٹ چینج ہو

جائے اس کا۔۔!" ہادیہ نے خود ہی مزید بات

بڑھائی۔

"اس کی شخصیت میں ہی سو رنگ ہیں۔ اسے

انوائرمنٹ چینج کرنے کی کبھی ضرورت نہیں

رہی۔۔!" ٹانگ پر ٹانگ جماتے ہوئے سارنگ

نے مکمل اعتماد سے کہا۔ ہادیہ نے ہولے سے

اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں یہ تو ہے لیکن آئی تھنک ایسا اس کے ساتھ

فرسٹ ٹائم ہوا ہے۔فضہ نے ہر حد پار کی ہے،

مجھے علیشہ کے لیے اتنا برا فیل ہو رہا ہے،اُسے خود

کو کتنا برا فیل ہو رہا ہو گا۔۔!" سنجیدگی سے بات

کرتی وہ اداس سی ہوگئی تو سارنگ ٹیک چھوڑ تا

سیدھا ہوگیا۔

"کیا مطلب۔۔؟کیا کہا ہے فضہ نے۔۔؟"

سارنگ نے ہادیہ کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی

سے پوچھا۔

"علیشہ نے نہیں بتایا تمہیں۔۔؟" ہادیہ پچھ

حیران ہوئی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں ناں۔۔ تو تم بتاؤ

مجھے۔۔!" اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے

سارنگ نے اپنی بات جاری رکھی۔ہادیہ کو

احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط بول گئی ہے۔

"اگر اس نے نہیں بتایا تو پھر۔۔مم۔۔میں کیسے

بتا سکتی ہوں۔۔!"ہادیہ نے جھجھکتے ہوئے کہا۔

"میں جو پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ مجھے۔۔!" سارنگ

نے اس بار سختی سے کہا تو ہادیہ کا حلق خشک

ہونے لگا۔ گہرا سانس لیتی وہ اسے ساری بات

بتاتی چلی گئی۔ جیسے جیسے وہ بولتی گئی سارنگ کا چہرہ

سرخ ہوتا گیا۔

"اس حرافہ کی ہمت کیسے ہوئے علیشہ کے ساتھ

کسی اور کا نام جوڑنے کی۔۔؟؟" اپنے سامنے

پڑے میز کو پیر سے ٹھوکر مارتا وہ چلایا۔غصے سے

اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ہادیہ نے گھبرا کر اس کی

جانب دیکھا۔ آواز سن کر وارڈن اور گارڈ بھاگتے

ہوئے اندر آئے تھے۔

"سارنگ پلیز۔۔مجھے نہیں پتہ تھا کہ علیشہ نے

تمہیں کچھ نہیں بتایا ورنہ میں خاموش ہی

رہتی۔۔!" اس کے قریب آتی ہادیہ عجلت میں

بولی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں۔۔؟" گارڈ سختی سے بولتا

آگے بڑھا تو سارنگ نے سخت نگاہوں سے اسے

گھورا۔

"اوئے۔۔یہاں سے دفع ہو اور جا کر چوکیداری

کر جو تیرا کام ہے۔یہ تیرا مسئلہ نہیں ہے۔۔!"

گارڈ کو پیچھے دھکا دیتا وہ غرایا تو وارڈن نے خوفزدہ

ہو کر گارڈ کو باہر جانے کے لیے کہا۔

"دیکھئے سارنگ صاحب۔۔میں آپ کی عزت

کرتی ہوں لیکن یہاں یہ سب نہیں چلے گا۔۔!"

وارڈن نے کچھ نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا تو

سارنگ نے نخوت سے سر جھٹکا۔وارڈن منہ ہی

منہ میں بڑبڑاتی باہر نکل گئی۔

"کہاں ہے وہ لڑکی۔۔؟ کہاں ملے گی۔۔؟ اسے

میں بتاؤں گا کہ علیشہ چوہان کے منگیتر کا کیا سین

ہے۔۔!" ہادیہ کی طرف پلٹتا وہ کرخت لہجے میں

بولا تو ہادیہ نے گھبراہٹ میں اپنے ہاتھ آپس میں

مسلے۔

"وہ ابھی ہاسٹل میں نہیں ہے۔کام سے باہر گئی

ہے۔۔!"ہادیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔اس کے

جواب پر سارنگ کچھ دیر فرش کو گھورتا رہا پھر

تن فن کرتا وزیٹنگ روم سے باہر نکل گیا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

دروازے پر ہوتی دستک پر شرٹ کے بٹن بند

کرتے شمس کے ہاتھ پل بھر کو رکے تھے۔ اس

نے ایک بار آئینے میں خود کا جائزہ لیا پھر گریبان

کے بٹن بند کر کے کمرے کے دروازے کی

طرف آ گیا۔ دروازہ کھولنے پر جو چہرہ اسے نظر

آیا وہ اس وقت اسے اپنے سامنے ایکسپیکٹ نہیں

کر رہا تھا۔

"آپ۔۔؟؟" شمس نے کچھ حیرانگی سے پوچھا۔

علیشہ نے اپنے بازو پر لٹکتی جیکٹ اس کی طرف

بڑھائی۔

"آپ کی جیکٹ۔۔۔!" وہ سنجیدگی سے بولی۔

شمس نے ایک گہری نظر اس کے بے تاثر چہرے

پر ڈالی پھر بنا جیکٹ لیے واپس کمرے میں پلٹ

گیا۔ مجبوراً علیشہ کو اندر آنا پڑا۔

"کیا آپ کو اس کی ضرورت نہیں۔۔؟"علیشہ

نے استفہامیہ نظروں سے اس کی پشت کو دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

"مجھے اس دن لگا کہ آپ کو اس کی ضرورت ہے

سو آپ کو دے دی تھی۔۔!"شمس نے بیڈ پر

بیٹھتے ہوئے کہا۔وہ سائیڈ ٹیبل سے موزے نکال

رہا تھا۔

"میرے پاس ضرورت کی چیزوں کی کمی نہیں

ہے۔۔!"جیکٹ اس کے قریب ہی بیڈ پر پھینکتے

ہوئے اس نے مغرورانہ انداز میں کہا۔

"یعنی آپ جان بوجھ کر استعمال نہیں

کرتیں۔۔؟؟" موزے پہنتے ہوئے اس نے

نظریں اٹھا کر پوچھا تو علیشہ نے کندھے اچکائے۔

"جب ضرورت پڑتی ہے تب کر لیتی ہوں۔۔"

علیشہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"بائے داوے۔۔ تھینکس فار یور

کائنڈنیس۔۔!"جیکٹ کی طرف اشارہ کرتی

علیشہ نے دھیمی آواز میں کہا۔تو کھڑے ہوتے

ہوئے شمس نے دھیرے سے اثبات میں سر

ہلایا۔ علیشہ پلٹ گئی جبکہ شمس جیکٹ الٹ پلٹ

کر دیکھنے لگا۔

"مس علیشہ۔۔؟" جیکٹ پہنتے ہوئے شمس نے

اسے پکارا۔ وہ اس کی جانب گھومی۔

"ڈرائے کلین تو کروادی تھی ناں۔۔؟" پوچھتے

ہوئے اس کا لہجہ غیر سنجیدہ تھا۔ اس کے سوال پر

علیشہ نے ہاتھ لپیٹتے ہوئے ایک مسکراہٹ اس کی

جانب اچھالی۔

"اگر نہ کرواتی تو یقیناً یہ اس وقت آپ کے پہننے

کے قابل نہ ہوتی۔۔!" علیشہ نے مکمل اعتماد سے

جواب دیا تو وہ ہولے سے مسکرایا۔ وہ ایک بار پھر

جھکا اور شوز پہننے لگا۔

"ویسے اگر آپ کو یاد ہو تو آپ نے میرے

سامنے ایک دعویٰ کیا تھا۔۔؟" مصروف سے

انداز میں شمس نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

"ہمم۔۔۔کیسا دعویٰ؟؟" اس کی جانب بڑھتی وہ

بھنوؤں کو جنبش دیتی بولی۔

"کچھ تسخیر کرنے جیسا۔۔کوئی ضد تھی شاید۔۔

تھوڑی نفرت۔۔اور وہ محبت۔۔!" سنجیدگی سے

کہتے ہوئے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی تو

علیشہ کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

"آپ مجھ پر مہربان ہو رہے ہیں۔۔؟" پوچھتے

ہوئے اس کی بھوری آنکھیں جگر جگر کر رہی

تھیں۔ شمس کے لیے دامن بچانا ناگزیر ہو گیا۔

"نہیں میں آپ پر حیران ہو رہا ہوں۔۔!" شمس

نے بھرپور سنجیدگی سے جواب دیا تو علیشہ ایک

قدم مزید آگے بڑھی۔

"آپ کو پتہ ہے، آپ کی بے نیازی آپ کا ہتھیار

ہے۔۔؟؟"اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ آہستگی

سے بولی۔

"پتہ تھا لیکن اندازہ نہیں تھا کہ میری بے نیازی

اتنا موثر ہتھیار ثابت ہو گی۔۔!"اس کی آنکھوں

میں روشن ہوتی قندیلوں کو شمار کرتے ہوئے وہ

گھمبیر آواز میں بولا تو علیشہ ایک بار پھر مسکرائی۔

"میں بدکردار نہیں ہوں۔نہ ہی میرا دل کمزور

ہے۔ لیکن ماننا پڑے گا کہ آپ کے پاس دل

لوٹ لینے کے ہتھیار قابل تحسین ہیں۔۔!"

دھیرے سے کہہ کر وہ فوراً پلٹی۔

"سارے الزام مجھ ہی پر عائد مت کریں مس

علیشہ۔۔ آنکھیں تو آپ کی بھی تیر انداز

ہیں۔۔!" شمس نے فوراً اسے جواب دیا لیکن اس

بار وہ پلٹی نہیں تھی۔

"بہتر ہے کہ پھر آپ دل بچا کر رکھیں سر جی۔۔

تیر نشانے پر لگ گیا تو گھائل ہو جائیں گے۔۔!"

بنا پلٹے وہ مسکاتے لہجے میں بولی تو شمس نے اس

کے جواب پر چمکتی نظروں سے اس کی پشت کو

دیکھا۔ دہلیز میں پہنچ کر وہ پلٹی۔ پھر ہولے سے

مسکراتے ہوئے اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی اور

بھاگ گئی۔ اس کی یہ بے باک حرکت اس قدر

بے ساختہ تھی کہ وہ اپنی مسکراہٹ روک نہیں

پا یا تھا۔ جبکہ دوسری جانب وہ مسرور سی محبت کی

انگلی تھامے اس سفر پر گامزن ہو گئی جس کی

منزل یقیناً سراب تھی۔ وہ ٹیچرز ہاسٹل سے باہر

نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتی گرلز ہاسٹل کی طرف جا

رہی تھی۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے چلی تھی کہ

اس نے ایک مہنگی ترین گاڑی کو سڑک پار کرتی

ایک لڑکی کو ٹکر مارتے دیکھا۔ ٹکر اتنی زوردار

تھی کہ وہ لڑکی زمین سے دس پندرہ فٹ اونچا

اٹھتی واپس زمین پر گری تھی۔ گاڑی تیزی سے

فراٹے بھرتی آگے نکلتی چلی گئی۔ اردگرد موجود

افراد کی مانند وہ بھی اس جانب بھاگی لیکن اس

سے پہلے کہ وہ یا دوسرا کوئی شخص اس لڑکی تک

پہنچتا ایک اور گاڑی تیز رفتاری میں آئی تھی اور

سڑک کے بیچوں بیچ پڑے اس لڑکی کے آہیں

بھرتے وجود کو اپنے ٹائروں تلے کچلتی چلی گئی۔

اس لڑکی کا سر ایک جھٹکے سے اس کے جسم سے

جدا ہوا تھا۔ دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئیں۔

سڑک رنگین خون سے بھیگتی جا رہی تھی جبکہ

علیشہ تو بس پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے اس

لڑکی کے سر کو دیکھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ لڑکی

کوئی اور نہیں، اس سے چار دن پہلے لڑنے والی

فضہ تھی۔علیشہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بری

طرح چیختی وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"علیشہ صرف میری ہے۔۔ صرف

میری۔۔۔!" اگینشن میں چابی ڈالے وہ بس

اسے گھمانے کا منتظر تھا۔ ضد اور جنون سے

بھری آنکھوں میں سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کافی

فاصلے سے اس مرکز پر نگاہ جمائے گاڑی میں بیٹھا

ہوا تھا جہاں سے فضہ گزرنے والی تھی۔ تین سے

چار منٹ کے انتظار کے بعد اسے وہ آتی دکھائی

دے گئی۔اس نے سرعت سے اگینشن میں چابی

گھمائی۔کار سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے سپیڈ تیز

کر دی۔اس کی گاڑی تیزی سے اسی جانب بڑھ

رہی تھی۔فضہ سڑک پار کرنے کے لیے دو سے

تین قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ ایک سیاہ گاڑی

اسے ہِٹ کرتی آگے گزرتی چلی گئی۔اس نے

کچھ حیرت سے ہوا میں اچھلتی فضہ کو واپس زمین

پر گرتے دیکھا تھا اگلے ہی پل اس نے لب

بھینچتے ہوئے گاڑی فل سپیڈ سے فضہ کے ادھ

موئے وجود کی طرف لے جاتے ہوئے اس پر

چڑھادی۔ ایسا کرتے ہوئے اس نے اپنا سر چند

سیکنڈز کے لیے جھکا لیا تھا۔ کڑچ کی دردناک

آواز کے ساتھ فضہ کا سر اس کے دھڑ سے علیحدہ

ہو گیا تھا۔ اس کی بھیانک موت کا یہ منظر پہلے

والی گاڑی ڈرائیو کرتے جنید خان نے فرنٹ مرر

میں کچھ حیرت سے دیکھا تھا۔ اس نے دفعتاً گاڑی

کی سپیڈ ہلکی کر دی تھی تبھی وہ کسی تیز رفتار

آندھی کی مانند گاڑی ڈرائیو کرتا جنید خان کی

گاڑی کے قریب سے گزرا تھا۔ اس نے بھی اُس

پہلے شکاری کو دیکھنے کے لیے گردن موڑی تھی

تبھی جنید خان کی نظروں سے اس کی نظر ملی

تھی۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کو دیکھ کر

حیرت سے پھیل گئیں۔ جنید خان کی پیشانی پر

پسینے کے چند قطرے نمودار ہو گئے۔ اس نے

گاڑی کی سپیڈ بڑھاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے

سردار بدر لغاری کو کال ملائی تھی۔فضہ کو موت

کے گھاٹ اتارنے والی گاڑی اپنے راستے جانے

کی بجائے اب اس کا پیچھا کر رہی تھی اور جنید

گاڑی میں بیٹھے اس شخص کا مسئلہ بخوبی سمجھتا تھا۔

اس کا سامنا کرنے سے بچنے کے لیے اس نے

گاڑی شہری آبادی سے پرے بدر لغاری کے

فارم ہاؤس والے راستے پر ڈال دی۔ وہ بڑی تیز

رفتار سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ بیل جا رہی تھی

لیکن بدر لغاری کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ جنید

خان نے سرعت سے واٹس ایپ کھول لی۔

"سائیں آپ کے حکم پر میں نے اس لڑکی

کو۔۔۔" وہ ابھی بول ہی رہا تھا کہ اس کے پیچھے

آتی گاڑی نے اس کی گاڑی کو ٹکر ماری تھی۔ جنید

خان کا توازن خراب ہو گیا نتیجتاً موبائل اس کے

ہاتھ سے چھوٹ کر سیٹ سے نیچے جا گرا۔ ادھورا

وائس میسج سینڈ ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ جنید

گاڑی سنبھالتا پچھلی گاڑی اس کی گاڑی کے

سامنے آرکی۔ جنید کو مجبوراً گاڑی روکنی پڑی۔

گاڑی کا دروازہ کھولتا وہ باہر نکل آیا۔ آس پاس

جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ سڑک سنسان پڑی

تھی۔ مقابل بھی گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔

"فضہ مر چکی ہے اس لیے میں تم سے یہ نہیں

پوچھوں گا کہ تم اسے کیوں ہاسپٹل پہنچانا چاہتے

تھے۔۔۔!" جنید کے سامنے آکر رکتا وہ مدھم

لہجے میں بولا۔

"تو پھر کیوں روکا ہے میرا راستہ۔۔ کیا پوچھنا

چاہتے ہیں آپ۔۔؟؟" لب بھینچ کر نگاہ جھکاتا

جنید بڑے ضبط سے بولا۔

"صرف اتنا کہ کیا تم نے کچھ دیکھا ہے جنید

خان۔۔؟؟" اپنی پشت سے ریوالور نکال کر اس

پر تانتے ہوئے مقابل نے بے تاثر لہجے میں

پوچھا۔ جنید خان نے ناپسندیدہ نگاہوں سے اس

کی جانب دیکھا۔

"میں اپنے سائیں سے کچھ نہیں چھپاتا۔۔!" سر

اونچا کرتا جنید اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے بولا۔

"تو یعنی تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تم نے مجھے اس

لڑکی کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے

دیکھا۔۔؟ رائٹ۔۔؟؟" اس کے قریب آتا وہ

مشتعل انداز میں پوچھ رہا تھا۔ جنید خان نے کچھ

تاسف اور کچھ نفرت بھری نگاہوں سے پہلے اس

کے ہاتھ میں موجود ریوالور کی جانب دیکھا پھر

اس کے چہرے کو دیکھا جہاں ابھی بھی دنیا جہان

کی معصومیت تھی۔

"ہاں میں نے دیکھا ہے۔۔!" جنید نے بناڈرے

اسے جواب دیا کیونکہ بہر حال اسے موت قبول

تھی لیکن وہ سردار بدر لغاری سے غداری کی

جرات نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے جواب پر مقابل

نے اثبات میں سر ہلایا پھر اگلے ہی پل اس کی

پیشانی کا نشانہ لیتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ گولی عین

اس کی بھنوؤں کے درمیان گھستی چلی گئی۔ جنید

خان کے سر کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا اور اگلے ہی

پل وہ پورے قد سے سڑک پر ڈھے گیا۔ گولی

چلانے والے اس شخص نے اطمینان سے آسمان

کی جانب دیکھا۔

"مجھے دکھ ہے لیکن یہ ضروری تھا خان۔۔!" وہ

تصور میں جنید خان کی روح سے مخاطب ہوتا

مسکرایا۔

"اب کسی نے نہیں دیکھا۔۔!" دونوں ہاتھ

سرینڈر کرنے والے انداز میں اوپر کرتا وہ

معصومیت سے بولا۔ پھر اپنی ریوالور واپس پشت

پر لگاتا وہ اُس گاڑی میں جا بیٹھا جس کا پلیٹ نمبر

غائب تھا۔ وہ گاڑی جس پر اس کی کمپنی کا مارک

نہیں تھا۔ قریباً دو میل دور جا کر اس نے گاڑی کو

ایک جنگل کے بیچ و بیچ آگ لگا دی تھی۔ اس کے

لبوں پر ایک سفاک مسکراہٹ اور آنکھوں میں

اطمینان تھا۔

"اس کے نام کے ساتھ اس کے باپ کا نام

برداشت کرنا میری محبت کا ظرف ہے فضہ۔۔

اس کے نام کے ساتھ صرف میرا نام جڑے گا۔

صرف میرا۔۔ پھر تم کیسے اس کے ساتھ میرے

علاوہ کسی اور کا نام جوڑ سکتی تھیں۔۔؟؟

ہاں۔۔؟؟کیسے۔۔؟؟" جلتی گاڑی کے دھویں

کے باعث سیاہ پڑتے آسمان کی جانب دیکھتا وہ

اداسی سے گویا ہوا۔ چہرے پر مسکینیت طاری کر

رکھی تھی۔ پھر ایک دم کچھ سوچ کر وہ مسکرایا۔

"اب مل گئی ناں سزا۔۔۔؟ اب نہیں بولو گی

تم۔۔ کیونکہ۔۔۔ ھاھاھا کیونکہ اب تم بولنے

کے لیے زندہ ہی نہیں رہیں۔۔!!" اپنے ہی ہاتھ

پر ہاتھ مارتا وہ دھیمی ہنسی ہنستا چلا گیا۔ دسمبر کی

بھری دوپہر اس پل رات کا سا منظر پیش کر رہی

تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ سو کر اٹھی تو پہلی نگاہ گھڑی پر ہی پڑی جو صبح

کے دس بجا رہی تھی۔

"اللہ۔۔اتنی دیر تک کیسے سوتی رہی میں۔۔!"

اپنے بال سمیٹتی وہ جلدی سے مسہری سے اتری۔

اور واش روم کی جانب بھاگی۔جب تک وہ فریش

ہو کر کمرے میں واپس آئی نور بیگم بستر سمیٹ کر

اب مسہری کی چادر درست کر رہی تھیں۔

"ارے آپ کیوں کر رہی ہیں۔۔میں کر لیتی

اماں۔۔!" ان کے قریب آتے ہوئے مہرماہ نے

نرمی سے کہا۔پھر آہستگی سے ان کے ہاتھ سے

تکیہ لے کر وہ اس کا غلاف بدلنے لگی۔

"بابا چلے گئے۔۔؟؟" اس نے معمول کے مطابق

سوال پوچھا۔

"نہیں آج وہ گھر ہی ہیں۔ تمہارے ماموں آ

رہے ہیں ناں۔۔!" نور بیگم نے ہولے سے

مسکراتے ہوئے انہیں آگاہ کیا۔ مہرماہ کا موڈ پل

میں خراب ہوا تھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھاناں مجھے اُن سے نہیں

ملنا۔۔؟ ابی جی نے منع کیوں نہیں کیا انہیں کہ

یہاں نہ آیا کریں۔۔!" تکیہ مسہری پر پٹختے

ہوئے وہ بے زاری سے بولی تو نور بیگم نے ہارے

ہوئے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"خون کے رشتے اس طرح سے نہیں توڑے

جاتے۔ اور ان کے بیٹے کی غلطی میں ان کا تو کوئی

قصور نہیں ہے۔۔!" اس کے پیچھے ہی آتی وہ

سبھاؤ سے گویا ہوئیں۔

"اماں آپ مجھے مت سمجھائیے۔ نفرت ہے مجھے

منصب عالم شاہ اور اس سے جڑے ہر رشتے

سے۔۔!" کھڑکی کے پردے ہٹاتی وہ نفرت

آمیز لہجے میں بولی۔

"سلام دعا لے لینے سے تمہاری شان میں کوئی کمی

نہیں آجائے گی مہر۔۔!"نور بیگم نے اسے ٹوکا تو

مہرماہ نے شاکی نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

"میں ان کی آواز بھی نہیں سننا چاہتی کجا کہ ان کا

چہرہ دیکھنا اور پھر سلام۔۔۔۔!" وہ غصے سے

کھولتی مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

"جس سے نفرت ہے اس کی آواز سن سکتی

ہو۔۔؟ اس سے بات بھی کر سکتی ہو لیکن اس

کے باپ سے بات نہیں کر سکتیں۔۔؟؟" اسے

سخت نظروں سے دیکھتی وہ کافی درشتگی سے بولی

تھیں۔ مہرماہ کی رنگت پل میں پھیکی پڑی تھی۔

" آ۔۔ آپ کیا بات کر رہی ہیں اماں۔۔؟" اس

نے کچھ گھبرا کر پوچھا۔

"میں تمہاری ماں ہوں مجھے دودھ پیتی بچی نہ

سمجھو۔ بہت اچھے سے جانتی ہوں کہ کل رات

فون پر کون تھا۔۔!" اس کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے نور بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ منصب ہے۔۔!" مہر ماہ

نے نظریں چراتے ہوئے اپنی صفائی دینے کی

کوشش کی۔

"کیا واقعی۔۔؟" نور بیگم کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔

مہر ماہ نے تڑپ کر ان کی جانب دیکھا۔

"آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں اماں۔۔؟؟"مہر ماہ

نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

"میں تم پر شک بالکل نہیں کر رہی۔میں صرف

تمہیں بتا رہی ہوں کہ کہیں نہ کہیں تمہارا شعور

اس بات سے واقف تھا کہ دوسری جانب کون

ہے مہر۔۔۔!"نور بیگم نے اس کی الجھن

سلجھانے کی کوشش کی۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔مجھے لگا وہ سعد

ہے۔۔!"مہر ماہ نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کی

کوشش کی تو نور بیگم نے کچھ کھوجتی نگاہوں سے

اس کا چہرہ دیکھا۔ آنکھیں لفظوں کا ساتھ دے

رہی تھیں۔ انہوں نے کچھ سوچ کر اثبات میں

سر ہلا دیا۔

"بہر حال۔۔ اپنے ماموں سے نہ ملنے کی ضد چھوڑ

دو۔ باہر آؤ اور ناشتہ کر لو۔۔!" اپنے سر پر جمی

چادر درست کرتے ہوئے نور بیگم نے کہا اور خود

اس کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ مہرماہ نے

گہرا سانس لیتے ہوئے روشن آسمان کی جانب

دیکھا۔

"تو پھر میرے دل کی سن لو۔۔ یہ بہت کچھ کہنا

چاہتا ہے ماہی۔۔!" منصب کی گھمبیر آواز اس

کے آس پاس سرگوشیاں کرتی ہوا میں محلول ہو

گئی۔ کھڑکی کا پٹ زوردار آواز سے بند کرتی وہ

کمرے سے باہر نکل گئی۔

□♦□♦□♦□♦

"کافی۔۔؟؟" مگ میں کافی چھینٹتے ہوئے منصب

نے پلٹ کر اس سے پوچھا جو دس منٹ سے

صوفے پر بیٹھی کمرے میں نظریں دوڑا رہی

تھی۔

"مجھے پسند نہیں ہے۔۔!" سیشلی نے اطمینان

سے کہا تو منصب نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے

لیے کافی بناتا رہا۔

"پھر ناشتے میں کیا لو گی۔۔؟" کافی کا مگ ہاتھ میں

پکڑے بیڈ کی جانب آتے ہوئے منصب نے

نرمی سے پوچھا۔

"میں ریسٹورنٹ سے لے لوں گی کچھ بھی۔۔

میرے پاس کچھ پینیز ہیں۔۔!" سیشلی نے

مسکراتے ہوئے اسے اطمینان دلایا۔ وہ کچھ

سوچتے ہوئے خاموش رہا۔ پھر اس سے مزید کوئی

سوال کیے بنا وہ خاموشی سے یونیورسٹی کے لیے

تیار ہوتا رہا۔ قریباً بیس منٹ بعد وہ اپنے کندھے

پر بیگ اور بازو پر اپنا لمبا کوٹ ڈالے، یونیورسٹی

جانے کے لیے تیار تھا۔

"چلیں۔۔۔؟" منصب نے اس سے پوچھا تو وہ دو

پونیوں میں مقید اپنے بال پیچھے کرتی اٹھ کھڑی

ہوئی۔ وہ دونوں آگے پیچھے ہی منصب کے روم

سے نکلے تھے۔ گزشتہ رات وہ اسے اپنے ساتھ

ہوٹل ہی لے آیا تھا کہ اس وقت اسے یہی

مناسب لگا تھا۔ وہ صوفے پر سو گئی تھی جبکہ وہ

خود آرام سے بیڈ پر سوتا رہا تھا۔ جب وہ اسے نیچے

ریسٹورنٹ سے دس پاؤنڈز میں ناشتہ کروانے

کے بعد روڈ تک آیا تو وہ خفیف سی ہنسی ہنستے

ہوئے اپنی جینز کی پاکٹ سے پینیز نکال کر ان

سے کھیلنے لگی جن کے بدلے وہ ناشتہ کرنے کا

ارادہ رکھتی تھی۔ پھر وہ دونوں پہلی بس سے

کیمبرج یونیورسٹی آف لندن کے مین گیٹ پر

اتر گئے۔

"ہیو آ گڈ ڈے سیشلی۔۔!" اسے اسی راستے پر

چھوڑتے ہوئے منصب نے بے تاثر لہجے میں کہا

جہاں وہ اسے پہلی بار ملی تھی۔

"یوٹو بٹ لسن۔۔۔؟؟" اسے اپنے قریب سے

گزر کر آگے جاتا دیکھ وہ جلدی سے بولی۔ منصب

نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"بولو۔۔؟"

تمہارا نام کیا ہے۔۔؟ تم نے ابھی تک نہیں

بتایا۔۔!" سیشلی نے دانت نکوستے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے لیے جاننا ضروری نہیں ہے۔۔!"

منصب نے بے مروتی سے اسے جواب دیا۔

"تم بس وہ ہی کام کرتے ہو کیا جو بہت ضروری

ہو۔۔؟؟" اس کی جانب بڑھتی وہ ناراضگی سے

بولی۔

"میں تمہیں ناشتا کروا چکا ہوں۔ اب تمہیں میرا

دماغ نہیں کھانے چاہیئے سیٹلی۔۔!" منصب نے

اسے شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس

نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"تمہارا دماغ کھانے کے لیے میری بیلی کا خالی ہونا

ضروری نہیں ہے۔ میں ایسے بھی یہ کام کر سکتی

ہوں۔۔ آزما کر دیکھ لو۔۔۔!" سیشلی نے بڑے

اعتماد سے سر اونچا کر کے کہا۔

"اوہ گاڈ۔۔ لسن۔۔ مون۔۔ مون نام ہے

میرا۔۔!" اس سے جان چھڑوانے کو منصب نے

عجلت میں کہا تو سیشلی کھل کر مسکرائی۔

"نام تو پیارا ہے لیکن میرے نام سے کم۔۔!"

کندھے اچکاتی وہ اترا کر بولی۔

"کیا اب تم جاؤ گی۔۔؟؟" وہ دانت پیستے ہوئے

بولا۔

"نہیں میں یہاں سے تمہیں جاتے ہوئے

دیکھوں گی تم جاؤ۔۔!" سیٹلی نے ہاتھ لپیٹتے

ہوئے کہا۔اس کی نگاہیں منصب پر ہی تھیں جس

کی مغرور ناک سردی کے باعث سرخ ہو رہی

تھی۔وہ اپنے سنجیدہ چہرے پر کلین شیو کے

ساتھ کافی رُوڈ دِکھ رہا تھا، ہاں اس کی سرمئی

آنکھیں معصومیت لیے ہوئے تھیں۔ سیشلی کے

جواب پر وہ آل رائٹ کہتا آگے بڑھ گیا۔ معاً کچھ

یاد آنے پر سیشلی اس کے پیچھے بھاگی۔

"مون مون۔۔بات سنو۔۔۔!" اس کے پیچھے

لپکتی وہ چلائی۔ منصب نے صبر کا کڑوا گھونٹ

بھرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"اب کیا ہے۔۔؟" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا تو

سیشلی شرمندہ ہونے کی بجائے مسکرائی۔

"تمہاری شرٹ۔۔!" سیشلی نے اس کے سینے کی

طرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔

"کیا ہے میری شرٹ کو۔۔؟" اس نے اپنی

شرٹ کی جانب دیکھتے ہوئے نا سمجھی سے پوچھا۔

"بٹنز کھلے ہیں اور مجھے تمہارا ٹیٹو نظر آرہا۔ مجھے

نظر آرہا ہے اس کا مطلب ہے یونیورسٹی میں بھی

سب کو نظر آئے گا۔ سو تم یا تو یہ بٹنز بند کر لو یا

پھر یہ جو کوٹ بازو پر ڈالا ہوا ہے یہ پہن لو۔۔!"

اپنے ہاتھ باندھتے ہوئے سیشلی نے بڑے آرام

سے اسے تفصیلی جواب دیا تو منصب نے اس بار

آنکھیں چھوٹی کر کے اس چار فٹ کی مصیبت کو

دیکھا۔

"اور تم مجھے یہ آرڈر کس حق سے دے رہی

ہو۔؟؟" وہ کافی سختی سے پوچھ رہا تھا۔

"آرڈر نہیں ریکویسٹ ہے۔ورنہ تمہارا یہ ٹیٹو

دیکھ کر کوئی اور سیٹلی تمہارے پیچھے پڑ گئی تو تم ہی

پریشان ہو جاؤ گے۔۔!" بڑی رازداری سے کہتے

ہوئے اس نے آخر میں پھر سے دانت نکالے۔

منصب کا دل کیا اسے اٹھا کر کہیں دور پھینک

دے۔لب بھینچ کر اپنا سر اثبات میں ہلاتا وہ اپنے

گریبان کے بٹن بند کرتے پلٹ گیا۔ سیتلی اپنی

پونیوں سے کھیلتی سڑک کے اطراف میں دور

تک پھیلے باغیچے میں اتر گئی جس کے آخر میں اس

کی رہائش تھی۔اس کی شرٹ کے بٹنز بند کروا کر

وہ پرسکون ہوچکی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وقت دھیرے دھیرے بیت رہا تھا۔ولید شاہ کو

بھلانا مشکل نہیں ان سب کے لیے قریباً ناممکن

تھا۔اسے ان کی زندگانیوں سے گئے ڈھائی ماہ

ہونے کو آئے تھے۔ یہ کہنا غلط نہیں تھا کہ سید

ذوالفقار عالم شاہ کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ وقار عالم

شاہ دن میں بارہا اسے کام کے سلسلے میں پکارتے

اس کے کمرے کے دروازے پر جا کھڑے

ہوتے تو کئی بار زہرہ کے قدم ڈگمگا جاتے۔ فدا

اور حدیبہ کو ایک دوسرے کا سہارا نہ ہوتا تو شاید

ان کی حالت بھی باقیوں سے علیحدہ نہ ہوتی۔ وہ

ولید کی وفات کے بعد سے ان ڈھائی ماہ میں فقط

ایک دن کے لیے کراچی گیا تھا لیکن اب اس کے

امتحانات سر پر تھے۔ امتحان فدا کے تھے اور

جان حدیبہ کی جا رہی تھی۔

"کیا جانا ضروری ہے۔۔؟؟" اسکے کندھوں پر

گرم شال پھیلاتی وہ پیار بھرے لہجے میں پوچھ

رہی تھی۔ فدا نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھام کر

اپنے لبوں سے لگا لیے۔ حدیبہ ہولے سے

مسکرائی۔

"ایگزیمز نہ ہوتے تو آپ کو چھوڑ کر کبھی نہ

جاتا۔۔!" اس کا رخسار سہلاتے ہوئے وہ نرم

لہجے میں بولا۔

"سائیں جلدی آجائیے گا۔۔میں آپ کو بہت یاد

کروں گی۔۔!" اپنے گال پر رکھے اس کے ہاتھ

پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے حدیبہ نے فکرمندانہ لہجے

میں کہا۔

"ایک ماہ سے پہلے تو نہیں آپاؤں گا حبیبہ۔۔!"

فدا نے اسے چھیڑنے کو کہا تو حدیبہ نے خفگی سے

اس کی جانب دیکھا۔

"اور اس ایک ماہ میں میرا خیال کون رکھے گا۔یہ

بتایئے گا زرا۔۔!"اس کی قمیض کا کالر درست

کرتے ہوئے وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"آپ خود رکھیں گی ناں ان شاء اللہ۔۔!" اس

کی ناک کھینچتے ہوئے وہ مدھم آواز میں بولا تو

حدیبہ نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے گھورا۔

"یہ ظلم مت کریں سائیں۔۔ جلدی آجائیے

گا۔۔۔!" اس سے دور ہوتے ہوئے حدیبہ نے

نگاہیں جھکا کر کہا تو وہ مسکرایا۔

"آپ پہلے جانے تو دیں۔یوں منہ لٹکائے رکھیں

گی تو میرا دل کیسے آپ سے دور جانے پر آمادہ ہو

گا۔۔؟ ہمم۔۔؟؟" اس کی ٹھوڑی اونچی کرتے

ہوئے فدا نے غیر سنجیدگی سے پوچھا تو حدیبہ نے

نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہاں کسی کو بھی میری حالت کا نہیں پتہ

سائیں۔۔میں کسی کو بھی یہ خوشخبری نہیں دے

پائی۔ اگر آپ کے پیچھے میری طبعیت بگڑ گئی

اور۔۔۔!" وہ بول رہی تھی جب فدا نے اس کے

لبوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"اللہ آپ کو کبھی کچھ نہ کرے کیسی باتیں کر رہی

ہیں۔ آپ فکر مت کریں میں سعیدہ آپا کو بتا کر

جاؤں گا وہ چھوٹی حویلی سے کسی خادمہ کو بھیج

دیں گی آپ کے پاس۔۔!" اسے تسلی دینے کو وہ

نرم لہجے میں بولا۔ ولید کی وفات کے بعد ہی

حدیبہ کو اپنی بدلتی کیفیت کے باعث اندازہ ہو

گیا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ اس کے شک کی

تصدیق مائی کرماں نے کر دی تھی لیکن حدیبہ

نے حویلی میں چھائے ماتمی ماحول کے باعث

انہیں کسی کو ابھی بتانے سے منع کر دیا تھا۔

"جو بھی ہے لیکن آپ جلدی آنے کی کوشش

کیجیئے گا۔۔!" حدیبہ نے اسے کہنا اپنا فرض سمجھا

توفدا نے اسے خود سے لگاتے ہوئے اپنی جلدی

واپسی کا یقین دلایا تھا۔ اس کا سفری بیگ پہلے ہی

گاڑی میں رکھوا دیا گیا تھا سو وہ اسے حویلی کے

اندرونی دروازے تک چھوڑنے کے لیے اس

کے ساتھ چلی آئی۔ اسے رخصت کر کے وہ

واپس آئی تو لاؤنج سے گزرتے ہوئے کچن سے

آتی غیر معمولی آوازوں پر اسے عجیب سا احساس

ہوا۔ تبھی صندل بیگم کی تلخ چنگھاڑتی آواز نے

حدیبہ کو ساکت کر دیا تھا۔

"ارے میں جو کہہ رہی ہوں کہ اس کا پیر بھاری

ہے۔ نہیں یقین تو بلوا لو کسی دائی کو۔۔اس کی

چوٹی ماں تو کچھ پھوٹے گی نہیں منہ سے۔۔!"

صندل بیگم کی بات سن کر وہ تیزی سے کچن کی

جانب بڑھی۔ کچن میں داخل ہوتے ہی اس کی

نگاہ سامنے ہی سر جھکائے کھڑی زہرہ پر پڑی تھی

جس کے سر پر کھڑی صندل بیگم چیخ رہی تھیں۔

قریب ہی ناجیہ بیگم پریشان سی کھڑی معاملہ

سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جبکہ مائی کرماں

منہ پر دوپٹہ رکھے کھڑی رو رہی تھی۔ وہ تو بیٹی کی

حالت سے اس، رات کی صبح ہی واقف ہو گئی تھی

جس رات وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخی تھی۔ مائی

کرماں کے ہزار اصرار کرنے کے باوجود زہرہ

نے منہ نہیں کھولا تھا مجبوراً مائی کرماں نے اسے

اپنے کپڑے پہننے کو دے دیے تھے۔ لیکن آخر

کب تک۔۔؟ کب تک یہ سچ چھپ سکتا تھا۔ دو

ماہ باقی رہ چکے تھے اب زہرہ کی حالت چھپانا

ناممکن ہی تو تھا۔

"کیا ہوا ہے بھابھی۔۔ آپ یہ کس قسم کی بات

کر رہی ہیں۔ زہرہ ایسی نہیں ہے۔۔!" زہرہ کے

قریب جاتی حدیبہ نے اس کی صفائی دینے کی

کوشش کی۔

"آئے بی بی تم تو چپ ہی رہو۔یہ کل کی چھوکری

تم سب کو چکما دے سکتی ہے لیکن مجھے نہیں۔۔

یہ امید سے ہے، اس کی شکل بتا رہی

ہے۔۔۔!" اسے بالوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ

اونچا کرتی وہ چلائی۔ زہرہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر

تھا۔ حدیبہ نے بے یقین نگاہوں سے اس کا

چہرہ۔۔ اس کا سراپا دیکھا جو صندل بیگم کے

لفظوں کی تصدیق کر رہا تھا۔

"زہرہ تم۔۔۔؟؟" حدیبہ دکھ بھری نگاہوں

سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔زہرہ کا نڈھال

وجود زمین میں دھنس جانے کو تھا۔

"بتا کس کا گند ہے یہ۔۔بول۔۔کس کے ساتھ

منہ کالا کیا ہے تُو نے۔۔بتا کم بخت ورنہ معاملہ

بابا جی سرکار تک جائے گا۔۔ بول۔۔" اس کے

بال نوچتی صندل بیگم دہاڑی۔زہرہ کی سانولی

رنگت زرد پڑ گئی۔مائی کرماں ہاتھ جوڑے روتی

چلی جارہی تھی۔

"یہ کیسا سلوک ہے صندل۔۔بات آرام سے

بھی کی جا سکتی ہے۔۔!"ناجیہ بیگم نے بیچ میں

مداخلت کرنے کی کوشش کی۔

"یہ اسی سلوک کے قابل ہے منحوس۔۔مجھے تو

بہت پہلے ہی اس کے لچھن نظر آ گئے تھے۔۔!"

اس کے منہ پر تھپڑ مارتی وہ پاگلوں کی طرح

چلائیں۔

"حویلی کی عزت مٹی میں ملادی بے غیرت

نے۔۔!" اسے دھکا دیتے ہوئے وہ مزید بپھری۔

ناجیہ بیگم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا جب کہ حدیبہ کی

آنکھوں میں بھی زہرہ کے لیے تاسف اور

ناپسندیدگی تھی۔

"بول ورنہ تیری جان نکال لوں گی میں آج۔۔بتا

کس کے ساتھ منہ کالا کیا تُونے۔۔بول۔۔؟؟"

اس کی کمر پر تھپڑ مارتی وہ ساتھ ساتھ تفتیش بھی

کر رہی تھیں۔

"تم میری عزت ہو۔۔ اور اس حویلی کی بہو

بھی۔۔!" ولید شاہ کی تسلیاں۔۔ دعوے۔۔

وعدے۔۔ سب اسی کے ساتھ مٹی ہو گئے تھے۔

زہرہ کے سر پر ضربیں لگ رہی تھیں۔ وہ بس

سائیں سائیں کرتے دماغ میں ولید شاہ کے الفاظ

کی بازگشت محسوس کر رہی تھی۔ باقی سب

آوازیں تو جیسے معدوم ہو چکی تھیں۔ اس تماشے

کو دیکھنے کے لیے کئی ملازمائیں لاؤنج تک چلی

آئیں۔مائی کرماں صندل بیگم کے پیر پکڑتی انہیں

زہرہ کو پیٹنے سے روک رہی تھیں لیکن ان کا ہاتھ

روکنے والا کوئی نہیں تھا۔اور جو تھا۔وہ ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے دور جا چکا تھا۔

"جو تمہیں دیکھے گا اسے میں آکر دیکھ لوں

گا۔۔!" ولید شاہ کی مان بھری دھونس۔۔وہ

زمین پر سجدے کی حالت میں جھک کر اپنی پشت

پر ضربیں برداشت کرنے لگی۔ آنسوؤں کی

جھڑی آنکھوں سے بہتی چلی جا رہی تھی۔ اس کا

دل اس پل چیخ چیخ کر ولید شاہ کو پکار رہا تھا جواب

شاید کبھی واپس نہیں آنے والا تھا۔ وہ مر چکا تھا۔

اور شاید اب زہرہ کو بھی مر ہی جانا تھا۔

"رک جائیے بھابھی بس کریں۔۔!" زہرہ کو

مسلسل مار کھاتے دیکھ حدیبہ سے برداشت نہ ہوا

تو وہ آگے بڑھتی چلائی۔

"تم چپ رہو حدیبہ۔۔ یہ سب تمہاری ہی

لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ دن رات یہ تمہاری

خدمتوں میں ہی غرق رہتی ہے ناں اور تمہیں ہی

اس کے کالے کرتوتوں کا پتہ نہیں چلا۔۔؟؟؟"

زہرہ کو چھوڑتی وہ اس پر گرجیں تو حدیبہ اپنی

جگہ بھونچکارہ گئی۔ بھلا وہ اپنی صفائی میں کیا کہتی

کہ ولید کی موت کے بعد وہ خود اس طرح سے

ٹوٹی تھی کہ آس پاس کسی چیز کی ہوش نہ رہی

تھی۔

"یہ آپ مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہیں

بھابھی۔۔؟ مانا آپ بڑی ہیں لیکن میں آپ کی

ملازمہ نہیں ہوں جو آپ مجھ سے اس انداز میں

مخاطب ہیں۔ آپ۔۔!"ناپسندیدہ انداز میں کہتے

ہوئے حدیبہ نے وقفہ لیا۔

"آپ حد کر رہی ہیں۔۔!"شہادت کی انگلی

اٹھاتے ہوئے وہ بڑے تحمل سے بولی تھی۔

"اور اس کلموہی نے جو ہر حد پار کر دی ہے اس

کے بارے میں کیا کہو گی تم۔۔پوچھوناں اس سے

کہ کس کا گند ہے یہ۔۔تم ہی پوچھ لو اگر میں حد

کر رہی ہوں تو۔۔۔!" گہرے سانس لینے کی

کوشش کرتی وہ اپنی چادر سنبھالتے ہوئے بولیں

توحدیبہ آہستگی سے اس کے قریب بیٹھی اور

اسے کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا۔زہرہ کے

سانولے چہرے پر زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں۔

اندر کو دھنسی پانیوں سے بھری بھنورا آنکھیں

اس پل عجب بے رنگی دکھائی دے رہی تھیں۔

یوں جیسے کوئی نئی نویلی دلہن شادی کے دوسرے

ہی دن بیوہ ہو کر خود کو روگ لگا بیٹھی ہو۔ اس کا

چہرہ دیکھ کر حدیبہ کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔

"زہرہ۔۔۔ تم ٹھیک ہو۔۔؟؟" اس کی ٹھوڑی

نرمی سے چھوتے ہوئے حدیبہ نے دھیمے لہجے میں

پوچھا۔مائی کرماں بھی حدیبہ کو سہارا دیتے دیکھ

سرعت سے بیٹی کے قریب ہوئی تھی۔جس کے

چہرے سے ہی اس کے اندر کا درد عیاں ہو رہا

تھا۔

"میں زندہ ہوں بی بی۔۔؟بتایئے کیا میں زندہ

ہوں۔۔؟؟"پلکیں جھپکاتی زہرہ نے بے یقینی

سے حدیبہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔لہجہ

کانپ رہا تھا۔حدیبہ کے دل میں ہول سے اٹھنے

لگے۔ وہ وحشت زدہ کھنڈر کا سا سماں پیش کر رہی

تھی۔

"مجھے بتاؤ یہ بچہ کس کا ہے۔۔؟ زبردستی کی ہے

کسی نے۔۔؟ زبردستی کی ہے ناں۔۔؟ بتاؤ مجھے

زہرہ۔۔۔؟؟" اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے

حدیبہ نے بے حد مدھم آواز میں پوچھا۔ لہجہ

یقین سے پر تھا جیسے اسے زہرہ پر کسی قسم کا شک

نہ ہو۔ کہ اگر وہ امید سے تھی تو اس میں اس کا

کوئی قصور نہیں تھا۔

"بتاؤ زہرہ۔۔ کس نے کیا ہے یہ تمہارے

ساتھ۔۔؟؟" حدیبہ کی آواز ایک بار پھر زہرہ

کی سماعتوں میں اتری تھی۔ اس کی روشن

آنکھوں کے سامنے یکایک گھور اندھیرا چھا گیا۔

بالکل ویسا ہی جیسا اس رات چھایا تھا۔۔

"زہرہ۔۔۔!" وہ اسے پکار رہا تھا۔زہرہ کا دل

ٹرین کی سی رفتار سے دوڑنے لگا۔وجود میں کہیں

درد کی سی لہر اٹھی تھی۔

"مجھے کچھ۔۔ نظر نہیں آ رہا۔۔!" وہ بڑبڑائی۔

ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ حدیبہ نے بے

ساختہ اسے تھاما۔

"زہرہ تم ٹھیک ہوناں۔۔؟؟" حدیبہ نے اس

کا گال تھپتھپایا۔مائی کرماں شدتوں سے رونے

لگیں۔

"رکو زہرہ میں چھوڑ آتا ہوں تمہیں۔۔!" ولید

شاہ کی مدھم آواز اس کے آس پاس تھی۔ باقی

تمام آوازیں مدھم ہو رہی تھیں۔

"زہرہ بولتی کیوں نہیں۔۔؟ میں کہہ رہی ہوں

ناں کسی نے زبردستی کی ہے اس کے ساتھ یہ ایسا

نہیں کر سکتی۔۔!" اس کا سر اپنی گود میں رکھے

حدیبہ چلائی۔زہرہ کے وجود میں پھیلتا درد جان

لیوا تھا۔

"سرکار مجھے جانے دیں۔۔!" دور دور تک بارش

کے آثار نہ تھے لیکن اُس رات کی تاریکیوں کو

محسوس کرتی زہرہ کو برستی تیز بارش کے شور میں

اپنی چیخیں دبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ولید

شاہ کا مضبوط حصار اسے گھیرے ہوئے تھے۔

آج پھر۔۔ سات ماہ بعد۔۔ زہرہ کو اپنے گرد وہی

گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ آس پاس خوشبو تھی،

ولید شاہ کے وجود کی خوشبو۔ فرق اتنا تھا کہ

سات ماہ پہلے اس خوشبو نے اسے کوفت اور

نفرت میں مبتلا کیا تھا جبکہ آج وہ اس شخص کی

الفت اور چاہت میں مبتلا تھی۔ زہرہ اپنے حلق

سے اڈتی چیخوں پر قابو نہیں کر پائی تھی۔ حدیبہ

کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔مائی کرماں نے

شرمندگی سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔زہرہ آنکھیں

میچے چلارہی تھی۔صندل بیگم تو تن فن کرتی

وہاں سے چلی گئیں جبکہ زہرہ کی بگڑتی حالت

دیکھ کرناجیہ بیگم نے فوراً گاؤں کی دائی کو بلاوا بھیجا

تھا۔ وقت آن پہنچا تھا۔۔ وہ وقت۔۔ جس کے

بعد بڑی حویلی کی بنیادیں ہل جانے والی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

مردہ خانے میں اس پل موت جیسا سناٹا چھایا ہوا

تھا۔ جینز کی جیبوں میں سے ایک میں ہاتھ

پھنسائے جبکہ دوسرے ہاتھ کی مٹھی بھینچے وہ کسی

مجسمے کی مانند ساکت کھڑا بے تاثر نگاہوں سے

جنید خان کا سفید پڑ چکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔پیشانی

پر بھنوؤں کے درمیان روئی رکھ کر پٹی باندھ دی

گئی تھی۔سردار بدر لغاری کی سیاہ آنکھوں میں

اس پل کوئی تاثر نہیں تھا، اور اگر ہوتا تو یقیناً تباہ

کن ہوتا۔

"سر۔۔۔ایس-پی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔۔!"

یونہی کھڑے کھڑے جانے کتنا وقت بیتا تھا جب

اس کا اسسٹنٹ اس کے قریب آکر مدھم آواز

میں بولا تھا۔

"ہوں۔۔۔ آتا ہوں۔۔!" سر اثبات میں ہلاتے

ہوئے بدر نے حد سے زیادہ بھاری ہوتی آواز میں

کہا۔ بلاوا لے کر آنے والا اسسٹنٹ چپ چاپ

واپس پلٹ گیا۔ بدر ایک بار پھر جنید خان کے

مردہ وجود کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم نے اچھا نہیں کیا خان۔۔ تمھیں مرنے کی

بجائے، مقابل کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہئیے

تھا۔۔!" اس کی بند آنکھوں کو گھورتا وہ سرد

ترین لہجے میں بولا۔ بدلے میں اسے کوئی جواب

نہیں ملا تھا۔

"جو تم نے نہیں کیا، وہ میں کروں گا۔ ایسی موت

ماروں گا اسے کہ وہ قبر میں اتر کر بھی بھول نہیں

پائے گا۔۔!" ہاتھ کی مٹھی کو مزید سختی سے بھینچتا

وہ مدھم لہجے میں بولا۔ پھر آہستگی سے جنید خان

کا چہرہ سفید چادر سے ڈھانپ کر وہ مردہ خانے

سے باہر نکل آیا۔

"جی ایس۔پی صاحب۔۔ آپ کی انویسٹیگیشن

کو نتیجہ ملایا۔۔؟؟؟" ایس۔پی کے سامنے جا کر

کھڑے ہوتے ہوئے سردار بدر لغاری نے اپنے

مخصوص لہجے میں استفسار کیا۔

"جناب سترہ گھنٹوں میں نتیجہ ملنا ایک ناممکن سی

بات ہے۔۔۔!" اپنی شرٹ کا کالر درست کرتے

ہوئے ایس۔پی نے سنجیدگی سے کہا۔

"سترہ گھنٹوں سے جائے وقوعہ بلاک ہے

ایس۔پی صاحب پھر بھی آپ نتیجہ اخذ کرنے

کے قابل نہیں ہوسکے۔۔؟؟"مقابل کو خاکستر

کر دینے والی نگاہوں سے دیکھتا وہ سخت لہجے میں

بولا۔

"مسئلہ صرف ایک قتل کا نہیں ہے۔ مقتول نے

اپنے قتل سے بائیس منٹ پہلے جس لڑکی کو زخمی

کیا تھا اسے دوبارہ گاڑی تلے کچل کر مار دیا گیا

ہے۔ ایک ہی دن میں، وقت کی چند گھڑیوں نے

آگے پیچھے دوڑتے ہوئے دو جانیں لے لی ہیں۔

یہ پتہ لگانا بے حد ضروری ہے کہ اس لڑکی کے

قاتل کا جنید خان کے قتل سے کوئی لینا دینا ہے یا

نہیں۔۔!" ایس۔پی نے بڑی سنجیدگی سے اسے

معاملات کی نوعیت سے آگاہ کیا۔

"اس کا کیا مطلب ہے۔۔؟ آپ جس لڑکی کی

بات کر رہے ہیں اسے جنید قطعی نہیں جانتا تھا۔

اگر اس سے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے تو وہ محض

ایک غلطی ہو سکتی ہے۔ اصلی مجرم وہ شخص ہے

جس نے ایک زخمی لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار

دیا۔ ہو سکتا ہے قاتل کی اس لڑکی سے کوئی ذاتی

دشمنی ہو لیکن جنید خان کی اس سے کوئی دشمنی

نہیں ہو سکتی۔۔۔!!" بدر نے کچھ سوچ کر اپنی

رائے کا اظہار کیا۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ قاتل دو الگ اشخاص

ہیں کیونکہ جس دوسری گاڑی نے فضہ کو مارا ہے

وہ جنید خان کی ڈائریکشن سے بالکل الٹ سمت

میں جنگل کے بیچ و بیچ جلتی ہوئی ملی ہے۔ گاڑی پر

کوئی نمبر پلیٹ یا کمپنی کا مارک نہیں ہے۔ یہ

اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کہ گاڑی کس کمپنی

سے خریدی گئی ہے۔۔!"

ایس۔پی نے سنجیدگی سے کہا تو بدر لغاری نے

اثبات میں سر ہلایا۔

"سر۔۔وہ بلٹ۔۔اگر آپ مجھے ایک بار دیکھنے

دیں تو یقیناً ہمارے لیے کیس سولو کرنے میں کچھ

آسانی ہو گی۔۔!" ایس۔پی مزید بولا تو سردار

بدر لغاری کی سختی سے بھنچی ہوئی مٹھی کچھ ڈھیلی

پڑ گئی۔اس نے آہستگی سے مٹھی کھولی اور ہتھیلی

ایس پی کے سامنے کر دی۔اس کی مضبوط ہتھیلی

اس پل سرخ ہو رہی تھی سوائے گولی کے اس

نشان کے جو مٹھی بھینچنے کے باعث اس کی ہتھیلی

پر پڑ گیا تھا۔لٹھے کی مانند سفید، بالکل جنید خان

کے چہرے کی طرح۔۔ایس۔پی نے آہستگی سے

وہ گولی اس کی ہتھیلی سے اٹھالی۔ پھر نگاہوں کے

سامنے کیے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

"می اپنے آٹھ سالہ کیرئیر میں یہ بلٹ پہلی بار

دیکھ رہا ہوں۔ حد سے زیادہ شارپ ہے، اور شاید

پاکستان میں دستیاب بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر ایسا

ہوتا تو یقیناً میں پہلے یہ بلٹ دیکھ چکا ہوتا۔۔!"

گولی اپنی مٹھی میں مقید کرتے ہوئے ایس۔پی

نے مدھم لہجے میں کہا۔

"آپ چاہیں تو کیس سولو ہونے تک یہ بلٹ اپنے

پاس رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ یہ کیس سولو نہ

کر سکیں تو بلٹ میرے حوالے کر دیجئے گا، میں

خود اس کے مالک کو ڈھونڈ لوں گا۔۔!" اپنے

بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود اناری یاقوت

کو گھماتے ہوئے بدر نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر آپ کو اتنا ہی یقین ہے کہ آپ قاتل تک

پہنچ سکتے تو پہلے یہ کوشش آپ ہی کیوں نہیں کر

لیتے۔۔؟؟" ایس۔پی نے بظاہر مسکرا کر لیکن

کچھ چبھتے لہجے میں کہا تو بدر نے سنجیدہ نگاہوں سے

ایس۔پی کو گھورا۔یہ تو وہی جانتا تھا کہ وہ اپنے

باپ سردار شمعون لغاری کی وجہ سے پولیس کی

مدد لینے پر مجبور تھا ورنہ وہ خود مجرم تک پہنچنے

کے سو طریقوں سے واقف تھا۔

"میں ہمیشہ کامیاب کوشش کرتا ہوں، ناکامی

مجھے پسند نہیں ہے ایس۔پی صاحب۔۔جب

مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو جائے گا تب میں یقیناً

کوشش کروں گا۔ لیکن شرط اول آپ کی ناکامی

ہے۔۔!" دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں

گھساتے ہوئے سردار بدر لغاری نے ٹھنڈے

ٹھار لہجے میں کہا تو اس قدر عزت افزائی پر مقابل

کی بھنویں تن گئیں۔

"آپ مجھے انڈر ایسٹیمیٹ کر رہے ہیں مسٹر

لغاری۔۔!" ایس۔پی نے کندھے چوڑے

کرتے ہوئے کہا تو بدر نے لاپرواہی سے ارد گرد

دیکھا۔

"بہتر ہے کہ برا ماننے کی بجائے آپ اپنی قابلیت

کو پروو کریں۔وقت کم ہے اور مسئلہ طویل ہے،

مجھے سات دنوں میں قاتل میرے سامنے

چاہئیے۔۔۔!" بنا اس کی طرف دیکھے بے تاثر

لہجے میں کہتا وہ پلٹ گیا۔ اس نے ایس۔پی کو اتنا

ہی وقت دیا تھا جتنا وقت سردار شمعون لغاری

نے اس سے قاتل کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے لیا

تھا۔ اور بدر جانتا تھا کہ اُن کا ڈی۔آئی۔جی سے

براہ راست رابطہ ہے۔ ایس۔پی نے خار کھاتی

نگاہوں سے اس کی پشت کو گھورا جس کے سامنے

وہ ڈی۔ آئی۔جی کی وجہ سے بے بس تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"تم نے مارا ہے ناں اُسے۔۔؟؟ مان کیوں نہیں

لیتے کہ یہ تم نے کیا ہے۔۔؟" اس کے سامنے

کھڑی وہ آنکھوں میں سرخی لیے اشتعال انگیز

لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"میں تمہیں کسی قسم کی صفائی دینے کا پابند نہیں

ہوں علیشہ۔۔ اور یہ جس نے بھی کیا ہے لیکن

آخر اس لڑکی کا مقدر موت ہی تھی۔ اُسے

تمہاری ذات سے کسی اور کو منسوب کرنے سے

پہلے سوچنا چاہئیے تھا۔۔!" اس کی جانب سے رخ

موڑتا سارنگ لاپرواہی سے بولا۔علیشہ نے پلکیں

جھپکتے ہوئے اس کا غرور سے بلند ہوا سر دیکھا۔

"تم انسان نہیں جانور ہو سارنگ۔۔میں نے تم

سے پہلے بھی کہا تھا کہ بے گناہوں کی جان لے

کر تم ہمیشہ اس دنیا میں بچ نہیں پاؤ گے۔ایک

ناں ایک دن تم نتیجہ ضرور بھگتو گے۔۔!!"اس

کے مقابل آتی وہ سر اٹھا کر جتاتے ہوئے لہجے

میں بولی تو سارنگ نے سرد نگاہوں سے اس کا

غصے سے تمتماتا ہوا چہرہ دیکھا۔

"فی الوقت تو تم صرف اپنی فکر کرو۔۔!" کہتے

ہوئے وہ اس کی جانب جھکا۔علیشہ بنا ڈرے ڈٹ

کر اپنی جگہ کھڑی رہی۔

"یہ دوسری بار ہے جب تمہاری وجہ سے چاچا

سائیں کو مشکل پیش آ رہی ہے۔ اگر تمہارے

یہی حالات رہے تو پھر وہ دن دور نہیں جب تم

میری دسترس میں ہوں گی اور تب تمہیں مجھ

سے کوئی نہیں بچا پائے گا۔۔!" ٹھہر ٹھہر کر

گہرے لہجے میں بولتا وہ مزید اس کے کان کے

قریب جھکا تو علیشہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے خود

پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اسے خاموش پا کر وہ

سیدھا ہوتے ہوئے ہولے سے مسکرایا تھا۔ علیشہ

نے لب بھینچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیٹس سی۔۔!" سارنگ کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے علیشہ نے پر اعتماد انداز میں کہا تو سارنگ

کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اسے نظر

انداز کرتی وہ اس کے کمرے سے جانے کو اٹھی

کے بل گھومی تبھی سارنگ کی آواز پر اس کے

قدم اپنی جگہ تھمے تھے۔

"اگلے ایک ہفتے تک اس گھر سے تو کیا اپنے

کمرے سے نکلنے کا بھی مت سوچنا علیشہ۔۔

تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم چند دن اپنا

موبائل بھی آف رکھو۔۔!" سارنگ کی سنجیدہ

لہجے میں دی گئی دھمکی نما ہدایت پر علیشہ دوبارہ

اس کی جانب مڑی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے یہ سو کالڈ آرڈرز

مانوں گی۔۔ ہمم؟؟" ہاتھ لپیٹتی وہ بھنویں اچکا کر

بولی تھی۔

"تمہیں ماننا پڑیں گے علیشہ۔۔فضہ کی موت سے

پہلے تم دونوں کی جو لڑائی ہوئی ہے اس نے

پولیس کے شک کو اس گھر کے دروازے دکھا

دیے ہیں۔۔!" اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش

کرتا وہ قدرے تحمل سے بولا تھا۔

"مائے فٹ۔۔ قتل تم نے کیا ہے میں کیوں

بھگتوں۔۔؟؟ میں کل ہی شہر واپس جاؤں

گی۔۔!" اپنا پاؤں پٹختی وہ غرائی۔

"بکواس بند کرو ورنہ میں تمہارا منہ اور ٹانگیں

دونوں توڑ دوں گا۔ اور قتل کس نے کیا ہے یہ

تمہارا سر درد نہیں ہے۔ کہہ رہا ہوں ناں کہ ایک

ہفتہ ویٹ کرو تو ضد کرنے کی بجائے ویٹ کرو۔

اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا پھر چلی جانا

شہر۔۔!" غصے سے کھولتا وہ اس پر چلایا تو علیشہ

نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ پھر تن

فن کرتی وہ اس کے کمرے سے نکل آئی۔ باہر

نکلتے ہی اس کی نظر لاؤنج سے آتے عالم پر پڑی

تھی۔ وہ تیزی سے بھاگتی اس کے سینے سے

جا لگی۔ بھوری آنکھیں آنسو ضبط کرنے کی

کوششوں میں لال ہو رہی تھیں۔عالم نے آہستگی

سے اس کے گرد بازو پھیلایا۔

"تم ٹھیک ہو۔؟؟" دوسرے ہاتھ سے اس کا

سر سہلاتے ہوئے عالم نے نرمی سے پوچھا۔اس

سے الگ ہوتے ہوئے علیشہ نے بامشکل اثبات

میں سر ہلایا۔

"جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں تمہارا کوئی قصور

نہیں ہے علیشے۔۔اٹ واز جسٹ این

ایکسیڈنٹ۔۔!" اس کا سر پیار سے تھپکتے ہوئے وہ

نرمی سے گویا ہوا۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔مجھے کیوں قید کر دیا

گیا ہے میری تو کوئی غلطی نہیں ہے۔۔؟؟" عالم

کی جانب دیکھتی وہ عجب جھنجھلائے ہوئے لہجے

میں بولی۔

"تمہیں تو میں نے روم میں جانے کا کہا تھا۔!"

اس سے پہلے کہ عالم اسے کوئی جواب دیتا اسے

اپنے پیچھے سارنگ کی سرد آواز سنائی دی تھی۔

علیشہ غصے سے اس کی جانب گھومی۔

"اپنے آرڈرز جیب میں سنبھال کر رکھو یہ میرے

کسی کام کے نہیں سمجھے تم۔۔۔!"شہادت کی انگلی

اٹھاتی وہ چلائی۔

"تمیز سے بات کرو علیشہ ورنہ۔۔۔!" اس کی

طرف بڑھتا وہ دہاڑا جب علیشہ کو سرعت سے

اپنی طرف کرتا عالم سارنگ کے سامنے آیا۔

"ورنہ کیا۔۔؟؟" سارنگ کی آنکھوں میں دیکھتا

عالم سنجیدگی سے بولا۔

"ورنہ میں اس کی زبان کھینچ لوں گا۔۔!" عالم کو

دیکھتا وہ بنا جھجھکے گویا ہوا۔ انداز اکھڑ تھا۔

"اپنی حد میں رہو سارنگ چوہان۔۔ لاوارث

نہیں ہے یہ۔۔ اس کے تین بھائی سلامت ہیں

ابھی۔۔!"علیشہ کو اپنے حصار میں لیتا وہ درشتگی

سے گویا ہوا تو سارنگ اسے گھورتا رہ گیا۔

"منگیتر ہے یہ میری۔۔!" وہ مدھم آواز میں

غرایا۔

"ہاں لیکن ملکیت نہیں ہے۔۔!" اسے جتاتے

ہوئے عالم دھیرے سے مسکرایا۔

"تم روم میں جاؤ میں آتا ہوں۔۔!" سارنگ کو

دیکھتا وہ علیشہ سے بولا تو وہ سارنگ پر ایک نفرت

بھری نگاہ ڈال کر وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

"تم اسے شہہ دے رہے ہو عالم۔۔!"لہجہ مدھم

کرتا سارنگ چبا چبا کر بولا۔

"میں اسے تم سے بہتر جانتا ہوں۔اور جو تم کر

رہے تھے وہ اسے باغی کر دے گا سارنگ۔۔اور

یہ ہم میں سے کسی کے لیے بھی اچھا نہیں ہو

گا۔۔!" عالم نے بھی لہجے کو مدھم کرتے ہوئے

سنجیدگی سے کہا۔

"یہ فلسفے مجھے سمجھ نہیں آتے عالم شاہ۔۔میں

جانتا ہوں کہ اپنے گھر کی عورت کو کیسے قابو کرنا

ہے۔اس لیے اس کی بغاوت کی فکر تم مت

کرو۔۔!" اس کی جانب سے رخ موڑتا وہ پشت

پر ہاتھ باندھتے ہوئے بولا۔ عالم نے کچھ

ناپسندیدگی سے اس شخص کی جانب دیکھا جو اس کا

ماموں زاد نہ ہوتا تو یقیناً وہ اب تک اس کے منہ

پر ایک دو تھپڑ جڑ چکا ہوتا۔

"تمہارے گھر کی عورت میری بہن ہے۔ مجھے

اس کی بغاوت اور اطاعت، دونوں کی فکر کرنے

کا حق حاصل ہے۔ تم بس آئندہ اپنی حدود کا

خیال رکھنا ورنہ میں ہمارے مابین رشتے کا لحاظ

نہیں کروں گا۔۔!!" سارنگ کی پشت کو گھورتا

وہ سنجیدگی سے بولا۔ پھر بنار کے علیشہ کے کمرے

میں آگیا۔ اسے دیکھتے ہی وہ بیڈ سے اترتی اس کی

جانب لپکی تھی۔

"دیکھا تم نے۔۔؟ دیکھا اس جاہل کو۔۔؟ یہ

ایسے ہی مجھ پر رعب جھاڑتا ہے۔۔!" اسے

بازوؤں سے تھامتے ہوئے وہ غصیلے پن سے بولی۔

"ریلیکس۔۔جسٹ کول ڈاؤن۔۔تم اپنا سامان

پیک کرو۔میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں

گا۔۔!"اس کا گال تھپتھپاتا وہ نرمی سے بولا۔

"لیکن بابا سائیں۔۔؟؟"علیشہ کے لب ہلے۔۔

"میں کر لیتا ہوں اُن سے بات۔۔ تم پیکنگ

کرو۔۔!" اسے مطمئن کرتا وہ اس کے کمرے

سے نکل گیا تو وہ پر سکون سی ہو کر اپنی پیکنگ

کرنے لگی۔

□♦□♦□♦□♦

دکھ ہوں

درد ہوں

ساز ہوں

یا بیتے دنوں کی آواز ہوں

میں جو کچھ بھی ہوں

جو کوئی بھی ہوں

"تم بن اداس ہوں"

گھٹنوں پر بازو رکھے گاڑی کی چھت پر بیٹھا وہ کسی

اجڑے کھنڈر کی ویرانیوں کا منہ بولتا ثبوت لگ

رہا تھا۔ سر زرا سا بلند کیے وہ خالی خالی نظروں سے

آسمان پر چمکتے پورے چاند کو دیکھ رہا تھا جو شہری

رونقوں سے دور اسے اپنے بے حد قریب

محسوس ہو رہا تھا۔یہ آبادی سے دور ایک اجڑی

سڑک کے کنارے ڈھے چکی چٹان کا منظر تھا

جہاں تنہائی کے سوا اس کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔

"کیا کروں میں۔۔؟

کیسے یہ دن کاٹوں جنہیں گنتی کرتے کرتے میں

مزید بے قرار ہو رہا ہوں۔۔!!

تمہارے اور میرے مابین ان فاصلوں کو کیسے ختم

کروں جو مجھے ختم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔۔!"

چاند میں اس کا عکس تلاشتا وہ مدھم آواز میں

بڑبڑایا۔ لہجہ بے قراریاں سمیٹے ہوئے تھا۔

سرمئی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

"یا اللہ۔۔ اللہ مجھے سکون دے دے۔۔!"

آنکھیں میچ کر گہرا سانس خارج کرتا وہ آہستگی

سے بولا۔ لہجہ بھیگنے لگا تھا۔ وہ شاید رو پڑتا جب

اچانک فون پر بجتی میسج رنگ نے اسے ہوش دلایا

تھا۔ منصب نے فون نگاہوں کے سامنے کیا۔

عمیر کی جانب سے پانچ واٹس ایپ میسجز تھے۔

اس نے فوراً اوپن کیے۔ سلام کے میسج کے ساتھ

مہرماہ کی ایک ہی لباس میں چار تصاویر تھیں۔ پوز

مختلف تھے۔ منصب نے فوراً عمیر کو وائس میسج

بھیجا تھا۔

"آئندہ تُو مجھے اس کی کوئی تصویر نہیں بھیجے گا

عمیر۔۔ میری اس بات کا صرف ایک ہی مطلب

ہے اور وہ یہ کہ تُو اس سے دور رہے گا۔ آگئی

سمجھ۔۔؟؟؟" اسے میسج بھیج کر منصب نے بے

اختیار اپنی پیشانی کو مسلا تھا۔ نگاہیں خاموشی سے

سکرین پر نظر آتے ان نقوش کو چھو رہی تھیں

جو اس کے دل پر نقش پا تھے۔ چند سیکنڈز بعد

عمیر کا "اوکے" کا میسج آ گیا تھا۔ منصب نے

موبائل ڈیٹا آف کیا اور پیچھے کی جانب لیٹ گیا۔

کتنے پل یونہی بیت گئے اسے کچھ پتہ نہ چلا۔

سردی اس پل اپنے زوروں پر تھی لیکن وہ لانگ

کوٹ پہنے ہوئے تھا جس کے باعث اسے کچھ

سکون تھا۔ بے سکونی تب ہوئی جب ایک دم تیز

ہوا چلنے لگی۔ وہ سیدھا ہوتا گاڑی کی چھت سے

اترا۔ سیاہ آسمان چاند کی سنہری روشنی سے محروم

ہو چکا تھا اور اب وہاں بادلوں کا ڈیرہ تھا۔ برف

باری کے آثار نمایاں تھے۔ وہ گاڑی میں بیٹھا اور

سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

اس سرد موسم کے برعکس اس کا دل پوری

شدت سے جل رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی

تھیں۔ رات کے دو بجنے والے تھے۔ دل ایک

ہی جانب ہمک رہا تھا، مجبوراً وقت کی پرواہ کیے بنا

اس نے ایک بار پھر وہی نمبر ملایا تھا جسے ملانا اس

پر ممنوع تھا۔

"میں کہہ رہی ہوں فون مت کرنا آئندہ۔۔مجھے

نہیں سننا کچھ بھی۔۔!" اس کی پچھلی دفعہ دی گئی

دھمکی اسے یاد آئی تو وہ بے بس سا رو دیا۔ بیل جا

رہی تھی لیکن منصب نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

" آئی ہیٹ یو منصب عالم شاہ۔۔ آئی ہیٹ

یو۔۔!!" اس نے خود سے اظہار نفرت کیا تھا۔

"شاید وہ کال ریسیو کر لے تم ہمت کیوں ہار رہے

ہو۔۔؟" اس حوصلہ دیتی اس کی محبت گڑگڑائی

تھی۔

"نفرت کرتی ہے وہ مجھ سے۔۔میری آواز سنتے

ہی فون رکھ دے گی وہ۔۔!"موبائل ڈیش بورڈ

پر رکھتا وہ چلایا۔

"لیکن تم تو محبت کرتے ہو ناں۔۔اس سے کیا

فرق پڑتا ہے کہ وہ کال کاٹ دے گی۔۔تم۔۔

تم تو اس کی آواز سن لو گے ناں۔۔!" دل نے فوراً

اسے جواب دیا تھا۔ منصب نے بے دردی سے

اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"ہاں۔۔ میں۔۔ میں تو سن ہی لوں گا لیکن۔۔!"

گاڑی سے باہر دیکھتا وہ بھیگی آواز میں بڑبڑایا۔

"لیکن کیا۔۔؟ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ

تمہارے لیے اس کی آواز سے زیادہ تمہاری انا کی

چیخیں اہم ہیں۔۔ جھکنا نہیں چاہتے ناں

تم۔۔؟؟" یک دم محبت اس کے قریب ہوتی اس

کے کان میں چیخی تھی۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔ منصب عالم شاہ کی آن اور

یہ جان۔۔۔ دونوں۔۔ اس پر قربان ہیں۔۔!"

نفی میں سر ہلاتا وہ بڑبڑایا۔

"تو پھر اسے کال ملاؤ اور اپنا حال دل سناؤ۔ ملاؤ

کال۔۔!" اس کی پیٹھ تھپکتا اس کا دل مسکاتے

ہوئے بولا تھا۔ منصب نے گہرے سانس لیتے

ہوئے پل بھر کو آنکھیں میچ لیں۔

"ہاں میں اس سے بات کروں گا۔ وہ نہ کرنا چاہے

تب بھی۔۔ ہر حال میں کروں گا۔۔ کروں گا

میں۔۔!" خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے دوبارہ

وہی نمبر ملایا تھا۔ آخری بیل پر کال ریسیو کرلی گئی

تھی۔ نیند سے بھری وہی نسوانی آواز۔۔ منصب

کا دل بے اختیار ہونے لگا۔ کیسی کیسی خواہشیں

تھیں جو اس کے سینے کی دیواروں میں قید دل

میں پھڑ پھڑا رہی تھیں۔

"تم نے مجھے منع کیا تھا کہ کال مت کرنا۔۔!" وہ

نہایت دھیمی آواز میں بولا۔ دوسری جانب مہرماہ

کی نیند پل میں ہوا ہوئی تھی۔

"تم۔۔؟ تت۔۔۔ تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے

ہو۔۔؟؟" وہ دبی دبی آواز میں چلائی تھی۔

"میں تمہارے پیچھے نہیں پڑا۔ تم میرے سامنے

آ کر کھڑی ہو گئی ہو۔ ہٹتی ہی نہیں ہو سامنے سے

تو پھر کیا کروں۔۔!" بے بس ہوتا وہ ہارے

ہوئے لہجے میں بولا۔ آواز میں آنسوؤں کی نمی

گھلی ہوئی تھی۔ انداز بچوں جیسا تھا۔

"میری بات کان کھول کر سن لو منصب عالم

شاہ۔۔میں تمہارے ان بہکاوؤں میں نہیں آؤں

گی میری جان چھوڑ دو ورنہ۔۔ورنہ میں ابی جی کو

بتادوں گی۔۔!"مہرماہ نے لرزتی آواز ہوئی میں

کہا۔

"تمہیں تمہارے ابی جی کی قسم ہے ماہی۔۔

میری فریاد سن لو۔۔!!" وہ بچوں کی طرح

گڑگڑایا۔اس کی بات پر مہرماہ کے حواس ساتھ

چھوڑنے لگے۔

"لعنت ہے تم پر۔۔اپنے مطلب کے لیے تم

میرے ابی جی کا نام استعمال کر رہے ہو۔۔!"

"ماہی ماہی مجھے پاگل مت کرو۔میری سوچیں

پریشان ہیں۔میں تمہارے لیے تڑپ رہا ہوں

میرا یقین کرو۔۔!"

"اور مجھے تمہاری یہ فون کالز پریشان کر رہی ہیں

مجھے تنگ مت کرو۔۔!"

"اور جو تمہاری یادیں مجھے تنگ کرتی ہیں اس کا

کیا۔۔؟؟؟"

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے یہ جھوٹ۔۔۔!!"

وہ غرائی۔

"نفرت کرتی ہو ناں مجھ سے۔۔؟؟" وہ رو دینے

کو تھا۔

"کوئی شک ہے تمہیں۔۔؟؟"مہرماہ کی آواز

سلگتی ہوئی تھی۔منصب کا حلق خشک ہونے لگا۔

باہر برف باری شروع ہو چکی تھی۔

"مجھے یقین ہے۔یقین ہے مجھے لیکن تم بھی تو

میرا یقین کرو۔۔!"وہ گزارش کرنے پر اتر آیا۔

یہ فطرت کب تھی اس کی؟؟

یہ عادت تو نہ تھی۔

عاجزی۔۔

منت۔۔

سماجت۔۔

اور۔۔اس قدر چاہت۔۔

کچھ بھی تو اس کا خاصہ نہ تھا تو پھر یہ کیا ہوا

تھا۔۔؟؟کیوں ہو گیا تھا۔دل چیخ رہا تھا اور

دوسری جانب وہ خاموش تھی۔

"میری بات سنو۔۔اگر تم کہہ دوناں کہ کہو

منصب عالم شاہ۔۔تو میں اپنی آخری سانس تک

کہتا رہوں گا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔۔!" ٹھہر

ٹھہر کر کہتا وہ رو پڑا۔

"سن رہی ہو۔۔؟

ہار گیا ہوں تم سے۔۔

مر مٹا ہوں تم پر۔۔

سن لو ماہی۔۔

جھوٹ نہیں۔۔

اللہ گواہ ہے جھوٹ نہیں کہہ رہا۔

محبت ہے تم سے۔۔۔!!" آنسوؤں کے درمیان

اٹکتا وہ بامشکل بولا۔ سرمئی آنکھوں میں جمع

ہوتے آنسو اس کے دل کی بے بسی عیاں کر رہے

تھے۔ وہ جتنا اسے رُلا چکا تھا شاید اس سے زیادہ

اس کے نصیب میں رونا لکھا جا چکا تھا۔ وہ فون

کان سے لگائے خاموشی سے آنسو بہاتا رہا۔ لیکن

دوسری جانب مکمل خاموشی تھی۔

"ماہی۔۔تم سن رہی ہو۔۔!" وہ بڑبڑایا۔ جواب

ندارد۔۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر نظروں

کے سامنے کیا۔ سردی کی شدت بڑھ جانے کے

باعث فون آف ہو چکا تھا۔ وہ لب بھینچتا چپ

چاپ بند سکرین کو دیکھتا رہ گیا۔ آنسو آہستگی سے

فون کی سکرین پر گر رہے تھے۔

ٹپ۔۔

ٹپ۔۔

ٹپ۔۔

تیری راہ پر بچھا کے آنکھیں ہم

نیند کا گھر، اجاڑ.... بیٹھے ہیں۔

□♦□♦□♦□♦

بڑی حویلی میں اس پل ایک کہرام برپا تھا۔ معاملہ

ذوالفقار عالم شاہ تک جا پہنچا تھا نتیجتاً انہوں نے

شدید غصے کے عالم میں حویلی کی عورتوں کو زہرہ

کے کمرے سے نکلوا دیا تھا حتیٰ کہ مائی کرماں کی

التجائیں بھی اس کے کچھ کام نہیں آئی تھیں۔ وہ

بیٹی کے پاس جانے کو تڑپتی رہیں لیکن اسے

زندگی اور موت کی کشمکش میں بلکتے چھوڑ کر انہیں

باباجی سرکار کے حضور پیش ہونا پڑا تھا۔

"کرماں بی بی۔ تم اور تمہاری بیٹی سالوں سے اس

حویلی کا نمک کھاتی رہی ہو۔ میں نے کبھی سوچا

بھی نہیں تھا کہ مجھے تمہاری بد نسل لڑکی کی وجہ

سے یہ دن دیکھنا پڑے گا۔۔!!" پشت پر ہاتھ

باندھے کسی زخمی شیر کی طرح ٹہلتے وہ کہہ رہے

تھے۔مائی کرماں ان کے سامنے ہاتھ جوڑے

کھڑی رو رہی تھی۔اس وقت ان کے حجرے

میں اُن کے اور مائی کرماں کے علاوہ ناجیہ بیگم اور

وقار عالم شاہ موجود تھے۔

"میں معافی چاہتی ہوں سرکار لیکن میری بچی

ابھی معصوم ہے۔۔!" وہ روتے ہوئے

گڑگڑائی۔

"ہونہہ۔۔شوہر کے بغیر اولاد پیدا کرنے والی

عورت معصوم کب سے ہو گئی بی بی۔۔؟؟اتنی نا

سمجھ تو نہیں ہو تم۔۔!"مائی کرماں کی طرف پلٹتے

وہ چنگھاڑے۔مائی کرماں دوپٹے سے چہرہ ڈھانپتی

روتی چلی گئی۔

"تمہاری بیٹی سے تین مرتبہ سوال کیا جائے گا۔

اگر جواب دینِ اسلام کی رُو کے مطابق نہ ہوا۔ تو

شریعت کے مطابق اسے سزا دی جائے گی اور

تم۔۔۔" وہ سختی سے کہتے کہتے رکے۔ لفظ سزا پر

جہاں مائی کرماں کے دل پر ہاتھ پڑا تھا وہیں ناجیہ

بیگم کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ اُن کی نگاہوں

کے سامنے زہرہ کا نازک وجود گھوم گیا۔ کیا وہ

برداشت کر پائے گی سزا۔۔؟ وہ سزا جو شریعت

کے مطابق تھی۔۔!!!!!

"اگر کوئی اور تمھیں اس سے بات کرتے دیکھ لیتا

تو جانتے ہو کیا ہوتا۔۔؟" انہیں وہ منظر یاد آیا

جس میں ولید شاہ نے اُن پر اپنا حالِ دل عیاں کیا

تھا۔

"شاید بروقت نکاح ہو جاتا۔۔!" ناجیہ بیگم نے

اپنے شوہر کی جانب دیکھا جو ان کے وجود سے

لاتعلق کھڑا اپنے باپ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"وقار مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔۔!" وہ

ان کے قریب ہوتی بولیں۔

"خاموش رہیں جیہ۔۔۔!" انہوں نے فوراً ناجیہ

بیگم کو ٹوک دیا۔

جبکہ ذوالفقار عالم شاہ اب مائی کرماں سے کہہ

رہے تھے۔

"اور تم کرماں بی بی۔۔ تمہاری بیٹی کو سزا دینے

کے بعد تمہیں گاؤں بدر کیا جائے گا۔ جبکہ

تمہاری بیٹی مرتے دم تک چھوٹی حویلی کے تہہ

خانے میں سڑے گی۔۔!" ان کا فیصلہ سنگین

نہیں سنگین ترین تھا۔مائی کرماں وہیں بیٹھتی

پھپھپک کر رونے لگی۔

"اگر آپ نہیں سنیں گے تو میں ماموں سرکار کو

بتاؤں گی۔۔!!"ناجیہ بیگم نے مدھم آواز میں

وقار عالم شاہ کو دھمکی دی تو انہوں نے سخت

نظروں سے اُنہیں گھورا۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو بڑی بہو۔۔؟؟" ان دونوں

کی سرگوشیاں سنتے وہ ناجیہ بیگم کی طرف مڑتے

بولے۔

"میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں ماموں

سرکار۔۔!" وہ آگے بڑھتی مضبوط لہجے میں

بولیں۔

"پاگل ہو گئی ہیں کیا۔۔رک جایئے۔۔!" ان کی

کلائی دبوچتے ہوئے وقار عالم شاہ مدھم آواز میں

غرائے۔

"بابا سرکار۔۔اجازت ہے۔۔؟" اس سے پہلے

کہ ناجیہ بیگم کچھ بولتی دہلیز پر گرے پردوں کے

پار سے صندل بیگم کی آواز آئی تھی۔

"ہوں۔۔اجازت ہے۔۔!"دروازے کی جانب

دیکھتے وہ سنجیدگی سے بولے۔صندل بیگم پردہ

ہٹا کر حجرے کے اندر آ گئیں۔

"زہرہ کے ہاں مردہ بچی پیدا ہوئی ہے۔۔!"ان

کے مقابل آتی وہ عام سے لہجے میں گویا ہوئیں۔

انداز پر سکون تھا۔ ناجیہ بیگم اس خبر پر لڑکھڑا سی

گئیں جبکہ مائی کرماں نے روتے روتے اپنا ماتھا

پیٹ لیا۔ ذوالفقار عالم شاہ کے چہرے پر اطمینان

در آیا۔

"خس کم، جہاں پاک۔۔!" حقارت بھری

نگاہوں سے زمین پر بیٹھی مائی کرماں کو دیکھتے وہ

تنفر بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔ پھر پشت پر

ہاتھ باندھتے حجرے سے باہر نکل گئے۔ مائی

کرماں اپنا آپ سنبھالتی باہر بھاگی تھی۔ ناجیہ بیگم

پر ایک طنزیہ نظر ڈال کر صندل بیگم بھی وہاں

سے چلی گئیں۔ وقار عالم شاہ ساکت کھڑی ناجیہ

بیگم کی طرف پلٹے۔

"آپ جانتی بھی ہیں کہ آپ کیا بے وقوفی کرنے

والی تھیں۔۔؟؟" ان کی کلائی سختی سے پکڑے وہ

سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"وہ۔۔وہ شاید ولید کی بچی تھی۔۔!" اپنے آنسو

ضبط کرتی وہ بڑبڑائیں۔

"آپ کا دماغی توازن ٹھیک ہے جیہ بی بی۔۔؟؟

آپ ایسا کہہ کر میرے مرحوم بھائی کو زانی کہہ

رہی ہیں۔۔!" ان کی کلائی جھٹکتے وہ درشتگی سے

گویا ہوئے۔

"اس نے میرے سامنے اقرار کیا تھا کہ وہ زہرہ

سے محبت کرتا ہے۔۔!!!" وقار عالم شاہ کی

طرف دیکھتی وہ اپنے آنسو ضبط کرتی بولیں۔

"صرف اس بنیاد پر آپ زہرہ کے ساتھ اس کا

ناجائز تعلق اخذ کر رہی ہیں۔۔؟" ان کی جانب

دیکھتے وہ متاسفانہ لہجے میں بولے۔

"نہیں میں یہ نہیں کہہ رہی۔۔ ہو۔ ہو سکتا ہے

ان دونوں نے نکاح کر لیا ہو۔ وہ زہرہ کے لیے

بہت سنجیدہ تھا۔۔!"ناجیہ بیگم نے انہیں

سمجھانے کی کوشش کی۔

"اگر ان دونوں کا نکاح ہو چکا ہوتا تو کیا زہرہ چپ

چاپ سب برداشت کرتی۔۔؟کیا وہ سچ بول نہ

چکی ہوتی۔۔؟زہرہ گناہگار ہے جیہ بی بی۔۔ آپ

اس کے گناہ کو میرے مرحوم بھائی کے سر مت

تھوپیے۔۔!" انہیں کندھوں سے تھام کر ایک

ایک لفظ پر زور دیتے وہ بولے تو جیہ بیگم لب

بھینچے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"ولید مر چکا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے جذبات

بھی وفات پا چکے ہیں۔ آپ بابا سرکار کے سامنے

اس کے کسی اقرار کا ذکر کر کے اپنے شک کا

اظہار نہیں کریں گی۔ ورنہ ایک سید زادے پر

تہمت لگانے کے جرم میں یقیناً آپ کو معاف

نہیں کیا جائے گا۔۔!!" آہستگی سے انہیں اپنی

گرفت سے آزاد کرتے وہ اس بار قدرے نرمی

سے گویا ہوئے۔ ناجیہ بیگم نے بامشکل اثبات

میں سر ہلایا تو وہ لب بھینچتے حجرے سے باہر نکل

گئے۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں وقار شاہ۔۔اگر نکاح

ہوا ہوتا تو وہ ضرور سچ بولتی۔۔اس معصوم کے

ساتھ زیادتی ہوئی ہے تبھی وہ خاموش ہے۔۔!"

خلاؤں میں گھورتی وہ بڑبڑائیں۔

"لیکن مجرم کون ہے۔۔؟؟؟"جواب میں ان

کے دماغ نے ولید شاہ کا نام لیا تو ایک آنسو ان کی

آنکھوں سے ٹوٹتا گال پر پھسل آیا۔ان کا دل

اس پل زہرہ کی سلامتی کے لیے دعا گو تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"کب ہوا یہ۔۔؟؟؟" فدا نے بے حد پریشانی

کے عالم میں پوچھا۔

"سرکار کل ہی زہرہ بی بی نے ایک مردہ بچی کو جنم

دیا ہے۔پاک بیبیوں نے اُن پر کافی تشدد کیا اور

بات بابا جی سرکار تک جا پہنچی۔کل وہ زہرہ بی بی کا

فیصلہ کرنے والے ہیں۔۔!" وہ جو کوئی بھی تھا

اسے پوری خبر دے رہا تھا۔

"ہمم۔۔۔ٹھیک ہے۔ تمہیں جیسے ہی کوئی خبر

ملے مجھے فوراً اطلاع کرنا۔۔!" عجلت میں اسے

ہدایت کر کے فدا نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کا

دماغ اس پل سائیں سائیں کر رہا تھا۔وہ جانتا تھا

کہ اسے کسی روز زہرہ پر تشدد کی خبر ملے گی لیکن

یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ ولید کی آخری

نشانی بھی کھو دے گی۔اس کا دل دکھ سے بھر رہا

تھا۔آنکھوں میں جلن سی ہو رہی تھی۔وہ کافی

دیر پریشانی کے عالم میں یونہی بیٹھا رہا پھر اٹھا اور

تیزی سے ہاسٹل سے باہر نکلا۔ ٹھیک تین گھنٹے بعد

وہ حیدر آباد کے اس علاقے میں موجود تھا جہاں

ولید کا اپارٹمنٹ تھا۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا

جب اس نے ولید شاہ کو نکاح نامہ فوری طور

رجسٹر نہ کروانے کی ترغیب دی تھی۔ اس کی

گاڑی کا ہارن سن کر چوکیدار نے گیٹ کھول دیا

تھا۔ چھوٹے سے پورچ میں گاڑی پارک کر کے وہ

اندر آگیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس

نے الماری کا پوسٹ مارٹم شروع کر دیا۔ نکاح

نامہ کہیں نہیں تھا۔ ایک بار نہیں، دو بار نہیں،

اس نے بار بار الماری کا سامان الٹ پلٹ کر دیکھا

لیکن نکاح نامہ وہاں نہیں تھا۔ فدا کا دل گھبرانے

لگا۔ اگر نکاح نامہ نہ ملتا تو وہ کیا کر لیتا۔۔؟ وہ وعدہ

جو اس نے ولید شاہ سے کیا تھا وہ کیسے نبھاتا۔۔؟؟

فدا کا سر دکھنے لگا۔ الماری کے بعد اس نے بیڈ

سائیڈ ٹیبلز، ڈریسنگ ٹیبل حتیٰ کہ آخر میں اس

نے بیڈ شیٹ بھی پلٹ ڈالی۔ ڈیڑھ گھنٹے میں وہ

اپارٹمنٹ کا کونہ کونہ چھان چکا تھا لیکن وہ نکاح

نامہ ڈھونڈنے میں ناکام رہا تھا۔ شدید سردی میں

اسے پسینہ آنے لگا۔ نکاح نامہ نہ ملنے کی صورت

میں، اسے اپنی آنکھوں کے سامنے زہرہ کو زندہ

درگور ہوتے دیکھنا تھا اور یہ وہ ہونے دے نہیں

سکتا تھا۔ اب اس کے پاس واپس نوشہرو جانے

کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں بچا تھا۔ اس کی

آخری امید بڑی حویلی میں ولید کا کمرہ تھا جہاں

نکاح نامہ مل جانے کے امکانات تھے۔وہ جس

تیزی میں آیا تھا اسی تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔

"کل صبح یہاں کی صفائی کروا دینا۔۔!" چوکیدرا کو

کہتا وہ گاڑی وہاں سے نکال لایا تھا۔اس کے سر

کے ساتھ ساتھ جسم بھی اب دکھنے لگا تھا۔ سکھر

کی حدود میں داخل ہوتے ہوتے رات گہری ہو

گئی تھی۔ جس وقت اس کی گاڑی بڑی حویلی میں

داخل ہوئی گھڑی رات کا ایک بجا رہی

تھی۔ گاڑی کی چابی ڈرائیور کے حوالے کر کے وہ

سیدھا اندر آیا تھا۔ معمول کے مطابق اس پل

حویلی میں سناٹے بول رہی تھے۔ یقیناً حویلی کے

مکین اپنی نیند پوری کر رہے تھے۔ درد سے پھٹتا

سر لیے وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں

آگیا۔ دروازے کھولتے ہی اسے وہ بے چینی سے

کمرے میں ٹہلتی نظر آگئی۔فدا کو یوں اچانک

اپنے سامنے دیکھ کر حدیبہ کی آنکھوں میں کچھ

حیرت اتر آئی۔

"سائیں آپ۔۔؟ آپ آ گئے۔۔۔!!" اسے

مخاطب کرتی وہ سرعت سے اس کے قریب آئی

تھی تو فدا نے اسے خود سے لگا لیا۔

"آپ سوئی کیوں نہیں؟؟" اس کی پشت

سہلاتے ہوئے فدا نے نرمی سے پوچھا۔

"مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ دل بہت گھبرا رہا تھا

اچھا ہوا آپ آ گئے۔۔!" آنکھیں بند کرتی وہ

مدھم لہجے میں بولی تو فدا نے اس کے بازو تھامتے

ہوئے اسے خود سے الگ کیا۔

"طبعیت تو ٹھیک ہے آپ کی۔۔؟؟ دل کیوں

گھبرا رہا ہے۔۔؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ

فکر مندی سے پوچھنے لگا۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے سائیں۔۔پرسوں آپ

کے نکلتے ہی یہاں اتنا ہنگامہ ہوا۔ اور وہ۔۔وہ

زہرہ۔۔۔!" اسے بتاتے ہوئے وہ رو پڑی۔ فدا

نے بے چینی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا ہوا ہے زہرہ کو۔۔؟" لہجے میں حیرت

سمو نے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے فدا نے

پوچھا۔ اگر حدیبہ اس وقت خود حواس باختہ نہ

ہوتی تو فدا کی پریشان حالت پر ضرور غور کرتی۔

"وہ۔۔ زہرہ پریگنینٹ تھی۔۔!" نگاہ جھکاتے

ہوئے حدیبہ نے کچھ جھجھکتے ہوئے کہا۔ فدا کو

پل بھر کے لیے چپ لگ گئی۔

"تھی مطلب۔۔؟؟" فدا کے لب دھیرے سے

ہلے۔اس پل اس کی آنکھیں تو نہیں لیکن

سماعتیں اگلی خبر کے تصور سے ہی رو رہی تھیں۔

ولید شاہ کی بدنصیبی پر اس کا دل تڑپ رہا تھا۔

"صندل بھابھی نے اسے بہت زود کوب کیا ہے۔

معاملہ بگڑ گیا اور پرسوں رات۔۔ ساری رات وہ

تکلیف سے تڑپتی رہی سائیں۔۔ ان لوگوں نے

بہت ظلم کیا ہے اس پر۔۔ اس کی ماں کو بھی اس

سے دور کر دیا۔ اس نے اپنا مشکل ترین وقت

ایک غیر عورت (دائی) کے ہاتھوں میں گزارا

ہے۔میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔پتہ نہیں

کس نے اس معصوم کے ساتھ یہ ظلم کیا ہے۔۔

میں۔۔میرا دم گھٹ رہا ہے اس ماحول میں جہاں

اس غریب کو صفائی دینے کا موقع بھی نہیں

ملا۔۔۔!!" فدا کے ہاتھ تھامے وہ روتے ہوئے

کہہ رہی تھی۔

"کیا زہرہ اب ٹھیک ہے۔۔؟؟" فدا نے کمزور

سی آواز میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخیاں

اتر رہی تھیں۔

"جس کی دنیا اجڑ جائے وہ کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے

سائیں۔۔اس کا بچہ مر گیا۔وہ خود اس وقت

موت کے منہ میں سسک رہی ہے اور اگر بچ بھی

گئی تو بابا سرکار اسے نہیں بخشیں گے۔۔۔!"اس

کے شانے سے سر لگاتی وہ روتے ہوئے بولی۔فدا

کا وجود اس پل زلزلوں کی زد میں تھا۔اس نے

بڑی مشکلوں سے حدیبہ کو سہارا دیا تھا۔

"کیا اس نے بتایا کہ۔۔وہ بچہ کس کا تھا۔۔؟؟"

فدا کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔وہ بڑی مشکلوں

سے اپنے آنسو ضبط کیے کھڑا تھا۔لیکن اس کا دل

اس پل ولید شاہ کے لیے بلک رہا تھا جس کی محبت

کا انجام بدترین ہوا تھا۔

"نہیں۔۔وہ خاموش ہے۔اس کے لبوں پر قفل

ہیں لیکن آنکھیں چیختی ہیں۔۔!" وہ مدھم سسکتے

لہجے میں بولی۔

"ہمم۔۔۔سب ٹھیک ہو جائے گا حیبہ۔۔سب

ٹھیک ہو جائے گا۔۔!" اسے حوصلہ دینے کی

کوشش کرتا وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

"سب بگڑ چکا ہے۔کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔۔!"

حدیبہ کے لہجے سے مایوسی چھلک رہی تھی۔اور

مایوس تو وہ خود بھی ہو چکا تھا۔ ایک آخری امید

ولید اور زہرہ کا نکاح نامہ ہی تھا جس کا مل جانا فی

الوقت اسے ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک آنسو

بہت آہستگی سے اس کی آنکھوں سے نکل کر

حدیبہ کے بالوں میں جذب ہوا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

گاڑی نارمل رفتار سے سیاہ تارکول پر محو سفر

تھی۔اس کی مکمل توجہ اس پل سامنے سڑک پر

تھی جبکہ اس کے ساتھ ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ

اپنی پیشانی مسل رہی تھی۔

"گاڑی شہر لے چلو عالم۔!" آنکھیں موندتے

ہوئے اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ اس کی بات پر

عالم نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔؟ میں تمہیں سکھر لے

جانے کا کہہ کر اپنے ساتھ لایا ہوں۔۔!" گاڑی

کی رفتار مزید ہلکی کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے

بولا۔

"ہاں تو چلے جائیں گے سکھر بھی لیکن ابھی تم مجھے

کراچی لے چلو۔ میرا کچھ سامان ہے ہاسٹل میں

مجھے وہ پِک کرنا ہے۔۔!" کلائی میں بندھی گھڑی

سے کھیلتے ہوئے اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"ڈونٹ بی سِلی علیشے۔۔ تم ہاسٹل جاؤ گی تو کیا یہ

بات لیک آؤٹ نہیں ہو گی۔ ہم جتنا تمہیں

پولیس سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں تم اتنا

ہی خود کو مصیبت میں ڈال رہی ہو۔۔!" عالم نے

سمجھانے کی کوشش کی۔

"اوہ گاڈ لیکن تم لوگ یہ کوشش کر ہی کیوں

رہے ہو۔۔؟ ایک معمولی سا جھگڑا تھا ہو گیا۔ اب

اس جھگڑے کو بنیاد بنا کر مجھ پر کیوں شک کیا

جا رہا ہے جبکہ میں اُس وقت وہاں موجود تھی

جب وہ بھیانک حادثہ پیش آیا۔۔!" ٹیک چھوڑتی

وہ تقریباً چلانے والے انداز میں بولی تھی۔

"میں یہ سب نہیں جانتا علیشہ۔۔ لیکن ابھی ہم

نوشہرو جارہے ہیں اور بس۔۔!" گاڑی کی رفتار

تیز کرتے ہوئے عالم نے سخت لہجے میں کہا۔

"مجھے ضد مت دلاؤ عالم۔۔۔ اگر تم نے ابھی

گاڑی شہر کی طرف نہ موڑی تو میں چلتی گاڑی

سے کُود جاؤں گی۔" بگڑے ہوئے لہجے میں

بولتی علیشہ نے اپنی طرف کے دروازے کی

ہتھی پر ہاتھ رکھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے عالم نے

سرعت سے اس کی کلائی تھام لی۔

"علیشہ سٹاپ اٹ۔۔!" وہ چیخا۔

"گاڑی موڑو عالم۔۔۔!" وہ بنا جھجھکے غرائی۔ عالم

نے اسے سخت نگاہوں سے گھورا پھر لب بھینچتے

ہوئے گاڑی موڑلی۔

"یو آر سچ این ایڈیٹ۔۔!" سڑک کو گھورتا وہ

ناراضگی سے گویا ہوا۔ بدلے میں ڈھیٹ پن سے

مسکرائی۔

"ایم ناٹ۔۔مجھے پتہ ہے کہ تمہارے ہوتے

ہوئے مجھے پولیس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں

ہو سکتا۔۔!" اسے منانے کو اس کے کندھے پر

سر ٹکاتی وہ مسکاتے لہجے میں بولی۔ وہ لب بھینچے

گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

"بولو میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔۔؟؟" اسے

خاموش پا کر علیشہ نے اسے ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ

اب بھی خاموش رہا۔

"تو تم ناراض ہو رہے ہو مجھ سے۔۔؟؟" سیدھی

ہو کر بیٹھتی وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"تمہاری ضد پوری ہو رہی ہے ناں؟ تو بس اب

میری ناراضگی کی پرواہ مت کرو۔۔!" بنا اس کی

طرف دیکھے وہ خفا خفا سے لہجے میں بولا۔

"ایسے کیسے نہ کروں۔ اگر آج کے دن تم ہی خفا

ہو جاؤ گے تو کل مجھے گفٹ کون دے گا۔۔!!"

مصنوعی پن سے اداس ہوتی وہ غیر سنجیدگی سے

بولی تو اس بار عالم نے اس کی جانب دیکھا۔علیشہ

نے فوراً دانتوں کی نمائش کروائی۔

"تم ایڈیٹ نہیں، چالاک لومڑی ہو۔۔

بد تمیز۔۔۔!" اس کے بال کھینچتے ہوئے وہ کہہ کر

دھیرے سے ہنسا تو وہ کھل کر ہنسی۔

"ہاں ناں۔۔ جب میں ہاسٹل جاؤں گی اور اپنا

سامان پیک کروں گی اس دوران تم میرے لیے

کوئی اچھا سا گفٹ لے لینا۔۔!" اطمینان سے

سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتی وہ سنجیدگی سے

بولی۔

"جی نہیں۔ میں تمہیں صرف بیس منٹ دوں گا

اور باہر تمہارا ویٹ کروں گا۔ تم سامان لو گی اور

واپس آؤ گی اینڈ دین ہم مال جائیں گے اور جو تم

چاہو گی وہ میں تمہیں لے کر دوں گا۔" عالم نے

بڑے آرام سے پلان ترتیب دیا۔

"اوہ لیٹس سی۔۔!" علیشہ نے ناک پر سے مکھی

اڑائی۔ اُنھیں کراچی کی حدود میں داخل ہوتے

ہوتے رات کے دس بج گئے تھے۔ قریباً پونے

گیارہ بجے کے قریب عالم نے گاڑی اس کے

ہاسٹل کے باہر روکی تھی۔

"چلو جاؤ میں یہیں ویٹ کر رہا ہوں۔۔!" عالم

نے نرمی سے کہا۔

"تم یہاں ویٹ نہیں کرو گے عالم۔۔ بیس منٹ

بہت کم ہیں۔ تم بارہ بجے سے پہلے پہلے میرا گفٹ

لے کر آؤ اتنے میں ہادی، راحمہ اور سارہ سے مل

لیتی ہوں۔ انہوں نے بھی میرے لیے کچھ پلان

کیا ہوا ہے۔۔!"علیشہ نے گاڑی سے نکلتے ہوئے

مصروف سے انداز میں کہا۔

"یہ تم نے پہلے نہیں بتایا تھا۔۔!"وہ تپ گیا۔

"پلیز ناں۔۔پورے سال بعد یہ دن آتا

ہے۔۔!" اس کی جانب آکر علیشہ نے جھکتے

ہوئے کہا۔

"اوکے ایم گوئنگ لیکن ساڑھے گیارہ بجے تک

تم باہر آجاؤ گی۔۔؟؟" اس کی طرف دیکھتے

ہوئے عالم نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا تو علیشہ

نے بامشکل اثبات میں سر ہلایا اور ہاسٹل کی

طرف پلٹ گئی۔ وہ ہاسٹل کے گیٹ سے اندر

داخل ہوئی تو عالم نے گاڑی موڑ لی۔ سڑک پر اکا

دکا افراد نظر آرہے تھے۔ عالم کی گاڑی جب

نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو وہ آہستگی سے واپس

پلٹی۔گیٹ پر بیٹھے چوکیدار نے کچھ حیرت سے

اسے پلٹتے دیکھا جس نے اندرونی عمارت میں

داخل ہونے کی زحمت نہیں کی تھی۔وہ سڑک پر

تیز تیز قدم اٹھاتی پوری رفتار سے چل رہی تھی۔

اس کا رخ ٹیچرز ریذیڈینشئل ہاسٹل کی طرف تھا۔

□♦□♦□♦□♦

چار دن۔۔چار دن ہو چکے تھے وہ دل دہلوز

حادثہ ہوئے اور بدر لغاری ایک پل کے لیے جنید

کا بے جان چہرہ فراموش نہیں کر پایا تھا۔ آج پھر

وہ ڈھلتی شام کے سایوں میں جائے وقوعہ پر کھڑا

سڑک کی ہموار سطح کو گھور رہا تھا جہاں سے

حادثے کے تمام نشانات مٹا دیے گئے تھے۔

"سر پولیس کی طرف سے کوئی حوصلہ افزاء خبر

نہیں ملی ہے۔ ابھی تک پولیس فورس کنفیوژ ہے

کہ جنید خان کے قاتل کا اس لڑکی کے قتل سے

کچھ لینا دینا ہے بھی یا نہیں۔۔۔!" اس کے

اسسٹنٹ کی مدھم آواز اس کے عقب سے

ابھری تو وہ ایک گہرا سانس لیتا اس کی جانب پلٹا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟ جنید کا قاتل کون ہو سکتا

ہے۔۔؟" اپنے اسسٹنٹ کی جانب دیکھتا وہ

سنجیدگی سے بولا۔

"سر جنید خان آپ ہی کے لیے کام کرتا تھا اس کا

کوئی ذاتی دشمن تو ہو نہیں سکتا۔ یقیناً یہ کام آپ

کے دشمنوں کا ہے۔۔!" علی حیدر نے مکمل اعتماد

سے کہا تو بدر نے بے تاثر نگاہوں سے اسے

دیکھا۔

"اگر میرے دشمن اسے مارنے کی کوشش

کرتے تو وہ خود جان سے جاتے۔ جتنی آسانی سے

وہ مر گیا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسے

مقابل سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اسے قتل کر

دے گا۔۔!" جینز کی جیبوں میں ہاتھ گھساتے

ہوئے وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔

"ہمیں اس کیس کو دو طرح سے ہینڈل کرنا ہے

حیدر۔۔ نمبر ون۔۔ ہم فرض کریں گے کہ فضہ

اور جنید کا قتل۔۔ دو الگ الگ اشخاص نے کیا ہے

۔۔ نمبر ٹُو۔۔ ہم یہ فرض کریں گے کہ فضہ اور

جنید خان کا قتل ایک ہی شخص نے کیا ہے۔ لیکن

دونوں اطراف میں ایک بات کامن ہے، فضہ

کا قتل اس لڑکی "علیشہ " کے کسی عاشق نے کیا

ہے۔۔!" چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اپنی

گاڑی کے عین سامنے آرکا۔ ہتھیلیاں گاڑی کے

بونٹ پر جماتے ہوئے وہ سامنے سے ڈرائیونگ

سیٹ کو گھورنے لگا۔

"نو سر۔۔مجھے ابھی میسج ملا ہے۔۔!" علی حیدر

نے ہاتھ میں پکڑے ٹیب پر مصروف سے انداز

میں نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

"کیسا میسج۔۔؟؟" بدر نے نگاہوں کا مرکز تبدیل

کیے بغیر پوچھا۔

"سر ایس پی کا میسج آیا ہے۔۔فضہ کا قاتل

خودکشی کر چکا ہے۔یہ اس کا کوئی یونیورسٹی فیلو

تھا جس سے اس کا افیئر رہ چکا ہے۔مرنے سے

پہلے جو ریکارڈنگ اس لڑکے نے چھوڑی ہے اس

کے مطابق۔۔۔!" بات ادھوری چھوڑتے

ہوئے علی حیدر نے ریکارڈنگ پلے کر دی۔

"جب سے یونی میں سر شمس آئے تھے وہ انہی

کے آگے پیچھے گھومتی رہتی تھی۔ میں نے بہت

مرتبہ اس سے بات کرنے کی کوشش کی اسے

سمجھایا کہ وہ مجھے نہ چھوڑے لیکن اسے مجھ پر

بالکل رحم نہیں آیا۔ ایک ہفتے پہلے فضہ کا جھگڑا

علیشہ سے ہو گیا اور وجہ وہی۔۔ سر شمس

تھے۔۔" ہر لفظ کے ساتھ اس لڑکے کے لہجے

میں اتار چڑھاؤ آرہا تھا۔ شمس کا نام لیتے ہوئے

اس کے لہجے میں نفرت و حقارت تھی۔

"فضہ اور علیشہ دونوں کو سسپینڈ کر دیا گیا تھا۔

میں نے ایک بار پھر فضہ سے درخواست کی لیکن

اس کی نیت بدل چکی تھی۔ وہ اس دو ٹکے کے ٹیچر

کے سوا کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ میں دن رات

تڑپ رہا تھا لیکن شاید اللہ کو مجھ پر رحم آ گیا، تین

دن پہلے میں نے فضہ کو ایک گاڑی تلے آتا

دیکھا، اس وقت سگریٹ نوشی کی کثرت کے

باعث میرا دماغ جل رہا تھا۔ مجھے اس سے شدید

نفرت محسوس ہوئی اور۔۔ اور میں نے۔۔۔"

وقفہ لینے کو وہ رکا۔ اس لڑکے کی آواز سے لگ رہا

تھا کہ وہ رو رہا ہے۔

"میں نے گاڑی اس پر چڑھا دی۔ موقعے پر ہی

اس کا سر دھڑ سے الگ ہو گیا۔ میں نے گاڑی

تیزی سے بھگائی اور کافی دور جا کر ایک جنگل میں

گاڑی کو آگ لگادی۔ مجھے نہیں پتہ مجھے کیا ہوا تھا

لیکن فضہ کو مارنے کے بعد میں مزید بے چین ہو

گیا۔ اب پولیس قاتل کو ڈھونڈ رہی ہے اور میں

یہاں چھپ کر بیٹھا ہوں۔۔" وہ لڑکا بولتا چلا جا

رہا تھا۔

"بند کرو اسے۔۔!" بدر نے جھنجھلائے ہوئے

انداز میں کہا۔ علی حیدر نے فوراً ریکارڈنگ بند

کر دی۔

"لڑکے کا نام بتاؤ مجھے۔۔!" بدر نے کچھ سوچتے

ہوئے پوچھا۔

"دانیال اکرم۔۔!" علی حیدر نے فوراً جواب دیا تو

بدر گاڑی کے بونٹ سے ہاتھ ہٹاتا سیدھا ہو گیا۔

"دانیال اکرم۔۔!" ہاتھ کی تیسری انگلی میں چمکتے

یاقوت کو گھماتے ہوئے بدر بڑبڑایا۔

□♦□♦□♦□♦

"میڈم۔۔ کہاں جارہی ہیں آپ۔۔؟؟" وہ جیسے

ہی ٹیچرز ہاسٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی

چوکیدار چلایا تھا۔علیشہ نے گردن گھما کر اس کی

جانب دیکھا۔

" نظر نہیں آرہا۔۔؟اندر جارہی ہوں۔۔!"ہاتھ

لپیٹتی وہ کافی بدتمیزی سے بولی۔

"بی بی نظر میری ٹھیک ہے لیکن لگتا ہے تمہارا

دماغ خراب ہے۔ چھ بجے کے بعد کسی سٹوڈنٹ کا

اندر جانا الاؤ نہیں ہے۔۔" اپنی نشست چھوڑ کر

اس کے مقابل آتا چوکیدار بھی تمیز کا دامن

چھوڑتے ہوئے بولا۔اس درشت انداز پر علیشہ

کی بھنوین تن گئیں۔

"تو تمہیں پتہ ہے کہ میں سٹوڈنٹ ہوں۔۔؟ماننا

پڑے گا کہ تمہاری نظر واقعی درست ہے۔۔!"

اپنی جینز کی پاکٹ میں انگلیاں گھساتی وہ طنزیہ

انداز میں بولی۔چوکیدار نے کچھ کھوجتی نگاہوں

سے اسے جیب سے نوٹ نکالتے دیکھا۔

"اتنے بہت ہیں یا اور چاہئیں۔۔؟"پانچ پانچ

ہزار کے دو نوٹ اس کی نظروں کے سامنے کرتی

وہ سنجیدگی سے بولی۔چوکیدار نے جلدی سے

نوٹ سے اس کے ہاتھ سے دبوچے اور مسکرایا۔

"کیسی بات کرتی ہیں میڈم۔۔اتنے بہت ہیں

لیکن۔۔اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کو اندر

کی کچھ خبر دوں تو۔۔!"بات ادھوری چھوڑتے

ہوئے اس نے آنکھیں گھمائیں تو علیشہ نے نخوت

سے ناک چڑھاتے ہوئے جینز کی جیب سے ایک

اور نوٹ نکالا۔

"یہ پکڑو اور جلدی بولو۔۔!" آس پاس دیکھتی وہ

مدھم لہجے میں بولی۔

چوکیدار نے جھٹ وہ نوٹ بھی پکڑ لیا۔

"دیکھو میڈم جی۔۔ ابھی دوسرا چوکیدار اندر کا

چکر لگانے گیا ہے۔ اگر اس نے آپ کو دیکھ لیا تو

وہ میری شکایت لگا دے۔ اس لیے ابھی آپ

وہاں گیٹ کے پیچھے چھپ جاؤ۔ جیسے ہی وہ باہر

آئے گا آپ اندر چلی جانا۔۔!" اندرونی عمارت

کے دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے

چوکیدار نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ وہ اثبات

میں سر ہلاتی اس کی بتائی گئی جگہ پر جا کھڑی

ہوئی۔ تقریباً دس سے بارہ منٹ بعد ایک ادھیڑ

عمر آدمی باہر نکلا تو سامنے گیٹ پر بیٹھے چوکیدار

نے علیشہ کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ دبے قدموں

پلٹی اور عمارت کے اندر داخل ہو گئی جہاں کمروں

کے دروازے بند تھے۔ سردی کے باعث یقیناً

اساتذہ سونے کی تیاریوں میں تھے۔ وہ آس پاس

دیکھتی خاموشی سے چلتی اس کمرے کے باہر آکر

رکی جہاں وہ دوبار پہلے بھی آچکی تھی۔علیشہ نے

بنا سوچے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر

اسے گھمایا۔دروازہ کھل گیا۔اسے حیرت تو ہوئی

تھی لیکن وہ خود کو نارمل کرتی اندر آگئی۔خلاف

توقع وہ کمرے میں نہیں تھا۔علیشہ نے آہستگی

سے دروازہ بند کیا اور دھیرے دھیرے چلتی بیڈ

پر آبیٹھی۔واش روم کی لائٹ آف تھی یعنی وہ

اس وقت ہاسٹل سے باہر تھا۔گہری سانس بھرتی

علیشہ نے جینز کی جیب سے موبائل نکال کر

نگاہوں کے سامنے کیا۔ سارنگ کی ہدایت کے

مطابق اس کا موبائل آف تھا۔ سر جھٹکتے ہوئے

اس نے موبائل آن لیا۔ سکرین آن ہوتے ہی

اس کی تصویر چمکی تھی۔ رات کے سوا گیارہ بجنے

والے تھے ایسے میں مستقبل کی فکر سے بے بہرہ

وہ بیڈ پر چوکڑی مار کر بیٹھ گئی۔واٹس ایپ مسیجز

کی نوٹیفیکیشن نظر انداز کرتی وہ سیدھا یوٹیوب پر

گئی تھی۔ابھی اسے یوٹیوب سکرولنگ کرتے

ہوئے پانچ منٹ ہی ہوئے تھے جب اسے سارہ

کی کال آنے لگی۔ منہ بناتے ہوئے علیشہ نے کال

ریسیو کی۔

"کیا ہے۔۔؟؟" اس کا لہجہ بے زار تھا۔

"نیوز دیکھی تم نے۔۔؟ دانی نے خودکشی کرلی

ہے۔۔!!" سارہ نے چھوٹتے ہی اسے اطلاع دی

تھی۔

"واٹ۔۔۔؟؟؟" شدید حیرت کا شکار ہوتی وہ

ٹانگوں کی قینچی کھولنے پر مجبور ہوگئی تھی۔

"ہاں اور خودکشی سے پہلے اس نے کنفیس کیا ہے

کہ فضہ کا مرڈر اسی نے کیا ہے۔۔!" سارہ کی

آواز سے تشویش چھلک رہی تھی۔ خود کو یقین

دلانے کے لیے علیشہ کو بیڈ سے اتر کر کھڑا ہونا

پڑا۔

"لیکن کیوں۔۔؟؟؟" اپنے بالوں میں انگلیاں

پھنساتی وہ بولی۔

"اس نے کہا کہ وہ فضہ سے محبت کرتا تھا اور فضہ

کے ساتھ کمٹڈ تھا لیکن۔۔فضہ نے سر شمس کی

خاطر اسے چھوڑ دیا اینڈ دیٹس وائے اس نے فضہ

کامرڈر کر دیا۔۔!" سارہ نے بنا سانس لیے اسے

اپنی پوری رفتار سے بتایا۔

"واٹ دا*۔۔ کیا بکواس ہے۔ کونسی محبت کون

سی کمٹمنٹ جس کا ہمیں ہی نہیں پتہ۔۔!" وہ جو

سارنگ کو فضہ کا قاتل سمجھے بیٹھی تھی اس نئی خبر

پر حیرت کا شکار تھی۔

"تمہیں ہی نہیں پتہ تھا۔۔مجھے تو پتہ تھا۔دانیال

اس کے آگے پیچھے ہی گھومتا رہتا تھا۔اس نے کہا

ہے کہ فضہ کو مارنے کے بعد وہ گلٹ سے مر رہا

ہے اسی لیے اس نے خود کو ختم کر دیا۔!" سارہ کی

مدھم آواز فون کے سپیکر سے ابھری تو اپنے بال

سہلاتی وہ واپس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

" آئی کانٹ بیلیو اِٹ۔۔ کیا تھی وہ یار۔۔۔ مر گئی

ہے اب کیا کہوں میں اسے۔۔؟ دماغ خراب ہو

رہا ہے میرا۔۔رکھو فون۔۔۔!"غصے سے

آنکھیں میچتی وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

"تم ابھی ہو کہاں۔۔؟"سارہ نے اس کی فکر میں

پوچھا۔۔

"جہنم میں۔۔!!" اسے جواب دے کر علیشہ نے

رابطہ منقطع کر دیا۔ اس نئی خبر نے اس کا دماغ ہلا

ڈالا تھا۔ غصے میں اس نے موبائل آف کر کے بیڈ

پر پٹخا اور اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتی کمرے میں

ٹہلنے لگی۔ اسے بار بار دانیال کا مسکراتا چہرہ یاد

آرہا تھا۔ اس کی شرارتیں، فضہ کا ان کے گروپ

کے ساتھ مل کر ہر پنگے میں پیش پیش رہنا۔ علیشہ

کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔ پرانی

یادیں اس کے دل پر ضربیں لگا رہی تھیں۔

دانیال اور فضہ اس کے لیے اہم تھے۔ کافی سے

زیادہ اہم تھے اور اب وہ دونوں ہی ایک

دوسرے کی وجہ سے اس دنیا سے جا چکے تھے۔

علیشہ کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ طبعیت میں عجیب

سی اداسی اور بے چینی ہلکورے لینے لگی تھی۔ وہ

آس پاس سے بے بہرہ پاگلوں کی کمرے میں

چکرا رہی تھی، اس کے ذہن سے یہ نقطہ پھسل

چکا تھا کہ وہ اس وقت کہاں موجود ہے۔ وقت

گزرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ سب بھولتی جا رہی تھی۔۔

خود کو۔۔ عالم کو۔۔ شمس کو۔۔ اور حتیٰ کہ اپنے

برتھ ڈے کو جسے شروع ہونے میں دس منٹ

باقی تھے۔ کچھ یاد تھا تو فقط فضہ کا کبھی ہنستا تو کبھی

سڑک پر دھڑ سے جدا ہو کر گھومتا چہرہ۔۔

"یا اللہ۔۔۔یا اللہ۔۔۔!" اپنی حالت سے گھبراتی

وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی جب وہ

دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ غیر متوقع طور پر

علیشہ کو وہاں دیکھ کر جہاں شمس کو حیرت ہوئی

تھی وہیں اسے وہاں دیکھ کر وہ بھی اپنی غائب

دماغی پر حیران ہوئی تھی۔

"آپ۔۔۔؟؟؟؟" شمس کے لب وا ہوئے۔

"مس علیشہ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی

ہیں۔۔؟؟" دروازہ بند کرتا وہ اس کی طرف

بڑھتا سنجیدگی سے بولا۔

اسے یوں ایک دم اپنے سامنے دیکھ کر علیشہ کا دل

ڈوب کر ابھرا تھا۔

"وہ۔۔وہ میں۔۔!" اسے جواب دیتی وہ پہلی بار

ہکلائی۔

"آر یو سینس لیس۔۔ آپ کو اندازہ بھی ہے کہ

رات کے اس پہر آپ کی میرے کمرے میں

موجودگی کیا طوفان برپا کر سکتی ہے۔۔!!" قدم

قدم اس کی جانب بڑھتا وہ دھیمی آواز میں

غرایا۔

"وہ۔۔آپ نے نیوز دیکھی ہیں۔۔؟ دانی نے

خودکشی کرلی ہے۔۔!!" اس کے غصے سے کچھ

خائف ہوتی وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"تو یہ پوچھنے کے لیے آپ یہاں آئی ہیں۔۔؟؟"

اس کے جواب پر بھنوؤں کو جنبش دیتا وہ رعایت

سے عاری لہجے میں بولا۔علیشہ نے فوراً نفی میں

سر ہلایا۔

"وہ۔۔ایکچوئلی۔۔اٹس مائے برتھ ڈے،

میرے پاس آپکا نمبر تو ہے ہی نہیں تو میں نے

سوچا کہ فیس ٹو فیس آپ سے وشز لے لوں

گی۔۔!" نگاہیں جھکاتی وہ اپنی فطرت کے برعکس

کچھ مجرمانہ سے انداز میں بولی۔اس کے جواب پر

شمس کے قدم اپنی جگہ تھم گئے۔

"ریئلی۔۔؟بر تھ ڈے وشز لی نہیں جاتی، اپنی

مرضی سے دی جاتی ہیں مس علیشہ۔۔!!" سنجیدہ

نگاہوں سے اسے دیکھتا وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔

اس کی بات پر علیشہ نے فوراً سر اٹھایا۔

"تو کیا آپ مجھے وشز نہیں دیں گے۔۔؟؟" اس

کی آنکھوں میں دیکھتی وہ کچھ خفا خفا سے لہجے میں

بولی۔لبوں کے کنارے چمکتا تل اداس ہوا تھا۔

"آپ کا طریقہ کار غلط ہے۔۔!" شمس نے صاف

گوئی سے کہا تو وہ عجیب سے انداز، میں مسکرائی۔

"علیشہ چوہان تو سر سے پاؤں تک غلط ہے۔ اب

بتائیں۔ وشز نہیں دیں گے اُسے۔۔؟؟" اس

کی سنہری آنکھوں میں دیکھتی وہ مکمل اعتماد سے

بولی۔ انداز واضح تھا۔ شمس نے بغور اس کی

بھوری آنکھوں میں جھانکا جہاں مدھم اداسی

ہلکورے لے رہی تھی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر۔۔ میں آپ کو گُڈ وشز دوں

گا۔۔!!" شمس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس پہ اداسی کہاں دور ہو گی بھلا۔۔؟؟" بازو

لپیٹتی وہ ہولے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"آپ کی اس اداسی کی وجہ آپ خود ہی جانتی

ہیں۔ میں تو اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔۔!"

وہ ہنوز اسی لہجے میں بولا تھا۔

"مسکرا بھی نہیں سکتے۔۔؟؟"علیشہ نے دوبدو

سوال کیا۔

"مس علیشہ میں اس وقت ڈسٹرب ہوں۔۔!"

اس کی جانب سے رخ موڑتا وہ بے دلی سے گویا

ہوا۔

"تو میں کیا آپ کو بہت خوش نظر آرہی

ہوں۔۔؟؟؟" اس کے سامنے آتی وہ دبی دبی سی

آواز میں چلائی۔ بھوری آنکھوں میں گلابی

ڈورے ابھر آئے تھے۔ شمس نے ایک ہاری

ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ اس پل اذیت میں مبتلا

دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ وہ۔۔۔ کیا چیز ہے

جو آپ کو پریشان کر رہی ہے۔۔؟؟" اس کی

جانب دیکھتا وہ قدرے نرم لہجے میں بولا۔

"یادیں۔۔باتیں۔۔میرے وہ سب لمحات جو

فضہ اور دانیال کے ساتھ گزرے ہیں۔میں چاہ

کر بھی کچھ نہیں بھول پارہی۔ایسا لگ رہا ہے

جیسے،فضہ کا خون میری گردن پر ہے۔۔!!"گہرا

سانس لیتی وہ مدھم آواز میں بولی۔

"اٹس نیچرل مس علیشہ۔۔وہ دونوں آپ کے

فرینڈز تھے، آپ کیسے کچھ بھی بھول سکتی ہیں۔

لیکن ایک کام ہے جو آپ کر سکتی ہیں۔۔!"

سنجیدگی سے کہتے ہوئے شمس نے وقفہ لیا۔علیشہ

نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"جسے آپ بھول نہیں سکتی اسے نظر انداز کر دیا

کریں۔ فرار کا ایک یہی راستہ ہے۔۔!" پُر سوچ

انداز میں کہتے ہوئے وہ پل بھر کو رکا۔ یوں جیسے

کچھ یاد کر رہا ہو۔

"کچھ دردناک خیالات۔۔کچھ پُر اذیت لمحات،

زندگی کی آخری سانس تک نہیں بھلائے جاسکتے

علیشہ۔۔لہٰذا جینے کے لیے اُنھیں فراموش کر

دیناضروری ہو جاتا ہے۔۔!!" اپنی دھن میں

بولتا وہ کسی گہری سوچ کے زیرِ اثر کہہ گیا۔اس

کے لبوں سے ادا ہوتے "مِس" کے اضافے کے

بغیر اپنے نام میں خوبصورتی محسوس کرتی وہ سر

جھکا کر مسکرا دی۔ جبکہ وہ اب کہہ رہا تھا۔

"اگر آپ اس حادثے کو فراموش کر دیں گی تو

شاید اس اداسی سے چھٹکارا پالیں گی۔۔" شمس

نے مدھم آواز میں کہتے ہوئے اس کی جانب

دیکھا تو وہ سر اونچا کرتے ہوئے مسکائی۔

"تھینک یُو۔۔تھینک یُو ویری مچ۔۔۔!" اس کے

لہجے سے چھلکتی طمانیت بتا رہی تھی کہ شمس کے

الفاظ اس پر اثر کر چکے ہیں۔ شمس نے ہولے

سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو۔۔ پھر اب میں۔۔ میں چلتی ہوں۔۔!" جگ

مگ کرتی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ بولی پھر

اس کے جواب کا انتظار کیے بنا دروازے کی

جانب بھاگی۔ شمس کا دل تیزی سے دھڑکا تھا،

بے اختیاری میں شمس نے اس کی کلائی تھام لی۔

اُس کی اِس جرأت پر علیشہ کے دل نے شور مچایا

تھا۔

"مس علیشہ۔۔۔!" وہ پل بھر کو رکا تھا۔ علیشہ

اپنے دل کو سنبھالتی اس کی جانب پلٹی۔

"ہیپی برتھ ڈے۔۔!" ہولے سے مسکرا کر کہتے

ہوئے اس نے علیشہ کی کلائی چھوڑ دی جو اس کے

یوں گھمبیر لہجے میں کہے گئے تین لفظوں پر گلابی

پڑتا چہرہ جھکاتی مسکرادی تھی۔

"تھینک یُو۔۔!" لرزتی پلکوں کو بار بار جھپکاتی وہ

مدھم لہجے میں بولی۔ شمس کچھ خوشگوار حیرت

سے اس کے چہرے پر پھیلتی حیا کی لالی دیکھ رہا

تھا۔ یقین کرنا مشکل تھا کہ مقابل کھڑی لڑکی

جس کی پُراعتمادی و بے باکی میں اپنی مثال آپ

تھی، وہ اس کا زرا سا شیریں لہجہ سن کر شرما رہی

تھی۔ اس سے پہلے کہ شمس کی نگاہ اس کا دل بے

قابو کرتی وہ اسے "گڈ نائٹ" کہہ کر وہاں سے

پلٹ گئی۔ وہ ساکت نگاہوں سے اس کا اپنے

کمرے سے نکلنا دیکھ رہا تھا۔ اس بار وہ بنا پلٹے باہر

نکل گئی تھی۔ اس کے جانے پر وہ گہرا سانس لیتے

ہوئے بیڈ پر ڈھے گیا۔

"آہ۔۔۔علیشہ چوہان۔۔یہ تم نے کیا کر دیا۔۔!"

ہاتھ اطراف میں پھیلاتا وہ بے بسی سے بڑبڑایا۔

اس سے پہلے کہ وہ اس پری پیکر کی یادوں میں

اترتا اسے اپنے ہاتھ کی پشت تلے کچھ ٹھنڈک

محسوس ہوئی تھی۔ شمس نے اس جانب کروٹ

لیتے ہوئے دیکھا تو وہ ایک موبائل تھا۔ اس نے

الٹ پلٹ کر دیکھا۔ یقیناً وہ اس کا موبائل نہیں

تھا۔ شمس کے لیے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ

وہ کس کا موبائل فون تھا۔ موبائل ہاتھ میں لیے

وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

□♦□♦□♦□♦

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اس کی آنکھ

کھل گئی تھی۔ مہرماہ نے پٹ سے آنکھیں کھول

کر چھت کو دیکھا۔ گو وہ گہری نیند سے جاگی تھی

لیکن آنکھیں ایسی تھیں جیسے انھوں نے رات

بھر کوئی خواب نہ دیکھا ہو۔

تمہیں تمہارے ابی جی کی قسم ہے ماہی میری

فریاد سن لو۔۔۔!!" منصب کی ملتجیانہ سرگوشی

اس کے آس پاس گونجی تھی۔ مہرماہ کا چہرہ بے

تاثر تھا۔

"ماہی ماہی مجھے پاگل مت کرو۔۔۔!"مہر ماہ بے

اختیار آنکھیں میچ لیں۔

"ماہی۔۔

ماہی۔۔۔

ماہی۔۔۔

ماہی۔۔۔!!"اس کے آس پاس ایک وہ ہی

آواز۔۔وہ ہی نام گونج رہا تھا۔مہرماہ کی بند

آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔کون تھا

وہ جس کے لہجے میں چاشنی گھلی ہوئی تھی۔۔؟

کہاں تھا وہ مغرور بگڑہ نواب زادہ۔۔؟؟ بیڈ پر

چت لیٹی مہر ماہ نے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑ لی۔

"مجھے منصب عالم شاہ کہتے ہیں۔ لیکن تم مجھے اپنی

بربادی کہہ سکتی ہو۔۔۔!" سات ماہ۔۔۔ سات ماہ

پہلے کیسے ان الفاظ نے اس کی جان نکال کر اسے

بے دم کر ڈالا تھا۔

"کیا چاہتے ہو مجھ سے۔۔؟؟"

"چیکنگ۔۔!"

"ہر بار ادھوری رہ جاتی ہے۔ لیکن اس بار پوری

پوری ہو گی۔۔!" مہرماہ کی بند آنکھوں سے دو

آنسو ٹوٹ کر کنپٹیوں میں جذب ہوئے تھے۔

"عمیر۔۔۔!" منصب کی پکار نے سارا منظر اس

کی یادداشت کے پردے پر تازہ کر ڈالا تھا۔ گھبرا

کر آنکھیں کھولتی وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو کر

بیٹھی۔بے ساختگی میں اس کی نگاہوں نے کمرے

کا جائزہ لیا تھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔مہرماہ کا

تنفس بگڑنے لگا۔حلق سے چیخیں اُمڈنے کو

بے تاب ہوئی تھیں۔وہ گھٹنوں میں سر دیتی

سسک پڑی۔

"آئی ہیٹ یُو منصب عالم شاہ۔۔آئی ہیٹ یُو۔۔

آ ہیٹ یُو۔۔!"بری طرح روتی وہ بڑبڑا رہی

تھی۔

□♦□♦□♦□♦

"مجھے خوشی ہے کہ سبحانی اُس فیز سے باہر نکل آیا

ہے۔۔!" چائے کا سپ لیتے ہوئے حسین

صاحب مدھم لہجے میں بولے۔

"ہاں الحمد اللہ۔۔ عالم نے اس کا ایڈمیشن فارم

سبمٹ کروادیا ہے۔ اگلے ہفتے سے وہ بھی

یونیورسٹی جوائن کرلے گا ان شاءاللہ۔!" وقار

عالم شاہ نے اپنے مخصوص سنجیدہ لب ولہجے میں

انہیں جواب دیا۔

"اللہ کامیاب کرے۔بچے پر کبھی دوبارہ برا

وقت نہ آئے۔۔!" حسین صاحب آہستگی سے

گویا ہوئے۔

"ہاں آمین۔۔بڑی سیاہ تھی وہ رات لیکن خیر۔۔

گزر ہی گئی۔تم بتاؤ مہر بیٹی کیسی ہے۔۔؟" وقار

عالم شاہ نے نرم لہجے میں دریافت کیا۔ تبھی اپنے

کمرے سے نکل کر آتی مہرماہ کی نگاہ اُن پر پڑی

تھی۔

"آپ کیوں آجاتے بار بار یہاں۔۔ سو مرتبہ کہا

ہے میں نے یہاں مت آیا کریں لیکن نہیں،

آپ اور آپ کے بیٹے کو شاید میرا سکون گوارا ہی

نہیں ہے۔۔!" انہوں نے چائے کا کپ تھامنے کو

ہاتھ بڑھایا ہی تھا جب وہ تن فن کرتی وہاں آ کر

چلائی تھی۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"مہر۔۔یہ کیا بد تہذیبی ہے۔۔؟؟"بیٹی کی اس

قدر بد تمیزی پر اپنی جگہ سے اٹھتے حیسن

صاحب اس پر گرجے۔نور بیگم اس کی آواز سن

کر کچن سے باہر نکل آئیں۔

"مجھے اس بدتہذیبی پر آپ نے مجبور کیا ہے ابی

جی۔۔میں نے سو بار کہا ہے میں اُس منصب شاہ کا

عکس بھی اپنے آس پاس نہیں دیکھنا چاہتی پھر یہ

کیوں چلے آتے ہیں یہاں۔۔؟؟" اپنے آنسو

ضبط کرنے کی ناکام کوشش کرتی وہ چلائی۔ نور

بیگم نے سرعت سے اسے تھاما۔

"مہر پاگل ہو گئی ہو۔۔ ماموں ہیں تمہارے۔۔!"

نور بیگم نے دھیمی آواز میں دہائی دی۔ وقار عالم

شاہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"نہیں ہیں یہ میرے ماموں۔۔ کوئی رشتہ نہیں

ہے میرا ان سے۔۔ یہ صرف اس منصب عالم

شاہ کے باپ ہیں۔۔ صرف اس گھٹیا انسان

کے۔۔۔"غصے سے بولتی وہ ہانپ رہی تھی جب

حسین صاحب نے آگے بڑھ کر اسے جھڑکا۔

"خاموش ہو جاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو

گا۔۔!" فضا میں ہاتھ بلند کرتے وہ دہاڑے تھے۔

وقار عالم شاہ نے سرعت سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پاگل ہو گئے ہو۔۔بچی ہے تمہاری۔۔!" ان کا

ہاتھ پیچھے جھٹکتے ہوئے وقار عالم شاہ چلائے۔

مہرماہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ چہرہ

لال سرخ ہو رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں اس کے کافی دیر

سے رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔

"اگر میرے یہاں آنے سے تمہیں تکلیف ہوتی

ہے تو۔۔ آئندہ میں یہاں نہیں آؤں گا۔۔!"

مہرماہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے

سنجیدگی سے کہا۔ اپنے سر سے ان کا ہاتھ ہٹاتی وہ

وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔

"ایسا مت کہیں بھائی سرکار۔۔ میں اسے

سمجھاؤں گا ابھی نادان ہے وہ۔۔۔!" اُن کے

سامنے ہاتھ جوڑتے حسین صاحب گڑگڑائے۔

آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

"یوں ہاتھ جوڑ کر مجھے شرمندہ مت کرو۔ مہر

ابھی اُس بھیانک حادثے کی زد سے باہر نہیں

نکلی۔ اس کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کرو

تم۔۔مجھے اس کے ان تلخ الفاظ سے دکھ پہنچا ہے

لیکن،وہ حق پر ہے۔۔!" حسین صاحب کے

جڑے ہاتھ تھام کر وہ نرم لہجے میں بولے تھے۔

"میں تم سے تمہارے آفس میں ملوں گا ان

شاءاللہ۔۔!" حسین صاحب کے گلے لگتے ہوئے

وہ مدھم لہجے میں بولے۔ پھر اُن کے نہ چاہتے

ہوئے بھی وقار عالم شاہ وہاں سے چلے گئے تھے۔

انہیں دروازے تک چھوڑ کر جب وہ پلٹے تو

برآمدے میں کھڑی نور بیگم خالی خالی نظروں

سے انھی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ وہ پشت پر

ہاتھ باندھتے ان کے مقابل آکر ٹھہر گئے۔

آنکھوں میں ضبط کی سرخی تھی۔

"تمہیں جب جب دیکھتا ہوں ناں۔۔مجھے تب

تب خود سے نفرت ہونے لگتی ہے۔۔!" وہ آج

پھر اپنے اندر کی کھولن اُنھی پر انڈیل رہے تھے۔

نور بیگم نے نم ہوتی نظریں جھکا لیں۔

"میری بیٹی کی اچھی تربیت نہیں کر سکی

تم۔۔۔!!" ایک اور الزام اُن پر عائد کرتے وہ

اندر کمرے کی طرف بڑھ گئے۔وہ دل کے درد پر

ضبط کرتی وہیں بیٹھتی چلی گئیں۔ آنکھیں جھر جھر

بہہ رہی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

شہر لندن کی شفاف سڑکیں برف سے ڈھکی ہوئی

تھیں۔ سفید برف میں ملبوس اونچے نیچے

درختوں کے سبز پتوں کا رنگ اس پل برف میں

رنگا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ گھروں کی ترچھی

چھتوں کی حالت بھی پورے شہر سے مختلف نہ

تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے اُس نے یونیورسٹی کا

رخ نہیں کیا تھا اور اب بھی وہ ناشتہ کرنے کی

غرض سے قریبی ریسٹورنٹ تک جا رہا تھا جب وہ

اس سے آ ٹکرائی تھی۔ کندھوں پر پنک کلر کا

چھوٹا سا سکول بیگ لٹکائے وہ اس کے سامنے

کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"اوہ مائی مائی۔۔ کہاں تھے تم۔۔؟ میں ڈیلی تمہارا

ویٹ کرتی ہوں لیکن تم نظر ہی نہیں آتے۔۔!"

چھوٹے چھوٹے ہاتھ کمر پر ٹکاتی وہ مسکراتے

ہوئے پوچھ رہی تھی۔ منصب بے اختیار اپنے

گریبان کے بٹن بند کیے۔

"تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔۔؟ تمہارے

پاس دریافت کرنے کے لیے ایک جہان باقی ہے

مجھ پر اپنا وقت ضائع مت کرو۔۔!" لانگ کوٹ

کی جیبوں میں ہاتھ گھساتا وہ ایک ایک لفظ چبا کر

کر بولا۔

"تم مجھ سے خفا کیوں رہتے ہو۔۔؟ میں کتنے پیار

سے پوچھ رہی ہوں کہ تم کہاں تھے اور دیکھو تم

کیسے غصے سے جواب دے رہے ہو۔۔" اپنے بازو

لپیٹتی وہ منہ بنا کر بولی۔

"خفا اس سے ہوا جاتا ہے جس سے کوئی ریلیشن

ہو۔۔ میرا تم سے کوئی ریلیشن ہے ہی نہیں تو میں

تم سے کیوں خفا ہونے لگے۔۔!" چھوٹے

چھوٹے قدم اٹھاتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تو اس میں کون سی مشکل بات ہے۔ فرینڈ شپ

کر لو مجھ سے۔۔!" اس کے ساتھ ہی چلتی وہ

مسکاتے لہجے میں بولی۔ اس کی پیش کش پر

منصب نے گردن گھما کر کچھ غیر سنجیدگی سے

اس کی جانب دیکھا۔

"پہلے ٹھیک سے قد تو نکال لو۔ مجھ سے بات

کرنے کے لیے تو تمہیں سر اونچا کرنا پڑتا ہے اور

چلی ہو دوستی کرنے۔۔!" چہرہ سیدھا کر کے اسے

جواب دیتا وہ ناچاہتے ہوئے بھی مسکرایا۔

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔؟؟" وہ صدمے

سے چلائی۔

"نہیں تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔ دوستی کرنی

ہے تو۔۔وہ۔۔وہ اس بچے سے جا کر کرو۔

تمہارے لیے وہی مناسب رہے گا۔۔!"

تھوڑے فاصلے پر سائیکل چلانے کی کوشش میں

ہلکان ہوتے ایک چودہ پندرہ سالہ بچے کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے منصب نے بڑی سنجیدگی سے

اسے مشورہ دیا تو سیشلی نے آنکھیں چھوٹی کر کے

اس لڑکے کو گھورا۔

"اوہ وہ مارک۔۔اس سے اپنا آپ نہیں سنبھلتا وہ

مجھے کیسے سنبھالے گا۔۔!" منصب کے پیچھے ہی

ریسٹورنٹ میں گھستی وہ تپے تپے سے لہجے میں

گویا ہوئی۔

"تو پھر تمہیں فرینڈ نہیں، ایک باڈی گارڈ کی

ضرورت ہے۔۔!" ایک جانب ٹیبل کی طرف

بڑھتے ہوئے منصب نے آرام سے کہا۔

"جی نہیں۔۔مجھے ایک باڈی گارڈ جیسے فرینڈ کی

ضرورت ہے جو مجھے ممی کے گندے فرینڈز سے

بچا سکے۔۔!" اس کے بیٹھنے سے پہلے ہی چیئر

گھسیٹ کر بیٹھتی وہ جلدی میں بولی۔ منصب

چونک گیا۔

"کیا پھر کچھ ہوا ہے۔۔؟؟" چیئر پر بیٹھتے ہوئے

منصب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں بالکل۔۔ اگر تم مجھے ناشتہ کروا دو تو میں

تمہیں ایک سیکریٹ بتاؤں گی۔۔!" میز پر

کہنیاں ٹکاتی وہ رازدارنہ انداز میں بولی۔ منصب

اپنے اور اس کے لیے آرڈر دے کر اس کی جانب

متوجہ ہو گیا۔

"ہاں تو بتاؤ پھر۔۔!" کوٹ کی جیب سے موبائل

نکالتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میری ممی ایک کال گرل ہیں۔مجھے کل ہی پتہ

چلا ہے۔۔!!"اس کی طرف جھکتی وہ بنا آواز کیے

آہستگی سے بولی۔موبائل سکرین پر حرکت کرتی

منصب کی انگلیاں تھم سی گئیں۔اس نے سنجیدگی

سے اس چھوٹی سی لڑکی کی طرف دیکھا۔

"اور تمہارے ڈیڈی۔۔؟" منصب کو اپنی آواز

عجیب سی لگی۔ سیشلی نے مسکراتے ہوئے نفی

میں سر ہلایا۔

"مجھے نہیں پتہ کہ وہ کون ہیں۔۔!!" بظاہر

مسکراتے ہوئے بولتی سیشلی کی آنکھوں میں

منصب کو اداسی کی جھلک دکھائی دی تھی۔

"سیڈ۔۔ ایم فیلنگ سوری فار یُو۔۔!" میز پر

رکھے اس کے چھوٹے سے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے

منصب نے آہستگی سے کہا۔

"اٹس اوکے۔۔!" لاپرواہی سے کہتے ہوئے

سیشلی نے میز پر ناشتہ چنتے ویٹر کی جانب دیکھا۔

پھر نگاہیں جھکا کر ناشتہ کرنے لگی۔

"تو تم مجھ سے دوستی اس لیے کرنا چاہتی ہو تاکہ

میں تمہیں تمہاری ممی کے چیپ فرینڈز سے بچا

سکوں۔۔؟ رائٹ۔۔؟؟" فورک کی مدد سے پین

کیک توڑتا وہ کچھ نرمی سے بولا۔

"ہاں بالکل۔۔اور اس لیے بھی کہ میں اچھے

اچھے ناشتے کر سکوں۔۔!" اس کے سامنے سے

کیک کی پلیٹ اپنی جانب کرتی وہ مسکراتے ہوئے

بولی۔ منصب نے کافی سنجیدگی سے اس کی یہ

بد تہذیبی دیکھی لیکن وہ شاید ڈھیٹ تھی۔

"تم یہ ایک کھالو میرا موڈ بدل چکا ہے۔۔!" اس

کا بچا ہوا ایک کھاتی وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

منصب نے گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنا کافی کا

مگ اٹھالیا۔

"تم کافی بدتمیز ہو سیشلی۔۔!" منصب نے صاف

گوئی سے کہا۔

"فرینڈز میں تمیز تہذیب کچھ نہیں ہوتی۔۔!"

کیک سے اپنا منہ خراب کرتی وہ لاپرواہی سے

بولی۔ اسے کارٹون بنتے دیکھنا چاہتے ہوئے بھی

منصب کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اممم۔۔۔یُو آر رائٹ۔۔!" اس کی جانب جھک

کر ٹشو سے اس کی ناک پر لگا کیک صاف کرتا وہ

مدھم لہجے میں بولا۔

"اٹ مینز تم نے فرینڈ شپ ایکسیپٹ کر

لی۔۔؟؟" اس کا ہاتھ پیچھے کرتی وہ چہکتے ہوئے

بولی۔

"یس۔۔!" مسکرا کر کہتا وہ مگ میز پر رکھتے

ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنا بیگ سنبھالتی وہ بھی

کھڑی ہو گئی۔

"تو پھر تم ڈیلی مجھے یہاں ناشتہ کرواؤ گے۔۔؟؟"

اپنے بیگ کے سٹرپس سے کھیلتی وہ آنکھیں

پٹپٹاتے ہوئے بولی۔

"اگر تم کرنا چاہو تو ضرور۔۔!" منصب نے ہنستے

کہا تو وہ یاہو کہتی اچھل پڑی۔

"کنٹرول۔۔!" اپنی ہنسی دباتے ہوئے منصب

نے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔ لوگ ان دونوں

کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ وہ پرواہ کیے بغیر

اس کا سر کھاتی رہی۔ منصب پیمنٹ کر کے اسے

ساتھ لیے ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا۔ اب وہ

اسے اپنے سکول فرینڈز کی بابت بتارہی تھی جو

اس کے دوست کم دشمن زیادہ تھے۔

□♦□♦□♦□♦

ایک ہاتھ سینے پر جبکہ دوسرا آنکھوں پر رکھے وہ

اندھیرے میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ کمرے

میں حدیبہ کی چھوٹی چھوٹی سانسوں کی آواز سنائی

دے رہی تھی۔شدید سردی میں بنالحاف

اوڑھے اپنے اندر اٹھتی جنگ سے نبرد آزما ہوتا

پسینے میں بھیگ رہا تھا۔کافی دیر وہ یونہی کسی بے

جان بت کی مانند لیٹا رہا پھر کچھ سوچ کر فدا نے

آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا اور گردن موڑ کر حدیبہ کی

جانب دیکھا۔ اس سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر وہ

کمبل میں لپٹی گہری نیند میں گم تھی۔ وہ آہستگی

سے اُٹھا اور دبے قدموں کمرے سے نکل آیا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی بے رنگ

آنکھوں میں پچھلے ایک ہفتے کا منظر گھوم رہا تھا۔

اسے یاد تھا کہ پچھلے ہفتے وہ جب بڑی حویلی واپس

آیا تھا تو اس کی امیدیں تازہ دم تھیں۔ وہ امیدیں

جو ولید شاہ کے کمرے کی تلاشی کے بعد اپنی

موت آپ مر گئی تھیں۔ فدا نے اس کا کمرہ

چھان مارا تھا لیکن نکاح نامہ کہیں نہیں تھا۔ ایک

آخری امید کے طور پر اس نے اپنے اور ولید کے

مشترکہ دوست کو کال کی تھی جو کہ وکیل تھا اور

اسی کے پاس زہرہ اور ولید کے نکاح نامے کی

ایک کاپی تھی جو اس نے ولید اور فدا کے کہنے پر

رجسٹرڈ کروا دینی تھی لیکن ہائے یہ قسمت۔۔

فدا کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنا منہ نوچ ڈالے کیونکہ

اسامہ خان کو نکاح نامہ رجسٹرڈ کروانے سے اسی

نے منع کیا تھا۔

"کیا کہہ رہا ہے تو۔۔یار ایک آخری امید تجھ ہی

سے تو ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔!!" اسے اپنی

چلاتی ہوئی آواز یاد آئی تھی۔فدا کے بھاری قدم

بڑی مشکلوں سے اس راستے پر اٹھ رہے تھے

جس جانب وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"یار میں سچ کہہ رہا ہوں۔میں تو آؤٹ آف

کنٹری تھا۔کل ہی واپس آیا ہوں تو مجھے بھی پتہ

چلا کہ ولید کی موت کے دو دن بعد ہی کچھ

غنڈوں نے میرے آفس کا حشر کر ڈالا تھا۔ کل

تک تو مجھے سمجھ ہی نہیں آئی کہ یہ سب کیوں

ہوا۔ لیکن صبح جب تُو نے مجھے ولید کے نکاح

نامے کا پوچھا اور نکاح نامہ یہاں نہیں ملا تو میں

سمجھ گیا کہ میری آفس پر چڑھائی تیرے سسر

نے کروائی ہے۔۔!" اسامہ خان نے بڑی

سنجیدگی سے اسے تفصیل بتائی تھی۔فدا یہ خبر

سن کر بے دم سا ہو گیا تھا۔ساری گتھیاں سلجھ گئی

تھیں،وہ سمجھ گیا تھا کہ حیدرآباد کے اس

اپارٹمنٹ سے نکاح نامہ چرانے والا کون تھا۔۔؟

وہ جان چکا تھا کہ ولید کے کمرے سے نکاح نامہ

غائب کرنے والی شخصیت کس کی تھی۔۔؟ سید

ذوالفقار عالم شاہ نے زہرہ کے چاروں جانب گھیرا

تنگ کر ڈالا تھا۔ زہرہ کو بچانے کا کوئی راستہ نہیں

بچا تھا۔ اسے امید تھی کہ زہرہ ذوالفقار عالم شاہ

کے سامنے چیخے گی چلائے گی۔ ولید شاہ کو مجرم

کہہ کر اپنی جنگ لڑے گی لیکن اولاد کھو کر وہ خود

کو کھو بیٹھی تھی۔ ذوالفقار عالم شاہ نے ایک بار

نہیں، تین بار اس سے سوال کیا تھا لیکن جواب

فقط خاموشی تھی۔ فدا نے اسے دیکھا نہیں تھا

لیکن حدیبہ کی زبانی اسے معلوم ہوا تھا کہ زہرہ کا

وجود کسی جیتی جاگتی لاش سے کم نہیں۔ ذوالفقار

عالم شاہ نے دس دن بعد اسے ستر کوڑوں کی سزا

سنا ڈالی تھی جس کے بعد اگر وہ زندہ بچ جاتی تو

اسے اپنی زندگی کے مردہ دن حویلی کے تہہ

خانے میں گزارنے تھے۔

"سلام سائیں۔۔!" ملازمہ کی آواز سن کر وہ

ہوش میں آیا تھا۔

"ہممم۔۔۔اندر ہی ہے وہ۔۔؟؟" فدا نے مدھم

آواز میں پوچھا۔لہجہ کھوکھلا ہو رہا تھا۔

"جی سرکار۔۔رحیماں بھی اندر ہی ہے لیکن ابھی

کچھ دیر پہلے ہی اس کی آنکھ لگی ہے۔صبح سے پہلے

نہیں جاگے گی۔۔!" اس ملازمہ نے سرگوشیانہ

اسے مطلع کیا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا آہستگی سے

دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ کمرے میں نیم تاریکی

کاراج تھا۔ سامنے ہی وہ جھلنگاسی چارپائی پر لیٹی

ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی نیچے چٹائی پر ڈھول

ساگول مول، لحاف میں لپٹا وجود یقیناً اُس ملازمہ

کا تھا جس کی بابت باہر دروازے پر کھڑی ملازمہ

نے اسے آگاہ کیا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتا اس کے

قریب آگیا۔ فدا کو لگا تھا کہ وہ اس پل سو رہی ہو

گی لیکن وہ چوپٹ آنکھیں کھولے چھت کو گھور

رہی تھی۔ فدا پر نظر پڑنے پر اس نے فوراً نگاہ

موڑلی تھی۔وہ آہستگی سے اس کی چارپائی کے

قریب زمین پر بیٹھ گیا۔

"آپ کو پتہ ہے میرا بچہ کہاں ہے۔۔؟؟" چھت

کو گھورتی وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ششش۔۔خاموش رہو۔۔!" فدا نے مدھم

آواز میں اسے کہا۔

"کیوں۔۔؟ میں کیوں چپ رہوں۔۔

میرا۔۔میرا بچہ رورہا ہے۔۔مجھے۔۔چیخ رہا ہے

وہ۔۔میں کیسے چپ رہوں۔۔؟؟" اٹھ کر بیٹھتی

وہ کھوئی کھوئی سی آواز میں بولی۔ فدا کو بے اختیار

اس پر ترس آیا تھا جو اپنا سب کچھ گنوا چکی تھی۔

"تم ولید کی امانت ہو زہرہ۔۔ میں تمہیں سزا سے

بچانا چاہتا ہوں۔۔!" فدا نے بے حد دھیمی آواز

میں اسے بتایا۔زہرہ نے گردن موڑ کر کچھ حیرت

سے اس کی جانب دیکھا۔

"کون ولید۔۔کیسی امانت۔۔کون سی سزا۔۔

میں کچھ نہیں جانتی۔۔کچھ نہیں جانتی میں۔۔!!"

فدا کو گھورتی وہ بڑبڑائی۔

"تم سب جانتی ہو اتنی انجان مت بنو۔۔!" اس

کی جانب دیکھتا وہ قدرے سختی سے بولا۔ زہرہ

نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"نہیں۔۔میں نہیں جانتی اُسے۔۔نہیں

جانتی۔۔!"کانوں پر ہاتھ رکھے گھٹنوں میں سر

دیتی وہ دھیمی آواز میں گڑگڑائی۔

"میری بات سنو زہرہ۔۔مجھے تمہارے۔۔!" وہ

بول رہا تھا جب اس کی بات کاٹتی وہ چہرہ اونچا

کرتی ٹھہری ہوئی آواز میں بولی۔

"اگر میں مان لوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔۔۔"

بولتے بولتے زہرہ نے اس کی جانب دیکھا۔ اس

کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"اگر کہوں کہ مجھ سے گناہ ہو گیا۔ معافی بھی

مانگ لوں۔۔؟ اُس کے پاؤں بھی پڑ جاؤں۔۔

تت۔۔تو کیا وہ واپس آجائے گا۔۔؟؟ ایک

بار۔۔ صرف ایک بار سرکار۔۔۔ کلک۔۔۔ کیا

وہ مجھے ایک موقع دے گا۔۔!" اس کی جانب

جھکتی رازدارنہ انداز میں پوچھتی زہرہ کی آنکھوں

سے دو آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھک آئے۔ اس

کی آواز اس پل سسکتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

فدا نے ضبط کرنے کو اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں

بھینچ لیں۔

"ہیں سرکار۔۔؟ بتائیں ناں۔۔میں ولی۔۔ولید

شاہ سے معافی مانگ لوں اگر۔۔؟ اس کے

قدموں میں ساری زندگی گزارنے کو ترجیح دوں

تو۔۔؟اُس سے کہیے۔۔زہرہ اس کے قدموں

سے لپٹ جائے گی۔اس سے کہیے ایک بار واپس

آجائے۔آجائے مجھے اس اذیت سے نجات

دے دے۔اسے بلائیں میں تاعمر اس کے

سامنے سر نہیں اٹھاؤں گی۔۔!" فدا کے سامنے

ہاتھ جوڑتی وہ سسک اٹھی۔اس کی بکھرتی

حالت دیکھ کر فدا کا دل دکھ سے بھرنے لگا۔

"وہ جا چکا ہے زہرہ۔۔واپس نہیں آئے گا۔۔!"

فدا کی آواز کمزور ہو رہی تھی۔

"نہیں سرکار۔۔وہ نہیں گیا۔۔۔وہ یہاں

ہے۔۔!" سیدھی ہوتی وہ اپنے دل کے مقام پر

ہاتھ رکھتی روتے ہوئے بولی۔

"زہرہ ایسے مت بولو وہ جاگ جائے گی۔۔!" فدا

نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ بکھرنے

لگی۔

"وہ نہیں گیا۔ وہ یہاں۔۔ یہاں میری نس نس

میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔۔!" اپنی کلائیوں کو

نوچتی وہ اپنی سسکیاں دباتی بولی۔فدا کی آنکھیں

دکھنے لگیں۔

"وہ یہاں میری۔۔میری آنکھوں میں بس گیا

ہے۔۔!"زہرہ نے اپنی لرزتی پلکوں کو چھوا۔

"یہاں میری یادداشت میں نقش ہوگیا ہے۔۔"

وہ اپنے بال نوچنے لگی۔

"زہرہ۔۔!" فدا نے اس کے ہاتھ تھامنے کی

کوشش کی۔۔وہ خود رو دینے کو تھا۔

"میری روح میں سرایت کر گیا ہے وہ تو کہیں

نہیں گیا سرکار۔۔وہ کہیں نہیں گیا وہ کبھی نہیں

جائے گا۔۔!"بری طرح بلکتی وہ چلائی تھی۔

تبھی لحاف میں لپٹے وجود میں ہلچل ہوئی تھی۔فدا

نے سرعت سے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر

اسے واپس لٹا دیا۔

"شش۔۔ بالکل چپ۔۔ تمہارے حالات کہہ

رہے ہیں تم جینا نہیں چاہتی لیکن میں ولید سے کیا

وعدہ نہیں توڑ سکتا۔ مجھے تمہارے انگوٹھے کا نشان

چاہئیے۔۔!" پھٹی پھٹی بھیگی آنکھوں سے اپنی

جانب دیکھتی زہرہ کی جانب دیکھتے ہوئے فدا نے

قدرے سختی سے کہا ورنہ زہرہ سے ناراضگی کے

باوجود اس کا دل زہرہ کے لیے رو رہا تھا۔ فدا نے

آہستگی سے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ وہ گہرے سانس

لیتی ایک بار پھر چھت کو گھورنے لگی۔ لب

دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔ یوں جیسے تصور

میں وہ اُسی سے مخاطب ہو جسے وہ فدا کے سامنے

پکار رہی تھی۔ فدا نے جیب سے چند کاغذات اور

چھوٹا سا سٹیمپ باکس نکالا۔ آج کے بعد وہ زہرہ

اور ولید کے لیے نہیں، یقیناً اپنے اور حدیبہ کے

لیے رونے والا تھا۔ اس نے زہرہ سے مزید کوئی

بات کیے بغیر اس کے سیدھے ہاتھ کو تھاما اور پھر

اسامہ خان کی ہدایت کے مطابق اس کے تھمب

پرنٹس لینے لگا۔ پرسوں اس کے لیے منتخب کردہ

سزا پر عمل درآمد ہونا تھا۔ اس نے جیب سے

ایک مخصوص محلول نکال کر اس کے انگوٹھے کو

صاف کیا تھا۔ گو نشان اب بھی باقی تھا لیکن فدا کو

یقین تھا کہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں وہ نشان

معدوم ہو جائے گا۔ جس وقت وہ اس کے کمرے

سے نکلا وہ اس پل نیم غنودگی میں ولید شاہ کو پکار

رہی تھی۔ شاید وہ ٹھیک کہہ رہی تھی، اس کی

یادداشت میں فقط ولید شاہ ہی نقش تھا ورنہ اگر

اس کے حواس بحال ہوتے تو وہ ضرور فدا کی

کاروائی پر غور کرتی۔ وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا اس

کمرے سے نکل آیا جہاں وہ اپنا اور حدیبہ کا رشتہ

خطرے میں ڈال آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زہرہ اور

ولید کے لیے اٹھایا گیا اس کا یہ قدم اس کی زندگی

اور اس کی چاہت داؤ پر لگا دے گا لیکن بہر

طور۔۔ اسے یہ کرنا ہی تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"مس علیشہ۔۔۔!" وہ برق رفتاری سے چلتی

رات کے اس پہر سنسنان سڑک پر چل رہی تھی

جب اپنے پیچھے شمس کی پکار پر اس کے قدموں

کی رفتار میں کمی آئی تھی۔ سردی کے باعث اپنے

ہاتھ سختی سے لپیٹے وہ اس کی جانب پلٹی۔

"آپ۔۔؟ آپ میرے پیچھے کیوں آ

گئے۔۔؟؟" اس کی جانب دیکھتی وہ کچھ حیرت

زدہ انداز میں بولی۔ شمس نے نرم نگاہوں سے

ریشم زلفوں کے پہرے میں دمکتا اس کا گلاب

چہرہ دیکھا۔ اس کے بے داغ چہرے پر سجی

بھوری آنکھوں کی چمک اس پل فسوں خیز تھی۔

لمحہ بالمحہ وہ اس لڑکی کے سحر میں مبتلا ہوتا جارہا

تھا۔

"وہ۔۔ آپ اپنا موبائل فون میرے روم میں ہی

چھوڑ آئی تھیں۔۔!"ہاتھ میں پکڑا موبائل اس

کی نگاہوں کے سامنے کرتے ہوئے اپنے

تاثرات چھپاتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اوہ۔۔!"علیشہ نے سیٹی بجانے کے سے انداز

میں اپنے لب سکیڑے۔

"تھینک یُو۔۔!" اس کے ہاتھ سے موبائل لیتے

ہوئے علیشہ نے مسکرا کر کہا۔

"اٹس فائن۔۔۔!" لبوں پر زبان پھیرتا وہ علیشہ

کے علاوہ سڑک پر ہر طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوکے پھر۔۔!" کندھے اچکا کر کہتی وہ جانے کو

پلٹی۔

"مس علیشہ۔۔ آپ اکیلی جائیں گی۔۔؟" اسے

پھر سے پکارتا وہ پوچھ بیٹھا۔

"اوویسلی۔۔بس ایک سڑک کا فاصلہ ہی تو

ہے۔۔!" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"ہاں لیکن۔۔رات بہت ہو چکی ہے، آئیں میں

آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔۔!" اس کے ہمقدم ہوتا

وہ آہستگی سے بولا۔

"اگر آپ آنا چاہتے ہیں تو، یہ میرے لیے باعثِ

مسرت ہو گا۔۔!" اس کی جانب دیکھتے ہوئے

علیشہ نے مسکرا کر کہا۔ شمس نے بامشکل اس کے

لبوں کے پہرے دار اُس سیاہ تل سے نظر بچائی

تھی۔وہ اس کے سنگ چھوٹے چھوٹے قدم

اٹھانے لگی۔

"ہاسٹل سے نکلتے ہوئے، کوئی ایشو کری ایٹ تو

نہیں کیا واچ مین نے۔۔؟" کچھ یاد آنے پر شمس

نے نرمی سے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔ اندر جاتے ہوئے ایک کو

پیسے دیے تھے اور باہر آتے ہوئے دوسرے کو

بھی دے دیے۔ تو پھر ایشو کیسا۔۔؟" غیر

سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے حقیقتاً شمس کو

اپنا کارنامہ بتایا تھا۔

"ریئلی۔۔؟ ان دونوں نے آپ سے پیسے لیے

ہیں۔۔؟؟" جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے اس

کے سنگ چلتا وہ کافی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"جی بالکل۔۔ ورنہ وہ مجھے اندر آنے ہی نہیں

دے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ شور مچاتا میں نے

اس کا منہ پیسوں سے بند کر دیا۔۔!" لاپرواہی

سے کندھے اچکاتی وہ عام سے لہجے میں بولی۔

"ہممم۔۔ صحیح۔۔!" سر اُٹھا کر سیاہ آسمان کی

جانب دیکھتا وہ آہستگی سے بولا۔

"ویسے آئی تھنک آج پھر آپ کو جیکٹ کی

ضرورت ہے بٹ بیڈ لک۔۔میں جلدی میں ایسے

ہی آگیا۔۔!" اسے بار بار اپنے ہاتھ رگڑتے دیکھ

شمس نے کہا تو جوابًا وہ ہنس دی۔

"اوہ مجھے پھر اُسے واپس کرنے آنا پڑتا۔اٹس

فائن۔۔ہاسٹل آگیا ہے بس۔!"چند قدموں کے

فاصلے پر پورے قد سے کھڑی گرلز ہاسٹل کی

عمارت کی جانب دیکھتی وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"آنا پڑتا مطلب۔۔؟ مجھ تک آنا ممنوع ہے

کیا۔۔؟" اپنے قدم روکتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

اس کے سوال پر علیشہ نے پل بھر کو اس کی

آنکھوں میں جھانکا۔

"ممنوع تو نہیں ہے لیکن۔۔ تھوڑا مشکل

ہے۔۔!" دھیمے لہجے میں بولتی وہ سادگی سے

سچائی کا اعتراف کر گئی تھی۔ شمس کے لبوں پر

ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"حیرت ہے کہ دنیا میں کچھ ایسا بھی ہے جو آپ

کے لیے مشکل ہے۔۔!" اپنی مسکراہٹ دباتا وہ

غیر سنجیدگی سے بولا تو علیشہ نے ہنستے ہوئے ایک

بار پھر کندھے اچکائے۔

"گڈ نائٹ۔۔!!" نرمی سے کہتا وہ ہاسٹل کے گیٹ

کی طرف اشارہ کر گیا۔ انداز واضح تھا۔ وہ اسے

اندر جانے کو کہہ رہا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلاتی

گیٹ کی جانب بڑھی جب اسے دائیں جانب سے

عالم کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ علیشہ نے گردن

موڑ کر اس جانب دیکھا۔وہ گاڑی سے باہر نکل رہا

تھا۔

"اوہ۔۔میں بھول ہی گئی،مجھے تو عالم کے ساتھ

جانا تھا۔۔!" شمس کو بتاتی وہ خوشی خوشی عالم کی

جانب بھاگی۔شمس نے بے تاثر نگاہوں سے عالم

کی جانب دیکھا جو علیشہ کی طرف بڑھتے ہوئے

شمس ہی کو گھور رہا تھا۔ وہ لب بھینچتا اپنے راستے

پلٹ گیا۔ جبکہ علیشہ کے قریب آتے ہی عالم نے

اس کی کلائی سختی سے دبوچی اور اسے لے جا کر

فرنٹ سیٹ پر پٹخا۔

"واٹ ہیپنڈ۔۔؟؟" چہرے پر بکھرتے بال

پیچھے کرتے ہوئے کچھ علیشہ نے ناگواری سے

کہا۔

"یہ مجھ سے پوچھ رہی ہو تم۔۔؟؟ کیا کہا تھا میں

نے تمہیں۔۔؟؟ ہاں۔۔؟ گیارہ تیس پر تمہیں

ہاسٹل سے باہر آنا تھا ناں علیشہ۔۔؟؟ لیکن نہیں،

تم باہر تو تب آتی ناں جب تم اندر

جاتیں۔۔۔!!"کار کی چھت پر سختی سے ہاتھ

جماتا وہ اس کی جانب جھکتے ہوئے درشت لہجے

میں بولا۔

"کیا ہو گیا ہے عالم۔۔ جسٹ کام ڈاؤن۔۔ اندر آ

کر بیٹھو پھر بات کرتے ہیں۔۔!!" اس کی

آنکھوں میں ابھرتے سرخ ڈورے دیکھ کر

پریشان ہوتی وہ جلدی سے بولی۔

"کیا بات کرو گی تم ہاں۔۔؟ کیا بتاؤ گی۔۔؟ پچھلے

ایک گھنٹے سے میں سڑکوں پر خوار ہو رہا ہوں۔

اس ڈر سے کہ کہیں پولیس کیس کے سلسلے میں

تمہیں لے نہ گئی ہو، میں تھانے کے دس چکر لگا

چکا ہوں تمہیں اندازہ بھی ہے کہ میں کتنا پریشان

ہو گیا تھا۔۔؟؟؟" اپنا بگڑتا تنفس بحال کرنے

کی ناکام کوشش کرتا وہ گرجا۔علیشہ کو باہر نکلنا

پڑا۔

"عالم پلیز۔۔جسٹ کول ڈاؤن۔۔ تمہیں کس

نے کہا ہے کہ میں ہاسٹل نہیں گئی۔میں وہیں

تھی۔۔!" اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتی وہ اسے

سمجھانے کی کوشش کرتی بولی۔

" جھوٹ مت بولو علیشہ۔۔ میں پورے ساڑھے

گیارہ بجے یہاں موجود تھا لیکن تم اندر نہیں

تھیں۔ مجھے سارہ نے بتایا ہے انفیکٹ اس نے

تمہیں بھی کال کی تھی لیکن تم نے اسے بھی

نہیں بتایا کہ تم کہاں ہو۔!!" اس کے ہاتھ

جھٹک کر ناراضگی سے کہتا وہ اس کی جانب سے اپنا

رخ موڑ گیا۔علیشہ نے آنکھیں میچتے ہوئے گہرا

سانس لیا۔

"عالم میں تمہیں یہی تو بتا رہی ہوں کہ میں ٹیچرز

ہاسٹل گئی تھی۔۔!"علیشہ نے اس کے سامنے

آتے ہوئے کہا۔

"وہ تو میں دیکھ ہی چکا ہوں کہ تم کس کے ساتھ

تھیں۔۔!!" اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے

ہوئے وہ سلگتے لہجے میں بولا۔

"فار گاڈ سیک اب یہ مت کہنا کہ مجھے اُن کے

ساتھ دیکھ کر تمہاری غیرت جوش مار رہی

ہے۔۔!" اس کے چہرے پر پھیلے پتھریلے

تاثرات کا جائزہ لیتی وہ سنجیدگی سے بولی۔

"خاموش ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں تھپڑ مار دوں گا

علیشہ۔۔!" قہر بار نگاہوں سے اسے دیکھتا وہ غرایا

تو علیشہ کی بھنویں تن گئیں۔

"اگر ایسا کر کے تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو

فائن۔۔لو مار لو تھپڑ۔۔ کم آن۔۔!" اپنے ہاتھ

لپیٹتی وہ اس کے قریب ہوتی بولی۔عالم نے اپنے

بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے چہرہ اونچا کر کے

آنکھیں بند کر لیں۔چند پل گہرے سانس خارج

کرنے کے بعد وہ سیدھا ہوا اور اس کی جانب

دیکھا۔

"گاڑی میں بیٹھو۔۔۔!" سنجیدگی سے کہتا وہ

ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔علیشہ نے سکون کی

سانس لیتے ہوئے فرنٹ سیٹ سنبھال لی۔عالم

نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ

وقفے وقفے سے نگاہ ترچھی کرتی اسے دیکھتی لیکن

وہ سختی سے لب بھینچے سامنے سڑک پر دیکھ رہا

تھا۔

"عالم تم اتنے کنزرویٹو کیوں ہو رہے ہو

یار۔۔؟؟" اس کی خاموشی سے تنگ آتی وہ پھر

سے بول پڑی۔

"کنزرویٹو نہیں ہو رہا۔ تمہارے دل میں چور تھا

علیشہ۔۔بات یہ نہیں ہے کہ تم اپنے سو کالڈ ٹیچر

سے ملنے گئی تھیں، بات یہ ہے کہ تم نے مجھ سے

جھوٹ بولا کہ تم اپنی فرینڈز سے ملنے جارہی

ہو۔۔!" گاڑی ڈرائیو کرتا وہ اس بار کچھ دھیمے

لہجے میں بولا تھا۔ آواز میں پہلے والی سختی مفقود

تھی۔

"اگر تم مجھے بتا دیتی کہ تم اپنے سر سے ملنے جا رہی

ہو تو میں کم از کم اس لیے پریشان نہ ہوتا کہ

تمہارے ساتھ کچھ غلط ہو گیا ہے۔۔!" سنجیدگی

سے کہتے ہوئے اس بار عالم نے اس کی جانب

دیکھا تھا۔

"ایم سوری۔۔!"علیشہ نے جلدی سے اپنے کان

پکڑ لیے۔عالم کے لبوں پر مسکراہٹ کا شائبہ تک

نہ تھا۔

"ریجیکٹڈ۔۔کل دوبارہ ٹرائے کرنا ابھی چپ

رہو۔۔!" بے تاثر لہجے میں کہتا وہ چہرہ سیدھا کر

چکا تھا۔علیشہ منہ بسور کر رہ گئی۔

□♦□♦□♦□♦

ایک اور رات بیت کر نئی صبح کو خوش آمدید کہہ

رہی تھی۔کھڑکی پر گرے بھاری پردوں کے

باعث جنوری کے جاتے دنوں کی مدھم روشنی

اس کے کمرے میں جھانکنے سے قاصر تھی۔

گزشتہ رات وہ فجر کے قریب سویا تھا شاید یہی

وجہ تھی کہ اسے گھڑی کی بھاگتی سوئیوں نے

دوپہر گزر جانے کا بھی پتہ نہ دیا تھا۔ تین بجے کے

قریب اس کی آنکھ کھلی تو وہ انگڑائی لیتا اُٹھ بیٹھا۔

مندی مندی آنکھوں سے عالم نے سائیڈ ٹیبل پر

رکھی کلاک دیکھی تو اس کی پوری آنکھیں کھل

گئیں۔ نیند کا ہاتھ تھامے خوابوں کی وادی میں

ٹہلتے ٹہلتے وہ آدھا دن گنوا چکا تھا۔ اپنی لاپرواہی

پر اسے جی بھر کر افسوس ہوا۔ ہاتھوں کی انگلیاں

آپس میں پھنسا کر بازوؤں کو ورزشی انداز میں

آگے پیچھے حرکت دیتا وہ واش روم میں جا گھسا۔

پھر بیس سے پچیس منٹ بعد جب وہ فریش ہو کر

نیچے آیا تو اسے علیشہ سامنے ہی لیونگ روم میں

صوفے پر براجمان نظر آگئی۔ میز پر بچھی نفیس

سی کور شیٹ پر پاؤں دھرے وہ صندل بیگم کے

ساتھ کسی سے بحث میں مصروف نظر آرہی

تھی۔ جبکہ ان دونوں سے لاپرواہ سجانی بھی وہیں

سنگل صوفے پر بیٹھا موبائل میں لگا ہوا تھا۔

"آج اتنی دیر تک سوتے رہے۔۔؟ بھول گئے ہو

کہ آج کیا دن ہے۔۔۔؟؟اس پر نظر پڑتے ہی

صندل بیگم اسے مخاطب کرتی بولی تھیں۔

"کیا دن ہے۔۔؟؟"علیشہ کے پیروں سے کچھ

فاصلے پر میز پر رکھی ڈرائے فروٹس کی ٹرے سے

بادام اُٹھا کر منہ میں ڈالتا وہ لاپرواہی سے بولا۔

اس کی اس قدر بے نیازی پر علیشہ نے پاؤں سمیٹتے

ہوئے اسے گھورا۔

"تمہیں نہیں پتہ۔۔؟؟" باری باری اُن دونوں

کو دیکھتے ہوئے صندل بیگم نے کچھ حیرانگی سے

پوچھا۔

"ہمم۔۔۔ سنڈے ہے شاید۔۔!" آرام سے کہتے

ہوئے اس نے ایک اور بادام اٹھا کر منہ میں ڈال

لیا۔

"لگتا ہے اسے کراچی میں بادام نصیب نہیں

ہوتے فپھو۔۔ تبھی یادداشت کام نہیں کر

رہی۔۔!"ڈرائے فروٹس والی ٹرے اپنی جانب

کھسکاتے ہوئے کہتی علیشہ نے صندل بیگم کی

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بدنصیبی سے کراچی میں ایک چڑیل مجھے نصیب

ہوتی ہے جسے نصیب سے جب موقع ملے وہ میرا

دماغ کھا جاتی ہے اسی لیے یادداشت کمزور ہو گئی

ہے۔۔!"علیشہ کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھتے

ہوئے وہ علیشہ کو دیکھتا بظاہر اپنی ماں کو آگاہ کر رہا

تھا۔ صندل بیگم کو اندازہ ہو گیا کہ اُن دونوں میں

کوئی ناراضگی چل رہی ہے۔

"اور وہ چڑیل کون ہے۔۔؟؟" بیٹے کی جانب

دیکھتے ہوئے انہوں نے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔

علیشہ بے نیاز بنی کاجو اور بادام چبا رہی تھی۔

"وہی جو یہاں میرے حصے کے بادام کھا کر میری

یادداشت بحال نہیں ہونے دے رہی۔۔!" عالم

نے ایک بار پھر اُس پر چوٹ کی تھی۔ اس بار

علیشہ کا ضبط جواب دے گیا اس نے پاس پڑا کشن

اٹھا کر اسے مارا۔

"بھوکی نہیں ہوں تمہارے باداموں کی۔۔

ٹھونس لو خود ہی بدتمیز۔۔!!"ٹرے اس کی

جانب کھسکاتی وہ تپے تپے سے لہجے میں بولی۔

"ارے ناراض کیوں ہو رہی ہیں آپی۔۔یہ جان

بوجھ کر آپ کو چڑا رہے ہیں لائیں یہ مجھے دے

دیں مجھے گوگل ایک سوال کا جواب نہیں دے

رہا۔ شاید یہ بادام کھانے کے بعد میرا دماغ

جواب دے دے۔۔!!" موبائل پیچھے کرتے

ہوئے سبحانی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

ساتھ ہی ٹرے اپنی جانب کر لی۔

"تمہارے اُلٹے سوالوں کا جواب صرف تمہارے اُلٹے دماغ کے پاس ہی ہو سکتا ہے۔ بے چارہ گُوگل تو سیدھا سادھا بندہ ہے اسے پریشان مت کرو۔۔!" عالم نے بڑی سنجیدگی سے اُس پر طنز کیا تو وہ ڈھیٹ پن سے مسکرا دیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔۔!" سر اثبات میں ہلاتا وہ

بولا۔

"اچھا بس بہت ہو گیا مذاق۔۔کچن میں جاؤ اور

بالی سے کہو تمہارے لیے ناشتہ بنوا دے۔ اور

ناشتہ کر کے، علیشہ جہاں چاہے اسے وہاں لے کر

جاؤ۔ سالگرہ ہے میری بچی کی اور تم دونوں کو اپنی

پڑی ہے!" اپنی چادر سنبھال کر کھڑی ہوتی

صندل بیگم سنجیدگی سے بولیں۔

"سبحانی سے کہیے وہ لے جائے گا۔ میں تھکا ہوا

ہوں۔۔!"علیشہ کو چھیڑنے کو کہتا وہ وہاں سے

اُٹھ گیا۔

"عالم۔۔ میں کہہ رہی ہوں ناں کہ بہت ہو چکا

ہے۔۔!" صندل بیگم نے اسے ٹوکا تو وہ دھیرے

سے ہنستا وہاں سے نکل کر کچن میں آ گیا۔

"آپ دیکھ رہی ہیں ناں پھپھو اسے۔۔!" اسے

اپنے پیچھے سے علیشہ کی آواز آئی تھی۔ وہ کچن

میں آیا تو بالی سنک کے پاس کھڑی برتن دھو رہی

تھی۔اس نے گھوم پھر کر اطراف میں دیکھا وہ

وہاں نہیں تھی۔

"بالی میرے لیے اورنج جوس بنادو پلیز۔۔!" عالم

نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"ابھی بنا دیتی ہوں سرکار۔۔!" فوراً برتن چھوڑتی

وہ تندہی سے بولی۔ تو وہ اثبات میں سر ہلاتا میز

کے پاس آ گیا۔ بالی مالٹوں کی ٹوکری سے مالٹے

نکال کر چھیلنے لگی۔

"یہ مرحہ کہاں ہے؟ نظر نہیں آرہی۔۔؟؟"

ایک مالٹا لے کر چھیلتے ہوئے اس نے عام سے

لہجے میں پوچھا۔

"اللہ جانے کہاں دفع ہوئی ہے۔اب یہ برتن

وہی آکر دھوئے گی میں تو تھک گئی ہوں قسم

سے۔۔!" مالٹے چھیلتی وہ بے چارہ سا منہ بنا کر

بولی۔

"ہوں۔۔ضرور کوئی کام ہی کر رہی ہو گی لیکن وہ

نکمی بہت ہے، سستی سے کام کو لٹکا دیتی ہے۔۔!"

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے عالم نے سنجیدگی سے

کہا۔اس کے منہ سے مرحہ کی برائی سن کر بالی کی

تو دلی مراد بر آئی۔

"ہاں تو اور۔۔کام سے جان چھڑواتی پھرتی ہے۔

ابھی اگر وہ ہوتی ناں میری جگہ تو جھٹ کہہ دیتی

کہ برتن دھو رہی ہوں جو س بالی سے بنوا

لیں۔اس کی زبان بھی بہت کھل گئی ہے

سرکار۔۔!"جو سر مشین سیٹ کرتے ہوئے اس

کی زبان تیزی سے چل رہی تھی۔عالم نے بڑی

سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہاری تو بات ہی کیا ہے۔ ایک ہی وقت میں

سارے کام کرنا اس کام چور کے بس کی بات

نہیں ہے۔۔، کوئی ایک کام دے دو سہی بس اسی

کو لے کر بیٹھ جاتی ہے۔۔۔!" دھیمی آواز میں

کہتے ہوئے اس نے بالی کو کریدتے ہوئے

دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ بالی کا چہرہ

کھل اٹھا۔

"ہاں تو اور کیا۔ اب صبح سے درمیانی چھت پر

کپڑے دھو رہی ہے۔ کپڑے ہیں کہ دھلنے کا نام

ہی نہیں لے رہے۔ اسکی جگہ میں ہوتی ناں تو اب

تک دو چار اور کام نپٹا چکی ہوتی۔۔!" جوش میں

آکر وہ اسے بول پڑی تھی۔ عالم کا سکون غارت

ہو گیا۔

"ہمم۔۔ یہ تو ہے۔۔ اچھا تم ایسا کرنا کہ۔۔ یہ

جوس بنا کر میرے کمرے میں رکھ دینا۔ اور

کمرے اور واش روم کی اچھے سے صفائی بھی کر

دینا۔۔!"ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ گھساتے

ہوئے وہ مسکراتے ہوئے بولا تو بالی کے لبوں کی

مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"تم کام بہت اچھے سے کرتی ہو بالی اسی لیے

تمہیں کہہ رہا ہوں۔ ورنہ تمہیں پتہ تو ہے کہ میں

اپنے روم میں ہر ملازمہ کو گھسنے نہیں دیتا۔۔!"

اسے خوش کرنے وہ سنجیدگی سے بولا تو بالی

زبردستی مسکرائی۔

"جج۔۔۔جی ضرور۔۔!" مرتی کیا نہ کرتی کے

مصداق اس نے عالم کی ہاں میں ہاں ملائی تو وہ

کچن سے نکل گیا۔ کچن سے نکل کر اس نے باہر کا

رخ کیا تھا۔ آس پاس دیکھتا وہ باہر والے راستے

سے دوسری منزل پر گیا تھا۔ لیونگ روم کا کچھ

منظر اسے نظر آرہا تھا وہ تیزی سے راہداری پار

کر کے دوسری منزل کی چھت پر آگیا۔ ایک

جانب تین چار رسیوں پر تہہ در تہہ دھلے ہوئے

کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ عالم نے بے تابانہ اس

کی تلاش میں چھت پر نگاہیں دوڑائیں وہ اسے

مشین سے کپڑے نکالتی نظر آگئی۔ آسمان پر دور

دور تک سورج کی کسی کرن کا نام و نشان نہ تھا۔

دھیمی دھیمی خنک ہوا جسم کو چھوتی سردی کا

شدید احساس پیدا کر رہی تھی۔ وہ سرعت سے

اس کی جانب بڑھا۔

"تمہیں خطرناک کاموں کے سوا کوئی کام نہیں

سوجھتا کیا۔۔؟؟"اس کے سر پر پہنچتا وہ کچھ

برہمی سے گویا ہوا۔وہاں عالم کو دیکھ کر وہ سیدھی

ہوئی۔دوپٹہ گلے میں باندھے وہ آدھی بھیگی

کھڑی تھی۔اس نے فوراً مشین سے ہاتھ باہر

نکال کر دوپٹہ کھول کر لیا۔

"آپ اتنی سردی میں یہاں کیوں آگئے ہیں

سرکار۔۔!" اپنا سر ڈھانپتی وہ نگاہ جھکاتے ہوئے

بولی۔

"ظاہر سی بات ہے تمہاری یاد میں تو آیا نہیں

ہوں۔۔نیچے چلو اور مجھے اورنج جوس بنا کر دو۔

بالی کے ہاتھ کا بدذائقہ جوس میرے حلق سے

نہیں اترے گا۔۔!" اس کے چہرے سے نظریں

ہٹاتے ہوئے عالم نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں یہ کام چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں

سرکار۔۔۔!" اس کے حکم پر پریشان ہوتی وہ

مدھم آواز میں بڑبڑائی۔

"ایسے۔۔۔!" اس کی کلائی تھام کر اپنے ساتھ

کھینچتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔ اسے چھونے

پر عالم کو محسوس ہوا جیسے اس کی کلائی میں برف

کی ڈلی گھل رہی ہو۔

"کیا غضب کر رہے ہیں سرکار مجھے ایسے مت

لے جائیں۔ چھوٹی بیگم سرکار میری جان نکال

دیں گی۔۔!" اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش

کرتی وہ جلدی میں چلائی۔ عالم نے اپنے قدم

روک کر ساکت نظروں سے اس کا سپید چہرہ

دیکھا جس پر سبجی ناک سرخ اور ہونٹ نیلے ہو

رہے تھے۔ اپنی گرفت میں مقید اس کی کلائی

اونچی کر کے عالم نے اپنی نگاہوں کے سامنے کی۔

اس کا سرد ہاتھ سرخ ہو رہا تھا۔ انگلیوں کی شان

بڑھاتے شفاف ناخن نیلے کنچ ہو رہے تھے۔ عالم

کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔

"اگر تمہاری جان کی پرواہ نہ ہوتی تو اب تک وہ

غضب ڈھا چکا ہوتا جو تم تصور بھی نہیں کر

سکتی۔۔!" اس کی کلائی ایک جھٹکے سے چھوڑ تا وہ

سلگتے لہجے میں بولا۔ مرحہ نے لب بھینچتے ہوئے

اس کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ لیے۔

"آپ پرواہ مت کریں۔مجھے میرے حال پر

چھوڑ دیں۔خدارا مجھے چھوڑ دیں۔۔!" نگاہیں

جھکاتی وہ گڑگڑائی۔

"مسئلہ یہی ہے کہ میں تمہیں چھوڑ نہیں

سکتا۔۔!" قطعیت بھرے لہجے میں کہتا وہ وہاں

سے پلٹ گیا۔ مرحہ نے خالی نظروں سے

اسے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ سیدھا اپنے

کمرے میں آیا تھا۔ اس کی پہلی نگاہ بیڈ سائیڈ ٹیبل

پر رکھے اورنج جوس پر پڑی تھی۔ مرحہ کے سرد

وجود کو چھو کر عالم کے اندر آگ بھڑک اٹھی

تھی۔وہ تیزی سے آگے بڑھا اور جوس کا گلاس

اٹھا کر زمین پر دے مارا۔آواز سن کر بالی واش

روم سے باہر آئی تھی۔

"کک۔۔ کیا ہو گیا سرکار۔۔!" پریشانی کے عالم

میں زمین پر بکھرے کانچ اور جوس کو دیکھتی وہ

منمنائی۔

"یہ جوس بنایا تھا تم نے۔۔؟ بےکار بدذائقہ۔۔

اٹھاؤ یہ کچرا یہاں سے اور بلاؤ مرحہ کو۔۔ اس

سے کہو میرے لیے جوس بنائے۔۔!" قہربار

نگاہوں سے اسے گھورتا وہ اس پر گرجا۔اس کی

بلند آواز سن کر اس کے کمرے کے باہر سے

گزرتی ناجیہ بیگم اندر چلی آئیں۔

"کیا ہو گیا ہے عالم۔۔ایسے کیوں چیخ رہے ہو

چاند۔۔!" اس کے قریب آتی وہ نرمی سے

بولیں۔

"موڈ آف کر کے رکھ دیا ہے اماں اس نے۔۔

ایک ڈھنگ سے جوس بھی نہیں بنانا آتا

اسے۔۔!" اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ تپے تپے

سے لہجے میں بولا۔ انداز، ایسا تھا جیسے خود پر ضبط

کر رہا ہو۔

"میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو جاؤ جا کر مرحہ کو

بلاؤ۔۔!!" بالی کو وہیں کھڑے دیکھ وہ اس پر چیخا تو

وہ فوراً وہاں سے بھاگی۔ناجیہ بیگم نے کچھ حیرت

سے اس کی جانب دیکھا۔

"غصہ کس بات پر ہے۔۔؟بس اتنی سی بات پر

یہ رویہ۔۔؟میراشاہو توایسا نہیں ہے۔۔!"اس

کی ٹھوڑی پیار سے چھوتی وہ بولیں تو عالم نے اپنی

سرخ ہوتی آنکھیں پل بھر کو میچ لیں۔ بار بار وہی

چہرہ سامنے آرہا تھا۔

"یہاں انسانوں کے دل میں کون سے جانور بس

رہے ہیں اماں۔۔؟؟وہ معصوم پتہ نہیں کتنے

گھنٹوں سے سردی میں کھپ رہی ہے اور یہاں

کسی کو خیال نہیں۔۔!" ان کا ہاتھ پیچھے کرتا وہ

برہمی سے گویا ہوا۔

"مرحہ کی بات کر رہے ہو۔۔؟؟" ناجیہ بیگم نے

آہستگی سے پوچھا۔

"اور کس کی۔۔؟ ایک وہی تو قصور وار ہے

یہاں۔۔ مشکل سے مشکل کام اس بے چاری کے

حوالے کر دیا جاتا ہے اور یہ بھینس بالی بیگم۔۔ یہ

مما کی چاپلوسی کر کر کے بچ جاتی ہے۔۔!!" وہ

سخت مشتعل نظر آرہا تھا۔

"اماں میں نے دیکھا ہے اسے۔۔اس کے۔۔

اس کے ہاتھ نیلے ہو رہے تھے وہ برف جیسی

تھی۔کسی دن وہ یونہی مر جائے گی اور

میں۔۔۔۔!!"بے قراری و بے چینی سے پاگل

ہوتا وہ بولتے رکا۔۔

"عالم میرے بچے خود کو سنبھالو کسی نے سن لیا تو

غضب ہو جائے گا۔۔!" اسے کندھوں سے

تھامتی وہ تشویش زدہ لہجے میں بولیں۔

"ہو جانے دیں غضب اماں۔۔ٹوٹ پڑنے دیں

اس حویلی پر قہر لیکن میں۔۔میں اُسے کچھ نہیں

ہونے دوں گا۔ اپنا دل چیر کر اسے یہاں۔۔

یہاں چھپالوں گا۔۔۔!!" اپنے سینے پر دل کے

مقام پر ہاتھ مارتا وہ غرایا۔ سرخ آنکھوں سے

خون چھلکنے کو بے تاب تھا۔ ناجیہ بیگم نے اثبات

میں سر ہلاتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"ہمت کرو میرے چاند۔۔ حوصلہ کرو۔۔!!" وہ

بڑی مشکلوں سے بول پائی تھیں۔ آنے والا وقت

ان کا دل دہلا رہا تھا۔یقین کرنا مشکل تھا لیکن آج

وہ اپنی زندگی میں عالم کی آنکھوں میں ایک

دوسرے ولید شاہ کو دیکھ رہی تھیں۔شاید وقت

اپنا آپ دوہرانے والا تھا۔

"ہمت اب جواب دینے لگی ہے اماں۔۔!" بال

مٹھیوں میں جکڑتا وہ بڑبڑایا۔

"محبت کرتے ہو اُس سے۔۔؟؟" اس کے

سامنے آتی وہ نرم لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ عالم

نے دہکتی نظروں سے اُن کی جانب دیکھا۔

"میں نہیں جانتا کیوں۔۔؟ لیکن ہاں مجھے اس

سے محبت ہے۔۔!" ان کی جانب دیکھتا وہ مضبوط

لہجے میں بولا۔ چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو رہا

تھا۔ ناجیہ بیگم نے ہولے سے اثبات میں سر

ہلایا۔

"پھر تو تم یہ بھی نہیں جانتے ہو گے کہ تمہاری

اس محبت کا نتیجہ کیا نکلے گا۔۔!" اس کے چہرے

کا رخ نرمی سے اپنی جانب کرتی وہ سنجیدگی سے

پوچھ رہی تھیں۔عالم نے نم ہوتی پلکیں جھپکاتے

ہوئے اُن سے نگاہیں چرا لیں۔ناچاہتے ہوئے

بھی اس کی آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹا تھا جسے

ناجیہ بیگم نے بروقت اپنی چادر کے پلو سے صاف

کر دیا۔

"خبر دار عالم۔۔ خبر دار رونا مت۔۔ میرے دل

میں اتنی سکت نہیں کہ میں اپنے جوان بچوں کو

بلکتا ہوا دیکھ سکوں۔ رحم کرو مجھ پر۔۔ پہلے

منصب اور اب تم۔۔ دل لگانے کو تمہیں پوری

دنیا میں ایک یہی لڑکی ملی تھی۔۔؟؟" ساکت

نظروں سے عالم کا سرخ چہرہ دیکھتی وہ لرزتی

ہوئی آواز میں بولیں۔ عالم نے نگاہیں جھکا لیں۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے نہیں پتہ لیکن۔۔ میرا

دل اُس کی آرزو، دھڑکنوں میں لے کر جوان ہوا

ہے اماں۔۔!" نظریں جھکائے وہ اُن کے مقابل

کھڑا اعترافِ شکست کر رہا تھا۔

"اور اگر میں کہوں کہ تمہاری محبت ہماری

روایات کے خلاف ہے تو۔۔؟؟ اگر تمہیں اسے

دل سے نکالنا پڑا تو۔۔؟ دستبردار ہونا پڑے

تو۔۔؟؟ بولو عالم۔۔۔؟؟" ماضی کو یاد کرتی وہ

شکست خوردہ انداز میں چلائیں۔عالم نے لب

بھینچتے ہوئے اپنی سرخ آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

"یہ ناممکن ہے۔میں نے کہا ہے میرے دل پر

بچپن سے اس کا نام نقش ہے۔اب حال یہ ہے

کہ میرا دل مٹ سکتا ہے لیکن مرحہ کا نام نہیں۔

یہ دل، دھڑکنوں سے تو دستبردار ہو سکتا ہے

لیکن مرحہ سے نہیں۔۔۔!!!" ان کی جانب سے

اپنا رخ موڑ کر کہتا وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ آواز

ہر قسم کی لغزش سے عاری تھی۔ اس کا قطعیت

بھرا انداز دیکھ کر وہ حق دق رہ گئیں۔ اس کے

لہجے سے چھلکتی شدت نے ناجیہ بیگم کو خوفزدہ

کر دیا تھا۔

یہ جذبہ،

یہ جنوں خیزی۔۔

یہ بے چینی و بے قراری جانے کیا رنگ لانے والی

تھی۔ناجیہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو بھرنے

لگے۔

"تم مجھے موت سے پہلے مارنا چاہتے ہو۔۔۔!!"

لڑکھڑاتے قدموں کے بوجھ سے ہراساں ہوتی

وہ پیچھے ہی بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑائیں۔ عالم تڑپ

کر ان کی جانب پلٹا۔

"اللہ نہ کرے اماں۔۔ آپ کیوں پریشان ہو رہی

ہیں۔ میں اُس کی خاطر پوری دنیا سے لڑ لوں گا

آپ فکر مت کیجئے۔۔!!" ان کے سامنے پنجوں

کے بل بیٹھتا وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

"دنیا سے لڑ لو گے تم لیکن اس حویلی سے کیسے

مقابلہ کرو گے۔۔؟ اپنے دادا کے مقابل کیسے آؤ

گے تم عالم۔۔۔؟؟" اس کے چوڑے کندھوں

پر محبت سے ہاتھ رکھتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولیں تو عالم نے دھیرے سے سر اثبات میں

ہلایا۔

"دیکھ لوں گا میں۔۔سب کو دیکھ لوں گا۔ آپ

فکر مت کیجئے۔۔!" اپنے کندھے پر رکھے اُن کے

ہاتھ کو تھامتا وہ پر اعتماد لہجے میں بولا تو وہ اسے

دیکھتی رہ گئیں۔

□♦□♦□♦□♦

"اور کتنی دیر لگاؤ گی۔ جلدی کرو کب سے بچہ

انتظار کر رہا ہے۔۔!" وہ بے دل سے بالوں میں

برش پھیر رہی تھی جب برآمدے سے نور بیگم

نے اسے پکارا تھا۔ مہرماہ نے لب بھینچتے ہوئے

پلٹ کر دیکھا۔ کمرے کے کھلے دروازے سے

چھوٹی سی ڈیوڑھی تھی جہاں سے نور بیگم اور سعد

میر کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ ڈھیٹ بنی یونہی

بیٹھی رہی۔ اطمینان سے بالوں کی چوٹی گوندھ کر

وہ وہیں بیٹھی اپنے شفاف ناخنوں سے کھیلنے لگی۔

"تم میں عقل نام کی چیز ہے بھی یا نہیں۔۔؟؟

میں کہہ رہی ہوں باہر سعد آیا بیٹھا ہے اور

تم۔ پتہ نہیں کن خیالات میں مگن ہو۔ کیا سوچ

گاوہ مہر۔۔؟؟" اس کے کمرے میں آتی وہ دبی

دبی آواز میں اس پر چلائی تھیں۔

"سوچنے دیں۔مجھے کوئی پرواہ نہیں۔۔!" دوپٹہ

شانوں پر پھیلاتی وہ لاپرواہی سے گویا ہوئی۔نور

بیگم نے عاجزانہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"کیوں میرا جینا مشکل کر رکھا ہے تم نے۔۔؟

مستقبل ہے وہ تمہارا جس کی تم پرواہ نہیں کر

رہیں۔۔!" اسے دیکھتی وہ ناراضگی سے بولیں۔

"میرا مستقبل سیاہ ہو چکا ہے۔ اور سیاہ مستقبل کی

پرواہ کروں گی تو مر جاؤں گی۔۔!!" مسہری سے

اٹھتی وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔نور بیگم نے

تاسف زدہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"پہلے کون سا'جی'رہی ہو تم۔۔؟؟"اپنے لہجے کو

حتی الامکان سخت کرنے کی کوشش کرتی وہ

آہستگی سے بولیں۔ان کے سوال پر مہرماہ نے

لب بھینچتے ہوئے ان کی جانب دیکھا۔

"جب پتہ ہے کہ مر چکی ہوں تو پھر کیوں مجھے بار

بار زندگی سے روشناس کروانے کی کوشش کرتی

رہتی ہیں۔۔؟کچھ اثر نہیں کرے گا اماں۔۔یہ

کوششیں ترک کردیں۔۔!" زخمی نگاہوں سے

انھیں دیکھتی وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

"سعد اچھا لڑکا ہے۔مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں

زندگی کی طرف لے آئے گا۔۔!" اسے

کندھوں سے تھامتی وہ ہارے ہوئے انداز میں

بولیں۔ان کی بات پر وہ پھیکے پن سے مسکرا دی۔

"چلو آؤ میرے ساتھ۔۔وہ کب سے تمہارا انتظار

کر رہا ہے۔۔!" اسے اپنے ساتھ لیتے ہوئے وہ

مدھم لہجے میں بولیں۔وہ نظریں جھکاتی ان کے

ساتھ ہی برآمدے میں آگئی۔

"السلام علیکم۔۔!" نگاہیں جھکائے اس نے مقابل

کو سلام کیا تو اسے جواب دیتا وہ کھڑا ہو گیا۔

"کیسی ہیں آپ۔۔؟؟" وہ شائستگی سے گویا ہوا۔

"بالکل ویسی ہی جیسے پہلے تھی۔۔!" اسے دیکھے

بنا مہرماہ نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا تو وہ

ہولے سے مسکرایا۔ نور بیگم نے اس کا ہاتھ دبا کر

جیسے اسے فضول بولنے سے باز رکھنے کی کوشش

کی تھی۔

"چلیں۔۔۔؟؟؟" چہرے پر آتی ایک سرکش

لٹ کو پیچھے کرتی وہ سنجیدگی سے بولی۔

"جی ضرور۔۔ چلیے۔۔!" مسکرا کر کہتا وہ

برآمدے سے باہر نکل گیا۔نور بیگم نے گرم

شال اس کے حوالے کی۔دوپٹہ سر پر اوڑھ کر

شال کندھوں پر پھیلاتی وہ سعد میر کی سنگت میں

گھر سے باہر نکل آئی۔

سعد کی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے ویران

نگاہوں سے ایک نظر آسمان پر ڈالی جس کے سینے

پر سورج کی روشنی کے کچھ خاص آثار نہ تھے۔

ڈھلتی دوپہر شام کا سا منظر پیش کر رہی تھی۔

"آپ خاموش طبع ہیں یا؟ میرے سامنے ہی

خاموش ہیں۔۔؟" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے

سعد نے آہستگی سے پوچھا۔اس کے سوال پر

مہرماہ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا

لی۔

"نہیں میں خاموش تو نہیں ہوں۔۔!" سامنے

سڑک پر نگاہیں جمائے وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"اگر آپ خاموش نہیں ہیں۔۔؟تو پھر مجھے کیوں

کچھ سنائی نہیں دے رہا۔۔؟" سعد نے دھیرے

سے ہنستے ہوئے کہا۔

"کچھ آوازیں سننے کے لیے خاص حسِ سماعت کی

ضرورت ہوتی ہے۔ آپ شاید اس حِس سے

محروم ہیں۔۔!" بنا لحاظ کیے مہرماہ نے دھیمی آواز

میں کہا۔ اس کے جواب پر سعد کے لبوں پر

رینگتی مسکان سمٹ گئی۔

"فلسفیانہ گفتگو مجھے ہمیشہ اری ٹیٹ کرتی ہے

مہر۔۔!" سعد نے مکمل سنجیدگی سے کہا تو وہ

دھیرے سے مسکرائی۔

"بات تو صرف 'گفتگو' کی ہے سعد۔۔ اگر آپ

گفتگو کرنے والے شخص کی الفت میں مبتلا ہوں

تو آپ کی ترجیح اس شخص سے 'گفتگو' ہوتی ہے۔

گفتگو کا موضوع نہیں!!" اس کی طرف دیکھے

بغیر وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولتی چلی گئی۔ سعد

نے ایک جھٹکے سے گاڑی کو بریکس لگائی تھیں۔

"الفت۔۔یہ الفت محبت جیسے جذبات ایک دو

ملاقاتوں میں نہیں پنپتے مہرماہ جی۔۔اس کے لیے

ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔۔!"اس کی جانب

دیکھتے ہوئے سعد نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی ہو۔۔!"

منصب عالم شاہ کی سرگوشیانہ آواز آس پاس

ابھری تھی۔ مہرماہ نے لب بھینچتے ہوئے سامنے

دیکھا۔ نیلگوں سمندر کی شوریدہ سر لہریں ساحل

کنارے سر پٹختی شور مچا رہی تھیں۔ مہرماہ نے

گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"ہم تو آنٹی (سعد کی والدہ) سے ملنے جا رہے

تھے ناں۔۔؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ کی آنٹی نے ہی کہا تھا کہ اُن کی بہو کو

ساحل سمندر کا پر شور نظارہ دکھالاؤں۔۔!"

ایک دھیمی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے

ہوئے نرمی سے کہتا سعد گاڑی سے باہر نکل گیا۔

شال سے اپنا آپ چھپاتی وہ خود بھی گاڑی سے

باہر نکلتی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"آپ میری اماں سے جھوٹ بول کر مجھے یہاں

لائے ہیں۔۔؟" ناگواری سے اس کی جانب

دیکھتی وہ تلخ لہجے میں بولی۔ سرد ہوائیں اس کے

وجود کو چھوتی اسے مزید بے زار کر رہی تھیں۔

مہرماہ کے سوال سے زیادہ سعد کو اس کا انداز برا

لگا تھا۔

"یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے مہر۔!" سعد نے

سنجیدگی سے کہا۔

"یہ بہت بڑی بات ہے۔ سمندر کا یہ نظارہ میں

لاتعداد مرتبہ دیکھ چکی ہوں۔۔!" مہرماہ نے کچھ

جتانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں لیکن میرے ساتھ تو پہلی مرتبہ ہی دیکھ

رہی ہیں ناں آپ۔۔!" اس کی ناپسندیدگی

برداشت کرتا وہ قدرے تحمل سے بولا۔

"ساتھ۔۔۔!!بات ساتھ ہی کی تو ہے۔ آپ

میرے ساتھ ہیں اور میری قسمت میرے

مخالف جا رہی ہے۔۔!" سعد کی پشت سے دس

بارہ قدموں کے فاصلے پر موجود ان دونوں کی

جانب دیکھتی وہ بڑے ضبط سے بولی۔ اندر کہیں

خوف کی ایک لہر دوڑتی چلی گئی تھی۔ مہرماہ پر نگاہ

پڑتے ہی صارم اور عبداللہ نے ایک دوسرے کو

دیکھا۔ جبکہ اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کیے

بنا سعد اب کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب۔۔؟؟" اس کا سوال متوقع تھا۔

"ہمیں واپس چلنا چاہئیے۔۔" اُن دونوں کو اسی

جانب آتا دیکھ وہ تیزی سے گاڑی کی جانب

بڑھتی بولی۔

"لیکن مہر۔۔۔!" اس کے باقی کے الفاظ کندھے

پر پڑتے صارم کے بھاری ہاتھ کے باعث حلق

میں ہی رہ گئے تھے۔

"کہاں بھاگے چلی جارہی ہو میری چھمک

چھلو۔۔" عبداللہ نے بے ہودگی سے کہتے ہوئے

سرعت سے گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھا تھا

جسے کھولنے کے لیے مہر نے ابھی ہاتھ بڑھایا ہی

تھا۔

وہ بدک کر ایک قدم پیچھے ہوئی۔اس کے یوں

خوفزدہ ہو جانے پر عبداللہ کی آنکھیں چمک

اٹھیں۔صارم کا بھی قہقہ پڑا تھا۔

"پریٹی ڈول تمہارے یہی نازو انداز تو ہمیں

دیوانہ کرتے ہیں۔۔!" سعد کے گلے میں بازو

ڈالے صارم آگے کو جھکتے ہوئے بولا تو مہر ماہ نے

پلٹ کر سر اسیما نگاہوں سے سعد کا چہرہ دیکھا جو

صارم کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اس سے دور ہوا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ۔۔ تمیز نہیں ہے

تمہیں۔۔؟؟"عبداللہ اور صارم کو گھورتا وہ بلند

آواز میں چلایا تو وہ دونوں یوں ہنسے جیسے اس نے

لطیفہ سنایا ہو۔

"نہ یار۔۔ تمیز جیسی چیز اگر ہم میں ہوتی تو اس

حسینہ سے ہماری ملاقات ہی نہ ہوتی۔۔!" مہرماہ کو

سر تا پیر گھورتا عبداللہ مہرماہ کے قریب آتا بظاہر

سعد کو جواب دے رہا تھا۔

ملاقات۔۔ کون سی ملاقات۔۔؟" سعد پر

حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔

"ارے۔۔تم نے ہمارے بارے میں بتایا نہیں

اپنے یار کو۔۔رکو میں بتاتا ہوں۔۔!"حیران

ہونے کی اداکاری کرتا صارم سنجیدگی سے بولا۔

"سعد یہاں سے چلیے پلیز۔۔!"سعد کے قریب

ہوتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"ارے ایسے کیسے۔۔بتاتو لینے دو۔ہاں تو

چھوہارے میاں۔۔تمہاری اس گرل فرینڈ سے

یہ ہماری تیسری ملاقات ہے۔پہلی بار یہ ہمیں

دوپہر میں ملی تھی۔۔اور دوسری بار۔۔!"کہتے

ہوئے صارم نے ڈرامائی انداز میں وقفہ لیا۔سعد

کے چہرے پر زلزلوں کے آثار نمایاں تھے۔

مہرماہ کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

"آپ جانتی ہیں انہیں؟؟" مہرماہ کی جانب دیکھتا

سعد درشت لہجے میں بولا۔

"ارے اس سے کیا پوچھتے ہو۔ ہم بتا تو رہے ہیں

تمہیں۔۔!" ان دونوں کے سامنے آتا صارم

مسکاتے لہجے میں بولا۔

"کیوں مہرماہ جی۔۔یاد ہے ناں آپ کو وہ

رات۔۔وہ دوسری ملاقات۔۔۔؟؟" مہرماہ اور

سعد کے درمیان آکر مہرماہ کو دیکھتا وہ خباثت

بھرے لہجے میں بولا۔ مہرماہ کی آنکھوں سے دو

آنسو تیزی سے ٹوٹتے گال پر لڑھک آئے۔

"ارے نہ نہ۔۔نہ۔۔رونا نہیں ہے انارکلی۔۔

چلو آؤ ہم آج تمہارا ہر آنسو بڑی نرمی سے چُنیں

گے۔۔!" نیچے اتر کر اس کی کلائی تھامتا عبداللہ

لہجے میں چاشنی سموتے ہوئے بولا۔ سعد سرخ

آنکھوں سے مہرماہ کو گھور رہا تھا۔

"چل بیٹا۔۔ تیرا ٹائم ختم۔۔ اب پھوٹ یہاں

سے۔۔!" پشت سے ریوالور نکال کر سعد پر

تانتے ہوئے صارم نے کہا۔ مہرماہ نے بے اختیار

لبوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ سر خود بخود نفی میں ہلا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے، میں ویسے بھی جارہا

ہوں۔۔!" ہاتھ سے گن پیچھے کرتے وہ سخت لہجے

میں بولا۔ مہرماہ کی آنکھیں جھرجھر بہنے لگیں۔

"سعد آپ مجھے چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں۔۔؟؟"

اسے گاڑی کی طرف بڑھتا دیکھ وہ روتے ہوئے

چلائی۔ صارم نے بروقت اسے بازوؤں سے تھام

لیا۔ سعد بنا اس کی جانب دیکھے گاڑی میں بیٹھ

گیا۔

"چھوڑو مجھے۔۔ چھوڑ دو پلیز۔۔!" صارم کی

گرفت سے نکلنے کو مچلتی وہ گڑ گڑائی۔

"ہمارے لیے ہی تو وہ تمہیں چھوڑ کر گیا ہے۔

اب اگر ہم بھی تمہیں چھوڑ دیں گے تو اس ڈھلتے

دن کے سائے میں کون تمہیں سنبھالے گا۔۔

؟" اس کی پانی بھری آنکھوں میں دیکھتا عبداللہ

سنگین لہجے میں غرایا۔ اسے منصب سے پڑی مار

اچھے سے یاد تھی۔

"سعد۔۔ سعد واپس آیئے پلیز۔۔!" وہ روتے

روتے حلق کے بل چیخی تھی۔ صارم نے سرعت

سے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ساحل

کنارے جو چند لوگ موجود تھے وہ بھی سردی

بڑھنے کے باعث گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

"تمہارا تو وہ حشر کروں گا کہ آج کی رات تم

مرتے دم تک یاد رکھو گی۔۔!" اس کا چہرہ اپنے

ہاتھ میں دبوچتا عبداللہ کمینگی سے مسکراتے

ہوئے بولا۔ مہرماہ پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے

ان دونوں جی جانب دیکھ رہی تھی جو اسے اپنے

سر پر موت کے فرشتوں کی مانند کھڑے دکھائی

دے رہے تھے۔ لمبی لمبی سانسیں بھرتی وہ اپنے

ہوش گنوانے لگی۔

"لگتا ہے اس بار بے ہوش کرنے کی ضرورت

پیش نہیں آئے گی۔!" مہرماہ کا وجود بے دم

ہوتے دیکھ صارم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب پتہ چلے گا اس سالے کو۔۔اسی لڑکی کی

خاطر اس نے مجھے مارا تھا۔۔!" نفرت سے مہرماہ کا

بھیگا چہرہ دیکھتا عبداللہ بڑبڑایا۔مہرماہ کی آنکھیں

بند ہوتی چلی گئیں۔

"بے ہوش ہو گئی ہے شاید۔۔!!" مہرماہ کو اپنی

گرفت سے پھسلتا دیکھ صارم سنجیدگی سے بولا۔

"ویسے اگر ہماری اس حرکت کی بابت منصب کو

پتہ چل گیا تو وہ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے

گا۔۔!" مہرماہ کو ریتلی زمین پر پھینکتے ہوئے صارم

نے کچھ سوچ کر کہا تو اس کی جانب دیکھتے عبداللہ

نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ ہمیں تب نہیں چھوڑے گا جب وہ خود زندہ

رہنے کے قابل بچے گا۔اس لڑکی کی بربادی دیکھ

کر وہ ہم سے پہلے خود کو ختم کر لے گا۔۔!" مہرماہ

کے بے ہوش وجود کی جانب جھکتے ہوئے وہ کمینے

پن سے بولا تو صارم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"چلو اٹھاؤ اب اسے۔۔وقت بہت کم ہے۔۔"

صارم نے مدھم آواز میں اس سے کہا تو عبداللہ

نے مہرماہ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"یُو بو تھ آر انڈر اریسٹ۔۔!" پشت سے ابھرتی

آواز پر عبداللہ کا ہاتھ اپنی جگہ رک گیا۔اپنے

مقابل عمیر کو دیکھ کر صارم کے چہرے پر کچھ

پریشانی کی آثار نمایاں ہوئے تھے۔

اس معاملے سے دور رہ عمیر۔۔!" سیدھا ہوتے

ہوئے عبداللہ اس پر پھنکارا تو لب بھینچتے ہوئے

عمیر نے ہاتھ میں پکڑی گن سے اس کی پیشانی پر

ضرب لگائی۔ اس اچانک حملے پر عبداللہ منہ کے

بل زمین پر گرا تھا۔

"گرفتار کرلو ان دونوں کو۔۔!" عمیر نے مکمل

سنجیدگی سے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تھا۔

"دیکھ عمیر ہم تیرے دوست ہیں۔ جس کی خاطر

تُو یہ سب کر رہا ہے اُس نے ہمیشہ ہمیں غلام بنا کر

رکھا ہے۔۔!" عمیر کے ماتحت انسپکٹر کو اپنے بازو

جکڑتے دیکھ صارم چلایا۔

"بکواس بالکل بند۔۔ میں یہاں تم تینوں سے

دوستی یا دشمنی نہیں، بلکہ اپنا فرض نبھانے آیا

ہوں۔۔!" صارم کو سخت نظروں سے دیکھتا عمیر

درشت لہجے میں بولا۔

"ابے چپ سالے۔۔کون سا فرض؟ وہ جس

سے ہمیشہ تُو نے غداری کی ہے۔۔؟؟" اپنی

شرٹ جھاڑتے ہوئے کھڑا ہوتا عبداللہ چلایا۔

عمیر کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

"بھونکنے دو ان دونوں کو۔۔ کرواؤ نہیں گرفتار

اور پھینکو گاڑی میں۔۔!" عمیر نے سخت ترین

لہجے میں اپنے ماتحت آفیسرز کو حکم دیا جو تعداد

میں کل پانچ تھے۔

"پچھتائے گا تُو۔ تیرے سارے کالے چٹھے

کھول ڈالوں گا سالے۔۔!" بری طرح کھولتا

عبداللہ غرایا۔ عمیر نے سنجیدہ نگاہوں سے ان

دونوں کی جانب دیکھا۔

"تیرے ایسا کرنے سے پہلے میں تیرا منہ ہمیشہ

کے لیے بند کر دوں گا۔!" اس کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈالتا عمیر مسکاتے لہجے میں گویا ہوا۔

انداز اتنا ہی پر اعتماد تھا کہ عبداللہ پل بھر کو

خوفزدہ ہو گیا۔

"لے جاؤ انہیں۔!" مہرماہ کی جانب بڑھتا عمیر

سنجیدگی سے بولا۔ پولیس والوں نے ان دونوں کو

اپنے ساتھ گھسیٹا تھا۔

"تُو ایسا نہیں کر سکتا۔ ہم تیرے دوست ہیں

عمیر۔۔!" بری طرح گھسٹتے صارم نے اسے یاد

دلانے کی کوشش کی۔ عمیر ان سنی کرتا مہر ماہ

کے قریب بیٹھا اور قریب کھڑے پولیس آفیسر

کو پانی لانے کے لیے کہا۔ ایک منٹ سے بھی کم

کے وقفے میں وہ گاڑی سے پانی کی بوتل نکال لایا

تھا۔پانی کے چند چھینٹے پڑتے ہی وہ ہوش میں آئی

تھی۔آنکھیں کھلنے پر جو چہرہ اسے نظر آیا تھا اس

نے ایک بار پھر مہرماہ کو خوفزدہ کر دیا تھا۔نفی میں

سر ہلاتی وہ سرعت سے پیچھے کھسکی۔شام کے

گہرے سائے ہر جانب پھیل رہے تھے۔

"ریلیکس۔۔میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا

رہا۔۔!" پیچھے ہٹتا عمیر نرمی سے بولا۔مہرماہ نے

نظریں گھما کر آس پاس کا منظر دیکھا۔دو پولیس

آفیسرز ہاتھ باندھے وہاں کھڑے عمیر کے اگلے

اشارے کے منتظر تھے۔

"مم۔۔۔مجھے جانے دو پلیز۔۔!"اس کے سامنے

ہاتھ جوڑتی مہرماہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

آنکھوں میں خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔وہ

اس پل اُس تلخ اور بے خوف لڑکی سے قطعی

مختلف ایک بزدل اور ڈری سہمی لڑکی نظر آ رہی

تھی جسے انہوں نے پہلی مرتبہ اغواء کیا تھا۔

"میں آپ کو چھڑوانے کے لیے ہی یہاں آیا

ہوں۔ صارم اور عبداللہ میری حراست میں ہیں،

آپ بالکل محفوظ ہیں۔۔!" اس کی بکھری حالت

سے نظریں چراتا وہ مکمل سنجیدگی سے بولا تو اپنی

شال مٹھیوں میں جکڑتی جلدی سے اٹھ کھڑی

ہوئی۔ آنکھوں میں اب خوف کے ساتھ ساتھ

بے یقینی کا بھی تاثر تھا۔ بے اختیار عمیر کو ملال

نے گھیر اتھا۔ایک شوخ وشریر لڑکی کو کیا سے کیا

بنادیا تھا اُن چاروں کی حیوانیت نے۔۔؟

"تت۔۔۔تو پھر میں جاؤں۔۔؟؟" ڈرتے ڈرتے

اس کی جانب دیکھتی وہ بولی۔

"اس وقت آپ اکیلے کیسے جائیں گی۔۔؟ میں

آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔۔!" نگاہیں جھکاتے

ہوئے عمیر نے آہستگی سے کہا۔

"نن۔۔ نہیں بالکل نہیں۔۔ میں۔۔ میں چلی

جاؤں گی۔۔!" جلدی سے کہہ کر وہ وہاں سے

پلٹتی بھاگی۔ عمیر نے پشت پر ہاتھ باندھتے ہوئے

اس کی جانب دیکھا جو لمحہ بالمحہ وہاں سے دور ہوتی

چلی جا رہی تھی۔ شرمندگی کا کیسا مقام تھا کہ

ایک تنہا عورت ایک محافظ سے خوفزدہ ہو رہی

تھی۔۔؟

"عادل۔۔ اس لڑکی کے پیچھے جاؤ۔ اور جب تک

وہ صحیح سلامت گھر نہ پہنچے اس کا پیچھا کرنا مت

چھوڑنا۔۔!" ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے

عمیر نے سب انسپکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

وہ اوکے سر کہتا تیزی سے وہاں سے بھاگا تھا۔

"یہ تجھ سے کیا ہو گیا منصب۔۔؟ یہ ہم سے کیا ہو

گیا یار۔۔ ہم اس گناہ کا کفارہ کیسے ادا کریں

گے۔۔؟؟" تصور میں منصب عالم شاہ کو مخاطب

کرتا وہ مدھم، افسردہ سی آواز میں بڑبڑایا۔ پھر

تھکے تھکے قدم اٹھاتا پولیس موبائل کی جانب

آگیا۔ اسے وہاں کچھ سمگلرز کی موجودگی کا پتہ ملا

تھا لیکن اتفاقیہ اس کی نظر صارم اور عبداللہ پر پڑ

گئی تھی جو کسی لڑکی کو گھیرے کھڑے تھے۔

جب تک وہ ان تینوں تک پہنچا تھا مہر ماہ ہوش و

خرد سے بے گانہ ہو چکی تھی۔ وہ اس لمحے کا شکر

گزار تھا جس میں اس کی نظر ان تینوں پر پڑی

تھی۔

□♦□♦□♦□♦

"ہیئرز دا پوائنٹ آف بوروِانگ اینڈز۔۔!"

ڈائس پر ہاتھ مارتے پروفیسر چارلس ہمیشہ کی

طرح اپنے نرم لیکن قدرے بلند لہجے میں بولے

تھے۔اُن کی آواز کے باعث تو نہیں لیکن ان

کے ہاتھ کی حرکت سے پیدا ہونے والی آواز پر وہ

چونک گیا۔غائب دماغی سے اس نے وائٹ بورڈ

کے ساتھ لگے "لاء بزنس سکول" کے بورڈ پر

نگاہیں دوڑائی تھیں۔

"آر یو اوکے مین۔۔؟؟" پروفیسر چارلس کی نگاہ

اس پر پڑی تو انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

"یس آئی۔۔ آئے ایم۔۔!" اپنے نوٹس سمیٹتا وہ

سنجیدگی سے بولا۔

"ہمم۔۔۔!" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ

لڑکیوں نے گردن موڑ کر اسے کھڑا ہوتے دیکھا

جبکہ لڑکوں میں سے چند کی آنکھوں میں منصب

کے لیے حسد تھا جو اول روز سے اساتذہ کی

نظروں میں آ چکا تھا۔ اپنی نوٹس والی فائل

سنبھالتا وہ کلاس سے باہر نکل آیا۔

"ہے ای مین۔۔ جسٹ آ منٹ۔۔!" وہ لمبے لمبے

ڈگ بھرتا کلاسز سے آگے بنی راہداری میں چل

رہا تھا جب اسے اپنے عقب سے ایک مردانہ

آواز سنائی دی تھی۔ منصب نے اپنے قدم روک

لیے۔

"تم اپنا پین چیئر پر ہی بھول آئے تھے۔۔!" پین

اس کی جانب بڑھاتا وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

منصب نے کچھ کہے بغیر پین تھام لیا۔ رابرٹ کی

مسکراہٹ تب سمٹی جب وہ اسے شکریہ کہے بنا

آگے بڑھ گیا۔

"ہیلو۔۔ تھینکس تو کہتے جاؤ۔۔!" اس کے پیچھے

لپکتا وہ شستہ انگریزی میں بولا۔اس کے تقاضے

پر منصب نے اپنی رفتار کچھ ہلکی کرلی۔

"کیا میں نے تمہیں کہا تھا کہ میرا پین مجھے لا کر

دو۔۔؟؟" اس کی جانب دیکھتے ہوئے منصب

نے مکمل سنجیدگی سے پوچھا۔ لہجے سے ازلی نخوت

چھلک رہی تھی۔

"نہیں لیکن۔۔!" رابرٹ نے کندھے اچکاتے

ہوئے کہنا چاہا جب منصب نے اس کی بات کاٹ

دی۔

"تو پھر میں تمہیں تھینکس کیوں کہوں۔۔؟"

قدم روک کر اس کی جانب گھومتے ہوئے کہتا وہ

بدلحاظی کی حد کر گیا۔رابرٹ نے لب بھینچ کر

اس اینگری مین کو دیکھا۔

"لڑ کیوں رہے ہو۔۔؟ میں نے تو ویسے ہی بات

بڑھانے کے لیے کہا تھا۔۔!" اپنا بیگ سنبھالتا

رابرٹ غیر سنجیدگی سے بولا۔

"ہم پاکستانی زبان سے نہیں ہاتھوں سے لڑائی

کرتے ہیں۔۔!" ہاتھ میں پکڑا پین اپنی شرٹ

میں اٹکاتے ہوئے منصب نے سرد مہری سے

کہا۔ اس کے جواب پر رابرٹ نے کچھ حیرت

سے اسے دیکھا۔

"وہ کیسے۔۔؟؟" بھنویں سکیڑ تا وہ سادگی سے

پوچھ رہا تھا۔ منصب کو غصہ آنے لگا۔

"اگر کر کے بتاؤں تو تم پولیس تو نہیں بلاؤ

گے۔۔؟" داہنی ابرو کھجاتے ہوئے منصب نے

سنجیدگی سے پوچھا۔رابرٹ نے نا سمجھی سے سر

نفی میں ہلایا تو منصب ہولے سے مسکرایا۔اسے

مسکراتا دیکھ رابرٹ کو کچھ حوصلہ ہوا تھا۔اس

سے پہلے کہ وہ جوابی مسکراہٹ منصب کی جانب

اچھالتا اس نے پوری قوت سے رابرٹ کے منہ

پر مکا مارا۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوا تھا۔

"ایسے۔۔ ایسے لڑتے ہیں ہم۔۔!" سرد نظروں

سے اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ بے تاثر

لہجے میں بولا۔ یہ منظر دیکھ کر کچھ سٹوڈنٹس

جلدی سے ان دونوں کے قریب آئے تھے۔

رابرٹ نے پریشانی کے عالم میں اپنی ناک پر ہاتھ

رکھا جس سے خون نکلنے لگا۔

"پولیس کو بلاؤ۔۔!"سٹوڈنٹس میں سے کوئی

ایک چیخا تھا۔

"نہیں۔۔یہ صرف ایک گیم تھی۔۔!"کندھے

جھٹک کر مسکراتا ابرٹ نرمی سے بولا۔اس کے

ضبط پر منصب نے اسے گھورا۔

"آئندہ مجھ پر احسان کرنے سے پہلے یہ گیم یاد رکھنا۔۔!" شرٹ سے پین کھینچ کر اس کی جانب اچھالتا وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا۔رابرٹ نے بروقت پین کیچ کر لیا۔

"اوکے اوکے۔۔!" سرینڈر کرنے والے انداز

میں ہاتھ اوپر کرتا وہ ہنستے ہوئے بولا تو منصب

نگاہوں کا زاویہ بدلتا وہاں سے نکل گیا۔ اسے اپنی

پشت پر کچھ سرگوشیاں سنائی دی تھیں جن میں

رابرٹ کی آواز بلند تھی۔ وہ سٹوڈنٹس کو ریلیکس

ہونے کی ہدایت دے رہا تھا۔ منصب اپنے آپ

سے الجھتا یونیورسٹی کے احاطے میں آ گیا۔

وہ محسوس کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن اپنی زیادتی کا

احساس اسے ہو رہا تھا۔ سختی سے لب بھینچتا وہ

یونیورسٹی کی حدود سے باہر نکلتی سڑک پر چل رہا

تھا۔ منصب کا موڈ خراب ہوتا جا رہا تھا۔ یونہی تیز

رفتاری سے چلتے چلتے اسے سیشلی کا خیال آیا تھا۔

وہ اکثر اسے اسی سڑک پر ٹکرا جایا کرتی تھی۔

ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں گھسائے جبکہ

دوسرے میں فائل پکڑے وہ پل بھر کو رکا تھا۔

سڑک کنارے آتے ہوئے اس نے دور تک

پچھلے سبزے کے پار دیکھنا چاہا۔ چرچ کی گہری

سرمئی عمارت کافی دور تھی۔ کچھ دیر وہ وہیں کھڑا

سوچتا رہا کہ آگے بڑھے یا نہیں۔

"مجھے یاد کر رہے ہو۔؟؟" وہ اسی شش و پنج

میں مبتلا کھڑا ہوا تھا جب قریب ہی سیٹلی کی

چہکتی ہوئی آواز ابھری۔ منصب نے پلٹ کر اس

کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں، تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا!!"

اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"کیا سچ میں۔۔؟" وہ خوشی سے اچھلی۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔۔!" منصب نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکرائی۔

"لیکن میں بہت بولتی ہوں۔۔!" اس نے

قدرے فخریہ انداز میں بتایا تو وہ ناچاہتے ہوئے

بھی ہنس دیا۔

"تمہارے بچگانہ جھوٹ معاف ہیں۔۔!!"

منصب نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کھل اُٹھی۔

"آج سکول میں میری برانک سے لڑائی ہو گئی،

اس نے مجھے ہٹ بھی کیا پھر میں نے بھی اسے بتا

دیا کہ میرا فرینڈ باڈی بلڈر ہے وہ اسے نہیں

چھوڑے گا تو اب بتاؤ ناں موں۔۔؟ تم کب

برانک کی پٹائی کرو گے۔۔؟" اپنے بازو لپیٹتی وہ

برا سامنہ بنا کر بولی تو منصب کے چہرے پر

سنجیدگی در آئی۔

"اس نے تمہیں ہٹ کیوں کیا۔۔؟" اس کا بازو

پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کرتا وہ سنجیدگی سے

بولا۔

"کہہ رہا تھا کِس دو۔ میں نے اسے منع کر دیا تو

بدلے میں اس نے مجھے بری طرح ہٹ کیا۔ اگر

تم میری لائف میں نہ ہوتے تو میں بہت روتی

لیکن اب مجھے پتہ ہے کہ تم میرا بدلہ لو گے اس

لیے رونے کی بجائے میں اسے دھمکی دے کر

آئی ہوں۔میں نے ٹھیک کیاناں۔۔؟" منصب

کی جانب دیکھتی وہ پٹر پٹر بولتی چلی گئی جبکہ وہ

بغور اس کا بایاں گال دیکھ رہا تھا جہاں انگلیوں

کے مدھم نشانات واضح تھے۔

"کہاں ملے گا وہ۔۔؟؟" منصب نے آہستگی سے

استفسار کیا۔

سیشلی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔وہ مسکرائی اور

اسے آنے والی رات کا پلان بتانے لگی۔وہ

خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"سائیں۔۔؟ آپ کیوں واپس جا رہے ہیں۔۔؟

حالات اتنے خراب ہیں میرا دل ویسے ہی بہت

پریشان ہے اور آپ ہیں کہ مجھے چھوڑ کر۔۔!"

اس کے سامنے آتی وہ پریشان زدہ سی بول رہی

تھی جب فدا نے اس کی کلائی تھام کر ایک جھٹکے

سے اسے اپنے قریب کر لیا۔ گزشتہ سات ماہ میں

یہ پہلی بار ہوا تھا جو اس نے یوں اچانک یہ بے

باک حرکت کر ڈالی تھی۔ چند لمحوں کی بات تھی

اور اس کا تنفس بگڑ گیا تھا۔ حد یہ دھڑکتے دل پر

ہاتھ رکھے اسے دیکھتی چلی گئی جو آنکھوں میں

سرخ ڈورے سموئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آئندہ سوچیے گا بھی مت کہ میں آپ کو کبھی

چھوڑ کر جاؤں گا۔ میں سانس لینا چھوڑ سکتا ہوں

لیکن آپکا ساتھ کبھی نہیں حیبہ۔۔!" سنجیدگی سے

کہتے ہوئے فدا نے اس کا گال تھپتھپایا تو وہ لرزتی

پلکوں کو جھپکاتی نگاہیں جھکا گئی۔

"پھر آپ کیوں جا رہے ہیں۔۔؟" شہادت کی

انگلی سے اس کے سینے پر لکیریں کھینچتی وہ مدھم

آواز میں پوچھ رہی تھی۔ پلکیں ہنوز سجدہ ریز

تھیں۔

"ایک ضروری کام ہے۔ نپٹا کر فوراً واپس آجاؤں

گا۔ بس آپ میرا انتظار کیجئے گا۔!" اسکا چہرہ

ٹھوڑی سے اونچا کرتے ہوئے فدا نے نرم لہجے

میں کہا تو حدیبہ نے بامشکل نگاہیں اٹھا کر اسے

دیکھا۔ آنکھوں میں محبتوں کے دیپ روشن کیے

وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سرخ ڈوروں کی کہانی

حدیبہ پڑھنے سے قاصر تھی۔

"ٹھیک ہے میں آپ کا انتظار کروں گی۔۔!" اس

کی آنکھوں میں دیکھتی وہ آہستگی سے بولی تو فدا

ہولے سے مسکرایا۔

"ایک اور کام کریں گی۔۔؟" اپنے سینے پر رکھا

اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے فدا نے

آس بھرے لہجے میں پوچھا۔

"آپ جو کہہ دیں گے وہی کروں گی۔۔!"

حدیبہ نے بنا سوچے سمجھے جلدی سے کہا۔اس کی

آنکھوں میں اس پل جگنو سے چمک رہے تھے۔

لبوں پر دھیمی مسکان یقیناً مقابل کھڑے مرد کی

محبت کا اعجاز تھی۔ فدا نے لب بھینچتے ہوئے

اپنے ہاتھ میں موجود اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ

لیا۔

"میرے سر کی قسم کھا کر کہیں، حالات جیسے بھی

ہوں، آپ کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑیں

گی۔۔!"اس کی حیرت سے پھیلتی آنکھوں میں

دیکھتا وہ بھاری ہوتی آواز میں بولا۔حدیبہ کے

دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں سائیں۔۔؟ میں ہر حال

میں آپ کے ساتھ ہوں۔۔!!" اس کے سر پر

ہاتھ رکھے وہ اسے یقین دلانے والے انداز میں

بولی۔ فدا نے پرسکون سا ہو کر اس کا ہاتھ اپنے

سر سے ہٹایا۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔۔!!" اس کا گال سہلاتے

ہوئے فدا نے نرمی سے کہا تو حدیبہ نے ہولے

سے اثبات میں سر ہلایا۔ ایک گہری نگاہ اس کے

بجھے بجھے چہرے پر ڈالتا وہ کمرے سے باہر نکل

گیا۔ حدیبہ نے اداس نگاہوں سے اس کی چوڑی

پشت کی جانب دیکھا تھا۔ دل جانے کیوں کچھ

بہت غلط ہو جانے کی گواہی دے رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"زہرہ تُو بتا کیوں نہیں دیتی کہ وہ کون ہے۔۔؟

ایک بار منہ سے کچھ بول تو سہی۔۔؟؟" اسے

جھنجھوڑتے ہوئے مائی کرماں روتے ہوئے کہہ

رہی تھی۔ وہ بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی خلاؤں میں

گھور رہی تھی۔

"زہرہ۔۔اوزہرہ۔۔بولتی کیوں نہیں۔۔؟؟"

اسے چپ بیٹھے دیکھ وہ چیخی تھی۔

"کیا بولوں اماں۔۔؟؟" خالی خالی نظروں سے

اپنی ہتھیلیوں کو گھورتی وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"نام بتا اس کمبخت کا جس نے ہم دونوں کو برباد کر

دیا۔ بتا وہ جہنمی کون ہے جس نے تیری

معصومیت چھین لی۔۔ بول زہرہ۔۔!" اسے

بازوؤں سے پکڑ کر ہلاتی وہ چلائیں۔ ان کے

سوال پر زہرہ نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسے نہ کہہ۔۔وہ جہنمی نہیں ہے اماں۔۔ ایسے

نہ کہہ۔۔!" مسلسل نفی میں سر ہلاتی وہ بڑبڑائی

تھی۔

"جہنمی نہیں تو کیا جنّتی ہے جس نے بغیر نکاح کے

تجھے یہ سوغات دی۔۔۔؟؟" اس کی کمر پر دو

ہتھڑ مارتی وہ چلائی۔ زہرہ نچلا لب دبائے اپنا درد

ضبط کرنے لگی۔

"سوغات ہی ہے اماں۔۔ عشق کی سوغات۔۔

مرتے دم تک میرے ماتھے پر سجی رہے گی!"

ڈبڈبائی نظروں سے دیوار کے اکھڑے پلستر کو

گھورتی وہ بولی تھی۔ آنسو بہاتی مائی کرماں نے اپنا

ماتھا پیٹ لیا۔

"تیرا ککھ نہ بچے زہرہ۔۔تُو نے مجھے جیتے جی مار

دیا۔۔مار دیا تُو نے مجھے۔۔!" منہ پر دوپٹہ رکھے

روتی وہ بولی تھی۔

"کیوں بد دعائیں دے رہی ہے اماں۔۔ میں تو

پہلے ہی خالی ہاتھ ہوں، میرے پاس کچھ نہیں

بچا۔ بد دعا نہ دے۔۔ دعا دے اماں۔۔ دعا دے

کہ میری سانسیں تمام ہو جائیں۔ دعا دے کہ

میں اُس سے جا ملوں جو ہر نظارے میں ملتا ہے

مجھے۔۔ ہر پل۔۔ ہر لمحہ۔۔ ہر چہرے میں اسی

کا چہرہ ملتا ہے۔۔!!" دل کے درد سے دوہری

ہوتی وہ مدھم لہجے میں بڑبڑائی تھی۔

"تو مر گیا وہ کمبخت۔۔؟؟ہیں ری۔۔؟؟" اس

کے چہرے کا رخ اپنی جانب موڑتی مائی کرماں

حیرت زدہ سی بولی۔

"ہاں ناں۔۔میں نے مارا ہے اُسے۔۔میں نے

جان لے لی اماں۔۔میں نے مار دیا اسے۔۔اب

اسکا نام لے کر اس کی روح کو کیسے اذیت سے

دو چار کر دوں۔۔؟؟ بتاناں اماں۔۔؟؟" اپنی ماں

کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولی۔

"وہ جس نے عزت کی زندگی گزار دی اسے اب

موت کے بعد بے عزت کر دوں۔۔؟ کیسے

کروں اماں۔۔؟؟ جو مجھے باعزت مقام دینے کی

کوشش میں مر گیا اسے کیسے بے عزت کر دوں۔

تُو ہی بتا اماں۔۔؟ میں اس شخص کی روح کو کیونکر

ذلت کی آگ میں جھونک دوں۔۔؟؟" سختی

سے مائی کرماں کا ہاتھ تھامے کہتی وہ رو پڑی۔مائی

کرماں کی آنکھوں میں الجھن سی الجھن تھی۔

"اس کے گناہ کی گواہی دے کر میں اس کی روح

کو تکلیف نہیں دے سکتی۔یہ گناہ میرا ہے،یہ سزا

میری ہے، میں اسے سہہ لوں گی۔سہہ لوں گی

میں۔۔!!" اپنے آنسو صاف کرتی وہ قدرے

مضبوط لہجے میں بولی۔

"کسی کو مت بتا۔ مجھے تو بتا دے زہرہ۔۔ کون تھا

وہ۔۔؟" اس کی ٹھوڑی چھوتی وہ منت بھرے

لہجے میں بولیں تو زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"گناہ کے گواہ، تعداد میں جتنے زیادہ ہوں، سزا کا

عذاب اتنا ہی بڑھتا ہے اماں۔۔ یہ میرا گناہ ہے۔

اسے راز ہی رہنے دے۔۔!"بستر سے اٹھتی وہ

قطعیت بھرے لہجے میں بولی۔

"ارے سزا جزا کا فیصلہ تو بروز قیامت ہو گا

زہرہ۔۔ابھی جو عذاب تیرے لیے بابا سرکار

نے تیار کیا ہے اسے میری ممتا کیسے سہے گی۔۔

بول۔۔؟؟" اس کے پیچھے لپکتی مائی کرماں چلائی۔

"جب میری ممتا نے میری گود کا اجڑنا سہہ لیا تو تُو

بھی سب سہہ لے گی اماں۔۔!" دروازے کی

جانب بڑھتی وہ پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے بول رہی

تھی۔

"جا کہاں رہی ہے رک تو سہی۔۔!" مائی کرماں

گرنے کو تھی۔

"سزا کا وقت قریب ہے اماں۔۔مجھے جانے

دے۔۔!" آنکھوں میں مدھم چمک لیے وہ

پرسکون لہجے میں کہتی دہلیز پار کر گئی۔

"اچھا ہوا تم آ گئی۔ میں تمہیں ہی بلانے آ رہی

تھی۔۔!" دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی اس کا

سامنا ناجیہ بیگم کی خاص ملازمہ سے ہوا تھا۔

"بلا لیا جلاد کو۔۔؟؟" اس کی جانب دیکھتے ہوئے

زہرہ نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

"جلاد نہیں بالی۔۔ نئی ملازمہ آئی ہے۔ باباجی

سرکار کے حکم پر وہ ہی تمہاری سزا پر عمل درآمد

کرے گی۔۔!" نعیمہ نامی ملازمہ نے کچھ جتاتے

ہوئے لہجے میں کہا زہرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے وہ اس ملازمہ کے سنگ

حویلی کی عمارت کے عقبی حصہ میں آگئی۔وہ بڑا

ساہال نما کمرہ تھا جسے لکڑی کی جالی دار دیوار سے

دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔زہرہ کے لیے وہ

جگہ نئی نہیں تھی۔حویلی کی روایات سے بغاوت

کرنے والی خواتین کو اس کمرے میں سزادی

جاتی تھی جہاں ایک جانب معزز گھرانوں کی

خواتین فرش پر بچھے آرام دہ قالین پر گاؤ تکیے

سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھیں جن میں

صندل بیگم بھی شامل تھیں۔ اسی جانب کھڑی

ناجیہ بیگم بے چینی کا شکار نظر آرہی تھیں جبکہ

اپنی گدی سنبھالے بیٹھی سعیدہ بی بی کا چہرہ بے

تاثر تھا۔ جالی دار دیوار کے اس پار مرد حضرات

موجود تھے جن میں وقار عالم شاہ بھی شامل

تھے۔ ذوالفقار عالم شاہ اپنی گدی سنبھالے سر

اونچا کیے بیٹھے ہوئے تھے۔ زہرہ کو وہاں موجود

ہر فرد اپنے جنازے میں شامل دکھائی دے رہا

تھا۔

"زہرہ بنت کرماں کی بغیر شوہر کے زچگی نے

اسے زانیہ ثابت کیا ہے۔ سعیدہ بی بی، ہم آپ

سے فیصلے کی التماس کرتے ہیں۔۔!" سید ذوالفقار

عالم شاہ کی کرخت آواز ابھری تو ہال میں ہوتی چہ

مگوئیاں دم توڑ گئیں۔ ان کے چہرے پر اس پل

چٹانوں کی سی سختی تھی۔ ناجیہ بیگم کا ہاتھ تھامے

کھڑی حدیبہ نے نم آنکھوں سے زہرہ کی جانب

دیکھا جس کے سانولے چہرے پر زردی کھنڈی

ہوئی تھی۔ سیاہ ہلکوں کے اندر دھنسی بے رونق

آنکھیں جھیل کی مانند ساکت تھیں۔

"اس عورت کے ہاتھ دو اطراف میں باندھ

دیے جائیں۔۔!" تخت پر براجمان سعیدہ بی بی

نے نظریں زہرہ پر جماتے ہوئے کہا۔ اُن کے

حکم کی فوری تعمیل ہوئی تھی۔زہرہ کے ہاتھ دو

اطراف میں باندھ دیے گئے تھے۔

"زہرہ بنت کرماں۔۔تمہاری زچگی نے تمہارا گناہ

ثابت کر دیا ہے۔کیا تم اپنا جرم قبول کرتی

ہو۔۔؟"زہرہ جیسی ویرانی اپنی آنکھوں میں

سموئے سعیدہ بی بی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔

زہرہ نے ایک نظر قریب ہی زمین پر ہاتھ

جوڑے بیٹھی مائی کرماں پر ڈالی پر لب بھینچتی سر

اثبات میں ہلا گئی۔

"میں قبول کرتی ہوں۔۔ مجھ سے گناہ ہوا

ہے۔۔!" زہرہ نے لرزتی ہوئی آواز میں

اعتراف جرم کیا۔ سید ذوالفقار عالم شاہ کے

چہرے پر اطمینان بکھر گیا۔

"زانیہ کو ستر کوڑے مارے جائیں۔!"سعیدہ بی

بی نے ٹھہرے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔حدیبہ

کی نم آنکھوں سے دو آنسو آہستگی سے نکلے تھے۔

□♦□♦□♦□♦

"آپ کہتے ہیں میں خاموش رہوں اس معاملے

سے دور رہوں لیکن کیوں۔۔۔؟ وہ جو بے دردی

سے قتل کر دیا گیا ہے وہ صرف میرا ملازم نہیں

تھا بابا۔۔۔!" ان کے مقابل کھڑا وہ سرد ترین

لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔ آنکھیں تباہی مچا

دینے کی حد تک سرخ ہو رہی تھیں لیکن اس سیاہ

سمندر میں امڈتی سرخی کے برعکس اس کا لہجہ

ٹھنڈا ٹھار تھا۔

"میں تمہیں ایسا کچھ نہیں کہہ رہا بدر۔۔ کاروائی

کرو لیکن ایک معمولی ملازم کا قاتل ڈھونڈنے

کے چکروں میں باقی معاملات خراب مت کرو۔

کل سید غلام شاہ کے گوٹھ میں جرگہ تھا لیکن تم

وہاں نہیں آئے۔جواب دو تم کیا کر رہے

تھے۔۔؟"پشت پر ہاتھ باندھتے ہوئے وہ

سنجیدگی سے بولے۔

"آپ بہت اچھے سے جانتے ہیں کہ میں کیا کر رہا

تھا۔ آپ کے ان قبائلی جھگڑوں سے پرے

میری اپنی ایک الگ فیلڈ ہے جو ٹائم مانگتی

ہے۔۔!" ٹھہرے ہوئے ساکت لہجے میں بولتا وہ

اپنی نگاہوں کا مرکز بدل گیا۔

"میرے سامنے یہ جواز پیش کرنے سے پہلے

تمہیں یہ یادرکھنا چاہئیے کہ سردار شمعون لغاری

تمہارا باپ ہے اور تمہاری ہر سرگرمی کی خبر رکھتا

ہے۔بہت اچھے سے جانتا ہوں کہ جس دن سے

وہ کمی کمین قتل ہوا ہے، پولیس افسران نے

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

تمہارا آفس گھیر رکھا ہے اور تم۔۔ تم بدر لغاری

اپنا قیمتی وقت ایک ایسے کیس پر ضائع کیے جا

رہے ہو جسے لڑنے کا تقاضا تم سے نہیں کیا

گیا۔۔!" اسے کندھوں سے تھام کر اس کا رخ

اپنی جانب کرتے وہ سختی سے گویا ہوئے تو بدر

نے بڑے ضبط سے ان کی جانب دیکھا۔

"اس کمی کمین کا کیس لڑنے کے لیے میرے

ضمیر کا تقاضا اتنا زور آور ہے کہ یہ تقاضا سب تباہ

کر دے گا بابا سائیں۔۔۔!" ان کی آنکھوں میں

دیکھتا وہ غرایا۔ اس کا لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ کیا

سوچ رہا ہے۔ لیکن اس کے سامنے اظہار کا

مطلب اس کے شک کو یقین میں بدلنا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔۔؟ کیا تمہیں مجھ پر یقین

نہیں؟ جب کہہ دیا ہے کہ ایک ہفتے میں

ڈی۔ آئی۔جی قاتل کو ڈھونڈ لے گا تو پھر کیوں

خود کو ہلکان کر رہے ہو۔۔؟؟" وہ اس پر برہم

ہوتے سنجیدگی سے بولے تھے۔

"جنید کے قتل کا تعلق اس لڑکی کے قتل سے

ہے۔اور اس لڑکی کا قاتل۔۔۔!!" وہ کہتے کہتے

رکا۔ پولیس سے ہر طرح کی پوچھ پڑتال کے بعد

بھی اس کے لیے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ فضہ

کا قاتل دانیال اکرم ہے۔ اور جس جانب اس

کی چھٹی حس اشارہ کر رہی تھی وہ اس بارے میں

سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"کیا تم خود پر شک کر رہے ہو بدر لغاری۔۔

ہمم۔۔۔؟؟؟" اسے شرم دلانے کی کوشش

کرتے وہ سرد لہجے میں بولے۔ وہ ان کے سوال

میں مخفی معنی سمجھتا تھا۔

"وہ میرا ہی عکس ہے اسی لیے تو اس پر شک ہو رہا

ہے مجھے۔۔!" بدر نے بے تاثر لہجے میں کہا تو

بدلے میں انہوں نے سختی سے اس کی بات کی

نفی کی۔

"چڑیا جیسا دل ہے اس کا۔۔وہ ایک چیونٹی بھی

نہیں مار سکتا بدر۔۔!"شمعون لغاری کے لہجے

میں تاسف کا عنصر نمایاں تھا۔وہ ان کی بات سے

سو فیصد متفق تھا کیونکہ فضہ کے قاتل کا نام

معلوم ہو جانے کے باوجود وہ جس پر شک کر رہا

تھا اس کے روز و شب اس کی نگاہوں سے مخفی نہ

تھے۔

"بابا۔ آپ کب آئے۔۔؟؟" پشت سے ابھرتی

آواز پر وہ چونک گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ آنکھوں

میں خوشگوار حیرت لیے سامنے ہی کھڑا ہوا تھا۔

"ابھی۔۔کچھ دیر پہلے ہی۔۔لیکن، تم کب

آئے۔۔؟؟" لہجے کو نارمل کرتے ہوئے وہ

مدھم آواز میں بولا تو شیث آگے بڑھ کر اس کے

گلے آلگا۔بدر نے بے اختیار اس کے گرد بازو

پھیلائے تھے۔وہ سینے سے کیا لگا، دل اس کی

معصومیت کی قسمیں کھانے لگا۔

"مجھے تو ایک ہفتہ ہونے والا ہے۔روز دادا سائیں

کو کہتا ہوں کہ آپ کو میرے آنے کی اطلاع

دے دیں۔شکر ہے کہ آپ سے ملاقات ہو

گئی۔۔!" اس سے الگ ہوتا وہ مخصوص مدھم

لہجے میں بولا۔ جبکہ بدر کا ذہن اس کے "ایک

ہفتہ" کہنے پر ہی اٹک گیا۔

"سٹڈیز بنک کر کے تم واپس کیوں آئے ہو

شیٹ۔۔؟؟" اس کی جانب دیکھتے ہوئے بدر نے

سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔مجھے مما کی یاد آرہی تھی، تو آگیا

واپس۔۔!" نگاہیں جھکاتے ہوئے اس نے آہستگی

سے کہا۔

"ہمم۔۔۔ابھی تو جلدی میں ہوں۔کل شام تم

سے دوبارہ ملاقات ہو گی۔۔!"اس کا شانہ

تھپتھپاتے ہوئے بدر نے نرمی سے کہا۔

"ملاقات ہو جانی چاہئیے۔کیونکہ پرسوں میں نے

واپس جانا ہے۔۔!"سر اونچا کرتا وہ مان جتاتے

لہجے میں بولا تو بدر نے دھیرے سے مسکراتے

ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ بلاشبہ اس کی یہ

مسکراہٹ شیث کے لیے ہی مختص تھی۔ شیث

مطمئن سا ہوتا پلٹ گیا۔

"کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے تمہارا بیٹا۔۔ اور سچ یہ

ہے کہ اس لڑکی کو کچھ دنوں کے لیے یونیورسٹی

سے نکال دیا گیا تھا تو یہ بھی واپس آ گیا۔۔!"

سردار شمعون لغاری کچھ جتاتے لہجے میں بولے۔

بدر پل بھر کو خاموش ہو گیا۔ اگر شیث کو یہاں

آئے ایک ہفتہ ہونے والا تھا تو اس کا یہی مطلب

تھا کہ چار دن پہلے جب جنید اور فضہ کا قتل ہوا تو

وہ کراچی میں نہیں تھا۔ اور اتنا تو بدر بھی جانتا تھا

کہ شیث میں اس قدر اعتماد کبھی نہیں رہا تھا کہ وہ

گاڑی خود سے ڈرائیو کرتا۔ کجا کہ ہفتہ بھر پہلے ہی

گوٹھ آنا اور پھر فضہ کو قتل کرنے کے لیے واپس

شہر جانا اور تو اور بغیر کسی وجہ کے جنید کو بھی قتل

کر دینا۔۔؟ بدر کو یقین ہو چلا تھا کہ اس کا بیٹا یہ

جرم کبھی نہیں کر سکتا۔یہ الگ بات تھی کہ وہ

ایک وکیل تھا اور اپنی عادت سے مجبور ہو کر اب

اسے اپنے یقین کی تصدیق کرنا تھی۔

□♦□♦□♦□♦

شہادت کی انگلی میں کی چین گھماتا وہ سیڑھیاں

اترتا نیچے آیا تھا۔ صندل بیگم لاؤنج میں ہی موجود

تھیں۔

"چلا کیوں رہے تھے عالم۔۔؟ وہ تو شکر ہے کہ

تمہارے دادا سرکار آج تمہارے بابا کے ساتھ

گئے ہوئے ہیں ورنہ سخت خفا ہوتے تم سے۔۔!"

اسے دیکھتے ہی وہ کچھ ناراضگی سے بولی تھیں۔

"خوشی سے نہیں چیخ نہیں رہا تھا، دماغ خراب ہو

گیا تھا میرا۔ آپ پلیز سمجھائیے اپنی لاڈلی بالی

کو۔ ایک اورنج جوس بنانے کے لیے کہا تھا، اللہ

جانے کون سا شربت تیار کر کے لائی تھی منہ کا

ٹیسٹ ہی خراب ہو گیا۔۔!" برا سا منہ بناتے

ہوئے وہ قدرے دھیمی آواز میں بولا۔

"یہ عورت ناں دن بادن ناکارہ ہوتی جارہی ہے۔

کھانے پینے اور سونے کے علاوہ ہر کام بے دلی

سے کرتی ہے۔۔!" اس کی بات سن کر صندل

بیگم کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"ایک کپڑے ہی اچھے سے دھوتی ہے یہ بالی

میڈم۔۔اس پر بھی آپ نے مرحہ بی بی کو لگا

دیا۔اب پتہ نہیں کیا حشر کیا ہو گا میری شرٹس کا

اُن محترمہ نے۔۔!" عجب بے زاری کا شکار ہوتا

وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا تو وہ لب بھینچ

کر رہ گئیں۔

" ابھی تو وہ کالی جوس بنا رہی ہے تمہارے لیے۔۔

میں بالی کو دیکھتی ہوں، اسے کہتی ہوں پھر کہ باقی

جو کپڑے بچے ہیں وہ ہی دھو لے۔۔!" اپنی

پیشانی مسلتی وہ گہرا سانس بھرتے ہوئے بولیں۔

"بڑی مہربانی ہو گی مما۔۔یہ کپڑے دھلوانے

والے کام آپ بالی سے ہی کروایا کریں۔۔!"

بگڑے موڈ کے زیر اثر ایک ایک لفظ چبا کر کہتا وہ

کچن میں آگیا۔ پیچھے وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی بالی

کو آوازیں دینے لگیں۔ کچن میں آتے ہی عالم کی

پہلی نظر اس ماہ جبیں پر پڑی تھی جس کی اذیت

نے اسے عذاب میں مبتلا کر ڈالا تھا۔ وہ چپ

چاپ چولہے کی طرف آیا اور برنر آن کر کے

اس پر چائے کے لیے پانی رکھ دیا۔عالم کے لیے

مالٹوں کا جوس نکالتی مرحہ اس کی جانب متوجہ

ہوئی تو نظر خود بخود چولہے پر رکھی کیتلی پر پڑی

تھی۔

"خطا معاف سرکار لیکن۔۔ آپ یہ مت کریں۔

میں یہاں سے فارغ ہوتے ہی بنا دیتی ہوں آپ

کو۔۔!" چولہے کی طرف آتی وہ گھبرائے ہوئے

لہجے میں بولی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں صندل بیگم

اپنے بیٹے کو چائے بناتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

"ایک تو تم خطا کرتی نہیں ہو، اور اگر تم نے کبھی

کر بھی لی تو تمہیں ساری خطائیں معاف ہیں

مرحہ۔۔!" سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ ہولے

سے مسکرایا تو مرحہ کی جھکی نظریں مزید جھک

گئیں۔

"اور رہی بات چائے کی تو یہ میں خود بناؤں گا۔ تم

بس مجھے اورنج جوس بنادو پلیز۔۔!" عالم نے اس

کی مشکل آسان کی تو مجبوراً اثبات میں سر ہلاتی وہ

پلٹ گئی۔ جتنی دیر میں وہ جوس تیار کر کے پلٹی

اتنے میں وہ چائے مگ میں انڈیل چکا تھا۔

"سرکار یہ۔۔ آپکا جوس۔۔!" مرحہ نے ٹرے

اس کی جانب بڑھائی جس میں رکھا گلاس اورنج

جوس سے بھرا ہوا تھا۔

"ہمم۔۔ یہ تمہاری چائے۔۔!" چائے کا مگ اس

کی طرف بڑھا کر اس نے مصروف سے انداز

میں کہتے ہوئے ٹرے سے گلاس لے لیا۔ مرحہ

نے آنکھیں پھاڑ کر بھاپ اڑاتے مگ کی طرف

دیکھا۔

"یہ۔۔یہ آپ نے میرے لیے بنائی ہے۔۔؟"

حیرت سے پھیلتی آنکھوں کی پلکیں جھپکاتے

ہوئے مرحہ نے کچھ بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔

اس کے معصومانہ انداز پر وہ ہولے سے مسکرایا۔

"ظاہر سی بات ہے یہاں کوئی اور تو ہے نہیں۔۔

لو پکڑو۔۔!" عالم نے نرمی سے کہا تو نفی میں سر

ہلاتی وہ فوراً پیچھے ہٹی۔

"ہم ملازم لوگ ہیں سرکار۔ ہم آپ کے برتن

استعمال نہیں کرسکتے۔۔!" لرزتے ہاتھوں سے

ٹرے دبوچے کھڑی وہ کچھ جھجھکتے ہوئے بولی۔

عالم کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

"ایف-اے پاس تو ہو ناں تم۔۔؟؟" چائے کا

مگ سلیب پر رکھتے ہوئے عالم نے سنجیدگی سے

پوچھا۔ گلاس لبوں سے لگا کر وہ جوس کے گھونٹ

بھرنے لگا۔ اس غیر متوقع سوال پر مرحہ نے

پلکیں جھپکائیں۔

"امتحانات تو دیے ہیں۔۔ابھی رزلٹ نہیں

آیا۔۔!" نظریں جھکائے وہ آہستگی سے بولی۔

"ہمم۔۔۔یعنی معیاری تعلیم حاصل کرلینے کے

باوجود بھی تمہاری سوچ معیاری نہیں ہو سکی

مرحہ بی بی۔۔؟؟ابھی بھی تم ان تعصبات میں

مبتلا ہو کہ تم، میرے کسی برتن کو استعمال نہیں

کر سکتی۔ ہمم۔۔؟؟"گلاس کے کناروں پر انگلی

پھیرتا وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔اس کے سوال

پر مرحہ نے زخمی نگاہوں سے اس کی جانب

دیکھا۔

"میں نے پہلے بھی بہت بار آپ کے سامنے ہاتھ

جوڑے ہیں سرکار۔ آج پھر جوڑ رہی ہوں۔

مجھ سے وہ سوال نہ کیا کریں جن کے جواب

دینے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔!" ٹرے

سلیب پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھ کر اس کے

سامنے اپنے ہاتھ جوڑتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولی۔ یہ تو وہ ہی جانتی تھی کہ بابا سرکار کی اجازت

ملنے کے باوجود اس کے لیے تعلیم کا سلسلہ جاری

رکھنا کتنا مشکل رہا تھا۔ اور اس سلسلے کو مشکل

بنانے میں بڑا ہاتھ صندل بیگم ہی کا تھا۔ اس کے

جواب پر لب بھینچتا وہ گلاس سلیب پر پٹخ کر اس

کی جانب گھوما۔

"آئندہ میرے سامنے ہاتھ مت جوڑنا ورنہ میں

تمہارے پاؤں پڑ جاؤں گا اور تب بھی تمہیں ہی

مسئلہ ہو گا کہ میں نے تمہیں گناہگار کر دیا۔۔!"

اس کے جڑے ہاتھ تھامتے ہوئے وہ مدھم سلگتے

ہوئے لہجے میں بولا تو اس کی حرکت پر وہ کانپ

سی گئی۔ جلدی سے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے

کھینچے تھے۔

"ایسے مت کیا کریں میری جان جانے لگتی

ہے۔۔!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں ملتجی ہوئی۔ اس

کے لہجے کی بے بسی پر وہ پاگل ہونے لگا۔

"اور میری جان جو تم میں اٹکی رہتی ہے وہ نظر

نہیں آتا تمہیں۔۔؟؟" اسے بازوؤں سے تھامتا

وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ انداز جنون لیے ہوئے

تھا۔ مرحہ نے سراسیما نگاہوں سے کچن کے

دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کی ٹانگیں اس

عالم کو اتنے قریب پا کر کانپنے لگی تھیں۔

"آپ یہ کک۔۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔۔

مم۔۔ مت کریں پلیز۔۔ کوئی آجائے گا۔۔!"

اپنے لرزتے ہاتھ اس کے سینے پر رکھتی وہ

گڑگڑائی۔ آنکھوں سے سیل رواں ہونے کو بے

تاب تھا۔ عالم کو اس کے برف ہاتھوں کی

ٹھنڈک اپنے دل پر محسوس ہو رہی تھی۔ اس

نے گہرا سانس لیتے ہوئے اس کے بازو اپنی آہنی

گرفت سے آزاد کر دیے۔ وہ تیزی سے پلکیں

جھپکاتے وہاں سے جانے لگی تو عالم نے سرعت

سے اس کا راستہ روکا۔ وہ اس سے ٹکراتے

ٹکراتے بچی تھی۔ مرحہ کا تنفس بگڑنے لگا۔

نظریں جھکائے کھڑی وہ پلکیں اٹھانے سے

انکاری تھی۔

"تمہارے سرکار نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے

لیے چائے بنائی ہے۔ جب میں کہہ رہا ہوں کہ یہ

چائے پی لو تو میرے حکم کی نفی کر کے کیا تم

گناہگار نہیں ہو رہیں۔۔؟؟"اس کے سرخ

پڑتے عارضوں پر پلکوں کی لرزش دیکھتا وہ گھمبیر

لہجے میں بولا تو وہ سر اثبات میں ہلاتی سلیب کی

طرف پلٹی۔ایک نظر چائے سے بھرے مگ پر

ڈالی جس میں پڑی چائے شاید پہلے جتنی گرم

نہیں رہی تھی۔ پھر اگلے ہی پل اس نے مگ اٹھا

کر لبوں سے لگا لیا۔ تین سے چار سانسوں کے

درمیان میں وہ مگ خالی کر چکی تھی۔ بچوں کے

سے انداز میں کلائی سے اپنے لبوں کو صاف کرتی

وہ واپس مڑی۔

"پی لی۔۔اب میں جاؤں۔۔؟؟" بنا اس کی

طرف دیکھے وہ جلدی سے بولی۔اس کی اڑی

اڑی رنگت دیکھ کر عالم کے چہرے پر مسکراہٹ

رینگ گئی۔

"ہمم۔۔جاؤ۔۔!!" عالم نے نرمی سے کہا تو وہ

وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔

اسے وہاں سے گئے چند منٹ بھی نہ گزرے تھے

جب علیشہ وہاں آئی تھی۔عالم نے ایک سرسری

نگاہ اس پر ڈال کر گلاس میں باقی بچا جوس ایک ہی

سانس میں حلق میں انڈیل لیا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ تعصبات میں وہ نوکرانی

نہیں، اس حویلی کے مکین مبتلا ہیں۔۔؟؟" بازو

لپیٹتی علیشہ کافی سنجیدگی سے بولی تھی۔ عالم نے

کچھ چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"تو تم چھپ کر ہم دونوں کی باتیں سن رہی

تھیں۔۔؟" بھنویں اچکاتے ہوئے عالم نے

سنجیدگی سے پوچھا۔علیشہ جانتی تھی کہ وہ گزشتہ

رات کے باعث اس سے ہنوز ناراض ہے۔

"ایک یہی بات سنی تھی بس۔۔ پھر فپو اسی طرف

آ رہی تھیں تو انہیں باتوں میں لگا کر لیونگ روم

میں لے گئی تھی میں، صحیح کیا ناں میں

نے۔۔؟؟" اسے جواب دیتے ہوئے وہ

مسکرائی تو عالم کی اعصاب کچھ پر سکون ہو گئے۔

"ہاں لیکن میں تمہیں اس کے لیے تھینکس

بالکل نہیں کہوں گا۔۔!" عالم نے ناراضگی سے

کہا۔

"ہاں مگر میں تمہیں گزشتہ رات کے لیے دوبارہ

سوری کہنا چاہتی ہوں۔ایم ریئلی سوری عالم۔۔

پلیز اب موڈ ٹھیک کر لو۔۔!!" اپنے کان پکڑتی وہ

معصوم سا چہرہ بنا کر بولی تو عالم نے کافی سنجیدہ

نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پلیز ناں۔۔!"علیشہ نے آنکھیں چھوٹی کر لیں۔

عالم نے اس کے ہاتھ تھام کر نیچے کیے اور ہولے

سے مسکرایا۔علیشہ کھل اٹھی۔

"تھینک یو میرے باگڑ بلے۔۔!"اس کے بال

کھینچتی وہ اچھلی تو عالم ہنس دیا۔

"اٹس فائن۔۔بٹ نیکسٹ ٹائم تم ایسا کچھ نہیں

کرو گی علیشہ ادر وائز آئی وِل نیور فار گیو یُو۔۔!"

اس کے بال کھینچتا وہ غیر سنجیدگی سے بولا تو علیشہ

نے سرینڈر کرنے والے انداز میں ہاتھ اٹھاتے

ہوئے ہامی بھرلی۔عالم نے نرمی سے اسے خود

سے لگالیا تھا۔

"میں تمہیں کسی مشکل میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا

علیشے۔۔اپنا خیال رکھا کرو پلیز۔۔!"اس کا سر

تھپکتے ہوئے عالم مدھم لہجے میں بڑبڑایا تھا۔علیشہ

نے لاپرواہی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ عالم کے

دل کا ایک حصہ علیشہ کے لیے متفکر ہو چکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

پیر کی صبح مکمل طور پر روشن تھی۔ ہر سُو پھیلتی

سورج کی کرنیں طبعیت پر خوشگوار اثرات چھوڑ

رہی تھیں جن کے برعکس وہ ہمیشہ کی طرح اپنے

مخصوص سرد ترین موڈ میں یونیورسٹی کی

مخصوص حدود میں داخل ہوا تھا۔ گرے ڈریس

پینٹ پر وائٹ شرٹ کے اوپری بٹن کھولے

گرے کوٹ بازو پر ڈالے دوسرے ہاتھ میں

موبائل پکڑے وہ بے تاثر چہرہ لیے ایچ-او-ڈی

کے آفس کی جانب جا رہا تھا۔ براؤن شیو سورج

کی خوشگوار روشنی میں چمک رہی تھی۔ آنکھوں

میں پھیلی سیاہی دیکھنے والے کی نگاہ کو خوفزدہ کر

رہی تھی۔ بلاشبہ سردار بدر لغاری کی سحر انگیز

شخصیت جہاں ہر نگاہ کو اپنی جانب متوجہ کر رہی

تھی وہیں اس کی آنکھوں سے چھلکتی سفاکیت ان

نگاہوں کو ٹھٹھکا بھی رہی تھی۔وہ جیسے ہی آفس

میں داخل ہوا اسے دیکھ کر ایچ-او-ڈی کھڑا ہو

گیا۔

"میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ تشریف

رکھیے۔۔!" اس سے مصافحہ کرتے ہوئے ہیڈ نے

خوش اخلاقی سے کہا۔ وہ ہنکارا بھرتے ہوئے

کرسی پر بیٹھ گیا۔ بدر نے گردن گھما کر دائیں

جانب رکھے صوفوں کی جانب دیکھے۔ گرے

شلوار سوٹ میں ملبوس ایک انگلش ناول ہاتھ

میں لیے بیٹھا وہ شخص کوئی اور نہیں شمس تھا۔ بدر

سے نگاہیں ملنے پر اس نے سر اثبات میں ہلاتے

ہوئے بدر کو گڈ مارننگ کہا تھا۔ وہ سرد ترین سلگتی

نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا جس کے لبوں پر

بدر کو دیکھ کر ایک دھیمی مسکان در آئی تھی۔

"سر یہ اٹینڈینس رجسٹرز آپ کے سامنے

ہیں۔۔" ہیڈ کی آواز پر وہ اس کی جانب متوجہ

ہوا۔

"اسی منتھ کی انیس تاریخ کو علیشہ چوہان کو

سسپینڈ کیا گیا تھا۔ اس سے نیکسٹ ڈے شیث

حیدر لغاری یونیورسٹی میں پریزینٹ تھا لیکن اسی

دن شام میں اپنے گرینڈ فادر کی بی ہاف پر وہ

ہاسٹل سے ہی دس دن کی لیو لے کر اپنے گاؤں

چلا گیا تھا۔ اور ابھی اس کے دس دن پورے

ہونے میں آج کا پورا دن باقی ہے۔۔ کل سے وہ

دوبارہ جوائن کرے گا۔۔!" مقابل نے بڑی

تفصیل سے اسے صورتحال سے آگاہ کیا تھا۔ بدر

نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلایا۔ پھر میز پر

کھلے پڑے رجسٹروں کا معائنہ کرنے لگا۔ پانچ

سے سات منٹ میں وہ اپنا اطمینان کر چکا تھا۔

"تھینکس فار یور کو آپریشن مین۔۔!" ہیڈ آف

ڈیپارٹمنٹ کی جانب دیکھتے ہوئے بدر نے

سنجیدگی سے کہا تو وہ " آلویز فاریو " کہتے ہوئے

مسکرا دیا۔

"شیث کل سے جوائن کرلے گا ان شاء اللہ۔۔!"

بدر نے اپنا کوٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔ پھر وہاں

سے نکلنے کے لیے پلٹا۔ نگاہیں ایک بار پھر اسی بے

باک شخص سے جا ملیں جو ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے

بیٹھا سراپا اس کے لیے چیلنج بنا ہوا تھا۔

"ہیو آ گڈ ڈے بیرسٹر صاحب۔۔!!" شمس نے

ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے نظرانداز

کرتا وہ اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے "ایچ-او-ڈی

کے آفس سے نکل آیا تھا۔ہاتھ کی تیسری انگلی

میں چمکتے یاقوت کو بے چینی کے عالم میں گھماتے

ہوئے وہ بظاہر مضبوط چال چل رہا تھا۔اندرونی

حالت کے برعکس اس کے چہرے پر مکمل

اطمینان تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے شمس کا

مسکراتا چہرہ گھوم رہا تھا۔ شیث کی طرف سے

مطمئن ہو کر اب وہ شمس کی طرف سے خطرہ

محسوس کر رہا تھا۔ بلاشبہ یہ پہیلی سلجھانا اس کے

لیے آسان نہیں تھا۔ گاڑی مین روڈ پر ڈالتے

ہوئے اس کی نظر گرلز ہاسٹل کے دروازے پر

کھڑی علیشہ پر پڑی تھی۔اس کے ساتھ کھڑا لڑکا

اسے اول روز کی طرح زہر لگا تھا۔علیشہ کے

ساتھ کھڑے مہربان عالم شاہ کی مسکراہٹ اس

کے اندر آگ لگا گئی تھی۔وہ تیزی سے گاڑی

آگے بڑھا لے گیا۔

◆□◆□◆□◆□

برف سے ڈھکی سڑک کی سطح پر مضبوطی سے

قدم جماتا وہ ایک مناسب چال چل رہا تھا۔ بلیک

ٹی شرٹ پر بلیو اور بلیک چیک دار اوور کوٹ پہنے

وہ اپنے آپ میں گم نظر آرہا تھا۔ V شیپ کے

گہرے گلے سے اس کے سینے پر گتھا ٹیٹو جھانک

رہا تھا۔ جس وقت وہ سیٹلی کے بتائے گئے کلب

میں داخل ہوا رات ہر سُو اپنے پر پھیلا چکی تھی۔

منصب کی گہری سرمئی آنکھوں میں ایک مغرور

سا تاثر تھا۔ وہاں ہر عمر کے مرد اور خواتین ایک

دوسرے سے گفتگو میں مصروف نظر آرہے

تھے۔ کچھ ٹین ایجرز بانہوں میں بانہیں ڈالے

ایک دوسرے کے سنگ ڈانس کر رہے تھے۔

جبکہ منصب ہی کی عمر کے لڑکے اور لڑکیاں بار

کے قریب کھڑے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے قہقے

لگا رہے تھے۔ ٹیبل پر ان کا پسندیدہ مشروب

پیش کیا جارہا تھا۔ آس پاس کا سرسری جائزہ لیتا وہ

وہیں بار کے قریب آ گیا۔

"اورنج وائن۔۔!" بار کے دوسری جانب

کھڑے لڑکے کو اس نے آرڈر دیا تھا۔ تھوڑی ہی

دیر میں شراب مل جانے پر وہ چپ چاپ اسے

گھونٹ گھونٹ حلق سے نیچے اتارنے لگا۔ اسے

تھوڑی دیر پہلے عمیر سے ہوئی گفتگو یاد آنے لگی۔

"وہ تو شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا ورنہ خدا

جانے وہ دونوں اس کے ساتھ کیا کرتے۔۔!"

اسے ساری بات بتا دینے کے بعد عمیر نے

سنجیدگی سے کہا تھا۔

"وہ وہاں اکیلی کیا کرنے گئی تھی۔۔؟؟" منصب

نے بڑے ضبط سے پوچھا تھا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتہ کہ وہ وہاں کیسے اور کس کے

ساتھ گئی تھی۔ لیکن اتنا پتہ ہے کہ صارم اور

عبداللہ اسے وہاں سے اپنے ٹھکانے پر لے جانے

والے تھے۔۔!" عمیر نے اسے آگاہ کیا تھا۔

"یعنی دوست دشمنی پر اتر آئے ہیں۔۔!" منصب

نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

"جو حالات بدلتے دیکھ کر دشمنی پر اتر آئے وہ

دوست ہوتا ہی نہیں موں۔۔ مجھ سے غلطی ہوئی

جو میں نے ان دونوں کے لیے تجھ سے معافی

مانگی تھی۔وہ سالے تو تبھی تیرے دشمن بن گئے

تھے جب مہرماہ کے لیے تُو نے اُن پر ہاتھ اٹھایا

تھا۔۔!!"فون کے سپیکر سے ابھرتی عمیر کی

آواز میں تاسف تھا۔

"وہ ٹھیک تو تھی ناں۔۔؟؟"

"یہ تو تجھے خود اُس سے پوچھنا چاہئیے۔ میرے

آدمی نے اس کے گھر تک اس کا پیچھا کیا تھا، وہ

صحیح سلامت گھر پہنچ گئی تھی۔!" عمیر نے

سنجیدگی سے کہا۔

"میں اس وقت اپنے اندر جو آگ بھڑکتی محسوس

کر رہا ہوں اس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے

عمیر۔۔ جہاں تک بات صارم اور عبداللہ کی ہے،

انہیں تم چھوڑ دو۔۔!" منصب نے کچھ سوچتے

ہوئے کہا تھا۔

"چھوڑ دوں۔۔؟ لیکن یار۔۔وہ دونوں پھر

سے۔۔۔!" عمیر نے کچھ حیران ہوتے ہوئے

پوچھا تھا۔

"وہ اب کچھ نہیں کر پائیں گے۔ جانے دو

انہیں۔۔!" منصب کی آواز میں کس قدر سختی

تھی اس کا احساس وہ بولتے ہوئے خود بھی نہیں

کر پا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ۔۔ یہاں

حالات جتنے خراب ہو چکے ہیں تمہیں واپس آ جانا

چاہئیے۔۔!" عمیر نے کافی سوچ سمجھ کر اسے

مشورہ دیا تھا۔ منصب نے بنا کچھ کہے کال کاٹ

دی تھی۔

"ہائے ہینڈ سم۔۔!" اسے اپنے کندھے پر ایک

نرم ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا تو حال میں واپس آتا وہ

پلٹا۔ حد سے زیادہ گوری رنگت پر سجے ڈارک

مہرون ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ منصب نے

سنجیدہ نگاہوں سے اسے گھورا۔

"کیا مسئلہ ہے۔۔؟" شستہ انگریزی میں پوچھتے

ہوئے اس کا لہجہ درشت ہو گیا۔ وہ چہرہ اسے

دیکھا بھالا لگ رہا تھا لیکن کہاں؟ وہ یاد کرنے سے

قاصر تھا۔

"کیا میں تمہارا یہ ٹیٹو دیکھ سکتی ہوں۔۔؟؟" اس

کے شانے پر رکھا ہاتھ اس کے سینے تک لے کر

آتی وہ اک ادا سے بولی۔ سنہری زلفیں اس کے

چہرے کے اطراف میں لہراتی نگاہوں کو خیرہ کر

رہی تھیں لیکن منصب عالم شاہ کے پاس تو فقط

آنکھیں تھیں۔ نگاہیں تو وہ وہیں کہیں چھوڑ آیا تھا

جہاں سے وہ دشمن جاں گزرا کرتی تھی۔

"اندھی ہو؟ کیا ایسے نظر نہیں آرہا تمہیں۔۔!"

اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے منصب نے سرد مہری

سے پوچھا۔ اس قدر عزت افزائی پر جینیفر کے

لبوں کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"آئی مین۔۔یہیں اوپر رومز ہیں، تم اگر مجھ پر

نوازش کرو تو روم میں۔۔۔!"ڈھیٹ بنتی وہ پھر

سے مسکراتی بول رہی تھی جب منصب نے کافی

سختی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نوازشات کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ کسی

اور سے بھیک مانگ لو۔۔!" ٹھنڈے ٹھار لہجے

میں کہہ کر وہ بار کی طرف پلٹ گیا۔ جینیفر نے

غصے سے دانت بھینچ لیے۔ پھر خود پر ضبط کرتی

اس کے پاس سے ہٹ گئی جو ایک بار پھر شراب

پینے لگا تھا۔ پانچ سے دس منٹ بعد منصب نے

کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور عبداللہ کا نمبر

ڈائل کیا۔ تیسری بیل پر دوسری جانب سے کال

ریسیو کرلی گئی تھی۔

"میرے یار کو جیل سے رہائی مبارک۔۔!" اس

کے ہیلو کہتے ہی منصب نے سرد ترین لہجے میں کہا

تو دوسری جانب پل بھر کو خاموشی چھا گئی۔

"خیر مبارک۔۔ تو تجھے پتہ چل گیا ہاں۔۔؟"

اندرونی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے عبداللہ نے

طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"ظاہر سی بات ہے کہ مجھ سے میرے ہی پالتو

کتوں کی بددیانتی چھپی تو رہے گی

نہیں۔۔!" منصب کا لہجہ تمسخر اڑاتا ہوا تھا۔

دوسری جانب عبداللہ تلملا کر رہ گیا۔

"اب سن پالتو۔۔میری گولڈ کی چین جو تُو نے

میری برتھڈے پر میرے گلے سے اتروالی تھی

وہ تیرے کمرے میں رائٹ سائیڈ ٹیبل کی پہلی

ڈرار میں ہی ہے ناں۔۔؟" منصب نے شراب کا

گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے پوچھا۔ دوسری

جانب عبداللہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"تت۔۔۔تجھے کیسے پتہ۔۔؟؟" عبداللہ ہکلا گیا۔

"کیونکہ اس وقت پولیس تیرے گھر، تیرے

کمرے میں موجود ہے۔ جب تک تُو گھر پہنچے گا

پولیس تیرے باپ کو تھانے لے جا چکی ہو گی

کیونکہ اس کے بیٹے یعنی عبداللہ نے میری غیر

حاضری میں میرے فلیٹ سے وہ چین چرائی

ہے۔!" منصب نے بے لچک لہجے میں اسے مکمل

بات بتائی تھی۔عبداللہ کے حقیقتاً پسینے چھوٹ

گئے۔

"کیا بکواس کر رہا ہے، وہ چین تو تُو نے اپنی خوشی

سے مجھے دی تھی۔۔!"عبداللہ نے اسے یاد

کروانا چاہا۔

"ہاں لیکن تُو کتا ہے ناں۔۔ اور کتے کو کھیر راس

نہیں آتی۔ اس لیے یہ سب کرنا پڑ رہا ہے۔ اب

یوں کر کے گھر جانے کی بجائے واپس تھانے جا

اور وہاں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر کہ میری

چین میں نے خود تجھے دی تھی۔۔!" لاپرواہی

سے کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔ عبداللہ کو بے

سکون کرنے کے بعد اس نے صارم کا نمبر ڈائل

کیا۔ اس نے پہلی ہی بیل پر اس کی کال ریسیو

کرلی۔

"کون پاگل بات کر رہا ہے۔۔؟" اس کی نیند میں

ڈوبی آواز فون کے سپیکر سے ابھری تھی۔

"تیرا باپ۔۔!" منصب نے کافی تحمل سے اسے

جواب دیا۔

"ھاھاھا۔ اسے مرے تو دس سال بیت

گئے۔۔!" صارم نے کافی لاپرواہی سے کہا۔

"ہاں لیکن تجھے جیل سے چھوٹے ابھی دس گھنٹے

بھی نہیں ہوئے۔۔!" منصب کی سنجیدہ آواز نے

صارم کو ہوش کی دنیا میں لا پٹخا تھا۔

"تت۔۔۔تُو۔۔؟؟" صارم کی آواز میں خوف در

آیا۔

"تُو پچھلے دو سال سے میری گاڑی یوز کر رہا ہے۔

کہاں ہے وہ۔۔؟" منصب نے مکمل سنجیدگی سے

پوچھا تو صارم کی بچی کھچی نیند بھی اڑ گئی۔

"وہ۔۔وہ میرے فلیٹ کے گیراج میں ہے۔۔!"

صارم نے فوراً کہا

"جا کر چیک کر۔۔ گاڑی وہاں نہیں ہے۔ اگر کل

صبح تک تُو نے میری گاڑی میرے فلیٹ کے

گیراج میں نہ پہنچائی تو میں تجھے جیل پہنچا دوں گا

جہاں سے تُو دس سال سے پہلے باہر نہیں آئے

گا۔ پھر تُو کبھی نہیں بھولے گا کہ منصب عالم شاہ

کون ہے۔۔!" رعایت سے عاری لہجے میں کہہ کر

منصب نے کال کاٹ دی۔ عبداللہ اور صارم کو

بے سکون کر کے وہ اب خود بڑے سکون سے

شراب پی رہا تھا۔ وہ اپنی گاڑی عمیر کے ذریعے

صارم کے گیراج سے نکلوا چکا تھا اور اب اگلی صبح

یقیناً صارم جیل جانے والا تھا۔ اگر عمیر ان

دونوں کو مہر ماہ کو تنگ کرنے کے جرم میں جیل

میں رکھتا تو یقیناً وہ جلدی رہا ہو جاتے اور پھر سے

اپنی کوشش دہراتے لیکن اب جس طرح

منصب نے ان دونوں کو پھنسایا تھا اس کے بعد

اول تو وہ دونوں اس چکر سے جلدی نکلنے والے

نہیں تھے اور اگر نکل بھی جاتے تو یقیناً اُن کے

دل سے منصب سے دشمنی کا خوف نہیں نکلنے والا

تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے اس نے کافی دیر سیشلی کا

انتظار کیا تھا لیکن وہ نہیں آئی تھی۔ شراب کی

کثرت کے باعث جب اس کی آنکھیں سرخ

پڑنے لگیں تو پیمنٹ کر کے وہ کلب سے باہر نکل

آیا۔ ڈانس فلور پر ناچتے بے ہنگم ٹین ایجرز میں

سے برانکسن نامی اس لڑکے کو پہچاننا اس کے لیے

ممکن نہیں تھا سو اپنا مزید وقت ضائع کیے بغیر وہ

کلب سے باہر نکل آیا تھا۔ گہری ہوتی رات میں

برفباری ہو رہی تھی۔ اس کا ہوٹل زیادہ فاصلے پر

نہیں تھا اسی لیے وہ پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ پانچ

منٹ کا فاصلہ اس نے تقریباً پندرہ منٹ میں طے

کیا تھا۔ سردی کے باعث اس کا چہرہ سفید پڑ چکا

تھا۔ انگیٹھی دہکائے بنا وہ اوندھے منہ بیڈ پر

ڈھے گیا۔ بند ہوتی آنکھوں میں آج پھر وہ ہی

چہرہ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ نیند کی وادیوں میں

اترتا اس کا موبائل بجنے لگا۔ منصب نے بھاری

ہوتی آنکھوں کو بامشکل کھولا۔ کال ریسیو کرنا

محال تھا لیکن بار بار بجتی گھنٹی نے اسے مجبور کر دیا

تھا۔ نمبر پر غور کیے بنا اس نے کوٹ کی جیب سے

موبائل نکال کر کال ریسیو کرلی۔

"ہیلو۔۔!" آنکھیں بند کیے وہ حد سے زیادہ

بھاری ہوتی آواز میں بولا۔جواباً جو آواز اسے سننے

کو ملی تھی اس نے منصب کے ہوش ٹھکانے لگا

دیے تھے۔

"تم کب مرو گے منصب عالم شاہ۔۔؟؟؟"

روتی ہوئی نفرت سے پُر لرزتی آواز سن کر وہ لیٹے

سے اٹھ بیٹھا تھا۔دل بے اختیار ہو تا شدتوں سے

دھڑکنے لگا۔۔۔

"ماہی۔۔؟؟؟" اس کے لب دھیرے سے ہلے

تھے۔

□♦□♦□♦□♦□♦

۔زہرہ نے ساکت نگاہوں سے سامنے سے آتی

اس نئی ملازمہ کو دیکھا جو عمر میں شاید اس سے دو

تین برس ہی بڑی تھی۔اس کے ہاتھ میں موجود

ہنٹر دیکھ کر اس کا نازک دل پل بھر کو کانپا تھا۔

"بھابھی کچھ کریں پلیز۔۔وہ تو پہلے ہی ادھ مری

لگ رہی ہے۔۔!"ناجیہ بیگم کا ہاتھ دباتی حدیبہ

کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا دیبہ۔۔اب کچھ نہیں ہو

سکتا۔۔!" اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتی ناجیہ

بیگم مدھم آواز میں بولیں۔زہرہ نے بھیگتی

آنکھیں آہستگی سے بند کر لیں۔بالی نے ہنٹر ہوا

میں لہرایا تھا اور اگلے ہی پل جلد کو ادھیڑتی ایک

کاری ضرب نے زہرہ کی پشت پہ چھوا تھا۔

"میں اپنے جیتے جی تمہیں کبھی کچھ نہیں ہونے

دوں گا یہ وعدہ ہے میرا۔۔!" ولید شاہ کی میٹھی

سرگوشی نے اس کے کانوں کو چھوا تھا۔ دوسرا

کوڑا پڑنے پر زہرہ نے تڑپ کر آنکھیں کھولی

تھیں۔ بھیگی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹتے چلے

گئے۔ حلق سے کراہیں نکلنے کو بے تاب ہوئی

تھیں۔ حدیبہ نے ضبط کرنے کو اپنے چہرے کا

رخ موڑ لیا۔

تیسرا کوڑا۔۔

چوتھا۔۔

پانچویں کوڑے پر اس کے لبوں سے رب کائنات

کا نام چیخ کی مانند نکلا تھا۔

"یااللہ رحم۔۔۔!" اس کی آنکھیں درد کی شدت

سے باہر کو ابل رہی تھیں۔ہال میں موجود نفوس

کو سانپ سونگھ چکا تھا۔مائی کرماں کی دبی دبی سی

سسکیوں میں ہنٹر کی تیز آواز کمرے میں گونج

رہی تھی۔

"میں تمہیں کبھی بے یارومددگار نہیں چھوڑوں

گا زہرہ۔۔!" ولید شاہ کی یقین دہانیاں زہرہ کی

سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔خواتین اس کے

صبر پر حیران پریشان بیٹھی اپنے آنسو ضبط کر رہی

تھیں جو ہچکیوں سے روتی اللہ اللہ پکار رہی تھی۔

سعیدہ بی بی کی نگاہیں جھک چکی تھیں۔

"ہُلش۔۔۔!" پندرھواں کوڑا۔زہرہ کی ٹانگیں

کانپنے لگیں۔آنکھیں خون کی مانند سرخ ہو رہی

تھیں۔دل اس شدت سے دھڑک رہا تھا جیسے

پھٹ جائے گا۔مائی کرماں نے اپنی چیخوں کا گلا

گھونٹنے کو اپنا دوپٹہ منہ میں ٹھونس لیا۔

"رحم۔۔رحم کرے کوئی۔۔بھابھی۔۔یہ سب

رکوالیں۔۔پپ۔۔پلیز۔۔"ناجیہ بیگم کا ہاتھ

تھامے کھڑے روتی حدیبہ لرزنے لگی۔

بیسویں کوڑے پر وہ نڈھال سی ہو گئی۔ وہ اس کی

زبان نہیں آنکھیں تھیں جو اس پل چیخ چیخ کر

ولید شاہ کو پکار رہی تھیں۔ وجود پر پڑتا ہر کوڑا

اس کی تکلیف میں اضافہ کر رہا تھا۔ دائیں بائیں

فضا میں لٹکتے ہاتھوں کے باعث وہ زمین پر گھٹنے

بھی نہ ٹیک پا رہی تھی۔ کوڑے برسانے والی

شاید پتھر کا دل رکھتی تھی اسی لیے ہر بار پہلے سے

زیادہ قوت سے ضرب لگا رہی تھی۔ زہرہ کے

ساتھ ساتھ وہاں موجود باقی تمام نفوس کو یقین

ہو چکا تھا کہ وہ کوڑوں کی گنتی پوری ہونے سے

پہلے ہی مر جائے گی۔ بنا وقفے کے پڑنے والی ہر

دوسری ضرب پر حواس گنواتی زہرہ واپس ہوش

میں آجاتی۔ ستائیسویں کوڑے پر مردوں کی

اطراف میں لگا دروازہ دھڑام سے کھلا تھا۔

"رک جاؤ زہرہ کو ہاتھ مت لگانا۔۔!" فدا کی

بھاری آواز وہاں گرجی تھی۔ گو جالی دار دیوار

کے پار اسے دیکھنا مشکل سہی لیکن اس کی آواز

پہچاننا کچھ مشکل نہیں تھا۔

آواز سن کر بالی کا فضا میں بلند ہوا ہاتھ رک گیا۔

اگلی ضرب نہ پڑنے پر زہرہ نے گردن جھکا کر

سکون کی چند گہری سانسیں بھریں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔؟؟؟" اپنے تخت

سے اٹھتے سید ذوالفقار عالم شاہ اس پر گرجے

تھے۔زہرہ کی سزا رکتے دیکھ حدیبہ کی جان میں

جان آئی تھی۔

"آپ بہت اچھے سے جانتے ہیں کہ میں کیا کہہ

رہا ہوں تایا سرکار۔زہرہ اس سزا کی حقدار

نہیں ہے۔۔!" ان کے مقابل جا کر ٹھہر تا وہ

مکمل اعتماد سے بولا۔

"تو اب تمہیں ہم سے زیادہ دینی معاملات کی خبر

ہو گئی ہے فدا حسین۔۔؟" فدا کو گھورتے وہ

سخت لہجے میں بولے تو اپنے ہاتھ پشت پر

باندھتے ہوئے اس نے خود کو بولنے کے لیے تیار

کیا۔

"دینی معاملات کی معافی تو اللہ سے مطلوب ہے

لیکن دنیاوی معاملات کا جتنا علم ہے اس کے

مطابق زہرہ زانیہ نہیں ہے۔۔!" سر اونچا کرتا وہ

مضبوط لہجے میً بولا تو طیش میں آتے وہ اپنی

نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیا بکواس ہے یہ۔۔بغیر شوہر کے۔۔!"وہ

غضبناک لہجے میں بول رہے تھے جب فدا نے

سختی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"کیا بغیر شوہر کے لگا رکھی ہے آپ نے۔۔؟ اگر

میں کہوں کہ اس کی زچگی جائز تھی۔۔ اگر میں

کہوں کہ زہرہ بنت کرماں شادی شدہ ہے تو کیا

آپ سب یقین کریں گے۔۔؟؟" ان کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا وہ وہاں

موجود تمام نفوس کو ایک دوسرے کی جانب

دیکھنے پر مجبور کر گیا تھا۔ اس نئے انکشاف پر

حدیبہ کا ہاتھ دل پر پڑا تھا۔ صندل بیگم بھی لب

بھینچتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ فدا سائیں نہیں، ان کی زہرہ بی بی سے بچپن

سے وابستگی بول رہی ہے بابا سرکار۔۔میں اس

امر کی گواہی دیتی ہوں۔۔!" چہرہ جالی دار دیوار

کی جانب کرتی صندل بیگم کرخت لہجے میں

بولیں۔

"وابستگی نہیں، یہ ہمارے مابین رشتہ بول رہا ہے

بی بی۔۔۔!" فدا نے دوبدو جواب دیا تھا۔ حدیبہ

کا دماغ لفظ رشتے پر ہی اٹک گیا۔ اس جواب پر

صندل بیگم نے کچھ استہزاء آمیز نگاہوں سے

حدیبہ کی طرف دیکھا تھا جس کا رنگ زرد پڑ رہا

تھا۔

"کیسا رشتہ۔۔؟؟" ذوالفقار عالم شاہ کی آواز

گرجتی ہوئی تھی۔مائی کرماں اس سب گفتگو سے

بے بہرہ زہرہ کے زخموں کو اپنی چادر سے صاف

کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ زہرہ اس حویلی کی بہو

ہے۔۔!" دل پر پتھر رکھتا وہ سنجیدگی سے بولا

تھا۔ بابا جی سرکار کو فدا سے اس قدر دیدہ دلیری

کی توقع نہیں تھی۔چونکہ وہ حقیقت سے آگاہ

تھے اسی لیے اس پل باقیوں کے برعکس ان کی

آنکھوں میں ایک الگ تشویش ہلکورے لے

رہی تھی جسے وہ بخوبی سمجھ رہا تھا۔

"کس بنیاد پر۔۔؟ کس بنیاد پر تم اس کم ذات کو

ہم سے جوڑ رہے ہو فدا حسین۔۔ اگر وہ حویلی

کی بہو ہے تو کون ہے اس کا شوہر۔۔۔؟؟؟؟"

ہاتھ پشت پر باندھتے وہ اکڑ کر بولے تھے۔

جانتے جو تھے کہ زہرہ کا شوہر ہمیشہ کے لیے مر

چکا ہے۔ ان کے کروفر پر فدا نے تاسف زدہ

انداز میں نفی میں سر ہلایا۔ پھر جیب سے چند

خاکی کاغذ نکال کر ان کی جانب بڑھائے۔

کاغذات دیکھ کر ذوالفقار عالم شاہ کی آنکھیں

حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ تو اپنی طرف سے ولید

شاہ اور زہرہ کا نکاح نامہ ہر طرح سے ختم کر چکے

تھے تو پھر یہ۔۔؟؟

"تو پھر بتایئے ناں کہ کون ہے زہرہ کا شوہر۔۔؟

خاموش کیوں ہیں فدا سائیں۔۔؟؟"صندل بیگم

نے اونچی آواز میں چلائیں۔حدیبہ کی آنکھیں

دھندلانے لگیں۔ ذوالفقار عالم شاہ نے بڑے

ضبط سے ہاتھ میں پکڑا نکاح نامہ اپنے قریب

کھڑے وقار عالم شاہ کی طرف بڑھایا۔ ان کے

ہاتھ لرزنے لگے تھے۔ وقار عالم شاہ نے کچھ بے

یقینی سے نکاح نامے کی تاریخ اور اس پر موجود

فدا حسین کے دستخط دیکھے تھے۔

"یہ کیسا مذاق ہے فدا حسین۔؟" نکاح نامہ اس

کے منہ پر مارتے ہوئے وقار عالم شاہ چیخے تھے۔

"وہ ہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ یہ کیسا شرعی مذاق

ہے جس میں آپ ایک عورت کو جائز اولاد پیدا

کرنے کی پاداش میں کوڑوں سے مار رہے

ہیں۔۔؟" وہ ان سے زیادہ بلند آواز میں چیخا تھا۔

"تمہارا نکاح حدیبہ سے ہوا تھا۔ تمہاری بیوی

حدیبہ ہے۔۔!" اس کا گریبان مٹھیوں میں

جکڑتے وقار عالم شاہ چلائے۔ ذوالفقار عالم شاہ

مٹھیاں بھینچے بے بس سے کھڑے تھے۔ وہ تو یہ

کہنے قابل بھی نہ رہے تھے کہ زہرہ ان کے

مرحوم سپوت کی بیوہ ہے۔

"میرا نکاح زہرہ سے بھی ہوا تھا۔اور زہرہ بھی

میری بیوی ہے غور سے دیکھ لیں یہ نکاح

نامہ۔۔!" ان کا ہاتھ جھٹکتا وہ سرد مہری سے گویا

ہوا تو بے اختیار حدیبہ لڑکھڑا گئی۔ سر خود بخود

نفی میں ہلا تھا۔

"بکواس بند کرو ورنہ خون پی جاؤں گا تمہارا۔!"

اسے پیچھے دھکا دیتے وقار عالم شاہ دہاڑے۔

"ایسا کرنے سے فقط آپ کی بہن بیوہ ہو جائے گی

لیکن یہ حقیقت نہیں بدلے گی کہ زہرہ میری

بیوی ہے۔۔!" اپنے سینے سے نادیدہ گرد جھاڑتے

ہوئے وہ مضبوط لہجے میں بولتا حدیبہ کو کمزور کر

گیا تھا۔ وہ بے دم سی ہوتی خواتین کے نرغے میں

بیٹھتی چلی گئی۔

"دیبہ۔۔۔ دیبہ ایسا نہیں ہو سکتا میری جان

سنبھالو خود کو۔۔!" ناجیہ بیگم کی گھبرائی ہوئی

آواز فدا کی سماعتوں تک بخوبی پہنچی تھی۔ دل کا

درد بے اختیار بڑھا تھا۔ مردوں اور عورتوں میں

چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ سعیدہ بیگم کے

ساکت وجود میں اس صورتحال پر کوئی ہلچل

نہیں ہوئی تھی۔

"ایسا برا وقت میری بہن پر کبھی نہیں آئے گا۔

تم ابھی اور اسی وقت اسے طلاق دو گے۔۔!"

خون آشام نگاہوں سے اسے گھورتے وقار عالم

شاہ چیخے۔حدیبہ کی گھٹی گھٹی سی سسکیاں فدا کے

اندر باہر آگ دہکا رہی تھیں۔

"وقار۔۔ فیصلہ تم نہیں، میں کروں گا۔۔!"

ہمت مجتمع کرتے ذوالفقار عالم شاہ سنجیدگی سے

بولے۔ ہر گزرتا لمحہ حدیبہ کے جسم سے جان

نکال رہا تھا۔

"مجھے کسی فیصلے کی ضرورت نہیں ہے۔ زہرہ اور

حدیبہ دونوں ہی میرے نکاح میں ہیں۔ میں اس

حویلی میں ان دونوں کا، برابر مقام چاہتا

ہوں۔۔!" اس کا انداز قطعیت بھرا تھا۔ اس

تقاضے پر ذوالفقار عالم شاہ نے طنزیہ نگاہوں سے

اسے دیکھا۔

"ایک کم ذات ملازمہ سے نکاح کر کے تم اپنا

مقام اس حویلی میں کھو چکے ہو تو پھر اپنی بیویوں

کے لیے تم کس مقام کی توقع کرتے ہو فدا

حسین۔۔؟" ذوالفقار عالم شاہ نے اس کی توقع

کے عین مطابق بات کی تھی۔

"بھابھی انہیں روک لیں۔۔پپ۔۔۔پلیز انہیں

روک لیں میں مر جاؤں گی۔۔!" ناجیہ بیگم کے

ہاتھ تھامتی وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ناجیہ بیگم

نے اسے خود سے لگا لیا۔

"تو پھر سنا دیجئے فیصلہ ۔۔ حدیبہ شاہ کو چھوڑنے

کے علاوہ آپ کا ہر فیصلہ مجھے قبول ہے۔!" فدا

کسی چٹان کی مانند اس بھرے مجمعے میں اپنے

موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔

"خبر دار۔۔ اپنی زبان سے میری بہن کا نام بھی

مت لینا۔۔!" وقار عالم شاہ کا فشار خون بڑھا تھا۔

"کسی غیر عورت کا نہیں، اپنی بیوی کا نام لے رہا

ہوں بھائی سرکار۔۔ آپ مجھ پر اس قسم کی

پابندی لگانے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔۔!" فدا

نے مکمل اعتماد سے انہیں جواب دیا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو فدا حسین۔۔حدیبہ شاہ

تمہاری بیوی ہے۔تم اس پر حق رکھتے ہو لیکن۔۔

زہرہ کو حقوق دینے کی صورت میں تمہیں میری

بیٹی کے حقوق سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

شریعت بھلے ہی تمہارے اس اقدام کو قبول

کرتی ہے لیکن ایک باپ۔۔ تمہارے اس اقدام

کو کبھی قبول نہیں کرے گا۔۔!" اس کی آنکھوں

میں دیکھتے ذوالفقار عالم شاہ مکمل اعتماد سے

بولے۔ فدا کی سرخ آنکھوں میں چمکتی نمی کی

وجہ وہ بخوبی جانتے تھے۔ جانتے تھے کہ اس کے

لیے حدیبہ شاہ کو چھوڑنا ناممکنات میں سے ہے۔

"میں۔۔ سید ذوالفقار عالم شاہ۔۔ اپنے بھتیجے فدا

حسین کو، ایک غیر نسل لڑکی سے نکاح کرنے کی

پاداش میں اپنی جائیداد اور چھوٹی حویلی کی گدی

نشینی سے عاق کرتا ہوں۔۔!"اس کی آنکھوں

میں دیکھتے وہ بلند آواز میں بولے۔سعیدہ بی بی

کی ویران آنکھوں سے دو آنسو آہستگی سے نکلتے

ان کے رخسار نم کر گئے تھے۔

"چونکہ تم نے ایک سیدزادی پر ایک کم ذات

لڑکی کو ترجیح دی ہے۔ لہٰذا اس حویلی کی روایات

کو توڑنے کے جرم میں، میں حدیبہ شاہ کی تم سے

علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں۔ رہی بات اس ملازمہ

کی تو، اسے لے کر تم اس حویلی کی حدود سے جا

سکتے ہو۔۔!" اس کی جانب سے رخ موڑ کر کہتے

وہ اس کے جسم سے روح کھینچ چکے تھے۔

"ہرگز نہیں۔۔مجھے آپکا فیصلہ قبول نہیں ہے۔

حدیبہ شاہ میری بیوی ہے اور میں اس پر مکمل

حق رکھتا ہوں۔۔!!" بے قرار ہوتا وہ چلایا۔

"اسے اور اس کی کم ذات بیوی کو حویلی سے باہر

پھینک دو۔۔!!" وہ دروازے کے پاس کھڑے

ملازمین پر دہاڑے تھے۔

"آپ ایسا نہیں کرسکتے۔۔یہ ناانصافی

ہے۔۔۔!"ان کی طرف لپکتا وہ غرایا۔وقار عالم

شاہ نے اسے پیچھے دھکیلا تھا۔

"لے جاؤ اسے۔۔!"وہ چلائے۔

"ہرگز نہیں، میں اپنی بیوی کو لیے بنا کہیں نہیں

جاؤں گا۔۔!" ملازمین کو دھکے دیتا وہ چیخا۔ ہمت

جتاتی حدیبہ کھڑی ہوئی تھی۔ زہرہ کے ہاتھ

کھول کر اس کے نیم بے ہوش وجود کو مائی کرماں

کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

"حدیبہ شاہ آپ آج خاموش کیوں ہیں۔۔؟

اپنے حق کے لیے آج آواز کیوں نہیں اٹھا رہیں

آپ۔۔؟" اپنے پھٹتے دل کو سنبھالنے کی کوشش

کرتا فدا حسین چلایا۔ اسے یاد تھا کہ وہ فدا سے

شادی کے حق میں نہیں تھی۔اسے حدیبہ شاہ کی

بغاوت یاد تھی۔

"ہماری بیٹی ہمارے فیصلے سے کبھی انحراف نہیں

کر سکتی لڑکے۔۔تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔۔!"

وہ پل میں اسے دو کوڑی کا کر چکے تھے۔

"میرے سر کی قسم کھا کر کہیں، حالات کیسے بھی

ہوں آپ کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑیں گی۔۔!"

حدیبہ کے گم ہوتے حواسوں پر فدا کے دو دن

پہلے کہے گئے الفاظ نقش تھے۔اس پل اسے یقین

دہانی کرواتے ہوئے حدیبہ نے ایک پل کو بھی

نہیں سوچا تھا کہ دو دن بعد اس پر ایسے حالات

آئیں گے۔ جبکہ فدا اب کہہ رہا تھا۔

"مجھے آپ سے نہیں حدیبہ شاہ سے جواب

چاہئیے۔۔ کہیے حیبہ۔۔ کیا آپ میرا ساتھ نہیں

دیں گی۔۔؟" ملازموں سے نپٹتا وہ چلا رہا تھا۔

اس کی بلند آواز کے سنگ سانسوں کی تیز آواز

اس کی اندرونی ابتری کی گواہی دے رہی تھی۔

"حدیبہ شاہ کو یہاں سے لے جاؤ بہو۔۔!" جالی

دار دیوار کی جانب دیکھتے ذوالفقار عالم شاہ

سنجیدگی سے بولے۔ ملازم فدا کو گھسیٹ رہے

تھے۔

"چلو دیبہ۔۔!" ناجیہ بیگم نے حدیبہ کو اپنی

جانب کھینچا۔

حدیبہ کی نگاہ سعیدہ بی بی پر پڑی۔وہ آنکھوں میں

آنسو لیے حدیبہ ہی کو دیکھ رہی تھیں۔ان کی

آنکھیں خاموشی سے اس سے التجا کر رہی تھیں۔

"فدا حسین کی دھڑکنیں آپ پر فدا ہیں۔۔!"

اس کی بھاری آواز حدیبہ کے پیروں کی زنجیر بن

رہی تھی۔

"میرے جیتے جی آپ سے بے وفائی میرے لیے

ممکن نہیں یہ بات ذہن نشین کرلیں آپ۔۔!"

اس قدر وثوق سے دعویٰ کرنے والا کس طرح

اس سے بے وفائی کا مرتکب ہو سکتا تھا۔ حدیبہ کا

دل پھٹنے لگا۔

"یہ مت کریں۔ حدیبہ بی بی سے پوچھ لیں ایک

بار۔۔!" فدا کی چلاتی آواز اسے حال میں واپس

کھینچ لائی تھی۔ حدیبہ نے آہستگی سے ناجیہ بیگم

سے اپنا ہاتھ چھڑوالیا۔ ناجیہ بیگم سمیت تمام

خواتین نے اس کی جانب دیکھا جس کی آنکھیں

کہہ رہی تھیں کہ اگر اسے فدا حسین سے جدا کیا

گیا تو مر جائے گی۔

"دیبہ۔۔؟؟"ناجیہ بیگم نے اسے ہلایا۔وہ نظر

انداز کرتی اپنا چہرہ ڈھانپ کر دیوار کے اس پار

دوڑی۔

"صندل اسے روکو۔۔!"ناجیہ بیگم دبی ہوئی آواز

میں چلائیں۔

"خبردار مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔۔!" ملازماؤں

کے ہاتھ جھٹکتی وہ چیخی۔

"مجھے اپنے شوہر کے اس اقدام پر کوئی اعتراض

نہیں ہے۔ ہمارا دین ایک مرد کو چار شادیوں کی

اجازت دیتا ہے تو پھر آپ فدا سائیں کو یہ سزا

کیسے دے سکتے ہیں بابا سرکار۔۔!" لہجے کو مضبوط

بناتی وہ اونچی آواز میں بولی تھی۔ اس کی بات پر

فدا کا دل رک کر تیزی سے دھڑکا تھا۔

"سن لیا آپ نے۔۔؟میری بیوی میرے ساتھ

ہے۔۔!"سید ذوالفقار عالم شاہ کو گھورتے ہوئے

فدا حسین چلایا۔

"سزا پہلی یا دوسری شادی کی نہیں ہے۔شادی

کے لیے عورت منتخب کرنے کی ہے۔ایک کم

ذات عورت کو سید گھرانے کی بہو قبول نہیں کیا

جاسکتا۔۔!" وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش

کرتے گرجدار آواز میں بولے تھے۔

"تو مت کریں۔ لیکن مجھے میری شوہر سے جدا

مت کریں۔ میرا گھر وہ زمین ہو گی جہاں میرا

شوہر رہائش پذیر ہو گا۔ اگر اس حویلی میں فدا

سائیں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے تو میں بھی

یہاں نہیں رہوں گی۔۔!"

اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنساتی وہ لرزتی

ہوئی آواز میں بولی۔ اس کے اس فیصلے پر سید

ذوالفقار عالم شاہ کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ وقار

عالم شاہ بہن کی جرات پر بڑے ضبط سے ہاتھوں

کی مٹھیاں بھینچے کھڑے تھے۔

"میرے فیصلے سے انحراف کے بعد آپ اس

حویلی میں رہنے کی اہل ہیں بھی نہیں حدیبہ بی

بی۔۔ آج سے، ابھی اسی وقت سے آپ اس

حویلی کے لیے مر چکی ہیں۔ آپ اس لڑکے کے

ساتھ جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔۔!" ہاتھوں کی

مٹھیاں بھینچے وہ بڑے ضبط سے بولے تھے۔ ناجیہ

بیگم کی آنکھیں بہنے لگیں جبکہ صندل بیگم کے

چہرے پر ایک استہزاء آمیز مسکراہٹ در آئی۔

حدیبہ نے پلٹ کر ایک نظر ناجیہ بیگم پر ڈالی جو

روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔ وہ ایک

پھیکی مسکان لبوں پر سجاتی مردانہ حصے کی طرف

چلی گئی۔ فدا نے آگے بڑھ کر اس کا برف ہوتا

ہاتھ تھام لیا۔ حدیبہ نے دھندلی آنکھوں سے

منہ موڑے کھڑے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔

"یہ لڑکا۔۔ میرا شوہر ہے جس کے ساتھ میرا

نکاح آپ نے خود پڑھایا تھا۔ جس کے بعد یہ لڑکا

شریعت کے مطابق مجھ پر آپ سے زیادہ حق

رکھتا ہے۔۔!" اپنے باپ کی جانب دیکھتی وہ

مضبوط بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

"گواہ رہئیے گا آپ سب۔۔ حدیبہ شاہ نے اپنی

دنیا خراب کر کے اپنی آخرت کو بچانے کی

کوشش کی ہے۔۔!" پانی بھری آنکھوں سے

آس پاس دیکھتی وہ مدھم آواز میں بولی۔ مرد

حضرات نے اس کے احترام میں اپنی نگاہیں جھکا

لیں۔

"چلیے بی بی۔۔!" فدا نے اسے اپنی جانب کھینچا۔

"آج آپ نے مجھے بے آسرا کیا ہے بابا

جان۔۔اللہ کبھی آپ کو بے آسرا نہ کرے۔اور

اگر کر دے تو سمجھ لیجئے گا کہ حدیبہ شاہ واقعی مر

گئی ہے۔۔"فدا کے ساتھ پلٹتی وہ بھرائی ہوئی

آواز میں بولی تھی۔

وقار عالم شاہ نے سرخ آنکھوں سے بہن کی

جانب دیکھا جو فدا کا ہاتھ تھامے دہلیز پار کر گئی

تھی۔ ان دونوں کے پیچھے ہی مائی کرماں بھی زہرہ

کو سنبھالے نکلتی چلی گئیں۔

"یہ تو ہونا ہی تھا۔۔!" صندل بیگم دھیرے سے

بڑبڑائیں۔ناجیہ بیگم کی آنکھیں بہتی چلی جا رہی

تھیں جبکہ سعیدہ بی بی بے تاثر چہرہ لیے کسی بت

کی مانند کھڑی تھیں۔اُن کی آنکھوں میں ایک

سکون کی سی کیفیت تھی۔

□♦□♦□♦□♦

"سر شمس کہاں ہیں۔۔؟"کاؤنٹر کے اس پار

کھڑی وہ اُس پار ریسیپشنسٹ کی سیٹ پر براجمان

ادھیڑ عمر آدمی سے دریافت کر رہی تھی۔

"مجھے علم نہیں ہے بی بی۔۔اپنے گھر گئے ہیں

شاید۔۔!" رجسٹر پر پین گھسیٹتا وہ لاپرواہی سے

بولا۔

"کہاں ہے اُن کا گھر۔۔آپ مجھے ان کا ایڈریس

دے دیں پلیز۔۔؟"علیشہ نے مدھم لہجے میں کہا

تو اس بار اُس آدمی نے رجسٹر سے نظریں ہٹا کر

علیشہ کی جانب دیکھا۔ بیس اکیس سالہ سرخ و

سپید وہ گڑیا جیسی لڑکی بھوری آنکھوں میں بے

چینیاں سمیٹے کھڑی تھی۔

"دیکھو بی ۔۔ میرا وقت برباد نہ کرو ۔۔ میرے

پاس کوئی ایڈریس نہیں ہے یہاں سے جاؤ۔۔!"

اسے سخت لہجے میں جواب دے کر وہ پھر سے

اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"تو پھر یہی بتا دیں کہ وہ کب واپس آئیں

گے۔۔؟؟" کاؤنٹر پر ہاتھ مارتی وہ اس بار کچھ تپے

تپے سے لہجے میں بولی۔

"او بی بی مجھے کیا پتہ۔۔؟ تم کیوں میرا وقت

خراب کر رہی ہو جاؤ جا کر اپنا کام کرو ورنہ ہیڈ

آفس کمپلین کردوں گا تمہاری۔۔!" رجسٹر بند

کرتے ہوئے اس بار اس آدمی نے علیشہ کو دھمکی

دی تھی۔بدلے میں اس کی بھنویں تن گئیں۔

جبکہ اس کی حالت سے بے بہرہ وہ آدمی اب کچھ

دوسری فائلز کاؤنٹر پر رکھتا ایک فائل اپنے

سامنے کھول چکا تھا۔علیشہ نے بدتمیزی سے اس

کے ہاتھ سے وہ فائل جھپٹ لی۔

"جس کو کمپلین کرنی ہے کر دو۔علیشہ چوہان

اپنے باپ سے بھی نہیں ڈرتی تو تم مجھے کس کی

دھمکی دے رہے ہو ہاں۔۔؟؟؟؟"کاؤنٹر پر

بکھری فائلز ہاتھ مار کر زمین پر بکھیرتی وہ اس پر

چلائی۔ ریسپشنسٹ کو مجبوراً سیٹ سے اٹھنا پڑا

تھا۔ بظاہر نازک دکھائی دینے والی وہ لڑکی اس پل

آتش فشاں بنی کھڑی تھی۔

"واٹس رانگ۔۔یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے

ساجد۔۔؟؟" وہاں سے گزرتے ایک استاد نے

ریسپشنسٹ سے پوچھا۔علیشہ نے بے تاثر

نگاہوں سے اس شخص کی طرف دیکھا جسے وہ بارہا

کمپیوٹر سائنس کے ڈیپارٹمنٹ میں گھستے نکلتے

دیکھ چکی تھی۔

"جناب یہ لڑکی سر شمس کے گھر کا ایڈریس مانگ

رہی ہے۔ آپ جانتے تو ہیں کہ ہمیں اس کی

اجازت نہیں ہے۔۔!" سر عارف کی جانب دیکھتا

وہ ساجد نامی ریسیپشنسٹ قدرے تحمل سے

بولا۔ اس کے جواب پر سر عارف نے کچھ تنبیہی

نگاہوں سے علیشہ کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ حد سے تجاوز کر

رہی ہیں۔۔؟"علیشہ کو سخت نظروں سے دیکھتے

وہ بولے تھے۔

"میری حدود کا تعین میں خود کرتی ہوں اس لیے

آپ مجھے حدود مت بتایئے۔۔!" سر عارف کی

جانب دیکھتی وہ تمسخرانہ لہجے میں بولی۔ اس کی

بھوری آنکھوں میں بے لگامی سے دوڑتی سرکشی

نے سر عارف کو لہجہ مدھم کرنے پر مجبور کر دیا

تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کو سر شمس کے متعلق جو بھی

بات کرنی ہے آپ مجھ سے پوچھیے۔۔میں آپ

کو بتاتا ہوں۔!" وزیٹنگ روم کی طرف اشارہ

کرتے وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔علیشہ نے

زمین سے فائلیں اکٹھی کرتے ریسپشنسٹ کو گھورا

اور پھر سر عارف کی معیت میں وزیٹنگ روم میں

آگئی۔ جاتے جاتے وہ فائلز اپنی سینڈلز تلے

روندنا نہیں بھولی تھی۔

"جی تو آپ کو سر شمس کے گھر کا ایڈریس

چاہئیے۔۔؟" صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھتے

ہوئے سر عارف نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔وہ تین دن سے یونی نہیں آئے میں

ان کے لیے پریشان ہوں۔ان سے ملنا چاہتی

ہوں۔۔!"علیشہ نے بنا لگی لپٹی رکھے صاف گوئی

سے کہا۔

"اور آپ کی تعریف۔۔؟" سر عارف نے

پوچھا۔

"وہ میں باہر اچھے سے کر چکی ہوں۔۔!!" بازو

لپیٹتی وہ مکمل اعتماد سے بولی تھی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ آپ۔۔۔ سر شمس کی

کیا لگتی ہیں۔۔؟ کس بیس پر آپ کو اُن کے گھر کا

ایڈریس دیا جائے۔۔؟" علیشہ کی جانب دیکھتے

ہوئے وہ ہنوز سنجیدہ تھے۔ ان کے سوال پر علیشہ

نے لب بھینچتے ہوئے انہیں گھورا۔

"سٹوڈنٹ ہوں میں اُن کی۔۔!" اس بار وہ چاہ

کر بھی لہجہ مضبوط نہیں کر پائی تھی۔

"سوری۔۔ لیکن آپ کی بیس کمزور ہے، سر شمس

ہزاروں کی تعداد میں طلباء کو پڑھاتے ہیں اب

ہم ہر سٹوڈنٹ کو ان کے گھر کا پتہ تو نہیں دے

سکتے ناں۔۔!" صوفے سے اٹھتے ہوئے سر

عارف نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا۔

"میں صرف سٹوڈنٹ نہیں ہوں۔۔!" وہ جلدی

سے بولی۔

"تو کیا بہن ہیں۔۔؟" وہ فوراً بولے تھے۔ انداز

طنزیہ تھا۔ علیشہ کا خون کھول اُٹھا۔

"دماغ ٹھیک ہے آپ کا۔۔؟؟" وہ ضبط کھوتی

برہم ہوئی تھی۔بدلے میں وہ مسکرا دیے۔

"میرا تو بالکل ٹھیک ہے لیکن جو بات میں آپ کو

بتانے والا ہوں اس کے بعد آپ کا ضرور خراب

ہو جائے گا۔۔!"علیشہ کی جانب دیکھتے وہ کچھ

جتانے والے انداز میں بولے۔

"کیا مطلب۔۔؟"علیشہ کے لب ہلے۔

"مطلب یہ کہ شمس کی وائف کی طبعیت خراب

ہے۔اسی کی وجہ سے وہ لیو پر ہے۔۔!"ایک

ایک لفظ پر زور دیتے وہ اطمینان سے بولے

تھے۔

دھڑام۔۔علیشہ کو لگا ہاسٹل کی چھت اس کے سر

پر آگری ہے۔آنکھوں میں بے یقینی سی بے

یقینی در آئی۔

"کک۔۔یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔؟"

پوچھتے ہوئے اس کی آواز کپکپا گئی۔

"جو حقیقت ہے وہی کہہ رہا ہوں۔۔!" سر عارف

نے آرام سے کہا۔

"اور اس حقیقت کے بارے میں آپ کیسے جان

سکتے ہیں۔۔؟" اپنے آپ کو سنبھالتی وہ پلکیں

جھپکاتے ہوئے بولی۔

"یہ آپکا مسئلہ نہیں ہے بچے۔۔ اگر آپ کو یقین

نہیں ہے تو آپ اُن سے خود پوچھ لیجئے گا۔۔!"

اسے آندھیوں کی زد میں دھکیل کر وہ وزیٹنگ

روم سے باہر نکل گئے۔علیشہ کو اپنے آس پاس

دھماکے ہوتے محسوس ہوئے۔

"مس علیشہ۔۔؟ہیپی برتھ ڈے۔۔!" شمس کی

میٹھی سرگوشی اس کے آس پاس گونجی تھی۔

علیشہ کے دل میں ہوک سی اٹھی۔اس نئ

حقیقت میں گھلی تلخی کچھ ایسی تھی جو بہت تیزی

سے اس کی روح کو کاٹ رہی تھی۔علیشہ نے

سہارا لینے کو دیوار سے لٹکتے بھارے پردے کو

مٹھی میں دبوچ لیا۔ بھوری آنکھوں میں مرچیں

سے بھر رہی تھیں۔

"مطلب یہ کہ شمس کی وائف کی طبیعت خراب

ہے۔اسی کی وجہ سے وہ لیو پر ہے۔۔!" سر عارف

کی آواز نے ایک بار پھر اس کے اندر آگ سی لگا

دی تھی۔ آنکھیں میچتے ہوئے وہ گہرے سانس

لینے لگی۔ کچھ پل یونہی بیت گئے۔ پھر آنکھیں

کھولتی وہ وزیٹنگ روم سے باہر نکلی۔ ریسیپشن

ایریا خالی تھا۔ اس نے سرخ آنکھوں سے سنسنان

پڑی راہداری کو گھورا۔ وہ لب بھینچتی وہاں سے

نکل آئی۔ہاسٹل کے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے

اس کی نگاہ ٹیکسی سے نکلتے شمس پر پڑی تھی۔

علیشہ نے ساکت نگاہوں سے اس کی جانب

دیکھا۔دل میں کہیں ہلچل ہوئی تھی۔

"شمس کی وائف۔۔

شمس کی وائف۔۔۔

شمس کی وائف۔۔۔۔!"علیشہ کے آس پاس

انہی الفاظ کی بازگشت تھی۔وہ بت بنی اپنی جگہ

کھڑی رہی۔ہوش تو اسے تب آیا جب وہ اس

کے پاس سے گزر کر ہاسٹل کا گیٹ پار کر گیا۔

بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے اس نے سائیں

سائیں کرتے دماغ کو ہلایا تھا۔ پھر پلکیں جھپکاتی

الٹے قدموں ٹیچرز ہاسٹل کے گیٹ سے اندر

داخل ہوگئی۔ ریسیپشن ایریا میں گھستے ہی اسے وہ

راہداری میں چلتا نظر آ گیا تھا۔علیشہ سرعت سے

اس کے پیچھے بھاگی۔

"سر۔۔ سر شمس میری بات سنیے۔۔!"اس کے

قریب پہنچتی وہ پھولی ہوئی سانسوں کو سنبھالتی

بولی۔

"مس علیشہ میں تھکا ہوا ہوں پلیز کل یونی میں

سنایئے گا۔۔!" اس کی طرف دیکھے بناوہ عجلت

بھرے انداز میں بولتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ

گیا۔علیشہ کا دل اس پل خون ہو رہا تھا۔

"نہیں مجھے ابھی بات کرنی ہے۔۔!" اس کی

مضبوط کلائی تھامتی وہ ہٹ دھرمی سے گویا

ہوئی۔اس کی جرات پر شمس نے ناپسندیدگی سے

اس کی جانب دیکھا۔بھوری آنکھوں کے

کنارے سرخ ہورہے تھے۔سرخ وسپید رنگت

میں آج کچھ زردی سے گھلی محسوس ہو رہی تھی۔

شمس نے آہستگی سے اپنی کلائی اس کی نرم گرفت

سے چھڑوالی۔

"کیپ یور لمٹس مس علیشہ۔۔میں نے کہاناں

کل۔۔۔!"جینز کی جیبوں میں ہاتھ گھساتا وہ

سنجیدگی سے بول رہا تھا جب وہ اس کی بات کاٹتی

چلا اٹھی۔

"آپ میرڈ ہیں۔۔؟؟" اس کی آنکھوں میں

دیکھتی وہ سلگتے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ سوال

ایسا تھا جس نے شمس کو چونکا دیا۔ اُسے علیشہ کی

آنکھوں میں ناچتی اذیت کا ادراک اُس کے لبوں

سے پھوٹتے سوال سے ہوا تھا۔لب بھینچتے

ہوئے اس نے اطراف میں دیکھا۔راہداری

سنسان پڑی تھی۔ شمس نے ہاتھ بڑھا کر کمرے کا

دروازہ کھولا اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے

اندر گھس گیا۔

"میں نے جو پوچھا ہے مجھے اس کا جواب دیجئیے۔

کیا آپ میرڈ ہیں۔۔؟؟" اس کا ہاتھ جھٹکتی وہ

غرائی۔

"جی ہاں میں میرڈ ہوں۔۔!" جینز کی جیبوں میں

ہاتھ پھنساتے ہوئے اس نے کافی تحمل سے

جواب دیا۔ علیشہ کی سرخ آنکھیں اس کے

جواب پر ساکت رہ گئیں۔ پلکوں پر تیزی سے نمی

جمع ہوئی تھی۔

"کیوں۔۔؟؟؟ کیوں چھپایا۔۔؟؟" اس کے سینے

پر ہاتھ مار کر اسے پیچھے دھکیلتی وہ چلائی۔ بھوری

آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھک

آئے۔ گلاب رخساروں پر شبنم کی مانند پھسلتے

آنسو وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ وہ ضدی اور اکھڑ

مزاج بھلا رونے والوں میں سے کب

تھی۔۔؟؟؟

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ نے کبھی پوچھا

نہیں تو میں نے کبھی بتایا بھی نہیں۔۔!" اپنے دل

کو سنبھالتا وہ بے تاثر لہجے میں بولا ورنہ دھڑکنیں

تو مقابل کھڑی موم کی گڑیا کے سنگ پگھلنے کو تیار

تھیں۔اس کے جواب پر علیشہ نے نفی میں سر

ہلاتے ہوئے اپنے گال رگڑ ڈالے۔

"جھوٹ بولتے ہیں آپ۔۔ جھوٹے ہیں آپ۔۔

بے وقوف بنایا ہے آپ نے مجھے۔۔!" بھیگی

آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھتی وہ بھیگی ہوئی آواز

میں بولی۔ شمس کو شدت سے احساس ہوا کہ اس

لڑکی کے رونے کا انداز اس قدر معصومانہ ہے کہ

وہ اپنے آنسوؤں سے کسی پتھر کو بھی موم کر سکتی

تھی۔

"بنے ہوئے کو کوئی کیا بنائے گا مس علیشہ۔۔

آپ خود بے وقوف ہیں اور اپنی بے وقوفی کے

ہاتھوں آج یہ دن دیکھ رہی ہیں۔میں نے تو ہمیشہ

آپ کو صرف سٹوڈنٹ سمجھا ہے۔۔!"خود پر

ضبط کرتے ہوئے وہ بڑی مشکلوں سے بولا تھا۔

"لیکن میں نے آپ کو صرف ٹیچر نہیں سمجھا اور

یہ بات آپ ہمیشہ سے جانتے ہیں۔۔!" وہ فوراً

بولی تھی۔

اس کے صاف کورے جواب پر شمس نے اپنے

لب بھینچ لیے۔

"جو بھی سمجھا تھا، اتنا واضح ہے کہ سمجھنے میں

غلطی آپ کو ہوئی ہے۔ میں اس کے لیے جوابدہ

نہیں ہوں۔۔!" اس کی قیامت خیز آنکھوں سے

اپنا دل بچانے کی ناکام کوشش کرتا وہ مکمل

سنجیدگی سے بولا تھا۔

"تو یعنی آپ کو مجھ سے محبت نہیں

ہے۔۔ ہمم۔۔۔؟؟" اس کے قریب ہوتی وہ

بپھرے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"آپ یہاں سے جائیے پلیز۔۔میں آپ کے

سامنے جوابدہ نہیں ہوں۔۔!" اس کی جانب سے

رخ موڑ تا وہ سنگدلی سے گویا ہوا۔علیشہ کا دل اس

پل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

"اور اگر نہ جاؤں تو کیا کر لیں گے آپ۔۔۔؟؟"

وہ ضد پر اترنے لگی۔ آنکھیں بے اختیار بہے چلے

جا رہی تھیں۔

"کم از کم اعتراف محبت تو بالکل نہیں کروں

گا۔۔!" ہاتھ پشت پر باندھتے ہوئے اس نے بے

تاثر لہجے میں کہا۔

"اب ضرورت رہی بھی نہیں شمس

صاحب۔۔!" روتے روتے ہنستی وہ بھیگی آواز

میں بولی۔ دل پر کڑے پہرے بٹھاتے ہوئے

شمس نے ہار مانتی آنکھوں سے اس کی جانب

دیکھا۔

"تو پھر وہ کون سی ضرورت ہے جس کی شدت

نے آپ کے قدموں سے لپٹ کر اس کمرے کی

زمین کو جکڑ رکھا ہے مس علیشہ۔۔؟" پوچھتے

ہوئے شمس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"آپ سے شکست کھا کر زمین میرے قدموں

سے نکل چکی ہے سر جی۔۔ گرنے سے بچانے کو

جس ضرورت نے زمین کو جکڑ رکھا ہے وہ

ضرورت آپ سے اظہار نفرت کی ہے۔۔وہ جو

ضدی سا۔۔ڈھیٹ سا لل۔۔۔لیکن۔۔خوشنما

سا جذبہ تھاناں۔۔۔؟" اپنی بات پوری کرنے کو

علیشہ نے روتے روتے وقفہ لیا۔اس کے لبوں پر

لفظوں کے تشدد سے دم توڑتی سسکیاں شمس کا

دل جلا رہی تھیں۔

"اسے۔۔۔اس جذبے کو اظہار کا لباس پہنا کر

اپنی عزت نفس کو برہنہ نہیں کروں گی۔۔!"

اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ جتانے والے انداز

میں کہہ رہی تھی۔ شمس کے لیے مزید برداشت

کرنا محال ہونے لگا۔

"آپ جائیں پلیز۔۔!" کمرے کے دروازے کی

طرف اشارہ کرتا وہ چلایا۔ ضبط اس سے خفا ہوتا

اس کا ساتھ چھوڑنے کی تیاریوں میں تھا۔

"نفرت ہو گئی ہے آپ سے۔۔ سن رہے ہیں۔؟

نفرت ہو گئی ہے۔۔!" اسے پیچھے دھکا دیتی وہ

چلائی۔ شمس کی آنکھوں میں سرخائی اترنے لگی۔

"نفرت ہو گئی ہے۔۔!" روتے ہوئے بڑبڑاتی وہ

اس کے کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

□♦□♦□♦□♦

"بتاؤناں تم کب مرو گے۔۔؟؟؟" وہ بھیگی ہوئی

آواز میں چلائی تھی۔ منصب کے دل کی

دھڑکنیں اس پل بے قرار ہوتی سینے میں مچل

رہی تھیں۔

"تمہارے نزدیک مرنا کیا ہے ماہی۔۔؟؟" بیڈ

سے اٹھتا وہ مدھم ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اتنے بھولے تو نہیں ہو تم کہ تمہیں موت کے

معنی معلوم نہ ہوں۔۔!" اس کے سوال کے

بدلے مہر ماہ کی تلخ آواز فون کے سپیکر سے

ابھری تھی۔

"میرے نزدیک موت کے معنی اگر قبر میں

اترنے کے ہی رہتے تو شاید میں تم سے یہ سوال نہ

کرتا۔ مرنا تو یہ بھی ہے کہ میں۔۔ منصب عالم

شاہ نہیں رہا۔۔!" وہ مکمل سنجیدگی سے بولتا

گلاس ونڈو کے قریب آگیا۔

"مرنا تو یہ بھی ہے کہ میں تمہارے معاملے میں

بے بس ہو گیا ہوں۔۔!" بولتے ہوئے اس کی

آواز بھاری ہونے لگی۔

"موت تو یہ بھی ہے کہ میرے اور تمہارے

مابین سات سمندر حائل ہیں۔!" کہتے ہوئے وہ

انتہاء کی اذیت برداشت کر رہا تھا۔

"اور جب ہر رات گہری نیند سے جاگتی میری

پیاسی آنکھوں کو تمہارا چہرہ نصیب نہیں ہوتا

ناں؟ تو موت تب بھی آتی ہے ماہی۔۔۔!" وہ

جذبات کی رُو میں بہتے ہوئے بولتا جارہا تھا۔

"تم کس موت کی بات کررہی ہو۔۔؟؟ میں تو ہر

دن، ہر پل۔۔پل پل تمہاری یاد میں مرتا ہوں،

اور یہ موت اس موت سے زیادہ اذیت ناک ہے

جو ایک ہی بار آتی ہے اور انسان کو ہر درد سے

نجات دے دیتی ہے۔۔!" تصور میں اس کا بھیگا

چہرہ آباد کیے وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولتا چلا گیا۔

"میرے ساتھ یہ ڈرامے مت کرو منصب عالم

شاہ۔۔ اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے تم ہر حد پار

کر سکتے ہو یہ اچھے سے جانتی ہوں میں۔۔!" اس

کے جواز رد کرتی وہ چلائی تو منصب نے اذیت

سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

"تمہارا یہ لہجہ۔۔۔

یہ انداز،

یہ الفاظ۔۔۔یہ سب قاتل ہیں ماہی۔۔اور میں

اِن کے وار سے مر رہا ہوں۔۔مر رہا ہوں

یار۔۔!" کھڑکی کے شیشے پر سر ٹکاتا وہ شکست

خوردہ لہجے میں بولا۔

"مجھے تمہاری یہ موت سکون نہیں دیتی۔مجھے

تمہاری ابدی موت قرار دے گی۔وہ موت جس

کے بعد تمہیں سانس نہ آئے۔وہ موت جس

کے بعد تمہارا چہرہ منوں مٹی تلے دفن ہو کر

میری نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو

جائے۔ سن رہے ہوناں تم۔۔؟ میں تمہاری

موت چاہتی ہوں تم مر جاؤ۔۔۔!" اس کی نفرت

میں پاگل ہوتی سفاکیت کی حد کر گئی۔ منصب کی

سرمئی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔ مہرماہ کے لہجے

کی نفرت اس کی سماعتوں میں اترتی اس کی رگوں

میں پھیلنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔۔میں تمہاری چاہت پوری کر دیتا

ہوں۔۔مر جاؤں گا۔لیکن میری آخری خواہش

کے احترام کے طور پر۔۔تم ایک بار۔۔صرف

ایک بار مجھے اپنا قرب بخش دو۔۔ موت سے پہلے

مجھے قرار دے دو میں بخوشی مر جاؤں گا۔۔!"

فون سختی سے پکڑے وہ لہجے میں شدت سموئے

بولا تھا۔ اس کا تقاضا سن کر لاکھوں میل دور بیٹھی

مہر ماہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

اس کے بھاری لہجے سے ٹپکتی شدت و جنوں خیزی

نے اسے لرزا ڈالا تھا۔

"تت۔۔۔ تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔

تم۔۔۔ تم گھٹیا انسان۔۔ تمہاری محبت تمہارے

جذبات تمہارے الفاظ سب کچھ گھٹیا ہے۔ اور

میرے جیتے جی میں کبھی تمہیں یہ گھٹیا قرار

نصیب نہیں ہونے دوں گی۔۔۔!" اسے جواب

دیتے ہوئے مہرماہ کی آواز کپکپا اٹھی تھی۔

"تو پھر میری بھی سن لو۔۔ تمہیں حاصل کیے

بغیر میں موت کو خود تک پہنچنے نہیں دوں گا مہرماہ

حسین۔۔تم۔۔میری ہو۔۔صرف میری۔۔!"

سرخ آنکھوں سے شیشے کے پار سیاہ آسمان کو

گھورتا وہ اس بار سخت لہجے میں بولا تھا۔

"اگر ایسا ہے تو پھر صرف تمہاری ہی کیوں؟ میں

تو تمہارے عیاش دوستوں کی بھی ہوں۔ جیسے

پہلی مرتبہ وہ حصہ دار تھے۔۔۔!" اپنی کم مائیگی

پر بے بس ہوتی وہ روتے ہوئے بول رہی تھی

جب اس کی بات کاٹتا وہ دہاڑا تھا۔

"مار،ڈالوں گا۔۔ ہر اس شخص کو جان سے مار

دوں گا جو تمہیں سوچنے کی کوشش بھی کرے

گا۔اور جن کتوں کی وجہ سے تمہیں آج تکلیف

اٹھانا پڑی ہے وہ اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔۔!"

غصے میں کہہ کر منصب نے کال کاٹ دی۔تو یعنی

وہ صارم اور عبداللہ والے معاملے سے انجان

نہیں تھا۔؟؟سوچتے ہوئے مہرماہ کو شدت سے

احساس ہوا کہ اس نے منصب عالم شاہ کو کال

کر کے سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ہاں وہ پہلے

والا منصب عالم شاہ نہیں رہا تھا لیکن مہر ماہ کے

معاملے میں وہ اول روز کی طرح ضدی تھا اور یہ

بات آج مہر ماہ پر بخوبی واضح ہو چکی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

ایک جھٹکے سے میز پر ہاتھ مارتا وہ شیشے کی میز پر

رکھے لوازمات زمین پر بکھیر چکا تھا۔ زمین پر بچھے

دبیز قالین کے باعث شیشے کے ڈیکوریشن پیسز

ٹوٹنے کی آواز نہ ہونے کے برابر پیدا ہوئی تھی۔

"کیوں۔۔؟ کیوں۔۔۔؟ میرے ساتھ ہی

کیوں۔۔؟؟" کمرے میں ہر جانب قہقہے لگاتی اپنی

شکست سے مخاطب ہوتا وہ چلایا۔ شدید غصے میں

بیڈ کو راس نے کھینچ کر اتارا تھا۔

"ہوگئی ناں غلطی۔۔۔ ہو گیا گناہ۔۔۔ معافی۔۔

کیا معافی نہیں مل سکتی۔۔۔؟؟" فرنشڈ دیواروں

کو گھورتا وہ کمرے کے خالی پن سے سوال کر رہا

تھا۔ سرمئی آنکھوں میں ابھرتے سرخ ڈورے

اس کے اندر کی وحشت کا پتہ دے رہے تھے۔

منصب نے بے چینی سے اپنے بالوں کو مٹھیوں

میں جکڑ لیا۔

"کیا اس قدر محبت۔۔اس حد تک عقیدت۔۔؟

مجھے تم ہی سے ہونا تھی ماہی۔۔؟؟؟" دھیرے

سے بڑبڑاتا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آئینے

کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سامنے ابھرتا عکس چیخ چیخ

کر اس کی بے بسی کا اعلان کر رہا تھا۔ خود کے

عکس کو نم آنکھوں سے گھورتے ہوئے اس نے

آہستگی سے آئینے کو چھوا۔

"تم کہاں ہو۔۔؟ تمہارا وہ غرور کہاں ہے منصب

عالم شاہ۔۔۔ وہ لاپرواہی وہ بے نیازی۔۔۔؟؟"

خود کی ہی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بے بسی

سے سوال کر رہا تھا۔ ایک آنسو بہت آہستگی سے

اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر گال پر پھسلا تھا۔

اسے اپنی آنکھوں میں مہر ماہ حسین کا عکس نظر

آنے لگا۔ منصب نے تھک کر آنکھیں موند

لیں۔

"بصیرت خراب۔۔!" وہ بڑبڑایا۔

"میں تو تمہارے دوستوں کی بھی ہوں۔۔ جیسے

پہلی مرتبہ وہ حصہ دار تھے۔۔!" اس کی تلخ آواز

گونجی تو منصب نے تڑپ کر آنکھیں کھولیں۔

آئینے میں نظر آتا عکس لبوں پر پھیکی مسکان

سجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ منصب نے دھیرے

سے اثبات میں سر ہلایا۔

"سماعت بھی خراب۔۔!" اس نے جیسے اعتراف

کیا تھا۔ دل نے اس کی حالت پر شور مچایا تھا۔

منصب نے ہولے سے اپنا سینہ تھپتھپایا جیسے دل

کو حوصلہ دیا تھا۔

"دل بھی خراب۔۔!" وہ خود کو باور کروا رہا تھا۔

"ناکارہ ہو تم۔۔ تم۔۔۔ تم پورے کے پورے

خراب ہو منصب عالم شاہ۔۔بے کار ہو چکے ہو

تم۔۔!" آئینے میں اپنے عکس پر سینے کے مقام پر

شہادت کی انگلی جماتا وہ جتانے والے انداز میں

بولا۔

"تمہاری آنکھوں میں اب غرور نہیں، وہ۔۔۔وہ

لڑکی ہے۔۔!" کہتے ہوئے وہ خود پر ہنسا تھا۔

"تمہاری سماعتوں میں اب لاپرواہی نہیں ہے۔۔

اُس کی آواز ہے۔۔!" وہ پھر سے رونے لگا۔

"دل میں دھڑکنوں کی آواز نہیں، ماہی کے نام

کی صدائیں ہیں۔۔!" اپنے سینے پر ہاتھ مارتا وہ

چیخا۔ اسے پتہ نہیں چل رہا تھا لیکن وہ روتا چلے جا

رہا تھا۔

"پاگل ہو گیا ہوں میں۔۔ کس کو بتاؤں۔ کس

سے اپنے مر جانے کا افسوس کروں۔۔؟ کس کے

کندھے پر سر رکھ کر اپنی موت کا ماتم کروں۔؟؟

بولو۔۔؟؟" اس نے اپنے عکس سں پوچھا تھا۔۔

جواب ندارت۔۔

"بول ناں۔۔ کوئی تو بولے۔۔؟؟" اطراف میں

دیکھتا وہ روتے ہوئے چلایا۔ اس کے آس پاس

بولنے والا کوئی نہیں تھا۔ فقط اس کی تنہائی تھی جو

اس کی حالت پر افسردہ ہوتی اس کے گلے لگتی

اسے حوصلہ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ خود

سے لڑتا۔ پاگلوں کی طرح سوال کرتا تھکنے لگا تو

بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ سر

اونچا کر کے وہ چھت کو سوجی آنکھوں سے

گھورنے لگا۔لب خاموش ہو چکے تھے۔ سرخ پانی

بھری آنکھوں سے چھت کو دیکھتے ہوئے وہ

ایک بار پھر اپنی زیادتیوں کو یاد کرنے لگا۔اس

کے دکھتے ہوئے ذہن کو اس پر ترس آنے لگا وہ

لیکن بے رحم بنا خود کو اپنی ناانصافیاں یاد کروا رہا

تھا۔ وہ اذیت کی جس انتہا پر تھا اس کے بعد اس

کے نزدیک خودکشی جیسا عمل بالکل مشکل نہیں

رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں دہکتا جنون بتا رہا

تھا کہ مہرماہ حسین کو حاصل کرنے کے لیے اسے

زندگی کا بوجھ گوارا تھا۔ موت کی آسانی کو گلے لگا

کر وہ مہر ماہ حسین کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر

سکتا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

لکڑی کے بنچ پر بیٹھی وہ خاموشی سے آنسو بہا رہی

تھی۔ بھٹائی ہاسپٹل کی راہداریوں میں شام کے

اس پہر ایک چہل پہل لگی ہوئی تھی۔ اتنے

نفوس کی متحرک موجودگی سے بے بہرہ وہ اپنی

جگہ ساکت سی بیٹھی ہوئی تھی۔ زہرہ کا ٹریٹمنٹ

جاری تھا۔ فدا ڈاکٹرز کی ہدایات مانتا کافی

مصروف نظر آرہا تھا جبکہ وہیں ایک طرف دیوار

سے لگی کھڑی مائی کرماں روتے ہوئے زہرہ کے

لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ ترچھی نگاہوں سے

اس نے بار ہا حدیبہ کا چہرہ دیکھا جس پر سبجی سیاہ

آنکھوں سے صبح ہی سے سیل رواں جاری تھا۔

نوشہر و فیروز تو کیا۔۔ سید ذوالفقار عالم شاہ کی

سنگدلی کے باعث سکھر کے کسی ہاسپٹل میں زہرہ

کا علاج نہیں کیا گیا تھا۔ مجبوراً انہیں بے حال

زہرہ کو حیدر آباد لے کر آنا پڑا تھا۔

"آپ کے کھڑے رہنے سے وہ ٹھیک نہیں ہو

جائے گی مائی۔۔بیٹھ جایئے پلیز۔۔!" فدا کی

مدھم آواز حدیبہ کی سماعتوں میں اتری تو اس

نے گردن موڑ کر مائی کرماں کے قریب کھڑے

فدا کی جانب دیکھا۔ دکھتی آنکھوں کی جلن

بڑھنے لگی۔ وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

"مجھ کملی کو تو عادت ہے سرکار۔۔ آپ کافی دیر

سے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔۔ آپ گھڑی بھر

کو سانس لے لیں۔۔" اپنے آنسو پونچھتے ہوئے

مائی کرماں نے اس کی فکر میں کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مائی۔۔میں بالکل ٹھیک

ہوں۔۔!" فدا نے نرمی سے کہا تو مائی کرماں نے

ایک بار پھر حدیبہ کی جانب دیکھا۔فدا نے بھی

لب بھینچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا جس کے

آنسو اس کا دل چیر رہے تھے۔

"بی بی نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اور روئے چلی

جا رہی ہیں۔ آپ ہی سمجھائیں مجھ سے تو بات بھی

نہیں کر رہیں۔۔!" آواز کو مدھم کرتے ہوئے

مائی کرماں نے سرگوشیانہ کہا۔ وہ سر اثبات میں

ہلاتا قدم قدم چلتا اس کی جانب آگیا۔ وہ ہنوز سر

جھکائے بیٹھی رہی تو فدا خود بھی آہستگی سے اس

کے سامنے پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

حدیبہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"حیبہ۔۔کچھ۔۔کھالیں پلیز۔۔!"اس کے ہاتھ

تھامتے ہوئے وہ گزارش کرنے والے انداز میں

بولا تھا۔

"زہر لا دیں۔۔ کھا لیتی ہوں۔۔!" کاٹ دار

نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ غرائی۔ فدا نے تڑپ

کر اس کی جانب دیکھا۔

"آپ کو لا کر دینے سے پہلے میری جان نہ نکل

جائے۔۔!" اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا وہ

بے چینی سے گویا ہوا تو حدیبہ نے نچلا لب

دانتوں میں دباتے ہوئے چہرے کا رخ موڑ لیا۔

"کم از کم اب یہ دکھاوا مت کریں ورنہ مرنے

کے لیے مجھے زہر کی ضرورت بھی نہیں پڑے

گی۔۔!" فرش کو گھورتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولی تو اس کے ہاتھوں پر فدا کی گرفت سخت ہو

گئی۔

"رحم کریں حیبہ۔۔ تھوڑا سا رحم کریں یار۔۔

آپ کو سچ نہیں پتہ ہے۔میں سب بتاؤں گا آپ

کو لیکن پلیز۔۔پہلے کچھ کھا لیں۔۔!"اس کے

ہاتھ اپنی پیشانی سے لگا تا وہ آنکھیں بند کرتے

ہوئے بولا تو حدیبہ نے سرخ آنکھوں سے اس کا

اپنے سامنے جھکا سر دیکھا۔ وہاں سے گزرتے

لوگ کچھ حیرت سے اس شخص کی مقابل بیٹھی

عورت سے عقیدت دیکھ رہے تھے جو اس پل

اُس کے وجود سے بے نیاز نظر آ رہی تھی۔

"کہہ تو رہی ہوں زہر لا دیں۔۔!" وہ سنگدلی سے

گویا ہوئی۔

"اور ہمارا بچہ۔۔؟" فدا نے اس بار سوچ سمجھ کر

وار کیا تھا۔ حدیبہ نے تڑپ کر اس کی گرفت سے

اپنے ہاتھ کھینچے۔

"اسی کی خاطر تو آپ کے ساتھ آئی ہوں۔۔!"

اپنے بھیگے گال صاف کرتی وہ بڑی صفائی سے

جھوٹ بولی تھی۔بدلے میں وہ پھیکی ہنس

دیا۔

"پھر میرے کیے کی سزا اسے کیوں دے رہی

ہیں جو ابھی اس دنیا میں آیا بھی نہیں۔۔؟خود پر

نہیں تو اسی پر رحم کریں۔۔!" کھڑے ہو کر اس

کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فدا نے کہا تو اس

کی بات کا مطلب سمجھ کر حدیبہ نے سرخ

آنکھوں کی پلکیں جھپکائیں۔ اپنی جانب بڑھا اس

کا ہاتھ جھٹکتی وہ کھڑی ہوئی لیکن کمزوری کے

باعث لڑکھڑا گئی۔ فدا نے سرعت سے اسے تھاما

تھا۔

"پلیز۔۔ ضد نہ کریں۔۔!" اسے خود سے لگاتا وہ

منت کرنے والے انداز میں بولا تو اپنے آنسو پیتی

وہ اس کے ساتھ کینٹین کو جاتے راستے پر چلنے

لگی۔

□♦□♦□♦□♦

"آپ تو روک سکتی تھیں سعیدہ۔۔ آپ نے

کیوں ہونے دیا یہ ظلم۔؟؟ کیسی بہن ہیں

آپ۔۔؟ کیسا دل ہے آپکا جو اس معصوم کو در در

کی ٹھوکریں کھانے کے لیے آپ نے یہاں سے

جانے دیا۔۔؟؟"وہ سعیدہ بی بی کے پیچھے چھوٹی

حویلی ہی چلی آئی تھیں۔ناجیہ بیگم کی دہائیوں پر

سعیدہ بی بی نے ساکت نظروں سے اُن کی جانب

دیکھا۔ وقار عالم شاہ کی زندگی میں آنے والی پہلی

عورت اُن کے مقابل کھڑی ہوئی تھی۔

"میرے بس میں کبھی کچھ نہیں رہا۔۔!" سعیدہ

بی بی نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"کبھی کی نہیں میں آج۔۔ابھی کی بات کر رہی

ہوں۔ چھوٹی حویلی کی گدی آپ نے سنبھالی

ہوئی ہے۔ آپ فدا کے لیے آواز اٹھا سکتی

تھیں۔۔!" انہیں کندھوں سے تھامتے ہوئے

ناجیہ بیگم نے تاسف دہ لہجے میں کہا۔

"میں آواز اٹھاتی اور اگلے روز میرے بھائی کی

آواز ہمیشہ کے لیے بند کر دی جاتی۔۔؟؟" خالی

خالی نظروں سے ناجیہ بیگم کی جانب دیکھتے ہوئے

سعیدہ بی بی نے مدھم آواز میں کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ میری نگاہوں

سے اوجھل ہو گیا ہے۔۔؟ کیا فرق پڑتا ہے اگر

وہ ایک شاندار زندگی کی بجائے کسمپرسی کی

حالت میں زندگی بسر کرے۔۔؟؟" پوچھتے

ہوئے ایک پھیکی مسکان نے اُن کے خشک لبوں

کو چھولیا۔

"میں چاہتی ہوں کہ وہ بس، 'زندگی بسر

کرے'۔۔۔ چاہے جیسے بھی کرے۔ لیکن اس

کی سانسیں چلتی رہیں۔۔!" ناجیہ بیگم کے ہاتھ

پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں

بولیں تو ناجیہ بیگم نے ہولے سے نفی میں سر

ہلایا۔

"ماموں سرکار اتنے ظالم نہیں ہیں۔۔!" سعیدہ

بی بی کی بات کا مطلب سمجھتی اجیہ بیگم کے لب

ہلے۔

"میں مانتی ہوں کہ عمر میں مجھ سے بڑی ہونے کی

وجہ سے آپ تایا سرکار کو مجھ سے پہلے سے جانتی

ہیں۔۔ لیکن۔۔۔ مجھ سے بہتر نہیں جانتی۔۔!"

فرش کو گھورتے ہوئے وہ سرد ترین لہجے میں

بولیں تو ناجیہ بیگم نے خوفزدہ نگاہوں سے ان کی

جانب دیکھا۔ سفید رنگت میں زردی گھلی ہوئی

تھی۔

"جو بھی ہے لیکن اسے آسائشات کی عادت ہے

سعیدہ۔۔وہ کیسے باقی کی زندگی گزارے گا۔۔؟"

ناجیہ بیگم ہنوز فدا کے لیے متفکر تھیں۔بدلے

میں سعیدہ بیگم ہولے سے مسکرائیں۔

"اس کی زندگی کا سامان (حدیبہ) اس کے ساتھ ہے۔ ان شاء اللہ وہ ایک مکمل زندگی گزارے گا۔۔!" گہرا سانس لیتی سعیدہ بی بی مطمئن سے لہجے میں بولی تھیں۔ ناجیہ بیگم نے بھیگی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا یا۔

"اللہ آپ کی دعا قبول فرمائے۔۔!" ناجیہ بیگم

بڑبڑائی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦□♦

دھندلی نگاہوں سے سیاہ آسمان کو دیکھتی وہ گیلی

ریت پر قدم رکھتی ہلکی رفتار سے چل رہی تھی۔

خنک ہوائیں اس کے وجود کو چھوتی پشت پر

بکھرے بالوں میں ہلچل مچا رہی تھیں۔ شوریدہ

سر سمندر کی رقص کرتی لہریں اس کی سفید

پیروں کو چھو کر واپس پلٹتی ایک نئے جوش سے

اس کی جانب آتی لیکن آج اس کے قدموں میں

کوئی لڑکھڑاہٹ نہیں آئی تھی۔وہ پیروں میں

پہنا کھسہ سمندر کے پانی کے حوالے کر چکی تھی۔

بھوری آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک سیلاب جمع

تھا جو بہہ جانے کو بے تاب اس کی آنکھیں سرخ

کیے دے رہا تھا۔ علیشہ چوہان۔۔ آج اس کے

پاس کچھ نہیں بچا تھا۔ اپنا دل، اپنی انا۔۔ اپنا غرور

وہ سب ہار چکی تھی۔ اس کے سوا وہاں اکا دکا افراد

ہی تھے جو سمندر کے سنگ اپنی تنہائی کو رو رہے

تھے ورنہ زیادہ تعداد کپلز کی تھی جو بانہوں میں

بانہیں ڈالے ایک دوسرے کے سنگ خوش

گپیوں میں مصروف تھے۔

"رات کا وقت ہے آپ آگے مت جایئے

پلیز۔۔" نسوانی آواز پر علیشہ نے چونک کر دائیں

جانب دیکھا۔چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی

لڑکی اچھلتے ہوئے خود سے دور جاتے مرد کو پکار

رہی تھی۔ تبھی ایک تیز لہر علیشہ کے قدموں

سے ٹکرائی تھی وہ لڑکھڑا سی گئی۔ایسا ہی ایک

منظر اس کی یادداشت کے پردے پر لہرایا تھا۔

"آپ کے پلٹ جانے سے میرے قدم کبھی

لڑکھڑا نہیں سکتے اور خود کو دیکھیے۔۔ آپ گرنے

والی تھیں۔!"

شمس کی مسکاتی آواز اس کے آس پاس ہی کہیں

ابھری تھی۔وہ شکست خوردہ سی ہو کر وہیں بیٹھتی

چلی گئی۔ رونا جس کے لیے ناممکنات میں سے تھا

وہ اس پل ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ

کر رو رہی تھی۔ اسے تو فضہ کی نگاہیں ہی شمس

کے گرد برداشت نہیں تھیں اور کجا کہ بیوی کا

رتبہ رکھنے والی ایک عورت۔۔؟ وہ رو رہی تھی۔

خود سے خفا ہو کر۔۔ شمس سے جدا ہو کر۔۔

سمندر کی لہریں اس کے وجود کو بھگوتی چلی جارہی

تھیں۔ لیکن اسے کچھ ہوش نہیں تھی۔

"کم از کم اعتراف محبت تو بالکل نہیں کروں

گا۔۔!" لہجہ کس قدر لاپرواہ تھا۔۔؟ انداز کیسا

جان لیوا تھا۔ وہ محبت کرنے والوں پر ہنستی تھی تو

پھر آج اپنے انجام پر رونا کیوں۔۔؟ کوئی اس

کے اندر چلایا تھا۔ علیشہ کی سسکیوں میں اضافہ

ہونے لگا۔ چہرہ جھکائے، ہاتھوں میں چھپائے وہ

روتے روتے سجدے کی سی حالت میں جھک گئی۔

اس سے پہلے کہ سمندر کا پانی اس کی ناک یا منہ

میں گھستا کسی نے اسے دائیں کندھے سے تھام کر

سیدھا کیا تھا۔علیشہ نے ہاتھ گردن موڑ کر

دھندلی نگاہوں سے مقابل کی جانب دیکھا۔بلیو

جینز پر وائٹ شرٹ پہنے وہ پنجوں کے بل اس

کے قریب بیٹھا بغور اسی کو دیکھ رہا تھا۔اس کا ہاتھ

جھٹکتی وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"آ۔۔آپ۔۔؟؟" چہرے پر آتے گیلے بالوں

کی کچھ لٹیں پیچھے کرتی وہ حیرت اور ناپسندیدگی

کے ملے جلے تاثرات سمیت بولی۔

"تم چاہو تو تھوڑی پیچھے چل کر نمازِ ندامت ادا کر

سکتی ہوں۔۔یہاں پانی کا بہاؤ تیز ہے، آنسوؤں

کے ساتھ خود بھی بہہ جاؤ گی۔۔!" اس کی جانب

اپنی مخصوص سرد نگاہوں سے دیکھتا بے تاثر لہجے

میں بولا تھا۔علیشہ نے اپنے لب بھینچتے ہوئے

گال صاف کیے۔

"مسٹر بدر لغاری۔۔میری ندامت آپ کا مسئلہ

نہیں۔۔!"اس کی سیاہ ترین آنکھوں میں دیکھتی

وہ تلخی سے گویا ہوئی۔ہلکی ہلکی بھوری شیو کے

حصار میں گھرے بدر کے لب،علیشہ کے جواب

پر ایک جانب کو زرا سا پھیل کر سمٹ گئے۔ انداز

طنزیہ تھا۔

"لیکن تمہارا بہہ جانا ضرور میرے لیے مسئلہ

ہے۔۔!"ساکت نگاہوں سے اسے گھورتے وہ

ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا تو علیشہ نے اس بار کچھ

پریشان ہو کر اس کی جانب دیکھا۔ مقابل کا لہجہ

ہی اس قدر رعب دار اور مضبوط تھا کہ وہ اندر

تک ہل جایا کرتی تھی۔

"دیکھئے۔۔ آپ اپنی حد میں رہیں۔۔!" اپنا آپ

سنبھال کر کھڑی ہوتی وہ کچھ مدھم آواز میں

بولی۔ لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ اسے کھڑا ہوتے دیکھ وہ

خود بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ سرخ و سفید رنگت پر سجی

سیاہ شفاف آنکھوں میں ہمیشہ جیسی سفاکیت

چمک رہی تھی۔

"بدر لغاری اپنی حدود، خود متعین کرتا ہے۔ تم

مجھے اگر میری حدود بتاؤ گی تو خود محدود ہو جاؤ

گی۔۔!" اس کی بھوری آنکھوں میں اپنی سیاہ

آنکھیں گاڑھتا وہ اسے باور کروانے والے انداز

میں بولا تو علیشہ نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اپنے

چہرے کا رخ موڑ لیا۔ اسے اپنے استعمال کیے گئے

الفاظ یاد آنے لگی۔

"میں اپنی حدود کا تعین خود کرتی ہوں۔!" اور

مقابل کھڑا شخص آج اس کی حدود کا گھیرا اسی

کے گرد تنگ کر رہا تھا۔ اپنے آپ سے گھبراتی

وہ اس سے دور ہونے لگی۔ اس نے سچ کہا تھا کہ وہ

اپنے باپ سے بھی نہیں ڈرتی لیکن وہ شخص جب

بھی اس کے مقابل آیا کرتا تھا اسے کہیں نہ کہیں

خوف کا احساس کروا دیا کرتا تھا۔وہ تیزی سے

پیچھے ہٹتی اس سے دور ہونے کی کوشش میں شاید

خود کو زندگی سے دور کر رہی تھی۔پانی اس کے

کندھوں تک آنے کو تھا۔علیشہ کے پاؤں زمین

سے اکھڑنے لگے۔ خود کو بے لگام لہروں کے

حوالے کرنے سے پہلے اس نے بدر لغاری کو

تیزی سے اپنی جانب آتے دیکھا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"علیشہ۔۔!" وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ پیشانی پسینے

سے تر تھی۔ آنکھوں میں خوف کے آثار تھے۔

سارنگ نے بے اختیار پیشانی پر بکھرے بالوں

میں ہاتھ چلایا۔

"اوفف۔۔۔یہ لڑکی۔۔!"پوری آنکھیں کھولتا

وہ بڑبڑایا۔ آنکھوں میں کچی نیند کا خمار ابھی بھی

باقی تھا۔ اس نے خواب میں خود کو گہرے کالے

پانیوں میں گرتا محسوس کیا تھا اور دھکا دینے

والے ہاتھ کسی اور کے نہیں، اس کی منگیتر۔۔

اس کی محبت علیشہ چوہان کے تھے۔ کمفرٹر خود پر

سے ہٹا کر وہ بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ سائیڈ ٹیبل سے

موبائل اٹھا کر اس نے علیشہ کو کال ملائی لیکن اس

کا نمبر بند جا رہا تھا۔ وہ لب بھینچتا واپس بیڈ پر آ

بیٹھا۔ آنکھوں میں بے چینیاں ہلکورے لے

رہی تھیں۔

"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا علیشہ۔۔!" بالوں

میں ہاتھ چلاتا وہ بڑبڑایا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"لیومی۔۔۔!" اسے خود سے دور کرتی وہ بامشکل

بولی۔ بدر نے شدید غصے میں اس کی

دونوں کلائیاں اپنی گرفت میں لے کر اسے

اپنے ساتھ گھسیٹا۔ لہروں کی سرکشی عروج پر تھی

لیکن بدر لغاری جیسے مضبوط انسان سے مقابلہ

کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ تھوڑی جدوجہد کے بعد

اسے ساحل تک لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"کیوں بچایا مجھے۔۔؟ میری جان آپ کی جاگیر

نہیں ہے جسے بہتا دیکھ آپ خود بھی مرے جا

رہے تھے۔۔!" اسے پیچھے دھکا دیتی وہ گھرے

سانس لیتے ہوئے چلائی تو اس کی بدتمیزی پر بدر

نے قہربار نگاہوں سے اُسے گھورا۔

"تمہاری نازک جان اپنے کندھوں پر میرے جو

قرض رکھے ہوئے ہے وہ تمہیں ابھی نظر نہیں

آئیں گے۔ لیکن انہیں چکائے بغیر تم کیسے جان

سے جا سکتی ہو۔۔ ہمم۔۔؟" اسے بازوؤں سے

تھام کر خود سے قریب کرتا وہ اس کے کان میں

غرایا تھا۔ انداز اس قدر جارحانہ تھا کہ علیشہ کی

ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ بازوؤں

پر محسوس ہوتی اس کی سخت گرفت میں ایسی

تپش تھی جو علیشہ کے بھیگے وجود کو جھلسائے

دے رہی تھی۔ اس نے جھکی پلکیں اٹھا اس کی

جانب دیکھا۔ کشادہ پیشانی سے چپکے گیلے بال اس

کی گھنی بھنوؤں تک آ رہے تھے۔

"آ۔۔۔ آپ چاہتے کیا ہیں مجھ سے۔۔

کک۔۔۔ کون سے قرض۔۔؟" اس کی جانب

دیکھتی وہ بولتے ہوئے ہکلا گئی۔

"وقت۔۔ وقت آنے پر سب بتاؤں گا۔۔!!"

اسے ایک جھٹکے سے اپنی گرفت سے آزاد کرتا وہ

سرد مہری سے بولا تھا۔علیشہ نے بے اختیار اپنے

بازو سہلائے۔

"میں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا۔۔اتنا ناپسند کیوں

کرتے ہیں آپ مجھے۔۔؟" اسے پلٹتا دیکھ وہ

جانے کیوں پوچھ بیٹھی۔اس کے سوال پر وہ اس

کی طرف پلٹا۔

"میری پسندیدگی بھی تمہارے لیے سود مند

نہیں رہے گی۔اس لیے ناپسندیدگی پر افسوس

مت کرو۔۔!" بدر کا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔

"یعنی آپ ناپسند کرتے ہیں۔۔؟" اس کے

مقابل آتی وہ قدرے اعتماد سے گویا ہوئی۔

بھوری آنکھوں میں ناگواری در آئی تھی۔

"جنہیں میں ناپسند کرتا ہوں وہ کبھی فائدے

میں نہیں رہتے۔اور جنہیں پسند کرلوں وہ بے

چارے تو بہت ہی خسارے میں رہتے ہیں۔۔!"

اس کا گلابی چہرہ اپنی سرد نگاہوں میں جکڑے وہ

ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا تھا۔

"یعنی آپ کسی عذاب سے کم نہیں ہیں۔۔!"

علیشہ نے اسے سلگانے کو مسکاتے لہجے میں کہا۔

وہ کوئی تاثر دیے بنا یونہی اسے گھورتا رہا۔

"اس وقت سے ڈرو جب یہ عذاب تمہارے سر

پر مسلط کر دیا جائے گا۔۔!" بدر نے اسے سلگتا

ہوا جواب دیا۔

"ڈر ڈر کر جینے والے وقت سے پہلے مر جاتے

ہیں۔ اور علیشہ چوہان تا دیر جینا چاہتی ہے۔۔!"

علیشہ نے مسکاتے لہجے میں کہا تو اس بار وہ ہولے

سے مسکرایا۔ اس شخص کی مسکراہٹ بالکل بے

جان تھی۔ سرد۔۔ اور ہر قسم کے تاثر سے

عاری۔۔

"پھر میں بصد شوق تمہارا مرنا دیکھوں گا۔۔!"

اس کے پہلے جملے کا جواب دیتا وہ اس کے لبوں

سے مسکان چھین چکا تھا۔علیشہ نے بے چین

نگاہوں سے وہاں سے پلٹتے بدر لغاری کو دیکھا۔

تھوڑی ہی دیر پہلے اس کی جان بچانے والا شخص

اب اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی بات کر گیا

تھا۔وہ شمعون لغاری اور اس کی نسل کی طاقت

سے انجان نہیں تھی۔ایک ان دیکھا خوف اس

کے اعصاب جکڑنے لگا۔پرانی اذیت فراموش

کیے وہ اس پل بدر لغاری کے بارے میں سوچ

رہی تھی جو نہ جانے کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا

تھا۔

□♦□♦□♦□♦

وہ سونے کی غرض سے بیڈ پر لیٹا ہی تھا کہ اس کا

موبائل شور مچانے لگا۔ عالم نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ

سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھالیا۔ نوشہرو سے سید

ذوالفقار عالم شاہ کی کال تھی۔ وہ کال ریسیو کرتا

سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم۔۔!" عالم نے مدھم لہجے میں انہیں

سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔۔ کیا احوال ہیں

صاحبزادے۔۔!" اسے جواب دیتے ہی انہوں

نے اپنا مخصوص سوال پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں الحمد اللہ لیکن۔۔ آپ تو ٹھیک

ہیں ناں۔۔؟ آج ابھی تک جاگ رہے

ہیں۔۔؟" ان کے لیے متفکر ہوتا وہ کچھ کھوجتے

لہجے میں بولا تو دوسری جانب وہ پل بھر کو

خاموش ہو گئے۔

" آج تمہارے چاچو کی اُنیسویں برسی ہے۔ یاد کر

رہا تھا اسے تو۔۔ نیند ہی نہیں آئی۔۔!" انہوں

نے بے حد مدھم افسردہ سی آواز میں کہا تو عالم

بھی خاموش ہو گیا۔

"بھولتے نہیں ہیں آپ۔۔ ہمم۔۔؟؟" عالم نے

نرمی سے پوچھا۔

"اولاد بھولنے والی شے نہیں ہوتی عالم۔۔ اور

ولید شاہ جیسی اولاد تو بالکل بھی نہیں۔۔!" فون

کے سپیکر سے ابھرتی ذوالفقار عالم شاہ کی مدھم

آواز میں بے چینی و بے سکونی گھلی ہوئی تھی۔

"اب ایسے اداس مت ہوں دادا سرکار۔۔ ورنہ

میں ابھی آپ کے پاس آجاؤں گا۔۔!" ان کی

تکلیف کو سمجھتا وہ پیار بھرے لہجے میں بولا تو

دوسری جانب وہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکرا

دیے۔

"تم آ ہی جاؤ تو بہتر ہے میرے شاہو۔۔مجھے

ویسے بھی تم سے ایک کام تھا۔۔!" انہوں نے

مان جتاتے لہجے میں کہا تو وہ دھیرے سے ہنسا۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"توکام کے لیے کال کی ہے آپ نے مجھے۔۔

ہاں۔۔؟" اس نے انہیں چھیڑا۔ دوسری جانب

وہ پوتے کی مصنوعی خفگی کو خوب سمجھے تھے۔

"تمہارے کان میں آرام سے کھینچوں گا تم زرا

چکر تو لگاؤ یہاں کا۔۔!" انہوں نے قدرے

سنجیدگی سے کہا تو، عالم کو ہاں کہتے ہی بنی۔

"آتو جاؤں گا لیکن کام تو بتائیں۔۔؟سب

خیریت تو ہے ناں۔۔؟" عالم نے بھی سنجیدگی

سے پوچھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔وہ بچی ہے ناں۔۔کام

کرتی ہے زنان خانے میں۔۔کیا بھلا سا نام رکھا تھا

تم نے اُس کا۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے ان کا لہجہ بے

تاثر تھا۔ہاں آواز میں حلاوت گھلی ہوئی تھی۔

"مرحہ۔۔مرحہ کی بات کر رہے ہیں آپ۔۔؟"

حیران ہوتا وہ ٹیک چھوڑ کر بیٹھ گیا۔یہ تو حویلی کا

ہر فرد جانتا تھا کہ مرحہ کے ماتھے سے کالی نام کا

ٹیگ ہٹا کر اسے اپنے نام کے پہلے حرف سے

شروع ہونے والا نام "مرحہ" اسی نے دیا تھا یہ

الگ بات تھی کہ اسے مرحہ کہہ کر صرف وہ خود

ہی پکارا کرتا تھا۔

"ہاں ہاں وہی بچی۔۔اس نے بارہویں کے

امتحانات دیے تھے ناں۔۔تو کل ہی رزلٹ آیا

ہے اس کا۔۔خیر سے فرسٹ ڈویژن سے پاس ہو

گئی ہے۔تو اب" وہ بڑی سنجیدگی سے بات کر

رہے تھے جب اس کے پاس ہونے کی خوشی میں

مسکراتا وہ ان کی بات کاٹ گیا۔

"کیا سچ میں۔۔؟ آپ کو کیسے پتہ چلا دادا۔۔؟وہ

واقعی پاس ہو گئی ہے ناں۔۔ آپ نے کنفرم تو کیا

ناں۔۔؟؟"بیڈ سے اتر کر کھڑا ہوتا وہ خوشی اور

حیرانی کے ملے جلے تاثرات سمیت بول رہا تھا۔

یہ جانے بغیر کہ دوسری جانب انہیں اس کا لب و

لہجہ چونکا گیا ہے۔

"ہوں۔۔ہاں۔۔پاس ہو گئی ہے ماشاءاللہ۔۔!"

انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے اسے جواب دیا۔

"تھینک گاڈ۔۔ ورنہ جتنا وہ کام کرتی ہے، مجھے تو

بالکل امید نہیں تھی کہ وہ پاس ہو جائے گی۔۔!"

واپس بیڈ پر ڈھیتا وہ پر سکون انداز میں بولا۔

ذوالفقار عالم شاہ کی جانب سے خاموشی محسوس

کرتے ہوئے عالم کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔بے

اختیار اسے اپنی بے ساختگی کا احساس ہوا۔

"آپ چپ کیوں ہوگئے۔۔؟کچھ کہہ رہے تھے

آپ۔۔؟"خود کو سنبھالتا وہ خجل سا ہو کر بولا۔

"ہممم۔۔۔میں چاہ رہا تھا کہ تم واپس آتے

ہوئے رجسٹریشن فارم لیتے آنا۔یونیورسٹی میں

اس کا نام رجسٹرڈ ہو جائے گا تو بعد میں وہ

پرائیوٹ ہی اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ لے

گی۔۔!"ذوالفقار عالم شاہ نے کافی دقتوں سے

اپنی بات مکمل کی۔ ان کے لہجے سے چھلکتی بے

نیازی نے عالم کو پریشان کر دیا تھا۔ اب اسے فکر

لاحق ہونے لگی۔

"ٹھیک ہے پھر۔۔ ایک دو دن میں یہاں کا چکر لگا

لو۔ اب میں فون رکھتا ہوں۔۔ تم بھی

سو جاؤ۔۔!" ذوالفقار عالم شاہ نے نرمی سے کہا تو

انہیں شب بخیر کہہ کر عالم نے رابطہ منقطع کر

دیا۔ بیڈ پر اوندھے منہ گرتے ہوئے وہ ایک بار

پھر مرحہ کے پاس ہونے کی خوشی محسوس کرنے

لگا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی چھٹی حس اسے باور

کررہی تھی کہ دادا کے سامنے خوشی کا اظہار

کر کے اس نے انہیں شک میں مبتلا کر دیا ہے۔

اپنی خوشی اور شش و پنج کے احساسات میں گھرا

وہ یہ سوچنا قطعی بھول گیا تھا کہ اس کے دادا سید

ذوالفقار عالم شاہ نے ایک ادنٰی سی ملازمہ کے

لیے اُسے ہی نوشہر و کیوں بلایا تھا۔۔؟ وہ یہ کام

اپنے کسی ملازم سے بھی تو کروا سکتے تھے۔۔؟

بالکل ویسے ہی جیسے ہر سال وہ اس کا داخلہ منشی

کے ذریعے بجھوایا کرتے تھے۔۔؟

□♦□♦□♦□♦

"یہ سب کیا ہے۔۔؟" وہ فریش ہو کر کمرے

سے باہر آئی تو برآمدے میں میز اور کرسیوں پر

بکھرا سازو سامان دیکھتی نور بیگم سے پوچھنے لگی۔

برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے ساکت کھڑی

وہ اس کی حیران پریشان آواز پر اس کی جانب

پلٹی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ

چونک گئی۔

"ابی جی۔۔ کیا ہوا ہے یہ۔۔ سامان۔۔؟" سر

ہاتھوں میں تھامے بیٹھے حسین صاحب کی طرف

بڑھتے ہوئے وہ مدھم آواز میں بولی تبھی نور بیگم

تیر کی سی تیزی سے اس کی طرف آئی تھیں۔

"مجھے تم بتاؤ مہر۔۔ کہ پرسوں کیا ہوا تھا۔۔؟ سعد

تمہیں اپنی ماں سے ملوانے لے کر گیا تھا

یا۔۔۔؟؟؟؟" اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولتی وہ

بات ادھوری چھوڑ گئیں۔ انداز درشت تھا۔

مہرماہ نے بامشکل تھوک نگلا۔ اس نے پرسوں

گھر واپس آکر خود پر ساحل سمندر پر ٹوٹنے والی

قیامت کے بارے میں انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔

لیکن سعد کی جانب سے اسے خدشہ تھا جس کا

نتیجہ آج اس کے سامنے تھا۔

"اماں۔۔ میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی

تھی۔!" ان کی جانب دیکھتی وہ بھرائی ہوئی آواز

میں بولی۔

"ہاں اور تمہارے نہ بتانے سے مجھے تو کچھ پتہ چلا

ہی نہیں۔۔!" اسے جھنجھوڑتی وہ چلائیں تو

خاموش بیٹھے حسین صاحب چیئر سے اٹھتے ان پر

گرج اٹھے۔

"آواز نیچی رکھیے نور۔۔!"، نور بیگم کی جانب

دیکھتے وہ غرائے تو مہرماہ نے گھبرا کر نگاہیں جھکا

لیں جبکہ نور بیگم نے شکوہ کناں نگاہوں سے اپنے

مجازی خدا کی طرف دیکھا۔

"مہر کو بولنے کو موقع دیں۔ غیر لوگوں کی بکواس

سن کر میری بیٹی کو مت کوسیے۔۔!"مہر ماہ کے

سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ مضبوط لہجے میں بولے

تو نور بیگم نے اپنے بھیگتے گال رگڑ ڈالے۔

"پوچھیے پھر اپنی لاڈلی سے۔۔پرسوں کیا ہوا تھا

جو وہ منگنی کا سارا سامان ہمارے منہ پر مار گئے

ہیں۔۔!" ضبط کا دامن تھامنے کی کوشش کرتی وہ

کپکپاتی ہوئی آواز میں بولیں۔

"مہر مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ سعد آپ کو کہاں

لے کر گیا تھا۔؟" اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے وہ

نرم لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ مہر ماہ نے بھیگی

آنکھوں سے باری باری اپنے ماں باپ کی طرف

دیکھا پھر دھیرے سے لبوں کو جنبش دی۔ آنسو

ضبط کرتی وہ ساری بات تفصیل سے بتاتی چلی

گئی۔پوری بات سن کر حسین صاحب کا چہرہ غصے

کی شدت سے دہکنے لگا۔

"زندہ نہیں چھوڑوں گا ان حرام خوروں کو

جنھوں نے میری بیٹی کو میلی نگاہ سے دیکھا

ہے۔۔!" ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے وہ دہاڑے۔

مہرماہ نے بے ساختہ ان کا بازو دبوچ لیا۔

"ابی جی پلیز آپ غصہ مت کریں۔۔ وہ دونوں

اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔۔!" اس نے عجلت

میں منصب کی کہی بات ان کے سامنے دوہرا

دی۔

"میرے سامنے پولیس ان دونوں کو پکڑ کر لے

گئی تھی۔وہ جیل میں سڑ رہے ہوں گے۔۔!"

روتی ہوئی مہرماہ نے انہیں یقین دلانے کی

کوشش کی۔نور بیگم بھی منہ پر دوپٹہ رکھے رو

رہی تھیں۔حسین صاحب نے سرخ آنکھوں

سے انہیں گھورا۔

"اور آپ۔۔؟؟اس بزدل کمزور لڑکے سے اپنی

بیٹی کا رشتہ ٹوٹ جانے پر رو رہی ہیں جو اسے دو

لفنگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وہاں سے بھاگ

گیا۔۔؟؟"نور بیگم کی طرف دیکھتے وہ سلگتے

ہوئے لہجے میں بولے تو وہ مزید شدتوں سے رو

دیں۔

"ابی جی ایسے مت کہیں۔۔وہ بھی میری فکر میں

ہی رو رہی ہیں۔۔!"نور بیگم کو سنبھالتی مہرماہ نے

بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو حسین صاحب نے پل

بھر کو اپنے لب بھینچ لیے۔

"آئندہ آپ اس بارے میں مجھ سے کچھ نہیں

چھپائیں گی مہر۔۔ اور ان جیل میں سڑنے والے

بدبختوں کو تو اب خود دیکھ لوں گا۔۔!" پشت پر

ہاتھ باندھتے وہ سنجیدگی سے بولے تو مہر ماہ نے

اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ موبائل پر وقار عالم

شاہ کا نمبر ڈائل کر رہے تھے۔ مہرماہ نور بیگم کو

ساتھ لیے انھی کے کمرے میں چلی گئی۔

"اماں یہ ابی جی اب کیوں آپ سے ناراض رہنے

لگے ہیں۔۔؟" ماں کو پانی پلاتی مہرماہ کی مدھم

آواز حسین صاحب کی سماعتوں سے مخفی نہیں

رہی تھی۔ آنکھوں کی سرخی مزید بڑھ چکی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

کلاس سے نکل کر وہ باہر ہی راہداری میں رک

گیا۔ بلیو جینز پر گرے شرٹ زیب تن کیے وہ

معمول کے مطابق گریبان کے بٹن کھولے کھڑا

تھا۔ کوٹ آج پہننے کی بجائے اس نے بازو پر ڈال

رکھا تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں فائل کی بجائے

آج کندھے سے بیگ لٹک رہا تھا۔ اسے وہیں

کھڑے کھڑے دس منٹ گزر گئے تو اس نے بے

زاری سے کلائی میں بندھی رسٹ واچ دیکھی جو

الم غلم بینڈز کے درمیان پھنسی اپنی قسمت کو رو

رہی تھی۔ بلاشبہ اس کی کلائی میں واچ کا اضافہ

لندن آ کر ہی ہوا تھا۔ مزید دس منٹ گزرے

تھے جب اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ خوش گپیاں

لگا تا رابرٹ نامی وہ شخص باہر نکلا تھا۔ دیوار سے

ٹیک چھوڑ تا منصب فوراً سیدھا ہوا۔

"ہے لسن۔۔۔؟" منصب نے اسے پکارا۔ اس

کی آواز پر وہ رکا تھا۔ منصب کو اپنی جانب متوجہ

دیکھ کر اس کے لب سیٹی بجانے کے سے انداز

میں سکڑے تھے۔

"اس دن کے لیے معذرت۔۔!" اس کی جانب

دیکھتے ہوئے منصب نے شستہ انگریزی میں کہا تو

وہ کچھ حیران ہوا۔

"کس لیے۔۔؟" جواب اس کی توقع کے برعکس

تھا۔ منصب کو لگا تھا کہ اسے منصب کا پنچ اچھے

سے یاد ہو گیا لیکن مقابل کافی پر سکون نظر آ رہا

تھا۔

"وہ۔۔۔ پنچ مارا تھا ناں میں نے تمہیں۔۔!"

منصب نے اسے یاد دلایا تو وہ مسکرا دیا۔

"اس کے لیے میں نے تمہیں پرمیشن دی

تھی۔۔!"رابرٹ نے ہنستے ہوئے کہا۔اس کے

پہلو میں کھڑی لڑکی ان دونوں کی گفتگو سنتی کچھ

حیران نظر آرہی تھی۔

"حالانکہ تمہیں نہیں پتہ تھا کہ اس پرمیشن کے

بعد تمہیں مجھ سے پنچ پڑے گا۔۔!" کہتے ہوئے

ایک مسکراہٹ نے منصب کے لبوں کو بھی چھو

لیا۔

"ہاں لیکن پنچ پڑنے کے بعد مجھے پتہ چل گیا تھا

کہ میری تم سے فرینڈشپ ہونے والی ہے۔!!"

رابرٹ نے کھل کر مسکراتے ہوئے کہا تو منصب

کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"فرینڈز۔۔۔؟"رابرٹ نے اس کی طرف ہاتھ

بڑھاتے ہوئے کہا تو منصب نے لب سمیٹتے ہوئے

اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"فرینڈز۔۔!" منصب نے اثبات میں سر ہلاتے

ہوئے کہا تو رابرٹ نے سر کو زرا سا خم دیتے

ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔

"سی یُو سون۔۔!" رابرٹ کو نرمی سے کہتا وہ اس

کے پاس سے گزر گیا۔ پیچھے وہ اپنی گرل فرینڈ کو

اس کے بارے میں بتا رہا تھا۔

آج پھر واپسی کی راہ پر چلتے ہوئے وہ اس سے آ

ٹکرائی تھی۔

"میں بہت جلد واپس جا رہا ہوں۔۔!" سیشلی کی

اوٹ پٹانگ باتوں کے جواب میں منصب نے

کافی اطمینان سے جواب دیا تو اس کی ٹرین کی سی

رفتار سے چلتی زبان کو بریک لگی تھی۔

"سیریسلی۔۔؟" اس کے سامنے آتی وہ آنکھیں

پھیلا کر بولی۔

"ایم ناٹ کڈنگ ایٹ آل۔۔!" منصب نے

کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم تو ایک سال کے لیے آئے تھے

ناں۔۔" پریشان ہوتی وہ منہ بنا کر بولی۔

"سال تو پتہ نہیں کب ختم ہو گا۔۔!" منصب نے

سنجیدگی سے کہا۔

" کبھی تو ہو گا ہی ناں مون۔۔ تمھیں سال ختم

ہونے کا ویٹ کرنا چاہئیے۔۔!" سیشلی نے بڑی

سمجھداری سے کہا تو وہ دھیرے سے ہنسا۔

"سال ختم ہونے کا انتظار کرتے کرتے میں خود

ختم ہو جاؤں گا سیٹلی۔۔!" وہ ہولے سے

بڑبڑایا۔

"مطلب۔۔؟" وہ ناسمجھی سے بولی۔

"مطلب کچھ نہیں۔۔ تم یہ بتاؤ کہ اس دن تم

کلب کیوں نہیں آئی۔۔؟ نہ تو وہاں کوئی برانک

تھا اور نہ ہی تم۔۔!" منصب نے اس کا دھیان

بٹانے کی کوشش کی۔

"برانک تو وہیں تھا اور میں بھی آئی تھی۔ لیکن

وہاں ممی بھی تھیں اس لیے میں واپس چلی گئی

تھی۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتی ناں تو پھر برانک کی

بجائے وہاں میری پٹائی ہو جاتی۔۔!" سیشلی نے

اپنی ہنسی دباتے ہوئے اسے سارا معاملہ بتایا تو پل

بھر کو وہ چونک اٹھا۔

"کیا میں تمہارا یہ ٹیٹو دیکھ سکتی ہوں۔۔؟" بے

اختیار اسے وہ لڑکی یاد آئی۔ منصب کو اب سمجھ

میں آیا تھا کہ اسے وہ لڑکی دیکھی بھالی کیوں لگی

تھی۔یقیناًوہ سیشلی کی ممی تھی۔

"ہمم۔۔۔فائن۔۔میں تم سے شام میں ملوں

گا۔ابھی کے لیے ٹیک کیئر۔۔!"وہ اس کار خسار

سہلاتے ہوئے بولا تو سیشلی نے اداسی سے سر

اثبات میں ہلایا۔وہ اپنا بیگ سنبھالتا وہاں سے

آگے بڑھ گیا جبکہ اس کے پیچھے کھڑی سیشلی نے

خاموش نگاہوں سے دور جاتے منصب کو دیکھا۔

"تو یہ لڑکا تمہارا دوست ہے۔۔؟"جینیفر کی آواز

پر سیشلی نے پلٹ کر دیکھا۔وہ جانے کب وہاں آ

کھڑی ہوئی تھی۔ سیٹلی نے ہولے سے اثبات

میں سر ہلایا۔ جینیفر کو وہ لڑکا بہت اچھے سے یاد

تھا جس نے چند دن پہلے ہی اسے کلب میں

دھتکارا تھا۔

"کیا تمہیں پتہ ہے ایک بوائے فرینڈ کا مطلب کیا

ہوتا ہے۔۔؟" آنکھوں میں چمک لیے اس کے

کان کے قریب جھکتی جینیفر نے معنی خیزی سے

پوچھا۔ سیشلی نے ناسمجھی سے اثبات میں سر

ہلایا۔ بدلے میں جینیفر مسکرانے لگی۔

"تمہیں بالکل نہیں پتہ سیٹلی۔۔ تم بہت معصوم

ہو۔ آج میں تمہیں بتاؤں گی کہ بوائے فرینڈ کیا

ہوتا ہے۔ اور اسے کیسے خوش کرتے ہیں۔!"

اسے اپنے ساتھ لیتی وہ دھیمی آواز میں بولی۔

سیٹلی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

جینیفر کے لبوں پر ایک شاطرانہ مسکراہٹ

رینگ رہی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

"سرکار بالکل سچ کہہ رہے ہیں بی بی۔۔ میرا نکاح

ولید شاہ سے ہوا تھا اور وہ بچہ بھی اُنھی کا تھا۔!"

ہوش میں آتے ہی زہرہ نے فدا کی بات کی

تصدیق کر دی تھی۔ حدیبہ اس انکشاف پر کچھ گم

صم سی کھڑی تھی جبکہ صدمے سے چُور مائی

کرماں کی حالت اس پل دیکھنے لائق تھی۔

"تو ضرورت ہی کیا تھی یہ جھوٹ بولنے کی

سائیں۔۔؟ آپ انھیں بتاتے ناں کہ زہرہ ولید

کی منکوحہ ہے۔ حویلی میں اس کا جائز مقام

دلوانے کی بجائے آپ نے ہمیں بھی ہمارے

مقام سے معزول کروادیا۔۔!" فدا کی طرف

پلٹتی وہ کافی سنجیدگی سے بولی۔

"کسے بتاتا۔۔؟ اُنھیں ؟ جنہیں پہلے ہی سب کچھ

معلوم تھا۔۔؟" فدا حسین نے کافی تلخ لہجے میں

لب کشائی کی تھی۔ حدیبہ نے کچھ بے یقینی سے

اس کی جانب دیکھا۔

"ایسے مت دیکھیے۔۔ آپ کے بابا جان بہت پہلے

سے جانتے تھے کہ زہرہ، ولید کی بیوی ہے۔

انہوں نے ہی ولی کے کمرے، ولی کے فلیٹ ایون

ولی کے وکیل کے آفس سے نکاح نامے کی کاپیز

غائب کروالی تھیں۔ کہیں کوئی سراغ نہیں چھوڑا

تبھی مجبوراً مجھے یہ سٹیپ لینا پڑا۔۔!" فدا نے

ضبط کھوتے ہوئے کافی بلند آواز میں کہا تو زہرہ

نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کا وجود اس

پل دکھتا ہوا پھوڑا بنا ہوا تھا جس پر رکھے مرہم

شاید بے اثر تھے۔ حدیبہ کے کان سائیں سائیں

کرنے لگے۔

"بے رحم۔۔ ظالم۔۔بے ضمیر۔۔اس قدر بے

حس۔۔۔کیسے ہوسکتے ہیں بابا سرکار۔۔؟؟"چیئر

پر بیٹھتی وہ بے یقینی کے عالم میں بڑبڑائی۔

"مجھے بھی یہی لگتا تھا کہ وہ ایسے نہیں ہوسکتے۔

ایون جب ولی نے کہا تھا کہ وہ انھیں مجھ سے بہتر

طور پر جانتا ہے تب بھی میں شک میں مبتلا تھا

لیکن جس چالاکی سے انھوں نے نکاح نامہ غائب

کروایا مجھے یقین ہو گیا کہ وہ زہرہ کو سزا دینے

والے ہیں۔اسی لیے مجھے یہ سٹیپ لینا پڑا ابی

بی۔۔!" پنجوں کے بل زمین پر بیٹھتا وہ اس کے

سامنے جھکتے ہوئے بولا تھا۔ایک آنسو بہت

آہستگی سے حدیبہ کی آنکھوں سے نکل کر گال پر

پھسلا تھا۔

"میں کیا کہوں اب۔۔؟میرے پاس تو الفاظ ہی

نہیں رہے۔۔!" اپنے گال رگڑتی وہ بھرائی ہوئی

آواز میں بولتی زہرہ کی طرف دیکھنے لگی۔ حدیبہ

نے نرمی سے زہرہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے معاف کر دو زہرہ۔۔ معاف کر دو مجھے۔۔

اور اگر ہو سکے تو۔۔!" زہرہ کی بند آنکھوں کو

دیکھتی وہ روتے ہوئے گڑ گڑائی۔

"ہو سکے تو۔۔بب۔۔۔بابا سرکار کو بھی۔۔!"

حدیبہ کی آواز کپکپا گئی۔زہرہ نے تڑپ کر

آنکھیں کھولی تھیں۔سرخ آنکھوں میں وحشتیں

ناچ رہی تھیں۔اس نے بامشکل نفی میں سر

ہلایا۔

"آپ معافی مت مانگیں آپ کی کوئی غلطی نہیں

ہے۔اور جس کی ہے۔اسے میں مرتے دم تک

معاف نہیں کروں گی۔۔!" آنکھوں میں سید

ذوالفقار عالم شاہ کا بے رحم چہرہ سموئے وہ

بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ حدیبہ نے بے

بس سی ہو کر اس کا ہاتھ اپنی پیشانی سے لگالیا۔

□♦□♦□♦

: "ایک بشر مومن تب ہی کہلاتا ہے جب وہ

صبر کرتا ہے۔۔!" صبح کی مدھم مہکتی ہوا، خیمے

کے پردوں کو چیرتی اس کے کانوں سے آ ٹکرائی

تھی۔ بند پلکیں بے جنبش رخساروں سے چپکی

ہوئی تھیں۔

"مجھے اللہ کا ساتھ چھوٹ جانے سے بڑا ڈر لگتا ہے

صاب جی۔۔ بڑا خوف آتا ہے۔۔!" ایک

انجانی۔۔نا آشنا سی آواز بہتے شفاف پانی کی آواز

کے سنگ اس کے آس پاس ابھرتی اس کی ہمورا

سانسوں میں آج طلاطم برپا کرنے کو تیار تھی۔

سر پر اُگے چھوٹے چھوٹے سیاہ بالوں کے

درمیان سفید بالوں کی کثرت لیے۔۔گندمی

رنگت میں زردیاں گھلے نحیف وجود کا حامل۔۔

چارپائی پر محو استراحت اُس پچیس سالہ نوجوان

پر چالیس سالہ شخص کا گمان ہو رہا تھا۔یوں جیسے

گزشتہ سات ماہ اسے وقت کی قید سے نکال کر

صدیوں آگے لے آئے ہوں۔

"تمہیں واپس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔!"

ایک تنبیہہ۔۔

"مجھ پر یقین رکھو۔۔!" کسی نے تسلی دی تھی

جیسے۔۔

"میں سب مینیج کرلوں گا۔۔!" حوصلہ تھا۔

اک ڈھال۔۔ لیکن آواز کس کی تھی۔۔؟ اس

کی سماعتیں بارہا اس کے سوئے ہوئے دماغ کو

پیغام دے رہی تھیں لیکن اس کا دماغ اس پل

اس کا ساتھ دینے سے قاصر تھا۔

"یار پلیز حوصلہ کرو۔۔ہمت مت ہارو۔۔!" کچھ

مسنگ تھا۔کچھ بھول رہا تھا وہ۔۔اس کی بند

آنکھوں کے سامنے چھایا اندھیرا حرکت کرنے

لگا۔کئی چہرے تھے جن کی شکلیں پہچاننا اس کے

لیے مشکل ہو رہا تھا۔ آوازیں تھیں جو مسلسل

اسے جھنجھوڑ رہی تھیں۔

کون تھا وہ۔۔؟

کیا تھا وہ۔۔؟

کہاں تھا وہ۔۔؟

اس کے حواس مختل ہو رہے تھے۔ پلکوں میں

جنبش ہونے لگی۔

"آپ کی محبت۔۔ آپ کی لاپرواہی نے مجھے

کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔!" بھیگی لرزتی آواز سنتے

اس شخص کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

پلکیں لرزنے لگیں۔

"تم ہوش میں تو ہو۔۔؟؟" وہ آواز۔۔وہ

چنگھاڑتی ہوئی برہم آواز۔۔۔؟

"فف۔۔فدا۔۔!"اس کے لبوں نے حرکت

کرنے کی کوشش کی تھی لیکن حلق سے آواز

نہیں نکل پائی تھی۔بند آنکھوں سے آنسو ٹوٹنے

لگے۔خیمے کی دیواروں کو چھوتی ہوا کی آواز تیز

سے تیز تر ہونے لگی۔

"کیوں میرے خوابوں میں آتے ہیں۔۔؟ کیوں

مجھے پاگل بنانے پر تُلے ہیں۔۔؟" اس لڑکی کی

تلخ آواز مسلسل اس کا دل دھڑکا رہی تھی۔

پٹیوں میں جکڑے ہاتھوں کی انگلیاں ہلنے لگیں۔

"اگر شرم نام کی کوئی چیز تم میں باقی ہے تو مزید

خرافات بکنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لو کہ

تم ولید شاہ کی بیوی ہو۔۔!" فدا حسین کی سخت

آواز نے اسکے بے جان وجود کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

ایک جھٹکے سے چارپائی پر لیٹے اس شخص نے

آنکھیں کھولی تھیں۔

"ولید۔۔ولید شاہ۔۔ولید۔۔۔ولید عالم

شاہ۔۔۔!" بنا پلکیں جھپکائے خیمے کی چھت کو

گھورتے ولید شاہ نے وہ نام ذہن نشین کیا تھا۔وہ

نام جو اس کی شناخت تھا۔ وہ نام۔۔ جس کے

اعزاز سے وہ پچھلے سات ماہ سے محروم تھا۔ ہاں وہ

ولید شاہ تھا۔ جسے ہوش میں لانے والی آواز اس

عورت کی تھی جو اس کے زوال کا باعث بنی

تھی۔

"زہرہ نور۔۔۔زہرہ۔۔نور۔۔!"ہاتھوں کی

مٹھیاں بھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے ولید کے

لب بے آواز ہلے تھے۔

□♦□♦□♦□♦□♦

اگلی صبح عام دنوں کے برعکس اپنے اجالے میں

کچھ سرمئی پن سمیٹے ہوئے تھے۔ کندھے پر بیگ

لٹکائے وہ جس وقت یونیورسٹی کی حدود میں داخل

ہوئی اس کی دودھیا کلائی پر بندھی گھڑی صبح کے

نو بجا رہی تھی۔ اونچی پونی میں مقید اخروٹی بال

اس کے تیز تیز اٹھتے قدموں کی بدولت کمر پر

دائیں بائیں ہل رہے تھے۔ہاتھ میں فائل پکڑے

ارد گرد سے بے نیاز وہ ناک کی سیدھ میں چلتی

جارہی تھی۔وہ کلاس میں پہنچتے پہنچتے بھی دس

منٹ لیٹ ہو گئی تھی لیکن آج جانے کیوں دل

میں اس شخص سے کسی بحث ومباحثے کا ارادہ

نہیں تھا ہاں یہ الگ بات تھی کہ وہ دھڑکنوں کی

چیخوں سے سماعتوں کو بے بہرہ نہ رکھ پا رہی

تھی۔

"مے آئی کم ان۔۔؟؟" کلاس روم کے

دروازے میں رکتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے

پوچھا۔ڈائس کے نزدیک کھڑے شمس نے آواز

پر گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔بھوری

آنکھوں میں رت جگے کی سرخی لیے وہ لب بھینچے

اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

گلاب چہرے پر معمول کے برعکس سرخی گھلی

ہوئی تھی۔باقی طلباء سمیت شیث کی نگاہ بھی

ٹھٹھکی تھی۔

"آپ لیٹ ہیں مس علیشہ۔۔!" گہرا سانس لیتے

ہوئے شمس نے آج پھر اسے احساس دلایا تھا

جبکہ علیشہ جس کے دل کے کسی کونے میں یہ

حسرت باقی تھی کہ وہ اس کی سُوجی آنکھوں کی

ویرانیوں کا کچھ احترام کرے گا،اس کے جواب

پر اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تو پھر کیا میں واپس جاؤں۔۔؟"خود پر ضبط

کرتی وہ آہستگی سے بولی۔ شمس نے بغور اس کا

خوبصورت چہرہ دیکھا جس پر سبجی بولتی آنکھوں

میں آج غضب چیخ رہا تھا۔

"میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔۔ لیکن آپ کو اپنی

روٹین اب بدل لینی چاہئیے۔۔!" واپس رجسٹر پر

جھکتا وہ عام سے لہجے میں بولا۔ انداز اس کی

نگاہوں کے شکوؤں سے جان چھڑوانے والا تھا۔

"کیوں اب کیا ہو گیا ہے۔۔؟ کیا آپ بدل گئے

ہیں یا میں بدل گئی ہوں۔۔؟ جب تک ہم دونوں

میں سے کوئی ایک نہیں بدلے گا میری روٹین

بھی نہیں بدلے گی۔۔!" اپنی پرانی جون میں

لوٹنے کی کامیاب کوشش کرتی وہ مسکراتے

ہوئے بولتی کلاس کے اندر داخل ہو گئی۔

"اچھا۔۔؟ حالانکہ مجھے آج لگا تھا کہ آپ بدل گئی

ہیں۔!!" اسے اپنے پاس سے گزر کر تیسری رو

میں بیٹھتا دیکھ وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ وہ چیئر

سنبھالتے سنبھالتے رکی تھی۔ بیگ ڈیسک پر پٹخ

کر وہ قدم قدم چلتی اس کے مقابل آئی تھی۔

شمس نے کچھ تذبذب کے عالم میں کلاس پر ایک

طائرانہ نگاہ ڈالی لیکن اس سے دو قدم کے فاصلے

پر کھڑی لڑکی کے لازوال اعتماد کو شاید کلاس میں

بیٹھے ہجوم سے کوئی غرض نہ تھی۔

"عادت بدل جاتی ہے، لیکن فطرت کبھی نہیں

بدلتی سر۔۔۔جو رُلانا جانتے ہوں اگر وہ کبھی رو

پڑیں تو انہیں کمزور سمجھنے کی غلطی ہرگز نہیں

کرنی چاہیئے۔۔!" ڈائس پر ہاتھ رکھ کر اس کی

آنکھوں میں دیکھتی وہ لہجے میں غرور سموئے کچھ

جتانے والے انداز میں بولی تو شمس نے لب

بھینچتے ہوئے اسے گھورا۔ اپنے لفظوں کا اثر

ہوتے دیکھ وہ دھیرے سے مسکرائی۔ لبوں کے

پھرے دار اس کے سیاہ تل نے شمس کو منہ

چڑھایا تھا۔

"فائن۔۔!" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے شمس

نے بامشکل کہا تو وہ کندھے اچکاتی پلٹ گئی۔ہادیہ

اور سارہ اس کے رویے کو سمجھنے کی ناکام کوشش

کرتی ایک دوسرے کے کان میں سرگوشیاں کر

رہی تھی۔ راحمہ آج غیر حاضر تھی۔

"سر آپ کو نہیں لگتا کہ ہم سب اس روز روز کے

ڈرامہ سے تنگ آچکے ہیں۔۔؟" دوسری قطار

میں بیٹھے ایک لڑکے نے بولنے کی جرات کی

تھی۔ علیشہ لاپرواہی سے رجسٹر پر لکیریں

کھینچنے لگی۔ یوں جیسے اس کے اور شمس کے نہیں

بلکہ کسی تیسرے فرد کے متعلق بات کی جارہی

ہو۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"یاہ۔۔ شہری از رائٹ۔۔ اگر آپ سے علیشہ

ہینڈل نہیں ہوتی تو آپ لیکچر لینا ہی چھوڑ

دیں۔۔!" ایک لڑکی نے اس کی ہاں میں ہاں

ملائی تھی۔

"یہ سر اور علیشہ کا میٹر ہے تم لوگ اپنے

مشورے اپنے پاس رکھو۔۔!" اپنی نشست سے

کھڑی ہوتی ہادیہ قدرے اونچی آواز میں بولی

تھی۔

"تو پھر پرسنل میٹرز کو پرسنلی سولو کریں ناں

سر۔۔اس طرح ہمیں تو ڈسٹرب نہ کریں۔۔!"

یہ کوئی تیسرا تھا۔

"شٹ اپ۔۔جسٹ شٹ اپ۔۔۔کیا بکواس

کیے جا رہے ہیں آپ لوگ۔۔؟؟" شیث کی

ساکت نگاہوں کو خود پر محسوس کرتا شمس چلایا۔

علیشہ اس صورتحال پر مکمل طور پر پرسکون

دکھائی دے رہی تھی۔

" ایم سوری سر۔۔ لل۔۔۔ لیکن۔۔ ہم نے جو

فِیل کیا ہے وہی کہا ہے۔۔!" سب سے پہلے بولنے

والے لڑکے نے اس کے خوف کے زیر اثر اس

بار قدرے مدھم لہجے میں کہا۔

"اپنی فضول تھنکنگ اور فیلنگز کو آپ اپنے تک

ہی محدود رکھیے تو بہتر ہو گا۔ اٹس کلاس ٹائم۔۔بی

اٹینٹیو۔۔۔!" اسے جواب دیتا وہ آخر میں ڈائس

پر ہاتھ مارتے ہوئے چیخا۔ شیث کی سیاہ آنکھوں کا

سرد سا تاثر اسے نگاہیں چرانے پر مجبور کر رہا تھا۔

اس لڑکے کی آنکھوں میں دیکھنے کا مطلب اس

سفاک شخص کا سامنا کرنا تھا جس کا سامنا کرنے

سے وہ فی الحال بھاگ رہا تھا۔ وہ ہی شخص جس کی

آنکھوں کی رنگت شیث لغاری نے چرائی تھی۔

وہ ڈرنے والوں میں سے نہیں تھا لیکن دنیا میں

اگر کوئی شخص اسے خوفزدہ کرتا تھا تو وہ شیث

لغاری کا سرپرست سردار بدر لغاری تھا۔ پھر

دوران لیکچر وہ سارا وقت شیث کی نگاہیں خود پر

محسوس کرتا رہا تھا۔ تو کیا وہ وقت قریب تھا جس

سے وہ بچنا چاہتا تھا؟ کیا وہ اس لڑکے کا۔۔؟ یا

شاید نہیں۔۔ سردار بدر لغاری کا اپنے مقابل آنا

افورڈ کر سکتا تھا۔۔؟ وائٹ بورڈ پر مار کر گھسیٹتے

ہوئے اس نے بڑی مشکلوں سے ان سوالات

سے چھٹکارا حاصل کیا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"تمھیں اب شادی کر لینی چاہیئے۔۔!" اس کے

سوال کے جواب میں انہوں نے ایک بالکل غیر

متوقع جواب دیا تو کافی کا سپ لیتے لیتے وہ رکا۔

بھنویں اچکاتے ہوئے اس نے کافی سنجیدگی سے

اپنے مقابل بیٹھے شمعون لغاری کو دیکھا۔

"صرف یہی کہنے کے لیے آپ تین گھنٹے کا سفر

طے کر کے لغاری ولا آئے ہیں۔۔؟"ٹانگ پر

ٹانگ جماتے ہوئے بدر نے بے تاثر لہجے میں

پوچھا۔وہ دونوں اس وقت تھر کی زمین سے

میلوں دور کراچی کے مرکز میں واقع بدر لغاری

کے شاندار بنگلے کے ڈرائینگ روم میں براجمان

تھے۔

"ردابہ ایسا چاہتی ہے۔۔!" شمعون لغاری نے

اپنے لفظوں پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔ ان کی بات

پر بدر نے اپنے لب سختی سے بھینچ لیے۔

"اس عورت کی چاہتیں پوری کرنے کے لیے

نہیں بنائیں باباسائیں۔۔کم از کم اب یہ بات

اُسے سمجھ لینی چاہئیے۔۔!"کافی کا مگ اپنے اور

اُن کے مابین رکھی شیشے کی گول میز پر رکھتے

ہوئے اس نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا۔

"بات کو مت گھماؤ بدر۔۔ تم ہی ہماری نسل کے

امین ہو۔ شیث سے ویسے بھی ہمیں کوئی امید

نہیں ہے!" انہوں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں

اس پر شیث کی اصلیت واضح کر دی تھی۔ شیث

کے لیے ان کے احساسات سن کر اس کی پیشانی

پر نسیں ابھرنے لگیں۔

"کمزوری اس کی آواز میں ہے، اس کے وجود میں

نہیں بابا سائیں۔۔ رہی بات نسل کی تو۔ شیث

میرا وارث ہے اس کے علاوہ فی الحال مجھے مزید

کسی دوسرے یا تیسرے امین کی ضرورت نہیں

ہے۔۔!!" اپنا دایاں بازو صوفے کی پشت پر

پھیلاتے ہوئے اس نے اس بار مکمل سنجیدگی سے

کہا تو چائے کے سپ لیتے سردار شمعون لغاری پل

بھر کو خاموش ہو گئے۔

"تمہارا یہ فیصلہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔جب

ناراضگی مجھ سے ہے تو سزا بھی مجھے ملنی چاہئیے۔

خود سے کس بات کا بدلہ لے رہے ہو تم؟؟"وہ

شاید آج اسے کریدنے کے درپہ تھے۔ان کے

سوال پر بدر کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا

تھا۔

"آپ بات کو خوامخواہ طول دے رہے ہیں

حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بے اثر رہے

گا۔۔؟" ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوتے ہوئے اس

نے کافی سرد لہجے میں باپ سے دریافت کیا تھا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔۔؟" وہ کچھ برہم ہوئے۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ فی الحال میری چاہت

خاموش ہے۔کچھ نہیں چاہتا میں۔۔!" ہاتھ

سرینڈر کرنے والے انداز میں بلند کرتا وہ ایک

ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"تم مجھے تھکا رہے ہو بدر۔۔!" خالی کپ میز پر

پٹختے ہوئے وہ کچھ خفگی سے بولے تو ایک طنزیہ

مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھر کر معدوم ہو

گئی۔

"شکر کریں کہ تھکنے کی عمر میں تھکا رہا ہوں آپ

کو۔۔ورنہ آپ نے تو بھاگنے کی عمر میں ہی معذور

کر دیا تھا مجھے۔۔!" صوفے سے اٹھتا وہ زہر خند

لہجے میں بولا۔ انداز ہر قسم کی رعایت سے عاری

تھا۔ اس کے سرکش انداز اور مغرور لہجے کو

بامشکل ہضم کرتے وہ خود بھی اٹھ کھڑے

ہوئے۔

"ردابہ کا اس سب میں کوئی قصور نہیں ہے۔یہ

مت بھولو کہ آج اگر تم اپنے قدموں پر کھڑے

ہو تو صرف اسی کی وجہ سے۔۔کم از کم اسی وجہ

سے اس کی خواہش احترام کرلو۔۔!"شمعون

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

لغاری نے اپنی جانب سے ایک آخری کوشش کی

جس کے نتیجے میں وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"ایسا ہے کہ کچھ لوگ اپنے شوق اور دل کی تمنا

سے جبکہ کچھ، اپنے اندر کی اذیتوں سے چھٹکارا

پانے کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی

کوشش کرتے ہیں۔دوسری قسم کے لوگوں میں

آپ کے بیٹے کا شمار بھی ہوتا ہے بابا سائیں۔۔اور

میرے اندر کی اذیت وہ عورت ہے جسے آپ

بے قصور کہہ رہے ہیں۔!" ان کی جانب دیکھتا وہ

ٹھہرے ہوئے سرد لہجے میں بولا تو وہ نا قابل فہم

انداز میں اسے دیکھتے رہ گئے۔

"یہ ایک لمبی بحث ہے۔۔!" انہوں نے نرمی سے

کہا۔

"اگر اذیت کا انکشاف کر دوں تو بے حد مختصر ہو

جائے گی۔ لیکن مجبوری اب یہ ہے کہ سردار بدر

لغاری اپنے بیٹے کی ماں کو رسوا نہیں کر سکتا!"

ہاتھ پشت پر باندھتے ہوئے وہ سر اونچا کر

کے ایک احسان کرنے والے انداز میں بولا تھا۔

"ٹھیک ہے۔مجھے اس وقت کا انتظار رہے گا جب

تم اس اذیت کا انکشاف کرو گے۔۔!" اس کا

کندھا تھپکتے ہوئے شمعون لغاری نے مدھم لہجے

میں کہا۔وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

"فی الحال میں سونے جارہا ہوں۔!" وہ مزید

بولے تھے۔

"اور جنید کے قاتل کا کیا ہوا۔؟" انہیں پلٹتے

دیکھ بدر نے کچھ جتانے والے انداز میں پوچھا۔

اسے گھوم پھر کر اسی موضوع پر آتے دیکھ وہ

لب بھینچنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جنید کے

موضوع کو شروع ہوتا دیکھ ہی تو انہوں نے اس

کی شادی کی بات چھیڑ دی تھی اور اب آخر میں

وہ پھر اسی بابت دریافت کر رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ پولیس اس سلسلے میں ناکام رہی

ہے، تو پھر یقیناً یہ تمہارے کسی مضبوط دشمن کا

کام ہو سکتا ہے!" وہ لہجے میں لاپرواہی سموتے

ہوئے بولے۔

"حالانکہ آپ جانتے کہ میرے دشمن ایسی

جرات نہیں کرسکتے بابا۔۔!"بدرجتاتے لہجے میں

غرایا۔

"ضروری نہیں کہ تمہارا ہر دشمن ہوش مند ہو۔

کچھ جوش منداکثر ایسی غلطیاں کرجاتے ہیں۔

تمہیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے!" وہ

اس کے باپ تھے سو بڑی چالاکی سے اس کے

سامنے ایک قابل قبول دلیل رکھی تھی۔ وہ

ناچاہتے ہوئے بھی سر اثبات میں ہلا گیا۔ بے

اختیار اسے سارنگ چوہان یاد آیا تھا۔ بلاشبہ

سارنگ ہی وہ شخص تھا جس کی جوش مندی کا

فائدہ وہ ایک بار اٹھا چکا تھا۔ اسے گہری سوچ میں

منہمک چھوڑ کر شمعون لغاری ڈرائینگ روم سے

نکلتے چلے گئے۔ جبکہ وہ سارنگ پر شک کرنے کی

بجائے ہنوز اپنے اس نظریے پر پُراعتماد تھا کہ

اس سے ٹکرانے سے قبل اس کا کوئی جوش مند

دشمن بھی ہوش سے کام لینا پسند کرے گا۔ یہ

قاتل جو کوئی بھی تھا، اگر وہ اس کا دشمن تھا تو یقیناً

اسے شمعون لغاری کی پشت پناہی حاصل تھی۔

اگر فضہ کا قاتل اسکا کلاس فیلو دانیال اکرم تھا تو

یقینی طور پر شیث کا جنید کے قتل میں کوئی ہاتھ

نہیں تھا۔ اور اگر شمعون لغاری شیث کے علاوہ

کسی اور کی پشت پناہی کر رہے تھے تو یقیناً شمعون

لغاری اس کے وفادار ساتھی کے قاتل سے ایک

بڑی قیمت وصول کر چکے تھے۔ کیونکہ یہ بات تو

وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اس کا باپ اس دنیا میں

اپنے خون کے رشتوں کے علاوہ خادموں کی

وفاداری کو نہیں، فقط پیسوں کو فوقیت دیتا ہے۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"آہاں۔۔۔بہت خوب۔۔کس کے لیے لیا ہے

یہ مجھے بھی تو بتائیں۔۔!"وہ جیسے ہی واش روم

سے باہر نکلا بیڈ پر لیٹے سجانی کے ہاتھ میں موجود

بریسلیٹ دیکھ کر بالوں میں چلتا اس کا ہاتھ رک

گیا۔ گیلا تولیہ صوفے پر پھینکتے ہوئے وہ اس کی

طرف لپکا۔

"واپس کرو یہ۔۔ کیوں گھسے تم میری الماری

میں۔۔؟" اس پر خفا ہوتا وہ جیسے ہی بیڈ پر جھکا

سبحانی گھوم کر دوسری طرف سے نیچے اتر گیا۔

لبوں پر شریر مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

"واپس تو نہیں کروں گا پہلے بتائیں کہ کس کا ہے

یہ۔۔؟؟" بریسلیٹ کو اپنی ہتھیلی پر اچھالتا وہ

چہکتے ہوئے بولا۔عالم کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار

ہونے لگیں۔

"تمہیں تو جیسے پتہ ہی نہیں ہے ناں۔۔؟واپس

کرو ورنہ باباسرکار سے شکایت کردوں گا

تمہاری۔۔!" اس کی جانب بڑھتا وہ چلایا۔ سجانی

ایک بار پھر بیڈ پر چڑھ گیا۔

" آہا۔۔ تو کیا بتائیں گے۔۔؟ کیا یہ کہ آپ کتنے

پیار سے مرحہ کے لیے یہ بریسلیٹ لے کر آئے

ہیں۔ ہمم۔۔۔؟؟" بیڈ سے اتر کر صوفہ کے گرد

گھومتا وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ عالم نے

دانت پیستے ہوئے اسے گھورا۔

"آہستہ بولو ایڈیٹ۔۔ مما نے سن لیا ناں تو۔۔"

عالم نے اس سے گزارش کرنے والے انداز میں

کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"ابھی آپ بابا سرکار سے میری شکایت لگانے کی

بات کررہے تھے اور اب خود مما کے خوف سے

آپ کا برا حال ہو رہا ہے۔۔؟" صوفے پر ڈھیتے

ہوئے وہ اسے چڑانے والے انداز میں بولا تو عالم

سر جھٹکتے ہوئے اسکے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"ڈرتا نہیں ہوں۔۔میں بس مرحہ کے لیے کسی

قسم کی کوئی پریشانی نہیں چاہتا۔۔!"اس کے ہاتھ

سے بریسلیٹ لیتے ہوئے عالم نے سنجیدگی سے

کہا تو وہ سر اثبات میں ہلاتا سیدھا ہو بیٹھا۔

"پریشانی تو ہو گی۔۔ اتنا قیمتی بریسلیٹ اگر مما نے

اس کے ہاتھ میں دیکھ لیا تب بھی وہ اس سے پوچھ

پڑتال تو کریں گی۔۔!" سجانی نے مسکراہٹ

روکتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ پہلی پریشانی تو میرے لیے ہے۔۔ پتہ نہیں

وہ یہ تحفہ قبول کرے گی یا نہیں۔۔ محترمہ

ڈرپوک ہی اتنی ہیں کہ کوئی حساب نہیں۔!"

صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے عالم نے

ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"پیار سے لائے ہیں مگر پیار سے مت دیجئے گا

ورنہ تو وہ واقعی ایکسیپٹ نہیں کرے گی۔ڈرپوک

ہے تو تھوڑا رعب سے دیجئے گا، پھر شاید لے

لے۔۔!" سجانی نے اپنے تئیں اسے بڑا

سمجھدارانہ مشورہ دیا تھا جس پر عالم نے گردن

موڑ کر اسے گھورا۔

"چلو نکلو اب میرے کمرے سے اور جا کر اپنی

پیکنگ کرو۔ بابا سرکار نے کہا ہے کہ تمہیں واپسی

پر اپنے ساتھ لے کر جاؤں۔۔!" اسے کندھے

سے ہلاتے ہوئے عالم نے کہا تو وہ مچل اٹھا۔

"غضب خدا کا ابھی دو دن پہلے ہی تو آیا ہوں میں

نہیں جا رہا واپس۔۔!" کانوں کو ہاتھ لگاتا وہ

خوفزدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو تم کون سا پندرہ سالوں سے وہاں رہ رہے

ہو۔ ابھی نیو ایڈ میشن ہوا ہے تمہارا اور پورے

پندرہ دن تم نے کلاسز نہیں لیں اور واپس حویلی

بھاگ آئے ہو۔ تمہارے ڈیپارٹمنٹ سے کال

آئی ہو گی بابا سرکار کو تبھی تو انہوں نے مجھے

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

تمہیں ساتھ لے جانے کو کہا ہے۔۔!" عالم نے

اچھے سے اس کی کلاس لی تو وہ تپ کر اٹھ کھڑا

ہوا۔

"اچھا پھنسایا ہے آپ نے مجھے۔۔اس سے اچھا تو

یہیں سکھر کی کسی یونی میں ایڈمیشن کروا دیتے۔

لے جا کر قید کر دیا اس اندھیروں کے شہر منحوس

میں۔۔!" سجانی نے کافی کڑوے لہجے میں کراچی

کے لیے اپنے نادر خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"جس طرح کتے کو کھیر راس نہیں آتی بالکل اسی

طرح تمہیں روشنیوں کا شہر معروف راس نہیں

آرہا لیکن خیر۔۔ آہستہ آہستہ سمجھ آجائے گی

تمہیں۔۔!!" عالم نے بڑے ٹھنڈے ٹھار لہجے

میں اس کی عزت افزائی کی۔ اس سے پہلے کہ

بدلے میں سجانی گوہر فشانی کرتا دروازے پر

ہونے والی دستک نے ان دونوں کی توجہ کھینچ لی۔

عالم نے گردن موڑ کر دروازے کی جانب دیکھا۔

"آجائیں۔۔!" بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ کھڑے

ہوتے ہوئے بولا۔ مرحہ کو دروازہ کھول کر اندر

آتے دیکھ جہاں عالم کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں

وہیں سبحانی نے گلا کھنکھارا۔

"آہم۔۔ آہم۔۔ میں چلتا ہوں پھر۔۔!!" عالم

کی جانب دیکھتے ہوئے وہ مسکاتے لہجے میں بولا۔

"خطا معاف لیکن چھوٹے سرکار آپ مت

جائیں۔۔!" ان دونوں کی جانب آتی وہ نگاہیں

جھکائے بولی۔

"بالی نے کہا کہ آپ کا جوس بھی یہیں لے

آؤں۔۔!" ہاتھ میں پکڑی ٹرے اونچی کرتے

ہوئے وہ اس انداز میں بولی جیسے ان دونوں کو

اپنی بات کی وجہ دکھا رہی ہو۔ ٹرے میں اورنج

جوس کے دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ سبحانی نے

عالم کی جانب دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات

دیکھ کر ایک بار پھر اس کی رگ ظرافت پھڑک

اٹھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں لاؤ دو۔۔!!" سر اثبات میں

ہلاتے ہوئے اس نے ٹرے کی جانب ہاتھ بڑھایا

جب عالم نے سرعت سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ

مارا۔

"تم نہیں پیو گے۔۔ ابھی تو تم نے بتایا کہ تم

چائے پی کر آئے ہو اب فوراً سے یہ

جوس۔۔۔!" سجانی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں

وہاں سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ چبا چبا کر

بولا جبکہ اس تازہ ترین جھوٹ پر سبحانی نے

مسکاتی نگاہوں سے عالم کو دیکھا۔

"چائے پیے تو گھنٹہ بیت گیا بھائی۔۔میں پی لوں

گا اٹس اوکے۔۔!" اس کی نظروں کی زبان سے

انجان بنتا وہ گلاس ہاتھ میں لے چکا تھا۔ مرحہ ان

دونوں کی گفتگو سنتے ہوئے کچھ تذبذب کا شکار

نظر آ رہی تھی۔

"سبحانی جھوٹ مت بولو ابھی دس منٹ پہلے تم

نے چائے پینے کا بتایا ہے یہ واپس رکھو اور نکلو

کمرے سے۔۔!!" اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے

ہوئے عالم نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا تو

اس بار سبحانی کو منہ لٹکانا پڑا۔

"مجھے باہر نکالنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن آپ میرا

جوس کیوں ہتھیا رہے ہیں۔۔؟" مظلوم سی شکل

بناتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں دہائی دی۔

ان دونوں کو بحث میں مبتلا دیکھ کر مرحہ نے ہاتھ

میں پکڑی ٹرے میز پر رکھ دی۔

"سس۔۔۔سرکار میں جاؤں۔۔؟"ہاتھوں کی

انگلیاں مروڑتے ہوئے اس نے پوچھا تو عالم اس

کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم کیوں جاؤ گی۔۔؟یہیں رکو تم۔۔اور

سجانی۔۔تُم نکلو یہاں سے۔۔!" اسے جواب

دینے کے ساتھ ساتھ عالم نے سجانی کو بھی لتاڑا۔

"لیکن میرا جوس۔۔۔؟؟؟" وہ بھولی سی صورت

بنا کر سوالیہ انداز میں بولا تو عالم نے مسکراتی

نگاہوں سے مرحہ کی طرف اشارہ کیا۔بدلے

میں سبحانی نے خونخوار نگاہوں سے عالم کی طرف

دیکھا۔

"اللہ ہضم کروائے۔۔!" سر جھکائے کھڑی مرحہ

پر ایک نظر ڈال کر سبحانی نے مدھم آواز میں کہا

تو عالم قہقہہ لگا کر ہنسا۔ وہ جلتا بھنتا کمرے سے باہر

نکل گیا۔ عالم قدم قدم چلتا اس کے مقابل آ گیا۔

"کہاں جا رہی تھیں تم؟؟ یہ جو ایکسٹرا گلاس بنا

لائی ہو یہ کون پیے گا؟؟" ٹراؤزر کی جیبوں میں

ہاتھ گھساتے ہوئے عالم نے نرمی سے پوچھا۔ اس

کے سوال پر نظریں جھکائے کھڑی مرحہ نے فوراً

نفی میں سر ہلایا۔

"میں نہیں لائی۔بالی نے کہا تھا کہ چھوٹے سرکار

نے بھی پینا ہے۔۔!" اس نے دھیمی آواز میں

اپنی صفائی دی۔

"تو کیا اس نے پی لیا۔۔؟" پلٹ کر اپنا گلاس میز

سے س

اٹھاتے ہوئے عالم نے کافی بے نیازی سے پوچھا۔

"آپ ہی نے نہیں پینے دیا۔۔!" مرحہ نے فوراً

لب کشائی کی۔

"سارادن کھاتاپیتارہتاہے اور پھر سٹمک خراب

ہوجاتاہے اسی لیے نہیں پینے دیا۔۔!!" دوسرا

گلاس لے کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے عالم

نے کہاتو مرحہ نے زرا سی نظریں اٹھا کر اس کے

ہاتھ میں موجود گلاس کو دیکھا۔ دائیں ہاتھ کی

آخری انگلی میں وہ مردانہ انگوٹھی پہنے ہوئے

تھا۔ صاف رنگت پر سیاہ نگ خوب بچ رہا تھا۔ بے

اختیار اس کی نگاہ اٹھی تھی۔ آنکھوں میں نرم سا

تاثر لیے وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ پیشانی پر

بکھرے گیلے بالوں نے یک دم اسے نگاہ جھکانے

پر مجبور کیا تھا۔

"مم۔۔میں نہیں پی سکتی۔۔میں نے ابھی ناشتا کیا

ہے۔۔!"خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیرتے

ہوئے مرحہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تم سے پوچھ تو نہیں رہا۔ میں تو تمہیں بتا رہا

ہوں کہ یہ جوس تم ہی پیو گی۔۔!" گلاس اسے

زبردستی تھماتے ہوئے اس بار اس نے کافی

سنجیدگی سے کہا تھا۔ اسے وہیں پریشان کھڑا چھوڑ

کر وہ خود ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آگیا۔ ساتھ ہی

ساتھ وہ جوس کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

"آ۔۔ آپ کیوں مجھے مجبور کر رہے ہیں

سرکار۔۔!" وہ منمنائی۔

"ظاہر سی بات ہے کیونکہ تم خود اپنا خیال نہیں

رکھتی۔۔!!" آئینے کے سامنے کھڑا وہ لاپرواہی

سے بولا۔وہ کچھ پل کو بول ہی نہ سکی۔

"میرا خیال رکھنا آپ کی ذمہ داری تو نہیں۔۔!"

اس نے کچھ سوچ کر بولنے کا جرم کیا۔عالم نے

خالی گلاس میز پر پٹخا۔

"میری ذمہ داریوں کا تعین میں خود کروں گا۔

تمہیں فتویٰ جاری کرنے کی ضرورت نہیں

ہے۔!" اس کے جھکے سر کی جانب دیکھتا وہ

سنجیدگی سے بولا تھا۔

"مجھے یہ نہیں پینا۔۔!" مرحہ نے جھکی پلکیں

جھپکاتے ہوئے کہا۔

"تم ضد لگا رہی ہو مجھ سے۔۔؟؟" اس کی ٹھوڑی

پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کرتا وہ نرمی سے پوچھ رہا

تھا۔ مرحہ کا سانس خشک ہونے لگا۔ نظریں ہنوز

جھکی ہوئی تھیں۔

"مم۔۔میری اتنی اوقات نن۔۔نہیں ہے

سرکار۔۔!" اپنا سانس ہموار کرنے کی کوشش

کرتی وہ لرزتے لبوں کو حرکت دینے پر مجبور

ہوئی تھی۔

"تو پھر جو کہہ رہا ہوں وہ کرو مرحہ۔۔!" اپنا ہاتھ

نیچے گراتے ہوئے عالم نے آہستگی سے کہا۔

گلاس اس کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا۔ وہ دو

قدم پیچھے ہٹی اور پلکیں جھپکتے ہوئے گلاس لبوں

سے لگالیا۔ وہ پرسکون سا ہو کر اس کی جانب سے

رخ موڑ گیا۔ اسے مرحہ کے ساتھ یہ زبردستی

گوارا نہیں تھی لیکن وہ لڑکی اس کے رعب میں

آئے بغیر اس کی بات ہی نہیں مانتی تھی۔

"پی لیا۔۔ اب میں جاؤں۔۔؟؟" خالی گلاس سختی

سے ہاتھ میں دبوچے وہ پانی بھری آنکھوں سے

اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ چہرہ

ضبط کے چکر میں گلاب ہو رہا تھا۔ عالم نے ہولے

سے نفی میں سر ہلایا تو اس کی آنکھوں سے آنسو

چھلک پڑے۔ وہ بوکھلا گیا۔

"مرحہ۔۔رو کیوں رہی ہو یار۔۔پلیز ڈونٹ

ویپ۔۔!"اس کے لیے فکر مند ہوتا وہ نرمی سے

بولا۔

"مم۔۔۔مجھے۔۔جج۔۔جانے دیں۔۔!"ہاتھوں

کی انگلیاں مروڑتی وہ روتے ہوئے کسی چھوٹے

بچے کی مانند بولی۔یوں جیسے رو کر اپنی بات منوا

لے گی۔

"او کے جاؤ۔۔!" اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ

سنجیدگی سے بولا تو وہ جلدی سے وہاں سے پلٹی۔

"یہ گلاس تو لیتی جاؤ ورنہ تمہیں پھر آنا پڑے

گا۔۔!" عالم نے آہستگی سے کہا تو اس کے قدم

رکے۔وہ سر اثبات میں ہلاتی پلٹی پھر دونوں

گلاس ٹرے میں رکھ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

عالم بے دم سا ہو کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ٹراؤزر کی

پاکٹ سے بریسلیٹ نکال کر اس نے خالی

نگاہوں سے دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر علیشہ کا نمبر

ڈائل کرنے لگا۔

□♦□♦□♦□♦

:ہے عکس میسر تیرا____جس سمت بھی

دیکھوں!

کیا ہر کوئی تم سا ہے_____یا سارا جہاں تم ہو!

بازو اطراف میں پھیلاتے ہوئے اس نے ایک

بھرپور انگڑائی لی تھی۔ موسمِ گرما کے آغاز میں

آسمان کا سینہ معمول کے برعکس آج روشن اور

چمکدار تھا۔ کندھوں پر بکھرے بال کلائی میں

بندھے بینڈ سے جکڑتے ہوئے وہ بیڈ سے اترا اور

چند قدم چل کر گلاس وال سے سفید پردے ہٹا

دیے۔ شفاف آسمان پر ایک سرسری نظر ڈال

کر وہ واش روم میں جا گھسا۔ آج پھر اس نے

خواب میں مہر ماہ کو خود پر برہم ہوتے دیکھا تھا۔

بالوں میں تولیہ رگڑتے ہوئے جب وہ باہر نکلا تو

اس کی سماعتوں میں موبائل کی بیل نے شور مچایا

تھا۔ منصب نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے

موبائل کی سکرین پر چمکتا نمبر دیکھا پھر کال ریسیو

کر کے فون کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم۔۔۔میں آپ ہی کو کال کرنے والا

تھا۔۔!"دوسری جانب سے ناجیہ بیگم کے بولتے

ہی وہ نرمی سے بولا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔اتنی بڑی نوازش۔۔؟" اسے

جواب دیتے ہوئے انہوں نے مسکاتے لہجے میں

کہا۔

"نوازش کی گزارش تو آپ سے ہے اماں۔۔میں

واپس آنا چاہتا ہوں مجھے اجازت دے دیں

پلیز۔۔!" وہ فوراً سے پہلے مدعے پر آیا تھا۔

دوسری جانب ناجیہ بیگم کے لبوں پر بکھری

مسکراہٹ سمٹ گئی۔ "تمہاری ڈگری۔۔؟"

انہوں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ جانتی ہیں کہ میں ڈگری کے لیے یہاں

نہیں آیا۔۔!" منصب نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں لیکن تمہارے دادا اور بابا سرکار۔۔ تمہاری

ایم۔بی۔اے کی ڈگری چاہتے ہیں!" ناجیہ بیگم

نے لہجے میں نرمی سموتے ہوئے کہا۔

"میں کیا چاہتا ہوں آپ اچھے سے جانتی ہیں

اماں۔۔میں اور انتظار نہیں کر سکتا پلیز مجھ پر رحم

کریں۔!"بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے گزارش

کرنے والے انداز میں کہا۔اس کے لہجے کی

تڑپ محسوس کرتی وہ افسردہ سی ہو گئیں۔

"تین ماہ تو رہ گئے ہیں میرے چاند۔۔بس تھوڑا

سا اور صبر کر لو۔۔!" انہوں نے اسے حوصلہ

دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"آپ کے لیے کہنا بہت آسان ہے اماں، مجھ

سے پوچھیے کہ یہ نو ماہ میں نے یہاں کیسے

گزارے ہیں۔۔!" فون سختی سے پکڑے وہ

بولتے ہوئے تلخ ہو گیا۔

"مون۔۔ مون ایسے نہیں کرو میری جان۔۔

ایک سال پورا کر لو چندا۔۔!" ناجیہ بیگم نے اس

سے گزارش کی۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"یہ ایک سال نہیں ہے اماں۔۔یہ تین سو پینسٹھ

دن بھی نہیں ہیں۔نہ یہ گھنٹے ہیں نہ ہی منٹ ہیں۔

یہ لمحات ہیں۔ان لمحات میں وہ ایک ایک پل

شامل ہے جس میں آپ کا مون سانس لیتا ہے۔

میں دن نہیں گنتا اماں۔۔میں اپنی سانسیں گن

رہاہوں۔ مجھ پر رحم کریں ورنہ میں خود ہی اپنی

سانسیں روک لوں گا۔۔!"شدت جذبات کے

عالم میں کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔اس کی

حالت زار پر وہ خود بھی دوسری جانب رو پڑیں۔

"محبت آسان نہیں ہے مون۔۔یہ انسان کو مار

دیتی ہے۔۔!!" ان کی بھیگی آواز فون کے سپیکر

سے ابھری تو منصب نے ضبط کرنے کو اپنا نچلا

لب دانتوں میں دبا لیا۔کچھ پل خاموشی کی نظر

گزر گئے پھر جب وہ بولا تو اس کی آواز میں

وحشتیں چیخ رہی تھیں۔

"میں نے بھی سنا تھا کہ محبت مار دیتی ہے۔ لیکن

نہیں، اگر اس جذبے میں سانسیں ختم کر دینے

کی طاقت ہوتی تو آج منصب عالم شاہ زندہ نہ ہوتا

اماں۔۔ محبت سانسیں ختم نہیں کرتی، یہ سانسیں

تنگ کر دیتی ہے، اس حد تک کہ انسان اس

اذیت سے چھٹکارا پانے کے لیے خود ہی اپنی گلا

گھونٹ لیتا ہے۔۔!" سنجیدگی سے کہہ کر اس نے

کال کاٹ دی۔

آنکھوں کی بدلتی رنگت دل کی تکلیف کی عکاسی

کر رہی تھی۔ موبائل بیڈ پر پٹخ کر اس نے اپنے

گیلے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔ دن کا آغاز ہی

اس اذیت سے ہو گیا تھا جس سے چھٹکارا پانا اسے

ناممکن سا نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر وہ یونہی بیٹھا رہا پھر

اپنی سوچوں سے جان چھڑاتا وہ کمرے سے باہر

نکل آیا۔ ناشتا کیے بغیر ہی اس نے یونیورسٹی کا رخ

کیا تھا۔ کلاس روم کی طرف بڑھتے ہوئے اسے

راہداری میں ہی رابرٹ مل گیا تھا۔

"ہے باس۔۔طبعیت ٹھیک ہے تمہاری۔۔؟"

اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے رابرٹ نے

مسکراتے ہوئے پوچھا۔منصب نے ہولے سے

اثبات میں سر ہلایا۔

"لگ تو نہیں رہی۔۔؟" اس نے منصب کو

کریدا۔

"رات بھر سو نہیں پایا۔۔بس اسی لیے۔۔!"

رابرٹ کے ساتھ چلتے ہوئے منصب نے سنجیدگی

سے کہا۔

"اوہ۔۔یُومین کسی کے ساتھ جاگ رہے

تھے۔؟"رابرٹ نے کافی بے باکی سے آنکھ

دباتے ہوئے اسے چھیڑا۔وہ چونک گیا پھر

ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔

"کسی کی یاد میں جاگ رہا تھا۔!" منصب نے

آہستگی سے کہا تو رابرٹ نے اپنے ہونٹ سیٹی

بجانے کے سے انداز میں لب سکیڑے۔

"اگر سونا چاہتے ہو تو سلانے کا سامان یہاں وافر

تعداد میں دستیاب ہے!" اس کی جانب اچکتے

ہوئے وہ سرگوشیانہ بولا۔ رابرٹ کی چمکتی نگاہیں

اطراف کا بخوبی جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی

پیشکش پر منصب نے گردن موڑ کر رابرٹ کی

جانب دیکھا۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں اس پل

سرخ ڈورے ابھر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔۔میں بہت جلد تمہیں بتاؤں

گا۔۔!!"پل میں فیصلہ کرتے ہوئے اس نے کہا

تو رابرٹ قہقہ لگا کر ہنس دیا۔

"کمال ہو یار۔۔کمال ہو تم۔۔!" اس کا کندھا

تھپکتے ہوئے رابرٹ کہتا چلا جارہا تھا جبکہ وہ لب

بھینچے کسی مشین کی مانند چل رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"یہ تماشا بند نہیں ہو سکتا۔۔؟وہ کیوں بار بار

یہاں چلے آتے ہیں۔۔؟پہلے ایک نے ٹھکرایا

اب وہ دوسرا نمونہ میرے سر پر مسلط کرنا چاہ

رہے ہیں کیوں۔۔؟کیوں اماں۔۔؟ کیا لگتے ہیں

وہ میرے؟؟ ماموں ہیں تو ماموں ہی رہیں ناں

باپ بننے کی کوشش مت کریں پلیز۔۔!"نور

بیگم کی بات سنتے ہی وہ غصے سے پاگل ہوتی پھٹ

پڑی۔

"خدا کی پناہ مہر آہستہ بولو باہر ہی بیٹھے ہیں

وہ۔۔۔!" اسے بازو سے پکڑ کر دبوچتی وہ دبی دبی

سی آواز میں چلائیں۔ مہرماہ نے بد تمیزی سے ان

کا ہاتھ جھٹکا۔

"مجھے مت سمجھائیں اماں۔۔ مجھے سمجھانے کی

بجائے جا کر اپنے شوہر اور اُن کے بھائی سرکار کو

سمجھائیں۔ مجھے اب شادی نہیں کرنی خدارا

میرے سامنے مزید کوئی پروپوزل مت

رکھیں۔۔!" اپنے ہاتھ ان کے سامنے جوڑتی وہ

تلخی سے گویا ہوئی۔اس کے سرکش انداز پر نور

بیگم نے کچھ ہاری ہوئی نگاہوں سے اس کا سرخ

چہرہ دیکھا۔

"مہر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔۔؟ کیوں ایسی باتیں کر

رہی ہو میری جان۔۔؟" اس کی ٹھوڑی چھوتے

ہوئے وہ افسردگی سے بولیں تو مہر ماہ نے لب

بھینچتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"یہ آپ پوچھ رہی ہیں۔۔؟سب جانتے بوجھتے

ہوئے بھی۔۔؟ نظر نہیں آتا آپ کو کہ کیا ہوا

ہے میرے ساتھ۔۔؟ ایک نے کھلونا سمجھ کر

میرے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی اور ایک نے

پتھر سمجھ کر مجھے توڑ دیا۔ وہ منصب عالم شاہ تو پنج

ہے ہی لیکن آپ کا منتخب کردہ میرا وہ نام نہاد

ہمسفر بھی گھٹیا نکلا۔ میری بربادی آپ کو نظر

نہیں آتی اماں۔۔؟ پتہ نہیں چلتا آپ کو کہ کس

ذہنی اذیت سے گزر رہی ہے آپ کی بیٹی۔۔؟"

آنکھوں میں آنسو لیے تاسف زدہ نگاہوں سے

انہیں دیکھتی وہ بھیگے ہوئے لہجے میں بولتی چلی

گئی۔

"مہر۔۔ تمہیں اس اذیت سے نکالنے کے لیے

ہی تو۔۔!" انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش

کی جب وہ ان کی بات کاٹتی چیخ گئی۔

"نہیں کم ہو گی یہ اذیت۔۔ الٹا آپ اس اذیت

کو بڑھا رہی ہیں۔اب آپ کسی تیسرے شخص کو

یہ موقع دے رہی ہیں کہ وہ میرے ٹوٹے وجود

جو بکھیر دے۔ ایسا مت کریں اماں کیونکہ اگر

اس مرتبہ میں بکھری تو کبھی سمٹ نہیں پاؤں

گی۔خود بھی زخمی ہو جاؤں گی اور دوسروں کو

بھی لہولہان کر دوں گی۔۔!" وحشت زدہ نگاہوں

سے ان کی جانب دیکھتی وہ روتے ہوئے بولی۔

"ایسا مت سوچو۔۔کبیر بہت اچھا لڑکا ہے میں ملی

ہوں اس کی فیملی سے۔۔تمہارے ابی جی بھی

مطمئن ہیں۔۔!" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے نور

بیگم نے ایک بار پھر اسے سمجھایا۔ مہرماہ نے

ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔

" آپ کو کیا ٹینشن ہے اماں۔۔؟ آپ کس سے

خوفزدہ ہیں۔۔؟ آپ کیوں مجھ سے جان

چھڑوانا چاہ رہی ہیں بتائیں ناں؟ بوجھ بن گئی

ہوں تو جان سے مار ڈالیں لیکن یوں مجھے عذاب

میں تو مبتلا نہ کریں۔!" ایک بار پھر اپنے ہاتھ ان

کے سامنے جوڑتی وہ گڑگڑائی تو نور بیگم کی

آنکھیں چھلک پڑیں۔

"ایسا نہیں ہے مہر۔۔میری زندگی تم ہمارے

لیے بوجھ نہیں ہو لیکن۔۔۔لیکن وہ۔۔!"انہیں

سمجھ نہ آئی کہ اپنی بات کس طرح مکمل کریں۔

"لیکن کیا اماں۔۔؟"مہرماہ نے نا سمجھی سے ان کی

جانب دیکھا۔

"تمہارے ابی جی چاہتے ہیں کہ منصب کی واپسی

سے پہلے وہ تمہارے فرض سے سبکدوش

ہو جائیں۔۔!"اس کا لرزتا ہاتھ تھپکتے ہوئے

انہوں نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا تو وہ بے دم

سی ہو کر زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

"مہر۔۔مہر خود کو سنبھالو جان۔۔!"نور بیگم نے

اپنے گال رگڑتے ہوئے اس سے التجا کی۔

"اماں کیا میرے ابی جی کمزور ہیں۔۔؟کیا میں

اپنے باپ کے گھر میں سیکیور نہیں ہوں۔۔؟کیا

وہ سڑک چھاپ غنڈا اتنا ہی طاقتور ہے ک اس

کا باپ بھی اسے کنٹرول نہیں کر سکتا۔؟؟" ان

کی جانب دیکھتی وہ بے حد مدھم آواز میں بولی۔

"تمہارے ابی کمزور نہیں ہیں مہر۔ تمہارے ابی

کی منصب کے لیے محبت بے حد طاقتور ہے۔ وہ

اس سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ اپنی ضد اور جنون

میں اگر اس نے تمہیں کوئی نقصان پہنچادیا تو

تمہارے ابی جی کمزور پڑ جائیں گے چندا۔ وہ

تمہارے اور مون کے درمیان کشمکش میں مبتلا

ہوجائیں گے۔ انہیں اس آزمائش سے بچالو۔ ہاں

کردو چندا۔۔!"نور بیگم نے مدھم لہجے میں اسے

حالات کی باریک بینی سے آگاہ کیا۔

"وہ ایک سرکش گھوڑا ہے۔اس کی لگامیں کسنا

اس کے باپ تو کیا۔۔دادا کے بس کی بات بھی

نہیں ہے۔وہ واپس آگیا تو سب ختم ہو جائے گا۔

ہم تمہیں کھو دیں گے مہر۔۔ تمہارے ابی جی

تمہیں کھونے سے ڈرتے ہیں۔ تم ماضی نہیں

جانتی اور منصب کے دادا ہمارے حال سے

ناواقف ہیں۔ اگر وہ ہمارے وجود سے واقف ہو

گئے تو تمہارے بابا کی سالوں کی ریاضت تباہ ہو

جائے گی۔۔!" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے

وہ مدھم سنجیدہ لہجے میں بول رہی تھیں۔

"کیسا ماضی۔۔؟"مہرماہ نے کچھ حیرت سے

پوچھا۔

"بہت جلد ہر شے تم پر واضح ہو جائے گی۔ بہت

جلد۔۔!" اس کا کندھا تھپک کر کہتی وہ اٹھ کھڑی

ہوئیں۔ مہرماہ نے آنکھیں موندتے ہوئے پیچھے

بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگالی۔

□♦□♦□♦□♦

"کیا ہو گیا ہے آپ کو سائیں؟ آپ کیوں اپنی

جان کے دشمن بن رہے ہیں وہ اچھا انسان نہیں

ہے۔۔!" اسے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی

جانب موڑتی وہ ہانپتی ہوئی آواز میں چلائی۔

"اچھا انسان نہیں ہے تبھی اس کے ساتھ بری

طرح پیش آیا ہوں۔لاسٹ ٹائم بھی اس نے

آپ سے بد تمیزی کرنے کی کوشش کی تھی اور

آج بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہا تھا۔۔!"غصے

سے سرخ پڑتا وہ بڑی مشکلوں سے مدھم آواز

میں بولا تھا۔ ان کے بیڈروم سے چند فرلانگ کے

فاصلے پر تعمیر شدہ کچن میں کام کرتی زہرہ تک ان

دونوں کی آوازیں بخوبی پہنچ رہی تھیں۔ انہیں

گھوٹکی کے اس چھوٹے سے علاقے میں آئے

تین ماہ بیتنے کو تھے۔ زہرہ کے زخم کافی حد تک

مندمل ہو چکے تھے۔ اسی لیے حدیبہ کی طبعیت

کے پیشِ نظر وہ خود گھر کا کام کیا کرتی تھی۔ آج

دوپہر میں ہی وہ دونوں حدیبہ کے چیک اپ کے

لیے قریبی کلینک تک گئے تھے اور واپسی پر ان

دونوں کا سامنا کسی عمر زیدی سے ہوا تھا جس سے

زہرہ تو قطعی انجان تھی لیکن فدا کے بگڑے

ہوئے موڈ اور حدیبہ کی گزارشات سن کر اسے

معاملہ کافی حد تک سمجھ آگیا تھا۔

"جو بھی تھا۔ آپ کو اس پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہئیے

تھا۔۔!" حدیبہ نے قدرے خفگی سے کہا۔

"کیا بے غیرت سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھے۔۔؟

کوئی بھی آپ کو گھورتا رہے اور میں آنکھیں بند

کر کے بے نیاز ہو جاؤں۔۔؟؟" حدیبہ کے ہاتھ

پیچھے جھٹکتے ہوئے وہ چلایا۔

"وہ کوئی نہیں ہے۔۔ عمر زیدی ہے۔۔!" حدیبہ

اس سے زیادہ اونچی آواز میں چیخی تھی۔

"ڈرتا نہیں ہوں میں کسی عمر زیدی سے۔۔!" وہ

ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتا غرایا۔

"پتہ ہے مجھے۔۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اب وہ بھی

آپ سے نہیں ڈرتا۔ پچھلی مرتبہ اس نے کوئی

واویلا نہیں کیا تھا کیونکہ آپ کے سر پر میرے

بابا کا ہاتھ تھا۔ اب وہ سایہ آپ کے سر سے اُٹھ

چکا ہے سائیں۔۔ اگر اس نے آپ کو کوئی نقصان

پہنچا دیا تو میں اس بھری دنیا میں تنہائی نہیں جھیل

سکوں گی۔۔ مر جاؤں گی میں۔۔!" اس کی

شرٹ کا کالر پکڑ کر بولتی وہ رو پڑی۔ اس کی بات

پر وہ پل بھر کو خاموش رہ گیا۔

"اسے شاید تایا سرکار کی طاقت کا خوف ہو لیکن

مجھے اللہ کے سوا کسی کی طاقت محفوظ نہیں رکھ

سکتی۔ آپ کو اللہ پر یقین ہونا چاہئیے۔۔!" اس

کے گال نرمی سے صاف کرتے ہوئے وہ کچھ

مدھم لہجے میں بولا۔ حدیبہ نے بامشکل اثبات

میں سر ہلایا۔

"فیس واش کرلیں اور خود کو فریش کریں۔ میں

جوس بنا کر لاتا ہوں آپ کے لیے۔۔!!" ایک

ہلکی سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے ہوئے

فدا نے پیار بھرے لہجے میں کہا تو حدیبہ نے

جھٹ نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کیوں بنائیں گے؟ میں خود بنا لیتی ہوں ہم

دونوں کے لیے۔۔!" وہ نرم لہجے میں گویا ہوئی۔

"جب چند دن بعد آپ بیڈ ریسٹ پر ہوں گی تب

بھی تو یہ کام میں نے ہی کرنے ہیں۔ تو اب کیوں

نہیں؟" فدا نے اس کی بات کی نفی کی۔

"اوہ تب کی بات اور ہو گی۔ اور تب زہرہ مینیج

کر لے گی لیکن ابھی میرے ہاتھ پاؤں بالکل

سلامت ہیں میں بنا سکتی ہوں۔۔!" حدیبہ نے

ضدی پن سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ حدیبہ بھی

مسکائی۔

"آپ بیٹھیے میں بس پانچ منٹ میں بنا کر لاتی

ہوں۔۔!" اسے پیچھے مسہری کی طرف دھکیلتے

ہوئے وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ فدا نے نرم

نگاہوں سے اسے کمرے سے باہر نکلتی حدیبہ کو

دیکھا جو دنیا کی وہ پہلی اور آخری عورت تھی جو

اسے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔

□♦□♦□♦□♦

"میں ابھی کیسے آسکتی ہوں عالم۔۔؟ یونی میں

ہوں اس وقت۔۔!" فون کان سے لگائے

سیڑھیاں اترتی وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"تو یونی آف ہو جانے کے بعد آجانا۔ آج رات

یہیں رک جانا پھر کل میں اپنے ساتھ تمہیں بھی

واپس لیتا آؤں گا۔۔!" عالم نے فوراً حل پیش

کیا۔ علیشہ نے لب بھینچتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

"عالم ایم ٹائرڈ۔۔ میں اتنا لمبا سفر نہیں کر

سکتی۔۔!" اس نے تھکے سے انداز میں کہا۔

"علیشہ آئی نیڈیو۔۔پلیز آجاؤ۔۔!" عالم کی نرم

آواز فون کے سپیکر سے ابھری تھی۔ مجبوراً اسے

ہامی بھرنا پڑی۔

"اوکے میں شام میں یہاں سے نکل پڑوں گی۔

لیکن کرنا کیا ہے؟" گراؤنڈ ایریا کی طرف آتی وہ

سنجیدگی سے بولی۔

"وہ تم آؤ گی تو بتا دوں گا۔۔!" عالم کی مدھم آواز

نے اس کی سماعتوں کو کچھ گڑبڑ ہونے کا اشارہ دیا

تھا لیکن اس نے اچھا کہہ کر کال کاٹ دی۔

"بات سنیے۔۔؟؟" ابھی اس نے کال کاٹ کر

نگاہیں اٹھائی ہی تھیں جب وہ اس کے سامنے آیا

تھا۔علیشہ نے بے تاثر نگاہوں سے اپنے مقابل

کھڑے شیث کو دیکھا۔

"میں تمہیں نہیں سننا چاہتی۔۔بس؟

اتنی عزت افزائی پر ہی تم پلٹنا پسند کرو

گے۔۔؟ یا مزید کچھ کہوں۔۔؟" بازو لپیٹتے ہوئے

علیشہ نے کافی بدلحاظی سے اسے جواب دیا تھا۔

"آپ ایسے کیوں کرتی ہیں میرے ساتھ۔۔؟

اتنا برا بھی نہیں ہوں میں۔۔!" شیث نے نظریں

جھکاتے ہوئے اپنے مخصوص مدھم لہجے میں کہا تو

علیشہ نے بے زار نظروں سے اس کی جانب

دیکھا۔

"تم برے ہو یا نہیں۔۔ لیکن مجھے بالکل اچھے

نہیں لگتے۔ کیا اس کے بعد کرنے کو کوئی بات

بچتی ہے۔۔؟" اس کی جھکی پلکوں کو گھورتے

ہوئے اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تو شیث

نے جھکی پلکیں یک دم اوپر اٹھائیں۔ اس کی

آنکھوں کی گہری سیاہ رنگت دیکھ کر بے اختیار

علیشہ کا دل دھڑکا تھا۔

"لیکن آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں!"علیشہ کی

بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے کافی

اعتماد سے کہا۔اس صاف گوئی کے مظاہرے پر

علیشہ نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تمہم۔۔۔!" دانت پیستے ہوئے اس نے کچھ

بولنے کو لب کھولے ہی تھے جب اس کی نگاہ عین

سامنے سیڑھیاں اترتے شمس سے جا ملی تھی۔

اسے شیث کے ساتھ کھڑا دیکھ کر شمس کی سنہری

آنکھوں میں عجیب سی سختی در آئی۔

"میں صرف تھوڑا وقت آپ کے ساتھ سپینڈ

کرنا چاہتا ہوں۔۔پلیز علیشہ۔۔!" شمس کی

نگاہوں کے سرد پن سے انجان وہ علیشہ کی جانب

دیکھتا ملتجیانہ انداز میں بولا۔ شمس کی جانب

دیکھتی علیشہ نے نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے

ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"چلو۔۔!" نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لب ہلے

تھے۔ شمس کو مسلسل اپنی جانب تکتا پا کر اس

نے شیث کا ہاتھ تھام لیا۔

"اب چلو بھی۔۔!" شمس کی نگاہوں سے بچنے

کے لیے اس نے شیث کو اپنے ساتھ گھسیٹ لیا۔

وہ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات لیے

اس کے سنگ چلنے لگا۔

"کیا آپ ساری زندگی کے لیے یونہی میرا ہاتھ

نہیں تھام سکتیں؟"علیشہ کی جانب دیکھتا وہ

ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا تو ایک ٹرانس

میں چلتی علیشہ چونک اٹھی۔اس نے گردن موڑ

کر کچھ بے یقینی سے پہلے اس کے چہرے اور پھر

اپنے ہاتھ میں موجود اس کے ہاتھ کی جانب

دیکھا۔ اگلے ہی پل اس نے یوں اس کا ہاتھ جھٹکا

جیسے وہ کوئی موذی جانور ہو۔

"اپنی اوقات میں رہو۔۔!" نفرت بھری

نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ پھنکاری۔ شیث کے

لبوں کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"غصہ تو مت کریں۔جب آپ یوں ناراض ہوتی

ہیں تو میرا دل پریشان ہو جاتا ہے!" اداس

نگاہوں سے اسے دیکھتا وہ منمنایا۔

"فار گاڈ سیک۔۔یہاں سے جاؤ۔۔!" اس کی

طرف سے اپنا رخ موڑتی وہ بے زاریت سے

بھرپور لہجے میں بولی۔ شیث نے زخمی نگاہوں

سے اس کا یہ سرد انداز دیکھا۔

"رحم بھی نہیں آتا نا آپ کو مجھ پر۔۔؟" شیث

نے اذیت بھرے انداز میں پوچھا۔ اس کے

سوال پر علیشہ نے گہرا سانس لیا۔

"رحم کرنے والوں میں سے نہیں ہوں میں۔اس

لیے اپنا سر پھوڑنا بند کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں

سے۔۔!" تلخی سے اسے جواب دیتی وہ اس کی

سائیڈ سے گزرتی آگے بڑھ گئی۔شیث نے پلٹ

کر اس کی نازک پشت کو دیکھا۔

"بہت ضدی ہیں آپ۔۔ لیکن میں ٹھیک کرلوں

گا آپ کو۔۔!" دور جاتی علیشہ سے تصور میں

مخاطب ہوتا وہ بڑبڑایا۔لبوں پر دھیمی مسکراہٹ

رینگ رہی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

وہ شیث سے جان چھڑا کر ڈیپارٹمنٹ کے بیک

گراؤنڈ کی طرف آگئی۔ ابھی اسے سنگی بنچ پر بیٹھے

چند منٹ ہی گزرے تھے جب اسے اپنے چہرے

پر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی۔ علیشہ

نے گردن موڑ کر دیکھا تو اسے چند قدموں کے

فاصلے پر کھڑا پایا۔

"یہ سب کر کے کیا کرنا چاہتی ہیں آپ مس

علیشہ۔۔!" ڈریس پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ

پھنساتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"مثلاً۔۔؟ کیا کر رہی ہوں میں؟" بنچ سے اٹھتی

وہ بھنویں اچکا کر بولی۔

"آپ اچھے سے جانتی ہیں کہ آپ کیا کر رہی

ہیں۔۔!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ سرد پن

سے بولا تو اس کی بات کا مطلب سمجھتی علیشہ

ہولے سے مسکرائی۔

"تو یعنی آپ جیلس ہو رہے ہیں؟؟" بازو لپیٹتے

ہوئے اس نے دل جلانے والے انداز میں پوچھا

تو شمس نے اپنے لب بھینچ لیے۔چند قدموں کا

فاصلہ طے کرتا وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"میں یہ جیلسی ڈیزرو نہیں کرتا مس علیشہ۔۔!"

شمس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اب آپ علیشہ چوہان کو بھی ڈیزرو نہیں

کرتے۔ اگر کرتے تو آپ کے پہلو میں کھڑی ہو

کر میں اس دنیا کے مرد کو جیلس فیل کرواتی لیکن

اب یہ جیلسی آپ کا مقدر ہے!" اس کی آنکھوں

میں دیکھتی وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"تو آپ کی محبت کا بھوت میرے شادی شدہ

ہونے کا سن کر بھاگ گیا۔ہمم۔۔۔؟"ایک

ہاتھ پینٹ کی جیب سے باہر نکال کر اپنی ٹھوڑی

کھجاتا وہ کافی سنجیدگی سے پوچھ رہا۔اس سوال پر

علیشہ کی آنکھوں میں اذیت سی در آئی۔

"میں آپ سے۔۔ محبت نہیں کرتی۔۔!" دانت

پیستے ہوئے وہ غرائی۔

"جھوٹ آپ کے منہ سے اچھا نہیں لگ رہا مس

علیشہ۔۔ آپ ہمیشہ سچ بولتی ہی اچھی نظر آتی

ہیں۔۔!" ایک دھیمی مسکان لبوں پر سجاتے

ہوئے شمس نے مدھم آواز میں کہا۔

"حیرت ہے کہ میں آپ کو کبھی اچھی بھی نظر

آتی ہوں۔۔!" ایک طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے علیشہ

نے کہا تو شمس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو

گئی۔

"یہ تو پھر آپ میری نظروں سے پوچھیے۔۔یقیناً

آپ کو آپ کا جواب مل جائے گا۔۔!" پر شوق

نگاہوں سے اس کا گلاب چہرہ تکتا وہ نرمی سے گویا

ہوا تو علیشہ نے کافی حیرت سے اس کی جانب

دیکھا۔

"آپ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہیں؟

کبھی موم کبھی پتھر۔۔؟ کبھی مہربان کبھی

ظالم۔۔ کبھی الفت تو کبھی بے زاریت۔۔؟ کیا

چاہتے کیا ہیں آپ۔۔۔؟؟" آنکھیں چھوٹی کرتی

وہ مدھم آواز میں غرائی تو شمس کے لبوں کی

مسکراہٹ بھی سمٹ گئی۔

"میں نہیں جانتا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ

اتنا جان لیں کہ میری شادی میری مرضی سے

نہیں ہوئی تھی۔وہ میری زندگی کا ایک اذیت

ناک باب ہے جس سے مجھے شدید نفرت

ہے۔۔!"علیشہ کی جانب دیکھتا وہ جانے کس رُو

میں اپنی ذات کا ایک حقیقی عکس اس پر واضح کر

گیا تھا۔علیشہ کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔

"اور محبت کس سے ہے۔۔؟؟"علیشہ کے لب

دھیرے سے ہلے۔اس کے سوال پر شمس کے

اندر سناٹے بولنے لگے۔اس نے بڑے ضبط سے

علیشہ کی جانب دیکھا تھا۔

"نظر سے پوچھ لیجئے۔۔یہ جھوٹ نہیں

بولتی۔۔!"اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ مدھم

ترین لہجے میں بولا۔علیشہ کی بھوری آنکھوں میں

بے یقینی سی بے یقینی در آئی۔مقابل کی آنکھوں

میں روشن جذبات نے علیشہ کے دل کی دھڑکن

تیز کر دی۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے یک ٹک اس کی

آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ علیشہ کا حلق خشک

ہونے لگا۔ پلکیں جھپکاتی وہ نظر جھکا گئی۔

"میری محبت برداشت کرنا اتنا آسان نہیں ہے

مس علیشہ۔۔ خود کو مضبوط بنائیں ورنہ بکھر

جائیں گی۔۔!" اس کی جھکی پلکوں کو تکتا وہ

سرگوشیانہ بولا تو علیشہ کا دل شدتوں سے دھڑکنے

لگا۔ رخسار تپنے لگے تو ہاتھوں کی انگلیاں آپس

میں پھنساتی وہ اس کی سائیڈ سے گزرتی بھاگ

گئی۔ شمس وہیں کھڑا ساکت نگاہوں سے زمین کو

گھورتا رہا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"اے رک۔۔ کہاں سے آرہی ہے۔۔؟؟" وہ

ہاتھ میں ٹرے پکڑے کچن کی طرف جارہی تھی

جب صندل بیگم کی دھاڑ پر اسے اپنے قدم روکنے

پڑے۔ مرحہ نے گردن موڑ کر اُن کی جانب

دیکھا جو تیکھے چتونوں سے اسے ہی گھور رہی

تھیں۔

"وہ۔۔۔یہ جوس۔۔دینے گئی تھی۔۔!" مرحہ

نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ ٹرے میں رکھے

گلاس اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کے باعث ہلنے

لگے تھے۔

"کس کو۔۔ کس کو دینے گئی تھی۔۔؟" اس کے

قریب آتی وہ سخت لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

مرحہ کی سانسیں ان کے خوف سے تیز ہونے

لگیں۔

"سس۔۔۔ سرکار۔۔ عالم۔۔ سرکار کو۔۔!"

تھوک نگلتے ہوئے اس نے انہیں جواب دیا۔

"یہ دو گلاس عالم کو دینے گئی تھی تُو۔۔

ہیں۔۔؟؟" کمر پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے وہ چیخی

تھیں۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ چھوٹے سرکار بھی وہیں

تھے۔۔!" مرحہ نے بامشکل صفائی دی۔

"جھوٹ بولتی ہے۔۔؟ ہاں۔۔ مجھ سے جھوٹ

بولتی ہے؟؟" اس کے بال ہاتھ میں جکڑتے

ہوئے وہ چلائیں۔ مرحہ سے ٹرے تھامے رکھنا

محال ہو گیا۔ آنکھیں موٹے موٹے آنسوؤں سے

بھر آئیں۔

"سچ بتا۔۔ ماجرا کیا ہے۔۔ بول۔۔؟" اس کے

بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے وہ غرائیں۔ مرحہ کی

آنکھیں بہنے لگیں۔ وہ ایک گلاس جوس جو اسے

عالم نے زبردستی پلادیا تھا اب اس کے لیے زہر

ثابت ہونے والا تھا۔

"مم۔۔میں نے منع کیا تھا سرکار کو لل۔۔۔لیکن

انہوں نے مم۔۔۔مجھے۔۔

زبب۔۔۔زبردستی۔۔پلا دیا۔۔!" انہیں جواب

دیتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

" منحوس بدبخت۔۔میرے بیٹے پر جادو چلا رہی

ہے۔۔؟" اس کے بال چھوڑ کر وہ اس کے منہ

پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ مارتے ہوئے چلائیں۔ٹرے

مرحہ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔زناٹے دار تھپڑ

کی آواز کے ساتھ کانچ ٹوٹنے کی آواز بھی لاؤنج

میں گونجی تھی۔فرسٹ فلور پر اپنے کمرے سے

نکلتے عالم نے کچھ بے یقینی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔

"مم۔۔مجھے معاف کر دیں بی بی مم۔۔میں نے

کک۔۔کچھ نہیں کیا۔۔!"اُن کے سامنے ہاتھ

جوڑتے ہوئے وہ روتے ہوئے گڑگڑائی۔

"آوارہ بد چلن۔۔تیرے لچھن تو میں تیرے

بچپن سے دیکھتی آرہی ہوں۔آج میں تجھے زندہ

نہیں چھوڑوں گی۔۔!" اس کے بال ایک بار پھر

مٹھی میں جکڑتی وہ پے در پے اس کے گالوں پر

تھپڑ مارتی چلی گئیں۔

"ممارک جائیں یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟"

سرعت سے اُن کی طرف لپکتا عالم چلایا۔

"تم درمیان میں مت آؤ عالم آج میں اس کی

کھال ادھیڑ دوں گی۔ کمبخت نیچ ذات جانے کس

کا گندا خون ہے یہ لڑکی جسے بابا سرکار نے ہمارے

سروں پر لا بٹھایا ہے۔۔" عالم کو پیچھے دھکیلتی وہ

چیخی تھیں۔ مرحہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ وہ

ایک بار پھر اس کی طرف بڑھی تھیں لیکن اس

بار عالم نے سرعت سے اسے اپنی جانب کھینچ کر

اپنے پیچھے کیا تھا۔ اُن کے ہاتھ کا بھاری تھپڑ عالم

کی گردن پر لگا تھا۔

"ہٹو میرے سامنے سے ورنہ مجھ سے برا کوئی

نہیں ہو گا۔۔!" اسے دھکا دیتی وہ چیخیں۔ مرحہ

کی کانپتی انگلیوں نے عالم کی شرٹ جکڑ رکھی

تھی۔

"اگر آپ نے اب اسے ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے

برا بھی کوئی نہیں ہو گا۔۔!" وہ ان سے زیادہ

اونچی آواز میں چیخا تھا۔ چہرہ ضبط کی کوشش میں

سرخ ہو رہا تھا۔

"اللہ کا خوف کھائیں اماں ایک گلاس جوس کی کیا

اوقات ہے اگر میں نے اسے پلا دیا تو اس میں یہ

بد کردار کہاں سے ہو گئی۔۔؟ سارا دن ہمارے

لیے مشینوں کی طرح کام بھی تو کرتی ہے۔ اگر

ہمارے حصے میں سے کچھ کھا پی لے گی تو اس

حویلی کے خزانوں میں کمی نہیں آجائے گی۔۔!"

ماں کی طرف ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا وہ اس

بار سخت ترین آواز میں بولا۔ ملازمائیں بے بہرہ

بنی اپنا کام کر رہی تھیں جیسے یہ تماشا ان کے آس

پاس نہ ہو رہا ہو۔

"دیکھ رہی ہوں میں۔۔سب دیکھ رہی ہوں۔

کیسے اس لڑکی کی حمایت میں تمہاری زبان چل

رہی ہے۔ماں تمہیں غلط اور یہ پیچ صحیح نظر آرہی

ہے۔۔!"

بیٹے کو گھورتی وہ غرائیں۔

"یہ پنچ نہیں ہے۔میں بتا رہا ہوں اسے آئندہ پنچ

مت کہیے گا۔۔!" مرحہ کی کلائی پکڑ کر اسے ان

کی نگاہوں کے سامنے کرتا وہ دہاڑا۔ناجیہ بیگم شور

سن کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔عالم

کی جرات نے ان کی آنکھوں میں اطمینان بکھیر

دیا تھا۔ سالوں پہلے ولید شاہ زہرہ کو اپنے نکاح

میں لینے کے باوجود اس کے لیے یوں سب کے

سامنے کھڑا نہیں ہو سکا تھا اور آج ان کے ہاتھوں

پروان چڑھنے والے صندل کے بیٹے نے بنا کسی

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

رشتے کے اس لڑکی کے لیے آواز اٹھائی تھی جو

اس کی محبت تھی۔

"عالم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمارے دین میں اس

تفریق کی اجازت نہیں جسے برقرار رکھے تم

سالوں سے گھوم رہی ہو صندل۔۔!" اُن کے

قریب آتی ناجیہ بیگم نے لب کشائی کی تھی۔

"آپ تو چپ ہی رہیں ناں۔۔ میرے بیٹوں کے

ذہن میں خدمت خلق کا سبق چھاپنے والی آپ

ہی ہیں۔!" نفرت بھری نگاہوں سے ان کی

جانب دیکھتی صندل بیگم پھنکاری۔

"جب تمہیں معلوم ہے کہ یہ معاملہ خدمت

خلق کا ہے تو پھر کیوں اس بچی کو بدنام کر رہی

ہو۔۔؟" ہاتھ بڑھا کر روتی ہی ہوئی مرحہ کو اپنی

طرف کرتے ہوئے انہوں نے نرم لہجے میں

پوچھا۔

"ہونہہ ۔۔بچی۔۔اس چڑیل کو تو دھکے دے کر

اس حویلی سے نکلواؤں گی۔ دیکھ لیجئے گا

آپ۔۔!" مرحہ کو قہربار نگاہوں سے دیکھتی وہ

بولیں۔

"چلو پھر پہلے اس وقت کو آلینے دو جب تم ایسا

کرو گی۔ لیکن آئندہ اس پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے

یاد رکھنا کہ میں تمہاری یہ سفاکی اگلی بار برداشت

نہیں کروں گی۔۔!" مرحہ کی پشت نرمی سے

سہلاتے ہوئے انہوں نے قدرے سخت لہجے

میں صندل بیگم کو وارن کیا۔عالم لب بھینچے کھڑا

خاموش نگاہوں سے مرحہ کا سرخ چہرہ دیکھ رہا تھا

جس پر جابجا انگلیوں کے نشانات کے ساتھ

کھرونچیں پڑی ہوئی تھیں جو یقیناً صندل بیگم کی

انگلیوں میں پہنی انگوٹھیوں کے باعث تھیں۔

"ہممم۔۔۔ٹھیک۔۔!" سر اثبات میں ہلاتی

صندل بیگم دانت پیستے ہوئے بولیں پھر وہاں سے

نکلتی چلی گئیں۔ان کے جانے کے بعد ناجیہ بیگم

نے ایک نظر مرحہ پر ڈال کر عالم کی طرف

دیکھا۔

"اب دیکھ کیا رہے ہو۔۔ فرسٹ ایڈ باکس لے

کر آؤ۔۔!" انہوں نے عالم کو مخاطب کیا تو وہ

مرحہ پر ایک نظر ڈال کر کچن کی طرف چلا گیا۔

وہ مرحہ کو لیے صوفوں کی طرف لے آئیں۔

"بیٹھو یہاں اور رونا بند کرو شاباش۔۔میں نے

اسے منع کر دیا ہے وہ آئندہ تمہیں کچھ نہیں کہے

گی۔۔!"اس کی ٹھوڑی پیار سے چھوتے ہوئے

ناجیہ بیگم نے کہا تو ہچکیوں سے روتی مرحہ نے

اپنے لرزتی انگلیوں سے آنکھیں صاف کرنے کی

کوشش کی۔

"مم۔۔ میں نے۔۔ بب۔۔۔بہت۔

۔مم۔۔ منع کیا تھا۔۔۔ سسس سر کار کو۔۔

لل۔۔ لیکن۔۔۔!" وہ اپنی صفائی دینے کی

کوشش کرتی بات مکمل نہ کر پائی اور چہرہ ہاتھوں

میں چھپا کر رونے لگی۔ فرسٹ ایڈ باکس ہاتھوں

میں پکڑے قریب آتے عالم نے بڑے ضبط سے

اس کی بات سنی تھی۔ناجیہ بیگم نے کچھ خفگی سے

عالم کی طرف دیکھا۔میز پر باکس رکھتے ہوئے وہ

سنگل صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"مرحہ یہاں دیکھو میری طرف۔۔!"اس کے

چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے عالم نے سنجیدگی

سے کہا۔ اس کے یوں مرحہ کے ہاتھ تھام لینے پر

ناجیہ بیگم نے اسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا۔

"اماں آئی ڈیم کیئر یار۔۔!" ان کی نگاہوں کا

جواب اس نے کافی غصے سے دیا تھا۔

"آ۔۔۔ آپ چلے جج۔۔۔ جائیں

سس۔۔۔ سرکار۔۔ آپ جائیں پلیز۔۔!" اپنے

ہاتھ چھڑواتی وہ روتے ہوئے بولی۔ اس کی موٹی

موٹی پر سوز آنکھوں میں سرخی کے درمیان

تیرتے آنسو دیکھ کر عالم کا دل کٹ گیا۔

"تم نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔یہ اتنی بڑی بات

نہیں تھی پلیز ریلیکس رہو۔۔!" عالم نے اسے

سمجھانے کی کوشش کی۔مرحہ نے آنسو صاف

کرتے ہوئے اپنی نظریں جھکالیں۔

"مجھے بخش دیں آپ۔۔ پچ۔۔۔ چلے

جائیں۔۔!" اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے

وہ ملتجی ہوئی۔

"ٹھیک ہے چلا جائے گا لیکن یہ زخم تو صاف کروا

لو۔ دیکھو خون نکل رہا ہے۔۔!" اس کے گرد بازو

پھیلاتے ہوئے ناجیہ بیگم نے نرمی سے کہا تو مرحہ

نے لب بھینچتے ہوئے سر جھکا لیا۔ عالم نے روئی

نکالی اور خاموشی سے اس کے چہرے پر لگی

خراشوں سے رستا خون صاف کرنے لگا۔

"اسے سمجھائیں اماں۔۔بات بات پر ہاتھ جوڑ

لیتی ہے۔مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔۔!"بظاہر

ناجیہ بیگم سے بات کرتا وہ اسے سنا رہا تھا۔اس کی

بات پر مرحہ نے سوالیہ نظروں سے ناجیہ بیگم کی

طرف دیکھا۔

"لل۔۔ لیکن بڑی بی بی۔۔ یہی تو میری اوقات

ہے۔۔!" اس نے بڑی سادگی سے اپنے ہاتھ

جوڑنے کی وجہ سامنے رکھی۔

"ایسا مت سوچو۔ تمہاری اوقات کا تعین وقت

کرے گا پھر تمہارا ہر درد دور ہو جائے گا ان

شاء اللہ۔۔!" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ

نرمی سے بولیں تو اس نے ناسمجھی سے اثبات میں

سر ہلا دیا۔ اس کے زخموں پر پولی فیکس لگا کر وہ

سیدھا ہو گیا۔

"جاؤاب کچھ دیر آرام کرلو۔۔!" عالم نے نرمی

سے کہا۔ وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مم۔۔ میں ٹھیک ہوں اب۔۔!" ان دونوں کو

مشترکہ جواب دیتی وہ تھوڑا سا جھکی اور ناجیہ بیگم

کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ کا شکریہ بڑی بی بی۔۔!"عقیدت سے ان

کا ہاتھ لبوں سے لگا کر چھوڑتے ہوئے مرحہ نے

کہا تو وہ مسکرا دیں۔۔

"اللہ تمہارے نصیب بلند کرے۔۔!" انہوں

نے مدھم آواز میں اسے دعا دی تو وہ نا چاہتے

ہوئے بھی مسکرا دی۔ سفید چہرے پر سرخیوں

کی چھاپ لیے وہ روئی روئی آنکھوں کے خلاف جا

کر جس طرح مسکرائی تھی اس مسکراہٹ نے

عالم کی نگاہوں کو باندھ لیا تھا۔ وہ یک ٹک اسے

دیکھتا رہا جو اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی

نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

"عالم۔۔؟" ناجیہ بیگم نے اسے پکارا تو وہ ہوش

میں آیا۔

"اماں آپ نے دیکھا تھا وہ کیسے مسکرائی۔۔؟

جیسے اس نے خود کا مذاق اڑایا ہو۔ جیسے اسے آپ

کی دعا پر یقین نہ ہو۔۔!!" وہ اذیت کا شکار ہوتا

بولا تھا۔

"وقت لگے گا عالم۔۔بہت وقت لگے گا۔۔!"

اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے انہوں نے سنجیدگی

سے کہا۔وہ نظریں جھکاتے فرش پر بچھے قالین کو

گھورنے لگا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

آئینے کے سامنے کھڑا وہ براؤن شرٹ کے بٹنز

بند کر رہا تھا۔ گریبان کے بٹن بند کرنے کی

زحمت کیے بغیر اس نے فراخدلی سے اپنے کشادہ

سینے پر باڈی سپرے کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ سیاہ سلکی بال

کندھوں پر کھلے چھوڑ کر اس نے مضبوط کلائیوں

میں بینڈز پہن لیے۔ اپنا موبائل جینز کی جیب میں

گھسا کر بازو کہنیوں تک فولڈ کرتا وہ کمرے سے

باہر نکل آیا۔ ہوٹل کے دروازے سے باہر نکلتے

ہوئے اس نے رابرٹ کو کال ملالی تھی۔

"پہنچ گئے ہو تم۔۔؟؟"مضبوط چال چلتا وہ مین

روڈ کی طرف آگیا۔

"ہاں بس تمہارا ہی انتظار کر رہا ہوں۔سب کچھ

تیار ہے۔ سپیشلی تمہارے جاگنے کا سامان۔۔!"

اسے بتاتے ہوئے رابرٹ آخر میں ہنسا تھا۔

"ہوں۔۔۔میں دس منٹ میں پہنچ رہا

ہوں۔۔!" بے تاثر لہجے میں کہہ کر اس نے کال

کاٹ دی۔ سرمئی آنکھوں میں سرد سا تاثر لیے

وہ ایک کیب روک کر اس میں بیٹھ گیا۔ اس کی

گاڑی جو یہاں اس کے استعمال میں تھی وہ آج

اس نے رابرٹ کو دے رکھی تھی۔ اسے اپنی

مختلف کسی گرل فرینڈز کے ساتھ لانگ ڈرائیو پر

جانا تھا۔ گاڑی میں بیٹھا وہ گہری ہوتی رات کی

سیاہی سے بے پرواہ کسی بت کی مانند دکھائی دے

رہا تھا۔ سختی سے لب بھینچے وہ اپنی گہری سرمئی

آنکھوں سے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

اس کے انداز سے چھلکتی سرکشی اور بغاوت

دیکھتے ہوئے اس کا دل سہم کر سینے میں چھپا اس

پل خاموشی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔شاید اسے

خوف تھا کہ اگر اس نے مزاحمت کرنے کی

کوشش کی تو وہ شخص اب اسے سینے سے نوچ کر

باہر پھینکنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ ٹھیک

دس منٹ بعد کیب نے اسے مطلوبہ مقام پر پہنچا

دیا تھا۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے وہ باہر نکل آیا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے رنگ برنگی روشنیوں

میں نہائی ہوئی عمارت تھی۔ جینز کی جیبوں میں

ہاتھ پھنساتے ہوئے جب وہ پر سکون چال چلتا

اس عمارت کی طرف بڑھا تب اس تمام دورانیے

میں پہلی بار اس کے دل نے بیٹ مس کرنے کی

جرات کی تھی۔ وہ ضبط کرتا عمارت کے اندر

داخل ہو گیا۔ اسے بار ٹیبل کے قریب ہی

رابرٹ کھڑا نظر آ گیا تھا۔

"آؤ آؤ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔!" اس

سے گلے ملتے ہوئے رابرٹ نے مسکراتے ہوئے

کہا۔

"اورنج وائن۔۔!" اس سے الگ ہوتے ہوئے

منصب نے بار کے دوسری جانب کھڑے ویٹر کو

مخاطب کیا۔

"آج بھی وائن۔۔؟" رابرٹ نے ہنستے ہوئے

پوچھا۔

"ہممم۔۔۔مجھے پسند ہے!" منصب نے آہستگی

سے کہا۔

"جو باربی ڈول میں نے تمہارے لیے چوز کی ہے

اس کے ہوتے ہوئے کبھی کسی کو وائن کی

ضرورت نہیں پڑی۔۔!" رابرٹ نے اس کے

کان میں سرگوشی کی تو منصب کے لبوں پر ایک

مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔

"اس کے ہونے کو محسوس کرنے کے لیے ہی تو

مجھے وائن کی ضرورت ہے۔۔!" شراب کا گلاس

لبوں سے لگاتے ہوئے منصب نے اسے جواب

دیا تو رابرٹ نے کچھ نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب۔۔؟" اس نے کندھے اچکاتے

ہوئے پوچھا۔

"مطلب مطالب کو چھوڑو۔اس کا مطالبہ بتاؤ

مجھے۔۔!" اپنا والٹ نکالتے ہوئے منصب نے

پوچھا تو رابرٹ نے اپنی ٹھوڑی کھجائی۔

"ایک سو بیس پاؤنڈز۔۔!!" رابرٹ نے مدھم

لہجے میں کہا۔بے اختیار منصب کو وہ رات یاد آئی

جب اس نے سیشلی کو اس بوڑھے سے بچایا تھا۔

اس نے بھی شاید اتنی ہی رقم کا مطالبہ کیا

تھا۔ منصب نے بنا کچھ کہے ڈیڑھ سو پاؤنڈز نکال

کر رابرٹ کے سامنے میز پر رکھ دیے۔

"کہاں ہے وہ۔۔؟" اس نے بے تاثر لہجے میں

پوچھا۔

"آؤ میرے ساتھ۔۔!" پاؤنڈز میز سے پکڑتے

ہوئے اس نے منصب کو اپنے ساتھ آنے کا

اشارہ کیا۔

"یہاں نارملی رومز نہیں ملتے۔ آپ کسی بھی کال

گرل کو اپنے گھر یا ہوٹل لے جا سکتے ہیں لیکن تم

میرے لیے سپیشل ہو۔ میں نے تمہارے لیے

یہاں قریب ہی اپنے دوست کا اپارٹمنٹ ارینج

کر لیا ہے۔ صرف پانچ منٹ کی واک ہے چلتے

جاؤ۔۔!" اس کے ساتھ چلتا وہ اسے بتا رہا تھا۔ وہ

دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے اس کلب

سے باہر نکل آئے۔ پھر واقعی چار سے پانچ منٹ

کی پیدل مارچ کے بعد وہ دونوں ایک اپارٹمنٹ

کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔ پہلی ہی بیل

پر ایک حسینہ نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"خوش آمدید رابرٹ۔۔ تمہیں بھی خوش آمدید

خوبرو۔!" رابرٹ سے شستہ انگریزی میں

مخاطب ہوتی وہ آخر میں اس کی طرف بھی

مسکراہٹ اچھالتے ہوئے بولی تھی۔ منصب نے

اشارتاً بھی اسے جواب نہ دیا تو وہ کندھے اچکاتی

پلٹ گئی۔ اپارٹمنٹ کے اندر داخل ہوتی ہے

اسے صوفوں پر چند کپلز نازیبا حالت میں نظر

آئے تھے۔ وہ اپنی ساکت نگاہوں سے انہیں

دیکھتا اس لڑکی کی معیت میں ایک کمرے میں

آگیا۔ رابرٹ لاؤنج میں ہی کہیں رہ گیا تھا۔

"تم بیٹھو جینیفر ابھی آجاتی ہے۔۔!" کمرے کا

دروازہ کھول کر اسے اندر داخل ہونے کا کہتی وہ

لڑکی مسکراتے ہوئے بولی تو وہ چھوٹے چھوٹے

قدم اٹھاتا اندر داخل ہو گیا۔ منصب کے اندر

اس پل سناٹے بول رہے تھے۔ کمرے کے وسط

میں کھڑے کھڑے اسے پانچ سے سات منٹ

گزرے تھے جب دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی

خوشبو کا ایک تیز جھونکا اندر آیا تھا۔ اس نے پلٹ

کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔وہ جو کوئی بھی

تھی خود ہی چلتے ہوئے اس کے قریب آگئی۔

"تمہیں ایک بار پھر اپنے سامنے دیکھ کر مجھے

خوشی ہو رہی ہے۔۔کیا آج تم انٹرسٹڈ ہو۔۔؟؟"

اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر اس کے مقابل

آتی وہ ایک ادا سے بولی تھی۔ اپنے سامنے اسی

عورت کو دیکھ کر اس بار منصب کی بھنویں نہیں

تنی تھیں۔ اس نے خاموش نگاہوں سے عریاں

لباس میں کھڑی جینیفر کو دیکھا پھر آہستگی سے

اسے اپنے قریب کر لیا۔

"بولتی رہو۔مجھے خاموشی سے نفرت ہے!" اس

کی گردن پر جھکتے ہوئے منصب نے سرگوشی کی

تھی۔سرمئی آنکھیں اس کے وجود سے اٹھتی

خوشبو کے باعث سرخ ہورہی تھیں۔اس کی

بات پر وہ قہقہ لگا کر ہنسی۔

"میرا بولنا سنو گے تو اپنی سماعتیں یہیں چھوڑ جاؤ

گے۔ اتنا پیارا بولتی ہوں میں۔۔!" اس کے

قریب تر ہوتی وہ اک ادا سے بولی۔

"میرے پاس مت آؤ۔ دور رہو پلیز۔۔۔!"

مہرماہ کی بھیگی ہوئی آواز نے اس کی سماعتوں پر

دستک دینا شروع کر دی۔ منصب نے سرخ

آنکھیں کھولتے ہوئے اپنے آس پاس ماحول

پہچاننے کی کوشش کی۔

"تو پھر بولو۔۔ بولتی رہو۔۔ مجھے خاموشی نہیں

چاہئیے۔۔!" جینیفر کے گرد اپنی گرفت سخت

کرتے ہوئے وہ غرایا۔ شاید وہ اپنے اندر کی آواز

سننا نہیں چاہتا تھا۔

"میں پیار سے کہی گئی بات مانتی ہوں۔ سختی مجھے

غصہ دلا دیتی ہے۔۔!" جینیفر نے اسے اس کے

سخت رویے کا احساس دلایا۔

"بب۔۔بھائی۔۔بھائی ان کو روکیں پلیز۔۔!"

سجانی کی آواز نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔اس کا

موبائل شور مچانے لگا۔گہرا سانس لیتے ہوئے

اس نے ایک جھٹکے سے جینیفر کو پیچھے دھکا دیا

تھا۔یوں جیسے وہ کوئی عفریت ہو۔

"واٹ ہیپنڈ۔۔؟" اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتی وہ

کچھ ناگواری سے بولی۔ منصب نے موبائل جینز

کی جیب سے نکال کر کال ریسیو کی اور فون کان

سے لگا۔

"مومن عبداللہ جیل سے بھاگ گیا ہے۔ اور

صارم بتا رہا ہے کہ اس کا ارادہ وہ ویڈیو لیک

کرنے کا ہے۔۔!" اس کے ہیلو کہتے ہی عمیر کی

پریشان زدہ آواز فون کے سپیکر سے ابھری

تھی۔ منصب کا نشہ پل میں ہرن ہوا تھا۔

"لیکن وہ ویڈیو صرف میرے موبائل میں تھی

اور میں نے اپنا موبائل توڑ دیا تھا۔!" منصب نے

ذہن پر زور ڈالتے ہوئے اسے جواب دیا۔

"ہاں لیکن جب صارم ایسا کہہ رہا ہے تو عبداللہ

کے پاس یا تو وہ ویڈیو ہو گی یا پھر وہ کسی ہیکر کے

تھر و تیرے موبائل کا ڈیٹا نکلوانے کی کوشش

کرے گا۔۔!" عمیر نے اپنے خدشات کا اظہار

کافی صاف گوئی سے کیا۔

"فارگاڈ سیک اسے پکڑ۔۔اسے گرفتار کر عمیر

ورنہ میں پاکستان آکر پہلا قتل تیرا کروں گا اور

دوسرا اس عبداللہ کا۔۔!" اپنے بالوں میں ہاتھ

چلاتے ہوئے منصب نے بھاری ہوتی آواز میں

کہا۔

"یار ڈھونڈ تو رہا ہوں۔۔ لیکن سولیوشن یہی ہے

کہ تُو اپنا موبائل بند کروادے۔ موبائل کمپنی

سے بات کر۔۔!" عمیر کی آواز میں فکر مندی

تھی۔ منصب نے مزید کچھ کہے بنا کال کاٹ دی۔

'از ایوری تھنگ اوکے۔۔؟" اس کے قریب

آتے ہوئے جینیفر نے بڑی توجہ سے پوچھا۔

منصب نے بے گانگی سے اس کی جانب دیکھا پھر

کافی سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"سٹے اوے۔۔!" حقارت آمیز انداز میں کہتا وہ

اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ جنیفر نے آگ

برساتی نگاہوں سے اس کی پشت کو گھورا۔ وہ لڑکا

آج پھر اسے دھتکار کر اس کی تذلیل کر گیا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

سیاہ آسمان پر چمکتے تاروں کو ویران نظروں سے

دیکھتی وہ ننگے پیر چھت پر چل رہی تھی۔ میٹھی

سبک خرام ہوا اس کے نازک وجود کو چھو کر

گزرتی چلی جا رہی تھی۔ایک بار پھر وہ اپنے ماں

باپ کے سامنے بے بس ہو کر کسی کبیر آفندی

کے لیے ہاں کر چکی تھی۔زندگی جس ڈگر پر چل

پڑی تھی اس نے مہرماہ کے دل کو مردہ کر ڈالا

تھا۔ کوئی امید کوئی تمنا کوئی حسرت اس کے دلِ

بنجر میں باقی نہیں رہی تھی۔ اس کا انٹرمیڈیٹ کا

رزلٹ بھی آچکا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح فرسٹ

ڈویژن سے پاس ہوئی تھی لیکن اس بار اس کے

ابی جی کو اس کے آگے پڑھنے سے زیادہ اس کی

شادی کی فکر تھی۔ گزشتہ ماہ و سال کی بابت

سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آنے لگیں۔

یونہی ٹہلتے ٹہلتے جانے کتنا وقت بیتا تھا جب اسے

نیچے سے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی تھی۔

مہرماہ نے آسمان پر پھیلی سیاہی کا جائزہ لیا۔ رات

گہری ہو چکی تھی اور اس وقت کس کا فون ہو سکتا

تھا وہ خوب سمجھتی تھی۔لب بھینچتے ہوئے وہ

سرعت سے نیچے کو بھاگی۔اس کے نیچے پہنچنے

تک نور بیگم فون اٹھا چکی تھیں۔مہر ماہ چپ چاپ

اپنے کمرے میں آ گئی۔دل میں لگی آگ مزید

بھڑک اٹھی تھی۔ وجود میں دوڑتے خون میں

شرارے سے پھوٹنے لگے۔ کمرے میں چکر

کاٹتے ہوئے اسے کچھ دیر ہی بیتی تھی کہ فون پھر

سے بجنے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ دوسری جانب

منصب عالم شاہ ہی ہے۔وہ کمرے سے نکل کر

باہر آئی اور فون ریسیو کر کے کان سے لگالیا۔

"کب سے فون کر رہا ہوں کہاں ہو تم۔۔؟؟"

اس کے ہیلو کہتے ہی منصب نے بے تابانہ پوچھا۔

"پوچھ تو اسطرح رہے ہو جیسے تمہارے اور

میرے بہت اچھے تعلقات ہیں۔۔!" سختی سے

فون پکڑے کھڑی مہرماہ نے زہر خند لہجے میں

کہا۔

"برے ہی سہی، تعلقات تو ہیں ناں۔۔؟"

منصب نے آہستگی سے کہا۔

"اپنی انھی خوش فہمیوں کے پہاڑ تلے تم بہت جلد

غرق ہو جاؤ گے۔۔!" مہرماہ نے بھرپور نفرت کا

مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی سماعتوں میں زہر

انڈیلا۔

"فار گاڈ سیک ماہی میری بات سنو۔۔بہت

برداشت کر چکا ہوں میں تمہاری بے رخی اٹس

انف۔۔!" وہ ضبط کھوتے ہوئے چلایا۔

"اوہ۔۔تو آ گئے تم اپنی اوقات پر۔۔؟اتار دو

اب شرافت کا وہ لبادہ جسے پہن کر تم مجھے ٹریپ

کرنے کوشش کر رہے تھے منصب عالم

شاہ۔۔!" بے خوفی سے غراتی وہ کہیں سے بھی

مہرماہ حسین نہیں لگ رہی تھی۔

"میں کوئی ٹریپ نہیں کر رہا تمہیں۔۔ محبت کرتا

ہوں تم سے۔۔!!" وہ چیخا۔

"اور میں نفرت کرتی ہوں تم سے۔!" مہرماہ کا

لہجہ پرسکون تھا۔

"اچھے سے جانتا ہوں میں بار بار بتا کر کیوں

اذیت دیتی ہو۔۔؟" پوچھتے ہوئے وہ بے بس لگ

رہا تھا۔

"سکون ملتا ہے مجھے تمہیں اذیت دے کر۔۔

قرار آتا ہے۔۔!" مہر ماہ نے کافی سفاکی سے اپنے

اندرونی خیالات کا اظہار کیا۔

"اوہ فائن۔۔ ٹھیک ہے۔۔ لے لو سکون لیکن

میں تمہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم گھر سے باہر

مت جانا۔ جب تک میں یہاں پھنسا ہوا ہوں میں

عبداللہ اور صارم کو نہیں روک پاؤں گا۔۔!"

منصب نے کافی سنجیدگی سے اسے اپنا مسئلہ بتایا

تھا۔

"اچھا۔۔؟ انھیں نہیں روک سکتے تم جنہیں

شروع بھی تم نے ہی کروایا تھا۔۔؟؟" مہر ماہ نے

اسے حقیقت کا تھپڑ مارا تھا۔

"ہاں ہاں غلطی میری ہے لیکن اب میں تمہیں

کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ سن رہی ہو تم۔۔؟ تم

خود اپنی حفاظت کرو گی ماہی۔۔!" منصب نے ہار

مانتے والے انداز میں کہا۔

"تم بھاڑ میں جاؤ میری حفاظت کرنے کے لیے

میرے ابی جی موجود ہیں۔۔!"

"میرے ساتھ ضد مت لگاؤ۔ بکواس کر رہا ہوں

ناں کہ تم گھر سے نہیں نکلو گی تو مطلب تم نہیں

نکلو گی۔۔!" اپنا ضبط کھوتے ہوئے وہ دہاڑا تھا۔

اس کی آواز سے لپکتا غضب محسوس کر کے مہرماہ

کو وہی منصب عالم شاہ یاد آگیا جس نے اسے پہلی

مرتبہ بے بس کیا تھا۔

"کک۔۔کیوں۔۔کیوں مانوں تمہاری بات۔۔

میرے باپ نہیں ہو تم!" اپنے اندر کی گھبراہٹ

پر قابو پاتی وہ غرائی۔

"میں تمہارا جو بھی ہوں لیکن تم صرف میری

ہو۔ صرف میری۔۔!" منصب نے اس کی بات

کی نفی کرتے ہوئے کہا۔ فون کے سپیکر سے

ابھرتی منصب کی آواز میں جنون ہلکورے لے

رہا تھا۔

"نہیں ہوں میں تمہاری۔۔ نہیں ہوں۔ نکاح ہو

چکا ہے میرا اور چند دن بعد رخصتی ہے۔۔ کچھ

نہیں کر سکتے تم۔۔۔!" مہرماہ نے خود پر قابو پاتے

ہوئے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔ دوسری

جانب وہ پل بھر کو سناٹوں میں گھر گیا۔

"سن رہے ہو تم۔۔ تمہاری نہیں ہوں میں۔۔

اور یہی بتانے کے لیے آج میں نے تمہاری کال

اٹھائی تھی۔ اب مرو تم۔۔!" اس کے سر پر بم

پھوڑ کر اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ مہرماہ

کا سانس اس پل پھول رہا تھا۔ دل تیزی سے

دھک دھک کر رہا تھا۔ گہرا سانس لیتی وہ پلٹی تو

سامنے نور بیگم کو کھڑے پایا۔

"اماں۔۔!" اس کے لب دھیرے سے ہلے۔

چٹاخ۔۔۔!! انہوں نے ایک زوردار تھپڑ اس

کے گال پر مارا تھا۔ گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس

نے بے یقینی سے ماں کی طرف دیکھا۔

"ایسا ہی کوئی جھوٹ ہم بہت پہلے اس سے بول

سکتے تھے جو آج تم نے اس سے بولا ہے۔ لیکن ہم

خاموش رہے تا کہ وہ خاموش رہے۔ اب یا تو وہ

آکر ہمارے سروں پر بم پھوڑے گا یا پھر خود کو

ختم کرلے گا۔ دونوں صورتوں میں جو نقصان ہو

گا وہ تمہارے ابی جی کو برداشت کرنا پڑے گا

مہر۔۔!" سخت نظروں سے اسے دیکھتی وہ

تاسف زدہ انداز میں بولیں۔

"اگر وہ یہاں آکر پھر سے تمہیں اٹھا لے گیا تو نہ

تم جینے کے قابل رہو گی اور نہ ہم۔۔!" وہ دھیمی

آواز میں چلائی تھیں۔مہرماہ کی آنکھوں سے

آنسو گرنے لگے۔

"اور سوچو اگر اس سے یہ بات برداشت نہ ہوئی

اور وہ خود مر گیا تو۔۔۔؟؟" اس کی بھیگی آنکھوں

میں جھانکتی وہ سنجیدگی سے بولیں۔ مہرماہ کی

ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اسے وہیں روتا چھوڑ کر وہ

واپس اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ مہرماہ کا وجود

زلزلوں کی زد میں آچکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"سن رہے ہو تم۔۔؟ نہیں ہوں

میں۔ تمہاری۔۔!" مہرماہ کی تلخ آواز اس کی

سماعتوں میں سیسہ انڈیل رہی تھی۔ کال کٹ چکی

تھی لیکن وہ بت بنا فون کان سے لگائے سڑک

کے بیچ و بیچ کھڑا ہوا تھا۔ آنکھوں کی سرخی حد

سے سوا تھی۔

"نکاح ہو چکا ہے میرا اور چند دن بعد رخصتی

ہے۔۔!" منصب نے بے اختیار پلکیں جھپکائیں۔

قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔ دل کا درد بڑھنے

لگا۔ سامنے سے آتی تیز رفتار گاڑی کی لائٹس نے

اس کی آنکھیں چندھیا دیں۔ وہ حرکت کرنا چاہتا

تھا لیکن کر نہیں پایا۔ قدم من من بھر کے

ہو چکے تھے۔ گاڑی بنا رکے لمحوں میں اس کے

قریب آئی تھی۔

"نہیں ہوں میں تمہاری۔۔!" اس کی سماعتیں

مفلوج ہو چکی تھیں۔ اس کے پتھر وجود کو ایک

تیز جھٹکا لگا تھا اور اگلے ہی پل وہ سڑک کی

اطراف میں جا گرا تھا۔

، ♦□♦□♦□♦□

:"کیا بنا رہی ہیں آپ۔۔۔؟" وہ کچن میں کھڑی

پیاز، کاٹ رہی تھی جب فدا کی آواز، پر پلٹی۔

"دال بنا رہی ہوں۔بن چکی ہے یہ تو سلاد کاٹ

رہی ہوں بس۔۔!" حدیبہ نے مسکراتے ہوئے

کہا۔

"آپ کو کہا ہے کہ آپ کام مت کیا کریں۔۔!"

اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے فدا نے نرمی

سے کہا۔

"تو پھر کون کرے گا۔۔؟" حدیبہ نے ہنستے

ہوئے پوچھا۔شاید اس کی خفت دور کرنے کی

کوشش کی تھی۔

"زہرہ۔۔۔زہرہ کرلے گی۔۔!" فدا نے کچھ

جھجھکتے ہوئے کہا۔

"اب وہ ہماری ملازمہ نہیں ہے سائیں۔۔ یہ تو

اس کی مہربانی ہے کہ وہ سارا کام کر لیتی ہے۔۔!"

حدیبہ نے ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا تو فدا

نے نظر جھکاتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چھری

لے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ۔۔ آپ کو ایک مشکل

زندگی گزارنا پڑ رہی ہے۔ اگر آپ حویلی میں

ہوتی تو آج آپ آرام کر رہی ہوتیں۔۔!" اس

کی ہاتھ کی پشت سہلاتے ہوئے وہ مدھم افسردہ

سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ایسی باتیں مت کریں سائیں۔۔ میرے لیے

آرام نہیں آپ کا ساتھ ضروری ہے۔۔!" اس

کی جانب دیکھتے ہوئے حدیبہ نے مسکراتے

ہوئے کہا تو فدا نے محبت پاش نگاہوں سے اسے

دیکھا۔

"خدا کی قسم میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ

میرے ساتھ آپ ایسی زندگی گزاریں گی۔۔!"

اس کے چہرے پر آتی لٹ پیچھے کرتے ہوئے فدا

نے سنجیدگی سے کہا تو حدیبہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ اللہ گواہ

ہے کہ میں آپ کے ساتھ بہت خوش

ہوں۔۔!" اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتی وہ

پرسکون انداز میں بولی۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے۔۔!" اس کی ناک کھینچ

کر کہتا وہ مسکرایا۔ حدیبہ سر جھکا کر ہنس دی۔

"میں کل کراچی جا رہا ہوں وہاں ایک اچھی جاب

اپورچونیٹی ہے۔ بس دعا کیجئے گا کہ مجھے جاب مل

جائے پھر ہم کراچی میں ہی شفٹ ہو جائیں

گے۔۔!" فدا نے کہا تو حدیبہ کھل کر مسکرائی۔

"مل جائے گی ان شاءاللہ۔۔ ہم ایک اچھی

زندگی گزاریں گے۔۔!" حدیبہ نے اسے یقین

دلایا۔

"ان شاءاللہ۔۔!" فدا ابھی پر سکون ہو گیا۔

"چلیں اب آپ اندر جائیں میں بس دستر خوان

لگواتی ہوں۔۔!" اسے کچن سے باہر نکالتے

ہوئے حدیبہ نے کہا۔ وہ پلٹا تو کچھ یاد آنے پر

حدیبہ نے اسے پکارا۔

"سائیں۔۔وہ آپ مائی کرماں کی میڈیسن لے

آئے ہیں۔۔؟" حدیبہ نے مدھم آواز میں

پوچھا۔

"جی ہاں اور زہرہ کو دے دی ہے۔۔!"

برآمدے سے آتی زہرہ کو دیکھ کر فدا نے نرمی

سے کہا تو حدیبہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں

سر ہلایا۔

"آپ بھی اندر چلی جائیں بی بی میں اب کر لوں

گی۔۔!" کچن میں آتی زہرہ نے آہستگی سے کہا۔

"روزانہ تم ہی کرتی ہو اگر بخار میں بھی تم ہی کرو

گی تو میرا ضمیر مجھے بہت تنگ کرے گا۔تم جاؤ

اندر شاباش۔۔!" حدیبہ نے نرمی سے کہا تو وہ

مسکرائی۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ چلیں آپ نکلیں

یہاں سے۔۔!" زہرہ نے مان بھرے انداز میں

اسے باہر نکالا تو وہ ہنستی ہوئی اندر چلی گئی۔ زہرہ

نے صدق دل سے اس کی مسکراہٹ کی دعا مانگی

تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"کانگریجولیشنز۔۔یُو آر سلیکٹڈ ماشاءاللہ۔۔!"

کالج کے پرنسپل نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے

پرجوش انداز میں کہا تو فدا کا چہرہ کھل اٹھا۔

"اٹس مائے پلئیر سر۔۔میں بہت جلد آپ کو

جوائن کروں گا۔۔!!" فدا نے مسکراتے ہوئے

انہیں یقین دلایا۔

"شیور۔۔اور رہائش کے لیے آپ کو فکر مند

ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔یہیں کالج کے بیک

یارڈ میں چند کوارٹرز ہیں۔ کوئی ایک میں آپ

کے لیے خالی کروادوں گا۔۔!" پرنسپل نے

مسکراتے ہوئے کہا تو فدا نے اثبات میں سر

ہلایا۔

"تھینکس آلاٹ سر..!" کہتے ہوئے فدا

مسکرایا۔

"مائے پلئیر ینگ مین۔۔!" پرنسپل کے کہہ دینے

پر وہ اپنی فائل اٹھا کر آفس سے باہر نکل آیا۔

آنکھوں میں اطمینان لیے ایک مسرور سی چال

چلتا وہ کالج کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ اس کا

ارادہ اب بس کے ذریعے واپس گھوٹکی جانے کا

تھا۔ چلتی سڑک پر نگاہیں سامنے جمائے وہ چل رہا

تھا جب اس کی نظر دس بارہ قدموں کے فاصلے پر

کھڑے ایک ادھیڑ عمر مرد پر پڑی۔ وہ شاید اپنی

نگاہ پھیر لیتا اگر جو اس کی نگاہ ٹھٹھک نہ جاتی۔

سر پر چھوٹے چھوٹے سیاہ بالوں میں سفید بالوں

کی بہتات تھی۔ دبلی پتلی جسامت لمبا قد۔ فدا

کے قدموں میں سستی آئی تھی۔ اندر کو دھنسی

آنکھوں کا مرکز ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا جس سے

وہ بات کر رہا تھا۔ فدا کا دل تیزی سے

دھڑکا۔ اس کے پپڑی زدہ لٹھے کی مانند سفید

ہونٹ آہستگی سے حرکت کر رہے تھے۔ وہ جسے

ادھیڑ عمر مرد سمجھ کر وہ اپنی نظریں پھیر لینے والا

تھا وہ کوئی اور نہیں اس کا جگری یار ولید شاہ تھا۔

تیزی سے دھڑکتے دل کو سنبھالتا فداا اس کی

جانب لپکا۔ تبھی اس ولید کی نگاہ بھی اس پر پڑی

تھی۔ اس کے ذہن کی بلیک اینڈ وائٹ سکرین پر

ماضی رنگین ہوتا چلا گیا۔

"آپ کی محبت آپ کی لاپرواہی نے مجھے کہیں کا

نہیں چھوڑا۔۔!" زہرہ کی آواز زوروشور سے ولید

شاہ کی سماعتوں میں زندہ ہوتی اسے باور کرواگئی

کہ اس کی بیوی سات ماہ پہلے جس شخص کی

لاپرواہی کا شکوہ کررہی تھی وہ شخص اس پل بے

تابانہ اس کی جانب آرہا ہے۔ولید کی آنکھوں

میں بے گانگی اترنے لگی۔

"ولی۔۔ولید۔۔۔؟؟"اس کے قریب آکر

رکتے ہوئے فدا نے اسے تھامنے کی کوشش کی۔

اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے ولید نے سڑک پار

کرنے کو قدم آگے بڑھا لیے۔ فدا نے بے یقینی

سے اس کی یہ بے گانگی دیکھی۔

"ولید یہ تم ہو ناں۔۔ ولید یار۔۔؟؟" فدا

پاگلوں کہ طرح اس کے پیچھے لپکا۔ وہ بنا پلٹے

سڑک پار کر گیا۔

"ولی میری بات تو سن یار۔۔!" فدا خوشی سے

لبریز آواز میں چلایا۔ اس سے پہلے کہ وہ ولید تک

پہنچتا ایک تیز رفتار ویگن نے پوری قوت سے

اسے ہوا میں اچھالا تھا۔ آس پاس لوگوں کی چہ

مگوئیوں اور چیخوں پر ولید نے پلٹ کر دیکھا۔

دیکھنے پر اس کی چھٹی حس نے اسے احساس دلایا

کہ وہ پلٹنے میں دیر کر چکا ہے۔ سڑک پر فٹ پاتھ

کر قریب چت پڑے فدا کے سر سے نکلتا خون

بہت تیزی سے سڑک رنگین کر رہا تھا۔ اس کے

وجود میں ہلکی، بے حد کمزور مزاحمت سانسیں

لے رہی تھی جو شاید بہت جلد ٹوٹ جانے والی

تھی۔ ولید نے ساکت نگاہوں سے اس کے گرد

جمع ہوتے ہجوم کو دیکھا۔

"فدا۔۔!" اس کے لب دھیرے سے ہلے

تھے۔ اگلے ہی پل وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکا

لیکن یقیناً اس نے ایسا کرنے میں بہت دیر کر دی

تھی۔

ٹریفک تھم چکی تھی۔ گاڑیوں اور رکشوں کے

اژدھام سے ٹکراتا لنگڑاتا وہ اپنی پوری رفتار سے

اس تک پہنچا تھا۔۔

"ہٹو پیچھے ہٹو۔۔۔!" فدا کے گرد جمع ہوتے ہجوم

کو دھکے دیتا وہ چلایا۔لوگوں نے کچھ حیرت سے

اس شخص کو دیکھا جس کے زرد چہرے پر سجی

آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

"فدا۔۔فدا میری طرف دیکھو۔۔" اس کے

بے جان ہوتے وجود کے قریب گرنے کے سے

انداز میں بیٹھتا وہ چلایا۔ سڑک اسکے سر سے نکلتے

خون نے تر کر ڈالی تھی۔ فدا کی ناک سے نکلتا

خون رخسار پر لکیر بناتا چلا گیا تھا۔ اس کے سفید

پڑتے لب کچھ بولنے کی کوشش میں پھڑ پھڑا

رہے تھے۔ ولید نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا چہرہ

تھامنے کی کوشش کی۔

"کوئی میری مدد کرو۔۔ رکشہ۔۔۔ ٹیکسی۔۔۔

کوئی بلاؤ۔۔۔۔!" وہ گھبراہٹ کا شکار ہوتا کچھ دیر

پہلے اجنبی نظر آنے والے ولید شاہ سے قطعی

مختلف نظر آ رہا تھا۔ آسمان کی جانب تکتی فدا کی

ساکت آنکھوں میں کوئی جنبش نہیں تھی۔

"یہ نہیں بچے گا۔۔!" کسی نے اپنی رائے کا اظہار

کیا تھا۔ ولید نے بنا پرواہ کیے اس کے توانا وجود کو

گود میں اٹھالیا۔ کسی نے مروتاً اس کی مدد کرنے

کی کوشش نہیں کی تھی۔

"میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔!" ولید

بڑبڑایا۔

"مر گیا ہے بھائی۔۔او مر گیا ہے کیوں خود کو تھکا

رہے ہو۔۔!" کسی نے اس کے پیچھے سے ہانک

لگائی تھی۔ولید کا سانس پھولنے لگا۔۔

"فدا تم نہیں مر سکتے یار۔۔"ولید نے اسے آگاہ

کرنے کی کوشش کی جس کے دل کی دھڑکن تھم

چکی تھی۔

"اگر اسے جانتے ہو تو گھر لے کر جاؤ لڑکا مر چکا

ہے۔۔!"فدا کی بے جان کلائی تھام کر معائنہ

کرتے ایک بزرگ نے کافی سنجیدگی سے اسے

مشورہ دیا۔ ولید نے خالی خالی نظروں سے پہلے

اس بزرگ کی جانب پھر فدا کی جانب دیکھا۔ اس

کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو چکی تھیں۔ لبوں

پر ابدی خاموشی کا قفل پڑ چکا تھا۔ فدا کے بے

جان وجود کو سڑک کے بیچوں بیچ لیے کھڑے

ولید کی آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر گال پر

پھسلا تھا۔۔ اس نے بے بس نگاہوں سے آسمان

کی جانب دیکھا جہاں سرمئی بادل اپنا گھیرا ؤ

کرنے لگے تھے۔۔ فدا کا بے جان وجود لیے وہ

وہیں بیٹھتا چلا گیا۔۔ نئی زندگی پاتے ہی وہ اس

شخص کو کھو چکا تھا جسے کھونے کا تصور اس نے

کبھی خواب میں بھی نہیں کیا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"کیا جاہل انسان ہو تم۔۔ جب گاڑی ٹھیک نہیں

تھی تو بٹھایا کیوں مجھے۔۔" گاڑی کے ٹائر پر پاؤں

مارتی وہ ڈرائیور پر چیخی جو گاڑی کا بونٹ کھولے

کچھ پریشان زدہ سا کھڑا تھا۔

"جب آپ کو بٹھایا تھا تب تو گاڑی بالکل ٹھیک

تھی باجی جان۔۔ لیکن مشینزی کا کچھ پتہ نہیں

چلتا کہ کب خراب ہو جائے۔۔!"علیشہ کے لال

بھبھو کا چہرے کو دیکھے بناوہ مصروف سے انداز

میں بولا۔

"یہ باجی جان کہہ کر میرا دماغ خراب مت

کرو۔۔ میں کہاں سے تمہیں بہن جی لگ رہی

ہوں۔۔؟" اپنے بال نخوت سے جھٹکتی وہ بولی تو

ڈرائیور نے اس بار سر تا پیر اس کی جانب

دیکھا۔۔وائٹ جینز پر ریڈ ٹی شرٹ چڑھائے وہ

ہمیشہ کی طرح دوپٹہ یا مفلر جیسی چیز سی عاری،

بالوں کی دو پونیاں باندھے کھڑی تھی۔اس کی

بات پر ڈرائیور اپنے تیل لگے بالوں میں ہاتھ

چلاتے ہوئے مسکرایا۔

"لگ تو نہیں رہی لیکن وہ تو میں نے آپ کے

احترام میں کہا ہے۔۔!" شرمانے کی کوشش کرتا

وہ مسکراتے ہوئے بولا تو علیشہ نے ناک سکیڑتے

ہوئے اسے گھورا۔

"بس بس۔۔یہ احترام اپنے پاس ہی رکھو اور مجھے

سولیوشن بتاؤ۔۔بیچ راستے میں تمہاری کھٹارا گاڑی

بند ہو گئی ہے۔۔اب یہاں اس ویرانے میں مجھے

کہاں سے ٹیکسی ملے گی۔۔" آس پاس نظریں

گھماتے ہوئے علیشہ نے کچھ پریشانی کے عالم میں

پوچھا۔ڈھلتی ہوئی شام رات کو خوش آمدید کہہ

رہی تھی۔

"میڈم جی مجھے لگتا ہے کہ آپ کو لفٹ لینی

پڑے گی کیونکہ ابھی تک کوئی ٹیکسی تو یہاں سے

گزری نہیں۔۔!" ڈرائیور نے سنسنان پڑی

سڑک کا باریک بینی سے معائنہ کرتے ہوئے

مدھم آواز میں کہا۔ یہ حیدرآباد کی حدود کے آخر

میں کوٹری کے علاقے کی شروعات تھی۔۔ پچھلے

پندرہ منٹ میں سنسان پڑی سڑک سے فقط دو

سے تین گاڑیوں کا گزر ہوا تھا۔

"میرا دل تو چاہ رہا ہے کہ تمہیں قتل ہی

کر دوں۔۔ جاہل انسان۔۔ راستوں کا علم نہیں

اور چلا ہے ڈرائیونگ کرنے۔۔!" اپنی مٹھیاں

بھینچتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔

"آپ ہی نے کہا تھا کہ ہائی وے سے نہیں

اندرونِ شہر سے جانا ہے۔۔ آپ کے کہنے پر میں

پہلی مرتبہ اس راستے سے آیا ہوں اب اگر گاڑی

نے ساتھ چھوڑ دیا تو اس میں میرا تو کوئی قصور

نہیں۔۔!" بونٹ بند کر کے اس کے سامنے آتا

وہ اپنی صفائی دینے لگا تو علیشہ نے لب بھینچتے

ہوئے اپنے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ وہ گاڑی سے

ٹیک لگا کر فرصت سے اس کا جائزہ لینے لگا جو جلے

پیر کی بلی کی مانند سڑک پر چکر کاٹ رہی تھی۔

دس منٹ مزید گزرے تھے جس میں اس نے

وہاں سے آگے پیچھے گزرتی دو گاڑیوں کو روکنے

کی کوشش کی تھی لیکن ناکام۔۔۔ گزرتے وقت

کے ساتھ اس کا غصہ بڑھنے لگا تھا۔ڈرائیور اب

مطمئن سا سگریٹ سلگاتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو گاڑی میں بیٹھ

جائیں۔۔شاید رات تک کوئی مدد مل ہی

جائے۔۔!"اس کے قریب آتے ہوئے ڈرائیور

نے کافی فکر مندی سے کہا تو علیشہ نے ناگواری

سے اسے گھورا۔

"اپنے کام سے کام رکھو۔۔!" وہ زہریلے پن سے

بولی۔

"میرا کام اس وقت آپ کا خیال کرنا ہی

ہے۔۔!" چمکتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ گھرے

لہجے میں بولا۔ تبھی علیشہ کو سامنے سے سیاہ پجارو

آتی دکھائی دی۔ اس بار سائیڈ سے اشارہ کرنے

کی بجائے وہ تیزی سے سڑک کے بیچوں بیچ آکر

قریب آتی گاڑی کو رکنے کا اشارہ کرنے لگی۔

اچھلنے کے باعث اس کی چھوٹی سی ٹی شرٹ پیٹ

کو ڈھانپنے میں ناکام ہو گئی تھی۔ڈرائیور نے للچائی

ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ جبکہ سیاہ پجارو

میں بیٹھے شخص نے علیشہ کے مرمریں وجود سے

نگاہیں پھیرتے ہوئے ڈرائیور کی نظروں کی

گستاخی دیکھی تھی۔ گاڑی ایک جھٹکے سے روکتے

ہوئے وہ گاڑی سے باہر نکلا تھا۔ ہیڈ لائٹس کی تیز

روشنی میں علیشہ نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے

اسے اپنی بجائے ڈرائیور کی جانب بڑھتے دیکھا

تھا۔

"ہیلو مسٹر۔۔ کین یُو ہیلپ۔۔۔!" وہ اس کی

طرف بڑھتی بول رہی تھی جب اسے ڈرائیور

کے منہ پر زور دار تھپڑ مارتے دیکھ اس کی چلتی

زبان کو بریک لگ گئی۔علیشہ نے یک ٹک اس کی

چوڑی پشت کو دیکھا تھا جو ڈرائیور کے منہ پر

زناٹے دار تھپڑ مار کر اب اس کی جانب پلٹا تھا۔۔

"آر یُو میڈ۔۔؟؟"علیشہ نے حیرت اور غصے کے

ملے جلے تاثرات سمیت پوچھا۔سردار بدر لغاری

نے سرد نگاہوں سے اس کی حیرت سے پھیلی

آنکھوں میں جھانکا۔

"ناٹ ایٹ آل۔۔!" اس نے اس قدر اطمینان

بھرے انداز میں اسے جواب دیا جیسے کچھ ہوا ہی

نہ ہو۔

"اوئے صاحب تیرا دماغ تو۔۔۔!" بدر کی پشت

سے اس کا کالر گھسیٹتے ہوئے ڈرائیور نے چیخنے کی

کوشش کی تھی لیکن بدر نے اس بار پہلے پوری

قوت سے اس کا وہ ہاتھ مروڑا تھا جس سے اس

نے بدر کا کالر پکڑنے کی جرات کی تھی اور پھر

الٹے ہاتھ کا دوسرا تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔

"اب اگر زبان چلانے کی کوشش کی تو حلق سے

کھینچ لوں گا۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ اور اس

گاڑی سے پہلے اپنی خراب نظر کا علاج

کرواؤ۔۔!" اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اسے

دھکا دیتے ہوئے وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا تو

علیشہ کی پیشانی پر چمکتا غصہ کچھ کم ہوا۔۔

آنکھوں میں ایک بار پھر حیرت در آئی۔بے

یقینی اس بات کی نہیں تھی کہ اس شخص نے

ڈرائیور کی آنکھوں کا کھوٹ کیسے دیکھ لیا۔۔بے

یقینی اس بات کی تھی کہ وہ علیشہ کی خاطر اسے

کیوں پیٹ رہا تھا۔

"سٹاپ اٹ۔۔ آپ کی جاگیر نہیں ہوں میں جو

آپ میری خاطر یوں۔۔!" اس کے سامنے آتے

ہوئے علیشہ نے بولنے کی کوشش کی جب وہ اس

پر بھی گر جاتا تھا۔

"جسٹ شٹ یور ماؤتھ۔۔!" سرد ترین نگاہوں

سے اسے گھورتا وہ قہر بار لہجے میں بولا تو علیشہ کا

دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ الفاظ تو کیا وہ شخص

مقابل کو اپنی آنکھوں کی سیاہی سے ہی خاموش

کروانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ منہ سے نکلتا خون

روکنے کی کوشش کرتا ڈرائیور بامشکل کھڑا ہوا۔

"غغ۔ غلطی ہوگئی صاحب جی۔۔!!" وہ گڑگڑایا۔

"اگر آئندہ تم مجھے نظر آئے تو تمہاری آنکھیں

نوچ لوں گا یہ یاد رکھنا۔۔!"علیشہ کی کلائی تھام کر

اسے اپنے ساتھ گھسیٹتا وہ اس ڈرائیور کو وارن کرنا

نہیں بھولا تھا۔

"چھوڑیں مجھے۔۔ کہاں لے جارہے ہیں

آپ۔۔۔!" اپنی کلائی اس کی فولادی گرفت سے

چھڑوانے کی کوشش کرتی وہ چلائی۔ بدر نے

اسے فرنٹ سیٹ پر دھکا دے کر زوردار آواز

سے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور خود گھوم کر

ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔

"میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔۔ کہاں لے جا

رہے ہیں مجھے۔۔!" اسے گاڑی سٹارٹ کرتا دیکھ

علیشہ نے اس بار مدھم آواز میں پوچھا۔

"مجھے روکنے کے لیے یقیناً تم ہی میری گاڑی کے

سامنے آئی تھی۔۔؟" گاڑی آگے بڑھاتے

ہوئے بدر نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ گاڑی میں آپ ہوں

گے۔۔!"علیشہ نے تڑخ کر کہا۔

"لیکن مجھے معلوم تھا کہ سڑک کے بیچوں بیچ

واحیات لباس پہن کر اچھلتی لڑکی تم ہی ہو سکتی

ہو۔۔!" بدر نے کافی سرد لہجے میں اسے جواب

دیا تھا۔

"پھر تو آپ کو گاڑی روکنے کی بجائے مجھے گاڑی

تلے کچل دینا چاہئیے تھا۔۔!" پوری طرح اس کی

جانب گھومتے ہوئے علیشہ نے تلخ لہجے میں کہا تو

بدر کے سختی سے بھنچے لبوں پر ایک سفاک

مسکراہٹ اپنی چھب دکھلا کر غائب ہو گئی۔

"اتنا سفاک نہیں ہوں میں، جتنا تم سمجھتی

ہو۔۔!" ایک نظر اس کے سرخ چہرے پر ڈالتے

ہوئے بدر نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بازو لپیٹتے

ہوئے سیدھی ہو گئی۔

"میں آپ کو سمجھنے کا بالکل شوق نہیں رکھتی۔۔

ظالم سفاک اور بلا بلا۔۔ آپ جو بھی ہیں آئی ڈیم

کیئر۔۔!" گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے علیشہ نے

جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"پچھلی مرتبہ بھی تم نے کچھ ایسا ہی دعویٰ کیا

تھا۔۔!" بدر نے اس پر طنز کیا تو بے اختیار علیشہ

کو ساحل سمندر والا منظر یاد آگیا۔

"انتہائی مغرور انسان ہیں آپ۔۔بہتر ہے آپ

مجھے یہیں اتار دیں۔۔!!" وہ بری طرح تپ کر

چلائی۔

" ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ تم مجھے سمجھنے کا شوق

نہیں رکھتی اور اب مجھ پر مغرور ہونے کا ٹیگ لگا

رہی ہو۔۔لڑکی تمہیں مجھ سے پہلے خود کو سمجھنے

کی ضرورت ہے!" بدر نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں

اسے پھر سے لاجواب کیا تو علیشہ کا خون کھول

اٹھا۔

"آپ۔۔۔کیا مسئلہ کیا ہے آپ کے ساتھ کہاں

لے جا رہے ہیں مجھے۔۔۔!"پلکیں جھپکا جھپکا کر

اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتی وہ بولی۔

"میں کسی کو لفٹ نہیں دیتا۔اگر تمہیں دی ہے

تو یقیناً اپنی مرضی سے،اپنی مرضی کی جگہ لے کر

جاؤں گا۔۔!" سامنے سڑک پر نگاہیں جمائے وہ

پرسکون لہجے میں بولا تو علیشہ کا دل دھڑک

اٹھا۔۔

"ایک منٹ۔۔ میری بات سنیے آپ۔۔ مجھے

کہیں نہیں جانا یہیں اتار دیں پلیز۔۔۔!" اس

کے اندر کہیں انجانا سا خوف ہلکورے لینے لگا تھا

جس سے گھبراتی وہ مدھم آواز میں چلائی۔ وہ ڈرنا

نہیں چاہتی تھی کیونکہ ڈر و خوف اس کی فطرت

میں شامل ہی نہیں تھا لیکن سردار بدر لغاری کی

طاقت اور اس کی سرکشی سے کون واقف نہیں

تھا؟ کم از کم وہ تو اس شخص سے ناواقف نہیں

تھی۔

"خاموشی سے بیٹھی رہو۔۔!" گاڑی ایک خار دار

راستے کی طرف موڑتا وہ بولا تو علیشہ نے آنکھیں

پھاڑ کر اطراف میں دیکھا۔ سنسنان سڑک کے

اطراف میں جھاڑیوں کا وسیع سلسلہ تھا۔

"آپ خوامخواہ دشمنی مول لے رہے ہیں۔۔ میں

اپنے باباسائیں کو بتادوں گی اور پھر آپ کو بہت

پچھتانا پڑے گا۔۔!" ہمت مجتمع کرتی وہ اپنے

مخصوص بے خوف انداز میں بولی۔

"مجھے پچھتانے پر مجبور کرنا تمہارے بابا سائیں

کی اوقات سے باہر ہے لڑکی۔۔فی الوقت

خاموش رہو ورنہ میں تمہیں پچھتانے پر مجبور

کر دوں گا۔۔!" تنگ سے تنگ ہوتی سڑک پر

گاڑی ڈرائیو کرتا وہ بھاری ہوتی آواز میں بولا تو

اس کے لہجے میں ہلکورے لیتے غرور سے خائف

ہوتی وہ اپنے لب بھینچ گئی۔ مزید دس منٹ کی

ڈرائیو کے بعد اس نے گاڑی دائیں جانب نیچے کو

جاتی ڈھلوانی سڑک کی طرف موڑ دی تھی جس

کے دونوں جانب اونچی نیچی جھاڑیوں کی بہتات

تھی۔علیشہ اس علاقے سے قطعی انجان تھی۔۔

اسے اپنے ساتھ بیٹھے اس شخص سے کسی اچھائی

کی امید نہ تھی۔علیشہ نے نامحسوس انداز میں جینز

کی پاکٹ سے موبائل نکالا اور گاڑی کے

دروازے والی سائیڈ پر چھپانے کی ممکن کوشش

کرتے ہوئے لاک کھولنے لگی۔

"یہاں سگنلز نہیں آتے اس لیے یہ فضول

کوشش مت کرو۔۔!" اس کی طرف دیکھے بناوہ

ہنوز سڑک پر دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔علیشہ نے

لب بھینچتے ہوئے موبائل واپس جیب میں گھسا

لیا۔

"آپ مجھ سے چاہتے کیا ہیں۔۔؟"اس کی طرف

دیکھتے ہوئے علیشہ نے سرد لہجے میں پوچھا۔بدر

نے گردن موڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

بھوری آنکھوں میں خوف کا شبہ تک نہ تھا۔

"فقط ایک رات۔۔!" اس کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے بدر نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا تو

علیشہ کا اطمینان پل میں غارت ہوا۔ آنکھوں میں

بے یقینی لیے اس نے ناپسندیدہ نگاہوں سے اس

شخص کو دیکھا جو گاڑی روک چکا تھا۔ علیشہ نے

لب بھینچتے ہوئے خالی خالی نظروں سے آس

پاس دیکھا۔ رات کی تاریکی میں اسے اس

ویرانے میں کسی ذی روح کا نام ونشان نظر نہیں

آیا تھا۔

"چلو اترو۔۔!" اس کی طرف کا دروازہ کھولتے

ہوئے بدر نے سنجیدگی سے کہا تو علیشہ نے سراسیما

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس بار اس کی

بھوری آنکھوں میں خوف ہلکورے لے رہا تھا۔

علیشہ نے پیچھے کھسکتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔۔

بدر کے لب معنی خیزی سے مسکرائے تھے۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"زیادہ درد ہو رہا ہے تو میڈیسن لے لو۔۔!" اس

کے بال نرمی سے سہلاتے ہوئے ناجیہ بیگم

فکر مندی سے بولیں تو عالم نے ہولے سے نفی

میں سر ہلاتے ہوئے ان کی گود میں سر رکھ لیا۔

"میں بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں اماں۔۔ میری ضد

کی وجہ سے اسے اتنی ذلت اور تکلیف سہنا

پڑی۔۔!" آنکھیں موندتے ہوئے وہ اذیت

بھرے لہجے میں بولا۔

"ضد نہیں پرواہ۔۔ تم نے تو صرف اس کی پرواہ

کی تھی میرے چاند۔۔ غلطی تو صندل کی ہے۔۔

جانے کیوں وہ اس معصوم سے بیر باندھے رکھتی

ہے!" اس کی پیشانی سہلاتے ہوئے وہ اسے

حوصلہ دینے والے انداز میں بولیں۔

"جو بھی ہے۔۔ آپ مجھے بتائیں کیا میں اس کی

اذیت ختم نہیں کر سکتا۔۔؟ میں اس کے درد میں

کمی نہیں چاہتا اماں۔۔ میں اس کے درد کا خاتمہ

چاہتا ہوں۔۔!" آنکھیں کھول کر ان کی جانب

دیکھتے ہوئے عالم نے مدھم آواز میں کہا۔

"اپنے دادا سرکار سے بات کر لو۔۔شاید وہ

تمہاری کوئی مدد کر سکیں۔۔!"ناجیہ بیگم نے کچھ

سوچتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔ تبھی ان کی نظر

وہاں سے گزرتی بالی پر پڑی۔

"بالی بات سنو زرا۔ عالم کے سر میں درد ہو رہا

ہے اس کے لیے چائے بنالاؤ شاباش۔۔!" ناجیہ

بیگم نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا تو اس نے

ناک سکیڑتے ہوئے برا سا منہ بنا لیا۔

"بی بی سرکار میرا تو پورا جسم ہی کام کر کر کے دکھ

رہا ہے۔۔یہ کالی سے کہہ دیں ناں بنا دے گی۔۔

ویسے بھی دوپہر سے بستر پر لیٹی آرام فرما رہی

تھی۔۔!" کچن سے نکلتی مرحہ کی طرف دیکھتی

بالی نے عجلت میں کہا تو ناجیہ بیگم کے چہرے پر

ناگواری در آئی۔

"نہ کچن میں کون سا بستر لگا رکھا ہے تُم نے جس

پر یہ آرام کر رہی تھی۔۔؟؟"سخت نظروں سے

اسے دیکھتے ہوئے ناجیہ بیگم نے پوچھا تو وہ گڑبڑا

گئی۔ عالم نے خاموش نگاہوں سے نظریں

جھکائے کھڑی مرحہ کی طرف دیکھا۔

"وہ بی بی سرکار یہ بڑی چلتر باز ہے۔۔ابھی

تھوڑی دیر پہلے ہی گھسی ہوگی ورنہ دوپہر سے یہ

اپنے کمرے میں ہی تھی۔۔!" بالی منمنائی

"بس بس۔۔اچھے سے جانتی ہوں کہ کون

چلتر باز ہے۔۔جب میں نے تمہیں کہہ دیا کہ

چائے بنالاؤ تو چائے تُم ہی بناؤ گی۔۔اور اگر

آئندہ تُم نے اس بچی کا نام بگاڑا تو تمہارا حلیہ بگاڑ

دوں گی سمجھی۔۔؟؟" لہجے کو سخت ترین کرتے

ہوئے انہوں نے اسے ڈپٹا تو وہ سر جھکاتی ہاں

کرتے ہوئے کچن کی طرف بھاگی۔ اتنے میں

ایک ادھیڑ عمر ملازمہ وہاں آئی تھی۔

"سلام بڑی بی بی۔۔ باباجی سرکار نے مَرحہ اور

چھوٹے سرکار کو بلایا ہے۔۔!" وہ شاید ناجیہ بیگم

کے ہاتھوں بالی کی بنتی درگت دیکھ چکی تھی سو

مجبوراً مرحہ کا نام اپنے تلفظ کے مطابق ادا کرتی

بولی تھی۔اس کے پیغام پر ناجیہ بیگم نے سوالیہ

نظروں سے عالم کی طرف دیکھا۔۔

"مرحہ کا ایڈمیشن کروانے کے لیے کہا تھا دادا

سرکار نے۔۔شاید اسی سلسلے میں بلایا ہے۔!"

انہیں جواب دیتا وہ صوفے سے اتر گیا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔ابھی آجاتے ہیں

دونوں۔۔!"ناجیہ بیگم نے اس ملازمہ کو جواب

دیا تو وہ سر اثبات میں ہلاتی پلٹ گئی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ علیشہ آئے گی۔۔ آئی نہیں

وہ ابھی تک؟" انہوں نے کچھ یاد آجانے پر عالم

سے پوچھا۔

"اس نے کہا تو تھا کہ رات تک پہنچ جائے گی۔۔

ابھی تو آٹھ ہی بجے ہیں۔۔ شاید دس بجے تک

آجائے۔۔ آپ اسے ریسیو کر لیجئیے گا۔۔!!"

عالم نے آہستگی سے کہا تو انہوں نے اثبات میں

سر ہلا دیا۔

"آؤ مرحہ۔۔!!" عالم نے پلٹ کر خاموش کھڑی

مرحہ کو مخاطب کیا تو وہ کسی روبوٹ کی مانند اس

کی تقلید میں چل پڑی۔

"آپ نے یاد کیا دادا سرکار۔۔؟؟" اُن کے

حجرے میں داخل ہوتے ہوئے عالم نے

مسکراتے ہوئے پوچھا۔ مرحہ دہلیز میں ہی کھڑی

رہی۔

"تم بھی آجاؤ بیٹی۔۔!" عالم کے سر پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے انہوں نے مرحہ کو مخاطب کیا تو

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر آگئی۔

"ہمم۔۔ بیٹھو تم دونوں۔۔!" انہوں نے کہتے

ہوئے ہاتھ سے اپنے دائیں بائیں بیٹھنے کا اشارہ کیا

تو وہ دونوں بیٹھ گئے۔

"میں چاہ رہا تھا کہ بی۔اے کے لیے تمہارا

ایڈمیشن بھجوا دوں۔۔اسی لیے عالم کو بلایا ہے۔۔

اسے ضروری کاغذات اور معلومات دے دو تاکہ

یہ ایک دو دن میں تمہارا ایڈمیشن بھیج دے۔!"

مرحہ کے جھکے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے

نرمی سے کہا۔

"خطا معاف بابا جی سرکار لیکن، میں مزید پڑھنا

نہیں چاہتی۔۔!" ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں

پھنساتے ہوئے اس نے کانپتی ہوئی آواز میں

جواب دیا تھا۔

"لیکن کیوں۔۔؟ تمہیں تو غالباً پڑھائی کا بہت

شوق تھا۔۔؟؟" ہاتھ اس کے سر سے ہٹاتے

ہوئے انہوں نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا تو

اس نے آہستگی سے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر

پڑی خراشیں دیکھ کر ان کی آنکھوں میں تحیر

سمٹ آیا۔ جبکہ ان کی بوڑھی آنکھوں میں

اترتے رنگوں سے انجان وہ کہہ رہی تھی۔

"شوق تو ہے لیکن اب پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔۔

بڑی ہو گئی ہوں ناں تو ذمہ داریاں بھی بڑی ہوتی

جارہی ہیں۔!" لہجے کو مودب رکھنے کی کوشش

کرتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی۔ اداس آنکھوں

نے اس کے لبوں کا ساتھ دینے کی زحمت نہیں

کی تھی۔ عالم لب بھینچے بے چین نگاہوں سے

اسے دیکھتا رہ گیا۔

"یہ چہرے پر کیا ہوا ہے۔۔؟؟" سید ذوالفقار

عالم شاہ نے سخت بے چینی کے عالم میں پوچھا تو

مرحہ نے ان کے غیر متوقع سوال پر سہم کر عالم

کی طرف دیکھا۔

جیسے اسے ڈر ہو کہ کہیں عالم نہ کچھ بول دے۔

"وہ۔۔وہ۔۔ مم۔۔میں گر گئی تھی سرکار۔۔!"

نظریں جھکاتے ہوئے وہ ہکلائی ہوئی آواز میں

بولی تو اس بار انہوں نے عالم کی طرف دیکھا۔

اس نے لب بھینچتے ہوئے نگاہوں کا رخ بدل

لیا۔

"ٹھیک ہے۔۔کل صبح مجھے اپنے تعلیمی کاغذات

لا دینا۔۔عالم خود دیکھ لے گا۔!"مزید کوئی سوال

کیے بنا انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"لل۔۔۔لیکن۔۔مم۔۔میں نے کہا تو

ہے۔۔!" مرحہ نے مزاحمت کرنے کی کوشش

کی۔

"جو میں نے کہہ دیا ہے، وہی ہو گا۔۔اب تم جا

سکتی ہو۔۔!" تسبیح ہاتھ میں گھماتے ہوئے انہوں

نے قطعیت بھرے انداز میں کہا تو وہ لب بھینچتی

اثبات میں سر ہلا گئی۔

"کیا تم اس بارے میں کچھ جانتے ہو۔۔ اسے وہ

زخم کیسے آئے ہیں۔۔؟" مرحہ کے جاتے ہی

انہوں نے عالم کو مخاطب کیا۔

"مما نے مارا ہے اسے۔۔!" ساکت نگاہوں سے

فرش پر بچھے دبیز قالین کو گھورتے ہوئے عالم

نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"کیوں۔۔۔؟؟" سید ذوالفقار عالم شاہ کی

آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

"میرے ضد کرنے پر اس نے ایک گلاس جوس

پی لیا تھا۔۔بس اسی لیے۔۔!"لبوں پر زبان

پھیرتے ہوئے اس نے اس بار جواب دیا تو اس

کی آواز بھاری ہو گئی۔اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ

اذیت کا شکار ہے۔جبکہ وجہ جان کر سید ذوالفقار

عالم شاہ کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔ آنکھوں کے

سامنے اس کا معصوم چہرہ گھوم گیا۔ لبوں کی وہ

مدھم مسکراہٹ اور آنکھوں کا خالی پن۔ وجود

میں پھیلتی بے چینی سے گھبرا کر بے اختیار

انھوں نے اپنے سینے کو مسلا تھا۔

"میرا خیال ہے وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔۔ کام کا

جس قدر برڈن اس پر ہے۔۔ اس برڈن کے

ساتھ پڑھائی جاری رکھنا اس کے لیے ممکن نہیں

ہو سکے گا۔۔!" قالین کو گھورتا وہ اپنے دھیان

میں کہہ رہا تھا۔

"ہممم۔۔۔لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ تعلیم کا

سلسلہ جاری رکھے۔۔!"سیدھے ہاتھ کی مٹھی

میں تسبیح بھینچتے ہوئے وہ ضبط سے بولے۔

"اگر چاہتے ہیں تو پھر اس کے لیے کچھ آسانیاں

بھی پیدا کر دیں۔۔اسطرح تو وہ گھٹ گھٹ کر

مر جائے گی دادا۔۔۔!" اپنا ضبط کھوتا وہ پر اذیت

لہجے میں بولا تو سید ذوالفقار عالم شاہ نے اس کی

جانب دیکھا۔

" آسانیاں ہی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔۔ اسی لیے

تمہیں بلایا ہے۔!" گہری نظروں سے اسے دیکھتے

وہ سنجیدگی سے بولے تو عالم نے کچھ نا سمجھی سے

ان کی جانب دیکھا۔

"کیا مطلب۔۔؟"

"یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ تم بچپن

ہی سے مرحہ کی طرف ملتفت ہو عالم۔۔میں آج

یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مرحہ کے لیے تمہاری توجہ و

فکر مندی فقط ہمدردی ہے یا۔۔۔؟" اس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے نرم لہجے

میں پوچھا تو عالم کی آنکھوں میں تیرتی الجھن دور

ہو گئی۔

"ہمدردی کہہ کر میرے جذبات کی توہین نہ

کریں دادا۔۔ میں خود بھی آپ سے یہی بات کرنا

چاہتا تھا۔۔ میں۔۔ مرحہ کو بہت پسند کرتا ہوں

اور۔۔ اس سے شادی کا خواہشمند ہوں!" ان

سے نگاہیں چراتے ہوئے اس نے اعتراف کیا تو

سید ذوالفقار عالم شاہ کے چہرے پر اطمینان در

آیا۔

"پھر تمہیں یہ جان لینا چاہئیے کہ مرحہ تمہارے

مرحوم چچا، ولید عالم شاہ کی بیٹی ہے۔۔!" گہرا

سانس لیتے ہوئے انہوں نے مضبوط لہجے میں

اسے بتایا تھا۔ ان کے حجرے میں آتی ناجیہ بیگم

کے قدم ان کی بات سن کر دہلیز میں ہی تھم گئے

جبکہ ان کے مقابل بیٹھے عالم کی آنکھیں حیرت و

بے یقینی کے باعث پھیل سی گئیں۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب۔۔؟ چچا کی تو کبھی شادی

ہوئی ہی نہیں تھی ناں۔۔؟؟" بچپن سے ملی

معلومات کے مطابق اس نے لب کشائی کی تھی۔

تیز ہوتی سانسوں کو ہموار کرنے کی کوشش

کرتے ہوئے ناجیہ بیگم دروازے کے ساتھ ہی

دیوار کی اوٹ میں ہو گئیں۔

"اس نے چھپ کر نکاح کیا تھا۔۔!" بولتے

ہوئے سید ذوالفقار عالم شاہ کی آنکھوں کے

سامنے ماضی کسی فلم کی ریل کی مانند چلنے لگا۔

"کس سے۔۔؟" عالم کا سوال متوقع تھا۔

"ز۔۔۔زہرہ سے۔۔۔!" بتاتے ہوئے سید

ذوالفقار عالم شاہ کی آواز کسی سرگوشی سے بلند نہ

تھی۔

"زہرہ۔۔۔؟وہ۔۔وہ نوکرانی جو دیبہ پھپو کے

ساتھ ہوتی تھی۔۔؟ایک منٹ۔۔لیکن اس نے

تو فدا چاچو سے شادی کی تھی ناں؟اور اسی لیے

آپ نے اُن تینوں کو حویلی سے بے دخل کر دیا

تھا؟ایسا ہی تھا ناں دادا۔۔۔؟؟"ان کا ہاتھ

تھامتے ہوئے عالم قدرے بلند آواز میں بولا تھا۔

سید ذوالفقار عالم شاہ کے ہاتھ اعتراف جرم کے

خوف سے کانپنے لگے۔

"ایسا نہیں تھا۔۔!" ان کے لب بامشکل ہلے۔۔

حجرے سے باہر دیوار سے لگی کھڑی ناجیہ بیگم کی

آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گال پر پھسلا تھا۔ جبکہ

اندر وہ اپنی میز کی پہلی دراز سے چند بوسیدہ

کاغذات نکال کر اسے دکھا رہے تھے۔

"یہ۔۔ یہ وہ نکاح نامہ ہے جو مجھے۔۔ ولید کی

موت کے تیسرے دن اس کے کمرے سے ملا

تھا۔۔!"لرزتے ہاتھوں سے انہوں نے وہ نکاح

نامہ عالم کے سپرد کیا تھا۔

"ولید مر چکا تھا اور میں کسی صورت ایک کم ذات

ملازمہ کو اپنے گھر کی بہو تسلیم نہیں کرنا چاہتا

تھا۔۔میں نے اپنے چند آدمیوں کو کام پر لگایا

اور۔۔۔ نکاح نامے کی بقیہ دو کاپیاں بھی۔۔۔

اپنے قبضے میں لے لیں۔۔ میں نہیں جانتا تھا کہ

زہرہ اس وقت امید سے ہے۔۔!" دھیمے لہجے

میں بولتے ہوئے ان کی بوڑھی آنکھوں میں غم

چمکنے لگا۔

"ولید کی موت کو کچھ عرصہ گزرا تو مجھے زہرہ کی

زچگی کی خبر ملی۔۔میں نے۔۔۔ مم۔۔۔میں نے

اس کمرے سے حویلی کی ہر عورت کو باہر نکلوا

دیا۔۔ج۔۔۔جب مرحہ ہوئی تو۔۔۔"بولتے

بولتے ان کا سانس پھولنے لگا۔ آنکھوں میں

دھند سی اتر رہی تھی۔

"تو۔۔؟؟؟" عالم کے لب آہستگی سے ہلے۔

"تو دائی نے پہلی خبر مجھے ہی دی۔۔بچی بالکل ولید

جیسی تھی۔۔اس کی رنگت

اسس۔۔۔کک۔۔۔کی ماں۔۔پر تھی۔۔!"

ایک آنسو بہت آہستگی سے ان کی آنکھوں سے

نکل کر داڑھی میں جذب ہوا تھا۔عالم بے یقینی

سے مقابل بیٹھے اس بارعب شخص کو دیکھ رہا تھا

جس کی آنکھوں میں اس نے کبھی نمی کا شائبہ

بھی نہ دیکھا تھا۔

"مجھے زہرہ کسی صورت قبول نہیں تھی۔۔زہرہ

سے جان چھڑوانے کے لیے میں نے بچی کو اپنے

خاص ملازم کے آبائی گاؤں بجھوادیا اور زہرہ کے

سامنے یہ ظاہر کروادیا گیا کہ اس نے وقتِ

پیدائش سے پہلے ایک مردہ بچی کو جنم دیا ہے۔!"

انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں اس جرم کا

اعتراف کیا جسے وہ سالوں سے چھپائے پھر رہے

تھے۔

"آ۔۔آپ اتنے ظالم کیسے ہو سکتے ہیں دادا۔۔

کیسے۔۔؟؟" بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھتے

ہوئے عالم نے پوچھا تھا۔

"یہ اتنے ہی ظالم ہیں۔۔ان کے ظلم کی داستان

فقط زہرہ تک ہی محدود نہیں ہے۔۔ان کے ظلم

نے تو میری دیبہ کو بھی نگل لیا۔۔!" حجرے کا

پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوتی ناجیہ بیگم بھرائی ہوئی

آواز میں چلائیں۔

"بتایئے اسے۔۔۔یہ بھی بتایئے کہ کس طرح

آپ نے نہ صرف زہرہ کی بچی کو اس سے چھین

لیا بلکہ جب وہ معصوم اپنی زچگی کو جائز ثابت نہ

کر سکی تو کیسے آپ نے سب جانتے بوجھتے اسے

ستر کوڑے لگانے کا حکم دیا تھا۔۔بتایئے ماموں

سرکار۔۔بتا دیجئے اسے کہ کس طرح فدا نے

مجبور ہو کر زہرہ کو سزا سے بچانے کے لیے اپنا اور

اس کا جھوٹا نکاح نامہ بنوایا تھا اور کسطرح آپ

نے سچ جانتے بوجھتے اسے اور زہرہ کو حویلی سے

نکلنے کا حکم دیا تھا۔۔ آپ۔۔۔ آپ نے اپنی سگی

بیٹی پر بھی رحم نہیں کیا اور اسے در در کی

ٹھوکریں کھانے کے لیے فدا کے ساتھ جانے

دیا۔۔۔!" آنسو بھری آنکھوں سے ان کا شکست

خوردہ چہرہ دیکھتی وہ بھیگے ہوئے لہجے میں بولتی

چلی گئیں۔ عالم کی آنکھیں تمام انکشافات سن کر

سرخ ہو رہی تھیں۔

"اٹس چیپ۔۔اٹس چیپ انف دادا۔۔۔!"

تاسف زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھتا وہ بولا تھا۔

"آپ۔۔۔آپ نے۔۔آپ نے کیا کیا نہیں

کیا۔۔آپ نے ہر دل کو چھلنی کیا ہے۔۔ہر

رشتے کو پامال کیا ہے۔۔پہلے سعیدہ بی بی اور

وقار۔۔ پھر دیبہ اور فدا۔۔ ولید اور زہرہ۔۔۔

آپ تو اپنے ہی بچوں کی خوشیاں نگل گئے

ماموں۔۔ اور وہ بچی۔۔۔ وہ معصوم جسے زہرہ

سے چھین کر آپ نے زندگی دی۔۔؟؟ کیا

زندگی دی ہے اسے۔۔ کیا کمال کی زندگی کہ وہ

اپنے ہی گھر میں نوکروں سے بھی بدتر زندگی

گزار رہی ہے۔۔!"زمین پر گرنے کے سے

انداز میں بیٹھتے ہوئے وہ روتے ہوئے بولیں۔

سید ذوالفقار عالم شاہ کے چہرے پر دردناک

اذیتیں ناچ رہی تھیں۔

"اسے مت پڑھائیں۔۔ تعلیم مت دلوائیں۔۔

وہ اگر ایم-اے بھی کر لے گی تو ہمیشہ سر جھکا کر

ہی جیے گی۔۔ آپ نے اس کی تعلیم کا بندوبست تو

کر دیا لیکن اس کا اعتماد۔۔۔ اس کی ذات کا

مان۔۔ صفر ہے بالکل۔۔۔ بالکل صفر۔۔۔!"

ایک ایک لفظ پر زور دیتی وہ زہر خند لہجے میں

پھنکاریں۔۔ سید ذوالفقار عالم شاہ کے سفید رنگ

میں زردیاں گھلنے لگیں۔

"مم۔۔۔ میں جانتا ہوں۔۔ مجھ

سے۔۔ غلطیاں۔۔ ہوئی ہیں۔۔!" لرزتے

ہاتھوں سے اپنی دھندلی ہوتی آنکھیں صاف

کرتے ہوئے انہوں نے بولنے کی کوشش کی۔

"یہ غلطیاں تو نہیں۔۔ گناہ ہیں دادا۔ گناہِ

کبیرہ۔۔۔!" ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے

عالم بولا تو سید ذوالفقار عالم شاہ نے اپنے دل پر

ہاتھ رکھ لیا۔

"سوچیں جب اسے آپ کے مظالم کی بابت

معلوم ہو گا تو کیا وہ آپ کو معاف کرے گی۔۔؟

کیا وہ آپ کا چہرہ دیکھنا پسند کرے گی۔۔؟؟"

اپنے گال رگڑتے ہوئے ناجیہ بیگم نے انہیں

حقیقت کا آئینہ دکھایا۔ جواباً انہوں نے بامشکل

نفی میں سر ہلایا۔

"اسس۔۔۔اسے۔۔اسے مت بتانا۔۔میرے

گناہوں کا۔۔بھرم۔۔رکھو۔۔۔!" ان دونوں

کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے ان سے بولا بھی نہ

گیا۔

"خوف آرہا ہے مجھے آپ کی سفاکیت سے۔۔!"

ناگواری سے کہتے ہوئے عالم نے چہرے کا رخ

موڑ لیا۔

"عال۔۔۔لم۔۔۔اسے مت بتانا۔۔مم۔۔میں

مر بھی جاؤں تو۔۔اسے مت بتانا۔۔!" عالم کے

ہاتھ تھامنے کی کوشش کرتے وہ جھکے تو بائیں

جانب لڑھک گئے۔

"اسس۔۔۔سے۔۔ مم۔۔۔مت۔۔۔!" ان

کے لب پھڑ پھڑا رہے تھے۔

"ماموں۔۔ماموں سرکار۔۔عالم انہیں کچھ ہو رہا

ہے۔۔!" ان کی رنگت لٹھے کی مانند سفید پڑتے

دیکھ ناجیہ بیگم چیخیں۔عالم نے بے ساختگی میں

انہیں تھاما۔اس کی بھیگتی آنکھیں بے تابانہ ان

کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

"دادا۔۔!"اس کے لب پھڑ پھڑائے تھے۔۔

□♦□♦□♦□♦

اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔کچھ نشہ تھا اور

اس مدہوشی میں ملی جلی مہرماہ کی آوازیں۔۔وہ

آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود آس پاس کا منظر

پہچاننے سے قاصر ہو رہا تھا۔ہاں اسے اپنے وجود

پر کچھ بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔

"آہ گاڈ۔۔اٹ واز تھرلنگ ایکشن۔۔!"اس پر

سے ہٹتے ہوئے سیٹلی نے چہرے کے زاویے بگاڑ

کر کہا۔ پھر گردن موڑ کر تیز رفتاری سے دور جاتی

گاڑی کو دیکھا۔ منصب نے پلکیں جھپکاتے ہوئے

اسے دیکھا۔ شاید پہچاننے کی کوشش کی تھی۔

"آر یُو اوکے۔۔۔؟ اگر میں نہ آتی تو تم اس گاڑی

کے نیچے آ چکے ہوتے۔۔!" اپنی شرٹ جھاڑتے

ہوئے کھڑی ہوتی وہ کافی فکر مندانہ لہجے میں بولی

تھی۔ منصب نے غائب دماغی سے اس سمت

دیکھا جہاں وہ گاڑی گئی تھی۔ اپنے چہرے کو تھپڑ

مارنے کے سے انداز میں تھپکتے ہوئے وہ سیدھا

ہوا۔

"تم۔۔تم یہاں کیا کر رہی ہو؟؟" اپنی پیشانی

مسلتے ہوئے کھڑا ہوتا وہ لڑکھڑاتے لہجے میں

بولا۔

"آئی تھنک یُو آر ڈرنک۔۔؟" اچک کر اس کی

گردن کو ہاتھ لگاتے ہوئے وہ بولی تو منصب نے

درشتگی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔۔؟" وہ اس پر

گرجا۔

"میں ممی کے ساتھ ان کی فرینڈ کے گھر آئی

تھی۔۔پھر وہ مجھے وہیں چھوڑ کر ساتھ والے گھر

میں چلی گئیں۔۔وہیں سے میں نے تمہیں

دیکھا۔۔تم اسی گھر سے نکلے تھے جہاں میری ممی

گئی تھیں۔۔!" سیٹلی نے کافی تفصیل سے اسے

جواب دیا۔

"جج۔۔جینیفر۔۔یہی نام ہے ناں اس کا؟؟"

پوچھتے ہوئے منصب کا لہجہ کڑواترین ہو گیا۔

"ہاں۔۔تم ملے ہو کیا اُن سے۔۔؟؟" وہ خوشگوار

حیرت کا شکار ہوتی بولی۔

اس کے سوال پر منصب کا حلق کڑوا ہو گیا۔

"یہاں سے جاؤ۔۔!" اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ

چلایا۔ سیشلی نے حیرانگی سے اس کا سرخ پڑتا چہرہ

دیکھا۔

"لیکن تم ٹھیک نہیں ہو مون۔۔!" اسے بازو سے

تھامتی وہ فکرمندانہ لہجے میں بولی۔

"میں جیسا بھی ہوں۔۔۔مجھے۔۔تم۔۔تمہاری

ضرورت نہیں ہے!" اسے خود سے دور کرنے

کی کوشش کرتا وہ بامشکل بولا۔آنکھیں بند

ہونے کو بے تاب ہو رہی تھیں۔تبھی ہیل کی

ٹک ٹک پر سیشلی نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ اپنا پرس

جھلاتی قریب آتی عورت اس کی ماں تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔؟ اور یہ۔۔؟" سیشلی

پر چلاتی جینیفر کی نظر جو نہی منصب پر پڑی، اس

کی زبان کو بریک لگ گئی۔

"ممی یہ میرا فرینڈ ہے۔۔ منصب۔۔ یاد ہے ناں

آپ کو۔۔؟؟" منصب کو سنبھالنے کی ناکام

کوشش میں غلطاں سیشلی نے مصروف سے انداز

میں کہا۔

"سوواٹ؟ اب اس شرابی کو تم چرچ لے کر جاؤ

گی؟" اس کے قریب آتے ہوئے وہ سیشلی پر

برہم ہوئی۔ منصب نے پلکیں جھپکاتے ہوئے

اس کی جانب دیکھنے کی کوشش کی لیکن نظر

دھندلا سی گئی۔

"نو ممی۔۔میں اسے اس کے ہوٹل چھوڑ دوں

گی۔۔آپ بھی میرے ساتھ چلیں پلیز۔۔!"

سیشلی نے شعلہ جوالہ بنی جینیفر سے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے لیکن مجھ پر ابھی اتنا برا

وقت نہیں آیا۔چھوڑو اسے یہیں اور میرے

ساتھ چلو۔۔!" اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے

وہ چلائی۔ نتیجتاً منصب کا توازن بگڑا تھا اور اگلے

ہی پل وہ زمین بوس ہو گیا۔

"او گاڈ ممی۔۔وہ گر گیا ہے۔۔!" ماں سے ہاتھ

چھڑواتی وہ منصب پر جھکی۔

"میری طرف سے مر جائے تم میرے

ساتھ۔۔۔!" بدلے میں وہ بھی غصے سے چیخی

تھی کہ معاً کچھ سوچ کر رکی۔ جبکہ اس کی ذہنی

پراگندگی سے انجان سیٹلی اب کہہ رہی تھی۔

"ممی پلیز کوئی کیب رکوالیں۔۔ ہم اسے اس کے

ہوٹل چھوڑ آتے ہیں ناں۔۔!!" کہتے ہوئے وہ

منصب کو سیدھا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لل۔۔۔لیومی۔۔!" منصب کے لب

پھڑپھڑائے۔

"اوکے فائن۔۔اگر تم اس کے لیے اتنی ہی

پریشان ہو تو۔۔ٹھیک ہے۔۔ہم اسے ہوٹل تک

چھوڑ دیتے ہیں لیکن میری ایک شرط ہے!"

سیشلی کے قریب ہی پنجوں کے بل بیٹھ کر بولتی

جینیفر کی آواز سرگوشیانہ ہو گئی۔ سیٹلی نے

سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"تم اپنے فرینڈ کے ساتھ ہی ہوٹل رکو گی۔۔

کیونکہ پھر میرے پاس تمہیں چرچ چھوڑنے کا

ٹائم نہیں ہو گا۔۔رافن میرا ویٹ کر رہا

ہے۔۔!"جینیفر نے ہولے سے مسکراتے

ہوئے کہا تو سیشلی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آئی۔۔ سیڈ۔۔۔لیو۔۔میں خود۔۔جا سکتا

ہوں۔۔"لڑکھڑاتے قدموں کو زمین پر جمانے

کی کوشش کرتا وہ کھڑا ہوتے ہوئے بڑبڑایا۔

سیتلی کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ جینیفر نے اس

کی بات کا اثر لیے بغیر وہاں سے گزرتی کیب

روک لی۔ پھر اس کے نہ کرنے کے باوجود وہ

دونوں اسے ہوٹل تک چھوڑنے آئی تھیں۔

کیب رکی تو وہ خود کو سنبھالتا باہر نکل گیا۔

"چلو اترو تم بھی۔۔!" جینیفر نے اسے دھکا دیا۔

"وہ تنہائی چاہتا ہے ممی۔۔!" سیٹلی نے جلدی

سے کہا۔

"وہ تمہارا بوائے فرینڈ ہے سیٹلی۔۔اور میں نے

اس دن تمہیں بتایا تھا ناں کہ جب بوائے فرینڈ

ڈرنک ہو تو اسے کس طرح ہینڈل کرتے ہیں؟"

اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اپنی جانب گھماتے ہوئے

جینیفر چبا چبا کر بولی۔

"وہ۔۔ فرینڈ ہے۔۔ بوائے فرینڈ نہیں ہے

مم۔۔ ی۔۔!" سیشلی منمنائی۔

"میری بات سنو سیٹلی۔۔ تمہیں کسی نہ کسی کو تو

بوائے فرینڈ بنانا ہی ہے۔۔ تو منصب کیوں

نہیں۔۔؟ ہی از ٹُو ہاٹ۔۔ اور یہ ایک اچھا موقع

ہے۔۔ چلو جاؤ۔۔!" اسے زبردستی کیب سے

اتارتے ہوئے جینیفر بولی۔

"وہ غصہ ہو جائے گا ممی۔۔!" دروازے کے

کھلے شیشے سے اندر جھانکتی وہ چلائی۔

"ایسا نہیں ہو گا۔۔ تم جاؤ۔۔ اور جیسا میں نے

سمجھایا تھا بالکل ویسے ہی کرنا۔۔!" اسے ہدایت

کرتے ہی جینیفر نے کیب ڈرائیور کو کیب آگے

بڑھانے کا کہا۔۔ سیشلی نے بے بس نگاہوں سے

دور جاتی گاڑی کو دیکھا۔ پھر پلٹی اور تیز تیز قدم

اٹھاتی ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو گئی۔

□♦□♦□♦□♦

کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر وہ اندر

داخل ہوا۔۔ ادھ کھلی سرخ آنکھوں میں شدید

جلن کا احساس ہو رہا تھا۔۔اپنی نیم مدہوش حالت

کے باعث وہ کمرے کا دروازہ لاک نہیں کر پایا تھا

جسے کھولتی سیثلی اس کے پیچھے ہی اندر آگئی۔

"مون۔۔؟ آر یُو اوکے۔۔؟؟" اپنے پیچھے

نسوانی آواز سن کر وہ بامشکل پلٹا۔پلکیں جھپکا جھپکا

کر سامنے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ دھندلے

سے منظر میں اسے اپنے مقابل بے حال کھڑی وہ

نظر آئی تھی۔ دوپٹے سے عاری نازک وجود، سیاہ

آنکھوں میں آنسو لیے وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

اسے اپنے سامنے دیکھ کر منصب نے بے اختیار

اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"ماہی۔۔تت۔۔۔تم یہاں۔۔؟" آنکھیں پوری

کھولنے کی کوشش کرتا وہ بڑبڑایا۔لہجے میں بے

تابی گھلی ہوئی تھی۔

"میں تمہارے لیے بہت پریشان تھی اسی لیے

واپس آئی ہوں۔۔۔!" آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ

تھامتے ہوئے سیشلی نے نرمی سے کہا۔ گو کہ اسے

منصب کے لبوں سے ادا ہونے والے الفاظ کی

سمجھ نہیں آرہی تھی کیونکہ وہ نشے میں اردو میں

بات کر رہا تھا لیکن اس کے تاثرات سیشلی پر اس

کا سوال واضح کر رہے تھے۔

"ہہ۔۔ہاں۔۔تتت۔۔۔تم واپس مت جانا۔۔

ممم۔۔۔مجھے چھوڑ کک۔۔۔کر۔۔۔مت

جانا۔۔!" اس کا چھوٹا سا چہرہ اپنے ہاتھوں کے

پیالے میں بھرتا وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتی سیثلی ہولے

سے مسکرائی۔ مہرماہ کی پانی بھری سیاہ آنکھیں

ہنوز اس کی سرخ آنکھوں کے سامنے مسکا رہی

تھیں۔

"میں یہیں ہوں۔!" شستہ انگریزی میں بولتی

سیشلی نے اسے یقین دلایا۔

"مم۔۔۔میں تمہیں جانے نہیں دوں گا اب۔۔

کبھی نہیں۔۔!" اسے خود میں بھینچتا وہ حد سے

زیادہ بھاری ہوتی آواز میں بولا۔یوں اچانک اس

کے سینے سے لگتی سیٹلی کا دل ایک الگ ہی لے

پر دھڑک اٹھا۔ دھڑکنوں نے یک دم شور مچایا

تھا۔ جبکہ سیٹلی کے وجود سے قطعی انجان وہ اسے

مہرماہ حسین سمجھے اپنے سینے سے لگائے کھڑا

تھا۔۔

"مم۔۔مون تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔۔!"

اس سے الگ ہونے کی کوشش کرتے ہوئے

سیشلی نے بولنے کی کوشش کی تو منصب نے نفی

میں سر ہلاتے ہوئے اس کے گرد اپنی گرفت

سخت کر دی۔

"مم۔۔۔مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے۔۔

میری ضر۔۔ورت۔۔ صرف تم ہو ماہی۔۔!"

شدت جذبات سے بوجھل ہوتی اس کی آواز

سیشلی کا دل دھڑ کا رہی تھی۔

"مم۔۔ماہی۔۔میں۔۔میں تم سے بہت۔۔

پپ۔۔۔پیار کرتا ہوں۔۔اتنا کہ۔۔!" اسے

بتاتے ہوئے منصب نے سیثلی کو خود سے الگ کیا

تھا تبھی اس کی نظر سیثلی کے چہرے پر پڑی تو

اس کے باقی کے الفاظ لبوں پر ہی دم توڑ گئے۔

منصب کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی سی در

آئی۔اس نے ایک جھٹکے سے سیشلی کو پیچھے

دھکا دیا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔؟؟" اپنے بال

مٹھیوں میں جکڑتا وہ اردو میں ہی اس پر چیخا۔

سیشلی نے کچھ نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

منصب کی آنکھوں کا منظر صاف ہونے سے

انکاری تھا۔زمین پر گری سیشلی کی آنکھوں میں

ایک بار پھر اسے مہرماہ کی آنکھیں نظر آئی

تھیں۔وہ شکوہ کناہ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی

تھی۔

"اوہ۔۔۔آئے۔۔آئے ایم سوری۔۔

مم۔۔ماہی۔۔تت۔۔۔تم۔۔۔

مجھے۔۔ نظر۔۔" پلکیں جھپکا تا وہ ہکلایا۔ بھنویں

اچکا تا وہ خود کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سیشلی سرعت سے اٹھی اور آگے بڑھ کر اسے

بیڈ پر بٹھایا۔

"تم یہاں بیٹھو میں تمہارے لیے پانی لاتی

ہوں۔۔!" اس کے بال سنوارتے ہوئے سیشلی

نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ ڈونٹ گو۔۔ ماہی ڈونٹ گو

پلیز۔۔!" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ ملتجی ہوا۔

سیشلی کو اس کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔

اس کا یہ دھوپ چھاؤں سا رویہ اسے سمجھ نہیں

آرہا تھا۔ وہ آنکھیں موندتا پیچھے ہی بیڈ پر ڈھے

گیا۔ سیشلی نے پلکیں جھپکاتے ہوئے اس شاندار

شخص کو دیکھا۔ کثرت شراب نوشی کے باعث

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ عنابی ہونٹ کچھ بولنے

کی ناکام کوشش میں ادھ کھلے سے تھے۔ سیٹلی

مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہوئی اور اس کی

بند پلکوں کو چھوا۔ منصب نے حد سے بھاری ہوتی

آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔ مہرماہ کا

گلاب چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔اس

کے لب دھیرے سے پھیلے تھے۔۔

"مم۔۔۔میری ج۔۔ا۔۔جان۔۔!" اسے دیکھتا

وہ بے بس سے انداز میں بولا۔ادھ کھلی سرخ

آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر کنپٹیوں میں جذب

ہوئے تھے۔ سیشلی نے آہستگی سے اس کے ٹیٹو

کے جال تلے کشادہ سینے پر ہتھیلی رکھی۔

"ممی واز رائٹ۔۔یُو آر ٹُو ہاٹ۔۔!" دوسرے

ہاتھ سے اس کے بال سہلاتی وہ اس پر جھکی تھی۔

آنکھیں بند کرتے ہوئے منصب نے اسے اپنے

حصار میں لے لیا۔

"یا اللہ آج میں ڈر گیا۔۔!" اس کے گم ہوتے

حواسوں میں ایک بھاری آواز ابھری تھی۔ اس

کا سائیں سائیں کرتا دماغ اس آواز کو پہچاننے سے

قاصر ہو رہا تھا۔ہاں دل اس پری پیکر کی قربت پر

نازاں تھا جس کی سنگت کے لیے وہ ایک سال

سے تڑپ رہا تھا۔

"میں تجھے پکارتا ہوں۔۔میں گزارش کرتا

ہوں۔۔!"کوئی چیخ رہا تھا۔

"میری مدد کر دے۔۔۔!" مہرماہ حسین اس کے

قریب تر تھی۔۔اور ان مدھم آوازوں کی

مزاحمت سے اس کی سماعتیں جھنجھوڑ رہی تھیں۔

"اللہ۔۔۔بچالے اللہ۔۔۔!" منصب کے دماغ

کی چولیں ہلنے لگیں۔

"کیا وہ لڑکی جو اس کے قریب تر تھی۔۔؟ کیا وہ

اس کے نکاح میں تھی۔۔؟" اس کی چھٹی حس

اس سے سوال کر رہی تھی۔

"کیا وہ بغیر نکاح کے مہر ماہ حسین کو پامال کر رہا

تھا۔۔؟؟" اس کا دل شدتوں سے دھڑ کا تھا۔

"کیا وہ توبہ کر لینے کے بعد پھر سے اللہ کے

غضب کو آواز دے رہا تھا۔۔؟؟؟" منصب کا

تنفس بگڑنے لگا۔

"کیا وہ مہرماہ حسین کی خاطر اب اس آخری در

کو بھی کھو دینے والا تھا جہاں اس کا سکون مخفی

تھا۔۔؟؟" سوال تھے جو اس کی رگوں میں

دوڑتے خون کو گرما رہے تھے۔

"کیا ایک نامحرم کی قربت کے لیے اللہ کو کھو دینا

نفع بخش ہے منصب عالم شاہ۔۔۔۔۔؟؟؟؟"

کوئی اس کے اندر جی جان سے چیخا تھا۔ منصب کی

روح کانپ اٹھی۔۔اس کے بے جان ہاتھوں میں

یک دم جان آئی تھی۔گناہ کے خوف نے اسے

اس قدر حواس باختہ کیا کہ مہرماہ کے تصوراتی

وجود کو اس نے ایک جھٹکے سے پیچھے دھکا دیا تھا۔

بے تابانہ آنکھیں مسلتے ہوئے اس نے زمین پر

گری سیٹلی کی جانب دیکھا۔ مہرماہ کی جگہ اسے

دیکھ کر منصب کو لگا اس کے دماغ کی کوئی نس

پھٹ جائے گی۔ سیٹلی کے بکھرے بالوں اور

بے ترتیب لباس پر نظر پڑتے ہی اسے اپنا دل

پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ لڑکی جسے وہ علیشہ کی

طرح چھوٹی بہن سمجھتا تھا۔۔وہ جسے بچی سمجھ کر

وہ ہر برائی سے بچانے کی کوشش کرتا تھا آج وہ

خود اس کے ساتھ برائی کرنے جارہا تھا۔۔؟؟کیا

وہ خود۔۔؟وہ اسے مہرماہ سمجھ کر پامال کرنے والا

تھا۔۔؟اپنے آپ سے الجھتا وہ یک ٹک اسے دیکھ

رہا تھا جب خود کو سنبھالتی وہ ایک بار پھر اس کے

قریب آئی تھی۔

"مون کم آن۔۔ تم کیوں اتنے خوفزدہ ہو۔۔ میں

تمہاری گرل فرینڈ ہوں۔۔ جسٹ ڈوانٹ۔۔!"

اس کی گردن میں بازو حمائل کرتی وہ سرگوشیانہ

بولی۔ منصب کو اپنے گلے میں سانپ سے لٹکتے

محسوس ہوئے۔ جسم پر بچھو رینگ رہے تھے۔

اس نے سرخ آنکھوں سے اپنے قریب اس چودہ

سالہ لڑکی کو دیکھا۔ پہلی بار۔۔ ہاں پہلی بار وہ

اسے علیشہ نہیں، ایک کال گرل کی بیٹی لگی تھی۔

"آئی ہیٹ یُو۔۔ آئی جسٹ ہیٹ یور

سیلف۔۔۔!" اس کے ہاتھ جھٹک کر اسے پیچھے

دھکا دیتے ہوئے وہ چلایا۔ اس کا دل اس پل ہر

شے کو آگ لگا دینے کے در پر ہو رہا تھا۔

"جھوٹ مت بولو۔۔ تم۔۔ تم کچھ دیر پہلے

میرے ساتھ۔۔!" کھڑے ہوتے ہوئے سیشلی

نے بولنے کی کوشش کی۔

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ یُو بچ۔۔۔!" بیڈ سے

اترتا وہ دہاڑا۔ کھڑے ہوتے ہی اس کے دماغ

میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔کمرے کی چھت

گول گول گھومنے لگی تھی۔

"گیٹ لاسٹ فرام مائے روم۔۔جسٹ گو۔۔

گواوے۔۔۔!" آگے بڑھ کر اسے ہاتھ سے پکڑ

کر دروازے کی طرف لے جاتا وہ غرایا۔

"یہ مت کرو۔۔پلیز مون۔۔آئی لو یو۔۔!"اس

کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتے

ہوئے سیثلی نے دس منٹ پہلے محسوس ہوئی

محبت کا کافی بے باکی سے اظہار کیا تھا۔

"آئی سیڈ گو۔۔ جسٹ گو۔۔۔!" اسے کمرے

سے باہر دھکا دے کر منصب نے کمرے کا

دروازہ بند کر لیا۔ واپس پلٹتے ہوئے اس کا پاؤں

دروازے کے ساتھ رکھی ڈیکوریشن میز سے

الجھا تھا۔ اس نے سہارے کے لیے میز کو تھامنے

کی کوشش کی نتیجتاً میز سمیت وہ زمین بوس ہوا

تھا۔ شیشے کے ٹکڑوں نے اس کی داہنی ہتھیلی اور

کسرتی بازو کو لہولہان کر ڈالا تھا۔

"یا اللہ۔۔یہ۔۔یہ کیا ہوا۔۔یہ کیا۔۔!" زمین

پر یونہی پڑے پڑے وہ رو دیا۔ اس کے جسم کا

جوڑ جوڑ اس پل اذیت کا شکار تھا۔ ہمت کر تا وہ

ایک بار پھر اٹھا تھا اور واش روم کی طرف بڑھا۔

آنکھیں اور ذہن اس کا ساتھ دینے کی اپنی سی

ناکام کوشش کر رہے تھے۔ شاور کھول کر وہ

چپ چاپ واش روم کے چکنے فرش پر بیٹھ گیا۔

ٹھنڈا پانی تیزی سے اس کی سر پر گرتا اسے

بھگوتا جارہا تھا. پانی کے سنگ اس کے دائیں بازو

سے خون بھی بہہ رہا تھا لیکن وہ کسی بت کی مانند

بے حس بنا بیٹھا رہا۔۔ رات دھیرے دھیرے

بیتنے لگی۔۔ منصب عالم شاہ اس رات کے سنگ

خود بھی بیتتا چلا گیا۔ اس کے زندہ وجود میں

زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی تھی۔۔ وہ گناہ

جسے وہ معمولی سمجھ کر ایک سال پہلے کرنا چاہتا

تھا، اس گناہ سے اسے زبردستی روک لیا گیا تھا۔

اور گناہ یہ تھا جسے کرنا اس کے بس میں تھا۔۔

جس سے اسے روکنا والا اس بیرونی سرزمین پر

کوئی نہ تھا۔۔اسے گناہ پر مائل کرنے والی قاتل

آنکھیں تب بھی اسی لڑکی کی تھیں اور اسے پاگل

کر دینے والی آنکھیں آج بھی اسی لڑکی کی تھیں۔

فرق یہ تھا کہ تب وہ حقیقت تھی اور آج وہ

سراب کی صورت اس کی آزمائش کا باعث بنی

تھی۔۔ لیکن آج خود کو مٹا کر۔۔ اپنے اندر۔۔

اپنے وجود سے مہرماہ حسین کی طلب مٹا کر اس

نے حقیقت کو پا لیا تھا۔ اسے ایک سال پہلے روک

لینے والی طاقت بھی اسی رب کی تھی۔۔ اور آج

مدہوشی کے عالم میں اسے ہوش دلانے والی

طاقت بھی اسی ربِ عظیم کی تھی جو اس پوری

کائنات کا خالق ہے۔۔ پیچھے دیوار سے ٹیک

لگاتے ہوئے اس نے آہستگی سے اپنی آنکھیں

موند لیں۔ شاور سے نکلتا پانی ہنوز اسے بھگو رہا

تھا۔

♦□♦□♦□♦□ آسمان پر جمع

ہوتے سرمئی بادلوں کی گڑگڑاہٹ یک دم تیز

ہوئی تو پانی پیتی حدیبہ کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ

کر زمین پر گر گیا۔ سٹیل کے گلاس نے چھوٹے

سے کچن میں الگ ہی شور برپا کیا تھا۔ آواز سن کر

زہرہ سرعت سے وہاں آئی تھی۔

"کیا ہوا۔۔؟ آپ ٹھیک تو ہیں۔۔؟" حدیبہ کے

قریب آتے ہوئے زہرہ نے بے تابانہ پوچھا تو

خلاؤں میں یک ٹک گھورتی حدیبہ نے خالی خالی

نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"میرا۔۔ میرا دل بیٹھ رہا ہے۔۔ ایسا لگ رہا ہے

جیسے۔۔ جیسے کسی نے میرا دل مٹھی میں لے لیا

ہو!" اسے اپنے سامنے سے ہٹا کر کچن سے باہر

نکلتی وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ آنکھوں میں

عجیب سی وحشت اتر آئی تھی۔ انداز میں بے

چینی تھی۔

"تو پانی پی لیں ناں۔۔ اس حالت میں ویسے بھی

اس قسم کے خیالات آتے ہی رہتے ہیں۔۔!"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے زہرہ نے

محبت بھرے لہجے میں کہا تو حدیبہ نے ہولے

سے نفی میں سر ہلایا۔

"تم سمجھ نہیں رہیں زہرہ۔۔مجھے۔۔مجھے سانس

نہیں آرہا۔میرا دم گھٹ رہا ہے۔۔!" اپنے دل

پر ہاتھ رکھتی وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

نظریں بے اختیار سرمئی آسمان کی طرف اٹھیں

جس کے سینے پر منڈلاتے سیاہ بادل برسنے کو بے

تاب تھے.

"اتنا غلط نہ سوچیں۔۔ ہو سکتا ہے کہ پیدائش کا

وقت قریب ہو۔۔ آپ خود کو سنبھالیے میں اماں

سے کہتی ہوں وہ دائی کو بلا لائے گی۔۔!" زہرہ

نے اسے حوصلہ دینے کی اپنی سی کوشش

کی۔حدیبہ کی رنگت زرد پڑنے لگی۔دل عجیب

واہموں کا شکار ہو رہا تھا۔

"شش۔۔شاید۔۔بلوالو۔۔!"الجھن کا شکار

ہوتی وہ آہستگی سے بولی تو زہرہ اندر کو بھاگی۔

حدیبہ نے قدرے اچک کر بیرونی دروازے پر

گرے پردے کی طرف دیکھا۔ آنکھیں فدا کی

منتظر تھیں۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے مائی کرماں

اسے حوصلہ دے کر چادر کی بکل مارتی گھر سے

باہر نکل گئی۔

"بی بی اندر چل کر لیٹ جائیں۔۔یوں خود کو

پریشان نہ کریں۔۔!"اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے

زہرہ نے تشویش زدہ انداز میں کہا۔

"پتہ نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے زہرہ۔۔دل کی ایسی

حالت پہلے تو کبھی نہیں ہوئی۔۔فدا۔۔فدا

سائیں بھی ابھی تک نہیں آئے۔۔!" بار بار

دروازے کی جانب دیکھتی وہ بے چینی کے عالم

میں گویا ہوئی۔

"تو اس میں فکر کرنے والی کون سی بات ہے۔۔

وہ۔۔وہ ریموٹ لے کر دیا ہے ناں سرکار نے

آپ کو۔۔؟؟" اپنی یادداشت پر زور ڈالتے

ہوئے زہرہ نے اسے حل بتانے کی کوشش کی۔

"ریموٹ۔۔ کون سا ریموٹ۔۔؟؟" حدیبہ نے

الجھتے ہوئے پوچھا۔ حدیبہ کے سوال پر اس کے

دماغ میں کچھ کلک ہوا تھا۔

"ھاھاھااوکے تم سو جاؤ اور یہ ریموٹ تکیے پر

ایسے ہی رکھ دو۔!" ولید شاہ کی مسکاتی ہوئی آواز

زہرہ کی سماعتوں میں گونجی تھی۔اس کے دل

میں ہوک سی اٹھی۔

"موبیل۔۔ جسے موبیل کہتے ہیں بی بی۔۔ آپ

اس پر بات کرلیں سرکار سے۔!"خود کو

سنبھالتے ہوئے زہرہ نے اسے مشورہ دیا تو حدیبہ

کو بھی کچھ ہوش، آیا۔

"ہاں۔۔یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔۔!" اپنے

سر پر ہاتھ مار کر بڑبڑائی وہ کمرے کی طرف

بھاگنے کے سے انداز میں بڑھی۔

"سنبھل کر بی بی۔۔۔!" زہرہ نے بھیگتی ہوئی

آواز میں پیچھے سے آواز لگائی۔

"سو جاؤ سرکار کی جان۔۔!" ولید شاہ کی میٹھی

سرگوشی اسے آنکھیں میچنے پر مجبور کر گئی تھی۔

اس کی یاد میں آج پھر دو آنسو ٹوٹ کر گالوں پر

پھسل آئے تھے۔۔ پہلی۔۔ دوسری۔۔

تیسری۔۔ بیل جا رہی تھی لیکن کوئی کال ریسیو

نہیں کر رہا تھا۔ وہ مسہری سے اٹھ کر کھڑی ہو

گئی۔ تیسری بار کال کرنے پر کال ریسیو کر لی گئی

تھی۔

"ہہ۔۔۔ہیلو فدا سائیں کہاں ہیں آپ میں کب

سے آپ کو کال کر رہی ہوں۔۔!"کال ریسیو

کرتے ہی وہ بے تابانہ گویا ہوئی۔

"ہالو (ہیلو) باجی آپ کہاں سے بات کر رہی

ہیں۔۔۔؟؟"کسی ادھیڑ عمر شخص کی بھاری سی

آواز سن کر حدیبہ نے فون کان سے ہٹا کر سکرین

پر نمبر دیکھا کہ آیا اس نے غلط نمبر نہ ملا لیا ہو

لیکن نمبر فدا ہی کا تھا۔

"آپ کون بات کر رہے ہیں۔۔؟ اور میرے

شوہر کا موبائل آپ کے پاس کیا کر رہا

ہے۔۔؟؟"خود کو سنبھالتے ہوئے حدیبہ نے

کچھ کرخت لہجے میں پوچھا۔

"اوہ۔۔باجی مجھے نہیں پتہ کہ یہ بندہ کون ہے اور

آپ کا کیا لگتا ہے۔۔لیکن تھوڑی دیر پہلے ایک

ویگن اس موبیل کے مالک کو ٹکر مار گئی

ہے۔۔اور بیچارہ موقعے پر ہی دم توڑ گیا ہے۔۔!"

کال ریسیو کرنے والا شاید موت سے بھی زیادہ

سفاک تھا جس نے اس کی جان نکالنے میں لمحہ

بھی نہیں لگایا تھا۔جان ایک لمحے میں اس کی

ٹانگوں سے نکلی تھی۔وہ بے دم سی ہوتی وہیں

بیٹھتی چلی گئی۔

"کک۔۔۔کیا۔۔کیا کلک۔۔۔کہہ رہے ہیں

آپ۔۔۔پپ۔۔۔لیز سچ بولیے۔۔

مم۔۔۔میرے شوہر تو۔۔!" حلق میں اٹکتے

آنسوؤں کے پھندے کے باعث اس سے ٹھیک

سے بولا بھی نہ گیا۔

"باجی حوصلہ کریں۔۔زرا ایمبولنس آجائے تو یہ

فون ڈیڈ باڈی کے ساتھ ہی آپ کے پاس پہنچا دیا

جائے گا۔۔ہم نے خود بھی قبر میں جانا ہے یہ

موبیل آپ ہی کی امانت ہے۔۔اوجی میں نے

تو۔۔۔!" وہ اور بھی بہت کچھ بول رہا تھا لیکن

موبائل حدیبہ کے ہاتھ سے پھسل کر اس کی گود

میں گر چکا تھا۔بے یقینی کے عالم میں بیٹھی فرش

کو گھورتی وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں

غلطاں خود کو یہ باور کروا رہی تھی کہ اس نے جو

سنا ہے وہ فقط غلط فہمی ہے۔ زہرہ اندر آئی تو اسے

یوں بے حال فرش پر بیٹھے دیکھ کر فوراً اس کی

جانب لپکی۔

"بی بی۔۔ کیا ہوا ہے۔ سب ٹھیک تو ہے۔۔؟؟"

بت بنی حدیبہ کو ہلاتے ہوئے زہرہ نے پوچھا۔

حدیبہ نے دھندلی ہوتی آنکھوں سے اس کا چہرہ

دیکھا۔ آنسو بہت تیزی سے اس کے رخساروں

پر پھسلے تھے۔ باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔۔

باہر بارش اور بادلوں کی گرج چمک کے سنگ

موبائل سے ابھی بھی آوازیں آ رہی تھیں۔

زہرہ نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو۔ہیلو سرکار۔۔!" الٹا فون کان سے

لگائے وہ سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اوباجی میں بتا چکا ہوں کہ بندہ موقعے پر ہی دم

توڑ گیا ہے۔۔ صبر حوصلے سے کام لیں موبیل

آپ کو مل جائے گا۔۔!" آدمی کی چنگھاڑتی ہوئی

آواز موبائل الٹا پکڑنے کی وجہ سے کافی ہلکے

سروں میں اس تک پہنچی تھی۔اس انجان آدمی

کی دی گئی خبر پر زہرہ دنگ رہ گئی۔روتی ہوئی

حدیبہ نے فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر کان

سے لگالیا۔

"میری بات سنیے بھائی صاحب۔۔آپ کو کوئی

غلط فہمی ہوئی ہے۔۔میرے شوہر نہیں مر

سکتے۔۔ آ۔۔۔ آپ ان سے میری بات کروائیں

پلیز۔۔!"خود کو حوصلہ دینے کی کوشش کرتی وہ

روتے ہوئے بولی۔

"اے لو باجی کیوں نہیں مر سکتا۔۔ موت تو سب

کو آنی ہے۔۔!" اس آدمی نے کافی تلخ انداز میں

اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مم۔۔ میں یہ نہیں کہہ رہی لل۔۔ لیکن۔۔

آپ ان سے میری بات کروادیں پلیز۔۔!"

اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرتی وہ سسکتے ہوئے

بولی۔زہرہ نے بے اختیار اس کی پشت سہلائی

لیکن وہ اس پل حوصلہ یا تسلی سننے کی حالت میں

نہیں لگ رہی تھی۔

"اوبی بی بندہ مر گیا ہے کیسے بات

کرواؤں۔۔؟؟"

"نہیں مر اوہ۔۔۔!"فون سختی سے پکڑے وہ

حلق کے بل چلائی۔

"وہ نہیں مر سکتا۔۔ میری بات کرواؤ اس سے

میں انتظار کر رہی ہوں اس کا۔۔!" بری طرح

روتے ہوئے وہ چیخی۔

"یار لگتا ہے لڑکے کی بیوی ہوش کھو بیٹھی ہے

میں تو رکھ رہا ہوں فون۔۔!" حدیبہ کی فریاد نظر

انداز کرتے وہ شاید اپنے کسی ساتھی سے بات کر

رہا تھا۔

"رکو رکو میری بات سنو تمھیں اللہ کا واسطہ ہے

فون مت رکھنا۔۔!" وہ گڑگڑائی۔

"باجی جلدی بولو یہاں پولیس پہنچ گئی ہے۔"

آدمی نے عجلت بھرے انداز میں کہا۔

"وہ۔۔وہ جس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ اس نے

کیا پہنا ہوا ہے۔۔؟" پوچھتے ہوئے حدیبہ کا دل

خون کے آنسو رویا تھا۔

"کالے رنگ کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔۔

اکیس بائیس سال کا نوجوان تھا۔اب بتاؤ تمہارا

ہی بندہ ہے؟" آدمی نے نرم لہجے میں بتاتے

ہوئے آخر میں کچھ ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

حدیبہ کو بے اختیار صبح کا وہ منظر یاد آیا جس میں

وہ سیاہ شلوار سوٹ پہن کر گھر سے نکلا تھا۔ بے

اختیار اُمڈتی چیخوں کا گلا گھونٹنے کے لیے اس نے

منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ دوسری طرف سے رابطہ

منقطع ہو گیا تو ٹوں ٹوں کی آواز پر حدیبہ نے

ایک بار پھر موبائل کی طرف دیکھا۔

"بی بی۔۔یہ سچ نہیں ہے۔۔غلط فہمی ہوئی ہے

اس آدمی کو۔۔!"اسے کندھوں سے تھامتے

ہوئے زہرہ نے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔

"نن۔۔نہیں۔۔وہ وہی تھا۔۔چھوڑ گیا ہے

مجھے۔۔بیچ راستے میں تنہا چھوڑ گیا وہ زہرہ۔۔

اللہ۔۔۔وہ کیسے چھوڑ سکتا ہے مجھے۔۔۔!"

مسہری کی چادر مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے وہ

چلائی۔ آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا۔

"بی بی ایسا مت کہیں۔۔ ایسا مت سوچیں۔۔!"

زہرہ اسے تسلی دیتے ہوئے خود بھی رو پڑی۔

"مم۔۔میں اسے خاموش کیسے دیکھوں گی

زہرہ۔۔؟میں کیسے اس کی چپ کو سہوں گی۔۔؟

میرا سائیں بولتا ہے تو میں جیتی ہوں۔۔

اسس۔۔۔سے بلادو۔اسے جگادو کوئی۔۔میں

نہیں جی سکتی زہرہ۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔۔!"

اپنے بال نوچتی وہ ماتم کناں تھی۔۔

"بی بی آپ کیوں ایسا سوچ رہی ہیں۔ یہ غلط فہمی

بھی تو ہو سکتی ہے۔۔!" زہرہ نے اسے جھنجھوڑ

ڈالا۔ روتی ہوئی حدیبہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"غلط فہمی ہوتی تو میرا دل۔۔۔میرا دل یوں نہ

پھٹتا۔۔اس۔۔اس کی دھڑکنیں۔۔یوں

خاموش نہ ہوتیں۔۔۔ میرا دل پھٹ رہا ہے

زہرہ۔۔میں مر رہی ہوں۔۔!"سجدے کی

صورت میں زمین ہر جھکتی وہ ہچکیوں کے در

میاں روتے ہوئے بولی۔زہرہ سے وہ سنبھالے نہ

سنبھل رہی تھی۔۔وہ پاگلوں کی طرح فون کان

سے لگائے اس نادیدہ شخص سے التجائیں کر رہی

تھی جس تک یقیناً اس کی دل چیرتی ہوئی آواز کا

پہنچنا ناممکن تھا۔

"ہیلو بھائی۔۔میری بات کروادو میرے سائیں

سے۔۔۔ایک۔۔ایک بار۔۔فون اس کے کان

سے لگادو۔۔وہ۔۔وہ میری آواز سن کر اٹھ

جائے گا۔۔اٹھ جائے گا وہ۔۔۔!"وہ بغیر کوئی

نمبر ملائے موبائل پکڑے بولتی جارہی تھی۔

زہرہ جلدی سے اس کے لیے پانی لے آئی۔

"مجھے نہیں پینا۔۔ سائیں سے بات کرواؤ

میری۔۔ سائیں سے بات کروادو۔" اس کا ہاتھ

جھٹکتے ہوئے وہ چلائی۔

"بی بی خود کو سنبھالیں۔۔!!" زہرہ گھگھیائی

تھی۔

"اسے سمجھاؤ۔۔اس سے کہو سائیں سے میری

بات کروائے۔۔ بھلا۔۔ بھلا ایسا کبھی ہوا ہے کہ

میں پکاروں اور وہ جواب نہ دے۔۔ نن۔۔ نہیں

ناں۔؟نہیں ہوا ناں زہرہ۔۔۔؟؟" سرخ

آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیے وہ پاگلوں

کے سے انداز میں زہرہ سے پوچھ رہی تھی۔روتی

ہوئی زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تت۔۔۔تو بس پھر۔۔میری بات کروادے

کوئی فدا سے۔۔میرا سائیں۔۔۔مم۔۔میں

بلاؤں گی ناں تو فوراً اٹھ جائے گا۔۔بالکل ٹھیک

ہو جائے گا۔۔جب۔۔جب وہ دیکھے گا ناں کہ

میں رو رہی ہوں تو برداشت نہیں ہو گا اس

سے۔۔مان لے گا میری بات۔۔تت۔۔تم اس

آدمی سے کہو میری فدا سے بات کروادے

بس۔۔!"ہاتھ میں پکڑا فون زبردستی اسے

تھماتے ہوئے وہ روتے ہوئے بولی۔ تبھی اس

موبائل پر کال آنے لگی۔ حدیبہ نے جلدی سے

ریسیو کر کے فون کان سے لگایا۔

"پلیز میری فدا سے بات کروا دیں۔۔ پلیز۔۔

میں ان کی وو۔۔ وائف بات کر رہی ہوں۔"

اپنے گال رگڑتے ہوئے حدیبہ نے لرزتی ہوئی

آواز میں کہا۔

"میں کراچی سے انسپکٹر وہاب بات کر رہا

ہوں۔۔مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا

ہے۔۔یور ہزبینڈ اِز نو مور۔۔" انسپکٹر کی سنجیدہ

سی آواز نے اس کی رہی سہی جان بھی نکال لی

تھی۔۔۔

"کائنڈلی آپ ہمیں اپنے گھر کا ایڈریس بتا دیں

تاکہ ہم ڈیڈ باڈی آپ کے حوالے کر سکیں۔

!" وہ مخصوص پیشہ ورانہ انداز میں بات کر رہا

تھا۔ حدیبہ نے بے دم سی ہو کر موبائل زہرہ کے

حوالے کر دیا۔۔

"ایڈریس بتادو۔۔ سائیں گھر آرہے ہیں۔۔!"

پانی بھری آنکھوں سے فرش کو گھورتی وہ

ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"منع بھی کیا تھا آپ کو۔۔ منع کیا تھا کہ۔۔ کالا

سوٹ مت پہنیں۔۔ نظر لگ جائے گی۔۔۔ لگ

گئی ناں۔۔۔؟؟" فرش کو گھورتی وہ بڑبڑائی تھی۔

انسپکٹر کو ایڈریس سمجھا کر زہرہ نے کال کاٹی اور

اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بی بی۔۔؟؟" اس کی پکار میں اذیت تھی۔

حدیبہ نے وحشت زدہ نگاہوں سے اس کی جانب

دیکھا۔

"میں اسے خاموش نہیں دیکھ سکتی زہرہ۔۔میں

نہیں دیکھ سکتی۔۔!" نفی میں سر ہلاتے ہوئے

حدیبہ نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔۔

"خود کو سنبھالیں۔۔!"زہرہ نے التجا کی۔

"نہیں سنبھالوں گی۔ مر جاؤں گی۔۔ مر جاؤں

گی اس کے بغیر۔۔ مر جاؤں گی میں۔۔۔!"

اپنے بال نوچتی وہ ایک بار پھر چیخی۔۔ چلانے

کے باعث حدیبہ کی انتڑیاں کھنچنے لگیں۔ دل کا

بڑھتا ہوا درد الگ جان نکال رہا تھا۔ اس کی

ٹانگوں میں یک دم شدید اذیت کا احساس جاگا تھا.

وہ روتے روتے ہنسی۔

"موت آرہی ہے مجھے۔۔ صد شکر یارب۔۔ مجھے

موت آرہی ہے۔۔!" اپنی چیخوں کا گلا گھونٹنے کی

کوشش کرتی وہ بامشکل بولی۔ زہرہ نے اس

صورتحال پر اپنا سر تھام لیا۔ جیسے جیسے حدیبہ کی

تکلیف بڑھ رہی تھی ویسے ہی اس کے آنسوؤں

کے ساتھ ساتھ گھٹی گھٹی سی چیخوں کا اضافہ ہو رہا

تھا۔ زہرہ کبھی اسے سنبھالتی کبھی مائی کرماں کے

انتظار میں صحن تک چکر لگا کر واپس، آتی جسے

شاید بارش کی وجہ سے دیر ہو گئی تھی۔۔لبوں پر

فدا کا نام لیے تڑپ تڑپ کر موت مانگتی حدیبہ

شاید اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی

تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"میں کہہ رہی ہوں ناں مجھے نہیں جانا۔۔!" پیچھے

کھسکتی وہ چلائی۔

"تم سے کون پوچھ رہا ہے۔۔؟؟" بدر نے

ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتے ہوئے جھک کر اس کی

کلائی اپنی گرفت میں لے لی۔

"چھوڑیے مجھے۔۔ میں نے کہا چھوڑیے۔۔!"

اس کی مضبوط گرفت سے اپنی کلائی چھڑوانے کی

کوشش کرتی وہ غرائی۔ بدر بنا اثر لیے اسے اپنے

ساتھ گھسیٹتے ہوئے چلتا رہا۔ ڈھلوانی سڑک کے

دائیں جانب بلندی کی طرف جاتے پتھریلے

راستے پر قدم جمانا علیشہ کے لیے مشکل ترین ہو

رہا تھا۔ ایسے میں بدر سے کھینچا تانی کا مطلب اپنا

ہی منہ توڑنے جیسا تھا۔۔

"کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا۔۔ آپ کیوں

میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔۔!" اس کے

ساتھ چلتی وہ اس کی پشت کو گھورتے ہوئے بولی۔

علیشہ کے سوال پر بدر نے پلٹ کر اس کی جانب

دیکھا۔

"میرے سامنے تم خود آتی ہو اور اب پیچھے پڑنے

کا الزام مجھ پر؟؟ یہ تو انصاف نہ ہوا علیشہ

چوہان۔۔!" اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے وہ

تاسف زدہ انداز میں بولا۔

"ناانصافی کرنے والوں کے منہ سے انصاف کی

باتیں اچھی نہیں لگتی سردار صاحب۔۔ اور یہ بار

بار میں سامنے نہیں آتی، آپ کو راستہ ہی وہ ملتا

ہے جہاں سے میرا گزر ہو۔۔!" آس پاس کا

جائزہ لیتی وہ ساتھ ساتھ اسے جواب بھی دے

رہی تھی۔

"خوش فہمی اچھی ہے ویسے۔۔!" بدر نے بے

نیازی سے کہا۔پانچ سے دس منٹ کی مسافت کے

بعد وہ اسے ایک اندھیری غار میں لے گھسا تھا۔

علیشہ کو اس شخص کے علاوہ اب اس علاقے سے

بھی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ ابھی وہ دونوں چند

قدم ہی چلے تھے جب یک دم وہاں ایک شمع

روشن ہوئی۔وہ خوفزدہ ہوتی اس کی اوٹ میں

ہوگئی۔

"حکم سائیں۔۔!" آگ کی سرخ روشنی میں اسے

سرمے سے بھری دو آنکھیں نظر آئی تھیں۔

پوچھنے والے کی آواز بے حد بھاری تھی۔

"ہمم۔۔۔نیچے میری گاڑی کھڑی ہے۔۔اسے

پارک کروادو۔۔!" اسے ہدایت کرتا وہ آگے

بڑھ گیا۔علیشہ کی کلائی اس کی مٹھی میں ہی تھی.

اس کے ہر قدم کے ساتھ غار کے اطرف میں لگی

شمعیں روشن ہو رہی تھیں۔وہ حیران پریشان سی

خود کو حوصلہ دینے کی کوشش کرتی اس کے

ساتھ چلتی چلی جا رہی تھی۔۔ قریباً ایک کلو میٹر کا

فاصلہ طے کر لینے کے بعد علیشہ کو لکڑی کا ایک

دروازہ نظر آیا تھا۔ بدر نے وہاں رک کر دستک

دی تو دروازہ فوراً کھل گیا۔ دروازے کے اس پار

دو اسلحہ بردار افراد پوری تندہی سے کھڑے

ہوئے تھے. علیشہ کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس

ہوا۔ اسے اپنے ساتھ لیے وہ مضبوط چال چل رہا

تھا۔ یہ ایک .بیسمنٹ نما احاطہ تھا۔ سامنے ہی

پتھریلی سیڑھیاں تھیں جو اوپر کو جارہی

تھیں۔۔ سیڑھیاں چڑھ کر ایک بار پھر دروازہ

کھول دیا گیا تھا۔اس بار وہ دونوں ایک

خوبصورت سے لان میں داخل ہوئے تھے۔

رات کی سیاہی میں سرسبز گھاس پر پیلے بلبوں کی

سنہری روشنی ایک خوبصورت سا منظر پیش کر

رہی تھی۔علیشہ نے پلکیں جھپکا کر آسمان کی

جانب دیکھا۔روشن ستارے آسمان کے سیاہ سینے

کا احاطہ کیے نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔۔۔

لان کے آخر میں کھڑی پتھریلی عمارت نگاہ سے

کافی دور ہونے کے باعث اُسے عمارت کا دروازہ

فی الحال نظر نہیں آیا تھا۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں میری مرضی کے بغیر کوئی

پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔۔!" اسے لیے عمارت

کی جانب بڑھتا وہ سنجیدگی سے بولا۔ وہ خاموشی

سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔۔ معاًعلیشہ کی

نگاہ قریب ہوتی عمارت کے دروازے پر

پڑی۔۔ لکڑی کے بڑے سے دروازے کے

دونوں اطراف میں شیر کے مجسمے اپنا منہ کھولے

پورے غرور سے کھڑے ہوئے تھے۔ کھلے منہ

سے نکلتا شفاف تیز رفتار پانی اس تالاب میں گر

رہا تھا جو شاید پوری عمارت کا گھیراؤ کیے ہوئے

تھا۔ تالاب کی چوڑائی کم ہی تھی جسے پار کرنے کو

لکڑی کا پُل دروازے تک بنایا گیا تھا۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔۔؟" متاثر کن

نظروں سے لان کی دیواروں کے سنگ کھڑے

بلند و بالا درختوں کی جانب دیکھتی وہ سرگوشیانہ

بولی۔

"کیا تم ایک رات کا مطلب نہیں سمجھتی۔۔؟؟"

اسے ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کرتے ہوئے

بدر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سمجھتی ہوں۔۔ لیکن علیشہ چوہان اتنا آسان

ہدف نہیں ہے۔۔!" سر بلند کرکے اس کی

آنکھوں میں دیکھتی وہ قدرے اعتماد بھرے لہجے

میں بولی تو ایک سرد مسکراہٹ اس کے لبوں پر

چھب دکھلا کر غائب ہو گئی۔

"مجھے آسانیاں ویسے بھی پسند نہیں ہیں۔۔!" زرا

سا جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ پر سکون

انداز میں بولا۔ لہجہ اس قدر سفاک تھا کہ علیشہ کو

اپنے رونگھٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔۔

"میں آپ سے لفٹ لینے کے لیے۔۔ آپ کے

راستے میں آئی تھی یہ بات آپ کو بھولنی نہیں

چاہئیے۔۔!" دو قدم پیچھے بڑھاتے ہوئے علیشہ

نے اسے باور کروانے کی کوشش کی کہ وہ اس کی

بے بسی کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔

"میں نے کہا میں کسی کو لفٹ نہیں دیتا۔۔ تمھیں

بھی یہ بات یاد رکھنی چاہئیے۔۔!"اس کی طرف

اسی کے انداز میں بڑھتے ہوئے بدر نے ہنوز اسی

لہجے میں کہا۔

"مجھے یہاں نہیں آنا تھا۔۔ آپ زبردستی لائے

ہیں۔۔!"علیشہ چیخ گئی۔

"تو تمھیں کیا لگتا ہے۔۔میں آدھی رات کو

تمھیں تمہاری منزل تک ڈراپ کرنے

جاتا۔۔؟؟" اپنے قدم روک کر سخت نگاہوں

سے اسے دیکھتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"نہ جاتے۔۔مجھے وہیں چھوڑ دیتے آپ۔۔!"

علیشہ نے تلخی سے کہا۔

"اگر میں تمھیں وہاں چھوڑ دیتا تو وہ ڈرائیور

تمھیں نہ چھوڑتا محترمہ۔۔اگر وہ چھوڑ بھی دیتا تو

اس جیسا کوئی اور وہاں آجاتا تب تم کیا

کرتی۔۔؟؟" اپنے ہاتھ جینز کی جیبوں میں

گھساتے ہوئے بدر نے سرد مہری سے کہا۔

"کسی اور کی بات کیوں کر رہے ہیں؟ آپ بھی تو

اس جیسے ہی ہیں۔۔اپنے ساتھ زبردستی اپنے

ٹھکانے پر لا کر ایک رات کی بات کر رہے ہیں

آپ۔۔تو پھر کیا فرق پڑتا ہے اگر آپ جیسا کوئی

اور آجاتا۔۔!" نفرت بھری نگاہوں سے اس

کا وجیہہ چہرہ دیکھتی وہ چلائی۔اس کی بات پر بدر

نے لب بھینچتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ہوا

کے سنگ اڑتے اس کے اخروٹی بال بکھرے

ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

"تمہاری ذہنیت، ایک رات کا جو مطلب سمجھتی

ہے وہ کافی چیپ ہے۔۔اس لیول تک اترنا سردار

بدر لغاری کی شان کے خلاف ہے لڑکی۔۔!" اس

کی جانب سے رخ موڑتا وہ آسمان پر نگاہیں

دوڑاتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"کک۔۔۔کیا مطلب۔۔۔؟؟"علیشہ کے لب

پھڑ پھڑائے۔

"مطلب یہ کہ۔۔ آج رات سکون سے یہاں

گزارو۔ کل صبح میں تمھیں کراچی کی حدود میں

جہاں تم کہو، وہیں ڈراپ کر دوں گا۔۔!" واپس

اس کی طرف گھومتے ہوئے بدر نے بے تاثر لہجے

میں کہا تو علیشہ کی آنکھوں میں تحیر در آیا۔۔

حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتی وہ بدر

لغاری کی دو منٹ پہلے کی گئی تنبیہہ بھول گئی تھی۔

اسے یاد نہیں رہا تھا کہ مقابل کھڑا مرد کسی کو

لفٹ دینے کا عادی نہیں ہے ورنہ وہ اسے اس

وقت منہ توڑ جواب دے سکتی تھی۔ ہمت مجتمع

کرتی وہ پھر سے بولی تھی۔

"آپ نے مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے؟ یا پاگل

ہوں میں۔۔؟ بہت اچھے سے آپ جیسے مردوں

کے لیولز کو جانتی ہوں۔۔یہ جاگیر آپ کی ہے یہ

علاقہ آپ کا ہے۔۔ لیکن یہ ہرگز مت سوچیے گا

کہ رات کے کسی بھی پہر آپ میری کمزوری کا

فائدہ اٹھالیں گے تو میں کیا کرلوں گی۔۔؟؟ میں

یہ عمارت آپ کے سر پر گرادوں گی لیکن خود کو

پامال نہیں ہونے دوں گی یہ ذہن نشین کرلیں

سر دار بدر لغاری۔۔!" سلگتی ہوئی نظروں سے

اسے دیکھتی وہ شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے

غرائی۔ جتنی تلخی سے وہ بولی تھی اس کے برعکس

وہ اتنے ہی پرسکون انداز میں مسکرایا تھا.

"بے خوف کی آنکھوں میں خوف۔۔مجھے بے حد

پسند ہے۔۔!" اطمینان بھرے لہجے میں کہتے

ہوئے اس نے چہرہ آسمان کی طرف کرتے

ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔یوں جیسے اس نے

علیشہ کے لہجے میں چھپے وسوسوں اور آنکھوں

میں پنپتے خوف کا بھید پالیا ہو۔علیشہ کو حقیقتاً اس

شخص سے خوف محسوس ہوا جس کی گھنی سیاہ

پلکیں رخساروں سے ملی مسرور نظر آرہی تھیں۔

"مائے فٹ۔۔!" وہ بڑبڑائی تو بدر نے آنکھیں

کھول لیں۔ سیاہ آنکھوں میں ایک سرد سا تاثر

تھا۔

"آؤ تمھیں تمھارا کمرہ دکھا دوں۔۔!" ایک بار

پھر اس کی کلائی تھام کر اسے اپنے سنگ گھسیٹتے

ہوئے بدر نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"میں پھر کہہ رہی ہوں۔۔ میں اپنی حفاظت کرنا

بخوبی جانتی ہوں۔۔!" اس کے ساتھ چلتے ہوئے

علیشہ نے اسے باور کروایا۔ دو شیروں کے مجسمے

کے درمیان عمارت کی دہلیز تک جاتے پل پر

قدم رکھتے ہوئے علیشہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے

گہرے نیلے شفاف پانی کے بہاؤ کو دیکھا۔ تالاب

کی چوڑائی زیادہ نہیں تھی لیکن وہ لمبائی میں

عمارت کا گھیر اؤ کیے ہوئے تھا۔ بدر کی آہٹ

پاتے ہی دروازے کے اس پار کھڑے ملازمین

نے اندر سے درواہ کھول دیا۔ عمارت کی

اندرونی دیواریں بھی پتھریلی ہی تھیں۔ جدید

طرز پر ڈیکوریٹ کیا گیا دو سو گز کا لیونگ ایریا

آنکھوں کی توجہ اپنی جانب کھینچنے کی اہلیت رکھتا

تھا۔لیونگ ایریا کے دائیں جانب ایک چھوٹی سی

روشن راہداری تھی جس کے آخر میں شاید چھوٹا

سالاؤنج تھا جس میں رکھا ڈائننگ ٹیبل وہیں سے

نظر آرہا تھا۔بائیں جانب گلاس وال تھی جس

سے لان کا کافی بڑا حصہ نظر آرہا تھا۔ گلاس وال

کے ساتھ ہی پتھریلی روش نما سیڑھیاں تھیں جو

فرسٹ فلور کی جانب جارہی تھیں۔۔ اسے لیے

وہ سیڑھیاں چڑھتا فرسٹ فلور پر آگیا۔

"تو تم اپنی حفاظت کی بات کر رہی تھیں۔۔؟؟"

ناک کی سیدھ میں چلتا وہ پر سکون لہجے میں پوچھ

رہا تھا۔

"میں صرف بات نہیں کر رہی تھی۔۔میں کر

سکتی ہوں۔۔!"علیشہ نے مکمل اعتماد سے کہا۔۔

"ہوں۔۔تو دیکھو یہ ٹیرس ہے۔۔!" وہ اسے

فرسٹ فلور کے آخر میں جالی دار پردہ ہٹا کر

ٹیرس پر لے آیا۔علیشہ نے آنکھیں پھیلا کر

ٹیرس سے نیچے چھ سات سیڑھیاں اتر کر نظر

آتے چار سو گز کے لان کو دیکھا جس کے آخر

میں لوہے کی گرلز لگی ہوئی تھیں۔۔اس سے ہاتھ

چھڑواتی وہ سرعت سے لان کی جانب بھاگی اور

گھوم کر آس پاس دیکھا۔

"وہ۔۔وہ لان کہاں گیا۔۔؟؟"لان کی دیواروں

کی طرف بھاگتی وہ حیران پریشان سی چلائی۔اس

لان کی دیواروں کے ساتھ بھی درختوں کی قطار

تھی جس کے پیچھے دیواروں سے بیلیں لپٹی ہوئی

تھیں۔

"یہ جاننا تمھارے لیے ضروری نہیں ہے۔۔ہاں

اتنا جان لو کہ اس فارم ہاؤس سے باہر جانے کے

دوراستے ہیں۔۔ایک وہ جس سے ہم آئے ہیں،

اور دوسرا یہ۔۔!" اطمینان بھرے لہجے میں کہتے

ہوئے بدر نے گرل کی طرف اشارہ کیا۔علیشہ

نے آنکھیں چھوٹی کر کے اس جانب دیکھا۔۔

گرل تھوڑی سی کھلی ہوئی تھی۔۔

"یہ ہمیشہ ان لاک ہی رہتی ہے۔۔تورات کے

جس حصے میں تمھیں عدم تحفظ کا احساس ہو تم

جس راستے سے چاہو بھاگنے کی کوشش کر سکتی

ہو۔۔!"بدر نے کافی دوستانہ انداز میں اسے آگاہ

کیا تھا۔۔علیشہ نے پلٹ کر ساکت نگاہوں سے

اسے گھورا پھر تیزی سے واپس ٹیرس پر آئی

تھی۔

"مجھے روم دکھا دیں۔۔ نیند آرہی ہے۔۔!" اس

کی جانب دیکھتے ہوئے علیشہ نے ایک ایک لفظ چبا

چبا کر کہا۔

"کھانا نہیں کھاؤ گی۔۔؟" وہ حق میزبانی ادا

کرنے کا بھرپور مظاہرہ کر رہا تھا۔

"مجھے ضرورت نہیں ہے۔۔!" اس نے تپے تپے

سے انداز میں کہا۔۔

"فائن۔۔ آؤ۔۔ دکھاتا ہوں۔۔!" بے تاثر لہجے

میں کہتے ہوئے وہ اسی راستے پر واپس پلٹ گیا

جہاں سے آیا تھا۔علیشہ نے ایک کھوجتی نگاہ آس

پاس ڈالتے ہوئے اس کی تقلید کی تھی۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦□♦

بیڈ پر چت لیٹے لیٹے جانے کتنا وقت بیت گیا

تھا۔۔وہ بنا پلکیں جھپکائے ساکت نگاہوں سے

چھت کو گھور رہی تھی۔دایاں پاؤں بے چینی کی

سی کیفیت میں مسلسل ہل رہا تھا۔کچھ لمحے مزید

سرک گئے۔ہر جانب سناٹے بول رہے تھے۔۔

وہ تین گھنٹے پہلے اسے اس کمرے میں چھوڑ کر

جانے کے بعد اب تک واپس نہیں آیا تھا لیکن

علیشہ کی آنکھوں میں نیند اترنے سے انکاری ہو

رہی تھی۔ اس نے جینز کی جیب سے موبائل

نکال کر وقت دیکھا۔۔ رات کا ایک بجنے والا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی اور دبے پاؤں

دروازے کی طرف آئی۔۔علیشہ نے دروازہ

کھولتے ہوئے حتی الامکان کوشش کی تھی کہ

دروازہ کھلنے کی آواز نہ آئے۔گردن باہر نکال کر

اس نے دائیں بائیں دیکھا۔بے جان اشیاء سے سجا

وہ فارم ہاؤس اس پل خاموش تھا۔وہ چپ چاپ

باہر نکلی۔ایک نظر نیچے جاتی سیڑھیوں کی طرف

دیکھا تھا۔پھر موبائل سختی سے ہاتھ میں لیے وہ

بنا آہٹ کیے اسی جانب بڑھی جہاں وہ فرسٹ

فلور پر آتے ہی اسے لے کر گیا تھا۔محتاط انداز

میں آگے بڑھتے ہوئے وہ بخوبی اطراف کا جائزہ

لے رہی تھی کہ آیا کوئی اسے دیکھ نہ لے۔

ٹیرس پر گرا جالی دار پردہ ہٹا کر وہ ٹیرس پر آ

گئی۔ موبائل سامنے کرتے ہوئے اس نے

سکرین کو گھورا۔ سگنلز غائب تھے۔ وہ لب بھینچتی

تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔۔ لوہے کی

گرل کی طرف جاتے ہوئے وہ پلٹ پلٹ کر پیچھے

دیکھ رہی تھی لیکن اس کا پیچھا کرنے والا وہاں

کوئی نہیں تھا۔۔ اس راستے سے بھاگنے کا فیصلہ

تو وہ کمرے میں جاتے ہی کر چکی تھی کیونکہ اس

راستے سے فرار ہونا تقریباً ناممکن ہی تھا جس سے

وہ اسے وہاں لے کر آیا تھا۔ گرل کی حالت بالکل

تین گھنٹے پہلے جیسی ہی تھی۔۔ وہ بالکل ایک ہاتھ

کی موٹائی جتنی کھلی ہوئی تھی جسے گرل کے

دونوں دروازوں کے درمیان ڈال کر علیشہ نے

آہستگی سے اسے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ اس

کے نا چاہتے ہوئے بھی رات کی تنہائی میں گرل

کھلنے کی تیز آواز پیدا ہوئی تھی۔ فارم ہاؤس کے

اندر کہیں دو سیاہ آنکھیں اپنے سائز سے زیادہ

پھیلی تھیں۔ سماعتیں فوراً سے پہلے چوکنا ہوئی

تھیں۔ کافی کا مگ میز پر رکھ کر اس نے بیڈ سائیڈ

ٹیبل کی دراز سے ریوالور نکالی اور پھرتی سے اپنے

کمرے سے باہر نکلا۔ جبکہ دوسری طرف گرل

بند کیے بغیر وہ تیز سے باہر نکلی تھی۔۔ آگے ایک

سفید پتھریلی روش تھی جس کے آخر میں ایک

چوڑا بلند و بالا مرکزی پھاٹک تھا۔ دور دور تک

چوکیدار کا نام و نشان نہ تھا۔ علیشہ نے ایک

آخری بار پلٹ کر دیکھا اور تیز رفتاری سے اس

روش پر چلنے لگی جس کے اطراف میں ایک ایک

فٹ اونچی جنگلی جھاڑیوں نما گھاس اگی ہوئی

تھی۔۔ گو گیٹ کافی دور تھا لیکن اس بھول بھلیا

نما فارم ہاؤس سے نکل جانے کی خوشی میں وہ اپنی

پوری رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔مارے

بھوک کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے لیکن

جان چھوٹ جانے کے سکون نے اسے توانا کر ڈالا

تھا۔ ابھی اس نے بامشکل بیس پچیس قدموں کا

فاصلہ ہی طے کیا تھا جب اسے اطراف میں اگی

گھاس میں ایک پر زور ہلچل محسوس ہوئی۔۔

علیشہ نے چونک کر دائیں بائیں دیکھا۔ اسے دائیں

جانب دس بارہ فٹ کے فاصلے پر گھاس میں کوئی

بھاری وجود ہلتا ہوا نظر آیا تھا۔علیشہ نے آنکھیں

پھاڑ کر بائیں جانب سے آتی غراہٹ کی آواز پر

گردن گھمائی تو دو آگ کی مانند چمکتی آنکھوں کو

خود کی طرف دیکھتا پایا۔۔اسی پل ویسی ہی تیز

غراہٹ دائیں جانب سے بھی ابھری تھی۔علیشہ

نے سراسیما نگاہوں سے اس جانب دیکھا۔ ویسی

ہی آنکھیں دائیں جانب سے بھی اسے گھور رہی

تھیں۔۔ علیشہ کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا.

ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے اس نے آہستگی

سے اپنے قدم پیچھے بڑھائے۔ اس کے قدموں

کی جنبش پر دونوں جانب موجود چیتوں کی حساس

سماعتیں چست ہوئی تھیں۔۔اپنی گردنیں

جھٹکتے ہوئے جھاڑیوں میں لیٹے ہوئے وہ دونوں

جانور کھڑے ہو گئے۔۔اپنے مقابل خونخوار

چیتوں کو دیکھ کر علیشہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے

کانپ کر رہ گیا۔۔ گردن جھٹک کر غراتے چیتوں

نے دونوں اطراف سے سفید پتھریلی روش پر

جست لگائی تو علیشہ کو اپنے حلق میں کانٹے سے

اُگتے محسوس ہوئے۔ ٹانگیں کپکپا اٹھی تھیں۔

وحشت زدہ نگاہوں سے ان دونوں کی جانب

دیکھتی علیشہ یونہی قدم الٹے رخ پیچھے بڑھانے

لگی۔وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے بھاگنے کی

کوشش کی تو دونوں جانور اسے ایک ہی جست

میں دبوچ لیں گے۔۔لہذا اپنی سی کوشش کرتے

ہوئے اس نے الٹے قدموں پیچھے بڑھنا شروع

کر دیا۔۔علیشہ کو بھاگنے کا موقع دیتے وہ دونوں

جانور یک ٹک اسی کی جانب دیکھ رہے تھے انہیں

اپنی جگہ ایستادہ دیکھ کر تھوڑا پیچھے ہوتے ہی علیشہ

نے واپس گرل کی طرف دوڑ لگا دی۔۔سیاہ

دھاریوں والے چیتے شاید اسی انتظار میں تھے۔۔

اپنی مخصوص رفتار سے وہ اس کی جانب لپکے۔۔

گرل زیادہ فاصلے پر نہیں تھی لیکن وہ دونوں

جانور اسی کے تعاقب میں تھے۔۔وہ جتنی رفتار

سے بھاگ سکتی تھی، بھاگنے کی کوشش کر رہی

تھی۔۔کھلی گرل سے اندر داخل ہوتے ہی اس

نے گرل بند کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک

چیتے نے اس کی جانب جست لگا کر اس کی

کوشش کو ناکام کر دیا۔۔ چیتے کے پنجوں سے لگنے

والے دھکے پر وہ ایک جھٹکے سے پیچھے گری

تھی۔۔ بازو اور گردن پر شدید جلن کے احساس

نے اسے چیخنے پر مجبور کر دیا۔۔ زمین پر گرے

گرے ہی اس نے پیچھے کھسکنے کی کوشش کی

کیونکہ ادھ کھلی گرل سے اندر داخل ہونے کی

کوشش کرتا وہ زمین پر گری علیشہ کو دبوچنے کی

کوشش کر رہا تھا۔ دوسرا چیتا تھوڑے فاصلے پر

کھڑا علیشہ اور اسے دبوچنے کی کوشش میں غلطاں

چیتے کو دیکھ رہا تھا۔ جب علیشہ اس کے ہاتھ نہ آئی

تو گرل کھولنے کے لیے وہ چیتا جست لگانے کی

نیت سے تھوڑا پیچھے ہوا کیونکہ ادھ کھلی گرل سے

اندر داخل ہونا اس بھاری بھرکم چیتے کے لیے

ناممکن سا تھا۔۔ تبھی وہ پھرتی سے اٹھی تھی اور

آگے بڑھ کر گرل بند کرنے کی کوشش کی۔۔

اس کی کوشش کامیاب ہونے سے پہلے ہی وہ

دوبارہ اس پر جھپٹا تھا۔رات کے سناٹے میں

چیتوں کی غراہٹ اور گرل کی کھڑ کھڑ کی

آوازیں گونجتی عجیب سے ہیبت پیدا کر رہی

تھیں۔ گرل پر پڑنے والے دباؤ کے باعث گرل

کھلتی چلی گئی۔ وہ جو اس جھٹکے سے ایک بار پھر

زمین بوس ہو چکی تھی۔۔ گرل کو کھلتا دیکھ اندھا

دھند اندر کو بھاگی۔ وہی چیتا اس کے پیچھے لپکا

جبکہ دوسرے نے گرل والی سرحد پار کرنے کی

جرات نہیں کی تھی۔شاید وہ اس جرات کا انجام

جانتا تھا۔اس سے پہلے کہ علیشہ کے پیچھے بھاگتا

چیتا اسے دوبارہ دبوچ لیتا ایک سنسناتی ہوئی گولی

اس کے سر میں آکر لگی تھی۔اس کے وجود کو

جھٹکا لگا اور وہ پھڑ پھڑا کر پیچھے کو گر گیا۔ دوسرے

نے پہلے کی یہ حالت دیکھ کر احتیاطاً قدم آگے

بڑھائے تھے لیکن گولی چلانے والے پر نظر

پڑتے ہی چیتے نے گردن لٹکالی۔۔۔ ہلکی سی

غراہٹ کی آواز نکالتے ہوئے وہ سر جھٹکتا پلٹ

گیا۔ بدر ریوالور پشت پر لگاتا سرعت سے علیشہ

کے قریب آیا تھا۔

"علیشہ۔۔ علیشے۔۔؟" بدر نے اس کا چہرہ ہاتھوں

میں تھام کر زرا سا اونچا کرتے ہوئے اسے

پکارا۔۔ کسی مددگار کو سامنے پاتے ہی وہ تڑپ کر

اس کے سینے سے لگی تھی۔

"مم۔۔۔ مجھے بچالو۔۔ مجھے بچالو پلیز۔۔۔!" اس

کی شرٹ کا کالر مٹھیوں میں دبوچتی وہ گھٹی گھٹی

سی آواز میں چیخی۔ اس کے آنسوؤں کی نمی اپنی

شرٹ پر محسوس کرتا وہ سن سارہ گیا۔ بدر نے

سرد نگاہوں سے مزاحمت کرتے چیتے کی جانب

دیکھا۔ وہ آخری سانسوں کی اذیت محسوس کرتا

اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بدر نے پشت سے

ریوالور نکال کر باقی کی گولیاں بھی اس کے وجود

میں اتار دیں۔وہ پل میں ٹھنڈا ہوا تھا۔

"مجھے بچالو۔۔پلیز۔۔!" وہ بچوں کی طرح روتی

کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔بدر نے بے اختیار اس

کے چہرے پر آتے بال پیچھے کیے تھے۔۔

"مم۔۔۔مجھے۔۔مجھے۔۔!"رونے کے باعث وہ

کچھ بھی بولنے سے قاصر ہو رہی تھی۔بدر نے بنا

کچھ کہے اسے بازوؤں میں بھرا اور پلٹ کر اندر کا

رخ کیا۔۔تیز تیز قدم اٹھاتا وہ سرعت سے فارم

ہاؤس کے اندر آیا تھا۔۔

"جاوید۔۔۔شہزاد۔۔۔۔جاوید۔۔۔!" اپنے

بیڈروم کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے اپنے

ملازمین کو پکارا۔لاؤنج سے ملحق اوپن کچن سے

نکل کر وہ دونوں فوراً لیونگ روم میں آئے

تھے۔۔

"حکم سائیں۔۔۔؟؟" دونوں نے ایک آواز میں

پوچھا تھا۔

"گرم پانی اور صاف کپڑا لے کر آؤ جلدی۔۔!"

سیڑھیوں کے دہانے پر کھڑے ہو کر اس نے

انہیں حکم دیا اور خود پلٹ کر تین چار قدموں کا

فاصلہ طے کر کے وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ اسے

بیڈ پر لیٹا کر بدر نے فوراً پانی کا گلاس بھر کر اس

کے لبوں سے لگایا تھا۔ پانی کی بوتل واپس سائیڈ

ٹیبل پر رکھ کر وہ مکمل طور پر اس کی طرف

متوجہ ہوا۔ وہ پانی پیتے ہوئے مسلسل رو رہی

تھی۔ انداز بچوں جیسا تھا۔ وہ جتنا تلخ اور کڑوا

بولتی تھی اس کے برعکس اس کا رونا قدرے میٹھا

اور معصومانہ تھا۔ بدر نے لب بھینچتے ہوئے

گلاس اس کے کانپتے ہاتھوں سے لے لیا۔

"رونا بند کرو اور مجھے بتاؤ کہ وہاں کیوں گئی

تھیں۔۔؟"اس کی جانب سخت نظروں سے

دیکھتے ہوئے درشتگی سے پوچھ رہا تھا۔سیاہ

آنکھیں اس کے سخت لہجے کا بھرپور ساتھ دے

رہی تھیں اور شاید یہی اس کی صلاحیت تھی کہ وہ

اپنا آپ آشکار کرنے کی اجازت اُن آنکھوں کو

بھی نہیں دیتا تھا جن کی گستاخی نے اسے آج یہ

دن دکھایا تھا۔علیشہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے

اس کی جانب دیکھا۔

"آ۔۔۔ آپ ہی نے تو کہا تھا کک۔۔ کہ۔۔

چاہوں تو۔۔ وہاں سے بھاگ سکتی ہوں۔۔!"

اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے علیشہ نے اٹکتے

ہوئے کہا۔

"میں نے تمھیں دو راستے بتائے تھے۔۔۔!" بدر

نے سرد مہری سے کہا۔

"ہاں تو یہ نہیں بتایا تھا ناں کہ اس دوسرے

راستے میں آپ نے ہاتھی جیسے چیتے بھی پال

رکھے ہیں۔۔!" خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی

وہ اس بار کچھ تلخی سے گویا ہوئی۔ بھوری آنکھوں

میں رونے کے باعث سرخ ڈورے ابھر آئے

تھے۔ بازوؤں اور گردن کے پاس جابجا گہری

کھونچیں لگی ہوئی تھیں۔ جن سے جھانکتی سرخ

چڑبی دیکھ کرہی بدر کو اس کی تکلیف کا اندازہ ہو

رہا تھا۔

"میری بات سنو لڑکی۔۔ سردار بدر لغاری کے

علاقے میں داخل ہونا جتنا مشکل ہے، اس کے

علاقے سے نکلنا بھی اتنا ہی مشکل ہے۔۔ اگر تم

میں عقل ہوتی تو یہاں سے فرار ہونے سے پہلے

تم یہاں داخل ہونے کا راستہ ضرور یاد کر لیتی۔۔

اب تمھارے ساتھ جو ہوا ہے اس کی ذمہ دار تم

خود ہو۔۔!" اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بدر

نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا۔

"جھوٹ مت بولیں آپ۔۔بہت اچھے سے

آپ کی نیت اور ارادے سمجھ گئی ہوں۔۔آپ

چاہتے ہی یہی تھے کہ وہ چیتے مجھے چیر پھاڑ دیں

تبھی آپ نے مجھے وہاں ان کی موجودگی کی بابت

نہیں بتایا۔۔!" مکمل طور پر سیدھی ہو کر بیٹھتی وہ

بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

" سردار بدر لغاری کے ارادوں کو سمجھنے کا پر یقین

دعوید ار یقیناً کوئی نا سمجھ ہی ہو سکتا ہے!" لکڑی

کی دیوار گیر الماری سے فرسٹ ایڈ باکس نکالتے

ہوئے وہ صاف مزاق اڑانے والے انداز میں

بول رہا تھا۔

علیشہ اپنے احساسات پر کافی حد تک قابو پا چکی

تھی۔ سو اس کے لہجے کا غرور اسے تیر کی مانند

چبھا تھا۔

"آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو۔۔ ہر بات میں خود کو

برتر تو یوں ثابت کرتے ہیں جیسے آپ خدا

ہوں۔۔۔!" اسے اپنی جانب آتے دیکھ وہ

قدرے مدھم آواز میں بولی۔

"میں خدا نہیں، خدا کا بندہ ہوں اور مجھے خدا کے

علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے اپنے

چھوٹے سے دماغ پر زور ڈال کر خود کو مزید ہلکان

نہ کرو۔۔!" اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بدر

نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا تو وہ تھوڑا سا کھسک

کر پیچھے ہوئی۔ تبھی کمرے کے دروازے پر

دستک ہوئی تھی۔

"سائیں۔۔؟" جاوید نامی ملازم دہلیز میں کھڑا

اجازت مانگ رہا تھا۔۔

"آجاؤ۔۔۔!" بدر نے بنا پلٹے رعب دار آواز میں

کہا تو وہ سر جھکائے اندر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں

ایک بڑی سی طشتری نما ٹرے تھی جس میں پانی

کا ایک باؤل اور پلیٹ میں صاف کپڑے کی کچھ

پٹیاں تھیں۔

"یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے؟ میرا ٹریٹمنٹ کون

کرے گا۔۔؟" ملازم سے نظر ہٹا کر علیشہ نے بدر

کو مخاطب کیا۔ اس کے سوال پر بدر نے سنجیدہ

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ جاوید کے پیچھے

اندر آتے شہزاد نے ایک سٹول نما قدرے

اونچی گول میز بیڈ کے قریب اور بدر کے سامنے

لاکر رکھی تھی جس پر جاوید نے وہ ٹرے رکھ

دی۔

"خاموشی سے بیٹھی رہو ورنہ اب میں تمھارے

زخموں کا ٹریٹمنٹ کرنے کی بجائے تمھاری زبان

کاٹریٹمنٹ کروں گا جو تمھیں بالکل پسند نہیں

آئے گا۔۔!" کپڑے کی پٹی لے کر اسے پانی میں

بھگوتے ہوئے بدر نے سرد لہجے میں کہا تو وہ

خفیف سی ہو کر ان دو ملازموں کو دیکھنے لگی جن

کے سامنے ہی بدر نے اس کی عزت افزائی کر دی

تھی۔

"تم دونوں جا سکتے ہو۔۔!" بدر نے انھیں حکم دیا

تو وہ سر جھکاتے پلٹ گئے۔ وہ کچھ بولنا چاہتی

تھی۔ اسے روک دینا چاہتی تھی لیکن اس کی

تنبیہہ یاد کرتی علیشہ نے لب سی لیے۔۔ جیسے ہی

بدر نے بھیگی ہوئی پٹی اس کے بازو پر رکھی علیشہ

کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔اس نے تڑپ کر بدر کا

ہاتھ پیچھے جھٹکا۔

"مجھے آپ سے نہیں کروانا۔۔ڈاکٹر کے پاس

لے کر جائیں مجھے۔۔!" پیچھے کھسکتی وہ تکلیف زدہ

آواز میں بولی۔

"میری نیند تم پہلے ہی خراب کر چکی ہو اب میرا

ٹائم خراب مت کرو۔۔چپ چاپ بیٹھو اور جو

کر رہا ہوں وہ مجھے کرنے دو۔۔!" اس کی کلائی

سختی سے مٹھی میں جکڑ کر اسے ایک جھٹکے سے

قریب کرتا وہ غرایا تو علیشہ کی آنکھوں میں

تکلیف در آئی۔

"مجھے جلن ہو رہی ہے۔۔!" وہ دانت پیس کر

بولی۔ بھوری آنکھوں میں اذیت کے آثار

نمایاں تھے۔

"یہ جلن تم نے خود اپنے نصیب میں لکھی ہے!"

اس کی قاتل آنکھوں میں اپنی سیاہ آنکھیں

گاڑھے وہ سرد مہری سے گویا ہوا۔ اس کی گرم

سانسوں کی تپش سے علیشہ کے رخسار جھلسنے لگے

تو اس نے لب بھینچتے ہوئے چہرے کا رخ موڑ

لیا۔ بدر کی نظریں بے اختیاری میں اس کی

صراحی دار گردن پر لگے زخم پر جا پڑی تھیں۔

اس کے زخم اس کے لبوں سے ادا ہونے والے

لفظوں کی تصدیق کر رہے تھے لیکن اگر وہ اس

کی جلن اور اذیت کا خیال کرتا تو وہ بدر لغاری ہی

نہ ہوتا۔ وہ پیچھے ہوا اور پھر سے اپنا کام کرنے لگا۔

اس بار علیشہ نے تکلیف برداشت کرنے کو اپنا

نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔ جب تکلیف بڑھنے

لگی تو کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے آنسو نہیں

روک پائی تھی۔ اسے چپ چاپ آنکھیں میچے

خاموشی سے آنسو بہاتے دیکھ بدر کے سخت دل

میں معمولی سی ہلچل ہوئی تھی لیکن وہ ہاتھ روکے

بنا اس کے زخموں پر آئنمنٹ لگاتا رہا۔ آخر میں

شفاف جالی دار پٹیوں سے اس کے بازو ڈھانپ کر

وہ کھڑا ہوگیا۔ گردن کے زخم کھلے ہوئے تھے۔

"اب تم آنکھیں کھول سکتی ہو۔۔!" جھک کر

فرسٹ ایڈ باکس اٹھاتے ہوئے بدر نے سنجیدگی

سے کہا تو علیشہ نے لرزتی پلکوں کی جھالر اٹھا کر

اس کی جانب دیکھا۔ بھوری آنکھوں کی رنگت

دیکھ کر پل بھر کو اس کی نظر ساکت رہ گئی۔ بھیگی

ہوئی پلکیں جھپکاتی وہ پانی بھری سرخ آنکھوں

میں ناگواری لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ بدر نے

سرعت سے نظروں کا زاویہ بدلا اور الماری کی

طرف بڑھ گیا۔

"ظالم۔۔۔!" وہ بلند آواز میں بڑبڑائی۔ بدر نے

لب بھینچتے ہوئے فرسٹ ایڈ باکس الماری میں

رکھا اور اس کی طرف گھوما۔

"اگر اب تم نے اپنی زبان نہ روکی تو میں تمھیں

اٹھا کر اس، دوسرے چیتے کے سامنے پھینک

آؤں گا۔۔!" اس کی جانب سخت نظروں سے

دیکھتا وہ خطرناک لہجے میں بولا تو وہ فوراً سر جھکا

گئی۔

"اب لیٹو اور سونے کی کوشش کرو۔۔!" اس

کے قریب آتے ہوئے بدر نے سنجیدگی سے کہا

تھا۔کسی کی بات ماننا اس کی سرشت میں نہ تھا

لیکن مقابل کھڑے بے حس انسان کی بات نہ

مان کر وہ مزید کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی

سو جلدی سے لیٹ گئی۔ بدر نے ایک نظر اس

کے وجود پر ڈالی پھر پشت پر ہاتھ باندھتا خود

کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے جاتے ہی وہ

اٹھ کر بیٹھی اور خونخوار نظروں سے کمرے کے

بند دروازے کو گھورا۔

"گدھا جاہل کمینہ انسان۔۔۔پتہ نہیں کیا سمجھتا

ہے خود کو۔۔۔چنگیز خان بھی تم سے بہتر ہو گا

سردار بدر لغاری۔۔۔!" اس کے تصور سے

مخاطب ہوتی وہ دبی دبی سی آواز میں چلائی۔

"اپنے آپ میں عقل کُل بنے پھرتے ہو اتنا بھی

نہیں پتہ کہ ایک لڑکی کو کیسے ٹریٹ کرتے

ہیں۔۔!" تکیہ اٹھا کر بند دروازے پر مارتے

ہوئے وہ چیخی۔ ایسا کرنے سے بازو میں ٹیس سی

اٹھی تھی۔ درد سے ایک بار پھر اس کی آنکھوں

سے آنسو ٹوٹ کر گال پر پھسلے تھے۔

"ظالم۔۔۔ سفاک۔۔ گھٹیا انسان۔۔!" گھٹنوں

میں منہ چھپا کر روتی وہ بڑبڑائی۔

"پتہ نہیں میں کیوں اس بندے سے ٹکرا جاتی

ہوں۔۔ قابل نفرت۔۔ چیپ انسان۔۔۔!"

ایک بار پھر سر اونچا کرتی وہ چھت کی طرف

دیکھتے ہوئے بولی۔۔ دوسری جانب بیسمنٹ کے

آخری حصے میں واقع آپریٹنگ روم میں بیٹھا وہ

لب بھینچے، ساکت نظروں سے لیپ ٹاپ کی

سکرین پر ابھرتا علیشہ کا روتا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا.

اس کے لبوں سے پھوٹتے جملے اس کے اندر

دوڑتے گرم خون کو منجمد کر رہے تھے۔

□♦□♦□♦□♦

پشت پر ہاتھ باندھے وقار عالم شاہ بے چینی سے

آئی-سی-یُو کے باہر ٹہل رہے تھے۔۔

"بس کردیں کیوں اپنا بلڈ پریشر ہائی کر رہے

ہیں۔۔؟؟" ان کے قریب آتی صندل بیگم

جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولیں۔ وہیں ایک

جانب بینچ پر بیٹھی ناجیہ بیگم سرخ متورم آنکھوں

سے ہاسپٹل کے چکنے فرش کو گھور رہی تھیں۔۔

عالم ڈاکٹرز کی ہدایات پر گھن چکر بنا سارے

انتظامات سنبھال رہا تھا۔۔

"آپ کی فکر کا یہ انداز میرا بلڈ پریشر ہائی کر دے

گا صندل۔۔ آپ خاموش رہیں۔۔!"سخت

نظروں سے ان کی جانب دیکھتے وہ مدھم لہجے میں

بولے تو وہ چپ کی چپ رہ گئیں۔ تھوڑی دیر

گزری تھی جب وقار عالم شاہ کا موبائل بجنے لگا۔

"اسلام علیکم بھائی سرکار۔۔ خیریت ہے ناں

آپ کی مسڈ کالز آئی ہوئی تھیں میں نے ابھی

دیکھی ہیں تو سوچا فون کر کے پوچھوں۔۔!" ان

کے ہیلو کہتے ہی دوسری جانب سے حسین

صاحب کی تفکر بھری آواز ابھری۔

"خیریت نہیں ہے۔۔بابا سرکار کو ہارٹ اٹیک

ہوا ہے۔۔آئی-سی-یُو میں ہیں وہ۔۔!"انھوں

نے مدھم آواز میں اطلاع دی۔دوسری جانب وہ

پل بھر کو کچھ بول ہی نہیں پایا تھا۔

"کک۔۔۔کیسے۔۔۔کب۔۔کب ہوا

یہ۔۔؟؟" اس نے تشویش زدہ انداز میں پوچھا۔

"کل رات کو۔۔۔عشاء کی نماز کے بعد۔۔عالم

ان سے ملنے گیا تو وہ گرے ہوئے تھے۔۔!" گہرا

سانس لیتے ہوئے انھوں نے آہستگی سے کہا۔

"اللہ پاک ان پر اپنا رحم کرے۔۔ آپ کو ان

کے سائے سے کبھی۔۔۔ کبھی محروم نہ

کرے۔۔!" دل کے درد پر قابو پاتے ہوئے اس

نے اس شخص کے لیے دعا کی تھی جس کے

سائے سے وہ اٹھارہ سال پہلے ہی محروم ہو گیا تھا۔

"آمین۔۔۔کیا تم نہیں آؤ گے۔۔؟؟" وقار شاہ

نے نہایت آہستگی سے پوچھا۔ ان کے سوال پر

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

"جو مر جائیں وہ واپس کب آتے ہیں بھائی

سرکار۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے ولید شاہ کی آواز میں

اذیت در آئی۔

"تمھیں مارنے والے وہ نہیں ہیں ولی۔۔!"

قدرے سنسنان حصے کی طرف چلتے ہوئے انھوں

نے احتجاجاً کہا۔

"لیکن فدا کی موت کے ذمہ دار وہ ہی ہیں۔۔!"

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جو مر چکا ہے اس کی وجہ سے تم اپنے مرتے

ہوئے باپ سے کیسے منہ موڑ سکتے ہو۔۔؟؟"

وقار عالم شاہ نے تاسف بھرے انداز میں

پوچھا۔

"وہ نہیں مرا۔۔۔ اٹھارہ سال پہلے ولید شاہ ہی

مرا تھا بھائی۔۔ کوئی ولید شاہ کو نہیں جانتا۔۔ ہر

شخص فدا حسین کو جانتا ہے۔۔ اس فدا حسین کو

جس کا نام میرے شناختی کارڈ پر درج ہے۔۔ اور

جو سلوک بابا سرکار نے سچ جانتے بوجھتے فدا کے

ساتھ کیا، اس کے بعد وہ یہ ڈیزرو نہیں کرتے کہ

فدا حسین کے نام پر زندگی گزارنے والا ولید شاہ

ان سے ملنے آئے۔۔۔!" بے تاثر لہجے میں بولتا

وہ سنگدلی کی حد کر رہا تھا۔۔

"وہ تمھارے باپ ہیں ولی۔۔!" وقار عالم تڑپ

کر بولے۔

"لیکن میں ان کا بیٹا نہیں ہوں!" بے حسی سے

کہتا وہ ان کی اذیت میں اضافہ کر گیا تھا۔

"انھیں تمھاری ضرورت ہے۔۔اگر تم آجاؤ تو

شاید وہ دوبارہ جی اُٹھیں۔۔!" وقار عالم شاہ نے

التجائیہ کہا۔

"میں صرف دعا کر سکتا ہوں۔۔اللہ انھیں

صحت والی زندگی عطا کرے۔۔۔" آنکھوں میں

آئی نمی صاف کرتے ہوئے وہ بھیگی ہوئی آواز

میں بولا تھا۔ پھر وقار عالم شاہ کے بولنے کا انتظار

کیے بغیر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ وقار عالم شاہ

کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔ تبھی انھیں اپنے

پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تھی۔ انہوں

نے پلٹ کر دیکھا تو چہرے پر خوشی سے بھرپور

تاثرات لیے عالم کھڑا ہوا تھا۔

"دادا کو ہوش آگیا ہے۔۔وہ اب خطرے سے

باہر ہیں۔۔!" کہتے ہوئے وہ ان کے گلے لگا تھا۔

وقار عالم شاہ نے نرمی سے اس کی پیٹھ تھپکی۔

آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی لیے وہ دھیرے

سے مسکرا دیے۔۔

□♦□♦□♦□♦

صبح کی روشنی چہار سُو پھیل چکی تھی۔۔لندن کے

مکین اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو چکے تھے۔

ایسے میں اپنے کمرے کے واش روم میں بند وہ

ہنوز شاور کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ جسم اکڑ چکا تھا۔

وجود برف ہو رہا تھا۔ رگوں میں دوڑتا خون سست

پڑ چکا تھا۔ ایسے میں گلاس ونڈو سے آتی روشنی

محسوس کر کے وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتا کھڑا ہو گیا۔

بازو میں لگے کٹس میں جلن سی محسوس ہوئی

تھی۔ شیشے کے ٹکڑے وہ رات ہی کھینچ کر نکال

چکا تھا. اس کی گہری سرمئی آنکھیں سرخ انگارہ

ہو رہی تھیں۔ بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ چینجگ

ایریے کی طرف بڑھا۔ پورے بازو پر ایک سفید

پٹی اچھے سے لپیٹ کر اس نے سفید شلوار سوٹ

پہنا اور واش روم سے باہر نکل آیا۔ یہ اس کے

تمام کپڑوں میں وہ واحد لباس تھا جو لندن میں

رہائش کے دوران اس نے پہلی مرتبہ پہنا تھا۔۔

کمرے میں آکر وہ آج پہلی مرتبہ آئینے کے

سامنے کھڑا نہیں ہوا تھا۔ بنا اپنا جائزہ لیے وہ اپنا

والٹ اور موبائل لے کر کمرے سے باہر نکل

آیا۔ ہلکا پھلکا ناشتہ کر لینے کے بعد وہ سیدھا ہئیر

کٹنگ سیلون آیا تھا. اپنے بال جو اس نے اپنے

باپ کی پسند کے خلاف جا کر بڑھائے تھے، آج

بڑے اطمینان سے کٹوا دیے تھے۔۔بال چھوٹے

کروا کر اس نے اطمینان سے اپنا چہرہ دیکھا۔ کلین

شیو میں پہلی مرتبہ اسے اپنا آپ بہت برا لگا

تھا۔۔اپنی جاء لائین پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس

نے دائیں بائیں گردن گھما کر اپنا جائزہ لیا۔بال

کٹنے کے باعث پہلی بار اس نے اپنی گردن کی

پشت سے شروع ہو کر سینے کی طرف آتے ٹیٹو کا

جائزہ لیا تھا۔ گریبان کے بٹن معمول کے مطابق

کھلے ہوئے تھے۔۔ پلکیں جھپکاتے ہوئے اس

نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا اپھر پیمنٹ کی

ادائیگی کے بعد وہ سیلون سے باہر نکل آیا۔

لاپرواہی سے موبائل ہاتھ میں گھماتا وہ جس

اطمینان سے چل رہا تھا، اس کی شخصیت کی یہی

ادا اطراف میں چلتے پھرتے افراد کو اس کی جانب

متوجہ کر رہی تھی۔۔

"یُو آر لکنگ ڈیشنگ۔۔!" اس کے پاس سے

گزرتی گیارہ بارہ سالہ چھوٹی سی بچی نے مسکراتے

ہوئے کہا تو منصب نے آنکھیں سکیڑ کر اس کی

جانب دیکھا۔لبوں پر معصوم سی مسکراہٹ

سجائے وہ آگے بڑھتی گردن موڑے اسے ہی

دیکھ رہی تھی۔ منصب نے ایک ہلکی سے

مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی۔ یک دم اسے

سیشلی یاد آئی تھی۔ بے اختیار اس کی مسکراہٹ

سمٹ گئی۔ لب سختی سے بھینچتا وہ اپنے چہرے کا

رخ سیدھا کرتا دوبارہ چلنے لگا۔ ہوٹل تھوڑے

ہی فاصلے پر تھا جب اس کے موبائل نے شور مچایا

تھا۔ اس نے کال ریسیو کر کے فون کان سے لگا

لیا.

"اسلام علیکم اماں۔۔ کیسی ہیں آپ۔۔؟" انھیں

سلام کرتے ہوئے منصب نے نرم لہجے میں

پوچھا۔

"مون تم نے واپس آنے کے لیے کہا تھا

ناں۔۔؟ تمھارے بابا سرکار نے تمھاری یونی کے

ہیڈ آفس بات کی ہے۔۔وہاں سے اپنا پاسپورٹ

لو اور واپس آجاؤ۔۔!" اس کے سلام کا جواب

دے کر ناجیہ بیگم نے عجلت بھرے لہجے میں کہا.

"میں واپس نہیں آنا چاہتا اماں۔۔۔اب اس کی

ضرورت نہیں ہے!" کہتے ہوئے اس کے لبوں پر

ایک پھیکی سی مسکان رینگ گئی۔۔

"تمھیں نہیں ہو گی لیکن ہمیں تمھاری ضرورت

ہے۔۔!" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں چلائیں۔

منصب کو اپنے قدم روکنے پڑے۔دل یک دم

پریشان ہوا تھا۔

"سب ٹھیک تو ہے؟ بابا ٹھیک ہیں۔۔؟؟ مما

اور۔۔ مم۔۔۔ماہی۔۔؟؟ کیا ماہی ٹھیک

ہے۔۔؟؟" نادانستگی میں اس کے لبوں سے

مہرماہ کے لیے تشویش کا اظہار ہوا تھا۔وہ اپنے

آپ کو اپنے پیاروں کے لیے فکر مند ہونے سے

روک نہیں پایا تھا۔

"تمھارے دادا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے مون۔۔

ان کی زندگی کا اب کوئی بھروسہ نہیں ہے۔۔وہ

تمھیں بہت یاد کر رہے ہیں۔۔ تم واپس آجاؤ

چندا۔۔۔!"ناجیہ بیگم نے اسے معاملے کی سنگینی

سے آگاہ کیا تو وہ پل بھر کو خاموش ہو گیا۔

پاکستان واپس جانے کا مطلب اپنے دل کو ایک بار

پھر اس بے مہر کے لیے بے قرار کرنا تھا۔

منصب نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے اماں۔۔میں آرہا ہوں۔۔!" اپنے

اندر کی اذیت پر قابو پاتا وہ مضبوط لہجے میں بولا تو

دوسری جانب وہ مطمئن سی ہو کر مسکرائیں۔۔

"جتنی جلدی ہو سکے تم آ جاؤ۔۔ یہاں ہم سب

تمھارے منتظر ہیں۔۔!" ناجیہ بیگم کی مسکاتی

آواز فون کے سپیکر سے ابھر رہی تھی۔ منصب

نے انھیں اطمینان دلا کر رابطہ منقطع کر دیا۔ کال

کاٹنے پر اسے عمیر کے میسج کا نوٹیفیکشن ملا تھا۔

منصب نے میسج اوپن کر کے دیکھا جس میں وہ

اسے عبداللہ کے ملک سے بھاگ جانے کی خبر سنا

رہا تھا۔ منصب کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔۔

"میرے موبائل کا باکس میرے فلیٹ میں ہی

کہیں ہو گا۔۔ چابی تمہارے پاس ہے۔۔ وہ باکس

فلیٹ سے لو اور موبائل کمپنی سے بات کرو۔

آج شام تک میرا وہ موبائل ڈیڈ کروادو۔!"

منصب نے فوراً اس کے لیے وائس میسج چھوڑا تھا

جو دوسری طرف سے سن لیا گیا تھا۔

"موبائل ٹوٹے ہوئے جتنا وقت بیت چکا ہے

شاید کمپنی اب تک خود ہی موبائل سسٹم ڈیڈ کر

چکی ہو لیکن میں پھر بھی شام تک کچھ کرتا

ہوں۔۔!" عمیر کا وائس میسج سن کر منصب کو کچھ

سکون ہوا تھا۔

"تھینکس۔۔!" میسج ٹائپ کر کے اس نے سینڈ کیا

پھر فون کو لاک لگا کر وہ چند قدموں کے فاصلے پر

کھڑی ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو گیا۔۔

دل ایک بار پھر اسی نام کی مالا جپ رہا تھا لیکن

اس نام کی وجہ سے گزشتہ رات وہ جو کچھ فیس کر

چکا تھا اس کے بعد وہ اب اپنے ذہن کو اس کے

بارے میں سوچنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا

لیکن بھلا سوچوں پر بھی کبھی کسی کا اختیار ہوا

ہے؟؟

□♦□♦□♦□♦

تیز بارش نے خستہ راستوں کو مزید نڈھال کر ڈالا

تھا۔ ایمبولنس کے پیچھے پیچھے پولیس جیپ

مناسب رفتار سے چل رہی تھی۔۔وہ کسی بت کی

مانند ایمبولنس کی سیٹ پر بیٹھا خاموش نگاہوں

سے فدا کا بے رونق چہرہ دیکھ رہا تھا۔اس کے توانا

وجود میں دوڑتا خون منجمد ہو چکا تھا۔ وہ بنا پلکیں

جھپکائے یک ٹک فدا کا چہرہ دیکھ رہا تھا جو لبوں پر

ابدی قفل ڈالے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکا

تھا۔۔

"گوڈے گوڈے عشق میں ڈوبے ہوئے ہو بیٹا

تم۔۔رب ہی راکھا ہے تمھارا۔۔!" فدا کی چہکتی

ہوئی آواز اس کے آس پاس ہی گونجی تھی۔ولید

کی آنکھیں جلنے لگیں۔

"میری حیبہ میرے انتظار میں جاگ رہی ہوں

گی اس لیے شرافت سے فون رکھ دو۔۔!!" اس

کی باتیں یاد کرتے ہوئے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

وہ اپنے دل۔کو آنکھیں کھولتے ہی پتھر نہیں کر

پایا تھا۔۔اس نے سب سے پہلے نوشہر واپنے ایک

خاص ملازم کو کال ملائی تھی۔۔ اپنے باپ کے ظلم

کی جو روداد اسے سننے کو ملی تھی اس نے اس کا جگر

چھلنی کر دیا تھا۔ زہرہ کی طرف سے تو دل پہلے ہی

خاموش ہو چکا تھا سو باپ کی سنگدلی کی بابت جان

کر وہ نوشہر و جانے کی بجائے اپنی دیکھ بھال کرنے

والے حکیم اور کسان کا شکریہ ادا کر کے کراچی

آگیا تھا۔۔ وہ دو دن سے وہیں تھا لیکن یہ شاید

اس کی بد نصیبی تھی کہ وہاں فداؔ اس سے آٹکرایا

تھا۔۔ وہ خود کو پتھر کر لیتا۔۔ اس کا ارادہ کبھی

اس عورت کا سامنا کرنے کا نہیں تھا جس کے تلخ

الفاظ نے اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں

کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔۔ لیکن وہ اس رشتے کا

کیا کرتا جو اس کے اور فدا کے مابین تھا۔۔؟ وہ جو

مر گیا تھا وہ فقط اس کا دوست ہی تو نہیں تھا۔۔ وہ

تو اس کی عزیز از جان بہن کے دل کی ٹھنڈک

بھی تھا۔۔وہ کیونکر فدا کی لاش لاوارثوں کی

طرح ایمبولنس میں بھجوا سکتا تھا۔۔وہ کیسے حدیبہ

کو تنہا چھوڑ سکتا تھا۔۔؟ یہ کرنا اس کے لیے

ناممکنات میں سے تھا تبھی وہ حدیبہ کی خاطر فدا

کی لاش کے ساتھ ان گلیوں میں آیا تھا جہاں

آجکل وہ رہائش پذیر تھی۔ ایمبولنس رکی تو اس

کے پتھر بنے وجود کو جھٹکا سا لگا۔ ولید نے پلکیں

جھپکا کر سامنے دیکھنے کی کوشش کی لیکن آنکھیں

دھندلا چکی تھیں۔ ایمبولنس کے دروازے

کھولے جا رہے تھے. فدا کو باہر نکالا گیا تو وہ خود

بھی ایمبولنس سے باہر نکل آیا۔ لکڑی کے کھلے

دروازوں پر بدرنگ پردہ لٹکا ہوا تھا۔ بارش کا زور

ٹوٹ چکا تھا۔ پولیس جیپ سے برآمد ہوتے

انسپکٹر نے دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کوئی جواب نہیں

پایا تھا۔ جب تیسری دستک پر بھی کوئی جواب نہ

ملا تو ولید نے آگے بڑھ کر انسپکٹر کو اندر جانے

سے روکا۔

"میں دیکھتا ہوں۔۔ آپ رکیے۔۔!" سنجیدگی

سے کہتے ہوئے وہ پردہ ہٹاتا اندر داخل ہو گیا۔۔

چھوٹے سے صحن سے آگے برآمدہ تھا جس کے

آخر میں دو کمرے تھے۔ایک کمرے سے کسی

نوزائیدہ بچی کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ولید

سرعت سے اس جانب بڑھا اور آہستگی سے

کمرے کے بند دروازے پر دستک دی۔اگلے ہی

پل دروازہ کھول کر وہ اس کے سامنے آئی تھی۔

اسے نظر انداز کرتا وہ آگے بڑھا تھا جو اسے دیکھ

کر اپنی جگہ بت سی بن گئی تھی۔ جبکہ آگے

بڑھنے پر جو قیامت اس پر ٹوٹی تھی اس پر ولید

کے قدم ڈگمگا گئے تھے۔۔مائی کرماں آنکھوں

میں اشک لیے اسے حدیبہ کی موت کی وجہ

بتانے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن اس پل وہ

جیسے بہرہ ہو چکا تھا۔ کان سائیں سائیں کرنے

لگے۔ باہر صحن میں فدا کی لاش، رکھی جا رہی

تھی۔۔ وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے کافی دیر اس

بہن کا چہرہ دیکھتا رہا جو فدا کا ساتھ نبھانے کے

لیے دنیا ہی چھوڑ گئی تھی۔ ہوش تو اسے تب آیا

جب مائی کرماں نے اس کے ہاتھوں میں نوزائیدہ

بچی تھمائی تھی۔ بری طرح روتی وہ چھوٹی سے

پری حدیبہ اور فدا سے مشابہت رکھتی تھی۔

اسے دیکھ کر ولید کے پپڑی زدہ ہونٹوں پر ایک

پھیکی مسکان در آئی۔اس نے جھک کر محبت سے

اس کی پیشانی کو چوما تھا۔اس کی بد نصیبی پر تکلیف

میں گھرتے ہوئے ایک آنسو بہت آہستگی سے

اس کی آنکھ کے کونے سے نکلا تھا۔وہ کچھ پل

وہیں کھڑا رہا پھر اس نے بچی کو مائی کرماں کے

حوالے کر دیا اور خود زہرہ کی طرف پلٹا۔

آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق باقی نہیں

تھی۔

"باہر جا کر محلے داروں کو بتاؤ کہ حدیبہ شاہ مردہ

بچی کو جنم دے کر خود بھی دم توڑ چکی ہے۔۔"

زہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سرد ترین

لہجے میں کہا۔اس کی بات سن کر دائی نے اپنے

منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"توبہ کرو بچے۔۔کس طرح کی بات کرتے

ہو۔۔!" دائی نے حیران پریشان سی ہو کر کہا تو

ولید نے کاٹ دار نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"جو کہہ رہا ہوں تم لوگ وہی کرو گے۔۔اور تم

خاتون۔۔اس بچی کو کسی گٹھری میں چھپاؤ اور گھر

سے لے کر باہر نکلو۔۔۔!" خاموش ہو چکی بچی کی

طرف اشارہ کرتا وہ بے تاثر لہجے میں بولا تو دائی

نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"فکر مت کرو تم تینوں کو منہ مانگی قیمت دوں

گا۔۔ لیکن پولیس اور محلے داروں کو علم نہیں ہونا

چاہیئے کہ میری بہن نے ایک زندہ بچی کو جنم دیا

ہے۔۔!" وہ بڑی بے گانگی سے اس عورت

سمیت مائی کرماں اور زہرہ کو بھی مخاطب کر رہا

تھا۔اس کے درشت لب ولہجے نے زہرہ کو دنگ

کر دیا تھا۔اب کی مرتبہ دائی کچھ رضامند نظر

آرہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔۔تم بچی کے ماموں لگتے ہو۔۔شاید

تم اس کے لیے بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔۔" دائی نے

فوراً پینترا بدلا تو ولید لب بھینچتے ہوئے مائی

کرماں کی طرف گھوما۔

"میں اس دائی کے ساتھ یہاں سے جا رہا ہوں

مائی۔۔ محلے داروں سے کہہ دینا کہ بچی کو دائی اور

اس کا بیٹا دفنانے گئے ہیں۔۔!" ولید نے مائی

کرماں کو مخاطب کیا تو اس نے ولید کے سامنے

ہاتھ جوڑ لیے۔

"جو حکم سرکار۔۔!" اس نے نظر جھکا کر کہا تو

ولید نے سر اثبات میں ہلایا۔

"حدیبہ اور فدا سے تم دونوں خواتین کا کوئی خونی

رشتہ نہیں ہے۔۔باہر جاؤ اور پولیس کو ان کا

اصل ٹھکانہ بتاؤ۔۔۔یہ پہاڑ سید ذوالفقار عالم شاہ

کے کندھوں پر بھی ٹوٹنا چاہئیے۔۔اس غم کا بوجھ

یقیناً انہیں ہی اٹھانا چاہئیے۔۔۔!" بے تاثر لہجے

میں بولتے ہوئے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

اس کا مخاطب مائی کرماں اور زہرہ تھیں۔

"اور سرکار اگر پولیس نے آپ کے بارے میں

پوچھا تو۔۔؟" مائی کرماں نے آہستگی سے پوچھا۔

"کہہ دینا کہ تم مجھے نہیں جانتی۔۔جب وہ

میرے متعلق تفتیش کریں گے تو میں خود انھیں

دیکھ لوں گا۔!" ولید شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

دائی اس دوران بچی کو گٹھری میں چھپا چکی تھی۔

باہر محلے دار آنے لگے تھے۔

"گھر کی چھت کہاں ہے۔۔؟؟" ولید نے مائی

کرماں سے پوچھا۔

"یہ زہرہ دیکھا دے گی۔۔!" مائی کرماں نے

آہستگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔ دائی تم دروازے سے اس محلے

کے قبرستان تک جاؤ۔۔ میں آتا ہوں۔۔!" ولید

نے دائی کو کہا تو وہ سر اثبات میں ہلاتی باہر نکل

گئی۔مائی کرماں بھی باہر کو بھاگی تھی جہاں ہجوم

بڑھتا جارہا تھا۔ولید نے ایک نرم نگاہ حدیبہ کے

بے جان وجود پر ڈالی پھر آگے بڑھ کر اس کی کھلی

آنکھیں بند کر دیں۔۔

"مجھے راستہ دکھا دو۔۔!" زہرہ کی طرف دیکھے

بغیر ولید نے بے تاثر لہجے میں کہا تو زہرہ نے

آگے بڑھ کر اسی کمرے میں سے پچھلے صحن کو

جاتا دروازہ کھولا۔

"یہاں سے۔۔۔!" اپنے آنسو پینے کی کوشش

کرتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو وہ دروازہ پار

کرتا پچھلے صحن میں داخل ہو گیا۔ ولید نے اک

نظر چھت کو جاتی سیڑھیوں پر ڈالی اور دوسری

صحن کی دیواروں پر۔۔ دیوار پھلانگنا مشکل نہیں

تھا لیکن دیوار پھلانگنے کی صورت میں شاید وہ

کسی کی نظر میں آجاتا سو وہ سیڑھیوں کی طرف

بڑھا تھا۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھتی زہرہ اس کے

پیچھے لپکی۔

"سرکار۔۔ سرکار میری بات سنیے۔۔!" وہ

گڑگڑائی۔ آنسو حلق میں اٹک رہے تھے۔ اس

کی پکار پر ولید نے پلٹ کر بے گانگی سے اس کی

جانب دیکھا۔

"آپ بی بی کی بچی کہاں لے جا رہے ہیں۔۔؟؟"

اس کی جانب پیاسی نگاہوں سے دیکھتی وہ روتے

ہوئے بولی۔

"وہ اب میری بچی ہے۔۔ جہاں دل چاہے گا

اسے لے جاؤں گا!" ولید نے سرد مہری سے

جواب دیا۔

"اور میں۔۔۔؟" زہرہ کے لب ہلے۔

"تمھیں اور تمھاری ماں کو زبان بند رکھنے کے

لیے بھاری رقم دے دوں گا!" ولید نے زہر خند

لہجے میں کہا تو زہرہ نے بے یقینی سے اس کی

جانب دیکھا۔

"مم۔۔۔میں آپ کی بیوی ہوں۔۔کیا آپ مجھے

اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔۔؟؟"اس کے

سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے زہرہ نے لرزتی ہوئی

آواز میں پوچھا تو ولید نے آنکھیں چھوٹی کرتے

ہوئے حقارت آمیز، نگاہوں سے سر تا پیر اسے

دیکھا۔۔

"تم شاید گہری نیند میں ہو۔۔میں تمہیں بالکل

نہیں جانتا۔۔!" نفرت بھرے لہجے میں کہتے

ہوئے ولید نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔زہرہ کے

سر پر آسمان ٹوٹا تھا۔زمین اسے اپنے پیروں تلے

نکلتی محسوس ہوئی۔۔

"یہ۔۔۔یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔؟؟"وہ جی

جان سے کانپ اٹھی تھی۔

"وہی۔۔جو سننے کی تمھاری اوقات ہے۔۔!"

حقارت آمیز لہجے میں کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھتا

چلا گیا۔زہرہ کی ٹانگیں بے جان سی ہو

گئیں۔ وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔آنسوؤں کا

سیلاب اس کی آنکھوں سے بہنے کو بے تاب

تھا۔۔زہرہ نے اپنی سسکیاں دبانے کو لبوں پر

ہاتھ رکھ لیا۔۔

ضبط کے باوجود اس کے لبوں سے آہیں نکلی

تھیں۔پلکوں کی باڑ توڑتے آنسو گالوں پر پھسلتے

چلے گئے۔۔

"تم۔۔۔تم ایک سفاک اور بے حس لڑکی ہو۔۔

تم نے مارا ہے ولید کو۔۔!" فدا کی سخت آواز آج

پھر اس کے کانوں میں گونجی تھی۔تب کتنی

اذیت محسوس کی تھی اس نے۔۔اور آج۔۔؟

اب وہ کس طرح خود سے نظریں ملاتی۔۔ صحیح تو

کہا تھا فدا حسین نے۔۔ولید شاہ کو اپنے ہی

ہاتھوں سے مارنے والی وہ خود ہی تو تھی۔۔اسی

نے تو مارا تھا ولید کو۔۔اس طرح سے کہ آج وہ

زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں تھا۔۔وہ جو چند لمحوں

میں اسے دو کوڑی کا کر گیا تھا وہ بھلا ولید شاہ کب

تھا؟؟ نہیں وہ ولید نہیں تھا۔۔زہرہ گھٹنوں میں

منہ چھپاتے ہوئے سسک اٹھی۔۔

"تم نے اس کی عزت کا گلا گھونٹ دیا، اچھا ہوا وہ

مر گیا۔۔!" فدا کی چنگھاڑتی ہوئی آواز نے آج

دوسری بار اس کے دل میں چھید سے کر ڈالے

تھے۔

"مم۔۔۔میں نے کیا کیا ہے۔۔؟؟"زہرہ نے

تڑپ کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں سننا مجھے۔۔!" وہ روتے

روتے چلائی لیکن فدا کی آواز خاموش نہیں ہوئی

تھی۔۔۔

"بس اتنا ہی کہ جس دن تم بڑے دھڑلے سے

مجھ سے محبت بھرے شکوے کر رہی تھیں، وہ

اس دن۔۔اس پل۔۔کال پر موجود تھا۔۔!"

"اللہ۔۔۔یہ کیا ہو گیا۔۔!!" اپنے بال نوچتی وہ

آسمان کی جانب چہرہ کرتی روتے ہوئے چلائی۔۔

لیکن اس کی چیخیں بیرونی صحن میں ابھرتے

تاسف بھرے جملوں کی ادائیگی کرتے محلے

داروں تک نہ پہنچی تھیں۔مائی کرماں پولیس

والوں کو نوشہر وفیروز کے مرکز میں کھڑی اس

بلند وبالا حویلی کا پتہ بتارہی تھی جہاں مرنے

والے ان دونوں نفوس کے اقرباء رہائش پذیر

تھے۔۔

□♦□♦□♦□♦

آسمان کے سینے پر چمکتا سورج اپنی تیز روشنی سے

لغاری فارم ہاؤس کو روشن کیے دے رہا تھا۔ فضا

میں ہوا کی عدم موجودگی کے باعث درختوں کے

پتے ساکت سے تھے۔ رات کے برعکس دن کا

موسم کچھ گرم سا تھا ایسے میں سورج کی حدت

سے بے نیاز وہ آرام دہ بیڈ پر محو استراحت تھی۔

کھڑکیوں پر گرے بھاری پردوں کے باعث دن

کی روشنی سردار بدر لغاری کے لیے مختص اس

کمرے میں آنے سے گریز کر رہی تھی جہاں

رات سے وہ آرام فرما تھی۔ کمرے میں پھیلی

اے۔سی کی ٹھنڈک نے اس کے حواس

پرسکون کر رکھے تھے۔ کمبل اوڑھے وہ

گہری نیند میں اتری پر سکون نظر آرہی تھی

جب کمرے کا دروازہ کھولتا وہ اندر داخل ہوا

تھا۔ مضبوط چال چلتا وہ اپنے بیڈ کے قریب آیا

جہاں گزشتہ رات سے علیشہ نے ڈیرہ جمار کھا

تھا۔ کمبل میں چھپے اس کے پورے وجود میں سے

جو دلکش نظارہ اسے دیکھنے کو ملا تھا وہ اس کی بند

آنکھوں کا تھا۔ گھنیری پلکیں عارضوں سے چپکی

اس کی گہری نیند کا پتہ دے رہی تھیں۔ اطراف

میں بکھرے اخروٹی بال ایک منہ زور سیلاب کا

سامنظر پیش کر رہے تھے جو سردار بدر لغاری

جیسے مرد کے قدم بھی زمین سے اکھیڑ دینے کی

طاقت رکھتے تھے۔۔پشت پر ہاتھ باندھتے ہوئے

اس نے گہری نگاہوں سے اس کی بند آنکھوں کی

طرف دیکھا۔ آنکھوں کی سیاہی میں چمکتی شدت

پُرزور احتجاج کرنے لگی۔ سختی سے لب بھینچے وہ

بنا پلکیں جھپکائے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کی

نظروں کی تپش تھی یا علیشہ کی حساسیت کہ کچھ

ہی دیر میں وہ کسمسائی تھی۔ بدر ہنوز پرسکون سا

کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا جو کمبل چہرے سے ہٹاتی

انگڑائی لیتے ہوئے آنکھیں کھولنے کی کوشش کر

رہی تھی۔۔

"مارننگ۔۔۔!"بدر نے شانِ بے نیازی سے

اسے مخاطب کیا تو اس کی بھاری آواز سن کر علیشہ

نے ایک جھٹکے سے اپنی آنکھیں کھول لیں۔

پلکیں جھپکا جھپکا کر اسے دیکھتی وہ سرعت سے

اٹھ کر بیٹھی۔ ایسا کرنے سے وجود میں ٹیسیں سی

اٹھی تھیں۔ گزشتہ رات کا منظر تیزی سے اس

کے ذہن کے پردے پر لہرایا تھا۔ بدر کو نظر

انداز کر کے اس نے دکھتے بازوؤں کو حرکت

دیتے ہوئے اپنے بکھرے بالوں میں ہاتھ

چلایا۔۔

"مجھے کراچی جانا ہے۔۔!" اسے دیکھے بغیر

سامنے کھلے دروازے کو دیکھتی وہ ٹھہری ہوئی

آواز میں بولی۔

"بولتے ہوئے تمہیں یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ میں

تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں۔۔!" اس کے گلابی

چہرے کو نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے وہ

جتانے والے انداز میں بولا تو علیشہ نے گردن

موڑ کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔۔

"آپ بھی یہ ذہن نشین کرلیں کہ میں آپ کی

رعایا نہیں ہوں۔۔" نفرت سے اسے دیکھتی وہ

چلائی. بدر کے چہرے پر ایک سکون کی سی

کیفیت تھی۔۔

"جو سلوک آپ نے رات میرے ساتھ کیا ہے

وہ میں کبھی بھولوں گی نہیں۔!" کمبل پیچھے جھٹک

کر دوسری طرف سے بیڈ سے نیچے اترتی وہ

درشتگی سے بولی۔

"یہ میرے لیے حیرت انگیز بات نہیں ہے۔۔جو

لوگ میرے ساتھ ایک رات گزار لیں وہ مجھے

تاعمر یاد رکھتے ہیں!" ایک ہلکی سے مسکراہٹ

اس کی جانب اچھالتے ہوئے بدر نے بے تاثر

لہجے میں کہا تھا. جبکہ گزشتہ رات، فقط ایک

"رات" کا جو مطلب سمجھ لینے کے بعد اس کی

عزت افزائی ہوئی تھی اسے یاد کر کے علیشہ کا

خون کھول اٹھا۔

"ہونہہ آ۔۔۔پ۔۔۔!" اس کی طرف

دیکھتی وہ کچھ بولنے کی کوشش میں رک گئی۔

مقابل کی آنکھیں اسے خاموش رہنے پر مجبور کر

گئی تھیں۔

"فریش ہو کر باہر آجاؤ۔۔ناشتہ کر لو پھر چلتے

ہیں۔۔!" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہہ کر وہ کمرے

سے نکل گیا تو علیشہ گرنے کے سے انداز میں بیڈ

پر بیٹھ گئی۔بے چینی سے کندھوں پر بکھرے

بالوں میں ہاتھ چلایا تھا۔اسے خود پر حیرت ہو

رہی تھی کہ وہ کیوں اس شخص کے سامنے اپنی

فطرت کے مطابق بات نہیں کر پاتی تھی۔۔؟

بلاشبہ دنیا میں سردار بدر لغاری وہ پہلا شخص تھا

جس کے سامنے وہ خود کو کمزور محسوس کیا کرتی

تھی۔جس کی آنکھوں کی رنگت اسے بے بس کر

دیتی تھی۔علیشہ نے آنکھیں میچ کر ایک لمبا

سانس لیا پھر تھکے تھکے قدم اٹھاتی واش روم میں

جا گھسی۔۔

□♦□♦□♦□♦

"میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔۔!" ان کا

ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھا وہ مدھم افسردہ

سے لہجے میں بولا تو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے

لیٹے سید ذوالفقار عالم شاہ دھیرے سے

مسکرائے۔۔

"تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔۔ سارے

قصور میرے ہیں میں جانتا ہوں۔۔!" اس کا

اداس چہرہ نرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ کمزور

سی آواز میں بولے تھے۔

"آپ جتنے بھی قصوروار سہی، میں آپ کو کھونے

کا تصور بھی نہیں کر سکتا دادا۔۔!" نم آنکھوں

سے ان کی جانب دیکھتا وہ شکست خوردہ لہجے میں

بولا تو سید ذوالفقار عالم شاہ کی آنکھوں میں بھی

نمی چمکنے لگی۔

"واپسی کا سفر تکلیف دیتا ہے لیکن جس سفر کی

شروعات ایک بار ہو جائے تو پھر اس کی واپسی

خود بخود طے ہو جاتی ہے عالم۔۔ جو روح اس دنیا

میں آئی ہے اسے واپس بھی جانا ہے۔۔بس کچھ

لوگ یہاں آکر اللہ کی عطا کردہ طاقت کے نشے

میں اس طرح سے چُور ہو جاتے ہیں کہ واپسی کو

نظر انداز ہی کر دیتے ہیں۔۔!" رنجیدگی سے پُر

لہجے میں بولتے ہوئے ان کی آنکھوں کی نمی

بڑھنے لگی۔۔

"سید ذوالفقار عالم شاہ کا شمار بھی اُنھیں لوگوں

میں ہوتا ہے۔۔!" انھوں نے قدرے ٹھہرے

ہوئے لہجے میں اعتراف جرم کیا تھا۔ آنکھ سے

آنسو نکل کر سفید داڑھی میں جذب ہوتے چلے

گئے. عالم نے بے اختیار ان کا ہاتھ اپنی پیشانی

سے لگایا تھا۔

"مجھے مزید اذیت نہ دیں۔۔ خود کے لیے ایسے

الفاظ استعمال مت کریں۔۔ اللہ نے بخشش کا در

گناہگاروں کے لیے ہی تو کھلا رکھا ہے۔۔۔ آپ تو

پھر پانچ وقت اس کے حضور سجدہ کرتے ہیں

دادا۔۔ وہ کیونکر آپ کو معاف نہیں کرے

گا۔۔؟؟"

نم آنکھوں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھتا

وہ اس پل اذیت کا شکار نظر آرہا تھا۔ اس کے

سوال پر انھوں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی

نرم گرفت سے کھینچ لیا۔

"وہ نہیں کرے گا۔۔وہ ہرگز نہیں کرے

گا۔۔!" کہتے ہوئے ان کی آواز میں کپکپاہٹ اتر

آئی۔۔

"اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے دادا۔۔۔!"

عالم نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی۔۔

"مجھے وہ نہ بتاؤ جو مجھے معلوم ہے عالم۔۔ مجھ سے

وہ سب پوچھو جو تمھیں معلوم نہیں۔۔!" اس

سے نگاہیں چراتے ہوئے انھوں نے تکلیف زدہ

آواز میں کہا۔

"اور کچھ باقی ہے۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے عالم کی

آنکھوں میں شکوہ در آیا۔

"وہ سب کچھ باقی ہے جسے اگر یاد کروں تو مجھے

یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ مجھے معاف نہیں کرے

گا۔۔!" کہتے ہوئے انھوں نے پل بھر کو وقفہ

لیا۔

"کچھ گناہوں کی ندامت اتنی پُر شدت ہوتی ہے

کہ ہم اللہ سے معافی بھی نہیں مانگ پاتے۔۔

ایسے گناہ جن کا احساسِ ندامت انسان کے لبوں

سے بخشش کی دعا نکلنے ہی نہیں دیتا، معافی مانگتے

ہوئے بھی شرم آتی ہے یار۔۔ ضمیر چیخ چیخ کر کہتا

ہے کہ تم بخشش کے نہیں سزا کے حق دار

ہو۔۔!"لرزتی ہوئی آواز میں بولتے وہ بچوں کے

سے انداز میں رو دیے۔ انھیں روتا دیکھ عالم کے

دل نے شدید تکلیف محسوس کی تھی۔۔

"میرا ضمیر اپنا فیصلہ سنا چکا ہے۔۔ بخشش کا حقدار

نہیں ہوں میں۔۔ ہرگز نہیں ہوں۔۔!" اپنے

آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بھیگی ہوئی آواز میں

بولے تھے۔عالم کی آنکھوں نے چپکے سے ایک

آنسو بہایا تھا۔

"کیا میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔؟؟"

نم پلکیں جھپکاتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں

پوچھا۔

"ہاں۔۔ تم کر سکتے ہو۔۔!" انھوں نے سر اثبات

میں ہلاتے ہوئے کہا۔

عالم سوالیہ نظروں سے انھیں کو دیکھ رہا تھا۔۔

"جب تک میں زندہ ہوں تم مرحہ کو اس کی

اصلیت نہیں بتاؤ گے۔۔ میں اس کی آنکھوں

میں اپنے لیے نفرت نہیں دیکھ سکتا۔۔!" اس کا

ہاتھ تھامتے ہوئے انھوں نے گزارش کرنے

والے انداز میں کہا تو عالم نے اپنے لب سختی سے

بھینچ لیے۔ اس کا دل مرحہ کی محبت میں سسک

اٹھا تھا۔

"یہ مشکل ہے۔۔!" عالم کے لب بامشکل ہلے۔

"میں سچ جانتے بوجھتے اسے بے نام و نشان زندگی

گزارتے نہیں دیکھ سکتا دادا۔۔!" عالم نے

نظریں جھکاتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

"وہ ہمیشہ ایسی زندگی نہیں گزارے گی عالم۔۔

ولید تو مرحہ کی پیدائش سے پہلے ہی اس دنیا سے

چلا گیا تھا۔۔اور جس دن فدا اور حدیبہ کی میت

اس حویلی کے دریچے میں لا کر رکھی گئی تھی اس

سے اگلے دن ہی میں نے زہرہ کا اتا پتا معلوم

کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے تھے لیکن جانے

وہ اپنی ماں کو لے کر کہاں چلی گئی کہ میرے

آدمی اس کی خاک بھی نہ پا سکے۔۔اب اس کو نام

صرف ایک ہی شخص دے سکتا ہے۔۔اور وہ تم

ہو۔۔میں بہت جلد اسے تمھارے نکاح میں

دے دوں گا۔۔اس کے بعد وہ ایک عزت کی

زندگی گزارے گی ان شاءاللہ۔۔!" سید

ذوالفقار عالم شاہ نے قدرے تفصیل سے اپنا

موقف اس پر واضح کیا۔۔

"اور اگر اسے ماضی پتہ چل گیا تو۔۔؟؟" عالم

نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کون بتائے گا۔۔؟ کون بتائے گا اسے

ماضی۔۔؟ ماضی تم اور میں جانتے ہیں یا پھر وہ جو

ماضی میں مر چکے ہیں۔۔نہ ہی ولید قبر سے اٹھ کر

مرحہ کو کچھ بتائے گا اور نہ ہی زہرہ آسمان سے

ٹپک کر اسے کچھ بتائے گی۔۔!"خوفزدہ انداز

میں کہتے ہوئے وہ بھول گئے تھے کہ انھوں نے

ولید شاہ کو قبر میں کبھی دفنایا ہی نہیں تھا. انھیں

تو اس کی لاش دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔

"ماضی بیت چکا ہے عالم۔۔اسے نہ تم تبدیل

کر سکتے ہو اور نہ ہی میں۔۔اس لیے بہتر ہے کہ

اس بھیانک ماضی کو چھپا لیا جائے کیونکہ اسے

عیاں کر دینا سب کچھ تباہ کر دے گا۔۔!"

مستقبل کی تباہ کاریوں سے انجان وہ اپنی طرف

سے احتیاط برتنے کی کوشش کر رہے تھے۔اور

انجان تو عالم بھی تھا وگرنہ شاید وہ خود کو وہ کہنے

سے روک لیتا جو وہ کہنے جا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔میں اسے اس کی شناخت سے

انجان رکھوں گا۔میں یہ کروں گا کیونکہ۔۔

میں آپ کو اذیت میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا۔۔!"

عالم نے ہارے ہوئے انداز میں ان سے وعدہ کیا

تھا۔۔ تبھی ان کے کمرے کے دروازے پر

دستک دیتے وقار عالم شاہ اندر داخل ہو گئے۔

"اسلام علیکم بابا سرکار۔۔اب کیسی طبیعت ہے

آپ کی۔۔؟؟"عالم پر ایک سرسری نظر ڈالتے

وہ نرم لہجے میں ان سے دریافت کررہے تھے۔۔

"اَلحمد اللہ میں اب ٹھیک ہوں۔تم بتاؤ منصب

سے بات ہوئی۔۔؟وہ کب آرہا ہے۔۔؟"سیدھا

ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتے وہ آہستگی سے

بولے۔

"جیہ کی بات ہوئی ہے۔۔اس ویک اینڈ آجائے

گا وہ۔۔!" وقار عالم شاہ نے مدھم آواز میں کہا.

عالم، سید ذوالفقار عالم شاہ کی پشت پر کشن لگاتا

بیٹھنے میں ان کی مدد کر رہا تھا۔۔

"ہمم۔۔وہ آجائے تو اس کے لیے کوئی اچھی سی

لڑکی دیکھ لو۔۔میں اب اپنے پوتوں کی خوشیاں

دیکھنا چاہتا ہوں۔۔!" ایک نظر عالم پر ڈالتے

ہوئے انھوں نے بظاہر وقار عالم شاہ سے بات کی

تھی۔

"میں چلتا ہوں۔۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔۔!"

مسکرا کر کہتے ہوئے عالم ان کے پاس سے اٹھ

کھڑا ہوا تو انھوں نے ہولے سے اثبات میں سر

ہلایا۔وہ اجازت ملنے پر کمرے سے نکل گیا۔۔

"آپ کا پوتا نہ تو اچھی لڑکی ڈیزرو کرتا ہے اور نہ

ہی خوشیاں۔۔!" وقار عالم شاہ نے دل میں سوچا

لیکن خود پر ضبط کرتے ہوئے وہ بظاہر مسکرا کر

بولے تھے۔

"ہمم۔۔وہ آجائے تو پھر اس بارے میں بھی

سوچ لیتے ہیں۔۔!" انھوں نے کہا تو سید ذوالفقار

عالم شاہ پر سکون سے ہو گئے۔۔

"لاڑکانہ سے جو مرید آئے تھے ان سے ملاقات

کرلی تم نے۔۔؟؟" وہ دوسرے موضوع کی

طرف آتے ان سے سوال کرنے لگے تو وقار

عالم شاہ انھیں جواب دینے لگے۔۔

□♦□♦□♦□♦

"میں ایک بد تمیز انسان ہوں اور بد تمیزی کرنا

مجھے پسند ہے لیکن بد تمیزی سہنا میری سرشت

میں شامل نہیں ہے علیشہ چوہان۔۔!" بھنویں

اچکائے، ناک چڑھا کر آواز کو بھاری کرنے کی

ناکام کوشش کرتی وہ منہ بنا کر بدر کی نقل اتار

رہی تھی. اس کی بات پر اُن تینوں نے قہقہ لگایا

تھا۔

"ہاں تو تم نے اسے بد تمیز کہا ہی کیوں تھا۔؟"

اپنی ہنسی روکتے ہوئے راحمہ نے پوچھا۔

"ہاں تو اس نے میری کلائی پکڑی ہی کیوں

تھی۔۔؟ نہ وہ ایسا کرتا نہ میں اسے بدتمیز

کہتی۔۔!" اس وقت کو یاد کرتے ہوئے علیشہ نے

تپے تپے سے لہجے میں بتایا۔

"اور اس نے یہ بدتمیزی کی کیوں تھی

ویسے۔۔؟؟" آنکھوں میں اشتیاق سموئے سارہ

نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔۔اس کے

پوچھنے پر علیشہ کی آنکھوں میں دو گھنٹے پہلے کا منظر

گھوم گیا۔جب ہاسٹل کی عمارت نظر آتے ہی اس

نے بدر کی گاڑی سے اترنے کی کوشش کی تھی۔

اپنی جانب کا دروازہ کھولتے ہوئے جیسے ہی اس

نے باہر نکلنا چاہا اپنی کلائی کو اس کی مضبوط گرفت

میں پایا تھا۔علیشہ نے سلگتی نظروں سے اسے

دیکھا تھا۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے۔۔؟؟" اس کی جانب دیکھتے

ہوئے مدھم لہجے میں غرائی تھی۔۔

"میں ایک بد تمیز انسان ہوں اور بد تمیزی کرنا

مجھے پسند ہے، لیکن بد تمیزی سہنا میری سرشت

میں شامل نہیں ہے علیشہ چوہان۔۔!" اس کی

کلائی چھوڑے بغیر وہ مکمل سنجید گی سے بولا تو

علیشہ نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔۔

"کیا بد تمیزی کی ہے میں نے۔۔؟"نا چاہتے

ہوئے بھی اسے پوچھنا پڑا تھا۔۔

"تم نے میرا شکریہ ادا نہیں کیا حالانکہ تمھیں

میرا شکر گزار ہونا چاہئیے۔۔!" بے تاثر نگاہوں

سے علیشہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اپنے

مخصوص بارعب لہجے میں بولا تھا۔اس کی بات پر

علیشہ کی بھنویں تن گئیں۔۔

"ریئلی۔۔؟کیاان زخموں کے لیے آپ کاشکریہ

اداکروں۔۔؟یاپھر گزشتہ رات کے لیے جس

میں آپ نے مجھے اس بھوت بنگلے نمافارم ہاؤس

میں یرغمال بنالیاتھا۔۔؟"ناگوار نظروں سے

اس کی جانب دیکھتی وہ تلخی سے گویا ہوئی۔ لہجہ

ہنوز مدھم ہی تھا۔

"میں نے کبھی کسی کو لفٹ نہیں دی، کبھی کسی

سے اپنا بیڈ روم شئیر نہیں کیا اور کبھی کسی کا

ڈرائیور بھی نہیں بنا۔ یہ تینوں کام زندگی میں

پہلی مرتبہ مجھے تمھاری وجہ سے کرنے پڑے

ہیں۔۔ تمھیں اس سب کے لیے میرا شکریہ ادا

کرنا چاہئیے۔۔!" آہستگی سے اس کی کلائی

چھوڑتے ہوئے بدر نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

سیاہ آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح سختی ہلکورے

لے رہی تھی۔

"اگر نہ کرنا چاہوں تو۔۔۔؟" بازو لپیٹتے ہوئے

علیشہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ کچھ پل یونہی

سخت نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر چہرے کا رخ

موڑ تا سیدھا ہو گیا۔۔

"گو۔۔"یک لفظی جواب دے کر وہ گاڑی

سٹارٹ کرنے لگا۔علیشہ نے کچھ حیرت سے اس

کا یہ انداز دیکھا۔۔

"آئی سیڈ گو۔۔۔!" اسے وہیں جمے دیکھ اس بار

وہ درشت لہجے میں بولا تھا۔وہ جلدی سے دروازہ

کھولتی باہر نکل گئی۔اس کے اترتے ہی وہ زن

سے گاڑی بھگا لے گیا تھا۔علیشہ نے کچھ الجھن

آمیز نگاہوں سے دور ہوتی گاڑی کو دیکھا پھر دل

ہی دل میں اسے القابات سے نوازتی ہاسٹل چلی

آئی تھی۔اس کے واپس آجانے کی بابت سن کر

وہ تینوں یونیورسٹی سے واپسی پر سیدھا اس کے

کمرے میں آئی تھیں۔۔

اور اب وہ انھیں من و عن ساری داستان سنا رہی

تھی۔

"انٹرسٹنگ۔۔بہت ہی انٹرسٹنگ بندہ ہے

یار۔۔!"پوری بات سن کر راحمہ نے پرجوش

سے انداز میں کہا۔

"خاک انٹرسٹنگ ہے۔۔ کچھ انٹرسٹنگ نہیں

ہے اس میں۔۔۔ اگر اس میں کچھ ہے تو وہ ہے

غرور۔۔۔ انفیکٹ غرور کی دوکان ہے وہ

شخص۔۔!" اپنے بال نخوت سے جھٹکتی وہ دبی دبی

آواز میں بولی۔

"یار انٹرسٹنگ تو ہے۔۔پہلے تو وہ بند الفٹ کے

نام پر تمھیں اپنے فارم ہاؤس لے گیا پھر تمھیں

بھاگنے کا راستہ بھی دکھایا اور پھر خود ہی اپنے پالتو

جانور سے تمھیں بچایا۔۔افففف۔۔تمھاری

گزشتہ رات کس قدر تھرلنگ تھی علیشہ۔۔۔!"

پر سوچ انداز میں آنکھیں گھماتی مدھم آواز میں

بولنے والی یہ ہادیہ تھی۔۔

"بچایا کیا۔۔؟ پھنسایا بھی تو اُسی نے تھا۔۔ کمبخت

مارنا چاہتا تھا مجھے۔۔!" علیشہ نے دانت پیستے

ہوئے کہا۔

"ایک منٹ علیشہ۔۔اگر اس نے تمھیں مارنا ہی

ہوتا تو وہ تمھیں بچانے کی خاطر اپنے ہی پالتو

جانور کو کیوں مارتا۔؟؟"راحمہ نے کشن

دبوچتے ہوئے آنکھیں چھوٹی کر کے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔۔ لیکن اس نے وہ راستہ مجھے

دکھایا ہی اسی لیے تھا تاکہ میں بھاگنے کے لیے

اسے اختیار کروں اور ان چیتوں کی خوراک بن

جاؤں۔۔!" گزشتہ رات کی بابت سوچتی وہ سلگتے

ہوئے لہجے میں بولی۔۔

"ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ سوچا ہو کہ تم گرل پار

کرنے سے پہلے ہی ان چیتوں کو دیکھ کر پلٹ

جاؤ گی۔۔!" ہادیہ نے تکا لگایا۔۔

"ہاں بالکل۔۔اب بھلا اسے کیا پتہ کہ چیتے ٹہلنے

کی بجائے جھاڑیوں میں آرام فرما رہے ہوں

گے۔۔!" سارہ نے بھی ہادیہ کی بات کی تائید

کی۔علیشہ پل بھر کو خاموش رہ گئی۔

"مجھے لگتا ہے یہ دونوں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔اگر

اسے تمھاری جان ہی لینی ہوتی تو وہ خود اپنے

ہاتھوں سے ایک ایسے جانور کو کیوں مارتا جسے

مارنے سے زیادہ مشکل اسے پالنا ہے۔۔ اور پھر

پاکستان میں یہ جانور بہت نایاب ہوتے ہیں۔۔

جتنا سائز تم اس چیتے کا بیان کر رہی ہو وہ بیس

پچیس لاکھ روپے سے کم کا نہیں ہو گا۔۔!" راحمہ

نے بھی اپنے دماغ کا پورا استعمال کرتے ہوئے

رائے دی تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا گئی۔

"جو بھی ہے۔۔ لیکن اس سب کے پیچھے اس

بندے کا مقصد کچھ اور ہی ہے، ضرور اسے

سارنگ یا میرے بابا سائیں سے پرخاش ہے جو وہ

ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔۔!" نچلا لب

کچلتے ہوئے وہ پر سوچ انداز میں بولی۔ اس کے

قریب بیٹھی راحمہ، ہادیہ اور سارہ نے ایک

دوسرے کو دیکھا۔۔

"مجھے تو معاملہ کچھ اور ہی لگ رہا ہے!" راحمہ نے

لب کشائی کی تو وہ ٹیک چھوڑتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیا مطلب۔۔؟؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"مطلب کسی کے پیچھے نہا دھو کر پڑنے کی دو ہی

وجوہات ہو سکتی ہیں۔۔ایک نفرت، اور دوسری

محبت۔۔!" راحمہ نے ڈرامائی انداز میں آنکھیں

گھماتے ہوئے کہا تو سارہ اور ہادیہ نے داد دیتی

نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہاں تو نفرت ہے ناں اسے مجھ سے۔۔ اور

خوامخواہ کی نفرت ہے محترم کو۔۔!" علیشہ نے

دوبارہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے بے

زاری سے کہا۔

اس کے جواب پر ایک بار پھر وہ تینوں ایک

دوسرے کو دیکھنے پر مجبور ہوئی تھیں۔

"یار یہ نفرت کہاں خوامخواہ کی ہوتی ہے؟ وہ تو

محبت ہوتی ہے جو خوامخواہ میں ہو جاتی ہے، اور

خوامخواہ میں ہوئی محبتوں کو چھپانے کے لیے

نفرت کا اظہار کرنا تو مغرور لوگوں کا پرانا شیوہ

ہے۔۔!" راحمہ نے کافی فلسفیانہ انداز میں اپنی

رائے کا اظہار کیا تو علیشہ نے پلکیں جھپکاتے

ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"تمہاری بڑی مہربانی یہ فضول بات نہ کرو۔۔

محبت۔۔!" اس نے منہ بناتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"سچ کہہ رہی ہوں یار۔۔ نفرت خوامخواہ کی نہیں

ہوتی، نفرت کے پیچھے ہمیشہ کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی

ہے، لیکن اگر کوئی بے وجہ ہی نفرت کا اظہار

کرے تو سمجھ جاؤ کہ وہ شخص محبت چھپانے کی

کوشش کر رہا ہے۔۔!!" راحمہ اپنے موقف پر

ڈٹی رہی۔۔

"محبت چھپانے والا، جذبہ نہیں ہے راحمہ۔۔!"

ہادیہ نے دبی دبی آواز میں احتجاج کیا۔

"ہاں لیکن اگر ایک مغرور شخص محبت کا شکار

ہو جائے تو وہ اس جذبے کے اظہار کو اپنی توہین

سمجھتا ہے۔۔ اور جیسا کہ علیشہ نے بتایا کہ وہ

سردار کافی مغرور ہے تو۔۔!" راحمہ کڑی سے

کڑی ملاتی بول رہی تھی جب علیشہ نے کافی سختی

سے اس کی بات کاٹی۔

"فار گاڈ سیک جسٹ سٹاپ اٹ۔۔۔!!" اپنی

پیشانی مسلتی وہ چیخی۔

"محبت۔۔؟ اور سردار بدر لغاری؟ کبھی سوچنا

بھی مت۔۔وہ مغرور شخص، وہ جاگیردار طبقے

سے تعلق رکھتا ہے، اس جیسے امیروں کے سینے

میں دل نہیں پیسہ دھڑکتا ہے پیسہ۔۔ محبت جیسے

جذبات اس جیسوں کے فولادی سینوں میں نہیں

پنپتے یہ میں جانتی ہوں۔۔اس کا مقصد صرف

پیسہ ہے۔۔وہ اگر میرے ساتھ رعایت برت رہا

ہے تو اس کے پیچھے ضرور کچھ بڑا ہے۔۔!"غصے

سے ان تینوں کی جانب دیکھتی وہ سلگتے ہوئے لہجے

میں بولی۔

"محبت بھی کوئی چھوٹی شے نہیں ہے ویسے۔۔

اس سب کے پیچھے جو 'کچھ بڑا' ہے، وہ '

کچھ'، محبت بھی ہو سکتی ہے!" تھوڑا سا پیچھے کھسکنے

کی کوشش کرتے ہوئے راحمہ بولی۔ اس کی بات

پر علیشہ کا چہرہ تپنے لگا۔

"اینف۔۔یہ محبت محبت کی گردان کرنا بند کرو

اور نکلو یہاں سے۔۔!" اپنا ضبط کھوتی وہ اس پر

برسی۔راحمہ فوراً بیڈ سے اتری۔لبوں پر ڈھیٹ

مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔۔

"میں بھی جاؤں۔۔؟" سارہ نے کافی معصومیت

سے پوچھا۔

"تم تینوں جاؤ۔ دماغ خراب کر دیا ہے

میرا۔۔!" وہ ہادیہ اور سارہ کی طرف دیکھتی ایک

ایک لفظ چبا چبا کر بولی۔

"لل۔۔۔ لیکن۔۔ یہ میرا ابھی تو روم ہے!" ہادیہ

فوراً منمنائی کیونکہ وہ اس کی روم میٹ تھی۔

" ابھی کے لیے نکل جاؤ ہادی ورنہ میں تم تینوں کا

کچھ کر دوں گی۔۔!!" علیشہ نے بنا لحاظ کیے کہا تو

ان دونوں کو بھی بیڈ سے اترنا پڑا۔

"ویسے ایک بار سوچ لینا۔ اگر اس کے لیے پیسہ

اتنا ہی امپورٹنٹ ہوتا تو وہ تمھیں بچانے کی خاطر

اپنے تابعدار، پالتو پلس نایاب جانور کو کیوں

مارتا۔؟؟" جلدی سے کہہ کر راحمہ کمرے سے

باہر نکل گئی۔ علیشہ نے کشن اٹھا کر اس کی جانب

اچھالا جو دروازے سے ٹکرا کر زمین بوس ہو

گیا۔ہادیہ اور سارہ بھی اپنی ہنسی روکتی کمرے سے

باہر نکل گئیں۔

"وہ فضول مغرور انسان۔۔مائے فٹ۔۔مم۔۔

میں صرف شمس کو چاہتی ہوں۔۔صرف ان

سے محبت کرتی ہوں۔۔ کسی اور کی محبت میرے

لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔!" کشنز اٹھا اٹھا کر

بیڈ سے نیچے پھینکتی وہ چلائی۔۔ بھوری آنکھوں

میں بدر کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

سفید روش کے اطراف میں پھیلے سبزے میں

سرخ و زرد پھول، ہوا کے سنگ ہولے ہولے ہل

رہے تھے۔ ایک مناسب فاصلے پر لگے درختوں

کی قطار، خنک دوپہر کے سرمئی پن میں آنکھوں

کو ٹھنڈک بخشتی اس کے قدموں میں سستی کا

باعث بن رہی تھی۔ بیگ کندھے پر لٹکائے وہ

معمول کے مطابق واپسی کے سفر پر گامزن تھا

لیکن آج اس کے قدموں کی سستی بتا رہی تھی

کہ وہ کل کی صبح اس راستے پر قدم نہیں رکھے گا۔

سیاہ شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے اور

گریبان کے بٹن کھولے وہ سر جھکائے چلتا عام

دنوں کے برعکس کچھ مضمحل نظر آرہا تھا۔۔

"یُو آر ناٹ میکنگ سینس مائے چائلڈ۔۔!"

پروفیسر کے الفاظ اس کی سماعتوں میں گونجنے

لگے۔۔

"یہ ڈگری میرے لیے امپورٹنٹ نہیں ہے

سر!" اسے اپنا جواب یاد آیا تھا۔

"لیکن آپ کی پراگریس بہت اچھی ہے!!" وہ

شستہ انگریزی میں احتجاجاً گویا ہوئے تھے۔

"میں واپس جانا چاہتا ہوں۔۔ آپ پلیز اسے

مشکل مت بنائیں!" کہتے ہوئے اس کا لہجہ بے

تاثر ہو گیا تھا۔۔

"ٹھیک ہے، ہم آپ کے ڈاکیومنٹس کلئیر

کر دیتے ہیں لیکن اگر آپ ایک منتھ اور ویٹ

کر لیتے تو ایم-بی-اے کی ڈگری اپنے ساتھ لے

کر جاتے۔۔!!" ان کی پیشہ ورانہ سی بات اس

کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔

"آپ یہ کہہ سکتے ہیں، لیکن میں یہاں

ایم۔بی۔اے کرنے نہیں آیا تھا۔۔!" ان کے

ہاتھوں سے اپنی فائل لیتے ہوئے منصب نے

سنجیدگی سے کہا تھا۔ بدلے میں ان کی آنکھوں

میں سوال در آیا تھا لیکن وہ بنا جواب دیے ہیڈ

آفس سے نکل آیا تھا۔۔ وہ بھلا کیونکر ان کی

الجھن سلجھا سکتا تھا؟ وہ انھیں کیسے جواب دے

سکتا تھا؟ کیا وہ انھیں بتا سکتا تھا کہ وہ لندن ڈگری

لینے نہیں بلکہ سزا کاٹنے آیا ہے۔۔؟ یقیناً

نہیں۔۔ کم از کم وہ اس سرزمین پر اللہ کے سوا

کسی دوسرے کے سامنے اپنے اس جرم کا

اعتراف نہیں کر سکتا تھا جو اس کے ملک بدر

ہونے کا باعث بنا تھا۔۔

"مون۔۔ہے مون۔۔۔!" وہ یونیورسٹی کے

مرکزی گیٹ کی جانب جا رہا تھا جب اسے اپنی

پشت سے ایک نسوانی آواز سنائی دی تھی۔ وہ اس

لہجے اور آواز کو باخوبی پہچانتا تھا۔ منصب کے لب

سختی سے بھینچ گئے۔ نامحسوس انداز میں اس نے

اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ وہ تقریباً

بھاگتے ہوئے اس کے سامنے آئی تھی۔

"اوہ مائے گاڈ۔۔ تمھارے بال کہاں گئے؟ مجھے

ان سے شدید محبت تھی۔۔۔!"اس کی جانب

دیکھتی وہ صدمے سے چُور آواز میں چلائی۔

منصب نے خاموش نگاہوں سے مقابل کھڑی

لڑکی کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر گزشتہ

حادثے کا کوئی تاثر باقی نہیں تھا۔۔

"میرا راستہ چھوڑ دو۔۔!" سرد نظروں سے اس

کی جانب دیکھتا وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔۔

"تم مجھ سے ناراض ہو۔۔؟ حالانکہ ہونا تو مجھے

چاہئیے۔۔!" اس کے سامنے سے ہٹنے کی بجائے وہ

منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"میرا دماغ خراب مت کرو۔۔۔میرے سامنے

سے ہٹو۔۔!" اس پر سے نگاہیں ہٹاتا وہ زہر خند

لہجے میں بولا۔

"تمھارا دماغ ٹھیک ہوتا ہی کب ہے؟ ہمیشہ غصے

میں ہی رہتے ہو۔۔!" وہ ڈھٹائی کے ریکارڈ توڑتی

مسکراتے ہوئے بولی تو منصب نے سلگتی ہوئی

نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"تم ایک انتہائی بے باک لڑکی ہو جو نرمی یا محبت

کے نہیں، صرف نفرت کے لائق ہے!" سنجیدگی

سے کہتے ہوئے منصب اس کی سائیڈ سے

گزرنے لگا جب وہ پھر سے اس کے سامنے آئی۔

"اٹس اینف۔۔ تم حد کر رہے ہو۔۔ میرے

بوائے فرینڈ ہو تم۔۔ تم نے خود ہماری فرینڈشپ

کو ایکسیپٹ کیا تھا۔۔!" سنجیدگی سے اس کی جانب

دیکھتی وہ کچھ پریشانی کے عالم میں چلائی۔

"تم نے میری دوستی کو غلط رنگ دیا ہے، اور

تمھاری اس غلطی کی وجہ سے میں نے جو

سفر (suffer) کیا ہے اس کے بدلے میں تم

میری دشمنی کے قابل بھی نہیں رہی ورنہ میں

تمھارے اس خوبصورت وجود کو آگ لگا دیتا

جس سے تم نے مجھے بہکانے کی کوشش کی

تھی۔۔!" شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورتا وہ

جھلستے ہوئے لہجے میں بولا تو اس کے لہجے سے

چھلکتی نفرت محسوس کر کے وہ پل بھر کو اپنی جگہ

ساکت رہ گئی۔

"کک۔۔۔کچھ انو کھا نہیں کر رہی تھی

میں۔۔ممی نے بتایا ہے مجھے، اٹس مائے

کلچر۔۔!!" سیٹلی نے اس بار کچھ ناراضگی سے

کہا۔

"یور کلچر مائے فٹ۔۔!" وہ دانت بھینچتے ہوئے

بولا۔اس کی بات پر سیٹلی کی ناک کے نتھنے غصے

سے پھولنے لگے۔

"ہماری فرینڈشپ اس کلچر کا حصہ ہے۔۔یہ

مت بھولو۔۔!" سیشلی دانت کچکچا کر بولی۔

"تمھارا چیپ کلچر تم اپنی پاکٹ میں سنبھال کر

رکھو۔۔مجھے میرے کلچر کے مطابق چلنے دو۔۔

سمجھی تم۔۔۔!" اسے اپنے سامنے سے ہٹا کر کہتا

وہ آگے بڑھ گیا۔ سیشلی نے کچھ پل دھندلاتی

نظروں سے اس کی چوڑی پشت کو دیکھا پھر اپنے

ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی اس کے پیچھے لپکی۔

"اور تمھارا اپنے کلچر کے بارے میں کیا خیال ہے

یُو بلڈی مسلم۔۔!" اس کے پیچھے بھاگتی وہ حلق

کے بل چلائی تھی۔اس تازیانے پر منصب کے

چلتے قدموں کو بریک لگی تھی۔غصے کی شدت

سے پیشانی پر رگیں ابھر آئیں۔لب بھینچتے

ہوئے وہ شدید اشتعال کے عالم میں اس کی

جانب پلٹا تھا۔اگلے ہی پل اس کا بھاری ہاتھ فضا

میں بلند ہوا تھا لیکن سیثلی کے بھیگے رخسار کو

چھونے سے پہلے ہی اس نے خود کو روک لیا تھا۔

منصب نے بڑے ضبط سے روتی ہوئی سیثلی کو

دیکھا. وہ غصے اور دکھ کے باعث رو رہی تھی۔

"میرا کلچر یہ کہتا ہے کہ اگر عورت تمھیں گالی

بھی دے تب بھی اس پر ہاتھ مت اٹھاؤ۔۔!"

فضا میں بلند ہاتھ کی مٹھی بھینچتا وہ ایک ایک لفظ پر

زور دیتے ہوئے بولا تو سیشلی کی آنکھوں میں

چمکتی نمی بڑھ گئی۔

"میں تمھارے کلچر کو نہیں جانتی، میں صرف

تمھیں جانتی ہوں۔۔اور میں تم سے محبت کرتی

ہوں۔۔"اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ

روتے روتے شستہ انگریزی میں بولی۔

"اسی لیے تم مجھے زنا پر مجبور کر رہی تھیں؟؟" وہ

اس پر ہنسا۔۔۔

"آئی سیڈ اٹس مائے کلچر۔۔۔!" وہ اپنا ضبط کھوتی

چیخی۔

"لسن۔۔میں نے کہا تم اپنا کلچر اپنی پاکٹ میں

رکھو۔۔میں میرے کلچر کے مطابق چلوں گا۔۔

میرا کلچر میرے مذہب سے جڑا ہے۔۔اور میرا

مذہب زنا کا نہیں نکاح کا حکم دیتا ہے۔۔وہ نکاح

جس کے معنی تو کیا، ہجوں سے بھی تم لوگ

ناواقف ہو۔۔!" سیشلی کا رویا رویا چہرہ بے تاثر

نگاہوں سے دیکھتا وہ اس بار کچھ مدھم لہجے میں

بولا تھا۔

"میں واقف ہو جاؤں گی۔۔!" وہ بھرائی ہوئی

آواز میں بولی۔ اس کے جواب پر وہ ہولے سے

مسکرایا تھا۔

"تمھیں اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں تم

سے نکاح نہیں کرنا چاہتا۔۔ اور ہاں آج اس

سرزمین پر میرا آخری دن ہے، میں واپس جا رہا

ہوں، انجوائے یور لائف سیٹشلی۔۔!"جینز کی

جیبوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے اس نے سنجید گی

سے کہا تو وہ صدمے سے چور ہوتی اسے دیکھتی رہ

گئی۔۔

"تمھارے بغیر میں کبھی اس زندگی کو انجوائے

نہیں کر پاؤں گی مون۔۔!" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہاں لیکن میرے بغیر تم میرے کلچر سے ضرور

واقف ہو سکتی ہو۔ اگر چاہو تو کوشش کر

لینا۔۔!" مدھم لہجے میں کہہ کر اس نے اپنے

قدم موڑ لیے۔وہ بری طرح رو دی۔

"مون آئی لو یُو۔۔!" وہ چیخی تھی۔منصب نے

خود کو کچھ سخت کہنے سے باز رکھنے کو اپنے لب

بھینچ لیے۔وہ بنا پلٹے چلتا رہا۔سیشلی نے پانی بھری

آنکھوں سے خود سے لمحہ بالمحہ دور ہوتے اس

شخص کو دیکھا جس کو دوبارہ دیکھنے کی امید وہ خود

اپنے ہاتھوں سے ختم کر گیا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

تین مرلے کے اس چھوٹے سے گھر میں اس پل

سناٹے بول رہے تھے۔ گھر کے مکینوں پر موت

کی سی خاموشی طاری تھی۔ کمرے کی سیلن زدہ

دیواروں سے گزشتہ رات ہونے والی بارش کے

باعث بُو پھوٹ رہی تھی. وہ اپنے ارد گرد سے

بے گانہ مسہری کی پٹی سے سر ٹکائے زمین پر

بیٹھی ہوئی تھی۔ بھنورا آنکھیں رو رو کر سوجن

زدہ ہو رہی تھیں لیکن آنسو خشک ہونے کو تیار

نہیں تھے۔مائی کرماں اس سے پوچھ پوچھ کر

تھک چکی تھیں لیکن اس کے پاس ولید شاہ کی بے

اعتنائی کی وجہ بتانے کی ہمت مفقود تھی۔۔وہ

لبوں پر قفل ڈالے بس خاموشی سے آنسو بہارہی

تھی۔فدا حسین اور حدیبہ شاہ کو ایک دوسرے

کے سنگ ابدی سفر پر روانہ ہوئے اٹھارہ گھنٹے

بیتنے کو آئے تھے اور ان کی بیٹی کو لیے وہ شخص

جہاں کہیں بھی گیا تھا، اس مقام سے وہ دونوں

ماں بیٹی قطعی ناواقف تھیں۔

"اری کچھ تو کہا ہو گا۔۔؟ کچھ تو بتایا ہو گا کہ بچی کو

کہاں لے جارہا ہے۔۔؟" اسے ہلاتے ہوئے مائی

کرماں نے مدھم آواز میں پوچھا تو زہرہ نے نفی

میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں بتایا۔۔!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولی۔۔

"یہ تو بتایا ہو گا کہ تجھے لینے واپس آئے

گا۔۔؟"مائی کرماں نے آس بھرے لہجے میں

پوچھا۔۔

"نہیں آئے گا اماں۔۔وہ مجھے لینے نہیں آئے

گا۔۔!" وہ روتے ہوئے بڑبڑائی۔وہ اس خود

ساختہ جنگ سے ہارنے لگی تھی۔

" منحوس۔۔کیا بکواس کر رہی ہے۔۔کیوں نہیں

آئے گا۔۔بیوی ہے تُو اس کی۔۔شوہر ہے وہ

تیرا۔۔!" دہائی دینے والے انداز میں کہتے

ہوئے مائی کرماں نے اس کی کمر پر دھموکا جڑا۔۔

"وہ کہتا ہے وہ مجھے نہیں جانتا۔۔وہ مجھے نہیں

پہچانتا اماں۔۔۔وہ۔۔۔وہ چھوڑ گیا ہے مجھے۔۔

کبھی لینے نہیں آئے گا۔۔!"اذیت سے آنکھیں

میچتے ہوئے وہ دبی دبی سی آواز میں چلائی۔مائی

کرماں نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ایسے کیسے کہہ دیا۔۔وہ۔۔ناراض ہے کیا تجھ

سے۔۔؟ ہیں۔۔؟ادھر دیکھ۔ مجھے۔۔بتا۔۔تُو

نے کوئی بدتمیزی کی ہے۔۔؟؟"اُسے

جھنجھوڑتے ہوئے مائی کرماں مدھم آواز میں

بولی۔زہرہ نے کسی مجرم کی طرح اثبات میں سر

ہلا دیا۔۔

"م۔۔مم۔۔میں نے انھیں ناراض کر دیا ہے۔۔

اور وہ۔۔۔تو۔۔۔اب منانے کا موقع دیے بغیر

ہی۔۔!" وہ ہچکیاں لیتی روتے ہوئے کہہ رہی

تھی جب کمرے کی چھت پر قدموں کی دھمک

سی پیدا ہوئی۔۔ دونوں ماں بیٹی نے خوفزدہ سی ہو

کر باہر کی جانب دیکھا۔

"میں نے تجھے کہا نہیں تھا زہرہ۔۔اُن دونوں کی

میتیں ملتے ہی بابا جی سرکار ہمارے چیتھڑے

اڑانے کو اپنے آدمی بھیج دیں گے۔۔اب۔۔

اب۔۔دیکھ لے۔۔آ گئے ہیں وہ لوگ۔۔۔!"

زہرہ کو اپنی آغوش میں لیتی مائی کرماں لرزتی

ہوئی آواز میں بولی۔

"اچھا ہے آج مر ہی جانے دو اماں۔۔!"خود کو

مضبوط کرتی وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

کوئی پچھلے صحن کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔یک دم

زہرہ کا دل دھڑکا۔ویران آنکھوں میں چمک سی

آئی تھی۔اگلے ہی پل وہ کمرے کے ادھ کھلے

دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ولید شاہ کو

مقابل دیکھ کر مائی کرماں کی آنکھیں خوشی سے

جگ مگ کرنے لگیں۔

"سلام سرکار۔۔اللہ آپ کی عمر دراز کرے میں

ابھی آپ ہی کو یاد کر رہی تھی۔!" چادر کے پلو

سے آنکھوں کے بھیگے کونے صاف کرتی وہ

پرجوش سی آواز میں بولی۔

"زیادہ وقت نہیں ہے مائی۔۔ آپ دونوں کو

یہاں سے نکلنا ہو گا۔۔ جتنی جلدی ہو سکے اپنا

سامان سمیٹ لیں۔۔!" زہرہ کے وجود پر ایک

نگاہِ غلط ڈالے بغیر اس نے مائی کرماں کو مخاطب

کیا تھا۔

"جو حکم سرکار۔۔!"خوشی سے کہتی وہ چند

گٹھریوں پر مبنی سامان سمیٹنے کو ساتھ والے

کمرے میں چلی گئی۔زہرہ یک ٹک بھیگی آنکھوں

سے اسی کا چہرہ دیکھ رہی تھی جو ہاتھ پشت پر

باندھے اس سے بے نیاز بنا کھڑا تھا۔مسہری کو

تھامتی وہ ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی پھر دو تین

قدموں کا فاصلہ طے کرتی اس کے سامنے آگئی۔

اس کے لاغر وجود اور زرد چہرے کی طرف

دیکھتے ہوئے زہرہ کو بے اختیار وہ لمبا چوڑا، خوش

شکل ولید شاہ یاد آیا تھا جسے نظر بھر کر دیکھ لینے

کے بعد کوئی نظر بچانے کے قابل ہی نہ رہا کرتا

تھا۔۔

"اب کیا دیکھیں گے بھی نہیں میری

طرف۔۔؟؟" کانپتے ہاتھوں سے اس کا چہرہ

تھامتی وہ بھیگی آواز میں بولی۔ ولید بت بنا چپ

چاپ کھڑا رہا۔

"میں آپ کی گناہگار ہوں سرکار۔۔مجھے سزا

دے لیں۔۔ لل۔۔۔ لیکن، مجھ سے یوں منہ نہ

موڑیں۔۔مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔۔!" اس کے

کندھوں کو بے تابانہ چھوتی وہ روتے ہوئے بولی۔

ولید کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔

"م۔۔مم۔۔۔میں نے۔۔دن رات۔۔۔پل

پل آپ کے لوٹ آنے کی دعائیں مم۔۔مانگی

ہیں۔۔میرا یقین کریں زہرہ آپ کے بغیر زندہ

نہیں تھی۔۔خدا کی قسم مم۔۔میں۔۔!" اسے

یقین دلانے کی کوشش کرتی وہ روتے روتے اس

کے سینے پر سر ٹکا گئی۔ولید شاہ کی آنکھوں میں

سرخی ابھرنے لگی۔

"مائی۔۔مائی۔۔۔ہوا نہیں ابھی تک۔۔۔؟؟"

ہاتھ ہنوز پشت پر باندھے وہ پوری قوت سے دہاڑا

تھا۔زہرہ ڈر کر ایک دم پیچھے ہوئی۔مائی کرماں

بھاگتے ہوئے وہاں آئی تھی۔۔

"ہو گیا سرکار۔۔بس ہو گیا۔۔!" اس کے غصے

سے خائف ہوتی وہ جلدی سے بولی۔

"میں پچھلی گلی کے آخر پر آپ کا انتظار کر رہا

ہوں۔۔اپنی بیٹی کو لے کر آجایئے۔۔!" سنجیدگی

سے بولتا وہ مائی کرماں سے مخاطب تھا۔زہرہ بے

بس نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس

کی نظروں کی التجائیں نظر انداز کرتا وہ جس

راستے سے آیا تھا اسی سے پلٹ گیا۔

"چل آجا زہرہ یہ دو چار کپڑے میرے ساتھ

رکھوا دے۔۔ پھر نکلتے ہیں۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

بابا سرکار کے آدمی آجائیں۔۔۔وہ ہمیں نہیں

بخشیں گے میں کہہ رہی ہوں تُو لکھ لے میری

بات۔۔وہ یہاں آنے ہی والے ہوں گے۔۔!"

باآواز بلند بڑبڑاتی مائی کرماں پھر سے اپنے کام میں

مصروف ہو گئی۔زہرہ نے تھکے تھکے قدم اٹھاتے

ہوئے اس کی تقلید کی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"ہاں یار۔۔تمھاری طرف ہی آرہی تھی لیکن

اس دن راستے میں گاڑی خراب ہو گئی۔۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

سو۔۔!" ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے

دوسرے میں بکس اور رجسٹر پکڑے، پرسکون

چال چلتی وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی۔

"اٹس فائن۔۔ویسے بھی دادا کی طبعیت خرابی

نے بہت پریشان کر دیا ہے۔۔پلان کینسل ہو گیا

تھا میرا۔۔!" عالم کی سنجیدہ سی آواز فون کے

سپیکر سے ابھری۔

"ہمم۔۔ شہیر سے بات ہوئی تھی میری اس نے

بتایا ہے مجھے کہ ذوالفقار انکل کی طبعیت بگڑ گئی

تھی۔۔ اب ٹھیک ہیں ناں وہ؟؟" اطراف میں

لاپرواہی سے نظر دوڑاتی وہ پوچھ رہی تھی۔ طلباء

معمول کے مطابق اپنے مشاغل میں مصروف

تھے۔یونیورسٹی کا گراؤنڈ سنہری دھوپ سے

چمک رہا تھا۔

"ہممم۔۔الحمد اللہ۔۔اب تو بہت بہتر ہیں۔۔!"

عالم نے مدھم آواز میں جواب دیا تھا۔

"تو پھر تم واپس کب آرہے ہو؟ اور سبحانی کب

سے جوائن کر رہا ہے؟؟"چند قدموں کے فاصلے

پر سیڑھیوں کی جانب بڑھتی وہ مصروف سے

انداز میں بولی۔

"میں آج شام تک پہنچ جاؤں گا۔۔اور سبحانی بھی

میرے ساتھ ہی آئے گا۔۔ایک یا دو دن میں وہ

بھی جوائن کرلے گا۔۔!" عالم کے جواب پر وہ

مطمئن سی ہو گئی۔

"اور تم نے بتایا نہیں کہ تمھارا پلان کیا تھا۔۔؟ جو

کینسل ہو گیا۔۔؟" سیڑھیاں چڑھتی وہ اسے

چھیڑنے والے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"مرحہ کے لیے گفٹ لیا تھا یار۔۔ تمھارے تھرو

اسے دے دیتا لیکن اب۔۔۔!" مسکاتے لہجے

میں بولتا وہ ٹھنڈی آہ بھر تا رک گیا۔۔.

"اب کب۔۔؟؟" اسے کریدتے ہوئے علیشہ

کے لبوں پر ایک دھیمی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"اب ان شاء اللہ شادی کے بعد اسے منہ دکھائی

کے بعد وہ اضافی تحفہ دوں گا۔۔!" عالم نے ہنستے

ہوئے کہا تو علیشہ کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ

گہری ہو گئی۔

"لیٹس سی۔۔۔!" اس نے بھی جواباً ہنستے ہوئے

کہا۔ اب وہ اپنی کلاس کی جانب جاتی راہداری میں

چل رہی تھی۔

"ہمم ہمم۔۔ دیکھ لینا۔۔۔!" عالم کی آواز، سے

اطمینان چھلک رہا تھا۔

"اوکے پھر اللہ حافظ میری کلاس آگئی

ہے۔۔!!" کلاس سے دو قدم دور کہتے ہوئے اس

نے جلدی سے کال کاٹی لیکن برا ہوا اس عجلت کا

جس کے باعث وہ کلاس سے باہر نکلتے وجود سے

ٹکرا گئی۔ موبائل سمیت رجسٹر اور بکس زمین

بوس ہوئے تھے۔

"یُو۔۔۔!" چہرے پر آتے اپنے بال پیچھے کرتی

علیشہ نے مقابل پر چیخنا چاہا تھا لیکن اپنے سامنے

شمس کو دیکھ کر اسے خاموش ہونا پڑا۔

"آپ یقیناً مجھے القابات سے نوازنے والی

تھیں۔۔؟"ڈریس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ

گھساتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہا تو اس کی

جانب دیکھتی علیشہ نے پلکیں جھپکائیں پھر ہولے

سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"آپ کو نہیں کہہ سکتی۔۔" مدھم آواز میں کہتے

ہوئے وہ زمین پر گری اپنی چیزیں اٹھانے کو

جھکی۔

"حالانکہ یہ جرات آپ ہی کر سکتی ہیں۔۔!"

مدھم، سنجیدہ سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ خود بھی

اس کا ساتھ دینا کو جھک گیا۔

"آپ مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔۔؟" اپنے ہاتھ

روک کر علیشہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے

پوچھا۔ بھوری آنکھوں میں اس کے لیے ناراضگی

تھی جس کی وجہ وہ بخوبی جانتا تھا۔وہ نظریں

چراتے ہوئے اس کی کتابیں اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

"نہیں، میں آپ کو بتا رہا ہوں۔۔مجھے کچھ بھی

کہنے کی جرات صرف آپ ہی کر سکتی ہیں مس

علیشہ۔۔!!" اسے کھڑا ہوتے دیکھ وہ آہستگی سے

بولا تو اس کے لبوں پر ایک استہزاء آمیز

مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس نے شمس کے ہاتھوں

سے اپنی کتابیں جھپٹ لیں۔

"لیکن مجھے اب آپ کو کچھ نہیں کہنا۔۔میرے

پاس آپ کے لیے صرف خاموشی ہے۔۔!"وہ

سلگتے ہوئے لہجے میں بولتی اس کی سائیڈ سے

گزرتی کلاس کی دہلیز پار کر گئی جب اس کے اگلے

جملے پر اسے رکنا پڑا تھا۔

"جھوٹ مت بولیے مس علیشہ۔۔ آپ کی

آنکھیں سب کچھ بولتی ہیں۔۔!" ایک بار پھر

اپنے مضبوط ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں گھساتا وہ

سنجیدگی سے بولا تھا۔ آواز قدرے بلند تھی۔

کلاس میں براجمان طلباء میں سے اگلی نشستوں پر

بیٹھے کچھ طلباء نے اس کی آواز بخوبی سنی تھی۔

علیشہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے اطراف میں

دیکھا پھر قدم قدم چلتی واپس اس تک آئی تھی۔

"آپ کو۔۔ان آنکھوں کی زبان نہیں سمجھنی

چاہئیے کیونکہ آپ، مجھ سے محبت نہیں

کرتے۔۔!" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے

وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو شمس کی

آنکھوں کی سرخی کچھ مزید بڑھ گئی۔ علیشہ کے

الفاظ فقط الفاظ نہیں تھے، ایک تازیانہ تھا جو اس

کی روح پر جا کر لگا تھا۔ اپنے لب سختی سے بھینچتے

ہوئے اس نے کافی ضبط سے مقابل کھڑی کانچ کی

اس گڑیا کو دیکھا جسے وہ اپنے دل کی سختی کے

باعث توڑ بیٹھا تھا۔

"ہمم۔۔۔رائٹ۔۔!" سر اثبات میں ہلا کر کہتے

ہوئے وہ پلٹ گیا۔علیشہ نے وہیں کھڑے

کھڑے رفتہ رفتہ دور ہوتے شمس کو دیکھا تھا۔

"اب یہیں کھڑی رہو گی یا اندر بھی آؤ گی۔۔!"

اپنی پشت سے ہادیہ کی آواز سن کر اس نے مڑ کر

اس کی طرف دیکھا۔علیشہ کا چہرہ اس پل دھواں

دھواں ہو رہا تھا۔

"وہ۔۔لیکچر نہیں لیا آج سر نے۔۔؟اتنی جلدی

چلے گئے۔۔؟"خود کو نارمل کرتے ہوئے اس

نے آہستگی سے پوچھا۔

"ان کی طبعیت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔۔اٹینڈینس

لگا کر ہی چلے گئے۔۔!"ہادیہ نے کندھے اچکاتے

ہوئے لاپرواہی سے کہا تو علیشہ نے ایک بار پھر

پلٹ کر دیکھا۔

"جاؤ جا کر پوچھ لو۔۔شاید مریض کا حال کچھ بہتر

ہو جائے۔۔!" دوسری قطار میں بیٹھے یاسر نامی

لڑکے نے کافی بے باکی سے کہا تھا۔اس کے

مشورے پر علیشہ نے پل بھر کو اسے دیکھا پھر

اپنے ازلی انداز میں مسکراتے ہوئے کندھے

اچکائے۔

"گڈ آئیڈیا۔۔!" بھرپور انداز میں کہتے ہوئے وہ

اپنی کتابیں اور رجسٹر ہادیہ کو تھماتی کلاس سے

باہر نکل گئی۔اس کی ڈھٹائی کے اس قابل دید

مظاہرے پر اس لڑکے کے لبوں کی مسکراہٹ

سمٹی تھی۔ اس نے زیر لب علیشہ کو گالی دی تھی

نتیجتاً اس کے ساتھ بیٹھے شیث نے پل بھر کی

تاخیر کیے بنا کھڑے ہو کر اس کے منہ پر مکا مارا

تھا۔ اگلے ہی پل وہ دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے

لیکن شیث اس لڑکے پر بھاری پڑ رہا تھا۔ وجہ یہ

نہیں تھی کہ وہ جسامت میں اس لڑکے سے اچھا

تھا، وجہ اس کی سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لیتا

جنون تھا۔ ہادیہ سمیت کلاس کے باقی طلباء کچھ

حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔۔

□♦□♦□♦□♦

سرعت سے سیڑھیاں اترتی وہ نیچے آئی تھی۔

اطراف میں نظر دوڑائی لیکن وہ اسے کہیں نظر

نہیں آیا تھا۔کچھ سوچ کر وہ سیدھا سٹاف روم میں

آئی تھی۔ حسب توقع وہ سامنے ہی صوفے پر

براجمان تھا۔ میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے

ایک پر دینیات کا استاد براجمان ٹیسٹ چیک

کرنے میں مصروف نظر آرہا تھا۔ سٹاف روم کے

دروازے میں کھڑی علیشہ نے گلا کھنکھارتے

ہوئے دینیات کے استاد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

موٹا سا چشمہ پیچھے کرتے ہوئے اس نے علیشہ کی

جانب دیکھا۔

"گڈ مارننگ سر۔۔!" ہولے سے مسکراتے

ہوئے اس نے کہا۔ بدلے میں مقابل نے اثبات

میں سر ہلایا تھا۔ صوفے کی پشت سے ٹیک

لگائے، آنکھیں موند کر بیٹھے شمس نے اس کی

آواز پر آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔

"سر جی۔۔؟ کلاس آپ کا ویٹ کر رہی ہے۔۔

کیا آپ آج لیکچر نہیں لیں گے۔۔؟" دھیرے

دھیرے چلتی وہ اندر آتے ہوئے شمس کو مخاطب

کرتی بولی تھی۔ دینیات کا استاد اپنے کام میں

مصروف ہو چکا تھا۔ جبکہ اس کے سوال پر شمس

نے کچھ سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ کلاس کو اپنی طبعیت خرابی کی بابت آگاہ کر چکا

تھا لیکن اس لڑکی کی وہاں موجودگی اسے باور کروا

گئی تھی وہ وہاں خود آئی تھی۔

"میرے سر میں درد ہے۔۔ آج میں لیکچر نہیں

لوں گا۔۔!" اس پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے وہ

مدھم لہجے میں بولا۔ ایک دوسرے استاد کی

موجودگی کے باعث اس نے علیشہ کی عزت

افزائی کرنے سے احتراز برتا تھا۔

"اوہ سیڈ۔۔تو۔۔ آپ چائے پی لیں یا میں کافی

بنادوں۔۔؟" اس نے فوراً خدمت کی پیش کش

کی تھی۔ شمس نے کچھ گڑبڑا کر سر امجد کی طرف

دیکھا جو اپنے سامنے بکھرے کاغذات سمیٹتے

ہوئے وہاں سے نکلنے کی تیاریوں میں تھے۔

"نو تھینکس مس علیشہ۔۔ می پیون سے کہہ کر

بنوالوں گا۔۔!" شمس نے بامشکل مسکراتے

ہوئے اسے انکار کیا لیکن وہ وہاں سے ہلنے کے

موڈ میں نظر نہیں آرہی تھی۔

"پیون پتہ نہیں کب آئے گا۔ میں بنا دیتی ہوں

۔۔۔!" اس کے انکار کا اثر لیے بغیر وہ سٹاف روم

کے کونے میں رکھے ایک چھوٹے اور قدرے

اونچے میز کی طرف بڑھی جس پر چائے کی کیتلی

کے علاوہ کافی کا سامان بھی موجود تھا۔

"مس علیشہ آپ تکلف مت کریں پلیز۔۔!" سر

امجد کی موجودگی کا خیال کرتا وہ کافی مشکلوں سے

لہجے کو نرم رکھ پایا تھا۔

"بنا لینے دیں سر جی۔۔ تابعدار سٹوڈنٹس نصیب

والوں کو ملتے ہیں۔۔!" دروازے کی طرف

بڑھتے ہوئے سر امجد نے ہنستے ہوئے کہا۔ ان کے

انداز میں لاپرواہی تھی۔ اپنے لیے لفظ تابعدار

سن کر جہاں وہ سر جھکا کرنا چاہتے ہوئے بھی

مسکرائی تھی وہیں شمس کے لیے اس لفظ کو ہضم

کرنا مشکل ہو گیا۔ سر امجد کے جاتے ہی وہ

صوفے سے اٹھا تھا۔

"یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے آپ کیوں کر

رہی ہیں۔۔؟؟" اس کی جانب آتا وہ درشت

لہجے میں بولا تو علیشہ نے پلٹ کر اس کی جانب

دیکھا۔

"میں کر رہی ہوں کیونکہ میرا دل کر رہا

ہے۔۔!" اس کی طرف دیکھتے ہوئے علیشہ نے

اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ نے مجھ سے نفرت کا دعویٰ کیا تھا

علیشہ۔۔!" شمس نے اسے کچھ یاد دلانا چاہا۔

"ہاں لیکن تب میں غصے میں تھی۔۔!" اس نے

کافی لاپرواہی سے جواب دیا۔

"لائیک سیریسلی۔۔؟ یہ کوئی ڈرامہ چل رہا ہے

جس میں جب آپ کا دل چاہے گا آپ محبت

محبت کا نعرہ لگائیں گی اور جب دل چاہے گا نفرت

نفرت کہہ کر منہ موڑ جائیں گی۔۔؟" اسے بازو

سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑ تا وہ مدھم

لہجے میں غرایا تھا۔ آنکھوں کی سرخی اندرونی

انتشار کا پتہ دے رہی تھی۔

"آپ کیوں سلگ رہے ہیں۔۔؟ میرے کچھ بھی

کہنے یا کرنے سے آپ کا کیا جاتا ہے؟ آپ بس یہ

یاد رکھیے کہ آپ مجھ سے محبت نہیں

کرتے۔۔!" اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑواتی

وہ تلخی سے گویا ہوئی. سر امجد کے سامنے کیا

جانے والا خوش اخلاقی کا مظاہرہ وہ اب بالکل

نہیں کر رہی تھی۔اس کی بات سنتا وہ لب بھینچے

اسے ہی دیکھ رہا تھا جو اپنا بازو چھڑوا کر ایک بار پھر

سے کافی بنانے میں مشغول ہو گئی تھی۔

"مجھے یاد ہے، لیکن آپ شاید بھول گئی ہیں کہ

پچھلی مرتبہ ہمارے مابین کیا بات ہوئی تھی۔۔!"

مگ میں کافی چھینٹتے اس کے دودھیا ہاتھوں کو

نظروں کی گرفت میں لیتاوہ مدھم سلگتی ہوئی

آواز میں بولا تو علیشہ کو اس کی تنبیہہ یاد آگئی۔

"میری محبت برداشت کرنا اتنا آسان نہیں ہے

مس علیشہ۔۔خود کو مضبوط بنائیں ورنہ بکھر

جائیں گی۔۔!" اس نے بے اختیار گہرا سانس لیا

تھا۔

"آپ اعتراف کر لیں۔۔میں بکھرنے کے لیے

تیار ہوں۔۔!" کافی کا مگ اس کے سامنے کرتی وہ

ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ شمس کو اس

کی بھوری آنکھوں میں بے خوفی نظر آئی تھی۔

اس نے آہستگی سے اس کے ہاتھوں سے مگ لے

لیا۔

"اب آپ کو جانا چاہیئے۔۔!" سنجیدگی سے کہتے

ہوئے وہ اپنے چہرے کا رخ موڑ گیا۔۔ تبھی

سٹاف روم کا دروازہ کھولتی ایک استانی وہاں آئی

تھی۔اس نے کچھ چبھتی نگاہوں سے ایک

دوسرے کے مقابل کھڑے علیشہ اور شمس کو

دیکھا تھا۔

"گڈ مارننگ۔۔۔!" مسکراتے ہوئے اس نے

شمس کو مخاطب کیا تو وہ سر اثبات میں ہلاتا کافی

کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"آپ شاید کافی پی رہے ہیں؟ میں بھی کافی پینے

ہی آئی تھی۔۔ سر میں شدید درد ہے۔۔!" بے

تکلفانہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے اپنا ہینڈ بیگ

میز پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ شمس اسے جواب

دیتا علیشہ بول پڑی۔

"ٹھیک بنی ہے؟ ایکچوئلی یہ میں نے لائف میں

فرسٹ ٹائم بنائی ہے۔۔!" اس نے کافی اعتماد سے

شمس سے پوچھا تھا۔ مقصد اس کا دھیان اپنی

جانب کرنا تھا۔ شمس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہوں۔۔۔ اچھی بنی ہے۔۔!"مگ میز پر رکھ

کر قریب ہی بک ریک میں رکھی کتابوں سے

چھیڑ چھاڑ کرتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کافی آپ نے بنائی ہے بچے۔۔؟" اس استانی نے

قدرے خوشگوار لہجے میں علیشہ کو مخاطب کیا

تھا۔۔

"جی لیکن اب میں آپ کے لیے نہیں بنا سکتی۔۔

میرا لیکچر ہے۔۔!" علیشہ نے کوئی لحاظ کیے بنا بڑی

صاف گوئی سے کہا تھا۔ وہ اس کی بدلحاظی پر بیٹھتے

بیٹھتے رک گئی۔

"اٹس اوکے۔۔ میں پیون سے کہہ دیتی

ہوں۔۔!" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ سٹاف روم

سے باہر نکل گئی. علیشہ نے چور نظروں سے شمس

کی جانب دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر کافی کا مگ پکڑا اور

لبوں سے لگا لیا۔ پہلا گھونٹ بھرتے ہی اسے

ابکائی آئی تھی۔۔

"یخ۔۔ کتنی گندی بنی ہے۔۔!" مگ میز پر پٹختی

وہ چلائی۔ اس کی حرکت پر وہ پلٹا۔

"آپ میں مینرز نام کی چیز کب پیدا ہو گی مس

علیشہ۔۔انتہائی بری حرکت تھی یہ۔۔!"مگ

واپس پکڑتے ہوئے وہ اس پر برہم ہوا تھا۔علیشہ

نے برا سامنہ بناتے ہوئے نظریں جھکالیں۔

"آپ ہی کہہ رہے تھے کہ اچھی بنی ہے، تو میں

نے سوچا ٹیسٹ کرلوں۔۔!" شرمندہ سی ہوتی وہ

مدھم لہجے میں بولی۔

"لائیں یہ مت پیئیں۔۔پیون آپ کو دوسری بنا

دے گا۔۔!" اس کے ہاتھ سے مگ لینے کی

کوشش کرتی وہ بولی تو شمس نے فوراً مگ پیچھے

کیا۔۔

"آپ نے جتنی مہربانی کر دی ہے وہ کافی ہے

میرے لیے۔۔اب آپ جا سکتی ہیں پلیز۔۔!"

اس سے دور ہوتا وہ بے تاثر لہجے میں بولا تھا۔

"دیکھیے میں منع کر رہی ہوں ناں۔۔ آپ یہ

مت پیئیں۔۔!" ضد کرتے ہوئے اس نے پھر

سے اپنی کوشش دہرائی۔ تبھی وہ استانی اپنے

ساتھ پیون کو لیے اندر آئی تھی۔۔ اس کی آمد پر

علیشہ کا دل کیا اس کا منہ نوچ لے۔

"ارے۔۔ آپ کا تو لیکچر تھاناں۔۔؟ آپ گئ

نہیں ابھی تک۔۔؟"علیشہ کو وہیں دیکھ کر وہ بولی

تھی۔

"مِس کر دیا ہے میں نے لیکچر۔۔۔اپنی

ایشو۔۔؟؟"علیشہ نے کافی ناگواری سے پوچھا

تھا۔اسکے لب و لہجے پر استانی کی پیشانی پر بل پڑ

گئے۔

"بچے آپ کو کسی نے بات کرنے کی تمیز نہیں

سکھائی۔۔؟"سخت نظروں سے علیشہ کی طرف

دیکھتی وہ بولی تھی۔

"بات آپ کیے جارہی ہیں میں نہیں۔۔ سو تمیز کا

فتویٰ مجھ پر مت لگائیں میڈم۔۔۔!"علیشہ نے

کافی تلخی سے اسے منہ توڑ جواب دیا تھا۔وہ کافی

ضبط سے اس کی زبان درازی کا یہ منظر دیکھ رہا

تھا۔

"مائے گاڈ۔۔جسٹ سینس لیس یُو آر۔۔۔!"

کرسی سنبھالتی وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی

تھی۔علیشہ سر جھٹکتی وہاں سے نکل گئی۔شمس

دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔کافی کا مگ اس کے ہاتھ

میں ہی تھا۔وہ اطمینان سے کافی کے گھونٹ

بھرنے لگا جس میں کافی کا ذائقہ کم اور

جوشاندے کا زیادہ آرہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"اجازت دیجئے دادا۔۔واپس جارہا ہوں

میں۔۔!" ان کے سامنے سر جھکاتا وہ مدھم لہجے

میں بولا تھا۔اس کے پیچھے ہی سبحانی سر جھکائے

شرافت سے کھڑا ہوا تھا۔۔

"اللہ سفر آسان کرے۔۔خیریت سے جاؤ"اُس

کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُنھوں نے نرم

لہجے میں جواب دیا۔ سبحانی بھی ان سے پیار لینے

کواُن کے سامنے جھکا۔

"دعا کیجیے گا کوئی خوبصورت سی لڑکی مجھے دیکھتے

ہی مجھ پر عاشق ہو جائے" غیر سنجیدگی سے بولتا

وہ انھیں مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی بجائے

اس کا کان پکڑ لیا۔

"دعا تو میں کر دوں گا لیکن تمھاری شادی تو

تمھارے ماں باپ نے کرنی ہے پھر تم کیا کرو

گے۔۔؟" انھوں نے کافی سنجیدگی سے اسے

چھیڑا۔ بلاشبہ یہ جرأت سجانی میں ہی تھی کہ وہ

ان سے بے باکی سے مذاق کر لیا کرتا تھا۔

"جب تک یہ بوڑھا شیر زندہ ہے ایسے فیصلے

میرے ماں باپ نہیں کر سکتے سو مجھے کوئی ٹینشن

نہیں ہے۔۔!" ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے

ہوئے وہ فخریہ انداز میں بولا تو بے اختیار وہ

مسکرائے۔

"بات تو بالکل ٹھیک کی ہے اس گدھے نے۔۔!"

سبحانی کا کندھا زور سے تھپکتے ہوئے عالم نے کہا

تھا۔

"میں نے تو بات ٹھیک کی ہے لیکن جناب آپ

نے یہ حرکت کچھ ٹھیک نہیں کی۔۔!" اپنا کندھا

سہلاتے ہوئے وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو عالم اور

سید ذوالفقار عالم شاہ کھل کر مسکرائے۔۔

"چلو بس بہت ہو گیا مسخرہ پن۔۔اب نکلو تم

دونوں نے سفر بھی کرنا ہے۔۔!" اپنی مسکراہٹ

روکتے ہوئے سید ذوالفقار عالم شاہ نے قدرے

سنجیدگی سے کہا تو وہ کندھے اچکاتا دروازے کی

طرف بڑھا۔

"جارہاہوں لیکن اگر مجھے بروقت کوئی لڑکی نہ ملی

تو سمجھ جاؤں گا کہ میرے دادا نے میرے لیے

دعا نہیں کی۔۔!" وہ جاتے جاتے پھر سے انھیں

چھیڑ رہا تھا۔

"میری دعائیں ہر وقت میری اولاد کے ساتھ

ہیں لیکن ناجائز دعاؤں کی امید مجھ سے مت رکھنا

بیٹا۔۔!" انھوں نے اس کے کان صاف کیے تو وہ

منہ بناتا رک گیا۔

"اور ہاں ۔۔ اگر مجھے تمھاری ایسی ویسی کوئی

شکایت ملی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا.."

انھوں نے اسے مزید تپایا تھا۔ سبحانی نے عاجزانہ

نظروں سے انھیں دیکھا پھر کانوں کو ہاتھ لگاتا

ان کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"مرحہ کے ڈاکیومنٹس لے لیے ہیں تم

نے۔۔؟" انھوں نے کمرے سے نکلتے عالم کو

مخاطب کیا۔۔

"جی میں نے اسے صبح کہا تھا۔۔ کہہ رہی تھی کہ

میری واپسی سے پہلے مجھے دے دے گی۔۔ ابھی

دیے تو نہیں ہیں، اب جاتے ہوئے لے لوں

گا۔۔!" عالم نے سنجیدگی سے انھیں جواب دیا تو

انھوں نے مطمئن ہو کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

عالم وہاں سے نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس کا سامنا

ناجیہ بیگم سے ہوا تھا۔ عالم نے آگے بڑھ کر

انھیں اپنے حصار میں لے لیا۔۔

"جا رہا ہوں اماں۔۔ آپ مرحہ کا خیال رکھیے

گا۔۔!" انھیں خود سے لگائے وہ مدھم لہجے میں

بولا تھا۔

"اسے اب کوئی کچھ نہیں کہے گا۔۔ تم بے فکر

رہو۔۔!"ناجیہ بیگم نے اسے یقین دلایا۔

"آپ نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے آپ اسے

نبھائیں گی ناں اماں۔۔؟" انھیں خود سے الگ

کرتے ہوئے عالم نے نرمی سے پوچھا۔اس کے

سوال پر وہ پل بھر کو کچھ بول نہ سکیں۔ ایک

طرف ولید عالم شاہ تھا جس سے کیے وعدے کی

پاسداری کرتے کرتے انھیں ایک سال ہونے

کو آیا تھا۔ ہاں انھوں نے ولید شاہ کے زندہ ہونے

کی بابت حویلی کے کسی مکین کو نہیں بتایا تھا کیونکہ

وقار عالم شاہ نے اگر انھیں ولید شاہ سے ملوایا تھا

تو یقیناً وہ ان کا اعتماد نہیں توڑ سکتی تھیں۔ اب

دوسری جانب مہربان عالم شاہ تھا جو اپنے دادا کی

خاطر ان سے خاموش رہنے کا وعدہ لے چکا تھا. یہ

کیسی آزمائش تھی کہ نہ وہ مرحہ کو اس کی شناخت

کی بابت بتا سکتی تھیں اور نہ ہی ولید شاہ پر اس کی

اولاد کے زندہ ہونے کا انکشاف کر سکتی تھیں۔

حتیٰ کہ اس راز میں تو انھوں نے وقار عالم شاہ کو

بھی شریک نہیں کیا تھا کہ مرحہ ولید عالم شاہ اور

زہرہ کی بیٹی ہے۔

"اماں بولیے ناں۔۔؟" عالم نے انھیں ہلایا تو وہ

ہوش میں آئیں۔

"وعدہ تو نبھالوں گی لیکن اس کا انجام بہت

بھیانک ہو گا عالم۔۔۔ تمھارے بابا مجھے کبھی

معاف نہیں کریں گے۔۔!" وہ صرف دل میں

سوچ سکی تھیں۔ کہہ کر وہ اسے پریشان نہیں کرنا

چاہتی تھیں سو آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔۔

"تھینکس اماں۔۔!" ان کا ہاتھ چوم کر پیشانی

سے لگاتا وہ آہستگی سے بولا تو ناجیہ بیگم نے

مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"سلامت رہو۔۔!"

وہ اسے دعا دیتی مسکرانے پر مجبور کر گئی تھیں۔

تبھی لیونگ روم سے یہ منظر دیکھتی صندل بیگم

نے اسے پکارا تھا۔

"عالم یہاں آؤ۔۔!" ان کی آواز سن کر وہ ان

سے اجازت لیتا صندل بیگم کے پاس آگیا۔۔

سبحانی ان کے پاس ہی کھڑا تھا۔

"بھائی میں باہر آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔۔ جلدی

آیئے گا۔۔!!" کہتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گیا

جبکہ عالم کے قریب آتے ہی صندل بیگم کے

جڑے لب کھلے تھے

"تمھاری حقیقی ماں میں ہوں۔۔ کبھی مجھے بھی

اتنی اہمیت دے دیا کرو کہ مجھے یہ احساس ہو

کہ تمھاری سگی ماں ناجیہ نہیں، میں ہوں۔۔!"

اس کی جانب دیکھتی وہ شکوہ کناں لہجے میں بولیں

تو عالم نے فوراً انھیں خود سے لگا لیا۔۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں مما۔۔ بھلا آپ کو کسی

اہمیت کی ضرورت تھوڑی ہے۔۔ آپ تو ماں ہیں

میری۔۔!" انھیں خود سے لگائے وہ نرمی سے

بولا تھا۔۔۔

"اماں کے ساتھ اس لیے زیادہ محبت سے پیش

آتا ہوں کہ انہی کے ہاتھوں میں میری پرورش

ہوئی ہے۔۔بات یہ نہیں ہے کہ انھوں نے

صرف ہمیں پالا ہے، بات یہ ہے کہ انھوں نے

ہم تینوں بھائیوں کو اپنی سگی اولاد کی طرح محبت

بھی دی ہے۔۔۔اب محبت کے بدلے اگر انھیں

کم اہمیت دوں تو انھیں زیادہ تکلیف ہو گی کیونکہ

ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے۔۔!" عالم نے کافی

تحمل سے انھیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔۔

"ہاں مجھے تو جیسے یہ سب پتہ نہیں ہے ناں۔۔ اور

کوئی شوق سے حوالے نہیں کیا تھا میں نے تم

تینوں کو۔۔۔ کام کی ذمہ داری بہت ہوا کرتی تھی

مجھ پر۔۔ اور یہ جو تمھاری اماں بیگم ہیں ناں۔۔

یہ خود ہی تم تینوں کو لیے ماری ماری پھرتی تھی۔۔

میں نے تو زبردستی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی تھی

تمھاری اماں پر۔۔!!" وہ جلے دل کے پھپھولے

پھوڑتی تلخی سے گویا ہوئیں۔

"اچھا اب جانے دیں ناں۔۔ہیں تو ہم آپ ہی

کی اولاد۔۔کیوں فکر کرتی ہیں۔۔؟" ان کے

ہاتھ تھامتے ہوئے وہ لاڈ بھرے لہجے میں بولا تو

انھوں نے سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف

دیکھا۔ تبھی ان کی نظر وہاں سے گزرتی مرحہ پر

پڑی تھی۔عالم نے بے اختیار اس کی جانب دیکھا

تھا۔اس کی نگاہوں کی وارفتگی صندل بیگم کی

زیرک نگاہوں سے مخفی نہیں رہی تھی۔

"ہمم۔۔وہ اولاد جو میرے ہاتھوں سے نکلتی جا

رہی ہے۔۔۔!" مرحہ کی پشت کو گھورتے ہوئے

وہ زہر خند لہجے میں بولیں تو وہ گہرا سانس بھر کر

رہ گیا۔۔

"میں اس دن کے لیے پہلے بھی آپ سے معافی

مانگ چکا ہوں مما۔۔ آج پھر آپ سے معافی مانگتا

ہوں۔۔ اس دن کے لیے میں سچ میں شرمندہ

ہوں لیکن آپ پلیز ملازمین پر ہاتھ مت اٹھایا

کریں۔۔ اللہ ناراض ہوتا ہے۔۔!" ان کے ہاتھ

تھامتے ہوئے عالم نے مدھم لہجے میں کہا تو وہ سر

اثبات میں ہلا گئیں۔ وہ مطمئن سا ہوتا مسکرا دیا۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔ میں چلتا ہوں۔۔۔!" ایک

بار پھر انھیں خود سے لگاتا وہ مسکراتے ہوئے بولا

تو انھوں نے اس کی پشت سہلائی۔۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔۔۔!" انھوں نے

مسکراتے ہوئے اسے دعا دی تھی۔ وہ ہنستے ہوئے

سر اثبات میں ہلا تا وہاں سے نکل گیا۔۔ جانے

سے پہلے وہ مرحہ سے ڈاکیو منٹس لے جانا نہیں

بھولا تھا۔۔

♦□♦□♦□♦□

موسم گرما کا آغاز ہو چکا تھا۔۔ سورج کی کرنیں

شہر کراچی کو روشن کرتی اس شہر کے باشندوں کو

گرمی کا احساس دلا رہی تھیں۔ روشن آسمان،

بادلوں کی پہرہ داری سے خالی تھا۔ چرند پرند دن

چڑھتے ہی خوارک کی تلاش میں نکل پڑے

تھے۔۔ کچھ اس کے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھے

دانہ چگ رہے تھے جو اب وہ اکثر کھڑکی کا پٹ

کھول کر دیوار کی سطح پر پھیلا دیا کرتی تھی۔

مسہری پر بے دم سی لیٹی وہ آنکھیں موندے

چڑیوں کی ناقابل فہم گفتگو سن رہی تھی۔گیلے

بال اطراف میں بکھرے اس کے سوگوار روپ

کو خوبصورتی بخش رہے تھے۔۔یونہی لیٹے لیٹے

جانے کتنا وقت بیت گیا جب اسے خود پر کسی کی

پر تپش نظروں کا احساس ہوا۔ مہرماہ نے

آنکھیں کھولتے ہوئے اطراف میں دیکھا تھا۔ وہ

سامنے ہی کمرے کے بند دروازے سے ٹیک

لگائے اسے دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر وہی کمینی سی

مسکراہٹ اور آنکھوں میں جنون لیے وہ وہاں

ایستادہ تھا۔ مہرماہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔

"تمھیں کیا لگا تھا؟ تم مجھ سے جھوٹ بولو گی اور

میں تمھاری جان چھوڑ دوں گا۔۔؟؟" جینز کی

جیبوں میں ہاتھ پھنساتا وہ اس کی طرف بڑھتے

ہوئے بولا۔ مہرماہ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن

ناکام۔۔۔

ہاتھ پاؤں مفلوج ہو رہے تھے۔ اسے اپنے

قریب آتے دیکھ کر اس کا دل کانپنے لگا۔

"میرے پاس مت آؤ ورنہ میں چیخوں گی۔۔!"

اس نے اٹھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اسے

دھمکی دی. اپنی آواز کی کپکپاہٹ وہ خود بھی

محسوس کر سکتی تھی۔اس کی بات پر وہ یوں ہنسا

جیسے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔

"چلو یہ کوشش کر کے بھی دیکھ لو۔۔۔!" اس

کے بالکل قریب مسہری پر آ کر بیٹھتا وہ مدھم

لہجے میں بولا۔ مہر ماہ کی آنکھیں بھر آنے لگیں۔

دائیں بائیں گرے ہاتھ اس پل برف ہو رہے

تھے۔وہ چاہنے کے باوجود بھی انھیں حرکت

نہیں دے پارہی تھی۔

"تت۔۔۔تم۔۔۔تم جہنم کی

آگ۔۔۔مم۔۔۔میں جلو

گے۔۔ممم۔۔میرے پاس مت آؤ۔۔۔

دد۔۔۔ دور ہو جاؤ۔۔۔!" اسے اپنی طرف ہاتھ

بڑھاتے دیکھ وہ روتے روتے چیخی۔

"تمھاری قربت کے عوض اگر جہنم میں بھی جلنا

پڑے تو منصب عالم شاہ کو منظور ہے۔۔!" اس کا

رخسار سہلاتا وہ بھاری ہوتی آواز میں بولا تو مہر ماہ

کے وجود میں دوڑتا خون سرد ہونے لگا۔

"نن۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔ن۔۔۔نہیں۔۔

اب۔۔ی۔۔۔ابی جی۔۔۔۔اماں۔۔۔

بچائیں۔۔۔ مممممجھے بچائیں۔۔۔!" اسے خود پر

جھکتا دیکھ وہ حلق کے بل چلائی۔اس کے قریب

تر وہ شخص اس کی بے بسی پر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"نہیں اللہ۔۔۔مجھے بچا لے۔۔۔ابی

جی۔۔۔اماں۔۔اماں۔۔۔!" دائیں بائیں اپنا

سر پٹختی وہ چیخنے لگی۔معاً اس کی سماعتوں میں

دروازہ کھلنے کی آواز پڑی تھی۔مہرماہ نے آنکھیں

کھول کر سامنے دیکھا۔ولید شاہ اور زہرہ آگے

پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

اسے بے اختیار سکون کی سانس آئی تھی۔وہ

سرعت سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"اماں وہ من۔۔۔ منصب۔۔ یہاں۔۔

یہاں۔۔!" اپنے دائیں جانب اشارہ کرتی وہ

تیزی سے بولتے رکی تھی۔ وہاں کوئی نہیں

تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف کی زیادتی

سے پھیل گئیں۔نور بیگم نے آگے بڑھ کر اس

کی پشت سہلائی تھی۔

"خواب دیکھا ہے تم نے۔۔؟؟" اسے سنبھالنے

کی کوشش کرتی وہ نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔

مہرماہ نے بے اختیار کمرے کی کھڑکی کی طرف

دیکھا۔پٹ یونہی کھلے پڑے تھے لیکن وہاں کوئی

چڑیا نہیں تھی۔اس کا وجود اس پل پسینے سے

شرابور ہورہا تھا۔

"یہاں سے۔۔یہاں سے بھاگ گیا ہوگا وہ

اماں۔۔ابھی۔۔ابھی یہیں تھا۔۔ابی جی وہ واپس

آگیا ہے۔۔مجھے نہیں چھوڑے گا

اب۔۔۔!" باری باری ان دونوں کی طرف

دیکھتی وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔آنکھوں

میں موٹے موٹے آنسو چمک رہے تھے۔ولید

شاہ نے کافی ضبط سے اس کی یہ حالت دیکھی تھی

پھر پشت پر ہاتھ باندھتے وہ اس کے کمرے سے

نکل گئے۔

"وہ یہاں نہیں تھا مہر۔۔ تم نے خواب دیکھا ہے

میری جان۔۔" اس کے ہاتھ سہلاتے ہوئے نور

بیگم نے نرمی سے کہا۔ اس نے فوراً نفی میں سر

ہلایا۔

" جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔۔ بچا رہی ہیں آپ

اسے۔۔ میں کہہ رہی ہوں وہ یہیں تھا۔۔!" ان

کے ہاتھ جھٹکتی وہ تلخی سے چلائی۔اس کی سیاہ

آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

اس کی بکھری حالت دیکھتی نور بیگم کی آنکھیں

بھیگنے لگیں۔

"تم کب اس خوف سے باہر نکلو گی مہر۔۔کب

خود کو ان خوابوں سے رہائی دو گی۔۔؟منصب

یہاں نہیں ہے۔۔وہ اس وقت لندن میں

ہے۔۔یقین کرو میرا۔۔!"اس کے بھیگے گال

صاف کرتے ہوئے انھوں نے بھرائی ہوئی آواز

میں کہا تو وہ گم صم سی ہو گئی۔ پلکیں جھپکا جھپکا کر

نور بیگم کا چہرہ دیکھا تھا۔ جیسے خود کو یقین دلانے

کی کوشش کی تھی۔

"وہ بہت برا ہے اماں۔۔ مجھے اس سے نفرت

ہے۔۔ نفرت ہے۔۔!" ان کے کندھے پر سر

ٹکاتی وہ سرگوشیانہ بولی تو آنسو نور بیگم کا چہرہ

بھگونے لگے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔سب ٹھیک ہو جائے

گا مہر۔۔۔اللہ پر یقین رکھو۔۔" اس کی پشت

سہلاتے ہوئے وہ بھیگی ہوئی آواز میں بڑبڑائی

تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

پشت پر ہاتھ باندھے وہ بے چینی سے کمرے میں

ٹہل رہے تھے۔ آنکھوں میں ابھرتے سرخ

ڈورے ان کی اندرونی اذیت کا پتہ دے رہے

تھے۔۔مہر ماہ سے اس کی دوست فاطمہ ملنے آگئی

تھی سو اسے اس کے پاس چھوڑ کر زہرہ نور خود

اُن کے پاس چلی آئی تھیں۔

"حالت دیکھی ہے آپ نے اپنی بیٹی کی

صاحب۔۔۔؟؟" نظریں جھکائے وہ مدھم لہجے

میں بولی تھیں۔ان کی بات پر ولید شاہ ان کی

طرف پلٹے۔

"معاملہ حد سے زیادہ بگڑ چکا ہے۔۔!" انھوں

نے مدھم، سنجیدہ سے انداز میں کہا۔

"اور اسے بگاڑنے والا کون ہے۔۔؟" زہرہ نور

نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ آنکھوں

میں شکوہ در آیا تھا۔

"کیا چاہتی ہو تم۔۔ یہ بتا دو مجھے۔۔!" ان کے

مقابل آکر ٹھہرتے وہ مکمل سنجیدگی سے بولے۔

"اپنے باپ کو فون کریں آپ۔۔ انھیں بتائیے

کہ ان کا پوتا جس لڑکی کی عزت پامال کرنے والا

تھا وہ انھی کی نواسی ہے۔۔ بتائیے انھیں کہ جس

بیٹے کی برسی وہ ہر سال مناتے ہیں وہ زندہ ہے۔۔

بتا دیجئے انھیں کہ مہر حدیبہ بی بی اور فدا سرکار کی

بیٹی ہے!" ان کی جانب دیکھتی وہ مدھم لرزتی

ہوئی آواز میں بولیں۔ آج انھیں اندازہ ہو رہا

تھا کہ اس شخص کے سامنے سر اٹھا کر بات کرنا

کتنا مشکل تھا جس کے سامنے تا عمر سر بلند نہ

کرنے کی قسم انھوں نے سالوں پہلے کھائی تھی۔

"اس سے کیا ہو گا۔؟؟" ولید شاہ کا سوال

حسب توقع تھا۔

"اس سے یہ ہو گا کہ وہ اپنے سرکش پوتے کو لگام

ڈالیں گے جو اس سرزمین پر نہ ہوتے ہوئے بھی

ہماری بیٹی کو خوفزدہ کرتا ہے۔۔اس لڑکے کو

روکنا محال ہو چکا ہے۔۔یہ کام شاید وہ کر

سکیں۔۔!"زہرہ نے اپنے طور پر انھیں قائل

کرنے کی کوشش کی تھی۔

"غلط سوچ رہی ہیں آپ۔۔وہ منصب کو لگام

نہیں ڈالیں گے کیونکہ اسے لگام ڈالنا ان کے بس

کی بات نہیں۔۔وہ مہر کو ہم سے چھین لیں

گے۔۔۔ ہم اپنی بیٹی کھو دیں گے اور میں۔۔ میں

آپ سے بھی محروم ہو جاؤں گا۔۔!" سنجیدگی

سے کہتے کہتے وہ آخری بات پر اپنے چہرے کا رخ

موڑ گئے۔

"بات واضح کریں صاحب۔۔ آپ کو خوف کس

بات کا ہے۔۔؟اس عورت کو کھو دینے کا جس

سے آپ محبت کرتے ہیں یا اس عورت سے

محروم ہو جانے کا جسے اپنی نفرت کا نشانہ بنا کر

آپ تسکین محسوس کرتے ہیں۔۔؟" ان کے

کندھے پر ہاتھ رکھ کر ان کا رخ اپنی جانب موڑتی

وہ پوچھ رہی تھیں۔ سوال جتنا سخت تھا اس کے

برعکس زہرہ نور کا انداز اتنا ہی نرم تھا۔ لہجے میں

ایک ٹھہراؤ کی سی کیفیت تھی۔ ان کے سوال پر

ولید شاہ نے لب بھینچتے ہوئے انھیں دیکھا۔

"میرا ضبط آزمانا چاہتی ہو۔۔؟" انھیں بازؤں

سے تھام کر پوچھتے ہوئے ولید شاہ کا لہجہ سخت ہو

گیا۔زہرہ کی آنکھوں نے بے بسی سے ایک آنسو

بہایا تھا۔

"یہ کیسی نفرت ہے صاحب۔۔؟ جس میں آپ

مجھ سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔۔؟ خطا معاف

لیکن آپ کی نفرت کی نوعیت معلوم کرنے کا

مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میرے دل میں کہیں یہ

امید باقی ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔۔!"

بھرائی ہوئی آواز میں بولتے زہرہ بیگم نے

وقفہ لیا تھا. ولید شاہ کا ضبط جواب دینے لگا۔

"مجھے سالوں پہلے ہی یقین ہو گیا تھا کہ آپ کے

دل میں میرے لیے محبت باقی نہیں رہی۔۔۔!"

بھیگی ہوئی آواز میں کہتے کہتے وہ ہولے سے

مسکرائی۔ولید شاہ نے آہستگی سے ان کے بازو

چھوڑ دیئے۔

"نفرت کے معاملات اب رہنے دو زہرہ۔۔۔

ولید شاہ تم سے محروم نہیں ہونا چاہتا اب یہ واضح

ہے۔۔!" انھوں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا تو

وہ دھیرے سے ہنس پڑیں۔

"معاملہ تو اب محبت کا بھی نہیں رہاناں

صاحب۔۔ اور جب محبت نہ رہے تو میرے

نزدیک زبردستی کے ساتھ کی کوئی اہمیت نہیں

ہے!" دل کے درد پر ضبط کرتی وہ بڑی مشکلوں

سے بول پائی تھیں ورنہ دھڑکنیں تو آج بھی

مقابل کھڑے مرد کی جدائی کے خوف سے لرز

رہی تھیں۔ ان کی بات پر ولید شاہ نے بے اختیار

گہرا سانس لیا تھا۔

"آپ ہماری بچی کے مستقبل کا سوچیے بس۔۔

اس کی شادی اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔۔۔ آپ

کو اپنے بابا سرکار سے رابطہ کر لینا چاہئیے۔۔ رہی

بات میری تو، مجھ سے محرومی آپ کو شکستہ ہرگز

نہیں کرے گی۔۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ

کمرے سے نکلنے کو پلٹی تھیں جب ولید شاہ کے

لفظوں نے ان کے قدم جکڑ لیے۔

"اگر کہوں کہ محبت باقی ہے تو۔۔؟ اگر کہوں کہ

تم سے محرومی میری جان لے لے گی تو؟ ہے

کوئی سدباب۔۔؟ ہے کوئی حل۔۔؟؟" سرخ

آنکھوں سے اس کی پشت کو دیکھتے وہ بھاری آواز

میں بولے تھے۔ دل پر ہاتھ رکھتی وہ بے ساختگی

میں اس شخص کی جانب گھومی تھیں جس نے

پچھلے سترہ سالوں میں کبھی ایک بار بھی اس

محبت کی باقیات کا اعتراف نہ کیا تھا جس کی تمنا

میں زہرہ نور نے اپنی زندگی اس کے قدموں

میں گزار دی تھی۔ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی

وہ اُن تک آئی تھیں۔ آنسوؤں سے بھری

آنکھوں سے ولید شاہ کی طرف دیکھا تھا۔۔

"مجھے یقین نہیں ہے، جب یقین نہیں ہے تو کوئی

حل بھی نہیں ہے!" ولید شاہ کی آنکھوں میں

دیکھ کر کہتے ہوئے ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"زہرہ۔۔۔!" وہ تڑپ اٹھے۔

"اب یہ نام مت لیں صاحب۔۔اب اس نام

سے محروم ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔۔اپنے

باپ کو کال کریں ورنہ یہ کام میں خود کروں

گی۔۔!"ولید کی طرف دیکھتی وہ قدرے مضبوط

لہجے میں بولیں۔

"اور محبت۔۔۔؟؟" ولید شاہ کے لب بے بسی

کے شدید احساس تلے پھڑپھڑائے تھے۔

"محبت میں اگر ظرف نہ ہو، تو وہ محبت نہیں

رہتی۔۔۔ آپ کی محبت بھی نہیں رہی۔۔ اس

کا وصال تو اسی روز ہو گیا تھا جس روز آپ نے

مجھے سزا دینے کا فیصلہ کیا تھا۔۔!" مدھم۔۔ سلگتے

ہوئے لہجے میں کہہ کر وہ وہاں سے نکلتی چلی

گئیں۔ ولید شاہ کے قدم لڑکھڑا سے گئے۔۔

انھیں اپنے قدموں پر کھڑا رہنا محال لگا تھا۔

ماضی ایک بار پھر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا

تھا۔

□♦□♦□♦□♦□Epi 14♦

Part 2

تین مرلے کے اس چھوٹے سے گھر میں اس پل

سناٹے بول رہے تھے۔ گھر کے مکینوں پر موت

کی سی خاموشی طاری تھی۔ کمرے کی سیلن زدہ

دیواروں سے گزشتہ رات ہونے والی بارش کے

باعث بُو پھوٹ رہی تھی. وہ اپنے ارد گرد سے

بے گانہ مسہری کی پٹی سے سر ٹکائے زمین پر

بیٹھی ہوئی تھی۔ بھنورا آنکھیں رو رو کر سوجن

زدہ ہو رہی تھیں لیکن آنسو خشک ہونے کو تیار

نہیں تھے۔مائی کرماں اس سے پوچھ پوچھ کر

تھک چکی تھیں لیکن اس کے پاس ولید شاہ کی بے

اعتنائی کی وجہ بتانے کی ہمت مفقود تھی ۔۔وہ

لبوں پر قفل ڈالے بس خاموشی سے آنسو بہا رہی

تھی۔ فدا حسین اور حدیبہ شاہ کو ایک دوسرے

کے سنگ ابدی سفر پر روانہ ہوئے اٹھارہ گھنٹے

بیتنے کو آئے تھے اور ان کی بیٹی کو لیے وہ شخص

جہاں کہیں بھی گیا تھا، اس مقام سے وہ دونوں

ماں بیٹی قطعی ناواقف تھیں۔

"اری کچھ تو کہا ہو گا۔۔؟ کچھ تو بتایا ہو گا کہ بچی کو

کہاں لے جا رہا ہے۔۔؟" اسے ہلاتے ہوئے مائی

کرماں نے مدھم آواز میں پوچھا تو زہرہ نے نفی

میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں بتایا۔۔!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولی۔۔

"یہ تو بتایا ہو گا کہ تجھے لینے واپس آئے

گا۔۔؟" مائی کرماں نے آس بھرے لہجے میں

پوچھا۔۔

"نہیں آئے گا اماں۔۔وہ مجھے لینے نہیں آئے

گا۔۔!" وہ روتے ہوئے بڑبڑائی۔وہ اس خود

ساختہ جنگ سے ہارنے لگی تھی۔

"منحوس۔۔کیا بکواس کر رہی ہے۔۔کیوں نہیں

آئے گا۔۔بیوی ہے تُو اس کی۔۔شوہر ہے وہ

تیرا۔۔!" دہائی دینے والے انداز میں کہتے

ہوئے مائی کرماں نے اس کی کمر پر دھموکا جڑا۔۔

"وہ کہتا ہے وہ مجھے نہیں جانتا۔۔وہ مجھے نہیں

پہچانتا اماں۔۔۔وہ۔۔۔وہ چھوڑ گیا ہے مجھے۔۔

کبھی لینے نہیں آئے گا۔۔!" اذیت سے آنکھیں

میچتے ہوئے وہ دبی دبی سی آواز میں چلائی۔مائی

کرماں نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ایسے کیسے کہہ دیا۔۔وہ۔۔ناراض ہے کیا تجھ

سے۔۔؟ ہیں۔۔؟ادھر دیکھ۔ مجھے۔۔بتا۔۔تُو

نے کوئی بدتمیزی کی ہے۔۔؟؟"اُسے

جھنجھوڑتے ہوئے مائی کرماں مدھم آواز میں

بولی۔زہرہ نے کسی مجرم کی طرح اثبات میں سر

ہلادیا۔۔

"م۔۔مم۔۔میں نے انھیں ناراض کر دیا ہے۔۔

اور وہ۔۔۔تو۔۔۔اب منانے کا موقع دیے بغیر

ہی۔۔!" وہ ہچکیاں لیتی روتے ہوئے کہہ رہی

تھی جب کمرے کی چھت پر قدموں کی دھمک

سی پیدا ہوئی۔۔ دونوں ماں بیٹی نے خوفزدہ سی ہو

کر باہر کی جانب دیکھا۔

"میں نے تجھے کہا نہیں تھا زہرہ۔۔اُن دونوں کی

میتیں ملتے ہی بابا جی سرکار ہمارے چیتھڑے

اڑانے کو اپنے آدمی بھیج دیں گے۔۔اب۔۔

اب۔۔دیکھ لے۔۔آ گئے ہیں وہ لوگ۔۔۔!"

زہرہ کو اپنی آغوش میں لیتی مائی کرماں لرزتی

ہوئی آواز میں بولی۔

"اچھا ہے آج مر ہی جانے دو اماں۔۔!"خود کو

مضبوط کرتی وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

کوئی پچھلے صحن کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔یک دم

زہرہ کا دل دھڑکا۔ ویران آنکھوں میں چمک سی

آئی تھی۔ اگلے ہی پل وہ کمرے کے ادھ کھلے

دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ ولید شاہ کو

مقابل دیکھ کر مائی کرماں کی آنکھیں خوشی سے

جگ مگ کرنے لگیں۔

"سلام سرکار۔۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے میں

ابھی آپ ہی کو یاد کر رہی تھی۔!" چادر کے پلو

سے آنکھوں کے بھیگے کونے صاف کرتی وہ

پرجوش سی آواز میں بولی۔

"زیادہ وقت نہیں ہے مائی۔۔ آپ دونوں کو

یہاں سے نکلنا ہو گا۔۔ جتنی جلدی ہو سکے اپنا

سامان سمیٹ لیں۔۔!" زہرہ کے وجود پر ایک

نگاہِ غلط ڈالے بغیر اس نے مائی کرماں کو مخاطب

کیا تھا۔

"جو حکم سرکار۔۔!" خوشی سے کہتی وہ چند

گٹھریوں پر مبنی سامان سمیٹنے کو ساتھ والے

کمرے میں چلی گئی۔ زہرہ یک ٹک بھیگی آنکھوں

سے اسی کا چہرہ دیکھ رہی تھی جو ہاتھ پشت پر

باندھے اس سے بے نیاز بنا کھڑا تھا۔ مسہری کو

تھامتی وہ ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی پھر دو تین

قدموں کا فاصلہ طے کرتی اس کے سامنے آگئی۔

اس کے لاغر وجود اور زرد چہرے کی طرف

دیکھتے ہوئے زہرہ کو بے اختیار وہ لمبا چوڑا، خوش

شکل ولید شاہ یاد آیا تھا جسے نظر بھر کر دیکھ لینے

کے بعد کوئی نظر بچانے کے قابل ہی نہ رہا کرتا

تھا۔۔

"اب کیا دیکھیں گے بھی نہیں میری

طرف۔۔؟؟" کانپتے ہاتھوں سے اس کا چہرہ

تھامتی وہ بھیگی آواز میں بولی۔ ولید بت بنا چپ

چاپ کھڑا رہا۔

"میں آپ کی گناہگار ہوں سرکار۔۔ مجھے سزا

دے لیں۔۔ لل۔۔۔ لیکن، مجھ سے یوں منہ نہ

موڑیں۔۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔۔!" اس کے

کندھوں کو بے تابانہ چھوتی وہ روتے ہوئے بولی۔

ولید کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔

"م۔۔مم۔۔۔میں نے۔۔دن رات۔۔۔پل

پل آپ کے لوٹ آنے کی دعائیں مم۔۔مانگی

ہیں۔۔میرا یقین کریں زہرہ آپ کے بغیر زندہ

نہیں تھی۔۔خدا کی قسم مم۔۔میں۔۔!" اسے

یقین دلانے کی کوشش کرتی وہ روتے روتے اس

کے سینے پر سر ٹکا گئی۔ولید شاہ کی آنکھوں میں

سرخی ابھرنے لگی۔

"مائی۔۔مائی۔۔۔ہوا نہیں ابھی تک۔۔۔؟؟"

ہاتھ ہنوز پشت پر باندھے وہ پوری قوت سے دہاڑا

تھا۔زہرہ ڈر کر ایک دم پیچھے ہوئی۔مائی کرماں

بھاگتے ہوئے وہاں آئی تھی۔۔

"ہو گیا سرکار۔۔بس ہو گیا۔۔!" اس کے غصے

سے خائف ہوتی وہ جلدی سے بولی۔

"میں پچھلی گلی کے آخر پر آپ کا انتظار کر رہا

ہوں۔۔اپنی بیٹی کو لے کر آجایئے۔۔!" سنجیدگی

سے بولتا وہ مائی کرماں سے مخاطب تھا۔زہرہ بے

بس نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس

کی نظروں کی التجائیں نظر انداز کرتا وہ جس

راستے سے آیا تھا اسی سے پلٹ گیا۔

"چل آجا زہرہ یہ دو چار کپڑے میرے ساتھ

رکھوا دے۔۔ پھر نکلتے ہیں۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

بابا سرکار کے آدمی آجائیں۔۔۔وہ ہمیں نہیں

بخشیں گے میں کہہ رہی ہوں تُو لکھ لے میری

بات۔۔وہ یہاں آنے ہی والے ہوں گے۔۔!"

باآواز بلند بڑبڑاتی مائی کرماں پھر سے اپنے کام میں

مصروف ہو گئی۔ زہرہ نے تھکے تھکے قدم اٹھاتے

ہوئے اس کی تقلید کی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"ہاں یار۔۔ تمھاری طرف ہی آ رہی تھی لیکن

اس دن راستے میں گاڑی خراب ہو گئی۔۔

سو۔۔!" ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے

دوسرے میں بکس اور رجسٹر پکڑے، پرسکون

چال چلتی وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی۔

"اٹس فائن۔۔ ویسے بھی دادا کی طبعیت خرابی

نے بہت پریشان کر دیا ہے۔۔ پلان کینسل ہو گیا

تھا میرا۔۔!" عالم کی سنجیدہ سی آواز فون کے

سپیکر سے ابھری۔

"ہمم۔۔ شہیر سے بات ہوئی تھی میری اس نے

بتایا ہے مجھے کہ ذوالفقار انکل کی طبعیت بگڑ گئی

تھی۔۔ اب ٹھیک ہیں ناں وہ؟؟" اطراف میں

لاپرواہی سے نظر دوڑاتی وہ پوچھ رہی تھی۔ طلباء

معمول کے مطابق اپنے مشاغل میں مصروف

تھے۔یونیورسٹی کا گراؤنڈ سنہری دھوپ سے

چمک رہا تھا۔

"ہممم۔۔الحمد اللہ۔۔اب تو بہت بہتر ہیں۔۔!"

عالم نے مدھم آواز میں جواب دیا تھا۔۔

"تو پھر تم واپس کب آرہے ہو؟ اور سبحانی کب

سے جوائن کر رہا ہے؟؟"چند قدموں کے فاصلے

پر سیڑھیوں کی جانب بڑھتی وہ مصروف سے

انداز میں بولی۔

"میں آج شام تک پہنچ جاؤں گا۔۔اور سجانی بھی

میرے ساتھ ہی آئے گا۔۔ایک یا دو دن میں وہ

بھی جوائن کرلے گا۔۔!" عالم کے جواب پر وہ

مطمئن سی ہو گئی۔

"اور تم نے بتایا نہیں کہ تمھارا پلان کیا تھا۔۔؟ جو

کینسل ہو گیا۔۔؟" سیڑھیاں چڑھتی وہ اسے

چھیڑنے والے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"مرحہ کے لیے گفٹ لیا تھا یار۔۔ تمھارے تھرو

اسے دے دیتا لیکن اب۔۔۔!" مسکاتے لہجے

میں بولتا وہ ٹھنڈی آہ بھرتا رک گیا۔۔.

"اب کب۔۔؟؟" اسے کریدتے ہوئے علیشہ

کے لبوں پر ایک دھیمی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"اب ان شاء اللہ شادی کے بعد اسے منہ دکھائی

کے بعد وہ اضافی تحفہ دوں گا۔۔!" عالم نے ہنستے

ہوئے کہا تو علیشہ کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ

گہری ہو گئی۔

"لیٹس سی۔۔۔!" اس نے بھی جواباً ہنستے ہوئے

کہا۔ اب وہ اپنی کلاس کی جانب جاتی راہداری میں

چل رہی تھی۔

"ہمم ہمم۔۔ دیکھ لینا۔۔۔!" عالم کی آواز، سے

اطمینان چھلک رہا تھا۔

"اوکے پھر اللہ حافظ میری کلاس آگئی

ہے۔۔!!"کلاس سے دو قدم دور کہتے ہوئے اس

نے جلدی سے کال کاٹی لیکن برا ہوا اس عجلت کا

جس کے باعث وہ کلاس سے باہر نکلتے وجود سے

ٹکرا گئی۔ موبائل سمیت رجسٹر اور بکس زمین

بوس ہوئے تھے۔

"یُو۔۔۔!" چہرے پر آتے اپنے بال پیچھے کرتی

علیشہ نے مقابل پر چیخنا چاہا تھا لیکن اپنے سامنے

شمس کو دیکھ کر اسے خاموش ہونا پڑا۔

"آپ یقیناً مجھے القابات سے نوازنے والی

تھیں۔۔؟"ڈریس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ

گھساتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہا تو اس کی

جانب دیکھتی علیشہ نے پلکیں جھپکائیں پھر ہولے

سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"آپ کو نہیں کہہ سکتی۔۔" مدھم آواز میں کہتے

ہوئے وہ زمین پر گری اپنی چیزیں اٹھانے کو

جھکی۔

"حالانکہ یہ جرات آپ ہی کر سکتی ہیں۔۔!"

مدھم، سنجیدہ سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ خود بھی

اس کا ساتھ دینا کو جھک گیا۔

"آپ مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔۔؟" اپنے ہاتھ

روک کر علیشہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے

پوچھا۔ بھوری آنکھوں میں اس کے لیے ناراضگی

تھی جس کی وجہ وہ بخوبی جانتا تھا۔ وہ نظریں

چراتے ہوئے اس کی کتابیں اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

"نہیں، میں آپ کو بتا رہا ہوں۔۔ مجھے کچھ بھی

کہنے کی جرات صرف آپ ہی کر سکتی ہیں مس

علیشہ۔۔!!" اسے کھڑا ہوتے دیکھ وہ آہستگی سے

بولا تو اس کے لبوں پر ایک استہزاء آمیز

مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس نے شمس کے ہاتھوں

سے اپنی کتابیں جھپٹ لیں۔

"لیکن مجھے اب آپ کو کچھ نہیں کہنا۔۔میرے

پاس آپ کے لیے صرف خاموشی ہے۔۔!" وہ

سلگتے ہوئے لہجے میں بولتی اس کی سائیڈ سے

گزرتی کلاس کی دہلیز پار کر گئی جب اس کے اگلے

جملے پر اسے رکنا پڑا تھا۔

"جھوٹ مت بولیے مس علیشہ۔۔ آپ کی

آنکھیں سب کچھ بولتی ہیں۔۔!" ایک بار پھر

اپنے مضبوط ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں گھساتا وہ

سنجیدگی سے بولا تھا۔ آواز قدرے بلند تھی۔

کلاس میں براجمان طلباء میں سے اگلی نشستوں پر

بیٹھے کچھ طلباء نے اس کی آواز بخوبی سنی تھی۔

علیشہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے اطراف میں

دیکھا پھر قدم قدم چلتی واپس اس تک آئی تھی۔

"آپ کو۔۔ان آنکھوں کی زبان نہیں سمجھنی

چاہئیے کیونکہ آپ، مجھ سے محبت نہیں

کرتے۔۔!" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے

وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو شمس کی

آنکھوں کی سرخی کچھ مزید بڑھ گئی۔ علیشہ کے

الفاظ فقط الفاظ نہیں تھے، ایک تازیانہ تھا جو اس

کی روح پر جا کر لگا تھا۔ اپنے لب سختی سے بھینچتے

ہوئے اس نے کافی ضبط سے مقابل کھڑی کانچ کی

اس گڑیا کو دیکھا جسے وہ اپنے دل کی سختی کے

باعث توڑ بیٹھا تھا۔

"ہمم۔۔۔رائٹ۔۔!" سر اثبات میں ہلا کر کہتے

ہوئے وہ پلٹ گیا۔علیشہ نے وہیں کھڑے

کھڑے رفتہ رفتہ دور ہوتے شمس کو دیکھا تھا۔

"اب یہیں کھڑی رہو گی یا اندر بھی آؤ گی۔۔!"

اپنی پشت سے ہادیہ کی آواز سن کر اس نے مڑ کر

اس کی طرف دیکھا۔علیشہ کا چہرہ اس پل دھواں

دھواں ہو رہا تھا۔

"وہ۔۔ لیکچر نہیں لیا آج سر نے۔۔؟ اتنی جلدی

چلے گئے۔۔؟"خود کو نارمل کرتے ہوئے اس

نے آہستگی سے پوچھا۔

"ان کی طبعیت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔۔اٹینڈنس

لگا کر ہی چلے گئے۔۔!"ہادیہ نے کندھے اچکاتے

ہوئے لاپرواہی سے کہا تو علیشہ نے ایک بار پھر

پلٹ کر دیکھا۔

"جاؤ جا کر پوچھ لو۔۔شاید مریض کا حال کچھ بہتر

ہو جائے۔۔!" دوسری قطار میں بیٹھے یاسر نامی

لڑکے نے کافی بے باکی سے کہا تھا۔اس کے

مشورے پر علیشہ نے پل بھر کو اسے دیکھا پھر

اپنے ازلی انداز میں مسکراتے ہوئے کندھے

اچکائے۔

"گڈ آئیڈیا۔۔!" بھرپور انداز میں کہتے ہوئے وہ

اپنی کتابیں اور رجسٹر ہادیہ کو تھماتی کلاس سے

باہر نکل گئی۔اس کی ڈھٹائی کے اس قابل دید

مظاہرے پر اس لڑکے کے لبوں کی مسکراہٹ

سمٹی تھی۔اس نے زیر لب علیشہ کو گالی دی تھی

نتیجتاً اس کے ساتھ بیٹھے شیث نے پل بھر کی

تاخیر کیے بنا کھڑے ہو کر اس کے منہ پر مکا مارا

تھا۔اگلے ہی پل وہ دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے

لیکن شیث اس لڑکے پر بھاری پڑ رہا تھا۔ وجہ یہ

نہیں تھی کہ وہ جسامت میں اس لڑکے سے اچھا

تھا، وجہ اس کی سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لیتا

جنون تھا۔ ہادیہ سمیت کلاس کے باقی طلباء کچھ

حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔۔

□♦□♦□♦□♦

سرعت سے سیڑھیاں اترتی وہ نیچے آئی تھی۔

اطراف میں نظر دوڑائی لیکن وہ اسے کہیں نظر

نہیں آیا تھا۔کچھ سوچ کر وہ سیدھا سٹاف روم میں

آئی تھی۔ حسب توقع وہ سامنے ہی صوفے پر

براجمان تھا۔ میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے

ایک پر دینیات کا استاد براجمان ٹیسٹ چیک

کرنے میں مصروف نظر آرہا تھا۔ سٹاف روم کے

دروازے میں کھڑی علیشہ نے گلا کھنکھارتے

ہوئے دینیات کے استاد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

موٹا سا چشمہ پیچھے کرتے ہوئے اس نے علیشہ کی

جانب دیکھا۔

"گڈ مارننگ سر۔۔!" ہولے سے مسکراتے

ہوئے اس نے کہا۔ بدلے میں مقابل نے اثبات

میں سر ہلایا تھا۔ صوفے کی پشت سے ٹیک

لگائے، آنکھیں موند کر بیٹھے شمس نے اس کی

آواز پر آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔

"سر جی۔۔؟ کلاس آپ کا ویٹ کر رہی ہے۔۔

کیا آپ آج لیکچر نہیں لیں گے۔۔؟" دھیرے

دھیرے چلتی وہ اندر آتے ہوئے شمس کو مخاطب

کرتی بولی تھی۔ دینیات کا استاد اپنے کام میں

مصروف ہو چکا تھا۔ جبکہ اس کے سوال پر شمس

نے کچھ سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ کلاس کو اپنی طبعیت خرابی کی بابت آگاہ کر چکا

تھا لیکن اس لڑکی کی وہاں موجودگی اسے باور کروا

گئی تھی وہ وہاں خود آئی تھی۔

"میرے سر میں درد ہے۔۔ آج میں لیکچر نہیں

لوں گا۔۔!" اس پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے وہ

مدھم لہجے میں بولا۔ ایک دوسرے استاد کی

موجودگی کے باعث اس نے علیشہ کی عزت

افزائی کرنے سے احتراز برتا تھا۔

"اوہ سیڈ۔۔تو۔۔ آپ چائے پی لیں یا میں کافی

بنادوں۔۔؟" اس نے فوراً خدمت کی پیش کش

کی تھی۔ شمس نے کچھ گڑبڑا کر سر امجد کی طرف

دیکھا جو اپنے سامنے بکھرے کاغذات سمیٹتے

ہوئے وہاں سے نکلنے کی تیاریوں میں تھے۔

"نو تھینکس مس علیشہ۔۔می پیون سے کہہ کر

بنوالوں گا۔۔!" شمس نے بامشکل مسکراتے

ہوئے اسے انکار کیا لیکن وہ وہاں سے ملنے کے

موڈ میں نظر نہیں آرہی تھی۔

"پیون پتہ نہیں کب آئے گا۔ میں بنا دیتی ہوں

۔۔۔!" اس کے انکار کا اثر لیے بغیر وہ سٹاف روم

کے کونے میں رکھے ایک چھوٹے اور قدرے

اونچے میز کی طرف بڑھی جس پر چائے کی کیتلی

کے علاوہ کافی کا سامان بھی موجود تھا۔

"مس علیشہ آپ تکلف مت کریں پلیز۔۔!" سر

امجد کی موجودگی کا خیال کرتا وہ کافی مشکلوں سے

لہجے کو نرم رکھ پایا تھا۔

"بنا لینے دیں سر جی۔۔ تابعدار سٹوڈنٹس نصیب

والوں کو ملتے ہیں۔۔!" دروازے کی طرف

بڑھتے ہوئے سر امجد نے ہنستے ہوئے کہا۔ ان کے

انداز میں لاپرواہی تھی۔ اپنے لیے لفظ تابعدار

سن کر جہاں وہ سر جھکا کرنا چاہتے ہوئے بھی

مسکرائی تھی وہیں شمس کے لیے اس لفظ کو ہضم

کرنا مشکل ہو گیا۔ سر امجد کے جاتے ہی وہ

صوفے سے اٹھا تھا۔

"یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے آپ کیوں کر

رہی ہیں۔۔؟؟" اس کی جانب آتا وہ درشت

لہجے میں بولا تو علیشہ نے پلٹ کر اس کی جانب

دیکھا۔

"میں کر رہی ہوں کیونکہ میرا دل کر رہا

ہے۔۔!" اس کی طرف دیکھتے ہوئے علیشہ نے

اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ نے مجھ سے نفرت کا دعویٰ کیا تھا

علیشہ۔۔!" شمس نے اسے کچھ یاد دلانا چاہا۔

"ہاں لیکن تب میں غصے میں تھی۔۔!" اس نے

کافی لاپرواہی سے جواب دیا۔

"لائیک سیریسلی۔۔؟یہ کوئی ڈرامہ چل رہا ہے

جس میں جب آپ کا دل چاہے گا آپ محبت

محبت کا نعرہ لگائیں گی اور جب دل چاہے گا نفرت

نفرت کہہ کر منہ موڑ جائیں گی۔۔؟" اسے بازو

سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑ تا وہ مدھم

لہجے میں غرایا تھا۔ آنکھوں کی سرخی اندرونی

انتشار کا پتہ دے رہی تھی۔

"آپ کیوں سلگ رہے ہیں۔۔؟ میرے کچھ بھی

کہنے یا کرنے سے آپ کا کیا جاتا ہے؟ آپ بس یہ

یاد رکھیے کہ آپ مجھ سے محبت نہیں

کرتے۔۔!" اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑواتی

وہ تلخی سے گویا ہوئی. سر امجد کے سامنے کیا

جانے والا خوش اخلاقی کا مظاہرہ وہ اب بالکل

نہیں کر رہی تھی۔ اس کی بات سنتا وہ لب بھینچے

اسے ہی دیکھ رہا تھا جو اپنا بازو چھڑوا کر ایک بار پھر

سے کافی بنانے میں مشغول ہو گئی تھی۔

"مجھے یاد ہے، لیکن آپ شاید بھول گئی ہیں کہ

پچھلی مرتبہ ہمارے مابین کیا بات ہوئی تھی۔۔!"

مگ میں کافی چھینٹتے اس کے دودھیا ہاتھوں کو

نظروں کی گرفت میں لیتا وہ مدھم سلگتی ہوئی

آواز میں بولا تو علیشہ کو اس کی تنبیہہ یاد آ گئی۔

"میری محبت برداشت کرنا اتنا آسان نہیں ہے

مس علیشہ۔۔ خود کو مضبوط بنائیں ورنہ بکھر

جائیں گی۔۔!" اس نے بے اختیار گہرا سانس لیا

تھا۔

"آپ اعتراف کر لیں۔۔میں بکھرنے کے لیے

تیار ہوں۔۔!" کافی کا مگ اس کے سامنے کرتی وہ

ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ شمس کو اس

کی بھوری آنکھوں میں بے خوفی نظر آئی تھی۔

اس نے آہستگی سے اس کے ہاتھوں سے مگ لے

لیا۔

"اب آپ کو جانا چاہئیے۔۔!" سنجیدگی سے کہتے

ہوئے وہ اپنے چہرے کا رخ موڑ گیا۔۔ تبھی

سٹاف روم کا دروازہ کھولتی ایک استانی وہاں آئی

تھی۔اس نے کچھ چبھتی نگاہوں سے ایک

دوسرے کے مقابل کھڑے علیشہ اور شمس کو

دیکھا تھا۔

"گڈ مارننگ۔۔۔!" مسکراتے ہوئے اس نے

شمس کو مخاطب کیا تو وہ سر اثبات میں ہلاتا کافی

کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"آپ شاید کافی پی رہے ہیں؟ میں بھی کافی پینے

ہی آئی تھی۔۔ سر میں شدید درد ہے۔۔!" بے

تکلفانہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے اپنا ہینڈ بیگ

میز پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ شمس اسے جواب

دیتا علیشہ بول پڑی۔

"ٹھیک بنی ہے؟ ایکچوئلی یہ میں نے لائف میں

فرسٹ ٹائم بنائی ہے۔۔!" اس نے کافی اعتماد سے

شمس سے پوچھا تھا۔ مقصد اس کا دھیان اپنی

جانب کرنا تھا۔ شمس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہوں۔۔۔ اچھی بنی ہے۔۔!" مگ میز پر رکھ

کر قریب ہی بک ریک میں رکھی کتابوں سے

چھیڑ چھاڑ کرتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کافی آپ نے بنائی ہے بچے۔۔؟" اس استانی نے

قدرے خوشگوار لہجے میں علیشہ کو مخاطب کیا

تھا۔۔

"جی لیکن اب میں آپ کے لیے نہیں بنا سکتی۔۔

میرا لیکچر ہے۔۔!" علیشہ نے کوئی لحاظ کیے بنا بڑی

صاف گوئی سے کہا تھا۔ وہ اس کی بدلحاظی پر بیٹھتے

بیٹھتے رک گئی۔

"اٹس اوکے۔۔ میں پیون سے کہہ دیتی

ہوں۔۔!" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ سٹاف روم

سے باہر نکل گئی. علیشہ نے چور نظروں سے شمس

کی جانب دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر کافی کا مگ پکڑا اور

لبوں سے لگالیا۔پہلا گھونٹ بھرتے ہی اسے

ابکائی آئی تھی۔۔

"یخ۔۔ کتنی گندی بنی ہے۔۔!"مگ میز پر پٹختی

وہ چلائی۔اس کی حرکت پر وہ پلٹا۔

"آپ میں مینرز نام کی چیز کب پیدا ہو گی مس

علیشہ۔۔انتہائی بری حرکت تھی یہ۔۔!"مگ

واپس پکڑتے ہوئے وہ اس پر برہم ہوا تھا۔علیشہ

نے برا سا منہ بناتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

"آپ ہی کہہ رہے تھے کہ اچھی بنی ہے، تو میں

نے سوچا ٹیسٹ کر لوں۔۔!" شرمندہ سی ہوتی وہ

مدھم لہجے میں بولی۔

"لائیں یہ مت پیئیں۔۔ پیون آپ کو دوسری بنا

دے گا۔۔!" اس کے ہاتھ سے مگ لینے کی

کوشش کرتی وہ بولی تو شمس نے فوراً مگ پیچھے

کیا۔۔

"آپ نے جتنی مہربانی کر دی ہے وہ کافی ہے

میرے لیے۔۔ اب آپ جا سکتی ہیں پلیز۔۔!"

اس سے دور ہوتا وہ بے تاثر لہجے میں بولا تھا۔

"دیکھیے میں منع کر رہی ہوں ناں۔۔ آپ یہ

مت پیئیں۔۔!"ضد کرتے ہوئے اس نے پھر

سے اپنی کوشش دہرائی۔ تبھی وہ استانی اپنے

ساتھ پیون کو لیے اندر آئی تھی۔۔اس کی آمد پر

علیشہ کا دل کیا اس کا منہ نوچ لے۔

"ارے۔۔ آپ کا تو لیکچر تھا ناں۔۔؟ آپ گئی

نہیں ابھی تک۔۔؟"علیشہ کو وہیں دیکھ کر وہ بولی

تھی۔

"مِس کر دیا ہے میں نے لیکچر۔۔۔ اینی

ایشو۔۔؟؟"علیشہ نے کافی ناگواری سے پوچھا

تھا۔ اسکے لب و لہجے پر استانی کی پیشانی پر بل پڑ

گئے۔

"بچے آپ کو کسی نے بات کرنے کی تمیز نہیں

سکھائی۔۔؟" سخت نظروں سے علیشہ کی طرف

دیکھتی وہ بولی تھی۔

"بات آپ کیے جا رہی ہیں میں نہیں۔۔ سو تمیز کا

فتویٰ مجھ پر مت لگائیں میڈم۔۔۔!"علیشہ نے

کافی تلخی سے اسے منہ توڑ جواب دیا تھا۔وہ کافی

ضبط سے اس کی زبان درازی کا یہ منظر دیکھ رہا

تھا۔

"مائے گاڈ۔۔جسٹ سینس لیس یُو آر۔۔۔!"

کرسی سنبھالتی وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی

تھی۔علیشہ سر جھٹکتی وہاں سے نکل گئی۔شمس

دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔کافی کا مگ اس کے ہاتھ

میں ہی تھا۔وہ اطمینان سے کافی کے گھونٹ

بھرنے لگا جس میں کافی کا ذائقہ کم اور

جوشاندے کا زیادہ آرہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"اجازت دیجئے دادا۔۔واپس جارہا ہوں

میں۔۔!" ان کے سامنے سر جھکاتا وہ مدھم لہجے

میں بولا تھا۔اس کے پیچھے ہی سبحانی سر جھکائے

شرافت سے کھڑا ہوا تھا۔۔

"اللہ سفر آسان کرے۔۔خیریت سے جاؤ"اُس

کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُنھوں نے نرم

لہجے میں جواب دیا۔ سبحانی بھی ان سے پیار لینے

کو اُن کے سامنے جھکا۔

"دعا کیجیے گا کوئی خوبصورت سی لڑکی مجھے دیکھتے

ہی مجھ پر عاشق ہو جائے" غیر سنجیدگی سے بولتا

وہ انھیں مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی بجائے

اس کا کان پکڑ لیا۔

"دعا تو میں کر دوں گا لیکن تمھاری شادی تو

تمھارے ماں باپ نے کرنی ہے پھر تم کیا کرو

گے۔۔؟" انھوں نے کافی سنجیدگی سے اسے

چھیڑا۔ بلاشبہ یہ جرأت سجانی میں ہی تھی کہ وہ

ان سے بے باکی سے مذاق کر لیا کرتا تھا۔

"جب تک یہ بوڑھا شیر زندہ ہے ایسے فیصلے

میرے ماں باپ نہیں کر سکتے سو مجھے کوئی ٹینشن

نہیں ہے۔۔!" ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے

ہوئے وہ فخریہ انداز میں بولا تو بے اختیار وہ

مسکرائے۔

"بات تو بالکل ٹھیک کی ہے اس گدھے نے۔۔!"

سبحانی کا کندھا زور سے تھپکتے ہوئے عالم نے کہا

تھا۔

"میں نے تو بات ٹھیک کی ہے لیکن جناب آپ

نے یہ حرکت کچھ ٹھیک نہیں کی۔۔!" اپنا کندھا

سہلاتے ہوئے وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو عالم اور

سید ذوالفقار عالم شاہ کھل کر مسکرائے۔۔

"چلو بس بہت ہو گیا مسخرہ پن۔۔اب نکلو تم

دونوں نے سفر بھی کرنا ہے۔۔!" اپنی مسکراہٹ

روکتے ہوئے سید ذوالفقار عالم شاہ نے قدرے

سنجیدگی سے کہا تو وہ کندھے اچکاتا دروازے کی

طرف بڑھا۔

"جارہا ہوں لیکن اگر مجھے بروقت کوئی لڑکی نہ ملی

تو سمجھ جاؤں گا کہ میرے دادا نے میرے لیے

دعا نہیں کی۔۔!" وہ جاتے جاتے پھر سے انھیں

چھیڑ رہا تھا۔

"میری دعائیں ہر وقت میری اولاد کے ساتھ

ہیں لیکن ناجائز دعاؤں کی امید مجھ سے مت رکھنا

بیٹا۔۔!" انھوں نے اس کے کان صاف کیے تو وہ

منہ بناتا رک گیا۔

"اور ہاں ۔۔ اگر مجھے تمھاری ایسی ویسی کوئی

شکایت ملی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا.."

انھوں نے اسے مزید تپایا تھا۔ سبحانی نے عاجزانہ

نظروں سے انھیں دیکھا پھر کانوں کو ہاتھ لگاتا

ان کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"مرحہ کے ڈاکیومنٹس لے لیے ہیں تم

نے۔۔؟" انھوں نے کمرے سے نکلتے عالم کو

مخاطب کیا۔۔

"جی میں نے اسے صبح کہا تھا۔۔ کہہ رہی تھی کہ

میری واپسی سے پہلے مجھے دے دے گی۔۔ ابھی

دیے تو نہیں ہیں، اب جاتے ہوئے لے لوں

گا۔۔!" عالم نے سنجیدگی سے انھیں جواب دیا تو

انھوں نے مطمئن ہو کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

عالم وہاں سے نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس کا سامنا

ناجیہ بیگم سے ہوا تھا۔ عالم نے آگے بڑھ کر

انھیں اپنے حصار میں لے لیا۔۔

"جا رہا ہوں اماں۔۔ آپ مرحہ کا خیال رکھیے

گا۔۔!" انھیں خود سے لگائے وہ مدھم لہجے میں

بولا تھا۔

"اسے اب کوئی کچھ نہیں کہے گا۔۔ تم بے فکر

رہو۔۔!" ناجیہ بیگم نے اسے یقین دلایا۔

"آپ نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے آپ اسے

نبھائیں گی ناں اماں۔۔؟" انھیں خود سے الگ

کرتے ہوئے عالم نے نرمی سے پوچھا۔ اس کے

سوال پر وہ پل بھر کو کچھ بول نہ سکیں۔ ایک

طرف ولید عالم شاہ تھا جس سے کیے وعدے کی

پاسداری کرتے کرتے انھیں ایک سال ہونے

کو آیا تھا۔ ہاں انھوں نے ولید شاہ کے زندہ ہونے

کی بابت حویلی کے کسی مکین کو نہیں بتایا تھا کیونکہ

وقار عالم شاہ نے اگر انھیں ولید شاہ سے ملوایا تھا

تو یقیناً وہ ان کا اعتماد نہیں توڑ سکتی تھیں۔ اب

دوسری جانب مہربان عالم شاہ تھا جو اپنے دادا کی

خاطر ان سے خاموش رہنے کا وعدہ لے چکا تھا. یہ

کیسی آزمائش تھی کہ نہ وہ مرحہ کو اس کی شناخت

کی بابت بتا سکتی تھیں اور نہ ہی ولید شاہ پر اس کی

اولاد کے زندہ ہونے کا انکشاف کر سکتی تھیں۔

حتیٰ کہ اس راز میں تو انھوں نے وقار عالم شاہ کو

بھی شریک نہیں کیا تھا کہ مرحہ ولید عالم شاہ اور

زہرہ کی بیٹی ہے۔

"اماں بولیے ناں۔۔؟" عالم نے انھیں ہلایا تو وہ

ہوش میں آئیں۔

"وعدہ تو نبھالوں گی لیکن اس کا انجام بہت

بھیانک ہو گا عالم۔۔۔ تمھارے بابا مجھے کبھی

معاف نہیں کریں گے۔۔!" وہ صرف دل میں

سوچ سکی تھیں۔ کہہ کر وہ اسے پریشان نہیں کرنا

چاہتی تھیں سو آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔۔

"تھینکس اماں۔۔!" ان کا ہاتھ چوم کر پیشانی

سے لگاتا وہ آہستگی سے بولا تو ناجیہ بیگم نے

مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"سلامت رہو۔۔!"

وہ اسے دعا دیتی مسکرانے پر مجبور کر گئی تھیں۔

تبھی لیونگ روم سے یہ منظر دیکھتی صندل بیگم

نے اسے پکارا تھا۔

"عالم یہاں آؤ۔۔!" ان کی آواز سن کر وہ ان

سے اجازت لیتا صندل بیگم کے پاس آگیا۔۔

سبحانی ان کے پاس ہی کھڑا تھا۔

"بھائی میں باہر آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔۔ جلدی

آیئے گا۔۔!!" کہتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گیا

جبکہ عالم کے قریب آتے ہی صندل بیگم کے

جڑے لب کھلے تھے

"تمھاری حقیقی ماں میں ہوں۔۔ کبھی مجھے بھی

اتنی اہمیت دے دیا کرو کہ مجھے یہ احساس ہو

کہ تمھاری سگی ماں ناجیہ نہیں، میں ہوں۔۔!"

اس کی جانب دیکھتی وہ شکوہ کناں لہجے میں بولیں

تو عالم نے فوراً انھیں خود سے لگالیا۔۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں مما۔۔ بھلا آپ کو کسی

اہمیت کی ضرورت تھوڑی ہے۔۔ آپ تو ماں ہیں

میری۔۔!" انھیں خود سے لگائے وہ نرمی سے

بولا تھا۔۔۔

"اماں کے ساتھ اس لیے زیادہ محبت سے پیش

آتا ہوں کہ انہی کے ہاتھوں میں میری پرورش

ہوئی ہے۔۔بات یہ نہیں ہے کہ انھوں نے

صرف ہمیں پالا ہے، بات یہ ہے کہ انھوں نے

ہم تینوں بھائیوں کو اپنی سگی اولاد کی طرح محبت

بھی دی ہے۔۔۔اب محبت کے بدلے اگر انھیں

کم اہمیت دوں تو انھیں زیادہ تکلیف ہو گی کیونکہ

ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے۔۔!" عالم نے کافی

تحمل سے انھیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔۔

"ہاں مجھے تو جیسے یہ سب پتہ نہیں ہے ناں۔۔ اور

کوئی شوق سے حوالے نہیں کیا تھا میں نے تم

تینوں کو۔۔۔ کام کی ذمہ داری بہت ہوا کرتی تھی

مجھ پر۔۔ اور یہ جو تمھاری اماں بیگم ہیں ناں۔۔

یہ خود ہی تم تینوں کو لیے ماری ماری پھرتی تھی۔۔

میں نے تو زبردستی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی تھی

تمھاری اماں پر۔۔!!" وہ جلے دل کے پھپھولے

پھوڑتی تلخی سے گویا ہوئیں۔

"اچھا اب جانے دیں ناں۔۔ہیں تو ہم آپ ہی

کی اولاد۔۔کیوں فکر کرتی ہیں۔۔؟" ان کے

ہاتھ تھامتے ہوئے وہ لاڈ بھرے لہجے میں بولا تو

انھوں نے سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف

دیکھا۔ تبھی ان کی نظر وہاں سے گزرتی مرحہ پر

پڑی تھی۔عالم نے بے اختیار اس کی جانب دیکھا

تھا۔اس کی نگاہوں کی وارفتگی صندل بیگم کی

زیرک نگاہوں سے مخفی نہیں رہی تھی۔

"ہمم۔۔وہ اولاد جو میرے ہاتھوں سے نکلتی جا

رہی ہے۔۔۔!" مرحہ کی پشت کو گھورتے ہوئے

وہ زہر خند لہجے میں بولیں تو وہ گہرا سانس بھر کر

رہ گیا۔۔

"میں اس دن کے لیے پہلے بھی آپ سے معافی

مانگ چکا ہوں مما۔۔ آج پھر آپ سے معافی مانگتا

ہوں۔۔ اس دن کے لیے میں سچ میں شرمندہ

ہوں لیکن آپ پلیز ملازمین پر ہاتھ مت اٹھایا

کریں۔۔ اللہ ناراض ہوتا ہے۔۔!" ان کے ہاتھ

تھامتے ہوئے عالم نے مدھم لہجے میں کہا تو وہ سر

اثبات میں ہلا گئیں۔ وہ مطمئن سا ہوتا مسکرا دیا۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔ میں چلتا ہوں۔۔۔!" ایک

بار پھر انھیں خود سے لگاتا وہ مسکراتے ہوئے بولا

تو انھوں نے اس کی پشت سہلائی۔۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔۔۔!" انھوں نے

مسکراتے ہوئے اسے دعا دی تھی۔ وہ ہنستے ہوئے

سراثبات میں ہلا تا وہاں سے نکل گیا۔۔جانے

سے پہلے وہ مرحہ سے ڈاکیومنٹس لے جانا نہیں

بھولا تھا۔۔

♦□♦□♦□♦□

موسم گرما کا آغاز ہو چکا تھا۔۔سورج کی کرنیں

شہر کراچی کو روشن کرتی اس شہر کے باشندوں کو

گرمی کا احساس دلا رہی تھیں۔ روشن آسمان،

بادلوں کی پہرہ داری سے خالی تھا۔ چرند پرند دن

چڑھتے ہی خوارک کی تلاش میں نکل پڑے

تھے۔۔ کچھ اس کے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھے

دانہ چگ رہے تھے جو اب وہ اکثر کھڑکی کا پٹ

کھول کر دیوار کی سطح پر پھیلا دیا کرتی تھی۔

مسہری پر بے دم سی لیٹی وہ آنکھیں موندے

چڑیوں کی ناقابل فہم گفتگو سن رہی تھی۔ گیلے

بال اطراف میں بکھرے اس کے سوگوار روپ

کو خوبصورتی بخش رہے تھے۔۔ یونہی لیٹے لیٹے

جانے کتنا وقت بیت گیا جب اسے خود پر کسی کی

پر تپش نظروں کا احساس ہوا۔ مہر ماہ نے

آنکھیں کھولتے ہوئے اطراف میں دیکھا تھا۔ وہ

سامنے ہی کمرے کے بند دروازے سے ٹیک

لگائے اسے دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر وہی کمینی سی

مسکراہٹ اور آنکھوں میں جنون لیے وہ وہاں

ایستادہ تھا۔ مہرماہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔

"تمھیں کیا لگا تھا؟ تم مجھ سے جھوٹ بولو گی اور

میں تمھاری جان چھوڑ دوں گا۔۔؟؟" جینز کی

جیبوں میں ہاتھ پھنساتا وہ اس کی طرف بڑھتے

ہوئے بولا۔ مہر ماہ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن

ناکام۔۔۔

ہاتھ پاؤں مفلوج ہو رہے تھے۔ اسے اپنے

قریب آتے دیکھ کر اس کا دل کانپنے لگا۔

"میرے پاس مت آؤ ورنہ میں چیخوں گی۔۔!"

اس نے اٹھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اسے

دھمکی دی. اپنی آواز کی کپکپاہٹ وہ خود بھی

محسوس کر سکتی تھی۔اس کی بات پر وہ یوں ہنسا

جیسے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔

"چلو یہ کوشش کر کے بھی دیکھ لو۔۔۔!" اس

کے بالکل قریب مسہری پر آ کر بیٹھتا وہ مدھم

لہجے میں بولا۔ مہرماہ کی آنکھیں بھر آنے لگیں۔

دائیں بائیں گرے ہاتھ اس پل برف ہو رہے

تھے۔وہ چاہنے کے باوجود بھی انھیں حرکت

نہیں دے پارہی تھی۔

"تت۔۔۔تم۔۔۔تم جہنم کی

آگ۔۔۔مم۔۔۔میں جلو

گے۔۔ممم۔۔میرے پاس مت آؤ۔۔۔

دد۔۔۔دور ہو جاؤ۔۔۔!" اسے اپنی طرف ہاتھ

بڑھاتے دیکھ وہ روتے روتے چیخی۔

"تمھاری قربت کے عوض اگر جہنم میں بھی جلنا

پڑے تو منصب عالم شاہ کو منظور ہے۔۔!" اس کا

رخسار سہلا تا وہ بھاری ہوتی آواز میں بولا تو مہر ماہ

کے وجود میں دوڑتا خون سرد ہونے لگا۔

"ن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ ن۔۔۔ نہیں۔۔

ا ب۔۔ ی۔۔۔ ابی جی۔۔۔۔ اماں۔۔۔

بچائیں۔۔۔ مممممجھے بچائیں۔۔۔!" اسے خود پر

جھلتا دیکھ وہ حلق کے بل چلائی۔اس کے قریب

تر وہ شخص اس کی بے بسی پر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"نہیں اللہ۔۔۔مجھے بچا لے۔۔۔ابی

جی۔۔۔اماں۔۔اماں۔۔۔!" دائیں بائیں اپنا

سر پٹختی وہ چیخنے لگی۔معاًاس کی سماعتوں میں

دروازہ کھلنے کی آواز پڑی تھی۔مہرماہ نے آنکھیں

کھول کر سامنے دیکھا۔ولید شاہ اور زہرہ آگے

پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

اسے بے اختیار سکون کی سانس آئی تھی۔وہ

سرعت سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"اماں وہ من۔۔۔ منصب۔۔ یہاں۔۔

یہاں۔۔!" اپنے دائیں جانب اشارہ کرتی وہ

تیزی سے بولتے رکی تھی۔ وہاں کوئی نہیں

تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف کی زیادتی

سے پھیل گئیں۔نور بیگم نے آگے بڑھ کر اس

کی پشت سہلائی تھی۔

"خواب دیکھا ہے تم نے۔۔؟؟" اسے سنبھالنے

کی کوشش کرتی وہ نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔

مہرماہ نے بے اختیار کمرے کی کھڑکی کی طرف

دیکھا۔پٹ یونہی کھلے پڑے تھے لیکن وہاں کوئی

چڑیا نہیں تھی۔اس کا وجود اس پل پسینے سے

شرابور ہو رہا تھا۔

"یہاں سے۔۔یہاں سے بھاگ گیا ہو گا وہ

اماں۔۔ابھی۔۔ابھی یہیں تھا۔۔ابی جی وہ واپس

آ گیا ہے۔۔ مجھے نہیں چھوڑے گا

اب۔۔۔!" باری باری ان دونوں کی طرف

دیکھتی وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ آنکھوں

میں موٹے موٹے آنسو چمک رہے تھے۔ ولید

شاہ نے کافی ضبط سے اس کی یہ حالت دیکھی تھی

پھر پشت پر ہاتھ باندھتے وہ اس کے کمرے سے

نکل گئے۔

"وہ یہاں نہیں تھا مہر۔۔ تم نے خواب دیکھا ہے

میری جان۔۔" اس کے ہاتھ سہلاتے ہوئے نور

بیگم نے نرمی سے کہا۔ اس نے فوراً نفی میں سر

ہلایا۔

"جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔۔ بچا رہی ہیں آپ

اسے۔۔ میں کہہ رہی ہوں وہ یہیں تھا۔۔!" ان

کے ہاتھ جھٹکتی وہ تلخی سے چلائی۔اس کی سیاہ

آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

اس کی بکھری حالت دیکھتی نور بیگم کی آنکھیں

بھیگنے لگیں۔

"تم کب اس خوف سے باہر نکلو گی مہر۔۔کب

خود کو ان خوابوں سے رہائی دو گی۔۔؟ منصب

یہاں نہیں ہے۔۔وہ اس وقت لندن میں

ہے۔۔یقین کرو میرا۔۔!" اس کے بھیگے گال

صاف کرتے ہوئے انھوں نے بھرائی ہوئی آواز

میں کہا تو وہ گم صم سی ہو گئی۔ پلکیں جھپکا جھپکا کر

نور بیگم کا چہرہ دیکھا تھا۔ جیسے خود کو یقین دلانے

کی کوشش کی تھی۔

"وہ بہت برا ہے اماں۔۔مجھے اس سے نفرت

ہے۔۔ نفرت ہے۔۔!" ان کے کندھے پر سر

ٹکاتی وہ سرگوشیانہ بولی تو آنسو نور بیگم کا چہرہ

بھگونے لگے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔سب ٹھیک ہو جائے

گا مہر۔۔۔اللہ پر یقین رکھو۔۔" اس کی پشت

سہلاتے ہوئے وہ بھیگی ہوئی آواز میں بڑبڑائی

تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

پشت پر ہاتھ باندھے وہ بے چینی سے کمرے میں

ٹہل رہے تھے۔ آنکھوں میں ابھرتے سرخ

ڈورے ان کی اندرونی اذیت کا پتہ دے رہے

تھے۔۔مہرماہ سے اس کی دوست فاطمہ ملنے آگئی

تھی سو اسے اس کے پاس چھوڑ کر زہرہ نور خود

اُن کے پاس چلی آئی تھیں۔

"حالت دیکھی ہے آپ نے اپنی بیٹی کی

صاحب۔۔۔؟؟" نظریں جھکائے وہ مدھم لہجے

میں بولی تھیں۔ان کی بات پر ولید شاہ ان کی

طرف پلٹے۔

"معاملہ حد سے زیادہ بگڑ چکا ہے۔۔!" انھوں

نے مدھم، سنجیدہ سے انداز میں کہا۔

"اور اسے بگاڑنے والا کون ہے۔۔؟" زہرہ نور

نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ آنکھوں

میں شکوہ در آیا تھا۔

"کیا چاہتی ہو تم۔۔ یہ بتا دو مجھے۔۔!" ان کے

مقابل آکر ٹھہرتے وہ مکمل سنجیدگی سے بولے۔

"اپنے باپ کو فون کریں آپ۔۔ انھیں بتائیے

کہ ان کا پوتا جس لڑکی کی عزت پامال کرنے والا

تھا وہ انہی کی نواسی ہے۔۔ بتائیے انھیں کہ جس

بیٹے کی برسی وہ ہر سال مناتے ہیں وہ زندہ ہے۔۔

بتادیجئے انھیں کہ مہر حدیبہ بی بی اور فداسر کار کی

بیٹی ہے!" ان کی جانب دیکھتی وہ مدھم لرزتی

ہوئی آواز میں بولیں۔ آج انھیں اندازہ ہو رہا

تھا کہ اس شخص کے سامنے سر اٹھا کر بات کرنا

کتنا مشکل تھا جس کے سامنے تا عمر سر بلند نہ

کرنے کی قسم انھوں نے سالوں پہلے کھائی تھی۔

"اس سے کیا ہو گا۔۔؟؟" ولید شاہ کا سوال

حسب توقع تھا۔

"اس سے یہ ہو گا کہ وہ اپنے سرکش پوتے کو لگام

ڈالیں گے جو اس سرزمین پر نہ ہوتے ہوئے بھی

ہماری بیٹی کو خوفزدہ کرتا ہے۔۔ اس لڑکے کو

روکنا محال ہو چکا ہے۔۔ یہ کام شاید وہ کر

سکیں۔۔!" زہرہ نے اپنے طور پر انھیں قائل

کرنے کی کوشش کی تھی۔

"غلط سوچ رہی ہیں آپ۔۔وہ منصب کو لگام

نہیں ڈالیں گے کیونکہ اسے لگام ڈالنا ان کے بس

کی بات نہیں۔۔وہ مہر کو ہم سے چھین لیں

گے۔۔۔ ہم اپنی بیٹی کھو دیں گے اور میں۔۔ میں

آپ سے بھی محروم ہو جاؤں گا۔۔!" سنجیدگی

سے کہتے کہتے وہ آخری بات پر اپنے چہرے کا رخ

موڑ گئے۔

"بات واضح کریں صاحب۔۔ آپ کو خوف کس

بات کا ہے۔۔؟ اس عورت کو کھو دینے کا جس

سے آپ محبت کرتے ہیں یا اس عورت سے

محروم ہو جانے کا جسے اپنی نفرت کا نشانہ بنا کر

آپ تسکین محسوس کرتے ہیں۔۔؟" ان کے

کندھے پر ہاتھ رکھ کر ان کا رخ اپنی جانب موڑتی

وہ پوچھ رہی تھیں۔ سوال جتنا سخت تھا اس کے

برعکس زہرہ نور کا انداز اتنا ہی نرم تھا۔ لہجے میں

ایک ٹھہراؤ کی سی کیفیت تھی۔ ان کے سوال پر

ولید شاہ نے لب بھینچتے ہوئے انھیں دیکھا۔

"میرا ضبط آزمانا چاہتی ہو۔۔؟" انھیں بازؤں

سے تھام کر پوچھتے ہوئے ولید شاہ کا لہجہ سخت ہو

گیا۔زہرہ کی آنکھوں نے بے بسی سے ایک آنسو

بہایا تھا۔

"یہ کیسی نفرت ہے صاحب۔۔؟ جس میں آپ

مجھ سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔۔؟ خطا معاف

لیکن آپ کی نفرت کی نوعیت معلوم کرنے کا

مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میرے دل میں کہیں یہ

امید باقی ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔۔!"

بھرائی ہوئی آواز میں بولتے زہرہ بیگم نے

وقفہ لیا تھا. ولید شاہ کا ضبط جواب دینے لگا۔

"مجھے سالوں پہلے ہی یقین ہو گیا تھا کہ آپ کے

دل میں میرے لیے محبت باقی نہیں رہی۔۔۔!"

بھیگی ہوئی آواز میں کہتے کہتے وہ ہولے سے

مسکرائی۔ولید شاہ نے آہستگی سے ان کے بازو

چھوڑ دیئے۔

"نفرت کے معاملات اب رہنے دو زہرہ۔۔۔

ولید شاہ تم سے محروم نہیں ہونا چاہتا اب یہ واضح

ہے۔۔!" انھوں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا تو

وہ دھیرے سے ہنس پڑیں۔

" معاملہ تو اب محبت کا بھی نہیں رہاناں

صاحب۔۔ اور جب محبت نہ رہے تو میرے

نزدیک زبردستی کے ساتھ کی کوئی اہمیت نہیں

ہے!" دل کے درد پر ضبط کرتی وہ بڑی مشکلوں

سے بول پائی تھیں ورنہ دھڑکنیں تو آج بھی

مقابل کھڑے مرد کی جدائی کے خوف سے لرز

رہی تھیں۔ ان کی بات پر ولید شاہ نے بے اختیار

گہرا سانس لیا تھا۔

"آپ ہماری بچی کے مستقبل کا سوچیے بس۔۔

اس کی شادی اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔۔۔ آپ

کو اپنے بابا سرکار سے رابطہ کر لینا چاہئیے۔۔ رہی

بات میری تو، مجھ سے محرومی آپ کو شکستہ ہرگز

نہیں کرے گی۔۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ

کمرے سے نکلنے کو پلٹی تھیں جب ولید شاہ کے

لفظوں نے ان کے قدم جکڑ لیے۔

"اگر کہوں کہ محبت باقی ہے تو۔۔؟ اگر کہوں کہ

تم سے محرومی میری جان لے لے گی تو؟ ہے

کوئی سدباب۔۔؟ ہے کوئی حل۔۔؟؟" سرخ

آنکھوں سے اس کی پشت کو دیکھتے وہ بھاری آواز

میں بولے تھے۔ دل پر ہاتھ رکھتی وہ بے ساختگی

میں اس شخص کی جانب گھومی تھیں جس نے

پچھلے سترہ سالوں میں کبھی ایک بار بھی اس

محبت کی باقیات کا اعتراف نہ کیا تھا جس کی تمنا

میں زہرہ نور نے اپنی زندگی اس کے قدموں

میں گزار دی تھی۔ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی

وہ اُن تک آئی تھیں۔ آنسوؤں سے بھری

آنکھوں سے ولید شاہ کی طرف دیکھا تھا۔۔

"مجھے یقین نہیں ہے، جب یقین نہیں ہے تو کوئی

حل بھی نہیں ہے!" ولید شاہ کی آنکھوں میں

دیکھ کر کہتے ہوئے ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"زہرہ۔۔۔!" وہ تڑپ اٹھے۔

"اب یہ نام مت لیں صاحب۔۔اب اس نام

سے محروم ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔۔اپنے

باپ کو کال کریں ورنہ یہ کام میں خود کروں

گی۔۔!"ولید کی طرف دیکھتی وہ قدرے مضبوط

لہجے میں بولیں۔

"اور محبت۔۔۔؟؟" ولید شاہ کے لب بے بسی

کے شدید احساس تلے پھڑ پھڑائے تھے۔

"محبت میں اگر ظرف نہ ہو، تو وہ محبت نہیں

رہتی۔۔۔ آپ کی محبت بھی نہیں رہی۔۔ اس

کا وصال تو اسی روز ہو گیا تھا جس روز آپ نے

مجھے سزا دینے کا فیصلہ کیا تھا۔۔!" مدھم۔۔ سلگتے

ہوئے لہجے میں کہہ کر وہ وہاں سے نکلتی چلی

گئیں۔ ولید شاہ کے قدم لڑکھڑا سے گئے۔۔

انھیں اپنے قدموں پر کھڑا رہنا محال لگا تھا۔

ماضی ایک بار پھر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا

تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ لطیف آباد کی حدود میں ایک دو کمروں کا فلیٹ

تھا جس کی حالت اس گھر سے کافی بہتر تھی جہاں

وہ پچھلے چند ماہ سے فدا اور حدیبہ کے ساتھ رہا

کرتی تھی۔ اسے وہاں آئے ایک ماہ ہونے کو آیا

تھا لیکن اس دوران ولید شاہ نے ضرورت کے

علاوہ اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ مائی کرماں

خاموشی سے ان دونوں کے مابین کھڑی اس

دیوار کو دیکھ رہی تھیں جو ہر گزرتے دن کے

ساتھ بڑی ہوتی چلی جا رہی تھی. اب بھی وہ ایک

ماہ کی مہر ماہ کو سُلا کر فارغ ہوئی تھی جب بیرونی

دروازے پر دستک ہوئی۔مائی کرماں اس کے اور

اپنے مشترکہ کمرے میں نماز ادا کر رہی تھی۔وہ

دوپٹہ سر پر اوڑھتی دروازہ کھولنے آگئی۔ حسب

توقع وہ سامنے ایستادہ تھا۔ سلام کرتے ہوئے

زہرہ نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔ دروازہ

واپس بند کر کے وہ اسی کے پیچھے آگئی جو سیدھا

اپنے کمرے میں آیا تھا جہاں بیڈ کے قریب ہی

چھوٹے سے بے بی کاٹ میں مہر ماہ سو رہی تھی۔

سوئی ہوئی بچی کو پیار کر کے وہ اس کی طرف پلٹا

تھا۔

"یہ رکھ لو۔ چاہو تو خود استعمال کر لینا اور اگر

چاہو تو اپنی ماں کو دے دو۔۔!" جیب سے چند

بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا تا وہ بے

تاثر لہجے میں بولا۔ زہرہ نے کچھ نا سمجھی سے اس

کی طرف دیکھتے ہوئے وہ روپے تھام لیے۔

"یہ کیا ہے۔۔؟" اس کے لب آپ ہی آپ ہلے

تھے۔

"تمھاری تنخواہ۔۔!" قمیض کے بازو کہنیوں تک

موڑتا وہ مصروف سے انداز میں بولا تھا۔

چٹاخ۔۔۔زہرہ کو لگا کسی نے کھینچ کر اس کے منہ

پر تھپڑ مارا ہو۔ آنکھیں پل میں بھر آگئی تھیں۔

"اس۔۔اس کی۔۔ضرورت نہیں ہے۔۔!"

اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتی وہ کانپتی ہوئی

آواز میں بولی۔واش روم کی طرف بڑھتا وہ اس

کے جواب پر پلٹا تھا۔

"یہ میں نے تمھاری ضرورت کے پیش نظر نہیں

دیے ہیں زہرہ نور۔۔یہ رقم تمھارا معاوضہ

ہے۔۔!"اس کی طرف دیکھتا وہ سرد لہجے میں

بولا تھا۔

"کک۔۔۔کیسا معاوضہ۔۔؟؟"زہرہ کی آنکھیں

چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

"کیا میں نے ایک ماہ پہلے تم پر واضح نہیں کر دیا

تھا کہ تم اس گھر میں میری بیٹی کی ملازمہ بن کر

رہو گی۔۔؟ہممم۔۔۔؟؟"استہزاء آمیز نظروں

سے اسے دیکھتا وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں پوچھ رہا

تھا۔زہرہ کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر

رخساروں پر بہہ نکلے۔لرزتے ہاتھوں سے نوٹ

پھسلتے چلے گئے۔ولید نے ایک نظر فرش پر

بکھرے نوٹوں پر ڈالی دوسری اس کے بھیگے

چہرے پر۔ آنکھیں ہر قسم کے تاثر سے عاری

تھیں۔

"یہ پیسے اٹھاؤ۔۔ اور میرے کمرے سے نکل

جاؤ۔۔ جب مہر اٹھے گی تو تمھیں پتہ چل جائے

گا۔۔!" بے نیازی سے کہہ کر وہ پلٹ گیا۔ زہرہ

نے دھندلی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا

تھا۔ پھر جھکی اور اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹتے ہوئے

فرش پر بکھرے نوٹ سمیٹنے لگی۔ کیونکہ اس کا

کہانہ ماننے کا مطلب اس کے غضب کو آواز دینا

تھا۔۔دل اس شخص کی بے اعتنائی پر خون کے

آنسو رو رہا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

وہ جیسے ہی سٹاف روم سے نکلی گراؤنڈ کی طرف

آئی تھی۔وہاں آتے ہی اس کا سامنا شیث سے

ہوا تھا۔ چلچلاتی دھوپ میں پسینے میں شرابور وہ

سیاہ آنکھوں میں سرخی لیے اسے ہی گھور رہا

تھا۔ گریبان کے ٹوٹے بٹن اور سرخ چہرہ کوئی

اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

"میرے سامنے سے ہٹو۔۔!" وہ دانت پیستے

ہوئے بولی۔

"آپ سر شمس کو پسند کرتی ہیں۔۔؟؟" وہ اس

کے حکم کا اثر لیے بنا اپنی آواز سے قدرے بلند

آواز میں بولا تھا۔ لہجہ وہی گدلا سا تھا۔ علیشہ کا

دماغ خراب ہو گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔۔؟ ہوتے کون ہو تم مجھ

سے یہ پوچھنے والے۔۔؟؟" غصے سے اس کی

جانب دیکھتی وہ غرائی۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کرتی ہیں۔۔ لیکن آپ

نہیں جانتی کہ سر شمس کبھی آپ سے محبت نہیں

کریں گے۔۔!" اس کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈالے وہ پہلی مرتبہ اتنے اعتماد سے بولا تھا۔ علیشہ

کے تو سر پر لگی تلوؤں پر جا بجھی تھی۔

"شٹ اپ یُو ایڈیٹ۔۔!" اسے پیچھے دھکیلتی وہ

چلائی۔ سورج کی روشنی سیدھا اس کے چہرے پر

پڑ رہی تھی۔ رخسار شیث کی باتیں سن کر تمتما

اٹھے تھے۔

"مجھے چپ کروانے سے کچھ نہیں ہو گا۔۔

حقیقت نہیں بدلے گی علیشہ۔۔ سر شمس آپ

سے کبھی محبت نہیں کریں گے۔۔!" ہولے سے

مسکرا کر کہتا وہ اس پل ضدی لگ رہا تھا۔ اس کی

سیاہ آنکھیں اس کے لبوں پر رینگتی مسکراہٹ کا

ساتھ دینے سے قاصر تھیں۔۔

"محبت کرنے والی نہیں، ہو جانے والی چیز ہے

ایڈیٹ۔۔ تم نہیں سمجھو گے۔۔!"علیشہ نے

نخوت بھرے لہجے میں اسے جواب دیا تو اس کی

آنکھیں سلگنے لگیں۔

"اس کے باوجود میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں کہ

سر شمس کو آپ سے محبت نہیں ہو گی۔۔!" وہ

اپنی بات پر قائم تھا۔ آج اس کے لہجے میں جنون

ہلکورے لے رہا تھا۔

"محبت کا لفظ اپنی زبان سے نہ ہی لو تو اچھا ہے۔۔

تم اس لفظ کے ہجوں سے بھی واقف نہیں ہو سو

اپنی شکل گم کرو۔۔!" اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں

بھینچتے ہوئے علیشہ نے ایک ایک لفظ پر زور

دیتے ہوئے کہا تھا۔ تبھی وہاں ان کی کلاس کے

دو لڑکے آئے تھے۔

"شیث تمھیں ایچ-او-ڈی بلا رہا ہے۔۔ جلدی

آؤ۔۔!" ان کی بات پر علیشہ نے پلٹ کر دیکھا۔

سٹاف روم کے باہر سے یاسر دو لڑکوں کے ساتھ

گزر رہا تھا۔ اس کی حالت شیث سے بھی زیادہ

خراب تھی۔ علیشہ کو معاملہ کچھ کچھ سمجھ آگیا تھا

باقی کا معاملہ اسے راحمہ اور ہادیہ نے سمجھا دیا

تھا۔ شیث کی شدت پسندی پر اسے پل بھر کو

شخص یاد آگیا جس کی آنکھیں اسے خوف میں

مبتلا کر دیا کرتی تھیں۔۔

وہ ساکت سی وہیں کھڑی خلاؤں میں گھور رہی

تھی جب راحمہ نے اسے ہلایا۔

"اب چلو بھی یا دھوپ انجوائے کرنے کا اردہ

ہے۔۔؟؟"اس کی آواز پر اس نے بے اختیار

اپنے چہرے کو چھوا۔پسینے کی نمی اسے اپنے

پوروں پر بخوبی محسوس ہوئی تھی۔

"کیا مجھے نہیں بلایا ایچ-او-ڈی نے؟" ان کے

ساتھ "سکول آف لاء" کے ڈیپارٹمنٹ کی

عمارت کی طرف آتے ہوئے علیشہ نے آہستگی

سے پوچھا۔

"نہیں تمھیں نہیں بلایا اور نہ ہی تم جاؤ گی۔۔ تم

کلاس سے نکل چکی تھیں جب یہ ہنگامہ ہوا تو اس

میں تمھارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔۔" ہادیہ نے

فوراً اسے جواب دیا تھا۔

"پتہ نہیں کیا تکلیف ہے اس گونگے کے ساتھ۔۔

ہاتھ دھو کر پیچھے ہی پڑ گیا ہے منحوس۔۔!"

گراؤنڈ فلور پر ہی کینٹین میں گھستی وہ تپے تپے

سے انداز میں بڑبڑائی۔

"یار اس نے تمھاری خاطر ہی یاسر کو پیٹا ہے۔۔

وہ تمھیں گالی دے رہا تھا۔۔!" اس کی نفرت پر

حیران ہوتی راحمہ نے شیث کی صفائی پیش کی۔

"تو میں کیا کروں۔۔؟ مجھے نہیں پسند اس کا یہ

پاگل پن۔۔ عجیب انسان ہے اتنی بے عزتی کے

بعد بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔۔!" ایک چیئر سنبھالتی

وہ بےزاری سے پُر لہجے میں بولی۔

"سچا عاشق ہے میڈم۔۔ سچا۔۔!" ہادیہ نے غیر

سنجیدگی سے اسے چھیڑا۔

"بھاڑ میں جائے۔۔ غلطی کی جو اس کو تنگ کرنا

چھوڑ دیا۔۔ ایک دو ہفتے اس کی جان عذاب میں

ڈالی ہوتی تو وہ ایڈیٹ آج میری جان عذاب میں

نہ ڈال رہا ہوتا۔۔!" ٹشو سے اپنی پیشانی صاف

کرتی وہ مدھم آواز میں بولی۔ لہجہ کڑوا ہو رہا تھا۔

تبھی اس کا موبائل بجنے لگا۔۔ اس نے سکرین پر

نظر ڈالی تو رہا سہا موڈ بھی غارت ہو گیا۔

"پتہ نہیں کون سے ہیرے جڑے ہوئے ہیں مجھ

میں کہ میری ہی جان کو آئے رہتے ہیں

سب۔۔!" اپنے دانت پیستی وہ پریشان سی ہو کر

بولی۔

"کس کی کال ہے۔۔؟" ہادیہ نے اس کے

موبائل پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ سارنگ

کالنگ جگمگا رہا تھا۔

"اٹھالو یار ورنہ تمھارے فراق میں وہ گلی گلی

پھرتا شام تک یہیں پہنچ جائے گا۔۔!"راحمہ نے

کافی سنجیدگی سے کہا تو وہ گہری سانس لیتے ہوئے

کال ریسیو کر گئی۔

"کیا ہے۔۔؟؟" فون کان سے لگاتے ہی اس نے

کافی بدتمیزی سے پوچھا تھا۔

"واپس کب آرہی ہو۔۔۔چچا سائیں تمھیں یاد کر

رہے ہیں۔۔!" اس کا سوال نظر انداز کرتے

ہوئے سارنگ نے اپنی ہی کہی تھی۔۔

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم خود مر رہے

ہو۔۔۔!" ویٹر کو ہاتھ سے بلاتی وہ سارنگ کو

تپانے کے لیے تلخ لہجے میں بولی۔ اس کی بات پر

وہ پل بھر کو خاموش ہو گیا۔

"چلو ایسا ہی سہی، جو تم سمجھ لو۔۔ لیکن اپنی

پیکنگ کر لو تم۔۔ اس ویک اینڈ میں تمھیں لینے

آرہا ہوں۔۔!" سارنگ نے کافی سنجیدگی سے

اسے مطلع کیا تھا۔

"میں ابھی واپس نہیں آ رہی۔۔ نیکسٹ ویک

اینڈ آؤں گی سو تم یہاں آنے کی زحمت نہ ہی

کرنا۔۔!"علیشہ نے کافی اطمینان بھرے لہجے

میں اس کی بات رد کی تھی۔

"جو میں کہہ چکا ہوں وہی کروں گا۔۔اور تمھیں

بھی وہی کرنا ہو گا۔۔پیکنگ کر لینا۔۔!" سختی سے

کہہ کر سارنگ نے کال کاٹ دی۔اس نے ناگوار

نظروں سے فون کی سکرین کو گھورا پھر فون میز

پر پٹخ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔اتنے میں

راحمہ اور ہادیہ اس کے بلائے ہوئے ویٹر کو آرڈر

دے چکی تھی۔

"عجیب مصیبت ہے۔۔!" اپنا سر دباتی وہ

بڑبڑائی۔

"ریلیکس۔۔اگر تم نہیں جانا چاہتی تو اپنے بابا سے

بات کرلو۔۔وہ منع کردیں گے سارنگ کو۔۔!"

ہادیہ نے نرم لہجے میں اسے مشورہ دیا۔علیشہ نے

کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ سارہ کہاں ہے۔۔؟؟"سیدھے ہوتے ہوئے

علیشہ نے پوچھا۔

"وہ ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ گئی ہے۔۔اسے میں

نے یہیں آنے کا کہا تھا آنے والی ہو گی۔۔!"

راحمہ نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

"وہاں کیا کرنے گئی ہے۔۔؟"

"یار وہ ڈیپارٹمنٹ ٹیچرز کی تفریح کے لیے،

'پلے اینڈ فن فیسٹیول' منعقد کروا رہا ہے۔۔ تمام

دوسرے ڈیپارٹمنٹس کے طلباء اس میں حصہ

لے سکتے ہیں تو بس پارٹیسیپیشن کے لیے فارمز

وغیرہ لینے گئی ہے۔۔!" ہادیہ نے کہا تو علیشہ نے

کچھ سنجیدگی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"اور یہ پار ٹیسپیشن کس کی ہو گی۔۔؟؟" اس کا

سوال ان کی توقع کے مطابق تھا۔۔

"ڈیفینیٹلی تمھاری۔۔!" راحمہ نے مسکراہٹ

دباتے ہوئے کہا۔

"نووے۔۔میرا کوئی موڈ نہیں ہے۔۔!" اس

نے فوراً انکار کیا۔

"علیشہ پلیز یار۔۔ نخرے مت کرو۔۔ بہت مزہ

آئے گا۔۔۔!" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ہادیہ

نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ ویٹر ان کا آرڈر

لے آیا تھا۔ تبھی علیشہ کو سارہ دکھائی دی۔ اس

کے ہاتھ میں کاغذات تھے۔۔

"لو آگئی محترمہ۔۔!"علیشہ نے آنکھوں سے

سارہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو ان

دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔وہ قریب آچکی تھی۔

"یار تین پلیز (plays) ہیں جن میں حصہ لے

سکتے ہیں ہم۔۔۔!" چیئر سنبھالتے ہی وہ بولنا

شروع ہوئی۔

"یار میرا موڈ نہیں ہے میرے سامنے یہ فضول

گوئی نہ کرو۔۔۔!"علیشہ نے کافی جھنجھلائے

ہوئے انداز میں اسے ٹوکا تھا۔

"اے لو۔۔ تمھاری وجہ سے تو اتنا خوار ہو کر آئی

ہوں۔۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے تمام ٹیچرز بھی

وہیں ہوں گے سو مجھے لگا تم یقینی طور پر حصہ لو

گی۔۔!" سارہ نے فارمز اس کے سامنے کرتے

ہوئے کہا تو علیشہ نے ایک سرسری نظر فارمز پر

ڈالی۔

"یعنی سر شمس بھی ہوں گے۔۔؟" راحمہ کے

سوال نے اس کی حسیات چوکنا کر دی تھیں۔۔

"کب تک سبمٹ کروا سکتے ہیں۔۔؟؟" فارم ہاتھ

میں لیتے ہوئے علیشہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس

کے سوال پر ان تینوں کے لبوں پر دبی دبی

مسکراہٹ ابھر آئی۔

"آج آف ہونے تک کسی بھی وقت سبمٹ

کروائے جاسکتے ہیں فارمز۔۔ کل ٹرائلز ہیں اور

اس ویک اینڈ فیسٹیول ہے۔۔!" سارہ نے راحمہ

سے جوس کا گلاس گھسیٹتے ہوئے آرام سے کہا۔

"ہمم۔۔۔یعنی تین دن بعد۔۔۔؟؟"علیشہ نے

حساب لگایا۔

"یپ۔۔۔!" جوس پیتے ہوئے سارہ نے اثبات

میں سر ہلایا تو وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی بھوری

آنکھوں میں کسی خوشنما سوچ کی پرچھائیاں

رقص کرنے لگی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦

کچن میں بریانی کے مصالحے کی خوشبو پھیلی ہوئی

تھی۔چولہے پر رکھے دیگچے میں سے بھاپ اٹھ

رہی تھی۔ایک جانب وہ سنک کے قریب کھڑی

برتن دھو رہی تھی۔بالی سلیب کے قریب چیئر

گھسیٹ کر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی۔صغریٰ

نامی ملازمہ چولہے کے قریب کھڑی دیگچے میں

ساتھ ساتھ چمچ چلا رہی تھی جب وہ دندناتی ہوئی

وہاں آئی تھیں۔

"اے کالی۔۔ یہاں آ بات سن۔۔۔!" کمر پر ہاتھ

ٹکاتے ہوئے صندل بیگم نے اسے بلایا تھا۔ وہ

برتن چھوڑ کر دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی

ان کی جانب آگئی جو میز کے گرد رکھی کرسیوں

میں سے ایک پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں۔

"حکم بیگم صاحبہ۔۔!" ہاتھ باندھے اس نے

مدھم آواز میں پوچھا تھا۔

"عالم کو صبح کون سے کاغذات دیے ہیں تُو

نے۔۔؟" کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتی وہ

سخت لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"وہ۔۔میرے تعلیمی کاغذات تھے۔۔بی۔اے

کا داخلہ بھجوایا ہے بابا جی سرکار نے۔۔۔!" مرحہ

نے ڈرتے ڈرتے انھیں جواب دیا۔ سید ذوالفقار

عالم شاہ کی بابت سن کر ان کی بھنویں تن گئیں۔

"ایک تو پتہ نہیں یہ بابا سرکار کیا چاہتے ہیں۔۔!"

سر جھٹکتی وہ قدرے بلند آواز میں بولی تھیں۔

لہجے میں نخوت تھی۔

"چُھٹا (چھوٹا) منہ اور بڑی بات۔۔ لیکن بی بی

سرکار مجھے تو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ بابا جی

سرکار نے اس کلموہی کو پڑھنے کی اجازت ہی

کیوں دی ہے۔۔ میری بیٹی کو تو آٹھویں جماعت

سے زیادہ پڑھنے ہی نہیں دیا۔۔ اور چھوٹی سی عمر

میں شادی کروادی اس معصوم کی۔۔اسے ابھی

تک پڑھا رہے ہیں۔۔!" سلاد کاٹتی بالی نے بھی

زبان سے زہر اگلا جو کچن میں آتی ناجیہ بیگم کی

سماعتوں سے مخفی نہیں رہا تھا۔

"مبالغہ آرائی مت کرو بالی۔۔ تمھاری بیٹی کو

آٹھویں تک بھی ہم نے زبردستی تعلیم دلوائی

ہے۔۔۔ اور رہی بات اس کی شادی کی تو اگر تم

نے اپنی بیٹی پر نظر رکھی ہوتی تو اس کے بھاگنے

کی نوبت نہ آتی۔۔ وہ تو شکر کرو کہ ہمارے ملازم

اسے پکڑ لائے تھے اور ماموں سرکار نے اپنے

شریف مریدوں میں سے ایک سے اس کا نکاح

پڑھوا دیا۔۔!"ناجیہ بیگم نے قدرے نرم لہجے

میں اس کی طبعیت صاف کی تو وہ اپنا سا منہ لے

کر رہ گئی۔۔

"اس کے منہ نہ لگیں یہ یونہی بے تکی ہانکتی رہتی

ہے۔۔!"صندل بیگم نے فوراً پینترا بدلا تھا کیونکہ

بات سید ذوالفقار عالم شاہ کی تھی۔

"یہ جرأت بھی اسے تم ہی نے دے رکھی

ہے۔۔!"ناجیہ بیگم نے بنا لگی لپٹی رکھے انھیں

حقیقت کا آئینہ دکھایا تو وہ منہ میاں بڑبڑا کر رہ

گئیں۔

"چھوٹی حویلی سے ملازمہ پیغام لائی ہے، سعیدہ کی

طبعیت بگڑ گئی ہے آؤ اس کی طبعیت کا پتہ لے

آئیں۔۔!" مرحہ کو برتن دھونے کا اشارہ کرتی وہ

صندل سے مخاطب ہوئیں تو مرحہ فوراً وہاں سے

ہلی۔

"اللہ توبہ اس کی طبعیت کو کیا پوچھنے جاؤں۔۔

کاٹ کھانے کو تو دوڑتی ہے وہ۔۔!" صندل بیگم

نے ناک چڑھا کر کہا۔

"جی بی بی۔۔پوری پاگل ہو چکی ہیں سعیدہ بی

بی۔۔ہوش حواس کچھ باقی نہیں رہے اُن

کے۔۔۔!" بالی نے ایک بار پھر لقمہ دیا تھا۔

"تم چپ رہو بالی۔۔جو کام کر رہی ہو وہی

کرو۔۔!" ناجیہ بیگم نے فوراً اسے ڈپٹا۔

"بالی کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔۔!" صندل بیگم نے

دبی دبی آواز میں کہا۔

"تم آؤ میرے ساتھ۔۔!" ان کی بات نظر انداز

کرتی ناجیہ بیگم بولیں تو چاروناچار انھیں جانا پڑا۔

ان کے جاتے ہی بالی سلاد کاٹنے سے فارغ ہو کر

اس کی طرف آئی تھی۔

"کیا پوچھ رہی تھیں بی بی سرکار۔۔؟" بالی نے

کھوجتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ مرحہ نے ہاتھ

روک کر اس کی جانب دیکھا۔۔

"آپ کے سامنے ہی تو پوچھا ہے انھوں

نے۔۔۔!" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

روشن آنکھیں بے ریا تھیں۔

"ہاں سنا تو ہے میں نے۔۔ لیکن میں نے چُھوٹے

سرکار کو تیرے پاس آتے نہیں دیکھا۔۔ کب

لے کر گئے ہیں کاغذات۔۔؟؟" بالی نے لہجے کو

نرم کرتے ہوئے پوچھا۔

" جانے سے پہلے آئے تھے وہ۔۔ کہا کاغذات

دے تو میں نے دے دیے۔۔!" دوبارہ اپنے کام

میں مشغول ہوتی وہ آہستگی سے بولی۔

"ہمممم۔۔۔بڑے مہربان ہیں سرکار تجھ پر۔۔

بالکل اپنے نام کی طرح۔۔۔!" دھیمی آواز میں

کہتی وہ آخر میں بھونڈے پن سے ہنسی۔۔ مرحہ

کے دل نے بے اختیار کروٹ لی تھی۔

اس کی آنکھیں،

اس کی باتیں،

اس کا لہجہ، وہ پُور پُور مہربان ہی تو تھا۔ مرحہ کو پتہ

نہ چل سکا اور اس کے لب دھیرے سے پھیل

گئے۔ معصوم آنکھوں میں رنگ بھر آئے تھے۔

معاً بالی کی آواز پر وہ چونک اٹھی۔

"لیکن محتاط رہنا۔۔ بعض اوقات یہ مہربان لوگ

اپنی عنایتوں کے بدلے سب کچھ لوٹ لیتے

ہیں۔!" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ

تھی۔

"مطلب۔۔؟میرے پاس ہے ہی کیا جو کوئی مجھ

سے چھینے گا۔۔؟"وہ حیران ہوئی تھی۔آنکھیں

پل میں خوفزدہ ہو گئیں۔

"ایک عورت کے پاس سب سے انمول چیز اس

کی آبرو ہی ہوتی ہے پاگل لڑکی۔۔تُو نے دیکھا

نہیں کیسے سرکار تیرے آگے پیچھے پھرتے رہتے

ہیں۔۔تُو ہے بھی تو حسین۔۔کیا پتہ دل آ گیا

ہو۔۔۔!" بالی نے آنکھیں مٹکا کر کہا تو اس کا دل

بے اختیار دھڑکا۔ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ گئی

تھی۔۔

"لیکن دل آنے کا مطلب یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ

سرکار تجھے اس حویلی کی بی بی بنائیں گے۔۔ ارے

ان بڑے لوگوں کے چونچلے کچھ اور ہوتے

ہیں۔۔ یہ محبت اور عنایت کے نام پر عورت کے

سر سے چادریں اتار لیتے ہیں۔۔!" آواز کو دھیما

کرتی بالی بولتی چلی گئی۔ مرحہ کی آنکھوں کے

سامنے مہربان عالم شاہ کا وجیہہ چہرہ گھوم گیا۔ دل

یک دم ہی گھبرانے لگا تھا۔

"سس۔۔ سرکار تو۔ ایسے نہیں لگتے۔۔۔!"

اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی بات پر

وہ دھیرے سے ہنسی۔ انداز اس کا مذاق اڑانے

والا تھا۔

"بے وقوف۔۔ تُو کیا سمجھتی ہے۔۔ شہر کا پڑھا

لکھا یہ امیر کبیر ہمارا سرکار دودھ کا دھلا ہے؟

جانے کتنی شہری لڑکیوں کو اس نے آگے پیچھے

لگا رکھا ہو گا۔۔ تجھ جیسی کو تو چکھ کر تھوک دے

گا۔۔!"اس نے زہر خند لہجے میں کہا تو اس کی

آخری بات پر مرحہ کی ریڑھ کی ہڈی میں

سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔۔

"عالم سرکار کو بھولا سمجھنے کی غلطی نہ کرکالی۔۔سچ

کہوں تو سرکار کے لچھن دیکھ لیے ہیں میں نے۔۔

نیت ٹھیک نہیں ہے ان کی۔۔!!" بالی نے مزید

زہر اگلا۔۔مرحہ کا دل پھٹنے لگا۔۔

"خدارا مجھ سے یہ باتیں نہ کریں میں ایسا کچھ

نہیں سوچتی۔۔!" دوبارہ برتن دھونے کی

کوشش کرتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کوشش کرنا بھی مت ورنہ ذلیل ورسوا ہو

جائے گی تُو۔۔سالوں پہلے جب میں یہاں آئی

تھی تو تیری ہی طرح کم عمر ایک ملازمہ بغیر شوہر

کے امید سے تھی۔۔ ستر کوڑوں کی سزا سنائی

تھی بابا جی سرکار نے۔۔ اور میں نے اپنے ان

ہاتھوں سے اسے کوڑے مارے تھے۔۔۔!"

اسے تنبیہہ کرتی بالی نے بڑے فخر سے اپنا کارنامہ

سنایا تھا۔ مرحہ کی رہی سہی جان بھی نکلنے لگی۔

"سنا ہے بے چاری بے قصور تھی۔۔ کچھ کہہ

رہے تھے کہ باباجی سرکار کے مرحوم بیٹے ولید

شاہ نے اس کے ساتھ زبردستی کی تھی کچھ کا کہنا

تھا کہ بابا سرکار کے داماد نے یہ گناہ کیا ہے۔۔

اب سچ تو اللہ ہی جانے لیکن وہ معصوم تو فضول

میں ہی ماری گئی۔۔!" بالی نے مصوعی دکھ کا

مظاہرہ کرتے ہوئے اسے مزید اذیت دی تھی۔

سچ جھوٹ کی یہ ملاوٹ اس نے مرحہ کو اذیت

دینے کے لیے اس کے سامنے پیش کی تھی جو

اپنے آنسو ضبط کرتی برتن دھونے کی ناکام

کوشش کر رہی تھی۔ اسے خاموش پا کر وہ نور

جہاں کا گانا گنگناتی پلٹ گئی۔ لبوں پر کمینی سی

مسکراہٹ رینگ رہی تھی جبکہ اس کے جاتے ہی

مرحہ کی آنکھ چھلک پڑی۔۔اس کی سماعتوں میں

صبح عالم کی کہی گئی بات دوبارہ گردش کر گئی تھی۔

"میں بہت جلد تمھیں ایک عزت بھری زندگی

دوں گا مرحہ۔۔!"اس سے تعلیمی کاغذات لیتے

ہوئے عالم نے جس نرم لہجے میں کہا تھا اس کے

جانے کے بہت بعد تک وہ اپنی دھڑکنیں شمار

کرتی رہی تھی۔۔اور اب بالی کے کیے گئے

انکشافات۔۔۔اس کی چھوٹی سی عقل بالی کی

باتوں کی تصدیق کر رہی تھی۔۔۔

بھلا ایک پڑھا لکھا، اعلیٰ نسب سے تعلق رکھنے

والا وہ خوبصورت شہزادہ اس لڑکی کو کیونکر اپناتا

جس کی نہ ماں کی خبر تھی اور نہ باپ کا

پتہ۔۔۔؟؟ اذیت سے اپنا نچلا لب کاٹتی وہ بے

آواز روتی چلی گئی۔

□♦□♦□♦□♦

شیشے کے کیس میں چمکتی بلیک رسٹ واچ دیکھ

کر اس کی نگاہ جم سی گئی۔ مضبوط قدموں کا رخ

موڑتا وہ اس کاؤنٹر تک آیا تھا جس کے پار کھڑی

سیلز گرل کی پشت پر دیوار میں نصب شیشے کی

الماری میں لاتعداد گھڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ

لندن کے مشہور شاپنگ مال کا منظر تھا جہاں وہ

پچھلے نو سے دس ماہ کے عرصے میں پہلی مرتبہ آیا

تھا۔ آج سے پہلے اسے اپنے لیے یہاں آنے کی

ضرورت ہی نہیں پڑی تھی لیکن اب جب وہ

واپس جارہا تھا تو اپنے عزیز ترین افراد کے لیے

کچھ تحائف لینے کی غرض سے وہ وہاں آگیا تھا۔

اب تک وہ عالم سجانی اور سارنگ کے لیے

لاتعداد پینٹ شرٹس اور پرفیومز خرید چکا تھا۔

علیشہ، ناجیہ اور صندل بیگم کے لیے خریداری

کرتے ہوئے اسے کچھ مشکل کا سامنا ہوا تھا لیکن

بہر طور اس نے یہ پہاڑ بھی سر کر لیا تھا۔ اپنے

باپ اور دادا کے لیے خریداری کرتے ہوئے وہ

ولید عالم شاہ کو بھول نہیں پایا تھا۔۔ اور آخر

میں اب جب وہ تین گھنٹے کی خواری کے بعد

تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا تو اسے وہ واچ نظر آ

گئی تھی۔

اسے بے اختیار مہر ماہ حسین کی نازک کلائیاں یاد

آئی تھیں۔ دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔

"نہیں ہوں میں تمھاری۔۔ نہیں ہوں۔۔ نکاح

ہو چکا ہے میرا اور اب کچھ دن بعد رخصتی

ہے۔۔!"

اس کا انکار۔۔۔

اس کا چلانا۔۔۔

وہ نفرت و بے زاریت۔۔سب یاد آتا چلا گیا۔

"یہ واچ پیک کر دیں۔۔!" اس نے سیلز گرل

کو مخاطب کیا تھا۔اس کے نشاندہی کرنے پر سیلز

گرل نے وہ واچ اس کے قریب ہی کاؤنٹر پر لا کر

رکھ دی۔وہ سیاہ رنگ کی نفیس سی گھڑی تھی۔

سلور رنگ کی باریک سوئیاں بارہ بجے کے وقت

پر ساکت تھیں۔ منصب نے آہستگی سے نظروں

کا رخ بدل لیا۔ سیلز گرل گھڑی پیک کرنے لگی۔

"تم چاہے میری نہ رہو۔۔ منصب عالم شاہ کا دل

ہمیشہ تمھارا رہے گا۔۔!" دل کے درد پر قابو

پاتے ہوئے وہ بامشکل سوچ پایا تھا۔ خریدا ہوا

سارا سامان لے کر وہ واپس ہوٹل آ گیا۔ ابھی

اسے پیکنگ بھی کرنی تھی کیونکہ اگلی صبح طلوعِ

آفتاب سے پہلے اس کی فلائٹ تھی۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

"ضروری تھا کہ یہ منگنی ہوتی۔۔؟ضروری ہے

کہ ایک درندے سے بچانے کے لیے مجھے کسی

دوسرے جانور کے حوالے کر دیا جائے۔۔؟"

اپنے ہاتھ میں کبیر کے نام کی انگوٹھی کو دیکھتی وہ

عام سے لہجے میں بولی۔

"توبہ کرو مہر کیسی باتیں کر رہی ہو۔۔ ہر مرد

ایک جیسا نہیں ہوتا۔۔!" فاطمہ نے اسے

سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"مرد تو ہوتا ہے ناں؟ مجھے مرد ذات سے ہی

نفرت ہے۔۔ اب دو کوئی جواب۔۔۔!" ٹھیک

چھوڑ کر سیدھی ہو کر بیٹھتی وہ بے تاثر لہجے میں

بولی۔

"تمھارے بابا بھی تو ایک مرد ہیں۔۔ کیا تم ان

سے بھی نفرت کرتی ہو۔۔؟" فاطمہ نے پچھ

سوچ کر اس سے پوچھا تھا۔ اسکے سوال پر مہر ماہ

نے خالی خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"میرے ابی جی دنیا کے وہ واحد مرد ہیں جن سے

میں کبھی نفرت نہیں کر سکتی فاطی۔۔۔!" مہر ماہ

نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"اگر شوہر اچھا ہو تو ہم اس سے بھی خوامخواہ

نفرت نہیں کر سکتے مہر۔۔ تم جانتی ہو کہ میں اپنی

شادی سے خوش نہیں تھی لیکن شادی کے بعد

میری ساری ناخوشی ختم ہوتی چلی گئی۔۔ وہ مجھے

اتنا چاہتا ہے کہ میرا دل اس کے سامنے جھک جاتا

ہے۔۔!" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے فاطمہ نے

کہا۔

"شوہر اچھا تب ہوتا ہے جب عورت اچھی ہو۔۔

اس کا ماضی بے داغ ہو۔۔۔!" مہرماہ کے لب

دھیرے سے ہلے۔ آنکھوں میں مایوس سی تھی۔

"تمھارا ماضی داغدار سہی لیکن تم بے داغ ہو

مہر۔۔۔میرا یقین کرو۔۔!" فاطمہ نے اسے خود

سے لگاتے ہوئے کہا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔۔ تمھیں نظر نہیں آتا

لیکن میں داغدار ہوں۔۔میری روح پر بڑے

بڑے دھبے پڑے ہیں جن کی اذیت صرف مجھے

محسوس ہوتی ہے۔۔۔!" مدھم آواز میں کہتے

ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"کوئی اچھا مرد مجھے ان دھبوں کے ساتھ قبول

نہیں کرے گا۔۔۔!" وہ جیسے خود پر ہنسی تھی۔

فاطمہ نے کچھ عاجزانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ شاید سمجھنے کی حدود سے آگے نکل چکی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

وقت برق رفتاری سے گزرتا جارہا تھا لیکن ان کی

زندگانیاں جیسے ٹھہر سی گئی تھیں۔ ولید شاہ کا وہی

معمول تھا اور زہرہ کی وہی ذمہ داریاں۔۔ دو

سال بیت چکے تھے یونہی اجنبیوں کی طرح

زندگی گزارتے ہوئے لیکن وہ جو پتھر ہوا تھا تو

موم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا۔مائی کرماں بیٹی کی

اذیت پر کڑھتی رہی لیکن اپنے مقام کو پہچانتی

تھی سو حالات کی سختی سہتے سہتے وہ قبر میں اتر گئی

لیکن ولید کے سامنے بیٹی کے حق کے لیے آواز

نہ اٹھا سکی۔۔جب تک مائی کرماں زندہ رہی

پڑوسیوں کو یہی معلوم تھا کہ ولید نے اپنی بیٹی کی

پرورش کے لیے رشتہ داروں کو گھر میں پناہ دے

رکھی ہے لیکن مائی کے چل بسنے کے بعد ایک پُر

آباد محلے میں ان دونوں کا ساتھ رہنا اب مشکل

ہو چکا تھا۔ ولید بری طرح پھنس چکا تھا۔ مہر ماہ

کے لیے تو شاید وہ کسی ادھیڑ عمر ملازمہ کا

بندوبست کر لیتا لیکن زہرہ کو حالات کے رحم و

کرم پر کیسے چھوڑ دیتا۔۔؟؟؟مائی کی وفات کو

ایک ہفتہ بیت چکا تھا اور اب باری باری محلے کے

بزرگ ولید کو راستے میں روک روک کر

مشورے دینے لگے تھے۔اس دن وہ گھر آیا تو وہ

کچن میں گھسی برتن دھو رہی تھی۔۔ہاتھ میں

پکڑے شاپرز باہر ہی لکڑی کے تخت پر رکھ کر وہ

کچن میں آگیا۔

"بات سنو میری۔۔۔!"خود کو سنبھالتے ہوئے

ولید نے اسے مخاطب کیا۔وہ برتن چھوڑتی اس

کی طرف پلٹی۔چولہے پر چاول دم پر رکھے ہوئے

تھے۔گرمی کی شدت سے اس کا چہرہ تپ رہا تھا۔

"آپ اندر چلیں میں بس آتی ہوں۔۔!!"کچن

میں گرمی کے پیشِ نظر اس نے نظریں جھکا کر کہا

تو وہ ایک نظر اس پر ڈالتا پلٹ گیا۔وہ ہاتھ پونچھ

کر اس کے پیچھے ہی آ گئی۔ دو سالہ مہرماہ نیند سے

اٹھ کر اب کسمسا رہی تھی۔ زہرہ نے آگے بڑھ

کر اسے گود میں لے لیا۔

"خیریت تھی صاحب۔۔؟ کوئی غلطی ہوئی مجھ

سے۔۔؟" زہرہ نے ڈرتے ڈرتے اس سے

پوچھا۔ یہ صاحب کہنے کا حکم بھی اسے اسی ظالم

نے دیا تھا کیونکہ بقول اس کے وہ اس کی بیٹی کی

ملازمہ تھی۔

"ہمم۔۔۔ شام میں تیار رہنا۔ ہمارا نکاح

ہے۔۔!" الماری سے اپنے کپڑے نکالتا وہ عام

سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔اس کی بات سن کر زہرہ

کا دل کانپ کر رہ گیا۔

"لل۔۔۔لیکن۔۔۔ہمارا نکاح تو ہو چکا ہے۔۔!"

زہرہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ نکاح اسی روز ختم ہو گیا تھا جس روز خضدار کی

کھائیوں میں مجھے میری گردن ٹوٹتی محسوس ہوئی

تھی۔۔!" اس نے ایک اذیت ناک بات بڑے

اطمینان سے اس کے گوش گزار کی تھی۔ زہرہ

نے تکلیف سے آنکھیں میچ لیں۔مہرماہ رونے لگی

تھی۔

"تواب یہ نکاح کک۔۔۔کیوں۔۔۔؟؟"وہ

بامشکل بولی۔آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"تمھاری گود میں موجود میری بیٹی تمھارے

سوال کا جواب ہے زہرہ نور۔۔۔!" اس کے

سامنے رک کر وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"اور میں۔۔؟؟" جانے کیوں اس نے پوچھ لیا

تھا۔ آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"تم سے نفرت کرتا ہوں میں۔۔!" اس کے

پاس وہی جواب تھا۔ مہرماہ کا رونا زور پکڑنے

لگا۔ زہرہ نے اس کی پیٹھ سہلائی۔

"معاف نہیں کر سکتے۔۔۔" پوچھتے ہوئے وہ رو

پڑی۔اس کے سوال پر ولید کے چہرے پر

پتھریلے تاثرات در آئے۔

"زندہ ہوتا تو کر دیتا۔۔ مرے ہوئے سے معافی

کی بھیک مانگنا تو بے وقوفی ہوتی ہے۔۔اس پر نہ

آپ کا رونا اثر کرتا ہے نہ ہی آپ کی

ندامت۔۔۔!" اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ بے

تاثر لہجے میں بولا تو زہرہ کی ٹانگیں بے جان سی ہو

گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ گر جاتی ولید نے اس

کے ہاتھوں سے مہرماہ کو جھپٹ لیا۔

"پہلے خود کو خاموش کرواؤ۔۔اپنی بیٹی کے لیے

میں کافی ہوں۔۔!" درشت لہجے میں کہتا وہ روتی

ہوئی مہر ماہ کو لیے کمرے سے نکل گیا۔زہرہ وہیں

بیٹھتی چلی گئی۔۔پھر اسے ولید شاہ کا یہ حکم بھی بجا

لانا پڑا تھا۔ایک بار پھر وہ اس شخص کے نکاح میں

آئی تھی جس کے نکاح میں پہلی مرتبہ آتے

ہوئے وہ رضامند نہیں تھی۔ تکلیف اسے تب

بھی ہوئی تھی، اذیت کا شکار وہ آج بھی تھی۔

آنسو اس نے تب بھی بہائے تھے، آنکھیں آج

بھی پرنم تھی۔۔ فرق صرف اتنا تھا کہ تب ظلم

کرنے والا اس کی الفت میں مبتلا تھا اور آج رحم

کرنے والا اس کی نفرت میں۔۔۔!!!زہرہ کی

سزا حقیقی معنوں میں اب شروع ہوئی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

راکنگ چئیر پر بیٹھا وہ سنجیدہ نگاہوں سے میز کے

اس پار بیٹھے شیث کو دیکھ رہا تھا۔ اے۔ سی کی

کولنگ کے باوجود وہ اس کی پیشانی پر چمکتے پسینے

کے قطرے دیکھ سکتا تھا۔ وہ دونوں اس وقت

اس چوبیس منزلہ عمارت کے تیرہویں فلور پر

واقع اس کے ویل فرنشڈ دفتر میں موجود تھے۔۔

اس کے دفتر کی ڈیکوریش اس پوری عمارت کے

دفاتر سے یکسر مختلف اور نفیس تھی۔اس کے

دفتر سے ملحق اس کے اسسٹنٹ کا دفتر گلاس والز

کے ذریعے صاف نظر آرہا تھا۔گو ان دونوں کے

مابین ہونے والی گفتگو کی آواز اس تک نہیں پہنچ

سکتی تھی لیکن پھر بھی سردار بدر لغاری نے اپنے

اسسٹنٹ کو آفس سے باہر بھیج دیا تھا۔۔

"پانی پیو گے۔۔؟" ان کے مابین خاموشی کو بدر

کی سرد آواز نے توڑا تھا۔

"وہ کہتی ہے میں بدصورت ہوں۔۔!" اس کی

پیش کش نظرانداز کرتا شیث مدھم آواز میں

بولا۔لہجے میں اذیت کا عنصر واضح تھا۔

"شیک منگوادوں۔۔؟؟" بدر نے اس بار

قدرے نرمی سے پوچھا تھا۔

"اسے میرا چہرہ اچھا نہیں لگتا۔۔وہ مجھے گونگا کہتی

ہے۔۔!" شیث کی آواز اس بار بلند ہوئی تھی۔

"آئی تھنک تمھیں جوس پینا چاہئیے۔۔!" فون

اٹھاتے ہوئے بدر نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں کیا بکواس کر رہا ہوں آپ کو پتہ نہیں چل

رہا بابا۔؟؟"میز پر دھرے دفتری لوازمات ایک

جھٹکے سے نیچے پھینکتا وہ چلایا۔اس کوشش میں

اس کی آواز پھٹ گئی۔آنکھیں سرخ ہو رہی

تھیں۔

"اور میں جو کہہ رہا ہوں وہ سنائی نہیں دے رہا

تمھیں۔۔؟ حالت دیکھو اپنی۔۔۔ بولا نہیں جا

رہا تم سے۔۔!" فون واپس پٹختا بدر اس پر دہاڑا

تھا۔ اس کی بلند آواز پر شیث سہم کر خاموش ہو

گیا۔ بدر کے چہرے پر اس پل ناقابل فہم

تاثرات تھے۔

"ایک لڑکی کے لیے تم خود کو تکلیف دے رہے

ہو شیث۔۔ یہ بات میرا ضبط آزماتی ہے۔۔!" وہ

ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا تھا۔

"وہ سر شمس سے محبت کرتی ہے۔۔ آپ جانتے

ہیں ناں۔۔؟"بدر کی طرف دیکھتے ہوئے اس

نے مدھم لہجے میں کہا۔اس کی بات پر بدر کی

آنکھیں سرد سی ہو گئیں۔

"تم بھی جانتے ہو کہ شمس اس سے محبت نہیں کر

سکتا۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔!" سینے میں جامد دل پر

سختی سے پاؤں رکھتے ہوئے اس نے بڑی سنجید گی

سے اسے یقین دلایا تھا۔

"مجھے اس بات کا علم ہے لیکن اس کے جذبات

مجھے تکلیف دیتے ہیں۔۔!" کہتے ہوئے اس کی

آواز بھیگ گئی۔ آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔

"اس کے دل میں شمس کے لیے موجود جذبات

جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا یہ تم سے وعدہ ہے

میرا۔۔!"سیدھے ہاتھ کی مٹھی بنا کر میز کی سطح پر

جماتا وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔یہ کہتے ہوئے وہ

سینے میں دھڑکتے دل کی دھڑکنوں کا بڑی بری

طرح قتل کر گیا تھا۔بدر کے کہہ دینے سے شیث

کے چہرے پر کچھ رونق آئی تھی۔

"مجھے پتہ تھا آپ میری خاطر یہ ضرور کریں

گے۔۔۔!" اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے وہ

ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا۔۔

"جس کی خاطر میں سب کچھ کر سکتا ہوں وہ تم ہی

تو ہو شیث۔۔۔!" نرم نگاہوں سے اس کی طرف

دیکھتا وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا تو شیث مسکرا

دیا۔

"تھینک یُو بابا۔۔ آپ دنیا کے بیسٹ بابا

ہو۔۔۔!" محبت بھری نگاہوں سے اس کی طرف

دیکھتا شیث مدھم لہجے میں بولا تو بدر نرمی سے

مسکرا دیا۔

"اب واپس جاؤ۔۔ اور ایچ-او-ڈی کے منہ لگنے

کی ضرورت نہیں ہے۔۔ میں خود اس سے بات

کرلوں گا۔۔ دیکھتا ہوں کیسے تمھیں سسپینڈ

کرتا ہے۔۔!" اپنی چیئر سے اٹھتے ہوئے بدر نے

سنجیدگی سے کہا تو وہ سر اثبات میں ہلاتا اٹھ کھڑا

ہوا۔

"لیکن ان لڑائی جھگڑوں سے اوائیڈ کیا کرو

یار۔۔میں نہیں چاہتا کہ تمھاری وجہ میں کسی کے

ساتھ ناانصافی کر جاؤں۔۔!" اپنا موبائل مضبوط

انگلیوں میں گھماتے ہوئے وہ لاپرواہی سے بولا تو

شیث کو سر اثبات میں ہلانا پڑا۔ پھر وہ دونوں

آگے پیچھے اس کے آفس سے نکلے تھے۔

"اگر لنچ نہیں کیا تو آؤ مجھے جوائن کرلو۔۔۔!"

لفٹ میں داخل ہوتا وہ شیث سے کہہ رہا تھا۔

شیث اسے منع کرتا دوسری بات چھیڑ چکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"توبہ اب یہ جولیٹ ٹائپ ڈریس کہاں سے

ڈھونڈتی پھروں۔۔؟؟"راحمہ سارہ اورہادیہ کے

ساتھ شاپنگ مال میں داخل ہوتی وہ بے زار کن

لہجے میں بولی۔اسے رومیو اینڈ جولیٹ پلے میں

بطور جولیٹ کا کردار مل چکا تھا۔۔

"ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔۔یہ تو

پھر ایک ڈریس ہے۔۔!" ہادیہ نے بڑی ادا سے

گھسا پٹا محاورہ دہرایا تھا۔

" آہ۔۔کم از کم اس شاپنگ مال میں تو ملنے سے

رہا۔۔کسی پرانے بازار ٹائپ ایریے کا پتہ ہے تو

وہاں چلو یار۔۔وہاں سے مل جائے شاید۔۔!"

راحمہ نے مشورہ دیا تھا۔

"اب یہاں آئے ہیں تو یہاں بھی دیکھ ہی لو۔۔

شاید مل ہی جائے۔۔!" سارہ نے اس دوران پہلی

مرتبہ بولنے کی غلطی کی تھی۔

"یہ پلے پر فارمنس کے چکر میں تم تینوں نے

مجھے پھنسایا ہے ورنہ میرا کوئی موڈ نہیں تھا۔!"

اطراف میں نظریں دوڑاتی علیشہ نے ٹھنڈی

سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"بس رہ جاؤناں۔۔ جس کام کے لیے تمھارا دل

نہ مانے بھلا اس کے لیے کون تمھیں منا سکتا

ہے۔۔ سب پتہ ہے ہمیں اس چکر میں تم سر

شمس کے چکروں میں پھنسی ہو۔۔۔!"

غیر سنجیدگی سے کہتے ہوئے ہادیہ نے آخر میں

اسے ٹھوکا مارا تو اپنی مسکراہٹ دباتی وہ سر جھکا

گئی۔

"بدتمیزی نہ کرو۔۔!" اپنی مسکراہٹ دباتے

ہوئے علیشہ نے اسے گھرکا تو وہ تینوں قہقہ لگا

ہنسی۔ تبھی وہ ان کے قریب سے گزرا تھا۔ مسحور

کن پرفیوم کی تیز خوشبو نے ان چاروں کو متوجہ

کیا تھا لیکن علیشہ نے فطرتاً گزرنے والے کی

طرف دیکھنے سے گریز برتا تھا۔

"ہائے۔۔۔ کیا لڑکا ہے یار۔۔۔ دیکھو تو بس

دیکھتے ہی رہ جاؤ۔۔۔!" ہاتھوں کی انگلیاں آپس

میں پھنساتی ہادیہ نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا

تو علیشہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دائیں

جانب دیکھا۔۔وہ لفٹ میں داخل ہو رہا تھا۔

علیشہ کا حلق کڑوا ہو گیا۔

"ہر لڑکے کو دیکھ کر تم تینوں کی نیت کیوں

خراب ہو جاتی ہے۔۔اتنا بھی کوئی شہزادہ گلفام

نہیں ہے۔۔!"علیشہ نے زہر خند لہجے میں کہا.

"ہائے نہ کرو علیشہ۔۔بہت ہینڈسم ہے یار۔۔وہ

کیا نام ہے اپنے سر کا۔۔ہاں جی سر شمس۔۔اس

کے سامنے تو وہ بھی منہ چھپاتے نظر آئیں

گے۔۔!" سارہ نے فوراً ہادیہ کی تائید کی تھی۔

"واٹ۔۔؟ کیا مسئلہ کیا ہے تم تینوں کا؟ یہ ہر

بات میں تم تینوں سر شمس کو کیوں گھسیٹ لیتی

ہو۔۔۔ان کی بات اور ہے۔۔اس غرور کی

دوکان میں مجھے بالکل انٹرسٹ نہیں ہے۔۔!"

ایک جانب لیڈیز کپڑوں کی دوکان میں گھستے

ہوئے اس نے کافی تلخی سے کہا تھا۔

"کیا مطلب..؟تم جانتی ہو اسے۔۔؟؟" اس

کے پیچھے لپکتی راحمہ نے رازدارنہ انداز میں

پوچھا۔۔

"ہاں ناں۔۔یہی تو سردار بدر لغاری ہے۔۔!"

اس نے دانت کچکچا کر کہا۔یوں جیسے اس کے منہ

میں کڑوا کریلا آگیا ہو جبکہ اس انکشاف پر ان

تینوں کا منہ کھل گیا۔

"اففف۔۔۔یہ۔۔یہ لڑکا۔۔یہ جو ابھی یہاں

سے گیا ہے یہ وہ سردار بدر لغاری ہے جو تمھیں

اپنے فارم ہاؤس پر لے گیا تھا۔۔؟؟" ہادیہ نے

قریباً چیختے ہوئے پوچھا۔ فرسٹ فلور پر گلاس

باؤنڈری کے ساتھ چلتا وہ اپنے نام کی مدھم پکار پر

نیچے دیکھنے پر مجبور ہوا تھا۔ تین لڑکیوں کے

نرغے میں کھڑی وہ بے زار نظر آرہی تھی جبکہ

وہ تینوں آنکھیں پھاڑے اسے ہی دیکھ رہی

تھیں۔علیشہ کو وہاں دیکھ کر بدر کی بھنویں تن

گئیں۔

"ہائے یار یہ سردار لوگ اتنے جوان اور

خوبصورت بھی ہوتے ہیں کیا۔۔؟؟"بدر کی

طرف سراہتی نظروں سے دیکھتے ہوئے راحمہ

نے مدھم آواز میں پوچھا۔اس کی نظروں کے

تعاقب میں علیشہ نے بھی اوپر دیکھا تھا۔

"فار گاڈ سیک اسے گھورنا بند کرو وہ ادھر ہی دیکھ

رہا ہے۔۔!" نظریں چراتے ہوئے اس نے ان

تینوں کو دبی آواز میں گھر کا۔

"صرف دیکھ ہی نہیں رہا بلکہ اب ہماری طرف آ

بھی رہا ہے۔۔!" ہادیہ نے مزید اطلاع دی۔ وہ

اب سٹئیر لفٹ کے ذریعے نیچے آ رہا تھا۔

"یار یہ مجھ سے بات کرلے تو میں اپنا دل اسے

دے دوں۔۔۔!" اپنے بازو اطراف میں

پھیلاتے ہوئے سارہ مکمل غیر سنجیدگی سے بولی۔

"شٹ اپ۔۔ ایک ہی دل ہے کس کس کو دو

گی۔۔!" اس کی کمر میں کہنی مارتے ہوئے علیشہ

دبی دبی آواز میں چیخی۔وہ واقعی ان چاروں کی

طرف ہی آرہا تھا۔

"یہاں سے ہلو جلدی۔۔۔!"علیشہ سرعت سے

پلٹی۔

"بالکل نہیں۔۔بلکہ تم اسے تھینکس کہو یہ تمھارا

شکریہ ڈیزرو کرتا ہے۔۔!" اس کا رخ واپس اسی

جانب موڑتے ہوئے اس بار ہادیہ نے کافی

سنجیدگی سے کہا تھا۔

"علیشہ چوہان۔۔اب طبعیت کیسی ہے

تمھاری۔۔؟؟"اس کے مقابل آکر ٹھہرتا وہ

جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے بولا۔اس

کی تینوں دوستوں کو اس نے یکسر نظر انداز کر دیا

تھا۔تینوں کے ارمانوں پر اوس سی پڑ گئی۔

"جی میں ٹھیک ہوں الحمد اللہ۔۔۔!" ہادیہ سے

اپناہاتھ چھڑواتے ہوئے علیشہ نے مکمل اعتماد

سے کہا۔ اس کے جواب پر اس نے اثبات میں

سر ہلایا۔ براؤن بال معمول کے برعکس آج

پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے ورنہ عموماً وہ انھیں

جیل سے سیٹ کیے رکھتا تھا۔ سیاہ گھنی بھنوؤں

تلے چمکتی سیاہ ترین بڑی بڑی آنکھیں اس کی

ذہانت کا پتہ دے رہی تھیں۔

"وہ مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔۔اچھا ہوا آپ مل

گئے۔۔!"علیشہ نے بازو لپیٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

بدر نے سوالیہ انداز میں بھنویں اچکائیں۔

"اس دن میری جان بچانے کے لیے تھینکس۔۔

آپ نے میری خاطر اپنے تابعدار پالتو جانور کو مار

دیا تھا۔۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں۔۔!"

پر سکون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی وہ

احسان کرنے والے انداز میں بولی تو بدر کے لب

ایک طرف پھیل کر سمٹ گئے۔علیشہ کے ساتھ

بت بنی کھڑی اس کی تینوں دوستوں نے دل ہی

دل میں اس مغرور مسکراہٹ کو سراہا تھا۔

"تم شاید خوش فہمی کا شکار ہو۔۔ میں نے اس

جانور کو اس لیے نہیں مارا کہ میرا مقصد تمھاری

جان بچانا تھا۔۔ میں نے اسے اس لیے مارا کیونکہ

وہ میرا اتا بعدار نہیں تھا۔۔!" بدر نے کافی

سنجیدگی سے اس کی غلط فہمی دور کی تھی۔علیشہ کو

یاد کرنے کی زحمت نہیں کرنی پڑی تھی اسے فوراً

یاد آگیا کہ وہ چیتا گرل والی حدود پار کر کے

ٹیرس والی سائیڈ پر آگیا تھا جبکہ پچھلے نے ایسا

کرنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ اہانت و تذلیل

کے شدید احساس تلے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"فائن۔۔ لیکن آپ کے ایسا کرنے سے میری

جان تو بچ گئی تھی۔۔!!" اپنا بھرم رکھنے کو علیشہ

نے بامشکل کہا۔

"ہاں یہ کہہ سکتی ہو تم۔۔!" بدر نے شانِ بے

نیازی سے کہا۔ہادیہ راحمہ اور سارہ کو علیشہ کی

بات کا یقین ہو چکا تھا۔وہ شخص غرور کی دوکان

نہیں پوری مارکیٹ تھا لیکن وہ غرور اس کی چھا

جانے والی شخصیت پر بخوبی بچ رہا تھا۔

"ویسے تم مجھے دوسری تمام عنایتوں کے لیے

تھینکس کہہ سکتی ہو جو میں نے تم پر کی

تھیں۔۔!" بدر کافی ٹھنڈے لہجے میں اسے پھر

سے ذلیل کیا تھا۔

"اوہ۔۔یعنی آپ صرف میرا تھینکس سننے کے

لیے یہاں تک آئے ہیں۔۔؟"وہ بھی علیشہ تھی،

فوراً اسے ٹکر توڑ جواب دیا تھا۔

"دراصل ایسے الفاظ نہ بولنے والوں سے بُلوانا

مجھے اچھا لگتا ہے۔۔سو ہاں میں تم سے سننے آیا

ہوں۔۔ تم چاہو تو کہہ سکتی ہو۔۔!" بدر نے کافی

اطمینان سے کہا۔

"علیشہ کہہ دوناں۔۔!!" سارہ نے اس کے کان

میں سرگوشی کی۔

"تم چپ رہو۔۔!!" علیشہ نے اسے گھر کا۔۔

"اس کی طرف سے میں آپ کو تھینکس کہتی

ہوں۔۔!" ہادیہ نے فوراً لب کشائی کی تو بدر نے

ایک نگاہ غلط اس پر ڈالی۔

"بلاضرورت بولنے والے لوگ مجھے بالکل پسند

نہیں ہیں۔۔!" بدر نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں

اس کی عزت افزائی کی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ

گئی۔

"اور مجھے آپ جیسے احسان کر کے جتانے والے

لوگ بھی بالکل پسند نہیں ہیں لیکن بہر حال

تھینکس فار ایوری تھنگ۔۔۔!"علیشہ نے

جلدی سے کہہ کر جان چھڑائی تھی۔

"لیکن احسان لے کر اسے فراموش کر دینے

والے آپ جیسے لوگ مجھے بے حد پسند ہیں۔۔یاد

رکھیے گا یہ بات۔۔!"اس کی جانب زرا سا جھک

کر سرد مہری سے کہتا وہ سیدھا ہو گیا۔ پھر اس کی

سائیڈ سے گزر کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔۔

"اففف۔۔ فضول انسان۔۔۔ ہمیشہ الٹی باتیں

کرتا ہے۔۔!" علیشہ نے پیر پٹختے ہوئے کہا۔۔

"جو بھی ہے۔۔بندہ جاندار ہے یار۔۔!" بے

عزتی کروا لینے کے باوجود یہ بولنے والی ہادیہ تھی

جبکہ علیشہ کے دماغ میں اس کا بہت پہلے کہا گیا

جملہ گونج رہا تھا۔

"جنہیں میں ناپسند کرتا ہوں وہ کبھی فائدے

میں نہیں رہتے اور جنہیں میں پسند کرلوں وہ بے

چارے تو بہت ہی خسارے میں رہتے ہیں۔۔!"

اس کی بھاری سلگتی ہوئی آواز اس کے آس پاس

ہی کہیں تھی۔ یعنی وہ اسے جتا گیا تھا کہ وہ خسارہ

اٹھانے والی ہے۔

"خدا کرے مر ہی جائے یہ۔۔!" وہ بڑبڑائی

تھی۔۔ لیکن جانے اس کی یہ بدعا کسے لگنے والی

تھی۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

ہفتے کا دن آن پہنچا تھا۔۔ سورج کی تپش معمول

کے بر عکس کچھ کم تھی شاید تپتے آسمان نے

یونیورسٹی کے طلباء کی سفارش کی تھی جو سورج کو

بار بار سفید بادل ڈھانپ رہے تھے۔یونیورسٹی

میں گھما گھمی کا سا سماں تھا۔لڑکیاں چہروں کو میک

اپ سے آراستہ کیے مختلف لباس زیب تن کیے

ہوئے تھیں۔ لڑکوں کا حال بھی ان سے کچھ

مختلف نہ تھا۔ عالم سبحانی کے ایڈمیشن کے سلسلے

میں اس کی یونیورسٹی گیا ہوا تھا سو ابھی تک وہ اس

فیسٹیول میں شامل نہیں ہوا تھا جو پورے زور و

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

شور سے جاری تھا۔ تمام اساتذہ اپنی نشستیں

سنبھالے آنے والی گھڑیوں کی ہیبت سے بے

بہرہ سٹیج پر اپنا کردار ادا کرتے مختلف طلباء کی

کارکردگی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایسے

میں علیشہ کے پلے کا وقت قریب تھا جب

انتظامیہ نے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا.

"واٹ۔۔۔؟ رومیو اور شیث حیدر؟؟" اس

نے تقریباً چیختے ہوئے پوچھا تھا۔ سارہ نے بے

اختیار اسے تھاما۔

"دیکھئے بچے آپ نے تو ایکٹ ہی کرنا ہے۔۔!"

انتظامیہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں لیکن وہ لڑکا کوئی اور تھا جس کے ساتھ میں

نے پریکٹس کی تھی۔۔!"علیشہ احتجاجاً گویا ہوئی۔

"اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو گیا ہے شاید وہ ابھی

تک نہیں آیا۔ اتنے سٹوڈنٹس میں شیث نے

بامشکل اس ایکٹ کے لیے ہامی بھری ہے آپ

پلیز مینیج کر لیں۔۔!" مقابل نے اسے سمجھانے

کی اپنی سی کوشش کی۔

"نو وے۔۔مجھے یہ پلے نہیں کرنا۔۔!"قطعیت

بھرے انداز میں کہتی وہ وہاں سے جانے کو

پلٹی۔۔انتظامیہ نے کافی ضبط سے اس ہٹ دھرم

لڑکی کی طرف دیکھا۔

"میم آپ جا کر اناؤنس کریں علیشہ ضرور کرے

گی۔۔!" سارہ نے انتظامیہ کو تسلی دی تو علیشہ اس

پر گرجی۔۔

"تمھارا دماغ ٹھیک ہے۔۔؟؟ مجھے اس شخص کے

ساتھ کوئی ایکٹ نہیں کرنا ہے۔۔!" وہ شدید

غصے سے بولی۔

"علیشہ ٹھنڈے دماغ سے سوچو پلیز۔۔!"

"مجھے نہیں سوچنا۔۔!" وہ بپھری۔

"میری بات سنو یہ اچھا موقع ہے۔۔ تم سر شمس

کو جیلس کروا سکتی ہو۔۔!" اس کے کندھے پر

ہاتھ رکھتے ہوئے سارہ نے مدھم لہجے میں کہا.

"وہ ایڈیٹ میری پرسنیلیٹی بھی خراب کر دے

گا یار۔۔مجھے نہیں کرنا۔۔!"علیشہ نے اس بار

کچھ مدھم آواز میں احتجاج کیا۔

"اتنا برا بھی نہیں ہے اور پھر تم نے تو ایکٹ ہی

کرنا ہے۔۔ سر جانتے ہیں کہ وہ تمھیں پسند کرتا

ہے دیکھنا کتنا جیلس ہوں گے وہ۔۔۔!" سارہ نے

اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"اور ایکٹ کیسے کرے گا وہ۔۔؟ آواز تو اس کی

نکلتی ہی نہیں۔۔!" علیشہ نے بے زاری سے کہا۔

"یار بولنے کے لیے ٹرانسلیٹرز ہیں ناں۔ تم

دونوں نے صرف پرفارم کرنا ہے۔۔ چلو جاؤ

اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے۔۔!" سارہ نے اس کی

پشت سہلاتے ہوئے اسے حوصلہ دیا تو وہ منہ

بسورتی سٹیج کی طرف بڑھ گئی۔۔

□♦□♦□♦□♦

"ہو۔۔۔ہُو۔۔۔و۔۔۔۔وُوووو۔۔۔"تالیوں

کے بھرپور شور سمیت سٹیج سے نیچے کرسیوں

سے بھرا ہال روم اس وقت طلباء کی پرجوش

آوازوں سے گونج رہا تھا۔ آنکھوں میں خوشنما

رنگ اور ہاتھوں کو خوشی سے پیٹتے وہ سٹیج پر

ٹرانسلیٹرز کو بولتے اور کرداروں کو حرکت کرتا

دیکھ پچھلے دس منٹ سے خاموش تھے لیکن اب

منظر ہی ایسا تھا کہ ہر لب پر شوخ فقرے اور ہر

آنکھ میں شرارت تھی۔۔

"سپیک رومیو۔۔۔سپیک۔۔۔"ہاتھ کا مکا بنا کر

نعرہ لگانے والے انداز میں کچھ منچلے لڑکوں نے

سٹیج پر کھڑے شیث کو اکسایا تھا جو آنکھوں میں

رومیو کے جذبات لیے علیشہ کو تک رہا تھا۔۔۔

اسکے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ اس پل ہولے

ہولے ڈانس کے سٹیپس لے رہی تھی۔۔

"ڈُواٹ مین۔۔۔!" طلباء پھر سے چیخے

تھے۔۔۔ لڑکیوں کی کھکھلاہٹیں عروج پر

تھیں۔۔ جبکہ اس کی تینوں دوستیں اس کی

اندرونی حالت کو سمجھتی اس کے بعد کے رد عمل

کو سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں۔

سٹیج پر شیث اور علیشہ کے دائیں بائیں کھڑے

ٹرانسلیٹرز جن میں رومیو کے رول کو ٹرانسلیٹ

کرنے کے لیے لڑکا اور جولیٹ کے رول کو

ٹرانسلیٹ کرنے کے لیے لڑکی موجود تھی، ان

دونوں کے لبوں پر بھی دبی دبی سی ہنسی تھی۔۔ گو

موجودہ رومینٹک سین کو ان دونوں ہی کو محض

"پریٹینڈ" (دکھاوا) کرنا تھا لیکن اس پل شیث کی

آنکھیں علیشہ کے نقوش کو تکتی بہک رہی

تھیں۔۔اپنے ہاتھوں پر اسکے مضبوط ہاتھوں کی

گرفت محسوس کرتی وہ پہلی بار اس شخص کی محبت

کی شدت سے کانپ رہی تھی۔۔اس قدر ہجوم

میں علیشہ کا اعتماد جانے کہاں جاسویا تھا. ان

دونوں کی کیفیات سے بے بہرہ ٹرانسلیٹرز نے

ایک ساتھ اگلے الفاظ ادا کیے تھے۔۔

"ایز ایٹ دی بال (بال ایک عیسائی مجلس جس

میں امیر غریب طبقہ شرکت کرکے رقص کرتا

ہے اور شادیاں طے کی جاتی ہیں) رومیو از اٹریکٹڈ

بائے اے گرل نیمڈ 'جولیٹ'۔۔اینڈ دے میک

ڈئیر لو، ام-مورٹل ود اے کِس۔۔!"(جیسا کہ

بال میں رومیو ایک جولیٹ نامی لڑکی کے لیے

کشش محسوس کرتا ہے اور دونوں اپنی محبت کو

ایک بوسے سے امر کرتے ہیں)

اگلے لمحات کا سوچتے ہوئے جہاں شیث اور علیشہ

کے دھڑکتے دلوں کی دھڑکنیں بے ہنگم ہوئی

تھیں وہیں سٹیج کے قریب ترین صوفوں پر

براجمان اساتذہ میں سے شمس کی آنکھیں عجیب

احساس سے جل اٹھیں تھیں۔۔وہ شیث کو علیشہ

کے ساتھ دیکھ کر پہلے حیران ہوا تھا اور اب

جانے کیوں اس کی سوچیں منتشر ہو رہی تھیں۔

"ہے رومیو ڈواٹ یار۔۔۔!" ہال میں شور بڑھنے

لگا۔۔ سٹیج کی جانب یک ٹک تکتی دو سنہری

آنکھوں میں برف سی جمتی ان کی رنگت غیر

کرنے لگی۔۔

"ڈونٹ ڈو دِز۔۔۔!" شیث کی آنکھوں میں

دیکھتی علیشہ کے لب بہت آہستگی سے

پھڑ پھڑائے تھے۔۔۔بے حد دھیمی غراہٹ نما

آواز جسے شیث ہی سن پایا تھا لیکن اس پل اسے

اپنے قریب دیکھ کر وہ صرف اپنے دل کی شور

مچاتی دھڑکنوں کو ہی سن پا رہا تھا۔۔بے خود ہوتا

وہ اس کے حسین چہرے پر جھکتا چلا گیا۔۔شیث

کے اس عمل پر ہال روم میں شور بڑھتا چلا گیا۔۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

شمس نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں جبکہ

اپنے چہرے پر اسکی سانسیں محسوس کرتی علیشہ

ہوش میں آتی اپنے کردار کے بالکل الٹ اپنا چہرہ

پیچھے کر گئی۔۔ اسکے ساتھ ہی فضا کو چیرتی ایک

گرم ترین سلاخ شیث کی کنپٹی کو چیرتی دوسری

جانب سے نکلتی چلی گئی جس کے نتیجے میں اسکے

سر کو پیچھے کی جانب ایک زور دار جھٹکا لگا تھا اور وہ

لڑکھڑا کر سیدھا ہوا۔۔گھنے بال جو اسکی پیشانی پر

ہمیشہ جچتے تھے اس پل بکھر گئے۔۔پل بھر میں

سرخ خون کے چھینٹے علیشہ کے چہرے پر پڑے

تھے۔۔اس نے پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے

شیث کی بے نور ہوتی آنکھوں کو دیکھا۔۔چہرے

کی سفید رنگت پل میں زرد ہوئی تھی۔۔سرخ

لب درد کی شدت سے پھڑ پھڑ ائے تھے۔۔

"با۔۔۔با۔۔۔۔مم۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔کچھ۔۔۔

نظ۔۔۔۔ر۔۔۔۔ن۔۔۔نہیں آرہا۔۔۔۔!" سٹیج

پر گھٹنوں کے بل گرتے ہوئے اسکے حلق سے

بامشکل آواز نکلی تھی۔۔پورے ہال میں پل بھر

کو سناٹا چھا گیا۔۔وہاں موجود نفوس کے لیے

سمجھنا مشکل تھا کہ علیشہ نے پہلے چہرہ پیچھے کیا تھا یا

شیث کو بلٹ پہلے لگی تھی۔۔ منظر بدل چکا تھا،

تھوڑی دیر پہلے اس کی جانب پر شوق نگاہوں سے

تکنے والا شیث موت کی آغوش میں جا رہا تھا۔۔

لیکن۔۔۔؟؟؟؟ سوال کیا تھا۔۔؟؟؟ ایکٹ کے

مطابق اسے ابھی نہیں مرنا تھا۔۔ہاں اسے ابھی

نہیں مرنا تھا۔۔ابھی تو جولیٹ اور اسکی محبت کو

پروان چڑھنا تھا۔۔۔؟؟؟؟اسے مرنا تھا

لیکن۔۔؟؟؟اسے تو فرضی طور پر مرنا

تھا۔۔۔؟؟؟ایسے ہی کئی سوالیہ نشان اسکے

سامنے آ کھڑے ہوتے اس کے حواس

جھنجھوڑنے لگے۔۔ سٹیج طلبا اور اساتذہ سے

بھرنے لگا۔۔ شیث کو سنبھالنے کی کوشش میں

غلطاں وہ اس صورتحال پر حیران پریشان

تھے۔۔ لیکن وہ وقت سے پہلے۔۔۔ جا چکا تھا۔۔

فرضی طور پر نہیں، شاید حقیقی طور

پر۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟علیشہ بے دم ہوتی وہیں بیٹھتی

چلی گئی۔۔وہاں موجود تمام نفوس نے گردن

موڑ کر گولی چلانے والے کی جانب دیکھا جو

چہرے پر پتھریلے تاثرات سجائے نفرت سے

سٹیج پر گرتے شیث کو دیکھ رہا تھا۔۔اس کی پشت

پر کھڑے آٹھ گارڈز کی گنز کا رخ ہال روم میں

براجمان ان تمام سٹوڈنٹس کی جانب ہی تھا جس کا

ایک ہی مطلب تھا کہ اس کے اس اقدام پر اس

کے سامنے اف بھی نہ کی جائے۔۔۔سارنگ

تیزی سے چلتا سٹیج تک آیا تھا اور بے جان ہوتی

علیشہ کا بازو گھسیٹ کر اسے کھڑا کیا۔۔اس نے

خالی خالی نظروں سے مقابل کو دیکھا۔۔دھندلی

ہوتی آنکھوں میں شیث کا خون آلود چہرہ گھوم

گیا۔۔۔

"تت۔۔۔تم۔۔ایسا کیسے کر سکتے ہو۔۔؟"علیشہ

کے لب بے یقینی کی سی کیفیت میں ہلے.

"میرے علاوہ تمھیں جو چھوئے گا وہ جان سے

جائے گا۔۔!"اس کی حیران آنکھوں میں

آنکھیں ڈالے وہ غرایا تھا۔وہاں شور اور آوازیں

حد سے بڑھ چکی تھیں جن سے اس کے گارڈز

نمٹ رہے تھے۔۔ سارنگ کی جانب دیکھتی وہ

اپنے ہوش و حواس گنواتی چلی گئی۔۔ وہ بنا پرواہ

کیے اسے باہوں میں بھرتا وہاں سے نکلتا چلا

گیا۔۔ جبکہ اس کے پیچھے۔۔۔ کچھ دیر پہلے تک

شیث اور علیشہ کو دیکھ کر سلگتی سنہری آنکھیں

۔۔۔شیث کے بے جان وجود کو ہاتھوں میں لیے

بھیگتی چلی جا رہی تھیں۔وہ آنکھیں کسی اور کی

نہیں، سردار شمس البدر لغاری کی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

"ہو۔۔۔ہُو۔۔۔و۔۔۔۔وُووو۔۔۔"تالیوں

کے بھرپور شور سمیت سٹیج سے نیچے کرسیوں

سے بھرا ہال روم اس وقت طلباء کی پرجوش

آوازوں سے گونج رہا تھا۔ آنکھوں میں خوشنما

رنگ اور ہاتھوں کو خوشی سے پیٹتے وہ سٹیج پر

ٹرانسلیٹرز کو بولتے اور کرداروں کو حرکت کرتا

دیکھ پچھلے دس منٹ سے خاموش تھے لیکن اب

منظر ہی ایسا تھا کہ ہر لب پر شوخ فقرے اور ہر

آنکھ میں شرارت تھی۔۔

"سپیک رومیو۔۔۔ سپیک۔۔۔" ہاتھ کا مکا بنا کر

نعرہ لگانے والے انداز میں کچھ منچلے لڑکوں نے

سٹیج پر کھڑے شیث کو اکسایا تھا جو آنکھوں میں

رومیو کے جذبات لیے علیشہ کو تک رہا تھا۔۔۔

اسکے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ اس پل ہولے

ہولے ڈانس کے سٹیپس لے رہی تھی۔۔

"ڈُواٹ مین۔۔۔!" طلباء پھر سے چیخے

تھے۔۔۔ لڑکیوں کی کھکھلاہٹیں عروج پر

تھیں۔۔ جبکہ اس کی تینوں دوستیں اس کی

اندرونی حالت کو سمجھتی اس کے بعد کے رد عمل

کو سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں۔

سٹیج پر شیث اور علیشہ کے دائیں بائیں کھڑے

ٹرانسلیٹرز جن میں رومیو کے رول کو ٹرانسلیٹ

کرنے کے لیے لڑکا اور جولیٹ کے رول کو

ٹرانسلیٹ کرنے کے لیے لڑکی موجود تھی، ان

دونوں کے لبوں پر بھی دبی دبی سی ہنسی تھی۔۔ گو

موجودہ رومینٹک سین کو ان دونوں ہی کو محض

"پریٹینڈ" (دکھاوا) کرنا تھا لیکن اس پل شیث کی

آنکھیں علیشہ کے نقوش کو تکتی بہک رہی

تھیں۔۔اپنے ہاتھوں پر اسکے مضبوط ہاتھوں کی

گرفت محسوس کرتی وہ پہلی بار اس شخص کی محبت

کی شدت سے کانپ رہی تھی۔۔اس قدر ہجوم

میں علیشہ کا اعتماد جانے کہاں جا سویا تھا. ان

دونوں کی کیفیات سے بے بہرہ ٹرانسلیٹرز نے

ایک ساتھ اگلے الفاظ ادا کیے تھے۔۔

"ایز ایٹ دی بال (بال ایک عیسائی مجلس جس

میں امیر غریب طبقہ شرکت کر کے رقص کرتا

ہے اور شادیاں طے کی جاتی ہیں) رومیو از اٹریکٹڈ

بائے اے گرل نیمڈ 'جولیٹ '۔۔ اینڈ دے میک

ڈئیر لو، ام-مورٹل ود اے کِس۔۔!" (جیسا کہ

بال میں رومیو ایک جولیٹ نامی لڑکی کے لیے

کشش محسوس کرتا ہے اور دونوں اپنی محبت کو

ایک بوسے سے امر کرتے ہیں)

اگلے لمحات کا سوچتے ہوئے جہاں شیث اور علیشہ

کے دھڑکتے دلوں کی دھڑکنیں بے ہنگم ہوئی

تھیں وہیں سٹیج کے قریب ترین صوفوں پر

براجمان اساتذہ میں سے شمس کی آنکھیں عجیب

احساس سے جل اٹھیں تھیں۔۔وہ شیث کو علیشہ

کے ساتھ دیکھ کر پہلے حیران ہوا تھا اور اب

جانے کیوں اس کی سوچیں منتشر ہو رہی تھیں۔

"ہے ای رومیو ڈوواٹ یار۔۔۔!" ہال میں شور

بڑھنے لگا۔۔ سٹیج کی جانب یک ٹک تکتی دو سنہری

آنکھوں میں برف سی جمتی ان کی رنگت غیر

کرنے لگی۔۔

"ڈونٹ ڈو دِز۔۔۔!" شیث کی آنکھوں میں

دیکھتی علیشہ کے لب بہت آہستگی سے

پھڑ پھڑائے تھے۔۔۔بے حد دھیمی غراہٹ نما

آواز جسے شیث ہی سن پایا تھا لیکن اس پل اسے

اپنے قریب دیکھ کر وہ صرف اپنے دل کی شور

مچاتی دھڑکنوں کو ہی سن پا رہا تھا۔۔بے خود ہوتا

وہ اس کے حسین چہرے پر جھکتا چلا گیا۔۔شیث

کے اس عمل پر ہال روم میں شور بڑھتا چلا گیا۔۔

شمس نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں جبکہ

اپنے چہرے پر اسکی سانسیں محسوس کرتی علیشہ

ہوش میں آتی اپنے کردار کے بالکل الٹ اپنا چہرہ

پیچھے کر گئی۔۔ اسکے ساتھ ہی فضا کو چیرتی ایک

گرم ترین سلاخ شیث کی کنپٹی کو چیرتی دوسری

جانب سے نکلتی چلی گئی جس کے نتیجے میں اسکے

سر کو پیچھے کی جانب ایک زور دار جھٹکا لگا تھا اور وہ

لڑکھڑا کر سیدھا ہوا۔۔گھنے بال جو اسکی پیشانی پر

ہمیشہ بچھتے تھے اس پل بکھر گئے۔۔پل بھر میں

سرخ خون کے چھینٹے علیشہ کے چہرے پر پڑے

تھے۔۔اسنے پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے

شیث کی بے نور ہوتی آنکھوں کو دیکھا۔۔چہرے

کی سفید رنگت پل میں زرد ہوئی تھی۔۔سرخ

لب درد کی شدت سے پھڑ پھڑ ائے تھے۔۔

"با۔۔۔با۔۔۔۔ مم۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔کچھ۔۔۔

نظ۔۔۔۔ر۔۔۔ن۔۔۔ نہیں آرہا۔۔۔۔!" سٹیج

پر گھٹنوں کے بل گرتے ہوئے اسکے حلق سے

بامشکل آواز نکلی تھی۔۔ پورے ہال میں پل بھر

کو سناٹا چھا گیا۔۔ وہاں موجود نفوس کے لیے

سمجھنا مشکل تھا کہ علیشہ نے پہلے چہرہ پیچھے کیا تھا یا

شیث کو بلٹ پہلے لگی تھی۔۔منظر بدل چکا تھا،

تھوڑی دیر پہلے اسکی جانب پر شوق نگاہوں سے

تکنے والا شیث موت کی آغوش میں جا رہا تھا۔۔

لیکن۔۔۔؟؟؟؟سوال کیا تھا۔۔؟؟؟ایکٹ کے

مطابق اسے ابھی نہیں مرنا تھا۔۔ہاں اسے ابھی

نہیں مرنا تھا۔۔ابھی تو جولیٹ اور اسکی محبت کو

پروان چڑھنا تھا۔۔۔؟؟؟؟اسے مرنا تھا

لیکن۔۔؟؟؟اسے تو فرضی طور پر مرنا

تھا۔۔۔؟؟؟ایسے ہی کئی سوالیہ نشان اسکے

سامنے آکھڑے ہوتے اسکے حواس جھنجھوڑنے

لگے۔۔ سٹیج طلبا اور اساتذہ سے بھرنے لگا۔۔

شیٹ کو سنبھالنے کی کوشش میں غلطاں وہ اس

صورتحال پر حیران پریشان تھے۔۔ لیکن وہ

وقت سے پہلے۔۔۔ جا چکا تھا۔۔ فرضی طور پر

نہیں، شاید حقیقی طور پر۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟علیشہ

بے دم ہوتی وہیں بیٹھتی چلی گئی۔۔وہاں موجود

تمام نفوس نے گردن موڑ کر گولی چلانے والے

کی جانب دیکھا جو چہرے پر پتھریلے تاثرات

سجائے نفرت سے سٹیج پر گرتے شیث کو دیکھ رہا

تھا۔۔اسکی پشت پر کھڑے آٹھ گارڈز کی گنز کا

رخ ہال روم میں براجمان ان تمام سٹوڈنٹس کی

جانب ہی تھا جس کا ایک ہی مطلب تھا کہ اس

کے اس اقدام پر اسکے سامنے اف بھی نہ کی

جائے۔۔۔سارنگ تیزی سے چلتا سٹیج تک آیا تھا

اور بے جان ہوتی علیشہ کا بازو گھسیٹ کر اسے

کھڑا کیا۔۔ اسنے خالی خالی نظروں سے مقابل کو

دیکھا۔۔ دھندلی ہوتی آنکھوں میں شیث کا خون

آلود چہرہ گھوم گیا۔۔۔

"تت۔۔۔تم۔۔ایسا کیسے کر سکتے ہو۔۔؟"علیشہ

کے لب بے یقینی کی سی کیفیت میں ہلے.

"میرے علاوہ تمہیں جو چھوئے گا وہ جان سے

جائے گا۔۔!"اس کی حیران آنکھوں میں

آنکھیں ڈالے وہ غرایا تھا۔وہاں شور اور آوازیں

حد سے بڑھ چکی تھیں جن سے اسکے گارڈز نمٹ

رہے تھے۔۔ سارنگ کی جانب دیکھتی وہ اپنے

ہوش و حواس گنواتی چلی گئی۔۔ وہ بنا پرواہ کیے

اسے بانہوں میں بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔۔

جبکہ اسکے پیچھے۔۔۔ کچھ دیر پہلے تک شیث اور

علیشہ کو دیکھ کر سلگتی سنہری آنکھیں۔۔۔ شیث

کے بے جان وجود کو ہاتھوں میں لیے بھیگتی چلی

جا رہی تھیں۔ وہ آنکھیں کسی اور کی نہیں، سردار

شمس البدر لغاری کی تھیں۔

"ایمبولنس بلاؤوووو۔۔۔!" شیث کا خون سے تر

ہوتا چہرہ ہاتھوں میں لیے وہ اپنی پوری قوت سے

دھاڑا تھا۔۔ طلباء نے کچھ حیرت سے اس کی

آنکھوں میں پھیلتی نمی کو دیکھا تھا۔ بھلا وہ شیث

کے لیے کیونکر پاگل ہو رہا تھا؟ وہ آس پاس سے

بے بہرہ شیث کی بے نور ہو چکی آنکھوں میں

جھانکتا اسے مخاطب کرنے کی کوشش کر رہا تھا

معاً کوئی اس کے دائیں کان کے بے حد قریب چیخا

تھا۔ شمس نے گردن موڑ کر دھندلی آنکھوں

سے چیخنے والے کی جانب دیکھا۔ اس کے کندھے

پر ہاتھ رکھے بیٹھا وہ سیاہ آنکھوں سے اسے ہی

دیکھ رہا تھا۔

"تم۔۔ شمس ہو۔۔ تم۔۔۔۔ یہ نہیں کر سکتے بے

وقوف۔۔۔!" آس پاس پھیلتے شور سے بے بہرہ

شمس کی سماعتوں نے اپنے قریب بیٹھے بدر لغاری

کی مدھم آواز بہت واضح طور پر سنی تھی۔

"سنبھالو خود کو۔۔۔!" وہ غرایا تھا۔ ساکت

نظروں سے بدر کی طرف دیکھتے ہوئے شمس نے

آہستگی سے شیث کا سر اپنی گود سے پیچھے کر دیا۔

طلباء شیث کے بے دم وجود کو ہاسپٹل لے جانے

کے لیے تھام چکے تھے۔ شمس نے پانی بھری

آنکھوں سے اپنے قریب وہ چہرہ دیکھا جو اس پل

بے تاثر تھا۔

"لیکن شیث۔۔۔؟" اس کے لب آہستگی سے

پھڑپھڑائے۔۔

"وہ مر چکا ہے۔۔!" بدر کا لہجہ اس پل زہر ہو رہا

تھا۔ سیاہ آنکھوں میں ناچتی ویرانی اس کے اندر

کی وحشتوں کا پتہ دے رہی تھی۔ بدر کو دیکھتے

شمس کے تاثر پل میں بدلے تھے۔۔آنکھیں

لمحوں میں سرد ہوئی تھیں۔لب بھینچتا وہ اٹھ کھڑا

ہوا۔۔ایک نظر بدر پر ڈالی تھی جواب خود بھی

کھڑا ہو رہا تھا۔

"میں شیث کے پاس جا رہا ہوں۔۔!" بدر کو

دیکھتے ہوئے شمس نے دھیمی لرزتی ہوئی آواز

میں کہا۔ وہ دل کی اذیت پر قابو پانے کی کوشش

کرتے ہوئے آنکھوں کو نم ہونے سے روک چکا

تھا۔۔

"اس کے پاس تم نہیں، میں جاؤں گا.. سمجھ رہے

ہوناں۔۔؟" بدر نے مدھم آواز میں کہا۔ سیاہ

آنکھوں میں خالی پن سا تھا۔ شمس نے اثبات میں

سر ہلایا پھر اپنے مقابل کھڑے اس وجود کو چیرتا

وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ پیچھے سردار بدر لغاری کا

تخیلاتی وجود ہوا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

شام ڈھل چکی تھی، رات کے گہرے سائے چہار

سُو پھیلتے چلے جارہے تھے جب جہاز نے کراچی

کے ائیرپورٹ پر لینڈ کیا تھا۔ تمام مسافروں کی

طرح چیکنگ کروا کر جب وہ چیکنگ ایریا سے باہر

نکلا تو سامنے ہی عالم، سبحانی اور ناجیہ بیگم کو اپنا

منتظر پایا تھا۔ ایک دھیمی مسکان نے اس کے

لبوں کو چھو لیا تھا۔ سرمئی آنکھوں میں ہلکورے

لیتی اداسی کچھ کم ہوئی تھی۔وہ بے تابانہ ان کی

طرف بڑھا۔۔

"السلام علیکم۔۔۔!"اپنی جانب لپکتی ناجیہ بیگم

کو اپنے حصار میں لیتے ہوئے اس نے عقیدت

سے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ الحمد اللہ۔۔۔ شکر الحمد للہ کہ

اللہ نے مجھے یہ وقت دکھایا۔۔!" اپنے لرزتے

ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرتے ہوئے وہ بھیگی

ہوئی آواز میں بولیں تو منصب کے لبوں کی

مسکراہٹ گہری ہو گئی۔۔

"بابا سرکار نہیں آئے۔۔؟؟" ان کی پشت سے

پیچھے دور تک نظریں دوڑاتے ہوئے اس نے کچھ

حیرانگی سے پوچھا۔اس کے سوال پر ناجیہ بیگم کی

آنکھوں میں اذیت در آئی۔۔

"تمھیں پتہ تو ہے اُن کا۔۔!" اس کے چوڑے

کندھوں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے انھوں

نے نرمی سے کہا تو منصب کی آنکھیں بجھ سی

گئیں۔

"جو آئے ہیں پہلے اُن سے تو مل لیں بھائی۔۔!"

اس کے قریب آتے ہوئے سبحانی نے شکوہ کناں

انداز میں کہا تو منصب نے اسے ایک بازو کے

گھیرے میں لے کر دوسرے سے عالم کو گلے

لگایا۔

"میں نے تم دونوں کو بہت مِس کیا۔۔!" ان

دونوں کی پیٹھ تھپکتے ہوئے منصب نے مدھم آواز

میں کہا۔

"یہ تو جھوٹ ہے۔۔ بہت مِس تو آپ نے کیا

ہو گا لیکن ہم دونوں کو نہیں، بلکہ اپنی "اُن" کو کیا

ہو گا۔۔۔!" اس سے الگ ہوتے ہوئے سجانی

نے اسے چھیڑا۔ اس کے کامیاب تکے پر عالم نے

لاپرواہی سے کندھے اچکائے جیسے اپنی لاعلمی کا

اظہار کیا ہو۔

"اور میری "اُن" سے تم کیسے واقف ہو۔۔؟؟"

اس کا کان کھینچتے ہوئے منصب نے غیر سنجیدگی

سے پوچھا۔

"میرے موکل مجھے سب بتا دیتے ہیں۔۔!"

سبحانی نے فرضی کالر اکڑائے۔

"موکل نہیں یہ جو بڑے بڑے کان دیواروں

سے لگا کر تمھیں باتیں سننے کی گندی عادت ہے

ناں تمھارے ناکام تکے اسی کا نتیجہ ہیں۔۔!"اس

کے شانے پر تھپڑ مارتے ہوئے ناجیہ بیگم نے

اسے لتاڑا تو وہ دانت نکوسنے لگا۔۔

"بڑے کان تو ذہین افراد کے ہوتے ہیں۔۔!"

سبحانی نے شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"ہمم۔۔۔ پھر تو تمھیں ہمارے ساتھ نہیں، چڑیا

گھر میں اپنے ہم شکل ہاتھیوں کے ساتھ رہنا

چاہیئے۔۔۔!" اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ

گھسیٹتے ہوئے عالم نے کافی سنجیدگی سے کہا تو

منصب بے اختیار مسکرایا۔ سوٹ کیس کا ہینڈل

تھامے وہ ناجیہ بیگم کو خود سے لگاتا آگے بڑھ گیا۔

عالم اور سبحانی اس کے پیچھے پیچھے ہی تھے۔ ان

کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹ چکی تھی۔ آنکھوں

کی شوخیاں معدوم ہو چکی تھیں۔

"اگر بھائی نے پوچھ لیا تو پھر۔۔؟؟" سجانی نے

نہایت مدھم آواز میں عالم سے پوچھا۔

"ابھی اسے گھر تو جا لینے دو۔۔!" عالم نے سنجیدگی

سے کہا تبھی ان دونوں کے کانوں میں منصب کی

آواز پڑی تھی۔

"اماں علیشہ کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں

آئی۔۔؟؟" اس کے سوال پر ناجیہ بیگم کے

چہرے کی رنگت بدلی تھی۔عالم اور سبحانی نے

بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"میں پڑھنا چاہتی ہوں۔۔!" ان کے سامنے سر

جھکائے کھڑی وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی۔

اس کی بات پر ولید عالم شاہ نے سنجیدہ نظروں

سے اس کی جانب دیکھا۔ بلاشبہ وہ اسے کبھی انکار

نہیں کر سکتے تھے لیکن اس کی اس خواہش کو پورا

کرنا۔۔؟ کیا اس کے لیے سود مند تھا۔۔؟

"شادی میں چند ماہ ہی تو رہ گئے ہیں۔۔ مجھے اچھا

لگتا اگر تم شادی کے بعد اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ

شروع کرتی تو۔۔!" نرمی سے مسکراتے ہوئے

ولید عالم شاہ نے بڑے سبھاؤ سے انکار کیا تھا۔

"میرا ایک سال پہلے ہی ضائع ہو چکا ہے، اگر

شادی کا انتظار کیا تو پھر یہ دوسرا سال بھی ضائع ہو

جائے گا۔۔ایک سال ضائع ہونے کا غم نہیں جا

رہا آپ دوسرے کا غم بھی دینا چاہتے

ہیں۔۔؟؟" انھی کے انداز میں مسکراتے ہوئے

مہرماہ نے قدرے تلخی سے کہا تو ولید کے لبوں کی

مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"تمھیں غم دینا مجھے زہر سے بھی برا لگتا ہے

مہر۔۔!" کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہوتے وہ مکمل

سنجیدگی سے بولے تو مہرماہ کی آنکھوں میں شکوہ

در آیا۔

"پھر فیصلہ کر لیں ابی جی۔۔ آپ مجھ سے وہ

کروانا چاہتے ہیں جو آپ کو اچھا لگتا ہے یا پھر آپ

وہ کریں گے جو مجھے غم سے دوچار کرتا ہے۔۔!"

وہ بڑی معنی خیزی سے انھیں ان کی دونوں باتیں

لوٹاتی بے بس کر چکی تھی۔ ولید عالم شاہ نے کچھ

ضبط سے اس کی جانب دیکھا جس کی آنکھوں میں

اس پل اداسی ہلکورے لے رہی تھی۔ وہ آگے

بڑھے اور نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں کل تمھارا ایڈمیشن بھیج دوں گا۔ وعدہ

رہا۔!" نرم نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے وہ

پر شفقت لہجے میں بولے تو مہر ماہ کے لبوں پر

ایک پھیکی سی مسکان دوڑ گئی۔ آنکھیں بے اختیار

بھر آئی تھیں۔

"تھینک یُو ابی۔۔ تھینک یُو ویری مچ۔۔!" ان

کے سینے سے لگتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو

ولید شاہ نے آہستگی سے اس کی پیشانی چوم لی۔

اس کی آنکھوں سے نکلتے آنسو نے چپکے سے ان

کی قمیض کو چھوا تھا۔وہ معمولی سی نمی ولید عالم شاہ

کو اپنی روح کو چیرتی محسوس ہوئی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

چھت سے لٹکتے پنکھے کی گھوں گھوں کی آواز

کمرے کی خاموشی میں ارتعاش برپا کر رہی تھی۔

مہرماہ کو گود میں لیے بیٹھی وہ مدھم آواز میں اسے

لوریاں دیتی سلانے میں کافی حد تک کامیاب ہو

چکی تھی۔ گزشتہ دو سالوں کا ریکارڈ برقرار رکھے

ہوئے وہ اس کے وجود سے بے نیاز سا مسہری پر

لیٹا ہوا تھا۔ ساکت نظریں چھت کو تکتی کسی غیر

مرئی نقطے کو گھور رہی تھیں۔ سماعتیں اس کی

مدھم آواز کی جانب ہی متوجہ تھیں جو مہرماہ کے

ننھے وجود کے ساتھ محو گفتگو تھی۔۔ دو دن قبل

اس سے تجدید نکاح کے بعد ولید شاہ نے اسے

اپنے کمرے میں رہنے کا حکم دے دیا تھا۔ اور

اندھے کو چاہیئے ہی کیا تھا؟؟ فقط دو آنکھیں۔۔

اور وہ بھی تو اس کی محبت میں اندھی ہی ہو چکی

تھی کہ اس کی ناانصافیوں پر آنکھیں بند کیے بس

سر جھکائے اس جرم کی سزا کاٹ رہی تھی جو اس

سے نادانستگی میں سرزد ہوا تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔۔؟؟"مہرماہ کو اس

کے چھوٹے سے بستر پر لیٹا کر وہ ہمت کرتی اس

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

کی جانب آئی تھی۔ گزشتہ دو دنوں میں وہ پہلی

مرتبہ اس سے مخاطب ہو رہی تھی۔۔

"میری طبعیت تمھارا مسئلہ نہیں ہے۔۔!" اس

کی طرف دیکھے بنا وہ کاٹ دار لہجے میں بولا۔ اس

کی نظروں کی یہ بے گانگی دن بادن زہرہ کو

کھوکھلا کرتی جارہی تھی. اس کا روم روم مقابل کی

ایک نگاہِ محبت کے لیے ترس رہا تھا اور وہ تھا کہ

پتھر بنا بیٹھا تھا۔

"تھک گئے ہیں تو پاؤں دبا دوں۔۔؟؟" اس کے

جواب کی تلخی پی کر اس کی پائنتی زمین پر بیٹھتی وہ

اسکے پیروں کو نرمی سے چھوتے ہوئے بولی تھی۔

اس کی انگلیوں کی نرمی اپنے پیروں پر محسوس

کرتا وہ پل بھر کو سن سارہ گیا۔ولید فوراً اپنے

پاؤں پیچھے کرتا اٹھ کر بیٹھا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے تمھارے ساتھ۔۔؟ جا کر سو

جاؤ۔۔۔!" اسے بری طرح ڈانٹتا وہ اس بار بھی

اسے دیکھنے سے احتراز برت رہا تھا۔

"سر میں درد ہے تو سر دبا دیتی ہوں۔۔!" زہرہ

پر جیسے کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ مدھم آواز لرزتا

لہجہ۔۔ ولید شاہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"مجھے تمھاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔۔

میرے سامنے سے ہٹو اور اپنی جگہ پر جا کر سو جاؤ

ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا زہرہ نور۔۔۔!"

نظریں اس پر جمانے کی سعی کرتا وہ سرد لہجے میں

بولا تھا۔ بھنورا آنکھوں سے نظر ملنے پر ولید شاہ

کی نگاہیں ویران سی ہوئی تھیں۔ماضی تیزی سے

اس کی یادداشت کے پردے پر لہرایا تھا۔ وجود

میں دوڑتا خون ابلنے لگا۔

"بیوی ہوں میں آپ کی۔۔ اس لیے اپنے

فرائض پورے کرنے کی کوشش کر رہی

ہوں۔۔!" ہاتھوں کی انگلیاں مسلتے ہوئے اس

نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ولید آنکھوں میں

سرد مہری لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔

"پھر تو مجھ سے حقوق کی ادائیگی بھی چاہتی ہو گی

تم۔۔؟؟"اس کی جانب دیکھتا وہ استہزاء آمیز

لہجے میں بولا تو زہرہ نے کچھ نا سمجھی سے اس کی

جانب دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی ولید

نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔

"میں حقوق غصب کرنے والوں میں سے نہیں

ہوں زہرہ نور۔۔۔!" اسے اپنے حصار میں لیتا وہ

سرگوشیانہ بولا تھا۔ زہرہ کا دل شدتوں سے

دھڑک اٹھا۔اتنے عرصے بعد یہ عنایت۔۔؟

اس کا تنفس بگڑنے لگا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔۔!" بولتے ہوئے

زہرہ کی آواز بھرا گئی۔۔دل کی حالت لمحوں میں

ابتر ہوئی تھی۔

"نہ۔۔میں تمھیں بالکل صحیح سمجھ رہا

ہوں۔۔۔!"اس کے قریب ترین سرگوشی

کرتے ولید شاہ کا لہجہ زہر ہو رہا تھا۔تکیے پر سر

ڈالتی زہرہ کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر

آہستگی سے کنپٹیوں میں جذب ہوئے تھے۔پہلی

مرتبہ جب وہ اس کے قریب آیا تھا تب وہ اس کا

نامحرم تھا اور آج محرم۔۔ فرق صرف اتنا تھا کہ

پہلے وہ محبت جبکہ آج اس سے نفرت کا دعوے

دار بنا بیٹھا تھا لیکن اسے پامال کرنے والے اس

شخص کے انداز میں آج بھی وہ نرمی برقرار تھی

جو اس رات تھی۔۔ اگر گزشتہ حالات کی تلخیوں

میں کچھ پہلے جیسا تھا تو وہ ولید عالم شاہ کا انداز

قربت تھا۔ اس کی قید میں وہ خود کو محفوظ ترین

محسوس کرتی یقین کر چکی تھی کہ وہ شخص کبھی

اسے جسمانی اذیت سے دوچار نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن جس روحانی تکلیف کا ذائقہ وہ اسے ہر

گزرتے دن کے ساتھ محسوس کروا رہا تھا اس نے

زہرہ کو تڑپنے پر مجبور کر دیا تھا۔زہرہ کو امید ہو

چلی تھی کہ وہ اس پتھر کو اپنی محبت سے موم

کر دے گی لیکن آنے والا وقت اس کی ساری

امیدوں پر پانی پھیر دینے والا تھا۔

□♦□♦□♦□♦

کمرے کی خاموش فضا میں اے۔سی کی ٹھنڈک

اس کے اعصاب پر سکون کر رہی تھی۔ آرام دہ

بیڈ پر لیٹی وہ خاموش نگاہوں سے چھت کو گھور

رہی تھی معاً اسے کھڑکی کے پاس آہٹ محسوس

ہوئی تھی۔علیشہ نے نظر گھما کر اس جانب دیکھا

تو مقابل کا خون آلود چہرہ دیکھ کر اس کی سانسیں

بے ترتیب ہو گئیں۔سیاہ روشن آنکھوں کے

پپوٹوں سے ٹپکتا سرخ خون اس کی گھنی پلکوں

سے ٹوٹتا اس کے رخساروں پر لکیر بناتا چلا جارہا

تھا۔دونوں کنپٹیوں سے تیزی سے نکلتا خون اس

کی گردن سے ہوتا سفید شرٹ کے سینے پر پھیلتا

چلا جارہا تھا۔علیشہ کے حلق میں کانٹے سے اُگ

آئے۔

"تت۔۔۔تم۔۔۔زندہ ہو۔۔؟؟" اٹھنے کی

کوشش کرتی علیشہ کے لبوں سے گھٹی گھٹی سی

آواز نکلی تھی۔

"میں تمھیں لینے آیا ہوں۔۔تم سے محبت کرتا

ہوں ناں۔۔!" دبے پاؤں چلتا وہ اپنے مخصوص

مدھم لہجے میں بول رہا تھا۔علیشہ نے بے اختیار

نفی میں گردن ہلائی۔

"مم۔۔مجھے نہیں جانا۔۔ن۔۔نہیں مرنا۔۔!"

وہ بامشکل چیخی تھی۔

"دیکھو میں نے تمھاری خاطر موت کو گلے لگالیا

ہے۔۔اب تمھیں بھی جینے کا حق نہیں رہا۔۔!"

اس کی جانب آتا وہ مسکراتے ہوئے بولا۔خون

اسی رفتار سے بہتا اس کی شکل کو مزید خوفناک بنا

رہا تھا۔

"نہیں میں نہیں آؤں گی۔۔ت۔۔۔تم۔۔

جاؤ۔۔۔!" اٹھنے کی پوری کوشش کرتی وہ حلق

کے بل چیخی۔

"آؤ۔علیشہ آجاؤ۔۔۔!" وہ اس کے سر پر آ

کھڑا ہوا تھا۔شیث کا خون آلود چہرہ اس کی

نگاہوں کے بالکل سامنے تھا۔علیشہ نے نفی میں

سر ہلایا۔مارے خوف کے دل بند ہونے کو تھا۔

"علیشہ آجاؤ۔۔میرے پاس۔۔میرے

ساتھ۔۔۔!"اس کے زرد پڑتے چہرے پر جھکتا

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔علیشہ نے پیچھے ہٹنے کی

کوشش کی لیکن اس کا جسم برف ہو رہا تھا۔ شیث

کا خون سے رنگین چہرہ اس کے بالکل قریب آچکا

تھا۔ علیشہ کی بھوری آنکھیں پھٹنے کے قریب

تھیں۔

"نہیں۔۔۔۔!" وہ پوری قوت سے چیختی اٹھ کر

بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا بی۔۔؟؟" اس کے بیڈ کی پائنتی سے

ٹیک لگائے زمین پر بیٹھی بختاں اس کی چیخ سنتی

فوراً نیند سے ہڑبڑائی تھی۔ خنک فضا میں اس کی

پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

بختاں کے سوال پر علیشہ نے اپنے چہرے پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے کچھ سراسیما نگاہوں سے اس کی

جانب دیکھا۔

"تت۔۔۔ تم کب واپس آئیں۔۔؟؟"خود کو

سنبھالتی وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے

بولی۔

"یہی کوئی ہفتہ ہوا ہے بی بی۔۔ کمبخت نے طلاق

دے دی تو پھر اس گھر میں میرا کیا کام

تھا۔۔؟؟"علیشہ کے لیے جگ سے گلاس میں پانی

انڈیلتی وہ جلدی سے بولی۔اس کے جواب پر

علیشہ نے غائب دماغی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ پی لیں۔۔دو دن سے آپ کی یہی حالت ہے

،آپ کو ایسے دیکھ کر میرا تو دل بیٹھا جا رہا

ہے۔۔!" پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے

ہوئے بختاں نے کافی ہمدردانہ لہجے میں کہا تھا۔

علیشہ نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس

کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔ پھر ایک ہی سانس

میں وہ پورا گلاس خالی کر گئی تھی۔

"سارنگ کہاں ہے۔۔؟؟" اپنے بال مٹھیوں

میں جکڑتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں

پوچھا۔ لہجہ سلگتا ہوا تھا۔ دو دن پہلے وہ اسے گھر

لے آیا تھا۔ سارے راستے وہ ہوش و خرد سے

بے گانہ رہی تھی اور جب ہوش آنے پر اسے

شیث کا خون آلود چہرہ یاد آیا تو ڈپریشن کا شکار

ہوتی وہ پھر سے اپنے حواس گنوانے لگی تھی۔وہ

نہیں جانتی تھی کہ شیث کے والدین نے سارنگ

کے خلاف کیا اقدامات کیے ہوں گے،وہ فقط اتنا

جانتی تھی کہ شیث کے قتل کی وجہ اس کا اپنا وجود

تھا۔

"انھیں تو جی بڑے سائیں نے کسی نامعلوم مقام

پر بھجوادیا ہے۔۔ شہیر بابا بھی انھی کے ساتھ ہیں

کیونکہ اگر سارنگ صاحب نہ ملے تو بڑے سائیں

کوڈر ہے کہ سردار شمعون قصاص میں شہیر بابا کی

جان لینے سے بھی زریغ نہیں کریں گے۔۔!"

بختاں نے آواز کو مدھم تر کرتے ہوئے کافی

رازدانہ انداز میں اسے بتایا۔

"تایا سائیں کب آئے۔۔۔اور ایسی بھی کیا

ضرورت آپڑی کہ وہ بزدل بھاگ گیا۔۔؟ایک

قتل ہی تو تھا۔۔اس کے لیے تو ایسے جرم کر کے

بچ جانا ہمیشہ آسان رہا ہے۔۔!"زہر خند لہجے میں

بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سارنگ کے

لیے نفرت در آئی۔۔

"جس دن سارنگ بابا شہر میں قتل کر کے آپ کو

یہاں لائے تھے اسی رات آپ کے بابا سائیں نے

بڑے سائیں کو صورتحال سے آگاہ کر کے واپس

بلالیا تھا۔۔!" بختاں نے بڑی تندہی سے اسے

اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"میں نے تم سے کچھ اور بھی پوچھا ہے بختاں۔۔

وہ کون سا خوف ہے جس نے اسے بھاگنے پر مجبور

کیا ہے۔؟؟" الجھن کا شکار ہوتی وہ چیخ گئی۔

"خوف اسے نہیں ہے۔۔خوف بڑے بھایا اور

تمھارے باپ کو ہے۔۔سردار شمعون لغاری

کے پوتے کو قتل کر دینا کوئی معمولی بات نہیں

ہے۔۔!"اس کے کمرے میں آتی صندل بیگم

نے اس کے بختاں سے پوچھے گئے سوال کا جواب

دیا تھا۔ الجھن ہنوز، علیشہ کی آنکھوں میں تیر رہی

تھی۔

"کون ہے یہ سردار شمعون۔۔۔؟؟"بیڈ سے

اترتے ہوئے اس نے ناسمجھی سے پوچھا۔۔

"یہی تو تم دونوں کی غلطی ہے، تمھیں یہ نہیں

معلوم کہ سردار شمعون لغاری کون ہے اور اس

بے وقوف کو یہ معلوم نہیں تھا کہ تمھارے

ساتھ ڈرامے میں کردار ادا کرنے والا وہ لڑکا

شمعون لغاری کا پوتا ہے۔۔!" اس کے قریب

آتی صندل نے کافی سنجیدگی سے کہا تو علیشہ نے

بھنویں اچکائیں۔۔

مطلب صاف تھا۔۔وہ جاننا چاہتی تھی کہ سردار

شمعون لغاری کون ہے۔

"سردار شمعون لغاری ان چودہ قبیلوں کا سردار

ہے جن میں ہمارے قبیلے کا نام بھی شامل ہے۔۔

اس ظالم بڈھے کو تھر کے ہر گاؤں کی پنچایت

میں سرپنچ کی حیثیت حاصل ہے۔۔!"علیشہ کی

طرف دیکھتے ہوئے صندل بیگم سلگتے ہوئے لہجے

میں بولیں۔ سردار شمعون لغاری کا تعارف سن

کر علیشہ کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تھا لیکن

ان کی اگلی بات سن کر اسے لگا جیسے اس کی ٹانگیں

بے جان ہو گئی ہوں۔

"اب اس کا بیٹا اور اس لڑکے کا باپ سردار بدر

لغاری اس کی نشست سنبھالے بہت سے

مقدمات کے فیصلے کرتا ہے۔۔اس مقدمے کا

فیصلہ بھی یقیناً اسی کے پاس جائے گا اور مجھے اس

سے کسی اچھائی کی توقع نہیں ہے۔!" صوفے پر

بیٹھتی وہ پریشان زدہ سی آواز میں بولی تھیں جبکہ

ان کے لبوں سے نکلے نام نے اسے بے جان سا

کر دیا تھا۔

"سردار۔۔بدر لغاری۔۔؟؟وہ۔۔وہ تو پہلے ہی

میری جان کا دشمن ہے۔۔!"اس کے حلق سے

پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔ پریشان ہوتی وہ

واپس بیڈ پر بیٹھ گئی۔۔ بختاں کسی ملازم کے بلانے

پر کمرے سے جا چکی تھی۔

"اور شیث۔۔ شیث بدر کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔۔

شیث تو میری اتیج کا تھا اور بدر مجھ سے۔۔ شاید

دس یا بارہ برس ہی بڑا ہو گا۔۔ایک دس بارہ سال

کا لڑکا۔۔؟کیسے باپ بن سکتا ہے۔؟؟"پوچھتے

ہوئے علیشہ کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت

تھی۔اس کے سوال پر صندل بیگم کے لبوں پر

ایک طنزیہ مسکراہٹ در آئی۔۔

"سردار شمعون لغاری۔۔۔!" کہتے ہوئے ان

کے چہرے پر نفرت بھرے تاثرات پھیل

گئے۔

"اس بڈھے نے اپنے بیٹے کو کھیلنے کی عمر میں اپنے

پوتے کا باپ بنادیا تھا۔۔!" صندل بیگم نے مدھم

لہجے میں اس پر انکشاف کیا۔علیشہ کی آنکھوں

میں سوالات بڑھنے لگے۔۔

"بتاتی ہوں۔۔زرا غور سے سننا۔۔!" ٹیک چھوڑ

کر سیدھی ہو کر بیٹھتی صندل بیگم سنجیدگی سے

بولیں۔۔۔علیشہ کی سماعتیں انھی کی جانب متوجہ

تھیں۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

حیدر گاہ کے وسیع و عریض ڈرائینگ روم میں

اس پل ایک ہی تلخ آواز اپنی پوری قوت سے چیخ

رہی تھی۔وہ ہاتھ پشت پر باندھے بت بنے اس

عورت کے سامنے کھڑا تھا جس سے اپنے سامنے

بلند آواز میں بات کرنے کی جرات وہ دس سال

پہلے ہی چھین چکا تھا لیکن شیث کی موت نے

ردابہ لغاری کو پاگل کر ڈالا تھا۔ لارج سائز گرے

صوفوں میں سے ایک پر براجمان سردار شمعون

لغاری اس پل خاموش تھے۔۔

"آپ ایسا کیسے ہونے دے سکتے ہیں۔۔ کیسے

ہونے دیا آپ نے۔۔ اتنی لاپرواہی۔۔؟؟ اس

قدر نااہلی کی توقع مجھے آپ سے کبھی نہیں

تھی۔۔۔!"اس کے سامنے کھڑی وہ روتے

ہوئے چیخ رہی تھیں۔ڈرائینگ روم کے دوازے

پر کھڑے ملازمین سر جھکائے اس تماشے سے

بے بہرہ نظر آرہے تھے۔

"مجھے بتائیے شمس۔۔ سمجھائیے مجھے۔۔ آپ کی

وہاں موجودگی کے باوجود کوئی کیسے میرے بیٹے کو

چھو سکتا ہے۔۔۔کیسے میرے بیٹے کی جان لے

سکتا ہے۔۔جواب دیجئیے مجھے۔۔۔؟"اس کی

شرٹ کا کالر اپنی مٹھیوں میں جکڑتی وہ روتے

روتے چلائی تھیں۔بدر سختی سے لب بھینچے اس

عورت پر نظریں جمائے سر بلند کیے کھڑا تھا کہ

سر جھکانا اس کی سرشت میں شامل ہی نہیں تھا۔

"آپ کو حق نہیں ہے کہ آپ میرے سامنے

یوں تن کر کھڑے ہوں۔۔ آپ حق نہیں

رکھتے کہ آپ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال

کر مجھے بے بس کرنے کی کوشش کریں۔۔اس

دو ٹکے کے قاتل سے پہلے آپ سزا کے حقدار

ہیں کیونکہ میرے بیٹے کی حفاظت آپ کے ذمے

تھی۔۔!" ایک جھٹکے سے اس کا کالر چھوڑ کر اسے

پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتی وہ بپھری۔ ان کی

کوشش کے باوجود وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلا

تھا۔

"جان کی حفاظت اللہ کے ذمے ہے۔۔ موت

کا ایک وقت مقرر ہے جس سے نہ تو کوئی بھاگ

سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی ٹال سکتا ہے۔۔ شیث

کا وقت پورا ہو چکا تھا سو موت نے اسے نگل

لیا۔۔۔"کافی دیر سے خاموش بیٹھے سردار

شمعون لغاری نے لب کشائی کی تھی۔ان کے

انداز میں سنجیدگی تھی۔

"مجھے یہ دلاسا مت دیجئے۔۔اگر یہ میرے بیٹے

کی طرف متوجہ ہوتے تو اسے موت کبھی نہیں

نگل سکتی تھی۔۔!"انھوں نے ایک بار پھر بدر پر

الزام دھرا تھا۔

"میں اس کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑوں

گا۔۔!"سارنگ کے بارے میں سوچتے ہوئے

بدر نے زہر خند لہجے میں کہا۔

"اس کے مر جانے سے میرا بیٹا واپس نہیں آئے

گا سردار شمس البدر لغاری۔۔۔!"سرخ

آنکھوں سے اسے گھورتی وہ اس بار پھنکاری

تھی۔ آنکھوں میں بدر کے لیے بغاوت تھی۔

"آپ نے اسے مرنے دیا کیونکہ وہ آپ کی سگی

اولاد نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو جتنا میں آپ کو جانتی

ہوں آپ فضا کو چیرتی اس گولی کی آہٹ کو بھی

پا لیتے اور اپنی اولاد کو بچا لیتے۔۔ لیکن نہیں۔۔

بھلا شیث آپ کے لیے کیونکر اہم ہو سکتا تھا۔۔؟

وہ معصوم تو آپ کو باپ مانتا تھا لیکن آپ تو چچا کا

حق بھی ٹھیک سے ادا نہ کر سکے۔۔ اور کرتے

بھی کیسے ؟؟ آخر کو حیدر آپ کے سوتیلے بھائی جو

تھے۔۔!" نفرت سے بدر کی طرف دیکھتی وہ

بھیگی ہوئی آواز میں غرائی تھیں۔ ان کے الزام

پر بدر کی شریانوں میں دوڑتا فشار خون بڑھنے

لگا۔ سردار شمعون لغاری کی برداشت نے بھی

جواب دیا تھا۔

"اتنا کافی ہے ردابہ۔۔ تم جا سکتی ہو۔۔!" صوفے

سے اٹھ کر کھڑے ہوتے سردار شمعون لغاری

اُن پر چیخے تھے۔ بدر کی سیاہ آنکھیں اس پل

سرخ ہو رہی تھیں۔

"مجھے خاموش کروا دینے سے سچ نہیں بدلے

گا۔۔اور سچ یہ ہے کہ آپ کی حقیقی نسل شیٹ

کے ساتھ ہی ختم ہو چکی ہے۔۔آپ کا یہ بیٹا اس

تھرڈ کلاس عورت کے۔۔۔!!" جنونیت کا شکار ہوتی وہ

بری طرح چیخ رہی تھی جب بدر کا ضبط جواب

دے گیا۔اس کا بھاری ہاتھ اٹھا تھا اور مقابل

عورت کے گال پر اپنا نشان چھوڑ گیا۔۔

"بکواس بند غلیظ عورت۔۔بکواس بالکل

بند۔۔۔، آئندہ اگر میری ماں کو نیچ کہنے کی

جرأت بھی کی تو تمھاری زبان حلق سے باہر کھینچ

لُوں گا۔۔۔!"شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے

وارن کرتا وہ دہاڑا تھا۔ سیاہ آنکھیں زمین پر

گر چکی ردابہ کو قتل کر دینے کے درپر تھیں۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ کافی ہو چکا ہے لیکن

تمھیں میری بات سمجھ نہیں آئی۔۔اب اس

سے پہلے کہ بات مزید بڑھے یہاں سے چلی

جاؤ۔۔۔!" رادبہ کی طرف بے تاثر نگاہوں سے

دیکھتے ہوئے شمعون لغاری نے سرد مہری سے کہا

تو اپنی چادر سنبھالتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھ لوں گی میں آپ دونوں کو۔۔۔ دونوں کو

دیکھ لوں گی۔۔!" باری باری ان دونوں کی جانب

دیکھ کر غراتی وہ وہاں سے پلٹ گئیں۔ بدر نے

سرخ آنکھوں سے اس عورت کی پشت کو گھورا

تھا جس نے آج اس کے اندر کے جانور کو جگا ڈالا

تھا۔۔وہ جانور جواب علیشہ چوہان کو نگل لینے سے

پہلے سونے والا نہیں تھا۔

"میں اسے سمجھاؤں گا۔۔!" اس کے کندھے پر

ہاتھ رکھتے ہوئے شمعون لغاری نے آہستگی سے

کہا تو بدر نے اپنا کندھا سیدھا کرتے ہوئے ان کا

ہاتھ پیچھے کر دیا۔

"میری فکر کرنے کی اداکاری مت کیجئے۔۔بہت

اچھے سے جانتا ہوں کہ آپ کی کس مجبوری نے

آپ کو ایسا کرنے کا پابند کر رکھا ہے۔۔!" ان کی

آنکھوں میں دیکھ کر کاٹ دار لہجے میں کہتا وہ ان

کی بولتی بند کروا چکا تھا۔۔ انھیں وہیں بت بنا

چھوڑ کر وہ ڈرائینگ روم سے نکلتا چلا گیا۔۔ تلخ ہی

سہی، لیکن ردابہ لغاری کے الفاظ سچے ہی تھے۔

سردار شمعون لغاری کی وہ نسل ختم ہو چکی تھی

جس کے حسب نسب پر انھیں اپنے بڑے بیٹے

حیدر لغاری کی موت سے پہلے بے حد غرور تھا۔

حیدر کی موت اور شیث کی معذوری نے ان کی

توجہ بدر لغاری کی طرف کروادی تھی جواب ان

کی واحد امید تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"کیا۔۔؟؟؟سارنگ کا دماغ ٹھیک ہے؟؟؟

پاگل ہو گیا تھا وہ جو اتنی سی بات پر اس نے ایک

لڑکے کا قتل کر دیا۔۔؟؟؟"پوری بات سنتے ہی

وہ صوفے سے اٹھتا چلایا تھا۔عالم پشت پر ہاتھ

باندھے وہیں ایک جانب ٹہل رہا تھا۔منصب

کے برہم ہونے پر ناجیہ بیگم نے ایک گہرا سانس

لیا۔

"غیرت کے نام پر جاہل کچھ بھی کر گزرتا

ہے۔۔ سارنگ بھی جاہل ہے یہ تم اچھے سے

جانتے ہو۔۔۔!" اس کی طرف دیکھتے ہوئے

ناجیہ بیگم نے مدھم آواز میں کہا۔

"غیرت مائے فٹ۔۔۔اس کی اس حرکت کا

نتیجہ اسے پھانسی کے پھندے تک لے جائے

گا۔۔پھر اس کی ساری غیرت اڑن چھو ہو جائے

گی۔۔!" غصے سے کھولتا وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

اس کی بات پر عالم نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"پھانسی۔۔۔؟؟ ہونہہ۔۔ فرار ہو گیا ہے وہ

بزدل۔۔۔ اور تھر کی رسموں سے واقف نہیں ہو

کیا تم۔۔؟ وہ لوگ علیشہ کو خون بہا میں اس بدر

لغاری کے حوالے کر دیں گے۔۔۔!" ان دونوں

کے قریب آتا عالم تشویش زدہ لہجے میں بولا۔

جواباً منصب کی بھنویں تن گئیں۔

"اگر وہ ایسا کریں گے تو میں سارنگ ولا کی اینٹ

سے اینٹ بجادوں گا۔!" دائیں ہاتھ کی مٹھی

بھینچتا وہ غرایا تھا۔ناجیہ بیگم نے اس کی کندھے

پر ہاتھ رکھا تھا۔

"جوش سے نہیں ہوش سے کام لو مون۔۔۔یہ

وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔۔اور پھر ابھی اس

کا حقیقی باپ سلامت ہے۔۔اُن سے بڑھ کر تم تو

اس کے بارے میں نہیں سوچ سکتے ناں۔۔!"

ناجیہ بیگم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اگر وہ اس کے لیے سوچتے تو اس کا رشتہ

سارنگ کے ساتھ طے ہی نہ کرتے۔۔ اور اب تو

بڑے ماموں بھی واپس آ گئے ہیں۔۔ وہ اپنے بیٹے

کو بچانے کے لیے علیشہ کو قربان کرنے سے دریغ

نہیں کریں گے اور ان کے سامنے بھلا غفور

ماموں کیا کر لیں گے۔۔؟" عالم نے ان کی توجہ

ایک دوسرے پہلو کی طرف مبذول کروائی

تھی۔

"تم دونوں کیوں خود کو تھکا رہے ہو۔۔ ہو سکتا

ہے کہ وہ لوگ کوئی تیسرا راستہ نکال لیں۔۔ اگر

کچھ لے دے کر بچت ہو جاتی ہے تو۔۔۔!" باری

باری ان دونوں کی طرف دیکھتی ناجیہ بیگم نرم

آواز میں گویا ہوئی تھیں۔

"شدت پسند افراد ہمیشہ دو راستے ہی رکھتے

ہیں۔۔ آر یا پھر پار۔۔ اور جہاں تک میں سردار

بدر لغاری کو جانتا ہوں اس کی شدت پسندی

قصاص میں سارنگ کو ہی چاہے گی۔۔ لیکن اگر

وہ سمجھوتہ کرتا بھی ہے تو صرف مال وزر پر اکتفا

نہیں کیا جائے گا، وہ یقیناً علیشہ کو بھی چاہے

گا۔۔!" عالم نے کچھ سوچتے ہوئے مدھم سلگتی

ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی بات پر منصب نے

سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"تم ان کے علاقے کے سردار کو کیسے جانتے

ہو۔۔؟؟" عالم کی جانب گھومتے ہوئے منصب

نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سردار بدر لغاری وہ شخص ہے جس نے سولہ

سال کی عمر میں مجھے لفظ نفرت کا مطلب سمجھایا

تھا۔ داستان زیادہ لمبی نہیں ہے لیکن میں فی

الحال اسے ریپیٹ نہیں کرنا چاہتا۔" جینز کی

جیبوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے عالم نے بے تاثر

لہجے میں کہا تو اس کی جانب دیکھتے منصب نے

دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ جو بھی ہے اور جو بھی چاہے گا۔۔میں علیشہ کو

سارنگ کے گناہ کی بھینٹ ہرگز نہیں چڑھنے

دوں گا۔۔!"ناجیہ بیگم کی طرف پلٹتے ہوئے

منصب نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا۔

"اللہ سے اچھے کی امید رکھو۔۔صندل کل سے

وہیں ہے۔۔وہ ضرور اس کے لیے کوئی بہتر فیصلہ

لے گی۔۔!"ناجیہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

تو وہ سر اثبات میں ہلاتا واپس صوفے پر بیٹھ

گیا۔۔

"میں ان کے کسی اقدام کا انتظار نہیں کر سکتا۔۔

میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کل سورج چڑھتے ہی

میں سارنگ ولا جاؤں گا۔۔!" کمرے کی طرف

بڑھتے ہوئے عالم نے بے لچک انداز میں کہا تھا۔

"تم وہاں نہیں جاؤ گے۔۔ تم دونوں میرے

ساتھ نوشہرو جاؤ گے، تمھارے دادا منصب کا

انتظار کر رہے ہیں۔۔!" ناجیہ بیگم اس کی پشت پر

چلائی تھیں۔

"انھیں منصب کا انتظار ہے میرا نہیں۔۔میں

واپس نہیں جاؤں گا۔۔!" صاف کورا جواب

دے کر وہ کمرے میں بند ہو چکا تھا۔ کمرے کے

بند دروازے سے نگاہ ہٹا کر ناجیہ بیگم نے کچھ

ہارے ہوئے انداز میں منصب کی طرف دیکھا۔

"میں عالم سے متفق ہوں۔۔ ہم میں سے ایک کو

وہاں ہونا چاہئیے تاکہ اگر جرگہ کوئی خلاف توقع

فیصلہ کرتا ہے تو علیشہ کے لیے سٹینڈ لیا جا

سکے۔۔۔!" انھیں پر سکون کرنے کو وہ مدھم

لہجے میں بولا تھا۔ اس کے جواب پر ناجیہ بیگم نے

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

سر اثبات میں ہلاتے ہوئے صوفے کی پشت سے

ٹیک لگالی۔

"مجھے اس معاملے کا اختتام کچھ اچھا نظر نہیں

آرہا۔۔!" وہ بڑبڑائی تھیں۔

"میں اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہونے دوں

گا۔۔!" منصب کا لہجہ مضبوط تھا۔

"جاؤ تھوڑی دیر آرام کر لو۔۔ کل صبح ہم بھی

نوشہرو کے لیے نکلیں گے۔۔!" اس کے سر پر

ہاتھ پھیرتے ہوئے ناجیہ بیگم نے نرمی سے

کہا۔۔

"مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔۔۔

ہاں آپ کو لازماً تھوڑی نیند لے لینی چاہئیے۔۔!"

ان کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے

منصب نے مدھم لہجے میں کہا تو انھوں سے سر

اثبات میں ہلا دیا۔۔ پھر اس کے پاس سے اٹھ کر

وہ دوسرے کمرے میں آ گئیں۔۔ ائیرپورٹ

سے وہ تینوں سیدھا ناجیہ بیگم کے فلیٹ میں آئے

تھے۔ سبحانی کو راستے میں ہی اس کے ہاسٹل میں

اتار دیا گیا تھا۔ وہاں آتے ہی منصب نے اپنا

سوال دہرایا تھا اور پھر جو خبر اسے سننے کو ملی تھی

اس نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔

موبائل کی بجتی گھنٹی نے انھیں چونکا دیا۔ناجیہ

بیگم نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے موبائل اٹھایا اور کال

ریسیو کر کے فون کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم۔۔!" انھوں نے مدھم آواز میں

بولنے کی زحمت کی تھی۔

"وعلیکم السلام۔۔میں صبح سے آپ کا منتظر ہوں

آپ واپس کیوں نہیں آئیں۔۔؟؟" وقار عالم

شاہ کی سنجیدہ سی آواز فون کے سپیکر سے ابھری

تھی۔

"آپ کے دونوں صاحبزادے علیشہ کے لیے فکر

مند ہیں۔۔ دونوں ہی سارنگ ولا جانے کے لیے

بے چین ہیں وہ تو میں دونوں کو زبردستی اپنے

فلیٹ لے آئی ہوں۔۔ اب میں نے انھیں

سمجھایا ہے تو منصب صبح واپسی کے لیے مان گیا

ہے!"ناجیہ بیگم نے تفصیلاً انھیں جواب دیا۔

"اور عالم۔۔۔؟؟"وقار عالم شاہ کا سوال ان کی

توقع کے مطابق تھا۔

"وہ وہاں جائے گا۔۔ صندل سے بات ہو چکی ہے

اس کی۔۔ وہ کل صبح قبائلی جرگے میں بھی

شرکت کرے گا۔۔!" بولتے ہوئے ناجیہ بیگم

کے لہجے میں تھکاوٹ در آئی۔

"ہممم۔۔عالم کی خیر ہے لیکن منصب کا کراچی

رکنا مجھے پریشان کر رہا ہے۔۔اگر آپ کی ناک

کے نیچے سے غائب ہو کر وہ ولید کے گھر جا پہنچا تو

میں اپنے بھائی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں

رہوں گا۔۔!" وقار عالم شاہ کی اس تمہید نے بھی

انھیں حیران نہیں کیا تھا، وہ ان کی کال کا مقصد

سمجھتی تھیں۔

"وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔۔ جہاں تک مجھے لگ

رہا ہے، آپ کا اسے لندن بھیجنے کا منصوبہ

کامیاب ہو چکا ہے۔۔ اس نے مجھ سے اس کے

بارے میں ابھی تک کوئی بات نہیں کی، شاید وہ

مہر کا خیال اپنے ذہن سے نکال چکا ہے۔۔ کیونکہ

اگر وہ اسے یاد رکھتا تو پہلا سوال وہ مجھ سے اسی

کے متعلق کرتا۔۔۔!" انھیں مطمئن کرنے کو

ناجیہ بیگم نے آہستگی سے کہا۔

"ہمم۔۔ آپ شاید اس پر یقین کر سکتی ہیں لیکن

میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔۔ وہ اتنی

آسانی سے باز نہیں آئے گا۔۔!" وقار عالم شاہ

کے لہجے میں تشویش بول رہی تھی۔

"آپ ابھی اس سے ملے نہیں ہیں ورنہ آپ بھی

اس پر یقین کر لیتے۔۔۔!" مدھم آواز میں کہتی

ناجیہ بیگم کی آنکھوں میں اس کا حلیہ گھوم گیا۔

ہلکی ہلکی شیو، گریبان کے بٹن بند کیے، چھوٹے

بالوں میں وہ انھیں قدرے بے ضرر دکھائی دیا

تھا۔ مضبوط کلائیاں الم غلم بینڈز سے مبرا تھیں۔

"اس کے دِکھنے پر مت جائیے۔۔اس کے اندر

سے ہم بخوبی واقف ہیں جیہ۔۔میں یہی کہوں گا

کہ اس پر نظر رکھیں۔۔!" وقار عالم شاہ اپنے

موقف پر قائم انھیں باخبر کر رہے تھے۔

"ہمم۔۔۔ آپ بے فکر رہئیے۔۔!" ناجیہ بیگم

نے نرمی سے کہا تو وہ انھیں اپنا خیال رکھنے کی

تاکید کر کے رابطہ منقطع کر گئے۔ موبائل واپس

بیڈ پر رکھتے ہوئے ناجیہ بیگم نے ایک گہرا سانس

لیا تبھی ان کے کمرے کے دروازے پر دستک

ہوئی تھی۔ناجیہ بیگم نے گردن گھما کر دائیں

جانب دیکھا۔ان کے ہاں کہنے پر دروازہ کھولتا وہ

اندر داخل ہوا تھا۔

"میں نے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔۔۔!" ان کی

جانب آتا وہ سنجیدگی سے بولا۔ ناجیہ بیگم نے سر

اثبات میں ہلایا۔

"آپ نے کہا تھا کہ جب سال بعد میں واپس

آؤں گا تو ماہی میری ہو گی۔۔ کیا آپ کو اپنا وعدہ

یاد ہے۔۔؟؟" جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا تا وہ

ان کی جانب دیکھتے ہوئے پر اعتماد لہجے میں پوچھ

رہا تھا۔ اس کے سوال پر ناجیہ بیگم کو اپنے حلق

میں کچھ اٹکتا محسوس ہوا۔ ابھی چند سیکنڈز پہلے وہ

وقار عالم شاہ کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی

تھیں کہ وہ مہرماہ کو بھول چکا ہے اور اب وہ ان

کے سامنے کھڑا انھیں ہی اُن کا وعدہ یاد کروا رہا

تھا۔

"وہ بات پرانی ہو چکی ہے۔۔!" ناجیہ بیگم نے

ہمت مجتمع کرتے ہوئے قدرے سختی سے کہا۔

ان کے جواب پر منصب کے چہرے پر کوئی تاثر

نہیں ابھرا تھا۔۔

"اور نیا کیا ہے اماں۔۔؟؟" بھنویں سکیڑ تا وہ ہنوز

اسی انداز میں پوچھ رہا تھا۔ناجیہ بیگم کے لیے اب

کی مرتبہ جواب دینا محال ہوا تھا۔وہ کس طرح

اسے مہرماہ کی منگنی کی بابت آگاہ کر سکتی تھیں؟؟

یہ جان لینے پر وہ کیا کر سکتا تھا سوچ کر ہی انھیں

تشویش لاحق ہو چکی تھی۔

"میں بتاؤں۔۔؟؟؟ آپ میں شاید ہمت ہی

نہیں ہے کیونکہ آپ نے اپنا وعدہ نبھایا ہی

نہیں۔۔!" سرد نظروں سے ان کی جانب دیکھتا

وہ قدرے بلند آواز میں بولا تھا۔ناجیہ بیگم کو کھڑا

ہونا پڑا۔

"میں تمھیں بتانا چاہتی تھی۔۔!"ناجیہ بیگم نے

بولنے کی کوشش کی۔

"غلط۔۔ آپ کو کہنا چاہئیے کہ میں مہرماہ کا نکاح

روکنا چاہتی تھی۔۔ لیکن آپ کی چاہت بتاتی ہے

کہ آپ نے اپنا وعدہ نبھانے کی کوشش ہی نہیں

کی یا شاید نہیں۔۔ وہ وعدہ بھی جھوٹا تھا۔۔ ایک

بہلاوہ تھا شاید جو آپ نے مجھے دیا تھا۔۔!" تلخ

لہجے میں بولتے بولتے اس کی آواز بلند ترین ہو

گئی۔ اس کے انداز کی سرد مہری نے ناجیہ بیگم کی

آنکھیں نم کر ڈالی تھیں۔ نکاح والی بات نے

انھیں پل بھر کو حیران کیا تھا لیکن اگر وہ غلط فہمی

کا شکار تھا تو وہ اس کی غلط فہمی دور کرنے کی

استطاعت بھی نہیں رکھتی تھیں۔

"آپ نے میرے دل پر وہ زخم دیا ہے جو مرتے

دم تک ہرا رہے گا اماں۔۔!" ان کی جانب دیکھتا

وہ اذیت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے میرے چاند۔۔!" اس کے شانے

پر ہاتھ رکھتی وہ تڑپ کر بولی تھیں۔

"اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں خود، خود کو

برباد کر لیتا لیکن اب یہ کام وہ محبت کرے گی جسے

نارسائی کے عذاب میں آپ نے مبتلا کیا ہے

اماں۔۔!" ان کا ہاتھ نرمی سے اپنے شانے سے

ہٹاتا وہ مدھم، گہرے لہجے میں بولا تھا۔ ناجیہ بیگم

نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں کھوکھلا ہو چکا ہوں۔۔ میرے پاس کچھ باقی

نہیں بچا۔۔ صرف ایک آس تھی جس نے مجھے

جینے کا حوصلہ دیا تھا۔۔ لیکن جس روز، معلوم ہوا

کہ آپ کی دی ہوئی وہ آس جھوٹی تھی، اسی روز

میرا حوصلہ ٹوٹ گیا۔۔ اب میں نہیں جانتا کہ

موت مجھے کس روز دھکا لگائے گی۔۔ لیکن جس

روز وہ ایسا کرے گی۔۔ وہ دن میری اذیت کے

خاتمے کا دن ہو گا اماں۔۔!" ایک ایک لفظ پر زور

دے کر کہتا وہ وہاں سے پلٹ گیا. ناجیہ بیگم کی

آنکھیں خود بخود بہتی چلی گئیں۔

□♦□♦□♦□♦

وقت کے پہیوں کی رفتار بڑھتی سالوں کے فاصلے

ماپتی چلی گئی۔ لطیف آباد کی گلیوں سے نکل کر وہ

کراچی کی تنگ گلیوں میں آ بسے تھے۔ وسیع

آسمان پر سورج کی چمک اور چاند کی روشنیاں

اپنے معمول کے مطابق اس کی وجود پر اثر انداز

ہوئی تھیں لیکن اس دوران اس کا دل خاموش ہو

چکا تھا۔ ولید شاہ سے محبت کے دو بول سننے کی تمنا

لیے اس کے بالوں میں سفیدی اتر آئی تھی لیکن

اس کے تمام تر حقوق پورے کرنے کے باوجود وہ

زبان پر قفل ڈالے کئی سالوں سے اس کے ساتھ

کسی روبوٹ کی مانند زندگی گزار رہا تھا۔ اس

دوران وہ دو مرتبہ امید سے بھی ہوئی تھی لیکن

قدرت کی ستم ظریفی کے باعث وہ دوبارہ ماں

نہیں بن سکی تھی۔۔مہرماہ کی شرارتیں بچپن

کے سنگ چھوٹیں تو اس کی جوانی کے قہقہوں نے

ان دونوں کی جامد زندگی میں کچھ ارتعاش برپا کیا

تھا۔سولہ کا ہندسہ پار کرتے ہی وہ ان دونوں کے

مابین سرد مہری کی وجہ تلاشنے لگی تھی۔ چھوٹے

چھوٹے مواقع کو منانے کی کوشش کرتی وہ ان

دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں

کافی حد تک کامیاب بھی ہو چکی تھی لیکن اس کی

اپنی زندگی میں آئے طوفان نے اس گھر کی

بنیادیں ہلا ڈالی تھیں۔ اٹھارہ سال کی عمر تک

پہنچتے پہنچتے وہ یک دم ہی بہت بڑی ہو گئی تھی۔

اور وجہ کوئی دوسرا تیسرا نہیں، اس کا ماموں زاد

منصب عالم شاہ تھا۔ اس کے ساتھ ہوئے

حادثے سے پہلے ہی وقار عالم شاہ کی اتفاقاً ولید

شاہ سے ملاقات ہو گئی تھی۔۔ ولید کو زندہ

سلامت دیکھنا وقار کے لیے کسی معجزے سے کم

نہیں تھا۔۔ وہ سالوں پہلے بچھڑے ہوئے بھائی

سے مل کر جس حد تک خوش ہوئے تھے اس سے

کئی گنا زیادہ خوشی انھیں مہرماہ کے وجود کی بابت

جان کر ہوئی تھی۔ فدا اور حدیبہ کی آخری نشانی

دیکھ کر انھیں دلی سکون نصیب ہوا تھا لیکن ان

دونوں بھائیوں کے مابین تعلقات بہتر ہونے سے

پہلے ہی حالات اس حد تک بدترین ہو گئے تھے

کہ وقار عالم شاہ بیٹے کی وجہ سے اپنے ہی چھوٹے

بھائی کے سامنے شرمندہ ہو گئے تھے۔۔ منصب

کے اقدام نے جہاں ولید شاہ کا دل چیر دیا تھا وہیں

وقار عالم شاہ کا ذہن بیٹے کی سرکشی سے پریشان

ہو گیا تھا۔ اسے مہرماہ سے دور کرنے کو انھوں

نے اسے لندن بھیج دیا تھا۔ اس دوران انھوں

نے مہرماہ کی شادی کے لیے کوششیں بھی کی

تھیں لیکن وہ ناکام رہے تھے۔۔ اور اب جبکہ

منصب عالم شاہ واپس آچکا تھا تو یہ اطلاع ولید کو

دینا پھر سے ضروری ہو چکا تھا۔۔

کیونکہ وہ پچیس سالہ نوجوان اپنے ادھیڑ عمر چچا

سمیت بوڑھے ہوتے باپ کے کہنے میں بھی

نہیں تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"یُومین وہ شخص جس کی قبر پر آپ ہر سال فاتحہ

پڑھنے یہاں آتی ہیں وہ بدر لغاری کا بھائی

تھا۔؟؟" ان کی بات سنتی علیشہ درمیان میں ہی

بول پڑی۔

"سوتیلا بھائی۔۔ شمعون لغاری کی نسل کو شاید

بدعا ہے۔۔ اس کی نسل میں بیٹی تو پیدا ہی نہیں

ہوئی اور مرد تیس کا ہندسہ عبور کر تو لیتے ہیں

لیکن چالیس سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔۔!"

پاؤں سمیٹ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے

صندل بیگم نے مدھم آواز میں کہا۔

"آپ مجھے تفصیل سے بتائیں گی۔۔؟؟" بالوں کو

سمیٹتی علیشہ سنجیدگی سے بولی۔

"بتا تو رہی ہوں۔۔جب حیدر لغاری کی شادی

اس کی چچازاد کزن ردابہ سے ہوئی تو بارات والی

رات فائرنگ کے دوران وڑائچ قبیلے کے مردوں

میں سے کسی نے حیدر لغاری سے چھوٹے قدیر

لغاری کا قتل کر دیا تھا۔۔ نتیجتاً شمعون نے خون

بہامیں ان کے گھرانے کی سات عورتیں لے

لیں۔۔کچھ کا نکاح خاص ملازمین سے کروادیا اور

ان میں سے جو سب سے حسین اور کم عمر تھی،

اس سے اس رزیل بڈھے نے خود نکاح کرلیا۔۔

شمعون لغاری کا تیسرا بیٹا بدر لغاری اسی عورت

کے بطن سے ہے۔۔۔!" خلاؤں میں گھورتی

صندل بیگم بے تاثر لہجے میں بول رہی تھیں۔

"اور آپ یہ سب کیسے جانتی ہیں۔۔؟؟؟"علیشہ

کا سوال حسب توقع تھا۔اس کا سوال نظر انداز

کرتے ہوئے انھوں نے اپنی بات جاری رکھی۔

"سات سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی

حیدر بے اولاد تھا۔ حیدر دوسری شادی کرنا

چاہتا تھا لیکن ردابہ کے جہیز میں ملی زمینوں اور

زیورات نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔

شمعون لغاری بھی ردابہ کے میکے سے مرعوب

تھے سوان کی طرف سے بھی حیدر پر دباؤ تھا

جس کے باعث وہ کافی صبر سے ردابہ کے ساتھ

گزارا کر رہا تھا لیکن۔۔ برا ہوا اس نظر کا جب وہ

مجھ پڑ پڑی۔۔!" بولتے بولتے وہ رکی تھیں۔

"میں نے اس وقت جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہی

تھا جب وہ مجھ پر عاشق ہو گیا۔۔ وہ اس وقت

تیس برس کا تھا۔۔ میں بھی بے وقوف تھی اس

کی محبت پر ایمان لے آئی۔۔ اس کی باتیں خواب

جیسی اور سیاہ آنکھیں کسی روشن جزیرے کی مانند

ہوا کرتی تھیں۔۔اس کا ہاتھ تھام کر خار دار

فصیلوں میں چلنا مجھے اچھا لگتا تھا۔۔!" دھیمے

سروں میں بولتی وہ ہولے سے مسکائی تھیں۔

آنکھوں میں اداسی در آئی۔

"بدر کی عمر اس وقت کتنی تھی۔۔؟؟"علیشہ نے

یونہی پوچھ لیا۔

"شاید پانچ یا چھ سال۔۔۔!"صندل بیگم کے لب

دھیرے سے ہلے۔

"آپ حیدر لغاری سے محبت کرتی تھیں۔۔؟؟"

علیشہ نے آہستگی سے پوچھا تو صندل بیگم نے اس

کی جانب دیکھا۔ آنکھوں میں ویرانی سی اتر آئی۔

"وہ ایک مضبوط اور قابلِ تحسین مرد تھا۔۔مجھے

اس سے محبت کیسے نہ ہوتی۔۔؟؟"صندل نے

ہارے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"تو پھر آپ نے وقار انکل سے شادی کیوں

کی۔۔؟؟؟"

"میں نے نہیں کی۔۔ بابا سائیں نے زبردستی کروا

دی تھی۔ میں توحید رسے شادی کرنا چاہتی تھی

لیکن شمعون لغاری ہماری شادی کے لیے

رضامند ہی نہیں ہوئے۔۔ ان کا شملہ ہم سے

اونچا ہے اور یقیناً ہمیشہ رہے گا لیکن محبت یہ اونچ

پنچ کب دیکھتی ہے۔۔؟؟؟" تلخ لہجے میں بولتے

ہوئے صندل بیگم کی آنکھیں جلنے لگیں۔۔

"آپ نے کوشش نہیں کی۔۔؟؟" ان کا ہاتھ

تھامتے ہوئے علیشہ نے نرمی سے پوچھا۔

"کی تھی۔۔ ہر ممکن کوشش کی تھی، لیکن

شمعون لغاری کی طاقت کے سامنے اس کے اپنے

بیٹے کی نہیں چلی تو میری کیا چلتی۔۔؟؟ بابا سائیں

نے شمعون لغاری کی ایک ہی تنبیہہ سے خوفزدہ

ہو کر میری شادی وقار عالم شاہ سے کروادی۔۔

اور میری قسمت تو دیکھو۔۔۔!" کہتے ہوئے وہ

وقفہ لیتی خود پر ہنسی تھیں۔۔

"جس مرد سے میں نے محبت کی وہ بے اولاد تھا

اور جس مرد سے میری شادی ہوئی وہ بھی بے

اولاد ہی تھا۔۔ہاں فرق یہ تھا کہ حیدر کو مجھ سے

محبت تھی اور وقار۔۔ انھیں محبت تو کیا مجھ میں

کبھی دلچسپی بھی نہیں تھی۔۔!" بتاتے ہوئے ان

کا لہجہ زہر خند ہو گیا۔

"مجھے امید تھی کہ وقار کو مجھ سے محبت ہو جائے

گی اور میری ہر تشنگی مٹ جائے گی لیکن وہ بے

وقوف پہلے تو ایک آدھی پاگل سعیدہ نامی عورت

کے لیے دیوانہ تھا اور پھر میرے ہوتے ہوئے

بھی مجھے چھوڑ کر وہ اس بڑھی ناجیہ پر فدا ہو

گیا۔۔!" وقار عالم شاہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ

واپس اپنے خول میں سمٹ چکی تھیں۔۔

"تو پھر حیدر لغاری کی ڈیتھ کیسے ہوئی۔۔یہ نہیں

بتایا آپ نے۔؟؟"علیشہ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی

تھی۔

"میری شادی کے بعد وہ کس کرب سے گزرا یہ

میں نہیں جانتی۔۔لیکن منصب کی پیدائش کے

کچھ ماہ بعد مجھے اتنا معلوم ہوا تھا کہ ردابہ نے ایک

مردہ بچے کو جنم دیا ہے۔۔ اس کے بعد جب میں

عالم کی پیدائش پر یہاں رہنے کے لیے آئی تو

تمھاری پیدائش سے دو تین دن پہلے ردابہ کے

ہاں پھر سے بچے کی پیدائش ہوئی لیکن طبیبوں

کے مطابق وہ چاند گرہن کا شکار آواز سے معذور

ایک بد صورت بچہ تھا۔۔مجھے نہیں پتہ کہ اس

کے بعد انھوں نے اس بچے کا علاج کیسے کروایا

لیکن سبحانی کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی مجھے

حیدر کی موت کی خبر مل گئی تھی۔۔وہ اپنے پانچ یا

چھ سالہ بچے کو چھوڑ کر منوں مٹی تلے جا سویا

تھا۔۔!"

بتاتے ہوئے جانے کیوں ان کی آنکھوں میں نمی

سی اتر آئی تھی۔

"تو اس سب میں، بدر لغاری کہاں تھا۔۔؟؟ اللہ

اس کا غرور۔۔ آفت ہے فپو۔۔ جان کا عذاب

ہے وہ شخص، مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ اس کا بیک

گراؤنڈ اتنا ہیچ ہے۔۔، اس کی اوقات تو مجھے اب

معلوم ہوئی ہے ایڈیٹ خوامخواہ ہی پھنے خان بنے

پھرتا ہے۔۔!" قدرے مطمئن انداز میں کہتے

ہوئے آخر میں اس کے لہجے میں حقارت در

آئی۔

"اسے کمتر سمجھنے کی غلطی مت کرو۔۔پہلے قدیر

اور پھر حیدر لغاری کی موت کے بعد شمعون

لغاری نے اسے اپنا وارث مقرر کر کے اس کی

شادی ردابہ لغاری سے کروادی تھی۔۔اس

طرح وہ شیث کا شرعی چچا اور قانونی باپ ہے۔۔

بدر کی اہمیت کیا ہے یہ تمھیں تھر کے ذرے

ذرے سے معلوم ہو جائے گا۔ شمعون لغاری

کی نسل میں سے وہ واحد مرد ہے جو اب تک زندہ

ہے سو شمعون لغاری کی تمام تر امیدوں کا مرکز

وہی ایک شخص ہے۔۔!"علیشہ کی طرف دیکھتے

ہوئے صندل بیگم نے کچھ جتاتے ہوئے لہجے میں

کہا۔

"مائے فٹ۔۔ آیا بڑا وارث۔۔۔ یہ تو قسمت کی

اس پر مہربانی ہے جو شمعون لغاری کے دونوں

بیٹے مر گئے ورنہ آج وہ فضول انسان لغاریوں

کے اصطبل میں کام کر رہا ہوتا۔۔!"علیشہ نے

کافی بے باکی سے بدر کی اوقات بیان کی تھی۔

"ہاں اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اگر بڑھے کے

دوسرے بیٹے زندہ ہوتے تو وہ لڑکا آج ان کے

نوکروں میں سے ایک ہوتا لیکن ۔۔ جو ہوا ہی

نہیں اس کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ۔۔ تمھیں

یہ ساری داستان بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اب تم

اپنے مستقبل کی فکر کرو۔۔۔!" صندل اصل

مدعے کی طرف آئیں تو وہ چونک اٹھی۔

"کیا مطلب۔۔ لغاریوں سے میرے مستقبل کا

کیا تعلق ہے۔۔؟؟" وہ مکمل سنجیدگی سے بولی

تھی۔ آنکھوں میں الجھن سی تیر رہی تھی۔

"تم اتنی نادان نہیں ہو علیشہ۔۔ سارنگ اور شہیر

ہمارے وارث ہیں۔۔ ہم ان دونوں میں سے

کسی ایک کو بھی لغاریوں کے حوالے نہیں کریں

گے۔۔!" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ

قدرے مدھم لہجے میں بولی تھیں۔ ان کے

چہرے پر چھائی سختی نے علیشہ کو بہت کچھ باور

کروادیا تھا۔ اس کی آنکھیں پل میں ویران ہوئی

تھیں۔

"کل صبح جرگہ ہے۔۔ اور بڑے بھایا لغاریوں کو

سارنگ کی بجائے خون بہا اور دیت کی رقم کے

لیے قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔۔۔!"

صندل بیگم اسے آگاہ کر رہی تھیں۔

"اور خون بہا میں یہاں سے کون جائے

گا۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے علیشہ کو اپنی آواز پرائی

لگی۔

"ظاہر سی بات ہے تم۔۔۔!" صندل بیگم کے

لفظوں نے اسے زوردار دھکا دیا تھا۔علیشہ کو اپنا

آپ کھایوں میں گرتا محسوس ہوا۔

"آپ جانتی بھی ہیں کہ آپ کیا کہہ رہی

ہیں۔۔؟؟" ہوش میں آتی وہ دبی دبی سی آواز

میں چیخی۔

"چلاؤ مت۔۔احتجاج بے کار ہے۔۔" صندل

بیگم نے اسے ٹوکا۔وہ اس پل سفاک نظر آرہی

تھیں۔

"میں کوئی بھیڑ بکری نہیں ہوں پھپھو۔۔۔!"

علیشہ کی اذیت اس پل قابل دید تھی۔

"اگر تم ہوتیں تو ہمارے لیے کسی کام نہ

ہوتیں۔۔ تم عورت ہو اسی لیے تمھیں خون بہا

میں وہاں بھیجا جائے گا۔۔!" صندل بیگم نے

اچھے سے اسے لتاڑا تھا۔علیشہ کی آنکھیں جلنے

لگیں۔ سر خود بخود نفی میں ہلا تھا۔

"مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں۔۔ ہر گز۔۔ اور ہر گز

نہیں۔۔!" ان کے پاس سے اٹھتی وہ قطعیت

بھرے لہجے میں چلائی۔

"پاگل مت بنو۔۔ وہ تمھیں جان سے نہیں مار

دیں گے۔۔ اور میں نے تمہیں بتایا ہے ناں کہ

شمعون لغاری کی نسل کو بد عا ہے۔۔اس کی نسل

کے مرد چالیس سال کی عمر سے زیادہ نہیں

جیتے۔۔اگر وہ تمھارا نکاح شمعون لغاری سے

کریں گے تو وہ بڈھا کتنی دیر جی لے گا۔۔؟؟

ویسے بھی اس کی ٹانگیں اب قبر میں لٹک رہی

ہیں سال ڈیڑھ سال میں مر جائے گا۔۔۔!"

صندل بیگم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

علیشہ کا سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا۔

"اور اگر تمھارا نکاح بدر سے ہو تب بھی تمھیں

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔وہ زیادہ

سے زیادہ اس وقت تیس یا بتیس سال کا ہے۔۔

جلد یا بدیر وہ بھی مر ہی جائے گا۔۔اور اگر نہ مرا

تو۔۔!"بیڈ سے اتر کر اس کے مقابل آکر

ٹھہرتے ہوئے انھوں نے علیشہ کی ٹھوڑی کو

چھوا۔ اس کی بھوری آنکھیں آنسو ضبط کرنے کی

کوشش میں سرخ ہو رہی تھیں۔

"اگر وہ نہ مرا تو ہو سکتا ہے کہ تم پر مر مٹے۔۔

تب تمہارے عیش ہی عیش ہوں گے۔۔ اسے

قابو کر لینا اور اس کی بڈھی بیوی کو طلاق دلوا

دینا۔۔اس کے بعد تو راوی چین ہی چین لکھے

گا۔۔!"اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولتی وہ آخر

میں مسکرائی تھیں۔علیشہ کی بھیگتی آنکھوں میں

شمس کا چہرہ گھوم گیا۔دل نے بے اختیار کروٹ

بدلی تو ان کا ہاتھ جھٹکتی وہ واش روم میں جا کر بند

ہو گئی۔ آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر گالوں پر پھسلتے

چلے گئے۔ کچھ دیر پہلے تک لغاریوں کی داستان

اشتیاق سے سننے والی وہ لڑکی اس داستان کے

اختتام پر اب اپنے لیے رو رہی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

گلاس وال پر گرے بھاری پردوں کی گہری

سرمئی رنگت سے ملتا گہرا سرمئی رنگ کا فرنیچر

اس وسیع و عریض کمرے کی دیوارں پر ہوئے

آف وہائٹ پینٹ پر چھپے گہرے سرمئی جدید

نقش و نگار سمیت دیکھنے والے کی آنکھوں کو اپنی

جانب متوجہ کرتا اس کمرے کے مکین کے اعلیٰ

ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ سگریٹ اور اس کے

کلون کی مہک کمرے کی فضا میں پھیلی روم فریشنر

کی خوشبو سے مزاحمت کرتی سانسوں کو پر سکون

کرنے والا تصادم برپا کر رہی تھی۔۔ ایسے میں

ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر وہ

مضبوط قدم چلتا پل بھر کو رکا۔ ایک بار پھر وہ

شخص اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ شمس کا چہرہ

دیکھتے ہوئے اس کی سیاہ آنکھوں میں سختی سی در

آئی۔

"مجھے قصوروار مت کہنا۔۔ تمھاری بیوی صحیح

کہہ رہی تھی۔۔۔ تم فضا کو چیرتی گولی کی آہٹ

پالینے کی بھی صلاحیت رکھتے ہو۔۔ اگر تم اس

لڑکی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو۔۔۔!" بدر کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شمس کافی سنجیدگی سے

بولا۔

"بکواس بند کرو۔۔یہ سب کچھ تمھاری وجہ سے

ہوا۔۔۔سب کچھ جانتے بوجھتے بھی تمھیں اپنے

دل پر اختیار نہیں رہا۔۔وہ دو ٹکے کی لڑکی چند

ملاقاتوں میں ہی تمھارا بوسیدہ دل لے

اڑی۔۔۔!"شہادت کی انگلی اٹھاتا بدر لغاری اس

پر گر جاتا تھا۔بدلے میں مقابل یوں مسکرایا تھا

جیسے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔

"میرا دل تو چند ملاقاتوں میں اڑا ہے ناں۔۔ تم تو

پہلی نظر میں ہی اس "دو ٹکے" کی لڑکی پر دل ہار

بیٹھے تھے۔۔۔!" لفظ دو ٹکے پر زور دیتا شمس

دوبدو بولا تھا۔۔

"ہمم۔۔۔؟؟یاد ہے ناں یا یاد دلاؤں وہ

دن۔۔؟؟وہ سہ پہر۔۔؟؟سارنگ چوہان کا

ڈیرہ۔۔۔وہ گھڑسواری کی ریس۔۔۔؟؟جنید

خان کی جیت اور سارنگ چوہان کی ہار۔۔۔؟؟"

وہ لفظ با لفظ اسے سب یاد کروا رہا تھا۔بدر کی سیاہ

آنکھوں میں وہ دن وہ وقت وہ لمحات گھوم

گئے۔۔سورج کی تپش سے تمتماتا علیشہ کا گلاب

چہرہ اسے آج بھی یاد تھا۔بدر کے اندر سناٹے

سے اترنے لگے۔۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔۔میں شروع دن سے یہ جانتا

تھا کہ شیث اس لڑکی کو پسند کرتا ہے۔۔بھلا میں

ایسا کیوں کروں گا۔؟؟" شمس کو جواب دیتے

ہوئے اس نے جیسے خود کو یقین دلایا تھا۔

"ہاں لیکن شیث کی پسند اس دن کے بعد شروع

ہوئی تھی جس دن وہ ناپسندیدہ ترین لڑکی پہلی

مرتبہ تمھیں دکھائی دی تھی۔۔اب بیٹے کی

محبت میں کم از کم اپنا ہی حق غصب مت کرو بدر

لغاری۔۔!" شمس نے اسے حقیقت کا آئینہ

دکھانے کی کوشش کی۔۔

"اپنے فضول نظریات سے میرا دماغ خراب

مت کرو۔۔یہ دل دینا لینا سردار بدر لغاری کی

شان کے خلاف ہے۔۔میں نے کبھی ایسا کچھ

نہیں کیا اور جو ہو چکا ہے اس کے بعد تو ایسا کرنے

کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔۔!" بدر نے اپنے

مخصوص بارعب لہجے میں اسے خبردار کیا تھا۔

بدلے میں شمس کے لبوں پر ایک استہزاء آمیز

مسکراہٹ رینگ گئی۔

"مجھے یہ باور کروانے سے پہلے تمھیں یہ یاد رکھنا

چاہئیے کہ میں تمھاری رگ رگ سے واقف

ہوں۔۔ تم مجھے بہلا نہیں سکتے۔۔۔!" شمس نے

کچھ جتاتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ بدر کی پیشانی پر

لکیروں کا جال سا بننے لگا۔

"تمم۔۔ جتنی مرضی بکواس کرلو۔۔ کبھی مجھ پر

حاوی نہیں ہوسکتے۔۔!" دائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچتا

بدر غرایا۔

"ہونہہ۔۔ میں نہ بھی ہو سکوں، جس نے ہونا

تھا وہ تو ہو گئی ناں۔۔!" شمس کا لہجہ چڑاتا ہوا تھا۔

بدر کا فشار خون بڑھنے لگا۔

"خاموش ہو جاؤ ورنہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہو گا۔۔!" وہ چلایا تھا۔ جواباً شمس قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"دیکھاناں۔۔حقیقت کیسے چبھ رہی ہے

تمھیں۔۔!" اپنی ہنسی روکتا شمس طنزیہ انداز میں

بولا۔

"حقیقت نہیں ہے یہ۔۔!" بدر کے لب ہلے

تھے۔سیاہ آنکھوں کی رنگت بدلنے لگی۔

"یہی حقیقت ہے۔۔وہ لڑکی تم پر حاوی ہو چکی

ہے۔۔اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو اسے اور شیث کو

ساتھ دیکھ کر تم اپنے حواس نہ گنواتے۔۔۔!"

شمس پوری قوت سے چلایا تھا۔

"بکواس بند کرو تم۔۔ بالکل بند۔۔۔!" قیمتی

پرفیوم کی شیشی اٹھا کر اس کے منہ پر مارتا بدر

لغاری دہاڑا تھا۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ

ڈریسنگ ٹیبل کا شیشہ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔۔

"بالکل خاموش ہو جاؤ۔۔۔!" ٹوٹے ہوئے شیشے

کے ٹکروں کو گھورتے ہوئے وہ چلایا تھا۔ سیاہ

آنکھوں میں سرخی سی پھیل چکی تھی۔ اس کا

عکس شیشے کے سنگ کئی ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔

بدر نے جلتی ہوئی آنکھوں سے ڈریسنگ ٹیبل میں

اٹکے بقیہ ماندہ شیشے کی جانب دیکھا۔ اس کی

نگاہوں کے سامنے سردار شمس البدر لغاری کا

شاندار عکس واضح تھا۔۔ اس نے بے اختیار اپنے

بالوں میں ہاتھ چلایا تھا۔ پھر پلٹا اور قدم قدم چلتا

واپس بیڈ پر آ بیٹھا۔ ذہن کے پردے پر نوماہ پہلے

کا منظر لہر اسا گیا جب شیث کے ایڈمیشن کے بعد

وہ ایچ-او-ڈی کے بلاوے پر یونیورسٹی گیا تھا۔۔

"آپ میرے دوست نہیں ہیں کیونکہ آپ اپنے

ہی دشمن ہیں۔۔ لیکن میں نے ہمیشہ خود کو آپ کا

دوست سمجھا ہے اور اس مخلص تعلق کے ناطے

میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ ہماری

یونیورسٹی جوائن کرلیں۔۔!"میز کے اس پار

راکنگ چئیر پر براجمان ایچ-او-ڈی نے کافی

سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا تھا۔انداز میں ایک

شکوہ تھا اور بدر اس شکوے کو خوب سمجھتا تھا

کیونکہ مقابل بیٹھا وہ شخص دیارِ غیر میں اس کا

کلاس فیلو رہ چکا تھا۔ نہ صرف کلاس فیلو بلکہ

شاہزل ربانی نے اس سے دوستی کرنے اور اسے

کے منجمد احساسات کو موم کرنے کی بہتیری

کوشش کی تھی لیکن بدر نے اپنا آپ اس پر کھول

کر نہ دیا تھا۔

"اپنا فائدہ سوچ رہے ہو۔۔؟؟" اس کا شکوہ نظر

انداز کرتے ہوئے سردار بدر لغاری نے جتاتے

ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ بدلے میں دھیرے سے

ہنستے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"مانتا ہوں کہ لاء کے لیے آپ سے اچھا ٹیچر اس

یونیورسٹی کو کبھی نہیں مل سکتا لیکن آپ بھی یہ

جان لیں کہ میں آپ کو یہ پیشکش اس یونیورسٹی

کے لیے نہیں، بلکہ شیث کی وجہ سے کر رہا

ہوں۔!" اس کی جانب دیکھتے شاہزل ربانی نے

قدرے مدھم لہجے میں کہا۔

"اگر شیث کی اتنی ہی پرواہ ہے تو مجھے یہ فضول

پیشکش کرنے کی بجائے اس لڑکی کو یونیورسٹی

سے آؤٹ کرو۔۔!" اپنے اور شاہزل کے مابین

میز پر ہاتھ رکھتے ہوئے بدر نے سرد لہجے میں کہا

تھا۔

"مسئلہ علیشہ چوہان یا کسی دوسرے سٹوڈنٹ کا

نہیں ہے۔۔ مسئلہ آپ کے بیٹے کا ہے بدر

لغاری۔۔۔ آج میں علیشہ کو نکال دوں گا، کل

کسی اور کو اور پرسوں کسی اور کو۔۔ شیث کے لیے

میں اتنا کر سکتا ہوں لیکن۔۔۔ میں یونیورسٹی کے

تمام سٹوڈنٹس کو نکال باہر نہیں کر سکتا۔۔۔!"

اسی کے انداز میں میز پر ہاتھ رکھتے ہوئے

شاہزل نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو بدر

نے سنجیدہ نظروں سے اسے گھورا۔ اس کی

آنکھوں کی زبان سمجھتے ہوئے شاہزل نے گہرا

سانس لیتے ہوئے چیئر کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"مجھے پتہ ہے کہ تم شیث کے لیے اس یونیورسٹی

کی ماہانہ انکم سے دگنی رقم ہر ماہ دے سکتے ہو لیکن

بدر۔۔ جسٹ ٹرائے ٹو انڈرز سٹینڈ۔۔ شیث

یونیورسٹی کی بلڈنگ میں بیٹھنے کے لیے یہاں

نہیں آیا ہے۔۔ کلاس فیلوز اور یونیورسٹی فیلوز

کے بغیر اس بلڈنگ میں اکیلے شیٹ کو پڑھایا تو

جا سکتا ہے لیکن اس پڑھائی کا فائدہ کوئی نہیں

ہے۔۔" آپ جناب کا تکلف ایک جانب رکھتے

ہوئے وہ اپنے اصل انداز کی طرف لوٹتے ہوئے

سنجیدگی سے بولا۔

"تھر کے کالج سے انٹر میڈیٹ کرنے اور کراچی

یونیورسٹی سے بی-بی-اے پاس کر لینے میں بہت

فرق ہے۔۔ تم ہی بتاؤ تم نے کیوں اس کا ایڈمیشن

یہاں کروایا۔۔؟؟ اسی لیے ناں کہ وہ ہجوم میں

سروائیو کر سکے۔۔ اس کے اندر کانفیڈینس

آئے۔۔ لیکن اگر شیث کی خاطر میں اس کے

آس پاس سے ہجوم ہی ختم کر دوں تو پھر اس کے

یہاں آنے کا مقصد تو فوت ہو جائے گا

ناں۔۔؟؟" شاہزل نے کافی صاف گوئی سے اس

کے سامنے تمام پہلو واضح کیے تھے۔

"میرا دماغ خراب مت کرو ربانی۔۔اب کیا بدر

لغاری اپنا آفس چھوڑ کر لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی یہ

فضول سی جاب کرے گا؟؟" ٹانگ پر ٹانگ

چڑھاتے ہوئے بدر نے رعونت بھرے لہجے میں

کہا تھا۔

"اوہ یار۔۔جاب کے لیے کون کہہ رہا ہے۔۔؟

شیٹ کے لیے کہہ رہا ہوں۔۔ایک یا دو

سیمیسٹرز نکلوادو۔۔اس دوران وہ اس قابل تو ہو

ہی جائے گا کہ یہاں سروائیو کر سکے۔۔اس کے

بعد تم لیو کر دینا۔۔!" شاہزل نے اس کے سامنے

اپنا موقف پیش کیا۔

"اور اس سے میری ریپوٹیشن کتنی خراب ہو گی

اس کا اندازہ ہے تمھیں۔۔؟؟" ٹیک چھوڑ تا بدر

اس بار قدرے دھیمی آواز میں بولا تھا۔

"تم ملکوں ملکوں گھومتے ہو۔ڈفرنٹ کیسز کے

سلسلے میں پاکستان کا ہر شہر چھان چکے ہو تم اور

میں اچھے سے جانتا ہوں کہ ہر جگہ تم بطور سردار

شمس البدر لغاری نہیں گئے ہو۔ گیٹ اپ چینج

کرنا تمھیں اچھے سے آتا ہے میں یہ بھی جانتا

ہوں سو اب مزید بہانے مت بناؤ۔۔ اگر شیث

کی رتی برابر بھی پرواہ ہے تو جلد از جلد یونیورسٹی

جوائن کرلو۔۔!"اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے

ہوئے شاہزل کافی مطمئن نظر آرہا تھا۔بدر چئیر

سے اٹھتا اپنے پورے قد سے کھڑا ہوا تھا۔

"تم ایک فضول انسان ہو۔۔!" بدر کا جواب

شاہزل کہ توقع کے مطابق تھا۔

"ہاں لیکن آپ ایک سمجھدار شخص ہیں۔۔۔

امید کرتا ہوں کہ آپ جلد میرے ڈیپارٹمنٹ

کو جوائن کریں گے!" ایک نرم مسکراہٹ اس کی

جانب اچھالتے ہوئے شاہزل پھر سے غیر بنتا

قدرے احترام بھرے انداز میں بولا تھا۔ بدر

لب بھینچتا اس کے آفس سے نکل گیا۔ باہر

نکلتے ہی اس کا سامنا شیث سے ہوا تھا۔

"میری سر شاہزل سے بات ہوئی ہے۔۔ انھوں

نے آپ کو جاب آفر دی ہے۔۔ آپ جوائن کر

رہے ہیں نا بابا۔۔؟؟" اس کے مقابل آکر

ٹھہرتے ہوئے شیث نے مدھم لہجے میں پوچھا

تھا۔

اس کے سوال پر بدر نے ایک نظر اطراف میں

دوڑائی۔۔

"ہاں۔۔۔میں جوائن کروں گا لیکن تمھارے

باپ کے طور پر نہیں۔۔۔!"اس کی جانب دیکھتے

ہوئے بدر نے آہستگی سے کہا تو شیث دھیرے

سے مسکرایا۔

"مجھے بس آپ یہاں چاہئیں۔۔باقی آپ کی

مرضی ہے۔۔!" اس کی بات کا مطلب سمجھتے

ہوئے شیث نے کہا تو بدر نے سر اثبات میں ہلایا۔

"اپنے کسی دوست کو تو کیا، اس یونیورسٹی کی حدود

میں تم مجھے بھی یہ احساس نہیں دلاؤ گے کہ

تمھارے اور میرے مابین کیا رشتہ ہے۔۔!"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بدر نے

مدھم تر لہجے میں کہا تو شیث نے سر اثبات میں

ہلایا تھا۔ پھر اس کے دو دن بعد ہی بدر نے

یونیورسٹی جوائن کر لی تھی۔ بلاشبہ اس نے خود کو

ایسے سانچے میں ڈھالا تھا کہ علیشہ یا کسی اور تو

کیا۔۔ شیث کو بھی اسے پہچاننے میں مشکل ہوئی

تھی۔۔ اور یہی اس کی کامیابی تھی۔ وہ بڑے

اعتماد سے بطور سر شمس طلباء میں مقبول ہوتا چلا

گیا مگر اس دوران وہ سر پھری لڑکی اس پر دل ہار

بیٹھی تھی۔۔اس نے بہتیری کوشش کی تھی کہ

خود کو اس سے دور کر سکے لیکن احتیاط برتنے کی

جتنی بھی کوشش وہ کرتا تھا اسے اپنی اداؤں سے

وہ ناکام بنادیا کرتی تھی۔۔ نیتجتاً کہیں نہ کہیں وہ

خود بھی اس کا اسیر ہو چکا تھا لیکن یہ اعتراف جرم

وہ کیسے کرتا؟؟؟ علیشہ کے سامنے تو بہت

دور۔۔۔ وہ یہ اعتراف اپنے سامنے بھی نہیں کر

سکتا تھا۔ جس بیٹے کی خاطر اس نے یونیورسٹی

جوائن کی تھی اسی کی معصوم زندگی اس کی

آنکھوں کے سامنے ختم ہو گئی تھی۔اور وجہ کوئی

اور نہیں وہی علیشہ چوہان تھی جس نے اس کا دل

لُوٹ کر اسے اپنی ہی نظروں میں مجرم بنا دیا تھا۔

شیث کی موت نے اس کے پتھر دل کو سنگ

مر مر کر ڈالا تھا۔ سیاہ آنکھوں کی نمی منجمد ہو چکی

تھی اور دل کی دھڑکنیں خاموش۔۔اس پل

اسے انتقام میں فقط سارنگ چوہان چاہئیے تھا لیکن

وہ جانتا تھا کہ جرگہ اسے کس فیصلے کے لیے قائل

کرنے والا ہے۔۔اور کم از کم اس فیصلے کو قبول

کر کے وہ اپنی زندگی مزید مشکل میں نہیں ڈال

سکتا تھا۔

اسے اس خونی رسم سے شدید نفرت تھی جس کی

بنا پر وہ خود وجود میں آیا تھا۔ گو وہ خود بھی علیشہ

چوہان کو اذیت سے دوچار کرنا چاہتا تھا لیکن

ذریعہ اس رسم کو نہیں بنانا چاہتا تھا جس نے اس

کی ماں کی زندگی برباد کرڈالی تھی۔۔ اسے خون

بہامیں علیشہ چوہان کسی صورت قبول نہیں تھی۔

وہ سوچ چکا تھا کہ قصاص میں سارنگ چوہان کی

زندگی کے علاوہ کسی اور پیش کش پر ہرگز

سمجھوتہ نہیں کرے گا۔۔بیڈ پر لیٹتے ہوئے بدر

نے ایک تھکی ہوئی خاموش نگاہ گلاس وال پر ڈالی

جس کے ادھ کھلے دروازے پر گرے سرمئی

پردے ہوا کے سنگ لہراتے بالکونی کا منظر واضح

کر رہے تھے۔ آسمان کے سینے پر چھائی سیاہی میں

نیلاہٹیں نمایاں تھیں۔۔شاید فجر کا وقت قریب

ہی تھا۔بدر نے آہستگی سے آنکھیں موند لیں

جن میں دور دور تک نیند کا شائبہ نہیں تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"واٹ۔۔۔؟؟علیشے آر یُو میڈ۔۔اس صورتحال

سے بچنے کا یہ کون سا طریقہ ہے ہاں۔۔؟؟"فون

کے سپیکر سے ابھرتی اس کی آواز پر مشتعل ہوتا

وہ چلایا تھا۔

"عالم پلیز۔۔اگر تمھیں میری زرہ برابر بھی

پرواہ ہے تو جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔۔!"

ملتجی انداز میں بولتی علیشہ کی آواز بھیگی ہوئی

تھی۔

"میں کیسے تمھیں ایک ایسے شخص کے پاس

جانے دے سکتا ہوں جس کے بیک گراؤنڈ کی

کوئی خبر ہے ناں فیوچر کا کوئی پتہ۔۔بے وقوفی

مت کرو پلیز۔۔"عالم نے خود کو سنبھالتے

ہوئے اس بار قدرے نرم لہجے میں اسے

سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور جیسے ہم اچھے سے جانتے ہیں کیا اس کے

پاس چلے جانا عقلمندی ہے عالم۔۔؟؟ یہ لوگ

مجھے اس کے حوالے کر دیں گے اور اس کی قید

مجھے مار ڈالے گی۔۔ نفرت ہے مجھے بدر لغاری

سے۔۔مجھے اس فرسودہ رسم کی بھینٹ نہیں

چڑھنا عالم۔۔پلیز تم کل صبح ہوتے ہی مجھے یونی جا

کر سر شمس کا نمبر لا دو۔۔پلیز میرے لیے اتنا

کر دو۔۔!" اپنا ضبط کھوتی وہ روتے ہوئے چیخی۔

اس کی بیٹھی ہوئی آواز سن کر عالم کا دل خون ہو

گیا۔

"جلد بازی میں غلط فیصلہ مت کرو۔۔۔میں

تمھارے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا میرا

یقین کرو۔۔!" عالم ہنوز اپنے موقف پر قائم تھا۔

"مجھے مت بہلاؤ عالم۔۔ مت بہلاؤ مجھے۔۔۔ یہ

تم بھی جانتے ہو کہ تم کچھ نہیں کر سکتے اور مجھے

بھی معلوم ہے کہ اگر کل جرگے میں فیصلہ ہو گیا

تو مجھے اس قید سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔۔۔!"

مدھم آواز میں کہتی علیشہ اسے بے بس کر گئی

تھی۔

"میں تمھیں ایک انجان شخص کے پاس نہیں

جانے دوں گا۔۔!" عالم نے قطعیت بھرے لہجے

میں کہا۔

"فار گاڈ سیک وہ تمھارے لیے انجان ہیں میرے

لیے نہیں۔۔ میں نے اُن کی آنکھوں میں اپنے

لیے محبت دیکھی ہے تم نے نہیں عالم۔۔ وہ شخص

اس دنیا میں اب میرے لیے واحد پناہ گاہ

ہے۔۔ میں بدر لغاری سے بچنے کے لیے تمھاری

یا کسی شناسا شخص کی ہیلپ نہیں لے سکتی۔۔

لیکن سر شمس کو کوئی نہیں جانتا۔۔وہ مجھے

پروٹیکٹ کر سکتے ہیں۔۔پلیز ہیلپ می۔۔۔!!"

علیشہ نے تقریباً چیختے ہوئے اس سے گزارش کی

تھی۔

"اور اگر وہ شخص فراڈ نکلا تو۔۔؟؟" عالم نے

سنجیدگی سے پوچھا۔

"تو پھر وہ میرا نصیب ہو گا۔۔مجھے نہیں معلوم

کے سر شمس کی نیچر کیا ہے لیکن مجھے یہ اچھے سے

معلوم ہے کہ بدر لغاری کی نیچر کیا ہے۔۔مجھے

ایک انجان شخص کے پاس جانا منظور ہے لیکن

دیکھتے دانستہ بدر لغاری نام کی تلوار اپنے سر مسلط

کرنا منظور نہیں ہے عالم۔۔۔!"علیشہ نے کافی

تلخی سے اسے لاجواب کیا تھا۔پل بھر کو وہ کچھ

بول ہی نہ سکا۔

"میں تم سے آخری بار پوچھ رہی ہوں کہ تم

میری ہیلپ کرو گے یا نہیں۔۔؟؟" اسے

خاموش پا کر علیشہ پھر سے بولی۔

"اگر نہ کروں تو۔۔؟؟" عالم نے بے تاثر لہجے

میں پوچھا۔

"تو میں سارہ راحمہ یا ہادیہ میں سے کسی ایک سے

ہیلپ لوں گی۔۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ

بعد میں وہ بابا سائیں کے تفتیش کرنے پر ان کے

سامنے سر شمس کا نام لے لیں گی اور زیادہ سے

زیادہ کیا ہو گا؟؟ ہم دونوں پکڑے جائیں گے اور

اس کے بعد مار دیے جائیں گے بس۔۔۔!" اپنے

لہجے کی بھراہٹ پر قابو پاتی وہ بولتی چلی گئی۔

"تم سے یہ ہیلپ اس لیے مانگی تھی کیونکہ مجھے

یقین تھا کہ تم میری ہیلپ کرو گے اور اس بابت

کبھی کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے لیکن تم۔۔۔!" وہ

مزید بولتی چلی جارہی تھی کہ جب عالم نے اس

کی بات کاٹ دی۔

"کیا تمھیں یقین ہے کہ جب تم اپنے ٹیچر سے

بات کرو گی تو وہ تمھاری بات مانے گا۔۔؟؟ کیا

تمھیں یقین ہے کہ وہ تمھیں بچانے کے لیے تم

سے نکاح کرے گا..؟"عالم نے مکمل سنجیدگی

سے پوچھا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ ایسا کریں گے۔۔مجھے

یقین ہے کہ وہ مجھے بچالیں گے۔۔!"علیشہ نے

پریقین لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔میں کل صبح ہوتے ہی یونیورسٹی

جاؤں گا۔۔اور سر شمس کا نمبر حاصل کروں

گا۔۔!!"خود کو سمجھانے کی ناکام کوشش کرتے

ہوئے عالم نے مدھم آواز میں کہا۔اس کے حامی

بھر لینے پر وہ دوسری جانب کھل اٹھی۔

"تھینک یو سو مچ عالم۔۔ تھینک یو سو مچ۔۔۔!"

کہتے ہوئے اس کا لہجہ کپکپا اٹھا۔

"ابھی مت کہو۔۔ جب وہ شخص، جس پر تمھیں

یقین ہے، تم سے نکاح کرے گا تب مجھے کال

کرنا۔۔ اور تب یہ شکریہ ادا کرنا۔۔ میں بخوشی

قبول کروں گا۔۔!" سنجیدگی سے کہہ کر اس نے

کال کاٹ دی۔۔

کال کاٹ کر اس نے موبائل بیڈ پر پٹخا اور اپنے

بال مٹھیوں میں جکڑتا وہ پیچھے کی جانب بیڈ پر

ڈھے گیا۔ سلگتی آنکھیں بے اختیار میچ لیں۔ چہرہ

اس پل ضبط کے مارے لال ہو رہا تھا۔

"آپ میرے ساتھ باکسنگ کر سکتے ہیں۔۔؟؟

میں دو سال سے آپ کو اس رنگ میں دیکھ رہا

ہوں مجھے آپ کی باکسنگ بہت پسند ہے۔۔!!"

سولہ سالہ اس بچے کی آواز باریک تھی۔لہجے میں

اشتیاق تھا۔

"باکسنگ۔۔؟؟اور تم۔۔۔؟؟"مقابل نے سر

تا پیر اسے گھورا تھا۔اس کی سیاہ آنکھوں میں

اسے بچے کے لیے حقارت تھی۔

"کیوں۔۔؟میں کیوں نہیں کر سکتا۔۔؟اگر

آپ میرے ساتھ باکسنگ کریں گے تو یقیناً آپ

کے بعد میں اس کلب میں اپنا نام بناؤں گا۔۔!"

اس نے مسکراتے ہوئے مقابل کو جتایا تھا۔انداز

پراعتماد تھا۔

"قد سے بڑی بات۔۔۔ اور اوقات سے باہر

خواب۔۔۔ یہ دو کام، آئندہ میرے سامنے

کرنے کی جرات بالکل مت کرنا۔۔۔ ورنہ منہ کی

کھاؤ گے۔۔!" اپنے ہاتھوں سے گلوز اتارتے

ہوئے مقابل نے رعونت بھرے لہجے میں کہا

تھا۔ سولہ سالہ عالم کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا

تھا۔

"اب یہاں سے جاؤ اور جا کر سکول کا ہوم ورک

کرو۔۔ جاؤ شاباش۔۔!" اس کے بال سہلاتے

ہوئے اس شخص نے کافی لاپرواہی سے کہا تو عالم

نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ آنکھوں میں غصہ

ہلکورے لینے لگا۔ اس کی حرکت پر مقابل کی سیاہ

آنکھوں میں سرد مہری سی آسمٹی تھی۔

"تو تمھیں باکسنگ سیکھنی ہے۔۔؟؟" اس بار

ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس

نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔عالم اس بار لب

بھینچے اسے گھور رہا تھا۔مقابل نے اسے نظر انداز

کرتے ہوئے رنگ کی طرف قدم بڑھائے۔۔

"آجاؤ۔۔۔!"ہاتھ سے اسے اپنے پیچھے آنے کا

اشارہ کیا تھا۔۔اردگرد تماشائی ان دونوں کی

طرف متوجہ ہونے لگے۔عالم رنگ سے باہر میز

پر سے گلوز اٹھاتے ہوئے رنگ میں گھس گیا۔وہ

ناصرف قد میں اس قابل ستائش شخص سے

قدرے چھوٹا تھا بلکہ اس کی جسامت بھی مقابل

کی نسبت کافی دبلی تھی۔۔وہ شخص دوبارہ گلوز

پہن رہا تھا۔

"آج میں تمھیں اس طرح سے باکسنگ سکھاؤں

گا کہ تم آج کے بعد اس کلب میں نام بنانے کا

تصور بھی نہیں کرو گے۔۔!" سرخ جوگرز میں

مقید مضبوط پیروں کو ماہرانہ انداز میں آگے

پیچھے حرکت دیتا وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔بیڈ پر

لیٹے عالم کی بند آنکھوں میں آگ سی دہکنے لگی۔

معاً اس کے چہرے پر ایک زور دار پنچ لگا تھا. وہ

منہ کے بل گرا تھا۔اس نے بے اختیار آنکھیں

کھول لیں۔۔اطراف میں دیکھا۔۔وہ کمرے

میں موجود تھا۔۔منظر بدل چکا تھا۔وہاں آس

پاس کہیں وہ سفاک شخص موجود نہیں تھا جس کی

باکسنگ دیکھ کر اسے باکسنگ کا شوق ہوا تھا۔۔

عالم نے بے اختیار اپنی دکھتی آنکھوں کو رگڑ

ڈالا۔

"تو تم یہاں نام بنانے آئے تھے۔۔؟ چچ چچ

چچ۔۔ جب تک اس رنگ میں شبی موجود ہے تم یا

تم جیسا کوئی اور یہاں کبھی اپنا نام نہیں بنا

سکتا۔۔!"رنگ کی سطح پر گرے عالم کے ادھ

موئے وجود کی طرف دیکھتا وہ شان بے نیازی

سے بولا تھا۔رنگ کے گرد جھمگٹا سا بنائے

کھڑے تماشائیوں نے اسے سراہنے کو شور مچایا

تھا۔اس روز کی طرح آج پھر عالم کو اپنے دماغ

کے دو ٹکڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔۔

□♦□♦□♦□♦

موذن کے اذان دیتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔

آنکھوں کو مسلتی وہ اٹھ کر بیٹھی پھر سرہانے پڑا

دوپٹہ اٹھا کر اس نے شانوں پر پھیلایا اور کچن سے

باہر نکل آئی۔ گزشتہ رات کچن میں کام کرتے

کرتے اسے کافی رات بیت گئی تو وہ وہیں فرش پر

چادر بچھا کر سو گئی تھی۔ ڈانٹ پھٹکار کی کوئی فکر

اسے ہرگز نہ تھی کیونکہ صندل بیگم اپنے میکے گئی

ہوئی تھیں اور ناجیہ بیگم منصب کو لینے کے لیے

کراچی گئی ہوئی تھیں سو وہ اس طرف سے زرا

مطمئن تھی۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ دوسری منزل کی چھت

پر چلی آئی۔میلے کپڑوں کا ایک ڈھیر آج پھر اس

کا منتظر تھا۔لبوں پر ایک پھیکی مسکان سجائے اس

نے نیلگوں آسمان کی جانب دیکھا تھا۔اس کی بے

ریا آنکھوں میں اس پل نمی سی چمک رہی تھی۔

"تُو نے دیکھا نہیں کیسے سرکار تیرے آگے پیچھے

پھرتے رہتے ہیں۔تُو ہے بھی تو حسین۔۔کیا پتہ

دل آ گیا ہو۔۔!" بالی کی معنیٰ خیز آواز اس کے

پاس گونجی تھی۔ بے اختیار اس نے گہرا سانس

لیا۔ دل کی حالت عجیب ہونے لگی۔ خود کو

سنبھالتے ہوئے مرحہ نے آسمان سے نظر ہٹائی

اور مشین میں پانی بھرنے لگی۔

"ان بڑے لوگوں کے چونچلے کچھ اور ہوتے

ہیں۔۔یہ محبت اور عنایت کے نام پر عورت کے

سر سے چادریں اتار لیتے ہیں۔۔!" مشین میں

پہلا چکر لگانے کو کپڑے ترتیب سے رکھتی وہ

ناچاہتے ہوئے بھی بالی کی باتیں سوچ رہی تھی۔

"یہ پنچ نہیں ہے۔۔میں بتا رہا ہوں اسے آئندہ

پنچ مت کہیے گا۔۔!" اسے اپنی کلائی پر عالم کی

مضبوط گرفت محسوس ہوئی تھی۔مرحہ نے بے

اختیار اپنی کلائی کو رگڑا۔

"تجھ جیسی کو تو چکھ کر تھوک دے گا۔۔" بالی کا

پریقین لہجہ۔۔وہ گھبرا کے چھت کی دیواروں کی

جانب بڑھنے لگی۔

"مرحہ یہاں دیکھو میری طرف۔۔!" عالم کی

مدھم نرم پکار پر اس نے بھیگی پلکوں کو جھپکاتے

ہوئے اطراف میں دیکھا۔وہ کہیں نہیں تھا۔اس

کے دل میں ہوک سی اٹھی۔سورج کی مدھم

روشنی آسمان پر پھیلنے لگی تھی۔صبح کی معطر ہوا

اس کے وجود کو چھوتی اسے مزید افسردہ کر رہی

تھی۔

"کیا میری کوئی ماں نہیں۔۔۔؟ میرا کوئی باپ

نہیں۔۔؟؟" دو فٹ دیوار سے اوپر تین فٹ

اونچی گرل پر ٹھوڑی ٹکاتی وہ بے حد مدھم آواز

میں بولی تھی۔ اداس آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ

کر سپید گالوں پر پھسل آئے۔

"کیا میں یتیم ہوں اللہ۔۔؟" اس نے آسمان کی

جانب دیکھا تھا۔ مشین کی گھوں گھوں کی مدھم

آواز اس تنہائی میں اس کی واحد ساتھی تھی۔

"میں کون ہوں؟؟ کیا میں واقعی پیچ ہوں۔۔۔ کیا

میں۔۔۔؟؟ کسی وحشی کی وقتی لذت کا نتیجہ

ہوں۔۔؟؟کیا اپنی ماں کی سزا ہوں۔۔۔؟؟؟"

ان گنت سوال تھے جو آج پھر اس کے اندر سر

ابھار رہے تھے۔

"اولاد ناجائز بھی ہو تو ماں اسے کبھی نہیں چھوڑتی

اللہ۔۔میری ماں کا دل کیسا تھا۔۔؟؟؟"وہ

سسک اٹھی۔بھیگی آنکھوں میں شکوہ سا در آیا۔

"میری اذیت کب ختم ہو گی۔۔؟"اس کے

لبوں سے شکایت پھسلی تھی۔جواب دینے والا

کوئی نہیں تھا۔ گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے

اپنے گال رگڑ ڈالے۔۔ پھر اپنی ہتھیلوں کو تکتی

وہ مبہم سا مسکرائی۔

"میں ایک ذلت بھری زندگی گزار رہی ہوں۔۔

مجھے یقین ہے کہ میری موت باعزت طریقے

سے ہو گی۔۔!"خود کو تسلی دیتی وہ کہیں نا کہیں

اللہ سے امید لگا رہی تھی۔ وہ امید جس کے

پورے ہونے کا اسے یقین تھا۔ چکر پورا

ہو جانے پر اس نے مشین سے کپڑے نکال کر

دوسرا چکر ڈال دیا۔ اپنی سوچوں سے لڑتی وہ

کپڑے پانی سے نکال کر رسیوں پر پھیلانے کے

لیے دوبارہ اسی جانب آئی تھی۔ شروعات اس

نے سیڑھیوں کے دہانے سے کی۔۔ یہ اس کی

غائب دماغی تھی یا شاید اذیت کی انتہا کہ کپڑے

پھیلاتے ہوئے اس کے قدم ڈگمگائے تھے۔

اگلے ہی پل وہ سر کے بل سیڑھیوں پر گری تھی

اور کلابازیاں کھاتی ہوش گنواتی چلی گئی۔بے حسی

کی حد تھی کہ اس کے حلق سے چیخ تک نہ نکلی

تھی۔بڑی خاموشی سے اس نے خود کو موت کے

حوالے کرنے کی کوشش کی تھی۔

□♦□♦□♦□♦

دھلے ہوئے کپڑے بازو پر ڈالے وہ چھت کی

سیڑھیوں سے اتر رہی تھیں جب اچانک ان کی

آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آیا تھا۔پاؤں

آخری دو سیڑھیوں پر پڑنے کی بجائے سیدھا

زمین پر جا پڑا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ اپنا توازن

کھو کر گر جاتی ولید شاہ کے ہاتھوں نے سرعت

سے انھیں تھاما تھا۔زہرہ نور کے دل کو اچانک

کچھ ہوا تھا۔یوں جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا

ہو۔

"تم ٹھیک تو ہو۔۔؟؟؟" انھیں کندھوں سے

تھامتے ہوئے ولید نے نرمی سے پوچھا۔ پلکیں

جھپکاتے ہوئے زہرہ نے غائب دماغی سے سر

ہلایا۔

"ناشتہ کیا ہے تم نے۔۔؟؟"زہرہ کی پیشانی پر

چمکتے پسینے کے قطرے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے

صاف کرتے ہوئے ولید نے مکمل توجہ سے

پوچھا۔زہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔۔اچانک دل بھاری سا ہو

گیا ہے۔۔!"ان کے پاس سے گزر کر برآمدے

میں رکھی میز پر کپڑے رکھتے ہوئے انھوں نے

آہستگی سے کہا۔۔

"مم ۔۔ میں زرا مہر کو دیکھ لوں ۔۔!" اپنے دل کو

تسلی دینے کے لیے وہ عجلت بھرے انداز میں

کہتی مہرماہ کے کمرے کی طرف بڑھیں ۔۔

دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا وہ سامنے ہی

مسہری پر بیٹھی فارمز پُر کر رہی تھی۔ ان کے

آنے پر مہر ماہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی

جانب دیکھا۔

"کیا ہوا اماں۔۔ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔۔؟؟"

ان کے چہرے پر پھیلے تشویش ناک آثار دیکھتی

وہ کچھ حیران سی ہو کر بولی۔اپنے دل پر ہاتھ

رکھتی زہرہ بیگم بے اختیار اس کی جانب بڑھیں۔

"پتہ نہیں۔۔اچانک ایسے لگا جیسے تمھیں کچھ ہو

گیا ہے۔۔!!" اس کے پاس بیٹھتی وہ بھرائی ہوئی

آواز میں بولیں۔آنکھیں بے اختیار نم سی

ہو گئیں۔ انھیں یوں روتے دیکھ وہ پین چھوڑتی

ان کے ہاتھ تھام گئی۔۔

"پتہ نہیں سال میں ہر دو بار آپ کو یہ وہم کیوں

ہو جاتا ہے۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں دیکھیے تو

زرا۔۔!!" ان کے ہاتھ محبت سے تھامے وہ نرم

لہجے میں بولی تو اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتی

زہرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اللہ کبھی تمھیں کچھ نہ کرے۔۔!" ایک پھیکی

مسکان لبوں پر سجاتی وہ آہستگی سے بولی۔ دل کی

حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔

"آمین۔۔!" مہرماہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

آگے تعلیم جاری رکھنے کی خوشی میں وہ کچھ پل

کے لیے ہی سہی لیکن اپنا ماضی نظر انداز کر چکی

تھی۔ اسے پھر سے اپنے کام میں مشغول ہوتے

دیکھ وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ باہر

ہی وہ برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔

"ہو گیا دل کو اطمینان۔۔؟؟" ان کے قریب

آتے ہوئے ولید شاہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

بدلے میں زہرہ نے خالی نظروں سے اس

شخص کی طرف دیکھا۔

"برسوں سے یہ بے سکونی میرے ساتھ ہے۔۔

جانے کب اطمینان نصیب ہو گا۔۔!" کرسی پر

بیٹھتی وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولیں۔ پلکوں پر

اٹکے آنسو ایک بار پھر رخسار پر پھسلے تھے۔ولید

شاہ نے کچھ بے بسی سے ان کی جانب دیکھا۔۔

"ناشتہ کرلو۔۔ورنہ طبعیت بگڑ جائے گی۔۔!"

ولید نے نرمی سے کہا تو زہرہ نور نے سلگتی نظروں

سے ان کی جانب دیکھا۔۔

"اچھا ہے بگڑ ہی جائے۔۔ مر جاؤں گی تو شاید

اذیت ختم ہو جائے۔۔ میری بھی اور۔۔۔!"

کہتے کہتے انھوں نے وقفہ لیا.

"آپ کی بھی۔۔۔!" اس بار ایک ایک لفظ پر

زور دیا گیا تھا. ولید شاہ کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔ وہ

لب بھینچتا اس عورت کو دیکھتا رہ گیا جو اب اس

سے ہر حساب بے باک کرنے پر تُل چکی تھی۔

ولید کو وہیں کھڑا چھوڑ کر وہ خود کچن میں جا

گھسیں۔

□♦□♦□♦□♦

دن چڑھ آیا تھا۔ سورج کی روشنی چہار سُو پھیل کر

زمین و آسماں روشن کر چکی تھی۔ کراچی کی

سڑکوں پر ٹریفک کا اژدھام سا لگ چکا تھا۔ شہری

رزق اکٹھا کرنے کی تگ و دو میں مشغول نظر

آرہے تھے تو کہیں طلباء سکولز، کالجز اور

یونیورسٹیوں کے لیے رواں دواں تھے ایسے

میں عالم بھی علیشہ کی خاطر کراچی یونیورسٹی گیا

ہوا تھا جبکہ منصب عالم شاہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے

بعد جو دوبارہ سویا تھا تو ابھی تک خواب خرگوش

کے مزے ہی لوٹ رہا تھا۔ ناجیہ بیگم کچن میں

ملازمہ سے اپنے دونوں صاحبزادوں کے لیے

ناشتہ بنوا رہی تھیں۔۔جب تک ناشتہ تیار ہوا

حیرت انگیز طور پر منصب فریش ہو کر کمرے

سے باہر آگیا تھا۔ناجیہ بیگم کے کہنے پر اس نے

عالم کو کال ملائی تھی وہ بھی یونیورسٹی سے واپسی

کے راستے پر تھا۔ پانچ سے دس منٹ بعد وہ ان

دونوں کے ساتھ ناشتے کی میز پر موجود تھا۔

"ایسی کون سی ضرورت آپڑی تھی جو تمھیں

یونیورسٹی جانا پڑا۔۔ ہمم۔۔؟؟" اس کی جانب

جوس کا گلاس بڑھاتے ہوئے ناجیہ بیگم نے

سنجیدگی سے پوچھا۔ منصب سر جھکائے بیٹھا

خاموشی سے ناشتہ کر رہا تھا۔

"ایک کام تھا۔۔ بہت ضروری تھا۔۔ اسی سلسلے

میں گیا تھا۔۔!!" عالم نے انھیں ٹالا۔

"ہو گیا۔۔؟؟" ناجیہ بیگم نے نرمی سے پوچھا۔

"جی۔۔ ہو گیا ہے۔۔!!" فورک پلیٹ میں رکھتے

ہوئے دوسرے ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ

مصروف سے انداز میں بولا. اس نے راستے میں

ہی سر شمس کا نمبر علیشہ کو فارورڈ کر دیا تھا لیکن اس

نے ابھی تک سین نہیں کیا تھا۔ بلاشبہ ایچ-او-

ڈی کے موبائل سے یہ نمبر حاصل کرنا آسان

نہیں تھا کیونکہ اتنے کم وقت میں ٹیچرز کے

معلوماتی رجسٹر تک پہنچنا تو بہر حال ناممکن سا کام

تھا۔ سوچپڑاسی کی مدد لے کر اس نے تھوڑی دیر

کے لیے ایچ-او-ڈی کا موبائل حاصل کر ہی لیا

تھا۔۔ ایس نام کی لسٹ کھولتے ہی اسے دوسرے

نمبر پر "سر شمس" لکھا ہوا نظر آگیا تھا۔اس کی

تصویر اس نے جلدی سے اپنے موبائل میں کھینچ

لی تھی۔۔

"ہمم۔۔۔اللہ بہتر کرے۔۔!" ناجیہ بیگم کی

آواز پر وہ چونکا تھا تبھی اُن کا موبائل بجنے لگا۔

انھوں نے ایک نظر سکرین پر ڈال کر کال ریسیو

کرلی۔۔

"السلام علیکم ماموں سرکار۔۔!" فون کان سے

لگاتے ہی انھوں نے دوسری جانب موجود سید

ذوالفقار عالم شاہ کو سلام کیا تھا۔جواباً انھوں نے

پتہ نہیں کیا کہا تھا کہ ان کے چہرے کی رنگت

بدل گئی۔

"کیا۔۔؟؟ لیکن کیسے۔۔۔؟؟ کب۔۔؟؟" ہاتھ

میں پکڑا چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے انھوں

نے پریشان زدہ سی ہو کر پوچھا۔

"یا اللہ خیر۔۔میں بس نکل رہی ہوں۔۔

آپ۔۔آپ شاہ سائیں سے بات کریں

ناں۔۔بالی کو اس کے پاس ہی چھوڑ دیں۔۔!!"

خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی وہ جلدی سے

بولیں۔منصب اور عالم دونوں ہی ان کی طرف

متوجہ ہو چکے تھے۔

"کیا ہوا۔۔؟؟" منصب نے پوچھا۔

"سب خیریت تو ہے۔۔؟؟" عالم بھی کچھ متفکر

ہوا تھا۔ ان دونوں کے سوال پر ناجیہ بیگم نے خود

کو سنبھالنے کے لیے اپنی پیشانی مسلی۔

"ہمم۔۔۔وہ۔۔ ایک ملازمہ کے ساتھ حادثہ

پیش آگیا ہے۔۔ سیڑھیوں سے گر گئی ہے وہ۔۔

ہمیں فوراً نکلنا چاہیئے۔۔!" چیئر سے اٹھتی وہ

سرعت سے بولیں۔ ان کی متغیر ہوتی رنگت نے

جہاں عالم کو چونکا دیا تھا وہیں منصب کے چہرے

پر ناقابل فہم تاثرات پھیل گئے۔

"ایک ملازمہ کے لیے اتنی جلدی مچانے کی

ضرورت نہیں ہے۔۔ آپ پہلے ناشتہ تو

کرلیں۔۔!" منصب نے کافی سنجیدگی سے انھیں

مخاطب کیا تھا۔

"ضرورت کیوں نہیں ہے۔۔؟؟صندل اپنے

میکے میں ہے اور میں یہاں ہوں۔۔حویلی کے

اندرونی معاملات مرد تھوڑی نا سنبھال سکتے

ہیں۔۔بس۔۔تم یوں کرو کہ ہمارے لیے

فلائٹ لے لو۔۔ہم بائے ائیر چلے جاتے

ہیں۔۔!" اسے جواب دیتی ناجیہ بیگم کافی سے

زیادہ پریشان نظر آرہی تھیں۔ منصب کی حیرت

دیدنی تھی۔ عالم دل میں ابھرتے اندیشوں کا گلا

گھونٹے کافی ضبط سے بیٹھا ہوا تھا۔

"میں فلائٹ نہیں لوں گا۔۔ ہم تھوڑی دیر تک

گاڑی میں ہی روانہ ہوں گے۔۔ آپ خود کو ہلکان

نہ کریں ملازمائیں مینیج کر لیں گی۔۔!" اپنی

نشست چھوڑ کر کھڑا ہوتا وہ لاپرواہی سے بولا۔

"لیکن۔۔!" انھوں نے بولنے کی کوشش کی ہی

تھی جب عالم نے ان کا ہاتھ تھام کر انھیں

خاموش کروادیا۔ منصب ایک نظر ان دونوں پر

ڈال کر واپس کمرے میں جا گھسا۔ اس کے

جاتے ہی عالم چیئر سے اٹھا تھا۔

"عالم مرحہ۔۔مرحہ موت کے منہ میں

ہے۔۔!"اس کے سوال پوچھنے سے پہلے ہی اسے

جواب دیتی وہ اس کے بدترین خدشے کی تصدیق

کرچکی تھیں۔

"کک۔۔۔کیسے۔۔۔؟؟"ڈوبتے دل پر ہاتھ

رکھتے ہوئے عالم نے بڑی دقت سے پوچھا تھا۔

"وہ چھت پر کپڑے دھو رہی تھی۔سیڑھیوں

پر سے پاؤں پھسلا اور۔۔وہ گر گئی۔۔!"اسے

بتاتے ہوئے ناجیہ بیگم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

عالم کے اندر باہر ہر طرف اذیت سی پھیلتی چلی

گئی۔

"میں یہ تکلیف برداشت نہیں کر پاؤں گا

اماں۔۔!" ان کا ہاتھ تھامے کھڑا وہ بامشکل بولا۔

"خود کو سنبھالو۔۔یہ وقت ہمت ہارنے کا نہیں

ہے۔۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے

انھوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں سکھر کے لیے فلائٹ لے رہا ہوں۔۔میں

اس کے پاس جا رہا ہوں اماں۔۔!" عجلت بھرے

انداز میں کہتے ہوئے اس نے اپنا موبائل اور

والٹ میز سے اٹھایا۔

"تم علیشہ کے پاس جانے والے تھے۔۔!"ناجیہ

بیگم نے اسے یاد دلایا۔

"جتنا میں اس کے لیے کر سکتا تھا میں کر چکا

ہوں۔۔ مرحہ کو میری ضرورت ہے میں اب

یہاں ایک پل نہیں ٹھہر سکتا۔۔!" انھیں جواب

دیتا وہ سرعت سے وہاں سے نکلا تھا۔ناجیہ بیگم

نے بے اختیار گہرا سانس بھرا تھا۔دل اس بے

کس و مجبور لڑکی کے لیے دعا گو ہوا تھا جو ولید شاہ

کی اولاد تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

اپنے معمول کے مطابق وہ وقت پر جاگ گیا تھا۔

فجر کے قریب اس کی آنکھ لگی تھی اور اب آٹھ

بجتے ہی وہ بستر سے اتر گیا تھا۔ فریش ہو کر اس

نے جرگے کی مناسبت سے اپنا سفید کلف لگا

کُرتا شلوار پہنا تھا۔ بازو کہنیوں تک فولڈ کر کے

اس نے خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا تھا پھر موبائل

بیڈ سے اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ پیشانی پر

بکھرے گیلے بالوں کی نوکیں اس کی بھنوؤں تک

آرہی تھیں۔ گھنی سیاہ بھنوؤں تلے سجی بڑی بڑی

گہری سیاہ آنکھوں میں سرخ ڈورے لیے وہ بنا

اطراف میں دیکھے ناک کی سیدھ میں چل رہا تھا۔

ناشتے کی میز پر سردار شمعون لغاری اس کے

منتظر تھے۔۔ وہیں ایک جانب ردابہ لغاری بھی

سر جھکائے کھڑی تھیں۔

"میں نے بلاوا بھیجا تھا۔۔ تم ناشتے کے لیے کیوں

نہیں آئے۔۔؟؟" اسے وہاں آتا دیکھ وہ سنجیدگی

سے بولے تھے۔

"میرا موڈ نہیں تھا۔۔!" اس نے بے تاثر لہجے

میں جواب دیا۔

"تمھارے موڈ سے میں بہت پریشان

ہوں۔۔!" اسے گھورتے ہوئے انھوں نے سخت

لہجے میں کہا۔

"ویسے میں اس بات پر حیران ہوں۔۔!" بدر

نے طنزیہ انداز میں انھیں جواب دیا تو لب

بھینچتے وہ ہاتھ پشت پر باندھتے چہرے کا رخ

بدل گئے۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہئیے۔۔پنچایت

ہماری منتظر ہو گی۔۔!" وہ مزید بولا تھا۔

"ہمم۔۔لیکن جانے سے پہلے تمھیں میری بات

سن لینی چاہئیے۔۔!" اس کی طرف پلٹتے ہوئے

شمعون لغاری نے آہستگی سے کہا۔

"سننے میں مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔ میں بچپن

سے آپ کی ہر بات سنتا آیا ہوں لیکن آپ یہ

جان لیں کہ اس مرتبہ میں آپ کی بات مانوں گا

نہیں۔۔!" نظریں سنگِ مرمر کے چکنے فرش پر

جمائے بولتے ہوئے اس نے پل بھر کو وقفہ لیا

تھا۔

"آپ کی سن لوں گا۔۔ لیکن کروں گا وہی جو

میرا دل چاہے گا۔۔!" انھی کے انداز میں اپنے

ہاتھ پشت پر باندھتے ہوئے اس بار اس نے نظر

اٹھا کر انھیں جواب دیا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ آپ کا 'دل' کبھی 'چاہتا' بھی

ہے۔۔!" ردابہ لغاری نے سر بلند کرتے ہوئے

لب کشائی کی تو بدر نے سرد نظروں سے اس کی

جانب دیکھا۔

"میرے دل کی حالت جاننے میں آپ کو دلچسپی

نہیں ہونے چاہئیے۔۔ بہتر ہے کہ آپ اپنے دل

کو سنبھال کر رکھیں۔۔!" بدر نے ٹھنڈے ٹھار

لہجے میں اسے جواب دیا تو وہ دانت بھینچتی خاموش

ہو گئی۔

"بدر۔۔ اپنی بیوی کا احترام کیا کرو۔۔!" شمعون

لغاری نے اسے ٹوکا۔

"آپ شاید کوئی بات کرنے والے تھے۔۔؟"

ان کی تنبیہہ نظر انداز کرتے ہوئے وہ سنجیدگی

سے بولا تھا۔

"ہمم۔۔ ایسا ہے کہ ایسے معاملات میں عموماً

دیت کی رقم اور خون بہا میں عورت قبول کی جاتی

ہے۔۔!" شمعون لغاری نے تمہید باندھنے کی

کوشش کی۔

" مجھے یہ دونوں آپشنز سرے سے ہی قبول نہیں

ہیں۔۔!" ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ

بے لچک لہجے میں غرایا تھا۔

"جوش سے کام مت لو۔۔ ہوش کے ناخن لو۔۔

شیث مر چکا ہے۔۔ ان کا آدمی سولی چڑھا دینے

سے وہ واپس نہیں آجائے گا۔۔ قصاص کی

بجائے عورت اور رقم قبول کرنے میں ہی ہمارا

فائدہ ہے۔۔!" شمعون لغاری نے ایک ایک لفظ

پر زور دیتے ہوئے کہا تو بدر نے سرخ آنکھوں

میں غضب لیے ان کی جانب دیکھا۔

"تو آپ اپنے مرے ہوئے پوتے کو بھی نہیں

بخش رہے سردار شمعون لغاری۔۔؟؟ آپ ایک

مردہ شخص کی قیمت وصول کر کے فائدہ بٹورنا چاہ

رہے ہیں۔۔ ہمم۔۔۔؟؟ تو ایسا ہے ہاں۔۔!"

ایک قدم ان کی جانب بڑھاتے ہوئے ان کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے وہ بلند آواز

میں بولا۔

"تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔۔۔؟ دولت

کی کمی نہیں ہے مجھے۔۔۔!" اس کی بات پر

مشتعل ہوتے وہ چلائے تھے۔

"ہاں دولت کی کمی تو نہیں ہے بس زرا لالچ کی

زیادتی ہے۔۔۔!" بنا جھجھکے وہ دوبدو چلایا تھا۔

"تم حد سے تجاوز کر رہے ہو بدر۔۔" توہین کے

شدید احساس تلے لال بھبھوکا ہوتے وہ دہاڑے

تھے۔۔لیونگ روم میں کھڑے ملازمین نے اپنی

نظریں فرش پر چپکالی تھیں کہ اٹھانے کی پاداش

میں یقیناً ان کی نوکری جا سکتی تھی۔

"میری حدود کا تعین میں خود کرتا ہوں۔۔

اور۔۔اس جرگے کا فیصلہ بھی میں خود ہی کروں

گا۔۔مجھے دیت کی رقم، اور خون بہا میں عورت

کسی صورت قبول نہیں ہے۔۔!" ان کی طرف

دیکھتا وہ بے خوفی سے بولا تھا۔ انداز میں کوئی

رعایت نہیں تھی۔

"مجھے قصاص نہیں چاہئیے۔۔میں باباسائیں کے

فیصلے سے متفق ہوں۔۔!" ردابہ لغاری نے اعتماد

سے کہتے ہوئے اس پر اپنی وہاں موجودگی کا

مقصد واضح کیا تھا۔اس کی بات سن کر بدر نے

پل بھر کو اپنے لب بھینچ لیے۔پھر ملازمین کو

وہاں سے جانے کا کہا۔

"سن لیا تم نے۔۔؟؟" شمعون لغاری نے جتاتے

لہجے میں اسے مخاطب کیا تو اس نے دھیرے سے

اثبات میں سر ہلایا۔

"ہوس پرست نفوس کا فیصلہ کچھ ایسا ہی ہوتا

ہے۔۔مجھے حیرت نہیں ہے۔۔ تم سے مجھے ہر

گھٹیا کام کی امید ہے ردابہ لغاری۔۔!" ردابہ کی

جانب نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا وہ غرایا

تھا۔

"بہت ہو چکا ہے۔۔ میں کافی دیر سے تمھاری

بدتمیزی برداشت کر رہا ہوں۔۔۔ اب اور

نہیں۔۔یہ عورت تمھاری بیوی ہے اور آج اگر

تم کچھ ہو تو اسی کی وجہ سے ہو۔۔!"اس کے

مقابل آتے ہوئے وہ اس پر گرجے تھے۔

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں، میں آج جو بھی

ہوں۔۔جیسا بھی ہوں صرف اس عورت کی وجہ

سے ہوں جسے سولہ برس قبل آپ نے میرے

سر پر مسلط کر دیا تھا۔۔!" ان کی طرف دیکھتا وہ

ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا تھا۔

"کچھ غلط نہیں کیا تھا۔۔اپنی بیوہ بہو کو عزت کی

چادر دی تھی فقط۔۔!"بدر سے بحث کرتے

ہوئے ان کی آواز بلند تر ہو رہی تھی۔

"جھوٹ مت بولیں باباسائیں۔۔مت بہلائیں

مجھے اب میں سولہ سال کا وہ بچہ نہیں ہوں جسے

سمجھا بجھا کر آپ نے اس عورت سے نکاح کرنے

پر مجبور کر دیا تھا۔۔اچھے سے جانتا ہوں کہ آپ

نے یہ کیوں کیا تھا۔۔!!" پورے قد سے ان کے

سامنے تن کر کھڑا وہ اپنے اندر کی کھولن ان پر

انڈیل رہا تھا۔

"گڑھے مردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں

ہے۔۔!" شمعون لغاری کی آواز اس بار کپکپا

اٹھی۔شاید وہ خوفزدہ ہوئے تھے۔

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ایسا نہ کروں تو مجھے

وہ کرنے دیں جو میں چاہتا ہوں۔۔مجھے قصاص

میں سارنگ چوہان چاہئیے۔۔!!" دو قدم پیچھے ہٹتا

وہ قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔

"آپ کیوں اپنا فیصلہ ہم پر تھوپ رہے ہیں۔۔

میں اس کی ماں ہوں اور میں قصاص نہیں

چاہتی۔۔۔!"ردابہ لغاری نے ایک بار پھر گفتگو

میں حصہ لے کر اسے مشتعل کر دیا تھا۔

"تم اپنی بکواس بند کر لو ورنہ تمھاری اوقات

کھول کر رکھ دوں گا۔۔ پھر یقیناً تم بکواس کرنے

کے قابل نہیں رہو گی۔۔!"ردابہ کے منہ پر

اپنے سخت لفظوں کا تھپڑ مارتا وہ اس پل بپھرا ہوا

طوفان لگ رہا تھا۔اس کی سنگین دھمکی پر رداب

کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

"کیا۔۔کیا اوقات ہے میری۔۔ہمم۔۔کیا کیا

ہے میں نے۔۔؟؟"اس کے قریب ہوتی وہ

چنگھاڑی تھی۔بدر کی آنکھوں میں زہر سا پھیلنے

لگا۔

"کہنا کیا چاہتے ہو تم۔۔؟؟"شمعون لغاری نے

اسے بازو سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

"یہ آپ اپنی بہو سے پوچھیے جس نے نکاح سے

اگلی رات ہی مجھ سے اپنا حق وصولا تھا۔۔!" ان

کی جانب دیکھتا وہ بے تاثر لہجے میں بولا تھا۔ اس

کی بات کی گہرائی کو سمجھتے شمعون لغاری نے بے

یقینی سے ردابہ کی جانب دیکھا جس کا رنگ اس

انکشاف پر پھیکا پڑ چکا تھا۔ بے ساختہ شمعون

لغاری کو اپنے کندھوں پر بوجھ سا محسوس ہوا۔

بیٹے کی اذیت اور تلخ رویے کی وجہ آج پتہ چلی تو

دل عجیب سا ہو گیا۔

"ہمم۔۔تت۔۔۔تو۔۔اگر ایسا ہوا بھی

تت۔۔تو۔۔یہ اس کا شرعی حق تھا۔۔!"خود پر

قابو پاتے وہ بڑی دقت سے بول پائے تھے۔ان

کے جواز پر وہ ایک طنزیہ ہنسی ہنسا تھا۔

"اس حق کے پیچھے شریعت نہیں اس عورت کا

نفس کارفرما تھا۔۔ اور اس عورت سے میرا نکاح

کروانے کے پس پردہ آپ کی نیت نیکی نہیں

تھی۔۔ دولت تھی دولت۔۔!" وہ آج ان

دونوں کے اعمال ان کے منہ پر مار رہا تھا۔ ردابہ

سر جھکائے چپ چاپ رونے لگی۔

"جتنی دولت سمیٹنی تھی آپ سمیٹ چکے ہیں۔۔

مجھے مزید ایسی دولت کی تمنا نہیں ہے جسے بروز

قیامت میرے گلے میں طوق کی مانند لٹکا دیا

جائے گا۔۔۔میں جرگے میں دیت کی رقم ہر گز

قبول نہیں کروں گا۔۔!" حتمی انداز میں کہہ کر

وہ لیونگ روم سے نکلتا چلا گیا۔ آج اپنا فیصلہ

منوانے کو وہ ان دونوں کو ایسا آئینہ دکھا کر گیا تھا

جس کے بعد وہ اس کو تو کیا۔۔ایک دوسرے کو

بھی منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے تھے۔

شمعون لغاری نے آنکھوں میں حیرت اور

ناگواری لیے ردابہ لغاری کی طرف دیکھا۔۔

"گھٹیا عورت۔۔تُو نے میرے بیٹے کو برباد کر

دیا۔۔۔!" اس کی گردن دبوچتے وہ چلائے تھے۔

ردابہ نے سرعت سے ان کی کمزور گرفت سے

خود کو آزاد کروایا تھا۔

"مجھے الزام دینے سے پہلے اپنے گریبان میں

جھانکیے۔۔ اسے بربادی کی طرف دھکیلنے والے

آپ تھے۔۔ بھری جوانی میں، میں بیوہ ہوگئی اور

آپ۔۔؟؟بجائے اس کے کہ کسی اچھے آدمی

سے میرا نکاح کرواتے میری جائیداد ہتھیانے

کے لیے آپ نے مجھے اپنے سولہ سالہ بیٹے کے

پلے باندھ دیا۔۔پھر اس سے اپنا حق نہ لیتی تو کس

کے پاس جاتی۔۔؟؟" نفرت سے شمعون لغاری

کی طرف دیکھتی وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ اس

کے جواب پر سردار شمعون لغاری اپنا سر تھامتے

پیچھے رکھی کرسی پر بیٹھتے چلے گئے۔۔

"ہونہہ۔۔!" وہ سر جھٹکتی وہاں سے نکلتی چلی

گئی۔ شمعون لغاری نے خالی خالی نظروں سے

فرش کو گھورا۔ انھیں اپنا جہان لٹتا محسوس ہو رہا

تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ ساری رات سو نہیں پائی تھی۔۔ فکر نے اس کی

جان ہلکان کر رکھی تھی۔ جلے پیر کی بلی کی مانند

اسے کمرے میں یہاں سے وہاں چکر کاٹتے

صبح ہوگئی تھی۔رات صندل بیگم کے چلے جانے

کے بعد اس نے فوراً عالم سے بات کی تھی۔

صندل بیگم جب واپس آئیں تو اس کے ہاتھ میں

موبائل دیکھ لیا تھا۔بعد میں وہ جاتے ہوئے اس

کا موبائل بھی اپنے ساتھ ہی لے گئیں تھیں۔۔

علیشہ نے بہتیری کوشش کی تھی کہ انھیں ایسانہ

کرنے دے لیکن ناکام۔۔۔اور اب دن نکلتے ہی

اسے فکر لاحق ہو چکی تھی۔۔اگر عالم شمس کا نمبر

لے کر اسے واٹس ایپ کر دیتا تو وہ کیا کر سکتی

تھی۔۔اگر عالم کا میسج صندل بیگم نے دیکھ لیا تو وہ

انھیں کیسے مطمئن کرے گی۔۔؟؟اس کے

کمرے کا دروازہ بھی باہر سے لاک تھا۔۔ہر

گزرتے لمحے کے ساتھ علیشہ کا تنفس بگڑ رہا تھا۔

اس نے بامشکل آٹھ بجے تک کسی کے آنے کا

انتظار کیا تھا اس کے بعد ہمت کرتی وہ کھڑکی کی

طرف بڑھی تھی۔ احتیاط سے باہر کو لٹکتی وہ

ساتھ والے کمرے کی بالکونی میں کودی تھی۔ وہ

کمرہ شہیر کا تھا۔ اس پل اس نے شدت سے دعا

مانگی تھی کہ شہیر کے کمرے کا دروازہ لاک نہ

ہو۔ بدقسمتی سے دروازہ لاک نہیں تھا جسے اپنی

خوش قسمتی سمجھتی وہ شہیر کے کمرے سے باہر

نکل آئی۔ گرل کے پاس آکر نیچے لاؤنج میں

جھانکا تھا، ایک جانب ڈائننگ ٹیبل پر اسے اپنے

باباسائیں اور تایاسائیں بیٹھے نظر آئے۔ وہ دونوں

ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔ وہ پلٹی اور دبے

پاؤں فرسٹ فلور پر گیسٹ روم میں چلی آئی۔

واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔

یقیناً صندل بیگم اندر ہی تھیں۔وہ دبے پاؤں بیڈ

کے پاس چلی آئی۔باری باری تکیے اور کشنز ہٹا کر

اس نے اپنا موبائل ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن

ناکام۔۔علیشہ نے لمبا سانس لیتے ہوئے ایک نظر

واش روم کے بند دروازے پر ڈالی تبھی اس کی

نگاہ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی جہاں اس کا موبائل پڑا

ہوا تھا۔علیشہ نے سرعت سے اپنا موبائل پکڑا۔

اس کے موبائل پکڑتے ہی میسج کی رنگ بجی تھی۔

علیشہ کا دل شدت سے دھڑکا۔ جلدی سے

سکرین لاک ڈرا کر کے وہ واٹس ایپ میں گئی

تھی۔۔ عالم کی طرف سے دو میسجز ان سین

تھے۔۔ اس نے فوراً اس کی چیٹ کھولی۔

"کہاں ہو۔۔؟؟" یہ ابھی کا میسج تھا۔ اس سے

اوپر بیس منٹ پہلے کی ایک تصویر تھی۔ علیشہ

نے جلدی سے تصویر کھولی۔ سر شمس کا نمبر اس

تصویر میں واضح تھا۔۔

ایک بار، دو بار، تین بار۔ علیشہ نے چار بار اس

نمبر کو پڑھا تھا۔ آنکھیں بند کر کے بے اختیار

اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ تبھی صندل بیگم

کی پاٹ دار آواز پر وہ چونکی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔؟؟؟" ان کے پوچھنے

پر وہ اپنا موبائل اوٹ میں کرتی ان کی جانب

گھومی۔

"وہ۔۔میں۔۔آپ سے ملنے آئی تھی۔۔مجھے

میرا موبائل چاہئیے۔۔!!"خود کو کمپوز کرتے

ہوئے علیشہ نے قدرے اعتماد سے کہا۔

"تمھارے کمرے کا دروازہ لاک تھا۔۔تم باہر

کیسے نکلی۔۔؟"اس کی طرف بڑھتے ہوئے

انھوں نے سنجیدگی سے پوچھا. علیشہ کا انگوٹھا اس

تصویر پر ہی تھا۔ اپنے لبوں پر زبان پھیرتے

ہوئے اس نے تصویر پر انگوٹھے کا دباؤ بڑھا دیا۔

اتنا کہ وہ سلیکٹ ہو گئی تھی۔

"وہ۔۔بختاں ناشتہ دینے آئی تھی تو۔۔اس نے

ان لاک کر دیا تھا۔۔!"علیشہ نے صفائی سے

جھوٹ بولا۔ساتھ ہی اس نے سلیکٹ ہوئی

تصویر کو اندازے سے ڈیلیٹ کرنے کی کوشش

کی تھی۔

"لیکن بختاں تو میرے پاس تمھارے کمرے کی

چابیاں لینے نہیں آئی۔۔؟؟"بیڈ کی سائیڈ ٹیبل

سے چابیوں کا گچھا اٹھا کر اس کے سامنے کرتی

صندل بیگم سنجیدگی سے بولیں۔علیشہ کا رنگ پھیکا

پڑا تھا۔

"مجھے میرا موبائل چاہئیے۔۔!" ہمت جتاتی وہ

ڈھٹائی سے بولی۔

"حالانکہ وہ تم پہلے ہی لے چکی ہو۔۔!!" اس کی

پشت سے موبائل جھپٹتے ہوئے انھوں نے سخت

لہجے میں کہا تو مارے خفت کے علیشہ کا چہرہ سرخ

ہوا تھا۔۔

"وہ کون ہے جس سے بات کرنے کے لیے تم

لاکڈ کمرے سے باہر نکل آئیں۔۔؟؟" اسی انداز

میں بولتے ہوئے انھوں نے موبائل کی سکرین

کی طرف دیکھا۔۔عالم کی چیٹ دیکھ کر وہ کچھ

حیران ہوئی تھیں۔علیشہ کا دل دھڑ دھڑ کر رہا

تھا۔

"عالم۔۔؟تم عالم سے بات کر رہی ہو۔۔؟؟"

موبائل کی سکرین اس کی جانب گھماتے ہوئے

انھوں نے اس بار کچھ نرم لہجے میں پوچھا. علیشہ

نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے موبائل کی

سکرین دیکھی۔ وہاں شمس کے نمبر والی تصویر

نہیں تھی۔ وہ اس تصویر کو ڈیلیٹ کرنے میں

کامیاب ہو چکی تھی۔علیشہ نے دل ہی دل میں

سکون کا سانس لیا.

"جی۔۔اس نے کہا تھا کہ وہ یہاں آئے گا اور

آج جرگے میں شرکت کرے گا۔۔!"علیشہ نے

ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔

"ٹھیک ہے۔۔اسے کال کرلو اور پوچھ لو۔۔!"

موبائل اسے تھماتے ہوئے صندل بیگم نے

مدھم آواز میں کہا۔علیشہ نے فوراً اسے کال ملائی

تھی لیکن وہ آف ہوچکا تھا۔۔اس نے کچھ سوچ

کر اسے وائس میسج بھیج دیا۔

"عالم تم کب تک آؤ گے۔۔ پلیز آ جاؤ میں تمھارا

ویٹ کر رہی ہوں۔۔ پھپھو بھی میرے ساتھ

اچھا نہیں کر رہیں انھوں نے تو مجھ سے میرا فون

بھی لے لیا ہے۔۔ تم پلیز جتنا جلدی ہو سکے یہاں

آجاؤ۔۔!" اس کے لیے میسج چھوڑ کر اس نے

موبائل صندل بیگم کے حوالے کر دیا۔

"میں اس ظلم کے لیے آپ کو کبھی معاف نہیں

کروں گی۔۔!" صندل بیگم کو مخاطب کرتی وہ تلخی

سے گویا ہوئی۔

"میں مجبور ہوں۔۔!" صندل بیگم نے بے تاثر

لہجے میں کہا۔۔

"میں سوچتی تھی کہ پتہ نہیں اللہ نے کیوں آپ

کو بیٹی نہیں دی۔۔ آج مجھے سمجھ آگئی ہے۔۔ جو

لوگ اللہ کی رحمت کو اپنے گناہوں کے کفارے

کے طور پر استعمال کریں اللہ ان پر اپنی رحمت

کرتا ہی نہیں۔۔!" بنا ڈرے، بنا جھجھکے انھیں

اپنی سنا کر وہ ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

اس کی یاداشت کے پردے پر وہی تصویر لہرا

رہی تھی جو کچھ دیر پہلے اس نے دیکھی تھی۔ نمبر

توشاید وہ درست ملا ہی لیتی لیکن اب موبائل

کہاں سے لاتی۔۔۔؟؟؟؟

◆□◆□◆□◆□

سیاہ تارکول پر گاڑی نارمل رفتار سے فراٹے بھر

رہی تھی۔ کہیں نا کہیں ناجیہ بیگم کے دل کو یہ

اطمینان تھا کہ عالم فلائٹ لے کر سکھر کے لیے

جا چکا ہے۔۔ لیکن ان کا پور پور مرحہ کے لیے دعا

گو تھا۔ منصب خود ڈرائیونگ کر رہا تھا جبکہ فرنٹ

سیٹ پر براجمان وہ اداس سی دکھائی دے رہی

تھیں۔

سڑکیں ناپتی اس کی گاڑی کب تنگ گلیوں میں

مڑی تھی انھیں پتہ ہی نہ چلا۔ ہوش تو تب آیا تھا

جب اس نے گاڑی ولید شاہ کے گھر کے باہر روکی

تھی۔ ناجیہ بیگم نے چونک کر گاڑی سے باہر دیکھا

پھر حیرانگی سے منصب کی طرف دیکھا۔ وہ

پرسکون سا ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ وہ

گزشتہ رات ان سے مہرماہ کے نکاح کی بات کر رہا

تھا اور اب وہ اس کی چوکھٹ پر موجود تھا۔ کیا تھا

وہ شخص۔۔؟ محبت کی کون سی قسم تھی۔۔؟

جنون کی کیسی انتہا تھا۔۔؟؟ناجیہ بیگم کا دل

پریشان ہونے لگا۔

"تم اتنے ضدی کیوں ہو مون۔۔؟کیوں آئے

ہو یہاں۔۔؟؟"اس کی طرف دیکھتی وہ کچھ

سخت لہجے میں بولی تھیں۔

"میں یہاں نہیں آیا۔۔میں تو آپ کو لایا

ہوں۔۔!" کہتے ہوئے وہ پلٹا اور پچھلی سیٹ سے

ایک گفٹ پیک ان کے حوالے کیا۔

"یہ واچ میں نے ماہی کے لیے لی تھی۔۔میں مان

لیتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی لیکن

میرا احساس تو اس کے ساتھ رہ سکتا ہے۔۔؟؟"

ان کی طرگ دیکھتے ہوئے وہ بے تاثر لہجے میں

بول رہا تھا۔

"یہ واچ آپ اسے اپنی طرف سے دے

آئیں۔۔میں باہر ہی آپ کا ویٹ کر رہا

ہوں۔۔!" منصب نے کہا تو ناجیہ بیگم نے کچھ

سوچ کر وہ پیکٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

دونوں بازوؤں کی کہنیاں سٹئیرنگ پر آمنے

سامنے رکھ کر اس نے اپنا چہرہ اس گھیراؤ میں چھپا

لیا۔۔ناجیہ بیگم گاڑی سے اتر گئیں اور دروازے

پر دستک دی۔ تیسری دستک پر ہی دوسری

طرف سے گیٹ کھل گیا تھا۔ناجیہ بیگم کو

دروازے پر دیکھ کر مہرماہ نے مدھم آواز میں

انھیں سلام کیا۔ ایک نظر گاڑی میں ڈرائیونگ

سیٹ پر براجمان اس شخص پر بھی ڈالی تھی جس

کے دل کی دھڑکنیں اس پل اسے اکسا، رہی

تھیں کہ وہ چہرہ سیدھا کرے اور گردن موڑ کر

اس ماہ جبیں کا چہرہ دیکھ لے جس نے اسے نو ماہ

تڑپایا تھا۔ لیکن دل پر جبر کیے وہ اسی پوزیشن میں

بیٹھا رہا۔ مہر ماہ کو اس کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ وہ

ناجیہ بیگم کو لیے اندر بڑھ گئی۔

"زہرہ اور ولی کہاں ہیں۔۔؟؟" برآمدے میں

رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے

انھوں نے نرمی سے پوچھا۔

"ابی جی تو ڈیوٹی پر گئے ہیں اور اماں پڑوس میں

فوتگی ہوئی ہے وہاں گئی ہیں۔۔ آپ رکیے میں

کسی بچے کو بھیج کر بلا لیتی ہوں۔۔!" انھیں جواب

دیتی وہ واپس باہر کی طرف بھاگی۔

"اسے پریشان مت کرو میں ویسے بھی جلدی

میں ہوں۔۔!"ناجیہ بیگم نے اسے پکارا لیکن وہ

ان سنی کرتی دہلیز میں آگئی۔اب بھلا وہ انھیں

کیسے بتاتی کہ وہ ان کے پاس ایک منٹ بیٹھنے کی

روادار نہیں ہے اسی لیے زہرہ کو بلا رہی ہے۔

"علی۔۔۔ علی۔۔بات سنو۔۔۔!" دروازے پر

گرے پردے سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر تھوڑے

فاصلے پر اسی گلی میں کھیلتے بچوں میں سے ایک کو

پکارتی وہ پتھر بنے بیٹھے منصب عالم شاہ کی

سماعتوں کو موم کر گئی تھی۔ناجیہ بیگم کی سائیڈ

پر دروازے کا شیشہ نیچے تھا جس کے باعث مہر ماہ

کی آواز بخوبی اس تک پہنچ رہی تھی۔

"علی بات سنو ناں۔۔یہاں آؤ۔۔!" وہ ہنوز اس

بچے کو پکار رہی تھی۔ منصب کا دل اسے شدتوں

سے جھنجھوڑنے لگا۔ دھڑکنیں فریاد کرنے

لگیں۔ آنکھیں جل اٹھی تھیں۔۔

"باجی افروزاں کے گھر جاؤ اور میری اماں کو بلا لاؤ

شاباش۔!" بچے کے قریب آنے پر مہرماہ نے

اس سے گزارش کی تھی۔ وہ حکم بجالاتا فوراً وہاں

سے بھاگا تھا۔ مہر ماہ کی نظر ایک بار پھر منصب پر

پڑی تھی لیکن اس شخص کی پوزیشن میں کوئی

فرق نہیں آیا تھا۔ وہ بال چھوٹے کروا چکا تھا اور

اس کی رنگت پہلے کی نسبت صاف ہو چکی تھی۔

اس کے سائیڈ پوز سے بغیر چہرے کے اسے پہچاننا

مہرماہ کے لیے ناممکن سا تھا۔ سو وہ سر جھٹکتی واپس

اندر آگئی جبکہ پیچھے اس نے مہرماہ کے پلٹتے ہی سر

اٹھا کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔ سرمئی آنکھوں

میں شدت ضبط کے باعث سرخ ڈورے ابھر

آئے تھے۔

قدم قدم پہ جہنم سہارتا ہوا میں

تمھارے ہجر سے خود کو گزارتا ہوا میں

یہ پور پور اذیت میں ڈالتے ہوئے تم

یہ سانس سانس محبت پکارتا ہوا میں

پھر ایک رات اذیت سے مر گیا تھا کہیں

تمہارے عشق کو اندر سے مارتا ہوا میں

اس کی حالت اور موجودگی سے انجان اندر وہ

ناجیہ بیگم سے اب کہہ رہی تھی۔

"آپ یہیں انتظار کریں اماں آجاتی ہیں تھوڑی

دیر میں۔۔!" انھیں برآمدے میں بیٹھنے کا کہتی

وہ خود اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی جب

انھوں نے اسے پکارا تھا۔

"مہر۔۔میری بات سنو بیٹا۔۔۔!!" ان کے نرم

لہجے پر وہ لب بھینچتی پلٹی تھی۔

"مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنی تعلیم کا سلسلہ پھر سے

شروع کر رہی تو۔۔مجھے تمھارے لیے یہ گھڑی

اچھی لگی۔۔تم یہ رکھ لو۔۔!" پیکٹ سے شیشے کا

واچ باکس نکال کر اس کے سامنے کرتے ہوئے

وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

"میری پاس بہت سی گھڑیاں ہیں۔۔مجھے اس کی

ضرورت نہیں ہے۔۔!" صاف گوئی سے انھیں

انکار کرتے ہوئے اس نے تکلفاً بھی مسکرانے کی

کوشش نہیں کی تھی۔

"تحائف ضرورت کے نہیں، محبت کے تحت

دیے جاتے ہیں میری جان۔۔!" اس کی ٹھوڑی

پیار سے چھوتے ہوئے انھوں نے ہنوز اسی لہجے

میں کہا تو مہرماہ نے شرمندہ سی ہو کر وہ باکس ان

سے لے لیا۔ بلیک کلر کی نفیس سی گھڑی اِسے

پہلی ہی نظر میں اچھی لگی۔

" تھینکس۔۔!" اس بار وہ زبردستی مسکرائی تو

ناجیہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خوش رہو۔۔اور اسے ضرور پہننا۔۔یہ تمھیں

خریدنے والے کی محبت کا احساس دلائے

گی۔۔!"اس کی جانب دیکھتے ہوئے انھوں نے

پیار بھرے لہجے میں کہا تو اس نے سر اثبات میں

ہلا دیا۔

"زہرہ تو ابھی تک آئی ہی نہیں۔۔مجھے دیر

ہو رہی ہے میں چلتی ہوں۔۔تم اپنا خیال رکھنا اور

اسے میرا سلام کہنا۔!" اپنی چادر سنبھالتے ہوئے

انھوں نے آہستگی سے کہا تھا۔

"آپ بیٹھیں تو سہی وہ آنے والی ہوں گی۔۔!"

مہرماہ نے مروت نبھانے کی معمولی سی کوشش

کی۔۔

"نہیں میری جان میں پھر کبھی آؤں گی۔۔ ابھی

مجھے جلدی ہے۔۔!" اس کا کندھا تھپتھپا کر کہتی

وہ وہاں سے پلٹ گئیں۔ مہرماہ انھیں دروازے

تک چھوڑنے آئی تھی۔ ان کے باہر نکلتے ہی اس

نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ تیسری بار بھی وہ شخص

اسے اسی پوزیشن میں نظر آیا تھا۔

"روبوٹ۔۔!" اپنے ذہن میں آتی سوچ کو

جھٹکتی وہ واپس کمرے میں آگئی جبکہ باہر اس نے

ناجیہ بیگم کے بیٹھتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔۔

□♦□♦□♦□♦

ٹیلوں کے درمیان واقع اس شہر کے سب سے

بڑے ٹیلے پر آج پھر پنچایت بیٹھی ہوئی تھی۔۔

مٹھی کے تمام معزز بزرگ لکڑی کی چارپائیوں پر

شان سے براجمان تھے۔ مٹھی اور بدین کے

علاقائی لوگ گول گھیراؤ کی صورت میں زمین پر

بیٹھے شیث کے قتل کے مقدمے کی سنوائی کے

لیے وہاں موجود تھے۔ سورج کی روشنی عام

دنوں کے برعکس کچھ مدھم خوشگوار سی تھی۔

وہاں نصب واحد چبوترے پر پانچ مُوڑھے (نرم

لکڑی سے بنا آرام دہ سٹول) رکھے گئے تھے جن

میں مرکزی مُوڑھے پر سردار شمعون لغاری

براجمان تھے۔ ان کے دائیں بائیں دوسرے

معززین مقدمے کی سنوائی کے لیے بیٹھے ہوئے

تھے۔ ان کے پیچھے دو قدموں کے فاصلے پر وہ

ہاتھ پشت پر باندھے اپنی پوری شان سے کھڑا ہوا

تھا۔ سیاہ آنکھوں میں ازلی سرد مہری اور کشادہ

پیشانی پر غرور کی لکیریں پھیلائے وہ ہر نظر کا

مرکز تھا۔ سنوائی شروع ہو چکی تھی جس میں

پہل سارنگ چوہان کے باپ نے کی تھی۔۔

"معذرت کے ساتھ لیکن سردار بات غیرت کی

ہے۔۔ سردار شمعون لغاری کا پوتا ایک مجمعے میں

ہماری عزت روندنے والا تھا جب میرے بیٹے

نے اسے قتل کیا۔۔!" سر بلند کرتے ہوئے

سارنگ کے باپ نے مکمل اعتماد سے کہا۔

"تیری غیرت تب کہاں ہوتی ہے جب تیرے

گھر کی عزت شہر میں نیم عریاں لباس میں گھومتی

پھرتی ہے۔۔؟؟تب کہاں تھی جب تیرے گھر

کی عزت نے شیث لغاری کی بانہوں میں بانہیں

ڈال کر سٹیج ڈرامہ کیا تھا۔؟؟"بلند و بالا آواز

میں بولنے والا یہ سردار شمعون لغاری کا ملازم تھا

جسے شیث کی جانب سے بولنے کا حق حاصل تھا۔

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے سردار اسے یوں اچھال

کر ہمیں بے عزت نہ کیا جائے۔۔!"عبدالغفور

چوہان نے بھی لب کشائی کی تھی۔

"ذاتی معاملے کی آڑھ لے کر تم لوگ سارنگ

چوہان کے گناہ پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔۔یہ شہری

چونچلے ہیں جس میں تمھارے گھر کی عزت اپنی

مرضی سے شامل ہوئی تھی اور وہ منظر اس

ڈرامے کا حصہ تھا جسے دیکھ کر تمھارا بیٹا مشتعل

ہو گیا اور اس نے شیث لغاری کا قتل کر دیا۔۔!!"

اسی آدمی نے کافی صاف گوئی سے حقیقت کو

واضح کیا تھا۔ بدلے میں ان دونوں بھائیوں کو

چپ لگ گئی۔۔

"میں اپنے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے

تین گواہوں کو پیش کروں گا جن میں سے ایک

چوہانیوں کی بیٹی کی سہیلی ہے، دوسرا اس

یونیورسٹی کا استاد ہے اور تیسرا سارنگ چوہان کے

ان کرائے کے باڈی گارڈز میں سے ایک ہے۔۔

جو اس نے قتل کرنے سے ایک دن پہلے ہی فقط

دو دن کے لیے اپنے ساتھ مقرر کیے تھے۔!" محمد

تیمر نامی وہ شخص مکمل اعتماد سے بول رہا تھا۔ پھر

باری باری وہاں تینوں گواہ پیش کیے گئے تھے۔

سارہ کو وہاں دیکھ کر پہچاننا بدر کے لیے مشکل

نہیں تھا۔وہ بھی شاپنگ مال والے اس مغرور

دیوتا کو پہچان چکی تھی۔اس نے بنا جھجھکے وہاں یہ

گواہی دی تھی کہ علیشہ نے اس ڈرامے میں اپنی

مرضی سے حصہ لیا تھا۔

سارنگ کا گناہ جو پہلے ہی واضح تھا اس کے پیچھے

کارفرما 'غیرت' نامی وجہ کو بھی بڑی بے دردی

سے مسترد کر دیا گیا تھا۔

"تمام گواہوں اور دونوں فریقین کا موقف جان

لینے کے بعد میں سردار شمعون لغاری مقتول کے

والد سردار بدر لغاری، جو کہ میرا جانشین ہے، کو

یہ اختیار دیتا ہوں کہ وہ چوہانیوں سے قصاص یا

خون بہا کا تقاضا کر سکتا ہے۔۔ اس کے فیصلے کا

احترام اس پنچایت کا ہر شخص کرے گا۔۔!"

اپنے گھٹنے پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے سردار

شمعون لغاری اپنی کڑک دار آواز میں پوری

قوت سے بولے تھے۔

"ہم قبول کرتے ہیں۔!" دائیں جانب بیٹھے

سردار نے ان کی تائید کی تھی۔

"ہم بھی قبول کرتے ہیں۔!"بقیہ سرداروں نے

بھی یک زبان کہا تھا۔اب مجمعے کی نگاہیں اور

سماعتیں سردار بدر لغاری کی جانب تھیں۔اعلان

سن کر وہ چبوترے سے اترا اور مجمعے کے مرکز

میں خالی پڑی گول میدان نما جگہ پر آ کھڑا ہوا۔

"کیا تمھارے پاس کوئی پیشکش ہے

چوہان۔۔؟؟" سارنگ چوہان کے باپ کی جانب

دیکھتے ہوئے بدر نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں

قصاص کے بوجھ میں مبتلا نہ کریں ہم یہ بوجھ

اٹھانے کے استطاعت نہیں رکھتے۔۔ہاں دیت

کے لیے جتنی رقم آپ چاہیں، اور ہمارے

خاندان کی جس عورت کا مطالبہ آپ کریں گے

ہم آپ کو مہیا کریں گے۔۔!" اس کے سامنے

جھک کر ہاتھ جوڑتے ہوئے سارنگ کے باپ

نے ملتجیانہ کہا تھا۔ اس کی پیش کش سن کر بدر

نے پلٹ کر سردار شمعون لغاری کی جانب

دیکھا۔ ان کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"اگر میں تم پر رحم کر دوں تو دیت میں تم کیا رقم

پیش کرو گے؟؟" وہ کسی بادشاہ کی طرح سینہ چوڑا

کیے استہزاء آمیز انداز میں اس سے سوال کر رہا

تھا۔

"میں آپ کو ایک ہزار ایکڑ زمین کے کاغذات

دے سکتا ہوں۔۔!" سارنگ کے باپ نے اپنی

جانب سے بہترین پیشکش کی تھی۔اس پیشکش پر

مجمعے میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

"تمھاری پوری جائیداد پچیس سو ایکڑ پر محیط ہے

چوہان۔۔میں تمھیں تین ہزار ایکڑ زمین دے

دیتا ہوں کیا تم میرا بیٹا مجھے واپس کر سکتے ہو۔۔

؟؟؟"اس کی جانب دیکھتے ہوئے بدر لغاری حلق

کے بل چلایا تھا۔ مجمعے کو سانپ سونگھ گیا۔ مقابل

نے بدر کے سامنے ہاتھ جوڑ لیے۔

"سردار رحم کریں۔۔!" وہ سراپا التجا بنا ہوا تھا۔

بدر نے لب بھینچتے ہوئے سلگتی نظروں سے اس

کی جانب دیکھا۔

"دس مربعہ زمین جس کا مالک تمھارا پورا خاندان

ہے، اس میں سے آٹھ مربعہ زمین تم ہمارے نام

کرو گے۔۔ دوسری چیز خون بہا میں نو ملازمائیں

ہمیں دو گے اور دسویں تمھاری بھتیجی علیشہ

چوہان میرے نکاح میں آئے گی۔۔۔!" اس کی

بارعب بھاری آواز نے مجمعے پر لرزہ سا طاری کر

ڈالا تھا۔ چوہانیوں کو اپنے سر پر آسمان سا ٹوٹتا

محسوس ہوا۔ مقابل کھڑا شخص انھیں فقیر

کر دینے کے در پر تھا۔ لیکن ان کے پاس قبول

کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"ہمیں منظور ہے۔۔!" ان دونوں بھائیوں کے

لب ہاں میں ہلے تھے۔ عبدالغفور چوہان کی

آنکھیں بیٹی کے غم میں بھیگ گئیں۔ لیکن اسے

بچانا ان کے لیے ممکن ہی نہ رہا تھا۔ ان کے حامی

بھر لینے پر ہجوم میں شور سا پھیل گیا۔ ہر زبان پر

بدر لغاری کی سفاکی اور چالاکی کے چرچے تھے۔

بدر کے لبوں پر ایک مدھم سی فاتحانہ مسکراہٹ

پھیل گئی۔

"دیت کے لیے تمھیں ایک ہفتے کی مہلت دی

جاتی ہے اور تمھاری بھتیجی تم کل صبح پورے دس

بجے میرے نکاح میں دو گے۔۔!" حکمیہ انداز

میں کہہ کر اس نے پلٹ کر ایک نظر اپنے باپ

کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں بدر کے لیے

ستائش تھی۔ ان کا بیٹا چوہانیوں کو چاروں شانے

چت کر چکا تھا۔ تصور میں علیشہ کا چہرہ بسائے وہ

اس ہجوم کو چیرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔۔اس کے

علاقائی مسلح گارڈز نے سرعت سے اس کا پیچھا کیا

تھا۔ پیچھے اس ہجوم میں کھڑی سارہ کو یقین ہو چکا

تھا کہ علیشہ کا برا وقت شروع ہوا چاہتا ہے۔۔

☆☆☆☆☆☆☆

چیکنگ ایریا سے باہر نکلتے ہی اس نے سید ذوالفقار

عالم شاہ کو کال ملائی تھی۔ ان سے ہاسپٹل کی

بابت جان کر وہ سیدھا ہاسپٹل پہنچا تھا۔ تھوڑی

سے پس و پیش کے بعد وہ مطلوبہ وارڈ میں جا پہنچا

تھا۔ اسے سامنے ہی راہداری میں بالی کرسی پر

بیٹھی کچھ کھاتی نظر آگئی تھی۔اسے وہاں آتا

دیکھ بالی نے فوراًہاتھ میں پکڑی پلیٹ نیچے رکھی

تھی اور چادر سے منہ صاف کرتی اٹھ کھڑی

ہوئی۔۔

"سس۔۔۔ سرکار آپ یہاں۔۔؟؟ آپ تو جی

کراچی میں تھے ناں۔۔؟؟" حیرت سے آنکھیں

پھیلاتی وہ لہجے کو ڈرامائی انداز دیتی سرگوشیانہ بولی

تھی۔

"مرحہ کے پاس کون ہے۔۔؟؟"اس کا سوال

نظر انداز کرتے ہوئے عالم نے عجلت بھرے

لہجے میں پوچھا۔

"بابا جی سرکار ہیں۔۔اندر ہی بیٹھے ہیں۔۔میں

نے تو جی بہت منع کیا تھا کہ اس کم ذات کے لیے

وہ خود کو پریشان نہ کریں۔۔ ایسی چھوٹی موٹی

چوٹیں تو لگتی ہی رہتی ہیں لیکن میری نہیں مانی

انھوں نے۔۔۔!" وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی

فون پر وقار عالم شاہ سے اس بات پر عزت افزائی

کروا کر بیٹھی تھی کہ اس نے سید ذوالفقار عالم شاہ

کو کیوں اپنے ساتھ گھسیٹا ہے اسی لیے ڈر کے

مارے اس نے عالم کو بھی اپنی صفائی دی۔ اس

کے جواب اور لفظوں کے چناؤ پر عالم کا دماغ

مزید خراب ہوا تھا۔

"اپنی زبان درست کر لو ورنہ میں تمھارا دماغ

درست کر دوں گا۔۔!" بالی کی جانب قہربار

نظروں سے دیکھتا وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا

تو بالی کا منہ لٹک گیا۔۔۔

"لو جی۔۔اب میں نے کیا کیا ہے۔۔؟؟" وہ

بڑبڑائی لیکن عالم نظر انداز کرتا دو قدموں کے

فاصلے پر کمرے کا دروازہ کھولتا اندر گھس گیا۔

اندر جاتے ہی اس کی نگاہ سامنے ہی بستر پر لیٹی

مرحہ پر پڑی تھی۔اس نے بے اختیار دوسری

نظر صوفوں میں سے ایک پر بیٹھے سید ذوالفقار

عالم شاہ پر ڈالی۔ داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں تسبیح

لپیٹے وہ آنکھیں موندے صوفے کی پشت سے

ٹیک لگائے نیم غنودگی کی سی حالت میں بیٹھے

ہوئے تھے۔۔تھکے تھکے قدم اٹھاتا وہ اُس کے

پاس آگیا۔۔ سپید چہرہ زرد ہو رہا تھا۔اس کا سر

سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ناک پر ہوئی بینڈ تج

نے عالم کی نگاہ کو بے حال کیا تھا۔لب بھینچتا وہ

آہستگی سے قریب پڑے سٹول پر بیٹھ گیا۔نازک

کلائیاں بے دم سی بیڈ کی سطح سے لگی ہوئی تھیں۔

اس کی جانب دیکھتے ہوئے عالم نے اپنی جیبوں کو

ٹٹولا۔ جینز کی جیب سے گلوز نکال کر اس نے

سیدھے ہاتھ پر چڑھایا پھر آہستگی سے بیڈ پر پڑا

اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔۔ یہ مشکل دن ختم ہو جائیں

گے میرا یقین کرو۔۔!" انگوٹھے سے اس کے

ہاتھ کی پشت سہلاتا وہ نرم لہجے میں بولا۔۔

خاموشی سے آنکھیں بند کیے وہ نیند کی گہری

وادیوں میں اتری ہوئی تھی۔۔

"میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی معصوم تمنا کی

ہے مرحہ۔۔اور وہ تم ہو۔۔!"اس کی بند پلکوں

کو تکتا وہ آہستگی سے بولا۔لہجہ بھاری ہو رہا تھا۔وہ

لب بھینچے کچھ دیر یونہی اس کے پاس بیٹھا رہا جب

ایک نرس وہاں آئی تھی۔اس کی نظر عالم کے

ہاتھ میں موجود مرحہ کے ہاتھ پر پڑی تو اس نے

بھنویں اچکائیں۔

"تو یہ آپ کی وائف ہیں۔۔؟؟ عالم سرکار آپ

ہیں۔۔؟؟" مرحہ کی جانب آتی وہ نرم مسکاتے

لہجے میں بولی۔

"جی ہاں عالم میرا ہی نام ہے۔۔ لیکن آپ یہ کیسے

جانتی ہیں۔۔؟؟" اس کا ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہوتا وہ

سنجیدگی سے بولا تھا۔

"یہ بے ہوشی میں آپ کا نام لے رہی تھیں۔۔

شاید آپ دونوں کے درمیان کوئی ناراضگی

ہے۔۔!" مرحہ کی ڈرپ کا معائنہ کرتی وہ فوراً

بولی تھی۔ اس کے جواب نے عالم کو حیران کیا

تھا۔ اس نے بے یقینی سے مرحہ کی جانب

دیکھا۔۔

"کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ یہ میرے بارے

میں کیا کہہ رہی تھی۔۔؟؟" عالم کا لہجہ ہنوز تھا۔

آنکھوں میں ایک الگ ہی جذبہ ہلکورے لینے

لگا۔

"میں نے بتایا تو ہے کہ آپ دونوں میں ناراضگی

ہے شاید۔۔واضح کچھ نہیں تھا لیکن آپ سے خفا

ہیں یہ شاید۔۔!"نرس نے دھیرے سے

مسکراتے ہوئے کہا تو عالم نے دھیرے سے

اثبات میں سر ہلایا۔

"میں ڈاکٹرز سے بات کرنا چاہتا ہوں۔۔!" ہاتھ

سے گلوا اتارتے ہوئے عالم نے کہا تو وہاں سے

پلٹتی نرس واپس اس کی طرف مڑی۔

"ڈاکٹرز ابھی راؤنڈ پر گئے ہیں۔۔واپس آئیں

گے تو میں انھیں یہیں بھیج دوں گی۔۔ویسے بابا

جی سے بات ہو چکی ہے ان کی۔۔ آپ چاہیں تو

ان سے تفصیل پوچھ سکتے ہیں۔۔!"نرس نے

پیشہ ورانہ انداز میں اسے آگاہ کیا تو وہ وہاں سے

ہٹتا سید ذوالفقار عالم شاہ کے پاس آگیا۔ نرس

خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔۔

"پنجوں کے بل ان کے پاس زمین پر بیٹھتے ہوئے

اس نے نرمی سے ان کا تسبیح والا ہاتھ تھام کر لبوں

سے لگالیا۔ اس کے لمس پر وہ چونک کر سیدھے

ہوئے۔ عالم کو سامنے پا کر ان کی بوڑھی آنکھوں

میں چمک سی آگئی۔

"عالم۔۔میرے بچے۔۔!" انھوں نے محبت سے

اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں دادا۔؟؟" ان کا ہاتھ

اپنی گرفت میں لیتے ہوئے عالم نے مدھم لہجے

میں پوچھا۔ آنکھوں میں اذیت ہلکورے لے

رہی تھی۔

"وہ ہوش میں آئے گی تو معلوم ہو سکے گا کہ اس

کے دماغ کا کوئی اہم حصہ ڈیمیج ہوا ہے یا نہیں۔۔

کیونکہ بظاہر تو صرف اس کے سر کا پچھلا حصہ پھٹا

ہے۔۔!" فرش کو گھورتے وہ ملول سے ہو کر

بولے۔ اس نے گردن موڑ کر بستر پر لیٹے اس

وجود کی جانب دیکھا جو اسے اپنی جان سے بڑھ کر

عزیز تھا۔

"اسے ایک بار ہوش آجائے۔۔میں تم دونوں

کا نکاح کروادوں گا۔۔!"وہ مزید گویا ہوئے تو وہ

ان کی جانب پلٹا۔

"آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔۔؟؟" کمرے

کے اندر داخل ہوتے وقار عالم شاہ کچھ حیرت و

خفگی کے ملے جلے تاثر سمیت بولے تھے۔

"میری کسی سوچ کو تمھاری اجازت درکار نہیں

ہے وقار۔۔!" ان کی جانب دیکھتے ہوئے سید

ذوالفقار عالم شاہ نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا تو

انھوں نے عالم کی جانب دیکھا جو اچانک باپ کو

سامنے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"بلاشبہ آپ کو میری اجازت کی ضرورت نہیں

ہے لیکن یہ میری اولاد کا معاملہ ہے۔۔ آپ یوں

فیصلہ نہیں کر سکتے۔۔!" ہاتھ پشت پر باندھتے

ہوئے وقار عالم شاہ نے بنا جھجھکے انھیں جواب

دیا تھا۔ یہ زندگی میں پہلی مرتبہ تھا کہ وہ سید

ذوالفقار عالم شاہ کے مقابل یوں کھڑے ہوئے

تھے۔ ان کے واضح جواب پر وہ لب بھینچتے

ہوئے خود بھی کھڑے ہو گئے۔عالم نے سہارا

دینے کے لیے انھیں تھاما۔

"یہ صرف دادا کا فیصلہ نہیں ہے بابا۔۔میں مرحہ

کو پسند کرتا ہوں اور دادا صرف میری پسند کا

خیال کر رہے ہیں۔۔"اُن کے کچھ بولنے سے

پہلے ہی عالم نے باپ کو جواب دیا تھا۔اس کی

بات پر وقار عالم شاہ نے سوالیہ نظروں سے اپنے

باپ کی طرف دیکھا۔۔

"کیا واقعی۔۔۔؟؟ ذات پات، اور رتبے و مقام

کی تفریق بھول کر آپ کب سے اپنے بچوں کی

پسند کا خیال کرنے لگے ہیں بابا۔۔؟؟ کیا میری

پسند کی کوئی وقعت نہیں تھی۔۔؟؟ یا ولید عالم

شاہ کی پسند پر آپ کو کوئی شک تھا۔۔؟؟" اپنے

باپ کی آنکھوں میں دیکھتے وقار عالم شاہ مکمل

سنجیدگی سے بولے تھے۔ ان کے سوال نے سید

ذوالفقار عالم شاہ کو گونگا کر ڈالا تھا۔ وہ انھیں

جواب دینے کے قابل نہ رہے تھے۔

"آپ کو جواب دینے کے لیے معافی چاہتا ہوں

لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔۔ ہم اس

بارے میں بعد میں بات کر سکتے ہیں۔۔!"

نظریں جھکاتے ہوئے عالم نے آہستگی سے کہا۔

"ہم اس بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔۔

اور یہ فیصلہ حتمی ہے۔۔اور آپ بابا سرکار۔۔

آپ کی طبعیت پہلے ہی بہت مشکل سے سنبھلی

ہے آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئیے تھا۔۔ اگر آ گئے

ہیں تو اب واپس چلیے میں آپ ہی کو لینے آیا

ہوں۔۔!" عالم کو سختی سے جواب دیتے ہوئے

انھوں نے آخر میں سید ذوالفقار عالم شاہ کو

مخاطب کرتے ہوئے لہجہ نرم کر لیا۔

"بابا سرکار ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔ آپ کو واپس

جانا چاہیئے۔۔ مرحہ کے پاس میں رک جاتا

ہوں۔۔۔!" عالم نے سید ذوالفقار عالم شاہ سے کہا

تو وقار شاہ نے ناگواری سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ تم یہاں رکو

گے؟؟؟ یہاں ملازمائیں موجود ہیں وہ دیکھ لیں

گی۔۔ تم بھی ہمارے ساتھ واپس جا رہے

ہو۔۔!"قطعیت بھرے انداز میں کہتے وہ پلٹ

گئے۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔۔یہیں ہوں جب

تک یہ ہوش میں نہیں آجاتی۔۔!"خود کو کمپوز

کرتا وہ پر اعتماد لہجے میں بولا تھا۔اس کے صاف

انکار پر وہ لب بھینچتے اس کی جانب پلٹے تھے۔

"میں منصب کی وجہ سے پہلے ہی کافی کچھ

برداشت کر چکا ہوں۔۔اب تم سے میں ایسی

کوئی توقع نہیں کرتا کہ تم مجھے تکلیف پہنچاؤ۔۔جو

میں کہہ رہا ہوں وہ کرو عالم۔۔!" عالم کی جانب

دیکھتے ہوئے وہ مدھم، سلگتے ہوئے لہجے میں

بولے تو وہ لب بھینچتا نظریں جھکا گیا۔

"تم میری تذلیل کر رہے ہو وقار۔۔۔!" اپنی

چھڑی پکڑتے سید ذوالفقار عالم شاہ اُن پر برہم

ہوئے تھے۔

"استغفر اللہ۔۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں

سکتا۔۔!" وقار شاہ فوراً سے پہلے بولے تھے۔

"تو پھر میرے فیصلے کا احترام کرو۔۔ میں اپنے

متعلق تمھاری پریشانی کو سمجھتا ہوں اسی لیے

تمھارے ساتھ جا رہا ہوں لیکن تم اپنی اولاد کی

پریشانی نہیں سمجھ رہے۔۔اگر یہ رکنا چاہتا ہے تو

اسے مجبور مت کرو۔۔عالم کو یہیں رکنے

دو۔۔!"انھوں نے کافی سنجیدگی سے ان پر اپنے

الفاظ کو واضح کیا تھا۔بدلے میں وہ پل بھر کو

خاموش رہ گئے پھر ہولے سے اثبات میں سر ہلایا

اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

"ڈاکٹرز سے مل لینا۔ اور مرحہ کا خیال رکھنا۔!"

اسے نصیحت کرتے وہ خود بھی وہاں سے چلے

گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ ایک بار پھر

اس کی جانب پلٹا تھا۔ ایک تھکی ہوئی نظر اس کے

وجود پر ڈال کر وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ حالات کی

سنگینی اسے آنے والے وقت سے خوفزدہ کر رہی

تھی۔ مرحہ کو حاصل کرنا آسان نہیں تھا۔ اپنے

حالات سے پریشان ہوتا وہ اپنا سر ہاتھوں میں

تھام گیا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

کوئی موسم تو ایسا ہو

کہ دل کے زخم بھر جائیں

اگر ایسا نہیں ہوتا

تو پھر کتنا ہی اچھا ہو کہ

ساری خواہشیں دل کی

وہ سارے خواب اور ارماں

یونہی گھُٹ گھُٹ کے مر جائیں

مجھے آزاد کر جائیں

لب سختی سے بھینچے وہ سامنے سڑک پر نگاہیں

جمائے خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ سکھر

کی حدود میں داخل ہوئے قریباً بیس منٹ ہونے

کو آئے تھے۔۔ حویلی پہنچنے میں اب کچھ ہی وقت

باقی تھا لیکن وہ اسی زاویے سے ڈرائیونگ سیٹ پر

بیٹھا ہوا تھا جس سے وہ ان گلیوں میں بیٹھا تھا جن

کی بھول بھلیوں میں وہ اپنا دل گنوا آیا تھا۔ ناجیہ

بیگم کا دل اس کی حالت پر حقیقتاً پریشان تھا۔

چاہنے کی باوجود وہ اسے مخاطب نہیں کر پائی

تھیں کہ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اگر اسے چھیڑا گیا

تو وہ رو پڑے گا۔ اور کم از کم ناجیہ بیگم میں اسے

روتا ہوا دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔۔ مزید کچھ

وقت گزرا تھا، اور جب اس کی گاڑی بڑی حویلی

کی حدود میں داخل ہوئی تو ناجیہ بیگم کو سکون کا

سانس آیا تھا۔ گاڑی ڈرائیور کے حوالے کر کے

وہ ان کے قریب آیا تھا اور اپنے مخصوص انداز

میں وہ انھیں اپنے حصار میں لیتا اندرونی عمارت

کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے ضبط اور حوصلے پر

ناجیہ بیگم کی آنکھیں بھر آنے لگیں۔ ان کے

دونوں بیٹے ولید شاہ کی دونوں بیٹیوں کے لیے

کس اذیت سے گزر رہے تھے اس امر سے وہ

دونوں بھائی آپس میں آگاہ نہیں تھے لیکن وہ ان

دونوں کی اذیت سے بخوبی واقف تھیں۔ اندر

جاتے ہی ناجیہ بیگم نے سید ذوالفقار عالم شاہ کے

کمرے کا رخ کیا تھا کہ یقیناً مرحہ کے متعلق کوئی

بھی خبر اُنھیں باباجی سرکار سے ہی مل سکتی

تھی۔۔

"تم تھوڑی دیر آرام کرلو پھر میں تمھارے لیے

کھانا لگواتی ہوں۔۔" اس کے چوڑے کندھوں

میں سے ایک پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے

انھوں نے نرم لہجے میں کہا۔اس کی سرمئی

آنکھوں کی رنگت ان کا دل چیر رہی تھی۔۔

"مجھے بھوک نہیں ہے اماں۔۔ آپ کھا لیجئے

گا۔۔!" ان کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا کر نرمی

سے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے اس نے مدھم

آواز میں کہا۔ اس کا لہجہ اس پل بھیگا ہوا سا تھا۔

ناجیہ بیگم کے لیے سر کو اثبات میں ہلانا اس پل

محال ہوا تھا۔ معاً وقار عالم شاہ کی سنجیدہ سی آواز

پر وہ چونک گئیں۔

"میں آپ سے وضاحت نہیں مانگ رہا لیکن آپ

کم از کم مجھے وجہ تو بتا ہی سکتے ہیں۔۔۔؟؟" ان کی

آواز بابا جی سرکار کے حجرے سے آ رہی تھی۔

لہجہ ہموار تھا لیکن ناجیہ بیگم کو کسی گڑبڑ کا احساس

ہوا تھا۔

"میں تمھارے اس سوال سے کیا اخذ کروں یہ

بتاؤ وقار شاہ۔۔؟؟ میں فیصلہ کر چکا ہوں تو اس پر

سوالات کی بوچھاڑ کرنے کا کیا مقصد ہے۔۔؟؟"

سید ذوالفقار عالم شاہ اپنی پوری قوت سے دہاڑے

تھے۔۔

"یا اللہ خیر۔۔!" دل پر ہاتھ رکھتی وہ اس جانب

بڑھی تھیں۔ منصب نے پلکیں جھپکاتے ہوئے

ایک لمبا سانس خارج کیا پھر جینز کی جیبوں میں

ہاتھ گھساتا وہ خود بھی سید ذوالفقار عالم شاہ کے

حجرے کی طرف آگیا۔۔

"مقصد ہے۔۔۔ آپ نے سالوں پہلے ولید کو

ایسی کوئی اجازت نہیں دی تھی۔۔زہرہ سے

شادی کی تمنا لیے لیے ہی وہ اپنی جان سے ہاتھ

دھو بیٹھا۔۔لیکن آپ اپنے اصولوں سے پیچھے

نہیں ہٹے۔۔تو پھر آج۔۔؟؟ آج اپنے تمام

اصولوں اور مرتبے کو نظر انداز کر کے آپ کیسے

عالم کے حق میں فیصلہ دے سکتے ہیں۔۔؟؟" بنا

جھجھکے وہ ان کے مقابل کھڑے مکمل اعتماد سے

بولے تھے۔عالم کا نام سن کر ناجیہ بیگم کو معاملے

کی نوعیت کا کافی حد تک اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ ان

کے حجرے کا پردہ ہٹاتی اندر داخل ہو گئیں۔

"آپ دونوں کی آواز حجرے سے باہر تک آرہی

ہے۔۔ اگر کوئی ملازم سن لے تو یہ اچھی بات

نہیں ہو گی۔۔!" اندر داخل ہوتے ہی وہ مدھم

سنجیدہ سے انداز میں بولی تھیں۔

"جو فیصلہ بابا سرکار کر چکے ہیں وہ جب اس حویلی

کی دیواروں سے باہر جائے گا تو تب بھی جو باتیں

بنیں گی وہ اچھی ہرگز نہیں ہوں گی

جیہ۔۔!" ناجیہ بیگم کی طرف دیکھتے وہ ٹھنڈے

ٹھار لہجے میں بولے تھے۔

"کیسا فیصلہ۔۔؟؟" ان کے لب آہستگی سے ہلے

تھے۔ منصب بھی اندر آچکا تھا۔

"یہ عالم کا نکاح مرحہ سے کروانا چاہتے ہیں۔۔!"

وقار شاہ نے کچھ جتاتے لہجے میں کہا تو منصب نے

کچھ حیرت سے سید ذوالفقار عالم شاہ کی جانب

دیکھا۔

"ہاں تت۔۔۔تو۔۔اس میں حرج ہی کیا ہے۔۔

عالم اس بچی کو پسند کرتا ہے۔۔"خود کو کمپوز

کرتے ہوئے ناجیہ بیگم نے ان کی جانب دیکھ کر

کہا۔

"ولید بھی زہرہ کو پسند ہی کرتا تھا۔!" وقار شاہ

اپنے موقف پر قائم تھے۔

"جو انسان مٹی ہو چکا ہے اس کی پسند کا بار بار ذکر

مت کرو وقار۔۔ جو ناانصافی مجھ سے ہو چکی ہے

میں نہیں چاہتا کہ تم اسے دہراؤ۔۔!" ذوالفقار

شاہ نے قدرے مدھم لہجے میں انھیں مخاطب

کیا۔

"کیا آپ نے خود اسے مٹی کے حوالے کیا

تھا۔؟؟" اپنی پشت پر ہاتھ باندھتے وہ باپ کی

جانب دیکھتے ہوئے بولے۔ناجیہ بیگم کے چہرے

کی رنگت بدلی تھی۔ منصب نے لب بھینچتے

ہوئے نظریں جھکالیں کہ اس بابت تو وہ بھی آگاہ

تھا کہ ولید شاہ حیات ہے۔

"اگر ولید شاہ زندہ ہوا تو۔؟؟ بابا اگر وہ آپ

کے سامنے آکھڑا ہوا تو۔؟؟" باپ کی آنکھوں

میں آنکھیں ڈالتے ہوئے وہ ہنوز اسی لہجے میں

بول رہے تھے۔ان کے سوال کو حقیقت میں

تصور کرتے ذوالفقار عالم شاہ لڑکھڑا سے گئے۔۔

"سائیں بس کر دیں خدارا۔۔ماضی کو مت

کریدیں۔۔!" آگے بڑھ کر ان کا بازو تھامتی ناجیہ

بیگم ملتجیانہ گویا ہوئیں۔

"اس ماضی کو کیسے نہ کریدوں جو مستقبل میں

ہمیں نگل لینے والا ہے جیہ ۔۔۔؟؟" ان کی

طرف دیکھتے ہوئے وہ چلائے تھے ۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔۔؟؟ ولید شاہ مر چکا ہے

اس بات کی تصدیق پولیس نے خود کی تھی۔۔!"

ذوالفقار شاہ کپکپاتی آواز میں گویا ہوئے۔

" چلیں مان لیا وہ مر چکا ہے تو کیا آپ تا قیامت

زندہ رہیں گے بابا۔۔؟؟ روز محشر جب اپنے بیٹے

سے ملیں گے تب اسے کیا جواب دیں گے

آپ۔۔؟؟ کیسے صفائی دیں گے کہ زہرہ اور اس

کے رشتے کی حقیقت جانتے بوجھتے آپ نے زہرہ

کو کیوں ستر کوڑوں کی سزا دی تھی۔۔؟؟ کیا

بتائیں گے اسے کہ اس کے جائز بچے کو کس طرح

آپ نے ناجائز قرار دے کر اس کی بیوی کو

اذیت دی تھی۔۔؟؟" ان کی جانب دیکھتے وہ اس

بار قدرے مدھم، تاسف زدہ انداز میں بولتے

چلے گئے۔۔وقار عالم شاہ کے لبوں سے نکلتی

سچائی پر حیران ہوتے ذوالفقار شاہ کی رنگت زرد

سی پڑنے لگی۔۔ بھلا وہ کیسے اس بھید کو پا سکتے

تھے۔۔؟؟ انھوں نے کچھ بے گانگی سے ناجیہ

بیگم کی جانب دیکھا جن کی آنکھیں بھیگنے لگی

تھیں۔۔ اب بھلا وہ انھیں کیا جواب دیتیں کہ

وقار کو یہ سب کچھ تو اس روز سے معلوم ہے جس

روز ولید شاہ سے ان کی ملاقات ہوئی تھی لیکن

آج اگر وہ کیوں مشتعل تھے؟ تو شاید اس کا

جواب بھی وہاں کھڑے تمام نفوس جان لینے

والے تھے۔

"ولید نے زہرہ کو کھو دیا۔۔ اور زہرہ نے ولید کی

آخری نشانی کو۔۔ یا شاید نہیں۔۔ وہ نشانی آپ

نے چرا لی تھی۔۔ ایسا ہی ہے ناں بابا۔۔؟؟ آج

سمجھ آیا ہے مجھے کہ اس بچی (مرحہ) پر آپ ہمیشہ

کیوں ملتفت رہے ہیں۔۔ وہ زہرہ کی بیٹی ہے۔۔

ہے ناں بابا سرکار۔۔۔؟؟" ان کے ہر سوال نے

سید ذوالفقار عالم شاہ کے ضمیر کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

منصب اس انکشاف پر دنگ سا رہ گیا۔

"ایسا۔۔ایسا نہیں ہے۔۔وہ۔۔زہرہ کی بیٹی ہے

لیکن۔۔۔!"ذوالفقار عالم شاہ بامشکل بول پائے

تھے۔بوڑھی آنکھیں دھندلانے لگیں۔۔

"یہی بات۔۔تو وہ زہرہ کی بیٹی ہے ہاں۔۔۔؟؟

اب یہ مت کہیے گا کہ آپ نہیں جانتے تھے کہ

وہ ولید کی بھی بیٹی ہے۔۔ یہ ہر گز مت کہیے گا کہ

آپ ولید اور زہرہ کے خفیہ نکاح سے واقف

نہیں تھے۔۔ آپ اتنے سفاک ہیں کہ کسی بھی

ماں سے اس کی اولاد چھین سکتے ہیں لیکن آپ

اتنے رحم دل بالکل نہیں کہ کسی یتیم بچی پر اتنی

مہربانی کریں جتنی آپ شروع سے مرحہ پر

کرتے آرہے ہیں۔۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہے تو

یقیناً آپ جانتے ہیں کہ وہ آپ کی پوتی ہے۔۔!"

وقار عالم شاہ نے کافی سفاکی سے ان پر ان کی

شخصیت کا سیاہ ترین پہلو واضح کیا تھا۔ وہ خود پر

ضبط کرتے پیچھے کی جانب تخت پر ڈھیتے چلے

گئے۔ناجیہ بیگم سرعت سے ذوالفقار شاہ کی

طرف لپکی تھیں۔

"کچھ تو خیال کریں سائیں۔۔ابھی کچھ دن پہلے

ہی تو یہ موت کے منہ سے واپس آئے ہیں۔۔!"

آنسو بہاتی وہ چلائی تھیں۔ منصب اپنی جگہ بت بنا

ساکت نگاہوں سے اس شخص کو گھور رہا تھا جس

کے اندر کی سفاکیت نے اسے دنگ کر ڈالا تھا۔

اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی دیکھتے

ذوالفقار عالم شاہ رو پڑے۔ تمام تر رعب۔۔

دبدبہ۔۔ جھاگ ہو گیا تھا۔ وقار عالم شاہ خود پر

ضبط کرتے ان کے قریب جھکے تھے۔

"اب یہ آنسو کچھ ٹھیک نہیں کر سکتے بابا۔۔ میں

اتنے عرصے سے خاموش رہا کیونکہ ولید ہمارا

ماضی تھا۔۔ لیکن آج آپ کے فیصلے نے جب

مجھے مرحہ کی حقیقت کا احساس دلایا تو مجھ سے

برداشت نہیں ہوا۔۔ جو ماضی (ولید) ہوا اس پر

میں نے صبر کیا۔۔۔ لیکن جو مستقبل (مرحہ)

ہے۔۔۔ اس نے میرا دل چیر ڈالا ہے۔۔ میرے

سخت لفظوں کے لیے مجھے معاف کر دیں لیکن

آپ نے جو سختیاں کی ہیں ان کا کوئی مداوا نہیں

ہے۔۔!" ان کا ہاتھ نرمی سے تھامتے ہوئے وہ

مدھم آواز میں بولے۔ لہجہ بھیگ چکا تھا۔

"کاش وہ (ولید شاہ) میرے سامنے آجائے

تت۔۔۔تو۔۔میں اس سے معافی مانگ

لوں۔۔!" وقار عالم شاہ کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ

رکھتے ہوئے وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولے تھے۔

ان کی بات پر ناجیہ بیگم نے آس بھری نم

آنکھوں سے وقار عالم شاہ کی طرف دیکھا لیکن

وہ نظر چراتے ان کے پاس سے اٹھ گئے۔۔

"اپنا خیال رکھیں۔۔ آپ کو کھو کر یہ حویلی کھنڈر

ہو جائے گی۔۔ اس حویلی اور اس کے مکینوں کی

خاطر خود کو سنبھال لیں بابا سرکار۔۔!" ان کی

جانب سے رخ موڑتے وہ نرم لہجے میں بولے۔

آنکھوں کے نم ہوتے گوشے آہستگی سے صاف

کیے تھے۔۔ پھر ایک نظر منصب پر ڈال کر وہ

ان کے حجرے سے نکلتے چلے گئے۔۔

"مون۔۔ مم۔۔۔ میں نے تمھارا۔ شدت سے

انتظار کیا ہے۔۔ مجھے۔۔ یُوں نہ دیکھو میرے

بچے۔۔!" منصب کی جانب دیکھتے سید ذوالفقار

عالم نے ملتجیانہ انداز میں کہا تو منصب نے ان

کے پاس بیٹھی ناجیہ بیگم کی جانب دیکھا. آنکھوں

میں اذیت تھی۔ انھوں نے آنکھ کے اشارے

سے اسے پاس بلایا تھا۔

"آپ آرام کریں۔۔میں آپ سے پھر ملنے

آؤں گا۔۔!"بے تاثر لہجے میں کہتا پردہ ہٹا کر

وہاں سے باہر نکل گیا۔ذوالفقار عالم شاہ ٹوٹ

سے گئے۔

"میرے بچے۔۔میری شکل بھی نہیں دیکھنا

چاہتے جیہ۔۔میں اس اذیت کو کیسے برداشت

کروں۔۔۔؟؟"ناجیہ بیگم کی طرف دیکھتے وہ

تکلیف زدہ سے بولے۔

"میں اسے سمجھاؤں گی۔۔وہ زیادہ دیر آپ سے

ناراض نہیں رہیں گے ماموں سرکار۔۔یقین

کریں میرا۔۔!" ان کے کندھے پر سر ٹکاتے

ہوئے ناجیہ بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

لہجہ تھکا ہوا تھا۔ذوالفقار عالم شاہ کے لیے ان کے

لفظوں پر یقین کرنا مشکل ترین ہوا تھا۔ انھوں

نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے ان کے سر پر

ہاتھ رکھ دیا۔۔۔

□♦□♦□♦□♦

سارنگ ولا میں اس پل موت کا سا سناٹا تھا۔ اس

عمارت کی دیواروں سے لپٹی خاموشیاں وہاں کے

نفوس کی اندرونی حالت کا پتہ دے رہی تھیں۔

جرگے میں ہوئے فیصلے کی بابت جان کر صندل

بیگم پل بھر کو خاموش رہ گئیں۔ بولنے کے لیے

پیچھے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ عبد العزیز چوہان

جائیداد کا بڑا حصہ ہاتھ سے نکل جانے کے غم

میں خاموش بیٹھے تھے تو وہیں بیٹی کے تاریک

مستقبل کے لیے پریشان ہوتے عبد الغفور چوہان

نڈھال سے نظر آرہے تھے۔ جانے اور کتنی دیر

یہ سوگ جاری رہنے والا تھا جب علیشہ کی چیختی

چلاتی آواز نے وہاں حشر برپا کیا تھا۔

"بلایئے اپنے غیرت مند بیٹے کو تایا سائیں۔۔

کہیے اس سے کہ اب علیشہ چوہان اس کے گناہ کا

بھگتان بھگتنے کو ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے مرد

کے حوالے کی جارہی ہے۔۔ آئے اور جان لے

لے بدر کی۔۔۔مار ڈالے اسے۔۔ کیونکہ اس

نے کہا تھا کہ اس کے علاوہ جو مجھے چھونے کی

کوشش بھی کرے گا وہ جان سے جائے گا۔۔!!"

ان کے سامنے میز پر پڑے ڈیکوریشن پیسز کو

ہاتھ مار کر نیچے گراتی وہ چلائی تھی۔ بھوری

آنکھوں میں بغاوت ہلکورے لے رہی تھی۔

صندل بیگم سرعت سے اپنی جگہ سے اٹھی

تھیں۔

"علیشہ ہوش کے ناخن لو۔۔یہ کیا بدتمیزی کر

رہی ہو تم۔۔!"اس کے قریب آتی وہ اس پر

برہم ہوئی تھیں۔

"میں تو بدتمیزی کر رہی ہوں لیکن آپ لوگ تو

مجھ پر ظلم کر رہے ہیں پھپھو۔۔ایک جنگلی انسان

کو بچانے کے لیے آپ لوگ مجھے ایک دوسرے

جنگلی کے حوالے کر رہے ہیں۔۔؟؟" ان کی

طرف غصے سے دیکھتی وہ سلگتے ہوئے لہجے میں

بولی تھی۔

"علیشہ اپنے کمرے میں جاؤ۔۔!"عبدالغفور

چوہان نے قدرے نرم لہجے میں اسے مخاطب

کیا۔

"آپ تو مجھ سے بات نہ ہی کریں ناں۔۔ بھتیجے کی

خاطر آپ اپنی سگی بیٹی کو زندہ درگور کرنے کے

درپے ہیں۔۔باپ کے نام پر دھبہ ہیں

آپ۔۔۔!" ان کی طرف پلٹتی وہ نفرت سے

پھنکاری۔صندل بیگم کا ضبط جواب دے گیا۔

اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب گھمایا اور ایک

تھپڑ اس کے گال پر مارا تھا۔

"بکواس بند کرو۔۔ اس دن کے لیے پال پوس

کے تمھیں جوان نہیں کیا تھا ہم نے کہ تم اپنے

ہی باپ کو یوں شرمندہ کرو۔۔۔؟؟" اسے پیچھے

دھکا دیتی وہ اس پر چلائی تھیں۔ زمین پر گرنے

کے باعث ڈیکوریشن پیسز کے کچھ ٹکڑے اس کی

ہتھیلیوں کو زخمی کر گئے تھے۔ ان کی چنگھاڑ پر

علیشہ نے سرخ پڑتی آنکھوں سے انھیں گھورا۔

"ہاں اس دن کے لیے نہیں کیا ہو گا۔ لیکن مجھے

لگا تھا آپ نے مجھے کل کے دن کے لیے بھی

جوان نہیں کیا ہو گا جس کا سورج چڑھتے ہی مجھے

ذبح کر دیا جائے گا۔۔ پر میں غلط تھی۔۔ غلط تھی

میں۔۔!" ہتھیلیوں سے بہتے خون کی پرواہ کیے بنا

وہ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتی تاسف زدہ انداز میں

بولی۔۔ کافی دیر سے خاموش بیٹھے عبد العزیز

چوہان اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئے

تھے۔

"ہم یہ خوشی سے ہرگز نہیں کر رہے۔۔ ہمارا دل

بھی تمھارے لیے تکلیف کا شکار ہے۔۔ لیکن اگر

تم ہماری سگی بیٹی ہوتی اور یہی معاملہ شہیر کے

ساتھ درپیش ہوتا تو تب بھی ہم تمھارے لیے

یہی فیصلہ کرتے بیٹی۔۔!" اس کے سر پر ہاتھ

رکھتے ہوئے انھوں نے مدھم لہجے میں کہا تو ان کا

ہاتھ جھٹکتی وہ دوبارہ کھڑی ہوئی۔

"یہ تسلیاں اور بہلاوے مجھے مت دیں۔۔۔مجھے

یہ فیصلہ ہرگز قبول نہیں ہے اتنا جان لیں۔۔میں

سردار بدر لغاری کی غلامی میں نہیں جاؤں

گی۔۔!" باری باری ان تینوں کی جانب دیکھتی وہ

قطعیت بھرے انداز میں بولی تو عبدالعزیز

چوہان کے چہرے پر پتھریلے تاثرات در آئے۔

"اسے اس کے کمرے میں بند کر دو۔ اور اگر

زیادہ چلائے تو جو ضروری ہو وہ کرو۔!"علیشہ کی

جانب سے رخ پھیرتے وہ بے رحم لہجے میں گویا

ہوئے۔ ان کے حکم پر اس نے کچھ بے یقینی سے

ان کی پشت کی جانب دیکھا تھا۔

"چلو آؤ بہت ہوا تماشا۔۔!" اسے بازو سے پکڑ کر

اپنے ساتھ گھسیٹتی وہ بے تاثر لہجے میں بولی تھیں۔

علیشہ نے ان کی گرفت سے اپنا بازو آزاد کروانے

کی کوشش کی لیکن ناکام۔۔اس نے تڑپ کر

اپنے باپ کی طرف دیکھا جن کا پریشان حال چہرہ

ان کی اندرونی کیفیت کا پتہ دے رہا تھا۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی بابا

سائیں۔۔ کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔!" ان

کی جانب بھیگی آنکھوں سے دیکھتی وہ چلائی تھی۔

"چلو میرے ساتھ۔۔۔!" صندل بیگم نے اسے

اپنی جانب کھینچا.

"اگر یہ فرسودہ رسم مجھ پر تھوپنی ہی تھی تو مجھے

تعلیم کیوں دلوائی۔۔؟؟اگر آپ کے دل میں

اس سفاکی کی گنجائش تھی تو پھر کبھی مجھ سے

شفقت نہ برتتے آپ۔۔!" آنسو بہاتی وہ چیخ رہی

تھی۔

"اسے لے کر جاؤ۔۔!" عبد العزیز چوہان

دہاڑے تھے۔ اسے اپنے سنگ گھسیٹتی صندل بیگم

اسے وہاں سے لے گئیں۔۔ پیچھے عبد الغفور

چوہان بے بسی سے نڈھال ہوتے صوفے پر

ڈھے گئے۔۔

"مرتے دم تک آپ سے نفرت کروں گی۔۔سنا

آپ نے۔۔!"اس کی چیخیں سارنگ ولا کی درو

دیوار سے ٹکراتی پاگل ہو رہی تھیں۔۔بیٹی کے

الفاظ سنتے عبدالغفور چوہان کی دکھتی آنکھوں

سے دو آنسو بہت آہستگی سے ٹوٹ کر کنپٹیوں

میں جذب ہوئے تھے۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

رات کی سیاہی آسمان کے وسیع سینے کا احاطہ کیے

چہار سُو پھیل چکی تھی۔۔اس کی نگاہوں سے

سامنے چمکتا روشن چاند سرمئی بادلوں کی بھاگ

دوڑ سے الجھن کا شکار ہوتا اپنی ہی چاندنی سے خفا

ہوتا کچھ مدھم پڑ رہا تھا۔ آہستگی سے چلتی رات

کی ہوا حیدر ولا کے لان میں پورے قد سے

کھڑے درختوں کے پتوں سے اٹھکیلیاں کرتی

انھیں دھیرے سے کروٹیں بدلنے پر مجبور کر

رہی تھی۔۔ دیواروں سے لپٹی بیلیں گہری نیند

میں اترنے کی خواہش کو دبائے، ہوا کی شرارتوں

سے محظوظ ہوتی مدھم سرگوشیاں اس کے

حوالے کر رہی تھیں۔۔ ایسے میں سیکنڈ فلور کے

ٹیرس پر کھڑا وہ موسم کی خوشگواری سے بے نیاز

سگریٹ کے گہرے کش لگا رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں

میں مخصوص سرد مہری کا سا تاثر تھا۔ جرگے میں

کیے گئے فیصلے پر جس قدر مطمئن سردار شمون

لغاری تھے اس سے کئی گنا زیادہ وہ خود پر سکون

تھا۔ جس فیصلے کے لیے اس نے ردابہ لغاری کو

لاجواب کیا تھا اس نے وہی فیصلہ جرگے میں دیا

تھا۔۔ آخر کیوں۔۔؟؟ کس لیے۔۔؟؟ کیا وہ

علیشہ چوہان کی طرف مائل ہو گیا تھا۔۔؟؟ یا

دولت کی لالچ نے اس کی آنکھوں پر بھی پٹی

باندھ دی تھی۔۔؟؟ آسمان پر چمکتے تاروں پر نگاہ

دوڑاتے ہوئے اس کے لب دھیرے سے پھیل

کر سمٹے تھے۔۔ اسے صبح کا وہ منظر بخوبی یاد تھا

جب وہ جرگے میں جانے کے لیے حیدر ولا کی

عمارت سے باہر نکلا تھا۔ اس کے موبائل کی بجتی

گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی۔اس

وقت کو سوچتے ہوئے اس کی سیاہ آنکھیں مزید

سیاہ ہوئی تھیں۔

"ہیل۔۔۔ہیلو۔۔مجھے سر شمس سے بات کرنی

ہے۔۔؟؟ہو سکتی ہے۔۔؟؟"اس کے کال

ریسیو کرتے ہی وہ دوسری جانب سے بولی تھی۔

وہ اس کے لہجے سے ہی پہچان چکا تھا کہ دوسری

جانب علیشہ چوہان ہے۔ اپنا لہجہ پل میں ہموار

کرتے ہوئے اس نے اسے جواب دیا تھا۔

"جی ہاں۔۔میں شمس بات کر رہا ہوں۔۔آپ

کی تعریف۔۔؟؟" جانتے بوجھتے وہ انجان بنا تھا۔

"سر میں۔۔میں علیشہ بات کر رہی ہوں۔۔!!"

بتاتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔۔

"مس علیشہ آپ۔۔؟؟ از ایوری تھنگ

اوکے۔۔؟؟" اس اذیت ناک لمحے میں کس قدر

اطمینان سے اس نے خود کو شمس کے کردار میں

ڈھالا تھا۔۔؟؟ یہ کمالِ ضبط تھا یا بے حسی کی انتہاء

۔۔؟؟ لیکن بلاشبہ یہ صلاحیت سردار شمس البدر

لغاری میں ہی تھی کہ وہ اپنا لہجہ، اپنا انداز، اپنے

جذبات حتیٰ کہ احساسات پر بھی قابو رکھتا تھا۔

"یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے سر۔ پلیز ہیلپ

می۔ شیث کی ڈیتھ آپ کے سامنے ہی ہوئی تھی

اور اب اس کے قتل کی سزا مجھے مل رہی

ہے۔۔!"علیشہ کی لرزتی ہوئی آواز اس کی

سماعتوں میں اترتی اس کے احساسات منجمد کر گئی

تھی۔ شیث کے نام نے اس کے اندر دہکتی آگ

کو بھڑکا دیا تھا۔

"کیا کر سکتا ہوں میں آپ کے لیے۔۔؟؟" گفتگو

کو طوالت دیے بغیر اس نے سیدھا سوال

پوچھا تھا۔

"مجھ سے نکاح کر لیں۔۔میں صرف آپ سے

محبت کرتی ہوں۔۔یہ لوگ مجھے خون بہا میں

ایک قبائلی سردار کے نکاح میں دے دیں گے

اور میں ایسا نہیں چاہتی۔۔!"علیشہ کے تقاضے

نے پل بھر کو حیران کر دیا تھا لیکن اگلے ہی پل

اس کی آنکھوں میں چمک آئی تھی۔۔

"آپ جانتی ہیں کہ میں شادی شدہ ہوں۔۔ پھر

بھی آپ میرے نکاح میں آنا چاہتی ہیں۔۔؟؟"

اس نے مدھم سنجیدہ سے لہجے میں اس سے سوال

پوچھا تھا۔۔

"میں برداشت کرلوں گی۔۔مجھے سب گوارا ہے

لیکن مجھے اس سردار کے نکاح میں نہیں جانا

سر۔۔۔!"علیشہ کے جواب نے بدر کے لبوں پر

ایک سفاک مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

"کب کرنا ہے نکاح۔۔؟؟" اس کے سوال نے

دوسری جانب علیشہ کو زندگی بخش دی تھی۔

"آج ابھی تھوڑی دیر میں جرگہ ہے۔۔شام تک

مجھے فیصلہ پتہ چل جائے گا۔۔میں رات کو آپ

کو دوبارہ کال کروں گی پھر بتاؤں گی۔۔لیکن وعدہ

کریں کہ آپ اپنا فیصلہ نہیں بدلیں گے۔۔!"

علیشہ کی بات پر اس نے ہنکارا بھرا تھا۔

"میرا آپ سے وعدہ ہے۔۔میں آپ سے نکاح

ضرور کروں گا۔۔!" اسے یقین دلاتے ہوئے

بدر کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔۔

"تھینک یو سو مچ سر۔۔مجھے یقین تھا کہ آپ مجھے

انکار نہیں کریں گے۔!"علیشہ کی لرزتی آواز میں

خوشی تھی۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔۔اور ہاں۔۔میں آپ کی

کال کا انتظار کروں گا۔۔!"اسے تاکید کرتے

ہوئے بدر کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔ رابطہ

منقطع کر کے اس نے ایک پر سکون نظر موبائل

کی سکرین پر ڈالی اور پھر جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ

گیا۔۔ اس کے بعد اس نے جرگے میں سردار

شمعون لغاری کی مرضی کا فیصلہ دیا تھا۔۔

اور اب وہ حقیقتاً اس کی کال کا منتظر تھا کیونکہ اگر

وہ خود اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹ جاتی تو جرگے میں

کیا گیا اس کا اپنا فیصلہ اس پر بھاری پڑنے والا تھا۔

کچھ دیر یونہی کھڑے کھڑے مزید وقت سر کا تھا

جب اس کے موبائل کی گھنٹی بجی تھی۔۔وہ

اطمینان سے کھڑا سگریٹ کے گہرے کش لیتا

رہا۔ ایک بار، دو بار، تین بار۔۔ چوتھی بار گھنٹی

بجنے پر اس نے پلٹ کر لکڑی کی کرسیوں کے

درمیان رکھی گول میز پر سے اپنا موبائل اٹھالیا۔

کال صبح والے نمبر سے ہی آرہی تھی۔ ریسیو

کر کے فون کان سے لگا تا وہ وہیں ایک کرسی پر

بیٹھ گیا۔۔۔

"آپ کہاں تھے میں کب سے آپ کو کال کر

رہی ہوں۔۔؟؟" فون کان سے لگاتے ہی اسے

علیشہ کی بھیگی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔بدر نے

ٹانگ پر ٹانگ چڑھاتے ہوئے کرسی کی پشت سے

ٹیک لگالی۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

اسے کمرے میں بند ہوئے جانے کتنا وقت بیت

چکا تھا۔ چیخ چیخ کر اس کا گلا بیٹھ چکا تھا۔ بھوری

آنکھیں اذیت سے بار بار بھیگتی اب دکھ رہی

تھیں۔خود سے منسلک تمام خونی رشتوں نے

اسے توڑ ڈالا تھا۔صندل بیگم کی بے رحمی سے

اس کا سامنا زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا تھا تو حیرت

سے بڑھ کر دکھ نے اس کے وجود کا احاطہ کر لیا

تھا۔ جانے رات کا کون سا پہر تھا جب اس کے

لیے کھانے کی ٹرے لیے ملازمہ آئی تھی۔

دروازہ کھلنے پر علیشہ نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا

تھا۔

"بختاں کہاں ہے۔۔؟؟وہ کیوں نہیں

آئی۔۔؟؟"بختاں کی جگہ دوسری ملازمہ کو دیکھ

کر وہ بیڈ سے اترتی چیخی۔

"بی بی کل بختاں کو بھی آپ کے ساتھ ہی

لغاریوں کی طرف روانہ کیا جائے گا اس لیے

اسے اس کی دادی سے ملنے بھیجا ہے سائیں

نے۔۔!"ٹرے بیڈ پر رکھتے ہوئے اس ملازمہ

نے مدھم لہجے میں اسے جواب دیا۔علیشہ کی

آخری امید بھی ٹوٹی تھی۔

"کک۔۔کب گئی ہے وہ۔۔؟؟"علیشہ کے لب

دھیرے سے ہلے۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔۔یہ کھانا اسی نے تیار کیا

ہے آپ کے لیے۔۔!"مقابل نے عام سے لہجے

میں اسے بتایا تھا۔

"اور کب آئے گی وہ۔۔؟؟" اس کے سوال پر

اس بار ملازمہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

" صبح ہی آئے گی۔۔!" آنکھیں گھماتے ہوئے

اس نے جان چھڑوانے کو کہا۔۔

"یہ کھانا لے جاؤ مجھے نہیں کھانا۔۔!!" واپس بیڈ

پر بیٹھتی وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولی۔۔

"واپس تو نہیں لے جا سکتی بی بی۔۔ جب بھوک

لگے تب کھا لیجئے گا۔۔!" اسے جواب دیتی وہ

پلٹ گئی۔

"نہیں کھانا یہ لے جاؤ۔۔ تمھیں سمجھ نہیں آرہی۔۔۔!" باہر جاتی ملازمہ کی پشت کو گھورتی وہ چلائی تھی لیکن وہ ان سنی کرتی کمرے سے نکل کر دروازہ بند کر چکی تھی۔مارے غصے کے علیشہ کا برا حال ہو گیا۔۔

"جاہل عورت میں بکواس کر رہی ہوں یہاں۔۔

اسے لے کر جاؤ۔۔۔!" طیش کے عالم میں چیختی

وہ ٹرے بند ہوتے دروازے کی جانب اچھالتی

چلائی۔۔ ٹرے کے لوازمات ایک زور دار شور

کے ساتھ فرش پر گرتے، ٹوٹتے اور سالن

بکھرتا چلا گیا۔ معاًعلیشہ کی نگاہ دور تک پھسلتے

بٹنوں والے موبائل پر پڑی تھی۔ اس کی

آنکھیں پل بھر کو چھوٹی ہو گئیں۔ وہ سرعت

سے اس جانب لپکی اور جھک کر رائٹنگ ٹیبل کے

نیچے گرے پڑے موبائل کو اٹھایا۔ الٹ پلٹ کر

بغور دیکھا۔ یہ بختاں کا موبائل تھا جس سے صبح

صندل بیگم کے کمرے سے واپس آجانے کے

بعد اس نے شمس سے بات کی تھی۔۔بے اختیار

اس کے لبوں سے شکر کا کلمہ نکلا تھا۔ اس نے

دائیں جانب سے بٹن دبا کر موبائل آن کر لیا۔

گردن موڑ کر زمین پر گری روٹیوں کی جانب

دیکھا تھا جو رومال سے باہر تھیں۔یقیناً بختاں نے

یہ موبائل روٹیوں کے ساتھ روٹیوں کے رومال

میں چھپا کر بھیجا تھا۔موبائل مٹھی میں دبوچ کر وہ

فرش پر گری روٹیوں کے قریب سے گزرتی

دروازے تک آئی اور اچک کر دروازہ اندر سے

بھی لاک کر لیا۔ پھر واپس پلٹی اور تیزی سے چلتی

بیڈ پر آ بیٹھی۔ شمس کا نمبر جو اس نے صبح ہی یاد

کر لیا تھا ایک بار پھر اس نے ملایا تھا۔ نمبر آن

تھا۔ بیل جا رہی تھی۔ لیکن پہلی مرتبہ میں

دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا

تھا۔اس نے دوسری مرتبہ کوشش کی تھی۔۔

پھر تیسری مرتبہ۔۔چوتھی مرتبہ اسے کال

ملاتے ہوئے علیشہ کی آنکھیں بھر آئیں۔اس

نے خود کو اتنا بے بس اور کمزور آج سے پہلے کبھی

محسوس نہیں کیا تھا۔ اب وہ باقاعدہ کمرے میں

ٹہل رہی تھی اور اس دوران بار بار قدموں میں

آتی روٹیوں کو اٹھانے کی زحمت اس نے بالکل

نہیں کی تھی۔۔ چوتھی مرتبہ کال کرنے پر بالآخر

دوسری جانب سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"آپ کہاں تھے میں کب سے آپ کو کال کر

رہی ہوں۔۔!"کال ریسیو ہوتے ہی وہ دبی دبی

سی آواز میں چیخی تھی۔۔

"میں یہیں تھا مس علیشہ۔۔خود کو آپ سے بات

کرنے کے لیے تیار کر رہا تھا۔۔!!"شمس کی

سنجیدہ سی آواز موبائل کے سپیکر سے ابھری تو

بے دم سی ہوتی وہ واپس بیڈ پر جا بیٹھی۔

"آپ کی تیاری کے دورانیے میں چاہے میرا دل

بند ہو جاتا۔۔!"اس کے لبوں سے شکوہ پھسلا

تھا۔

"آپ کا دل میرے پاس ہے علیشہ۔۔میں اسے

کبھی بند نہیں ہونے دوں گا۔۔!" اس کی آواز

میں شفا تھی شاید۔۔سن کر علیشہ کے اعصاب

پر سکون ہونے لگے۔

"یہاں فیصلہ ہو گیا ہے۔۔ جس بات کا مجھے ڈر تھا

یہ لوگ میرے ساتھ وہی کرنے والے ہیں۔۔۔

آپ پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں، مجھے اس

جانور کے نکاح میں نہیں جانا۔۔!" موبائل سختی

سے پکڑے وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولی۔

دوسری جانب وہ پل بھر کو خاموش ہوا تھا۔

"اس کی حیوانیت کا مجھے علم نہیں ہے لیکن انسان

میں بھی نہیں ہوں مس علیشہ۔۔میرے ساتھ

آپ کی زندگی آسان نہیں ہوگی۔۔!" شمس کی

سنجیدہ سی آواز نے اسے بہت کچھ باور کروایا تھا

لیکن وہ سمجھنے کی حالت میں نہیں تھی۔۔

"مجھے آپ کا ساتھ جہنم میں بھی قبول ہے۔۔

بس آپ مجھے یہاں سے لے جائیں سر۔۔!!"

اس نے بنا سوچے سمجھے کہا تو دوسری جانب شمس

کے لبوں پر ایک استہزاء آمیز مسکراہٹ در

آئی۔

"بڑے بڑے دعوے کرنا جتنا آسان ہے انھیں

پورا کرنا اتنا ہی مشکل ہے مس علیشہ۔۔میں

آخری مرتبہ آپ سے کہہ رہا ہوں۔۔میرا ساتھ

آپ کے لیے جہنم سے بھی بدتر ہو گا۔۔اچھے

سے سوچ لیجئے۔۔آپ میرا ساتھ چاہتی ہیں یا

نہیں۔۔!!"بنا لگی لپٹی رکھے شمس نے اسے

مستقبل قریب سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی

تھی۔

"میری ضرورت۔۔میری چاہت آپ کا ساتھ

ہے۔۔اس کے بعد میرے ساتھ کچھ بھی ہو مجھے

پرواہ نہیں ہے سر۔۔!"علیشہ نے مکمل اعتماد سے

اسے جواب دیا تھا۔۔

"اگر آپ ایسا چاہتی ہیں تو۔۔میں آپ سے نکاح

کرنے کے لیے تیار ہوں۔۔مجھے بتایئے کہ میں

کب آپ کو لینے آؤں۔۔؟؟؟" شمس نے اسے

زندگی کی نوید سنائی تو ایک جاندار مسکراہٹ نے

اس کے لبوں کو چھولیا۔۔بھوری آنکھیں چمک

اٹھی تھیں۔۔اس کی عارضی خوشی پر حیران

ہوتی تقدیر نے ایک پُر تاسف قہقہ لگایا تھا۔۔

□♦□♦□♦□♦

میری نیند آ.. میری بات سُن

میری التجاء، میری آہ سُن...

میری آنکھ کے سبھی راستے

تیری آہٹوں کو ترس گئے

تیری راحتوں کو ترس گئے

تیری بے رخی کی ہے انتہا

تیرے ہجر میں کٹی رات سُن

میری نیند آ... میری بات سُن

تجھے کیا خبر، کئی خواب ہیں

تیری راہ میں کھڑے منتظر...

تری چاہ میں ہوئے منتشر

جنہیں تیری کب سے تلاش ہے

انہی بانجھ آنکھوں کی راہ چُن

میری التجاء، میری آہ سُن....

کئی وسوسے، تجھے گھیر کر

کہیں دُور لے کر چلے گئے

یوں قصور دے کر چلے گئے

میں نے دی صدا، یہ کہا بھی تھا

زرا رُک تو جا.....میری بات سُن

میری نیند آ.....میری بات سُن

تری منتظر جو بِچھائی ہیں

وہی پلکیں دیتی ہیں واسطہ

کبھی بھول آ تُو بھی راستہ...

بھلا یوں بھی جاتے ہیں توڑ کر؟

کُھلا در کو ایسے ہی چھوڑ کر؟

میری آنکھ کے سوالات سُن

میری نیند آ... میری بات سُن

یہاں قحط نیندوں کے پڑ گئے

گویا بخت آنکھوں کے مر گئے

کبھی مُوندھ کر کبھی کھول کر

نہ تھکا اِنہیں یوں ہی رول کر...

اب لوٹ آ...یوں سُلا مجھے

میرے خواب سے تُو مِلا مجھے

جو بچھڑ گئے ہیں دِکھا مجھے

جسے چھوڑ کر تُو چلی گئی

اُسی آنکھ کے سبھی راستے

تیری آہٹوں کو ترس گئے.

میری نیند آمیری نیند آ......!!

بیڈ پر چت لیٹا وہ ساکت نظروں سے خلاؤں میں

گھورتا اس پل بے حس دکھائی دے رہا تھا۔

سرمئی آنکھوں کی سرخیوں میں نیند کی آہٹوں کا

انتظار دکھائی دے رہا تھا لیکن شاید اس کے مقدر

میں رت جگے لکھے جا چکے تھے۔ دل کے درد پر

ضبط کیے وہ جانے کس حوصلے سے سانسوں کی

رفتار کو برداشت کیے ہوئے تھا ورنہ اندرونی

کیفیت تو ایسی تھی کہ مر جانے کو جی چاہ رہا تھا۔

مرحہ کی حقیقت۔۔ذوالفقار عالم شاہ کی

اصلیت۔۔عالم کی پسندیدگی۔۔وقار عالم شاہ کا

رد عمل اور اس پر مستزاد ولید عالم شاہ کا وجود

جس سے سید ذوالفقار عالم شاہ قطعی انجان

تھے۔۔ان تمام انکشافات کے بعد آنے والا

مستقبل اس حویلی پر کیسا قہر برسانے والا تھا۔؟؟

اور اس سب میں وہ خود کہاں تھا۔؟؟ مہرماہ

حسین۔۔؟؟ کیا اس الجھن بھری زندگانی میں

وہ سلجھی ہوئی لڑکی اب اُسے نصیب ہو سکتی

تھی۔۔؟؟ سوچتے ہوئے اس نے پل بھر کو

آنکھیں میچ لیں۔معاً کوئی اس کے کمرے کا

دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔وہ آنے

والے کے انداز سے پہچان گیا تھا کہ مقابل کون

ہے سو آنکھیں موندے یونہی پڑا رہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم جاگ رہے ہو۔" اس

کے قریب آتی وہ نرم لہجے میں بولی تھیں۔

"نیند ناراض ہے مجھ سے تو پھر کیسے سو سکتا ہوں

۔۔۔؟؟" ہولے سے مسکرا کر کہتے ہوئے اس

نے آنکھیں کھول لیں۔اس کی حالت پر افسردہ

ہوتی وہ آہستگی سے اس کے قریب بیٹھ گئیں۔۔

"نیند کبھی ہم سے ناراض نہیں ہوتی۔۔انسان کی

سوچیں اسے پریشان کر دیتی ہیں اور یہی پریشانی

نیند سے مزاحمت کر کے اسے انسان پر مہربان

ہونے سے روکتی ہے۔۔اگر تم اپنی سوچوں پر

قابو پالو تو نیند تم پر مہربان ہو جائے گی۔۔!"نرم

نگاہوں سے اس کا چہرہ تکتی وہ مدھم لہجے میں

بولیں تو منصب نے لب بھینچتے ہوئے ان کی گود

میں سر رکھ دیا۔۔

"میرا ذہن پریشان ہے اماں۔۔ میرے آس

پاس ان گنت سوچیں ہیں۔۔ یہ میرے جذبات

کو منتشر کر رہی ہیں۔۔ میں خود کو ایک ایسے

تاریک جنگل میں محسوس کر رہا ہوں جس سے

باہر نکلنے کا کوئی راستہ مجھے دکھائی نہیں آ رہا۔۔

مجھے بتائیں اماں میں کیا کروں۔۔؟؟" ان کی

جانب دیکھتا وہ بے بسی کے عالم میں سوال کرتا

اس پل بے ضرر لگ رہا تھا۔

"راستہ دکھانے والی ذات تو صرف اس اللہ کی

ہے۔۔ تم اس سے رجوع کرو ناں۔۔ وہ سب

ٹھیک کر دے گا میری جان۔۔!!" پیار سے اس

کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی وہ نرم لہجے میں بولیں

تو وہ آنکھیں بند کر گیا۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ سینے میں دھڑکتے اس دل

کو نوچ کر کہیں دور، بہت دور پھینک دوں

اماں۔۔خود سے اتنی دور کہ یہ مجھے بے بس نہ کر

سکے۔۔اس کی التجائیں میری آنکھوں کو نم کر

سکیں میری روح کو بے چین نہ کر سکیں۔۔میں

جس اذیت کا شکار ہوں اس سے چھٹکارا چاہتا

ہوں اماں۔۔!" بے حد دھیمی آواز میں بولتے

ہوئے وہ ان کا دل چھلنی کر گیا تھا۔۔

"اللہ سے کہیں ناں وہ میری مدد کرے۔۔ مجھے

اس سے رجوع کرتے ہوئے بہت شرم آتی

ہے۔۔ جب جب نماز ادا کرتا ہوں تو، ایسا

محسوس ہوتا ہے جیسے میرے کندھوں پر بیٹھے

فرشتے مجھے حقارت سے دیکھ رہے ہیں۔۔۔ ایسا

لگتا ہے کہ درودیوار مجھ پر ہنس رہے ہیں۔۔ وہ

مجھے طعنے دیتے ہیں اماں۔۔ وہ کہتے ہیں کہ

تمھاری روح اتنی غلیظ ہے منصب عالم شاہ کہ

تمھیں اس بزرگ و برتر کے سامنے جھکتے ہوئے

شرم آنی چاہئیے۔۔اور پھر۔۔پھر مجھے۔۔!"

ایک روانی میں بولتے بولتے اس کا تنفس تیز ہوا

تھا۔لہجہ بھیگ سا گیا۔وہ سرعت سے اٹھ کر

بیٹھا۔۔ناجیہ بیگم نے نم ہوتی آنکھوں سے اس کا

شدت ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھا تھا۔

"اور پھر مجھے شرم آجاتی ہے اماں۔۔میں

شرمندہ ہو جاتا ہوں۔۔پھر میں اس کے سامنے

جھکنے کی ہمت نہیں کر پاتا اماں۔۔مجھے اللہ سے

شرم آتی ہے۔۔میں کیا کروں مجھے شرمندگی

ہوتی ہے۔۔!" ان کے ہاتھ تھام کر نظریں جھکا

کر کہتا وہ رو پڑا۔۔ناجیہ بیگم جس لمحے سے بھاگنا

چاہ رہی تھیں وہی لمحہ ان کی آنکھوں کے سامنے

آ کھڑا ہوا تھا۔ان کا جوان جہان بیٹا بچوں کی

طرح رو رہا تھا۔ انھوں نے نرمی سے اپنی چادر

کے پلو سے اس کے رخسار صاف کیے۔

"یہ شیطان کا بہکاوہ ہے میرے چاند۔۔ وہ پہلے

ہمارے نفس کو گناہ پر اکساتا ہے اور جب ہمارا

ضمیر ہمیں توبہ کا راستہ دکھاتا ہے تو شیطان یہ

حربہ استعمال کرتا ہے۔۔!"محبت سے اس کے

کندھے پر ہاتھ رکھتی وہ بولیں تو منصب نے کچھ

بے یقینی سے ان کی جانب دیکھا۔۔

"شیطان ہی انسان کے ذہن میں اس طرح کے

وسوسے پیدا کرتا ہے تاکہ بندہ اپنے رب سے

رجوع نہ کر سکے۔۔ ورنہ اللہ تو ایک توبہ پر اپنے

بد سے بد ترین بندے کو بھی بخش دیتا ہے

مون۔۔۔ وہ اللہ کہتا ہے تم میری طرف ایک

قدم بڑھاؤ میں تمھاری جانب دس قدم بڑھاؤں

گا۔۔ تم اس کی جانب بڑھ کر تو دیکھو

مون۔۔اس یقین سے کہ وہ تمھیں تھام لے

گا۔۔اور جب اللہ کا بندہ اللہ کے ساتھ کا یقین

دل میں لیے محبت سے اس کی جانب بڑھے گا تو

کیا یہ ممکن ہے کہ ستر ماؤں سے زیادہ محبت

کرنے والا اس کا خالق اسے دھتکار دے۔۔؟؟"

اس کی نم آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انھوں نے

کافی نرمی سے اسے سمجھایا تو اس نے ہولے سے

نفی میں سر ہلایا۔ انداز معصومیت لیے ہوئے

تھا۔ اس کی اس ادا پر وہ نرمی سے مسکرا دیں۔

"تو بس پھر۔۔یقین رکھو کہ وہ تمھیں اپنائے

گا۔۔اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو مون۔۔

وہ تمھیں تھام لے گا اور پھر وہ تمھیں اتنا

نوازے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔۔یہی اللہ کا

وعدہ ہے میرے لال۔۔"اس کی پیشانی پر

بکھرے بال نرمی سے سنوارتے ہوئے انھوں

نے کہا تو لفظ 'خوش' پر اس کی آنکھوں میں مدھم

سی لو جل اٹھی۔یُوں جیسے امید کی کوئی کرن ملی

تھی۔

"میری خوشی تو۔۔ماہی سے جڑی ہے اماں۔۔

کیا اللہ مجھے ماہی سے نواز دے گا۔۔؟؟" ان کے

ہاتھ تھامے وہ کسی معصوم بچے کی مانند سوال کر

رہا تھا جیسے اپنا کھویا ہوا اثاثہ ملنے کی نوید ملی ہو۔۔

اس کے سوال پر وہ اطمینان سے مسکرائیں۔

"اگر اللہ نے اسے تمھارے نصیب میں لکھا ہے

تو دنیا کی کوئی طاقت اسے تمھارا ہونے سے نہیں

روک سکتی۔۔ اور اگر اللہ ایسا نہیں چاہتا تو اس

پوری دنیا کی تمام طاقتیں اکٹھی ہو کر بھی اسے

تمھارا نصیب نہیں بنا سکتیں مون۔۔ اس اللہ پر

یقین رکھو جس نے تمھیں تخلیق کیا ہے۔۔وہ

سب ٹھیک کر دے گا۔۔!" پر یقین لہجے میں کہتے

ہوئے انھوں نے اس کا رخسار تھپتھپایا تو وہ مبہم

سا مسکرا دیا۔

"آپ نے مجھے پر سکون کر دیا ہے اماں۔۔اللہ

ہمیں کبھی آپ سے محروم نہ کرے۔۔!" کہتے

ہوئے اس نے عقیدت سے ان کے ہاتھ چوم

لیے۔۔ناجیہ بیگم کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ

گہری ہو گئی۔

"تو اب تمھیں معلوم ہوا کہ سکون کتنی قیمتی شے

ہے۔۔؟؟" انھوں نے پوچھا تو اس نے ہولے

سے سر اثبات میں ہلایا۔

"تو پھر تمھیں دوسروں کو بے سکون نہیں کرنا

چاہئیے موں۔۔" اس بار انھوں نے قدرے

سنجیدگی سے کہا تو منصب نے چونک کر ان کی

جانب دیکھا۔ان کی آنکھوں میں ابھرتا شکوہ

دیکھ کر وہ ان کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"یہ بے سکونی انھوں نے خود چنی ہے اپنے

لیے۔۔ کتنی ناانصافی کی ہے انھوں نے چاچو کے

ساتھ۔۔۔ آج تک اس حویلی کے درو دیوار زہرہ

خاتون کو بدکردار سمجھتے آئے ہیں کس کی وجہ سے

اماں۔۔؟؟؟اُس ٹائم فدا چاچو کے علاوہ صرف

دادا جانتے تھے کہ زہرہ خاتون بے قصور ہیں۔۔

لیکن دادا نے کیا کیا۔۔؟؟؟"اس کے تاثرات

پل میں پتھریلے اور لہجہ سخت ہوا تھا۔

"ان کی بے گناہی کے ثبوت مٹا دیے اور تو اور

ان کی اولاد بھی ان سے چھین لی۔۔اب بتائیں

جب چاچو کو یہ سچ پتہ چلے گا تو ان پر کیا بیتے

گی۔۔۔؟؟" وہ مزید بولا تو ناجیہ بیگم نے ایک

گہری سانس لی۔

" تھیں کیا لگتا ہے تمھارے چاچو کو کچھ نہیں

پتہ۔۔؟؟ تمھیں کیا لگتا ہے وہ آج تک حویلی

کیوں نہیں آیا۔۔؟؟ کیوں وہ اس حویلی اور اس

کے مکینوں سے چھپ کر ایک مفلسی بھری

زندگی گزار رہا ہے۔۔؟؟" اس کی جانب دیکھتے

ہوئے انھوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

"یقیناً اسی لیے کہ وہ فدا چاچو کی بیٹی کو کھونا نہیں

چاہتے تھے۔۔ اگر دادا کو پتہ چل جاتا کہ فدا اور

دیبہ فپو کی کوئی بیٹی بھی ہے تو وہ چاچو سے اس کو

چھین لیتے۔۔!" منصب نے اپنی معلومات کے

مطابق انھیں جواب دیا۔۔

"ہاں تو کیا تمھارے چاچو نے جرم نہیں کیا۔۔؟؟

کیا اس نے ماموں سرکار کو ان کی نواسی سے

محروم نہیں رکھا۔۔زہرہ سے انھیں جتنی مرضی

نفرت سہی، اولاد سے تو سبھی کو محبت ہوتی ہے

مون۔۔اتنے عرصے سے ولید نے خود کو ماموں

سرکار سے پوشیدہ رکھا کیا یہ جرم

نہیں۔۔۔؟؟؟"ناجیہ بیگم نے بھرپور طریقے

سے ان کی وکالت کی تھی۔

" تمھیں کیا لگتا ہے؟؟ تمھارے دادا نے زہرہ کو

اذیت دینے کے لیے مرحہ کو اس سے چھینا

تھا۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے اس بار ان کا لہجہ تلخ ہو

گیا۔

"نہیں مون۔۔اس آدمی نے اپنے بیٹے کی

آخری نشانی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کے

لیے ایسا کیا تھا۔۔یہ ان کی ولید کے لیے محبت ہی

تھی موں۔۔ لیکن ولید ان کی نفرت میں اندھا

ہو چکا ہے۔۔ نہ وہ خود واپس آیا اور نہ ہی زہرہ کو

واپس لایا بلکہ مہرماہ کو بھی ہم سے چھپا کر

رکھا۔۔!" اس کا دل سید ذوالفقار عالم شاہ کی

جانب سے صاف کرنے کو انھوں نے اپنی آخری

کوشش کی تھی۔

"چاچو کی غلطیاں گنوا کر آپ دادا کے گناہوں کو

جسٹیفائے مت کریں اماں۔۔ اگر وہ زہرہ خاتون

کو قبول کر لیتے تو آج ہم سب سکون بھری زندگی

گزار رہے ہوتے۔۔فدا چاچو کبھی نہ مرتے۔۔

دیبہ پھپو بھی زندہ ہوتیں۔۔ماہی اپنے حقیقی ماں

باپ سے نہ بچھڑتی اور مرحہ۔۔اس بے چاری کو

اس حویلی میں نوکرانیوں کی سی زندگی نہ بسر کرنا

پڑتی۔۔یہ محبت نہیں سفاکی کی انتہاء ہے اماں۔۔

!"وہ اپنے اندر بھرا غبار باہر نکالتا چلا گیا۔ اس کا

دل اس پل نرم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے جواب

نے ناجیہ بیگم کو لاجواب کیا تھا۔ ان تمام

نقصانات کی بابت تو وہ خود بھی آگاہ تھیں لیکن

فقط ایک ندامت۔۔ وہ ندامت جو سید ذوالفقار

عالم شاہ کا گھیراؤ کیے ہوئے تھی، اسی نے ناجیہ

بیگم کا دل ان کی جانب سے موم کیا تھا۔

"گناہ سب کرتے ہیں مون۔۔ کیا تم نے گناہ

نہیں کیا۔۔؟؟ لیکن بات صرف شرمندگی اور

احساس کی ہے۔۔ جس طرح تمھیں اپنے گناہ کا

احساس ہوا ہے اسی طرح انھیں بھی اپنے

گناہوں پر شرمندگی ہے۔۔۔جب تم اللہ اور

اس کے بندوں سے معافی پالینے کی توقع کرتے

ہو تو پھر معاف کرنے کا حوصلہ بھی لاؤ میری

جان۔۔تمھارے دادا شرمندہ ہیں۔۔اور وہ عمر

کے جس حصے میں ہیں اس میں ایسی شر مند گیاں

جان لے لیتی ہیں مون۔۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ

اپنی جان سے چلے جائیں۔۔؟؟" انھوں نے بہت

سوچ سمجھ کر ایسے لفظوں کا چناؤ کیا تھا کہ وہ پل

بھر کو کچھ بول نہیں پایا تھا۔

"میں ان سے محروم نہیں ہونا چاہتا لیکن اماں ان

کی شرمندگی و پچھتاوا ان تمام نقصانات کی تلافی

کبھی نہیں کر سکتا۔۔۔ جس نے آج ان کی نسل

کو برباد کر ڈالا ہے۔۔۔!" وہ مدھم لہجے میں گویا

ہوا۔ سرخ آنکھوں میں اس بار اداسی تھی۔

"جو ہو چکا ہے اسے بدل دینے پر ہم قادر نہیں

ہیں منصب۔۔ لیکن جو ہونے والا ہے اسے

بدلنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں۔۔ اپنے دل کو بڑا

کرو میرے لال۔۔ ماموں سرکار کو معاف کر دو

وہ اس پل اذیت میں مبتلا ہیں۔۔ انھیں سکون

دے دو۔۔۔!" اس کے مضبوط ہاتھ پر ہاتھ

رکھتے ہوئے انھوں نے ملتجیانہ انداز میں کہا تو

منصب نے زخمی نگاہوں سے ان کی جانب

دیکھا۔۔ پھر دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تو

ناجیہ بیگم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"جیتے رہو۔۔اور صبح ہوتے ہی ان سے ملنے

جانا۔۔ان کی دلجوئی کرنا۔۔اس وقت انھیں ہم

سب کی ضرورت ہے۔۔!"ناجیہ بیگم نے اسے

سمجھایا تو وہ جی اچھا کہتا دوبارہ ان کی گود میں سر

رکھ کر لیٹ گیا۔وہ اس کی ابدی خوشیوں کی دعا

مانگتی اس کے بال سہلانے لگیں۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

سبز پتوں پر گرتے شفاف پانی کے قطرے پتوں

کی سطح سے ٹکراؤ کے باعث فوارے کی سی مانند

واپس اسی کی جانب پلٹتے اس کے پیروں کو بھگو

رہے تھے۔ ہاتھ میں پانی کا پائپ پکڑے وہ فل

رفتار سے نکلتے پانی سے صحن کے آخر میں رکھے

گملوں کی قطار کو پانی دے رہی تھی۔ چہرے پر

ایک اطمینان بھری کیفیت تھی۔ دو دن بعد وہ

یونیورسٹی جوائن کرنے والی تھی، اسی بات نے

اسے پر جوش سا کر رکھا تھا۔ وہ پر سکون سی

اپنے کام میں مگن تھی جب دروازے پر

دستک ہوئی۔ پائپ وہیں پھینک کر اس نے

آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے کھڑے

شخص کو دیکھ کر مہرماہ کے چہرے کی رنگت بدلی

تھی۔۔ آنکھوں میں ناگواری سی در آئی۔

"میں کبیر ہوں۔۔ اور آپ یقیناً مہرماہ ہیں۔۔!!"

اس کے سامنے اعتماد سے کھڑا وہ بڑی شائستگی

سے اپنا بدترین تعارف کروا رہا تھا۔

"میں آپ کو نہیں جانتی۔۔!" درشتگی سے کہتے

ہوئے اس نے دروازہ بند کرنا چاہا جب مقابل نے

سرعت سے دروازے کی جھری میں ہاتھ رکھ

دیا۔

"ایسے کیسے نہیں جانتی آپ مجھے۔۔ آپ کا فیانسی

ہوں میں۔۔!" اس نے سرعت سے اپنا حقیقی

تعارف کروایا تھا۔ تبھی زہرہ بیگم کچن سے باہر

نکلی تھیں۔

"مہر کون ہے بیٹا۔۔؟؟" دروازے کے اس پار

موجود شخص کا چہرہ دیکھنے کو آگے بڑھتی وہ بولی

تھیں۔چاروناچار مہرماہ کو دروازہ کھولنا پڑا۔وہ فوراً

مسکرایا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی۔۔!" پرتپاک انداز میں سلام

کیا گیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔بیٹے آؤ آؤ اندر

آجاؤ۔۔۔؟؟" اسے جواب دیتے ہوئے ایک

دھیمی مسکراہٹ نے زہرہ بیگم کے لبوں کو چھولیا

تھا۔مہرماہ منہ بسورتی واپس اپنے کام پر لگ گئی۔

"آنٹی آپ کی بیٹی کی یادداشت ہمیشہ سے کمزور

ہے یا مجھے سامنے دیکھ کر ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا

ہے۔۔؟؟"ان کے ساتھ اندر کی جانب بڑھتا وہ

مہرماہ کو چھیڑنے کی غرض سے قدرے بلند آواز

میں بولا تھا۔

اس کی اس بے تکلفی پر جہاں مہرماہ کا منہ کچھ

حیرت سے کھلا تھا وہیں زہرہ بیگم دھیرے سے

ہنس دیں۔

"کبیر کی باتوں کا برا مت منانا مہر اس کی حسِ

مزاح زرا تیز ہے!" اسے برآمدے میں رکھی

چیئرز میں سے ایک پر بیٹھنے کا اشارہ کرتی وہ غیر

سنجیدگی سے بولیں۔

"میرا ان کے ساتھ کوئی مذاق نہیں ہے

اماں۔۔!" وہ ماتھے پر تیوریاں چڑھائے ان

دونوں کی جانب پلٹتی بولی۔

"ہاں لیکن فیوچر میں تو ہو جائے گا۔۔ سو بس اسی

لیے میں پریکٹس کر رہا ہوں۔۔۔!" وہ برا منائے

بغیر ڈھٹائی سے بولا۔ جبکہ مہرماہ کے چہرے کے

بگڑتے زاویے دیکھتی زہرہ بیگم اب کچھ تنبیہی

نگاہوں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"فیوچر آنے والے وقت کو کہتے ہیں اور آنے

والے وقت کے بارے میں اتنے یقین سے کبھی

دعویٰ نہیں کرنا چاہئیے۔۔پورا نہ ہو تو انسان ذہنی

اذیت کا شکار ہو جاتا ہے۔۔!" اسے جواب دیتے

ہوئے مہرماہ نے پانی کا نلکا بند کر دیا۔ اس بار کبیر

کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

"مہر جاؤ بیٹا لباس تبدیل کر لو۔۔ بھیگ گئی ہو

تم۔۔" اسے وہاں سے غائب کرنے کو زہرہ بیگم

نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تو مہر ماہ

نے نظریں جھکا کر اپنا جائزہ لیا۔ پائنچے معمولی

سے گیلے ہو چکے تھے لیکن وہ ان کی بات کا مقصد

سمجھتی تھی سو سر اثبات میں ہلاتی اپنے کمرے کی

طرف بڑھ گئی۔زہرہ بیگم کبیر کو آرام سے بیٹھنے

کی ہدایت کرتی کچن میں جا گھسیں۔

"مہر۔۔؟؟" وہ بر آمدے سے گزر کر اپنے

کمرے کی جانب جاتی اس چھوٹی سی ڈیوڑھی میں

داخل ہوئی ہی تھی کہ جب کبیر نے مدھم آواز

میں اسے پکار لیا۔لب بھینچتی وہ اس کی جانب

گھومی۔

"کیا آپ اس رشتے سے خوش نہیں ہیں۔۔؟؟"

وہ آنکھوں میں سنجیدگی سموئے دھیمی آواز میں

پوچھ رہا تھا۔ مہر ماہ نے اس کی پشت سے پیچھے کچن

میں کھڑی زہرہ بیگم کی طرف دیکھا۔ وہ ان

دونوں کی جانب ہی متوجہ تھیں۔

"میری خوشیاں عارضی رشتوں سے وابستہ نہیں

ہیں کبیر صاحب۔۔ منگنی کوئی اٹوٹ بندھن

نہیں۔۔اس لیے یہ بندھن مجھے خوشی نہیں

دیتا۔۔ہاں جس روز میں آپ کے نکاح میں

آجاؤں گی اس دن مجھ سے زیادہ خوش آپ بھی

نہیں ہوں گے۔۔!" لہجے کو قدرے نرم کرتی وہ

مدھم آواز میں بولی۔اس کے جواب پر مقابل

کی آنکھوں میں چمک سی آئی تھی۔

"اٹوٹ تو صرف دل کے بندھن ہوتے ہیں مہرماہ

جی۔۔توڑنے والے نکاح جیسا مضبوط تعلق بھی

توڑ دیتے ہیں اور نبھانے والے منگنی جیسا کمزور

رشتہ بھی نبھا لیتے ہیں۔۔بات صرف دل کی

ہے۔۔اگر دل کے رشتے مضبوط ہوں تو ابدی

خوشیوں کا باعث بنتے ہیں۔۔!" مقابل نے بڑی

سمجھداری سے اسے اپنا نظریہ بتایا تھا۔اس کے

جواب پر مہرماہ کی آنکھوں میں کچھ حیرت ابھری

تھی۔ دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس شخص کی باتیں

خوبصورت تھیں۔ مہرماہ کے لبوں پر ایک مدھم

مسکراہٹ در آئی۔ دھیرے سے سر اثبات میں

ہلاتی وہ پلٹ گئی۔ کبیر نے چمکتی نگاہوں سے اس

کی پشت کو دیکھا پھر پلٹ کر واپس چیئر پر جا بیٹھا۔

تھوڑی ہی دیر میں زہرہ بیگم اس کے لیے چائے

اور اس کے لوازمات لے آئی تھیں۔

"آنٹی آپ نے خوامخواہ تکلف کیا ہے۔۔میں

آفس سے چائے پی کی ہی یہاں آیا ہوں۔۔!"

احتراماً کھڑا ہوتا وہ نرمی سے بولا۔

"ارے بیٹا یہ تو میری محبت ہے۔۔ اور پھر پہلی

مرتبہ ہمارے گھر آئے ہو، ایسے ہی تھوڑی نہ

جانے دوں گی تمھیں۔۔" اس کے انکار کو خاطر

میں لائے بغیر وہ مان بھرے لہجے میں بولیں تو وہ

مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"وہ ایکچوئلی آنٹی۔۔۔ مما نے مجھے کہا تھا کہ

آفس سے واپسی پر آپ سے مہرماہ.جی کی چوڑیوں

اور ڈریس کا ناپ لیتا آؤں۔۔ اگر آپ دے دیں

تو یہ مجھ پر عین نوازش ہوگی ورنہ مما نے میرے

کان کھینچ لینے ہیں۔۔" نرم لہجے میں انھیں

مخاطب کرتا وہ پھر سے غیر سنجیدہ ہوا تو زہرہ بیگم

ہنس پڑیں۔

"اس میں نوازش والی کیا بات ہے۔۔ تم چائے پیو

میں بس پانچ منٹ میں لے کر آتی ہوں۔۔!" سر

پر چادر درست کرتی وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑیں

ہوئیں تو کبیر نے چائے کا کپ اٹھالیا۔ مہرماہ کو

آوازیں دیتی وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ

گئیں جبکہ مہرماہ کی بابت سوچتا وہ آنکھوں میں

چمک لیے چائے کے گھونٹ حلق سے نیچے اتار رہا

تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

اس کی آنکھوں کے سامنے دور دور تک اندھیرا

ہی اندھیرا تھا۔ ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ اس کے

لیے پہچاننا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت کہاں

موجود ہے۔۔ یاد کرنے پر بھی اسے اپنی شناخت

اپنا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ اس عالمِ انجان سے

گھبراتی وہ وحشت زدہ سی ہونے لگی۔ دل کی

حالت خراب ہونے لگی سانسوں کی رفتار بڑھنے

لگی۔

"کیا پتہ دل آگیا ہو۔۔تُو ہے بھی تو حسین۔۔!"

جانی پہچانی سی آواز اس کے آس پاس گونجی

تھی۔۔مرحہ کا دل گھبرانے لگا۔

اس نے حرکت کرنے کی کوشش کی لیکن

ناکام۔۔

"تجھ جیسی کو تو چکھ کر تھوک دے گا۔۔!" ایک

بار پھر بالی کی آواز اس کے کانوں میں عذاب بن

کر اتری تھی۔اس کی بند آنکھوں میں بڑھتی نمی

ٹوٹ کر کنپٹیوں میں جذب ہوئی تھی۔اس کے

قریب بیٹھے عالم نے کچھ حیرت سے اس کے زرد

چہرے کی جانب دیکھا۔اس کی آنکھوں سے

ٹوٹتے آنسوؤں نے عالم کے دل کو درد سے دوچار

کیا تھا۔

"مرحہ۔۔؟؟ آنکھیں کھولو مرحہ۔۔!"عالم نے

آہستگی سے اسے پکارا۔بے چین آواز سن کر

مرحہ کا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔اپنی پوری قوت

کا استعمال کرتی مرحہ نے عارضوں سے چپکی

پلکیں کھولنے کی کوشش کیں۔۔سر میں درد کی

ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔بے اختیار اس کے لبوں

سے سسکاری نکلی تھی۔عالم نے بے ساختگی میں

اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مرحہ۔۔؟؟" پھر سے پکارا تھا۔اس نے آہستگی

سے آنکھیں کھولیں۔پہلی بصیرت نے سفید

بلبوں کی چندھیاتی ہوئی روشنیاں محسوس کی تو

اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا۔اس کی مشکل

سمجھتا وہ فوراًا اٹھا تھا اور سوئچ بورڈ کی تلاش میں

نگاہیں دوڑائیں۔لمحے کے دوسرے حصے میں اس

نے کمرے کی بتیاں گُل کر کے گلاس وال سے

پردہ ہٹا دیا۔راہداری میں جلتی سفید بتیوں کی

روشنی مدھم پھوار کی مانند کمرے میں اترتی

کمرے کو نیم روشن کر گئی۔ مرحہ کو سکون سا

محسوس ہوا۔ وہ خود بھی مطمئن سا ہو کر واپس

اس کے پاس آیا تھا۔

"کیا تم ٹھیک ہو۔۔؟؟" اپنی نشست پر واپس

بیٹھتے ہوئے اس نے نرمی سے پوچھا تو مرحہ نے

چہرے کا رخ اس کی جانب کرتے ہوئے کچھ

حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔۔ عالم کو یوں

اچانک اپنے سامنے دیکھتی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ

کر بیٹھی تھی۔اس اچانک کوشش کے باعث اس

کے دماغ میں تکلیف کی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ بے حال ہوتی واپس لیٹتی عالم

نے اس کی حرکت پر پریشان ہوتے ہوئے بے

ساختگی میں اسے تھام لیا۔

"پاگل ہوگئی ہو تم۔۔؟؟" اسے بازوؤں سے

تھامتا وہ نرم لہجے میں اسے ڈپٹ رہا تھا۔ سراسیمگی

سے اس کی جانب تکتی مرحہ کی سانسیں بکھرنے

لگیں۔۔ وحشت زدہ سی ہوتی وہ اس کے ہاتھ

جھٹکنے کی کوشش میں تھوڑا سا پیچھے کھسکی۔

"یہ۔۔یہاں کک۔۔۔کیا کر رہے ہیں

آ۔۔آپ۔۔۔اور۔۔اور یہ لائٹ

کک۔۔۔کیوں بند کی ہے۔۔۔؟؟" وہ دبی دبی

سی آواز میں چیخی۔عالم جو اسے لیٹانے کی

کوشش کر رہا تھا اس کے انداز پر چونک اٹھا۔

"یہ۔۔یہ کیا کر رہے ہیں چھوڑیں مجھے۔۔۔!"وہ

خوفزدہ ہوتی چلائی۔۔

"مرحہ۔۔کیا ہو گیا ہے۔۔؟؟"وہ پریشان ہوا۔

"آ۔۔آپ کہاں لے آئے ہیں مم۔۔مجھے۔۔

مجھے چھوڑ دیں سس۔۔۔سر کار۔۔!"اس کے

سامنے ہاتھ جوڑتی وہ رو پڑی۔ اس کے بے ربط

جملوں کا مطلب سمجھتا وہ تڑپ اٹھا۔۔ بے یقین

سا ہوتا وہ اس کے بازو اپنی گرفت سے آزاد کرتا

پیچھے ہوا تھا۔ مرحہ کی سانسیں کچھ بحال ہوئی

تھیں۔۔تکیے پر سر رکھتی وہ لمبے لمبے سانس لینے

لگی۔

"لل۔۔لائٹ۔۔جلادیں۔۔کک۔۔۔کیوں

بند کی ہے۔۔؟؟" آس پاس دیکھتی وہ ڈرتے

ڈرتے بولی۔عالم نے پلٹ کر ایک بلب جلا دیا۔

کمرہ روشن ہو چکا تھا لیکن روشنی پہلے کی نسبت ہلکی

ہی تھی۔۔اب منظر مرحہ کے سامنے واضح ہو چکا

تھا۔اسے خود کے ساتھ پیش آیا حادثہ بھی یاد آ

گیا۔۔آنکھیں میچتی وہ اپنے خوف پر قابو پانے کی

کوشش کرنے لگی جبکہ سوئچ بورڈ کے پاس کھڑا

وہ لب بھینچے کافی ضبط سے اس کی جانب دیکھ رہا

تھا جس کے پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو

رہے تھے۔

"کیا سمجھ رہی تھیں تم۔۔؟؟ کیوں خوفزدہ ہو

رہی تھیں۔؟؟" قدم قدم اس کی جانب بڑھتا وہ

سنجیدگی سے بولا۔ اس کے سوال پر مرحہ نے

لرزتی پلکیں اوپر اٹھائیں۔ آنکھوں میں نمی چمک

رہی تھی۔ عالم کو سنجیدہ نظروں سے اپنی جانب

تکتا پا کر اس کا دل ڈوب سا گیا۔

"کیا پوچھ رہا ہوں میں۔۔؟؟ تم کیا سمجھ رہی

تھیں۔۔؟؟ غاصب ہوں میں۔۔؟؟ یا لٹیرا لگتا

ہوں تمھیں۔۔؟؟" اس کے بیڈ کے بالکل

قریب آکر رکتا وہ ہنوز اسی انداز میں پوچھ رہا

تھا۔ آنکھوں میں ڈولتی بے یقینی کے درمیان

اذیت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"مم۔۔۔معاف کرر۔۔دیں

سس۔۔سرکار۔۔۔!" کپکپاتی ہوئی آواز میں

کہتی مرحہ کی آنکھوں نے پھر سے آنسو بہائے

تھے۔اپنے لب سختی سے بھینچتا وہ اس کے دائیں

بائیں بازو جماتا اس پر جھکا تھا۔اس نے سہم کر

آنکھیں میچ لیں۔

"تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو مرحہ۔۔میرے

لیے قابل احترام ہو تم۔۔عزت کرتا ہوں

تمھاری۔۔پھر تمھیں بے عزت کیسے کر سکتا

ہوں۔۔؟؟"اس کے چہرے کو نگاہوں میں

سموئے وہ مدھم سلگتے ہوئے لہجے میں بولا تو مرحہ

نے آہستگی سے آنکھیں کھول لیں۔اس بار بے

یقینی اس کی بھیگی آنکھوں میں بھی در آئی تھی۔

"میں تمھیں تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا

پھر تم نے ایسا کیوں سوچا۔۔؟؟"اس کی آنکھوں

میں جھانکتا وہ اس بار اذیت بھرے لہجے میں پوچھ

رہا تھا۔اسے خود پر چھایا دیکھ مرحہ کی دھڑکنیں

تھمنے لگیں۔

"وہ۔۔ آ۔۔ آپ۔۔ دور۔۔ دور ہو کر۔۔۔!"

اپنے خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے

بولتی وہ اپنی بات ابھی پوری بھی نہیں کر پائی تھی

جب وہ سیدھا ہوتا اس سے دور ہوا تھا۔

"تم ابھی سٹریس میں ہو میں تمھیں کوئی سخت

لفظ نہیں کہنا چاہتا۔۔ لیکن مجھے بتاؤ کہ تمھیں یہ

غلط فہمی کیوں ہوئی۔۔؟؟ مجھے وجہ بتاؤ ورنہ میں

اپنا آپ کھو بیٹھوں گا۔۔!" سرخ پڑتی آنکھوں

کی پلکیں جھپکاتا وہ اس کی جانب دیکھتا بڑے ضبط

سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ۔۔بب۔۔۔بالی نن۔۔۔نے کہا کہ۔۔

آپ۔۔کی نیت مجھ پپ۔۔۔پر۔۔۔خراب

ہے۔۔!" تھوک نگلتے ہوئے اس نے مدھم آواز

میں اسے جواب دیا تو عالم کی آنکھوں میں غصہ

ہلکورے لینے لگا۔۔

"اور تم نے یقین کر لیا۔۔؟؟ ایک بار بھی نہیں

سوچا کہ میں تم سے۔۔۔!" ایک بار پھر اس کی

جانب جھکتا وہ غصے سے بولتے بولتے رکا تھا۔ مرحہ

کی دھڑکنیں منتشر ہونے لگیں۔۔

"میری بات سنو۔۔میں تمھاری عزت کرتا

ہوں اور۔۔ دادا تمھیں بہت پسند کرتے

ہیں۔۔۔وہ۔۔وہ تمھاری اور میری۔۔۔!" اس

سے بات کرنے کی کوشش کرتا وہ پل بھر کو رکا

تھا۔ وہ چوپٹ آنکھیں کھولے پہلی مرتبہ اسے

یوں مسلسل دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی

نگاہوں کے اس ارتکاز کی وجہ بے یقینی ہے لیکن

اس کے باوجود اس کا دل اس کی آنکھوں کے

اس وار سے بے حال ہو رہا تھا۔ وہ لڑکا ہو کر اس

پل اپنے دل کی حالت سے پریشان ہو رہا تھا۔

"کک کیا۔۔؟؟" مرحہ کے لب وا ہوئے تھے۔

"کیا تم مجھ سے شادی کرو گی۔۔؟؟" اس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے عالم نے ایک ہی

سانس میں سوال کیا تھا۔ مرحہ کے دل نے بے

اختیار ایک بیٹ مس کی تھی۔

اس کے سوال پر حیرت کا شدید جھٹکا اس کے دل

کو لگا تھا۔

"میں۔۔۔میں کیسے۔۔؟؟" اس کی زبان لڑکھڑا

گئی۔

"کیوں۔۔؟ تم کیوں نہیں۔۔؟ میں نے کہا تھا

ناں کہ میں تمھیں ایک عزت بھری زندگی دوں

گا۔۔اب اپنا کہا پورا کرنے کا وقت آچکا ہے

مرحہ۔۔میں تمھیں وہ مقام دینا چاہتا ہوں جس

کی تم حقدار ہو۔۔مجھ 3 سے شادی کر لو۔۔۔کیا

تم کرو گی۔۔؟؟" واپس اپنی نشست پر بیٹھتے

ہوئے عالم نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"مم۔۔۔میں اس مقام کی حقدار۔۔

نن۔۔۔نہیں ہوں سرکار۔۔آپ ایسا سوچ بھی

کیسے سکتے ہیں۔۔میں تو۔۔۔ایک۔۔۔کم

ذات۔۔مم۔۔۔ملازمہ ہوں اور آپ۔۔۔آپ

شاہوں کا خون ہیں۔۔!" حیران پریشان ہوتی وہ

ہوش میں آتے ہوئے بولی۔

"تم کون ہو اور کیا ہو اس سے مجھے فرق نہیں

پڑتا۔۔ تم۔۔ صرف مجھے جواب دو مرحہ۔۔ کیا

تم مجھ سے شادی کرو گی۔۔۔؟؟؟" اس کا احتجاج

رد کرتا وہ پھر سے اپنا سوال دہرا رہا تھا۔ مرحہ کی

آنکھوں میں بے چینی سی اترنے لگی۔ دل کی

حالت حد سے سوا تھی۔

"یہ ممکن نہیں ہے میرے سرکار۔۔مجھے

آزمائش میں مبتلا نہ کریں۔۔!!" مدھم آواز میں

اسے جواب دے کر اس نے منہ پھیر لیا۔

"آزمائش میں تو میں مبتلا ہو جاؤں گا مرحہ۔۔

اپنے خاندان کو جوابدہ میں ہوں گا تمھیں اس

کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔،

تم بس اپنے دل سے پوچھ کر ہاں یا نہ میں جواب

دو پلیز۔۔!" اس کے ہاتھ کے قریب بستر پر ہاتھ

رکھتے ہوئے عالم نے سنجیدگی سے کہا تو مرحہ نے

اس کی جانب دیکھا۔ مقابل بیٹھے اس شخص میں

کوئی کمی نہیں تھی۔وہ مرحہ تو کیا کسی بھی اعلیٰ

خاندان سے تعلق رکھنے والی باعزت لڑکی کا

خواب ہو سکتا تھا لیکن بھلا وہ اپنی حدود سے

کیونکر تجاوز کر سکتی تھی۔۔؟؟اور پھر صندل

بیگم ؟؟ کیا وہ اسے قبول کر لیتیں۔۔؟؟ مرحہ

کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

"میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔۔!" اس نے

بڑی مشکلوں سے اسے انکار کیا تھا جس کی

آنکھوں میں جلتے دیے اس کا دل موہ لینے کی

اہلیت رکھتے تھے۔انکار سنتے ہی اس کی جگ مگ

کرتی آنکھیں بجھ سی گئیں۔

"اور اس کی وجہ۔۔؟؟"عالم کے لب دھیرے

سے ہلے تھے۔اس کے سوال پر مرحہ کی

آنکھیں بھیگنے لگیں۔ بھلا وہ اسے کیا بتاتی کہ اس

انکار کے پیچھے وجہ نہیں وجوہات ہیں۔

"کیا میں تمھیں اچھا نہیں لگتا۔؟؟" اسے

خاموش پا کر اس نے بڑی سادگی سے سوال کیا

تھا۔لہجے میں اذیت بول رہی تھی۔مرحہ کے

لیے جواب دینا محال ہو گیا۔۔

"کیا میں تمھارے قابل نہیں۔۔؟؟"اس کے

اگلے سوال نے مرحہ کے دل کو خون کر ڈالا

تھا۔ اس نے تڑپ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ

لیے۔

"خدا کا واسطہ ہے ایسا نہ سوچیں۔۔ آپ میں کوئی

کمی نہیں۔۔ میں۔۔ میرا وجود آپ کے قابل

نہیں۔۔ آپ کا اور میرا کوئی جوڑ نہیں ہے۔۔

آپ ایک اچھی لڑکی ڈیزرو کرتے ہیں۔۔!"خود

کو اذیت سے دوچار کرتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولتی آخر میں مبہم سا مسکرائی۔

"تم سے اچھی لڑکی اس دنیا میں کہیں نہیں

ہے۔۔اور اگر ہے بھی تو مہربان عالم شاہ اس کے

لیے نہیں ہے۔۔عالم کو صرف مرحہ کا ساتھ

چاہئیے۔۔بتاؤ دو گی میرا ساتھ۔۔۔؟؟؟"

اس کا جواز رد کرتا وہ ایک جذب کے عالم میں

بولا تو وہ پل بھر کو خاموش رہ گئی۔

"میں نہیں جانتی کہ میرے لیے کیا صحیح ہے اور

کیا غلط۔۔ لیکن۔۔۔ بابا جی سرکار۔۔ جو کہیں

گے میں مانوں گی۔۔" ہمت مجتمع کرتی وہ نظریں

جھکا کر بولی تو عالم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ لب

آپ ہی آپ مسکرائے تھے۔

"وہ جلد تم سے بات کریں گے۔۔!" عالم نے

مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے نظر چرا لی۔۔ تبھی

اسے علیشہ کا خیال آیا تھا۔ جینز کی جیب سے

موبائل نکال کر اس نے وقت دیکھا۔ رات کے

دو بجنے والے تھے۔ اس وقت علیشہ کو کال کرنا

اسے کسی طرح مناسب نہیں لگا تھا۔۔وہ ابھی

اسی بابت سوچ رہا تھا جب کمرے کا دروازہ

کھولتے سید ذوالفقار عالم شاہ اندر داخل ہوئے

تھے۔۔ان کے پیچھے ہی وقار شاہ بھی وہاں آئے

تھے۔ساتھ ہی ان کے دو تین مرید تھے۔مرحہ

کی آنکھوں میں حیرت در آئی اور بے یقین تو وہ

بھی ہوا تھا۔ مرحہ کا ساتھ تو اسے بھی چاہئیے تھا

لیکن یہ اتنا اچانک ہو گا اس نے سوچا نہیں تھا جبکہ

اتنے افراد کو وہاں آتے دیکھ وہ دوپٹہ سر پر

اوڑھتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وقار عالم شاہ اپنے ساتھ

مریدوں کو لیے کمرے میں ایک جانب کھڑے

ہو گئے جبکہ سید ذوالفقار عالم شاہ اس کے قریب

آئے تھے۔عالم کی آنکھوں میں سوال تھے جبکہ

مرحہ کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔

"بیٹی مرحہ۔۔ کیا تم میرے پوتے، مہربان عالم

شاہ کے نکاح میں آنا قبول کرو گی۔۔؟؟" اس

کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے انھوں نے نرمی سے

پوچھا تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ دل کی

حالت عجیب ہوئی تھی۔ اس نے بھیگی آنکھوں

سے عالم کا چہرہ دیکھا جو اپنے تاثرات پر کافی حد

تک قابو پا لینے کے بعد نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

"بولو بیٹی۔۔!" اسے خاموش پا کر انھوں نے

ایک بار پھر اسے مخاطب کیا تو مرحہ نے بامشکل

اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے ہامی بھر لینے پر وہ

دھیرے سے مسکرائے پھر پلٹ کر وقار عالم شاہ

کی طرف دیکھا۔۔۔

"نکاح نامہ لے آؤ وقار۔۔" ان کی بھاری آواز

نے جہاں عالم کے دل کو سکون دیا تھا وہیں اس نئی

صورتحال پر مرحہ کا دل بے سکونی کا شکار ہو گیا

تھا۔ جانے اب یہ نیا رشتہ اسے زندگی کے کون

سے رنگ دکھانے والا تھا۔

□♦□♦□♦□♦□♦

دیواروں سے لپٹی سبز بیلوں کے درمیان کھلی

کھڑکی سے بیڈ کی چادروں سے بنی رسی نیچے لٹک

رہی تھی۔ دیوار کی سطح پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس

نے نیچے لان میں جھانکا۔ دور دور تک سبز گھاس

سے ڈھکی زمین پر سرمئی اندھیرے کا راج تھا۔

فجر کی اذان ہونے میں کچھ وقت ہی باقی تھا۔

علیشہ نے ایک بار پلٹ کر کمرے کے بند

دروازے کی جانب دیکھا۔اس کی جانب بڑھی

اور پھر اندر سے چٹخنی نیچے گرادی۔۔وہ اپنے گھر

والوں کو زیادہ خوار نہیں کروانا چاہتی تھی سو

واپس پلٹی اور بختاں کے موبائل سے شمس کو میسج

کیا۔اس کی جانب سے جواب موصول ہو جانے

پر اس نے ایک گہرا سانس لیا پھر موبائل جینز کی

جیب میں گھساتی وہ کھڑکی کی طرف آ گئی۔

پرندوں کے جاگنے کا وقت قریب تھا۔ دور کہیں

مرغا بانگ دے رہا تھا۔ دو بیڈ شیٹس جنہیں

آپس میں گرہ کے ذریعے باندھ کر وہ تھوڑے

تھوڑے وقفے سے دونوں بیڈ شیٹس پر گرہ لگا کر

انھیں رسی کی شکل دے چکی تھی، سو اب آس

پاس کا بخوبی جائزہ لیتی وہ اس سے لٹکتی نیچے اترنے

کو باہر کی جانب ہو گئی۔ تھوڑی پس و پیش کے بعد

وہ زمین پر کود گئی۔ گو اپنے صحیح سلامت نیچے اتر

جانے پر وہ خود بھی حیران تھی لیکن بہر حال

اسے جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہی تھا۔پشت پر

بکھرے بال آہستگی سے چلتی ہوا اور تیزی سے

چلتے اس کے قدموں کے باعث حرکت کرتے

نظر آرہے تھے۔۔پچھلی جانب سے لان کی

دیوار پھلانگنا ایک ناممکن سا کام تھا لیکن دیوار

کے ساتھ تن کر کھڑے درختوں نے اسے امید

دلائی تھی۔لان میں اس پل سناٹے کا راج تھا۔

آسمان کے روشن ہونے سے پہلے پہلے وہ مٹھی کی

حدود سے نکل جانا چاہتی تھی۔لان کی سرحدی

دیوار کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے ایک آخری

الوداعی نظر سارنگ ولا کی عمارت پر ڈالی تھی۔۔

آنکھوں میں ویرانی سی اتر آئی تھی۔ اگلے ہی پل

اس نے دیوار کے ساتھ کھڑے درختوں میں

سے قدرے لمبے درخت کی تلاش میں نظریں

گھمائیں پھر ایک درخت منتخب کرتی وہ جلدی سے

اس پر چڑھی۔۔یہ کام کمرے کی کھڑکی سے

اترنے جتنا آسان نہیں تھا۔وہ دوبار گری تھی۔

ایڑھیوں پر رگڑیں لگ چکی تھیں۔تکلیف اور

بے بسی کی شدید احساس تلے اس کی آنکھیں

سرخ پڑنے لگیں۔چوتھی کوشش میں وہ دیوار

کی بلندی تک پہنچ گئی لیکن اس بار پھر اس کا

توازن بگڑا تھا۔وہ ترچھے رخ پیچھے کی جانب گری

تھی لیکن اس سے پہلے کہ اس بار وہ بری طرح

زمین بوس ہو جاتی دو مضبوط بازوؤں نے اسے

بانہوں میں بھر لیا۔۔وہ جو شور کے ڈر سے اپنا

نچلا لب دانتوں میں دبائے ہوئے تھی اس وقت

اس اچانک امداد پر اس نے کچھ حیرت سے

مقابل کو دیکھا۔نیم اندھیرے میں اسے اپنے

سامنے دیکھ کر اسے خواب کا سا گماں ہوا تھا۔ دل

تیزی سے دھڑکا تھا۔

"آپ یہاں۔۔؟؟" اس کے لب حیرت سے

کھلے تھے۔ اس کے سوال پر لب بھینچتے ہوئے

اس نے علیشہ کو نیچے اتارا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ شمس کبھی اپنی محبوب ترین

عورت پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈال

سکتا ہے؟؟" اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ مدھم

لہجے میں بولا تو علیشہ کے لب دھیرے سے

مسکائے۔

"لیکن آپ اندر آئے کیسے۔۔؟؟" اس کا سوال

شمس کی توقع کے مطابق تھا۔

"بالکل ویسے ہی جیسے اب ہم دونوں باہر جائیں

گے۔۔!" اس کی کلائی تھام کر پلٹتا وہ سنجیدگی سے

بولا۔

"تو کیا آپ مجھے لینے کے لیے اندر آئے

ہیں۔۔؟؟" وہ اس عنایت پر ابھی تک بے یقین

سی تھی۔

"ظاہر سی بات ہے کہ میں نے یہ جرات آپ کی

خاطر ہی کی ہے۔۔!" شمس کا جواب اس کے دل

کو الگ ہی لے پر دھڑکا گیا تھا۔

"اگر آپ یہ جرات نہ کرتے تو یقیناً میری ہڈی

پسلی اب تک ٹوٹ چکی ہوتی۔۔!" علیشہ نے

دھیمی آواز میں اسے مطلع کیا تو ایک ناقابل فہم

مسکراہٹ اس کے لبوں پر رینگ گئی۔وہ اسے

لیے سارنگ ولا کی انیکسی میں داخل ہوا تھا۔۔

اندر ہی مالی بابا کی بہو ان دونوں کی منتظر تھی۔۔

"آئیں سائیں۔۔!" ان دونوں کے اندر داخل

ہوتے ہی وہ جلدی سے بولی تھی۔۔

"ادھر سے ایک چھوٹا دروازہ ہے ہم آسانی سے

باہر نکل سکتے ہیں۔۔!" شمس نے علیشہ کو بتایا۔

سارنگ ولا سے بخیریت نکل جانے کی خوشی میں

وہ اس پل یہ تک نہ سوچ سکی کہ کراچی کے ایک

گمنام استاد نے کس طرح فقط بارہ گھنٹوں میں انھی

کے ملازمین سے رابطہ کیا ہو گا۔۔؟؟ اس قدر

مضبوط رابطہ کہ نہ صرف وہ خود اندر آیا تھا بلکہ

علیشہ کو بھی مکمل اعتماد سے اپنے ساتھ لے جا رہا

تھا۔۔کیا ایک بے ضرر سے استاد کے لیے اتنے

کم وقت میں یہ کرنا ممکن تھا۔۔؟؟علیشہ کی عقل

پر جیسے پردے پڑ چکے تھے۔۔کچھ دیر بعد وہ

شمس کے ساتھ ایک عام سے ماڈل کی گاڑی میں

بیٹھی اپنے بھیانک مستقبل کی طرف بڑھتی چلی

جا رہی تھی۔

□♦□♦□♦□♦□♦

موبائل کی تیزی سے بجتی گھنٹی کے باعث ان کی

آنکھ کھل گئی تھی۔ آنکھیں مسلتے ہوئے انھوں

نے کروٹ بدلی۔ موبائل ہنوز بج رہا تھا۔ گہرا

سانس بھرتے ہوئے انھوں نے پوری آنکھیں

کھولتے ہوئے موبائل پکڑا اور کال ریسیو کر کے

فون کان سے لگالیا۔

"صبح صبح کیوں فون کر رہے ہو عالم۔۔؟" انھوں

نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔ ان کے

لہجے کی بے زاری محسوس کرتا وہ دوسری جانب

پل بھر کو خاموش ہوا تھا۔

"علیشہ کو کر رہا تھا اس کا موبائل آپ کے پاس کیا

کر رہا ہے۔؟" خود کو کمپوز کرتا وہ کافی تحمل سے

بولا تھا۔

"اس کے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے۔۔اسی لیے

اس کا موبائل میرے پاس ہے۔۔!" اب وہ

باقاعدہ اٹھ کر بیٹھ چکی تھیں۔۔ کھڑکی پر گرے

پردوں کی لکیروں سے جھانکتی روشنی دن چڑھ

جانے کا پتہ دے رہی تھی۔

"فیصلہ جاننے کے لیے ہی کال کی ہے۔۔ یا تو مجھے

فیصلہ بتادیں یا پھر علیشہ سے بات کروادیں۔۔!"

عالم کی سنجیدہ سی آواز فون کے سپیکر سے ابھری

تو وہ چوکنا ہوئیں۔ اسے جرگے کا فیصلہ بتانے کا

مطلب ایک نیا ہنگامہ کھڑا کرنے کے مترادف

تھا۔

"خون بہا میں جائیداد اور نو ملازمائیں مانگی ہیں

انھوں نے۔۔!" صندل بیگم نے دھیمی آواز میں

کہا۔

"اور علیشہ۔۔؟؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے تمھاری بات کروا دیتی

ہوں۔۔!" بیڈ سے اترتی وہ عجلت بھرے لہجے

میں بولی تھیں۔

"اور یوں کرو کہ۔۔اس کالی اور خالدہ کو یہیں

لے آؤ۔۔!"اس کا دھیان بٹانے کو انھوں نے

کافی سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں۔۔مرحہ کو کیوں۔۔؟؟"پوچھتے ہوئے

عالم کی آواز میں ناگواری در آئی۔

"ظاہر سی بات ہے اسے بھی لغاریوں کے

حوالے کروں گی۔۔۔اب اگر ساری ملازمائیں

بھایا ان کمبختوں کو دے دیں گے تو یہاں ان کی

چاکری کون کرے گا۔۔؟اس لیے میں نے بھایا

سے کہہ دیا کہ دو ملازمائیں میں حویلی سے بلوا لیتی

ہوں۔۔اب بس تم جلد از جلد ان دونوں کو

یہاں لے آؤ۔۔تمھارے بابا سے بات ہو گئی ہے

میری۔۔کہہ رہے تھے کہ تمھیں کہہ دوں

انھیں لانے کے لیے۔۔!" انھوں نے کافی

اطمینان سے اس کے سر ہر بم پھوڑا تھا۔

ان کی بات سنتے مہربان عالم شاہ کو اب اندازہ ہوا

تھا کہ رات کے دوسرے پہر اس کے باپ نے

کیوں اس کا نکاح مہر ماہ سے کروایا تھا۔ کیا وہ

اتنے ہی بے بس تھے ان کے سامنے ؟؟ یا اس

معاملے میں وہ خود صندل کے سامنے آنا ہی نہیں

چاہتے تھے۔۔؟

"مما ہم اپنے گھر کی عورتیں انھیں کیوں دیں

گے۔؟؟ ماموں سے کہیے کہ خود بندوبست

کریں۔۔ یہاں سے کوئی ملازمہ وہاں نہیں جائے

گی۔۔!" عالم کی قطعیت بھری آواز ان کی

سماعتوں میں اتری تو ان کے ماتھے پر شکنیں پڑ

گئیں۔

"ملازمائیں ہمارے گھر کی عورتیں کب سے

ہو گئیں عالم۔۔؟ دماغ ٹھیک ہے تمھارا۔۔؟ جو

منہ میں آرہا ہے بولے چلے جارہے ہو۔" اپنے

کمرے سے نکل کر علیشہ کے کمرے کی طرف

بڑھتے ہوئے انھوں نے اسے لتاڑنے والے

انداز میں جواب دیا۔ ان کے کرارے جواب پر

وہ تذبذب کا شکار ہوا تھا۔ وقار عالم شاہ نے اسے

کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا اور مقابل تفتیش کرنے

والی عورت اس کی ماں تھی جسے مرحہ سخت ناپسند

تھی۔۔

"مما وہ ہمارے ہی گھر میں جوان ہوئی ہے تو

ہمارے ہی گھر کی عورت ہے ناں۔۔ آپ ماموں

کو انکار کر دیں۔۔ مرحہ یا کوئی اور ملازمہ یہاں

سے نہیں جائے گی۔۔" عالم نے اپنی تئیں انھیں

بہتر جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

"عالم میرا دماغ خراب مت کرو تم۔۔ ساری

زندگی تمھاری ہمدردیوں کے بخار تلے وہ اپنی

بوسیدہ زندگی نہیں گزارے گی۔۔اس کے

نصیب میں چاکری ہی لکھی ہے۔۔ تمھیں جیسا

میں کہہ رہی ہوں فوراً ویسا کرو۔۔!" وہ کہاں کسی

کی سننے والے تھیں۔ سوا اپنے مخصوص سخت لہجے

میں اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا اور وہ جانتا تھا

کہ یہ حقیقت کس کے بارے میں ہے۔۔

"آپ کیوں ضد کر رہی ہیں اماں۔۔؟؟" وہ

جھنجھلایا۔ علیشہ کے کمرے کا دروازہ کھولتی

صندل بیگم کا ہاتھ رکا تھا۔ خلاف توقع دروازہ اندر

سے لاک نہیں تھا۔ ان کے چابی گھماتے ہی کھلتا

چلا گیا۔

"تم کیوں اصرار کر رہے ہو۔؟؟ کیوں کم ذات

ملازماؤں کی خاطر مجھ سے بحث کر رہے

ہو۔۔؟؟" اس کے کمرے میں داخل ہوتی وہ

خفگی سے چلائی تھیں۔

" آپ پلیز میری علیشہ سے بات کروادیں۔۔یہ

مرحہ نامہ بند کریں۔۔!" انھیں ٹالنے کو وہ

سنجیدگی سے بولا جبکہ اس کی علیشہ علیشہ کی

گردان سے چڑتی وہ کمرے میں نگاہیں دوڑا رہی

تھیں جو علیشہ کے وجود سے محروم تھا۔

"میں مرحہ نامہ بند نہیں کروں گی کیونکہ تم

خوامخواہ اس پر مہربانیاں کرتے رہتے ہو۔۔میں

اس لڑکی کو وہاں برداشت نہیں کر سکتی بس بتا

رہی ہوں۔۔یا تو خود اسے یہاں لے کر آؤ یا پھر

کسی ملازم کے ساتھ روانہ کرو۔!!" بھرم کا پردہ

چاک کرتی وہ زہر خند لہجے میں بولتی تیزی سے

واش روم کی طرف بڑھی تھیں۔ ادھ کھلا دروازہ

پورا کھول کر انھوں نے اندر جھانکا۔ وہ وہاں

بھی نہیں تھی۔ صندل بیگم کو کسی گڑبڑ کا احساس

ہوا جبکہ ان کی حالت سے بے بہرہ وہ اب کہہ رہا

تھا۔

"مرحہ نہیں آئے گی جو کرنا ہے کرلیں۔۔!"

اس کا لہجہ گستاخانہ تھا. صندل بیگم کے تو سر پہ لگتی

تلوؤں پر جا کر بجھی تھی۔۔

"کیوں نہیں آئے گی۔۔اس کی ہڈیاں بھی گل

گئیں تو بھی وہ یہاں آئے گی میں بھی دیکھتی ہوں

کون روکتا ہے مجھے۔۔!"علیشہ کے منظر سے

غائب ہونے کی پریشانی میں اپنا سر مسلتی وہ

چلائیں۔معاًان کی نگاہ کمرے کی کھلی کھڑکی پر

پڑی۔

"آپ اب کچھ نہیں کر سکتیں کیونکہ میں نے جو

کرنا تھا میں کر چکا ہوں۔۔!" اپنا ضبط کھوتا وہ

مدھم سلگتے ہوئے لہجے میں بولا تھا جبکہ سائیں

سائیں کرتے کانوں میں اترتی اس کی آواز کا

مطلب سمجھنے کی کوشش کرتی وہ پھٹی پھٹی

آنکھوں سے کھڑکی سے باہر لٹکتی رسی نماچادر کو

دیکھ رہی تھیں۔

"کک۔۔کیا مطلب۔۔؟؟" ان کے لب غیر

ارادی طور پر ہلے تھے۔وہ پل بھر کو خاموش ہوا

تھا جبکہ صندل بیگم کھڑکی کے قریب کھڑی خود

کو یقین دلانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں کہ

علیشہ کی بابت ان کے شبہات غلط ہیں۔

"بی بی۔۔ دس بجنے والے ہیں چھوٹے سائیں کہہ

رہے ہیں کہ علیشہ بی بی کو لے آئیں۔!" اپنی

پشت سے ابھرتی ملازمہ کی آواز پر وہ چونک اٹھی

تھیں۔ تبھی ان کی سماعتوں میں عالم کی بھاری

آواز اتری تھی۔

"مطلب یہ کہ۔۔می مرحہ سے نکاح کر چکا

ہوں۔۔!"بومم۔۔۔ان کے سر پر ایک ساتھ

دو بم پھوٹے تھے۔۔پل بھر کو وہ لڑکھڑا اسی

گئیں۔علیشہ بھاگ چکی تھی اور ان کالاڈلا سپوت

ان کی ناپسندیدہ ترین لڑکی سے ان کی غیر

حاضری میں نکاح کر چکا تھا۔؟؟انکشافات

اذیت ناک تھے۔

"کک۔۔۔کیا کہہ رہے ہو تم۔۔؟؟" ان کے

حلق سے چیخ نما لڑکھڑاتی آواز نکلی تھی۔

"میں نے جو کہہ دیا ہے وہ واضح ہے۔۔علیشہ سے

بات کروادیں میری۔۔!" خود پر ضبط کرتا وہ بے

تاثر لہجے میں بولا۔۔

"کہاں سے بات کروادوں بھاگ گئی ہے وہ بے

غیرت۔۔۔!" دروازے کی طرف پلٹتی وہ عجلت

میں بولیں۔ ان کی بات سنتی ملازمہ کا منہ حیرت

سے کھلا تھا جبکہ دوسری جانب عالم پل بھر کے

لیے سناٹے میں آگیا۔ تو یعنی بات یہاں تک آ

پہنچی تھی۔

"کیوں۔۔؟؟ ایسا کیوں کرے گی وہ۔۔؟؟ کیا

آپ لوگ اسے بھی خون بہا میں دینے والے

تھے۔۔؟؟"عالم کے سوال نے انھیں مزید

مشتعل کیا تھا۔

"میں بعد میں تمھاری خبر لیتی ہوں۔۔ ابھی مجھے

بھایا سے بات کرنے دو۔۔!" جلدی میں کہہ کر

انھوں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"اس بات کی خبر ملازموں کو نہ لگنے پائے خیر اس

ورنہ تجھے زندہ زمین میں گاڑھ دوں گی۔۔!"

ملازمہ کو دھمکی دیتی وہ وہاں سے نکلتی چلی گئیں۔

سارنگ ولا کے در و دیوار اس قیامت خیز خبر پر

لرز اٹھنے والے تھے۔

□♦□♦□♦□♦

"کیا۔۔؟؟ آپ۔۔ آپ کو کیا کہوں میں

سائیں۔۔؟؟اس قدر عجلت کی کیا ضرورت

تھی۔۔؟ میں کیسے اس معاملے کو سنبھالوں

گی۔۔؟؟صندل کو بتائے بغیر کیسے آپ اس کے

بیٹے کی زندگی کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔۔؟؟" مرحہ

اور عالم کے نکاح کی بابت جانتے ہی وہ حیران

پریشان ہوتی ان کے مقابل آئی تھیں۔

"صندل کے تقاضے سے ناواقف نہیں ہیں آپ

جیہ۔۔وہ مرحہ کو سارنگ کے بچاؤ کے بدلے

میں جانے والی ملازماؤں کے ساتھ بھیجنا چاہ رہی

تھی۔۔اور پھر عالم میرا بیٹا ہے اور میں اس کی

زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار رکھتا ہوں۔۔!!"

پشت پر ہاتھ باندھتے ہوئے انھوں نے سنجیدگی

سے کہا تو ناجیہ بیگم نے لب بھینچتے ہوئے ان کی

جانب دیکھا۔

"اور مرحہ۔۔؟ کیا وہ ولید کی اولاد نہیں؟؟ کیا

ولید حق نہیں رکھتا کہ وہ اپنی بیٹی کی زندگی کا فیصلہ

کرے۔۔؟؟ یہ جان لینے کے بعد بھی کہ مرحہ

ولی کی بیٹی ہے آپ کیسے ولی کی غیر موجودگی میں

اس کا نکاح عالم سے کروا سکتے ہیں۔۔؟؟" وہ ان

کی جانب تکتی سنجیدگی سے گویا ہوئیں تھیں۔

"ولید ہر طرح کا حق رکھتا ہے لیکن مرحہ کے

سرپرست بابا سرکار ہیں۔۔انھوں یہ فیصلہ کیا

ہے جسے اس نے قبول بھی کیا ہے۔۔۔!" وہ

سرے سے ان کی بات گول کر گئے تھے۔۔

"میں ولید کی بات کر رہی ہوں سائیں۔۔!" وہ

ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولیں۔

"اور میں ولید کی فکر کر رہا ہوں۔۔!" انکا لہجہ ہنوز

تھا۔

"یہ کس قسم کی فکر ہے ویسے۔۔؟؟" وہ تلخ ہوئی

تھیں۔

"آپ کو بتانا ضروری ہے۔۔؟" وہ کافی سادگی

سے پوچھ رہے تھے۔ آنکھوں میں ناجیہ بیگم کے

لیے توجہ تھی۔

"مجھ سے چھپانے میں کوئی مجبوری ہے۔۔؟" وہ

بھی انھی کے انداز میں بولی تھیں۔

"میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔۔!" وہ

نرمی سے گویا ہوئے۔

"میں پریشان ہو چکی ہوں۔۔!" وہ ٹھنڈی آہ

بھرتی آہستگی سے بولیں۔

"جیہ۔۔۔!" وقار عالم شاہ نے بے اختیار انھیں

کندھوں سے تھاما تھا۔ ناجیہ بیگم نے تاسف

بھرے انداز میں سر نفی میں ہلایا۔۔

"سائیں آپ سب غلط کر رہے ہیں۔۔ یہ جو کچھ

چل رہا ہے اس کا خمیازہ آپ سب سمیت مجھ کو

بھی بھگتنا پڑے گا۔۔!" ان کے سینے پر ہتھیلی

جماتے ہوئے وہ مدھم پریشان زدہ لہجے میں بولیں

تو انھوں نے پل بھر کو اپنے لب بھینچ لیے۔۔

"ولید اگر مرحہ کے وجود سے واقف ہو جاتا تو وہ

اسے یہاں لینے ضرور آتا۔۔ مرحہ یہاں سے

جاتی تو کیا بابا سرکار مہرماہ کا تقاضا نہ کرتے۔۔؟؟

ولید اپنی دونوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کے

ساتھ ہی رہ سکتا ہے جیہ۔۔اور اس کے ساتھ

رہنے کا حق مہرماہ ہی کو ہے۔۔رہی بات مرحہ کی

تو عالم سے اس کا نکاح کروا کر میں نے اسے سچی

خوشیاں دینے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے۔۔

مجھے یقین ہے کہ عالم مجھے مایوس نہیں کرے

گا۔۔!" انھوں نے نرم لہجے میں اپنا موقف ان پر

واضح کیا تو وہ کچھ بول نہ سکیں۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟؟ ہم یہ سب چھپا سکیں

گے۔۔؟؟ ماموں سرکار اتنے برس ولید شاہ کے

زندہ ہونے کی خبر سے انجان رہے ہیں لیکن اس

بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ ولید بھی تاعمر مرحہ

کے وجود سے ناآشنا رہے گا۔۔ اب تو آپ بھی

ولی سے ملتے ہیں، کل کو ہمارے بچے بھی اس سے

ملیں گے تو تب۔۔؟؟ تب کچھ پوشیدہ نہیں رہے

گا سائیں۔۔ یہ حقیقت طوفان لے آئے

گی۔۔!" انھوں نے کافی رنجیدہ سی آواز میں

انھیں مستقبل کی تباہ کاریوں کی بابت متنبہ کیا

تھا۔ ان کی بات پر وہ سوچ میں پڑ گئے۔ آہستگی

سے اپنے ہاتھ نیچے گرا لیے۔ ناجیہ بیگم نے انھیں

حوصلہ دینے کو ان کا ہاتھ تھاما تھا۔ وقار شاہ نے

ہارے ہوئے انداز میں ان کی جانب دیکھا۔

"ولید کو لگتا ہے کہ ماموں اس سے مہر ماہ کو چھین

لیں گے۔۔ماموں کو لگتا ہے کہ مرحہ ان کے

گناہوں کی بابت جان کر ان سے منہ پھیر لے گی

اور اب آپ۔۔ آپ کو لگتا ہے کہ ولید مرحہ کو

لے جائے گا۔۔سائیں آپ تینوں باپ بیٹے

مفروضات پر کیوں اتنی زندگانیاں برباد کر رہے

ہیں۔۔؟؟ ماموں اپنے کیے پر شرمندہ ہیں۔۔ ہو

سکتا ہے کہ وہ مہرماہ کا تقاضا نہ کریں۔۔ یہ بھی

ہو سکتا تھا کہ ولی مرحہ کی بابت جان لینے کے بعد

اپنی خوشی سے اسے عالم کے نکاح میں دے

دیتا۔۔ لیکن آپ تینوں اپنے اپنے خوف کے

دائرے میں جکڑے ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے

عجیب فیصلے کیے جا رہے ہیں۔۔ جو میری سمجھ سے

باہر ہیں۔۔!" انھوں نے کافی مدھم لہجے میں

انھیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔وہ حقیقتاً سوچ

میں پڑ گئے۔

"آپ کے پاس کوئی حل ہے تو مجھے بتا

دیں۔۔۔!"وہ کچھ سوچ کر بولے تھے۔ان کی

بات پر ناجیہ بیگم کی آنکھیں پل بھر کو چمکی

تھیں۔۔

"غصہ مت کیجئے گا سائیں لیکن۔۔اگر آپ

منصب کے لیے مہر ماہ کا ہاتھ مانگ لیں تو۔۔!"

ان کا چہرہ دیکھ کر بات کرتی وہ رکی تھیں۔وقار

عالم شاہ کے چہرے کے تاثرات پل میں سرد

ہوئے تھے۔

"جیہ۔۔ ایسا سوچیے بھی مت۔۔ آپ کا آوارہ

سپوت کسی بھی طرح اس بچی کے قابل نہیں

ہے۔۔!" ان سے اپنا ہاتھ چھڑواتے وہ سرد مہری

سے گویا ہوئے تو ناجیہ بیگم کی آنکھیں ماند پڑ

گئیں۔۔

"اگر ولید بخوشی ہاں کر دے تو مہر ماہ اس حویلی

میں آجائے گی سائیں۔۔ آپ ایک بار سوچ کر تو

دیکھیں۔۔اس طرح ولید کا خود کو پوشیدہ رکھنے کا

جواز خود بخود ختم ہو جائے گا۔۔اور وہ اپنی حقیقی

بیٹی سے بھی مل لے گا۔۔مہرماہ کی خاطر شاید

ماموں سرکار زہرہ کو بھی قبول کر لیں اور ہمارا

خاندان پھر سے جڑ جائے گا۔۔!"ناجیہ بیگم نے

پھر سے اپنی کوشش دہرائی تھی۔

"خاندان کو جوڑنے کی خاطر میں اس بچی کی

زندگی تباہ کر دوں۔۔؟؟" پوچھتے ہوئے ان کا لہجہ

بلند ہوا تھا۔۔

"اللہ نہ کرے۔۔ ایسا کیوں ہو گا۔ منصب اپنے

کیے پر شرمندہ ہے۔!" وہ فوراً بولی تھیں۔

"سارے ڈرامے ہیں آپ کے سپوت کے۔۔

اس بدبخت کی رگ رگ سے واقف ہوں

میں۔۔اس کے یہ دکھاوے ہمارے کسی کام کے

نہیں۔۔آپ یہ سوچ ذہن سے نکال دیں اور

میں دوبارہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا یہ

ذہن نشین کر لیں آپ۔۔" وہ بڑی سختی سے

انھیں جھڑک چکے تھے۔

"آپ مرحہ کی رخصتی کی تیاری کریں۔۔میں

بہت جلد اپنے احباب کو اس نکاح کی اطلاع دوں

گا۔۔!" سنجیدگی سے کہتے وہ وہاں سے نکلنے کو

دروازے کی طرف بڑھے تھے۔

"سائیں۔۔ منصب، عالم سے بڑا ہے۔۔ پہلا حق

اس کا ہے۔۔!" سرعت سے ان کے سامنے آتی

وہ احتجاجاً گویا ہوئیں۔

"اس ناخلف کی شادی میری سرپرستی میں ہرگز

نہیں ہو سکتی۔۔ آپ خود اس کے لیے کچھ سوچ

لیں۔۔!" ان کا لہجہ سخت اور انداز بے لچک تھا۔

ناجیہ بیگم کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میری ماںتا کو مت آزمائیں۔۔ کچھ تو خیال

کریں۔۔!" ان کے سامنے ہاتھ جوڑتی وہ بھرائی

ہوئی آواز میں بولیں تو وقار عالم شاہ نے کافی ضبط

سے ان کی جانب دیکھا۔

"اپنے آنسوؤں سے کمزور کرنا چاہتی ہیں۔۔؟؟"

ان کا سوال سلگتا ہوا تھا۔۔

"نہیں۔۔ آپ کا دل نرم کرنا چاہتی ہوں۔۔!!"

ناجیہ بیگم کا وار کاری تھا۔ وہ لب بھینچ گئے۔۔

"آپ کے پاس ایک ماہ ہے۔۔اس کے لیے

برادری میں کوئی لڑکی ڈھونڈلیں۔۔مرحہ کی

رخصتی منصب کی بارات سے اگلے دن ہو گی۔۔

اس سے زیادہ نرمی کی توقع، مجھ سے مت رکھیے

گا جیہ۔۔!" سنجیدگی سے کہتے ہوئے انھوں نے

ناجیہ بیگم کے گال پر پھسلتا آنسو صاف کیا تھا۔

پر نظروں کا رخ پھیرتے وہاں سے نکلتے چلے

گئے۔۔۔وہ ٹھنڈی آہ بھرتی خیر کی دعا مانگ رہی

تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

سفید مہران سیاہ تارکول پر اپنی تیز رفتار سے چلتی

چلی جا رہی تھی۔۔وہ آنکھیں موندے پر سکون

سی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ دونوں

کورٹ سے ہی واپس جا رہے تھے۔۔

کہاں۔۔۔؟؟اس بات سے صرف گاڑی چلانے

والا وہ شخص ہی واقف تھا۔ وہ لمحات جن میں

اس نے نکاح نامے پر دستخط کیے تھے علیشہ کو

حسین ترین محسوس ہوئے تھے۔ اس شخص کے

ساتھ نام جڑتے ہی دل الگ ہی لے پر دھڑکا تھا۔

بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ بدر لغاری جیسے

سفاک مرد سے بچ کر وہ شمس کی پناہوں میں آ

چکی تھی بھلا اس احساس سے بڑھ کر بھی کوئی

احساس خوبصورت ہو سکتا تھا۔؟؟ سوچتے ہوئے

وہ دھیرے سے مسکرائی تبھی گاڑی ایک جھٹکے

سے رکی تھی۔علیشہ نے آنکھیں کھول کر گردن

موڑی۔ سوالیہ نظروں سے شمس کی جانب دیکھا

تھا۔۔ وہ سیٹ بیلٹ کھول کر گاڑی سے اتر رہا

تھا۔علیشہ کی آنکھوں میں حیرت در آئی تبھی کسی

نے اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا۔ وہ ایک

باوردی گارڈ تھا۔

"میم آپ پلیز باہر آجائیں۔۔!" وہ کافی ادب

سے بولا تھا۔ شمس کی جانب دیکھتی وہ گاڑی سے

اتر گئی جو دس سے پندرہ قدموں کے فاصلے پر

کھڑی بلیک مرسڈیز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس

کے گاڑی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ڈرائیور

ڈرائیونگ سے اتر کر اس کے لیے دروازہ کھول

چکا تھا۔ وہ بنا پلٹے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ علیشہ

سرعت سے اس کے پیچھے لپکی دل انجانے سے

خوف تلے بے قابو ہوا تھا۔

"میم آپ یہاں آجائیں۔۔!" مرسڈیز کی فرنٹ

سیٹ کا دروازہ کھولے ایک دوسرا گارڈ اس کا

منتظر تھا۔علیشہ کو کچھ حوصلہ ہوا لیکن شمس کے

لیے یہ پروٹوکول اسے کچھ ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

سڑک کے اطراف میں اُگی جھاڑیوں کو دیکھتی وہ

فرنٹ سیٹ پر آبیٹھی۔اس کے بیٹھتے ہی شمس

نے گاڑی آگے بڑھادی۔علیشہ نے فرنٹ مرر

سے گاڑی کے پیچھے تیزی سے آتی دوعدد جیپس

کی جانب دیکھا جن میں اس کے گارڈز سوار

تھے۔علیشہ کے لبوں پر سوال مچلنے لگے۔۔

"کیا یہ آپ کی اپنی گاڑی ہے۔۔؟" وہ پوچھے بغیر

نہ رہ سکی۔۔

"کوئی شک ہے۔۔؟" شمس کا جواب عام ہی سہی

لیکن لہجہ عام نہیں تھا۔۔

"نہیں بس ویسے ہی حیرت ہو رہی ہے۔۔!"

کندھے اچکاتے ہوئے اس نے کافی سادگی سے

کہا۔

"حیرت وہ لازوال احساس ہے جو اب تمھیں ہر

قدم پر محسوس ہونے والا ہے۔۔!"

اس نے بے تاثر لہجے میں کہا تو علیشہ کی آنکھیں

اپنے سائز سے کچھ بڑی ہوئی تھیں۔ وہ کافی

جلدی آپ سے تم پر آیا تھا۔

"اب ایسی باتیں تو مت کریں۔۔ مجھے آپ پر

اس گھمنڈی شخص کا گمان ہو رہا ہے۔" اس نے

غیر سنجیدگی سے کہا تو گاڑی چلاتے شمس کی

سنہری آنکھوں میں سیاہی سی پھیل گئی۔

" گھمنڈ تو تم میں بھی ہے۔۔؟ کیا میں تم پر بھی

کسی ایسی عورت کا گمان کروں جو مجھے زہر لگتی

ہے۔۔؟" شمس نے کافی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔۔

"آپ کو کوئی عورت کیوں زہر لگتی ہے۔۔؟؟"

علیشہ نے بے ساختگی میں پوچھا۔

"اس سوال کو مت ابھارو علیشہ۔۔جواب دوں

گا تو تمھیں میں بھی زہر لگوں گا۔۔!!" شمس نے

اسی لہجے میں اسے جواب دیا تو حیران ہوتی وہ

مسکائی۔

"آپ کبھی مجھے زہر نہیں لگ سکتے۔۔!"علیشہ

نے مکمل اعتماد سے کہا تو شمس نے اس بار اس کی

جانب دیکھا۔

"اگر لگنے لگا تو۔۔؟؟" اس کا لہجہ سرد تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔۔!" اس نے نفی میں سر

ہلایا۔

"اگر ہو گیا تو۔؟؟" وہ جیسے چیلنج کر رہا تھا۔

اس کے سوال پر علیشہ کے لب پل بھر کو سمٹے

تھے۔ پھر جب وہ بولی تو اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

"تو میں خود کو جان سے مار ڈالوں گی۔۔!" اس کی

جانب تکتی وہ مکمل سنجیدگی سے بولی تھی۔ اس

کے جواب پر وہ چونک اٹھا۔یوں جیسے اسے علیشہ

سے اس جواب کی توقع نہ تھی۔

"مجھے لگا آپ خود کو مارنے کی بجائے مجھے مارنا

بہتر خیال کریں گی۔۔!" چہرے کا رخ واپس

سامنے سڑک کی طرف موڑتے ہوئے وہ بے

تاثر لہجے میں بولا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔لب

دھیرے سے مسکرائے تھے۔

"آپ سمجھے نہیں۔۔دراصل میرا مقصد آپ

کو مارنا ہی ہو گا۔۔!"علیشہ نے ذو معنی انداز میں

کہا تو وہ کچھ حیران ہوا۔پھر جیسے اس کی نادانی پر

دھیرے سے ہنسا تھا۔اس کی گاڑی لطیف آباد کی

حدود میں داخل ہو چکی تھی۔۔مزید دو سے تین

منٹ بعد گاڑی ایک بڑے سے پھاٹک کے

سامنے رکی تھی۔اس کے ہارن دینے پر پھاٹک

منٹوں میں کھول دیا گیا تھا نیتجتاً وہ گاڑی اندر لے

آیا۔ علیشہ خاموش نگاہوں سے سفید پتھریلی

روش کے اطراف میں اگی جھاڑی نما گھاس کی

جانب دیکھ رہی تھی۔ تبھی اس کی نظر بالکل

سامنے پڑی تھی۔ لوہے کی بلند و بالا گرل تھی جو

آج دونوں طرف سے کھلی ہوئی تھی۔ علیشہ کو

شدت سے احساس ہوا کہ وہ پہلے بھی یہاں آچکی

ہے۔۔بے چین ہوتی وہ ٹیک چھوڑ کر سیدھی

ہوئی تھی۔آنکھوں کی پتلیاں پھیلتی چلی گئیں۔

گرل قریب سے قریب تر ہوتی چلی جارہی تھی۔

علیشہ نے سرعت سے اس کا بازو تھاما۔

"یہ۔۔یہ آپ کہاں لے آئے ہیں مجھے۔۔؟؟"

پوچھتے ہوئے اس کا لہجہ بلند ہو گیا۔اس کی نازک

انگلیوں کی لرزتی گرفت سے وہ بخوبی اس کی

اندرونی کیفیت کا پتہ لگا سکتا تھا۔اس کا سوال نظر

انداز کرتا وہ گاڑی گرل کی حدود سے اندر لے

آیا۔علیشہ کے دل کی حالت غیر ہونے لگی۔

"بتاتے کیوں نہیں ہیں آپ۔۔یہ کہاں لے

آئے ہیں مجھے۔۔۔؟؟"اس نے جیسے ہی گاڑی

روکی وہ اس پر چیخی تھی۔شمس سیٹ بیلٹ کھول

کر گاڑی سے باہر نکل گیا۔علیشہ بھی تیزی سے

باہر نکلی تھی۔گھوم کر ایک بار آس پاس دیکھا

تھا۔شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں بچی تھی۔

"یہاں کیوں لائے ہیں آپ مجھے۔۔؟؟

وا۔۔واپس چلیے پلیز۔۔یہاں سے چلیے مجھے

یہاں نہیں آنا تھا۔۔!!" اس کے سامنے آتی وہ

جلدی سے بولی۔ بھوری آنکھیں بڑی تیزی سے

آس پاس کا جائزہ لے رہی تھیں۔۔

"کیوں۔۔؟واپس کیوں۔۔؟؟" وہ انجان بنا تھا۔

علیشہ کا دل بیٹھنے لگا۔۔

"کیونکہ یہ سردار بدر لغاری کا فارم ہاؤس

ہے۔۔۔ آپ۔۔؟؟ آپ کیوں آئے ہیں

یہاں۔۔؟؟" وہ پاگل ہوتی اس پر چیخی تھی۔۔

"آ۔۔ آپ رہیں یہیں لیکن میں جا رہی

ہوں۔۔!!" اسے وہیں جماد یکھ کر وہ سرعت سے

پلٹی تھی۔ گھومنے پر اسے سامنے ہی گرل کے اس

پار ایک بڑے سے پنجرے میں دو تین چیتے چلتے

پھرتے نظر آئے تھے۔ اس کا دل ڈوب سا گیا۔

آج گیٹ پر چوکیدار موجود تھے۔ وہ گرل کی

طرف بڑھتی وہاں سے دور ہو جانے کو تھی جب

اس کے پیچھے قدم بڑھاتے اس شخص نے اس کی

کلائی تھام لی۔ گرفت اتنی ہی جارحانہ تھی جتنی

بدر لغاری کی ہوا کرتی تھی۔ بنا پلٹے اسے یقین ہو

چکا تھا کہ اس کی کلائی جکڑنے والا ہاتھ سردار بدر

لغاری کا ہے لیکن جب وہ اس جانب پلٹی تو مقابل

شمس کو پایا تھا. اس کا دل ڈوب سا گیا۔

"اب سے تم ہمیشہ یہیں رہو گی علیشہ۔۔۔!" اس

کی آنکھوں میں دیکھتا وہ سرد ترین لہجے میں بولا

تو علیشہ کے وجود میں دوڑتا خون سرد ہونے لگا۔

اسے ایک ہی دن میں مقابل کھڑے شخص پر

دوسری مرتبہ بدر لغاری کا گمان ہو رہا تھا۔ ایسا ہو

رہا تھا کیونکہ بدر چاہتا تھا وگرنہ آج سے پہلے کبھی

اسے ایسا شک نہیں ہوا تھا۔

"نہیں۔۔ میں یہاں کیوں رہوں گی۔۔۔؟؟

میرا نکاح آپ سے ہوا ہے میں آپ کے ساتھ

آپ کے گھر رہوں گی۔۔"اس کی گرفت سے

اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش کرتی وہ اپنا اعتماد

بحال کرتے ہوئے سر بلند کر کے بولی۔۔

"میں تمھیں کسی غیر کی زمین پر نہیں لایا

ہوں۔۔یہ زمین میری ہے۔۔یہ عمارت یہ

ملازم۔۔اور تم۔۔تم سمیت۔۔اس فارم ہاؤس

اور اس میں موجود ہر ذی نفس میری ملکیت

ہے۔۔!"اس کی جانب دیکھتا وہ جس انداز میں

بولا تھا وہ انداز شمس کا نہیں تھا۔ اس کے لہجے کا

شدید اور فوری بدلاؤ علیشہ کے دل کی دھڑکنیں

منتشر کر گیا تھا۔ وہ لب ولہجہ۔۔ وہ انداز وہ

غرور۔۔ وہ سب کچھ بدر لغاری ہی کا تھا۔ اسے

اپنے ساتھ لیے وہ اندر کی جانب بڑھا تھا۔ وہ

غائب دماغی سے اس کے پیچھے چلتی چلی گئی۔ کلائی

چھڑوانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن ناکام۔۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ اس کمرے میں موجود تھی

جہاں اس رات چیتے سے زخمی ہونے کے بعد بدر

اسے لے کر آیا تھا۔

"یہ فارم ہاؤس بدر لغاری کا ہے۔۔!" امید پر

بامشکل زندہ، وہ اسے جتانے والے انداز میں

بولی تھی۔ اس کی بات سنتا وہ اس پل لاپرواہ نظر

آرہا تھا۔

"آؤ میرے ساتھ۔۔۔ آج تمھیں خود سے

ملواتا ہوں۔۔!"اس کی کلائی ایک بار پھر اسی

انداز میں تھام کر اسے اٹیچ باتھ روم کی طرف

لے جاتا وہ اطمینان سے بولا۔علیشہ کا دل انجانے

خطرے کے خوف سے بیٹھتا چلا جا رہا تھا۔یوں

لگ رہا تھا جیسے ابھی وہ سفاک مرد کہیں کسی

کمرے، کسی دیوار کے پیچھے سے نکل کر اس کے

سامنے آ کھڑا ہو گا۔

"آپ کیا چھپا رہے ہیں۔۔میں بکواس کر رہی

ہوں ناں کہ یہ فارم ہاؤس بدر کا ہے۔۔!" واش

روم کی نفاست اور کشادگی سے نظریں چراتی وہ

اس پر برہم ہوئی تھی۔اس کے سوال پر وہ اس

کی جانب گھوما۔علیشہ کی جانب دیکھتے ہوئے وہ

اپنی شرٹ کے بٹن کھولنے لگا۔۔

"میں نے تم سے کبھی کچھ چھپایا بھی ہے۔؟؟ اور

آج کے دن تو بالکل بھی نہیں۔۔ نکاح نامے پر

سائن کرنے سے پہلے تمھیں کم از کم میرا پورا نام

تو پڑھ لینا چاہئیے تھا۔!" اس کی جانب دیکھتا وہ بے

تاثر لہجے میں بول رہا تھا۔ شرٹ کے بٹنز کھول کر

وہ شرٹ اتار چکا تھا۔علیشہ جو اس کی اس بے باکی

پر نظریں جھکا لینا چاہتی تھی۔۔اس کے وجود کی

صاف رنگت پر چونکی تھی۔چہرے اور کشادہ

سینے کی رنگت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔یہی

حال کلائیوں سے آگے کے ہاتھوں اور بازوؤں کا

تھا۔ جب اس نے اپنے بالائی لب سے مونچھیں

اتار کر ایک جانب پھینکیں تو علیشہ کو اپنا دل بند

ہوتا محسوس ہوا۔ آنکھیں پھیل سی گئیں۔ گھنی

مونچھوں تلے چھپے رہنا والا بالائی لب اب اس

کے سامنے تھا۔ اس کے لیے اپنی بصیرت پر

یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی

دیکھتے مقابل نے اپنی جاء لائن کے اوپر سی سلونی

سی جلد نما نقلی داڑھی اتاری تھی۔ ایسا کرنے

سے شمس کا چہرہ قدرے پتلا ہو کر اب ایک مکمل

جاءلائن کے ساتھ بدر لغاری کا چہرہ لگ رہا تھا۔

علیشہ کا سر نفی میں ہلا تھا۔۔

"آ۔۔آپ۔۔ایسا نہیں کر سکتے۔۔آپ شمس

ہیں۔۔!" اس کی جانب دیکھتی وہ کمزور سی آواز

میں بولی۔اپنی آنکھوں کے لینز اتار کر اس نے

پپوٹوں کے پاس سے ایک ہلکی سی سخت جلد کی

تہہ اتاری تھی۔ شمس کی چھوٹی آنکھیں اب بڑی

ہو کر بدر کی آنکھوں میں بدل چکی تھیں۔ اس پر

مستزاد آنکھوں کی رنگت۔۔ علیشہ کو اپنا دماغ

سائیں سائیں ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے

زلزلوں کی زد میں دھکیل کر وہ خود شاور کے نیچے

جا کھڑا ہوا۔ پانی آن ہوتے ہی اس کے چہرے

کے مختلف رنگ دھلتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ اس کی

ناک پر چڑھی نقلی جلد بھی اتر گئی تھی جس نے

اس کی ناک کو قدرے موٹا کر رکھا تھا۔ شاور کے

پانی تلے بھیگتا وہ شخص آہستہ آہستہ اس پر بدر

لغاری کا اصلی چہرہ واضح کر رہا تھا۔ وہ بے جان سی

ہوتی وہیں بیٹھتی چلی گئی۔۔ مقابل کی سیاہ

آنکھوں میں ایک سرد مسکان تھی۔

"کیا مجھے اب بھی کسی تعارف کی ضرورت

ہے۔۔؟؟" اپنے بالوں کو چھیڑتا وہ اطمینان سے

پوچھ رہا تھا۔ بالوں پر چڑھا سیاہ رنگ پانی کے سنگ

بہتا چلا جا رہا تھا۔ اگر علیشہ کی جگہ کوئی اور لڑکی

ہوتی تو اس پل بدر لغاری کو یوں اپنے سامنے دیکھ

کر اپنا آپ کھو بیٹھتی لیکن وہ تو اس انکشاف پر

دنگ سی بیٹھی ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی

تھی۔ اسے اب یاد آیا تھا کہ شمس کے سگنیچرز

اتنے لمبے کیوں تھے۔۔؟؟ وہ شمس نہیں تھا۔۔

کبھی نہیں تھا۔ وہ سردار شمس البدر لغاری تھا۔

اس کی بھوری آنکھیں بہت تیزی سے بھیگتی چلی

گئیں۔۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔!" وہ حلق کے بل چیخی

تھی۔ آواز رندھ گئی۔ اس کی اذیت سے بے

بہرہ وہ اب لب بھینچے شاور کے نیچے کھڑا بھیگ رہا

تھا۔شاید اپنے اعصاب پر سکون کرنے کی

کوشش کر رہا تھا۔کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً

اپنے مقابل اس لڑکی کے پرخچے اڑا چکا ہوتا۔۔

□♦□♦□♦□♦

سرسبز وشاداب درختوں سے مزین یہ آغا

علی یونیورسٹی کے مین کیمپس کا منظر تھا جہاں ہر

اوڑھ افرا تفری کا عالم تھا۔ سیمسٹر کا آغاز تھا

جس کے باعث نیو کمرز بوکھلائے بوکھلائے نظر

آرہے تھے اور وجہ یقیناً بے وقوف بنائے جانے کا

خوف تھا۔۔ ایسے میں ہولے ہولے چلتی نرم ہوا

کے میٹھے جھونکوں سے لطف اندوز ہوتے سینئرز

نئے آنے والوں کی حالت سے حظ اٹھاتے خوب

مزے لوٹ رہے تھے۔۔ وہاں آنے والے ہر نیو

کمر کی طرح اسے بھی کلاس تک پہنچنے میں کسی

مشکل کے پیش آنے کی توقع تھی۔ کندھے پر

بیگ ڈالے، کندھوں سے پھسلتا دوپٹہ واپس سر

پر لیتے ہوئے مہرماہ یونیورسٹی کے گیٹ کے

قریب ہی کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔۔ یقینی طور پر

وہ آگے بڑھنے سے گریزاں تھی۔ اسکے چہرے

پر اڑتی ہوائیاں چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ

آج اس کا یونیورسٹی میں پہلا دن ہے۔۔وہ دس

پندرہ منٹ یونہی کھڑی رہی لیکن آگے تو بڑھنا

ہی تھا،وہ ابھی وہاں سے ہلنے کا سوچ ہی رہی تھی

کہ اچانک ایک لڑکا اس کے سامنے آ گیا۔۔وہ

حقیقتاً بوکھلائی تھی۔۔"مجھے آپ کی کوئی مدد نہیں

چاہیئے۔۔۔!"شہادت کی انگلی اٹھا کر اسکے بولنے

سے پہلے ہی وہ تنبیہی انداز میں بول اٹھی۔

آنکھوں میں خوف اور چہرے پر گھبراہٹ کے

آثار نمایاں تھے۔۔اس کے انداز پر سبحانی کے

پریشان چہرے پر پل بھر کو مسکراہٹ نمودار ہو

کر غائب ہو گئی۔۔ "لیکن مجھے تو

آپ کی ہیلپ چاہیئے ناں۔۔!" ایک نظر

تھوڑے فاصلے پر لڑکیوں اور لڑکوں کے گروپ

پر ڈال کر وہ سادگی سے بولا۔ ایک غیر متوقع

صورتحال پر وہ چونکی۔۔ "کیا مطلب۔۔؟"

پلکیں جھپکا کر پوچھتی وہ ہراساں لگ رہی تھی۔۔

"مطلب یہ کہ آپ کی طرح آج میرا بھی یہاں

فرسٹ ڈے ہے اور مجھے اس گروپ نے ڈئیر دیا

ہے کہ گروپ کی لیڈر کے لیے آپ سے یہ بلیک

واچ لے کر آؤں۔۔۔ اگر میں نے یہ ڈیئر پورا نہ

کیا تو وہ لوگ میرا لیپ ٹاپ مجھے واپس نہیں

کریں گے۔۔!"لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ

اس کی کلائی میں چمکتی بلیک واچ کی طرف انگلی

سے اشارہ کرتا، بے چارگی سے بولا۔۔ اداکاری

عروج پر تھی۔ مہرماہ نے کچھ مشکوک نگاہوں

سے اس کی طرف دیکھا۔ "پلیز ہیلپ

می۔۔۔!" اسے اپنی جانب مشکوک نگاہوں سے

تکتا پا کر وہ پھر سے بولا تھا۔۔ "اور آپ کو کیوں

لگتا ہے کہ میں آپکی ہیلپ کروں گی۔۔؟؟" اس

کو مشکل میں دیکھ کر وہ کچھ سنبھل کر بولی۔۔اس

کا کمزور اعتماد قدرے بحال ہوا تھا۔

"کیونکہ پھر میں بھی آپ کی ہیلپ کروں گا

ناں۔۔!" وہ مسکرا کر بولا۔۔

"لیکن میں نے کہا تو ہے کہ مجھے آپ کی کوئی

ہیلپ نہیں چاہئیے۔۔!" اس نے تیزی سے

کہا۔۔

"ارے ایسے کیسے نہیں چاہئیے۔۔۔ کیا آپ کو بنا

وقت ضائع کیے اپنے ڈیپارٹمنٹ تک نہیں

جانا۔۔؟؟؟جانا ہے ناں۔۔؟؟"قدرے دھیمے

لہجے میں وہ فر فر بول رہا تھا۔

"ہاں جانا تو ہے لیکن۔۔"وہ گڑبڑائی۔۔اسے

سمجھ نہ آئی کہ کرے تو کرے کیا۔۔

"تو بس پھر۔۔میں اس یونیورسٹی کا چپہ چپہ چھان

چکا ہوں۔۔ آپ مجھے بتا دیں کہ آپ کو کس

ڈیپارٹمنٹ تک جانا ہے میں یہاں پچھلے راستے

سے آپ کو لے جاتا ہوں بس بدلے میں آپ

مجھے یہ گھڑی دے دیں۔۔!" سنجیدہ سی شکل

بناتے ہوئے وہ قدرے معاون انداز اپنائے گویا

ہوا تھا۔ اس بار وہ حقیقتاً سوچ میں پڑ گئی۔ اسے

ناجیہ بیگم کا محبت بھرا انداز یاد آیا تھا۔

"سوچ کیا رہی ہیں پلیز جلدی کریں۔۔میں نے

بھی اپنی کلاس لینی ہے۔۔!"

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ اگر آج آپ کا بھی

فرسٹ ڈے ہے تو آپ یونیورسٹی کے چپے چپے

سے کیسے آگاہ ہیں۔۔!" بھنویں اچکاتی وہ کھوج

لگانے والے انداز میں بولی۔۔ سجانی کو ماننا پڑا کہ

وہ صرف دکھنے کی حد تک ہی معصوم ہے۔۔

"توبہ کتنی شکی ہیں آپ۔۔۔ محترمہ میرے

دونوں بڑے بھائی اس یونی کے ٹاپرز ہیں اور میں

آج سے پہلے لاتعداد مرتبہ یہاں آچکا

ہوں۔۔بس اسی لیے۔۔اب چلیں۔۔۔؟؟؟"

دانت پیس کر بڑی صفائی سے جھوٹ بولتا وہ

جھنجھلانے کی بہترین اداکاری کر گیا۔۔ اس

تفصیل پر مہرماہ کو کافی حد تک یقین آ گیا تھا۔

"یا اللہ کہاں پھنس گیا میں۔۔" آسمان کی جانب

دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔ وہ اس کی بڑبڑاہٹ نظر

انداز کرتی اسے ڈیپارٹمنٹ بتانے لگی۔

"یہاں سے آیئے۔۔!" اسے ساتھ لیے وہ

پارکنگ ایریا کی سائیڈ سے گزرنے لگا۔۔وہ بھی

دل ہی دل میں خیریت سے ڈیپارٹمنٹ پہنچنے کی

دعائیں کرتی اس کے پیچھے چلنے لگی۔۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں

ہمیں کم از کم ایک دوسرے کا نام تو پتہ ہونا

چاہیئے۔۔!" اسکی طرف پلٹتے ہوئے وہ خوش

اخلاقی سے گویا ہوا۔

"میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔۔!"

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ سر جھکائے چلتی

بے دلی سے بولی۔۔

"ہو سکتا ہے کہ فیوچر میں آپ سب سے زیادہ

اسی کی ضرورت محسوس کریں اس لیے میں بتا

دیتا ہوں۔۔میرا نام سجانی ہے۔۔اور۔۔میں

سکھر سے انٹرمیڈیٹ کے بعد سیدھا یہاں آیا

ہوں۔۔!" دانت نکوستے ہوئے وہ بڑی بے تکلفی

سے گویا ہوا۔۔وہ لب بھینچے اس کی باتوں کو ایک

کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتی چلتی

جا رہی تھی۔

"ویسے تو میں بہت انٹیلیجنٹ اور ہینڈسم ہوں

لیکن میرے دونوں بھائی مجھ سے بہت آگے

ہیں۔۔ان دونوں نے بھی اپنی یونی لائف بڑی

شرافت سے گزاری ہے اور کبھی کسی لڑکی کو یوں

تنگ نہیں کیا جیسے یہ سینئرز کرتے ہیں۔۔!" وہ

لڑکیوں کی طرح کبھی منہ بسورتا تو کبھی ہاتھ

بالوں میں چلاتا پٹر پٹر بولتا چلا جا رہا تھا۔۔

"اور پتہ ہے میرے شاہو بھائی تو بہت اچھے باکسر

بھی ہیں اور مون بھائی کی تو کیا ہی بات ہے وہ

پورے۔۔۔"اس کی تیزی سے چلتی زبان سے

عاجز آتی وہ بول پڑی۔۔

"فار گاڈ سیک سجانی۔۔ اپنا بھائی نامہ بند کرو مجھے

یہ سب سننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔!"

باقاعدہ ہاتھ جوڑے وہ چڑ کر بولی تھی۔۔ لیکن وہ

برا ماننے کی بجائے ڈھٹائی سے ہنس دیا۔۔

"لو دیکھو۔۔۔پڑ گئی ناں ضرورت۔۔لے لیا ناں

میرا نام۔۔۔!" وہ ہنستے ہوئے بولا تو نا چاہتے

ہوئے بھی وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔۔عجیب

انسان تھا الٹی سیدھی باتیں کر کے اسے اپنا نام

لینے پر مجبور کر ہی دیا تھا۔۔

"اور کتنی دور ہے۔۔؟؟" سجانی کی جانب دیکھتے

ہوئے اس نے آہستگی سے پوچھا۔۔

"بس آگیا۔۔!" وہ اسے ایک الگ تھلگ بلڈنگ

میں لے کر گھس گیا جہاں اس وقت کوئی بھی

نہیں تھا۔

"یہ بالکل سامنے۔۔۔" سجانی نے ہاتھ سے

سامنے اشارہ کیا جہاں کافی بڑا دروازہ بند تھا۔۔

یقیناً کوئی ہال روم تھا۔۔

"اس ہال روم کو کراس کر کے اس کے دوسرے

دروازے سے باہر نکلیں گی ناں آپ تو آپ کے

ڈیپارٹمنٹ کا گراؤنڈ شروع ہو جائے گا۔۔بس

اس سے آگے آپ کی منزل ہے۔۔!"نرمی سے

مسکراتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"تھینکیو۔۔!"مروتاً مسکرا کر مہرماہ نے بھی

جواب دیا۔۔۔

"نیڈڈ ناٹ۔۔اب یہ واچ دے دیں پلیز۔۔!"

وہ عجلت بھرے انداز میں بولا تو ایک نظر اپنی

کلائی پر ڈال کر اس نے دوسرے ہی پل گھڑی

اتار کر اسے دے دی۔۔ دل کو کچھ ہوا تھا لیکن

وہ خود کو سمجھا چکی تھی کہ ناجیہ بیگم اس کے لیے

اتنی اہم نہیں ہیں۔۔ جبکہ گھڑی تھام کر اسے

تھینکیو کہتا وہ وہاں سے پلٹ گیا تو وہ خود بھی

سکون کا سانس لیتی اس ہال روم کی جانب

بڑھی۔۔ دروازہ کھول کر اس نے اندر جھانکا

جہاں گھپ اندھیرا تھا۔ پلکیں جھپکاتے ہوئے

اس نے اس اندھیرے میں دوسرا دروازہ تلاشنے

کی کوشش کی لیکن ناکام۔۔اس سے پہلے کہ وہ

پلٹتی کسی نے اسے اندر دھکا دیا تھا اور دھڑام سے

دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔۔اس کا دل اچھل

کر حلق میں آ گیا۔۔جوتوں کے نیچے کر کتی مٹی

بتا رہی تھی کہ وہاں سالوں سے کسی کا آنا جانا نہیں

ہے۔۔

"ہے ای مس یونیورس۔۔انجوائے دی وائسز

آف ریٹس اینڈ والز۔۔۔!"قہقہہ لگاتے کچھ

سٹوڈنٹس باہر سے بولے تھے جن میں یقیناً

سبحانی کی آواز بھی شامل تھی۔۔اس نے تیزی

سے آگے بڑھ کر دروازہ بجایا۔۔

"سبحانی۔۔۔ سبحانی یہ تم ہو۔۔۔ دروازہ کھولو

پلیز۔۔۔ سبحانی۔۔۔۔!" آنکھوں میں تیزی سے

بھرتے آنسوؤں کو حلق میں انڈیلتی وہ چیخی

تھی۔۔

"بے بی ڈول تھوڑی دیر اس ڈیئر کو انجوائے کرو

پھر ملاقات ہوتی ہے۔۔!" خباثت سے بولتا وہ

سبحانی ہی تھا۔۔ کمرے میں کیڑے مکوڑوں اور

چوہوں کی عجیب وغریب سی آوازیں گونج رہی

تھیں۔۔اس کا سانس خشک ہونے لگا۔۔

"میں نے تمھیں واچ دے دی تھی پھر کس بات

کا ڈئیر۔۔مجھے نکالو یہاں سے۔۔!" دروازہ بجاتی

وہ چیخی۔۔قدموں کی آہٹ دور ہوتی جارہی

تھی۔۔

"چل آجا سجانی۔۔!"شاید کسی نے سجانی کو پکارا

تھا۔۔تو یعنی وہ سب وہاں پہلے سے موجود

تھے۔۔؟؟؟سوچتے ہوئے اس کی نم آنکھوں

سے آنسو بہنے لگے۔۔

"سجانی۔۔۔!"اس نے پھر سے اس لڑکے کو

پکارا۔۔

"ڈونٹ وری اباؤٹ یور واچ۔۔یہ میں اپنی گرل

فرینڈ کو گفٹ کر دوں گا۔۔!" مٹھی میں مقید

گھڑی کو ہتھیلی پر اچھالتا وہ ہنستے ہوئے بولا۔۔ہال

روم کا دروازہ بے چینی سے پیٹتی وہ شدید بے بسی

محسوس کر رہی تھی۔۔

"سجانی رکو یوں مت کرو۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔

سجانی۔۔۔!" چلاتے ہوئے اس کے آنسو بے

اختیار بہتے چلے جا رہے تھے۔۔ باہر سے قدموں

کی آہٹ دور سے دور ہوتی چلی گئی۔۔ خوف اور

گھبراہٹ سے اس کا برا حال ہونے لگا۔۔

دروازے کے بالکل ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس

نے سوئچ بورڈ تلاشنا چاہا لیکن اس کا ہاتھ مکڑی

کے ایک جالے پر پڑا تھا۔ وہ چیختی چلاتی دیوار

سے دور ہوئی تو کسی چیز سے ٹکرائی۔ ٹکرانے

کے باعث وہ چیز جو کہ شاید ایک دوسرے کے

اوپر رکھے گئے بنچز تھے ہلتے، کچھ گرتے کمرے

کی خاموشی میں عجیب سی ہولناکی برپا کر گئے۔۔

اس کی آنکھیں اس دبیز تاریکی کے پار کچھ بھی

دیکھنے سے قاصر تھیں۔۔اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی

وہ ہچکیوں سے روتی دروازے کی طرف پلٹی اور

پھر سے دروازہ بجانے لگی۔۔

"ہہ۔۔۔ہیلپپپ۔۔۔کک۔۔۔کوئی

ہے۔۔۔؟؟؟ہیلپ۔۔۔۔ہیلپ۔۔۔!"زورو

شور سے دروازہ بجاتی مہرماہ روتے ہوئے چلا رہی

تھی۔۔

"ہیل۔۔ آہ۔۔ آی۔۔۔ ابی جی۔۔۔۔۔۔۔!"

اس کے پیروں سے نرم گداز جسم گزر کر گیا تو وہ

بری طرح اچھلتی مزید چیخی لیکن شاید وہاں کوئی

بھی اس کی پکار سننے والا نہیں تھا۔ وہاں چوہوں

کی آوازوں سے پتہ چل رہا تھا کہ ان کی بھرمار

ہے۔ فضا میں رچی گرد سے اس کا سانس بند

ہونے لگا تھا لیکن ہمت کرتی وہ دوبارہ دروازہ

بجانے لگی لیکن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی

امید دم توڑتی جا رہی تھی۔۔

"ابی جی۔۔۔ابی۔۔۔جی۔۔۔مجھے بچا لیں۔۔۔

ابی جی۔۔۔!" بے دم ہوتی وہ سسکتے ہوئے

بامشکل بڑبڑائی تھی۔۔

"کوئی ہے۔۔۔۔؟؟؟ ہیلپ۔۔۔پپ

۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔۔۔ہیلپ۔۔۔۔!" اپنے

خشک ہوتے گلے سے وہ شاید آخری بار چلائی

تھی۔۔کمرے میں چھایا سکوت اور اسے توڑتی

بھگدڑ مچاتے چوہوں کی آوازیں اس کے

حواسوں پر خوف طاری کر رہی تھیں۔ رو رو کر

بیٹھ چکی آواز اب مزید تعاون سے انکاری

تھی۔۔ بند کمرے میں اس کا سانس گھٹنے لگا تھا۔۔

آنکھیں اندھیرے سے وحشت زدہ ہوتی بند

ہونے کے قریب ہو گئیں۔۔ ایک آخری امید

کے طور پر دروازہ بجاتی وہ وہیں بیٹھتی چلی جارہی

تھی جب اس کے گم ہوتے حواسوں نے بھاری

قدموں کی آہٹ سنی تھی۔۔اس سے پہلے کہ وہ

زمین بوس ہو جاتی کسی نے باہر سے دروازہ کھول

دیا نتیجتاً وہ آنے والے کے بازوؤں میں جا گری

تھی۔۔ بند ہوتی آنکھوں نے جو دھندلا چہرہ

دیکھا تھا اس نے اسکے حواس سمیت دھڑکنوں کو

بھی منجمد کر دیا تھا۔۔ جبکہ اسے ایک عرصے بعد

اس حال میں دیکھ کر مقابل کے ہوش بھی اڑے

تھے۔۔اس نے بنا پلکیں جھپکائے مہرماہ کے ہوش

گنواتے وجود کی جانب دیکھا۔

"ماہی۔۔؟؟" منصب کے لب دھیرے سے

ہلے تھے۔سرمئی آنکھیں اس کے چہرے پر جم

سی گئیں۔پلکیں ساکت تھیں۔دل کی دھڑکن

رک سی گئی تھی۔ منصب کو اپنی تاریک زندگی

میں ایک عرصے بعد روشنی کی کرن ابھرتی

محسوس ہوئی۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتی اس

کے بازوؤں میں جھول گئی۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ گاڑی پارک کر کے ابھی گیٹ کی جانب آیا ہی

تھا جب اس کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔

منصب نے قدموں کی رفتار سست کرتے ہوئے

جینز کی جیب سے موبائل نکال کر نظروں کے

سامنے کیا۔ سکرین پر جگمگاتا وقار عالم شاہ کا نمبر

اسے بہت کچھ باور کروا گیا تھا۔اس نے کال

ریسیو کر کے فون کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم بابا سرکار۔۔!"اس نے اُنھیں

سلام کیا لیکن وہ اس پل اس پر سلامتی بھیجنے کے

موڈ میں نہیں تھے۔

"تم کس سے پوچھ کر کراچی گئے ہو۔۔؟؟اس

دنیا میں تمھارا کوئی بڑا چھوٹا ہے یا تم خود اپنے

باپ بنے ہوئے ہو۔۔؟؟"اس کے سلام کے

جواب میں وقار عالم شاہ کی دھاڑتی ہوئی آواز

فون کے سپیکر سے ابھری تھی۔ منصب کی

پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں لیکن مجھے لگا

کہ کہیں بھی آنے جانے کے لیے مجھے کسی کی

اجازت درکار نہیں ہے بابا۔۔!" اس نے کافی

سنجیدگی سے اُنھیں جواب دیا۔

"میں کسی نہیں تمھارا باپ ہوں۔۔!" وہ اس پر

چیخے۔

"اگر میرے باپ نے مجھ پر کہیں آنے جانے

کے معاملے میں کبھی پابندی لگائی ہوتی تو یقیناً میں

اس مرتبہ بھی آپ سے پوچھ کر آتا۔۔!"

منصب نے اس بار قدرے نرم لہجے میں انھیں

جواب دیا۔

"اگر تم مجھ سے پوچھتے تو تم اس وقت وہاں نہ

ہوتے۔۔!" وہ غرائے۔ منصب کے چہرے پر

ناگوار سے تاثر ابھرنے لگے لیکن وہ اس پل

سامنے ہوتے تو دیکھتے۔

"مجھے اتنا بے اعتبار نہ کریں۔۔!"خود پر ضبط

کرتا وہ بھاری ہوتی آواز میں بولا۔

"تم قابل اعتبار ہو ہی نہیں۔۔ فوراً واپس

آؤ۔۔!" وہ اس پر گرجے تھے۔

"میں مجرم ہوں لیکن لڑکی نہیں ہوں جس کے

قدموں میں بے اعتباری کی زنجیر پہنا کر آپ

حویلی کی چار دیواری میں قید کرنا چاہتے ہیں۔۔۔

اب میں ویک اینڈ پر ہی واپس آؤں گا۔۔!" اپنا

غصہ دبائے وہ ہنوز اسی لہجے میں بولا تھا۔۔

لفظوں کی سختی نے دوسری جانب موجود وقار

عالم شاہ کو سیخ پا کر ڈالا۔

"تم میرا ضبط آزما رہے ہو منصب۔۔۔!!" وہ

ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولے۔

"اور آپ میری برداشت آزما رہے ہیں بابا۔۔

اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں پھر سے آپ کی بھتیجی

کو نقصان پہنچاؤں گا تو آپ بے شک پہلے کی

طرح اس کے ارد گرد پہرے بٹھالیں۔۔یا

میرے پیچھے پولیس لگوادیں۔۔مجھے کوئی پرواہ

نہیں ہے، جب کہہ چکا ہوں کہ کچھ غلط نہیں

کروں گا تو آپ بھلے ہی یقین نہ کریں لیکن کم از

کم میرے الفاظ کو آزما کر دیکھ لیں۔۔۔!"

انھیں سمجھانے والے انداز میں وہ کافی ضبط سے

گویا ہوا تھا۔ دوسری جانب وہ پل بھر کو خاموش

ہو گئے۔

"اگر اب مجھے ولید سے تمھاری کوئی شکایت ملی تو

میں تمھیں زمین میں زندہ گاڑھ دوں گا۔۔!" وہ

اسے حتمی انداز میں دھمکی دے رہے تھے۔۔

"منظور ہے۔۔!" اس نے بے تاثر لہجے میں کہا تو

وقار شاہ نے غصے میں رابطہ منقطع کر دیا۔ لب

بھینچتے ہوئے منصب نے ایک نظر موبائل کی

سکرین پر ڈالی۔ وقار عالم شاہ کے اس لہجے اور

انداز کا وہ کبھی عادی نہیں رہا تھا لیکن مہر ماہ سے

اُن کی محبت نے اسے اپنے باپ کی محبت سے

محروم کر دیا تھا۔ اگر اس لڑکی کی جگہ دنیا کا کوئی

اور شخص ہوتا جو وقار شاہ کی اس بے اعتباری کا

باعث بنتا تو وہ اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیتا لیکن

مقابل تھا بھی تو کون۔۔۔؟؟؟؟ وہ لڑکی جس نے

منصب کو منصب عالم شاہ نہ چھوڑا تھا۔۔؟؟وہ

جسے اذیت دینے کے بعد وہ خود عذاب میں مبتلا

ہو گیا تھا۔۔؟ہاں وہ ہی جس کی چاہ نے اسے اللہ

سے ملا دیا تھا۔وہ اس لڑکی سے کبھی نفرت نہیں

کر سکتا تھا۔۔کبھی نہیں۔۔۔وہ تو ایسی ساحرہ تھی

جس نے منصب عالم شاہ کو محبت کے معنی سے

واقف کروادیا تھا۔ جس کے لہجے کی نمی اس کی

سماعتوں کو چیر دیتی تھی جس کی آنکھوں کے

آنسو اسے بے چین کر دیا کرتے تھے۔۔ وہ وہی

تھی جسے چھونے کی تمنا نے اسے عاشق بناڈالا

تھا۔۔اس کی بابت سوچتا وہ گہرا سانس لیتے

ہوئے اپنے بالوں میں ہاتھ چلانے لگا۔

"وہ نہ ملی تو کیا کرو گے منصب عالم شاہ۔۔؟؟"

اس کے اندر کوئی سرگوشیانہ پوچھ رہا تھا۔منصب

کے دل نے بے اختیار کروٹ لی۔۔

"وہ تو پہلے ہی کسی اور کی ہو چکی ہے۔۔!" اس کے

دماغ نے اسے باور کروایا۔

"ہاں تو رخصتی تو ابھی نہیں ہوئی ناں۔۔ تم چاہو تو

اب بھی بہت کچھ کر سکتے ہو۔۔!" اس کے اندر

دور کہیں دبی شیطانیت کی راکھ نے اس کے دل

میں چنگاری سی بھڑکائی تھی۔۔منصب کو فضا میں

آکسیجن کم ہوتی محسوس ہوئی۔دم گھٹنے لگا تھا۔

سمت کا تعین کیے بنا وہ تیز رفتاری سے چلنے لگا۔وہ

یہاں سبحانی سے ملنے آیا تھا لیکن اب اپنے آنے

کا مقصد بھول چکا تھا۔

"باقیوں کی چھوڑو مون۔۔ کیا تم ایک بار پھر

اسے بے عزت کرو گے۔۔؟؟" اس کے ضمیر

نے اس کی سماعتوں کو ایک تلخ سوال سے نوازا

تھا۔

"محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔۔!"

شیطانیت دل کی آرزوؤں کو چھوتی اسے بے کل

کرنے لگی۔

"دل کی مت سنو۔۔یہ تمھیں بہکا رہا ہے۔۔

میری بات سنو مون۔۔کیا تم توبہ کا در بند کر لینا

چاہتے ہو۔۔؟؟اگر تم اسے زبردستی حاصل کر

بھی لو تب بھی بے سکون ہی رہو گے۔۔!" اس

کے اندر کسی نے اسے سمجھایا تھا۔

"سکون صرف ماہی کے ساتھ میں ہے۔۔!" دل

چیخا تھا۔

"نہیں۔۔۔ سکون صرف اللہ کے ساتھ میں

ہے۔۔ جس طریقے سے تم اسے حاصل کرنا

چاہتے ہو اس کے بعد تم اسے تو پالو گے لیکن اللہ

کو کھو دو گے۔۔ اللہ کو گنوا بیٹھے تو پھر مرتے دم

تک تمھیں سکون نصیب نہیں ہو گا۔ سوچ لو

مون، اللہ یا پھر۔۔۔!" اس کے شعور نے بڑی

سفاکی سے اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا۔ اس

آزمائش بھرے انتخاب نے اس کی روح کو لرزا

ڈالا تھا۔ سورج کی تیز روشنی میں اندھا دھند چلتا

وہ اس پل اپنے آپ سے بیگانہ نظر آرہا تھا۔

پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔۔

سرمئی آنکھوں میں سرخی سی اتر آئی تھی۔ اگر

وہ پہلے والا منصب عالم شاہ ہوتا تو یقیناً اس کا شعور

اسے اس آزمائش میں مبتلا ہی نہ کرتا۔۔ وہ بلا

تردد جائز ناجائز کا فرق کیے بغیر مہر ماہ کو اپنے پاس

قید کر لیتا لیکن اب۔۔۔۔؟؟؟؟اس کے اندر

کوئی رونے لگا۔۔ چلانے لگا۔۔ماتم سے ہونے

لگے۔۔ آوازیں بڑھنے لگیں۔۔وہ جیسے جیسے

چل رہا تھا وہ آوازیں قریب تر ہوتی جا رہی

تھیں۔معاً اسے احساس ہوا کہ صرف اس کے

اندر ہی نہیں۔۔اس کے باہر بھی کوئی رو رہا

ہے۔۔اور وہ آواز مردانہ نہیں تھی۔منصب کچھ

ہوش میں آیا۔پلکیں جھپکاتے ہوئے اطراف

میں دیکھا۔یونیورسٹی کا پارکنگ ایریا وہ کافی پیچھے

چھوڑ آیا تھا۔سامنے ہی ایک سنسنان سی عمارت

کھڑی تھی۔ آوازیں وہیں سے آرہی تھیں۔

ایک نظر گردواطراف پر ڈال کر وہ اس طرف

بڑھا۔ برآمدے سے آگے ہی ایک بڑا سا گیٹ

بند تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی لڑکی ہال روم

میں بند ہے۔۔

"کوئی ہے۔۔۔۔؟؟؟ ہیلپ۔۔پپ۔۔۔

پلیز۔۔۔۔۔ہیلپ۔۔۔!" آنسوؤں میں بھیگی

لرزتی ہوئی کمزور سی آواز جانے کیوں اس کے

دل کو عجیب سے احساس سے دوچار کر گئی تھی۔

منصب سرعت سے اس جانب بھاگا۔۔

دروازے پر اندر سے مدھم سی دستک ہو رہی

تھی۔شاید دوسری جانب موجود وجود ہمت ہار

چکا تھا۔۔اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول

دیا۔۔نتیجتاً وہ اسی پر آرہی۔۔اس کے نازک

وجود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے منصب

نے اسے سیدھا کیا۔ اس جانب دیکھنے پر جو چہرہ

اسے نظر آیا تھا اس نے منصب عالم شاہ کو پتھر کر

دیا تھا۔ اس مہر ماہ کی بند ہوتی بھیگی آنکھوں میں

اپنا مدھم سا عکس نظر آیا۔

"ماہی۔۔۔؟؟" منصب کے لب دھیرے سے

ہلے۔۔۔ سرمئی آنکھیں اس کے چہرے پر جم

سی گئیں۔ پلکیں ساکت تھیں۔ دل کی دھڑکن

رک سی گئی تھی۔ منصب کو اپنی تاریک زندگی

میں ایک عرصے بعد روشنی کی کرن ابھرتی

محسوس ہوئی۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتی اس

کے بازوؤں میں جھول گئی۔ اسے یوں حواس

گنواتے دیکھ وہ ہوش میں آیا تھا۔

"ماہی۔۔ماہی آنکھیں کھولو۔۔!" اسے لیے وہیں

گرد آلود زمین پر بیٹھتے ہوئے وہ بے تابانہ بولا

تھا۔وہ بے حس و حرکت اس کے حصار میں پڑی

تھی۔وہ۔۔ہاں وہ ہی جس کی یادوں سے لڑتا وہ

کچھ دیر پہلے پاگل ہو رہا تھا۔اسے بانہوں میں

بھرتا وہ تیزی سے اس عمارت سے نکلا تھا۔

اطراف میں بے تابانہ نگاہ دوڑائی تھی۔نگاہ سے

کافی دور اسے ایک سنگی بنچ نظر آ گیا تھا۔ مہر ماہ کی

جانب بے چین نگاہوں سے دیکھتا وہ اس جانب

تقریباً بھاگنے والے انداز میں بڑھا تھا۔

"ماہی پلیز آنکھیں کھولو۔۔!" اس کی بند پلکوں کو

تکتا وہ بے قرار لہجے میں بولا۔۔ مدد کے لیے وہ

آس پاس ہنوز کسی کو تلاش کر رہا تھا لیکن

یونیورسٹی کا وہ حصہ پارکنگ ایریا کی بیک سائیڈ پر

تھا اور اس وقت وہاں دور دور تک کسی ذی روح

کا نام و نشان نہیں تھا۔ اگر وہ یہاں نہ آتا تو۔۔؟؟

سوچ کر ہی اسے وحشت ہو رہی تھی۔ سنگی بنچ

سے ابھی کچھ فاصلہ ہی باقی تھا جب اسے اس

سڑک کے دائیں جانب سے سبزے کے درمیان

بنی پتھریلی روش سے وہ اپنے دوستوں کے سنگ

ہاتھ پر ہاتھ مارتا کسی بات پر قہقہہ لگاتے ہوئے

وہاں آتا دکھائی دیا۔ قریب آتے سبحانی کی نظر

بھی اس پر پڑی تھی۔اس کے بازوؤں میں ایک

نازک وجود دیکھتا وہ سرعت سے اس کی جانب

آیا۔مہرماہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی

ساری شوخی ہوا ہوئی تھی۔

"بھائی آپ یہاں کیسے۔۔اور یہ۔۔۔!" اس کے

بات پوری کرنے سے پہلے ہی منصب چیخا تھا۔

"پانی لاؤ۔۔ جلدی پانی لاؤ۔۔۔!" مہرماہ کو سنگی بیچ

پر احتیاط سے لیٹا تا وہ چلایا تو معاملہ سمجھنے کی

کوشش کرتا سجانی الٹے پیروں واپس بھاگا۔ اس

کے تین دوست جن میں ایک لڑکی بھی شامل

تھی اب خراماں خراماں چلتے اسی جانب آ گئے۔

آنکھوں میں تجسس لیے وہ تینوں کبھی آپس میں

ایک دوسرے کو تو کبھی منصب کو تک رہے تھے

جس کی حالت اس پل قابل غور تھی۔ جو کبھی

مہرماہ کی گردن تو کبھی کلائی پر اس کی نبض ٹٹول

رہا تھا۔

"یار آنکھیں کھولو۔۔!" اس کار خسار تھپتھپاتا

وہ مسلسل اسے پکار رہا تھا۔ دو منٹ سے بھی کم

کے وقفے میں سبحانی ہاتھ میں پانی کی بوتل لیے

وہاں واپس آگیا تھا۔

"یہ ہے کون۔۔؟؟" عائزہ نامی اس فیشن ایبل سی

لڑکی نے ساتھ کھڑے لڑکے سے پوچھا۔

"میں نے تو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔۔!" اس نے

لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

"یہ شاید سبحانی کا فرسٹ نمبر والا بڑا بھائی ہے جو

لندن میں تھا۔۔ غور سے دیکھو سبحانی سے شکل

مل رہی ہے۔۔!" تیسرے نے سرگوشیانہ اپنی

رائے کا اس کے بارے میں اظہار کیا جو آس پاس

سے بے بہرہ مہرماہ کے چہرے پر پانی کی چھینٹے مار

رہا تھا۔ دو سے تین دفعہ کی کوشش میں وہ کھانستے

ہوئے تھوڑی سیدھی ہوئی تھی۔ منصب نے فوراً

اس کے لبوں سے بوتل کا منہ لگایا تھا۔ نیم وا

آنکھوں سے اس کی جانب دیکھنے کی کوشش

کرتے ہوئے مہرماہ نے چند گھونٹ بھرے تھے۔

آنکھوں میں تفکر لیے وہ اسی کی جانب تک رہا

تھا۔ گردن پر رینگتا ٹیٹو اس کے سینے کی طرف

جاتے ہوئے شرٹ کے اوپری بٹن بند ہونے

کے باعث چھپا ہوا تھا لیکن سبحانی کے دوستوں کی

نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکا تھا۔ لڑکی کی آنکھوں

میں ستائش اتر آئی تھی۔

"ہاٹ ہے۔۔!" اس نے دو لفظی تبصرہ کیا تو ان

دونوں لڑکوں نے اس کی جانب دیکھا۔

"تم سے بہت بڑا ہے۔۔!" ایک نے اسے

شرمندہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ برا منائے

بغیر مسکرائی۔۔

"جس کے لیے وہ پاگل ہو رہا ہے وہ بھی میری ہی

ایج کی لگ رہی ہے۔۔!" عائزہ نے کافی بے باکی

سے جواب دیا۔ جبکہ ان تینوں کی بے راگ

باتوں سے انجان سبحانی کے اندر خطرے کی گھنٹی

بج چکی تھی کیونکہ منصب کی حالت انسان تو کیا

آس پاس کھڑے پیڑ پودوں کو بھی گواہی دے

رہی تھی کہ مقابل پری پیکر اس کے لیے کیا معنی

رکھتی تھا۔۔

"تم ٹھیک ہو۔۔؟؟" مہرماہ کو آنکھیں کھولتے

دیکھ منصب نے نرمی سے پوچھا۔ اس سے

نظریں ملتے ہی مہرماہ کے وجود میں کرنٹ سا دوڑ

گیا۔ اس کا بوتل والا ہاتھ جھٹکتے ہوئے ایک جھٹکے

سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔۔

"تت۔۔۔تم۔۔۔تم واپس کب آئے۔۔؟؟"

اس کی لرزتی آواز کسی چیخ سے کم نہ تھی۔یوں

اچانک پیچھے ہونے سے بینچ کی کھردری پشت اس

کے سر پر لگی تھی۔ مہر ماہ سے پہلے منصب نے

اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا جسے اس نے نفرت

سے جھٹک دیا۔

"کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو۔۔؟؟" اس کی

جانب دیکھتا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تت۔۔۔ تم مم۔۔۔ مجھ سے دور رہو۔۔ دور

رہو سمجھے تم۔۔۔!" اسے پیچھے دھکیلتی وہ بنچ سے

اترتے ہوئے چلائی۔ سجانی سمیت اس کے

دوست بھی اس نازک جاں کی ہمت دیکھ رہے

تھے جو اس شاندار مرد کو اپنے لہجے سے ہی قتل

کر دینے کے درپر تھی۔۔

"ہم۔۔ آرام سے بات کر سکتے ہیں۔۔؟؟" اس

کے قریب ہوتا وہ التجائیہ گویا ہوا۔ نفی میں سر

ہلاتی مہرماہ کی نظر اچانک سبحانی پر پڑی تھی۔

سبحانی ہچکچایا۔

"میں۔۔ آپ کی مدد کے لیے ہی آرہا

تھا۔۔!" منصب کی موجودگی کے باعث ہڑبڑاتا

وہ مہرماہ کو صفائی دینے کی غرض سے گویا ہوا۔

بدلے میں وہ بری طرح بھڑکی تھی۔

"شٹ اپ۔۔۔ انتہائی گھٹیا انسان ہو تم۔۔پہلے

تم نے دھوکے سے مجھ سے واچ لے لی اور پھر

وہاں بند بھی کر دیا۔۔۔ اگر میں مر جاتی تو تمھارا

کیا جاتا ہاں۔۔۔؟؟؟" غصے سے سجانی کی طرف

دیکھتی وہ بھرائی ہوئی آواز میں چلائی۔ غلافی

آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر آئے تھے۔

اس کی بات پر منصب نے کچھ حیرت سے سجانی

کی طرف دیکھا۔ اس کا رنگ متغیر ہوا تھا۔

"بب۔۔بھائی میں نے تو صرف مذاق۔۔۔!"

منصب کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے وضاحت

دی تھی۔اس کے جواز پر منصب نے اپنے لب

سختی سے بھینچ لیے۔

"اوہ۔۔بھائی۔۔۔!" سر اثبات میں ہلاتے ہوئے

مہرماہ کے لبوں سے لفظ کسی آگ کی طرح نکلے

تھے۔خود میں ہمت مجتمع کرتی وہ منصب کے

مقابل آئی تھی۔اس کی آنکھوں میں ڈولتے

آنسوؤں کے درمیان تیرتی نفرت نے منصب

کے دل پر ضرب لگائی تھی۔

"جیسے تم ویسا ہی تمھارا بھائی۔۔ آوارہ اور گھٹیا

ترین۔۔۔!" منصب کی جانب دیکھ کر بلند آواز

میں زہریلے لہجے میں کہتی وہ اسے ذلت کی اتھاہ

گہرائیوں میں دھکیل گئی تھی۔ اتنی ذلت منصب

کو تب محسوس نہیں ہوئی تھی جب اس نے ایک

سنسنان گلی میں اسے تھپڑ مارا تھا۔ شاید تب بھی

نہیں جب کالج کے ہال روم میں کھڑے ہو کر

اس نے طلبہ کے مجمعے میں اسے دوبارہ تھپڑ مارا

تھا۔۔ حقیقی ذلت کا پہاڑ تو آج اس کے سر پر توڑ

دیا گیا تھا جب وہ اس کے مقابل کھڑی اسے گھٹیا

ترین کہہ رہی تھی۔۔ اسے اپنا آپ کمتر محسوس

ہوا تھا۔۔ بے حد چھوٹا۔۔ بالکل بے مایا۔۔ اس

لیے نہیں کہ وہ یہ الفاظ پہلی مرتبہ سن رہا تھا۔

بلکہ اس لیے کہ کہنے والی آج اس کے دل میں

سب سے اونچی مسند پر براجمان تھی۔ منصب کی

آنکھیں پل میں ویران ہوئی تھیں۔ وہ کہہ کر

رکی نہیں تھی۔ اپنے بیگ کی تلاش میں واپس

اسی عمارت کی جانب بھاگی تھی۔۔

"بھائی۔۔؟؟" سجانی نے اس کے شانے پر ہاتھ

رکھا۔ سختی سے لب بھینچے کھڑے منصب نے

سرخ پڑتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"اٹ واز جسٹ ریگنگ۔۔۔!!" اس نے تھوک

نگلتے ہوئے کہا۔ اگلے ہی پل منصب کا ہاتھ بلند ہوا

تھا اور سجانی کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ اس

شدید ردعمل پر سجانی نے اپنے گال پر ہاتھ رکھتے

ہوئے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔ اس بار

اس کے دوستوں کی رنگت بھی متغیر ہوئی تھی۔

"اس کی واچ واپس کرو۔۔!" وہ پوری قوت سے

اس پر دہاڑا تھا۔لب بھینچ کر نظریں جھکاتے

ہوئے سجانی نے پلکیں جھپکائیں تھیں۔

"واچ واپس کرو سجانی۔۔۔؟؟؟؟" منصب

نے اپنی بات دہرائی۔اس کے حکم پر سجانی نے

پلٹ کر عائزہ کی جانب دیکھا جو اپنی مٹھی میں

موجود واچ پر گرفت کچھ سخت کر چکی تھی۔

"واچ واپس کر دو عائزہ۔۔میں تمھیں دوسری لا

دوں گا۔۔!" نظریں جھکائے اسے مخاطب کرتا

سجانی بامشکل بولا۔عائزہ نے دانت پیستے ہوئے

جلدی سے ہتھیلی منصب کے سامنے کھول دی۔

وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ اس نے وہ گھڑی پہنی

نہیں تھی ورنہ وہ شخص یقیناً گھڑی پہننے کے جرم

میں گھڑی کے ساتھ ساتھ اس کی کلائی بھی توڑ کر

لے جاتا۔ بلیک واچ دیکھ کر منصب کی پیشانی پر

رگیں ابھر آئیں۔ جسم میں دوڑتا خون ابلنے لگا۔

اسے سبحانی پر شدید غصہ آیا تھا جس نے انجانے

میں مہر ماہ سے وہ شے چھیننے کی خطا کی تھی جو

منصب عالم شاہ کی جانب سے واحد میراث اس

تک منتقل کی گئی تھی۔

"دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ تمھارا منہ توڑ دوں۔۔

لیکن فی الحال میرے پاس ایسا کرنے کا وقت بھی

نہیں ہے۔۔!" اس لڑکی کے سامنے اپنی چوڑی

ہتھیلی پھیلاتے ہوئے منصب نے سجانی کو سلگتے

ہوئے لہجے میں مخاطب کیا تھا. اس کا اشارہ سمجھتی

عائزہ نے جلدی سے گھڑی اس کی ہتھیلی پر رکھ

دی۔ اسے مٹھی میں بھینچ کر اس نے ایک ناگوار

نظر اس لڑکی کے وجود پر ڈالی پھر اس جانب بڑھا

جہاں کچھ دیر پہلے مہرماہ نے قدم بڑھائے

تھے۔۔

"تم نے تو کہا تھا کہ واچ تم نے خود میرے لیے

خریدی ہے۔۔!" اسے اپنی پشت پر اس لڑکی کی

چنگھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ وہ نظر انداز

کرتا آگے بڑھتا چلا گیا۔۔

□♦□♦□♦□♦

"کیا بکواس ہے یہ۔۔؟؟ ایسے کیسے بھاگ گئی

وہ۔۔۔؟؟؟؟"علیشہ کے فرار ہونے کی خبر سنتے

ہی عبدالعزیز چوہان غصے سے پاگل ہوتے

دہاڑے تھے۔ ملازمین نظریں جھکائے مجرمانہ

سے انداز میں ایک جانب کھڑے ہوئے تھے۔۔

"میں نے تو اسے کمرے میں بند کر رکھا تھا۔۔

اس کا موبائل بھی میرے پاس ہی تھا، بغیر کسی

مدد کے وہ یہاں سے نہیں بھاگ سکتی تھی

بھاگا۔۔ ضرور کسی نے اس کی مدد کی ہے۔۔!!"

پریشانی سے بے حال ہوتی صندل بیگم سنجیدگی

سے بولی تھیں۔

"جس کسی نے بھی اس کی مدد کی ہے میں اس کی

کھال ادھیڑ دوں گا۔۔!!" وہ غرائے تھے۔

عبد الغفور چوہان کا چہرہ اس پل بے تاثر ہو رہا تھا۔

"اب اس بات کی کھوج لگانے کا کوئی فائدہ نہیں

کہ وہ کیسے اور کس کی مدد سے گئی ہے۔۔ ہمیں یہ

سوچنے کی ضرورت ہے کہ اسے واپس کیسے لایا

جائے۔۔ اس کا واپس آنا بے حد ضروری

ہے۔۔!"عبدالغفور چوہان نے کافی سوچ سمجھ کر

مدھم آواز میں لب کشائی کی تھی۔

"تم تو خاموش ہی رہو ناں غفور۔۔یہ تمھاری ہی

دی ہوئی ڈھیل ہے کہ وہ لڑکی ہماری آنکھوں

میں دھول جھونک کر پتہ نہیں کہاں دفع ہوگئی

ہے۔۔!"علیشہ کا غصہ انھوں نے اس کے باپ پر

اتار تھا۔

"یہ آپس میں لڑنے کا وقت نہیں ہے بھایا۔۔

غفور سائیں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔۔ ہمیں اس

بدبخت کو ڈھونڈھنے کی ضرورت ہے ورنہ وہ

خبطی بدر لغاری ہماری جان کو آجائے گا اور

سارنگ کی جان بھی خطرے میں پڑ جائے

گی۔۔!" صندل بیگم نے سمجھداری کا مظاہرہ

کرتے ہوئے انھیں حالات کی نزاکت سے آگاہ

کیا۔

"بھاڑ میں جائے وہ لغاری۔۔میں اپنے بیٹے کا بال

بھی بیکا نہیں ہونے دوں گا۔۔!"میز کو ٹھوکر

مارتے وہ چلائے۔

"کہنا آسان ہے لیکن اسے بھاڑ میں بھیجنا ناممکن

ہے بھایا۔۔ہمیں اب سارنگ کی فکر کرنے کی

ضرورت ہے۔۔!"عبدالغفور چوہان نے اس بار

کافی بدلحاظی سے انھیں حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا

جواباً عبدالعزیز چوہان نے خون آشام نگاہوں

سے اپنے بھائی کو گھورا جس کے لبوں سے نکلا

ایک ایک لفظ سچا تھا۔

"اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا، تو یاد رکھنا غفور۔۔

میں علیشہ کو پاتال سے بھی ڈھونڈ کر ایسی سزا

دوں گا کہ تمھاری روح کانپ اٹھے گی۔۔۔!"

ان کی جانب دیکھتے ہوئے وہ کسی زہریلے سانپ

کی مانند پھنکارے تھے۔ عبدالغفور چوہان کی

آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔

"میری بیٹی بے قصور تھی پھر بھی میں نے

سارنگ کو بچانے کے لیے اسے قربانی کے لیے

پیش کیا۔ اب اگر وہ اپنی جان بچانے کے لیے

بھاگ گئی ہے تو اس میں نہ تو میرا قصور ہے اور نہ

ہی اس کا قصور اتنا بڑا ہے کہ آپ اسے سزا دینے

کا سوچیں۔۔۔!" ہاتھ پشت پر باندھتے وہ سخت

لہجے میں بولتے اپنے بھائی کے مقابل آئے تھے۔

انھیں عبدالعزیز چوہان کے الفاظ ناگوار گزرے

تھے۔

"بے غیرت ہو چکے ہو تم تبھی تمھیں اپنی بیٹی کی

بدچلنی نظر نہیں آرہی۔۔سنا نہیں تھا تم نے کہ

سارنگ نے کیا کہا تھا؟؟ تمھاری بیٹی شمعون

لغاری کے پوتے کی بانہوں کا ہار بنی ہوئی

تھی۔۔۔اسی لیے سارنگ نے اس لڑکے کو قتل

کیا ہے۔۔اور اگر میرے بیٹے پر یقین نہیں تو اس

تیّرّ کا یقین تو تمھیں کر لینا چاہئیے جس نے جرگے

کے درمیان واضح الفاظ میں تمھاری بیٹی کی

اصلیت ہمارے منہ پر ماری تھی۔۔۔!!!" آپے

سے باہر ہوتے عبدالعزیز چوہان زہریلے لہجے

میں چیخے۔ اس بار عبدالغفور چوہان کے کندھوں

کا تناؤ کچھ کم ہوا تھا۔ ان کے پاس دینے کے لیے

کوئی جواب نہیں بچا تھا۔

"خدا کا واسطہ ہے آپ دونوں آپس میں لڑنے

کی بجائے کوئی حل تلاش کریں۔۔لغاری اس

وقت ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے ہم انھیں کیا

جواب دیں گے۔۔!" صندل بیگم نے ایک بار

پھر انھیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہم ان سے کچھ وقت مانگیں گے اور پھر علیشہ کو

تلاش کر کے اسے ان کے حوالے کریں

گے۔۔!" ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے وہ

مدھم لہجے میں کہتے وہاں سے پلٹے۔

"صندل تم ملازمین سے پوچھ پڑتال

کرو۔۔ معلوم کرو کہ وہ بے غیرت لڑکی یہاں

سے کیسے فرار ہوئی ہے۔۔ ہمیں اس کے فرار

ہونے کا راستہ معلوم ہو گیا تو ہم اس کے ٹھکانے

تک بھی پہنچ جائیں گے۔۔" وہاں سے جاتے

جاتے رک کر انھوں نے صندل کو مخاطب کیا تو

انھوں سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اور تم غفور۔۔ میرے ساتھ آؤ۔۔ میں تنہا ان

بدبختوں (لغاریوں) کا سامنا نہیں کر سکتا۔۔!"

انھوں نے حکمیہ انداز میں سر جھکائے کھڑے

عبد الغفور چوہان کو مخاطب کیا پھر وہاں سے نکلتے

چلے گئے۔ ان کی تقلید میں انھوں نے تھکے تھکے

سے قدم ان کے پیچھے بڑھائے تھے۔ ان دونوں

کے چلے جانے کے بعد صندل بیگم نے ایک نظر

ہال روم کے کونے میں قطار بنائے کھڑے

ملازمین کی جانب دیکھا۔ تبھی ان کی سماعتوں میں

عالم کی آواز اتری تھی۔

"میں مرحہ سے نکاح کر چکا ہوں۔۔!" انھوں

نے اپنے لب سختی سے بھینچے تھے۔ پھر اگلے ہی

پل وقار عالم شاہ کو کال ملائی تھی۔ اب وہ اُن کے

ہوش ٹھکانے پر لگانے کے بعد ہی ملازمین سے

پوچھ پڑتال کرنے والی تھیں۔

□♦□♦□♦□♦□♦

اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لیے وہ پورے

اعتماد سے حویلی کی عمارت میں داخل ہوا تھا۔ بالی

سمیت کئی ملازماؤں نے آنکھیں پھاڑ کر وہ منظر

دیکھا تھا جسے دیکھنے کی بابت انھوں نے خواب

میں بھی نہ سوچا تھا۔ ان کی نظروں سے گھبراتی

وہ عالم کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنے کی بھرپور

کوشش کر رہی تھی لیکن ناکام۔۔ کچن سے نکلتی

ناجیہ بیگم کی نظر ان دونوں پر پڑی تو وہ بے

اختیاری میں مسکرائیں۔

"صد شکر کہ اللہ نے تمھیں شفاء عطا کی۔۔!"

ان دونوں کے قریب آتی وہ مرحہ سے مخاطب

ہوئیں تو مرحہ نے جھجھکتے ہوئے ان کی جانب

دیکھا۔۔

"سلام بی بی۔۔!" اس نے بامشکل لبوں کو

حرکت دی تو انھوں نے نرمی سے اس کے سر پر

ہاتھ رکھتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

"اب تم چاہو تو مجھے عالم کی طرح ہی اماں کہہ سکتی

ہو، مجھے خوشی ہو گی۔۔!" اس کی ٹھوڑی اونچی

کرتی وہ پیار سے بولیں تو مرحہ کا دل دھڑک

اٹھا۔ پلکیں لرز سی گئیں۔ نچلا لب دانتوں میں

دباتے ہوئے مرحہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میری بہو کو اس کے کمرے تک چھوڑ آؤ

عالم۔۔اسے ابھی آرام کی ضرورت ہے۔۔!"

اس بار انھوں نے عالم کی طرف دیکھتے ہوئے

لب کشائی کی تو وہ مبہم سا مسکراتا سر اثبات میں

ہلا گیا۔جبکہ لفظ بہو پر قریب سے گزرتی بالی کے

کان کھڑے ہوئے تھے۔اس نے آنکھیں پھاڑ

کر وہاں سے جاتے عالم اور مرحہ کی طرف

باقاعدہ گردن موڑ کر دیکھا۔وہ شاید نظروں

سے ان دونوں کو ان کی منزل تک چھوڑ کر آتی

جب اچانک ان کے گلا کھنکھارنے پر ہڑبڑا کر

سیدھی ہوئی۔ناجیہ بیگم تیکھے چتونوں سے اسے

ہی گھور رہی تھیں۔

"وہ بی بی میں تو۔۔۔!" بوکھلاہٹ کا شکار ہوتی وہ

ہکلائی۔

"جو تم نے سنا وہ سچ ہے۔۔ بہتر ہے کہ تم یہ سچ

حویلی کی دیواروں کو بھی بتا دو۔ کیونکہ اب سے

میں مرحہ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرنے

والی کسی بے جان شے کو بھی نہیں بخشوں

گی۔۔ کجا کہ کوئی اور۔۔!" بالی کو گھورتے

ہوئے انھوں نے کافی سختی سے اس کے کان

صاف کیے تھے۔ اشارہ صاف تھا کہ وہ چاہے تو

صندل تک بھی خبر پہنچا سکتی ہے۔

"ہمم۔۔؟ سمجھ گئیں ناں۔۔؟؟" ناجیہ بیگم نے

اس بار جھڑکنے والے انداز میں پوچھا تو اس نے

فوراً اثبات میں سر ہلایا۔۔۔

"جو حکم بی بی سرکار۔۔!" ہاتھ باندھتی وہ

فرمانبردار بنی تھی۔ناجیہ بیگم مطمئن سی ہوتی اس

کی سائیڈ سے نکلتی چلی گئیں۔۔بالی نے خون آ

شام نظروں سے اُن کی پشت کو دیکھا۔۔

"بڈھی چڑیل۔۔۔"وہ پھنکاری۔۔مرحہ کا ہاتھ

عالم کے ہاتھ میں دیکھ کر ہی اسے کسی شدید گڑبڑ

کا احساس ہو گیا تھا اور اب تو ناجیہ بیگم خود اس

بات کی تصدیق کر گئی تھیں۔وہ صندل بیگم کو

بتانے کی غرض سے کچن کی جانب بھاگی کیونکہ

اس کا موبائل وہیں تھا۔

□♦□♦□♦□♦

"یہ کیا کیا آپ نے سرکار۔۔۔؟؟"کمرے میں

آتے ہی اس سے اپنا ہاتھ چھڑواتی وہ گھبرائے

ہوئے انداز میں بولی۔ آنکھوں میں خوف سا تیر

رہا تھا۔

"وہ سب کیسے دیکھ رہی تھیں مجھے۔۔؟ کیا سوچ

رہی ہوں گی میرے بارے میں۔۔؟؟" اس کی

جانب تکتی وہ پریشان نظر آرہی تھی۔

"وہی جو انھیں سوچنا چاہئیے۔۔ تم میری ہو اور

اب یہ سب کو معلوم ہو جائے گا۔۔!" اس کی

خوفزدہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس نے نرمی

سے کہا تو مرحہ کی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ دل

شدتوں سے دھڑکا تھا۔

"آ۔۔۔پ۔۔۔۔ مم۔۔۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آ

رہا سس۔۔ سرکار۔۔!" وہ سادگی سے بولی تھی۔

"میں تمھیں سب کچھ سمجھاؤں گا لیکن پہلے

تمھیں تھوڑا آرام کرنا چاہئیے۔۔، رخصتی تک تم

اسی کمرے میں رہو گی۔۔ سو بے فکر رہو اور

آرام کرو۔۔!" مدھم۔۔نرم لہجے میں کہتے

ہوئے عالم نے محبت سے اس کا گال سہلایا تو اس

کی اس جرأت پر وہ شرم سے سرخ ہوتی نظریں

جھکا گئی۔اس کی اس ادا پر اسے تکتے عالم کے لب

دلکشی سے مسکرائے تھے۔ آنکھوں میں شوق کا

اک جہاں سا آباد ہونے لگا۔

"تمھیں پتہ ہے تم بہت معصوم ہو مرحہ۔۔؟"

شہادت کی انگلی سے اس کی ٹھوڑی چھوتا وہ دل

دھڑکاتے لہجے میں بولا تو اس کی حالت مزید

بگڑنے لگی۔

"نن۔ نہیں تو۔۔ میں تو بہت چالاک ہوں۔۔

بالی کہتی ہے بہت تیز ہوں میں۔۔!" اپنے

چہرے سے نادیدہ لٹوں کو پیچھے کرتی وہ خائف

زدہ سی بولی۔

"جھوٹ بولتی ہے وہ۔۔اس کی باتوں میں مت

آیا کرو۔۔!"توجہ سے اس کے گلابی پڑتے

رخساروں کو تکتا وہ نرمی سے بولا تو مرحہ نے

آہستگی سے نظریں اوپر اٹھائیں۔اس کا سوال

عالم کے لیے غیر متوقع تھا۔

"پھر کس کی باتوں میں آیا کروں۔۔؟؟"لہجہ

سادہ سا تھا۔لیکن آنکھیں۔۔عالم کے دل پر وار

ہوا تھا۔

"مجھے سنا کرو اور صرف میری باتوں میں آیا

کرو۔۔!" اس نے مسکاتے لہجے میں جواب دیا

لیکن اس کے پاس پھر سے احتجاجی جواب موجود

تھا۔

"لیکن آپ تو مجھے کچھ بتا ہی نہیں رہے۔۔میں

جاننا چاہتی ہوں سرکار۔۔آپ نے کیوں مجھ

جیسی لڑکی سے نکاح کیا ہے۔۔؟؟"ہاتھوں کی

انگلیاں مروڑتی وہ ہمت کرتی پوچھ رہی تھی۔عالم

کے لبوں پر رینگتی مسکراہٹ سمٹ سی گئی۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ تمھیں سب سمجھا دوں گا

پھر کیوں پریشان ہو رہی ہو۔۔؟؟" عالم نے اس

بار سنجیدگی سے کہا تو اس کے ایک دم سنجیدہ

ہو جانے پر وہ ڈر سی گئی۔

"خطا معاف کر دیں۔۔!" نظریں جھکاتے ہوئے

اس نے فوراً اپنے ہاتھ اس کے سامنے جوڑے

تھے۔عالم نے تڑپ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"یہ ظلم مجھ پر نہ کیا کرو۔۔میرے لیے اسے

برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔۔!" اس کے

ہاتھ نیچے کرتے ہوئے عالم نے گہرے لہجے میں

کہا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔بس آہستگی سے

اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ ایک نظر اس پر ڈال کر

پلٹ گیا۔۔پھر دروازہ کھولتا وہاں سے نکل گیا۔

مرحہ نے بھیگتی پلکیں اٹھا کر دروازے کی دہلیز کی

جانب دیکھا۔ اس کے دل میں سو طرح کے

وسوسے و اندیشے سر ابھار رہے تھے اور جو انھیں

دور کر سکتا تھا وہ اسے کشمکش میں مبتلا کر کے جا چکا

تھا۔ آرام کرنے کا کہہ کر اسے بے آرام کر گیا

تھا۔

"آپ مجھ سے کیا چھپا رہے ہیں سرکار۔۔۔؟؟"

اس کے لب دھیرے سے ہلے۔ آنسو بے آواز

آنکھوں سے بہتے چلے گئے۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ بے یقین سی بیٹھی یک ٹک اسے گھور رہی تھی

جس کی سیاہ آنکھوں میں سرد مہری اور چہرے پر

بلا کا اطمینان تھا۔علیشہ کو بے حس و حرکت

بیٹھے دیکھ وہ قدم قدم چلتا اس تک آیا تھا۔وہ اپنی

جگہ سے ایک انچ نہ ہلی۔بھوری آنکھوں میں

موٹے موٹے آنسو چمک رہے تھے۔وہ جھکا اور

پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔علیشہ کی

آنکھوں میں ڈولتا خوف واضح تھا لیکن اس نے

اس خوف کو اپنے وجود پر طاری نہیں ہونے دیا

تھا۔

"کیوں کیا ایسا۔۔؟؟ کیا بگاڑا تھا میں نے آپ

کا۔؟؟" نفرت سے اس کی جانب تکتی وہ بھیگی

ہوئی آواز میں چلائی۔۔

"تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا کیونکہ یہ تمھارے

بس کی بات نہیں ہے۔۔!" اس نے ٹھنڈے ٹھار

لہجے میں اسے جواب دیا۔علیشہ کی آنکھوں سے

شرارے سے پھوٹنے لگے۔بدر کاوہ مصنوعی چہرہ

آنکھوں میں گھومنے لگا جسے حقیقی سمجھ کر وہ آج

وہاں موجود تھی۔اس اذیت کو برداشت کرنا

مشکل نہیں مشکل ترین تھا لیکن وہ کم از کم اس

لمحے اس دھوکے کو قبول تو کر ہی سکتی تھی۔ اگر

وہ ایسا نہ کرتی تو پھر یقیناً وہ علیشہ چوہان نہ ہوتی۔

علیشہ نے اپنے تیزی سے ڈوبتے دل پر لرزتا ہوا

ہاتھ رکھا۔ آنسو بہت آہستگی سے آنکھوں سے

بہہ رہے تھے۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں میں چیخوں گی۔۔؟؟ چلاؤں

گی۔۔۔؟؟" بولتے ہوئے وہ نا چاہتے ہوئے بھی

سسکی کہ آنسوؤں کا گلا گھونٹنا اس پل اس کے

بس سے باہر تھا لیکن وہ اپنے الفاظ پر قابو تو رکھ

سکتی تھی۔۔۔؟؟اس کے سوال پر بدر کی

آنکھوں میں سوال در آیا۔۔

"مت سوچیے کہ میرے دل کو بہت زیادہ ٹھیس

پہنچی ہے۔۔ذہن سے یہ بات نکال دیں کہ علیشہ

چوہان ٹوٹ چکی ہے۔۔"بدر کی آنکھوں میں

دیکھ کر بولتی وہ روتے ہوئے چلائی۔حالانکہ اس

کے الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ چیخ چیخ کر اس کے

بکھر جانے کی گواہی دے رہا تھا۔

" تمھیں چیخنا چاہئیے۔۔رونا بھی چاہئیے۔۔چاہو تو

میرے کندھے پر سر رکھ کر سارے آنسو بہا

سکتی ہو۔۔ محبت میں دھوکا کھانا بڑا تکلیف دہ

ہوتا ہے۔ میں تمھاری اذیت سمجھ سکتا

ہوں۔۔!" اس کا بھاری لہجہ صاف مذاق اڑاتا ہوا

تھا۔علیشہ اس کی سنگدلی پر حیران نہیں تھی جو

درد دے کر اسے مرہم کی پیشکش بھی کر رہا تھا۔

وہ حیران نہیں تھی کیونکہ وہ اس کی سفاکیت سے

بخوبی واقف تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس پل

خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن بھلا

سردار بدر لغاری کی زیرک نگاہوں سے اس کے

دل کی حالت چھپی رہ سکتی تھی۔۔؟؟؟

"آپ وہ اذیت کیسے سمجھ سکتے ہیں جس کے

ذائقے سے آپ واقف ہی نہیں ہیں۔۔؟؟ محبت

کا درد آپ جیسے مرد نہیں سمجھ سکتے سردار شمس

البدر لغاری۔۔!" اس کی سیاہ آنکھوں میں

جھانکتے ہوئے علیشہ نے مدھم سلگتے ہوئے لہجے

میں کہا۔

"مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں۔۔ لیکن تم اب

ساری زندگی اس محبت پر افسوس کرنے والی ہو

جو تم نے شمس سے کی ہے!" بدر نے جتاتے

ہوئے لہجے میں لفظوں کا ایک زور دار تھپڑ اس

کے منہ پر مارا تھا۔ اس شدت سے کہ علیشہ کی

روح بلبلا اٹھی۔ برداشت کرنا مشکل تھا لیکن اگر

وہ بدر لغاری تھا تو اس کے مقابل بھی علیشہ چوہان

تھی۔۔

"کون سی محبت۔۔؟؟میرا یقین کریں آپ کی

شخصیت کا کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں جس سے

علیشہ چوہان محبت کر سکے۔۔ہاں وقتی دل لگی

ضرور تھی جسے میں نے بدر لغاری نامی جانور سے

بچنے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی بٹ

اٹس مائے بیڈ لک۔۔۔!" اپنے گال سختی سے

رگڑتے ہوئے کہتی وہ ہمت کرتی کھڑی ہوئی۔

دماغ نے اس کی اس قدر دلیری پر اس کی پیٹھ

تھپکی تھی لیکن جسم دل کے درد سے بے حال ہو

رہا تھا۔اس کا جواب سن کر بدر لغاری کی بھنویں

تن گئیں۔لب بھینچتا وہ خود بھی کھڑا ہوا۔۔

"ایک بہترین چال چلتے چلتے آپ نے پھر بھی

اپنے ساتھ برا کر لیا بدر لغاری۔۔۔"وہ ایڑھی

کے بل اس کی جانب گھومی۔لب بھینچے اس کی

جانب دیکھتے بدر کی آنکھوں میں حیرانی سی تھی۔

وہ حیران تھا کیونکہ مقابل کھڑی لڑکی اسے

حیران کرنے کی اہلیت رکھتی تھی۔

"یہ ٹھیک ہے کہ اس طرح آپ ایزیلی سارنگ

کو اس پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیں گے جس

کا وہ مستحق ہے۔۔ لیکن آپ نے میرے لیے

آسانی کر دی ہے۔۔۔ پتہ ہے کیسے۔۔؟؟" اس

کے قریب تر ہوتی وہ اپنی پرانی جون میں لوٹتی

مکمل اعتماد سے بولی۔ بھوری آنکھیں نفرت اور

اذیت کے شدید احساس تلے سرخ ہو رہی

تھیں۔

"اگر میں خون بہا میں ایک بے بس لونڈی کی

مانند آپ کے نکاح میں آتی تو میں آپ سے

مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔۔ لیکن اب میں اپنی

مرضی سے آپ کے نکاح میں آئی ہوں سو خود کو

آپ کا غلام محسوس نہیں کر رہی۔۔اب میں

اپنے انداز میں آپ کا مقابلہ کروں گی اور آپ

اس وقت پر افسوس کریں گے جب آپ نے

مجھے بے وقوف بنانے کی حماقت کی تھی۔۔۔!"

اس کی جانب دیکھتی وہ زہر خند لہجے میں بولتی چلی

گئی۔ کیا ہمت تھی۔۔؟ کیا بے خوفی تھی۔۔؟ یا

شاید حماقت تھی کہ وہ اسی کی زمین پر، اسی کے

سامنے تن تنہا کھڑی اسی سے مقابلے کا دعویٰ کر

رہی تھی۔ داد بنتی تھی لیکن وہ اس پل دینے کے

موڈ میں نہیں تھا۔ اسے لگا تھا وہ اسے تنہا کر کے

توڑ دے گا لیکن وہ تو اپنا آخری سہارا گنوا کر مزید

بے خوف ہو گئی تھی۔

"تم مجھ سے مقابلہ کرو اتنی تمھاری اوقات نہیں

ہے۔۔!" اس کی کلائی سختی سے جکڑ کر اسے ایک

جھٹکے سے قریب کرتا وہ سرد ترین لہجے میں

بولا۔۔

"میں آپ کے ظلم و ستم ہرگز برداشت نہیں

کروں گی۔۔!" اپنی کلائی چھڑوانے کی کوشش

کرتی وہ پھنکاری۔

"میں تم پر وہ روایتی سے ظلم کرنے کا کوئی ارادہ

نہیں رکھتا۔۔بس تمھیں رفتہ رفتہ موت کی

جانب دھکیل دوں گا۔۔یہ کھیل تھوڑا مشکل

ہو گا لیکن مجھے پتہ ہے تم یہ کر لو گی۔۔آخر کو تم

ایک قابل لڑکی ہو۔۔!" ایک جھٹکے سے اس کی

کلائی چھوڑتا وہ پر سکون انداز میں بولا تو اس کی

سیاہ آنکھوں کی سختی سے بے حال ہوتی علیشہ کے

اندر خوف چیخا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں پھر

سے بھر آنے لگیں لیکن اس نے جلدی سے

پلکیں جھپکائیں پھر سر اثبات میں ہلایا۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کون کس کو کہاں دھکیلے

گا۔۔"خود کو سنبھالتی وہ جھلستے ہوئے لہجے میں

بولی۔

"میں تم پر سانسیں حرام کر دوں گا علیشہ

چوہان۔۔!" وہ سفاکی سے گویا ہوا۔۔

"میں آپ کو ناکوں چنے چبوا دوں گی سردار شمس

البدر لغاری۔۔!" وہ دوبدو غرائی تھی۔جواباً بدر

کے لبوں پر ایک استہزا آمیز مسکراہٹ پھیل

گئی۔۔

"لیٹس سی۔۔!" بدر کا انداز صاف مذاق اڑاتا

ہوا تھا۔اور جانتی تو علیشہ بھی تھی کہ اس کے

دعوے کس قدر کھوکھلے ہیں۔۔ بھلا اس جلاد

کے مقابل وہ کر ہی کیا سکتی تھی۔۔؟؟ ایک بے

تاثر نگاہ اس پر ڈال کر وہ واش روم سے باہر نکلتا

چلا گیا جبکہ اس کے جاتے ہی وہ بے دم سی ہوتی

پیچھے دیوار سے لگتی چلی گئی۔ علیشہ نے خالی خالی

آنکھوں سے واش روم کی دیواروں کو دیکھا. ہر

جانب ایک ہی چہرہ تھا۔۔ بلکہ نہیں۔۔ ایک

سراب۔۔ جس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے وہ یہاں

تک آ گئی تھی۔ وہ چہرہ جسے شاید وہ دوبارہ کبھی

نہیں دیکھنے والی تھی۔ علیشہ کی آنکھیں تیزی سے

بھیگی تھیں۔ شمس نامی اس دھوکے کی یاد نے اس

کے دل کو چیر ڈالا تھا۔ روتے روتے اس کے حلق

سے گھٹی گھٹی سی چیخیں نکلنے لگیں۔۔ جنہیں

روکنے کو اس کے پاس کوئی سہارا نہ تھا۔زندگی

میں پہلی بار اسے اپنے پاس دوپٹے کی کمی کا

احساس ہوا تھا۔اگر دوپٹہ ہوتا تو یقیناً وہ اسے

اپنے حلق میں ٹھونس کر شمس کی اس جھوٹی محبت

کاسوگ منالیتی جس نے آج اسے کہیں کا نہیں

چھوڑا تھا۔۔

□♦□♦□♦□♦

تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اس عمارت کے اندر داخل

ہوئی تھی۔اتنے عرصے بعد اسے اچانک یوں

ایک نئے روپ میں اپنے سامنے دیکھ کر اس کا دل

عجیب ہی انداز میں دھڑک اٹھا تھا۔ اس کی نس

نس میں منصب عالم شاہ کی نفرت لہو بن کر

گردش کر رہی تھی پھر یہ دل کی دھڑکن تیز

کیوں تھی۔۔؟؟ غصہ۔۔؟؟ بے بسی۔۔۔؟؟

لاچاری یا پھر۔۔۔؟؟؟ وہ اپنے آپ سے الجھتی

جھکی اور زمین پر پڑا اپنا بیگ اٹھایا۔بیگ جھاڑتے

ہوئے وہ پلٹی ہی تھی کہ جب وہ اچانک اس کے

سامنے آگیا۔خوف کی ایک تیز لہر نے پوری

طاقت سے اس کے وجود کا گھیر اؤ کیا تھا۔سبحانی

اور اس کے دوستوں کی موجودگی میں چیختا چلاتا

اس کا اعتماد پل میں ہوا ہوا تھا۔ دو قدم پیچھے ہٹتے

ہوئے مہر ماہ نے سراسیما نگاہوں سے آس پاس

دیکھا۔

" تمھیں اللہ کا واسطہ ہے مجھ سے دور رہو۔۔ میں

اب مزید کوئی بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔۔!"

پانی بھری آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتی وہ

لرزتی ہوئی آواز میں چلائی۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو ماہی۔۔میں کسی غلط

ارادے سے یہاں نہیں آیا ہوں۔۔!" منصب

نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تمھارا ارادہ جو بھی ہو تم میرے پاس مت

آؤ۔۔میں تمھاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی میری

نظروں سے دور ہو جاؤ۔۔!" نفرت بھرے لہجے

میں کہتی وہ اس کی سائیڈ سے گزرتی آگے بڑھی

تھی۔خود پر ضبط کرتا وہ اس کے پیچھے لپکا۔مہرماہ

کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اسے اپنے پیچھے آتا دیکھ

اس سے قدم اٹھانا مشکل تر ہونے لگا۔

"مجھے کچھ کہنے کا موقع تو دو۔ میں تمھاری غلط

فہمی دور کر سکتا ہوں!" وہ ملتجی ہوا۔

"میرا تم سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے سو میں

اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔۔!" مسلسل

بہتے آنسوؤں کو کانپتی انگلیوں سے پونچھتی وہ

قطعیت بھرے انداز میں بولی۔۔

"تمھارا نہ سہی لیکن میرا تعلق تو ہے۔۔۔!!"

اس کے سامنے آتا وہ جلدی سے بولا۔۔

"کیا واقعی۔۔؟ میں جان سکتا ہوں کہ وہ کون سا

تعلق ہے۔۔؟؟" ایک اجنبی آواز پر منصب کی

آنکھوں میں الجھن در آئی۔ اس نے پلٹ کر

دیکھا۔ مہرماہ کی نظر بھی کبیر پر پڑ چکی تھی۔۔

اسے یوں اچانک وہاں دیکھ کر مہرماہ کی رنگت

متغیر ہوئی تھی۔ اس کے بھیگے گال دیکھ کر کبیر کی

آنکھوں میں غصہ چمکنے لگا۔

"مجھ سے یہ سوال کرنے والے تم ہو کون۔۔؟؟

یاتو اس کی وضاحت کرو یا پھر میرے اور ماہی کے

درمیان مداخلت کرنے کے جرم میں، مَیں

تمھارا منہ توڑ دوں گا۔۔!" مکمل طور پر اس کی

جانب گھومتا منصب ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا تو

کبیر نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ ان

دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل دیکھ کر

پریشان ہوتی وہ تیزی سے کبیر کے پاس آئی

تھی۔

"کبیر آپ پلیز یہاں سے جائیں۔۔۔میں کوئی

ہنگامہ نہیں چاہتی۔۔!"کبیر کی جانب دیکھتے

ہوئے مہرماہ نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا تو کبیر کی

جانب سخت نظروں سے دیکھتے منصب کی الجھن

کچھ سلجھی تھی۔

"آپ کیوں رو رہی ہیں۔۔؟اگر آپ اس لڑکے

کو نہیں جانتی تو مجھے بتائیے۔۔میں اسے ایسا سبق

سکھاؤں گا کہ یہ اکیلی لڑکی دیکھ کر اسے ہراس

کرنے کی کوشش آئندہ کبھی نہیں کر پائے

گا۔۔!"اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کبیر

نے منصب کو گھورتے ہوئے کہا تو مہرماہ نے بھیگی

آنکھوں کو پھر سے رگڑا۔ جبکہ منصب تو بس یک

ٹک مہرماہ کے کندھے پر رکھے کبیر کے ہاتھ کو

دیکھ رہا تھا۔ تو کیا وہ شخص مہرماہ کا نلح تھا۔۔؟؟

اس کے اندر کہیں کچھ ڈوبا تھا۔

"میرا نام منصب عالم شاہ ہے۔۔ میں مہرماہ کے

ماموں کا بیٹا ہوں اور یہ میرے چاچو کی بیٹی

ہے۔۔!" اس نے ایک ہی جملے میں مہرماہ سے

اپنے دونوں رشتے بتادیے تھے جو مہرماہ تو مہرماہ،

کبیر کے بھی پلے نہیں پڑے تھے۔ تعارف سن

کر کبیر کچھ ڈھیلا پڑا تھا۔

"اوہ۔۔ تو یہ بات آپ کو مجھے سب سے پہلے بتانی

چاہئیے تھی۔۔ ویل۔۔ میرا نام کبیر ہے اور میں

مہر ماہ جی کا فیانسی ہوں۔۔!" اس کے کندھے سے

ہاتھ ہٹا کر مصافحہ کے لیے منصب کی جانب

بڑھا تا وہ سنجیدگی سے بولا جبکہ لفظ "فیانسی" پر

منصب ایک بار پھر مہرماہ کی جانب دیکھنے پر مجبور

ہوا تھا۔ تو یعنی اس نے اپنے نکاح کی بابت جھوٹ

بولا تھا۔۔؟؟ وہ جھوٹ جس کی وجہ سے وہ دو

ہفتوں سے سو نہیں پایا تھا۔۔اس نے لب

بھینچتے ہوئے مہرماہ پر سے نظریں ہٹالیں۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ ماہی کا نکاح ہو گیا ہے، اگر

معلوم ہوتا کہ صرف منگنی ہوئی ہے تو۔۔۔!"

مدھم لہجے میں کہتے ہوئے منصب نے اس کا بڑھا

ہوا ہاتھ تھاما اور اگلے ہی پل ایک جھٹکے سے اسے

مروڑ دیا۔ کبیر کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ

نما بھاری آواز نکلی تھی۔

"تو تمھارا یہ ہاتھ ماہی کے کندھے تک جانے سے

پہلے ہی توڑ دیتا۔۔!" ایک جھٹکے سے اسے پیچھے

دھکا دیتا وہ غرایا جب کہ کلائی کو دوسرے ہاتھ کی

گرفت میں لیے درد سے دہرا ہوتا کبیر اس پل

اس کی بات سمجھنے سے قاصر ہو رہا تھا۔

"اس بار صرف ہاتھ توڑا ہے۔۔ آئندہ اگر نکاح

سے پہلے اسے چھونے کی کوشش بھی کی تو انگلی

مرتبہ تمھارا یہ منہ، بازو ٹانگیں حتیٰ کہ تمھارے

جسم کی ہڈی ہڈی توڑ ڈالوں گا۔۔!"شہادت کی

انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے ہوئے منصب کی

آنکھوں میں اس پل جنون ہلکورے لے رہا

تھا۔۔اس کے اس اچانک وار پر اپنی جگہ دنگ

کھڑی مہر ماہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے

پھیل گئیں جبکہ اس کی حالت سے بے بہرہ وہ

کبیر کو گھور رہا تھا۔ وہ گھور رہا تھا حالانکہ اس کا دل

بدل گیا تھا، اس کی عادات بدل رہی تھیں۔ لیکن

آج اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کی فطرت نہیں

بدل سکتی تھی۔۔اس کی فطرت اپنی پسندیدہ

شخصیت کے لیے شدت پسند تھی۔وہ کل بھی

مہرماہ کے معاملے میں شدت پسند تھا، آج بھی

شدت پسند تھا اور مستقبل میں بھی وہ ایسا ہی

رہنے والا تھا۔۔منصب عالم شاہ مہرماہ حسین کے

معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرنے والا تھا۔

اس کے اور کبیر کے مابین رشتے کی نوعیت جان

لینے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔

"آر یو میڈ۔۔میری فیانسی ہے یہ۔۔!"کبیر کی

دہاڑ پر وہ کانپ سی گئی۔۔

"آواز دھیمی رکھو ورنہ زبان کھینچ لوں گا۔۔اور

تمھاری فیانسی سے پہلے یہ میری اور میرے

خاندان کی عزت ہے سو پہلے اس سے شرعی

رشتہ بناؤ پھر وہ حق بھی جتا لینا جسے وقت سے پہلے

جتانے کی سزا تم نے ابھی مجھ سے پائی ہے۔۔!"

اپنے حقوق، اپنی کوتاہیاں، اپنی بے ساختگی

بھلائے وہ اس پل پرانے موڑ میں کبیر کے مقابل

کھڑا اسے اس کی حدود دکھا رہا تھا۔ اس کے الفاظ

سنتی مہرماہ کے زخم ہرے ہو گئے کہ اسے اپنی

عزت کہنے والا وہ شخص اپنے دوستوں کے سامنے

اس کی عزت کو بری طرح مجروح کر چکا تھا۔ کیا

ہوتا اگر وہ اس پل اسے حقیقت کا آئینہ دکھا

دیتی۔۔؟؟ بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس کی جانب

دیکھتی مہرماہ کو ایک بار پھر اس سے شدید نفرت

محسوس ہوئی تھی۔۔وہ اپنی نفرت کا لاوا اس پر

ضرور انڈیلتی اگر وہاں کبیر موجود نہ ہوتا۔

"کیا آپ مجھے گھر ڈراپ کر سکتے ہیں۔؟؟"

منصب کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کبیر

سے پوچھا جو اپنا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا۔ چہرے پر

تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

"یس شیور۔۔!" منصب پر ایک ناگوار نظر ڈالتا

وہ مہرماہ کو جواب دیتا پلٹا۔ تبھی منصب نے مہرماہ

کو پکارا تھا۔

"ماہی۔۔؟؟" اس پکار پر مہر ماہ کے قدم بھاری

ہوئے تھے۔ اس نے بامشکل پلٹ کر اس کی

جانب دیکھا۔۔

"تمھاری واچ۔۔!" گھڑی اس کی نگاہوں کے

سامنے کرتا وہ مدھم آواز میں بولا تو مہر ماہ نے

لب بھینچتے ہوئے وہ گھڑی اس کی گرفت سے

کھینچ لی۔

"تم ایک چھوٹے۔۔بہت چھوٹے۔۔بہت زیادہ

چھوٹے انسان ہو۔۔تم اتنی پستی میں گرنے کے

باوجود سر بلند کیے میرے سامنے کھڑے ہو لیکن

مجھے تمھاری جانب دیکھتے ہوئے گھن آرہی

ہے۔۔۔میری نظروں میں تم اس قدر نیچے گر

چکے ہو کہ میری نظریں اس پستی تک پہنچنے سے

قاصر ہیں منصب عالم شاہ۔۔۔!" وہ بے حد مدھم

آواز میں غرائی تھی۔اس کے لہجے کی کاٹ نے

منصب کو اپنی جگہ پتھر کر دیا تھا۔

"آئندہ میرے سامنے مت آنا ورنہ مجھ سے برا

کوئی نہیں ہو گا۔!" جاتے جاتے وہ خنجر اس کے

سینے میں اتارنا نہیں بھولی تھی۔لبوں کو سختی سے

بھینچے وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے وہاں سے

جاتا ہوا دیکھتا رہا۔۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ

اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔۔ منصب اس

پل سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس سے سامنا ہو جانے

پر رب کا شکر ادا کرے یا پھر اس کی نفرت پالینے

پر ڈوب کر مر جائے۔۔؟؟وہ کسی کے نکاح میں

نہیں تھی۔۔یہ خبر مل جانے پر وہ اپنی اس اذیت

پر افسوس کرتا جو اس کے نکاح کی جھوٹی خبر ملنے

پر اس نے جھیلی تھی یا پھر اس کے ملنے کی اس

سچی امید پر خوشی مناتا۔۔؟؟ایک عجب دوراہے

پر کھڑا وہ شخص خود کو اس پل فقیر تصور کر رہا

تھا۔ وہ غریب ترین تھا کیونکہ اس کے پاس دل کا

وہ سکون نہیں تھا جس کا وہ طلب گار تھا۔ امید کا

دامن تھام لینے کے باوجود مہرماہ کی نفرت نے

اسے بے سکون کر ڈالا تھا۔ بلاشبہ اب اس سے

دستبرداری ناممکن سی تھی لیکن وہ اس کے ساتھ

کسی قسم کی زور زبردستی کا ارادہ ہرگز نہیں رکھتا

تھا۔ اسے کیا کرنا تھا وہ سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا،

کیونکہ جس رب نے اسے امید کی کرن تھمائی

تھی یقیناً وہی اس کے لیے راستہ بھی بنانے والا

تھا۔ سو دل کے درد پر ضبط کرتا وہ مبہم سا مسکرا

دیا۔ وہ مسکرایا تھا کیونکہ یہ واحد کام تھا جو اس پل

وہ کر سکتا تھا۔

یہ چبھن اکیلے پن کی، یہ لگن اُداس شب سے

۔۔۔۔۔۔۔

میں ہوا سے لڑ رہا ہوں،،،، تجھے کیا بتاؤں کب

سے!

یہ سحــــــــر کی شازشیں تھیں، کہ یہ انتقامِ شب

تھا

مجھے زندگی کا سورج نہ بچا سکــــــــا غضب سے

!!!

تی۔۔رے نام سے شفا ہو، کوئی زخم وہ عطا

ک۔۔۔۔۔۔۔۔ر،،

میرے نامہ بَ۔۔۔۔۔۔ر ملے تو، اُسے ک۔۔۔۔۔ہنا

یہ ادب سے !!

وہ جو اس رُتوں کی شامیں، کہاں کھو گئی ہیں؟ محسن

!

میں تو بجھ کے رہ گیا ہوں، وہ بچھڑ گیا ہے جب

سے!!!

□♦□♦□♦□♦

"وہ خوفزدہ ہے۔۔ پریشان ہے۔۔ حیران ہے کہ

اسے کیوں قبول کیا گیا ہے۔۔ میں تو شاید اسے

اپنی محبت کا یقین دلانے میں کامیاب ہو جاؤں

لیکن میں اسے یہ یقین کبھی نہیں دلا سکوں گا کہ

آپ نے صرف میری خوشی کی خاطر اسے قبول

کیا ہے۔۔!" کچھ دیر پہلے کہے گئے عالم کے جملے

ان کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ان کی پیشانی

پر تفکر کی لکیریں ڈیرہ جمائے ہوئے تھیں۔

بوڑھی آنکھوں میں اداسی لیے وہ فرش پر بچھے

دبیز قالین کو گھور رہے تھے۔

"وہ عقل وشعور رکھتی ہے دادا۔۔اگر اسے کوئی

بنیادی وجہ نہ بتائی گئی تو وہ پریشان رہے گی۔۔

میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ اس سے بات

کریں اور اس کے سامنے وہ جواز پیش کریں جس

کے تحت آپ نے اسے میرے نکاح میں دیا

ہے۔۔!" کیسی آزمائش میں مبتلا کر گیا تھا وہ

انھیں۔۔؟ ایسی کہ جس کا سامنا کرنے سے بھی

وہ خوفزدہ تھے۔ وہ بھلا کیسے مرحہ کے سامنے یہ

حقیقت تسلیم کر سکتے تھے کہ وہ ان کی پوتی ہے

چھڑی کی مدد سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے وہ

خود مرحہ کے کمرے تک آئے تھے۔۔

"صرف آپ ہی ہیں جو اسے مطمئن کرسکتے

ہیں۔۔!" عالم کا پر یقین لہجہ۔۔ گہرا سانس

بھرتے ہوئے انھوں نے گلا کھنکھارا اور اس کے

دروازے پر دستک دیتے ہوئے اجازت طلب

کی۔ اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا تھا۔

"سلام بابا سرکار۔۔!" نظریں جھکاتے ہوئے اس

نے فوراً انھیں سلام کیا تھا. اس کے سر پر ہاتھ

رکھتے ہوئے انھوں نے اس کے سلام کا جواب

دیا۔۔

"اب تمہاری طبعیت کیسی ہے بیٹی۔۔؟؟"

انھوں نے نرم لہجے میں دریافت کیا. سوال پر

اس نے بھیگی پلکیں جھپکاتے ہوئے سر اثبات میں

ہلایا۔ اس کا سرخ متورم چہرہ اس کے کافی زیادہ دو

چکنے کی غمازی کر رہا تھا۔ وہ لب بھینچتے اس کے

کمرے میں داخل ہو گئے۔

"آپ نے کیوں تکلیف کی۔۔مجھے بلا لیتے میں

آجاتی۔۔!"مرحہ نے احتراماً کہا تو وہ ہولے سے

مسکرائے۔

"مجھے یہاں آنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی

بیٹی۔۔بلکہ تم جس تکلیف میں مبتلا ہو وہ میری

تکلیف کا باعث ہے۔۔!" سید ذوالفقار عالم شاہ

نے مدھم افسردہ سے لہجے میں کہا تو ان کی بات پر

مرحہ نے کچھ حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

"اگر تم یہ سوچتی ہو کہ مجھے تم سے کوئی مفاد ہے

تو ایسا نہیں ہے۔۔ اگر تم یہ سوچتی ہو کہ میں نے

یا عالم نے تم پر ترس کھایا ہے تو ایسا بھی نہیں

ہے۔۔!" انھوں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے

سنجیدگی سے کہا تو مرحہ نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ وہ

کیسے اس کے اندر کا بھید پا گئے تھے۔۔؟؟

"حیران مت ہو۔۔میں جانتا ہوں کہ تم اپنی

شناخت کو لے کر پریشان ہو۔۔تمہاری شناخت

صرف اتنی ہے کہ تمہارا باپ تمہاری پیدائش

سے پہلے ہی اس دنیا سے چلا گیا اور تمہاری ماں

اس دنیا کی بھیڑ میں کہیں کھو گئی۔۔وہ ہمارے

ملازمین میں سے ایک تھی۔۔!" انھوں نے کافی

سنجیدگی سے اسے ادھوار سچ بتایا تھا۔ مرحہ کا دل

کانپنے لگا۔

"تو کیا میری ماں زندہ ہے۔۔؟؟" مرحہ نے

لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"باخدا یہ میں نہیں جانتا۔۔میں نے اسے تلاشنے

کی بہت کوشش کی لیکن میں ناکام رہا۔۔تب تم

اس حویلی کی ذمہ داری تھی سو میں نے تمہاری

ماں کے چلے جانے کے بعد تمہیں اپنے خاص

ملازمین کے حوالے کر دیا تھا۔۔جب تم چھ برس

کی ہوئیں تو میں تمہیں واپس اس حویلی لے آیا

تھا۔۔ اور پھر جب۔۔ میرے پوتے نے

تمہارے ہی منہ سے تمہارا نام سن کر اس کی نفی

کی تو میں اپنے بیٹے کی موت کے سات سال بعد

پہلی مرتبہ مسکرایا تھا۔۔!" بے حد مدھم آواز

میں اسے ایک دھندلی حقیقت بتاتے ہوئے وہ

اداس نظر آرہے تھے۔ مرحہ کی آنکھوں میں

سوال تھا۔

"میرا بیٹا ولید کیوں مرا تھا۔؟؟ یہ میں نہیں

جانتا۔۔بے شک موت کا ایک وقت مقرر ہے

لیکن بعض اوقات ہم اپنے ہی اپنوں کی موت کا

سبب بن جاتے ہیں۔۔ ولید ایک ملازمہ کو پسند

کرتا تھا۔ اس کے لیے میرے سامنے آ کھڑا ہوا

لیکن میں رضامند نہیں ہوا اور میرا بیٹا مجھ سے

لڑتے لڑتے ایک حادثے کا شکار ہوتا ہمیشہ کے

لیے مجھ سے بچھڑ گیا۔۔!" بتاتے ہوئے ان کی

آنکھوں میں نمی سی چمکنے لگی۔

"وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔۔ لیکن اس عورت سے

دور کرنے کے لیے میں نے اسے یہاں سے دور

بھیج دیا اور پھر۔۔ پھر وہ کبھی واپس آیا۔۔!!" ان

کی آواز بھاری ہو گئی۔

"میرا اس سب سے کیا تعلق ہے۔۔؟؟" مرحہ

نے آہستگی سے پوچھا۔

"تمہارا نہیں ہے۔۔ لیکن عالم کا ہے۔۔، جب تم

نے حویلی کے تمام مکینوں کے سامنے اپنا نام 'کالی'

بتایا تو اس کی نفی کر کے تمہارا نام مرحہ رکھنے والا

وہ ہی تھا۔۔ مجھے زندگی میں پہلی بار عالم پر ولید کا

گماں ہوا تھا۔۔ اس کی آنکھوں میں تمہارے

لیے جو معصوم جذبات تھے وہ مجھ سے مخفی نہ رہ

سکے بیٹی۔۔اور پھر میں نے ان جذبات کی

قندیلوں کو ہمیشہ اس کی آنکھوں میں روشن ہی

پایا۔۔!" انہوں نے نرم مدھم لہجے میں کہا تو اس

بار مرحہ کی آنکھیں بھیگی تھیں۔

"میرا بچہ اس وقت سے تمہیں چاہتا ہے جب

شاید وہ چاہت کے معنوں سے آشنا بھی نہیں

تھا۔۔!" انھوں نے کہا تو اس کی آنکھوں نے

دھیرے سے دو آنسو بہائے تھے۔۔

"میں نے تمہیں بخوشی قبول کیا ہے کیونکہ میں

دوسری مرتبہ

ولید کو کھونا نہیں چاہتا بیٹی۔۔میں اب اولاد کو

کھونے کی طاقت نہیں رکھتا۔۔یہی وجہ ہے کہ

میں نے تمہیں اس حویلی کی بہو کا درجہ دیا

ہے۔۔!" انھوں نے کافی ضبط سے جھوٹ ملا

آدھا سچ اسے بتایا تو وہ شرمسار ہوتی ان کے

قدموں میں بیٹھ گئی۔

"مجھے معاف کر دیں بابا سرکار۔۔لیکن میں

بدگمان نہیں تھی، صرف پریشان تھی۔۔!" ان

کے پیروں کو چھونے کی کوشش کرتی وہ روتے

ہوئے بولی تو وہ جی جان سے لرز اٹھے۔ دل کو

سنبھالتے وہ فوراً پیچھے ہٹے تھے۔

"اب تم میری بہو ہو مرحہ۔۔یوں میرے

قدموں میں بیٹھ کر مجھے تکلیف نہ دو بیٹی۔۔ اٹھو

شاباش۔۔!" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے

انھوں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا تو وہ اپنی

آنکھیں مسلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں عالم سرکار کو کبھی پریشان نہیں کروں

گی۔۔ہمیشہ ان کے قدموں کی دھول بن کر

رہوں گی۔۔!" نظریں جھکائے کھڑی وہ سوں

سوں کرتے ہوئے بولی تو انھوں نے ہولے سے

نفی میں سر ہلایا۔

"شوہر حاکم نہیں ہوتا بیٹی کہ زندگی اس کے

قدموں میں زندگی گزار دی جائے۔۔ شوہر تو

محافظ ہوتا ہے جس کے پہلو میں ایک اطاعت

گزار بیوی فخر سے سر بلند کر کے اپنی زندگی جیتی

ہے۔۔اس لیے آئندہ ایسی بات سوچنا بھی

مت۔۔وہ تمہیں چاہتا ہے۔۔میری دعا ہے کہ

تم اس کی چاہت کے سائے میں ایک مان بھری

زندگی گزارو۔۔!" وہ بڑے میٹھے لہجے میں اسے

سرخرو کر رہے تھے۔ مرحہ کا دل اپنی خوش

نصیبی پر بے یقین سا تھا۔ وہ روتے روتے

مسکرائی۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ آباد رکھے۔۔!" اسے

مسکراتے دیکھ انھوں نے صدق دل سے اسے

دعا دی تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا. اس کی

بھیگی آنکھوں میں جلتی روشن شمعیں دیکھ کر سید

ذوالفقار عالم شاہ کو اپنے سینے سے ایک بوجھ سے

ہٹتا محسوس ہوا۔ اسے آرام کی تاکید کر کے وہ

وہاں سے نکل آئے۔ آنکھیں اس معصوم کی

سادگی پر چپکے سے نم ہو گئی تھیں۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

وہ درد، وہ وفا، وہ محبت تمام شُد

لے! دل میں ترے قرب کی حسرت تمام شُد

یہ بعد میں کُھلے گا کہ کس کس کا خُون ہوا

ہر اِک بیاں ختم، عدالت تمام شُد

تُو اب تو دشمنی کے بھی قابل نہیں رہا

اُٹھتی تھی جو کبھی وہ عداوت تمام شُد

اب ربط اک نیا مجھے آوارگی سے ہے

پابندیِ خیال کی عادت تمام شُد

جائز تھی یا نہیں، ترے حق میں تھی مگر

کرتی تھی جو کبھی وہ وکالت تمام شُد

وہ روز روز مرنے کا قصہ ہوا تمام

وہ روز دِل کو چیرتی وحشت تمام شُد

"محسن "میں کُنج زیست میں چُپ ہوں پڑی

مجنُوں سی وہ خصلت و حالت تمام شُد

اس کے اندر باہر ہر جانب سناٹے چیخ رہے تھے۔

بھوری آنکھیں رو رو کر سوج چکی تھیں۔ وہ جو

رونے سے نا آشنا تھی آج اتنا روئی تھی کہ درو

دیوار اس پر حیران تھے۔۔ دل درد سے پھٹ رہا

تھا لیکن پھر بھی اس کی سانسیں ہموار تھیں۔ وہ

اس ظالم کے سامنے کمزور نہیں پڑی تھی لیکن

اس کے جاتے ہی وہ ٹوٹ کر بکھری تھی۔

وہ پل۔۔

وہ لمحات۔۔

وہ سارے خواب۔۔۔

اس کا اصلی چہرہ سامنے آتے ہی سب کچھ ہوا ہو

گیا تھا۔وہ جس شخص بچنے کے لیے شمس کی پناہ

میں آئی تھی اب وہ ہی ہر جانب دکھائی دینے والا

تھا۔ جس کی سنہری آنکھوں کی سنجیدگی اس کا دل

لے گئی تھی اب اسی سنجیدگی نے سیاہی اوڑھ کر

درندگی کا روپ دھار لیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ

اسے وہاں بیٹھے بیٹھے کتنا وقت گزرا ہے لیکن وہ

وہاں سے نکل کر دوبارہ یہ دیکھنے نہیں آیا تھا کہ وہ

زندہ ہے یا خود کو کچھ کر چکی ہے۔۔وہ خود کو کچھ

نہیں یقیناً بہت کچھ وہ کر چکی ہوتی اگر وہ علیشہ

چوہان نہ ہوتی۔۔شل ہوتی ٹانگوں کو سمیٹتی وہ

ہمت کر کے اٹھی۔کھڑے ہوتے ہی اسے چکر

سا آیا تھا۔اس نے بے اختیار پیشانی کو مسلا۔

پوروں پر پسینے کی نمی محسوس کرتے ہوئے اس

نے خالی خالی نظروں سے اطراف میں دیکھا۔وہ

ہنوز واش روم میں موجود تھی۔اسے اس دوران

پہلی مرتبہ حلق میں اگتے کانٹوں کا احساس ہوا

تھا۔ گرمی کے شدید احساس تلے اس نے اپنے

چہرے اور گردن کو مسلا۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے

سے بھیگ گئیں۔ کھلی ہوا میں سانس لینے کو وہ

جلدی سے واش روم سے باہر نکلی۔ کمرے کی ہر

چیز نفاست سے اپنی جگہ موجود تھی۔ گلاس وال

پر گرے بھاری پردوں کے باعث کمرے میں نیم

تاریکی کا راج تھا۔ بہت سارو چپنے کے باعث اس

کا دماغ اس پل سن ہو رہا تھا۔ میکانکی انداز میں وہ

سامنے ہی دروازے کے ساتھ دیوار میں نصب

سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی۔ ہاتھ مار کر لائٹ آن

کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کیا۔ سارے سوئچ

آن کرنے کے بعد بھی کوئی لائٹ نہیں جلی

تھی۔ اس نے پنکھا چلانے کی غرض سے کمرے

میں کسی دوسرے سوئچ بورڈ کی تلاش میں

نظریں گھمائیں۔ چند سیکنڈز میں ہی اسے سوئچ

بورڈ مل گیا۔علیشہ نے آگے بڑھ کر اپنی کوشش

دہرائی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔یوں معلوم ہو رہا تھا

جیسے وہاں بجلی کا کوئی کنیکشن نہ ہو۔وہ اس

احساس ہوا حقیقت سمجھ لیتی لیکن پچھلی مرتبہ وہ

اس کمرے میں اے۔سی کی خنکی میں سوتی رہی

تھی۔۔ نظریں گھمانے پر اسے کمرے میں لگا

اے۔سی بھی نظر آگیا تھا لیکن جب لائٹ اور

پنکھا ہی نہ چلنے کی قسم کھائے ہوئے تھے تو بھلا

اے۔سی کیا خاک چلتا۔اب کی مرتبہ علیشہ کے

دماغ نے کام کرنا شروع کیا تھا۔۔اس بند کمرے

میں اسے گھٹن کا احساس ہوا تھا۔ تو کیا وہ اسے

وہاں قید کر گیا تھا۔۔؟؟ یہ سوچ آتے ہی وہ بے

تابانہ دروازے کی طرف لپکی۔ ہینڈل گھماتے ہی

دروازہ کھل گیا تھا۔ علیشہ نے کچھ بے یقینی سے

باہر قدم رکھا۔ تو اس نے اسے قید نہیں کیا

تھا۔۔؟؟ سکون کا سانس لیتی وہ قدم قدم چلتی

سیڑھیوں کی جانب آئی۔ گلاس وال سے لاؤنج

میں آتی روشنی نے اسے وقت کا احساس دلایا۔

دوپہر ڈھلنے کو تھی۔پانی پینے کی غرض سے وہ

نیچے آئی اور کچن کی تلاش میں گھوم کر اطراف

میں دیکھا۔ اس وقت وہاں کوئی ملازم نظر نہیں

آرہا تھا۔ تھوڑی سے پس و پیش کے بعد وہ کچن

تک آگئی تھی۔ جدید طرز پر بنا صاف ستھرا کچن

اس پل سنسنان پڑا تھا۔ فریج کی جلتی بتی دیکھ کر

اسے معلوم ہوا تھا کہ فقط کمرے کا کنکشن ہی

آف کیا گیا تھا۔علیشہ کے دل میں درد سا پھیل

گیا۔نچلے لب کو دانتوں میں دبائے وہ فریج کے

قریب آئی۔۔دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا

لیکن یہ کیا۔۔؟فریج کا دروازہ لاک تھا۔علیشہ

نے ایک بار،دو بار،تین بار کوشش کی تھی لیکن

دروازہ اپنی جگہ فکس تھا۔ اس دفعہ اسے غصہ آیا

تھا۔ الماری نما اس چوڑی سی فریج کو پاؤں سے

ٹھڈا مارتی وہ سنک پر آئی لیکن نلکا کھولنے پر خالی

غوں غوں کی آواز نے اس کا دماغ بھک سے اڑا

دیا تھا۔ صحیح معنوں میں اس کے ہوش اڑے

تھے۔ وہ اس کے پر کاٹ کر اس پنجرے میں

اسے آزاد چھوڑ گیا تھا جہاں اس کے جینے کی

بنیادی اکائیاں موجود ہی نہ تھیں۔ علیشہ نے

کیبنیٹس کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی لاکڈ

تھے۔غصے اور بے بسی کے شدید احساس تلے

پاگل ہوتی وہ بھاگ کر باہر آئی تھی۔۔

"کوئی ہے۔۔؟؟ ہے کوئی یہاں۔۔؟؟" وہ دیوانہ

وار چلائی۔کوئی جواب نہ پا کر اس نے لاؤنج کی

دیواروں میں نصب سوئچ بورڈز پر ہاتھ مارے۔

کوئی بلب روشن نہ ہوا تھا۔ وہاں کسی مددگار کو

پکارتی وہ واپس فرسٹ فلور پر آئی اور ہر کمرے کا

دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ لائیٹس آن کرنے

کی کوشش کی، واش روم کے نلکے کھول کھول کر

دیکھتی وہ پاگل ہو رہی تھی لیکن نہ تو اس پورے

فارم ہاؤس میں لائٹ تھی اور نہ ہی پانی کی ایک

بوند۔۔اس کی ٹانگیں دکھنے لگی تھیں۔۔آخر میں

بے حال ہوتی وہ فرسٹ فلور سے ملحق اسی ٹیرس

پر چلی آئی جہاں سے تھوڑا نیچے لان تھا. لان سے

آگے گرل اور پھر گرل سے آگے وہی جھاڑی نما

گھاس پھونس کے درمیان گھری وہ سفید روش

جس کے آخر میں اس فارم ہاؤس کا وسیع پھاٹک

تھا۔ دکھتی ٹانگوں پر ہاتھ رکھتی وہ وہیں زمین پر

بیٹھتی چلی گئی۔۔گلے میں اگے کانٹے اسے رونے

پر مجبور کر رہے تھے۔ بھوک کے مارے اس کی

انتڑیاں سوکھ رہی تھیں لیکن وہاں اس کے

کھانے کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔علیشہ نے بے

بس نگاہوں سے آسمان کی جانب دیکھا جس کا

سینہ اس پل آگ برسا رہا تھا۔بے اختیار اس کی

آنکھوں میں گزشتہ رات کا وہ منظر گھوم گیا جب

کھانے کی ٹرے اس نے لاپرواہی سے پھینک دی

تھی۔ وہ روٹیاں جو ساری رات زمین ہر پڑے

پڑے ہی سوکھ گئی تھیں۔ اگلے ہی پل وہ بچوں کی

طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔۔ سردار بدر

لغاری اس کی زندگی اس طرح سے عذاب

کرے گا،، اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

♦□♦□♦□♦

عمیر سے مل کر وہ سیدھا مٹھی کی طرف آیا تھا۔

سبحانی نے اسے بہتیری کالز کی تھیں لیکن نے

ایک بھی ریسیو نہ کی کیونکہ اسے تھپڑ مار لینے کے

باوجود اس کا اس پر غصہ ٹھنڈا نہیں ہو تھا لیکن یہ

اس کی سبحانی کے لیے محبت ہی تھی جس سے

مجبور ہو کر وہ اس سے بات کرنے سے احتراز

برت رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے

سبحانی سے بات کی تو وہ خود کو مزید سخت کہنے سے

نہیں روک پائے گا۔۔ سارنگ ولا کا گیٹ پار

کرتے ہوئے اس کا ذہن مختلف سوچوں کی

آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ گاڑی پارک کر کے وہ سیدھا

اندر آیا تھا۔ اسے لیونگ روم میں ہی صندل بیگم

ایک ملازمہ پر چنگھاڑتی نظر آ گئی تھیں۔ اس نے

بلند آواز میں انھیں سلام کیا تو وہ اس کی جانب

متوجہ ہوئیں۔

"وعلیکم السلام۔۔ تم یہاں۔۔؟؟" اس کے

قریب آتے ہوئے انھوں نے آہستگی سے پوچھا

۔۔

"جی۔۔علیشہ سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔جب سے

واپس آیا ہوں اس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔۔

اسے بلا دیں پلیز۔۔!"صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس

نے سنجیدگی سے کہا تو وہ دانت پیس کر رہ گئیں۔

"تمہیں عالم نے بتایا نہیں۔۔؟؟" ان کے سوال

پر وہ ٹیک لگاتے لگاتے رکا۔

"کیا نہیں بتایا۔۔؟؟" منصب کی بھنویں تن

گئیں۔

"یہی کہ وہ کمبخت بھاگ گئی ہے۔۔!" وہ زہر خند لہجے میں پھنکاریں۔ منصب کے سر پر آسمان ٹوٹا تھا۔ بھلا علیشہ ایسا کر بھی کیسے سکتی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔۔؟؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔وہ کیوں بھاگے گی گھر سے۔۔۔؟؟" ان کے قریب آتا وہ مشتعل انداز میں بولا۔

"ایسا ہو چکا ہے۔۔ بھاگ گئی ہے وہ۔۔!" منہ

بناتی وہ تلخی سے گویا ہوئیں تو منصب کی آنکھوں

مں ناگواری در آئی۔

"یقیناً اس نے ایسا شوقیہ نہیں کیا ہو گا۔۔ آپ

لوگ ضرور اس کے ساتھ کچھ غلط کر رہے ہوں

گے۔۔!" منصب نے جانچتی نظروں سے انہیں

دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو وہ منہ ہی منہ میں

بدبدائیں۔

"مما۔۔۔جواب دیں مجھے۔۔ آپ نے تشدد کیا

ہے اس پر؟؟؟ یا کوئی غلط فیصلہ۔۔؟؟ کیونکہ وہ

نارملی ایسا نہیں کر سکتی۔۔!" انھیں بازوؤں سے

تھامتے ہوئے منصب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کوئی تشدد نہیں کیا۔ اور کیسا غلط فیصلہ۔۔ جو

بھی ہوا اس کی ذمہ دار وہی تھی۔۔ اتنا سمجھایا تھا

اسے لیکن اس لڑکی کے کان پر جوں نہیں

رینگی۔۔ ایک دو سال تنگی برداشت کر لیتی تو پھر

اسی کے عیش تھے۔۔!" منصب کے ہاتھ جھٹکتے

ہوئے وہ نظریں چراتے ہوئے بولیں تو منصب

کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"وہ ہی بات ہوئی ناں پھر۔۔عالم ٹھیک کہہ رہا

تھا، آپ لوگ اسے خون بہا میں دینے والے

تھے اسی لیے اس نے یہ قدم اٹھایا۔۔!" اپنے

غصے پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتا وہ سرد لہجے

میں بولا۔

"ہاں تو کچھ انوکھا نہیں کر رہے تھے۔۔ اس

سرزمین کی لڑکیاں صدیوں سے اپنے باپ

بھائیوں کے لیے قربان ہوتی آ رہی ہیں۔۔!"

صندل بیگم نے جلے دل سے کہا۔

"اماں پلیز میرا دماغ خراب مت کریں۔۔!" وہ

پریشان ہوتا چلایا۔

"نہ تو سارنگ اس کا بھائی ہے اور نہ ہی باپ۔۔

اس کا بھائی میں ہوں اور اگر سارنگ کی بجائے وہ

ایسا کچھ کرتی تو اس کی جگہ میں خود کو قربان کر

دیتا اور یہی ایک بھائی کو سوٹ کرتا ہے۔۔وہ

سب کچھ ہرگز نہیں جو اس سرزمین کے بھائی

اپنی جان بچانے کے لیے اپنی بہنوں کے ساتھ

ہو جانے دیتے ہیں۔۔!" اپنا ضبط کھوتا وہ ایک

ایک لفظ پر زور دیتا بولا۔

"تم دونوں (منصب، عالم) کا جگر تو کچھ زیادہ ہی

چھلنی ہوا جاتا ہے اس کے لیے۔۔ کالک مل گئی

ہے ہمارے چہروں پر کچھ اچھا نہیں کیا اس نے

۔۔!" اس کی دلیل رد کرتی وہ چلائیں۔

"یاد کریں آپ بھی اسے اپنے جگر کا ٹکڑا کہا کرتی

تھیں لیکن آپ کے الفاظ آج یہ ثابت کر رہے

ہیں کہ آپ بس کہا ہی کرتی تھیں۔۔!" تاسف

زدہ نظروں سے انھیں دیکھتا وہ بولا تھا۔

"اگر اس نے. بھاگ کر برا کیا بھی ہے تو صرف

آپ لوگوں کی وجہ سے۔۔میری بات سن لیں

مما اگر اس کے ساتھ کچھ غلط ہوا تو میں سارنگ

ولا کو آپ کے بھتیجے (سارنگ) کے سر پر گرا

دوں گا۔۔!" شہادت کی انگلی اٹھا کر انھیں وارن

کرنے والا انداز میں کہتا وہ وہاں سے پلٹ گیا۔

صندل بیگم نے لب بھینچتے ہوئے اس کی چوڑی

پشت کو دیکھا۔ معاً بیٹے کی محبت نے جوش مارا تھا۔

"کچھ کھا تو لیتے۔۔!" وہ دبی ہوئی آواز میں

بڑبڑائیں۔ انھیں منصب کے یوں واپس جانے پر

افسوس سا ہوا تھا۔

"اوئے شاکر۔۔فون ملا اور پوچھ اپنے باپ سے

کہ وہاں جرگے میں ہو کیا رہا ہے۔۔!" قریب

سے گزرتے ملازم کو آواز دیتی وہ چلائیں۔

"کمبخت ہمیں مشکل میں ڈال گئی۔۔اب پتہ

نہیں وہ خبیث بڈھا کیا فیصلہ سنائے گا۔۔!"

شمعون لغاری کو دل ہی دل میں کوستی وہ

بڑبڑائیں۔۔

□♦□♦□♦□♦

"بات سنو مہر۔۔!" وہ پانی پی کر کچن سے نکلنے لگی

تو زہرہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

"جی اماں۔۔؟؟" ان کی جانب دیکھتے ہوئے اس

نے آہستگی سے کہا۔

"دوپہر کبیر پریشان لگ رہا تھا۔۔ کیا تم نے اس

سے کچھ کہا ہے؟؟ تمہارے بابا کی موجودگی کی

وجہ سے میں یہ بھی نہیں پوچھ سکی کہ تم اس کے

ساتھ واپس کیوں آئیں۔۔؟اس نے جو کہا

تمہارے بابا نے وہی سچ مان لیا لیکن میں کچھ

الجھن کا شکار ہوں۔۔کیا تم اسے سلجھا سکتی

ہو۔۔؟؟"اس کی جانب کھوجتی نگاہوں سے

دیکھتے ہوئے انھوں نے نرمی سے پوچھا تو مہرماہ

کے چہرے کی رنگت بدلی۔

"کیسی الجھن اماں۔۔۔ آپ کیا سوچ رہی ہیں

میں نہیں جانتی لیکن سچ یہی ہے کہ کبیر مجھے بس

سٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے ملے تھے۔۔ انھوں

نے کہا میں ڈراپ کر دیتا ہوں تو میں انکار نہ کر

سکی۔۔!" اپنے اندر کی اذیت دباتی وہ لہجے کو

نارمل کرتے ہوئے اطمینان سے بولی۔ وہ دونوں

یونیورسٹی سے نکل کر پہلے قریبی کلینک گئے

تھے۔ کبیر کی کلائی پر بینڈیج کروائی تھی پھر وہ

اسے زبردستی لنچ کروانے لے گیا تھا۔اس کے

بعد جب وہ اسے گھر چھوڑنے آیا تو اس دوران

تقریباًیونیورسٹی کا آف ٹائم ہو ہی گیا تھا سو وہ

دوسرے کئی سوالات سے بچ گئی تھی۔

"کیا واقعی۔۔؟؟ تو پھر کبیر کے ہاتھ پر وہ چوٹ

کیسی تھی۔۔؟؟" ان کے اگلے سوال نے اسے

پریشان کیا تھا۔۔

"انھوں نے بتایا تو تھا کہ کمپنی کی سائٹ پر کام

کرتے ہوئے کسی وزنی چیز نے ان کی کلائی کو ہِٹ

کیا تھا۔۔!"مہرماہ نے سادہ سے انداز میں کہا۔

"اور وہ چیز کیا تھی۔۔؟؟"زہرہ بیگم کو یقین

نہیں آرہا تھا۔۔

"اوہو اماں یہ آپ انھی سے پوچھ لیتی ناں۔۔ بھلا

مجھے کیا پتہ۔۔!" جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہتی

وہ وہاں سے پلٹی لیکن ان کے اگلے سوال نے اس

کے قدم روک دیے۔

"منصب سے ملاقات ہوئی ہے تم دونوں

کی۔۔؟؟" ان کا لہجہ اس قدر پر یقین تھا کہ وہ

اپنی جگہ دنگ رہ گئی۔ ان کی طرف گھوم کر مہرماہ

نے خانوش نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

"آپ کو ایسا کیوں لگا۔۔؟؟" اس نے زہر ہوتے

لہجے میں پوچھا. آنکھوں میں نفرت امڈ آئی تھی۔

"کیونکہ تم جب واپس آئیں تو تمہاری آنکھیں

روئی ہوئی تھیں۔۔!" انھوں نے آہستگی سے کہا۔

"یعنی آپ کو بھی معلوم ہے کہ میرے رونے کی

وجہ منصب عالم شاہ ہی ہو سکتا ہے۔۔!" پوچھتے

ہوئے اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"تو وہ آج ملا تھا تمہیں۔۔؟؟" ان کا سوال وہی

تھا۔

"ہاں ملا تھا۔۔اور وہ جب بھی ملتا ہے مجھے رونے

پر مجبور کرتا ہے۔۔مجھے اس سے نفرت ہے

اماں۔۔دعا کریں آپ کی بیٹی کو رلانے والا مر

جائے۔۔۔وہ مر جائے تاکہ میں سکون سے جی

سکوں ورنہ ساری زندگی یونہی اذیت کا شکار

رہوں گی۔۔!" یک دم ہذیاتی ہوتی وہ پاگلوں کی

طرح چلائی۔ آنکھیں پل میں نم ہوئی تھیں۔ اس

کے لہجے کی کڑواہٹ پر دل کو تھامتی زہرہ بیگم

سن رہ گئیں جبکہ انہیں بت بنا چھوڑ کر وہ تن فن

کرتی وہاں سے چلی گئی۔ زہرہ نے خالی خالی

نظروں سے فرش کو گھورا. ناجیہ بیگم نے ان سے

منصب کے گزشتہ تمام رویوں کی معافی مانگ کر

اس کے لیے مہرماہ کے ساتھ کی گزارش کی

تھی۔ گو وہ انہیں انکار کر چکی تھیں لیکن پھر بھی

مہرماہ کو جانچنے کے لیے انھوں نے آج اسے

کرید اتھا اور بدلے میں اس کا رویہ دیکھ کر وہ خود

پریشان ہو گئی تھیں۔۔

□♦□♦□♦□♦

ماحول گرد آلود تھا۔ڈھلتی دوپہر کے منظر میں

فضا میں بلند ہوتی سرگوشیاں حالات کی سنگینی کا پتہ

دے رہی تھی۔ہر شخص کی زبان پر ایک ہی

سوال تھا کہ اب کیا ہو گا۔۔۔؟؟ آج پھر مٹھی

کے لوگ گول گھیراؤ کی شکل میں اس شہر کے

بڑے ٹیلے کو رونق بخشے ہوئے تھے۔چبوترے پر

رکھے موڑھوں پر اسی ترتیب سے پنچایت کے

معززین براجمان تھے۔۔ آج پھر وہ ہاتھ پشت پر

باندھے پوری شان سے سر بلند کیے اپنے باپ کی

پشت پر کھڑا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں غرور کا ایک

جہان آباد تھا۔ وہ منظر گزشتہ شام کے منظر سے

کچھ مختلف نہ تھا ہاں لیکن حالات تبدیل ہو چکے

تھے۔ کل تک وہاں موجود افراد میں سے کسی

ایک کو بھی فیصلے کے بعد یہ گماں نہیں گزرا تھا

کہ انہیں اگلے دن پھر سے اسی مقدمے کی

سنوائی کے لیے آنا پڑے گا جس کا فیصلہ

چوہانیوں کے حق میں دیا گیا تھا۔ اس خبر نے

مجمعے میں ایک سنسنی سے پھیلا دی تھی کہ چوہان

اپنی بیٹی کو سردار شمس البدر لغاری کے نکاح میں

دینے سے قاصر رہے تھے۔

"میں آپ سے شرمندہ ہوں لیکن میری بھتیجی

کی طبعیت ناساز ہے۔۔ آپ اس نکاح کے لیے

مجھے دو دن کی مہلت دے دیں، وہ کچھ بہتر ہو گی

تو۔۔۔!"عبدالعزیز چوہان گزارش کرنے والے

انداز میں بول رہا تھا جب سردار شمعون لغاری

نے اسے ٹوکا۔

"میں ایسے کسی جواز کو نہیں مانتا چوہان جس کا

تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔۔!" وہ پورے

جاہ و جلال سے گرجے تھے۔ مجمعے کو سانپ سونگھ

گیا۔

"ثبوت ہے سردار۔۔ آپ چاہیں تو اس حکیمہ

سے پوچھ لیجئے۔۔ یہ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ

کس قدر بیمار ہے، میری بھتیجی اسی کے زیرِ علاج

ہے۔۔"عبدالعزیز چوہان نے فوراً ایک طرف

کھڑی عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

تو وہاں کی مشہور حکیمہ تھی۔اس کے کہنے پر

پنچایت کے معززین میں سے ایک نے اس

عورت کو ہاتھ کے اشارے سے سامنے آنے کا

کہا۔ وہ ڈرتے ڈرتے سامنے آئی۔

"خاتون۔۔ ہمیں بتاؤ کہ کیا وہ لڑکی تمہارے زیر

علاج ہے۔۔؟؟ جواب دینے سے پہلے یہ یاد رکھنا

کہ اگر یہ جھوٹ ہوا تو تم سزا کی حقدار ٹھہرو

گی۔۔!" سردار شمعون لغاری کے دائیں جانب

بیٹھے سردار نے پوچھا تو اس نے بامشکل سر کو ہاں

میں ہلایا۔

"یہ سچ ہے سردار سائیں۔۔وہ لڑکی شدید علیل

ہے۔۔خون بہا میں جانے کی بابت سن کر وہ اپنے

حواس کھو بیٹھی ہے۔۔اس قابل نہیں ہے کہ

نکاح کے لیے ہاں کہہ سکے۔۔!" اس عورت نے

رٹے رٹائے جملے دہرائے تو بدر کے لب پل بھر

کو پھیل کر سمٹ گئے۔

"کیا تمہارے پاس کوئی دوسرا گواہ ہے

چوہان۔۔؟؟" بدر کے پہلو میں ایک قدم پیچھے

کھڑا محمد تپر بلند آواز میں بولا۔۔بدر کی آنکھوں

میں ایک سکون کی سی کیفیت تھی۔

"اس حکیمہ کے علاوہ سارنگ ولا کا ہر ملازم اس

بات کا گواہ ہے سردار۔۔اس کے علاوہ میرے

پاس اور کوئی گواہ نہیں۔۔میں گزارش کرتا ہوں

کہ میری مجبوری کو سمجھا جائے۔۔۔!"

عبدالعزیز چوہان مکمل اداکاری سے اپنا مقدمہ لڑ

رہا تھا۔

"چونکہ تمہارے پاس تمہارے گھر کے علاوہ فقط

ایک بیرونی گواہ (حکیمہ) موجود ہے لہذا تمہارا

مقدمہ کمزور ہے چوہان۔۔یا تو تم کوئی دوسرا گواہ

پیش کرو گے یا پھر یہ پنچایت تمہارے خلاف

فیصلہ سنائے گی۔۔!" سردار شمعون لغاری کی

بھاری آواز نے اس پل چوہانیوں کے منہ پر تھپڑ

مارا تھا۔

"اگر مجھے اجازت ہو تو میں ایک گواہ پیش کرنا

چاہتا ہوں سردار۔ اس کے بعد چوہانیوں کی

مشکل بھی دور ہو جائے گی اور ہماری معزز

پنچایت کو بھی فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔!"

محمد تیر نے اعتماد بھرے مضبوط لہجے میں کہا تو

عبدالعزیز چوہان کا رنگ اڑا۔ انہیں اس آدمی

سے کوئی اچھی امید نہ تھی جو جنید خان کی موت

کے بعد بدر لغاری کے خاص آدمیوں میں شمار

ہونے لگا تھا۔

"اجازت ہے۔۔!" شمعون لغاری نے سر اثبات

میں ہلا کر کہا تو محمد تیر نے اپنے آدمیوں کو اشارہ

کیا۔ اگلے ہی لمحے وہاں ایک بڑی سے سیاہ چادر

میں چھپی عورت نمودار ہوئی تھی۔ تیر کے اشارہ

کرنے پر اس کے چہرے سے گھونگھٹ اٹھا دیا

گیا۔۔ عبدالغفور چوہان کے لیے پہچاننا مشکل

نہیں تھا، وہ سارنگ ولا کے مالی کی بہو تھی جو ایک

ماہ پہلے ہی بیاہ کر سارنگ ولا کے کوارٹرز میں آئی

تھی۔ہاں عبدالعزیز چوہان کے لیے وہ چہرہ نیا تھا

کیونکہ وہ اس دوران بیرون ملک مقیم تھے۔

"سائیں میں اس بات کی شاہد ہوں کہ آج صبح فجر

سے کچھ دیر پہلے چھوٹی بی بی گھر سے بھاگ گئی

تھیں۔۔!" سردار شمعون لغاری کی جانب دیکھتے

ہوئے اس نے اونچی آواز میں کہا تو عبدالعزیز

چوہان نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی جانب

دیکھا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔۔کون ہے یہ بدبخت

عورت۔۔۔سراسر الزام اور جھوٹ ہے۔۔

ہماری بچی بیمار ہے اور یہ کیسی خرافات بک رہی

ہے۔۔!"یوں سرعام بھانڈا پھوٹ جانے پر وہ

مشتعل ہوتے دھاڑے۔

"درمیان میں مت بولو چوہان۔۔ غور سے دیکھو

یہ لڑکی تمہارے ہی گھر کی ملازمہ ہے۔۔!" محمد

تیمر نے کھردرے لہجے میں اسے ٹوکا تھا۔ مجمعے

میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔۔اس بات پر

عبد العزیز چوہان کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ تبھی

ان کے آدمی نے ان کے کان میں سرگوشی کر

کے انہیں مطلع کیا تھا کہ وہ عورت مالی کی بہو

ہے۔۔

"تم اپنی بات جاری رکھو خاتون۔۔!" شمعون

لغاری کی طرف سے اجازت ملنے پر اس نے پھر

سے جڑے لب کھولے۔

"سردار سائیں میں صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے

لیے جاگی تھی۔۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں

نے سوچا شاید کوئی ضروری کام کے سلسلے میں

بلانے آیا ہے۔۔ دروازہ کھولا تو چھوٹی بی بی سامنے

کھڑی تھیں۔۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھتی بی

بی نے اپنے ہاتھ میں پکڑے بھاری پتھر سے

میرے سر پر وار کر دیا۔ اللہ سائیں گواہ ہے

میں امید سے ہوں اسی لیے انکا وار برداشت

نہیں ہوا۔۔ میں وہیں گر گئی سائیں۔۔ ہوش تو

تب آیا جب میرے سر کے سائیں اور سسر نے

مجھے ہلایا۔۔ اس وقت سورج چڑھ چکا تھا۔۔ میں

نے اپنے سائیں کو معاملہ بتایا تو اس نے جا ہمارے

صحن کا پچھلا دروزاہ دیکھا۔۔ وہ کھلا ہوا تھا جی

تب ہمیں معلوم ہوا کہ بی بی بھاگ گئی ہیں۔۔!!"

آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھرتی وہ وہاں

تفصیل بتاتی چلی گئی۔ اس کے ماتھے پر پڑا وہ بڑا

سا گومڑ اس کے لفظوں کی تصدیق کر رہا تھا جو

اس نے بدر اور علیشہ کو پچھلے دروازے سے نکال

دینے کے بعد خود دیوار سے سر ٹکرا کر اپنے

ماتھے کی زینت بنایا تھا۔ اس نے ایسا کیا تھا کیونکہ

وہ سردار بدر لغاری کے لیے یہ کر سکتی تھی. اس

کی اور اس کے فالج زدہ باپ کی بنا کسی مفاد کے

بے غرض مدد کرنے والا وہ شخص اس کا مسیحا

تھا۔اس کی شادی کا خرچ بھی اسی نے اٹھایا تھا

سو بعد، ازاں جب بدر کو اس کی مدد درکار ہوئی تو

اس نے بنا جھجھکے اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

اس تفصیل پر جہاں عبدالغفور چوہان کا سر

شرمندگی سے جھکا تھا وہیں عبدالعزیز چوہان نے

اپنے سر میں ہاتھ مارا۔جو معلومات حاصل کر کے

وہ علیشہ کو تلاشنے کا ارادہ رکھتے تھے وہی معلومات

پنچایت میں بڑی بے باکی سے ان کے خلاف

آکھڑی ہوئی تھیں۔۔"یہ کیا بکواس ہے

چوہان۔۔تم نے پنچایت میں کس جرات سے

جھوٹ بولا ہے۔۔؟؟" اپنی نشت سے اٹھتے

سردار شمعون لغاری دھاڑے۔عبدالغفور

چوہان نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑ لیے۔

"ہم پر رحم کریں سردار۔۔ ہمیں کچھ وقت دیں

تاکہ ہم اسے تلاش کر سکیں۔۔!"عبدالغفور

چوہان نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔۔

"بکواس بند کرو۔۔۔ ہم ایک بھاگی ہوئی لڑکی کو

ہرگز اور ہرگز خون بہا میں قبول نہیں کریں گے

اور تو اور ہمیں دھوکہ دینے کی سزا اتنی ہی سخت

ہو گی کہ آئندہ کوئی دوسرا قبیلہ یہ حماقت نہیں

کر سکے گا۔۔!" سردار شمعون لغاری کا قطعیت

بھرا جواب ان کی شان کے بالکل مطابق تھا۔

عبدالعزیز چوہان کو چپ لگ چکی تھی.،وہ لب

بھینچے سر جھکائے کھڑے تھے۔ اس، سارے

تماشے کو اطمینان سے دیکھتا بدر لغاری اپنی جگہ

سے ہلا اور مضبوط قدم اٹھاتا چبوترے سے نیچے

اتر آیا۔۔

"ہم نے تم پر رحم کیا اور فیصلہ تمہارے حق میں

دیا۔۔اب چونکہ تم ہمارے درمیان طے شدہ

معاہدے کو پورا نہیں کر سکے تو اس فیصلے میں

ترمیم کی جائے گی۔۔۔!" میدان کے بیچ و بیچ اسی

مقام پر آکر رکتا وہ سرد ترین لہجے میں بولا تھا

جہاں اس نے کل فیصلہ سنایا تھا۔ وہ کافی دیر سے

خاموش تھا کیونکہ وہ اپنے الفاظ کی ادائیگی کے

لیے اسی وقت کا منتظر تھا. اور اب جب وہ بول رہا

تھا تو سننے والا ہر شخص جانتا تھا کہ وہ چوہانیوں کی

دھجیاں اڑا دینے والا ہے۔

"صرف ایک لڑکی کی وجہ سے آپ اپنا فیصلہ

نہیں بدل سکتے سردار۔۔ ایسا مت کریں یہ

مناسب نہیں ہے۔۔!"عبدالعزیز چوہان نے سر

بلند کرتے وہ زہریلے لہجے میں کہا تو بدر کی

آنکھوں میں غضب ہلکورے لینے لگا۔

"کیا اب تم مجھے بتاؤ گے کہ میرے لیے کیا

مناسب ہے چوہان۔۔؟؟؟"اس کی آنکھوں

میں دیکھتا وہ گرجا۔مقابل کو نظر جھکانی پڑی۔۔

"بہتر ہے کہ تم اپنی اوقات میں رہو۔۔!!"

انہیں خاموش ہوتا دیکھ بدر لغاری حقارت آمیز

انداز میں بولا۔

"اب خون بہا والا معاہدہ تمام ہوا۔۔!" پشت پر

ہاتھ باندھتا وہ بولنا شروع ہوا. عبدالعزیز چوہان

کا سانس خشک ہونے لگا۔

"اب خون کے بدلے میں خون کے سوا کسی

دوسرے معاہدے کو قبول نہیں کیا جائے

گا۔۔!" اس کا لہجہ اسی کی مانند سفاک تھا۔

"میں سردار شمس البدر لغاری۔۔بغیر کسی لچک

کے خون کے بدلے خون کا فیصلہ سناتا

ہوں۔۔۔!" سیاہ آنکھوں سے مجمعے میں نظر

دوڑاتا وہ بھاری آواز میں بولا تو عبدالعزیز چوہان

کو اپنی دنیا اندھیر ہوتی محسوس ہوئی۔۔

"ایسا مت کریں۔۔ خدا کے واسطے ایسا مت

کریں میں اپنی ساری جائیداد آپ کے حوالے

کرنے کو تیار ہوں لیکن میرے بیٹے کو بخش دیں

اس سے غلطی ہو گئی۔۔ سردار میں آپ کے

پاؤں پڑتا ہوں۔۔!" اس کے سامنے ہاتھ

جوڑتے عبدالعزیز چوہان گڑگڑائے۔ عبدالغفور

چوہان نے آگے بڑھ کر انھیں تھاما کہ ان سے

کچھ بعید نہ تھی کہ وہ اس کے پاؤں ہی پکڑ لیتے جو

پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ اس کے فیصلے میں کوئی رد و

بدل ممکن نہیں۔۔

"" اگلے دو دن کے اندر اندر تم اپنے بیٹے کو

ہمارے حوالے کرو گے ورنہ اس سے اگلے دو

دنوں میں، سردار شمس البدر لغاری خود اسے تم

سے چھین لے گا۔۔۔!" ہاتھ کی مٹھی بھینچ کر

اس کے مقابل کرتا وہ بلند آواز میں غرایا۔ اس

کے جواب نے عبدالعزیز چوہان کو بے دم کر دیا

تھا۔ اگر وہ کہہ رہا تھا کہ وہ سارنگ کو چھین لے گا

تو وہاں موجود ہر شخص جانتا تھا کہ وہ ایسا کرنے کی

طاقت رکھتا ہے۔۔

"مزید یہ کہ جو دھوکہ تم نے ہمارے ساتھ

کرنے کی کوشش کی ہے اس کے جرم میں تم اپنی

نو ملازمائیں ہمارے حوالے کرو گے ورنہ دیگر

صورت تین مربعہ زمین ہمارے حوالے کرنا

ہو گی۔۔!!" اس کے اگلے فیصلے پر سرداران دل

ہی دل میں اس پر عش عش کر اٹھے تھے۔ لڑکی

ہاتھ سے جا چکی تھی لیکن وہ باقی کی خواتین ہاتھ

سے نکلنے نہیں دے رہا تھا۔

"اور حکیمہ خاتون تم۔۔۔ تمہیں تمہارے

خاندان سمیت اس سرزمین سے دفعان کیا جاتا

ہے۔۔ اگر آئندہ تم یا تمہارے خاندان کا کوئی

فرد تھر کی حدود میں نظر آیا تو میں تمہیں وہ سزا

دوں گا جس سے تمہاری سات نسلیں تباہ ہو

جائیں گی۔۔۔!" زمین پر جھکی بیٹھی حکیمہ کو سرد

نظروں سے دیکھتے ہوئے بدر نے اس کے حق

میں بھی فیصلہ سنا دیا تھا۔ عبدالعزیز چوہان رحم

کی بھیک مانگنے لگے جسے ان سنی کرتا وہ سردار

شمعون لغاری کی طرف پلٹا۔ آنکھوں سے ان

سے اجازت طلب کی تھی۔ ان کے سر ہلاتے ہی

وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ آج پھر مسلحہ افراد نے

اس کا پیچھا کیا تھا۔۔ مجمعے میں شور بڑھ چکا تھا۔۔

چوہانی باقاعدہ بین کر رہے تھے مگر فیصلہ ہو چکا

تھا جس میں اب ترمیم کی کوئی گنجائش باقی نہیں

رہی تھی۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

درختوں کے پیچھے سے جھانکتا چاند آسمان کی

سیاہی میں ایک پر کشش سی زرد میٹھی روشنی بکھیر

رہا تھا۔۔ سیاہ تارکول پر فراٹے بھرتی اس کی

گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ اس

کی سرمئی آنکھیں اس پل انگارہ ہو رہی تھیں۔

تفکر کی لکیریں اس کی پیشانی کا احاطہ کیے اس کے

اندرونی انتشار کا پتہ دے رہی تھیں۔ آسمان پر

چمکتا چاند اور درختوں کے پتوں کو چھوتی سبک

خرام ہوا اس کی گاڑی کے شیشوں سے ٹکراتی

واپس پلٹ رہی تھی۔اے-سی کی کولنگ کے

باوجود وہ خود کو آگ کی بھٹی میں جلتا محسوس کر

رہا تھا۔وہ تقریباً گیارہ بجے کے قریب اپنے فلیٹ

پہنچا تھا۔گاڑی گیراج میں پارک کر کے وہ سیدھا

فلیٹ کے اندر آیا تھا۔لاؤنج میں داخل ہوتے ہی

اس کی نظر سبحانی پر پڑی جو صوفے کی پشت پر

سر گرائے لیٹنے کے سے انداز میں بیٹھا شاید اسی

کا منتظر تھا۔اسے آتے دیکھ وہ فوراً کھڑا ہوا۔

"کیوں آئے ہو یہاں۔۔؟؟" وہ سخت لہجے میں

بولا۔

"بھائی۔۔ آپ ابھی تک ناراض ہیں۔۔؟؟" اس

کے قریب آتا سبحانی مدھم لہجے میں بولا۔

"میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا سبحانی یہاں

سے نکلو۔۔!" اس پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے

منصب نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے

کہا۔۔

"میں شام سات بجے سے آپکا ویٹ کر رہا ہوں

اب تو بس سونے ہی والا تھا۔۔!" اس کی بات

نظر انداز کرتا وہ اسے انتظار کی طویل گھڑیوں کی

بابت بتانے لگا۔

"تمہیں سمجھ نہیں آرہی کہ میں کیا کہہ رہا

ہوں۔۔ نکلو یہاں سے اور ہاسٹل جا کر اپنی نیندیں

پوری کرو۔۔!" منصب نے ایک ایک لفظ چبا چبا

کر کہا۔

"آپ آدھی رات کو مجھے کیسے نکال سکتے ہیں

بھائی۔۔؟ آپ جانتے ہیں میں اس ٹائم اکیلا نہیں

جا سکتا۔۔۔ ایک بار جس حادثے سے بچ چکا ہوں

آپ چاہتے ہیں دوبارہ اسی سے۔۔۔!"

"شٹ اپ۔۔ جسٹ شٹ۔۔۔!" اس کی بات

درمیان میں کاٹتا منصب بری طرح چلایا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ اتنا فضول سوچ

بھی کیسے سکتے ہو تم۔۔۔!" اسے پیچھے دھکا دیتا وہ

اس پر برہم ہوا۔

"اگر آئندہ تم نے اس طرح کی بکواس کی تو میں

تمہارا منہ توڑ دوں گا سجانی۔۔۔ آئی سوئیر میں

ایسا کروں گا۔۔" اس کی شرٹ کا کالر مٹھیوں

میں دبوچ کر اسے جھنجھوڑتا وہ غرایا۔ اس کی

محبت پر سجانی کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"آپ نے آج مجھے مارا۔۔ اٹ واز ہرٹنگ۔۔

لیکن میں اس خوف سے نہیں سو سکتا کہ آپ مجھ

سے ناراض ہیں۔۔ نہیں سو سکتا بھائی۔۔!" اس

کی جانب دیکھتا وہ بے حد مدھم آواز میں بولا تو

منصب نے آہستگی سے اس کا کالر چھوڑ دیا۔

"تم نے آج اُسے موت کے قریب پہنچایا جس

کے لیے میں جیتا ہوں سجانی۔۔ اگر آج اسے کچھ

ہو جاتا تو میں اگلی سانس نہ لے پاتا یہ جان لو

تم۔۔۔!" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے منصب نے جھلستے

ہوئے لہجے میں اپنے دل کا حال اس پر آشکار کیا

تھا۔ سبحانی پل بھر کو کچھ بول نہ سکا۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ وہ آپ کی "وہ" ہے۔۔!"

بھیگی ہوئی آواز میں کہتا وہ منصب کو معصوم لگا۔

"لیکن تمہیں اتنا پتہ ہونا چاہئیے تھا کہ وہ ایک

لڑکی ہے سجانی۔۔وہ غلطیاں مت کرو جن کے

پچھتاوؤں نے آج مجھے بے کل کر رکھا ہے۔۔

خود کو منصب عالم شاہ مت بناؤ یار۔۔منصب عالم

شاہ بہت برا ہے۔۔بدترین ہے۔۔خود کو مجھ جیسا

مت بناؤ۔۔!!" اس کی طرف نرم نگاہوں سے

دیکھ کر کہتے ہوئے اس کی آواز بھاری ہو گئی۔

سرخ آنکھون کی پلکوں پر نمی چمکنے لگی۔اس کے

لفظوں نے سجانی کو پل میں بے چین کیا تھا۔

"ایسا مت کہیں بھائی۔۔ آپ برے نہیں

ہیں۔۔۔ بالکل نہیں ہیں۔۔!" اس کے گال پیار

سے چھوتے ہوئے ہوئے وہ تڑپ کر بولا۔

"آپ تو دنیا کے بیسٹ مین ہیں یار۔۔ آپ جیسا تو

کوئی بھی نہیں خود کو برا کہہ کر مجھے بے جان نہ

کریں۔۔۔!" اس کے گلے لگ کر کہتا وہ رو پڑا۔۔

"آئندہ ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا۔۔ لڑکیوں

سے دوستی بھی ختم کر دوں گا، کسی لڑکی کو ٹیز بھی

نہیں کروں گا لیکن آئندہ ایسا مت کہیے گا

بھائی۔۔ آپ تو میری جان ہیں خود کو برا نہ کہیں

پلیز۔۔۔!" بھیگی آواز میں کہتا وہ اس پل چھوٹا سا

بچہ لگ رہا تھا۔ منصب نے بے اختیار اس کے

گرد اپنے بازوؤں کا حصار بنا کر اس کی پیٹھ کو تھپکا۔

"یوں بچوں کی طرح روؤ گے تو میں کیسے کچھ

کہوں گا یار۔۔؟ خبردار اگر اب ایک بھی آنسو

بہایا تو تمہاری پکچر بنا کر سوشل میڈیا پر اپلوڈ

کر دوں گا۔۔ پھر دیتے رہنا اپنی گرل فرینڈز کو

وضاحتیں۔۔!" اس کے بال پیار سے سہلاتے

ہوئے منصب نے نرمی سے کہا تو اپنی آنکھیں

رگڑتا وہ اس سے الگ ہوا۔

"ہاں تو کردیں اپلوڈ۔۔ کہہ دوں گا کہ اپنے بھائی

کو منانے کے لیے تھوڑی سا اموشنل ہو گیا

تھا۔۔اب بھائیوں کی محبت میں اتنا تو چلتا ہی

ہے۔۔!" ہولے سے مسکراتے ہوئے اس نے

مکمل اعتماد سے کہا تو ناچاہتے ہوئے وہ بھی مسکرا

دیا۔

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ گرل فرینڈز کو چھوڑ

دو گے۔۔؟" منصب نے اس کے بال کھینچے۔

"آئی سوئیر چھوڑ دوں گا۔۔!" اس بار سجانی

سنجیدہ ہوا تھا۔

"اچھا چلو اس بارے میں پھر بات کریں گے یہ

بتاؤ کہ سات بجے سے صرف انتظار ہی کیا ہے یا

کچھ کھایا بھی ہے۔؟؟" اس کا کندھا تھپکتے ہوئے

منصب نے نرمی سے پوچھا۔۔

"کچھ پکانا ہی نہیں آتا یار۔۔ پکاتا تو کھاتا

ناں۔۔!" سجانی کو اپنے خالی پیٹ کا احساس ہوا تو

دہائی دینے والے انداز میں بولا۔

"ہاں یار سال بعد تو ادھر گھسا ہوں آج۔۔ کچھ

لایا ہی نہیں۔۔ خیر تم بیٹھو میں کچھ آرڈر کر دیتا

ہوں۔۔!" جینز کی جیب سے موبائل نکالتا

منصب مصروف سے انداز میں بولا تو اس کی

جانب دیکھتے سبحانی کی آنکھیں مسکائیں۔ اگلے ہی

پل وہ اس کی پشت سے چپکا تھا۔۔

"بھائی اب آپ ناراض تو نہیں ہیں ناں۔۔؟؟"

بڑے پیار سے پوچھا گیا تھا۔

"بالکل نہیں۔۔۔!" منصب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تھینک یو بھائی۔۔لو یو سو مچ۔۔۔!" اس کا گال

چومتا وہ خوشی سے بولا۔

"لو یو مینی مور ایڈیٹ۔۔!" اس کا کان کھینچتے

ہوئے منصب نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کھل

کر ہنسا۔

"چلیں اب جلدی سے آرڈر کریں خالی خولی

محبتوں سے پیٹ نہیں بھرتا۔۔!" وہ چٹکلا

چھوڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔ جواباً منصب نے

اسے مارنے کے لیے کسی چیز کی تلاش میں یہاں

وہاں نظریں دوڑائیں۔ وہ فوراً وہاں سے بھاگا تھا۔

پیچھے وہ اپنا قہقہہ دبانے کی کوشش کرتا نفی میں سر

ہلا گیا۔۔

□♦□♦□♦□♦□♦

آسمان پر چمکتے چاند کو تکتی اس کی بھوری آنکھوں

کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ خشک ہونٹوں پر بار بار

زبان پھیرتی وہ انہیں تر رکھنے کی ناکام کوشش کر

رہی تھی۔ بھوک کی شدت برداشت کرنے کی

لنگڑی کوششیں کرتا اس کا معدہ اس پل سوکھ چکا

تھا۔ فارم ہاؤس کی عمارت سے ٹیک لگائے بیٹھی وہ

بے بس نگاہوں سے مسلسل آسمان کو تکے چلی

جارہی تھی۔ اس نے دن میں بارہا گرل تک جا کر

گیٹ پر بیٹھے چوکیداروں کو پکارا تھا لیکن وہ

اندھے بہرے اور گونگے معلوم ہوتے تھے۔

اس کی طرف دیکھنا تو درکنار انھوں نے آپس

میں بھی اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کی

تھی۔ تھک ہار کر وہ واپس فارم ہاؤس کے اندر

آئی تھی۔پانی کی تلاش میں اس نے ایک نہیں،

دو نہیں تین چار بار پورا فارم ہاؤس چھان مارا تھا

لیکن ناکام۔۔اسے پینے کو پانی کی ایک بوند نہ ملی

تھی۔۔شام ڈھلتے ہی گیٹ پر بیٹھے چوکیدار

جانے کہاں روپوش ہو گئے تھے لیکن جاتے

جاتے وہ پنجرے میں قید چیتوں کو آزاد کر کر گئے

تھے جو اب بڑی شان سے گرل کے اس پار ٹہل

رہے تھے۔۔رات گہری سے گہری ہوتی چلی جا

رہی تھی۔پورے فارم ہاؤس کی عمارت اس پل

اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔کچھ گرمی کی

شدت اور نڈر ہونے کے باوجود یہ خوف ہی تھا

جس کے باعث شام کے بعد اس نے عمارت کے

اندر جانے کی حماقت نہیں کی تھی۔۔اس

اندھیرے کی جاگیر میں فقط اس کی آنکھیں تھیں

جو چاند کی مدھم روشنی میں جگ مگ کر رہی

تھیں۔ بھوک اور پیاس نے جو حال اس کا کر رکھا

تھا اس سے علیشہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ صبح تک

مر جائے گی۔ چیتوں کی تیز تو کبھی مدھم غراہٹ

اس سناٹے میں عجیب سی ہیبت پیدا کر رہی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ رات کا کون سا پہر تھا لیکن

آخر کمزوری اور نقاہت کے باعث اس کی آنکھ

لگ ہی گئی۔ ابھی اسے اونگھتے ہوئے کچھ دیر ہی

گزری تھی جب گیٹ کھلنے کی آواز پر اس کے

حواس کچھ بیدار ہوئے۔ سامنے سے آتی گاڑی

کی روشنیاں سیدھا اس کی آنکھوں میں پڑ رہی

تھیں۔علیشہ نے ہمت کر کے دیوار سے ٹیک

چھوڑی۔سیاہ لینڈ کروزر مناسب رفتار سے گرل

کی جانب آرہی تھی۔گیٹ پھر سے بند ہو چکا تھا۔

گاڑی جیسے ہی گرل کے قریب آئی جانے کہاں

سے وہی دو چوکیدار نکلے اور انھوں نے گرل

کھول دی۔ گاڑی کے گرل والی سرحد پار کرتے

ہی پورا فارم ہاؤس روشنیوں میں نہا گیا۔

اندھیرے سے مانوس علیشہ کی آنکھوں کو تکلیف

محسوس ہوئی تو اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے

ہاتھ رکھ لیا۔ دل کی دھڑکنیں سست رفتاری سے

دھڑک رہی تھیں۔یوں جیسے وہ دل ان کا بوجھ

اٹھانے سے قاصر ہو۔گاڑی سے نکل کر اپنا

موبائل ہاتھ میں لیتا وہ مضبوط چال چلتا اس کی

جانب آرہا تھا۔علیشہ نے ہاتھ آنکھوں سے ہٹا کر

اس کی جانب دیکھا۔وہ وہی تھا۔مغرور،بے

نیاز، چھا جانے والی شخصیت کا حامل ایک سفاک

انسان۔۔علیشہ کی آنکھیں جل اٹھیں۔گھٹنوں پر

ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے اٹھنے کی کوشش کی

لیکن کمزوری کے باعث لڑکھڑا گئی۔۔مقابل نے

اسے سہارا دینے کی کوشش ہرگز نہیں کی تھی۔

"تو پھر کیسا رہا پہلا دن۔۔؟؟" جینز کی جیبوں

میں ہاتھ پھنساتے ہوئے وہ بے تاثر لہجے میں پوچھ

رہا تھا۔ علیشہ نے چہرہ اونچا کر کے اس کی جانب

دیکھا۔ وہ اس پل چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کے

لیے تو بولنا بھی محال تھا۔ آواز ساتھ دینے سے

انکاری تھی۔اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کرتی وہ اس

کے مقابل کھڑی ہوئی۔

"اپنی تمام۔۔۔تر۔۔۔بد صورتیوں کے

باوجود۔۔یہ ایک شکست خوردہ دن تھا۔۔یہ مجھ

سے جیت نہیں سکا۔۔دیکھیں،میں آپ کے

سامنے صحیح سلامت کھڑی۔۔ ہوں بدر

لغاری۔۔!!" اس کے حلق سے نکلتی آواز بیٹھی

ہوئی تھی۔ سوجن زدہ بھوری آنکھیں اس کے

بہت سارو چکنے کی غمازی کر رہی تھیں۔ بدر کو

احساس ہوا کہ اس نے آج سے پہلے مقابل کھڑی

لڑکی کو اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا۔

"تمہارے الفاظ مضبوط ہیں لیکن کمزور لہجہ

تمہاری شکست کی گواہی دے رہا ہے علیشہ

چوہان۔۔ خود کو نہ تھکاؤ، تھوڑا گڑ گڑا لو۔ ہاتھ

جوڑلو۔۔ بھیک مانگ لو۔۔ شاید میں تم پر رحم کر

کے تمہیں اتنا پانی دے دوں کہ تم مجھ سے

مضبوط لہجے میں بحث ہی کر سکو۔۔!" پرسکون

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا وہ ٹھنڈے ٹھار

لہجے میں بولا تو علیشہ کو اس پر کسی پتھر کا گمان

ہوا۔

اس قدر سنگدل۔۔۔؟

اس حد تک ظالم۔۔۔؟؟

علیشہ نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔

"بھیک۔۔؟؟ اور گڑگڑاہٹ کی توقع مجھ سے

مت رکھیے۔۔ یہ دو کام علیشہ چوہان مر کر بھی

نہیں کر سکتی۔۔!" نفرت سے اس کی جانب تکتی

وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔ آنکھیں نا چاہتے ہوئے

بھی بھیگنے لگیں۔

"کچھ کام موت سے پہلے ہی کرنے پڑتے ہیں اور

میں ایسے کام کروانے کا عادی ہوں۔۔یقیناً تم

بھی کرو گی۔۔!" بدر کا جواب علیشہ کے اندر

آگ لگا گیا تھا۔وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔اندر کی

جانب بڑھ گیا۔اپنا ضبط کھوتی وہ اس پر جھپٹی۔

Email : aatish2kx@gmail.com Whatsapp : 03335586927

"یہ جو خدا سمجھتے ہیں ناں آپ خود کو بدر

لغاری۔۔ ایک دن ایسا منہ کے بل گریں گے کہ

خدائی یاد آجائے گی آپ کو۔۔!" اسے دھکا

دینے کی کوشش کرتی وہ پوری قوت سے چیخی

تھی۔ ایسا کرنے کی کوشش میں علیشہ کو اپنے گلے

میں خراشیں پڑتی محسوس ہوئیں۔بدر نے پلٹ

کر اس کے چلتے ہاتھ روکنے کو اپنی مٹھیوں میں

جکڑ لیے۔سرد نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"مجھے عورت پر ہاتھ اٹھانے والے مرد اچھے

نہیں لگتے لیکن مرد پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش

کرنے والی عورتیں زہر لگتی ہیں۔۔اس لیے

آئندہ مجھ پر ہاتھ مت اٹھانا کیونکہ میں نہیں چاہتا

کہ تم مجھے زہر لگو۔۔!" اسے جھنجھوڑتا وہ

سرد مہری سے بولا۔۔اسے تکتی علیشہ کا سر چکرا

سا گیا۔

"تو پہلے کون سا۔۔ شش۔۔ شہد لگتی ہوں آپ

کو۔۔!" اس کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑوانے

کی کوشش کرتی وہ بپھری۔ یک دم اس کا دماغ

سن ہوا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا

گیا۔ اگلے ہی پل وہ اس کے بازوؤں میں جھول

گئی۔ بند ہوتی آنکھوں سے نکلتے آنسو بدر کی

نگاہوں سے مخفی نہیں رہے تھے۔ اس نے لب

بھینچتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا پھر

اسے دیکھتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

"یہی تو مسئلہ ہے کہ شہد لگتی ہو۔۔ورنہ آج تم

اس حال میں نہ ہوتیں۔۔!"اس کی بند پلکوں جو

تکتا وہ مدھم سلگتے ہوئے لہجے میں بولا۔سیاہ

آنکھوں میں اذیت ہلکورے لے رہی تھی۔۔

□♦□♦□♦□♦

چڑھتا سورج وسیع آسمان کو گلال بھری سرخی

سے گرد آلود کیے ہوئے تھا۔ کرنوں کا سنہری

پن شہر کراچی کی سڑکوں پر ایک روشن سویرا

بکھیر رہا تھا۔ ایسے میں وہ ناشتے کے بعد سجانی کی

اس کی یونیورسٹی ڈراپ کر کے سیدھا عمیر کے

پاس آیا تھا۔۔۔اسے علیشہ کی گمشدگی کی بابت

بتا کر اس کی تلاش کا تقاضا کیا تھا۔

"حیرت ہے۔۔ تیری بہن گھر سے بھاگی ہے اور

تُو بجائے غصہ کرنے کے اس کے لیے فکر مند

ہو رہا ہے۔۔؟؟" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے

عمیر نے سنجیدگی سے کہا تو منصب نے خاموش

نگاہوں سے اسے گھورا۔۔

"ہاں کیونکہ میں جاہل نہیں ہوں۔۔مجھے پتہ ہے

کہ اس نے کس وجہ سے یہ قدم اٹھایا ہے۔۔مجھے

اندازہ ہے کہ وہ اس وقت کس ذہنی اذیت میں

مبتلا ہو گی۔۔اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اس نے

اپنے لیے کسی محفوظ مقام کو چنا ہو گا۔۔!"

منصب نے کافی سنجیدگی سے اسے جواب دیا۔

"تو پھر تُو کیوں اس کے لیے پریشان ہے۔۔؟؟"

عمیر نے آہستگی سے پوچھا۔

"کیونکہ میں نہیں جانتا کہ وہ مقام کون سا ہے

جسے اس نے اپنے لیے چنا ہے۔۔ اور اگر وہ وہاں

محفوظ بھی ہے تو مجھے ڈر ہے کہ زیادہ عرصہ محفوظ

نہیں رہے گی۔۔ اگر ماموں کے آدمیوں نے

اسے ڈھونڈ لیا تو وہ اسے مار دیں گے۔۔ میں ان

سے پہلے اس تک پہنچنا چاہتا ہوں۔۔!" ان کے

درمیان رکھی میز پر پڑا پیپر ویٹ گھماتے ہوئے

منصب نے مدھم آواز میں کہا۔

"ہمم۔۔۔ میں پتہ کرنے کی کوشش کرتا

ہوں۔۔ مجھے اس کا موبائل نمبر دے دو۔ اس

کے موبائل ڈیٹا سے ہی کوئی کلیو مل سکتا ہے۔!"

عمیر نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا تو اسے

نمبر دینے کے لیے منصب نے اپنا موبائل میز

سے اٹھایا۔ تبھی عمیر کے موبائل کی گھنٹی بجی

تھی۔اس نے سکرین پر نظر ڈالی۔ایس-پی کی

کال تھی۔عمیر نے بھنویں اچکائیں۔

"لو جی کوئی بڑا آرڈر ملنے والا ہے۔۔ایس۔پی

صاحب کی کال ہے۔۔!"عمیر نے غیر سنجیدگی

سے کہتے ہوئے کال ریسیو کرلی۔

"یس سر۔۔ڈی۔ایس۔پی عمیر سپیکنگ۔۔!"

اس نے کافی ادب سے دوسری جانب موجود

شخص کو مخاطب کیا تھا۔بدلے میں ایس۔پی جن

الفاظ میں اسے جواب دیا تھا اس پر عمیر کی

آنکھوں میں چمکتی شوخی ہوا ہوئی تھی۔

"سر۔۔۔۔ سر آپ۔۔۔ کو کوئی غلط فہمی ہوئی

ہے۔۔!" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔۔

"شٹ اپ۔۔۔!" دوسری جانب سے دھاڑ نما

شٹ اپ اتنا شدید تھا کہ منصب کو بھی سنائی دیا

تھا۔ وہ ٹیک چھوڑتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ آنکھ کے

اشارے سے 'سب صحیح تو ہے؟' پوچھا تھا لیکن

عمیر کی پھیکی پڑتی رنگت بتا رہی تھی کہ کچھ صحیح

نہیں ہے۔ عمیر نے مزید صفائیاں پیش کرنے کی

کوشش کی لیکن دوسری جانب سے کال کاٹ دی

گئی تھی۔

"عمیر کیا ہوا ہے۔۔؟؟سب ٹھیک تو

ہے۔۔؟؟" منصب نے پوچھا تو عمیر نے عجلت

میں نفی میں سر ہلایا۔اس کی انگلیاں بہت تیزی

سے موبائل کی سکرین پر حرکت کر رہی تھیں۔

جیسے جیسے وہ مختلف سوشل میڈیا ایپس کھول رہا

تھا اس کی رنگت اڑتی جارہی تھی۔

"عمیر کچھ بھونکے گا۔۔؟؟" منصب اس پر

چیخا۔ایک ہاتھ سے موبائل چلاتا عمیر دوسرے

ہاتھ سے اپنے بال مٹھی میں جکڑ چکا تھا۔

"عمیر میں کیا پوچھ رہا ہوں۔۔!" منصب کو کرسی

چھوڑ کر کھڑا ہونا پڑا۔۔

"کیا بتاؤں یار۔۔۔سب تباہ ہو گیا ہے۔۔کیا

بکواس کروں میں۔۔!" اپنا موبائل میز پر پھینکنے

سے انداز میں رکھتے ہوئے عمیر اس سے بلند

آواز میں چیخا۔ منصب نے سرعت سے موبائل

تھام کر نظروں کے سامنے کیا جس کی سکرین پر

چلنے والی ویڈیو نے منصب کے ہوش اڑا دیے

تھے۔۔وہ بے یقین سا کھڑا ایک ٹک سکرین پر

چلتی وہ ویڈیو دیکھتا رہ گیا جسے بنانے والا وہ خود تھا۔

مہرماہ کے ساتھ اس کے وجود کی دھجیاں بکھیرتے

اس کے تینوں دوست اس ویڈیو میں پیش پیش

تھے۔ منصب کو فضا میں آکسیجن کی کمی محسوس

ہوئی۔ دم گھٹنے لگا تھا۔

"یہ۔۔۔کک۔۔۔کس نے کیا۔۔۔؟؟" اسے

پوچھنے میں دشواری ہوئی تھی۔

"صارم اور عبداللہ کے سوا اور کون کر سکتا

ہے۔۔۔؟؟ سالوں نے کوئی ایپ نہیں

چھوڑی۔۔ ہر سوشل میڈیا پر دس دس پیجز پر

پوسٹ کی گئی ہے اور فردر جانے کتنے ہزار یوزرز

نے اس ویڈیو کو شئیر کیا ہے مون۔۔۔میری

جاب چلی جائے گی یار اور۔۔۔!" وہ غصے میں پتہ

نہیں کیا کیا بول رہا تھا لیکن منصب کا دماغ کچھ

بھی سمجھنے سے قاصر ہو رہا تھا۔ اسے ایک ہی فکر

تھی۔۔ ایک ہی اذیت۔۔

"ماہی۔۔۔۔!" اسکے لب دھیرے سے ہلے

تھے۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆